Copied 4m web

دل، دیا، دہلیز

رفعت سراج

9-4-2008

9-4-2008

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اس دنیا میں ہر متحرک انسانی وجود ایک کہانی ہے۔

دل" دیا" دہلیز کو ایک آئیڈیل "لوا شوری" کا سرٹیفکیٹ (قارئین کی طرف سے) ایشو ہوا۔ 48 ماہ تک یہ ناول قسط وار شائع ہوا۔

اس دوران مجھ سے اس کے نام کے معنی و مقصد دریافت کیا جاتا رہا۔۔۔۔

جہاں دل ہے وہاں انتظار کی کیفیت سے گزرنا اس کی قسمت ہے۔۔۔ دل۔۔۔ کھلنے کا انتظار دہلیز پر ساعت ٹھہری رہتی ہے۔۔۔ کسی کے قدموں کی آہٹ پر کان لگے رہتے ہیں دہلیز پر جلتا ہوا دیا اس بات کا غماز ہے کہ اندر کوئی جاگ رہا ہے۔ اندھیری دہلیز سے تو یہ خوشہ ہے آنے والا یہ سمجھ کر واپس نہ پلٹ جائے کہ انتظار کرنے والے سو چکے ہیں۔

محبت کو اندیشے وہم گھیرے رہتے ہیں۔۔۔ ہر آن کوئی تسلی کی تھپکی چاہتے ہوتی ہے جلتا ہوا دیا۔۔۔ اندیشوں میں سہارا ہے۔۔۔ کہیں دور سے آنے والے کیلئے خوش اُمیدی کی کرن ہے۔۔۔ اس کی روشنی میں وصال کی آس ہے۔

یہ دل کی کہانی ہے۔ دل والوں کی کہانی ہے۔ پھول کھلنے کی کہانی ہے۔ آگ لگنے کی کہانی ہے وہ آگ جو دل میں سلگتی رہے تو محبت کہلائے۔

بھڑک اُٹھے تو سب کچھ بھسم کر ڈالے۔ اس آگ کا نام ہے۔ حسد انتقام

یہ وہ جذباتی کیفیات ہیں جو ازل سے انسان کو زنجیر کرتی آ رہی ہیں
انسانوں کے ہونا اور رونے بناتی ہیں ... جن سے واقعات جنم لیتے ہیں جن کو مرتب کر دیں
تو کہانی کہلائے بے ترتیب رہنے دیں تو صرف مسائل کا انبار ہوں۔

میں نے دل کی کہانی لکھی ہے ...

دل والوں نے بڑے پیار سے پڑھی ہے اور انشاء اللہ پڑھتے رہیں گے ...

جزیشن خواہ کوئی ہو۔

دل تو سب کا ہے
سب کے پاس ہے
اس خوف سے کہ
آنے والا اندھیرا دیکھ کر
پلٹ نہ جائے.....
بے وفائی کے اندیشوں کے
گھنے جنگل میں بھٹک جائے
دل کی دہلیز پہ
اک دیا جلا رکھا ہے

copied from web

آپ کی
نفیسہ

وے ہول سانول وے ہول سانول
نہ روئیں سانوں نہ روئیں سانوں
دیکھیں کٹھیاں وے روگ نہ ہو نہ روئیں سانوں
اگھڑی اے دا دل روگ نہ لہندیاں۔ سانوں سمجھاں
تیرا اکھوا بڑا سوہنا بیٹھوں سلیاں کوہ یاں۔

"روشی آپا۔ آپ کو بابا صاحب بلا رہے ہیں"۔ خادمہ اس کے کان میں بولی تھی۔

ڈھول کی تھاپ یکدم رک گئی۔ اور اس کی سانس بھی۔

"لائبریری میں ہیں؟"۔ وہ کہہ کر دبوٹ کی طرح نکل گئی۔

روشی نے اپنے چاروں طرف بیٹھی ہوئی لڑکیوں کو اس طرح دیکھا جیسے ان میں سے کوئی آنے والے وقت کی پیشوائی کرے گی۔

وہ بدقت تمام اٹھی اور ڈرے ڈرے انداز میں چلتی لائبریری کے دروازے پر آ کر رک گئی اور بہت مشکل سے ہلکے دستک دی۔

"آ جاؤ"۔ بابا صاحب کی خشک اور بے تاثر آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ اندر داخل ہوئی۔ بڑی لائبریری میں۔ بابا صاحب نے کتاب چہرے کے سامنے کی ہوئی تھی۔ اور روشی کو جیسے یہ پردہ نشست خود ایک اعصابی درمیان میں حائل پا کر جیسے اس کے خوف میں کمی واقع ہو رہی تھی۔

"ڈھول کون بجا رہا تھا؟"۔ بابا صاحب کی سرد آواز سے جیسے وہ برف ہونے لگا۔

''مم ـــ میں ـــ بھاری تھی بابا صاحب''۔

''کیوں؟''۔

''ظفری بھائی کی شادی جو ہے'' اس نے بمشکل تھوک نگلا۔

''اور یہ شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے؟'' لہجہ ہنوز پتھریلا تھا۔

روشی نے حیران نظروں سے انہیں دیکھا۔

''جھومر کے ساتھ بابا صاحب''۔ اس کے لہجے میں الجھن تھی۔

''جھومر کون ہے؟'' وہ برہمی سے پوچھ رہے تھے۔

اللہ۔ (معاملہ کیا ہے آخر؟) اب خوف کی جگہ پریشانی نے لے لی۔

''کاکا جان کے شوفر عنایت علی کی بیٹی ہے بابا صاحب''۔ اس نے اس بار قدرے سنبھل کر جواب دیا۔

''بے وقوف لڑکی۔ یہ بات جو چند افراد کے علاوہ کسی کو پتا نہیں۔ تم ڈھول پیٹ کر گویا اعلان کی صورت بتا رہی ہو''۔ وہ گرجے۔

روشی کی تو ٹانگیں کانپنے لگیں۔

''بابا صاحب! باہر کی تو کوئی بھی لڑکی نہیں ہے۔ ہماری تینوں چاروں نوکرانیاں ہیں اور میں۔ زری آپا' مونا باجی' گلو آپا' حنا' ثانیہ' لالی' روبی' مریم' شنو آپا' بیہ' سونی۔ کوئی بھی تو نہیں گا رہا تھا۔ تو''۔

''اس لئے کہ وہ تمہاری طرح بے وقوف اور کم عقل نہیں ہیں۔ اور تمہارا اس قدر حرج ہو رہا تھا کہ خادماؤں کو لیکر بیٹھ گئیں''۔

ان کی پرجلال آواز پر روشی کی رہی سہی طاقت بھی جواب دے گئی۔

''جو وقت کالج میں اور تصویریں بنانے میں گزارتی ہو' گنواتی ہو۔ کسی سمجھدار لڑکی کے ساتھ گھر میں معروف رہا کرو۔ شاید تھوڑی بہت عقل آجائے''۔

بڑی زبردست لتاڑ تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ مگر بابا صاحب کو چہرے دیکھنے کی نہ عادت تھی نہ فرصت۔

''جاؤ۔ اور آئندہ دھیان رکھنا۔ جو کچھ آج ہوا اس پر غور کرنا۔ غور و فکر کرنے سے بھی عقل میں اضافہ ہوتا ہے''۔

کس قدر کاٹ تھی اس جملے میں

اتنی سخت ست پر اس کا دل چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر روئے۔

وہ نیم تاریک راہداری میں نکل آئی۔ کس جوش و ولولے سے وہ گا رہی تھی۔ کیا بے چارے ظفری بھائی انسان نہیں؟ کیا ان کا دل نہیں؟ کتنے پتھر ہیں بابا صاحب۔ میں نے تو کلو کو بھیجا ہوا تھا کہ وہ ظفری بھائی کو بلا لائے۔ وہ کتنا خوش ہوں گے۔ ہائے۔ کاش بچپن میں انہیں خرکارا اٹھا کر لے جاتے۔ کم از کم ان کی شادی پر سارے بیگار کیمپ میں شادی والی رونق تو ہوتی۔

روشی نے اپنی سمجھ عقل کے مطابق تسلی کی۔

''ادھر اندھیرے میں کہاں جا رہی ہیں؟'' وہ کیچڑ سوچوں میں غلطاں تھی۔ اچانک آواز پر جیسے اچھل پڑی۔

''جہنم میں بھی جا رہی ہوں تو۔ تم سے مطلب؟'' وہ بھوکی شیرنی کی طرح غرائی۔

''میں تو پوچھ رہا تھا۔ وہ خفیف سا ہو کر گویا ہوا تھا۔

''کس قدر شوق ہے تمہیں پوچھنے کا۔ کسی روز تمہیں پوچھ لیا ناں تو پتہ لگ جائے گا''۔ وہ غصہ کرتی جیسے اس کی جان

دوڑی۔

''ارے ہم تو عاجز ہیں بالکل آپ کے نوکر جیسے۔ رہنے دیجئے۔ کیوں بلاوجہ اپنی انرجی ضائع کرتی ہیں''۔ وہ عجیب سی تلخی سے ہنسا اور آگے موڑ پر گم ہو گیا۔

''لو۔ ہر بات دل پر لے لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ حضرت جانتے ہیں سارے گھر میں سب سے زیادہ وزنی گوشت کتنی سوں ان کیلئے''۔

''اب بھی ان کی قسمت ایسی ہے تو میرا کیا قصور ہے اس میں''۔ اب وہ سارے سرے سے کڑھ رہی تھی۔

''اے۔ شی!'' مونا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور سب کو کھڑکی کی سمت آنے کا اشارہ بھی ساتھ ہی کیا۔

وہ سب گرتی پڑتی کھڑکی کی سمت بڑھی تھیں سوائے روشی کے۔ وہ اسی طرح بیڈ پر سر جھکائے پاؤں کے انگوٹھوں پر سے کیوٹکس کھرچ رہی تھی۔

''اے روشی آؤ ناں''۔ گلو آپا نے جیسے اس کے خفا بیٹھے رہنے پر تعجب کا اظہار بھی کیا تھا۔

روشی اسی طرح بہری گونگی بنی بیٹھی رہی۔

گلو آپا نے جیسے بیزار کن انداز میں شانے جھٹک دیئے تھے اور دوسری لڑکیوں کی سمت بڑھ گئی تھیں۔

''دوپہر سے تو ڈھول پھاڑے جا رہے تھے اور اب حرکت بھی دشوار ہے''۔ وہ بڑبڑائی تھیں۔

''یہ ظفری بھائی کو گاڑی میں کون بٹھا رہا ہے؟'' سونی کی آواز کمرے میں ابھری۔

''چھوٹے چچا ہیں''۔ مونا نے جواب دیا تھا۔

''بابا صاحب نظر نہیں آ رہے؟'' بیہ نے ذرا دور تک تاک جھانک کی۔

''ان کی پکچر دیر ہوئی۔ روانہ ہو چکی''۔ مریم نے اطلاع بہم پہنچائی۔

''وہ ساتھ کیوں نہیں گئے؟'' بیہ نے حیرت سے پوچھا۔

''آئیں گے تو پوچھ لینا''۔ زری آپی نے جیسے ڈانٹا تھا۔

''لو بابا۔ ان سے کون پوچھ سکتا ہے''۔ بیہ نے کانوں کو ہاتھوں سے چھوا۔

"تو پھر چپ رہو۔" مریم کو جیسے بے تحاشہ ہنسی آ رہی تھی۔

"ارے بتا بھی دیں جا رہی ہیں۔" ثنا کی تجسس بھری آواز روشی کے کانوں میں پڑی۔

"لو تو کیا وہ لوگ اپنے اور ہمارے خاندان کے مقدمے میں۔" روشی نے جیسے کچھ کہنا چاہا۔ سوہا نے اسے اشارے میں جواب دیا تھا۔

"اللہ کتنا دل چاہ رہا ہے تفریحی بھائی کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کا۔" عشنا بڑی بے بسی سے کڑھ کر رہ گئی تھی۔

"چاند دیکھ آؤ۔ ابھی مریم نے بتایا نہیں۔ بابا صاحب تو وہم ہوئی ہوئی ہیں۔" گلو آپا نے جیسے اس کی بے بسی سے لطف اٹھایا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کی اسی لئے خوب کھل بھی تھا۔

"مگر گلو آپا۔ اس وقت بیٹھے بھی لوگ ہر طریقے میں گھسے ہیں۔ سب تفریحاً بابا صاحب جیسے ہی ہیں۔ کوئی کم کوئی زیادہ۔" عشنا نے خاصی تلخی سے جواب دیا۔

"لو بھئی۔ دادی شروع۔" سوہا نے کن انکھیوں سے اشارہ بے نیاز روشی کی طرف دیکھ کر رنگ کھنڈری کی تھی۔

"آج تو تفریحی بھائی بہت خوش ہوں گے۔" بہ دھیمے سے بڑبڑائی تھی۔

"تو ایسے۔ ایسے۔ اب تو انہوں نے سب کی شادیوں پر" روشی شروع کر رہا تھا۔ انیق بھیا کا سر اٹھنے لگا تھا۔

اسی دن تو بابا صاحب نے دعا کی تھا کہ ان سے کہ ان کی شادی بھی بہت جلد کریں گے۔"

روشی جواب تک بڑی خاموشی سے تمام کارروائی دیکھ رہی تھی۔ بڑی تفصیل سے شروع ہوئی تھی۔

"مگر۔ ہائے بے چاری مجھ سر۔ اس کے بھی تو خواب ہوں گے۔ کچھ ارمان ہوں گے۔ ماما بی تو کہہ رہی تھی کہ بہت حسین ہے۔"

روشی کی معلومات واقعی وسیع تھیں۔

"مگر۔ ماما بی کو کیسے پتا۔" زری آپی نے تنک کر بھوت بچنے کی کوشش کی تھی۔

"جب نیچے کی آپا اس وارفتگی سے کوچ کر گئی تھیں۔ تو آغا جان لینے لے گئے تھے ماما بی کو۔" روشی کو "تنک" کرنے پر غصہ آیا تھا۔ (ہر جگہ یہ ہر ایک کو جھانکی دیتی ہیں)

"اوہ ہاں۔ اس کا تو مجھے دھیان ہی نہیں آپا۔ بے چارے کرائی تھی ماما بی مرائے۔"

"اور انہی کے بھوتنکوں قصے بھی سنائے تھے۔ مرائے کے۔" زری آپی کو یاد آ گیا۔

روشی کا موڈ خاصا آف ہو چکا تھا اس لئے ان نے کسی قسم کے تاثرات دینا مناسب نہ سمجھا۔

"چھا۔ تو روشی تم جا رہی تھیں۔ بھوت بہت حسین ہے۔" زری آپی کا استیاق دو آتشہ تھا۔

"کس نے کہا۔" روشی نے اس آگاہ کرنے کے انداز میں کہا۔

"کیسے تو تم ہو کہ مزاج بہت ہو۔ فٹ دماغ جاتی ہو۔ تو میں اپنی یادداشت کیلئے ہی پوچھ رہی تھی۔"

زری آپی نے اسے دونوں بانہوں میں بھرتے ہوئے کہا اور کھلکھلائیں۔

"ٹھیک ہے۔ اگر سوہا بھی تو چلے۔" سوہا کی آواز کانوں میں پڑی تو وہ چونک اٹھیں۔

"ہاں۔ ظاہر ہے آخر اکلوتے بیٹے ہیں ان کے"۔ شیلے نے بارعب انداز میں شرکت کی۔

"آپ کو جیسے بڑا گھمنڈ ہے"۔ روبی نے شیلے کی سمت دیکھا۔

"تم بس اپنی صفائی دیا کرو۔ بڑی آئیں خوش ہونے والی"۔ شیلے نے ڈانٹا۔

روبی بے یاری سے تالے جھٹک کر باہر نکل گئی۔

"اے۔ بی بی کی بارات ہے"۔ موحا نے کھڑکی میں کھڑے کھڑے ان سب کو مخاطب کیا۔

"ہائیں اسے تو سارا انتظام الٹ پلٹ ہو گیا"۔ زری نے مارے اشتیاق کے کھڑکی کی سمت دوڑ لگائی

"لیکن ہی نہیں۔ فیصل ہاؤس کی ساری ساری ساری۔ جو کچھ وہ بنائیں گے ان میں سے بچا بچانے کے لیے وہ ہمیں دے دیں گی"۔ روشی جل کر بولی تھی۔

"مگر ابھی تک تو پتہ چلے گا"۔

"ہائی بھائی۔ ہشی۔ ادھر آ گیا۔ ہمارے گھر سے شی"۔ موحا نے کھڑکی سے پیغام رسانی شروع کی۔

"اوہ تو گیی ہاں"۔ وہ جیسے اس کی بیوقوفی پہ جھلائی۔

"سب چور اور سب تو بیشہ سے ہی ہیں۔ آن گیا ہی ہے۔ جلدی سے آ گیی"۔ موحا کہہ کر کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی اور جلدی سے دروازے کے بیچ جا کھڑی ہوئی۔

"تو بہ کتنے نخرے ہیں۔ جلدی سے آئیں۔ ارے بھئی ریڈ کارپٹ ویلکم ہیں آپ لوگ"

"السلام علیکم" وہ چند لمحے گزرنے کے بعد خود اور دوچا تھا۔

"وعلیکم السلام" سب نے کورس کے انداز میں جواب دیا سوائے روشی کے۔

"فرمایئے!" وہ پشت پر ہاتھ باندھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"ہم نے نہیں فرمانا۔ اس وقت تو جو فرمانا ہے۔ آپ نے فرمانا ہے۔ حاضرین سوالات کی بارش فرمایئے"۔ حنا نے شرارت بھرے انداز میں اس کے متوجہ ہی آ کر کہا۔

"جی۔ میں کیا فرما سکتا ہوں آمد کرتی ہیں آپ خوش"۔ وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

"ابھی پتہ چل جائے گا۔ آپ کیا فرماتے ہیں اور کیا نہیں۔ پہلے تشریف تو رکھئے"۔ سوہی نے موحا اس کے سامنے کیا۔

"مگو کہاں ہے؟" وہ متجسس کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"نعوذ باللہ۔ نیت اس طرح کی نہیں ہمارا کھاب نہیں"۔ زری چیخ گئی۔

"ہرات کی فریاد ان سے"۔

"اوئی!" وہ بی بی چیخ مار کر سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"واغ میں پھنس گیا۔ اوئی"۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"کی پھنس گیا" کہہ کر وہ اس کی مدد کو لپکی۔

"وہ کی تھا۔ کیا ہے۔"

"پتہ نہیں"۔ سوہی نے اطمینان سے کندھے اچکائے۔

"آپ سے تو کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔ روبی کو کیا کہہ رہے تھے"۔ زری نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی۔ اگر ہم یہاں بھی رہتے تو کیا ہم بھی ایسے ہی ہوتے"۔

"کیسے؟" روبی شیلے کے قریب کھڑے ہو کر بولی تھی۔

"کچھ نہیں۔ مسئلہ کی جڑ یہ ہیں۔ یہ ہیں تو ہم ہیں"۔ شیلے نے اسے مخاطب کیا۔

روبی نے غصہ سے شیلے کی سمت دیکھا۔

وہ بہت بری طرح سے بوکھلا گیا تھا۔ اس سے کوئی سوال نہیں بن پا رہا تھا۔ روبی نے مکمل طور پہ اسے نظر انداز کر دیا تھا۔

"کیا میں یہاں کرسی پہ بیٹھ جاؤں؟" زری نے حوالی سمت دیکھا۔

"نہیں نہیں زحمت نہ کریں۔ ہمیں دیدیں"۔ حنا نے موحا کھینچ لائی کرسی کے لیے۔

"بارل۔ کیا تمہیں علم ہے۔ وہ صاحب اس کمرے میں کب تک آ جائیں گے؟" روبی نے قدرے اشتعال سے سوال کیا تھا۔

"لیجئے۔ یہ آپ لوگوں کے پروگرام کیوں معلوم ہونے لگے"۔ وہ جیسے اس کی سادگی پہ ہنس دیا۔

"اچھا بتاؤ۔ بارات تو ہمارے ہی گلی ہے ناں"۔ زری آپی اب اندازوں میں کھیلنے لگی تھیں۔

"گلی۔ یہ بارات تو بھی طرح کھلونا ہے کہ بارات (اس نے بارات پہ خاصا زور دیا) ہمارے ہی گلی ہے۔ وہ گھنٹے کا راستہ ہے۔ سات بجے وہ لوگ یہاں سے چلے ہیں۔ ساڑھے آٹھ بجے ہی دلہن ہمارے گھر آ جائے گی"۔ وہ اب کھل کر ہنسنے لگا تھا۔

"ہاں۔ یہ تو ہے۔ وہاں کون سا مناسب انتظام کیا جائے گا"۔ شیلے نے تسلیم کر لیا۔

"وہاں نہ سہی۔ کاکا جان تو ان کے بغیر نہیں آنے دیتے"۔

"تو کیا ایک بجے تک جاگیں"۔ حنا نے یہ نئی ہی سنائی۔

"بارات کی ایک صبح بھی ہوتی ہے"۔ روبی نے یاد دلایا۔

"اوہاں۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ حنا نے ہنس دیا۔

"تصور بھائی تو بہت خوش ہوں گے۔ ہے نا بھائی"۔ مریم نے بھی حصہ لیا۔

"بہت۔ میں تو ہلکی روشنی میں بس کالوں تک ہی پہچان پائی تھا"۔ اس نے بھی سوچ کر ہنسنا شروع کیا۔

"اچھا۔ اب ذرا صبر میں ہی بہو"۔ شیلے کی تجویز پہ سب ہنس دیے۔

"کیا سوا بجا ہے؟"

"نہیں"۔

"تو پھر پھولوں کے ہار کیوں پہنے ہوں گے؟" بے نے کہا۔

"صرف ایک ہی تھا"۔ وہ ذرا گویا ہوا۔

"اس کی بھی کیا ضرورت تھی۔ اس سے زیادہ پھول تو لوگ قبر پر ڈال دیتے ہیں"۔ وہ بڑی آزردگی سے گویا ہوئی۔

"ساتھ لے گئے ہوں گے۔ لاہور میں ایک چلتی پھرتی قبر"۔ طیبہ کی زیر لب بھی آواز نے کمرے میں مسکراہٹ طاری کر دیا۔

"کون کون گیا ہے؟" بالآخر حنا نے خاموشی توڑی۔

"بابا صاحب ہیں۔ بڑے ماموں۔ چھوٹے چچا ہیں۔ بڑے ماموں کبیر ماموں' منجھلے چچا' چھوٹے چچا کبیر چچا۔ اکبر' سہیل صاحب۔ چھوٹے بھیا' فرخ' جواد' فرحان' اکبر' حماد' مصدق' سلمان' مظاہر' عثمان' اباجان ——"

"بس کیوں نہیں کہتے کہ سب گئے ہیں"۔ طیبہ نے زچ ہو کر اسے درمیان میں ٹوک دیا۔

"سب نہیں گئے۔ بڑے ماموں' چھوٹے اور ندیم نہیں گئے۔ بڑی امی کے علاوہ کوئی خاتون نہیں گئیں۔ اب مجھے اجازت؟" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہم اجازت دیں گے تو جاؤ گے۔ مانگتے کیوں ہو"۔ طیبہ نے خاص تحکمانہ انداز سے اس کی سمت دیکھا۔

بیڈ پر خاموش بیٹھی روشی نے باری باری کی طرف تیزی سے بھیگتی نظروں سے دیکھا تھا۔

ایک لفظ کی لہر نکلے بھر کو ابھری تھی اور فوراً ہی معدوم ہو گئی تھی۔

"جانے دیں بھابی۔ بس یہی پوچھنا تھا' بتانے جیسے اس کی جان چھوٹی۔

"بیٹھا رہنے دو۔ اس بہانے کچھ آرام ہی مل رہا ہوگا"۔ طیبہ ہنسی۔

"ارے نہیں۔ نہیں بس جاؤ تم"۔ زری نے بھی جیسے اس پر ترس کھایا۔

"تھینک یو"۔ وہ بے تاثر مسکراہٹ پھینک کر چلا گیا۔

"کچھ زیادہ ہی قریبی نہیں ہو گیا"۔ طیبہ نے تھوتھنی سے ناک سکیڑ کر زری آپا کی سمت دیکھا۔

"کیوں خوامخواہ سوچتی ہو۔ وہ کیا کر سکتا ہے بے چارا ہے بس اکیلا۔ زری آپا نے طیبہ کو جیسے اس کے بے رحم رویے کی جانب توجہ دلائی تھی۔

"اور بھی لڑکے اچھلے اپنے اپنے ٹھکانے پر۔ میں تو بس دیکھتی ہوں۔ ماما بلی تو جیسے غائب ہو کر خود بھی بستر میں غائب ہو گئی ہو گی"۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائیں۔

چند لمحات کے بعد کمرا مشترکہ عمل کا مظہر بننے لگا۔ باقاعدہ حکم چل رہی تھی۔

"کب تک بھاگتے رہو گے اپنے آپ سے۔ کبھی تو اپنے آپ کو تسلیم کرنا ہوگا۔"

وہ ہمیشہ کی طرح خاموش رہی تھی۔

"تمہارے ساتھ جو حادثہ پیش آیا ہے وہ ہر کسی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی ایسے واقعات ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسے حادثے ہو جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو ہی ناپسند کرنے لگتے ہیں۔ اپنے آپ سے ہی نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"سنو بھی ہے تمہیں میں نے کتنا ڈھونڈا ہے تمہیں۔ کتنا تلاش کیا ہے۔ تمہیں کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا ہے۔ کتنی جگہ گیا ہوں۔ کتنے لوگوں سے پوچھا ہے۔ تمہارے بارے میں۔" وہ رکا۔

"اور کیا کرتا۔ میں اور کیا کرتا۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ تم مجھ سے شادی کرو گی۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ تم میرے بچے کی ماں بننا چاہتی ہو۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ تم میرے ساتھ ساری زندگی گزارنا چاہتی ہو۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ تم میرے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ تم میرے بغیر مر جاؤ گی۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ تم میرے بغیر مر جاؤ گی۔ تم نے ہی تو کہا تھا کہ تم میرے بغیر مر جاؤ گی۔"

وہ بولتا رہا۔

"اور میں نے تمہارے بارے میں سنا۔ تمہارے بارے میں سنا۔ تمہارے بارے میں سنا۔

ایک دولت غیرت ہے

کیا لاؤں؟

کیا کھاؤں؟

لیمو کا دودھ کون سا ہوگا؟

جان کھاؤں خلوص مشہور کر دوں۔

پر پیچھے دو بولے والوں کا کھانا ہی کھاتا ہے۔

ہر طرف اندھیرے کا سودا ہے۔

کوئی تجارت کروں۔ ہم خیال کے خیال۔ اول مرد کی آنکھیں بے قیمت موتیوں سے جھلملانے لگیں۔

"اندھیرے میں روشنی ڈھونڈنے آیا ہے"۔ اچانک اس کے قریب سے لحیف آواز آئی۔

وہ چونک پڑا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آواز کی سمت دیکھنے لگا۔

"بھولی! میں یہاں ہوں۔ اگلی راہداری کے دوسری طرف۔ آواز پھر آئی۔

ذرا سا آگے بڑھ کر اسے یاقوت و زمرد تلاش نظر آ گئی۔

"تم یہاں زمین پر اس طرح کیوں لیٹے ہو۔ اندر اسپتال میں کیوں نہیں آئے؟ تم تو بیمار دکھائی پڑتے ہو"۔ وہ اس کے قریب ہوا تو تعجب کی حالت اور دوچند ہو گئی۔

"ابھی خادمائیں پھر کمک بھیجیں گی۔ سجائیں گی تو مشعل لگا کر مجھے عرق گلاب سے غسل دیں گی۔ پھر احتیاط سے پھر کھٹ پر رکھ دیں گی اور۔ لیٹی ڈاکٹروں سے ہوا دیں گی۔ ہا۔ ہا۔ ہا"۔

"کیا تمھارے بھی زیادہ نصیب ہو؟" میں تو ابھی تک اتنا زبردست نہیں ہوا"۔

وہ ہچکی سے اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

"ہو جاؤ گے۔ ہر بات کا آغاز بھی ہوا کرتا ہے یا نہیں"۔

"مت اداس ہو بھائی۔ آنکھ پھر کوئی بھی بات سنے ان نہیں بنتی۔ میں تو کوئی اس سوچ سے اس طرف نکل آیا تھا"۔ وہ بے چارگی سے بولا۔

جس کی جیب خالی ہو۔ سوچ سے نہیں بھرا کرتی"۔ وہ اجنبی پھر تجسس سے بولا۔

"کیا کرتے ہو بھیا؟"

"خون بیچا کرتا ہوں اداس کو۔ ایک ایک گرام کے چودہ روپے ہوتے ہیں۔ خون بھی کافی نہیں' مزدوری کرتا ہوں اور کوئی ہنر پاس نہیں"۔ وہ بولا چارپائی میں بیٹھ گیا۔

"تمھارے والا خون بکتا ہے یا اصلی؟" اجنبی نے پھٹے ستاروں پر نظریں جما کر سوال کیا۔

"اصلی؟ کیا مطلب؟" میں واقعی نہیں سمجھا۔

"یہاں تمہارے گرد میں بیٹھا ہوا ہے۔ اسپتال میں ایسے لوگ آتے ہیں جو اپنے خون کے عوض کچھ رقم حاصل کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ تمہارے خون کی طلب کا تناسب ہوا تو وہ لوگ تمہارا خون خرید لیں گے۔ ورنہ تمہارا خون بیکار ہو جائے گا"۔

"اب سمجھا۔ میں پورا کہاں بکتا ہوں۔ ٹکڑوں میں بکتا ہوں"۔ وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں۔ سمجھ کی دیواریں بڑی ہوتی ہیں۔ ایک ایک سے ہم پیچھے چھوٹ جاتے ہیں۔ تمہارے والا خون بیکار ہے۔ ہوا ایک طرف ہیں۔ ہاتھوں والے بازو ہے۔ کہیں ٹانگ ہے۔ کہیں آنکھ ہے۔ کہیں دل ہوتے"۔

"ہائے اللہ"۔ اس نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔

"ڈر کیوں رہے ہو؟" اجنبی نے اسے حیرت سے دیکھا۔ "تمہارا بھی ہو جائے گا۔ تھوڑا صبر کرو۔ ابھی تمہارا بھی جا سکتا ہے"۔ اس کی ہنسی میں تلخی گھل گئی۔ "ہم تو آدھے میں وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اس کی خدمت سے ہم ہیں۔ وہ ہے۔ ہمارے ہاتھ ہے۔ اس کے سامنے تو ہم ہیں بھی کوئی نہیں۔ مگر بھولی۔ ہم تو انسان ہیں۔ کوئی چیز نہیں"۔

"یہ فیصلے کرنے والے کا اختیار ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے۔ اس نے تو ہمارے میں سوچنے کا حکم نہیں دیا۔ اس نے تو ہمیں صرف بڑھنے کا حکم دیا۔

"اس نے تو جگہ جگہ انسان کو بڑی اہمیت دی ہے۔ یہ اتنی معمولی چیز نہیں ہے۔ بھلا اس کی قدر کی جا سکتی ہے۔ بھلا اس سے زیادہ بیش قدر جواہر سے بھرے ہیں۔ ہیکل میں سونے کی کیلیں گڑی ہیں۔ ہم کہاں پیچھے ہیں۔ انسان تو روز پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارا تو کبھی کبھار ہوتا ہے۔ ہماری قدر تھوڑا ہی بنتی ہیں"۔

"چلو سمجھ لو ایسا ہوتا ہے تو کسی ماں نے اگر کسی سادھو کو میرے خون کی بیاس لگی تو کسی ہوسپٹل کو بیچ کر کھا جائے گا۔ ایسا تو نہیں ہے"۔ اجنبی نے اندھیرے میں اس کے چہرے کو دیکھنے کی کوشش کی۔

"کیا خون بیچ کر اتنے پیسے مل جائیں گے کہ بچے کی ساری دوائیاں آ جائیں؟" اس کے لہجے میں بے یقینی تھا۔

"ارے۔ دوائیاں بھی آ جائیں گی' دعائیں' دوائیاں' ڈاکٹر' سب آ جائیں گے۔ جاؤ جا کر کسی ڈاکٹر سے مشورہ کرو۔ ذرا کفن تو بچھا۔ پھر دیکھتا ہوں"۔

"آج آسمان کھل ا" اس کی رگ رگ میں خوشی دوڑنے لگی۔ آنکھوں کے سامنے بلب سے روشنی پھوٹنے لگی۔ "چلا جاؤں گا"۔ وہ یکدم اٹھ کھڑا ہوا۔

"پگلی ہو رہا تھا۔ گھاس بھر دو۔ ہوا بھر رہا تھا۔ سارے گھر والے کتاب پڑھ رہے تھے"۔

"بھائی تمہارا نام کیا ہے"؟

"کہہ کیا ہے"۔ وہاں سے واقفیت نہ جواب آیا۔

"کیا نشہ کرتے ہو؟" وہ چلتے چلتے رک کر پوچھنے لگا۔

"ہاں ہر طرح کا نشہ ہوتا ہے اسی طرح نامردانگی کا بھی ایک نشہ ہوتا ہے۔ عادت پڑنے کی دیر ہے۔ تم نے کبھی کیا نشہ کرتا ہوں" اور ہنسا۔

آپ کی تھوڑی آنکھوں کی قسم
بیوی سے ہماری ابھی تک راز ہے

وہ جھکی جھکی لیجے میں شوخی بروئے کار لا رہا تھا۔

"بڑے نکلے بھی نکلے ہو"۔ اسے حیرت بھی ہوئی تھی اور ترس بھی آیا تھا۔

"کتنا تو جانے کیا کیا ہوں۔ یہ وہ نہیں لگتا جو ہوں"۔ اچھی بھلی پر دل توجہ اکا کر بولا۔

مگر اب وہ دوسرے سرے پر تھا۔ توجہ تقسیم ہو چکی تھی۔

"بھائی! کہاں کھڑے ہو کر اعلان کروں کہ بھرا لوٹ لے"۔ ایک بنیادی سوال پیدا ہوا تو اس کے قدموں کی حرکت خود بخود رک گئی۔

"اعلان کرنے کی کیا ضرورت۔ پیسے تو دینے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو رشتوں کی جو گنگا بہی ہوئی تھی۔ اب ذرا باہر کی بوگیوں کا نظارہ کیجیو۔ اور خود سرحدی کی طرف چلے جاؤ۔ لال مفلر پہنے ایک سوئی کی جوگ سنگاری ہو گی۔ کہنا عارف نے بھیجا ہے"۔

"بس؟"

"اور کیسی تو نوک"۔ اچھی جھلا گیا۔ "بڑی اپروچ ہے اس وال مفلر کی۔ ارے چلو بھی"۔

"کچھ پیسے دے گا؟"

"کہا تو ہے محنت مان۔ آسامی وہ پھانسے گا تو کمیشن بھی ملے گا۔ دیکھ بھائی بات کر کما ہوا ہو گا۔ پہلے بتائے دیتا ہوں"۔

"سمجھ گیا"۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

"بھائی ذرا سنتا"۔ اچھی نے بھرا کے بڑھتے قدموں کو پکڑ لیا۔

"اب کیا ہے؟" وہ جھلایا۔ "میرا کچھ اندر دانے انتظار میں ہے۔ جلدی کہو"۔

"نسوار ہاتھ لگتے ہی اندر ڈل گئی۔ شکریہ ادا کرنے سے گئے۔ بھائی میں وہ ایک شعر سنا رہا تھا۔ وہ کہا ہے کہ۔

زندگی بھر کے غموں کا ہے دولت آزار
کہ اک جام مئی سب کا جواب ہے ساقی
چلو اک بیشت بنائیں سرور مستی کی
بیشت دہر تو غم سے خراب ہے ساقی

[illegible] وہ [illegible] سے بڑھ گیا۔

"بھائی ذرا سنتا"۔ اچھی نے پھر پکارا۔

"اب کیا ہے؟" وہ جھلا کر پلٹا۔

"یہ بتاؤ کہ [illegible] کہاں ہے؟" اس نے [illegible] کے بارے میں [illegible] کیا۔

"ہیں؟" وہ [illegible] سے پلٹا۔ "اس نے [illegible] کیا ہے؟"

"ہاں"۔ اچھی نے [illegible] کے جواب میں [illegible] کیا۔ "[illegible] کہاں ہے؟"

"[illegible] کہاں ہے؟" وہ [illegible] کی طرف [illegible] کیا۔

"[illegible] کہاں ہے؟" [illegible] کی

اس الجھن کو سمجھ نہ سکی تھیں۔

وہ بے خود سے پیچھے دیکھ رہی تھی۔ سامنے فضا میں ہوا کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ پھر محسوس ہوا کہ کوئی موجود ہے۔ یہ محسوس کرنے کی اس کے عقل میں آنے لگے۔

اماں کی کالی رات میں ناریوں کی جھاڑیں میں بھٹکتے اسے خیال تک نہ آیا تھا کہ پیارو کس قدر ڈرا ہوا ہے۔ خوف نے بچوں سے بھی زیادہ اس کی حساسیت کو بڑھا دیا تھا۔ ستارہ کی روشنی اس کے ذہن کو کھا گئی تھی۔

تحت الشعور خیال نامی کتھی تھی۔ اضطراب میں پسینہ آ رہا تھا۔ تشنج گراں تھی۔

"ڈریں نہیں۔ میں ہوں نا ری"۔

اس کے کانوں میں ناری کی آواز کہ آئی۔ مستحکم اور سرخ جیسا ہو گئی۔

"یہ تم کیا بھری بھری سی گھبرائی پھرتی ہو؟" وہ بولی۔

"آپ ان ڈراؤنی جگہ میں تو نہ کہیں۔ بابا صاحب جس وقت عجیب سے اتر رہے تھے۔ میں نے آپ کو کمرے میں کھڑا دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آپ کھلی چھت سے جھانکتے پایا تو یہ پوچھنے چلا آیا۔ یہ بے قراری کیوں؟ آپ بھی اس طرح کیوں نہیں سو جاتیں جیسے اس گھر کے سارے مکین سو رہے ہیں؟"

"سارے کہاں سو رہے ہیں۔ سحر بصورتِ جاگ رہے ہیں" وہ فرخ کر بولی۔

"آپ کو بلا کر کہتر بن گئے ہیں"۔

"تم آرام کرو۔ جن رات کو بھی آرام نہیں کرتے؟" وہ ہنسی ہو کر بولی۔

"ہری ذرا کہ لیں آپ سے کچھ لسبت ہو جائے گی"۔

"وہ انیلا گ بلا کر دو تمہارے منصب کے علاوہ سوت کریں" وہ آگ بگولا ہو گئی۔

"آہستہ ذرا بی بی۔ آہستہ۔ میں تو آپ کی مدد کو حاضر ہوا ہوں"۔

"کیسی مدد۔ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ جاؤ تم یہاں سے" وہ رکھائی سے گویا ہوئی۔

"الجھن دیکھے بغیر تو آپ کو نیند نہیں آئے گی۔ آپ فکر نہ کریں جیسے ہی سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے جائیں گے۔ میں لائن کلیئر دیکھ کر آپ کو لے جاؤں گا۔ مگر گھر کے سارے راستے جو پچھلے حصے کو جاتے ہیں بند ہیں"۔

"آپ کو کمرے کے دروازے سے لے جاؤں گا۔ اس کا کنڈا بھی لگا لیجئے گا۔ آپ اندر سے کھلا نہیں رات کو بند ہوتا ہے"۔

"گھر کو جاگ رہا ہے؟" وہ اور الجھ گئی۔

"بابا صاحب کے ذاتی خدمت گار اس وقت تک نہیں سوتے جب تک بابا صاحب نہ سو جائیں"۔

"جیسے تم" وہ تلخی سے فوراً بات کاٹ دی۔

"ایک بات کہوں آپ سے برا تو نہیں مانیں گی" ناری نے جھجکتے سے کہا تھا۔

"کہو۔ جلدی میں"۔

"میں نے کہا۔ میری اپنے ہی ذات ہی تھی"۔ اسے دیکھتے کہیں سے کہا تھا۔

"ناری۔ تم کو کہیں بابا صاحب نے کہا ہے"۔

"نہیں ذرا بھی نہیں۔ یہ کہا ہے کہ آپ کو بھی نہیں ہوا"۔

"آپ آپ اپنے کمرے میں جائیں"۔

وہ بے کی طرف دیکھتا وہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

اسے پیچھے پیچھے آتے دیکھ کر وہ رک گئی۔ "تم کیوں آ گئیں؟ کیا کہا تھا میں نے تم سے؟"

اس نے نظریں جھکا کر معصومیت سے سوال کیا تھا۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے۔ وہ بھی بہت ذاتی ہے"۔

"کیا ہے؟ کہو"۔

وہ انگلیاں مسلتا ہوا کہ سوچوں کے جال میں الجھی ہوئی تھی۔

"کچھ آپ۔ سوتا ہوں۔ یہ لوگ بھی عجیب ہیں۔ کسی بات پر ہنستے ہیں۔ کسی بات پر رونے لگتے ہیں۔ کسی بات کا یقین نہیں کرتے"۔

"اور بابا صاحب کہتے ہیں میں بے وقوف ہوں۔ بولیے۔ کیا عقلمندی ہے کسی کو کہتے ہیں"۔

"لگتا ہے۔ ناری کا ذہنی بھول گیا؟"

وہ ہارا کمرے سے باہر آئی۔ چین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"اس گھر میں کیا چھپایا جاتا ہے۔ بس میں جاننا چاہتی ہوں" وہ جیسے خود سے الجھی۔

"روشنی!" اسے محسوس ہوا جیسے کسی نے پکارا ہو۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ واقعی وہ کہیں غائب ہو گیا تھا۔

"آ جائیں۔ آرام سے بالکل بے آواز" وہ سرگوشی میں گویا ہوا۔

"آپ کیا پاؤں سر پر رکھ کر آئی آواز تو پیدا ہو گی ہی"۔

وہ بھنائی۔ طویل انتظار نے جان جلا کر رکھ دی تھی۔

ناری آگے آگے چلنے لگا اور وہ اس کے پیچھے۔

طویل راہداری سے گزر کر انہوں نے بائیں طرف مڑا ہوا چھوٹا سا گلیارہ عبور کیا۔ یہ گھر کے عقبی حصے کی طرف سے کھلتا تھا۔

"آ جاؤ صاحب جی۔ دروازہ کھلا ہے"۔

گھوم کر اپنے پہلو میں آواز آئی۔ ہاری نے آنکھ سے پٹ کھولا۔ بلی کی بچی اس کے پہلو میں دبکی ہوئی تھی۔ ہاری نے مڑ کر کمبل اسے پھینکے ہوئے کو کہا۔ وہ کمبل سمیت اس کے اوپر آن گرا تھا۔ اسی کا تو اس نے گلہ کیا تھا۔ بلی کا بچہ پھینکنے سے ادھر ادھر ہو جاتا ہے۔

بھاگنے پر تو گھر پھینکنے والی کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے۔ بلی کا بچہ ہمیشہ ہی اس کے اوپر کمبل گھوم کر گرتا ہے۔ وہ بلی کو پکڑ کر باہر پھینکنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ باہر سے کسی نے دستک دی۔ ہاری نے کمبل کو ایک طرف پھینکا اور بلی کے بچے کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ دستک دینے والا اب دروازہ پیٹ رہا تھا۔

"اسلام علیکم"۔

"وعلیکم السلام۔ صدیق چاچا ہے"۔ اس نے جلدی سے کہا۔ چاچا اور اس کے تعلقات خراب ہو چکے تھے۔

وہ گھر سے نکل کر باہر آ گیا۔ گھوم کر گئے ہوئے ہاری کے کھیتوں پر اس کی نظر پڑی۔ کئی کنال اچھی گندم میں آگ لگی ہوئی تھی۔ ہاری کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس نے بے اختیار ہاری اور زمین کی طرف قدم اٹھایا۔ کئے نے اسے دیکھا تو وقت سے پہلے خراب کر دیا تھا۔ ہاری پر غصہ عالب آ گیا۔

"ہاری!" وہ گھگھیائی۔

ہاری نے اسے بائیں ہاتھ کے بھنگڑے میں تھام لیا۔

"گھر تمہیں نہیں۔ کون کیے؟"۔ وہ سفاکیت سے بولا۔

"مجھے کتوں کے لمس سے بھی وحشت ہوتی ہے لگتا ہے جیسے بولا: اچھا کر اب کیے کرتب کیے"۔

"مر جاؤ گی۔ آپ واقعی کاپ رہی ہیں؟"۔ وہ اس کی بیزاری کی طرف سے خود کو قریب کر لیا۔ ایسا بھروسہ کہ طرف عمل جو کسی کیلئے ممکن نہیں ہوتا۔ جو سے باہر آ کے ہی ہاری اپنے حواس میں آ گئی اور جھٹ ترپ کر اس کی گرفت سے نکلی۔

"یہ کیا حرکت تھی بھلا؟" خفا ہی نہیں خفت بھی تھی اور جلال بھی۔

"یہ صرف جوابی حرکت تھی۔ آپ کا وہ بلی سے ایسی گہرائی سے"۔ وہ بے تکلفانہ بلکہ خادمانہ انداز بھی۔

"کیسے کتا ہے۔ کتوں کو بھی نہیں پچھاڑا"۔ اس کے کچھ سمجھ میں نہ آیا تو کتے پر لعنت ملامت کرنے لگی۔

"میں کہاں لڑنے گھر کر ہے"۔ اس نے چڑ کی۔

"گھوم کر دھر گیا؟ کیا ہے کتے بلے کی۔ بتاتے کیوں نہیں"۔ اس نے تو دست سے دامن چھڑا لیا۔

ہاری نے دانت پیسے۔ اور بالآخر وہ قدرت کے پیچھے چھپے عمل کے کرتا دھرتا ہو گئے۔

یہ وہ حصہ تھا جس کی قدرت کے تئیں کسی دیہاتی میں بھی استدلال نہیں کرتے تھے۔ جو حال یہ حصہ آ ہو قدرت تھا۔ اس کی آواز سے مخلوق قدرت میں مشکوک کرنے پر سخت ناراضگی تھی اور وہ اس بات چیت کے اسرار سے واقف ہونے پر بضد تھی۔ مگر کے افراد آپس میں بہت بے تکلف تھے۔ مگر پچھلے حصے کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے اس طرح کتراتے تھے جیسے ہاری نہ ہونے کا ہو۔

اب طرح کا شوق رکھنے کے وجود میں اچھل پڑنے لگا تھا۔ یہ خوشی بڑی ہم سفر کرنے کا۔ کسی میدان میں لہروں

ہونے کا احساس۔ بھلا بلی طوفان کی اطلاع دیتی ہوئی۔

"آپ"۔ وہ ایک دم سے بیٹھا ہاری کی طرف بڑھا۔ اسے کے ہاتھ تھام لیے۔

"میں بھی چلوں؟" وہ مچلا۔

"نہیں۔ وہاں اس کے ساتھ ہے طوفان کوئی مرد ہے"۔

"چچی اس کا بیٹا بھی تو گیا ہوا ہے"۔ وہ بولا۔

"ہاں ہاں۔ تمہاری کی طبیعت بہتر نہیں ہے"۔

"آپ بھی نہیں۔ آج بھی نہیں؟" اس کے منہ سے نکلا۔ وہ ہاری کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔

"کیا اس حصے میں بھی کوئی گھوم کر ہے؟"۔

"بلی" ہاری نے اسے بتانا مناسب نہ سمجھا۔

"میں واپس چلی جاؤں گی۔ پریشان نہ ہوں"۔

"یہ سوچنا اب آپ کا کام ہے"۔ وہ بھاگا۔

"سارے عمل تو نے میں اب ہی ہوتا"

"ایسی حرکت کیوں کیا ہے میں نے۔ آپ سخت کی بات ہے۔ نہیں دیکھے ہوئے ہیں آپ نے بات نہیں کرنے"

وہ روہانسی ہو گیا۔

"نہیں ہی تو دیکھنا چاہتی تھیں آپ"

"ہاں ہاں۔ اچھا اب گھر چلو تم"۔ وہ جھینپ سے خود بھی ہو گئی۔

"دیکھیے چاچا اگر میرا اب وہاں نہیں لگا تو میں واپس آ جاؤں گی۔ پہلے سے تو اسے بتا دیں۔

"اسے بھی تو وہاں سے تمہارا ابو کبھی واپس نہیں جانے دے گا۔ جس طرح صورت ہے کیا بلی تم آ گئی ہو"۔

"ہائے اللہ۔ اب اتنی بڑی نہیں ہو رہی تھی"۔ وہ ہنسی۔

"بھئی بڑی تو تمہیں تمہاری پیدائش سے پہلے لگ چکی ہے۔ تمہاری تین چار بھابیاں تو تم سے پہلے

نہیں"۔ شعیب احمد نے چھیڑا۔

"اچھا اب میں جاؤں گی تو کہا وہ سب خالہ خالہ کہہ کر مجھ سے لپٹ جائیں گی؟"

"یہ تم اچھا خاصا تاثر خوف جملہ کہہ کس طرح۔ بلی ہو؟ مجھے تو یوں محسوس ہوا جیسے کہہ رہی ہو اچھا میں جب جاؤں گی۔

لاحول ولا قوۃ"۔

"لوی بھائی آپ بھی چلیں نا"۔

"اللہ کی پناہ۔ میں باز آیا اس قدر خوفناک بہادری سے۔ دو ٹن بھر حسین زنانہ آ رہی ہیں۔ وہ کل۔ کل۔ کل۔

تو"۔ اس نے پاؤں سے ڈوبتی کھیتی کے ماہین کے سامنے لہرائیں۔

"اچھا یہ مت کریں۔ مجھے متلی ہونے لگتی ہے"۔ اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"تم بھی چلے جاؤ۔ کوئی حرج نہیں۔ ابھی تو چار سے بھی دن ہیں تمہاری واپسی میں"۔ منیب احمد نے لہراتے ہوئے کے انکو نے فرمانبردار جن سے کا طلب کیا۔

"سوا نہیں جن بابا۔ پلیز سمی"۔ اس نے شناسا آواز میں ماہین کو چڑایا۔

"مگر یہ جنیں اور شاہین بھی آج کل یہاں آ موجود ہوں"۔

"پھر تو آپ مجھے آج ہی رخصت کر دیں۔ دونوں کے بچے جب اکٹھے ہوں گے تو۔ اف بھوری تو بہ لگتا ہے یا گنڈ اس انہیں خیر سے سر لیں۔ مجھے نہیں رہنے ہیں"۔

"ڈرپوک بیوی۔ وہ بچے ہیں۔ اور بچے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں"۔

ماہین منہ بنا کر رہ گئی۔

لہراتا کمرے سے باہر چلا گیا۔

"ماہی۔ بیٹا ادھر آؤ میرے قریب"۔ منیب احمد نے اسے محبت سے اپنے پاس بلایا۔

ماہین آہستگی سے اٹھ کر ان کے قریب چل دی۔

"دیکھو بیٹا تمہاری پھوپھو کا سسرال دو حصوں میں بٹا ہوا ہے"۔

"دو حصوں میں؟" ماہین نے حیرت سے منیب احمد کے سلیپر لیس سے آراستہ پیر کی سمت دیکھا۔

"ہاں۔ تمہاری پھوپھو کے دادا سر بہادر علی خان کو انگریز سرکار نے جنگ عظیم اول میں شاندار کارکردگی پیش کرنے پر جاگیر میں عطا کی تھیں۔ ابھی وہ جرمنی میں تعینات تھے کہ انگریز سرکار نے بہادر علی خان اور ان کے بیٹے دلاور کے نام جاگیر عطا کرنے کا اعلان کیا تھا۔ وہ انگریز کی خوش کی انتہا تھی۔

ایک چھوٹی سی جاگیر تمہاری پھوپھو کے سسر دلاور علی خان سنبھالتے ہیں۔ اس کا نام اوریا بستی ہے۔ دوسری ان کے دو بیٹوں کے پاس ہے۔ اوریا بستی سے ستائیس میل کے فاصلے پر ہے۔ اسے یہ لوگ سرائے کہتے ہیں۔ وہ بھی چھوٹے چھوٹے دو تین دیہاتوں پر مشتمل ہے۔

"مگر سر بہادر علی خان کے بعد اوریا بستی والے مجھے کیا حیثیت دیں گے؟"

"اول تو ان سے رشتہ برقرار ہے نیلی۔ دوسرا یہ کہ ان کے دو بیٹے وہاں موجود ہے۔ ایک لڑکی دوشالے" دوسرا اس سے بڑا بیٹا جرار"۔

"تو پھر؟" وہ الجھی۔

"تو پھر یہ کہ تم ان کی خالہ ہو۔ حقیقی خالہ"۔

"آپ بھی تو ماموں ہیں۔ آپ کیوں نہیں جاتے؟"۔

"میں بھی جاؤں گا"۔

"پہلے آپ کبھی وہاں گئے ہیں؟" اس کے ذہن میں ایک دم سوال ابھرا۔

"ہاں۔ لڑکی ہونے کے بعد دو تین مرتبہ ہو آیا ہوں۔ بارش میں ہی گئے تھے۔ اس وقت بھی ایسی ہی تھی۔

"پھر؟"

"پھر کیا۔ دونوں واپس آ رہے تھے۔ بچے تھے۔ بھیگنے سے بیمار پڑ گئے۔ ہفتہ بھر کے لیے رکنا پڑا۔ اس کے انتقال کی خبر ملی تھی۔ اس وقت کے حالات سے تو کوئی واقف ہی نہیں رہا تھا۔

"بھوری تھوڑی سی آہ اس کے لبوں سے نکلی تھی۔ سترہ سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی تھی۔ بہت سے خواب تھے۔ بہت سے ارمان تھے۔ سب نے اس بہت دیا تھا۔ ایک کمی کی وجہ سے۔ وہ کمی جو اس کی اپنی نہیں تھی۔ اس میں اس کی شادی کے وقت بھی نہیں تھے۔ مگر بعد میں ان کے سامنے پیش کی گئی۔ جس میں اس کی مرضی شامل تھی۔ اس کی خوشی شامل تھی۔ اس کی خواہش شامل تھی۔ اس کی خوشی مہارانوں جیسی ہے۔ اس نے اللہ سے جو سب کیا ہے اس کی عطا ہی تھی۔ یہ سب اللہ کی عطا ہے۔ اور وہ سوچ رہا تھا۔ میں نے ایسے ہی خواب دیکھے تھے نا بیٹی کے"۔

"ان لوگوں نے اتنی اطلاع شادی کی۔ وہ ہفتے کمبخت سے کاروبار ہوئی اور ہمارے شادی کر دی"۔

"وہ خوش تھیں؟" ماہین نے کھوئے انداز میں سوال کیا۔

"تمہاری ماں کے بقول بہت خوش۔ وہ نہ بھیجتی کیا پڑی تھی اسے جو بھوکی مرتی ہوئی بھیجنے کی۔ کوئی ہی عرفانی بات ہوئی تھی"۔

"اور ان کے دولہا کیسے تھے؟"

"اللہ اسے سلامت رکھے۔ موجود ہے۔ تم خود کیوں نہیں پوچھ لیتا"۔

"اچھا۔ وہ اوریا بستی رہتی ہیں یا سرائے"

"یاد کرو وہ اوریا بستی گئی تھی۔ بعد میں جو اس کے ساتھ آئے تھے۔ ان کا سرائے کا پتا دیا ہوا تھا۔ مگر اس نے کہا اوریا بستی پڑتا ہے دونوں جاگیریں انہی کی ہیں"۔

"جی!"

"تم کیا سوچنے لگیں؟" منیب احمد نے چونک کے پارسے اسے گھورا۔

"کیا وہ کبھی یونہی آ گئیں؟"

"نہیں۔ لکھا کرتی تھی کہ آئیں گے۔ یاد کو جاگیر کے کھیڑوں سے فرصت نہیں ملتی۔ یہ بہانہ ہے۔ ہم نے بھی کبھی زور نہیں دیا۔ بھئی وہ اپنے گھر خوش تھی۔ ہمیں اور چاہیے بھی کیا تھا؟"

"کیوں؟"

"بس۔ مگر اتنی دولت، حشمت کے ہوتے ہوئے یہ کھنڈا کا چکر لگانا ان کیلئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے سب میں بیٹھ کر اپنی زمینوں کا چکر لگا آئیں"۔

"سچ کہتے ہو۔ یہ بہت آسان بات ہے۔" نجیب احمد نے کہا۔

"آپ ان کے انتقال پر آئے تو کیا فاتحہ پڑھی تھی۔" وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

"مجھے افسوس ہے۔ ہوا یہ کہ جب میں دلی پہنچا تو وہ دلی جاں خواجہ کے ہاں آگئے۔ تجہیز و تکفین"۔

"وہ فوراً کیوں آگئے۔ جائیداد کا جھگڑا نہیں ہوا؟" وہ الجھ کر گویا ہوئی۔

"اتفاق سے وہ گھر آئے ہوئے تھے۔ وہ اپنے ناموں کے سلسلے میں ٹھوکر آئے ہی رہے تھے۔ یہ کوئی اتنی بات نہیں تھی۔"

"ہمیں خبر۔ وہ آگئے تھے۔ یہ آپ کو بلاوا تو چاہیے تھا نا؟"

"ہماری سات پشتوں میں کوئی وکیل نہیں گزرا بھریہ وہ تم میں کہاں سے آگئی؟"

وہ مسکرا کر بیٹی کو دیکھنے لگے۔

"دیکھئے ابا میں تو اس جائیداد اور نظام کے ہی حق خلاف ہوں۔ یہاں انسانیت نہیں پلتی۔ آپ نے سب سے بڑی اور پہلی غلطی یہ کی کہ یہی جائیداد سے یہاں۔ دوسری یہ کہ پلٹ کر خبر نہیں لی۔ تیسری یہ کہ بچی کو خوامخواہ کیلئے ان پڑھا رہنے نہیں دلایا۔ چوتھی یہ کہ ان کی قانون کی خبر پر چھ نہیں گئے۔"

"آپ ہم سب سے اتنا پیار کرتے ہیں تو کیا ہوئے آپ کو محبت نہیں تھی؟"

وہ تھوڑے غلطی سے گویا ہوئی۔

"وہ لوگ اور طرح کے جائیداد ہیں۔ وہ لوگ جو ظلم کہانیوں میں دیکھتی پاتی ہو۔ میری لاہور یوں میں سرچ لیڈر کی قائل موجود ہے۔ ان میں ناز کے سارے عناصر موجود ہیں۔ پڑھا لو۔ وہ تو ان میں اس طرح مدغم ہو گئی تھی کہ اپنی حصہ ان گئی تھی۔ اتنی لاپرواہ کر رکھا اور اخراجات۔ دلاور علی خان اور ان کی اہلیہ نے۔ ایک مرتبہ جب ہم دلی آئے تو وہ ہمارے پاس کو تین ان رہنے کیلئے آئی۔ یقین کرو پندرہ منٹوں میں پریشان ہو گئی۔ فوراً فون کر کے اپنی اردلی ماورہ کو بلوایا۔ حالانکہ جو اس کی کیا ساتھ تھی جو اس کے بھی سارے کام کرتی تھی۔ اس کے بال بہت حسین تھے۔ بہت لانبے۔ جنہیں اس کی ملازمہ دھوتی تھی اور وہی سنوارتی تھی۔ اس قدر عادی ہو گئی تھی کہ اسے معمولی زحمت دینے کے خیال سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔ دوسرے دن اس نے سامان سمیٹ لیا تھا کہ سڑک پر دولتی نزلہ کی وجہ سے اسے نیند نہیں آتی۔ اس بجائے اس مسئلہ متاثر ہو رہا ہے۔ امید ہے اب تمہاری سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ہم اسے بلانے پر اصرار کیوں نہیں کرتے تھے۔"

نجیب احمد پائپ میں تمباکو بھرنے لگے۔

"میں تو بس اس کے انتقال کی خبر پر جلدی میں آ گیا۔ اس لئے دلاور علی خان صاحب سے وقت پر دریا ہتی جانے کا خیال موقوف کر دیا۔ پھر وہاں تمہاری امی ہسپتال میں داخل تھیں۔ یہ بھی کوئی بات نہیں۔ اور تمہاری امی اور بھی تھیں اور بھی آ سکتے کیا بہت نہیں ہوتی؟"

"بہرحال۔ آپ کو ان کی تدفین سے بہت لوگوں کو مطلع نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کتنے رشتہ دار ایسے ہوتے ہیں؟ جو ایک ایسے سے واقف تک نہ ہوں۔ وہ تو اب میں جا کر وہاں تمہارے اس طرح کرائیں گے؟"

بھر سے لئے۔ لکھے دیں سر کتے ہیں۔ میں آپ کی سوچ کی [illegible] ایک دن کے آئی ہوں میں کل ہی واپس جا رہی ہوں۔ کہ [illegible] ہے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔"

"ہو ہو۔" نجیب احمد نے ہاتھ ملنے لگے۔

"پر۔ میں وہاں آ کر بھی کیا کروں گی؟" وہ الجھ کر بولی۔

"نوکری جائیداد کا [illegible] کھانا پکانا۔ کھانا کھا کے بچوں کا [illegible]"

نجیب نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"بچے کے بچے تو خود کہاں جانے والے ہو چکے ہوں گے۔ وہ [illegible] سے [illegible] سے [illegible] ہم ہو گی۔ کہاں ہیں؟"

"ہاں۔ ہاں۔ وہ کہاں۔"

"ہاں میں وہاں کیا کروں گی۔ میرے پاس [illegible] سے [illegible] ہیں۔"

"تم کون سا وہاں مستقل رہنے جا رہی ہو۔ تم کھانے پینے میں ان کی پابند نہیں ہو۔ نجیب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہاں۔ ہاں۔ بیٹے یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" نجیب احمد نے بھی تائید کی۔

"پیا۔ بچے تو رہے ہیں۔ جانے کس طرح کی ہو گی۔"

"بھئی تم ان کی خالہ ہو۔ رشتہ دار ہے۔ وہ تمہارا احترام کریں گے۔ مجھے یقین ہے۔ تمہارا وہاں بہت مان رکھیں گے۔ وہ نہیں کی طرح۔"

"خدا کرے میرا دل اس طرح لگے کہ وہاں جانے کا خوف نہ ہو۔" وہ بول اٹھی۔

"یہی تو دیکھنے جا رہی ہوں کہ وہ نہیں مجھ پر دل کیا گزرتا۔"

"تمہاری واپسی پر میں ایک ناول لکھوں گا۔ میرا عنوان ہو۔ ایسی۔" نجیب نے سر پر ٹوپی جماتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"ہاں اگر خیریت سے واپس آئی۔" وہ نہ جانے کیوں گھبرا رہی تھی۔

"زبردستی نہیں ہے بیٹا۔ نہیں سوا تو نہ جاؤ۔ میں تو تمہارا شوق دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔" نجیب احمد نے پھر اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔

"جاؤں گی تو خیر ضرور۔ چاہے کتنی بھی ہو۔" وہ بڑے مستحکم انداز میں گویا ہوئی۔

"بیٹے۔ کچھ خرچ کا بھی ضرور ساتھ لے کر جانا۔"

"خرچ۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ "نہ لحمان ہوئی؟"

"پھر تو وہ زبان کی مناسب رہیں گی۔ وہ ہستی کی آدھی ہستی تو اس عمارت میں ہے۔" وہ بڑا۔ لحمان کا نقطہ بے حد پسند آیا تھا۔

نجیب احمد بھی مسکرا دیئے۔

"اچھا بھئی اب تم تیاری کرو۔ میں ذرا بیٹی کو فون کر لوں۔ وہاں سب تمہارے منتظر ہیں۔"

"آپ کیوں نہیں چل رہے ابا؟"

"میں کسی دوسرے روز چلا جاؤں گا۔ ابھی تمہیں ساتھ لے کر ہی واپسی ہوگی۔ اکھی ذرا یہاں کام ہے۔"

"بہت اچھا۔ میں تھوڑی دیر سو جاؤں پھر تیاری کروں گی۔ ٹھیک ہے ناں ابا؟"

"ہاں ٹھیک ہے۔ دس بارہ دن رہنا ہو تو تمہاری امی کے لئے کپڑے بھی لیتا جانا۔ باقی کچھ چیزیں میں کل شام سے پہلے نہیں بھجوا سکوں گا۔ میرا خیال ہے تمہارے پاس خواب شاپنگ کا ٹائم نہیں۔"

"تقریباً۔ یہ تو ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ تیاری کے خیال سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس وقت صبر کی اذانیں ہو رہی تھیں اور اس کے دل کے نہاں خانے میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔

وہ بے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

پیچھے ہاتھ کر کے اس نے دروازہ آہستگی سے بند کر دیا تھا اور وہیں کھڑی ہو کر کمرے میں نظر دوڑانے لگی۔

سادہ سے فرنیچر سے آراستہ کمرا کسی طور دلہن کا کمرا لگتا نہیں لگ رہا تھا۔

اس قسم کی بے تو جہی بابا صاحب سے ڈھکی چھپی نہیں ہے مگر بڑی امی اور وہ جانتی ہیں کہ ظفری بھائی کس قدر حساس ہیں۔

سامنے سنہری ماربل سوٹ میں طویل گھونگھٹ نکالے دلہن جیسے سانس روکے منتظر تھی۔ وہ آگے بڑھی اور دولہے سے کلکاری بھری۔ دلہن دولہا "فوکی" پہچان کر کے پرسکون ہو جاتے۔ اس نے قدرے جھک کر گھونگھٹ الٹ دیا۔

گوپا بھلی کا شاگ لگا تھا۔ وہ منہ کھولے حیران دیکھتی رہ گئی تھی۔

اس قدر — اور شہر یار حسن آج سے پہلے اس حویلی میں نہیں تھا۔ میک اپ سے بے نیاز چہرہ۔ ہلکا پھلکا میک اپ اور صرف بھول — سے ستے سے سنگھار پر وہ ہوش اڑا رہی تھی۔

وہ ہم تو کھڑی تھی۔

حسن دیکھنے والے کیلئے ہوتا ہے خود ایک الوہی خوشی ہے۔ ایک آسمان سا تحفہ ہے جو دیدار سے فیضیاب ہونے والے کو دنیا سے بے نیاز کر دینے والی عطا ہے۔

اس نے خود کو آگاہی پر کیلئے گہری گہری سانسیں لیں۔ پلکیں جھپکائیں۔ بدقت تمام وہ بولی تھیں۔

"آداب!" اس نے کسی خواب سے جاگ کر اسے مخاطب کیا۔

پلکیں دھیرے دھیرے لرز رہی تھیں۔ بدقت تمام وہ بولی تھیں۔

لیلا بھوگ سا سندر رتھا نہیں مانے لگا۔

وہ جھکے تنے میں ادب کر کے مسہری پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

"آپ واقعی بہت حسین ہیں۔" اس نے بے ساختگی سے کہا تھا۔

وہ بات پوری ہوئی تھی وہ ہنس دیا تھا۔ اس کے انداز پر

اس نے دانستہ نظریں جھکا لیں۔

اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ایک لمحے، ایک لمحے اس نے محسوس کیا کہ وہ کانپ رہی تھی اس نے اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا تھا۔

"آپ واقعی بہت حسین ہیں۔" اس نے اس کے کان کی لو کے قریب سرگوشی کی تھی۔ "مجھے آپ سے ملنے کی بہت خوشی ہوئی ہے۔ اس کے بعد کی بات نہیں کی۔ سو حال ...؟"

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر آہستگی سے قریب ہی صوفہ پر بیٹھ گیا۔ ایک لمحے میں اس نے اندازہ لگا لیا تھا۔

"آپ کوئی بات نہیں کریں گی؟ حالانکہ اب تو ہماری زندگی آپ سے ہی وابستہ ہے۔ ہمارے لئے کچھ ...؟"

کہے ... کہے ... کہے ... [illegible] ... حال ... حال ... وہ بھی ... جیسے ایک دم سے

"اف کون آپا" ظفری بھائی تو ہنسی روکتے روکتے بے حال ہو گئے تھے۔

وہ اپنے قدموں سے دروازے کی سمت آئی تھی۔ اس نے ہاتھ ہلا کر ہنستے ہنستے کہا تھا۔

اس نے گھونگھٹ کی تلوار پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھولا۔

"اوہ" دروازے کی سامنے ہی آغا خارج ہوا۔

"تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" وہ ہنس دیا۔ وہ خوف سے بال بال بچ کی خوشی سے ہنس دیا تھا۔

"مزید تفصیل بعد میں۔" وہ گلابت میں بولا۔ "تم سے بیشتر یہاں سے دولہا بابا صاحب دلہن کے پاس گئے تھے۔"

"کیا!" وہ سر پیٹ دیتی تھی۔ دروازہ کھلا ہی رہ گیا تھا۔

ایک منٹ میں ہاری نے اسے جا لیا وہ ہاتھ ہلا کر اس کا بازو تھپتھپا کر آگے بڑھ گیا۔

وہ گھوم کر دروازے سے اندر آئی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ اس سے کہہ رہی تھی۔ کس بری طرح اس کا بازو دبوچا تھا۔

"یہ جو آپ دو دنیں لگا رہی ہیں اس میں کوئی شک نہیں آپ دو دن کے مقابلے میں دو گنی یا چوگنی بھی ہو سکتی ہیں آپ ضرور شوق فرمائیں۔ بس ذرا اپنے یہ سلیپر ہاتھ میں لے لیں۔ پھر آگاہ کریں "ہمارے تھپڑ کون سے ہاتھ میں لگنے ہیں۔ ہاتھ کی لگے۔"

وہ بھی چڑ کر بولا تھا۔

"جبکہ ابھی آپ نے گھوم کر کے کہتے سے دولہا ابھی سنبھالا ہے۔"

وہ اپنے بازو کو سہلا رہی تھی۔

"ہاں ابھی ہی سوئی ہے۔ اسے بخار ہے۔" وہ کہتے کہتے رکی۔ "اور وہ رو رہا ہے۔" اس کی آنکھوں تک پانی تیر گیا۔

"آپی! یہ ہسپتال ہے۔ یہاں ایسا ہوتا ہے۔ یہاں ہر طرف تکلیف ہے۔ آپ کو تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ بیٹوں سے عافیت مل جائے گی۔ آپ کے بھرے ہوئے گھر میں بچوں کی آواز نہیں آتی؟"

اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"سوری! مجھے ایسا خیال نہیں آیا تھا۔" اس نے رخسار تک آجانے والا اکلوتا آنسو اپنی انگلیوں سے صاف کیا۔

"ہمارے ابو زیادہ بیمار ہیں۔" وہ اس کے ساتھ ہی بنچ پر ٹک گئی تھی۔

"وہ آگے پیچھے کھوکھر کے کوارٹرز میں رہتے ہیں۔ ان کو ہوئے ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

ایسی ایجنسی کھوکھر کی ہے۔"

"میں نے وہاں دیر تک نہیں ہونا۔" اس نے کھوکھر سے کہا تھا۔

"نہیں ہرگز۔"

"تمہارا کام نہیں ٹھہک رہا اب۔" روشنی نے تیرانی سے چاروں طرف دیکھا۔

"وہ جو آپ بہت اداس تھیں ناں تو میں اسے استحان پر لایا تھا۔"

"اچھا۔ اچھا۔" وہ جذبات سے عاری کے کوارٹرز سے باہر آگئی۔

"ہاں! تم کھوکھر کو بتانا کہ یہ ضرور کرے۔ ہاسپٹل صاحب کو ویسے بھی مجھ سے شکایت رہتی ہے۔" اس نے پلٹ کر دربان کو یاد دہانی کروائی۔

وہ خاموش رہا۔

"جواب کیوں نہیں دے رہے؟" وہ جھلائی۔

"آپ نے حکم دیا تھا۔ میں نے سن لیا۔"

"بات بہت ہو گئی ہے اور دیر بھی تو ہیں۔"

"ان میں تو آپ اتنا بھی نہیں پوچھتیں کہ اٹھتا ہے یا چولہا ہے۔" وہ مسکرایا۔

"ہنسنا ہے۔"

"نان سینس۔ اچھا شب بخیر۔" وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"ہالو!"

"ہاں ماں!"

"دیکھ تیرے ابا کو بھتا ہو گیا ہے۔ بہت بلڈ پریشر ہے۔ اچھی طرح بھون لیجو۔"

"کیا بات ہوئی۔"

ہی دادا ہیں۔

"دادا جان کے ساتھ؟"

طیبہ اس کا مطلب سمجھ نہیں پائی تھی اس لیے حیرانی سے پوچھا تھا۔

"ہاں کہہ رہے تھے کہ اب وہ اکیلی اداس ہو گئی ہے کیسے اپنے ساتھ کھیلنے کے لیے کوئی ساتھی ڈھونڈے۔"

طیبہ کو وہ کرکٹ کھلاڑی یاد آیا جس کے ساتھ وہ کھیلتی رہی تھی۔ اس نے اس کو دیکھا جس کی عمر بمشکل دس سال تھی۔ وہ اپنی دادی کو کہاں سے ڈھونڈ کر لائے گی۔

شاید ۔۔۔ طیبہ خیالی پلاؤ پکانے لگی تھی۔ "کچھ کہہ رہی ہیں؟" اس کی آواز پر وہ چونکی تھی۔ "ہاں ہاں۔۔۔ جلدی سے ایک گلاس ٹھنڈا پانی لے آؤ۔"

جیسا کہ ایک خیالی سوفیصد ہونے والی تھی۔ کہ ۔۔۔ اور ایسا ہوا تھا۔

اس کی آواز پر فوراً آواز پر دینے والی تھی۔ اس کے لیے پہلے پانی کا گلاس لے کر آئی تھی۔

"ہمارے کی کرتے ہوں اتنی محنت۔ چہرہ ایک دم بجھا ہوا ہے۔ جاؤ اب ذرا کریاں ٹیچر سے مجھیں لے آؤں کی کچھ پیسے جمع کر کے۔ پھر تم اس ایک ہی کام کر سکو گی۔"

"اطمینت تو ٹھیک ہے آپ کی بے وقت آنے لے ہو کر خود ہو سے ہوا ہوں کی اور اس کے اپنے سے تو ہو گی تھی۔

"اے ٹھیک ہوں آج دوپہر کھی تو ہجت تیز ہے چکر آ گیا تھا۔" وہ اپنے ہونے ہو یاں کر رہا تھا۔

"چکر؟ کیا تھا۔ پہلے آپ کو کچھ نہیں آیا۔" اسے بے حد تشویش ہوئی۔

"اس اگر ہوں تو کریاں لگی تو ہو ہو کرتے ہیں۔" اس نے عقیدت سے اپنے کا ہاتھ تھام کر سہلایا۔

"اب سمجھ ہوں؟"

سلیم بھی اپنی روپے کی اور اس کو آئی ہے اپنی روپے نے ہی مشکل سے ہو ہو ہوتے ہوئے پانچ روپے کی ایک نوٹ!

اتنی ہمت نہیں ہو رہی۔ بیٹی کو بھیج کر کوئی کہنے والے سے ایک روپے کا قرض مانگ لے۔ بس!"

اگر خود ہی سے اپنے سے ہو ہو کر کھنے ہوئے اخر کہنے لگی۔

"میں خود ہی ایک روپے کا پتا ہو سے لاتی۔ تین ہی تھیں اپنے ہو لیے۔ اس نے اپنی ننھی ننھی ہتھیلی پر خود کو محنت ملامت کی۔

وہ اپنی خاموشی سے تنگ ہو کر اس کی اور روپے کی مت کہنے لگی۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اس کی نظر دروازے کی سمت گئی۔

"السلام علیکم!"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ کر صورتحال کو مزید سنگین بنانے والے اس کا سوت کیس اٹھایا۔

"دیکھیں بی ۔۔۔ یہ کہ ۔۔۔" وہ اس قدر ہڑبڑا گیا تھا کہ مدعا کو سمجھ کے سامنے گڑبڑا کر رہ گیا۔

"یاور علی خان۔ آپ ہاں ہیں۔ کہاں ہیں۔۔۔" وہ اس کو ہواری سے ہیں خطاب کرتے ہوئے کہاں کی خطاب کی اسے ہے وقت بھی ان کے پیچھے تقریباً بھاگتا ہوا۔

"یا اللہ! یہ ان لوگوں کا انداز ملاقات ہے۔ استغفراللہ۔" وہ اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگا رہی تھی۔ سیدھے ہاتھ کی

ہاتھ بڑھا دیا۔ کیپ کے پچھلے دروازے کو کھول کر انہوں نے سوٹ کیس رکھ کر بند کر دیا پھر دیکھا۔

"تو یہ اسباب ہے وہ بیٹ ہیلو، وہ ایسے دیکھتے ہوں گے۔ ان کا تو یقیناً انہوں نے دوڑا دوڑا کر برا حال کیا ہوگا۔"

وہ ان سے ذرا پیچھے کھڑے ہو کر محظوظ ہونے لگے۔

انہوں نے کیپ کا اگلا دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹ پر بیٹھ کر ان کا چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔ بائیں طرف دیکھنے لگی اور وہ اٹھ کر سے دروازہ بند کر کے دائیں طرف بھی آ گئے۔ اور وہ اپنے جسم کا بایاں حصہ ان کی طرف کیے بھی گویا ان کی موجودگی کو سانس روکے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔ وہ کار کے دروازے پر تھپکی لگا کر دوڑ پڑے۔ کار میں بھی تھوڑی دیر سے بے حد حبس اکٹھا ہو رہا تھا۔ جب ہی تو وہ اپنا پسینہ نہیں پا رہی تھی۔ خود پر بھی کبھی جانے کون سے دنوں کی دھول تھیں الجھی ہوئی۔

چوٹ سے اچانک وہ ساکت ہو گئی تھی۔ ان کی نیلی نیلی آنکھیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ گہری اور تاریک طرح کی نہیں تھیں۔ ان میں ایک نیلگوں سی چمک تھی۔ ان کے چہرے پر سنہری بالوں کی تراش خوش اندازی کی "سیاہ چشت" سفید بے داغ قمیص "سفید بے داغ شلوار" اس کی خوبصورت بڑی جس میں گہری نیلی پتلون کے گھیرے ہم آہنگ تھے۔ ایک ماحول میں جگنوؤں کی طرح ٹمک رہے تھے۔

"اچھی پسند ہے۔" اس نے خود کو یقین دلایا۔

"اگر وہ ذرا بھی ہیٹ کھلے اور ملنے والے ہوتے تو بڑی شان سے کہتے "اور سے خانان یا کمرس کی جگہ میں اور ہیا کس لے ویکھ"۔

ان نے خانے لہکا ہے۔

"کیا دیکھو ہیں گے کیا؟" وہ حیرت سے سوچنے لگی۔

"آپ خانہ بہت بھاری ہیں ہیں"۔ بالآخر وہ بولنے ہی لگی۔

وہ گاڑیوں کے ہجوم سے بڑی احتیاط سے کیپ نکال رہے تھے "ولی خوب نہ ہو"۔ وہ خجل سی ہو کر رہ گئی۔

چند لمحوں کے بعد کیپ ایک شاندار سڑک پر دوڑنے لگی۔

"آج سے آگین ہوست ایکم تو یو۔ جلدی میں نہیں ہوں۔ سفر بہت لمبا ہے راستے میں رات ہو جائیگی"۔ ان کی بھاری و پختہ آواز جو بظاہر یاد دہانی دے رہی تھی "بڑی تفصیل سے محو و خطاب میں مرتکز ہوئی۔

"آپ آئیے میرا مطلب ہے پہنچیں آپ؟" اس نے قدرے اضطراب سے گفتگو شروع کی۔

بادشاہ خان نے قدرے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

بہت ہی بزرگانہ انداز میں ان نے بچوں کی بابت دریافت کیا تھا۔

"شاید انہیں پتا نہیں چل سکا۔ میں ڈیمنوں سے واپس آ رہی تھی۔ پتا چلا آپ تشریف لا رہے ہیں۔ مجھے اس لئے لازمی "پڑا" کہ میرے سوا وہاں شاید کوئی دوسرا آپ کو آسانی سے نہ پہچان پاتا"۔

"وہ نے تھوڑی گی تو بھوائی تھی"۔ اب وہ ان کے اطمینان بحال ہوئے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

محسوس کر رہی تھی۔

"بابا!"

"جی بابا صاحب!"

"وہ ماہ سے بات کر کے مہمان کیلئے صاف ہو گیا؟"

"جی بابا صاحب! ابھی کر آرہی ہوں"۔ اس نے مودبانہ کہا۔

"ہوں"۔ انہوں نے گردن ہلا کے "ہوں" کہہ کر گویا اپنے مخاطب ہونے کا اعتراف کیا۔

"دیکھو! اس کا پھیلاؤ زیادہ نہ ہو۔ بس سے بند کرادو۔ اس میں تالا ڈال دو"۔

"جی بہتر"۔

"مہمان رہے تو اپنی بہن کے مہمان کے پاس۔ زیادہ ہو کوئی نہ رہے"۔

"جی"۔

"خاص طور پر وہ شانے"۔

"جی"۔

"یہ مہمان کہاں سے آرہی ہیں بابا صاحب؟" اس نے عام سے انداز میں سوال کیا۔

"کراچی سے — ماہین نام ہے۔ روشانے کی نئی خالہ ہیں"۔

"اوہ! روشانے کی نئی بہن"۔

"ہاں"۔

"گھر میں اور کسی کو خبر نہیں"۔ اس نے گویا کوئی لائحہ عمل ترتیب دینا شروع کیا۔

"تمہاری بڑی امی اور بڑے بابا کو اطلاع ہے"۔

"انہوں نے تو ہنسی سے جواب دیا"۔

بابا صاحب نے جتنی دلچسپی اور رعایت باری کو دے رکھی تھی اور گھر میں اور کسی کو حاصل نہیں تھی جس پر سارے گھر والوں کو بہت تعجب تھا۔ اسے ان کے منہ خاص کی حیثیت حاصل تھی۔

"دیکھو! جیسے ہی یہ مہمان کو لیکر گھر میں داخل ہوں سیدھے میرے پاس لے کر چلے آنا۔ ماما بلی کو ہمارا کید کرنا مہمان سے پہلے دیکھنے نہ پائے۔ نہ جانے وہ کس وقت آئیں۔ گھنٹا بھی پوچھنا ہوگا"۔

"کیوں —؟"

"بلی —!"

"ارے سے کہنے سے پہلے مہمان کیلئے روح افزا لے جانا۔ خوامخواہ پوچھے بغیر۔ ضروری اشیاء اس طرح بھیج دیا

کرتے ہیں۔ اشتیاق سے پوچھنا کہ کیا لیں گے؟"

"بہتر بابا صاحب"۔ بلی نے وہاں سے واپس کا قصد کیا۔

"سنو! کیا کہتے ہو؟"

"وہ ابھی تو ہوں ہی آئی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہاں نہ آئیں"۔

"ہاں اس کو بھی ذہن میں رکھو۔ اگر ایسے ہو تو پھر ہم خود ہی ان کے ہاں چلے جائیں گے"۔

"جی بہتر"۔ بلی نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اور دیکھو"۔ بابا صاحب نے پھر کہا۔

"جی"۔

"مہمان سے کوئی ایسی ویسی بات نہ کرنا۔ نہ کوئی سوال کرنا۔ نہ ہی کوئی ایسا ویسا سوال ہو۔ کوئی ایسا سوال نہ ہو جس سے مہمان کو تکلیف ہو۔ سمجھ گئیں؟"

"جی بابا صاحب"۔

"جاؤ"۔

"کوئی اور حکم؟"

"مہمان"۔ وہ انتظار سے کہہ کر مڑ رہی تھی۔

"کون مہمان؟" وہ چونکی۔

"یہ سارے گھر میں آپ ہی کیا اس قدر تجسس کی حالت میں تھیں؟" وہ مسکرایا۔

"نہیں بابا! کون مہمان ہے؟"

"ماما بلی تمہیں کچھ پتا ہے؟"

"نہیں بھئی جلدی کہو نا"۔ وہ تیزی سے بابا کا پاؤں دبانے لگی۔ "ہاں کوئی ایسا سوال نہیں کرتی۔ ہاں اب پتا ہے کیا ہو سکتا ہے"۔ بلی مسکرائی۔

"آپ سے پہلے مجھے کیا پتا ہو سکتا ہے بلی بلی"۔ بابا نے اچھا کہہ کر مڑتے ہوئے کہا۔

"لیجئے تو میرے پیارے بچے ہیں چل جائے گا پتا"۔ روشانے اچھا کہہ کر گھر سے باہر نکل گئی۔

وہ تو گرلز ہاسٹل میں اپنی معلومات سے کوئی دھماکہ کرنا چاہتی تھی مگر پتا نہیں کیا ہوا تھا۔ وہ دیوار سے لگا سا کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرہ پر سکون تھا۔ جیسے وہ کسی گہری نیند میں ہو۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ وہ اس کاغذ کو بڑی توجہ سے پڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ وہ اس کاغذ کو بڑی توجہ سے پڑھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو۔

"یہ آپ کی کیسی بہن ہیں" بھرپائی" ہوئی ہے؟" بھتیجے نے پوچھا۔

"چلیے آپ کو آگے سے بھرپائی کا مطلب سمجھاتے ہیں۔ آپ کی امی جب بھی ہم سے ناراض ہوتی ہیں تو ہمارے گھر میں ہمارے لیے کھانا نہیں پکتا۔ ہمیں آپ کی امی کی بھرپائی سے بہت فرق پڑتا ہے اور ہمارے گھر میں کہرام مچ جاتا ہے۔ اس لیے ہم ان کو منانے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ ایک زمانے سے یہ ہوتا آ رہا ہے۔ ہم ان کو منانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ ہمیں ڈانٹتی رہتی ہیں۔ اسی کو بھرپائی کہتے ہیں۔"

"اچھا سمجھا کہ کوئی ایک تو نہیں ہوتا ہے سمجھانے کو اور ڈانٹنے کو۔" بھتیجے نے کہا۔

"تو سمجھے کہ نہیں بھرپائی" کہ ہم بھرپائی ہوں بہت سے دشمن"۔

"کل کی ہوتی تو اسی وقت بات کی اور ضروری کام سے بھی جا سکی"۔

"حالانکہ وہ بہت سے بھتیجے کی امی کی آواز آئی۔ اس شور شرابے میں اس کی کسی کو خبر نہ ہو سکی۔

"تمہیں کوئی اس کا علاج بتا سکتا ہے؟" بھرپائی نے ہار مان کر پوچھا۔

"وہ تو نہیں بتا سکتا جو بتانے کی کوشش نہیں کرتا۔ لوگوں کو اندھیرے میں رکھ کر چلاتے ہیں۔ اس کا علاج ہے

"وہ تو ایک ہی ہے"۔ وہ ایک ہی ہے"۔

"تم سمجھے نہیں۔ یہ بھرپائی کا علاج نہیں کہتی"۔ بھتیجے نے بڑوں کی طرح سمجھایا۔

"کیا ہے"۔

"کسی کو بھی کسی کے بھرپائی نہیں سمجھتی۔ بچی خاصی خود کفیل ہوں۔ بھرپائیوں کے محتاج ہیں"۔

"اچھا بھرپائی کا علاج ہم کرتے ہیں۔ اگر کوئی بات نہیں۔ بھتیجے نے بھتیجے کو دلاسہ دیا۔

"میں اسے بتاؤں گا کہ وہ بھرپائی کہنا چھوڑ دیں۔ اگر آپ بہن ہیں تو بھرپائی نہیں کہوں گی۔ اب تو بھتیجی ہو گا۔ وہ بھتیجی ہو گی۔

اور بھتیجے کی نیز اندازی میں بھرپائی کہنے پر گویا بھتیجے پر بہت بھتیجی۔

"فیروز! اب تم نے میرے ساتھ کبھی ایسے ویسے کا تعلق مذاق میں بھی جوڑا"۔

"میں اس سے شادی کروں؟ اس سے تو کنواری مر جاؤں!"

"ارے بھئی! اچھا مذاق ہے"۔ بھرپائی نے بیچ بچاؤ کرایا۔

"ارے بھئی یہ بڑی بدتمیزی کرتی ہے"۔ بھتیجے کا غصہ ٹھنڈا ہو کر نہیں دے رہا تھا۔

"بڑی بات چھوٹی ہے"۔ بابا صاحب ہمیشہ سب سے آسان سا جملہ کہتے ہیں۔ بھتیجے کے انداز شدید ہو گئے۔

"چھوڑو بھتیجے! اجر بھی کم ہے اور عقل بھی! بوش کی دعا کرو۔ ایسا فسادی کی بات ہے! بے چاری اول تو کسی کو کچھ کہتی بھی نہیں ہے"۔

بھرپائی نے ماحول میں امن پیدا کرنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ قہقہہ بھی بلند کیا۔

"واللہ آج یہ کیا شور ہا ہو گیا۔ کتنا اچھا اور کرام ہاتھ دیتے تھے ہم لوگ۔ خوش قسمتی سے بھلی دایا ہوا ہے کہ بابا صاحب

نے ہم سے تو کہا ہے کہ ایک ہی بات کہنے کے لیے ہم کو ایک ہی بات کہنا ہے۔

"یہ بھی کیا بات ہے ہم سب ایک ہی بات کہتے ہیں۔ ہم کو ایک ہی بات کہنا ہے۔ ہم کو ایک ہی بات کہنا ہے۔ ہم کو ایک ہی بات کہنا ہے

آپ کتنی کمیں اور کتنی اپنی بات سے ایک بار ... باقی لوگوں کو بھی لے لیں؟"

"میں کہ ... میں کہ ... سے لیں گے ... مگر امید ہے ... سے زیادہ ہی میں کہ ... کے علاوہ ہم اور بھی کچھ ... کر دیں گے۔ ... کا شوہر ہے۔"

"ہاں اچھی خاصی ہے۔" ... نے سوچ کی بات کاٹ دی۔

"کیا لوگوں میں سے بھی کوئی جا رہا ہے؟" ... کی نظریں ... والی اسکرین پر تھیں مگر ہر حال ... خواتین میں شامل تھی۔

"اس شوہر ... وہاں کے گھر کے اندر کی ... میں ... نے کی اجازت نہیں اتنی کمی ... کی اجازت تو ... ہی ہے۔" ... نے استہزائیہ انداز میں ... کی طرف دیکھا۔

"اگر تو ... ہے تو وہاں شاید ... بھیج دیں بابا صاحب!" ... نے ... کو سوچتے ہوئے کہا۔

"مگر ... تو خواتین سے ... ہے۔ ... بھیجیں گے بھی تو وہیں جائیں گے۔"

... نے تجزیہ کیا۔ ظاہر ہے وہاں ان کی ... بہن تھی۔

"مگر بیٹی کسی مرد کے بابا صاحب ... جانے کیسے ... گے؟" ... کافی دیر سے خاموش بیٹھی تھی۔ اس نے ... کی بات کی تھی۔

"شاید خواتین میں سے کسی کو بھیج ... ۔ مگر ایک میں ... ملازم تو ویسے ہی ... دیتا۔" ... نے اندازہ لگایا۔ "... ہو سکتا ہے۔"

"شاید بابا کی ... بھیج دیں۔" ... بھی اندازوں میں شریک ہوئی۔

"کچھ بھی ... بابا صاحب کو ان ... کے ... ایک پل ... گزارنے ... ۔" ... کی نے ... کے لیے ... کے ... کا استعمال کیا۔

"ہو سکتا ہے ... بھیج بھی دیں۔ بابا صاحب کی طرف سے ... ہو سکتی ہے۔" ... نے ... طویل خاموشی کے بعد ... کہا۔

"کچھ بھی نہیں ... ہو ... نہیں ... ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔" ... نے فوراً رد کر دیا۔

"اگر ایسا ہو گیا؟" ... نے شرارت سے پوچھا۔

"تو میں تو ہرگز نہیں جاؤں گی۔ آ ... ہے بابا ... گھر کا ... ہے۔" ... حل کر دی۔

ایک فرمائشی قہقہہ ... جس میں ... نے حصہ نہیں لیا تھا۔

"خیر جانے وہ کوئی بھی جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمیں خوشی سے بھیجا جا رہا ہے۔" ... نے ... ہوئے کہا۔

"... صبح ... کی ... کو ... بابا صاحب کے کمرے سے نکلے تھے۔ ... نے ... خواتین سے ... کی ... کیا۔

"ہاں بہت ... تھا۔ ... نے ... کی ... کی ... کی۔

"... وہ ... نے ... کو ... کی ... دیا؟" ... نے ... کی ... کی۔

"... کیوں ... ؟ ... نے ... کی ... کی ... ۔" ... نے ... کی ... کی ... کی ... کی۔

"... کیسے ... کی ... ہو ... کی ... نے ... کی ... کی ... کی ... کی ... کی۔

... کی ... کی ... ہو ... کی ... کی ... کی ... کی ... کی ... کی۔

... کی ... کی ... کی ... کی ... کی ... کی ... کی ... کی ... کی ... کی۔

"

"آپ کا بھی یہ حال ہوگا۔" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے معاف کرنا۔" انہوں نے نہایت عجلت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"مجھے جانا ہے اور کھانے پینا کی چیزیں بھی لانا ہیں آپ کو کچھ چاہیے؟"

"آپ ابھی کسی تکلف کے آجائیں گے۔" اس نے دوبارہ کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

"کیا ہم آپ سے کل ملیں؟" اس نے پوچھا۔

"شاید۔" وہ بولی۔

"شاید کے معنی ہیں کہ آپ خود خوفزدہ ہیں۔ ہمارے کہنے کا مطلب ہے۔ آپ کی یہ حالت ہے ہم سے بھی نہیں دیکھی جاتی۔"

"کل ہاں۔"

"آپ تو آئیں گی نا، دیکھتے ہوں گے؟"

"کوشش کروں گی۔"

"کوشش نہیں، مجھے اس کا جواب نہ چاہیے۔"

وہ قطعی ہو گئی۔ دل کرنے والے کو جواب میں خاموشی ملے تو اس کی کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کیلئے ہی سہی اپنی نگاہوں میں گر جانا ہر کسی کو برا لگتا ہے۔

"آپ کو کیا واقعی آنا ہوں گی؟" بہرحال اس نے خود کو یقین دلایا۔

"ہاں۔" وہ اثبات میں سر ہلا رہے تھے۔

"ہمارے ساتھ کچھ کھا کر جائیں۔ ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ پھر ہم کھا لیں گے۔"

وہ اٹھی تھی تو بوڑھے نے ایک جھجھکتے سے کہا تھا اس کے سامنے ہیپ رکھ دی تھی۔

"ہاں؟"

"کل۔"

"میں کل وہاں سے آپ سے پہلے پہنچنے کی کوشش کروں گی۔"

"یہ بات؟" اس نے چونک کر بوڑھی کی صورت دیکھی۔

"آپ تو نہیں جانتیں مجھ سے کیا کرنے کو کہا جا رہا ہے۔" وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔

"اچھا ہی ہے آپ کا۔" وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔ "مجھے نہیں پتا آپ خوش ہوں گی یا نہیں۔"

وہ اٹھے اور ہیپ اٹھا لی۔ "میں یہ نہیں سمجھ سکی کہ تم مجھے لے کر چلو گے یا کہو گے کہ بڑی امی کے پاس

جاؤ۔ وہ تمہیں راستہ بتا دیں گی۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ بوڑھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسا تاثر تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس نے نظریں جھکا لیں۔ وہ بوڑھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

صوفیہ نے اپنی پیشانی رگڑ لی۔ وہ کل کا دن تھا۔

اس نے بڑی امی کو دیکھا۔ وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"آپ کو کیا ہوا ہے؟" وہ بولی۔

"کچھ نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"کچھ تو ہے ہی نہیں۔" وہ بڑی حسرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"نہیں تو۔ بس یہی نظر کی کمزوری ہے۔ تھوڑا سا چکر آ گیا تھا۔ آپ کو کچھ نہیں ہوا ہے۔"

روشنی کو یقین نہیں آیا تھا۔

قربانی سے پہلے یہ ہوا کرتا ہے۔ بڑی امی نے کہا تھا۔ ایسے وقت میں خدا کے پیارے اور برگزیدہ بندے ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں۔ ایک دہشت سے جو انہیں گھیر لیتی ہے۔

اس کا دل بھر آیا۔ وہ خود کو سنبھال نہ سکی۔

بھرا ہوا بادل کھل کر برسنے لگا تھا۔ وہ سسک سسک کر رو دی۔

"بڑی امی آپ کو کیا ہوا؟" آپ رو کیوں رہی ہیں۔ دیکھیں۔"

اس کی حالت قابل دید تھی۔ روشنی نے کشکول نیچے پر رکھ دیا۔ صوفیہ نے اسے بہت پیار سے لیا۔

"بڑی امی۔"

"ہوں۔"

"آپ اس کو کہاں لے جا رہی ہیں؟" صوفیہ نے اسے شانوں سے تھام کر بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"پتا نہیں۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کا ترفع تھا۔

"پھر کہاں رہتی ہیں؟"

وہ اس کی سادگی پر مسکرادی۔

"اگر فقیر نہ ہوتا تو بھی یہ سوال سننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس نے تحمل سے انھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"معاف کرنا آپ تو شہزادی ہیں نا؟ لگتی ہیں۔"

روشی نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"بھائی اظفری بھائی مجھ سے بہت بڑے ہیں۔ آپ بھی بڑی بھابی ہیں مجھے بھابی کہیں۔ میں آپ کی بھابی ہوں۔" روشانے نام سے پہلے بھابی لگتے ہیں۔ "آپ بھی مجھے روشی کہا کریں۔"

اس نے جھومر کو شانوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھادیا۔

"اچھا یہ بتائیں اظفری بھائی نے آپ سے کیا کہا تھا؟"

"وہ تھیں ? ? ? ? ? ? ? ? ?" اس نے جھجکتی سے روشی کی سمت دیکھا۔

"میرا مطلب ہے شادی کب کریں گے؟" اس نے فوراً دوسرے لفظ میں وضاحت کی۔

"ابھی مجھے ان کے ارادے نہیں پتا۔" جھومر نے نظریں جھکا کر کہا۔

"سمت کے اشارے بھی نہیں؟" روشی نے شرارت سے جھومر کو اپنے بازو میں سمیٹ لیا۔

نرم سے جھومر کے چہرے پر لالی پھیلنے لگی۔

"بھائی اظفری بھائی آپ کو بہت چاہیں گے۔ یقین کیجیے۔ آپ ان کی محبت کا ظرف دیکھیے گا۔"

"کیسے نہ کروں گا، وہ دن کیسے کٹیں گے؟" اس نے اک سراپا تصور کیا۔

"مجھے اپنے بچپن کے کارنامے سنائیے۔" روشی نے اس کی توجہ بٹانا چاہی۔

"بڑے تو نہیں سارے ہیں، کارنامے نہیں ہوتا۔"

"اسے کیسے ہوں ہوتا ہے، آج سے تم تبدیل کیا کریں۔ اظفری بھائی بہت خوش ہوں گے۔"

"وہ تو مجھے اپنے بھی بہت خوش ہیں۔" اس کے لہجے میں یاسیت تھی۔

روشی خاموش ہوگئی۔ جھومر کی طرح خاموش جیسے دعا کر رہی ہوں کہ جھومر اپنی اداسی آنسوؤں کے ساتھ بہا دے۔ جانے کتنی دیر وہ خاموش رہتیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس میں کسی لمحے صداقت کو ڈھونڈنے کا حوصلہ نہ تھا۔

"کون ہے؟" جھومر نے پوچھا۔

"میں ہوں بھابی جان۔" روشی نے جواب دیا۔

"آجاؤ۔" جھومر نے کہا۔

روشی نے جھومر کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان دیکھے۔ اس کی آنکھیں بھی نم تھیں۔

"کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" جھومر نے سر جھکا لیا۔

"کچھ تو ہوا ہے۔ آپ نے رونا کیوں

"جن کو بچوں کو سنبھالنے کا ہاتھ ہوتا ہے وہ فوراً حمل لے لیتے ہیں۔ مجھ سے بہت سال بعد شادی ہوئی تھی ان کی۔ بچے بھی ہو چکے ہیں۔ کچھ ہونے کا خوف نہیں۔"

اس نے بات کے اختتام پر گہری سانس لی۔

"اور خواتین بھی تو بڑی امی کے علاوہ وہاں آتی ہیں۔ آپ سے نہیں ملیں؟"

روشی کسی خیال سے چونک کر پوچھنے لگی۔

"نہیں، میرے پاس بڑی امی کے علاوہ کوئی نہیں آیا۔" مجھ سے نے کہا۔

(حالانکہ میرے علم میں ہے، ارفعہ بچی اور بڑی پھپھو بڑی باقاعدگی سے یہاں آتی ہیں)

"ہائی! مجھے یہاں بہت ڈر لگتا ہے۔ مجھ سے کوئی نظر نہ آنے والی آواز میں آ کر کیا واقعی کچھ کہے گا؟"

"کیسی باتیں کرتی ہیں؟"

"زیادہ تو نہیں سمجھ سکی مگر ایسا لگتا ہے کوئی روتا ہے۔"

روشی کے دل پر ایک دھکا سا لگا۔

"(یا میں ... اور کون روتا ہے؟)" "آپ کو یقین ہے؟" اس نے الجھ کر پوچھا۔

"آپ کا گھر ہے، آپ کو نہیں پتا؟" مجھ سے چڑ کر بولی اور روشی مزید الجھ گئی۔

"یہ گھر نہیں ہے بھابی! ابا صاحب کی سلطنت ہے۔"

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ مجھ سے پہلے سے بڑی امی کی ہارمونز آواز سنائی دی۔

ایک لمحے کو تو وہ پتھر ہو کر وہیں بیٹھے رہ گئی۔ پھر مڑ کر دیکھتے ہوئے خوف زدہ تھی۔

وہ خود ہی سامنے آ گئیں۔ ان کی آنکھیں اس کی ریڑھ کی ہڈی میں کپکپاہٹ پیدا کر رہی تھیں۔

ساتھ ہی تیرانی بھی وہاں تھی۔

"تم یہاں کس طرح آئیں؟ وہ بھی اتنی رات کو۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟ تم سمجھتی کیا ہو اپنے آپ کو۔ یہاں وہاں اپنی من مانی کرتی ہو۔ تمہیں احساس نہیں کہ ساری مصیبت مجھ پر آئے گی۔ یہاں میرے نواسے نواسیاں ہیں۔ تمہیں باکس اور کو کیوں دلچسپی ہو؟" یک دم ان کی آواز بھرا گئی۔

"یہاں حکمرانی ہوتی ہے، دھتے داری نہیں۔ اٹھ جاؤ یہاں سے۔ آئندہ پر گز نہ دیکھا جائے۔ میں کہہ رہی ہوں جاؤ یہاں سے۔" وہ بے رحمی کے لہجے میں برہمی کا اظہار کر رہی تھیں۔

روشی خوف سے جھٹکا کھا کر کھڑی ہو گئی۔

"اف میرے خدا!" اس نے گھومتے کواڑ دیکھ کر گہرے سانس کھینچے۔

"کھا کر ابی بابا کو خدا یاد آتا ہے۔" اسے نہایت قریب سے بڑی کی آواز آئی۔

"بادل! میں تمہیں شوٹ کر دوں گی۔ جنات کی طرح میرا پیچھا کیا ہوا ہے۔"

"بہت ہی فرش قسم کی عورتیں ہیں۔ کھانے سے دو لقمے پر چھوڑ دیتے ہیں۔ کراچی سے آئی ہیں، کچھ پتا ہے؟"

"نہیں، اسٹاف آج چھٹی پر ہے۔" نعمان کی صورت دیکھتے ہوئے بتایا گیا۔

"تمہیں اسے ساری بات بتانی چاہیے۔ کچھ تو اندازہ ہو اسے۔"

"بے جان! اگلے کو تو کچھ ہوش ہے نہیں بتانے کی۔"

"ہوش تو ہے۔ کہا تو ہی اس نے کہ اس کے لئے بات کرنا بہت مشکل ہے۔ کوئی ..." وہ پھر مسکرا دیا۔

بادل ہاتھ مارتے ہوئے مسکرایا۔

"پہنچی کون ہے؟" روشی نے تو بہت کی۔ جب سے تھپے ہے سوال تھا۔

"بی گھوڑی آئی ہے۔ مطلب کچھ اور؟" وہ ہونٹ چبا رہا تھا۔

وہ کھسیا کر ہنسی۔ اس پر مسکرا دینے کی مشکل ہے اور مشکل ہے۔

بھلا اس رات کی تنہائی میں ...

...

"ہونہہ! بابا صاحب کا بچہ!" وہ پاؤں پٹختی ہوئی اندر آ گئی۔ کھوکھر کی بیوی سے جاتی ہوئی سے مگر نہیں بتایا۔ بادل بھی ان کے پیچھے پیچھے آئی تھی۔

آج ہم لے بھی خبر سے بس کر
جیسے ہاتوں کی لکیر ہوتی ہے

"بھائی! وہاں کہاں ... یہ ہے ہم ادھر۔" اس نے اندھیرے میں مسکراتی ہوئی آواز کی طرف کہا۔

"بھائی! تو کتنا اچھا ہے یہ فقرہ۔ کاش! میں مر جاؤں۔ بتاتے ہیں۔" وہ اس کے پاس ایک جھٹکے سے بیٹھ گیا۔

"اور کیا حال ہیں تمہارے؟" اس نے تھکے تھکے انداز میں عارف کا حال پوچھا۔

کہتے ہیں عمر رفتہ کبھی لوٹتی نہیں
جا سکتے ہو تو میری جوانی اٹھا کے لے

"کیا حال ہوتا ہے اب ہمارا؟" وہ اپنے مخصوص زہریلے انداز میں ہنسا۔

"میں تیرے بارے میں سوچ رہا تھا۔ تیرا بیٹے سے یہ حالت ہوئی ہے، وطن جیسے سے؟"

وہ عارف کی سمت گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہمارے متعلق نہ سوچا کر۔ تیرے اپنے دکھڑے کم ہو گئے ہیں؟" عارف بالکل بیٹھ گیا تھا۔ بیٹھ بہت لمبی بات ہے۔ بیٹے تک بچے حالی ہوئی تھی اور تھکے ہوئے پاؤں پھیر رہا تھا اور بیٹھ بھی گیا تھا۔ بیٹیاں بیٹھی ہیں، بیٹیاں بیٹھی ہیں۔ بیٹے

"سعدیہ" نام کا تعویذ بھی اندر نہ جا سکا۔

"عارف یار... لال خان بہت تنگ کرتا ہے"۔

"پھر مت کرتا ہو گی؟" عارف نے بیچ میں سے بات اچک لی۔

"ہاں بھائی"۔

"یہ تو ہے اس دھندے میں بلکہ ہر دھندے میں سالی گرون پکڑی ہوتی ہے ... ہر کوئی نظر رکھتا ہے ... دیکھ لوں گا اس سے"۔

"ابھی کر لو یار آج مجھے چکر آ گیا تھا۔ ہسپتال نے پیسے نہیں دیئے واپس گھر جو پڑا"۔

"کوئی گھریلو ٹوٹکا کھایا کرو نہ دیئے گا تو دیں گے کیا؟"

"کہاں سے کھاؤں؟ ابھی کچھ پتا ہی نہیں"۔

"ابھی بھی نہیں پتا؟ کیا سونے کے نوالے کھلا رہا ہے اللہ کو؟" وہ بے اختیار ہی ہنسا۔

"ابھی وہ پوری اجرت دیتا ہی کب ہے۔ یہ سارا بھی اپنے سے ہی بھیجا ہے۔ قسمت ہی خراب ہے"۔

"پھر بھی کچھ تو دیتا ہو گا؟"

"ڈوشے کی دوائیاں بڑی مہنگی ہیں پھر پھیپھڑا ادھار بھی تھا"۔

"دو دن میں تو حالات نہیں بدلیں گے، ذرا انتظار کر، ہمارے جیسے ضرورت مند دل سے ہی ان کے دماغ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں"۔

انہیں اپنی صورت پہ یوں ناز کب تھا
ترے عشق رسوا کو اختر دعا دیں

"تو پھر چل رہا ہے؟" اس نے عارف کی سمت بہت امید سے دیکھا۔

"پہلے سر کا درد لے تو کنڈی بھی کھولیں گے پر ارہام لگے گا اٹھنے میں ہمت باندھ رہے ہیں۔ ذرا ہاتھ خام کرانی کرو بھائی"۔

"یار تم سے تو اٹھا نہیں جاتا پھر تمہاری اتنی چلتی کیسے ہے؟" اسے حیرانی ہوئی۔

"زہر زہر کو مارتا ہے نہ نہیں؟ تو ہاتھ ہے کوئی قابو نہ لاتا ہے تو کیا ہوا؟ سالس تو پوری کرنی ہے۔ ایک آدھ چاپی تو دیکھنی پڑتی ہے جیب میں"۔

اس نے جیب سے سگریٹ اور ماچس کی ڈبیا نکالتے ہوئے بڑی تسلی سے جواب دیا۔

"اب تم سگریٹ پیا کرو گے؟" اسے بھی جلطفی تھی عارف اتنی اپر نکلا رہا تھا۔

"کہو گے تو بھائی بنا لیں گے۔ ہاتھ ہے بھائی سٹ لگانے بغیر دنیا کا کوئی مورچہ نہیں لیتی"۔

"ویسے لوشا اب پہلے سے بہتر ہے، تم تو یار میرے محسن ہو بھیک بھی مانگتا تو اس وقت اتنی تو نہ ملتی"۔ اس کے لہجے میں

محبت تھی۔

"ہاں بھائی وہ جب کمزور تھے تو کسی کے نام سے نہیں لیتے تھے تو ہسپتال آ جاتے ہیں" ... وہ ذرا رکا پھر کہنے لگا تھا کسی شرارت ہو گی۔

بڑی مشکل سے کھانسی تھمی۔ "تمہیں پتا ہے ہمارے ہسپتال نے ہمارے ہوتے ہوئے ان کے لیے ... کوئی سہولت نہیں دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہسپتال سے نہیں ہوتی"۔ وہ بھی ہنسا تھا۔

"وہ کون؟"

"پھر بتائیں گے یہ اسپیشل ہم"۔

جیسے گئے وہ سارا ہنسی بھلا کر
اب تو بس آواز ہی آواز ہے

"یہ کیا تھی وہ تمہاری؟" وہ سارگی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں یوں کہا کرتی تھی اپنے اہتمام سے کہا جاتا ہے ہاں؟" وہ ماضی میں کھو رہا تھا۔

"تم تو بیوی والے ہو کر بھی بڑے آوارہ قسم کی لگ رہی ہو، تمہاری زندگی میں ایسا کیا ہوا ہے۔ ہم سے پہلے ملتے تو ہم مشورہ دیتے کہ معاشقے بھی کیا کرو"۔

"یار اور بات ہے معاشقہ کسی اور سے شادی کسی اور سے"۔

"بھائی تیری باتیں اپنے کھانے میں نہیں لگ رہیں، کچھ یاد ہو تو کر"۔

"ذرا سہارا دو"۔ عارف بمشکل اٹھتے ہوئے بولا تھا۔

اس نے دل و جان سے اسے سہارا دیا اور اسے تھامے ہوئے نلکے کی طرف آیا۔

"لال خان!" اس نے پوری قوت اکٹھی کر کے آواز دی تھی پھر بھی ہانپ گئی تھی۔

لال خان ایک ہاتھ میں پراندہ اور دوسرا میں پر رکھے بڑے دروازے کا رخ کر رہا تھا۔

عارف کی آواز سن کر وہ پلٹا آیا۔

"یار وہ ادھر کمزور کھڑے تیرے بالوں میں سفیدی آ گئی۔ انسان اب بھی نہ پہچانے گئے تھے" عارف کی ہمت آواز میں کوئی بات تھی۔

"کیا گھنٹی ہو گئی ہو گی؟"

"اس کا چھوڑ کر ایک بار اسے آرام سے یہ ماری پنے والا نہیں چھوڑ کر مر گیا تو آئے گا پھر یہ تیرے پاس"

"ایسا کچھ آسان ہے تیرے سے بڑا پاگل نہیں ادھر کوئی"۔ عارف اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔

"اس کی بے سدھ پڑی کر ہلکا پھلکا سا رہ جانے کے لئے قریب کوئی گھر والا کھائے گا پھر اس سے کہے گا تو باقی سوچیں گے"۔

ڈل خان نے کسی معمول کی مانند عارف کے حکم کی تعمیل کی۔ بڑے ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ اسے عارف کے رویے پر سخت حیرانی ہوئی۔

"وہ مر گئے تھے یہ بکواس وہ پاگل ہو گیا ہے اور سے — خوش؟"

"میں نے تمہاری — وہ اتنی آسانی سے کام ہو جائے گا کر لیا ہو گیا۔

"تم خوب پہچانتے ہو جائیں بڑی گاڑی ہو جائے گی آسانی ہے ہمارے ہو جائیں گے قیدیوں کا کیا اور بڑے سیٹھ بھروسے کی بات ہے"۔

"بھائی!" اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ "اب میں جاؤں؟"

"بھائی مجھے بھی ذرا رکنے کرانے میری ماں میرے مجھے کا بھی دو چل ہو گی"۔

اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بے نیازی سے ماں کا کھ بیان کیا۔

"ماں کو لینے دو تم عارف بھائی!" وہ اسے تھام کر باہر کی سمت بڑھا۔

"یہ ماں بھی عجیب ہوتی ہے۔ روٹ دو تب بھی روتی ہے نہ دو تب بھی روتی ہے"۔ وہ مسکرایا۔

"جو عمر تک اس نے تمہیں دودھ میں پالا پلا کے تو روئے گی نہیں؟"

وہ اس کی ماں کا کچھ محسوس کر کے اداس ہو گیا۔

"اس عمر تک سارے سے نہ جانے ہم نے کتنی زندگیوں کو کھلا دیا ہے۔ پھول کی طرح میرے یار اسود کے ساتھ حاصل لٹایا ہے"۔ ہا — ہا — اس کی ہنسی میں لوچ تھا۔

اس نے عارف کی سمت دیکھا اس کی آنکھوں کے دونوں گوشوں سے آنسوؤں کی چمک ظاہر تھی۔

"روشی"۔ وہ لاؤنج کی طرف جا رہی تھی کہ بڑی امی کی آواز آئی۔ وہ وہیں رک گئی۔

"جی امی!"۔ اس نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔

"میرے کمرے میں آؤ"۔ وہ بائیں طرف بنی طویل راہداری کی سمت بڑھ گئیں۔

وہ دل ہی دل میں اللہ کی پناہ مانگتی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

وہ ایک دروازے پر جا کر ٹھہر گئیں اور مڑ کر دیکھا کہ وہ ان کے پیچھے آ رہی ہے یا نہیں اور دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گئیں اور ان کے پیچھے روشی بھی چند لمحوں کے توقف کے بعد کمرے میں داخل ہو گئی۔

بڑی امی ایک طرف پڑی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"ادھر بیٹھو" انہوں نے قریب پڑی دوسری کرسی کی سمت اشارہ کیا۔ وہ بے چارگی سے سر جھکائے دھیرے سے بیٹھ گئی۔

"تم پچھلے حصے کی طرف کیا کرنے گئی تھیں؟" اللہ کے لہجے میں برہمی تھی۔

"ایسے ہی"۔ اس کے منہ سے نکل گیا۔

"کیا ایسے ہی کام ہوتا ہے؟" وہ اپنے کرسی پر پہلو بدلنے لگیں۔

"بھوپر بھائی کے پاس گئی تھی بڑی امی"۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ان کی سمت دیکھا۔

"تمہیں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟ گھر کے بچوں میں سب سے زیادہ وہ تمہارا ہم عمر ہے اس لیے تم سے زیادہ بے تکلف ہے اس کی وجہ سے تم اس طرح کیوں گئیں، کیا تکلیف ہے تمہیں؟" ان کے لہجے میں غصہ تھا۔

"کوئی تکلیف نہیں میں تو بھوپر ——"۔

"کوئی تعلق نہیں ہے کسی کا بھوپر سے اب تمہیں پتا ہے دے خان نے فتی سے منع کیا ہوا ہے کوئی ضرورت ہو کہ بھیج لیں جانے کا تو تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی؟" انہوں نے غصہ بار بار ان سے کہا۔

"یہی سمجھنے گئی تھی"۔ اس نے بڑی جرات سے کہا۔

"خبردار! کوئی ضرورت نہیں تمہاری دلچسپی کی کوئی چیز ادھر نہیں ہے آئندہ تم نے ادھر جانے کی خبر بھی کی تو میں"۔

"بڑی امی! اختر بھائی کی بھوپر سے شادی ہوئی ہے اب وہ ہمارے گھرانے میں شامل ہے"۔ اس نے سمجھانے والا انداز اختیار کیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے، ہمیں یہ باتیں معلوم نہیں ہیں، ہم نے یہ شادی کی ہے ان کے اندر ——"۔

"اوہ ——"۔ وہ ایسا انداز میں ان کی سمت دیکھنے لگی۔

"ہم تمہیں سمجھائے دیتے ہیں پھر کبھی تم یہاں قدم نہیں رکھو گی۔ سن لیا؟" آپ قدم بڑھا کر آنکھ دکھانے لگیں۔ "دے خان کو پتا چل گیا تو میں تمہارے لئے کچھ نہ کر سکوں گی"۔ وہ اٹھ کر دھڑ دھڑ کرتی کمرے سے نکل گئیں۔

اس نے طمانیت بھرا گہرا سانس لیا اور اٹھ کر باہر آ گئی۔

"اس کا مطلب ہے یہ ساری گفتگو بڑی امی بھی پاپا صاحب سے نہیں کریں گی"۔

وہ اب دوبارہ لاؤنج کی طرف بڑھی۔ اسی دم پورچ میں جیپ کی ہیڈ لائٹس جگمگا گئیں۔ اس نے کھڑکی میں سے باہر کی سمت دیکھا۔ بارہ بج کر دس منٹ ہوئے تھے۔ وہ گرگ کر سامنے دیکھنے لگی۔ اس نے دیکھا اس کے پاپا دے خان جیپ سے اتر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆

وہ فلک کو دیکھنے لگی۔ بے بی پنک کاٹن کے جدید فیشن کے لباس میں۔ دوسری جانب سے بڑی کیوٹ سی لڑکی اتری تھی۔ وہ بڑے اشتیاق کے ساتھ آگے قدمی کرنا چاہتی تھی۔ مگر باپ کی سمت دیکھ کر وہیں رکی رہی۔

معاً یاور علی خان کی نظر ہیئر کی سمت اٹھی۔ ان کے سرد چہرے کے تاثرات قدرے بدل گئے۔

"تو بیٹا۔ وہاں کیوں کھڑی ہو؟" انہوں نے اسے مخاطب کیا۔

"ماہین ہے۔ یہ روشانے ہے"۔

"اور ۔۔۔ یہ آپ کی خالہ جان ہیں"۔ انہوں نے روایتی انداز میں تعارف کروایا۔

"اوہ ۔۔۔ تو"۔ اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

اسکی گئی۔ نہ گئی زندگی میں اتنی حسین تبدیلی کا تو خواب بھی نہ آیا تھا۔ اس نے غور سے ماہین کی شکل دیکھی۔ واقعی وہ اس کی خالہ ہر لحاظ سے ثابت ہو رہی تھی۔

اگاہی کا البانہ پا لینا۔

لبوں پہ بے تکلف مسکراہٹ۔

سب سے بڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا تھا۔ اس کی ماں کے بعد اس کی خالہ ہی تھیں جو اس کی امی کے بال بچوں کو لاڈ سے رکھتی تھیں۔ اس نے اپنے ہوش میں ماں کے علاوہ کسی کو اتنا پیار کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی خالہ ہی اس کے پاس کھڑی تھیں۔

"السلام علیکم"۔

"وعلیکم السلام۔ یہ تو خوش خبری ہوگی۔ کیسے ہیں سب"۔ ماہین نے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ اس نے محبت بھرا لمس محسوس کیا۔

"خالہ! آپ کہاں سے لے آئے میری خالہ؟" وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

"آپ سے ملنے آئی تھیں۔ ہم نے چار ہی بجے خبر بھیجی کہ۔ وہاں سب موجود ہیں۔ بلکہ سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں"۔ یاور علی خان نے خوشی کے وقتی تاثر میں ترمیم کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ۔۔۔ ابھی واپس نہیں جائیں گی۔ بابا صاحب انتظار کر رہے ہیں۔ پہلے ان سے ملاقات ہوگی۔ آپ بابا صاحب اور روشی کی سمت دیکھیے گا۔ ماہین نے کہا ہوئے اور بابا صاحب کی خبر کا کوئی سمت قدرے بدلا تھا۔

ماہین نے روشی کا ہاتھ تھام لیا۔ "تم بھی آؤ روشی"۔

"روشی کو رہنے دیں۔ اس وقت بابا صاحب سے صرف آپ ملیں گی۔ چلیے"۔

یاور علی خان نے رک کر ماہین کو ٹوک دیا۔

ماہین نے قدرے بھٹکاتے ہوئے روشی کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ لب بستہ سی کھڑی رہ گئی۔

اسے باپ سے اختلاف کی بابت تھیں۔ ایک اور کا اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ اسود نے چہرے کے ساتھ مسلسل اس راستے کو گھور رہی تھی جہاں سے ماہین اور یاور علی خان گزرے تھے۔ ایک جذبہ اور کا اضافہ ہو چکا تھا۔

"کیا ہے اس کا باپ (STOP) کہہ کر غائب ہو گئے؟" نائلہ کی واقعی بیزاری کی آواز تھی۔

اس نے اس کیفیت میں گردن موڑ کر باری کی سمت دیکھا۔

"خالہ آئی ہیں"۔ اس نے باری کو مطلع کیا جیسے خود کو یقین دلا رہی ہو۔

"ہیں کر کے؟" ہیج کا سین تو آگے ہو رہا ہے"۔

"جاؤ تم یہاں سے تمہارا تو کوئی فائدہ دکھی نہیں"۔ ماہین کے اس طرح مت جانے کے بعد وہ خود کو بہت بے وقعت محسوس کر رہی تھی۔

"تم بہت بنتے ہو۔ تم کمرا بیٹ کرا رہے تھے۔ میں سب جانتا تھا"۔ سعد و باری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بولا۔

"جانے کیا سمجھ بیٹھی ہیں آپ مجھے۔ میں صرف حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ اور مجھے تنخواہ تو ملتی جاتی ہے۔ تو کیوں اضافی کام کرنا پڑتا ہے اس سے؟" روشانے اپنا کام کرتے رہے۔

"ماں!" اس نے سپاٹ لہجے میں پکارا۔

"جی۔ ارشاد" وہ اچھل پڑا۔

"کچھ نہیں جاؤ" وہ بہت بجھ سی گئی۔

"جی بہتر۔ پہلے اپنی مرضی سے جا رہا تھا اب آپ کے حکم سے" وہ مسکرایا۔

"ہاں۔ یہ تم اتنا خوش کیوں ہو رہے ہو" وہ اسے مسکراتے دیکھ کر جھلائی۔

"مدعا پورا ہوا۔ دو نہ کو گوں کا تو علیحدہ ہو جاتا ہے کوں کوں کر" وہ بیٹھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اسے کمرے کمرے اس حرمت سے زائد ہو چکے تھے۔ سو اس نے یاور علی خان کو بابا صاحب کے کمرے سے باہر آتے دیکھا۔ "خالہ جانی کو کیوں روکا ہوا ہے بابا صاحب نے" اسے غصہ آ گیا۔

"تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو؟" یاور علی اس کے قریب آ کر گویا ہوئے۔

"جی۔ میں خالہ جانی کا انتظار کر رہی ہوں"۔

"اب تمہیں سے کچھ ملو گی؟" انہوں نے بے تاثر اور دھیمی آواز میں اسے بتایا۔

"کیوں؟"

"یہ تمہارے پاس بہت سے کیوں کہاں سے آ گئے؟"

"میں ان سے ابھی کیوں نہیں مل سکتی؟"

"ابھی وہ کھانا کھائیں گی بابا صاحب اور جواد کے ساتھ"۔

"تو میں بھی ایسے ہی بیٹھ جاؤں گی؟" اس نے ضد کی۔

"نہیں۔ خالہ کیسے لیے۔ جاؤ اپنے کمرے میں" وہ نرمی سے بولے۔

"جیا۔ جواد بھائی بھی تو ہوں گے"۔

"بابا صاحب کا حکم نہیں ہے"۔ انہوں نے قدرے نرمی سے سمجھایا۔

"اٹھ کرے میں اپنی ماں کے پاس چلی جاؤں یہاں تو کوئی بھی مجھ سے محبت نہیں کرتا" اس کی آنکھوں میں آنسو مچلنے لگے۔

یاور علی خان کے دل کو کچھ ہوا۔ مگر وہ خود پر قابو پا کر اس سمت بڑھے جہاں جواد کی موجودگی کا امکان تھا۔

وہ کافی دیر سے اونگھ آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ کافی دیر تو وہ ٹہلتے ہوا دار برآمدے میں بیٹھا رہا۔ "لال مظفر" نے اسے انتظار کرنے کو کہا تھا۔ سو برآمدے سے باہر ہری ہری گھاس پر اسے عارف لیٹا نظر آ گیا۔ وہ انتظار کی کوفت سے بچنے کیلئے اس کے پاس جا آیا۔ عارف نے اسے دیکھتے ہی آنکھ ماری۔

"بڑا تیز دھڑک رہا ہے تیرا دل" اس نے اپنے ہاتھ سے قمیص والی ریہرسل کا کام کیا اور کان سے اس طرح لگایا جیسے

حقیقت میں سن رہا ہو۔

"بھائی تمہیں دیکھ کر رہا ہوں کہ تم بڑے خوش نصیب ہو۔ بڑی لمبی لمبی لمبی لمبی"۔

"او بندہ خدا! اپنی سے بھی کبھی فراغت ہوتی ہے تو ہمیں آنکھ بھر دیکھ لیا کر" عارف نے اور بے تکلفی سے کہا۔

"کہاں ہو آسانی سے ملاقات نہیں ہوتی؟" اس نے سر پر ٹھنڈ سوار کر لیا۔

"کہہ رہا ہے ابھی پتا چلے گا کہ آپ تشریف کب لے جا رہے ہیں" "مشیوں" میں بھنڈ ہو رہا ہے"۔

اس نے اپنی فکر معاش سے متعلق آنکھیں عارف پر مرکوز کر آنے جانے والوں پر مرکوز کر دیں۔ صبح کا وقت تھا۔ اپنی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا ایک جنون ہے کہ ہر اس تھا جو سر پر سوار تھا۔

"تم بیٹھے کیوں رہے ہو بھائی"۔

"ہیں۔ یہ کیا کل کے بعد اب کمر لے گئی ہو گی۔ پھر صبح ہی آ سکتا تھا" وہ مطمئن ہو کر بولا۔

یہ اس کی بڑی بری عادت تھی اپنے خیال پر سب سے پہلے خود ہی تنقید لگا لیتا تھا۔ اس نے قدرے ناگواری سے عارف کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب یہ تھا کہ اس شہر میں رہتے ہو شروع سے اس کے پریشان دماغ کو خوشی سے ہوا بھی ہوتی تھی۔ جب ہی تو کسی دانش مند نے کہا ہے کہ "بے موقع مزاح دشمنی پیدا کرتا ہے"۔

"بھائی صاحب۔ بڑے شہروں کی خاک چھان رکھی ہے۔ تفصیل سنو گے تو دونوں تھک جائیں گے۔ میں بھی۔ تم بھی"۔

"گانا سنو گے؟ بڑی اچھی آواز ہے میری" وہ جیسے اسے پھسلا رہا تھا۔

"میں نے کبھی گانا نہیں سنا۔ خود بخود کان میں پڑ جائے" وہ سرد لہجے میں بولا۔ اس کا ذہن برآمدے میں بھٹک رہا تھا۔ جہاں سے "لال مظفر" نے طلوع ہونا تھا۔

"میں گا رہا ہوں۔ تمہارے کان میں خود بخود پڑ جائے گا۔ سننے سے انکار نہیں کرو گے"۔ وہ پھر بے تکلفی پر اتر آیا۔

وہ چپ رہا۔ وہ بہر حال اس کا محسن تھا۔ وہ ایک حد تک ہی اس پر ناراض ہو سکتا تھا۔

پتھر کے خدا پتھر کے صنم پتھر کے ہی انساں پائے ہیں
تم شہر محبت کہتے ہیں ہم جان بچا کر آئے ہیں

وہ گنگنانے لگا۔

"رہنے دو یار پچھا نہ ہاں"۔

اس کے اندیشوں بھرے ذہن کو اس بے وقت کی راگنی سے چڑ سی پیدا ہوئی۔ جوں جوں وقت سرک رہا تھا۔ اس کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

"کہیں مریض کے مٹتے رجحان نے خون نہ پی لیا ہو۔ کہیں اور سے انتقام نہ ہو گیا ہو۔ فلیٹ سے اڑکیت نہ لے لیا ہو۔ فلیٹ والوں سے دل لیا ہو۔ کہیں پیسہ نہ ہو گیا ہو۔ کہیں وہ نہ ہو گیا ہو۔ ہم تو مگر ان سب سے سستے ہی رہے۔ مگر انہیں بھگتنے سے کیا، وہ تو پیسے والے لوگ ہیں۔

"کہاں گم ہو گئے۔ پریشانی میں اتنی طاقت ہوتی تو بات ہی کیا تھی؟ ادھر پریشان ہوئے ادھر مسئلہ حل۔ ہوتا تو ایسا ہی ہے جیسا شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

نیند سے بھی سکون نہیں ہوتا
آنکھ ہوتی ہے دل نہیں ہوتا
مگر گزرتی ہی کشمکش میں ا
یوں نہ ہوتا تو یوں ہوتا

مگر ازلی سے یہی غفلت کی پابندیاں ہیں اور انسان کی بے بسی۔ پھر ایسی بے کار سوچوں میں پڑ کر کیا فائدہ۔ ان پر میں روئے سوچ کر کہ جو ہو گا وہ ہو جائے گا۔ ایک تو ویسے ہی پریشانی۔

پھر پریشانی کی پریشانی، ایک خدشہ ایک اور ایک اور۔ جس کا کوئی سر نہ پیر۔

ٹھیک ہے جب قسمت خراب ہو تو دل ڈوبتا ہی رہتا ہے کہ نہ جانے اب کیا ہو۔ مگر بھائی جو ہونا ہو گا وہ تو بطیر اور کا بے بھی ہو جائے گا۔

"بھائی تھکنے ہو کے بھی یہاں پڑے ہو؟" اس نے بالآخر اس کی قابلیت کا اعتراف کیا۔

"پھر کہاں پڑوں؟ جس دن زیادہ تھکنے ہو گیا۔ پاگل خانے پہنچ جاؤں گا۔ جو زیادہ تھکنے ہوتا ہے۔ لوگ پکڑ کر وہاں پہنچا دیتے ہیں۔

"اور تم ان چکروں میں نہ پڑو۔ جس دل لگا کے کام کسی علاقے میں سے پھیرا (کس کس کا کیا سمجھے؟" جس کے پاس بیٹھتا ہوں۔ یہاں وہ تھکنے ہے۔ جس کے ہاتھ لگا کر ہی لگ جائے۔ وہ تھکنے ہے"۔

"بھائی کیا تمہاری مگر گزر ہستی نہیں ہے؟" اسے عارف کی بے فکری سے ایک نیا سوال سوجھا۔

"مگر ہے۔۔۔ وہ مگر ہستی؟" وہ ہنسا۔ "جب ہستی نہیں تو مگر ہستی کیا"۔

"مجھے یاد نہیں پڑتا میں نے تم سے کچھ پوچھا ہو اور تم نے سیدھا جواب دیا ہو"۔ وہ چڑ گیا۔

"پھر کیوں پوچھتے ہو؟" عارف نے غلامیں گھورتے ہوئے سوال کیا۔

وہ لاجواب ہو کر چپ ہو گیا۔

سورج ڈوبا ۔ آ ہاں ؟
آج مہینوں کی روٹی پکائیں گے ہم

عارف نے اپنے مسئلہ کی تشریح کی۔

"ارے بھائی ۔۔۔ بیچ ہو جائے گا کے واسطے"۔ اس نے بڑا مطمئن ہو کر کہا۔

"جب رنگے ہیں قسمت کے۔ تو کیا خون بنانے کیلئے ہیں۔ کوئی کام کرنے کیلئے ہیں۔ کوئی کام کرنے کیلئے ہیں ہے تب"۔ عارف بولا۔

وہ سمندر کی آمد کے سمت دیکھتا رہا۔

"یار۔ ایک سوال مجھے پریشان کر رہا ہے"۔ عارف نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیا؟" اس نے ایک لمحے کو سامنے سے نظریں ہٹائیں۔

"یہی کہ سورج اگر مشرق کے بجائے مغرب سے نکلے تو ہم پھر بھی یہاں تک کتنے پیسے کما سکتے ہیں؟"

اس کا بھی جواب اس نے سر جھٹک دیا۔

"وہ ہاتھ کنگرا ہو"۔ "میں چار ہوں اب نہیں آؤں گا تمہارے پاس"۔

"ہمارے پاس کبھی آیا تھا"۔ وہ بڑا ہی سے مسکرایا۔ "کیا کہا ہے شاعر نے کہ

گمن آگی ہا چوٹ پھر ظلوس میں
میں نے کہا تھا کہ ہمیں سے بھول سوچا

وہ عارف کی سمت سے کسی سمت دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

"تم اتنی بے سر پیر کی باتیں کیوں کرتے ہو؟" وہ بڑا چڑ سے پوچھ بیٹھا۔

"ہمارے سر جو ٹوٹ گئے ہیں"۔ عارف کے ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ کھیل گئی۔

"مجھے تم پر بڑا ترس آتا ہے"۔ اس نے ترحم بھری نظروں سے عارف کی سمت دیکھا۔

"اچھا"۔ عارف یوں ہنسا جیسے اس نے کوئی دلچسپ لطیفہ سنا ہو۔

"تمہارے پاس تو بڑا ماں ہے تم تو کہیں اور لگ سکتے تھے"۔ اس نے تجویز کیا۔

"بھی بھی افسری ہوں تم جیسوں کا"۔ وہ مسکرایا۔

تو وہ بے بس ہو کر خاموش ہو گیا۔ اور بھی ہوئی نظروں سے عارف کو دیکھنے لگا۔

"کیا تمہارے گھر میں صرف ایک اماں ہی ہے؟" پانچ منٹ کی خاموشی کا آخر اس نے توڑ دی۔

"ابا کی آمدنی زیادہ نہیں تھی۔ اس لئے اماں ایک ہی ہے"۔ وہ آسمان کی سمت دیکھ رہا تھا۔

اب اس نے پکا تہیہ کر لیا تھا کہ ایک لقمہ منہ سے نہیں لگائے گا۔

وہ جیسے ہی بیدار ہوئی۔ بلی آنکھوں والی عارفہ کو اپنا منتظر پایا۔

"بڑے خان نے کہا۔ بہو آپ ہاشم خان کے کمرے میں کریں گی"۔ وہ ہولے سے آہستہ آواز میں گویا ہوئی۔

"بڑے خان؟" وہ بھی۔

"بابا صاحب۔ بی بی جی"۔

"اوہ! کوفت اس کی نس نس میں اتر گئی۔ رات کا منظر نگاہوں میں گھوم گیا۔ وہ جوار سے اسیر ساری باتیں کرتا رہا اور میں تھی مگر بابا صاحب نے موقع ہی نہیں دیا۔ ایسی کلفت گی فضا میں ایک گھنٹا سے ایک صدی کے برابر لگا تھا۔ یاور علی خان اور جوار تو اس طرح بیٹھے تھے گویا موجود ہی نہ ہوں۔ کھانے کے دوران زیادہ باتیں تو نہیں کی تھیں۔ بس سفر کا مختصر سا حال احوال دریافت کیا تھا۔

"اچھا"۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے واش بیسن کی سمت بڑھی"۔ بابا صاحب سے کہہ دیجیے گا کہ میں کہ رہی تھی اور جوار کو بھی۔ میں اس سے باتیں کرنا چاہتی ہوں"۔

خادمہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ اس نے بلیک کلر کا سوٹ نکالا۔ اسے بالکل بھی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر کہ اس کے کل استری شدہ سوٹ واڈروب میں لٹک رہے تھے۔ رات اس نے یہ کپڑے سوٹ کیس سے نکال کر صوفے پر ڈال دیئے تھے۔

یہ سوٹ جدید فیشن کا تھا۔ جس پر سرخ ڈوروں سے کڑھائی کی گئی تھی۔

اس نے غسل کر کے بال سکھانے کا کوشش نہیں کیا۔ ویسے ہی سلجھا کر کھلے چھوڑ دیئے۔ نہ ہی کسی قسم کے میک اپ کا اہتمام کیا۔

جدید فیشن کو قدرے مشرقیت کا رنگ دینے کیلئے اس نے کڑھائی سے بھرپور دوپٹا سر پر ڈال لیا۔ میز پر چیزیں سجنے بعد خادمہ اسے لینے آ گئی۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے بابا صاحب کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔

بھاری بھرکم صوفے پر سامنے ہی بابا صاحب بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے بڑی سی میز اور لمبی چوڑی خرالی تھی۔ دائیں جانب صوفے کے سنگل پیس پر یاور علی خان تازہ اخبار لئے بیٹھے تھے۔ سوا اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

اخبار ایک سمت سے نیچا کئے یاور علی خان اسے بڑی چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے مارے گھبراہٹ کے دوپٹا سر پر آگے سرکایا۔ اور بمشکل سلام کیا۔

نظر کا ایسا خلسم تھا کہ اس کی خود اعتمادی کا آئینہ دھندلا کر رہ گیا تھا۔

وہ میز کے قریب پڑی ایک خوبصورت کرسی پر بیٹھ گئی۔

"روشی اور جوار نہیں آئے؟" اس نے بڑی ہمت کر کے بابا صاحب اور یاور علی خان کو باری باری دیکھا۔

یاور علی خان نے اخبار کو پھیلا کر صفحہ تبدیل کیا جیسے انہیں اس کی آواز نہ پہنچی ہو۔

"روشی ناشتہ کر چکی ہے اور جوار ضروری کام سے زمینوں پر گیا ہے"۔

بابا صاحب نے جواب دینے کے ساتھ خادمہ کو ناشتہ پیش کرنے کا اشارہ کیا۔ وہ مستعد تھی۔ وہ بہت کی طرح شروع ہو گئی۔

"اب تک آپ نے کیا کیا؟" اس نے خادمہ کے ہاتھ سے پلیٹ لیتے ہوئے بابا صاحب کے سوال کا جواب دیا۔

"میں نے تک۔ یہاں سے ایک کھیتے سے دوسرے کھیتے تک اس کے ساتھ گھومتی رہی"۔

وہ اس کی سمت دیکھے بغیر کہہ رہے تھے۔

"لوگ یوں بھی بہت سوچ سوچ کے باتیں کرتے ہیں۔ سب وہم ہے۔ کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ آپ نے خط کا جواب

دیا"۔

"آپ نے کیوں یاد دہانی کی ضرورت سمجھی"۔ وہ متعجب ہوئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ تم ہماری مہمان ہو۔ ہمیں احساس ہے کہ تمہارا وقت بہت قیمتی ہے۔ اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ یہاں کے معمول کے مطابق سب میں شامل ہو کر تمہارا وقت ضائع کریں۔ ہم تمہیں بہت مصروف دیکھنا چاہتے ہیں"۔

جس سے وہ ان کے بارے میں کوئی اور رائے قائم کر سکے۔

"نہیں مجھے صرف ایک کپ کافی دیجئے"۔

"کیا ناشتہ کر لیا تھا؟" بابا صاحب نے یاور علی خان سے دریافت کیا۔

"جی!" انہوں نے اخبار سے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔ بابا صاحب کی سمت دیکھا۔

"سلیمان کا انتظار نہیں کیا؟" انہوں نے جواب سے یاور علی خان کی سمت دیکھا۔

"یہ ہمارے مہمان ہیں۔ اس لئے دعوتیں نہیں دیا کیجئے گا۔ ہمارے ہاں تو خواتین کی اپنی الگ دنیا ہے"۔ انہوں نے اضافت کی۔

"یہ ہمارے مہمان ضرور ہیں مگر خصوصیت کے ساتھ تمہاری مہمان ہیں"۔ یاور علی خان نے بڑا سا ٹکڑا کھاتے ہوئے کہا۔

"بابا! آپ کو یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں کہ میں خصوصیت سے آپ کی مہمان ہوں"۔

اس نے چہرہ موڑ کر یاور علی خان کی طرف دیکھا۔ جو مامتا سے کافی کی پیالی لے رہے تھے۔ سفید شلوار سوٹ اور اخبار کے مطالعے کی وجہ سے سنہری فریم کی عینک لگائے ہوئے وہ رات سے خاصے مختلف دکھائی دے رہے تھے۔ سب اخبار ان کی گود میں اور بایاں ہاتھ میز پر تھا۔ انہوں نے ماہین کو بہت توجہ سے اپنی سمت دیکھتا پا کر خود بھی نگاہ ملانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"اگر غم پیچھے سے انہیں پہچاننے اور یاد کرنے کی کوشش میں ہوتا۔ کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ جب ہم رات لیٹے تھے۔ ہمارا

ہاں"۔

"آپ نے بلایا تھا بابا صاحب"۔ اس وقت ہماری خواب گاہ میں داخل ہوا۔

ماہین جو والد اور علی خان کی گرفت میں پلنے والی نگاہوں میں خود کو پا کر حواس باختہ سی ہو گئی تھی ایک دم حالات سکون میں آ گئی۔ اس نے نووارد فرد پر نظر ڈالی۔ اور فرد پر نظر ڈالی۔

"یہ روشی کی خالہ ہیں ہماری"۔

"اور یہ بھی ہمارا بچہ ہے"۔ انہوں نے تعارف کرایا۔

"یہ گل۔ ماہیر کی بھی خاک نہ آیا کر" "یہ بھی" سے ان کی کیا مراد ہے؟"

"بیٹھ جاؤ بادل۔ باتیں کر چکے؟"

"جی ابا صاحب"۔

"دیکھو یہ ہماری خاص مہمان ہیں انہیں کا تذکرہ کر رہے تھے تم سے کیا تھا" بادل نے لمحے بھر سے اس کا ایک تجسس بھرا نگاہ ڈالی۔ بے ساختہ لبوں پر شوخی۔

"جی"۔

"ان کا خیال رکھنا۔ کوئی شکایت پیدا نہ ہو"۔

"کیا یہ بادل خان کے ہاں آئی ہیں۔ اتنی علالت کی موجودگی کے باوجود بھی کیوں میرا خیال رکھیں گے" وہ بھی۔

"ابا! بڑی بہن کو کہہ دیا تھا؟"

"جی خان!" وہ مودبانہ انداز میں ابا جان کے سامنے رکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ماہ۔ بی بی کو بیٹھنے کا حلوہ دو۔ ہمارے ہاں کا شیرے کی خاص چیز"۔

"یہ لفظ۔ شیرے کے نام پر پارے" "لفظ" کا سامنا تھا۔ وہ پریشان ہو گئی۔ حلوہ دیکھنے کے ارادے سے لیا۔ مگر واقعی بہت مزے دار تھا۔

"یہ تو بہت مزے کا ہے۔ میں اس کی ترکیب سیکھ کر جاؤں گی"۔ اس نے بے ساختہ تعریف کی۔

"ایسی الجھن میں پڑنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ ہم آپ کے ہاں فوراً فوراً بلوا بھجوا دیا کریں گے۔ کراچی تو جانا آنا ہے رہتا ہے ہمارے بندوں کا بھی اور ہمارا بھی"۔

وہ بڑی حکمت سے اپنی خاص طبع کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

وہ کل دیدنی پر محو ہو گئی۔

"آپ بیٹھتے ہاں" اس نے بادل خان کی سمت پلیٹ بڑھائی۔ وہ بائیں ہاتھ سے ٹیک لگا رہے تھے۔ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"شکریہ اس وقت میں صرف کافی سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں"۔

وہ ان کی سرخ آنکھوں کی تاب نہ لا کر ایک دم ہی بادل کی سمت مڑ گئی۔

"آپ بیٹھتے ہاں"۔

"جی بہت شکریہ"۔

"لے لو بادل" ابا صاحب نے بھی اس سے کہا۔

تب بادل نے ایک چھوٹی پلیٹ میں زیادہ حلوہ نکالا اور اس کی سمت بڑھا دیا۔

"آپ چھری نہیں رکھتے ہیں؟" اب اس نے محسوس کیا وہ ہاتھ سے کھا رہے تھے۔

"آپ کہیے اور کیا کروں؟" وہ بادل خان دس بجے تک ہاتھ سے کھاتے تھے۔ وہ ہاتھ سے کھا رہے تھے۔ وہ ہاتھ سے کھا رہے تھے۔ وہ ہاتھ سے کھا رہے تھے۔

"میرا مطلب ہے"۔

وہ ان کے لہجے سے متوقع انداز پر گڑبڑا کر رہ گئی۔

"یہ ایسی ہی ہوتے ہیں سرحد کے ایک قبیلے میں"۔

ماہین بھابھی ان کی صورت دیکھنے لگی۔ ذہانت بڑھ گئی۔ اس نے ایسا بڑھ کر ہی بات کی۔

وہ بے حد حیرت ہوئی۔

"مگر آپ ایسی پڑھی لکھی ہیں آج" وہ اب پہلے سے زیادہ نارمل نظر آ رہی تھی۔

"آج کل آرام کر رہے ہیں"۔

"آپ اکیلے رہتے ہیں وہاں"۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

بادل خان خاموش رہے۔

"ہم تو بہت چاہتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھ رہیں مگر" انہوں نے ایک ٹھنڈی نظر بیٹے پر ڈالی۔

"آپ تو ضرور ہوتے ہوں گے ابھی"۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب تک ہم فیصلہ نہ کر لیں کہ ہمارے بعد ہمارے علاقے کی ذمہ داری کون سنبھالے گا۔ ہم کہیں نہیں جا سکتے۔

"السلام علیکم۔ آداب عالم تاب۔ تمہارا اغوا کنندہ آ رہا ہے"۔

اردلی اپنی جگہ سے اٹھا اور آنے والی خاتون کو وہ بابا صاحب کے نام سے مخاطب کر رہا تھا۔

یاور علی خان نے بھی سلام کیا تھا۔

اردلی کو دیکھ کر وہ بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور اس نے آداب کیا تھا۔

وہ آسمانی رنگ کی شلوار سوٹ میں ملبوس تھیں۔ ہم رنگ نفیس شفون کا دوپٹا انہوں نے سر پر اچھی طرح جما رکھا تھا۔ سوٹ کی پیلا رکھا تھا۔ ہاتھوں میں ڈھیروں سونے کی چوڑیاں اور کڑے تھے۔ گفت بالکل گھریلو تھی۔ ان کے خوبصورت بالوں میں سیاہ کر گھا یاں اس قدر لمبا یاں اور گھنی تھیں کہ چند لمحوں کیلئے تو اس کی نظریں ان کے پاؤں پر جم کر رہ گئیں۔ تین ہم قد لڑکے چودہ برس سے خاصا کم تھا۔ قد البتہ دراز تھا۔

"یہ ہماری بیٹی بھتیجی اور اس گھر کی سب سے بڑی بہو بیٹی۔ یہاں سب بچے انہیں بڑی امی کہتے ہیں"۔

"عالم تاب ایبا ہیں ہیں ۔۔۔ ان کی سب سے چھوٹی بہن"۔ بابا صاحب نے تعارف مکمل کیا۔

"کوئی بتائے تو بھی میں پہچان لیتی"۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا۔

عالم تاب کے کانوں میں بڑی موٹے کے پھولوں کی بالیاں۔ اس کے صدام جاں کو معطر کر گئیں۔ "سب سے اپنی تمہاری صحت کا خیال تھا"۔

"سفر تو آرام سے گزرا؟"

"جی"۔ اسے جانے کیا یاد آیا کہ اس نے ایک نظر یاور علی خان کو دیکھا تھا۔

"شکر کرو۔ ٹھیک ہے۔ یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے"۔ انہوں نے اس کے شانے پر محبت سے ہاتھ رکھ کر گویا اصرار کیا۔

"جی۔ بس کر لیا ہے"۔

"بی بی! آپ چائے میں دودھ کم لیتی ہیں؟" ماما بلی اس کی چائے تیار کر رہی تھی۔

"ہوں"۔ اس نے بہت تشکر کے ساتھ ماما بلی کو دیکھا۔

"شکر ہے بڑی گو ایسا کچھ طازمہ ہے۔ چائے کے نام پر زہر دودھ تھما دیتی تو مرد تا چار پینا پڑتا۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ دیہاتوں میں چائے کو بھی حفظان صحت کے معیار سے ناپتے ہیں۔ چائے کا مطلب یہاں یہ ہوتا ہے کہ دماغ میں اکٹھی ہو شریانوں میں جمع بھر دینے والی شے۔ لہٰذا کثرت شیر سے اس کے ان عیوب کا ازالہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ۱۹۲۰ء تک برائے نام چائے کا استعمال کرنے والوں سے آج تک کسی نے یہ سوال کبھی نہیں کیا۔ کہ آخر اس رنگی کو دودھ کی ضرورت کیا ہے۔

ماما بلی نے بہت نفیس کپ میں بڑی خوبصورتی سے رنگت کی چائے پیش کی تو اس کا دل خوش ہو گیا اب یہ اطمینان تو ہو گیا کہ وہ جب بھی چائے طلب کریں گی تو بڑی اچھی چائے ملے گی۔ اس نے ہلکی سی ہو کر چسکی سے کپ اٹھایا۔

"یاور! تم کب تک ہو؟" عالم تاب پوچھ رہی تھیں۔

"میں کل تک ہوں یہاں۔ خیریت؟"

"کچھ نہیں ۔۔۔ ویسے ہی پوچھ رہی تھی"۔ وہ کچھ سوچ رہی تھیں۔

"فجر آباد کے لاہور میں پھیل تو ہیں۔ ماہین بی بی اور ہاں آپ کو بھی کسی کے ساتھ جانا ہو تو بتا دیجئے گا"۔

یاور علی خان نے بیٹے کی بہت سوچ اندازی رکھا۔

"یہاں تو عالم تاب اور اردلی انہیں سنبھال سکتے ہیں۔ کیا ایبا ہیں بیٹے تمہارا؟"

"بی ۔۔۔ مگر مجھے پرسوں ایبی پر ہونا ہے۔ ایبی آفس سے بہت ضروری میٹنگ ہے"۔

"مگر میں اور بھی تو لوگ ہوں گے۔ میں نے تو نہ ہے"۔

"آپ نے ٹھیک کہا ہے ماہین بی بی! مگر ہمارا اصول ہے کہ ہم اپنے مہمان کو اکیلا نہیں چھوڑتے۔ یہاں مرد اور عورتیں الگ الگ ہیں پردے میں ہوتی ہیں۔ آزاد اور نیلی حویلی یہاں ایسا نہیں کیا جاتا"۔ عالم تاب نے بہت سے سمجھایا۔

"مگر میں ہوا کے ساتھ جا سکتی ہوں۔ اس کی تو تحقیق خاتون ہوں"۔ اس نے دلیل دی۔

"ہاں ۔۔۔ کیوں نہیں ۔۔۔ مگر جوان بیٹی کل بہت اصول ہے۔ مہمان کی تیمارداری کرنا ہے اور ایک مہمان کو اکیلے سے کچھ بھی جاتا ہے۔

"جواد کے علاوہ ماما صاحبہ یہاں اور بہت لوگ ہیں۔ میں نے نہ ہے"۔

"آپ نے ٹھیک کہا ہے ماہین بی بی"۔

بابا کی پیشانی کی لکیریں گہری ہو گئیں۔ انہوں نے قدرے خفگی انداز میں اس کی سمت دیکھا تھا۔ ان کے سامنے کبھی کوئی دوسری بات نہیں ہوئی تھی۔ صرف ایک بات ہوئی تھی وہ بھی ان کی اپنی زبان سے نکلی ہوئی۔

"مگر آپ بچی ہیں اور سارا سارا ذمہ داری۔ اس لئے یاور اور باری آپ کے ساتھ ہوں گی تو مجھے بہت اطمینان رہے گا"۔

ماہین کی سمجھ میں "یاور" والی بات تو آ سکتی تھی مگر باری۔ اس نے چہرہ موڑ کر اپنے دائیں جانب دیکھا۔ خفیہ خانے کے کھلے شدہ سوٹ میں ملبوس وہ ایک مہذب نوجوان نظر آیا تھا۔ اچھی خاصی وجیہہ صورت تھی۔ بھرے بھرے اعضا میں سانولی سلونی سی رنگت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ بالوں کی ترتیب میں نفاست۔ چہرے کے تاثرات میں بلا کی سادگی۔

"یہ کون ہے؟" اس کے ذہن میں فطری سوال پیدا ہوا۔ مگر اب وہ بابا صاحب کے بعد ایبا صاحبہ کے بعد تیسرے تاثرات کے بعد خاموش رہی۔

"ایسے کرو یاور"۔

"جی بابا صاحب"۔ یاور علی خان بہت دیر سے خاموش تھے۔ اپنی بہن کی محفل میں کسی قسم کے تذبذب کا اظہار وہ اپنی ذات کی اگلی جانب سے غلطی سے بھی نہیں آنے دیتے تھے۔

"تم ماہین بی بی کو فجر آباد کے مارکیٹ کی سیر کے بعد اپنے ڈاک بنگلے پر لے جاؤ۔ اردلی میں بھی ہو جائے گی۔

ہے۔ بھروسے کو آنکھ ہو کر یہاں لے آیا۔ کیا خیال ہے؟"

(مگر وہ یہاں آئی ہے) اس نے چونک کر بابا صاحب کی شکل دیکھی تھی۔

"جیسے آپ مناسب سمجھیں" ماتھوں نے باپ سے اختلاف کرنے میں ادب نہ نباہا تھی۔

"اف خدایا۔ وہ یہاں آئی ہے۔ یہ یہاں آئی ہے۔ کو مجھے بھیج رہے ہیں؟ یاور کے ساتھ اکیلی۔ ہر گز نہیں۔ وہ نہیں جائے گی۔ اس سے غلطی ہوئی ہے۔ مگر جن کے ساتھ تھا وہ ان کے ساتھ ہی ہے۔ میں بھی ہوں"۔

اس نے چوری سے ان کی سرخ آنکھیں دیکھ کر گویا صبر بھری لی۔

"وہ بھی ساتھ نہیں گے۔ پھر مسئلہ ہی نہیں ہوں گی"۔ اس نے تجویز پیش کی۔

"مگر وہ تو کہہ رہی تھی ——" عالم تاب نے جملہ ادھورا چھوڑ کر سسر کی شکل دیکھی۔

"ایک دو دن کی بھلی سے کوئی قیامت نہیں"۔ یاور علی خان جیسے اس کی سوچ پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے بیل والی کی انداز میں حل دیا۔

"ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی۔ مگر بیگی کا خیال رکھنا"۔ بابا صاحب کے لہجے میں لہجہ معمول بنا ماتھوں نے ملال محسوس کیا۔

"تو کیا وہ بچی لڑکیوں کے ساتھ کراچی نہیں جا رہی؟" عالم تاب نے یاور علی خان سے پوچھا۔

(کراچی —— !!!

کراچی والے یہاں آئے ہیں۔ یہاں والے کراچی جا رہے ہیں۔ لڑکیاں کیا مجھے کھیل نہیں دیں گی؟ میں یہاں کیا بوریت کی تربیت لینے آئی ہوں؟)

"باقی گھر والوں سے نہیں ملوائیں گے آپ؟" وہ یاور علی خان کی سمت متوجہ ہوئی۔ اس کے چہرے پر پھیلی الجھن چھپی نہ تھی۔

"اچھا تم لوگ باتیں کرو۔ مجھے ضروری کام سے شہر جانا ہے۔ رات کھانے پر انشاء اللہ ملاقات ہو گی"۔ بابا یاور علی خان اپنی آبنوسی چھڑی تھام کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اگر میں ملانے کی سیر کرنا چاہو تو یاور بھی موجود ہیں اور باری بھی"۔

(انہیں سیر کی بڑی ہوئی ہے۔ اس گھر کے دو جنوں لوگوں کا ذکر سنا ہے۔ جن کی نقاب کشائی ہو کر نہیں دے رہی۔ وہ بھی کر ہو چکی تھی)

بابا صاحب اٹھ کھڑے ہوئے یاور علی خان، باری اور عالم تاب بھی اٹھ کھڑی ہوئیں تو وہ بھی ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔ اس ہڑبڑاہٹ میں بھی وہ یاور علی خان کی چال میں بلا کا وقار اور تمکنت محسوس کر رہی تھی۔

یاور علی خان اور باری وہاں سے چلے گئے۔ عالم تاب البتہ سسر کے پیچھے ہی چل پڑی تھیں۔

"دیکھو —— بالکل نہ گھبرانا —— یہ تمہارا اپنا گھر ہے"۔ وہ جاتے جاتے مڑ کر بڑی شفقت سے مسکرائیں۔

"کاہے ہے یہاں بھری گئی ہیں گھاس کاٹنے والی ہے۔ مگر تو ہے یہاں کیا کرنے آئی ہے۔ اس باری کی بچی کے ساتھ کیا تھا ہے۔ اس نے LIKE MOTHER LIKE DAUGHTER کا ذکر کیا تھا۔ کیا ہے اس کا مطلب۔ کیا مشکوک رویہ ہے اس کا۔ کچھ تو ہے جو مجھے محسوس نہیں ہو رہا محسوس کرنا چاہیے"۔

"بھتیجی ایڈمٹ ہو گئی باری؟" یاور علی خان نے کل سے تیسری بار پوچھا تھا۔

"تھوڑی بہت ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ اب وہ ہر بچی اس کیفیت سے گزرتی ہے۔ وہ گزر جائے گی۔ باری نے ان کی طرف غور سے دیکھا۔

"یہ تو ہے۔ مسئلہ یہ ہے۔ بھتیجا زیادہ ہی بھتیجی ہو گئی"۔ وہ ہنس کر کہتے کہتے رہ گئے۔ باری نہ ہنسی۔

"اگر کوئی سراغ ملا؟" یاور علی خان نے پوچھا۔

"اف اللہ! وہ ان کی بے لگام مشکوک تحریکات ہوئیں۔ اتنا پڑھا لکھا ماحول اور بیٹی کے کیس سے نہ گزرے۔

"کیا فائنڈنگز ہیں؟" اس نے ان کی گفتگو سے نتیجہ اخذ کر کے تو کہا تھا وہ چونک اٹھے۔

یاور علی خان کے لبوں پر پھیلی سرمئی طویل مونچھوں تلے سفید دانتوں کی چمکیلی جھلک ایک لمحے کو دکھائی دی تھی۔ پھر وہ کامل کر خاموش ہو گئے تھا۔

وہ کچھ سوچ کر باری یاور علی خان کو دیکھنے لگی۔

"بیٹی داری نئی گھوڑی ہے" یاور علی نے اطمینان سے کہا تو وہ چونکی بات کی تہہ کو سمجھ کر وہ ہنس دی۔

"آپ سائیس ہیں"۔ اس نے سادگی سے بڑا اچھا سوال کیا تھا۔

"آپ سمجھ گئیں"۔ اس کے چہرے پر تحسین کی چھاؤں تھی۔

(کون سمجھ گئیں؟ اس گھر کا سارا نظام ہمیں سمجھ بوجھ سے تو چل رہا ہے۔ ہوں)

"گھر کے اور لوگ کہاں ہے؟" اس نے بات کا پتہ لیا۔

"سب سے ملوائیں گے۔ آپ فکر کیوں کرتی ہیں"۔ انہوں نے اچٹتا سا نظر بھر کر انہیں دیکھا تھا۔

نگاہ پلٹتی ہیں۔ اس کا خائف سا ہو کر ادھر ادھر دیکھنا ان سے پوشیدہ نہ رہا تھا۔

"وہ —— کہا ہے کہ ——" ماتھوں یاور کی سمت متوجہ ہوئی۔

"کی؟" وہ بدستور گومگو ہو گیا۔

"میں آپ کو کیا کہوں؟"

"مجھے باری کہتے ہیں گھر بلا مذاہ مین خان کہتے ہیں۔ آپ جو چاہے کہیے۔ ویسے خادم ہیں آپ کے"۔ اس نے بھی ہولی سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے ایک نظر یاور علی خان کی سمت دوڑائی تھی۔

"یہاں بھی کھیت اور باغات ہوں گے آپ کے اولی دکھلائیے۔ دوبئی کی واپسی تک اتنا تو ٹرینڈ ہو جائے گا"۔

"کیا میں بدسمجھی ہوں؟" وہ یاور علی خان سے اجازت لے رہی تھی۔

"اوہ نہیں ... کہاں نہیں"۔ انہوں نے آگے کی طرف جھک کر دانہ چوگا بچھا دی۔

"پہلے باری!" وہ ہاتھ درست کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"باری جیپ کون سی لے جاؤ گے؟"

"کون سی لے جاؤں؟"

"او بین لے جاؤ"۔

"ارے نہیں پلیز! اپنی نہیں۔ آج کل تو بہت گرمی ہے"۔ وہ دونوں کے بیچ گھل مل گئی۔

بڑی بے ساختہ مداخلت تھی۔ دونوں کے سوال جواب کا سلسلہ پتا لمحات کیلئے موقوف ہو گیا۔ پھر میری والی نے چابی میرے ہاتھ میں دے دی۔ انہوں نے جھک کر اخبار دوبارہ کھول لیا تھا۔

مامائی برتن سمیت رخصت ہو چکی تھی۔ وہ باری کے پیچھے دلاور علی خان کی قوم کا سے باہر آ گئی۔

"گھوما؟"۔

ہوں؟"

"یہ جھاڑ آپا کی سوٹ رکھوں؟" حنا نے کرتا اپنے ساتھ لگا کر خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"سمیہ" بھابی کا ناشتہ کا سوٹ بھی رکھ لو۔ کہہ دینا کراچی سے واپس آ کر دیدوں گی"۔ عظمیٰ نے استہزائیہ انداز میں مشورہ دیا۔

حنا کی جان جل کر رہ گئی۔ اس نے پوری قوت سے کرتا بیڈ کی طرف اچھال دیا۔

"توبہ ہے عظمیٰ آرام سے بھی کہہ سکتی تھی۔ یہی ہی تو ہے"۔ گھوما بھی عظمیٰ کا انداز نا گوار گزرا۔

"تو اسے اپنی سمجھ لیں۔ وہاں کون سا ہم تقریبات اٹینڈ کرنے جا رہے ہیں"۔ عظمیٰ کو اپنے دو بیٹے پر ذرا مثل نہ تھا۔

"دیکھو بھئی تم لوگ زیادہ سامان نہ باندھ لینا۔ پلین تو جلدی پہنچا دیتا ہے۔ سامان کی وصولی میں اس سے زیادہ ہم لگتا ہے۔ ویسے بھی بورنگ کی بسیں ہیں۔ چار پانچ سو مسافر۔ ہر ایک کے دو دو بیگ لازمی۔ گھنٹہ بھر تک جھگڑے بھر بھر سامان آتا رہتا ہے۔ شیشے کے بار ٹوٹتے ٹوٹتے ہمیں پتھرا جاتی ہیں۔ پچھلی مرتبہ جب کراچی گئی تھی تو دو سو سے زیادہ مرتبہ میں نے یہ پڑھا تھا۔ اے سمیرا باہر نکلنے سے پہلے گنتی کر لیں۔ بعد میں کوئی ایم قبول نہیں کیا جائیگا"۔

زری نے اپنے سابقہ تجربات کا نچوڑ پیش کیا۔

"ایسے کرو دو دو تین تین بیگوں کا سامان بڑے سوٹ کیس میں کر دو۔ بیگ کی گنتی میں بھی آسانی رہے گی"۔

"ہمیں کہیں پہنچ کر سامان کا انتظار تو نہیں کرنا پڑتا ہے"۔ باری نے مشورے کے ساتھ ساتھ آگہی صورتحال بھی واضح کی۔

"اسلام آباد سے جائینگے ناں"۔ لالی نے پوچھا۔

"ظاہر ہے"۔ سوہا نے لالی کی نادانی کے دوران کا سہارا لیا۔

"باقی سب کہاں ہے؟" "ہاں کہاں ہے؟" روشی کی غیر موجودگی کا سمیرا کو بھی احساس ہوا۔

"سب بھائی کے ہاں جمع ہوں گے۔ وہ وہیں چلی جائیں گی۔ وہاں سے ہم لے لیں گے"۔ سوہا نے بتایا۔

"یہ بھائی کے ہاں کیا ہوتا ہے"۔ بھی محسوس ہوا۔

"کوئی مرے وہ لے لیں آ رہے۔ کیں پہلے سے بھی اپنی جاوا کا تھا کہ ہی ہوا"۔

روشی گجرے تیور کے ساتھ ہال میں داخل ہوئی۔

"ارے ہاں۔ بڑی اچھی یاد دلائی تمہیں کہ تمہاری خالہ آئی ہوئی ہیں۔ ہاں ہے ہم نے بھی سنا ہے۔ بھی کیا۔ روپے پیسے کا لالچ ہاں میں کیسے لوگ ہے جائے گے آج تک تو تمہارے خالہ ہاں کا کوئی ذکر نہیں تھا"۔ بھی کا جارحانہ

"کل تک کہیے۔ آج تو ہو رہا ہے"۔ وہ ایک شان بیٹھ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"اسے ہاں ہوا آپی اور بھائی کہاں چلی گئیں"۔ وہ کو تشویش ہوئی۔

"باری کے ساتھ سیر کیلئے گئی ہیں۔ بڑی اچھی لڑکی تھی"۔

"باری کے ساتھ؟ کیا عمر ہے ان کی اتنی کی زہریلی ہنسی جیسے الفاظ سے وہ ساتھی۔

"مامائی تو کہہ رہی تھی کہ میں پھپھو سال کے مہمان ہوں گی"۔ گھوما نے سادگی سے کہا۔

"ارے۔ پھر باری کے ساتھ کیسے چلی گئیں؟ بابا صاحب کو پتا تھا کیا؟"

زری نے تعجب سے سوہا کی طرف دیکھا۔

"لو وہ بابا صاحب کا چھوان کی مرضی کے خلاف معاملہ نہیں ہوتا۔ انہی کی مرضی سے گیا ہوگا"۔ عظمیٰ نے بڑا اطمینان کمرے میں لمحہ بھر کو سکوت چھا گیا۔

"ویسے دیکھنے میں کیسی ہیں؟ تم ملی تو ہو گی ان سے"۔ گھوما کے اندر تجسس جاگا۔

"اچھی ہیں"۔ اس نے معصومیت سے کہا۔

"ہائے۔ پھر کیوں بھیج دیا باری کے ساتھ؟" "ارے آپی کے حسن کے چرچے تو آج تک جاری ہیں"۔ عظمیٰ نے کن انکھیوں سے روشی کی طرف دیکھ کر گویا اسے چڑایا۔

روشی لاپرواہ انداز میں جھولتی رہی۔

"انہیں ریسیو کرنے کون گیا تھا؟" زری نے سوال کیا۔ ایسی غیر متوقع ... تھیں اس عورت کے بیٹے اسلام آباد نہیں ہوتی تھیں۔ وہ اور طور طریقوں کے عادی تھے۔

"بابا"۔ روشی نے سوہا کی قمیص کا جائزہ لیتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

"یہ ٹھیک ہے۔ وہ چند دن پہلے کیوں نہ آ گئیں۔ شاید وہ دونوں ساتھ جاتے"۔ بھی نے کہا۔

روشی کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو گیا۔

"مگر اب تو وہ اداسی کے ساتھ میر کرنے جا چکی ہیں"۔ وہ عزیہ کو چھیڑ رہی تھی۔

"اچھا۔ بڑا ناراض ہے"۔ ماہین نے لہجہ نارمل کیا۔

روشنی کی آنکھوں سے اُلجھنے لگے۔ گلوگیر سے لہجے سے اظہار کیا۔

"بھلی لڑکیو! تم سہ کر رہی ہو۔ کیا ضرورت ہے اس عمر میں کی باتیں کرنے کی؟"

گلوگیر سے انداز سے کہا

"اچھا۔ میں نے کیا کہا ہے۔ بس تو کہا ہے کہ خالہ باری کے ساتھ میر کرنے چلی گئیں"۔ عزیہ کی بے حسی قابل دید تھی۔

"بڑی بات ہے تم اسے خوامخواہ اہمیت دے رہی ہو"۔ گلوگیر نے ملامت کی۔

"نہ بابا تو سے کسی اور بات پر آ رہا ہے"۔ ماہین کے طریقے مستور تھے۔

روشنی جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ قالین پر پڑا اخبار اور ہاتھ میں لے کے باہر نکل گئی۔

"ان اسٹاپ کا بھی کوئی اسٹاپ ہوتا ہے"۔ وہ اس سے برآمدے میں ہی بھڑ گیا۔

"میرے منہ لگنے کی ضرورت نہیں"۔ وہ غرائی۔

"خالہ کو کہاں لے گئے تھے؟" وہ رسمی سے پوچھنے لگی۔

"کہیں بھی۔ تجھے کیا؟" وہ حیران ہوا۔

"اور کوئی نہیں خالہ نہیں لے جانے کیلئے۔ مگر تم ہر جگہ ملتہ خدمات کے ٹوکرے اٹھا کر پیچھے جاتے ہو۔ وہ تمہاری ماں ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے ان سے بے تکلف ہونے کی"۔

"میں نے کب کہا کہ میری خالہ ہیں؟ ہاں بھی خوبصورت لڑکی کو چھوڑنے کی "خالہ" کہنے والے کا قائل تو ان ادست نہیں سمجھا جاتا"۔

"شٹ اپ۔ تمہیں کہا ہے بات کرنے کی کہ وہ خوبصورت ہیں یا بدصورت؟" وہ بھڑک گئی۔

"تم کو اتنا غصہ کس بات پر ہے؟ کیا آپ کی خالہ میرے ساتھ میر پر کیوں گئیں؟"

"تو اور کیا"۔ وہ اسی انداز میں بھڑک کر بولی۔

"مگر میں تجھے بتا کر تو نہیں لے گیا۔ وہ اپنی خوشی سے میرے ساتھ گئیں۔ بابا صاحب کی اجازت سے"۔ اس کا لہجہ تفاخر سے اور آنکھیں عزائم بہت شاداں تھے۔

"اوہ۔ بڑا کرب ہے مصاحبت تم میں؟" وہ طنز پر بولی۔

"پہلے کوئی تیار ہو تو اس مصاحبت کا اظہار ہو۔ ابھی بھی کر سکتا ہوں"۔ اس کی شریر مسکراہٹ دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"بس تم بابا صاحب کا ہی پڑھا۔ تمہاری قسمت میں یہی لکھا ہے"۔ وہ چڑ کر بولی۔

"چلو تم ہی بتا دو کہ کیا کرنے کے کرتا ہوں کوئی پیارا تم؟"

اس کی مسکراہٹ پر مستقل تھی۔ وہ ہاں کہنے کی صورت میں اس کے ہونٹوں کی جنبش کا منتظر تھا۔

ماہین کا ایک ایک حصہ سے پورا تھا۔ پہلے میں بھیگے ہوئے کپڑے اس کے بدن پر بوجھ بنے تھے۔ اب وہ ہلکی پھلکی سے کلکاریاں کر رہا تھا۔

میر آثر پر بہت رونق تھی۔ سرسبز جھیل دلفریب مناظر۔ دیہاتی عورتوں سے گپ شپ کر رہی تھیں۔ وہ اپنے تھکے تھکے اعضاء کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

اس نے ارد گرد سے سنہرے بالوں والی بچی کو ڈھونڈا۔ وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے ریت میں گھروندے بنا رہی تھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"آؤ روشنی۔ وہاں کیوں کھڑی ہو؟ آئیں تو تم تمہیں دیکھتے کہتی گی"۔ وہ مسکرائی۔

"آپ ہی کب ہی ہیں۔ میرا انتظار بھی نہیں آپ میر کرنے چلی گئیں"۔ روشنی نے شکوہ کیا۔

"بھلی! یہاں تو تمہارے بابا صاحب کے پروگرام چلتے ہیں"۔ وہ ہنسے سے نہیں پڑی۔ "آؤ بیٹھو"۔

روشنی فوراً پاس کے قریب بیٹھ گئی۔

"بابا بھی تو تھے۔ وہ نہیں لے گئے آپ کو؟"

"بابا صاحب نے تو آفر دیا تھا مگر انہوں نے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کیا۔ پھر میں نے سوچا باری کے ساتھ باری نہیں کروں گی۔ بھائی صاحب کے ساتھ تو بہت لطف رہتا۔ ویسے باری بہت اچھا ہے۔ ذرا کم بولتا ہے۔ بہت ادب کرتا ہے۔ تمہارے بابا صاحب نے اپنے لئے تو خیر آباد کے تاجر کی میر کا پروگرام سیٹ کیا ہے اور تمہیں بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی ہے۔ میں سوچ رہی ہوں باری کو بھی لے چلیں"۔

"ہم چلیں؟" روشنی کی حیرانی قابل دید تھی۔

"اور نہیں بھائی صاحب بھی ہوں گے"۔ انہوں نے بالوں میں ہاتھ گھمایا۔

"بابا؟"

"ہاں اور کون؟ ان کے ڈاک بنگلے میں رکنے کا پروگرام ہے"۔

"بابا ان گئے؟" وہ ہنوز حیران تھی۔

"نہ مانگنے کی وجہ؟ نہیں تو کوئی اعتراض نہیں"۔

"کمال ہے۔ میر تو جب بھی ان کے ساتھ چلنے کو کہتی تھی تو کہتے تھے۔ کیا کرو گی۔ بور ہو گی وغیرہ وغیرہ"۔

اس کی حیرانی میں کوئی کمی واقع نہیں ہو رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے ایسا ارمان ہو۔ جب ہی تو کہہ رہی ہوں باری کو بھی لے چلیں گے۔ کیوں؟"

"وہ نہیں جا سکتا"۔ اس نے دھماکہ کیا۔

"کیوں؟" ماہین نے حیرانی سے پوچھا۔

"بابا صاحب کا اس سے بغیر گزارا نہیں"۔

"سب گزارے ہو جاتے ہیں۔ مگر میں اس کے بغیر یہ تصور نہیں کر سکتی"۔

رانی کو جیسے جھٹکا سا لگا۔ وہ ایک اہم بات کی صورت دیکھنے لگی۔

"ایسا تو قابل ذکر نہیں ہے"۔ وہ ناگواری سے ناک چڑھا کر بولی۔

"اسے نہیں۔ یہ انا کس بندے۔ لائف بھی بہت ہے"۔

"یہ تو ہے بڑی جلدی گھوڑے سدھا لیتا ہے"۔ اس نے بانکا سا قہقہہ لگایا۔

"لگتا ہے بابا صاحب کا خاص ملازم ہے۔ کیوں"

"وہ ملازم تو نہیں ہے"۔ رانی نے غور کیا۔

"کزن ہے؟"

"نہیں"۔

"پھر کیا ہے؟" ماہین کا تجسس ابھرا لہجہ لطری تھا۔

"پتا نہیں۔ بس اچھا خاصا اثر ہے۔ آپ ہاتھ لیے جا رہی ہیں"۔ اس نے فوراً موضوع بدل دیا۔

"ہاں"۔

"پھر جائے پئیں گی؟"

"نہیں۔ وہ آرام کریں گی۔ یہاں کسی کو اعتراض تو نہیں ہوگا بے وقت آرام کرنے پر؟"

"کیوں؟ آپ مہمان ہیں۔ ہمیں آپ کے سوا کا خیال کرنا چاہیے"۔

"آپ کے سوٹ کا پرنٹ بہت پیارا ہے۔ کراچی سے لیا ہے"۔ اس نے پھر پلٹی بدلی۔

"نہیں ۔۔۔ یہ گھٹیا سی ماپا قالاست ایئر۔ تمہیں اچھا لگا' تم پہن لو۔ ویسے میں تمہارے لئے کئی سوٹ پیس لائی ہوں۔ اللہ کرے تمہیں پہنا آ جائیں"۔

"اسے لیکن یہ آپ پہنئے۔ کوئی چیز اچھی لگنے کا مطلب لینا تو نہیں ہوتا"۔ وہ جھینپ کر بولی۔

"وہی سوٹ مجھے پسند آنے کی بات۔ میرل خالہ نے بہت محبت سے ہی پسند کیے ہوں گے وہ"۔

"سوچا تھا"۔ ماہین کو اس پہلے سانحہ یاد آ گیا۔ اس نے رانی کے رخسار پر پیار کیا۔

"اچھا آپ آرام کیجئے۔ تھوڑی دیر بعد ملیں گے"۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اور وہاں سے لیکن کا رخ کیا۔

"ماما بلی۔ اماری خالہ کیلئے آج کون سی خاص ڈش بنا رہی ہیں؟" اس نے وہ ملازم تعارف کے ساتھ ماما بلی کی موجودگی دیکھ کر سوال کیا تھا۔

"آپ یہاں کیسے بابا؟ جائے پئیں گی؟" ماما بلی نے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں جائے تو میں خالہ کے ساتھ پیوں گی۔ آج تصویریں بنانے کا موڈ نہیں تھا تو سوچا کچن میں ہی کچھ کر لیں"۔

"میں کا مطلب ہے کہ اماری خالہ کیلئے کچھ"۔ رانی نے اصل مدعا بیان کیا۔

"وہ صاحب کو کوئی چیز پسند آ جائے تو اگلے کھانے کی ہانڈی چڑھ جاتی ہے"۔ ماما بلی نے ہنس کر کہا۔

"ہاں کھانا کھا کر۔ اب ایسا تو نہیں ہے۔ پھر بھی کچھ تو ہوگا۔ کچھ بتائیں تو سہی کہ کیا بنا رہی ہیں"۔

"ہے اللہ۔ بلی بلی لے وہ پورا کچھ بھی نہیں کھاتا"۔ ماما بلی نے توبہ کی۔

"نہیں خیر ۔۔۔ ایک دو چیزوں کی مہارت تو ہوگی۔ اب کہہ دیا ہے تو بتائیں بھی"۔ رانی کھلکھلا کر ہنسی۔

"تو آپ نے نہیں کھانی؟" ماما بلی نے پھر پوچھا۔

"بھلی بیا چاہ۔ اچھا خاصا کھانا ہے۔ کھانا چاہیے"۔ رانی بھی ہنسی۔

اس نے کن انکھیوں سے رانی کی طرف دیکھا۔ رانی قہقہہ لگا رہی تھی۔ اس کے سفید دانتوں میں ہلکی سی سیاہی تھی۔ اس نے سوچا۔ اس کے بال بھورا تھا۔ مگر بال کی سمت سے ہونٹ ایک ہی زاویے پر تھے۔ وہ اس کے بارے میں سوچنے لگی۔

"ماما کوئی گوشت کا اچھا سا آئٹم ہو تو لانا"۔

"اچھا۔ ہرن اور تیتر مرغا بنا تھا وہ پہلے"۔

"وہی۔ کھانے سے پہلے ہی مزا آ گیا۔ ہے نہ ماما بلی۔ ہمیں تو بتا دیتا چاہیے"۔ وہ ہنسی۔

"وہ نہیں کھائیں گی۔ صرف چکھے گی۔ تم اپنا اخلاق اوڑھے واپس کچن میں آ جاؤ"۔ وہ اسے دیکھ کر ہنسا تھا۔ ماما بلی بھی ہنسنے لگی۔

ہادی اس کے انداز پر قدرے الجھا' پھر ہنس دیا۔

"میں نہ ہوں تو دوسری بات۔ مگر ہماری موجودگی میں اس قدر ریزرویشن دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟" اس کے لہجے میں گلہ تھا۔

"پتا نہیں کیا کیا ڈرامے کرتے ہیں یہ خالہ۔ اس قدر نخرے بیٹیوں کے بھی نہیں اٹھائے جاتے"۔ وہ بڑبڑائی۔

"مت ڈانٹا کریں۔ حریم وحیدہ اداس ہو جائیگی"۔ ہادی کے لب مسکراہٹ سے مخمور ہو رہے تھے۔

"مجھے کیا ضرورت ہے ڈانٹنے کی۔ وہ تم اتنے اہم تو نہیں ہو کہ تمہاری وجہ سے گزر جائے"۔ اس نے نگاہ سے ناک سکوڑی۔

"مجھ تو مستقل ہی کوئی نہیں"۔ اس کی نظر بھی مسکرا رہی تھی اور ہونٹ بھی۔

"اور مستقل"۔ وہ تھکا تھکا سا گویا ہوئی۔

"جی حکم"۔

"ہمارا خیال ہے کہ اب واپس جانے کا پروگرام سیٹ ہو گیا ہے۔ خالہ قسم سے چلنے کو کہیں تو انکار کر دیا"۔

"جی بہتر۔ پھر تو آپ کے اعصاب سے بوجھ اتر جانا چاہئے؟" اس نے آواز حریم تک پہنچائی۔ ماما بلی کے ساتھ ہی اس نے سامنے دیکھا تھا۔

"ابا! اس کے بڑے بیٹے نے اسے مخاطب کیا۔

"کیا ہے بے۔ اب کیا رات کو بھی پیسے چاہئیں؟" ابے تو اسے بات بات پر جھڑکنے ہی لگی تھی۔

"باہر ایک آدمی آیا ہے۔ کہتے ہیں تمہیں بلا رہا ہے"۔

"کون آ گیا ہے بھائی!" اور تن ایک طرف بیٹھ کر ہاؤں میں جٹ لگانے لگا۔

"سوکھا سا ہے۔ بھورے اور سفید والے جیسا۔ ابا۔ ابا وہ والے بھی ہوتے ہیں؟"

"کل بہت ہو گیا ہے۔ ابا خون کی دوا۔" وہ جھک کر کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ سامنے رکشہ میں عارف کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔

"خیر تو ہے بھائی؟"

"خیر ہے۔ تو فٹ۔ رکشے میں بیٹھ جا!" اس نے ہاتھ میں پکڑی سگریٹ کی راکھ جھاڑی۔

"ابھی تو آیا ہوں۔ اب کہاں جانا ہے؟"

"انجکشن اور خون کی ضرورت پڑ گئی ہے"۔

"مگر اب ہمت نہیں ہے بھائی" اس نے معذرت کی۔

"ایسی آسانی ہر روز نہیں پھنستی۔ تیری تو قسمت زوروں پر ہے۔ خون تو بنتا ہی رہتا ہے"۔

"یقین کر بھائی! واقعی ہمت نہیں ہو رہی" اس نے لاچاری سے کہا۔

بالو نے پوری تحسس میں ہونے کی اداکاری سے بھائی کو دیکھا کہ اسے کون ملنے آیا ہے؟

سعید نے ایک دم پردہ ہٹا دیا تھا۔ جیسے بس کو تنگ کر رہا ہو۔

بالو غور سے دیکھتی رہ گئی۔

ابا نے دیکھ لیا ہوتا تو بہت گالیاں دیتے۔ اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا تھا۔

"بے وقوفی مت کرو۔ بیٹیاں نہیں بھائی تم نے؟" اس نے گھرکا تھا۔

"ایک ہی بچی ہے میری۔ اللہ کرے گا" اس نے اب بھی اسی بے زار لہجے میں جواب دیا۔

"کر تو رہا ہے اللہ کرے۔ ارے بھائی مجھے بھوکا مت مار۔ تو کتنا بڑا نقصان کر رہا ہے اپنا۔ اور دیکھ میں آیا ہوں نا تیری۔ اس لال سلفر کو کوئی تو آسانی مل گئی نا تیرا اعتماد ہو جائے گا۔ آگے کی فکر کر۔ مال بنا" خون بھی بن جائیگا"۔

"ابھی تو میں نے کھانا بھی نہیں کھایا پیٹ بھر کر" اس نے تھکے ہوئے اعصاب کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"عارف یار۔ مجھے چکر آنے لگے ہیں۔ کل زیادی نکلوائی تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ سعید کہہ رہا تھا کہ سست ہو گیا ہوں۔ عارف کرنے کی دھمکی دے رہا تھا۔ خون دوا تو نہیں دیا جاتا پر دلی تو روز جاتے"۔

"جب ہی تو کہہ رہا ہوں۔ آجاؤ مہینہ میں چار دفعہ خون چڑھا کرو۔ باقی دن آرام سے کھایا کرو۔ چلو شاباش آسامی بہت پریشان ہے۔ اس وقت ہماری مٹھی میں ہے۔ ارے کیا سوچ رہی ہے تیرے سر پر۔ چل بیٹھ شاباش"۔

"اچھا میں ذرا گھر والوں کو بتا دوں"۔

"ہاں ہاں۔ مگر جلدی" اس کی نظریں بار بار کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

ماں کی نے اسے رات کا کھانا نہ کھانے کی اطلاع اس وقت دی جب وہ جانے کے لئے تیار ہو کر آنگن میں آیا۔ وہ عشا کی نماز پڑھ رہی تھی۔ عارف کے ساتھ چل پڑا۔ ماں کے سامنے اسے جھوٹ بولنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ اب وہ دونوں کے ساتھ ہوگا۔ بہت تجسس اور اشتیاق کے ساتھ اس نے ہال میں قدم رکھا تھا۔

وہ جیسے کسی دعوت کا منظر تھا۔ اچھی اچھی صورتوں والے خواتین و حضرات آنچل لہراتی کہیں۔ بارعب نظر آنے والے مرد۔ عورتیں خواتین۔ فرش دسترخوان تھا۔ سارے ہال پر بڑی ہی عالمانہ سی اداسی پھیلی ہوئی تھی۔

وہ اندر داخل ہو کر سلام کیا۔

جس کے جواب میں سلام کے ساتھ ساتھ بکھری سرگوشیاں بھی ابھری تھیں۔

"آؤ بیٹا! ادھر میرے پاس"۔ بڑی امی نے اپنے پاس جگہ دی۔

"ڈاکٹر کہاں ہے؟" انہوں نے نظر دوڑائی۔

"آ رہی ہیں — میں نے کہہ دیا ہے"۔ ماں نے کہا۔

"یہ میرے بھائی زبیر کی بیگم شفیقہ ہیں"۔ انہوں نے دائیں طرف بیٹھی ایک سوٹڈ بوٹڈ خاتون کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ دادی کی سب سے بڑی پھوپھی ہیں۔ رفیعہ۔ ان سے چھوٹی ہیں نگہت اور یہ سلمیٰ پھوپھی جہاں آرا ہیں"۔ انہوں نے بائیں طرف بیٹھی خواتین کی طرف اشارہ کیا۔ "سب سے چھوٹی پھوپھو امریکہ میں ہوتی ہیں اور یہ ابو کی چھوٹی خالہ ہیں۔ یہ ان سے بڑی جو ڈاکٹر سائرہ ہیں"۔

اگلی تعارف آدھا بھی نہیں ہوا تھا کہ بابین چکرا کر رہ گئی تھی۔

"ہم سب ساتھ رہتے ہیں۔ میری بھابھی بھائی کیونکہ ابا صاحب ہمارے حقیقی چچا بھی ہیں اور ادھر یہ میری امی ہیں۔ روشی کی چچی۔ بصیر چچا کی بیگم ارجمند۔ گھر کے بڑوں کا تعارف تو میں نے کرا دیا ہے۔ اب تم کیا اپنا تعارف کراؤ گے"۔ وہ مسکرائیں۔

سب اپنی اپنی ماؤں کی طرف اشارہ کر کے حوالے کے ساتھ ساتھ اپنا نام بتانے لگیں۔

تعارف کے مرحلے میں علی ابابین "میر" ہو گئی۔

"ہمارے ہاں لڑکے لڑکیوں کی بے تکلفی پسند نہیں کی جاتی۔ گھر میں آتے جاتے بات چیت کرتے ہیں مگر تنہا نہیں ملتے۔ کھانے وانے پر نہ ساتھ کھیلتے ہیں نہ ساتھ دسترخوان پر بیٹھتے ہیں۔ نہ بلا ضرورت لڑکیوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ یہ ابا صاحب کے اصول ہیں۔ ویسے ہم افغانی ہیں۔ مگر ابا سے پچھلے دو تین پیڑھیوں سے یہیں رہ رہے ہیں۔ میرا ایک بڑا اچھا خاصا

"میرے دل میں کوئی بات نہیں ہے۔ بس ہم تمہیں اپنے پروگرام میں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اور کیسے گا اپنی مما کی بات"۔ وہ اب بھی مسکرا رہا تھا۔

"ہم کچھ نہیں بھولتے"۔ وہ بڑے اطمینان سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا"۔ اس نے قدرے متعلق سے انداز سے ہاتھ ملاتے ہوئے تالی کو مخاطب کیا۔

"کی خیال؟" وہ بڑی شفقت سے مسکرا کر مخاطب ہوئی۔

"اگر ایک غزل جوش مار رہی ہے کہیں پسلیاں توڑ کر باہر نہ آ جائے۔ غلط سے نکال دوں؟"

"کی!" تالی ہنسنے لگی۔

دیکھو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے

وہ گنگنایا۔

"میری ہڈی سے تو ہرگز نہیں اٹھ سکتا۔ اس لئے کہ بجلی آپ پر گری ہے"۔ وہ مسکرائی۔

اس نے کہا جانے والی نظروں سے باری کی سمت دیکھا تھا جو بڑی معصومیت سے دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔

بعض اوقات بہار کی دعا لگ جائے تو آشیانے کو جگہ نہیں ملتی۔

بارش کی دعا مانگو تو وہ جل تھل ہوتا ہے کہ چھت ٹپکنے لگتی ہے۔

اس کی خوشحالی کا بھی ایسا ہی عالم تھا۔

وہ ہانپتے دوڑتے کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو در و دیوار سے خوشی و طمانیت کی مہک آئی۔

آج اس کا عمر سے بیزار بچہ محلے کے ہم عمر بچوں کے ساتھ ہڑبونگ میں مگن تھا۔ اس نے ایک نگاہ غلط باپ کی سمت روزانی کی طرح ان سے سامنے کھڑے بچے کی ٹانگ میں ٹانگ پھنسا کر گرا دیا۔ بچوں نے سرمستی میں نعرے لگائے اور گھر سر پر اٹھا لیا۔

"ہم بھتوا چپ ہو جاؤ۔ چلو رات ہو رہی ہے۔ اپنے اپنے گھر جاؤ۔ اسعید چل ایک طرف بیٹھ۔ دیکھ نہیں رہا باپ تھکا ہوا آیا ہے"۔

اس کی بیوی کی ڈانٹ پر ایک دم خاموشی چھا گئی۔ بچے اس کے تیور دیکھ کر ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔

"چلو تم منہ ہاتھ دھو لو۔ آج قیمہ کریلے پکائے ہیں"۔

وہ باورچی خانے کی طرف بڑھ گیا۔

اس کی بیوی بیٹی کو تاکید کرنے لگی کہ وہ جلدی سے کھانا لے آئے۔

وہ کاندھے پر تولیہ سے بال سکھاتا ہوا منہ ہاتھ دھو کر واپس پلنگ پر آ بیٹھا تھا۔

"تمہاری صحت کو دن بدن کیا ہو رہا ہے۔ کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔ کچھ دوا دارو کرو۔" اس نے اپنے شوہر کو بغور دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا تھا۔

"تو کیا میں مر جاؤں؟" وہ کھانے میں مصروف رہا تھا۔

"مرے تمہارے دشمن۔ اس نے بیٹی کو ڈانٹا تھا۔ وہ سہم کر ماں کے پہلو سے لگ گئی۔

"چلو بیٹا کھانا لاؤ۔" اس نے لقمہ بیٹی کی طرف بڑھایا۔

"نہ جاؤ!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ایہ وانس بابا ہے؟"

"نہیں۔ وہ دوست ہے"۔

"اتنی موٹی؟ کیا حکومت نے موٹی دوستی جاری کی ہے"۔ وہ خوشی کی بجائے حیرت میں مبتلا تھی۔

"ہم حکومت کے نوکر تھوڑی ہیں"۔ وہ بڑا ناراض سا لگا تھا۔

"بیٹھا تا سوں ان ہو گیا؟" وہ کچھ الجھن میں تھی۔

"تجھے نہیں پتا ہمیں بڑوں کے بیچ میں بولنا نہیں چاہیے۔ پہلی بات نہ کرو اور کھانا دو"۔

وہ اتنا بھوکا لگ رہا تھا۔

"میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔ مجھے کیا خبر تھی آپ اتنا کم ظرف نکلیں گے۔ وہ روہانسی ہو گئی تھی۔ میں تمہارا سر دبا دوں گی۔ اور کچھ ایسا ویسا کہا کروں گی۔ میرے منہ میں خاک۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو یہاں ان بیٹھا ہے ہمارا"۔

ماں نے سٹور کی طرف سے سلیقے سے کہا تھا جا کر باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔

"اگر تم کہو تو میں ان خانوں میں سے کوئی کام پکڑ لیں گے تو تمہیں اتنی محنت نہیں کرنی پڑے گی"۔

"پہلے تو خدا کا شکر ادا کرو کہ کچھ کام ملے۔ بہت انیشی کرنے لگے ہیں لوگ۔ ایسی طرح کے کام لے کر بیٹھ جائیں گے تو کیا کھائیں گے۔ انسان کی تھوڑی بہت عزت ہوتی ہے ایسے کام آسان ہو جاتے ہیں"۔ اس نے بڑی تحمل سے بیٹی کو سمجھایا۔

اتنے میں عورت کی بھوک میں آ گئی۔ وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہو تم ٹھیک رہے ہو۔ ہو کی ماں نے بیٹی پانچ تولے زیور کے ساتھ یہاں ہے جب سے وہ اداس تھی۔ میں لاتی ہے۔ بیٹا کھانے کچھ ہوا؟ کچھ بتایا؟"

"کسی کو ہم سے مطلب۔ کیوں میل جول رکھتی ہو ایسی عورتوں سے۔ یہ عورتیں ہی ہیں جو ہر وقت لوگوں کو ہماری طرف متوجہ کرتی ہیں"۔

"میں کب جاتی ہوں۔ کوئی خود آ جائے تو گھر سے نکالا تو نہیں جاتا"۔ وہ ناراضی سے بولی۔ اب وہ اس کی ترقی کے بعد بھی بدلی نہیں تھی۔ سیدھی سادی ہی تھی۔ سیدھا سادا ہونا اور سادہ ہونے لگتا ہے۔

کی بوتل پیچھے سائیڈ بورڈ میں رکھے ہیں۔ ایک اور ساری ہوسیہ ہے۔ اس کا میکہ پشاور میں ہے۔ ان کی تو سولہ ہے۔ سولہ ہی خاندان لیسی ہوتے ہیں۔"

"ہائے خالہ! مجھے آپ پر ترس آ رہا ہے۔" وہ ٹی کپ سے دوسرے سپ کھڑکی پر نظر رکھے ہوئے لے رہی تھی۔

ماہین مسکرا دی۔

"اس میں ترس آنے کی کیا بات ہے۔ اکثر بڑا کنبہ قسمت والوں کا ہوتا ہے۔" سائرہ ممانی یعنی بیلا اور سونی کی ماں نے خاصی گمبھیرتا سے کہا۔

"بھرا آپ لوگوں میں گھل مل گئی تھیں۔ سوچا تھا رہے تھے۔" ماہین نے آنی دانی میں بچی بات کی۔

"بھرا!" سائرہ ممانی نے بیٹی کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"ڈائجسٹ کی بات کر رہی ہے۔"

"اوہ۔ حاضرین میں سے بہت ساری "اوہ" کی آوازیں بلند ہوئیں۔

"اچھا بھئی چلو۔ کھانا شروع کرو۔" بڑی ممی نے سب کو کھانے کی طرف متوجہ کیا۔

وہ سب کی سب بڑے صبر سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ مگر اشارا ملتے ہی جیسے ٹوٹ پڑیں۔

"آپ پڑھتی ہیں؟" زری نے سوال کیا۔

"نہیں۔ لاتی ہوں۔"

"پھر تو ہمارے پاس آ جائیے گا۔ دیوانی مقدمات کی ایک قطار کھڑی ہے۔ آپ کو کام پر لگا دیں گے۔" سوچ مسکرا دی۔

"ہمارے پاس پیاس ہے۔ ہر ہفتہ ہے۔ وکیل بھی گھر کا ہو جائیگا۔ ارے ہاں ماشاءاللہ سے لڑکے ہیں مگر کوئی بھی وکالت کی طرف نہیں گیا۔ کچھ بزنس کر رہے ہیں کچھ میڈیکل میں ہیں۔ زیادہ تر رجحان سول سروسز کی طرف ہے۔" بچھو بولیں۔

"تو کیا ان کے ہاتھوں کے میاں کو بھی بیچیں گی کچھ؟" ملیحہ کی رگ پھڑکی۔

"کیوں؟ کیا خرابی ہو گئی؟" پھپھو حیرت آمیز آواز میں بولیں۔

"بھئی کبھی تو سوچیں گی۔ یہ مطلب ہے ہمارا۔" سائرہ ممانی نے اپنی عقل سمجھ کے مطابق بات کی۔

محفل میں سناٹا چھا گیا۔ کچھ لمحوں کی خاموشی بہت بھاری محسوس ہونے لگی۔

"سناٹا کیوں ہو گیا بھئی؟ کچھ بولیے۔" بڑی امی نے فوراً موضوع بدل دیا۔ اس کی نظر ان پر پڑی تو وہ لڑکیوں کو اشتعال انگیز انداز میں گھور رہی تھیں۔ چہرے کی ساری ملائمت غائب ہو گئی تھی۔ لڑکیوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"جی نہیں چار بجے آئیگا۔" وہ ایسے ہو گئی جیسے اس نے کچھ دیکھا ہی نہ ہو۔

"ہاں مستقیم کب آئے گا؟ اور ہے؟" انہوں نے بھی شوہر سے سوال کیا تھا۔

"ابھی تو کوئی اطلاع نہیں۔ ہو سکتا ہے اگلا ہفتہ ہو۔" اس نے پانی کا گلاس اٹھایا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہی ہوں گی۔" وہ اسے اطمینان دلا رہی تھی۔

"کہیں پریشان کن کی ضرورت تو نہیں ہے۔ ویسے بھی ہے چاول کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"رہنے بھی دیں کوئی بات نہیں۔ ساتھ کی ضرورت ہے تو ساتھ دیں گے۔" ماہین نے روشنی کی۔

"ہاں صاحب ہوتے نہیں کرتے۔"

"لیکن اس میں بہتری کیا ہے۔ پڑھ لکھ کر ہی تو ہم اپنے بچوں کو سنبھال رہے ہیں۔ ان کی بات کے آگے کسی کی بات نہیں ہوتی۔" وہ بڑی امی کے لیے تشویش تھی۔

"مگر کہاں بات نہیں۔ ابھی ابھی اتنے کہا نہیں گئے۔" وہ بڑی امی سے بولی۔

"ہاں۔ باہر گئے ہوئے تھے۔ آ گئے؟" بڑی امی نے ماہین کو مخاطب کیا۔

"جی۔ چائے پی رہے ہیں۔" وہ باہر نکل گئی۔

ماہین کے ہونٹوں سے لگا اس کا تاثر بھی اس کی نظر عالم کی طرف اٹھی۔ وہ مطمئن تھی۔

روشنی بار نظروں سے روشنی کو کچھ کہہ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک منٹ ہوٹ کی ماہین کے اچھو کی رونے لگی۔ اس نے فوراً اپنی نظریں ہٹا کر کہا۔ "بہو! ابھی اس یہاں بیٹھیں گی وہ ان کی "ڈیوٹی" ہے کیا ہوگی ہے۔

روتی کے جو پیا ایک مکمل سناٹا طاری ہو گیا۔

اف۔ کس قدر کٹھن ہے یہ دن، اور معصوم سی روتی بیٹی ماں کے لیے "آزمائش" کے یہ سایہ کس طرح زندگی گزار رہی ہے۔ وہ اور بھائی اور بہو کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ مگر انہیں اپنی کمزوری اور جوڑ کو اپنے جھمیلوں سے فرصت ہی کب ہوگی۔ ہاں اگر اسے ساتھ لے جائیں تو اپنی تو بے فکر ہو جائیں گی۔ کبھی بھی لے جائیں گے۔

کائی اس کی شادی کہیں ہو جائے اور جلد ہی ہو جائے تو اس کے اس ذمہ داری سے چھٹکارا ملے۔ اسے آپ ہی سوچ کر پریشانی ہو رہی تھی کہ یہاں سے جانے کے بعد وہ ایک نہ ایک دن خوشی اور سکون سے رہ سکے گی۔ وہ روتی کے کی نیا زندگی میں حالات یاد آئیں گی۔

"ٹھیک ہے۔ یہاں سب ہی اس طرح رہ رہے ہیں۔ مگر ان سب کی اولاد نہیں بچھڑنے والی مائیں نہیں ہیں۔ یہ بے ماں کی بچی ہے۔ ماں بھی ایک نعمت ہوتی ہے جو اپنے پالنے کے لئے خالص اور بے لوث محبت بھی

ہے۔ اس سے کیا وہ بھی نہیں کھا رہا تھا۔

"آپ اب جائیں ہوں گی تو جاکر بڑی کا انتظام کریں گے۔ ان لوگوں کے لئے" یہ کہہ کر اس نے روتی کو اب بہت پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

"ارے نہیں اس طرح کی باتیں کبھی نہیں کرنی ہیں۔ ہوگی وہ مقصد ہوتا اس طرح کی باتیں ہم نہیں سوچتے نہیں کرتے۔ ہمارے والدین بہت اچھی اولاد کے حامل رہے ہیں۔ ایسی ہم کو کوئی خاتون ہونے کے باوجود بھی خیال نہیں۔ یہی حال ہوا کا ہے۔ قدرت میں معجزہ ہوتے ہیں اور خلاف بھی ہوتے۔ اس طرح کے بچے، اولاد کو ہوتے ہیں کہ کچھ اچھا نہیں ہوتے تو اس طرح کے اولاد ہمیں بڑی ہونے کے بعد کفالت داری کے ہمارے سے الجھے رہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہمارے آس پاس رہنے والے متوالی باشندے ہم سے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہیں کہ ہمارے ماحول سے مسئلہ کیسے ہے"۔

روتی۔

ماہین نے گہری سانس لیکر بچوں کی طرف سے تسلی اطمینان کا اظہار نہیں کر لیا۔

"پڑوسن بہت سمجھدار لڑکی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن اسے باپ بہت قابل اور اچھے انسان ہیں"۔ روتی نے بھی تصدیق کی۔

ماہین کے چہرے پر روشنی سی پھیل گئی۔ اسے کہ ہر بڑی اچھی لگتی تھیں جو اس کے بابا کی تعریف کر رہی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے بڑی نیک نظر تھیں اور اپنی دادی جان کی۔ بڑی تو کی بھی خاطر ہے ماہین اپنی جیسی ہی ہوں گی"۔ جانے کیسے بڑی اچھی سے تائید چاہی۔

"ہاں بھی"۔ روتی بھولے جلدی سے کہا۔

"اللہ میاں کو بھی پتا نہیں کیا جلدی تھی" آتی بیماری چیز کا فائدہ لے لی۔ ایک گھنٹہ (ملازمہ) کا ہے بہت بیمار ہیں ہسپتال سے پہلے سے کہا تھا رہا ہے اسے بھی ہوا"۔ روتی نے آزردگی سے کہا۔

"ہوں۔ اول۔ بڑی بات اس طرح نہیں سوچتے" ماہین کو ایک دم سانپ سونگھ گیا تھا۔ بڑی امی کی موت کا ماہین کے لیے ایک دھچکا تھا۔ وہ زندہ ہو گئی۔

اچانک ماہین کی نظر روتی کی سمت اٹھی۔ اس کے ہاتھ میں نوالہ تھا۔ سر جھکا ہوا تھا اور آنسو بڑی خاموشی سے بہہ رہے تھے۔

ماہین نے اپنی بھوک اڑ گئی۔ اٹھ کر اسے گلے لگا کر خاموش کرنے کا ارادہ کیا تو بڑی امی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"اس طرح سے اور یاد آئے گا پھر مشکل سے چپ ہوگی"۔ انہوں نے دھیمی آواز میں ماہین کو کہا۔

"روتی۔ بڑی بات بیٹا جو لوگ ہم سے بچھڑ جاتے ہیں ان پر ہمیشہ کر ایسے نہیں رویا کرتے۔ بے اولادی ہے روتی کی ہچکیاں کھا کھا کر آنسو

بلو بلو اس کے قریب بیٹھی تھیں۔ وہ کھانے لگے اور کھانے لگیں۔

ماحول ایک دم بدل گیا تھا۔

ہر شخص اپنی جگہ یوں خاموش تھا جیسے اس صورتحال کا وہی ذمہ دار ہے۔ مایئن جو شدید بھوک لگنے سے پہلے ہی کھانے بیٹھی تھی اور جس کے کھانوں کی خوشبوؤں سے اگلے لطف اندوز ہو رہی تھی ایک دم بھوک سے بے تعلق سی ہو گئی۔ اسے تھوڑی دیر پہلے کھانے کے ماحول سے نکل کر کافور اگرو کی خوشبوؤں سے بھرپور ہوا میں سانس لینا اچھا لگا تھا۔ اس کھانا کھا کر وہ سب لان میں بچھے تختوں پر چلی گئیں تو وہ یہ کہہ کر اپنے وہاں آنے کی وجہ بتائے گی کہ وہ اپنے گھر سے ہی نماز پڑھ کے آئی ہے اور یہ کہ جلدی سونا چاہتی ہے۔

نماز پڑھ کر اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ ہر سمت خاموشی اور سناٹا تھا۔ وہ بابا بھیا کو یاد کرتی ہوئی ہال کے بیرونی حصے میں چلی آئی اور دروازے پر دستک دی۔

"ہوں"۔ ان کی آواز کے بجائے ہنکارا ابھری جو گویا بتا رہا تھا کہ وہ آہٹ سے دروازہ کھلنے کے اندر چلی آئی ہے۔ اندر ہلکی نیلاہٹ مائل روشنی میں ہال کا وسیع و عریض حصہ نظر آ رہا تھا۔ وہ آہستگی سے دروازہ بند کر کے اندر چلی آئی۔ ذرا فاصلے پر ان کی دائیں طرف بچھی ہوئی مسہری پر بابا بھیا اپنے بچے کے ساتھ ان کی طرف کروٹ لیے لیٹے تھے۔ بچہ ان کے درمیان سویا ہوا تھا۔ ایک ہیجان سا اس کے اندر مچلا۔ وہ بابا بھیا کی طرف آئی تھی۔ بجلی بلب کی روشنی کی وجہ سے وہ آگے نہیں بڑھ سکی۔ وہ دروازے کی طرف آئی تھی۔ کمرے میں لائٹ آف

تھے۔ اور آج خود پر نظر ڈالیے۔ بہت فرق محسوس کریں گے۔

"وہ اچھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں"۔ یاور علی خان نے قبل سے بات کاٹی تھی۔

"مگر جو کچھ کتابوں اور لیکچرز سے سیکھتے ہیں۔ یہاں وہ یاد ہی کہاں رہتے پاتا ہے۔ ایک حرف بھی غلط کہے پر بار فخر ہا کہہ کر اعتراض ہوتے ہیں"۔ وہ طنزیہ انداز میں ہنس پڑی۔

پچھلی مرتبہ یاور علی خان کی پیشانی کی عمودی لکیریں گہری ہو گئیں۔ "میں ایسا محسوس کروں گا اگر آپ اجازت کریں"۔ انہوں نے سگریٹ ہونٹوں میں دبائی اور بہت سرسری سا اس کی سمت دیکھا۔

"بڑی عمدہ بات کہی تھی میں نے۔ یہاں اس ماحول میں ذاتی شعور اور جائز آزادی کے تمام مستور کا لعدم ہیں"۔

"یہ ان کے حق میں اچھا ہے کہ ابھی ان کا ذاتی شعور کا خیال نہیں"۔ ان کے سکوت میں ذرا فرق نہ آیا۔

"کیا اس کی کوئی مخصوص عمر یا زمانہ ہوتا ہے"۔ اس نے بہت سوال کیا۔

"نہیں۔ مگر والدین اپنی اولاد کے تمام ادوار سے آگاہ ہوتے ہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں"۔

"مگر والدین"۔ وہ اپنی انگشت شہادت پر بڑے افتخار سے مسکرائی۔

"ٹھیک ہے۔ مگر میں تو ہوں ہیں؟" وہ قدرے تیز ہو گئے۔

"ماں تو بچے کی زندگی میں بڑی اہم ہوتی ہے۔ اس کی کمی کے ازالے کیلئے بھرپور محبت کے پیار سے بچوں کے ساتھ آپ نے کیا رول ادا کیا؟" بڑا بے رحم سوال تھا۔

"نہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں۔ نہیں معذوم ہے"۔

"کراکسیوں' بائیسویں گریڈ کے افسران ہوتے ہی پر تکلف ہیں۔ خواہ مخواہ ہوں۔ بڑے باضابطہ اور پروٹوکول کانشس ہوتے ہیں۔ بچوں کو بھول جانا چاہیے کہ ان کا کوئی باپ بھی ہے۔ بس اس بات پر خوش اور مست رہنا چاہیے کہ وہ بڑے افسر کی اولاد ہیں"۔ اس نے ایک اور جارحانہ حملہ کیا۔

وہ خاموش رہے۔

"کچھ کہیئے ناں۔ کیا سوچ رہے ہیں"۔ اسے ان کی خاموشی پر حیرانی ہوئی۔

انہوں نے بہت سارا دھواں ناک منہ سے خارج کیا۔ چند لمحوں کیلئے اس کے اور یاور علی خان کے درمیان دھوئیں کے مرغولے حائل رہے۔

غبار چھٹا تو اس نے دیکھا ان کی سرخ اور بوجھل نظریں اس کے چہرے پر گڑی تھیں۔

"ایک بچے پر پہنچنا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ آپ کی کمی کی وجہ سے انہی ذہنی مسائل کا شکار ہیں"۔

"آپ کسی نتیجے پر نہ پہنچیں مگر مجھے آپ کی تو بہ برداشت اور طرز گفتگو نے بہت امپریس کیا ہے"۔ وہ مسکرائی۔

"اور میں نے آپ کی ساری گفتگو سے ایک آئیڈیا لائن تیار کی ہے۔ کیا آپ کو اس آئیڈیا لائن سے دلچسپی ہو گی؟" انہوں نے دائیں طرف جنگ کر راکھ جھاڑی۔

"اوہ۔ شیور"۔ وہ ایک دم مسرور دکھائی دی۔

"اچھی کہ آپ مجھے قابل ٹیچر اور خود غرض ماں سمجھیں گی۔ میں اپنی کوتاہیوں پر اس طرح سے نظر ثانی کرنا چاہ رہی ہیں۔"

انہوں نے اسی اطمینان سے پشت صوفے کی ٹیک سے لگائی جس انداز میں وہ گفتگو کر رہے تھے۔

"وہ بھی دلچسپ رہے گی۔ حقیقتاً جب انسان کسی پر تنقیدی حملہ کر رہا ہوتا ہے تو اس کے جوابات سے اس کی ذہنی سطح کا پتا چلتا ہے۔ کسی کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ مگر وہ ایسے ماحول دلفا کر دیتے ہیں کہ مقابل کہتے ہوئے خود ہی کچھ باتوں سے گریز کرنے لگتا ہے۔ جارحانہ انداز استعمال کرنے کے باوجود انسان جانتا ہے کہ اس کی بات اس حد تک ہی قابل قبول ہے۔ اس سے آگے پیچھے ہٹ جائے۔ اس کے دل و دماغ کی دنیا میں تہلکہ مچا ہوا ہوتا ہے۔ اس طرح کی لفاظی کی جنگ ہارا سا سیاب۔ انتی ہے۔

اگر جواب نے تنقیدی حملہ ظرف سے برداشت کر لیا تو طبیعت خوش کر خوار نکل گیا۔

اور جو آنکھیں چڑھائیں تو نہایت سادگی سے کہہ دیا۔ "نہیں جی۔ آپ غلط سمجھے۔ میرا مطلب یہ نہیں۔ یہ ہے"۔

وہ بھی اسی طرح کی صورتحال اور بیٹی تھی۔ لفاظی کی جنگ میں بالآخر اس کا لفظی خلوص کام آیا تھا۔ اور وہ ان کی کوتاہیوں کی نشاندہی کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر اب جو انہوں نے خود پہ لئے الفاظ استعمال کئے۔ انہیں سن کر وہ خاصی شرمندہ ہو گئی تھی۔

شرمندہ ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ایک لمحے کیلئے بھی اس سے متاثر ہی ہونے لگے تھے کہ وہ اپنی جگہ کو جائز قرار دے سکتی۔ ان کے برا ماننے کی صورت میں وہ شک کا فائدہ حاصل کر لیتی کہ

"دیکھا نا ہیں برا۔ ہیں جو ایسے"۔ مگر ان کی مستقل حالت سکون اسے الجھن میں مبتلا کرنے لگی تھی کہ جانے وہ انہیں غلط سمجھ رہی ہو۔

"اگر میں آپ کے پیارے بھانجے کو کہیں سے ایک ماں مہیا کر دیتی تو بھی آپ کو مجھ سے شکایت ہوتی"۔ وہ اسے خاموش پا کر گویا ہوئے۔

"آپ کو تو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ میں نے بچوں کو اپنے ذاتی مقاصد کی خاطر نہیں کیا ہے"

"آپ کا بہت بہت شکریہ"۔ وہ شریر انداز میں زیر لب مسکرائی۔

"مگر میں یہ عرض کروں گی آپ ماں کی کمی تو کیا پوری کرتے" آپ نے تو باپ کا رول بھی ٹھیک طرح سے نہیں کیا۔ آپ نے شاید نوٹ نہیں کیا ہو گا جو چیز مجھے کھٹکی میں نے نوٹ کر لیا ہے"۔

بالآخر وہ یاور علی خان کو چونکانے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ سگریٹ کا کش لینے کے سلسلہ بھول گئے تھے۔ آنکھوں کی سرخی کچھ گہری ہو گئی۔ "بات بات پر روشنی کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ مجھے لگتا ہے خط انہوں نے کسی سے لکھوایا تو وہ پھٹ پڑے گی"۔

"خدا خیر کرے۔ یاد ہے ایبر جلسہ میں آپ ہی کو پیش آئی تھی"۔

"ہاں۔ آج میں خالہ سے ذرا ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ میرا دل نہیں چاہ رہا کہ آپ جائے"۔

"مگر میں آپ کے بغیر لے جانا نہیں چاہتا۔ مجھے افسوس ہے"۔ اس نے یاد کتاب سے آنکھیں لگا کر بڑی کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں آپ لیا کروں"۔ وہ بولی۔

"اچھا! ابھی بات آدھی تھی۔ اور فرمایئے"۔

"بتا ہے کیا تم گھر میں شلوار ہیں؟۔ مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہے"۔

"یعنی مجھے اب اسٹائل اور فیشن کا عجلہ بھی تھوڑا بہت کرنا پڑے گا؟"

"مت بولا کرو اتنی مشکل اردو۔ میری دماغ میں کنکر بھیجے جاتے ہیں"۔ وہ جھلا گیا۔ "اس اتنا سا کام ہے کوئی بڑا کام نہیں ہیں"۔

"آپ کے تو سارے کام ہی ایسے ہوتے ہیں۔ ہاں تو میں آپ کو زہر لگتا ہوں۔ مگر کام پڑتے ہی ایک آنکھوں کا ہو جاتا ہوں۔ پھر کام نکلتے ہی آنکھیں پھیر لیتی ہیں کہ ملٹے احتجاجی تحریک شروع کرنے کا پروگرام بنانے لگے ہیں"۔

"لیں تو پھر کیا ہوا تم تمہارے کہنے سے گئی جھلی ہوں؟" وہ خفگی نظر سے ٹوک چھا کر بولی۔ یاد کی باقی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی۔

"جیسے دیا سلائی کے خواب دکھا رہی ہیں آپ"۔ وہ کتاب کا الٹا چہرے کے قریب لے گیا۔

"ہاں۔ سمجھ ہوں۔ یہ اطمینان ہے کہ صرف ہاں صاحب اور بیٹی ای کا مسئلہ نہیں بلکہ آج کل تو پاپا بھی گھر پر ہیں۔ بس میرا دل نہیں چاہ رہا کہ آپ جائے کہ ہماری پلیز"۔

"میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اصولی مدد کر سکتا ہوں"۔ اس کی بے یاری میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"بڑے آئے اپنے اصول پرست۔ اچھا اگر میں منہ میں انگلی ڈال کر رو دوں پھر تو کہو گے؟"

"مگر اتنی صبح صبح اٹھے گا کیا؟ ناشتے کے بعد پروگرام بنائیے گا"۔ اس نے انگلی میں تھرک بیکار کتاب کا صفحہ پلٹا۔

"ایسے آپ کی بھینس بے کار ہی جائے گی۔ آج تو میں آپ کی خالہ کا منہ والا علاقہ دکھانے لے جاؤں گا"۔

"تو پھر کیا ہوا۔ میں بھی چلوں گی"۔ وہ اٹھلی۔

"نہیں بھئی! سارا اجر اکارت ہو جائے گا میرا۔ وہ اتنی میرلیس اور بے تکی باتیں کرنے والی اور کہاں آپ کی ایک ذہین کی ایک آسمان کی سیدھا سنگھٹو۔ کیا باتیں کرتی ہیں۔ واہ"

"واہ"۔ اس نے نقل اتاری۔ "خالہ میری ہیں۔ باتیں تم سنو گے؟" وہ پیش میں آ گئی۔

"اگر آپ کہیں تو آپ کو" وہ چاہ "سنوا سکتا ہوں"۔ اس نے سادگی سے آفر کی۔

"دیکھو اب مجھ سے بات کرنے"۔ وہ پاؤں پٹختی آگے بڑھی۔

"اگر کبھی ایسی غلطی سرزد ہو گئی تو کیا ہو گا؟" وہ مسکرایا۔

"تو میں اپنی جان کی دشمن"۔ وہ فراٹی۔

"یہ کوئی بات نہیں۔ میں تمام کے بعد میں آپ کی پکی کہانی شروع کر دوں گا۔ آدھا گھنٹے سے پہلے" کہا مسکراتا ہے"۔

"یا اللہ تمہاری طرح بدشگن"۔ وہ رک کر چلائی۔ اس بہت کنٹرول کے باوجود اپنے بڑھتے ہوئے بلڈ پریشر پر قابو نہ پا سکا۔ کہنا تھا۔

ہال کمرے میں تھکاوٹ کی تھی۔

وقت پر سونے کی وجہ سے وہ اصل صبح بیدار ہو گئی تھی۔ اندھیرا تھا کیونکہ سورج طلوع ہونے والا تھا اس نے پہلے نماز فجر میں صبح سے فضل کا اہتمام کیا۔

کاف لگے شلوار قمیص کے کڑکڑاتے ہوئے سلیپ کرتا شلوار اور چوڑے سے دوپٹے میں ہلکا سا میک اپ کرنے کا اہتمام کا حصہ بھی تھی۔ ہال سے نکلتے ہی عمارت کے بائیں طرف کمروں کی طرف آ گئی تھی۔

لوگوں کی صبح کی بھاگ دوڑ اپنے عروج پر تھی۔ ٹی وی آن تھا صبح کی نشریات سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"یار اٹی وی کی آواز آہستہ کرو۔ فیج کا بچہ اچھا گانا شروع ہوا ہے" نیمر نے جھلا کر وہاج کو مخاطب کیا تھا۔ وہ پاؤں سے پیچا بیٹھا تھا۔

"آپ کی فرمائش" سن رہا ہے۔ غدار کہیں کا" ندیم نے کھچائی کی۔

"ڈوبے رکھنے کی ترکیبیں سیکھ رہے ہو جب واپس کشمیر میں جا کر بزنس کرو گے تو آپ جیسے "ڈیسٹ" پانی ہو ہے"۔ اس نے جواباً ندیم کو رگیدا۔

"یار کتنی مرتبہ کہا ہے کہ جب ریزرویشن کیا کرو تو اعلام کر دیا کرو"۔ جمیل نے بھیا جھلاتے ہوئے ہال میں داخل ہوتے اور جھاڑ پر بیٹھ گئے۔ جوان کا ریزرویشن کرتے ہوئے کئی بار بگڑ چکا تھا۔

"بڑا اچھا۔ بدتمیز ہوا۔ کیا ضروری ہے کہ اس بار بھی مجرم میں ہی ہوں"۔ وہ بے بسی کی تصویر بن گیا۔

"تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا"۔ جمیل نے پر یقین انداز میں کہا۔

"کیوں۔ کیا ان سب نے" بھنوں لیگ" مانی ہے۔ داڑھیاں رکھیں گے؟"

ندیم کی زبان پر کچھ نہ کچھ چل جاتا تھا۔ اور اس کے بارے میں سب ہی کو پتا تھا کہ نمبر ایک کا فل ہے۔ یار دے شیر آتا ہے۔

وہ بے ساختہ ہنس دی تھی۔ دھیرے سے۔ مگر امیر نے دیکھ لیا تھا بے چارہ اجنبی قمیص کے بے لطف حلیے میں بیٹھا خوار ہو رہا تھا۔

"شیر آیا۔ شیر آیا"۔ اس نے رونی شکل بنا کر آواز نکالی۔

"آئے گا تب ہی بھاگیں گے"۔ قاران تو ویسے ہی ذہین مشہور تھا۔

"آرام کیلئے ماں کی موجودگی ضروری نہیں" اور کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ پورا خاندان مل کر "بچہ" بنا ہوا ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ اس بچے میں موجود تمام بچوں کی مائیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں کہ یہاں ماں ہونے والے سے کوئی فرق نہیں پڑتا؟"۔

"دنیا کی کوئی عورت میرے بچوں کی ماں نہیں بن سکتی۔ یہ میری محبت کی انتہا ہی تو ہے کہ میں نے اپنے بچوں کے لیے دوسری لائی" مسلا نہیں کی۔ اور صاف کہہ گا۔ آپ کو میری ادا سے تھی ہی محبت کیوں نہ ہو" مگر آپ مجھ سے زیادہ میرے بچوں سے محبت تو نہیں کر سکتیں"۔

"میں اس طرح کے اعتقاد سے کبھی نہیں گزروں گی۔ مگر یہ عورتیں کیوں کی اپنے بچوں کو دوسری کی محبت کے بھروسے پر چھوڑ دیتی ہیں کوئی اچھی بات نہیں۔ میں محسوس کرتی ہوں کہ آپ بہت سے اپنے بچوں کو میسر نہیں ہیں۔ اب دیکھئے۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ بھائی اور آپ آپس میں ایک بار بھی ملے ہیں۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی"۔

"ہم عام لوگ نہیں ہیں مایا۔ اس لئے ہمارا انداز زندگی بھی عام نہیں ہے"۔

"آپ بہت عجیب لوگ ہیں۔ پیسہ بھی بہت ہے مگر عام گھرانے کے ساتھ زندگی کا واقعہ کیا ہوتا ہے۔ آپ نہیں جانتے۔ حکومت کرنے والے گھرانے کے افراد عام نہیں ہوتے ان کی سوچ بھی عام آدمی سے مختلف ہوتی ہے۔ جو اوسط ہوش سنبھالنے کے بعد اب تک خود کو حکم اپنے والوں میں پایا ہے۔ اس کے خون میں بھی یہی اثر ہے اور ماحول نے بھی اسے ایسا کرا دیا ہے کہ وہ کیا ہے۔ وہ ایک وقت بھوکا رہ سکتا ہے مگر خود کو غلاموں میں دیکھنا کبھی پسند نہیں کر سکتا۔ وہ خوش ہے۔ آپ بیٹھیں گی"۔

"میں نہیں جانتی۔ یہ محل خوفناک ہے۔ خاص طور پر مجھے روشنی سے تو بہت ہی اعصابی دورہ پڑتا ہے' وہ اپنی بات پر قائم تھی"۔

"اور آپ کیلئے اچھی اطلاع یہ ہے کہ مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آپ ہمارے بچوں کیلئے اس قدر فکر مند اور پر خلوص ہیں رہی ہیں۔ مگر فطری دلچسپی تو ہمیشہ ہی ہے۔ اپنی بہن سے اس کے بچوں سے۔ اگر میں مستقل یہاں وطن میں ہوتی تو یہ مشکل کب کی تربیت کر چکی ہوتی"۔ وہ بہت احتیاط سے کہہ رہی تھی۔

ہادی خان سہم سا گیا تھا۔ وہ بہت بھولی سی لڑکی محسوس ہو رہی تھی۔ ہاتھ پر ٹانکے اور گود میں ہاتھ رکھے یہ لڑکی قسم کی سنجیدگی ان کے چہرے سے مترشح تھی۔ ٹانکوں کے ہوئے بال دونوں طرف جھاڑ پڑے ہوئے تھے۔ کھلی پیشانی پر بھی وہ چار شکنیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ بہت اچھے حال کی بہت شائستہ سی لڑکی محسوس ہوئی۔

انہیں جانے کیا کیا وہم آنے لگا۔ وہ بہت خوفزدہ سا ہو گیا۔

قیمتی، رنگین چست لباس میں سانپ کی طرح لہرایا۔

نگوں سے لدا ہوا لچھے دار گھنگھرو لگے میں پڑا ہوا تھا۔

ساس کے مرنے کے بعد وہ اس کے وہ اپنے کو پہنا نہیں پاتا تھا۔

بلا کی فیشن ایبل۔

نفیس کی جانشین ہے۔

بہت خوش اخلاق۔

جس کی معصومی سے معصومی اداسی وہ ہماری تھی۔

ان کی سرخ آنکھیں بے خیالی میں بھی سرخ نہیں۔ وہ تھوڑا کر کھڑی ہو گئی۔

"کہا تو بہت کچھ ہے مگر باقی باتیں آپ سے کل کروں گی"۔

وہ چونک پڑے۔ "کل کیا کہا آپ نے؟" ان کے ہاتھ ہوا میں رک گئے۔ بہت خوبصورت اور شیریں لہجہ تھا۔

"کچھ نہیں۔ میں نے کچھ نہیں کہا"۔ وہ جل کر بولی اور شب بخیر کہہ کر وہ آ گئی۔

بالی کی اسسٹنٹ مرسوئی بیچ راہداری میں کھڑی پردیلی چادر کا گھیرا بنائے ہوئے تھی۔ شارٹ ہوا پر شروع ہی تھی۔ جانے کیوں اسے سامنے پا کر ایک لمحہ کیلئے وہ ہر کی صورت سے پریشان کرنے لگا۔ یہ ہونے کے بجائے جا کیوں ہو سکتی تھی۔

اسے اس طرح رات کے اس پہر یاور علی خان کے کمرے میں نہیں جانا چاہیے تھا۔ ہوائی سوٹ میں قریبوں بھی بدن نظر آ رہے تھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے ذرا سے قریب مرسوئی کا چہرہ دیکھا۔

آہا! وہی ہنسی ہو رہی ہے۔ کہیں بن تو نہیں رہی؟

"یہ ابھی ہو رہی ہے۔ یہ اسی طرح گھنٹے بیچ کر ہوتی ہے۔ اب تو صبح ہی ہو جائے گی۔ کام کرنے کی وقت کھانے کی آپ فکر مند نہ ہوں"۔ ہادی کی دھیمی آواز اس کے کان میں آئی تھی۔

وہ چونکی۔ پھر خفیف سی ہو کر رہ گئی۔ "تم جاگ رہے ہو اب تک؟ وہ دراصل میں۔ یہ ہادی ہے"۔

"آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟" اس نے جیسے سنی ان سنی کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں"۔ وہ اس کی ہمت دیکھے جا رہی تھی۔

"اچھا تو پھر۔ شب بخیر"۔ وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا ایک موڑ پر غائب ہو گیا۔

"ہادی!"

"بالکل اتنی صبح صبح"۔ وہ ناشتے کی ٹرالی کو لے میں ایک کتاب لئے بیٹھا تھا۔ وہ اسے اچھوتی ہوئی سی لڑکی محسوس ہوئی تھی۔

"ہادی۔ پلیز ویٹ می"۔

تب ہی کھلکھلاتی ہوئی ناعمہ اندر آئی۔

"السلام علیکم!" اس نے ہاتھ اٹھا کے حاضرین کو سلام کیا۔

جو جہاں تھا وہیں جم گیا۔ چھوٹے بھائی کو تو یقین ہی نہیں آیا کہ ان کے آدھے چہرے پر کرم کا جھاگ لگا ہوا تھا۔ فرحانہ "ٹرچ" بھول گئی۔

جو کاموں پر تھے انہیں اسے دیکھ کر ہنسی آ گئی۔ انہوں نے تو پہلے ہی طرح لیپ لئے۔

"معاف کیجئے گا۔ مجھے اس طرح کی صورتحال کا اندازہ نہیں تھا"۔ وہ واقعی شرمندہ ہو گئی۔

"میں تو جواد کے پاس آئی تھی۔ نظر نہیں آ رہا؟" اس نے ہیلمٹ اور ہیلمٹ ہال پر نظر دوڑائی۔

"وہ "حکیم سعید" بننے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ابھی پیول آنے کے دو میل جانے کے" نعیم بھائی نے تفصیلاً جواب دیا۔

"اوہ۔ مارننگ واک۔ گڈ" اسے بھائی کی صحت مندانہ عادت جان کر خوشی ہوئی۔

"کیجئے بیٹھئے۔ آتا ہے" اس نے نعیم بھائی کو مخاطب کیا۔

"تو ہو گا" ابا نے بڑے سلیقے سے جواب دیا۔

"آپ؟"

"خالہ ہوں جواد کی"۔

"خالہ!" وہ چار حیرت آمیز آوازیں بلند ہوئیں۔

"کبھی یا تھا جواد نے کہ اس کی خالہ آئی ہوئی ہیں" چھوٹے بھائی نے کہا۔

"مگر ہمیں تو معلوم نہیں تھا۔ خیر۔ فرحانہ بتائے اپنا کہ ہے۔

"ایک بات بتائیے۔ کیا ہم سب کو بھی خالہ ہی کہنا چاہیے" ابا کو بہت زیادہ تشویش ہوئی۔

"ویسے یہ اس حویلی کا سب سے بھیانک حادثہ ہے" منہاج نے اس کے سراپے پر نظر ڈالی۔ چھوٹے بھائی اسے گھور کر رہ گئے۔

"شیو مکمل کر لیجئے۔ کہیں بھول گئے تو ہم سب کو بھی پھنسوا دیں گے۔ کل کو فیشن چل پڑے گا۔ آپ کی شیو کا" نعیم ان کے کان میں منمنایا۔

وہ قدرے کھسیانا سا باتھ روم کی طرف بڑھ گئے۔

"آپ بہت اچھے ہیں۔ جواد آپ کے بہت عزیز ہیں۔ اصولاً تو آپ سب مجھے خالہ ہی کہیں" اس کی جلی میں بلا کا اعتماد تھا۔

"آپ بالکل ہم میں فٹ ہیں اس رشتے کیلئے" اختر نے شاید تعریف کی ہے "خاصا پسند آیا گیا۔

"مگر ہوا کیا؟ وہ نے الگ ہونے پر آپ لوگوں کا یہ حال ہے؟" اسے بہت الجھن ہوئی تھی۔

"کل سے یہ حال ہے" مصور نے بہت سوچ سمجھ کر حصہ لیا۔ ایک طرف کی قہقہہ پڑا۔

"آپ ڈرائنگ روم میں تشریف رکھئے۔ ہم آتے ہیں"۔

"ایسی بات؟" اس نے حیرت سے پوچھا اور کھولنے لگی کہ ضرور کوئی خاص بات ہوئی ہے۔

"ابا صاحب جائیداد کے معاملات میں بہت محتاط ہیں۔ آپ کو چاہیے تھا کہ ہمیں اپنے بارے میں بتا دیتیں۔ ہم آپ کی کسی طرح مدد کر سکتے تھے۔ ملاقات کا بھی انتظام ہو جاتا" نعیم نے اسے پیچھے پیچھے آتے ہوئے مشورہ دیا۔

"شکریہ" وہ مسکرا کر سر ہلا گئی۔

"میرے خیال میں ابا کی تشویش ان لوگوں سے ہوتی ہے جو وراثت کے قانونی ہونے میں وراثت سے اپنے حصے کا فائدہ حاصل کرتے ہیں"۔

"یہ بکواس۔" اختر نے حیرت سے نعیم کی سمت دیکھا۔ اس نے کان کھجانے شروع کر دیئے۔

"ابھی میں یہاں آپ کے گھر میں ہوں۔ کبھی میں ابا کی جگہ ہوں گا۔ آپ کو مجھ سے بات کرنی ہو گی۔ میں اپنی وراثت کا دعویدار ہوں گا۔ آپ ہمارے مہمان ہوں گی"۔

"میرے خیال میں مطمئن ہو جاؤں"۔ ابا نے ایک کرسی پر ٹک گئے۔

"اصل جواب کی تلاش بڑا رہا ہے۔ ایک کے بعد دوسرے کام سے کہیں پیچھے جا رہے ہیں اور مجھے بہت وقت ہو گیا ہے"۔

اسی وقت جواد سیاہ ٹریک سوٹ میں اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے گہری سانولی رنگت کا مرد بھی اندر آیا تھا۔

بچی کی آنکھوں میں محبت اور اپنائیت کی روشنی سی کوند گئی۔

جواد کے چہرے پر حیرت آمیز تاثرات نمودار ہوئے۔ وہ ٹھٹک کر رک گیا۔

"آپ۔۔۔؟"

"تو کیا کریں اگر خود آپ ہمارے پاس آئے نہیں۔ ہم خود چل کر آئے ہیں تو بتائیے اب بھی ہاتھ نہیں ملیں گے" اس نے جواد سے اس کی سمت دیکھ کر شکوہ کیا۔

"رات میں آپ کی جانب سے جلدی آ گیا تھا"۔

"کل جلدی؟" اس نے بے یقینی کے انداز میں اس کی طرف دیکھا اور گویا جھوٹ پکڑنے کی کوشش کی۔

"جواد بیٹے۔ آپ کے کمرے کا دروازہ ٹوک کیا کوئی آواز ہی نہیں آئی"۔

"ہاں ہو سکتا ہے شاید میں نماز پڑھ رہی ہوں گی"۔

"پھر میں چوتھے وقت کے وقفے کے بعد دوبارہ گیا دروازہ ٹوک کیا پھر کوئی آواز ہی نہیں آئی۔ یہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس نے جھوٹ نہیں کہا کہ آپ سو گئی ہوں"۔

(اس وقت تو میں غسل اور جائے نماز سے باتیں کر رہی تھی)" ہاں ہو سکتا ہے میں سو گئی ہوں اور مجھے پتہ نہیں۔ ابا کے ذہن میں یہ سن کر جھماکے خون ہو گیا ہے کہ جیسے اس وجہ خیال آیا ہو۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے بہت سوچنا ہے۔

ہے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ حیران ہوا

"خیر اپنے لوگ تو ہیں ہی" اس نے بالکل سادہ سا انداز میں کہا تھا۔

"آپ لیں ناں پلیز۔۔۔ اور منگا لیتے ہیں" اس نے نگاہیں ماہین کی طرف پھیر لیں۔

"مگر تو بتا رہی ہوں بالکل بھی ہیٹنگ نہیں ہو رہی" وہ دھیرے سے ہنس دی۔

جواد نے ہونٹوں کے گوشے بھرنے شروع کر دیے۔

"کہاں کہاں سیر کی آپ نے؟"

"گل ہادی کے ساتھ گئی تھی۔ آج بھی جانے کا پروگرام ہے تم چلو گے؟"

"سوری! آج کچھ ری جانا بہت ضروری ہے۔ بابا صاحب۔۔۔!"

"اٹس اوکے۔ ویسے بھی سارے لوگ موجود ہیں کوئی اور چلا جائے گا کچھ ری" اسے سر سے بوجھ اترتا محسوس ہوا تھا۔ یک

بجھ گئی تھی۔

"بابا صاحب جسے کام سونپ دیں اسے ہی مکمل کرنا ہوتا ہے" اس نے ہم ہنگی سے جواب دیا۔

"یہ بہت لانے ہیں بابا صاحب کے" ماہین نے مطلع کیا۔

"دو تو میں دیکھ رہی ہوں۔ دوپہر کا رات کا کسی وقت کا کھانا تو وقت پر کھانا نہیں ہے" اس نے تنک کا کہا۔ اب بابا

کے بارے یہ جملہ ہے کوئی ظلم کی)

"واقعی تاریخی تھی' ان کے ایجاد میں تو بھائی نظر ہی نہیں آتے۔ تم تنگ نہیں پڑتے اس ظالمانہ لاڈ پیار سے؟" اسے

غصہ آ گیا تھا۔

ایسی نظر کی ناپسندیدگی کا اظہار نے جیسے جواد کا دل ہی توڑ دیا۔

"آپ کو نہیں پتا بے" "ہاں اس کے۔۔۔ ای کی کا بیٹا ہے۔ سب کی نظروں میں رہتا ہے' آپ فکر نہ کریں۔

ہم سب آپ سے پہلے کا پروگرام بنا رہے ہیں"۔ فاران نے صورتحال کلیئر کرنے کی کوشش کی۔

"یہ سارے کام پروگرام بنا کر کرتا ہے مرنے سے پہلے بھی پروگرام بنائے گا" اسے فاران سے خاصی پرخاش ہوئی

تھی۔

ماہین سے سامنا ہوئی تھی۔ اف خدایا کتنے دلچسپ ہیں یہ لوگ۔۔۔ بلکہ سارا گھر۔ اب سمجھ میں آیا جواد کا پیچھے میں دل

کیوں نہیں لگتا تھا"۔

"بھائی!" جواد نے اس کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تمہاری ای بھی ہم سب میں بھائیوں کی بہن" اس نے بتایا۔

"اوہ اوہ خاموش سا ہو گیا۔

ماہین کو محسوس ہوا کہ اس کی بات کا اثر چھین کر غلط ہو گیا ہے اس نے

"ویسے آپ کہاں تھے میں کر خوش ہو کے خیر آ ہو گے ہو گا کرام میں نہیں بھی چلتا ہوں"۔

"سچ"۔ ماہین کو بہت اچھا خوشی ہوئی۔

"بالکل جی! اصل بابا صاحب سے ملنے ہی تو گئے تھے کہ مجھے ضرور چلنا ہے"۔

"اب آپ کے مراد' ورنہ میں سو رہا تھی اب تمہارے ہاں بھی سے ہاں میں کر کے بھائی جانے کے ساتھ ہی

بات کرنا تو کیا جواب دوں گی"۔

"چھوڑ رہے تھے' نا جان بھی آ رہے ہیں"۔

"ہاں مگر ابھی دیر ہے ان کے آنے میں' رانی بھی تو ہو گی ہمارے ساتھ"۔

"پتہ نہیں' بتایا تو کوئی ذکر نہیں کیا۔ بابا کے متعلق البتہ کہہ رہے تھے کہ شاید وہ ہمارے ساتھ چلے گا۔ اسے وہ

صاحب کا کوئی کام بھی کرنا ہے ادھر"۔

"وہی میں سوچ رہا تھا' پھر کبھی بھاری ہے کے ہادی صاحب یہاں سے ال کیسے سکتے ہیں۔ وہ تو بابا صاحب کے آگے

ہلتے ہیں" ثمر نے ذرا سی دیر میں تاصا فہ خوش کر لیا تھا۔

"اچھا میں چلتی ہوں' تم لوگ اپنی تیاری کرو' لیٹ تو میں ماما کی کوچ کرا لی تھی۔ اگر وہ تاخیر۔۔۔ ہو گئی ہو گی تو سب یہی

سو رہے ہوں گے کہ میں ابھی تک سو رہی ہوں"۔

وہ باہر نکل گئی۔

"ہائی ہولناک ہیں یار۔۔۔ خالہ۔۔۔" بھوئے بھیا تو لیے سے سر رگڑتے ہوئے ہال میں داخل ہوئے۔

"آپ کو سوٹ نہیں کر رہا پرشتہ آپ انہیں صرف میری خالہ رہنے دیں"۔ جواد شرارت سے ہنستے ہوئے تھا۔ یا اظہار

بولا تھا۔

"یار اچھے لگی ہو۔ ایسی خاندر خالہ اللہ ہر کسی کو ایسی ہزاروں خالائیں دے"۔ اسجر نے دعائیہ انداز میں ہاتھ بلند

کیے۔

"تمنائیں کرنے سے غرض ہے' تیسے کی طرف کبھی دھیان نہیں دیتا"۔ ہزاروں خالائیں۔۔۔ ہو اب اسال آدمی گھر

والا ہوتی ہے' انسان کو تھوڑی بہت ہمدردی اپنے باپ سے بھی ہونی چاہیے"۔ ندیم نے جھاڑ پلا لی۔

اسی وقت کومل نے اندر آ کر بیٹھنے کی اطلاع دی تھی اور اب سب سے سرے سے آپا دھاپی شروع ہو گئی تھی۔ ہوا ایک ہر

بلبلت ہو رہی تھی۔ اس کی خاص بات یہی تھی کہ بابا صاحب اکثر انہی سب کے ساتھ شفقت کرتے تھے۔

"فاران! آپ کو بڑے خان بلا رہے ہیں"۔ سرسوتی پیغام دے کر فوراً ہی پلٹ گئی تھی۔

وہ اپنے کسی ضروری کام سے ٹھہر جانے کا پروگرام بنا رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ وہاں گیا۔ بیٹھے تھے وہاں جا بیٹھا۔ وہ ٹھہرا

سوچ میں مستغرق ان کی خبر لانے میں چلا آیا۔ اور اندر داخل ہونے ہی لگا تھا کہ

روشی کالج یونیفارم میں ملبوس بابا صاحب اور ہادر علی خان کے مہمان بے چاری ہی بنی بیٹھی تھی۔ بابا صاحب
"صول اور اداروں اگریزی اخبارات میں الجھے ہوئے تھے۔ بابا صاحب روشی سے باتیں کر رہے تھے۔

"آپ روشی کہاں تھے بھل؟ فوج تو سیح سے لگر ہی نہیں آئے"۔

"نکر تو نہیں ہوں لگر میں"۔ ابھی البتہ جا رہا ہوں واقعات دیکھنے آپ کو"۔

"بہت اچھے۔ بھئی آپ روشی کی آنکھ نہیں کھل جنرل بنانے بھی نہیں اٹھایا۔ سب چیزیں تو چلی گئیں۔ اتنا اخبار کیسے
بھل سے ترنج ہو گیا۔ تم شوق جاری ہوئے اور اچھا ہوا۔ اسے کالج چھوڑتے جاؤ۔ جاؤ بیٹی تمہارا تو سنتے ہی ہو گیا"۔ بابا نے
اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

روشی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔

"مگر بابا صاحب؟"

"کیسے روشی بیٹی! آپ کی جیپ لے جاؤں بابا صاحب؟"

"ہاں ہاں آپ لے جاؤ" چوہدری جواد کے پاس ہو گی"۔

وہ پلٹ کر یہ دیکھے بغیر کہ وہ آ رہی ہے یا نہیں۔ بابا صاحب کا حکم ہو چکا تھا۔ اب تعمیل تو ہونی تھی۔ وہ جواد سے چابی
لے کر آیا تو وہ جیپ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ جیپ لانے سے جیپ لے آیا۔ پھاٹک تک لے کر کے جیپ بیٹی سڑک پر آئی تو رفتار دھیمی کر کے بک مرر میں
کرنے لگا۔

"اگر تم نے مورنی مجھے دیکھنے کی کوشش کی تو میں جیپ سے چھلانگ مار دوں گی"۔ وہ بھوکی شیرنی کی طرح غرائی۔ مر
ہاتھ کھنچ لی وہ اس کی نیت بھانپ گئی تھی۔

اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔ ایک جھٹکے تو ہو حال ایکوئی تھی۔ وہ روشی تھی۔ اس کے دل کو بہت اچھی لگا تھا۔

"جیپ کے پیچھے تو میں دوڑتے آپ اپنے دل کی بات ان سے کہہ سکتی تھیں۔ وہ آپ کی سفارش کر سکتے تھے"۔

"نہیں ہیں وہ مجھ سے بچا" بابا صاحب کو کسی کی بھی چاپلوسی کھوئی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بچا ہی کی وجہ سے وہ انکار
دیتے ہیں"۔

"اوہ بچا! وہ صرف ڈانٹتی ہیں۔ ہر وقت اسے کلاس پڑھتے رہتے ہیں۔ وہ لڑکوں کو بھی بچے ہی سمجھتے ہیں۔ کم پڑھتے کیسے وہ کے
اسلئے ہوگی۔ کالج میں حاضریاں پوری ہونا چاہئیں۔ وہ نہ کالج میں سب کہا کہیں گے ڈانٹی کی بچی کسی قدر غیر منظم ہے
اگلی حالیہ ہے۔ خود بھی بچر کے ہیں اور ہمیں بھی بچر کا سمجھ رکھا ہے"۔

اس کی باتوں سے سسکیاں شروع ہو گئی تھیں۔

"مجھے ماں کبھی ان لوگوں نے اسی طرح سسکا سسکا کر مارا ہو گا اور اب خالہ سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہتے

ہیں۔ خود تو کبھی شادی نہیں کی۔ میرا بھی ماں سے ملانے نہیں دے رہے جانے۔ ان کی سوچ ہی کروا تھیں۔ وہ تھی اب کے ساتھ رہتے
تو رہے لیکن ایسے"۔

اب ہچکیاں بندھ گئی تھیں اور ہاری کیفیت تھی۔ وہ اٹھ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔

اس نے گھٹنے دوست کے پیچھے جیپ روک دی۔ اور آگے بڑھ کر سر سیٹ کر لیا۔

"آپ اسی طرح روشی دھوتی کالج پہنچیں گی؟" اس نے اسے سر میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں کیا"۔

"وہ جواد سے میں کسی نے مجھے بتا لیا کہ ساتھ بیٹھی لڑکی روشی کیوں جا رہی ہے؟"

"اپنی آنکھوں سے دوسروں کو کیا تکلیف ہے"۔ وہ بگڑا تھی۔

"مگر دیکھنے والے تو مجھے ہی ذمہ دار سمجھیں گے"۔ وہ روہانسا ہو گیا۔

"تو تم ہی تو ہو۔ اور اگر وہ ساتھ دے دیتے — اچھا بس بات نہیں کرو مجھ سے۔ میں روہانسا ہو گیا ہوں۔ مجھے
والے تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟"

"یہی تکلیف ہے۔ جیپ چلاؤ مشکل ہو رہی ہے"۔ وہ ہنس پڑا۔

"ہاری ایجھے میں اندر دے۔ میں کالج جاؤں گی نہ گھر۔ یہیں کسی کوئیں میں چھلانگ مار دوں گی"۔ وہ جیپ سے
نکلنے لگی۔

بابا نے بڑی پھرتی سے گھوم کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"پاگل ہیں تو ہیں آپ؟" اسے بچے کا غصہ آیا" ہاری پلیز!" وہ اس کے بازو سے پکڑ کر پھوٹ پھوٹ
رونے لگی۔ وہ بے بسی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

بھلا اس پر ہنسی دورے کا اثر کیسے طاری تھا۔

"نہیں کیا میں سڑک پر تماشا بنوائیں گی آپ؟ آپ سے درخواست کر رہا ہوں کہ آگے آ جائیے کیونکہ اس طرح کی
صورتحال میں مجھ سے ڈرائیو نہیں ہو سکے گی — پلیز روشی!"

وہ خاموشی سے سسکیاں بھرتے ہوئے اس کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔ ہاری اس وقت شدید دکھ کی کیفیت میں مبتلا تھا۔

"روشی! اگر میں یہ کہوں کہ آپ کا ایک ایک آنسو مجھ پر عذاب بن کر نازل ہو رہا ہے تو کیا آپ مجھ پر رحم کریں گی؟"

"سب غلطی ہے آپ کی پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا میں تو خونی رشتوں کو بھی دیکھ چکی ہوں؟" وہ پھنکاری۔

"بعض خواہشیں التماس کرنے اور غور کرنے سے نہیں ملا کرتیں قسمت سے ملتی ہیں"۔

"تمہاری عنایت بھی میں نے دیکھ لی۔ ایک تم پر ہی بھروسہ تھا۔ تم سے ہی تو امید تھی اسی لئے تو پہر سکتے پر رونا نہیں
تمہارے ہاں جاتی تھی۔ مجھے ہمیشہ سے یہی محسوس ہوتا تھا کہ میرا کوئی بھی مسئلہ ہو گا اور تم منٹوں میں حل کر دو گے۔ مگر نہیں تم
بھی اس سسٹم کا ایک پرزہ ہو۔ اب مجھے تم سے بھی کوئی امید نہیں ہو گی"۔

"میرے سینے میں بھی ایک دل ہے، دانی! اتنا آزار بھی اچھا نہیں ہوتا"۔ اس کے لہجے میں سب سہہ جانے کی تلخی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ غیر یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

"یہی کہ میں ایک انسان ہوں۔ باقیوں کے زخم مجھے بھی اسی طرح تکلیف دیتے ہیں جیسے دوسرے انسانوں کو۔ مگر آپ کو یہ بدگمانی کیوں ہوئی؟" اس نے اپنا لہجہ بہت آہستہ کر لیا تھا۔

"مجھے اب دنیا کے کسی انسان پر بھروسا نہیں۔ میں اپنوں کی ستم خوردہ ہوں"۔ وہ پھنکاری۔

"آپ پہلے سے بھی بیمار ہیں، بہتر ہے سو جائیں"۔ اس نے بے دلی سے گفتگو بدلا۔

"تم بہت اچھی ہو ہاری! تمہارا یہاں کوئی غرض نہیں۔ تم بہت سارے تکلیف دہ تجربات سے گزرو گی، تم میرے مسائل نہیں سمجھ سکتے"۔ اس نے چاند سے آنکھیں بھیگو ڈالیں۔

"انسان کو غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے"۔ ہاری نے ایک اجنبی نگاہ اس پر ڈالی۔

"ہونہہ! الوہیت دیکھنے سے پہلے سمجھتا ہے۔ راتوں کو میں جاگتی ہوں، خون کے آنسو بہری آنکھوں سے پیتے ہیں۔ یہ سب بھی کا کرشمہ ہے۔ جو چیز جو بات غلط محسوس ہوتی ہے، اگر محض وہم ہو تو بھی مجھے سچائی ثابت ہو ہی جاتی ہے۔ یہ کیسی مسلسل غلط فہمی ہے"۔ وہ تلخی سے بولی۔

ہاری نے تھوڑا وقفہ دیتوں کے وہ بولا۔

"ہاری!"

"جی؟"

"یہ جو لڑکیاں گھروں سے بھاگتی ہیں سب کی سب فلم ایکٹریس بننے کیلئے تھوڑا ہی بھاگتی ہوں گی۔ بہری جیسی بھی ہوتی ہیں، جو نظریں نوٹ کر جاتی ہوں گی"۔

"شٹ اپ بیٹیز۔ کیا واہیات بحث شروع کر دی ہے آپ نے؟" وہ برہم ہو گیا۔

"تم کر رہے تھے طلال، کون روک رہا ہے تمہیں، مگر میں سچ کہہ رہی ہوں"۔

وہ اٹل تھی۔

"اللہ کا شکر ادا کریں اس نے آپ کو عزت داروں میں پیدا کیا۔ دولت کیلئے کسی سستے سے بے نیاز کیا۔ سلام پھیرنے والوں میں شامل کیا۔ محل ایک آدھ مان دے جانے پر سارا ملیا میٹ تو نہ کریں"۔

اس دنیا میں کروڑوں ایسے لوگ ہیں جو دولت کے سہارے محل بنا کر بھی باعزت زندگی کی جدوجہد کرتے ہیں سہارے تو کہاں کہاں ہیں جو سہارے کے بغیر دیئے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی تعلیم کے بندوبست میں بھی الجھے ہوتے ہیں۔ گھنٹوں دھوپ میں چلتے ہیں۔ لالٹینوں میں ساتھ یاد کے بلب میں راتوں کو جاگ کر پڑھتے ہیں۔ جبکہ کچھ دن انہیں معرکہ امتحان ہی دینا پڑتا ہے۔ دولت کی فکر بھی کرنا ہوتی ہے۔ آپ یہ محل نعمتوں پر شکر ادا کریں، ناشکری کی فرصت نہیں ملے گی"۔

"مجھے وہ اتنا اچھا نہیں لگا کہ میں اس کی ناشکری پر ہلکان ہوتی"۔ اس نے آخر سے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"تم مجھے کہانی سنانے کیلئے بلا رہی ہو، مگر میں اور نہیں جاگ سکتی"۔ اس کے لہجے میں ملال تھا۔

"نیند آئی ہو گی؟" اس نے تاسف سے مگر برہم ہوتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"جہاں میرا دل ہوتا ہے"۔ وہ اطمینان سے گویا ہوا۔

"کہیں نہ لگیں۔ مجھے آپ سے بات کرنی ہے"۔ وہ ناراضگی سے بولی۔

"نہیں کی تمہیں کون سی بری پڑ رہی ہے"۔ وہ ناراضگی سے بولا۔

"تو پھر اپنا کام ہو جانے پر کیا تم سب سے ایسا ہی سلوک کرتے ہو؟" وہ مشتعل ہو کر اٹھ بیٹھی۔

"مگر تم کیوں خفا ہو رہی ہو؟" وہ حیران ہوا۔

"تو پھر اس کا مطلب ہے وہ بیچارہ تمہارے کہنے پر ہی دوڑا ہوا آیا تھا؟" اس نے بھویں سکیڑ کر پوچھا تھا۔

"جانو! اس کا بچہ میں تو تین گیند ہیں۔ وہ ہے اور ایک بچہ"۔ وہ دل جلانے والے انداز میں ہنسی۔

"شرم آنی چاہیے ایسی باتوں پر، جو تمہارا کام کرنے والے پر احسان جتا رہا ہو، وہ تو صفائیاں دیتے"۔ اس نے کوفت سے کہا۔

"بلاؤ"۔

"آپ کیا چاہتی ہیں؟"۔ وہ جھلایا۔

"ہاری! تمہیں مجھ سے ذرا ہمدردی نہیں؟" وہ بھر رائے کو ہو گئی۔

ہاری نے گردن موڑ کر اس کی سمت دیکھا۔

"مجھے شناسا ہوا ہیں کہ سنہ سے کچھ سرزد ہو جائے"۔ وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"کیا مطلب؟" اسے واقعی کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا۔

"مطلب یہ کہ مجھے بری لڑکیوں سے دور رہنے دیں"۔ اس کی آنکھیں سامنے ہی ہوئی تھیں۔

دانی نے اس کی سمت بغور دیکھا۔

"اف! بائٹ خطرناک ہیں، ہوں آنکھوں پر ان کا اثر ہو جائے گرمی کی وجہ سے آنکھیں کہیں شعلے اگلنے لگیں"۔ وہ بہت شاکی نظر آ رہا تھا۔

"اگر تمہاری امی ہوتیں تو تمہیں دیکھ کر کتنا خوش ہوتیں"۔ اس کی رو بہک گئی۔

"کیوں؟"

"تم بہت نارمل ہو"۔ وہ معصومیت سے کہہ گئی۔

ہاری مسکرا دیا۔

"آپ کی امی کیسے فوت ہوئیں؟ کیا اپنے بچے سے کسی وجہ سے محبت نہیں کرتی تھیں؟ وہ بس محبت کرتی تھیں اور وہ بھی بہت خوش تھیں"۔

"ہاں! تم اور چھوٹے بھی تو کالج کیمپس میں پڑھتے تھے۔ تمہیں لڑکیاں پسند نہیں آتی تھیں؟"

ہارلی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی توجہ اعزاز عمر ولی روٹے پینے کا مکمل تو تمام ہوا۔

"ہاں! بعض تو ابھی بھی فون کرتی ہیں" اس نے مسکرا دیا۔

"کیوں؟"

"پسند کرتی ہیں"۔

"پھر تم کیا کہتے ہو؟" اس نے اچٹتی نظر اس پر ڈالی۔

"یہی کہ شادی تو میں اپنی پسند سے کروں گا"۔

"تم کس کو پسند کرتے ہو؟" اس کے دل کو جانے کیا ہوا۔

"یہی کیا جانوں کب پسند آجائے"۔

"تمہارے خیال میں تمہاری دلہن کیسی ہونی چاہیے؟"

"سانولے رنگ کا قد اونچا ہونا چاہیے اور سوا پانچ فٹ لمبے بال۔ چہرہ ایسا ہو جسے دیکھ دیکھ کر دل نہ بھرے"۔

"سوا پانچ فٹ لمبے بال؟" رادی کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے لاشعوری طور پر اپنے کمر سے ہاتھ اوپر تک بھیرا (جو اس کے اوپر ہی تھی۔)

"پھر تو تمہاری شادی کبھی نہیں ہوگی۔ اتنے لمبے بال تو شاید ہی کسی کے ہوں" اس نے مایوسی سے کہا۔

"آپ مگن نہ ہوں، ہے ایک ایسی لڑکی" اس نے گویا تسلی دی۔

"کہاں؟"

"زمین پر"۔

"ظاہر ہے آسمان پر تو ہونے سے رہی"۔

نہ جانے کیوں اس کا موڈ آف ہو گیا۔

"نام کیا ہے؟" وہ بدل سے پوچھ رہی تھی۔

"جلد ہی آپ سے ملوائیں گے، بلکہ ملوا بھی دیتے" وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

رادی چپ ہو گئی تھی۔

"کالج آنے والا ہے"۔

"تم چلے جانا، میں تو یہیں بیٹھی رہوں گی" وہ چڑ گئی۔

"کہاں بیٹھی رہیں گی؟" وہ حیران ہوا۔

"جہنم میں اور کہاں" وہ جھلائی۔

"اور جو میرا نام ہے وہ کب کروں گا؟"

"تو پھر اپنے نام سے چلو۔ جہاں تم جاؤ گے میں تمہارے ساتھ جاؤں گی"۔

"چلیے آج اس کے ہاں بھی جاتا تھا" اس نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"تو مجھے بھی ساتھ ہی اس سے"۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

"بھلی نہیں پھر سکتی" اس نے اپنا ایک دم ارادہ بدلا۔

رادی ایک دم چپ سی ہو گئی جیسے لوری گئی ہو۔

ہارلی نے تاسف سے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔ وہ سامنے بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ سر جھکائے کسی خیال میں گم تھی۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟" اسے چپ دیکھ کر اس نے پوچھا۔ چپ کے پل ماحول میں جیسے بوجھل سے ہو گئے تھے۔

بعض اوقات کسی کی چپ کتنی خوشگوار ہوتی ہے۔ لاکھوں لفظوں کے خطاب پر بھاری۔

"سوچ رہی ہوں بعض لوگ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ کتنی آسانی سے بہت کچھ حاصل کر لیتے ہیں اور بعض ان کتنے بدنصیب اور بدقسمت ہوتے ہیں کہ مگر کتنے محروم ہوتے ہیں"۔ اس کے لہجے میں عجیب سا دکھ تھا۔

"رادی!"

"جی!"

"ہاں عربی میں ہر کوئی تمہیں عزیز رکھتا ہے، کیا لگتا ہے تمہیں؟"

"بہت اچھا لگتا ہے، وہ بھی سب سے اسی طرح محبت کرتے ہیں"۔

اس کے لہجے میں نامعلوم سی تھکن در آئی۔

"کالج آ گیا ہے"۔ اس نے گیٹ کے سامنے جیپ کو روک لگائے۔

"تم چلو، میرے بھائی کا بیٹا کالج میں پڑھتا ہے، میں تو یہیں بیٹھوں گی" وہ پھر سے کان کھانے کو دوڑی۔

"مگر کئی دوسری لڑکیاں بھی کالج میں موجود ہیں، بابا صاحب کو پتا چل جائے گا"۔

"تو چل جائے" اس نے طفلی انداز میں ہارلی کی بات کاٹ دی تھی۔

"میرے بارے میں بھی کچھ سوچیے" وہ اب کس سے کہہ رہا تھا۔

"میرے پاس تو وقت نہیں ہے بے کار باتیں سوچنے کیلئے۔ تمہارے رویے میں تو دری" لے واں" والی سوچ آ گئی"۔ جس کی شناخت نے دھکا دیا ہے۔

وہ تیزی سے کہہ کر اطمینان سے پھیل کر بیٹھ گئی۔

ہارلی کی مسکراہٹ جانی پہچانی سی تھی۔

"رادی پلیز! آج کالج چلی جائیے۔ آئندہ میں آپ کے ہر گھریلو معاملے میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ جیسے میں وہ ہوں مرحبا آپ کو"۔ وہ سیٹنگ کر کے اگر چھٹیوں پر روانہ کروں گا۔

آپ کے کسی من پسند رشتے دار کی آمد ہو آپ کی علت علیحدگی کا اشتہار منسوخ کرا دیا آؤں گا۔ آپ کے پسندیدہ

رہے ہیں۔ ہم ایک سو دو روز میں تبدیل نہ کر دیں تو ہمارا نام بدل دینا۔ پھر روشنی صرف آج"۔

ایک شور بلند ہوا۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ ہوٹل والے کے ساتھ وہ آ رہا تھا۔

وہ دوسری طرف سے بڑی تیزی سے اٹھی تھی۔ مارتھا نے کہا۔

"آپ کے لئے تحفہ۔ آپ کی عیادت کے لئے نہیں بلکہ اس گاہک کے پاس"۔ اس نے گلدستہ پیش کیا تھا۔

وہ اس کے ہاتھ سے مسکرائی۔

"پھر اب کہاں جاؤ گے؟"

"ایک ضروری کام سے واپس وطن جانے میں بہت دیر ہے"۔ وہ بے پروائی سے بولا۔

"اگر میں تمہارے کام آ سکوں تو میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ ویسے بھی میں کچھ دنوں کی چھٹی کروں گی"۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

"شکریہ" وہ مسکرایا تھا۔

"یہی کہ تم نے اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا تھا اس کے عوض لے لیجئے"۔

وہ اس کا مطلب سمجھ گیا تھا اور پھر پوچھا۔

وہ چپ سے اٹھ گئی تھی۔

"ہاں میں اس کی قائل ہو گئی ہوں۔ آپ کو تکلیف کرنا ہے تھوڑی۔

"میں اس کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ میں صرف تمہاری خاطر اپنی عصمت تو ڑ رہی ہوں اس لئے کہ اس کا سر بہت بڑے گھر میں رہنے کے تصور کے ساتھ کیا کرتی"۔ اس نے غصہ کے بجائے دکھ سے کہا اور واپس ہو گیا۔

"میری خاطر ۔۔۔" وہ مسکرایا۔

"اگلی تو بہت سے ہیں۔ شاید یاد بھی نہ ہو۔ کیا اپنی "خاطر" پہلا بوسہ تو ۔۔۔ ہم اپنے جذبات اور تحریف کو آزما لیں گے۔ پھر کبھی ملاقات میں لیں گے۔

"ویسے بھول جانے میں بہت سے چار دن ۔۔۔ کے جانے کہاں کے فاصلے آ رہے ہیں"۔

اس نے اپنی انگلی اٹھا کر کہا اور بڑے اچھے انداز میں ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھ دیا تھا۔

"یہ سوٹ کیس ہے" وہ اس کے قریب بیٹھ گیا

"اچھا ہے تو اب ۔۔۔ مگر

اب وہ دے رہا تھا کہ مجھ تم سے لے لیتے

ہاں وہ نہ تھے یہ میں تو کر سے لیتے

وہ گھر جا چکے تھے اس دن وہ

"اس حال میں کہ کیا کہتے ہو"۔ اس نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"اس حال میں کہ تم اس نوجوان کو اپنا سب کچھ دے چکی ہو"۔

"بھول جانے کی خوب کہی ہے۔ کہو تم نے کیا سوچا"۔ اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"کیا سوچنا ہے۔ تم نے کہا تھا۔ وہ چلا گیا۔ مست ۔۔۔ ہو گئی ہے"۔

ہر لمحہ میں بھی دل والی حالت بدلتی ہے

دیکھ لیتا وہ بھی ساتھ سماں بدلتا ہے

وہ ہنسی سے بولی۔ "تم سناؤ یار! کیسی زندگی گزر رہی ہے"

"تمہاری عرضی کی ضرورت ہے۔ اب تو وہ چھوٹے بڑے گھر والوں کا کیا ہوگا؟" وہ مسکرا کر ہنسی سے بولا۔

"سوچنے کی کیا ضرورت ہے"

"کون ہاتھ آیا ہے غریب کی بیٹی! اب تو ان سے ہی گھر بسے گا۔ اچھا بتاؤ کہ تم نے اس سے ہاتھ پیلے کرنے کا ارادہ کیا ہے؟"

"تمہارے بھی تو ہوں گے"۔

"اندھیرے میں تو سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے کہاں کا اور اپنے ۔۔۔؟"

"اب خان بھی آج کل شادی کے چکر میں ہے"۔

"کیا کہہ رہا ہے؟ میری لاٹری نکلی ہے اسی میں بھی ہوگی"۔ اسے غصہ آ گیا۔

"بھیجو نہیں لے گا" روپے پیسے کی کمی نہیں ہے۔ عورت کی بات چھوڑو۔ عورت ساتھ اور بالا ہوتا ہے"۔

"بھائی کوئی عورتیں نکل جاتی ہیں مرد ان کے بغیر بھی زندگی گزار دیتے ہیں"

وہ جذباتی ہو کر کہہ گیا۔

"ارے تیری سوچ کا بھیجہ بے ۔۔۔ تیری لاٹری"۔ وہ بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔

"بڑھاپے کے ساتھ؟" وہ جذباتی ہو گیا۔

"میرے جیسے ان جوانوں پہ بھاری ہے وہ ۔۔۔ ہائے ہماری تشنہ جوانی

کیا کہیے کس طریق سے جوانی گزر گئی

بدنام کرنے آئی تھی، بدنام کر گئی

ایک بھلی غریب کے مکان میں رہتے ہوتے ہیں "کب تک کرے گا لاٹری کی حفاظت" ایک اندھی عورت اس کی حفاظت کرتے کرتے اپنا کیا بھروسا ہے"۔

"بھی تو تھی پاجا ہوں کہ کوئی دھندہ کا راستہ ہے"۔

"یہ کیسی تم دوستی کا رشتہ کہتے ہو آلال خان تو کہتا ہے 'بیسے میں کھیلتا ہے' بھوکا نہیں مارے گا تیری لڑکیا کو"۔

"نے بھائی اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو جائے تو کوئی بات نہیں تھی"۔ اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"بس تو پھر جا اور بات تو نے کرنی"۔ اس نے کھا کر اٹھتے ہوئے بابی سے کہا۔

"خون والے، باہوں گھر کے برابر ہے تھوڑی دیر ہو ہی جائیگی"۔ اس نے نظر بھر کے بیٹے میں جواب دیا۔

"اوہ بھئی واہ! کیا انیلا گھر مارا ہے" تمر بھائی! انیلا کون سے لڑکی کی شادی نہیں ہوگی' میں تو خود تیری بیٹی کا رشتہ مانگ لیتا پر ہمارے ہاں کی شادیاں نہیں ہوتیں"۔

"یہ تو تیرے اپنے کرن ہیں' دیکھے تو بڑا ترس آتا ہے"۔ اس نے دکھ سے اس بڑیوں کے پنجر پر نظر ڈالی۔

"دیکھ بھائی غلام احمد! مذاق نہیں کر رہا ہوں تجھ سے۔ گھر والی سے بات کر کے دیکھ' شاید اسے یہ بات سمجھ میں آجائے"۔

"اچھا اب تو میرے گھر میں تمہارا نوالہ دے"۔ اس نے تلخی سے جواب دیا۔

"تجھے گھر لے چل میں کر لیتا ہوں بات"۔

"ہمارے گھر کے برتن توڑنے والے کی تجھ پر۔ تجھے اس کا پتا نہیں ہے ——" اس نے اس کی بات بھی پر گویا ماتم کیا۔

"دیکھ غلام احمد! آج لال خان جیسے قسمت سے تیرے دروازے پر دستک دے رہا ہے' تو کیوں اپنی اور اس کی توہین کر رہا ہے۔ اپنے جیسے نصیب کو اور اداس کچھ ہے' جو خون بیچ بیچ کر وقت سے پہلے ہی بوڑھا ہو جائے"۔

"یہ کوئی ضروری تو نہیں"۔ وہ ابھی مایوس نہیں تھا۔

"تجھے گھر میں تیسرے دن کوشت پکنے لگا ہے تو اب پیچھے شروع ہو جائیگے اب"۔

"اوہ بھئی سے پہلے غور کر پھر اس بات پر"۔

وہ سوچ میں گم ہو گیا۔

"کیا سوچنے لگا؟" عارف کو اپنی یہ ہار بڑی بڑا بھر دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سحر انگیز طور پر چمکنے لگی تھیں۔

"لو تو باہوں' شاید تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ بات کر کے دیکھوں گا گھر والی سے"۔

"یہ ہوئی بات —— بات کیے نہیں کرنی اوئے بھی سمجھا ہے"۔ اس نے تالی پیٹی۔

وہ اٹھ کر باہر کھلی سوچ میں غرق ہو گیا۔

ہاتھوں سے معصوم کرن کا بچپن ہے تا دے
راکھ کے شعلوں کو ہوا کرنا ہے' آگ لا دے
دل حزیں کو تیرا پیغام اس نے دیا ہے
کہ میں نے تجھ کو بھلا دیا' تو مجھے بھلا دے

عارف کی آواز میں دل جلے کا سوز تھا۔ وہ خیال سے چونکا تھا۔ وہ تلخی عارف کی آنکھوں کے گوشوں سے اتر کر

گرے تھے۔ جو اس نے دیکھ لئے تھے۔

سوچ میں گم ہو گیا۔ وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ جب اس نے گاؤں کے اندر جانے کی ٹھانی تھی۔ تب اس کے ذہن میں کیا تھا۔ اس کا جواب اسے نہیں مل رہا تھا۔

تمام اس کا ایک روم پارٹنر آکر جا چکی تھی۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے ہوسٹل کے پچھلے حصے میں کسی نے کراہنے کی آواز کے ساتھ دکھ کے پھیلنے کی آواز بھی سنی تھی۔ وہ بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ اس صورت میں اس نے کیا کرنا تھا۔ وہ اسی طرح اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ سیدھا ہوسٹل کے مین گیٹ کی طرف آیا تھا۔ وہاں سے اسے پتا چلا کہ ہوسٹل کے اس حصے میں کچھ لڑکیاں رہتی ہیں۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس نے دیکھ بھال کر کے اور بھاگنے کی کوشش کی۔

"اوئی اللہ اکیلے ہو کے حال پر مجھے نہیں کہیں نہیں جا رہا میں کل تک اس لئے ہی ہوں۔ تم کچھ بولو نا۔ کچھ بولو نا۔ بالکل بیٹھ کر ہو ہو کے اتنا رو رہا ہوں کوئی بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے؟" (ہچکیاں اور سسکیاں ——)

وہ بچی کی طرح تھی جیسے بے جان ہو رہی تھی۔

copied from web

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"اندھیرے میں کچھ نہیں پتا چلتا" کرکے دیکھنے لگی۔

باہر کے دروازے کھلے تھے۔ باہر کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ اندر اندھیرا تھا۔

باری بیٹھک پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ نیچے گلی میں ایک عورت دوازے کے سامنے ہاتھ جوڑے ہوئے گڑگڑا رہی تھی۔

"میں کہاں سے پیسے دوں۔ کل ضرور دے دوں گی۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ ہم پر رحم کرو۔"

"دیکھو۔ تمہارا بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔ اگر بابا صاحب کو پتا چل گیا۔"

"سب سو رہے ہیں۔ اپنے خدا کے گھروں میں۔ کسی کو ہوش نہیں۔ میں آواز دوں گی تو بھاگتی ہوئی آئیں گی۔" عورت نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

"میں بھی تو سویا ہوا ہوں۔ تمہیں یہاں بھیج کر کیسے پتا کر سکتا ہوں؟" اس کی آواز بے حد آہستہ تھی۔

"تو سو جاؤ۔ میں تھوڑی دیر بعد چلی جاؤں گی۔ دیکھو گلی والی بتیاں بجھا دیں۔ میں اتنا دان اٹھا کر بھاگ سکتی ہوں۔" عورت نے کہا تھا۔

"کیا ہے؟" باری کے کان میں سوال ابھرا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ بھوکی ہوں۔ کچھ کھانے کو دے دو۔" عورت گڑگڑا رہی تھی۔

"تم سزا کاٹ رہی ہو۔ خدا سے معافی مانگو۔ شاید بخش دے۔" باری کتنا مختلف سوال سے تھا۔

"پتا نہیں کیا سزا ہے۔ دو گھڑی کھلی ہوا میں گزارنے کی۔" وہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"دیکھو اگر تم بابا صاحب کو بلا لاؤ تو میں خان کو بلا لاؤں گا۔" باری نے کہا تھا۔

"جیسے ایک دیوار کھڑی ہو گئی۔ بتیاں گل ہو گئی۔" عورت نے کہا تھا۔

"تم تو بہت اچھے ہو باری!" وہ خوشامد سے بول رہی تھی۔

"میں اچھا ہوں تو برا۔ میں اس وقت ہوں جو خان کی مرضی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"اچھا کھڑکیاں ہو گئی ہیں۔ بلا لاؤں خان کو؟" اس نے دھیمے سے کہا۔

"بلا کر۔ خان کو بلا لو۔ شاید وہ طیش میں آ کر مجھے زندگی کے جال سے آزاد کر دیں۔ یہ دوسرا لفظ ختم ہو گیا۔" وہ کس پر ہنسی تھی۔

باری نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ عجیب مخمصے والی کیفیت تھی۔

اسی دم سے پھاٹک پر گاڑی کی ہیڈ لائٹس پڑیں۔ سامنے سے باری نے پھاٹک کھلنے کی آواز سنی تھی۔

"دیکھو خدا کیلئے اندر بھاگ جاؤ۔ پتا نہیں کون آ گیا ہے۔" اس نے دھیمے اس بار التجا کی تھی۔ اس بار عورت نے جانے باری نے بھی گیٹ کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ عورت پر بتیاں نظر آ رہی تھی۔ باری نے پھاٹک کی طرف قدم بڑھا دیے مگر اس سے پہلے کہ کھڑکیاں بجتی پھاٹک کھلنے کی آواز سنی تھی۔ ساتھ ہی پھاٹک دھاڑ سے ایک جیپ تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ ہیڈ لائٹس کی روشنی سے لمحے بھر کو باہر کی ایک ایک چیز واضح ہو گئی۔ باری نے پھاٹک کی طرف سے نظریں ہٹا لی تھی۔ نیچے گلی میں عورت اپنے بچے کے ساتھ اندھیرے میں غائب ہو گئی۔ اس کے بھیگے ہوئے بال اور کھلے ہوئے بازو۔ اس کی مظلوم صورت بھول جانے والی نہیں تھی۔ باری نظریں جھکائے اپنی جگہ سے چلا ہوا تھا۔

جیپ پورچ میں جا کر رک گئی تھی۔ ماحول پر بھرے تاریکی کا تاثر لیے چھوٹا تھا۔ باری نے پھاٹک بند کر دیا تھا۔ ساتھ کھڑکی کی جالی میں سے کسی نے دیکھ بھی لیا تھا۔

سامنے سے ایک سایہ تیزی سے مردان خانے کی طرف آتے دیکھا۔ منظر پہلے سے زیادہ تاثر لیے ہوا تھا۔

آنے والا سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ رنگ سانولا تھا اور اندھیرے میں بھی واضح ہو رہا تھا۔ تھوڑی اور بڑھا ہوا جا رہا ہے۔ اگر انسان خاصی دور سے اندھیرے میں دیکھ رہا ہو مگر یہاں صورتیں قدرتی روشنی میں واضح ہو رہی تھیں۔

"السلام علیکم خان" باری کی آواز نے ماحول میں ارتعاش پیدا کیا۔

"السلام، یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟" ناواد میں ملاکی تھسیہ تھی۔

"باہر آگئی ہے۔ کیے۔ میں کہہ رہی ہوں"۔ یہ بیچے ہدایت تھی۔

"آپ بھی اس کے دماغ کھانے نہیں لگے۔ اور کیا چاہتی ہے؟" بچے میں غصہ بھری تھی۔

"اس کی بیڑیاں کھلا نہ کر دو۔ یہ اس قابل نہیں کہ اس کے ساتھ اور اسی بھی رعایت کی جائے"۔ ملاکی بار بھی تھی۔

عورت نے آگے بڑھ کر نے والے کے ہاتھوں تھام لئے "آپ کی گناہ گار ہوں آپ جو حکم کریں میں تعمیل بجا لاؤں گی"۔

"مت بنو آپ نے آج تمہاری کوٹھڑی میں کون آیا تھا؟" ناواد کے لہجے میں غضب بھی تھا اور سوال بھی۔ بڑی مزاحمت سے اس نے پاؤں پیچھے ہٹائے تھے۔ وہ سسکی رہی۔

"کیا چھپا رہی ہو؟" ناواد کے لہجے میں بھڑکاؤ تھی۔

"برسوتی کھانا لائی تھی"۔ میرے خان۔ بڑا نے کہنے میں آنے والا سا تھا۔

"بادی۔ برسوتی اگر ہو بھی ہے تو اسے بلاؤ۔ اس کے سامنے اس کی کوٹھڑی میں دونوں کے لئے بند کر دو۔ اسے کہا ہم نے دیکھ لیا ہے کہ وہ جب تک کوٹھڑی سے باہر آنے کی تب ہی کھانا کھائے گی۔ چلو اٹھو جاؤ کوٹھڑی میں"۔ لہجہ واضح اور تحکمانہ تھا۔

"عورت کمزور ہوگی"۔ ایک بار کہہ دیں کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا۔ پھر چاہے میری جان لے لیں۔ آپ کا حکم ہے۔ میں چپ چاپ چلوں۔ اندر چلوں۔ دیوار تک بچھوا دی جاؤں۔ پتھر کھاؤں"۔

"شٹ اپ"۔ ناواد نے خاصی بلند آواز سے ٹوکا۔

"دیکھو وہ ہے بادی آہن نہیں۔ اسے لے جاؤں یہاں سے۔ فار گاڈ سیک"۔ ناواد نے جیسے بمشکل اپنے غیظ و غضب پر قابو پایا تھا۔

عورت اندھیرے راستے پر چلتے ہوئے پچھلے حصے کی طرف بڑھی۔ اس کی سسکیاں، ہوش میں ایک دھماکا دل ہلا دینے والی تازہ کھیپ ہی تھیں۔ اس پر مستزاد بیڑیوں کی کھنک۔

"میں نے سنا ہے گھر میں مہمان آئے ہیں؟" ناواد جاتے جاتے پھر بادی کی سمت پلٹا۔

"غیب العلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی آئی ہوئی ہیں"۔ بادی کی آواز ہنوز دھیمی تھی۔

"اور بچے کیسے ہیں؟"

"ٹھیک"

"کتنے دن سے چھٹیوں پر ہیں؟"

"دو دن ہوئے ہیں"۔

"ایسا کرو میں چلتا ہوں۔ پھر آؤں گا"۔

"جی۔ اسے کوٹھڑی میں جانا ہے۔ پہلے آپ کے حکم سے معاف کیا تھا"۔

"ہم چلتے ہوئے یہاں کھڑا پڑا ہے۔ اور بھی کام ہیں ہمارے۔ اسے لے جاؤ اور بند کر دو"۔ ناواد کا لہجہ اور انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس معاملے کو اب مزید طول نہیں دینا چاہتا۔

بادی نے برسوتی کو ہمراہ لیا اور دونوں "اس" کھانا کھا اور مکمل ہونے تک پیچھے ہی کھڑے رہے۔ وہ کھانا کھا چکی تو بادی نے کہا۔

برسوتی کمبخت اضرور ملنا چاہیے۔ بادا صاحب ہم بھی تو تمہارا ہی ہے نا۔ میں نے کہا تھا"۔

"سمجھ" بادی نے دونوں ہاتھ اکٹھے کر کے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں عورت کھڑی تھی۔

ناواد کے جانے کے بعد صنوں اندھیرا بھی بہت تھک کی تھی۔ وہ بادی سے چابیاں لے کر کھڑکی کھول رہا تھا۔

مایہ تو کمزور کے کمزور سے بیچے پتھر ہو گئی تھی۔

دل اس طرح دھک دھک کر رہا تھا جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا۔

وہ اپنے آپ کو کوٹھڑی کے تعفن زدہ بستر تک لائی۔

کون تھی یہ عورت؟

جس ایک دم کوٹھڑی سے غائب ہو گئی تھی اس طرح کا شک ہے وہ بیان کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ مگر بادی کا اس کے ساتھ طرز کلام کسی طرح "سابقہ قیدی" ہونے کا پتا نہیں دے رہا تھا۔ بلکہ بادی کا انداز بیان آقا اور ماتحت کا تھا۔

پھر کون ہے؟

آنے والا کون تھا؟

اپنے انداز سے تو یہاں کے مالکوں میں سے ایک لگتا تھا۔

آہ قادر تو چلا گیا کہاں گیا؟

عورت اسے فوراً پہچان گئی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا۔ وہ کس بات کی معافی مانگ رہی تھی؟

مایہ کو یوں محسوس ہوا اس کے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔ اس نے پاس رکھے کوزے کو اس میں پانی انڈیلا اور ایک ہی سانس میں پی گئی۔ قدرے حواس محسوس ہوئی۔ نیلوفا تو اب ہو ہی رہا تھا۔ کیا بادی آنے والے کا حکم بجا لائے گا۔ برسوتی کو بلائے گا۔ اس نے ایک دم پلٹا کھایا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس کے قدم دروازے کی سمت اٹھ رہے تھے۔ وہ دروازے کے پاس پہنچ گئی۔

دائیں کے گلے میں پڑی ڈوری کھول رہا تھا۔ اس نے ڈوری کھینچ کر کھولنے کی اور بہت آہستگی سے دروازہ کھولا۔ تو قوت سے ایک جھٹکے سے دروازہ کھل گیا۔ وہ اتنا وزنی تھا۔ اس نے دھکا دیا تھا۔ اس نے دھکا دیا تھا۔ کسی گہرے کنوئیں کی طرح تاریک تھا۔

وہ اندھیرے میں چلتی ہوئی دائیں اپنے بستر پر آ گئی۔

پھر۔ آپ پر کیا گزری تھی؟ کتنا ہی عرصہ اور سفاک ماحول نے صعوبتیں جھیلیں۔ وہ آدمی جس نے ہوا سے

پہلے کے، اکثر بار بار کسی فلم کی طرح ذہن کی اسکرین پر متحرک ہو رہے تھے۔ بلآخر اس کی آنکھیں بھیگ اٹھی تھیں۔

لون۔ لون۔

وہ سر سوفی کو گاڑی میں بٹھا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ لون کی ممی نے اسے آگے بڑھتے دیکھا تو وہ تیزی سے اس کی طرف لپکی تھیں۔ وہ اسے کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر اس کے پیچھے لون کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ اس نے ریسیور رکھتے ہوئے سامنے دیوار پر لگی گھڑی پر نظر ڈالی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔

"اللہ رحم کرے۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"بیٹا۔ میری بات کر رہا ہوں۔"

"روشی بول رہی ہوں۔"

"اوہ۔" وہ کسی طرح چونک پڑا تھا۔

"کہاں سے؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"فی الحال واشنگٹن۔" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"روشی۔ میں کراچی جا رہا ہوں۔ میں کیا کروں؟"

"مگر سب تو آپ کے بغیر بھی ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ حیرت سے بولی تھی۔

"تو کیا وہاں میں یہاں ہنگامہ کھڑا کروں گی۔ فون کر لے جانا۔" وہ بہت سکون سے بات کر رہی تھی۔

"مجھے کچھ ایسا ہونے کا ہنگامہ۔" وہ اس کے سپاٹ چہرے پر نگاہ جمائے کہہ رہا تھا۔

"وقت تھیں ہمارا ارادہ تھا۔" وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔

"دیکھیں آپ کوئی ایسی سنسنی خیز حرکت نہیں کریں گی۔" اس نے تنبیہ کی۔

"تم مجھے نہیں روک سکتے۔ دیکھ لینا میں ثابت کر دوں گی کہ میں ولاد خان کی بیٹی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے میں آپ کے پروگرام میں شامل نہیں ہو سکتا۔" اس نے ریسیور رکھا۔ اور باہر کی طرف بڑھا۔ گھڑی کا بارہ بج چکا تھا۔

ڈرائی نے گہری سانس لے کر فون کی طرف بڑھتی تھی دل سے چاہا۔ ریسیور اٹھا لے۔

"نہیں؟"

"فون کیوں بند کر دیا۔ تم مجھے اس طرح روک سکتے ہو۔ میں کر لے جا رہی ہوں؟" وہ اسی سے کہہ رہی تھی۔

"ڈرائی کی پریشانی پر بیٹھ جائے گا۔" کیا کرنے جا رہی ہیں آپ؟" وہ بے بسی سے پوچھ رہا تھا۔

"سب میں تکلیف میں ہوتی ہوں تو تمہیں کچھ نہیں ہوتا؟"

"کس کے پاس آزادی ہے۔ اس کے پاس وہ ہے جو اللہ چاہتا ہے۔"

"فون بند کرو۔ اب فریب مت دینا۔" روشی نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ [illegible] سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ [illegible] کر چکا ہوں۔"

"مگر کیسے بات کرائیں۔" وہ الجھی تھی۔

"وہ ہوٹل کا مالک ہے۔ [illegible] ہے۔ [illegible] بات کرے۔" [illegible]

تھا۔

ڈرائی ریسیور رکھ کر، وہ ہوٹل کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ اس کی چال بہت آہستہ تھی۔ وہ جیسے ہاتھوں سے اپنے گریبان کے بٹن کھولتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

سب کی سب گھوڑے بیچ کر سو رہی تھیں۔ یہاں وہ مستقل ڈاکٹرین اور ساتھی تھیں۔ اس کے جاگنے کے منتظر تھیں اپنے کام کاج وہ کے چھوڑے تھے کہ وہ صبح کب جاگتا ہے اور کتنے گھنٹے کام کرتا ہے۔

"آپ جب سے آئی ہیں بالکل اسی طرح سو رہی ہیں۔ چاہے دن ہو یا رات۔ آپ کیلئے؟" گلوریا نے اس کے چہرے سے اس کے ہوا اندازہ لگایا تھا۔ بڑبڑاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔" وہ بیڈ ٹرے اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

روشی نے چاروں طرف دیکھا اور فون کی طرف بڑھی۔ فون گلوریا کے قریب تھا جو بے سدھ سو رہی تھی۔ اس نے لمحہ بھر کیا اور وہ ٹرے اٹھا کر پلٹ گئی۔

"بیٹا" اس کی طرف بڑھی تھی۔

"ہاں"۔ خالہ سو رہی ہیں یا جاگ رہی ہیں؟"

"پتا نہیں بیٹا۔ میں کافی دیر سے چوں کو بلا رہی ہوں۔" اس کا اشارہ باورچی کی طرف تھا۔

"کافی لیٹ ہو گئیں آج۔" روشی کو حیرت تھی۔

"ہاں صاحب" سرائے" گئے ہوئے ہیں آج پانچ بجے صبح سے۔ سب کے طرے آئے ہوئے ہیں۔" وہ مسکرا رہی تھی۔

"ہاں۔ اچھا۔ کیا ہماری فون کال کے بارے میں کچھ نہیں کہا؟" اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔ کچھ نہیں کہتے۔"

"اچھا۔ بابا جان۔"

"آپ ہوا کریں۔ بلاتی ہوں۔"

روشی بے چینی سے انتظار کرنے لگی۔ ساتھ ساتھ گھڑی بھی دیکھتی جا رہی تھی۔

"اب کیا ہے؟" ہم بیٹی میں باری کی بیزاری آواز ابھری۔

"میرے دل کو وہم نہیں ہوتے تم بہت یاد آ رہے ہو۔ خالہ بہت یاد آ رہی ہیں۔ کیا کروں؟"

"اتنی دور بیٹھ کر بھی آپ مجھے ہمیں سے نہیں چلنے دیں گی؟" وہ جھلا رہا تھا۔

"نہیں ہے ہمیں ہوں تو تمہیں کہوں ہمیں سے چلنے دوں" وہ الٹے پڑی۔

"باری"۔

"جی"۔

"دیکھو مجھے سنبھالو۔ مجھے کسی طرح بہلاؤ۔ وہ بار بار کھڑکی کی کیفیت بند کھلے اور ہی تو ہیں ہوتے گے گے گے گے"۔

"وہ سب کیا کر رہی ہیں؟" باری کا لہجہ سرد تھا۔

"سو رہی ہیں؟" اس کی آواز ابھر آئی۔

"آپ بھی سو جائیے۔ نیند پوری ہو گی تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی"۔ باری نے بڑے بے رحم انداز میں مشورہ دے کھٹاک سے ریسیور رکھ دیا تھا۔

"اب ایسی طبیعت نہیں ہوتی جو سونے سے ٹھیک ہو جائے"۔ ریسیور ہنوز اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے قریب ہوتی ہوئی گھڑی کی سمت دیکھا پھر صوفے کم بیڈ پر لیٹی ہوئی دو لڑکیوں پر نظر ڈالی۔ اس کے بالکل نزدیک کارپٹ پر سوئی ہوئی لڑکی کے بے سدھ وجود کی تھی۔ باقی لڑکیاں اوپر کمروں میں تھیں۔

کتنی خوش نصیب ہیں یہ سب۔ اسے رشک آیا۔

ایک میں ہوں۔

اور میرا دل ہے جیسے قید میں پھڑپھڑاتا ہوا پرندہ۔

کاش میں کوئی بچہ ہوتی۔

دادا اماں کی لاڈلی۔ ماں کی جان کرتی۔

کل صبر و قناعت ہوتی۔ اور سینہ سکھ ہوتا۔

یہ ماں کے دل تو اس طرح نہیں ہوتے ہوں گے۔ صرف خون پمپ کرتے ہوں گے۔ نہ بے قرار ہوتے ہوں گے، نہ اداس۔

نہ گرفتار ہوں گے نہ بے کل۔

نہ تڑپتے ہوں گے نہ پھڑپھڑاتے ہوں گے۔

کل وہ بے خطا کی طرح ان کا جسم بھی آزاد ہوتا ہوگا۔ نہ وہ اس میں الجھتا ہوگا نہ تڑپتا ہوگا۔ خوشی نہیں اداسی بھی ہو گی۔

کاش میں ماں ہوتی دنیا میں ہوتا۔

بالکل اسی طرح جیسے اول میں آئی کرتی۔

میں ہاتھ بڑھا کر ٹوٹا کر لیتی۔ جسم و جاں آرام میں آ جاتے۔ اور پھر میں بھی ان سب کی طرح ہاتھ بڑھا کر بے فکر ہو لیتی۔

اس پر عجیب رت آگی تھی۔

اس نے پھر نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف فون باری نے اٹھایا تھا۔

"جی؟"

"میں ہوں روشی"۔

"حوادثوں کا خون پینے ٹیلی فون کے لمحوں کے ذریعے جانا کوئی اچھی بات نہیں ہے"۔ اس کا لہجہ بوجھل سا تھا۔

"میرے باپ کا مال ہے جیسے چاہے اڑائیں۔ کہی تو کیا؟" وہ تلخی سے بولی۔

"اب کیا ہوا؟" اس نے کوفت بھرے انداز میں سوال کیا۔

"باری مجھے بتائیں ہے تمہیں سب پتا ہوگا۔ مجھے بتاؤ ماما صاحب مجھے خالہ سے دور کیوں رکھنا چاہ رہے ہیں۔ اتنی بھیجی تو ہیں وہ۔ کیا یہ الجھن آج سلجھ پائے گی؟" اس نے ایک ساتھ کئی سوال کر ڈالے۔

"میرے پاس کسی سوال کا جواب نہیں ہے۔ اور اب میں ہیلو ہیلو بھی اب آپ مجھے۔ میں جا رہی ہوں"۔ مجھے "پلیز فون مت بجھیے گا۔ ہاتھ جوڑ کر درخواست کر رہا ہوں"۔ اس نے بات مکمل ہونے سے قبل ہی فون رکھ دیا تھا۔

مارے طیش کے روشی کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ایسا تو کبھی ہوا تھا اور نہ ہونے سے جا رہا تھا۔

وہ ریسیور کریڈل پر پٹخنا بھول گئی تھی۔ مارا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"کس کا فون تھا؟" گھومتے کروٹ بدلتے ہوئے غنودگی کے عالم میں اسے دیکھ کر سوال کیا۔

"کسی کا نہیں۔ میں نے گھر کیا تھا"۔ اس نے اجنبی سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"باری۔ ماما جان سے کہنا کہ مجھے تلخی پر بند ہوا کرائے کو اب گھاؤں کی تہہ سے خون سے زمین قیمتی ہو جائے اور تمہارا بے بنیاد فرار خاک میں مل جائے"۔

اس کے دماغ میں چنگیزی قسم کے خیالات در آنے لگے۔ مٹھیاں کھول رہی تھی بھینچ رہی تھی۔

"سیون سی" سے باہر سمندر تھا میں مارے ہاتھ اور اندھیرا ضرور ٹیل کا ایک "مندر" پایا تھا۔ اب جا گے۔ بھی نہیں۔ آزادی کے احساس سے خوامخواہ تھپکیاں لے رہے تھے۔

"بھئی یہ ماما صاحب کی آزادانہ سرپرستی بالکل سمجھ میں نہیں آئی"۔ سوٹ سب سے پہلے باتھ روم سے برآمد ہوئی تھی۔ اور حیرانی کا اظہار کر رہی تھی"۔

"ہمیں گھر میں خصوصی مہمان سمجھ رہے تھے"۔ عمدہ نے اچٹتی نظر روشی پر ڈالی، جو سوٹ کیس سے اپنے کپڑے نکال رہی

تھی۔

"یہ تو ہے"۔ زرمی نے اپنی جانی کے دل کھولنا شروع کیے۔

"شاید روشی کو آئیڈیا ہو"۔ روبی نے توضیح انکشاف کی آس میں روشی کی طرف دیکھا۔

"مجھ سے کوئی بات نہ کرے"۔ وہ پھر منہ کھانے کو دوڑی۔

"ہاں۔ اس سے کوئی بات نہ کرے۔ یہ یہاں بھی اپنا سیٹ اپ کر لے گی"۔ عظمیٰ اپنے کیے پر خود ہی پچھتا رہی تھی۔ اس کی انا کو روشی کی نس نس میں اترتی۔

"ملکہ کتنے شاندار برائے نظارے ہیں۔ خوشبو بتا رہی ہے"۔ ثانیہ نے اندر سانس کھینچ کر جلدی سے ماحول کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"ماما سے اچھے برائے تو کوئی نہیں بنا سکتا"۔ روبی کو ماما کے پراٹھے یاد آئے۔

"کچھ بھی انہی کی اسپیشلٹی ہے۔ فکر نہ کریں"۔ گلو مسکرائی۔

"اسپیشلٹی تو ان کی سرسوتی بھی ہے۔ کیا لکھتا ہے پاکستان کا انٹرنیشنل کے"۔ زرمی نے کہہ کر سب کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیا۔

"آپی۔ میں ڈرائیور کے ساتھ قریبی بازار تک ہو آؤں"۔ روشی نے بازو پر کپڑے سنبھالتے زرمی سے مخاطب تھی۔

"اکیلی؟ کیا ہوا ہے۔ ابھی تو ہمارے پاس بہت وقت ہے"۔ سوہا نے مداخلت کی۔

"اکیلی کہاں ڈرائیور بھی تو ہوگا۔ اور یہ کہ میرے پاس وقت نہیں ہے"۔ اس کے انداز میں غیبہ کھایا کھویا پن صاف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ سب چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"جلدی آجاؤں گی"۔ وہ پھر بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ مگر دیکھو جلدی آجانا"۔ زرمی نے کچھ سوچتے ہوئے اجازت دیدی۔

"آپ فکر نہ کریں"۔

"غسل کر کے پہلے ناشتہ تو کر لو"۔ گلو نے ٹوکا۔

"غسل کرنے جا رہی ہوں مگر ناشتہ کرنے کا موڈ نہیں ہے"۔ وہ اسی طرح گم صم انداز میں کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"اس کی تھکن نہیں اتری ابھی شاید"۔ سوہا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"پھر باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ بازار تو رات تک کھلے رہتے ہیں"۔ عظمیٰ نے تحی سے کہا۔ تو سوہا بس اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

غسل کے بعد ناشتے کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب کے اس بیٹھے تھے۔ روشی اپنا کپڑے بدل کر جا چکی تھی۔ وہ سب غم بھلا کر خوش گپیوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔ انہیں پتہ تک نہ چلا کہ روشی کب واپس آئی اور اوپر کمرے میں چلی گئی۔

ناشتے کے بعد وہ شام کو سمندر کی سیر کا پروگرام بنا رہی تھی۔ جب عظمیٰ (نوکرانی) نے انہیں بتایا کہ اوپر کے کمرے کا

واش بیسن بند ہو گیا ہے۔ شاید پائپ خراب ہو گیا ہے۔ پانی نیچے نہیں جا رہا ہے۔

"اب کون ہے جو بند کرے گا؟" زرمی نے سوہا کی شکل دیکھی۔

"روشی نہیں آئی ابھی تک"۔ سوہا گلو نے چونک کر دائیں بائیں نظر دوڑائی۔ وہ پھر کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

"سوہا روشی نہیں آئی"۔ زرمی کا کہکہ حلق سے رہ گیا۔

"تھوڑی شاپنگ کر رہی ہوں گی"۔ "مال پیسہ بہت ہے"۔ عظمیٰ نے۔

"آپ کے پاس چابی ہوگی۔ مجھے دے دیجئے۔ شاید غلطی سے لاک ہو گیا ہو۔ ان ہوٹلوں میں ایسی خرابی ہے"۔ ظاہر نے زرمی سے چابی مانگی۔

"ہر ایک کمرے کی چابی کی ڈپلی کیٹ ہوتی ہے۔ مجھے روشی کی طرف کی ہے۔ بابا صاحب کہاں تھے اور کیسے ہیں"۔ گلو سے پریشان تھیں۔

"اسے کیا پیسے کی ضرورت ہی کیا تھی"۔ عظمیٰ نے بات کا رخ تبدیل کیا۔

"سوہا تم ظہر کو چابیاں لے کر دروازہ ان کی ماسی سے تو کھلوا لو"۔ عظمیٰ بڑبڑائی۔ گلو نے سنی ان سنی کر دی تھی۔

وہ ابھی تینوں میں ہی تھیں کہ اختر (ڈرائیور) گیٹ پر چوکیدار سے کچھ کہتا سنتا آگے نکل گیا۔

"ہائیں۔ ڈرائیور تو یہ رہا۔ پھر روشی کہاں ہے؟ کیا وہ اکیلی گئی ہے؟" انہیں جیسے شاک لگا۔

"اختر"۔ وہ دور ہی سے پکاریں۔

"جی"۔ وہ بڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

"روشی بی بی کہاں ہیں تمہارے ساتھ؟" ان کا دل انجانے خدشات سے کانپ رہا تھا۔ اسے تو یہاں کے راستے کا بھی نہیں پتا۔

"جی ہاں"۔

"تو پھر کہاں ہیں وہ؟" گلو کی جان میں جان آئی۔

"وہ تو بی بی جلدی آ گئی تھیں۔ میڈیکل سٹور سے شاید دوائی لینا تھی انہیں۔ بس وہ لی اور فوراً ہی میں انہیں واپس لے آیا تھا"۔

"کس بات کی دوا؟" انہیں جیسے شاک لگا۔

"اگر کوئی دوا چاہیے بھی تھی تو وہ ڈرائیور بھی لا سکتا تھا۔ مگر وہ کس مرض کی۔ کیا ہوا ہے اسے؟" وہ بدحواس سی ہو گئی تھیں۔

"پھر کہاں ہے وہ؟" وہ جیسے چلائیں۔

"سامنے تو اندر گئی تھیں۔ پھر میں نے انہیں نہیں دیکھا۔

"وہاں آنے پر بالکل رضامند نہیں تھی۔ سارا اصرار اس نے بابا صاحب کے لئے کیا تھا۔ یہاں آ کر بھی وہ بے چین تھی۔ سوئی بھی نہیں تھی۔ نہ سنا بھی نہیں کیا تھا"۔ گلو کے دماغ میں دھماکے ہونے لگے۔

"میڈیکل اسٹور سے کیا لینے گئی تھی"۔ انہوں نے چٹ کر دی اور پھر لمحے بھر کے لیے وہ بھاگ کر بچے کی خیال سے باہر کراچی کی طرف دوڑ پڑیں۔

انہیں اس کا جملہ یاد آیا تھا جو اس نے دو یا تین سے دانت ہوتے ہوئے کہا تھا۔ "نانی اماں بھوکی بیٹھی ہیں اب یہاں آئے"۔

گلو ہر بچے دوڑتی ہوئی اس کمرے کی طرف آئی تھیں۔ جہاں فاطمہ اک گھونسے کی سرجری میں مشغول تھی۔

"یہ لیٹ کھل رہا ہے بابا"۔ وہ جیسے تھک کر بولی تھی۔ گلو نے جیسے اس کی بات نہیں سنی۔ وہ زمین سے جھکے ہوئے بچے کی طرف آئی تھیں۔ جس کے دہانے پر انہوں نے صبح کھلے ہوئے دیکھے تھے۔ مگر اب وہ گلی نہ تھے اور انتہائی بدنما پڑے ہوئے تھے"۔

گلو پر یکدم وحشت سی طاری ہو گئی۔ انہوں نے پاس پڑا ہوا آکسیجن کا سلنڈر اٹھا لیا۔

"آئیں۔ بائیں"۔ ربی اور وہیں کی جھکی میں خاک چھان رہا تھا۔ وہ حیران پریشان گلو کو دیکھ رہی تھی۔

فاطمہ نے بھی اپنی "آکسیجن" مشقوں کر دیں۔ بھاگ کی آواز کے ساتھ شیشہ ٹوٹ پڑا تھا۔ گلو ہیرانی اور پریشانی کے عالم میں بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کمرے کا ماحول چونکہ نیم تاریک تھا اس لئے فوری طور پر کچھ بھی واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر وہ سنسنی خیز پھیلتے اور گھوم رہی تھیں۔

چند لمحوں بعد انہیں اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔ روشنی سیاہ کپڑوں میں آخری ترچھی لکیر میں اوجھل ہو گئی۔

"ربی"۔ آخر کو اور بچے کو بلا کر لاؤ جلدی سے"۔ وہ بیٹے پر چلائیں۔ تم کمرے میں بیٹھو گی۔

"کیا ہوا آپی"۔ وہ دونوں ہی حواس باختہ ہو گئیں۔

"اوہ لیٹس کرو جلدی جاؤ"۔ انجانے وہموں نے انہیں جیسے بے دم کر دیا تھا۔ یہ کیا ہوا اور کیوں کیا۔ انہیں پتا تھا وہ بچی سے دور نہ ہونے سے بہت پہلے بہت چپ چاپ کی تھی۔ جانے اس نے کتنی بار ان سے کہا تھا وہ کراچی جانا نہیں چاہتی۔ وہ فاطمہ کے پاس رہنا چاہتی ہے۔

مگر یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں تھی کہ جان پر بنا لی جائے۔ ان کا دل اور بیٹا تھا۔ ربی ادائیگی کی طرف دوڑا تھا اور وہ اس کی طرف۔ آناً فاناً پورے فلیٹ میں پھیل گئی تھی۔ "بچہ" ہو گیا ہے کے ساتھ ہی کمرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آنکھیں اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔

وہ بالکل ساکت یا گاؤدی ہو رہی تھیں۔

"تمہیں کیسے احسان آیا"۔ فاطمہ کے بھی سارے کس بل نکلے ہوئے تھے۔

"اوہ جی۔ جو مارنے نکلا" کی تھا کہ۔ ہاتھ کہہ کر وہ بیٹا کل استعمال کرنے کو نکل گیا تھا۔ چلتے ہوئے وہ اپنے سینے بھی بہت تھی۔ گلو وہم بھی ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔

وہ سے پانی والی بوتل اپنے پاس رکھ لی تھی۔ وہ اس [illegible]

[illegible] آخر وہ بات گیا۔ اور وہ سب وہ [illegible] ان کے کالی تھی۔ فاطمہ کرنے کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ مریضہ کا [illegible] سے [illegible] تھی۔ وہ سب [illegible] سوئے اس کے [illegible] "... [illegible] ... [illegible] ... [illegible]

"ہادی ابھی کہہ رہی ہیں؟" آپ نے پوچھ تو نہیں لیا تھا' اس لئے کھانا جلدی لگوا دیا ہے"۔

"مجھے بھوک نہیں ہے"۔ اس نے رکھائی سے جواب دیا۔

"اچھا"۔ ہادی نے الجھ کر اس کی سمت دیکھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" اور فکرمندی سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں الحمدللہ"۔ اس کے انداز بدستور روکھے تھے۔

"پھر ——؟" وہ کچھ کہتے کہتے خاموشی کے باوجود پھر کچھ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"کچھ بھی نہیں پھر"۔ وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔

ہادی نے سوچتی ہوئی نظروں سے اس کو دیکھا۔

اس کے اردگرد بے شمار رویوں کی گرد جمی تھی۔ جن سے وہ روز لمحہ لمحہ گزر رہا تھا۔ رویے کی معمولی سی تبدیلی اس کی حساس طبیعت پر الہام کی طرح اترتی تھی۔

اس نے باغ کی سمت کھلنے والی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ جو وہ کھلی تھی۔ پردہ گرا ہوا تھا۔ اس کے باوجود وہ کھلے پٹ کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"کل ماہین نے سرسوتی کو دلاسا دینے کیلئے دیا تھا' نہ معلوم کہاں رکھ گئی' ملا ہی نہیں' تم اسے اور میرے پاس بھیج دو"۔ ماہین کے لیے میں قدرے سکون تھا۔

ہادی کے ہاتھ پشت پر بندھے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دریچے کی سمت بڑھا' پردہ پیچھے سرکایا' اور پٹ کے دونوں پٹ کھول دیئے۔

"صبح کے وقت اسے کھول لیا کریں' تازہ ہوا آتی ہے"۔ اس نے پلٹ کر ماہین کو دیکھا۔

"اور رات کیلئے کیا حکم ہے؟" وہ طنز سے مسکرائی۔

"یہ آپ کا اپنا گھر ہے' جیسے چاہے تصرف کریں"۔ وہ بھی مسکرایا۔

"تو پھر آپ کھانا نہیں کھا رہیں؟"

"نہیں' مجھے بالکل بھوک نہیں"۔ اس نے منہ پھیر کر جواب دیا۔

"تھوڑا سا کھا لیں' تمام کو آپ ہاتھ لگائیں اور جواد کے ساتھ لیے سفر پر روانہ ہوں گی"۔

"کہیں نہیں جا رہی میں' روشی کالج سے آئے تو اسے میرے پاس بھیج دینا"

"آپ یاور چچا سے خود بات کریں"۔

"روشی کالج سے آئے تو بھیج دینا"۔ یاور بھائی کا حشمہ کہاں سے شروع ہو گیا' بس تو میری طرف سے انہیں یہ پیغام بھجوا دیں' میرے دل میں خیر آباد دیکھنے کی کوئی حسرت نہیں' وہ میری میت بھیج کر دفن میں جلد کرا دیں' میں جلد کرانا چاہتی ہوں۔ ہاں اور سرسوتی کو بلا دو"۔ اس نے گہری نظر سے ہادی کا جائزہ لیا۔

پہلے ہادی کے لیے کھانا لگایا گیا۔ ماہین بیٹھی ہوئی تھی۔ ہادی کے بیٹھنے کے بعد ماہین نے بھی کھانا شروع کر دیا۔

"تم نے کھانا نہیں کھایا' مگر کیا سادگی ہے"۔ اس نے دل ہی دل میں داد دی تھی۔

"کل کلاں تو کوئی یہ پوچھنے والا بھی نہیں ہو گا' اس لئے کہ ہادی صاحب مر چکے ہوں گے"۔ وہ تلخی سے سوچ رہی تھی۔

"واہ!" اسے خود پر حیرت ہوئی۔ "لڑکیاں تو آج بہت خوش ہوں گی"۔ اس کے ہونٹ ہلے تھے۔

ہادی چونکا۔

ماہین نے اس کی جانب کوئی توجہ نہ دی۔

"سرسوتی"۔

"میں اس سے معلوم کر لیتا ہوں' کہ اس نے وہ چیز کہاں رکھ دی"۔ ہادی نے باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ ماہین کی بات اس نے غور سے نہیں سنی تھی۔

"مجھے اس سے ایک خاص بات کرنا ہے"۔ اس نے پلٹ کر ماہین کو دیکھا۔ ماہین کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

ہادی جاتے جاتے رک گیا۔ پھر کچھ سوچ کر پلٹا۔ نہایت خود اعتمادی سے اس نے ماہین کے چہرے پر نظریں جمائی تھیں۔ ایک لمحے کو ماہین بھی سہم گئی تھی۔

"ماہین بی بی! جب سب کچھ دیکھا' سن لیا' پھر کیوں مجھے پریشان کر رہی ہیں؟" اس کے سادہ سے لہجے میں ہلکی سی سنجیدگی تھی۔

ماہین نے بری طرح چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"تھوڑے سے شرمندہ ہی نظر آ جاؤ' ذرا سا بھروسہ ہو جائے' زندگی کا اعتماد ہے"۔ ماہین کے لہجے میں بہت تپش تھی۔

ہادی نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی' پھر مبہم سا مسکرایا۔

"یوں بھی زیادہ باتیں کرنا میری عادت نہیں' اس لئے بس یہی کہوں گا' مجھے اعتراضوں کی اجازت نہیں"۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"ہادی"۔ ماہین نے بے ساختگی سے آواز دی۔

وہ رک گیا اور اس کی آواز کا انتظار کرنے لگا۔

"تم کون ہو؟"

"آپ کی طرح مجھے بھی اس سوال کے جواب کی خواہش ہے"۔ وہ دھیرے سے بڑبڑایا تھا۔

گھر نے سہ پہر تین بجے کے قریب سے فون کیا تھا۔ اس کے لہجے میں بے حد پریشانی تھی اس نے تاکید کی تھی کہ فوراً فون کر کے ہادی صاحب کو اطلاع کی جائے۔ روشی کی حالت بہت خراب ہے۔

ان کا فون خدا جانے کی سونے والی گلست میں اور یا ہستی ڈیل کیا تھا۔

اس کی آواز بھی کپکپا رہی تھی اور ہاتھ بھی۔

عربی بک اسٹینڈ سے آغاز ہے، دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا تھا۔

ریسیور اٹھاتے ہوئے اس کا دھیان روشی کی طرف ہی گیا تھا۔ اس نے خود کو جیسے تیار کیا۔ پھر اس کا جواب سن کر۔

"ہیلو ——" اس نے جیسے جھرجھری لی ——

"میں بات کر رہی ہوں" ۔ سونے کے لیے مترنم معمولی پن واضح تھا۔

"کیا سونا بی بی ہیں؟" ۔ اس نے تصدیل کی۔

"کون —— ولی؟"

"جی امی ہوں" ۔

"بابا صاحب سو رہے ہیں" ۔ اس کی آواز الجھ رہی تھی۔

"جی مجھے کہنا ہے۔ بابا صاحب کے لیے بہت پریشانی ہے" ۔ اس نے تفصیل سے جواب دیا۔

"وہ اور پریشانیاں؟"

"وہ بھی صبح سے کہتے آ رہے ہیں" ۔ "اب وہ ایسے ہیں" ۔ "خیریت ——؟"

"خیریت نہیں ہے۔ بابا صاحب کو ہمارے فون کرنے کے فوراً بعد کسی نے خودکشی کر لی ہے" ۔

ریسیور ہاری کے ہاتھوں سے پھسلتے لگا۔

"کیا ——؟" اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

"ہاں بس ہو گیا" ۔ سونے کی آواز بھرا گئی

"کیا کیا ہے انہوں نے؟" اس کی آواز بہت کمزور تھی۔

"گولیاں کھائی ہیں —— پتا نہیں —— اچھا بیٹا کرو —— خدا حافظ" ۔ سونے نے ریسیور رکھ دیا تھا مگر وہ ابھی تک کانوں پر لگائے کھڑی تھی۔

روشی کی اب سیٹ کیفیت برداشت سے قطعی باہر ہو چکی تھی۔ وہ چل پڑی تھی۔ اسے اب کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اسے اپنے ہاتھ پاؤں بھی بھاری محسوس ہو رہے تھے۔ اس کا دماغ بھی ماؤف ہو

ہار نظر آئے گا تجھ کو بھی خدا میری طرح
تو دعا ' ہاتھ دعا اٹھ نہ اٹھے
آپ بھی اٹھ جائیں گے ہاں میں خدا میری طرح

کیا سمجھے۔ اپنے بچوں کی بھی کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں یہاں بلا سے کوئی پوچھتا نہیں ہوتا"۔ وہ بیزار ہو کر ہنس دیا تھا۔

"چھوڑو یہ سب باتیں' یہ بتاؤ آواری درخواست آگے پہنچا دی؟" عارف نے کہا تھا۔

"پہنچا دی' مگر ابھی لال خان کی عمر نہیں ہے اتنی بڑی جائیداد کی دیکھ بھال کی۔ آہستہ آہستہ لائن پہ لاؤں گا"۔

اس نے آسمان کی طرف اڑتے پرندوں کا نظروں سے تعاقب کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اتنی احتیاطیں بھی وہ اڑنے بند کر دیتی ہیں قسمت کے بند دروازے کھولنا کسے کیلئے ذرا محنت بھی کرنا پڑتی ہے۔ تم لال خان سے کہیں گھر رکھ دے جائے تو ایک لڑکا بچوں کا اور ایک لڑکا مٹھائی کا لیتا جائے۔ بیٹے دن گھر والے چل مٹھائی کھائیے گے۔ اور اتنی سے سوچیں گے۔ ہو سکتا ہے کام بغیر محنت کے بن جائے"۔ وہ پھر امید دلا رہا تھا۔

"مال کھا کے لڑکا کوئی اچھی بات تو نہیں"۔ اس کی خوددار طبیعت اچھلی۔

"لڑکا نہیں گے کیوں' کام کریں گے دکھائیں گے۔ دے مٹھائی کے ٹوکرے پر شادی سے دم کر دیں گے ——— اور بولے"۔ وہ ہنسا۔

"محنت دیکھی ہے لال خان کی' دن جوانوں پہ بھاری ہے۔ تیس سال اور چلے گا ابھی۔ اتنی جلدی بوڑھی ہونے والی نہیں۔ عورت تو چاہے بچہ پیدا کرتی ہے وقت سے پہلے بوڑھی لگنے لگتی ہے"۔ عارف نے ایک اور پتا پھینکا۔

"ابھی تمہاری لڑکی کے جوڑ کا نہیں ہے' شادی کو دو سال ہو گزریں گے تو تمہاری لڑکی برابر کی لگے گی"۔

عارف نے بات اور آگے بڑھائی۔

"کیوں بولے جا رہا ہے؟ میں تو لائن پہ ہوں۔ مسئلہ تو گھر والی کا ہے"۔ وہ چڑ گیا۔

"تو تیر سے لئے تھوڑا ہی بول رہا ہوں' کنکشن دے رہا ہوں"۔ وہ ہنس چھاڑ کر ہنسا۔

"کیا دے رہا ہے بھائی؟" سمجھا کچھ تم اپنی گھر والی کے آگے اگل دینا اور بس"۔

"اتنا آسان کہاں ہے سب اگل دینا"۔ وہ بڑبڑا کر مسکرایا۔

"آپ تو کما کر دے رہا ہے وہ۔ کمائی والے مرد کے آگے تو عورت بچھ جاتی ہے"۔ اس نے بے حد خیرانی کا مظاہرہ کیا۔

"اسے تو بھلا تو بہت ہو رہتی ہے ان دنوں' رات کو میرے پیر دبا کر سوتی ہے۔ پر بھائی یہ ہوا کا معاملہ ہے"۔ اس نے بہت سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "جن ایک وقت میں جانے کہاں کہاں بھٹک گیا تھا۔

"مگر اب تم شروع کرو سلسلہ' دیکھ بھال ہو رہی کر رہا ہوں تم سے"۔

"بڑی مہربانی" اس نے عارف کی بات کاٹ دی "دیکھ رہا ہوں اڑ ہوا کا رخ یہ چلتی ہوا کہیں بیچ میں ——— بولے"۔

عارف نے بھرے سے جملے کو مکمل کر دیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا' تم مجھ پر اتنی مہربانیاں کیوں کر رہے ہو۔ میں تو تمہارے کسی کام کا بھی نہیں"۔ اس کے ذہن میں شکوک کا ایک سرسرایا تو اس نے لاابالی سادگی سے کہہ کر ٹہلنے میں مصروف ہو گیا۔

"میں بدلے میں ان سے کچھ نہیں چاہتا"۔ عارف نے جتانا سا کہا۔

"میں نے بھی اور دل کا سودا تجھ سے کیا ہے' جس کی سمجھ کی تجھے بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کسی اور کو۔ تم بے فکر رہو"۔ اس نے بڑے بھائی کا مظاہرہ کیا۔

"دیکھو بھائی اجڑے ہوئے سے دوسرا اجڑا ہوا کچھ برداشت نہیں ہوتا۔ بس اتنی سی بات ہے۔ بھرے کو دوسرے بھرے کی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ پورے بھرے کو بھرے کے کہ پاگل ہیں مگتا ہوں' ہو گا نہیں چاہتا"۔ عارف نے کہا۔

"تم اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتے' اب بھی تمہاری بات کرتا ہوں ادھر ادھر کی ہانکنے لگتے ہو"۔ اس نے تشکل ہلتے ہوئے عارف کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"جس بات سے کچھ حاصل نہ ہو وہ بات کرنے کا کیا فائدہ۔ اب ہم تو تجھ سے دعا تیں کرتے ہیں جن میں "عمل" بھی ہیں اور "علم" بھی"۔ پھر وہ پہلو تہی ہنسا۔

"پھر بھی مجھے خیال تو آتا ہے نہ۔ تم اتنے اکیلے کیوں ہو؟ تمہارے آگے پیچھے کوئی نہیں اور پھر تم ——— بہت اچھے ہو"۔ اس لئے عارف کے چہرے پر نظریں جما دیں جیسے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

"نہیں کسی بات نے پابند نہیں کیا' جاؤ دیا۔ تم اتنے دماغ والے ہو تو تم پر کس کا زور چل گیا"۔

"بس ——— بھائی ——— پر میں کا نظر لگ گیا ہے مجھے"۔ وہ ہنسا اور کھانسی شروع ہو گئی۔

"وہ پریشان ہو کر اذیت میں مبتلا اسے دیکھنے لگا' جلدی جلدی پینے پر ہاتھ بھی پھیرا' مگر کھانسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"سب پینے سے پھندا لگ جاتا ہے تو پیتے کیوں ہو؟" اس نے برہمی سے کہا۔

"کبھی تو بات بے اختیار ہو جاتا ہے تو پیتے ہیں' تکلیف دہ باتیں کرتے ہیں اور بھول جاتے ہیں"۔ وہ کھانسی کا لیتے بھی بولنے سے باز نہیں آیا۔ تب وہ اس کیلئے پانی لینے چلا گیا۔

واپس آیا تو وہ اپنی کھانسی پر قابو پا چکا تھا۔

اس نے گلاس اسے تھما دیا' جو عارف نے ایک سانس میں خالی کر دیا۔

"مت پوچھا کرو ایسے سوال جنہیں سن کر پہلے ہنسی آئے پھر کھانسی آئے اور رونا آ جائے"۔

عارف نے گلاس گھاس پر پٹخنے کے انداز میں رکھا۔

"تم نے تو کوئی ایسا سوال نہیں کیا' جسے سن کر ہنسی آئے"۔ وہ الجھا۔

"اچھا" عارف مسکرا کر آمدے کی طرف دیکھنے لگا۔ مجھے تمہارے سوال میں کر سیر حاصل ایک شعر یاد آیا"۔ وہ کہہ کر

ہے سراغِ نشانے

نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

"یہ تمہاری کھوج میں خاک نہ ڈالا ہوگا' مگر فیر ہم اوروں کو کہاں سناتے ہیں"۔

"یگی بات ہے' مجھے واقعی کچھ نہیں آتے تمہارے شعر"۔ اس نے اعتراف کیا۔

"ایک تو تم بات ہی ردی کرتے نہیں دیتے' بیچ میں بھلا مگ مار دیتے ہو"۔ عارف کے قہقہہ نے تو اثر میں پھر خلل واقع ہوا تو وہ بھنا گیا۔ سلسلے کا تسلسل ٹوٹنے سے ایک ضرب سی پڑی تھی دماغ پر۔ وہ "بحالی" کے انتظار میں خاموش ہو گیا اور تیز تیز سانس لینے لگا۔

"ناراض ہو گئے۔ اچھا اب چپ نہیں ہوں گا"۔ وہ اسے چپ رہ کر تنگ کرنے لگا۔

"ارے تھکے ہارے ناراض وراض نہیں ہوتے ہم۔ جب چپ ہوتے ہیں تو کچھ سوچ رہے ہوتے ہیں"۔ اس نے گھاس نوچتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

"اب کیا سوچنے لگے؟" اسے نہ جانے کیوں عارف کی سوچ سے دلچسپی ہو جاتی تھی۔

"کچھ نہیں' بس یہی کہ

آئے ہے بے کسیٔ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

اسے الجھن ہوا کرتی تھی اور وہ اسے چھیڑنے کا ایک شغل ہی اپنا لیتا تھا۔

یہ کوئی سکون کا موقع نہیں تھا کہ وہ اطمینان سے ناشتہ کرتا۔ اس نے وارڈ روب کھولی تو سامنے سرمئی سفاری سوٹ نظر آیا' اس نے وہی پہن لیا۔ تین چار شلوار سوٹ ایک چھوٹے سے سفری بیگ میں رکھے' ایک دو کتابیں' تین چار رومال' منی بیگ' سفر میں پہننے والی چپل اور ایک واک مین۔ اس نے بار بار وقت کو ہانکنے کوسنے میں کتاب ہاتھ میں تھامے واک مین سے موسیقی سنتے دیکھا تھا۔

"کہاں کی تیاری ہے؟" وہ بیڈ پر ہی کروٹ لے کر اسے بیگ تیار کرتے دیکھ رہا تھا۔ اسے مغرب سے ماہین کی آواز آئی۔

وہ دھک سے چونک کر رہ گیا۔

"کہیں کی نہیں' بس ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں"۔ وہ نظریں چرا کر سامنے دیکھنے لگا۔

"مگر یہ پارٹی ٹیک اپ ہے"۔ وہ اسے مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ارے نہیں' اتفاقاً ہی ہو جاتے ہوتے چلی جاتا ہے"۔ وہ خفیف سا ہو کر مسکرا دیا۔

کہا بے حد سادگی اور سلی سے مسکرا رہی تھی۔

"مجھے تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں' چاہے کچھ بھی ہو' میں واپس آ کر تمہیں ضرور ملوں گا' تم کہیں جانا مت۔ میں ابھی گیا اور ابھی آیا۔"

وہ بہت سنجیدگی سے اسکی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"جی بہتر"۔

"کیا سمجھے؟" وہ سنجیدہ بھی تھی حیران بھی۔

"یہی کہ آپ کو مجھ سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں' اچھا خدا حافظ"۔ اس نے ہاتھ ہلا دیا۔

"میں انتظار کروں گی"۔

"جی بہتر"۔ اسے اس وقت کسی بھی قیمت پر جانا تھا۔

اور یوں ہی بابا صاحب کے ساتھ سرائے گیا ہوا تھا۔ وہ سر جھٹک کر بال کی طرف پلٹا۔

"تاراں بابا' ذرا شیو تو کر دو"۔

"کہاں جا رہی ہے تشریف؟" اسے شیو جانے کے خیال سے بخار چڑھنے لگا۔

"ہیر رانجھا بعد میں کرنا' بابا صاحب نے بلایا ہے"۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

بابا صاحب نے سرائے تک چھوڑ آؤں؟" اس نے بہ حواس ہو کر کہنی سے لگی شرٹ اتاری اور جلدی جلدی پہننے لگا۔

"نہیں نہیں۔ شیو سے ہٹ کر کوں گا کچھ اور بھی۔ وہ سمجھ اس لئے رہے ہیں کہ کار ہے تو پھر نہیں' گاڑی لے جاؤں تو واپس کون لائے گا؟"

"تو کیا گویا دن قیام وہاں ہوگا سرائے میں؟"

"چالیس!" اس نے سوالیہ انداز سے بابا کو دیکھا۔

"ہے ہمارے پاس بڑی اپ ٹو ڈیٹ' ایک ایک لو قیمتی ہے"۔ وہ بہت الجھا ہوا تھا۔

"جوگی کٹ میں ہو' کہاں کی تیاری ہے؟" جواد ہال میں داخل ہوا۔

"کام سے جا رہا ہوں"۔ اس نے جواد سے نظریں چرائیں۔

"کام سے تو نہیں لگ رہے؟" اس نے پاؤں جوتوں سے آزاد کر کے صوفہ پر سکون سے سا لیا۔

وہ تو الجھا ہوا تھا کہ اس کی شرارت سے خلاصی کیسے ہو۔ اس سے پیشتر کہ عقب سے ماہین کی آواز آتی' وہ بابا صاحب کی طرف بڑھ گیا۔ بابا صاحب کو اس نے فون کر دیا تھا اور اسے یقین تھا وہ اس سے پہلے ایئر پورٹ پہنچ جائیں گے۔

وہ جب رات سوا آٹھ بجے اس نے ایئر پورٹ کے احاطے میں قدم رکھا تو بابا صاحب کے کار دیتے ہوئے آگے بڑھ کر ملی ہوئی کہ سامان لے لیں۔ اس نے بابا صاحب کو سلام کیا۔ وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ وہ بھی ان کے پیچھے لپکا۔ وہ ایئر پورٹ کے اندر داخل ہو

وہ لوگ کاریڈور کے ایک سرے پر بنی بیٹھک میں کھڑے تھے۔ اس نے بابا صاحب کی طرف دیکھا۔ وہ بیٹھک کی کھڑکی سے باہر نظر آنے والی اداس زمین پر مایوس نظر آ رہے تھے۔ بیٹھک کی چھت پر مکڑیوں کا جال تھا۔ اتنی بھیڑ اور شور کے باوجود وہ ایک دوسرے کی موجودگی کی کیفیت میں تھے۔ باری کو کبھی یاد نہیں کہ انہوں نے کتنے دن ایک دوسرے سے بات کی ہو۔

ملاقات میں ابھی دیر تھی۔ وہ لاؤنج میں ایک صوفے پر براجمان ہو گئے۔

یہ اسپتال کا سب سے بارونق حصہ تھا۔ مختلف شہروں کے باسی یا مسافر اپنی اپنی ملاقات کا انتظار کر رہے تھے۔ بچوں نے بھی ہلچل محسوس کر لی تھی۔ بھاگ دوڑ بھی رہے تھے اور اپنے اپنے سر پر ہتھوڑے سے ٹھکائی بھی کر رہے تھے۔

گود کے بچے کا رونا دھونا بھی شور کا ایک حصہ تھا۔ گاہے بگاہے اردو اور انگریزی میں ہونے والی اناؤنسمنٹ ماحول میں سے سرسراہٹ کو ختم کر دیتی تھی۔

اور اس کے باوجود وہ دونوں اپنے اپنے دھیان میں تھے۔ ان کی گفتگو کا تسلسل کوئی بات، کوئی چیز توڑ نہیں پا رہی تھی۔

"اور کچھ بھی کہا تھا موحد نے ؟" فرمایا صاحب نے چپ توڑی۔

"جی نہیں"۔

"وہ بار بار فون نہیں آیا؟"

"جی نہیں"۔

"تم نے اطلاع دی؟"

"جی"۔

"کون سا فون پر؟"

"زاہدہ"۔

"کچھ کہا نہیں اس نے؟"

"جی نہیں"۔

"تم نے بھی کچھ نہیں پوچھا؟"

"وہ بہت رو رہی تھی"۔

"تمہیں چاہیے تھا کچھ سے بات کرتے"۔

"وہ اسپتال میں ہیں، زاہدہ بی بی کے پاس"۔

"اور زاہدہ؟"

"وہ بھی"۔

"پھر تو موحد کو بلانے فون پر"۔

"وہ بھی ہیں وہاں اسپتال میں" ۔۔۔ بولے جا رہا تھا۔

"پتا ہے کچھ تم نے؟"

"جی نہیں"۔

"ہاجرہ سے ملاقات ہوئی؟"

"جی"۔

"کیا بات ہوئی؟"

"میں نے ضروری کام کا کہہ کر جلدی کا مظاہرہ کیا۔ موقع نہیں دیا بات کرنے کا"۔

"ہوں، زاہدہ کا پوچھا؟"

"میں نے زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں دیا"۔

"اچھا کیا۔ یہ لڑکی ایک سسٹم کی طرح کام کر رہی ہے۔ ہمیں اس کا حصہ نہ بنتے"۔

باری خاموش رہا۔

"اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا کہ ہماری نسلوں کی صحت پر پانی پھیرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم اسے معاف نہیں کر سکتے"۔

لہجہ ہارے جذبے کے سرنگوں ہونے کا۔

"فی الحال تو وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے"۔

"ہمیں اس کی موت کا ذرا افسوس نہ ہوگا"۔ ان کا لہجہ پر جلال تھا۔

باری کا دل کبھی کسی کی موت پر اتنا خوش نہ ہوا تھا۔

"باری؟"

"جی خان"۔

"خاندانی وقار نہ جانے کتنی نسلوں کی محنت کا ثمر ہوتا ہے۔ ذات صرف عیب چھپاتی ہے، خوبیاں نہیں دیتی۔ ہم اپنے بچوں کی محنت ایک گندی میں لگانے کی اجازت نہیں دیں گے۔

ہر لڑائی ضروری نہیں ہوتی۔ چھن چھن کر مختلف مرحلوں سے گزرتی ہے تو ہو پاتی ہے۔

اسی طرح خاندان کا تاج ہوتا ہے جس کی ہمت دیوانے میں حصہ یوں اور پرکھوں کے کشتے کا حصہ ہوتے ہیں۔

دولت مندوں کا شمار نہیں ہو سکتا، مگر خاندانوں کا شمار ہو سکتا ہے۔ اچھا نسب اس دنیا میں اعزاز ہے۔ ظہیر بابر کا بیٹا ہے مگر نسب نمبر ایک ہے۔ ہم گواہ ہیں اپنے نسب کے وہ چار لوگوں کی خاطر ہزاروں کا نقصان نہیں کر سکتے۔ شہیں شاید۔ وہ ظہیر کی بیوی کو نسب ضرور لائے ہیں، وہ اس لئے کہ ظہیر کی ماں باپ بننے کی صلاحیت نہیں۔ یہ میں نے آج تک اس کے ہمکو اس حیثیت میں نہیں دیکھا۔ ہم اپنے ایک ایک بچے سے باخبر ہیں"۔

باری جو مستقل خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا، ایک دم چونک پڑا۔

زری نے ڈاکٹر کو روک کر بس انتظام چلایا تھا کہ کوئی خطرناک بات تو نہیں اور ہر چند ڈاکٹر نے نفی میں جواب دیا تھا مگر اس کی آنکھوں میں جو تفکر اور الجھن تھی سونا تو اسے دیکھ کر ہی حواس کھو بیٹھی تھی۔

اب گلو اور روشی کی طرف نکلی لگا کر بیٹھ گئیں اور ادھر زری سونا کی طرف۔۔۔

رات کے بارہ بج چکے تھے۔ بابا صاحب بس پہنچنے ہی والے تھے۔

ایک تو تنہائی اس پر شتر اور بابا صاحب کی آمد۔۔۔ گلو کے نیچے میں ایک دھکڑ پکڑ شروع ہو گئی تھی۔

"ہائے روشی! کیا ہو گا نیا؟" انہوں نے رحم بھری نظروں سے ہوش و حواس سے بیگانہ روشی کی طرف دیکھا۔

ڈاکٹر فی الحال روشی کی جان بچا جانے۔۔۔ انہوں جان بچا کر بھی نہ بچے گی کیسی ہذیانی کی سی بات تھی۔" ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

وہ گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئیں۔ اب تک بہت ضبط سے کام لیا تھا مگر جیسے اب دل پر اختیار نہ رہا تھا۔ پھر بھی وہ اتنا ضرور چاہتی تھیں کہ آس پاس چلتے پھرتے لوگوں کو شبہ بھی نہ ہو کہ وہ رو رہی ہیں ناک بھی تو رومال سے پونچھ لیتیں۔ بس اتنی ہی دیر کو سر اٹھاتی تھیں پھر گھٹنوں میں دے لیتی تھیں۔

چند وہیں منٹ گزر گئے۔ تب زری نے آ کر بتایا کہ سونا کو ہوش آ گیا ہے مگر سسک کہہ رہی ہے اسے ابھی وہیں لیٹا رہنے دو ابا، مگر نے جاؤ"۔

"اختر تو بابا صاحب کو لینے ایئر پورٹ گیا ہوا ہے۔ وہ آ جائے تب ہی لے جائیں گے" وہ زری سے نظریں چرا کر جواب بھی دے رہی تھیں اور ناک بھی پونچھ رہی تھیں۔

"رو رہی ہو گی۔۔۔؟" زری کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اس نے چونک کر شیشے کے پار دیکھا تھا، روشی ہنوز پہلی ہی حالت میں تھی۔

"بس ایسے ہی۔۔۔ سگی بہنوں سے بڑھ کر تو ہے ہیں اس کے اگر اسے کچھ ہو گیا تو میرا دل پھٹ جائے گا"۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تھیں۔

"اللہ نہ کرے"۔ زری نے مرا پنے سینے پر لگا لیا۔

"اس نے کیوں کیا یہ سب؟ کس شے کی کمی ہے اس کے پاس۔ بابا صاحب تک اس کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کر جاتے ہیں"۔ وہ اس طرح رو رہی تھیں جیسے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے ہوں۔

زری جو گلو کے حوصلے سے تقویت پکڑے ہوئے تھی خود بھی آنسو بہانے لگی۔

باری بابا صاحب اور اختر سے چار قدم پیچھے ہی چل رہا تھا۔ بہت سارے وسوسے اس کی جان کو لگے تھے۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اب جو سامنے گلو اور زری کو گلے مل کے روتے دیکھا تو جیسے اپنی جگہ پتھر کا ہو گیا۔

اس حویلی میں اندھیروں کا کیا کام ہے۔۔۔ مگر۔۔۔!

جو شہزادیوں کا سا طمطراق۔

ماحول کی سی تھکت۔

وہ جس جیسا کھلنڈرا پن، الھڑ اندازاس کے اندر سے غائب ہو کر بیتاب کر دینے والی سنجیدگی جیسے اس کے وجود میں سما گئی تھی۔ اس کی ہر ادا بے خود تھی کہ اس کی سراپا گی نہ لمحوں میں بکھر بکھر جاتے تھی۔

وہ سنان قدم کرتا اپنی جگہ گزارہ گیا تھا۔

"بابا جی! خان تشریف لے آئے ہیں"۔ اختر نے دبے دبے لہجے میں مصروف گلو اور زری کو مخاطب کیا۔

گلو بدحواس ہو کر ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی زری نے اپنی جگہ سارے اختر جیسی سوچ سے کام لیا۔ وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ بمشکل منہ سے "السلام علیکم" نکل سکا تھا۔

"وعلیکم السلام! ڈاکٹر کدھر ہے؟ بات کرانا"۔ بابا صاحب خان کے دبنے کی وجہ سے قدرے بلند لہجے کے باوجود نے اپنی واضح میں واپس آ گئے۔

"جی اچھا! زری ڈاکٹر کو بلائے دو زری گئی۔

"کوئی ایسی بات جو تمہارے علم میں ہو جس کی وجہ سے یہ سب ہوا؟" وہ بھاری پر وقار لہجہ کی ٹیبل پر بیٹھ گئے۔

"جی نہیں میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔ شاید وہ کر اپنی آپ نہیں چاہتی تھی"۔ گلو نے جھک کر کہا تھا۔

"ہوں!" بابا صاحب نے گہری سوچ کا انداز ایک لمبا ہنکارا بھرا۔

"مگر بیٹی! کر اپنی آپ بابا آپ ایسی خاص بات نہیں کہ انسان زندگی داؤ پر لگا بیٹھے۔ سسکتے کچھ اور ہے، لگتا کچھ اور ہے ملزم"۔ ان کی پیشانی کی لکیریں گہری ہو گئیں۔

"بابا صاحب! ڈاکٹر اپنے کمرے میں ہیں آپ وہیں آ جائیں آرام سے بات ہو جائے گی وہاں"۔ زری نے آ کر الجھی گہری سوچ کی دلدل سے باہر نکالا۔

"یہاں بھی موت سے کم نہیں ہے۔ وہاں جھک مار رہے ہیں"۔ ہمدرد تو انہیں اس کے ہوش آنے تک کر سے باہر نکلنا چاہیے۔ اب میں ان نوابوں سے دفتر میں ملوں" بابا علی خان چل کر جانے کے احساس سے ایک دم مشتعل ہو گئے۔

ایک تو آلودہ نظر انہوں نے آکسیجن ماسک کی مہربان مدت روشی پر بھی ڈالی تھی۔

"یہ آکسیجن ماسک ہے؟" وہ زری سے مخاطب ہوئے۔

"جی۔۔۔ بابا صاحب!" ان کو یہ ہمدرد دیکھ کر جیسے ہی مشتعل ہونے کا ارادہ کر چکے تھے۔

"ہمدرد بھی ہم بھجوائیں گے اور کفر بھی ہم اٹھائیں گے۔ تف ہے ایسی اولاد پر جو ایسے بے بسی لوگوں کے سامنے دو کوڑی کا کر کے رکھ دے"۔

وہ دونوں بے بسی سے بابا علی خان کی صورت دیکھنے لگیں۔

اس وقت مشکل گھڑی تھی۔ ڈاکٹروں سے بدتمیزی کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ جبکہ کیس بھی "خودکشی" کا تھا۔

ہاری کے اوسان بحال ہو چکے تھے۔ اصل صورتحال تک پہنچنے تک اب اس کی رسائی تھی۔ وہ نئے سرے سے تازہ دم ہو کر ان کی جانب بڑھا تاکہ بات تکمیل تک پہنچے۔

"خان"۔ اس نے انہیں پشت کی طرف سے پکارا۔

"خان! اگر تو وہ یہیں سے نکلا ہے تو یہیں ہوگا۔ اب رات بڑھ گئی ہے' اس لئے تھوڑی دیر کو چلا گیا ہوگا"۔ خوف کی گرہیں ہے۔ ابھی ڈرائی ہوگی خان۔ پھر صورتحال کنٹرول میں ہوگی' وہ نہ مسئلہ ہو جائیگا"۔

اس کو سب بابا صاحب کا ریموٹ کنٹرول کہہ کر چھیڑتے تھے۔ اس لئے کہ حیرت انگیز بات تھی ۔۔۔ کہ بابا صاحب ان کی ہر بات کو سنتے تھے اور باقاعدہ نوٹس لیتے تھے۔ یہی ہوا۔ اس کی دھیمی آواز اور بے تکے الفاظ جیسے ہی ان کے کان میں پڑے۔ ان کے چہرے پر موجود اضطراب کی کیفیت معدوم ہونے لگی۔

"تم بھی چلو ہمارے ساتھ' تم ہی بات کرو گے ان 'افلاطونوں' سے۔ ہم کلام نہیں کرینگے جو مرغیاں سے بیٹھ بیٹھے خوش گپیاں کر رہے ہیں"۔ وہ چھڑی پر وزن ڈال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی"۔ ہاری تشنگی کے اس پار نہ جانے کیا ڈھونڈ رہا تھا۔ ایک دم چونک کر ان کے پیچھے ہو لیا۔ گلو اور زرلی کو وہیں ٹھہرے رہنے کا اشارہ کیا۔

"شکر ہے ہاری ساتھ آیا ہے"۔

"نا مسعولیت کی حد تک ہم اس کے عادی ہو چکے ہیں۔ ایسا لگا۔ جیسے 'بچوں کی ماں آ گئی ہو'۔ زرلی کھسیا کر کہہ رہی تھی۔ افسردگی کے ماحول میں لمحے بھر کیلئے مسکراہٹ کی کرنیں جگمگ تھیں۔ ایسی ہی بے ساختہ مسکراہٹ جیسے کہ بے ساختہ آنسو ہوتے ہیں۔

وہ دونوں مرجھائے بیٹھے تھے۔ بابا صاحب اور ہاری کو دوبارہ اس طرف آتے آتے آدھا گھنٹہ لگ گیا تھا۔

"زرلی بی بی! آپ لوگ جائیں' میں یہاں پر"۔ ہاری ان سے مخاطب تھا۔

"ہم ٹھیک ہیں' تم تھک گئے ہو' آرام کرلو"۔ گلو وہاں سے کسی طرح ہٹنے کو راضی نہ تھیں۔

"ہاری ٹھیک کہہ رہا ہے' تم لوگ گھر چلو' اب کوئی بات نہیں"۔ بابا صاحب اپنے مخصوص فیصلہ کن لہجے میں مخاطب ہوئے۔

دونوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔

"میں ہوا کو لے کر آتی ہے"۔ زرلی باوقار خواستہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہوا کہاں ہے؟" بابا صاحب جو گم صم کیفیت میں روشنی کی سمت متوجہ تھے ایک دم چونک پڑے۔

"وہ ادھر ہوا ہے' بے ہوش ہو گئی تھی"۔ زرلی جلدی سے بولی۔

"کیوں بے ہوش ہو گئی تھی' طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی؟" وہ پریشان سے نظر آئے۔

"وہ وہ بہت رو رہی تھی' روشنی کی وجہ سے"۔ گلو نے ہچکچاتے ہوئے بتایا۔

"اچھا"۔ انہوں نے بہت کچھ محسوس کیا" اب کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے' آپ لوگ چلیں میں لاتی ہوں' ہوا کو"۔ زرلی گیند کے ہاتھ میں ہے ہیں ۔۔۔ کہہ کر ہاری کے ہمراہ بابا صاحب کو مخاطب کیا۔

"جی بابا جی؟"

"ہوں' اچھا ہم گاڑی میں بیٹھتے ہیں' تم ہوا کو لے کر آؤ۔ گلو! تم بھی"۔

گلو روشنی کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"ہاری! ابھی تک وہیں بیٹھا ہوا ہے۔ یوں بھی نیند آتی نہیں"۔ وہ افسردگی کو محسوس کر رہی تھیں۔

"چلیں ۔۔۔!" ہاری نے بس ان سے اتنا ہی کہا۔ تب وہ آہستہ قدموں سے بابا صاحب کے پیچھے گاڑی کی طرف بڑھ گئیں۔

"ہاری!" وہ جاتے جاتے تھم گئیں۔

"جی؟"

"تم کر کے صورتحال بتاتے رہنا۔ میں تمہیں جاگتی ہوئی ملوں گی"۔

"بہتر ۔۔۔ آپ اطمینان رکھیں"۔ وہ اس بھک بیٹھ گیا جہاں اب تک گلو بیٹھی ہوئی تھیں۔

"بی بی! کھانا کھالیں۔ بڑی بھوکی ہیں' بھوک نہ ہو تو تھوڑا سا ہی کھالیں"۔ بابا بی اور ہاری کے ہمراہ گاڑی میں بہت سوچ بچار کے بعد کہہ رہی تھی۔

"پہلے روشنی کی شکل دکھاؤ؟" وہ انگنے پر اتل میں اسی کے ساتھ جاؤں گی"۔ وہ جیسے ضد پر اتر آئی تھی۔

"وہ تو کل رات کراچی چلی گئی تھیں"۔ بابا نے سادگی سے بتایا' جس میں قدرے حیرانی بھی شامل تھی۔

"کیا ۔۔۔؟" وہ ایک دم اچھل کر کھڑی ہو گئی' "کیا کہا تم نے رات کراچی چلی گئی' مجھ سے بغیر ۔۔۔ وہ؟" اس کا زبان تالو سے چپک گیا' پھر یوں کھانے لگا۔

"رات ۔۔۔ تمہارا مطلب ہے کل رات؟" وہ بابا کے نزدیک چلی آئی۔

"جی بی بی! کل رات"۔ وہ ان کے انداز پر قدرے پریشان نظر آنے لگی تھی۔

"اکیلی یا اپنے ابا کے ساتھ؟" اس نے کل سے یاور علی خان کو بھی تو نہیں دیکھا تھا۔

"ساری لڑکیاں گئی ہیں بی بی' سبھوں کے ساتھ گئی ہیں وہ"۔ بابا نے وضاحت کی۔

"سب گئی ہیں؟"۔ یہ ایک اور چونکا دینے والا انکشاف تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیٹھ پر بیٹھ گئی۔

"اچھا! بابا! ہاری کو بلاؤ"۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

"وہ جی ۔۔۔ خان حویلی میں نہیں ہیں"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"پھر کہاں ہیں۔۔۔؟" وہ ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

"پتا نہیں۔ بڑے خان بھی تو نہیں ہیں' جہاں بڑے خان ہوتے ہیں تو خان (بابا کی) بھی کے ساتھ ہوتے ہیں"۔ ماہا بے حد پے سوالات سے پریشان نظر آ رہی تھی۔

"بڑے خان کہاں گئے ہوئے ہیں؟" اس سوال کے جواب میں ہی وارثی کا اتا پتا پوچھا ہوا تھا۔

"پتا مجھے پتا نہیں' ہم ملازموں کو ایسی باتیں پتا نہیں ہوتیں نا؟" ماہا نے اس کے مزید سوالات کے حملوں کو روکنا چاہا۔

"پھر کیسی باتیں پتا ہوتی ہیں؟" اس نے دانت پیس کر پاس رکھی کتاب اٹھا کر پٹخی۔

"ملازم کو تو بس صرف اپنے کام سے مطلب ہونا چاہیے۔ اسے ضرورت بھی کیا ہے پتا کرنے کی' آقا کے کاموں سے ہمیں کیا مطلب بی بی"۔ وہ ماہین کو غصے میں دیکھ کر پریشان ہی ہو گئی۔

"اچھا تم جاؤ"۔ اسے مزید وہ کتابے کار ہی تھا۔

"آپ آرہی ہیں کھانا کھانے' میں بڑی بیگم کو کیا جواب دوں؟"

"آرہی ہوں میں"۔ اس نے جیسے کوئی تہیہ کر لیا تھا۔

ماہا کے جاتے ہی اس نے خود پر نظر ڈالی۔ رات سے اتنا سوا خراب تھا کہ اس نے خود پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ اب ظاہر ہے کھانا تو محل میں ہونا تھا۔

اس نے فیروزی شلوار کرتا اور سیاہ دوپٹے کا انتخاب کیا۔ فیروزی کپڑوں پر سیاہ کشیدہ کاری اور کالے دوپٹے پر فیروزی کشیدہ کاری نے لباس کو بہت خوبصورت اور جاندار بنا دیا تھا۔ جیولری تو وہ کبھی کبھار خاص مواقع پر ہی تبدیل کرتی تھی۔ ڈائمنڈ کے ننھے سے آویزے ہمیشہ اس کے کانوں میں رہتے تھے۔ ہونٹوں پر پنک لپ اسٹک کا شیڈ دبا اور دو پٹا شانوں پر پھیلا کر اپنے رہائشی کمرے سے باہر آ گئی۔

ذہن میں ادھیڑ بن جاری تھا' مگر چہرہ پرسکون تھا۔ وہ ڈائننگ ہال تک پہنچانے والے ہیچ میں داخل ہی ہوئی تھی کہ سامنے سے یاور علی خان آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

وہ ٹھٹک کر رک گئی"۔ اسلام علیکم" اس کا انداز غیر شعوری طور پر خفیہ ہو گیا۔

"وعلیکم السلام"۔ ٹھیک ہیں آپ؟"

"میں کھانا کھا کر ابھی آتی ہوں' سوہنت جا رہے گا"۔ اس نے ان کا سوال نظر انداز کر کے اپنی بات کی۔۔۔ اور آگے بڑھ گئی۔

یاور علی خان اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگے یہاں تک کہ اس کا سیاہ لہراتا ہوا آنچل موڑ پر غائب ہو گیا۔ تب وہ جیسے چونک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھے۔

آج کھانے پر وہ چہل پہل نہیں تھی' جو لڑکیوں کی موجودگی میں نظر آتی تھی۔

یہاں سے وہاں تک جیسے ماتم برپا ہو۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ ماہا کے علاوہ سب ہی اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے۔ ماہا کو ان کے درمیان سے وہ بے حد عجیب لگ رہا تھا۔ ہر طرف غم کی شدت پائی جاتی تھی۔ ایک گھٹن سی تھی جو ماہا کو اپنے حصار میں لیتی محسوس ہو رہی تھی۔ گوشت سے پکائیوں میں جھلکتی ہوئی سوئے کی چوڑیوں کی مدھم ہوتی آوازیں بھی ماہا کو اپنی سماعت میں چبھن ہی محسوس ہوئی۔

"السلام علیکم!" اس نے حاضرین کو سلام کیا۔ عالم شاہ نے اسے اپنے پہلو میں آنے کا اشارہ کیا۔

وہ علیکم السلام کی آوازوں کے جلو میں ان کی ہدایت کے مطابق بیٹھ گئی۔

"طبیعت کیسی ہے اب؟ تم نے ماہا سے کھانا وانا کھا کر کوئی دوا وغیرہ لی کہ نہیں؟" اس نے بیٹھتے ہی سوالات کرنے شروع کر دیئے تھے۔

جہاں "رحمتیں" ہوتی ہیں وہاں "زحمتیں" بھی ہوتی ہیں۔

"جی ٹھیک ہوں اب' اس سر میں درد بہت تھا۔ رات سو نہیں سکی تھی۔ پتا نہیں باہر کی طرف سے کیسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کچھ لوگ چیخ رہے ہوں"۔ اس نے ان سب کے ردعمل سے بے نیاز ہو کر بات اپنے انداز سے شروع کی۔

مگر اس نے محسوس کیا کہ وہ تین خواتین کے علاوہ اس کی بات پر اور کوئی نہ بولا تھا۔ سب سے پہلے تو اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ عالم شاہ کا چہرہ بھی ایک لمحے کو فق ہوا تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی بولنا شروع کیا تھا۔

"یہ کمبخت بعض اوقات بہت لاپرواہی کرتا ہے' کیسے اصطبل میں کھلے چھوڑ رہا ہے۔ وہ رات کو بالکل بھی باہر نہ نکلا کریں۔ بہت خونی قسم کے کتے ہیں۔ بڑی بھاری زنجیریں ان کے گلے میں ڈالنا ہوتی ہیں۔ تھوڑی دیر کو بھی ان کو کھلے چھوڑ دیں تو زنجیروں کے ساتھ کام کرنے میں آسانی ہو۔ پتا نہیں کمبخت کمر کے میں کیوں لاپرواہی کرتا ہے۔ بتا رہا تھا کہ کوئی بے آواز سی آواز سنی تھی"۔ انہوں نے داس اس کی سمت بڑھا کر اطلاع فراہم کیا۔

ماہین نے بھولا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر اپنی بے وقوفی پر مسکراہٹ کے آگے بند باندھے۔

"آج یہاں سرسوتی نظر نہیں آ رہی"۔ ماہین نے نہ جانے کیوں عالم شاہ کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔ جانے وہ کس نتیجے کی تلاش میں تھی۔

"کمبخت صبح سے غائب ہے"۔ سائرہ رحمانی نے تاسف بھرے ہوئے قدرے غصے کے انداز میں کہا۔

"ڈھیر سارا دھونے کپڑوں کا اسٹریل کیلئے۔ ایک تو کام بھی کرا لیتی ہے اور پہلے ہی چھٹی پر ہے۔ ماہا گئی کیا کیا دیکھے"۔

سرسوتی کا ذکر آتے ہی جیسے انہیں اپنی پریشانیاں یاد آ گئیں۔

ماہین کے صرف کان سائرہ رحمانی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ آنکھیں بدستور عالم شاہ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس نے نوٹ کیا کہ عالم شاہ نے سرسوتی کی غیر موجودگی پر نہ کوئی تبصرہ کیا اور نہ ہی اس سے متعلق کوئی تکرار جیسا۔ وہ اسی طرح کھانا کھانے میں مصروف رہے۔ جیسے پہلے تھے۔ حالانکہ گھر کی متکلمہ کی حیثیت سے سرسوتی کی غیر موجودگی کی خبر۔۔۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے تھی۔ اس نے صاف محسوس کیا کہ وہ سرسوتی کے ذکر کو ٹال رہی ہیں اور چاہتی ہیں کہ یہ موضوع یہیں تمام ہو

جانے وہ اس طرح مطمئن نہیں۔ ایسے کوئی خاص بات نہیں۔

"آئے تو تھا بے گا دو جوڑے اور کیسے گا کہاں غائب ہو جاتی ہے بلیو تا ہے' لوکری نہیں ہوتی تو سیدھا سیدھا جواب دے"۔ جواس آرا بھوپھی نے بھی بھاوج کی تائید کی۔

عالم تاب تو جیسے قسم کھا کر چپ تھیں۔

"آپ ڈانٹتی نہیں ہیں اسے" مابین نے عالم تاب کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں — ہاں — ڈانٹتی ہوں' آئے گی تو ڈانٹوں گی"۔ انہوں نے رکھی سے انداز میں جواب دیا۔ ایسے کہ یہاں کا دل رکھنے کیلئے ان کی حسب توقع اس کو ایسی بات کرنی چاہئے۔

اور مابین اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی۔ اس نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا کہ عالم تاب اس گھر کے ایک ایک راز سے نہ صرف باخبر ہیں بلکہ حصہ دار ہیں۔

"اس کی ماں بہت محنتی عورت تھی۔ اس گھر کی خدمت کرتے کرتے مر گئی۔ اس جیسے تنگ حال لوگ بڑی مشکل سے بچے پیدا کرتے ہیں۔ نازنین تو اس کے بغیر کہیں جاتی تھی نہیں تھی۔ ایک تو ماشاءاللہ اس کے بال اتنے لمبے اور گھنے تھے کہ اس سے سلجھتے نہیں تھے۔ سرسوتی کی ماں کی ڈیوٹی تھی اس کے سر کی مالش کرنا' سلجھانا۔ کہتی تھی آپا کہ اگر یہ کہیں ادھر ادھر ہو جائے تو میرا گزارا نہیں ہوگا۔

اس کو مالش کی ایسی عادت ہو گئی جیسے کوئی نشے کا عادی ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ جب وہ اپنے میکے گئی تو کرایہ لے دوسرے دن لوٹ آ گیا تھا کہ "روبا" کو تو راجہ ہی بھیجیں' مجھے نیند نہیں آتی۔ اس کی مالش کے بغیر۔ صحیح معنوں میں "مکھی" جیسی زندگی گزار رہی۔ اتنا عیش و آرام تو باوا صاحب کی بیٹیوں کو بھی نہیں ملا ہوگا۔ جو اسے اس گھر کی بہو کی حیثیت سے ملا۔ آدا گھر بے چاری تھوڑی ہی عمر لائی تھی"۔

رخسانہ بھی نازنین کی بڑی نند سرسوتی سے اس کی ماں روبا اور روبا سے نازنین پر آ کر رک گئیں۔ سرسوتی کا ذکر اور معاملہ تو ایک طرف جا پڑا اور نازنین کی یادیں شروع ہو گئی تھیں۔

"باوا صاحب نے جیتے لاڈ پیار نازنین سے کئے' کسی اور کے حصے میں نہیں آئے"۔ رخسانہ سے چھوٹی جہاں آرا نے لقمہ لگایا۔

"ہاں بعض لوگوں کی اس معاملے میں قسمت بہت تیز ہوتی ہے۔ ہر ایک سے محبت پاتے ہیں۔ اپنی شرطوں پر زندگی گزارتے ہیں۔ اس کے باوجود ان سے پیار کیا جاتا ہے۔ ان سے لاڈ کئے جاتے ہیں"۔ عالم تاب نے آنی دم میں پہلی مرتبہ گفتگو میں باقاعدہ حصہ لیا۔

مابین نازنین کے ذکر میں کھوئی گئی تھی ایک دم چونک کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"اس طرح مت دیکھو۔ یقین کرو میں کبھی اس کے چاہنے والوں میں شامل رہی ہوں' یہ بھی نہیں سمجھا اپنی چھوٹی بہن سمجھتی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ہاں میں مہندی بہت سجتی تھی۔ میں ہر تیج مہندی کا پیالہ لئے اس کے پیچھے پھرتے لگتی تھی۔"

تھیں بگھوائی تھی۔ کہتی تھی 'باوا جی تو بہت پسند کرتے ہیں اور بہت خوبصورت ہے'۔ نے ہیں نازنین کی۔ کہتے ہیں نازنین ماں سے بھائی کا بہت بہت شکریہ ادا کرنا' مگر مجھے سمجھ نہیں آتی تھی۔ پہلے پہل تو سر پیٹ لیا تھا ہاں کے ساتھ ہاں ملا رہی تھی کہ مراد ہیں آتا۔ عجیب "مخلوق" ہے قسم کی سوچ خیال ہو جاتی ہے؟ مگر میں اندر ہی اندر آتی تھی کہ میں سے بات کہہ کر مجھے سمجھ نہیں سکتے ہیں سے کیا فوش"۔

عالم تاب مسکراتی ہوئی مابین کے خوبصورت ہونے کی تصدیق کر رہی تھیں۔

"میرے دل کو آج تک صبر نہیں آیا۔ بہت یاد آتی ہے وہ"۔ ان کی آواز بھیگی اور گلوگیر ہو گئی۔ وہ اپنے کو بات سے آبدیدہ ہو چکی تھیں۔

مابین کی تو ساری چاہ سوہی دھری کی دھری رہ گئی۔ وہ الجھ کر رہ گئی۔ اس کو تو یہ بھی معلوم نہیں کیا کہ یہ کیا چاہتا ہوا تھا۔ صورتحال یکلخت بدل کر رہ گئی تھی۔

"میں تمہیں اس کی بہت شاندار تصاویر دکھاؤں گی۔ جوانی کی چھٹی پر ہم نے اسے جس طرح سجایا تھا۔ ایسے پھول پہنائے تھے کہ بس' بہت ہی حسین تصویر ہے وہ۔۔۔ ابھی چلتا ہوں سویرے کمرے میں کھانے کے بعد۔ باوا نے سونے کی تیاری کر لی تھی۔ گو میں جوان کا محبت مند جوا ہے۔ اتنی شاندار تصویر ہے' اگر کسی آرٹ گیلری میں لگا دی جائے تو بس سب اس کو دیکھیں"۔ وہ مابین کا انتظار نہ گوارا کی تھیں اور مابین کا اتنا دل چاہ رہا تھا' کھانا وان چھوڑ کر پہلے وہ تصویر دیکھے۔

عالم تاب اس کا ذہن ادھر ادھر کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ اس وقت اس کے ذہن میں سوائے اپنی بہن کے کچھ نہ تھا۔

شک و بدگمانی کے وہ سانپ' پچھلی ملاقات سے اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے' جیسے سو گئے تھے۔ یہاں تو ہر شخص بے گناہ نظر آ رہا ہے۔ وہ کچھ سوچنے لگی۔ اتنا تو خیر اسے یقین تھا کہ وہ نیچے ہال میں بیٹھی عورت گھر کی مالکنوں میں سے تو نہیں تھی۔

انداز میں جس طرح کی عاجزی اور مسکینی تھی اس سے تو وہ ازلی تلک خواروں میں سے تھی۔ مگر یہ سوال تو اپنی جگہ موجود ہے۔ وہ کون ہے؟ کس جرم میں قید ہے

"تم ٹھیک سے نہیں کھا رہیں؟" عالم تاب نے اسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کر ٹوکا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ کھا رہی ہوں"۔ وہ چونک کر خفیف سے انداز میں مسکرائی تھی۔

"کیا تم ہم لوگوں کیساتھ کھانا کھا چکی؟"

یہ وہ سوال تھا جو اسے سب سے پہلے کرنا تھا مگر سمجھوتا آواز کیوں اس طرح ہوا کہ عجیب دشوار دشی ہو گیا تھا۔ سب سے بڑھ کر رات کا واقعہ اتنا پراسرار اور خوفزدہ کر دینے والا تھا کہ باقی تمام سوالات کی حیثیت ثانوی ہی ہو کر رہ گئی تھی۔

"آپ کیں ارشی ہیں کر نہیں گی تم سے؟" صاف ظاہر تھا کہ عالم تاب بہت اچھی طرح سمجھ رہی ہیں۔

"ابھی نہیں۔ مجھے کسی قسم کی اطلاع نہیں"۔ ادھر بھی ہوا کا رخ یہی تھا اور ادھر بھی۔

"ہاں شاید تم سو چکی ہو گی"۔

"مگر یہ پروگرام تو ان کا پہلے سے ہو گا۔ مگر ہمیں سب کو اس کی اطلاع ہو گی۔ یہ بات تو کھانے کے وقت بھی چل سکتی تھی۔ مگر وہاں تو کسی قسم کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہوا۔ کان کھلے ہوئے ہیں۔ خالہ بیگم کسی رشتے دار سے ملنے گئی ہوئی ہیں"۔ اس نے بار بار اپنی ناراضگی کو چھپانے کی کوشش کی۔ اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اسے کوئی خبر نہیں۔

"کراچی گئی ہیں بہت پہلے سے پروگرام تھا"۔ عالم تاب نے گویا اطلاع دی۔

"کراچی اور فی الحال دور تک بھی نہیں گئی اور سب سے اہم تو یہ ہے کہ میں تو اس کی اور جواد کی خاطر علی یہاں آئی ہوں۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کیا سلسلہ ہے 'مہمان' 'میزبان' 'غائب'"۔ اس کے لہجے سے ناراضگی جھلک ہی گئی۔

سب خواتین عالم تاب کی صورت دیکھنے لگیں جیسے وہ ان کی نجات دہندہ ہوں۔

"کل دن پہلے سے ان کی سیٹیں کنفرم تھیں۔ تمہارے آنے سے پہلے ہی۔ میرے خیال میں کسی کو دھیان نہیں رہا۔ تم دل برا نہ کرو۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بہرحال روشی کی یہ بات واقعی غلط ہے کہ اس نے نہ تم سے تذکرہ کیا نہ مل کر گئی"۔ عالم تاب نے حسب عادت داری روشی کے سر منڈھ دی۔

اب بولنے کی گنجائش ہی کیا رہ گئی تھی۔ قصور روشی کا قابل گرفت گویا اس کا اپنا کھوٹا کھرا ثابت کر دیا گیا تھا۔ اب تو یہ اس کے فیل ہونے کا مقام تھا کہ اس نے اپنی محبت کرنے والی خالہ کو اتنی اہمیت بھی نہیں دی تھی کہ جاتے ہوئے مل کر جاتی۔ جلد سے جلد کی فرصت کا تقاضا تھا کہ اس کی خاطر وہ اپنے سارے پروگرام کینسل کر دیتی۔

دوسر جھکا کر کھانا زہر مار کرنے لگی۔ خون بے شک کھول رہا تھا مگر ہونٹ سی لئے تھے۔ اب تو شاید سارا غصہ یاور علی خان پر گرنا تھا۔

"تم خیال نہ کرو" کراچی میں ہاما صاحب کے بہت قریبی دوست کے بیٹے اور بیٹی کی شادی کی وجہ سے بچوں کو بھی بلایا تھا۔ وہ تو ظاہر ہے تمہاری موجودگی میں تو کسی سیر و تفریح کا غرض سے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان لوگوں کا اصرار تھا۔ لڑکیوں کو چند دن پہلے بھیجیں۔ ہم عورتوں میں سے تو جو بھی جائے گی۔ ایک دن پہلے ہی جائے گی۔ مردوں کو اتنی فرصت کہاں آج کل لڑکوں کے اپنے دھندے"۔

وضاحت در وضاحت کا سلسلہ تھا۔ ہاجن کا سر درد کرنے لگا۔ کیونکہ اسے یہ احساس تو بہت اچھی طرح تھا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے 'حقیقت اس کے برعکس ہے' مگر مصلحتاً مجبوری تھا' خاموشی ہی بہتر تھی کہ اظہار حقیقت کیلئے درست زاویہ کہیں ہاتھ نہ آتا۔ اس کے پاس کوئی دلیل' کوئی ثبوت نہیں تھا۔ جو ان کو غلط یا جھوٹا ثابت کرتا۔ اب بس یہ تھا کہ اس کا دل سکون رخصت ہو چکا تھا۔ وہ یاور علی خان کو ملنے کو بہت بے چین تھی۔

---

[1] یہ وہ پہلے فیل کے واقعات ہیں جن میں اور بڑے کوئی سر اور موٹے اور موٹے اس کا ہاتھ شامل ہو چکا تھا۔ وہ ہوا تھا

تھی ساری حویلی جیتے جی اداس چھوڑ کر جا رہی تھی۔ اب جائے اب وہ یاور علی خان کے پاس ہوتے ہوئے اسے ملنے نہ آتا۔ کسی نے اسے روکنے کے لئے ہاتھ بھی نہ ہلایا تھا۔ سب کے سامنے وہ اس کے لئے دروازہ کھول کر کھڑا رہا تھا۔ اس کے بیٹھ جانے کے بعد دروازہ بند کیا تھا۔ اور پھر وہ اسے کھڑکی میں سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا۔ وہ اس کے لئے کیا کچھ نہیں تھا۔ وہ اس کے لئے کیا کچھ نہیں تھا۔ وہ اس کے لئے

کیا ہے؟"

"کیا واقعی آپ مجھے ہر سوال کا جواب دیں گے؟" وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہر سوال" کا وعدہ نہیں کر سکتا"۔ انہوں نے دو ٹوک معذرت کی۔

"تو پھر سوال کرنا ہی بے کار ہے۔ اب تو بس آپ یہ کریں روشی کو واپس بلوا لیں۔ میں کراچی جاؤں گی تو اسے ساتھ لے جاؤں گی۔ کوئی مسئلہ ہی نہیں"۔ اس کا انداز بہت سادہ تھا مگر اندر بلا کی بے یقینی پر مشتمل تھی۔ اب پتہ چل رہا تھا کہ روشی کا جانا ایک معمول کی کارروائی تھی یا واقعی اسے روانہ کیا گیا ہے۔

"ٹھیک ہے بابا صاحب سے کہہ دوں گا اسے بلوا لیں"۔ انہوں نے عام سے انداز میں کہا تھا۔ ماہین کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"آپ اس کے باپ ہیں۔ آپ خود ہی اسے آنے کیلئے کیوں نہیں کہہ دیتے"۔ اسے بابا صاحب کی آمد پہ بھیجے جانے والے خط یاد آئے۔

"ہم سب انہی کے ذریعے کام کرنا پسند کرتے ہیں۔ یہ ان کی نہیں "شکریہ" کا سادہ سا انداز ہے۔ شکریہ اس بات کا کہ انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں استعمال کر کے ہمیں شاندار اور ممتاز زندگی گزارنے کا موقع دیا۔ عزت اور امتیاز کے ساتھ۔ اور اعتماد ان انہی کے ثمرات کھا رہا ہے۔ ان کی "ان کے کام کی جو اہمیت ہے" ہم سب کو اس کا احساس کرنا چاہیے۔ ہم نے ہوش سنبھالا تو دنیا کی تمام نعمتیں جیسے دسترخوان پر سجی ہوئی تھیں اور آپ جانتی ہیں۔ دسترخوان ایسے ہی تو نہیں سج جاتے"۔ انہوں نے گویا مسکراہٹ کو ہونٹوں پہ آنے کو جھک کر جھل پر روکا۔

سعادت مندی کا احساس اس لمحہ بھی اس عمر میں جو اس نے اپنی ذاتی حیثیت میں ممتاز تھے۔ ماہین نے شاید پہلی بار دیکھا تھا۔

"عجیب ہو کر رہ گئی تھی۔ ظاہر ہے اگر کوئی شخص اپنے والد یا والدین کے ساتھ طرز اور طور کی مغائرت کا مظاہرہ کر رہا ہو تو اس کی تردید کرنا اپنے ہی اخلاقی رویے پہ بین کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔

"تو پھر آپ کہیں ان سے"۔ وہ یہی کہہ سکی۔

"ڈیئر وائف ۔۔۔ وہ آجائیں تو ضرور کہوں گا"۔ ان کا انداز ایسا تھا کہ جاسوسی اور فلک کے سارے دروازے بند کر دے گئے۔ کھوا پیا۔ لگا پیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ سب شادی میں الجھ گئے تھے۔ اور واقعی ان کا پروگرام پہلے سے تھا۔

"مگر ۔۔۔ روشی کو مجھ سے مل کر جانا چاہیے تھا"۔ وہ ابھی مکمل طور پر الجھن سے نجات نہیں پا سکی تھی۔

"اس پہ غصہ ہے اس کی۔ ممکن ہے۔ اس وقت آپ آرام کر رہی ہوں۔ اور اس نے یہ سوچا ہو کہ وہ آپ کی واپسی سے پہلے ہی آسودہ ہو سکی"۔

"آپ میں ہر وقت آرام تو نہیں کرتی"۔ اس نے بابا علی خان کی بات تیزی سے کاٹ دی۔ "وہ کبھی بار مجھ سے ملی۔ جب ان کا پروگرام پہلے سے تھا تو وہ کبھی ذکر تو کرتی"۔

"بچے ۔۔۔ اس طرح کا نفس نہیں ہوتے۔ اور پھر شادی کے ماحول میں پلے بڑھے بچے تو فعل کا مظاہرہ اس طرح کی بڑھائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور آپ کہتے ہیں"۔ بابا علی خان اپنی مخصوص احسان کش قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے۔

"پھر جب آپ پہنچتے ہیں تو سحر کی سیر پر چل رہی ہیں؟" انہوں نے بیساختہ مذاق کرنا مناسب سمجھا تھا۔

"کیا؟" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"اکیلی کیوں؟ میں بھی ہوں آپ کے ساتھ"۔ ان کا لہجہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

"نہیں میرا مطلب ہے کہ ساتھ کوئی دوسری خاتون یا لڑکی ہو تو وقت اچھا گزر سکتا ہے"۔ روشی کے آنے تک ماحول کو ہلکا پھلکا کرنے کی خاطر اس نے ان کا سپاٹ چہرہ بغور دیکھا۔

"ہو سکتا ہے پھر میرے پاس وقت نہ ہو۔ آج کل جو سیاسی صورتحال ہے اس سے آپ واقف ہیں۔ آنے والے دنوں میں بہت کام ہوگا"۔

"پھر رہنے دیں"۔ اس نے بے دلی سے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ مگر روشی بھی نہیں ہے۔ میں بھی کل سے آن ڈیوٹی ہوں۔ آپ بور نہیں ہوں گی؟" آخر تنگ آ کر وہ ماحول کو خوشگوار کرنے کا عمل مسلسل جاری تھا۔

"وہاں اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا"۔ (کچھ دنوں اور بے نیچہ تجسس کے ساتھ وقت گزرنے کا آخر کار وہ بھی کیا ہے آئیے کیا کہوں کروں گی وہ ہمارے پاس دیر میں پڑی پڑا جائیگے)

"ٹھیک ہے پھر واپسی کس وقت ہے؟" وہ ان کی سرد مہری کی داستان کو تسلیم کی نگاہوں سے نگاہیں ملانے سے بہت اجتناب کرتی تھی۔ جانے کیوں اسے محسوس ہوتا تھا "یہ نگاہیں نہیں ہیں سوسم کا حال ٹھیک ٹھیک Read کرنے والا سوئی ہوا ہیں۔ اسے لگا جیسے بابا علی خان کے سر سے کوئی بہت بڑا بوجھ سرک گیا ہو۔ اطمینان اور سکون کی لہریں ان کے چہرے پہ صاف محسوس کی جا سکتی تھیں۔

ان کے اندر میں ایک "کیوں" بیدار ہو کر وہ خاموش رہی۔

"تو پھر آپ کہہ رہے ہیں بابا صاحب سے کہ وہ روشی کو بلوا لیں۔ ابھی تو شادی میں اس دن ہیں تو ایک اور میں آپ کی مہمانی کا لطف مزید تین چار دن اور اٹھا سکوں گی۔ پھر اسے اپنے ساتھ ہی لے جاؤں گی"۔

اس نے پھر اپنی بات دہرانا ضروری سمجھا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ اطمینان رکھیں"۔

"آپ بہت اچھے ہیں یاد رکھیں گی۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو جس نے آپ کو ہرٹ کیا ہو تو میں معذرت چاہوں گی۔ آپ کو دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں۔ ہر کتنی مختصر مگر خوش نصیب زندگی لائی تھیں۔ وہ بہت شاندار تھیں مگر آپ کی رفاقت سے محروم اور شاکر رہا ہوگا۔ کاش وہ آج آپ کے ساتھ ہوتیں۔ ہماری زندگی میں کتنی عظیم خوشیاں شامل ہوتیں۔"

"اوہ ۔۔۔ یہ تو بہت لڑاکا ہے"۔ وہ بہت تکلف سے مسکرائے۔ اور نظریں اٹھا کر سراہنے والی کو اچھے جذبات سے

دیکھا۔

اوبامر سے الگ کر آدھا شانوں پر آدھا گود میں گر پڑا تھا۔ انیس کلپ میں مقید پونی کی قید میں کسی مرغی
جتنی بیتابی کو بھر رہی تھی۔ لمبی کار کرتی ہوئی اداس اداس سے ہاتھ جیسے پر بکھرائے۔ وہ بھر لیس بھی
تھی۔ اور بے یار یں ان پر قوی کی طرح ٹوٹی تھیں۔

جب تک بات چیت ان کے پاس بیٹھنا آسان رہتا تھا۔ مگر جونی خاموشی کے دھکے میں اس کا ہاتھ اور جانور لیتا
وہ خاص پریشانی محسوس کرنے لگتی تھی۔

"ابھی میں چلتی ہوں۔ گڈ نائٹ"۔ وہ ایک دم سے کھڑی ہو گئی۔

"کیا جو بیٹھ تک تیار رہے گا۔ کیونکہ ابھی تک مجھے کل ہی ہوٹل میں آفس ہونا چاہیے"۔

"ٹھیک ہے"۔ وہ جلدی سے باہر آ گئی۔

صبح کے چار بجے تھے۔ اور ابھی تک حوصلہ افزا علامات ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ کلوکار مرتبہ فون آ چکا تھا۔ اسے تو یہی کہا
جا چکا کہ اب حالت تسلی بخش ہے۔ مگر وہ کار یڈور میں بیٹھے بیٹھے تک کر گھڑیوں کے بار سے اسے دیکھنے لگا۔

"رمانے یار علی خان۔ زندگی سے تو بہت کم لوگ جی داشی دکھائی دیتے ہیں۔ اس سے تو سب کو جانے لگے ہیں۔
ہر خود کشی کرتا ہے تو کہ صرف اسی کو تو نہیں مرنا ہوتا۔

ہر اس کے آس پاس ہوتے ہیں زندگی تو ان کے پاس بھی ہوتے ہیں۔

کس بات کی خود غرضی ہے۔

صرف اپنی نجات سے غرض۔ دوسروں پر یہ فرقت کی اذیت ڈالے گی؟ جو پہلے دکھوں کی چٹانوں پر حوصلے کے بچے
سے ضرب لگا رہے ہیں۔ یہ جدائیاں ان کے حوصلے کو بہت ہلا سکتی ہیں۔

کس قدر خود غرضی ہے پچھلے سال بارشوں کا بہت زور تھا۔ اگست کی تباہ کن ساعتیں تھیں۔ تم بضد تھیں کہ ساحل پر صرف
آئس کریم کھائیں گی۔ یاد ہے میں نے کہا تھا بارش بہت تیز ہے۔ سڑک زرا کچھ بن چکی ہے۔ کیوں ہم لوگوں کو مصیبت میں
ڈال رہی ہو۔ میں نے بھی تم سے کہا تھا اندھیرا ہو رہا ہے۔ راستہ خطرناک ہو چکا ہے۔ خدانخواستہ کوئی حادثہ ہو سکتا ہے۔ تم
نے کہا تھا جیسی اس سے کوئی مطلب نہیں۔ ہم سال بھر میں ملنے والی اس اکلوتی خوشی کو اپنی پسند سے منائیں گے۔ مجھے اس
بے رحمانہ اور خود غرضانہ انداز پر نہ جانے کیوں بہت رنج ہوا تھا۔

مگر آج یہ المیہ لمحہ ضرور آیا ہے۔ تمہاری خود غرضی موت کی دیواروں سے بھی زیادہ سفاک ہے۔ تم صرف اپنی ذات
کے علاوہ کسی اور ذات کی پرواہ نہیں کرتیں۔ نہ اس معاملے میں تم زندگی کو اہمیت دیتی ہو۔ چاہے وہ تمہاری اپنی ہو یا کسی اور
کی۔ زندگی بھی جیسے تمہاری جائیداد ہے۔ جاگیر ہے۔ جسے ہر آن تمہاری خواہشات کے قبضے رہنا چاہیے۔

اور جب یہ تمہاری پسند سے متصادم ہو تو تم اسے بھی ٹھکرا دو۔ چاہے تمہارے اس عمل سے دوسرے زندہ لاش بن

جائیں۔ مفلوج ہو جائیں۔ مگر تم جانتی ہو اس کے بعد بھی زندگی بہت کروٹیں لیتی ہے۔
وہ تو تم لے لیں۔ زندگی سے سب سے بڑا تحفہ تو بھی۔ اور وہ تم نہیں دے سکتیں۔ خاوند ہے چار بچوں میں گھرے ہوئے
بوڑھے ساس سسر کی ذمہ داری ہے۔ اور اپنے آس پاس اسے اس دنیا اور اس کے لوگوں کو دیکھتے ہے۔ تم نے ان سے بھی تو
ہاں چھین لی۔ اور یوں بھی۔ وہ کہا کرتی تھی "خان" کے لئے لیا جاتا ہے کہ "مگر"۔
میں کیوں اتنا اداس ہو رہا ہوں۔ مجھے کیوں اختیار ہے؟ تم ایک بار ان "خود غرض اور سفاک" کے ہو۔ مجھے تم سے ہی
مطلب نہیں رہا۔ مگر کوئی تو ہو یہ سوچنے والا کہ تم ایسی کیوں ہو؟ کیا کمی ہو گئی ہے؟

"ہیلو سر!" اچانک کوریڈور میں مستعد فرقی نے اسے متوجہ کرنے کیلئے باقاعدہ کوشش کر ڈالی۔

"یس سسٹر!" وہ ایک دم بولا۔

"آپ ساتھ والے کمرے میں آرام کر سکتے ہیں۔ جب یہ آپریشن تھیٹر سے باہر آئیں گی تو ہی کمرے میں
ہوں گی۔ وہاں اٹینڈنٹ کیلئے بھی ایک بیڈ موجود ہے۔ کوئی خاتون ہوتیں تو زیادہ بہتر ہوتا۔ بہر حال شوہر بھی رکنے سکتے
ہے"۔ وہ اپنی بات مکمل کر کے ٹیبل کی سمت آگے بڑھ گئی۔

ایک لمحے کو تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کیا کہہ گئی ہے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے
ہونٹوں پر نمودار ہو گئی۔

"میں خود اور قلب" بنے کیلئے کبھی تیار نہیں ہو سکتا۔ مگر پھر بھی ہوتی ہے۔ ایسی ان پلینس زندگی۔ خود اعتمادی"۔ اس نے
مردانہ فولادی قوت سے ابھرا۔

"اور ہی دل کے چاہنے کی بات ہے دل تو نہ جانے کیا کیا چاہتا ہے۔ کون اس کی پرواہ کرے"۔ وہ واپس بنچ پر بیٹھ گیا۔

"جب تم کسی پرواہ کا اظہار کرتی ہو یا مجھے بہت اہمیت دیتی ہو تو میں سوچتا ہوں۔ تمہارا کیا ہے گا۔ مگر اب تم نے
ایک بھیانک انکاری انجام کو خود سے قریب کر لیا ہے"۔

"مگر تم میرے دل میں کیوں بول رہی ہو۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں جو تمہیں کانٹوں پر گھسیٹوں۔ میں تو صرف تمہاری
حال بہانی ٹھیک ہے۔ تمہیں تھوڑا سا نیچا کر کسی بڑے صدمے سے بچانا بھی تو میری ہی ذمہ داری کا تقاضا ہے"۔

"سر آپ روم میں چلیں گے۔ بہر حال کامگر یچولیشن۔ ان کی حالت اب مکمل کنٹرول میں ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بے
ہوشی کا انجکشن دیا گیا ہے۔ ہوش بھی دلا رہی ہیں اور مسلسل باری باری کہہ رہی ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہر حال آپ کو خوش ہونا
چاہیے"۔ وہ مسکرائی۔

"باری۔ باری۔ ان سے یہی تکرار ہے مجھے۔ یہ خدانخواستہ مجھ سے پہلے" عالم بالا" میں پہنچ گئیں تو مجھے اتنا پیار دیں گی کہ
مجھے بھی بھلا دیا جائے گا"۔ اس ایک دم ہی ٹیکس ہو تو لہجے میں ازخود بشاشت آ گئی۔

"بلکہ کوئی آپ کا"۔ لیڈی نرس نے مسکرا کر پوچھا۔

"وہ بھی نہیں ہیں۔ آپ نے مجھے وضاحت کا موقع ہی نہیں دیا۔ مجھے شوہر کا کردار بھی پڑتا"۔ وہ خود اجنبی

سے مسکرا رہا تھا۔

"پھر آپ کے درمیان کیا رشتہ ہے؟" وہ الجھی سی ہو گئی۔ وہ تو ایمرجنسی روم میں ساتھی نرسز کے ریمارکس "مشکوک" یا "قابلِ اعتراض" کے آری تھی جس کا وہ واحد کم و بیش پانچ سات منٹ کا تو ہو گا۔ (جس میں اس کے مقدر اور کل کی پوری طرح جانچ کا اختیار بھی کیا تھا۔ کہ اسے ایسے شوہر کے ہوتے ہوئے وہ زندگی سے بیزار ہو گی۔ جو اسے خود غرضی کے بھرپور طعنے دے کر بیمار ترین حالت میں داخل کراتا ہے۔

جو شخص اس لڑکی پر اتنا پیسہ برباد ہو جس کے بچنے کے امکانات کم ہوں۔ وہ عام حالات میں اس پر کتنا خرچ کرتا ہو گا۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس سے محبت کتنی شدید کرتا ہے۔ اور ہر حالت میں اسے وہ (کتنا مقدم رکھتا ہے)

"رشتہ (رشتہ دار) ہیں ہمدرد"۔ اس نے نرس کو جواب دیا۔ جو کچھ سوچ رہی تھی۔ "کیا اس وضاحت کے بعد میں چلے جانے کی اس کمرے میں آرام کرنے کی۔ میرا خیال ہے اب بھی بھتی ہی اولاد تو وہ اس کمرے میں"۔

"جی۔ جی۔ ایسا ہوتا تو نہیں مگر مجبوری ہے۔ آپ کئی گھنٹوں سے اسی طرح بیٹھے ہیں۔ آپ ایک دو گھنٹے وہاں آرام کر سکتے ہیں"۔ نرس نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے کہہ لی تھی۔

ذہن آزمائش و درد سے آزاد ہوا تو بہت تھکاوٹ محسوس ہونے لگی۔ اسے جاگتے ہوئے مسلسل چوبیس گھنٹے ہونے والے تھے۔ وہ جماہی لیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک نظر پھر نیم بے ہوش پر ڈالی اور اس طرف مڑ گیا جس طرف نرس نے اشارہ کیا تھا۔

ڈھونڈتی پھرتی ہے رشتہ ، جہاں میں ہمیں
زندگی ہم سے بچھڑ کر خود بھی پچھتائی بہت

آج عارف صاف ستھرے کپڑے پہنے بیٹھا بہت اہتمام سے کس پہ کس نگار رہا تھا وہ اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

"کہتے ہے کا کہا تھا لال خان نے؟" اس نے عارف کو مخاطب کیا۔

"آ ہی ہو گا۔ گھر والی کو بھیج کر بلا رہا ہوں؟"

"بھائی! ابھی میری ہمت نہیں پڑی۔ آج لال خان خود جا رہا ہے۔ سوچا تھا اس کے ساتھ اس سے ہاتھ بھجوا دوں گا آسان رہے گا"۔

"اور وہ جو لال خان کے سامنے" اکھاڑے" میں اتر آئی تو بے عزتی ہو گی یہ سوچا تم نے؟" اس نے چونک کر غلام عمر کی شکل دیکھی۔

"ارے آئی بھی ہے کام نہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں جو کر رہا ہوں کرنے دو۔ وہ دیکھو شاید لال خان ہی ہے"۔ اس کی نظر اونچے گیٹ میں داخل ہوتے لال خان پر پڑی۔

"ہاں وہی ہے۔ بلا رہا ہے لال خان کو۔" آئی کو اپنی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ [illegible] کو بلوانے کے لیے۔ کسی اور کی طرف سے پیغام وہ ان کی طرف سے [illegible] کو لے کر آیا تھا۔

"السلام علیکم"۔ لال خان نے قریب آ کر جھک کر عارف کا [illegible] کیا تھا۔

"وعلیکم السلام"۔ غلام عمر نے بھی دل "شفقت" سے جواب دیا تھا۔

"خیر خیریت تو ہے۔ یہ بلکہ" بے وقت" وہ بھی تھی"۔ اس نے چونک لال خان کے [illegible] کی طرف دیکھا۔ پہلی بار اکھاڑے کے باہر [illegible] کے ہاتھ سے [illegible] جیب میں احتیاط سے رکھتے۔

"اور کیا حال ہے؟" عارف نے آگے بڑھ کر گرمجوشی سے لال خان سے ہاتھ ملایا تھا۔

جانے والے کے آنکھوں میں دل اٹکتا ہے
یہ انتظار کے لمحے عجیب ہوتے ہیں!

"بھئی واہ! یہ شعر ہے"۔ لال خان کو بہت ساری شعر یاد آ گئی۔ تبھی [illegible] ہو گیا۔

"ارے آج ہی تو شعر و شاعری کا مزا ہے"۔ عارف نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "اب تو سوچ سمجھ کے [illegible] ہیں"۔ وہ مسکرایا اور دور سے کش لگایا۔

لال خان دوبارہ کی طرح شروع کر دیا۔ "بھئی کیا انتظام کیا ہے؟" عارف نے اٹھنے کی [illegible] کی۔

"باہر سوزوکی کھڑی ہے۔ گاڑی ہے اپنے بابا"۔ وہ غلام عمر کو بتانے کی غرض سے [illegible]

"کیوں نہیں ... کیوں نہیں ... سینہ لال خان ہے" کوئی معمولی چیز نہیں۔ چلو بھائی!" وہ غلام عمر کی طرف [illegible] ہو کے لئے بال رقم نے بڑا اختیار کیا تھا۔

ٹیلوں اور [illegible] گئے۔ جہاں نیلی سوزوکی کھڑی تھی۔ جس کے [illegible] کرنے پھیلوں نے اور ایک [illegible] نوجوان کھڑا تھا۔ ایک پچھلی دو [illegible] بوتلوں کی تھی لال خان اور عارف" آگے بیٹھے تھے۔ غلام عمر پیچھے تھا۔ اس قدر سامان دیکھ کر اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ پہلے دن یہ حال ہے تو بعد میں کیا ہو گا۔ نہ جانے کتنا سوزوکی میں چڑھاوے گا۔ فاقہ گھر والوں پر [illegible] بالآخر رات میں کھیلے گی۔ جب انسان کی ہر خواہش پوری ہو رہی ہو تو اسے فوش ہونے کے [illegible] ہو گئے تھے۔

ٹھیک ہی کہتا ہے مرد محنت مند اور کماؤ ہو۔ عورت کو اور چاہیے بھی کیا۔ کھاؤ اور گھر والی کو۔ کیا بیٹی کو ایسے گھر میں جانے کی جہاں گزر کی دکان کا قرضہ ہی چڑھا رہے۔ میں نے لبرو تو گھر میں۔ آئی ہوئی۔ بیٹی کو بھی آسانی سے [illegible] ہو سکے۔ بالو کی قسمت بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ بچے ہوئے تو بھیک مانگنے کے [illegible] نہیں کرے گے۔ آخر عورت کی [illegible] اس کی اولاد ہی ہوتی ہے۔ اور اگر وہ [illegible] ہو تو عورت کو کیا ملے اور چاہیے بھی کیا؟

نہ وہ بچوں اور مضافاتیوں کی [illegible] گاڑی کے اندر پھیل۔ بھی تھی اور اس کے ساتھ اس کے خیالات [illegible]

سے مسکرا رہا تھا۔

"پھر آپ کے درمیان کیا رشتہ ہے؟" وہ الجھی سی ہو گئی۔ وہ تو ایمرجنسی روم میں ساتھی نرسز کے ریمارکس "مشکوک" یا "قابلِ اعتراض" کے آری تھی جس کا وہ واحد کم و بیش پانچ سات منٹ کا تو ہو گا۔ (جس میں اس کے مقدر اور کل کی پوری طرح جانچ کا اختیار بھی کیا تھا۔ کہ اسے ایسے شوہر کے ہوتے ہوئے وہ زندگی سے بیزار ہو گی۔ جو اسے خود غرضی کے بھرپور طعنے دے کر بیمار ترین حالت میں داخل کراتا ہے۔

جو شخص اس لڑکی پر اتنا پیسہ برباد ہو جس کے بچنے کے امکانات کم ہوں۔ وہ عام حالات میں اس پر کتنا خرچ کرتا ہو گا۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس سے محبت کتنی شدید کرتا ہے۔ اور ہر حالت میں اسے وہ (کتنا مقدم رکھتا ہے)

"رشتہ (رشتہ دار) ہیں ہمدرد"۔ اس نے نرس کو جواب دیا۔ جو کچھ سوچ رہی تھی۔ "کیا اس وضاحت کے بعد میں چلے جانے کی اس کمرے میں آرام کرنے کی۔ میرا خیال ہے اب بھی بھتی ہی اولاد تو وہ اس کمرے میں"۔

"جی۔ جی۔ ایسا ہوتا تو نہیں مگر مجبوری ہے۔ آپ کئی گھنٹوں سے اسی طرح بیٹھے ہیں۔ آپ ایک دو گھنٹے وہاں آرام کر سکتے ہیں"۔ نرس نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے کہہ لی تھی۔

ذہن آزمائش و درد سے آزاد ہوا تو بہت تھکاوٹ محسوس ہونے لگی۔ اسے جاگتے ہوئے مسلسل چوبیس گھنٹے ہونے والے تھے۔ وہ جماہی لیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک نظر پھر نیم بے ہوش پر ڈالی اور اس طرف مڑ گیا جس طرف نرس نے اشارہ کیا تھا۔

ڈھونڈتی پھرتی ہے رشتہ ، جہاں میں ہمیں
زندگی ہم سے بچھڑ کر خود بھی پچھتائی بہت

آج عارف صاف ستھرے کپڑے پہنے بیٹھا بہت اہتمام سے کس پہ کس نگار رہا تھا وہ اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

"کہتے ہے کا کہا تھا لال خان نے؟" اس نے عارف کو مخاطب کیا۔

"آ ہی ہو گا۔ گھر والی کو بھیج کر بلا رہا ہوں؟"

"بھائی! ابھی میری ہمت نہیں پڑی۔ آج لال خان خود جا رہا ہے۔ سوچا تھا اس کے ساتھ اس سے ہاتھ بھجوا دوں گا آسان رہے گا"۔

"اور وہ جو لال خان کے سامنے" اکھاڑے" میں اتر آئی تو بے عزتی ہو گی یہ سوچا تم نے؟" اس نے چونک کر غلام عمر کی شکل دیکھی۔

"ارے آئی بھی ہے کام نہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ میں جو کر رہا ہوں کرنے دو۔ وہ دیکھو شاید لال خان ہی ہے"۔ اس کی نظر اونچے گیٹ میں داخل ہوتے لال خان پر پڑی۔

"ہاں وہی ہے۔ بلا رہا ہے لال خان کو۔" آئی کو اپنی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ [illegible] کو بلوانے کے لیے۔ کسی اور کی طرف سے پیغام وہ ان کی طرف سے [illegible] کو لے کر آیا تھا۔

"السلام علیکم"۔ لال خان نے قریب آ کر جھک کر عارف کا [illegible] کیا تھا۔

"وعلیکم السلام"۔ غلام عمر نے بھی دل "شفقت" سے جواب دیا تھا۔

"خیر خیریت تو ہے۔ یہ بلکہ" بے وقت" وہ بھی تھی"۔ اس نے چونک لال خان کے [illegible] کی طرف دیکھا۔ پہلی بار اکھاڑے کے باہر [illegible] کے ہاتھ سے [illegible] جیب میں احتیاط سے رکھتے۔

"اور کیا حال ہے؟" عارف نے آگے بڑھ کر گرمجوشی سے لال خان سے ہاتھ ملایا تھا۔

جانے والے کے آنکھوں میں دل اٹکتا ہے
یہ انتظار کے لمحے عجیب ہوتے ہیں!

"بھئی واہ! یہ شعر ہے"۔ لال خان کو بہت ساری شعر یاد آ گئی۔ تبھی [illegible] ہو گیا۔

"ارے آج ہی تو شعر و شاعری کا مزا ہے"۔ عارف نے جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "اب تو سوچ سمجھ کے [illegible] ہیں"۔ وہ مسکرایا اور دور سے کش لگایا۔

لال خان دوبارہ کی طرح شروع کر دیا۔ "بھئی کیا انتظام کیا ہے؟" عارف نے اٹھنے کی [illegible] کی۔

"باہر سوزوکی کھڑی ہے۔ گاڑی ہے اپنے بابا"۔ وہ غلام عمر کو بتانے کی غرض سے [illegible]

"کیوں نہیں ... کیوں نہیں ... سینہ لال خان ہے" کوئی معمولی چیز نہیں۔ چلو بھائی!" وہ غلام عمر کی طرف [illegible] ہو کے لئے بال رقم نے بڑا اختیار کیا تھا۔

ٹیلوں اور [illegible] گئے۔ جہاں نیلی سوزوکی کھڑی تھی۔ جس کے [illegible] کرنے پھیلوں نے اور ایک [illegible] نوجوان کھڑا تھا۔ ایک پچھلی دو [illegible] بوتلوں کی تھی لال خان اور عارف" آگے بیٹھے تھے۔ غلام عمر پیچھے تھا۔ اس قدر سامان دیکھ کر اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ پہلے دن یہ حال ہے تو بعد میں کیا ہو گا۔ نہ جانے کتنا سوزوکی میں چڑھاوے گا۔ فاقہ گھر والوں پر [illegible] بالآخر رات میں کھیلے گی۔ جب انسان کی ہر خواہش پوری ہو رہی ہو تو اسے فوش ہونے کے [illegible] ہو گئے تھے۔

ٹھیک ہی کہتا ہے مرد محنت مند اور کماؤ ہو۔ عورت کو اور چاہیے بھی کیا۔ کھاؤ اور گھر والی کو۔ کیا بیٹی کو ایسے گھر میں جانے کی جہاں گزر کی دکان کا قرضہ ہی چڑھا رہے۔ میں نے لبرو تو گھر میں۔ آئی ہوئی۔ بیٹی کو بھی آسانی سے [illegible] ہو سکے۔ بالو کی قسمت بہت اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ بچے ہوئے تو بھیک مانگنے کے [illegible] نہیں کرے گے۔ آخر عورت کی [illegible] اس کی اولاد ہی ہوتی ہے۔ اور اگر وہ [illegible] ہو تو عورت کو کیا ملے اور چاہیے بھی کیا؟

نہ وہ بچوں اور مضافاتیوں کی [illegible] گاڑی کے اندر پھیل۔ بھی تھی اور اس کے ساتھ اس کے خیالات [illegible]

وہ بھولی سی لڑکی سے گلی میں بھاگ رہی تھی کہ اچانک اس نے اپنے گھر کے دروازے پر ایک سوزوکی رکتے ہوئے دیکھی۔ بھائی کو خوش کرنے کی دھن میں سوزوکی پر جم گئیں۔ وہ آگے بیٹھے ہوئے آدمیوں کو دیکھ رہی تھی کہ پیچھے بیٹھے ہوئے ایک شخص پر نظر ٹک سی گئی۔

"ابا کو گاڑی چھوڑنے آئی ہے۔ اللہ خیر کرے"۔ وہ خوشی سے نڈھال سی ہو گئی۔

"ہاں۔ ہاں — ابا کو گاڑی چھوڑنے آئی ہے"۔ وہ بھاگ کر ماں کے پاس آئی جو بیٹھک کے پاس کھڑی دروازہ کھول رہی تھی۔ وہ منہ پر بھنبھناتی ہوئی مکھیوں کو اڑانا بھول گئی۔

"کیا کہہ رہی ہے"۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ لو وہ ابا آ گئے خود پوچھ لو"۔ غلام محمد ان کے قریب آ چکا تھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری"۔ وہ تشویش بھری نظروں سے خاوند کو دیکھ رہی تھی۔

"میری طبیعت ٹھیک ہے۔ مہمان آئے ہیں۔ چائے بنا لے اور کچھ لوٹے سے کچھ بنا لے"۔ اس نے جیب سے دو نوٹ نکال کر بیوی کو تھمایا۔

"کیا منگاؤں؟" وہ نوٹ لے کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔ کبھی اس گھر میں موسمی کی دال بھی اور عام آتی تھی۔ آج چائے کے لوازمات کے لئے سو کا نوٹ مل رہا تھا۔

"سوچ کیا رہی ہے۔ فٹافٹ کچھ لے اور جو تیری اپنی چاہے"۔ وہ دوبارہ باہر کار کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

ممتا جیتی ہے کہ مرتا ہے کی روایت بھی مل رہی تھی۔ وہ تعجب سے اس کی پشت پر دیکھنے لگی۔

"لگتا ہے کوئی خاص مہمان ہیں۔ شاید میرے ابا کا بیٹھ ہے۔" اس نے بالوں سے کہا" تو چائے نا میں خود لے آتی ہوں چیزیں۔ بچے کو تو بھی اتنی سیدھی پرانی دھرانی چیزیں پکڑا دیتے ہیں۔ ذرا سمجھدار تھا لائے"۔ وہ بچے سے دور پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے نوٹ لیتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔

جتنی دیر میں وہ نوٹ نکال کر لائی۔ اتنی دیر میں چھوٹوں اور مہمانوں کے نوکر سے اور عزیزت کی بوتلوں کی پیٹی اتر رہی تھی۔ وہ نوٹ ہاتھ میں پکڑے پکڑے بجائے ماں کی طرف جانے کے نوکروں کی طرف بڑھی۔

"اتنی ساری مٹھائی اماں!" اس نے نوکر کے سر پر پڑے اخبار کو تھوڑا سا سرکایا تھا"۔ پھر دوسرے نوکر کو دیکھنے لگی۔ حیرت آمیز خوشی اس کی آنکھوں سے چھلکنے لگی۔

"ہاں — ہاں تو نوٹ تو دے"۔ وہ بچی کی طرح خوش ہونے کی بجائے الجھ رہی تھی۔ جتنی دیر میں اس نے بڑھتے ہاتھ کو روکنے کا فیصلہ کرنے میں لیا تھا نوٹ نکل چکے تھے۔

وہ چائے بنانے کی نیت سے پھولے ہوئے باورچی خانے میں گھس گئی۔

تھوڑی دیر میں وہ ٹرے لئے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے پیچھے دو نوکر بھی ٹرے لئے داخل ہوئے۔ لال خان تو اس طرح بیٹھا تھا جیسے وہاں ان کا آنا جانا ہو۔ تھوڑی سی تھرہٹ اس کے چہرے سے صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" تھرمس کی طرف سے کپ بھرتے ہوئے پوچھا۔

[illegible]

"میں تمہارا تو نہیں ہوں۔ یہ غلام محمد بہت سیدھا آدمی ہے۔ پتہ نہیں اس کی گھر والی کیسی ہو"۔

"تو اس کی گھر والی کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ ہاں ابھی اور نئے والی گھر والی کا سوچ"۔ وہ اس کے شرارت سے مسکرایا۔ لال خان کو جیسے گدگدی سی ہونے لگی۔ وہ پہلے کے مقابلے میں اب [illegible]

"تمہارا اپنا گھر ہے بھائی گھر؟" مارلے نے ابروں اچکا کر سوال کے ساتھ خارج کیا۔

"ہاں اس پر چھپانے کا آسرا ہے"۔ اس نے نخوت بھرے انداز میں جواب دیا۔

لال خان گردن ادھر ادھر گھما کر جائزہ لینے لگا۔ سارے کمرے میں صاف ایک کھڑکی تھی۔ وہ بھی بند تھی۔

"یار — اس کی گھر والی مجھے دیکھے گی کس طرح؟ کہیں جا سے یہاں بلانے کا؟" اس نے سرگوشی کی۔

"صبر ہے بے صبری کیا"۔

خدا کے واسطے وہ اس جون شوق کی دنیا
کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

"یار — جنہوں نے دیکھا ہوا ان کے پاس ہزار راستے ہوتے ہیں۔ تم کیوں فکر کرتے ہو۔ آرام سے بیٹھو"۔ مارلے نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"تم نے گھر میں کچھ سامان تو ڈالا ہوتا۔ اتنے دن ہو گئے تمہیں کام کرتے ہوئے۔ اب بھی ہاتھ خالی ہے"۔ لال خان نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے گویا اپنی ناراضگی کا احساس دلانے کے انداز میں سوال کیا۔

"اللہ کا بڑا کرم ہے۔ بات یہ ہے کہ ترقی بہت تیز ہوا تھا۔ کتنے دن تو فرصت ہی نہ ملنے میں لگ گئے۔ پھر یہ سوچا کچھ نئے کپڑے بنوا لوں"۔

"اس کپڑے جوتے والے کی ضرورت نہیں۔ لال خان کے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ ہم تم سے ایک پیسہ نہیں لیں گے۔ غور سے سن لو"۔ مارلے نے ہاتھ ہوا میں لہرا کر جیسے شاہانہ انداز میں کہا اور ایک روپے کا نوٹ نکال کر سگریٹ کی راکھ بائیں طرف جھاڑ دی۔

"نکلی ہے تمہارے گھر میں؟"

"پچھلے گھر سے لی ہوئی ہے پچاس روپے بھیج دیتے ہیں"۔ غلام محمد نے جواب دیا۔

"اس تو تم بھلی طرح میں اپنے گھر بھلی لگوا لو۔ تمہاری ایک ہی بیٹی ہے۔ جیسے تم نے اس کا بتایا نہیں۔ اپنے گھر ٹھیک ہیں۔ لوگوں کا کام نکلنے پر منہ دیکھتے ہیں۔ مارلے نے پھر اپنا پروگرام پیش کر دیا۔

"ٹھیک ہی سوچ رہا تھا"۔ بولے "کوئی کے پاس بھاگ دوڑ کرنی پڑے گی اس میں"۔ اسے بتانے [illegible]

نواب آ لے گئے۔ جہاں اس کو چپا ایک بڑا تجربہ کار شخص خاندان اس کے سیف میں رنگ بدلنے کا ہنر سیکھ رہے تھے۔

وہ جانے کتنی دیر باتوں میں مصروف رہے تھی کہ کمرے کے باہر سے آواز آئی۔

"بابو کے ابا چائے لے جاؤ"۔

لال خان ایک دم سنبھل کر بیٹھا۔ عارف پر البتہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی طرح بیٹھا کچھ سوچتا رہا تھا۔

"کیا سوچنے لگے؟" لال خان نے اپنا چوڑا پھیلتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔

"کچھ نہیں ــــ یہ کہو اپنے صاحب کتاب آ گئے تھے"۔

"کیسے صاحب کتاب"۔ لال خان نے تعجب سے اسے دیکھا۔ اس کے تو عارف کے سامنے سارے معاملات "دس نمبر" تھے۔

"تمہیں نہیں بتا سکتے کہ کوئی فائدہ بھی نہیں"۔

آتی جاتی وہ راہ پہ غالب
کوئی دن اور بھی بیٹھے ہوتے

وہ ہنس دیا۔ "چائے پیو۔ ٹھنڈے تو رہتے ہاتھوں کی چائے ہے۔ جب گھر میں لڑکی جوان ہو تو عام طور پر چائے اچھی بنتی ہے"۔ عارف نے آنکھ ماری۔ لال خان چائے کو بغور سے دیکھنے لگا۔

وہ تھیں چائے پیش کر کے "ابھی آیا" کہہ کر کمرے سے باہر آ گیا۔

"ہم لوگی ماں!" اس نے آہستگی سے بیوی کو آواز دی۔

"ہوں"۔ وہ ذرا ایک کراہی۔ جانے کتنی خصوصی کی لہریں اس کے اندر کروٹیں لے رہی تھیں۔

"یہ جو مہمان آئے ہیں، جب یہ جانے لگیں تو آواز سے دیکھ لینا اچھی طرح"۔

"کہاں آیا؟" "کہہ گئے" "ہیں؟" وہ ہونق سی ہو کر اس کی شکل غور سے دیکھنے لگی۔

"بس کہہ رہا ہوں ماں میں"۔

"اچھا اچھا۔ بگڑتے کیوں ہو۔ دیکھ لوں گی ــــ اور اب تو ضرور دیکھوں گی۔ آخر ہے کیا ان میں دیکھنے کی بات"۔ وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتی ہوئی باورچی خانے کی طرف ہو گئی۔

وہ واپس کمرے میں چلا آیا۔

"بیوی سے کچھ بات کر کے آ رہا ہے"۔ عارف نے لال خان کو مخاطب کیا۔ "ابھی ملاء القاہان ہالوکی ماں کہہ کر"۔

لال خان مارے حیا اور خاکساری کے آگے کو جھک کر رہ گیا۔

"عارف بھائی! تم بھی ملاں صاحب کرتے ہو۔ بھلا۔ برے تو ذرا بھی نہیں اور میرا دل چاہتا ہے تمہیں بتا بتا کر دیکھوں"۔ اس نے سر کے اشارے سے عارف کو گہری نظروں سے دیکھا۔

"اچھا!" وہ ہنسا۔ "آج کل شاید یہ کھانسی کے خوف سے صرف مسکراہٹ پر ہی اکتفا ہو رہا تھا۔ اب کیا ہوں گے۔ ا

پڑتی بھی نہیں ہے۔ ہمارے وہ رشتہ کرنے والوں میں سے ہیں۔ اب ہم نہیں پہچانتا کیا ہے؟

کر رہا تھا غم جہاں کا حساب غالب
آج تم یاد بے حساب آئے

عارف نے بے یقینی سے لال خان کی سمت دیکھا۔ پھر شعر۔ عراس کے خاک بھی پلے نہیں پڑتے تھے۔

"کہہ رہے ہو تو کہا ہو۔ تم تو خیال جانتے ہی رہے ہو۔" اس نے لال خان کی طرف پیٹھ کر لی۔ وہ کچھ بولا۔ اس نے عارف کو بہت مضحکہ سا محسوس کیا۔

آج وہ بھی اس قابل ہے کہ کسی کو کچھ کہہ سکے۔ اس نے عارف کی سمت دیکھا۔ نگاہوں میں سوال لہرا رہا تھا۔ عارف کے لب آزاد۔ جدلی انتہائی فرحت سے دلیپ ڈوگرہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔

کمرے سے باہر "ہالوکی ماں" سے بیٹھی سے ان کے باہر آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

رانی پر ہلکے ہلکے ہوائی کی کیفیت طاری تھی۔ وہ صبح آنکھ کھلنے پر اسٹال میں دیوار ہوا تو ماں صاحب وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اسے گھر بھیج دیا تھا کہ آرام کر لے اور ضرورت محسوس ہوئی تو فون کر کے بلوا لیں گے۔ گلوکار کے ساتھ تھیں۔

رانی صبح جاگی ہے سے شام پانچ بجے تک تقریباً چار مرتبہ باتھ روم میں آئی تھی مگر صرف دو بار کپڑوں کے لئے۔ محسوس ہوتا تھا کہ اب وہ ہوش میں ہے۔

ماں صاحب نے چونکہ حکم دیا تھا کہ وہ نہ آئیں گے۔ اس لئے کوئی بھی باہر نہ جانے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔ ملازمہ کی گھڑی چونکہ نہیں بجی تھیں لہٰذا اب اس اندازے کی تشویش تو نہیں تھی جس طرح کی کل تھی۔ مگر اب وہ سوچ رہے تھے کہ اب تک "اری" کو کیوں نہیں بلوایا۔ تاری نے دو تین مرتبہ فون کیا تو گلوکار نے یہی جواب دیا۔ میم صاحب ہے ہوئے "فیل ویلفٹ" محسوس ہوئی۔ اسے روم میں انتظار کروایا گیا ہے۔ وہاں ماں صاحب موجود ہیں۔ وہ اس کے ہوش میں آنے کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔

وہ بیدار ہو کر غسل سے فارغ ہوا۔ پھر کپڑے پہنے منگوائی۔ جب سے وہ گھر آیا تھا، بے چینی سے مضطرب تھا۔ اتنا سارا نوٹ شاید وہ زندگی میں کبھی نہ ہوا ہوگا۔ "اور رانی بابا آپ نے یہاں پر تعمیل کر کے اگر کبھی اکٹھا کر کے تمام کا موقع تو دیا۔" وہ کپڑے پہنے میں اٹکا ہوا۔ لڑکیاں تو سب بیچ ہی تھیں۔ بے چاریوں کی آواز بھی قوال سے بند تھیں۔ اس لئے صورتحال کو ماں کا خیال ہی نہ ہوا تھا۔ مگر اب وہ گھر میں کوئی بے تکی نہیں۔

"ماں صاحب رانی سے کیا کہیں گے؟ کیا بات کریں گے۔ سب سے پہلے اس پر رحم ہوں گے۔ دلاسہ کریں گے۔ اب کوئی سلاک سا فیصلہ سنائیں گے؟" ایک لمحے کیلئے بھی اس کا ذہن رانی اور لال خان کے تصور سے ادھر ادھر نہیں ہوا تھا۔ ایک دم سے آواز آئی۔ جو سنتے ہی اس کی تکمیل بخش مصروفیت بن گئی۔

رانی کی اگلی منزل کون سی ہے؟" وہ لال خان کے نزدیک بیٹھا اس سے ہاں سب، شہر داروں علاقوں سے واقف تھا۔

"ساتھ تھی ہو" خاندانی" تھے۔ ان سے بھی ہمارا کسی قسم کے تعلق سے محروم تھے۔

ان کا تعلق تو ظاہر ہے" خاندانی" تھی ہوں گے کہ وہ اپنے کو زندگی بھر توقعات دیتے ہیں۔

"خان۔ ۔ ۔ سے خان کا ٹیلی فون آیا ہے۔ بلا رہے ہیں آپ کو۔ ہسپتال میں ہیں وہ لے لیجئے ہماری آپ کے۔" ہے سے مخاطب کیا گیا تھا۔

وہ کپ رکھ کر تیزی سے اپنے کمرے کے پیچھے آیا۔ یہاں ہوا حواس باختہ سی ہو رہی تھی۔

"کیا ہوا ہماری؟"

"آپ ۔ ۔ ۔ پوچھ لیا آپ نے پاپا صاحب سے؟"

"ان سے تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ ٹیلی نے فون اٹینڈ کیا تھا"۔

"آپ کیوں فکر مند ہو رہی ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گی۔ یہاں۔ ٹھیک ہیں اب"۔ اس نے تسلی دی۔

"پھر تمہیں کیوں بلایا ہے؟" وہ غالباً اس کے بلائے جانے پر فکر مند تھی۔

"یہ تو معمول کی کارروائی ہے۔ جہاں پاپا ہوتے ہیں وہاں میں ہوتا ہوں"۔ وہ مسکرایا۔

"ہماری"۔

"جی"۔

"تم یہ بتاؤ" پاپا صاحب کے ایکسپریشن کیا ہیں آج تم سے ہر بات کرتے ہیں۔ روٹین کی اس حرکت پر کچھ تو ہو۔ تمہیں تم سے بتانا ہوگا۔ پتا نہیں کیوں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے"۔ ہوا تو حویلی کی کم عمر ملازمتوں کی طبیب میں مبتلا تھی۔

"اوہ"۔ اسے ہوا کی پریشانی کی وجہ سمجھ آ گئی۔

"کچھ نہیں۔ وہ تو چپ ہیں"۔

"تم جھوٹ بول رہے ہیں۔ کچھ تو ضرور کہا ہوگا۔ پلیز ہاری۔ اتنی بڑی بات ہو گئی۔ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ کچھ نہ کہے ہوں۔ تم مجھے بتاؤ۔ میں کسی سے نہیں کہوں گی"۔

"کچھ بھی نہیں کہا ہوا۔ یہ پلیز یقین کریں"۔ اس نے بمشکل جان چھڑائی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ہوا اداسی طرح کھڑی تھی۔

"کتنا بے وقوفیوں میں ہوا پاپا سب سے زیادہ "خان" سے واقف ہیں"۔ اس نے گویا ہوا کو دلاسا دیا۔

اختر کو گاڑی نکالنے کا کہتے وقت اس نے کن انکھیوں سے اس سمت دیکھا جہاں ہوا بہت اداسی سے کیفیت میں کھڑی تھی۔

جب وہ ہسپتال پہنچے تو شام کی روشنی ہو چکی تھی۔ شور روشن ہو چکا تھا۔ وہ تیزی سے اس کمرے کی طرف آیا جہاں روشنی کی موجودگی کا یقین تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو روشنی کمرے میں نہ تھی۔ وہ چند لمحے اندھیرے کو گھور رہی تھی۔ آہٹ پر اس نے نظریں اٹھا

وہ ہاری پر نظر پڑتے ہی اس نے دوسری طرف کروٹ لے لی۔

"جی زندگی ہے بارک ہو"۔ اس کا لہجہ اداس تھا۔ "اختر" سے ہسپتال میں ہوا ہوں ہوں ہوں

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

بابا صاحب کے چہرے پر نہ خفگی تھی اور شاید بے بسی بھی... مایوسی اور اداسی میں بہرحال بہت فرق ہوتا ہے۔ سوچنے کی حد تک ہر شے امکان و اختیار میں ہوتی ہے۔

مگر فیصلہ کن لمحات اس لیے نہیں کہ کر گزرنا ہی سب کچھ ہے۔

بعض اوقات ایک لمحے میں انحصار کل ٹھہرا دیا جاتا ہے۔

"مگر اس انحصار پہ" میں جانے کتنی لیٹریچر، کتنی تھیسس، بھینٹ چڑھی ہوں گی۔

اس طرح کے سو کیس "انحصار پہ" ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہونے کے بعد ان کا حاصل، راکھ کا ڈھیر ہوتا ہے اور قبر راکھ ہونے کی ایک سستی پیشگوئی۔

اور جس شخص نے کئی بار "زرکوب کے ڈھیر" کی کہانی کی ہو... ہوتا آدمی کی بیشمار زبانوں سے جنم لیتا ہوا سو گنا بے پر ہو۔

اسے اس طرح "ہونا" سوا کرتے ہوئے بہت سوچنا ہوتا ہے۔

بابا اپنی جگہ سے ایک انچ [illegible] ہوئے۔ [illegible]

"بیٹھ جاؤ بابا" بابا صاحب نے حکم [illegible]

...حقیقت ان کی [illegible] کے دوسرے پہلو کو اجاگر نہیں کرتا۔ اسی لمحے اس نے کاؤں بوائے کے انداز میں

"Get out with in movment" کہا۔

"میں باہر بیٹھ جاؤں جان" روشی نے پوچھا۔ اس نے اپنی صاف ستھرائی سے محظوظ ہوتے ہوئے۔

"نہیں تم یہیں بیٹھو ہم یہیں ہیں، ابھی تم ہو" اس نے تسلی دلاسے میں کہی کہ روشی کے چہرے پر کچھ اطمینان کی لکیر سی کھنچ گئی۔

وہ چارپائی کی طرف بڑھ گیا۔

روشی اتنی دیر میں سنبھل چکی تھی۔ اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے کے آثار نہیں تھے۔

"فریڈی گئی ہو، بہرحال مقابلہ شروع ہونے سے پہلے ہم تم سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کریں گے۔ تم اس مقابلہ میں حصہ لینے کے لیے آزاد ہو"۔

روشی کا سوشی سے لگاؤ سمجھ میں آنے والی بات تھی۔

"بابا کی بیٹی ہونے کا فخر ہے؟" بابا کے بیٹے کامران بابا صاحب سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں بیٹا"

"ہم کچھ پوچھ سکتے ہیں؟" ان کی بڑی بہن کی سنجیدگی کا سوال تھا۔

"یہ کیسی بات ہوئی آپ سب کے ساتھ ہے ایسے نہیں کہہ رہا ہوں" بابا کے سامنے بیٹھی ہوئی ان تینوں سے اس کی نظریں چمک پڑیں۔ آنسوؤں پر قابو پانے کی خاطر ہونٹ کاٹنے لگی۔ مگر چند قطرے رخساروں پر لڑھک آئے تھے۔

بابا صاحب نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"تم اکیلی نہیں ہو، تمہارے پاس بے شمار ایسے لوگوں کے وجود ہیں جن سے دل کی بات کہی جا سکتی ہے۔ کسی کا انتظار لیو" معمول طور پر نرم تھا۔

"مگر فادر..." روشی کے منہ سے بابا کو سب کچھ بے ساختہ نکل گیا تھا۔ بابا کو ایسا محسوس ہوا جیسے طوفان قریب آ گیا۔ اس نے سٹپٹا کر روشی کی سمت دیکھا تھا۔ جس کے رخساروں پر آنسو چمک رہے تھے مگر ایک عجیب سی خود سپردگی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

"بابا ہم گھر جا رہے ہیں آرام کر لیجئے تم بیٹھو ہم اس سے کسی بڑی کو بھیجتے ہیں۔ پھر ہم گھر جائیں گے۔"

"میں آپ کے ساتھ ہی چلتا ہوں جان" اس نے غلط سے سرخ پڑتے بابا صاحب کو بغور دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

روشی کانپتی جا رہا رکھا کہ اس پر کھیلے بار نے "ٹھیک ہے" میں اسے جانے کو کہہ دیں گے مگر کہیں اس کے دل میں اتنی کمی آ گئی تھی کہ یہ بھول بیٹھے تھے [illegible] قیامت کی حقیقت پر بیٹھے [illegible] بھرا حال پوچھے [illegible] بھری حال ہوئی کر [illegible] کہا شاید اس کے نزدیک اتنی اہمیت بھی نہیں رکھتی کہ وہ بیٹھ کر اس سے بات کرتا چاہتے کہ اچانک بابا صاحب نے [illegible] جلدی سے [illegible] ہلانے کی۔

اس نے جھک کر ہادی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

"تمہیں تو فوراً یہاں ایک بیٹھ اس کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ فکر نہ کرو تمہارے یہاں تک کسی کو پیچھے نہیں آنے دیا جائے گا۔" وہ واپسی کی طرف سے مشورہ دے رہی تھی۔ ہادی کا چہرہ بے تاثر تھا۔

ہادی وہاں سے ہٹ گیا۔

"یہ تم سے عمر میں خاصا بڑا ہے، یاد رکھا کرو۔"

وہ فنگ زدہ سا اس کی طرف دیکھے بغیر کرسی سے اٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گیا۔ وہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھی وائلٹ میگزین رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک میگزین اٹھا کر تقریباً آنکھوں سے لگا لیا۔

"تم کیوں آئے کراچی؟" اس نے پوچھا تھا۔

"کیا کیا ہوں" اس نے میگزین کی اوٹ سے ہی جواب دیا۔

"تم کیسے آدمی ہو، تم سے کام کیسے کر لیتے ہو جو کرنے کا دل نہیں چاہتا ہے؟" اس کا حرف حرف سلگ رہا تھا۔

"آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں اپنے معمولات زندگی سے خوش نہیں ہوں۔ میرا ان میں پلا ہے، مجھے خان کا خان کے بیٹوں کا خیال رکھنا اچھا لگتا ہے۔ اس لئے کہ میں ان سے کسی قسم کا خونی رشتہ نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود مجھے ہوس سنبھالے کے بعد سے اب تک اس خاندان کی جو خدمت کی ہے، اس کے قرض اتارے نہیں اتریں گے۔"

"ہونہہ، تمہاری خدائی اور تابعداری کے تقبل ہے یہ سب۔ ذرا کسی دن اپنی بات پر زور دے کر دیکھنا، پھر دیکھنا ان لوگوں کی محبت۔" وہ زہر بھری مسکراہٹ سے گویا ہوئی۔

"جن لوگوں نے بچپن سے میرا خیال رکھا، مجھے بہترین تعلیم دلوائی، میں ان سے بغاوت کر دوں؟ اور کیوں؟ وہ میرے ساتھ اچھے تھے، مجھے ان کے ساتھ اچھا ہونا چاہیے۔ آپ میرے بارے میں زیادہ نہ سوچیں آپ کی صحت کیلئے ٹھیک نہیں ہے۔"

اس نے میگزین ایک ہاتھ میں تھام کر کرسی پیچھے سے اٹھائی اور دروازے کے پاس رکھ کر بیٹھ گیا۔

"تم اتنے خود پسند کیوں ہو؟" وہ چیخ کر بولی۔

"میں ——؟" ہادی نے بات کاٹ کر جملے کے بولنے کے بعد پہلی بار نظر اٹھا کر اس کی شکل دیکھی۔

"اچھی خبر ہے۔" وہ مسکرا کر میگزین ——— اپنی آنکھ سے لگانے لگا۔

"تمہیں غصہ کیوں نہیں آتا؟" اس کی جان جل گئی تھی ہادی کی مسکراہٹ دیکھ کر۔

"آتا تھا، پر آپ نے روک لیا تھا۔" اس کا لہجہ ان قابل دید تھا۔

وہ بری طرح تپ گئی۔ پاس پڑا جوتا پوری قوت سے کھینچ مارا اس نے ہادی کی طرف پوری قوت سے پھینکا۔

"ہونہہ، اتنا مارے غصے کی وجہ سے منہ ہو جا کر۔" اس نے پوری قوت سے کہہ کر منہ پھیر لیا۔

"لہذا کراچی ہوں۔" وہ میگزین میں سے ایک نیا لفظ سیکھنے والے انداز میں دیکھتے ہوئے

وہ اسے تکتا گیا دیکھا۔ اس کے لیے اجنبی اور لاتعلق بنے شدت میں اور حقیقت بہت بڑھ گئی تھی۔

"تم فوراً ہی بہت خوش ہو رہے ہو گے۔ کہ چلو جان چھوٹی۔" وہ جانے کیوں اس سے لڑنے لگی تھی۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا؟" اس نے لاپرواہی سے پوچھا تھا۔

"ہونہہ، اتنا مجھ پر فریفتہ، مجھ کر بات کیوں نہیں کرتے؟ بد تمیز، بد تہذیب ہو۔" اسے بہت زیادہ غصہ آ رہا تھا اس کی بے نیازی پر۔

"ریلیکس، آپ دل برا نہ کیجئے۔ آپ کی فکل تو خاصی اچھی ہے۔ شاید اس وجہ سے آپ ایکسٹرا آرڈینری کا فیلنگز ہیں۔" اس نے مسکرا کر میگزین بند کر دیا اور بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میں نے تو نہ جانے کب سے آئینہ بھی نہیں دیکھا۔ اب تو چہرا رس رہی ہو گی۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"بری نہیں رہی۔ بلکہ آپ نے زمانے کیلئے زہر اگا تھا۔ شاید آپ کم علم ہیں۔ اسلام کے مطابق خودکشی کرنے والا سیدھا جہنم میں جاتا ہے۔ شکر کیجئے یوں مستقل قسم کی بہت ہو گئی۔ لگتا ہے گولی آئی نہیں گی۔ پتہ نہیں کب پہنچیں گی؟" اس نے بہت واہیات پیرائے میں کہا تھا۔

"جاؤ، باہر لان میں بیٹھ جاؤ، مجھ پر احسان کرنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ بگڑ کر بولی اور سیدھی لیٹ گئی۔ آنکھوں پر بازو رکھ کر۔ اعصاب اعصاب پر آستین جھٹکنے کی وجہ سے الٹ گئی۔ وہ دھیما سا وہ ہنس دیا۔ اس پر ایک گھڑا سا غم عجیب سا جادو کر رہا تھا۔

ہادی نے نظریں چرا کر کمرے میں دیکھنا شروع کر دیا۔ کمرے میں کچھ بھی خاص نہیں تھا۔

وہ سائیڈ ٹیبل سے دوائیاں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"فیور بھی ہے آپ کو؟" وہ اس کی طرف قدرے جھک کر دیکھ رہا تھا۔

"جہنم میں جا رہے ہو میرے ساتھ، فیور بھی کیوں نہیں ہو گا؟" وہ تلخ کر بولی۔ انداز بدستور تھا۔

"کیوں بھڑک رہا ہے جہنم، کوئی وجہ بھی تو ہو؟" وہ قدرے سنجیدہ تھا۔

"کاش وہ لمحوں اس وقت صفائی کرنے نہ پہنچتی۔ کچھ آدھا گھنٹہ اور گزر جاتا۔ میری تو دعا میں بھی اثر نہیں کہ میں یہ دعا کر کے ہی پرسکون ہو جاؤں اللہ کرے میں مر جاؤں۔" وہ سسک گئی۔

"ہاں تو خیر ہے علی نہیں۔ باپ سے بھی دور کہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے پاپا کو اطلاع نہ دی ہو گی کہ میں مر رہی ہوں۔"

ہادی نے چونک کر اس کی صورت دیکھا، مگر خاموش رہا۔

"اللہ کرے مجھے موت سب سے زیادہ میرے ——— اور سکون اور خوشی مجھے ان کا چہرہ دیکھ کر ہوتی ہے، وہ کسی اور کا دیکھ کر تو نہیں ہو گی۔ ہادی میں پاپا کو کیسے بتاؤں کہ میں ان سے بے پناہ محبت کرتی ہوں۔ وہ اتنے پتھر دل ہیں؟" وہ رو دی تھی۔

"یہ بات کوئی تاسے کی ہوئی ہیں یہ تو فطری رشتہ ہے وہ آپ کے والد ہیں۔ ان سے محبت آپ کے خون کا تقاضا ہے، ہی آپ کو دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں"۔

"مجھے یقین نہیں ہے"۔ وہ تلخی سے تیزی سے اس کی بات کاٹ گئی۔

"کیوں؟" ہادی نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ تو بہت عالم فاضل آدمی ہیں۔ وہ یہ یقین کیوں کر سے اندر نہیں اتار سکتے کہ وہ مجھے بہت پیار کرتے ہیں۔ مجھے بیٹا بیٹی دنیا میں سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اس لئے کہ میں ان کی بیٹی ہوں"۔

"محبت کا بھلا علم یا فلسفہ سے کیا تعلق' محبت تو محسوس ہوتی ہے اکثر محبت والی طرح اس کے لئے بھی محبت کرتی"۔ ہادی نے سمجھایا۔

"یہ تو ایک اصولی گفتگو ہے۔ جیسے ماں کو اولاد سے جو محبت ہوتی ہے اس کی وجہ محبت کے ہارمونز کی وہ چھپی ہوئی میں پائی جذبہ ہو جاتا ہے۔ یہ بھی اپنے اصل کھانے سے بڑھ کر کرتی ہے اور اپنے جوف یعنی کی رحم میں جذب ہو جاتی ہے۔ کیا ہم آپکے اور میں ہوئی دوستانہ رشتوں میں کیونکہ ہم میں فطری ہوتی ہے اس لئے محبت ان رشتوں میں درحقیقت موجود ہوتی ہے"۔

"تمہیں اتنی سمجھ ہے محبت کی"۔ وہ تلخی کی آنکھوں میں بلا کی حیرت تھی۔

"کوشش کر رہا تھا" آپ کو یقین دلانے کہ یقیناً آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں"۔ وہ نرمی سے مسکرا کر انداز میں مسکرا دیا۔

"اچھا اگر تم سے کوئی کہے کہ محبت کی تعریف ایک جملے میں کرو تو کیا تم کر سکو گے۔؟" وہ کچھ عجیب سوال تھی بچے کے سے تھے۔

"ہی ہاں کر سکتا ہوں' یعنی اس طرح کہوں گا' محبت ایک لمبا چوڑا جملہ ہے' جس کو سمجھانے کی کوشش کرنا بھی عظیم کوشش ہے"۔

"بہت مشکل جملہ ہے"۔ اس نے حیرت کا دونوں ہاتھوں کا کھیا اپنے سر کے نیچے رکھ لیا۔

"محبت عبادت کی خواہش سے مشکل ہے"۔ وہ تلخی کے حیرت سے بے ساختہ بول گیا۔

"مجھے علم ہے' اچھا اپنا سنائے"۔ اس نے متحیر ہوتے ہوئے کہا۔

"لیجیے بولیں ہادی تو تمہیں بہت مس کر رہی ہوگی؟" اسے یکدم یاد آ گیا۔

"ہاں یہ ہے"۔ اس نے کھل جھینگ سے جواب دیا۔

"کیا تم کبھی وقت اس کے بارے میں سوچتے ہو؟"

"وقت تو مجھے اب اچھا ہوتا ہوں' ہادی کے ساتھ گزرا ہوا وقت"۔ ہادی نے کھل جھینگ سے بات کا جواب دینے کی قسم تھی۔

"اب ایک بات بتاؤ کیا ہوا ہے؟" ہادی نے سنجیدگی سے سوال کرتے ہوئے کہا۔

ہادی کا دل چاہا کہ اٹھ... وہ اس سے اپنی کہی ہوئی بات کرتا تھا۔ وہ اس سے اپنی کہی ہوئی تھی واپس لینا چاہتا تھا۔ "لیے ہاں وہ اپنے کسی کی وجہ سے دل ہوتی ہے' آپ کو کیا کیوں ہوا ہوتی ہے؟ آپ نے تو اسے بلکہ بھی نہیں ہے"۔ اس نے کہا فرق پڑتا ہے' تم نے تو ہی ہر کر دیکھا ہے ہیں"۔ وہ گھبرا کے سے بولا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' وہ تم مجھے' میں سے آپ کو فون دوں"۔ جانے کیوں ہادی کو اس پر ترس آ گیا۔

"میرے پاس کوئی ایسی بات نہیں' جو مجھے خوشی دے"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"تاہے تھا آپ کے کس کام آ سکتا ہوں"۔ ہادی کو اس کی بات پر یقین ہو گیا کہ وہ واقعی آسیب زدہ ہے۔

"تم میرے کسی کام کے نہیں ہو"۔ اس نے ہادی کی طرف سے کروٹ لے لی۔ اس کی سوں سوں سے صاف لگا رہا تھا۔ ہادی تھی۔

"اب تو وہ چلی ہے ناں' صبح آپ اس تجربے کو مکمل کر لے' پھر تھی تو نہیں ہو گی؟"

وہ چپ رہی۔

(کاش میرے پاس ہوتا' بڑھ بڑھ کر خوشیاں اکٹھی کرتا اور تمہارے غموں میں اسیر کر دیتا)

"مرض ہے تمہارا' میرا کوئی دوست نہیں ہے تم پر"۔ وہ کھسیانی ہو کر کہہ رہی تھی۔

"اچھا ایک بات تو بتائیں' زیر کیوں کھایا تھا؟" وہ اس کے سنتے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا مجھے کیوں کھایا تھا"۔ وہ چونک کر ہادی کی طرف دیکھنے لگی۔

"اتنی زہر سے خوش بھی مجھے مر نہیں ہو سکتی"۔ وہ ہنس دیا۔

اسی دوران باتھ میں گلوکوز کی بوتل لئے اندر داخل ہوئی۔ ہادی کو دیکھ کر مسکرائی اور وش کیا۔

"آپ کب آئے سر؟" وہ ہاتھ سینے پر ملاتے لگی۔

"کافی دیر ہو گئی"۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"آپ واقعی بہت پریشان تھے۔ رات آپ کمشنر ہاؤس میں تھا۔ بے میں وہاں سے کال کی تھی' آپ کو پتا تھا۔ آپ بہت اچھے ہیں"۔ وہ ہاتھ لگا کر قریب بیٹھنے لگی۔

"لیبر بلڈ چیک کرانے' لیبر بلڈ ہو گیا تھا' اس لئے آپ بتانا بھی تھی"۔ وہ ہادی کو بتا رہی تھی۔

"اور گلوکوز میں کیوں ہے؟ میرا تو ہادی ہو چکا ہے"۔ وہ بے زاری سے بولی۔

"یہ ضروری ہے بیٹی" اس نے قہر بھری نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ اور اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر جما کر گھڑی ہو گئی۔

"آپ نے بتایا تھا کہ مجھے مس کال ہیلپ گف ہو گئی تھی۔ یہ کیل نہیں ہے' ہاتھ ہیں۔ وہ اصل اس نے بات کہہ سے کہا تھا کہ ہو کر آؤ آپ کا کوئی بچہ ہے؟ اسے خوشی ہوئی کہ کیل کا بچہ دیکھنے کا بڑا تجسس رہتا ہے"۔ وہ ہنس رہی تھی۔

الجھن تھی۔ وہ دونوں پر مسکراہٹ تھی۔

"ہوا یوں کہ ہم گزر رہے تھے تو آپ کی چیخ سنائی دی۔ آپ کی مدد کو آ گئے۔ [illegible] کہ آپ کو کوئی مدد کی ضرورت ہو۔ کیوں سر؟" میں نے ہاشم سے پوچھا۔ "آپ کو کوئی مدد کی ضرورت تو نہیں؟"

"نہیں۔ ہم ٹھیک ہیں۔" ہاشم نے کہا۔

وہ بہت پُرسکون تھا اس کی آواز سے [illegible]

"آپ لوگ ناشتے پر آ رہے ہیں۔ آپ کس کے ساتھ کون سے ناشتہ کرنا پسند کریں گے۔" وہ ہنستے ہوئے پوچھنے لگی۔ اس کی شوخ طبیعت ظاہر ہو رہی تھی۔

"ہمیں ان کی بہن کا انتظار ہے۔" ہاشم نے جواب دیا۔ "آپ نے ان کو دیکھا ہے؟" اس کی آواز میں تشویش تھی۔

وہ بھی گھبرا گئی تھا۔ شرارت سے کہہ رہا تھا۔ وہ گھبرا گئی۔ "کون سی بہن؟" وہ ہکلانے لگی۔

"میں نے پہلے کہا تھا نا کہ ایک لڑکی ہے۔" وہ ان باتوں کے دوران ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔

ہاشم کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ "کیا کریں گی آپ اس کا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"بتائیں گے۔ ابھی نہیں۔" وہ مسکرا دیا۔

"آپ کو ان کا حلیہ بتانا ہوگا۔" وہ ہنس دی۔ "ورنہ ہم کیسے ڈھونڈیں گے؟" وہ مسکرا رہا تھا۔

"اب آپ کو کیا بتائیں۔ آپ کیوں نہیں دیکھ لیتیں۔" وہ ہنسی۔ "کیا کرنا ہے دیکھ کر؟" وہ کچھ سمجھی نہیں تھی۔

"صبح کہہ رہی تھیں نا کہ ناشتے پر آئیں گی۔ آپ کو دیکھ لیں گی۔" وہ ہنسی۔ "ٹھیک ہے۔ آپ کی مرضی۔" وہ اس کی پیشکش کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ پھر مسکرا کر اس نے ہاشم کی طرف دیکھا۔

"ہوں۔" وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے تھا۔

"ویسے میں آپ کو یہ مشورہ دوں گی۔" وہ ہنسی۔ "آپ کو ہونے والی بیوی کی ضرورت ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔ اس کی شرارت پر ہاشم مسکرا دیا تھا۔

"مشورہ اچھا ہے۔ [illegible]" اس کا اعتماد بحال تھا۔

"ہونے والی سے پہلے آپ نے سیاحت کا انتظام کرنے کے لیے ہونے والی کا شکریہ ادا کرنا ہے۔"

"اچھا ہے۔" وہ ہنسا تھا۔

وہ ہنس دی۔

ہاشم بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ معلومات کے بعد اس قسم کی گفتگو کی گنجائش نہ ہو جاتی ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔

"کس کا پتہ؟" قمر ابھی تک حیران ہونے کے باعث ہاشم کی بولنے سے باز رہی تھی۔

"کسی کا نہیں۔" ہاشم جلدی سے بول پڑا۔

نرس نے قمر ابھی تک اس کے حلقے سے نکال کر وہیل چیئر کی طرف کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

"ڈیڈ کا نمبر بتا دیں ہاشم۔ ان کو ابھی اطلاع دینی ہے۔ ان کو بھی فکر ہو رہی ہوگی۔"

اس نے ایک انجکشن لگا کر ہاشم کی ہتھیلی پر انجکشن کی سوئی کا ٹانکا لگا کر روئی سے لگا کر ٹیپ لگانے لگی۔

"پلیز ڈاکٹر آپ یہاں آ جائیے۔" اس نے ہاشم کو بلایا۔

وہ ہنستا ہوا سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر نرس کے نزدیک چلا آیا۔

"جی۔"

"ایک ٹوکن کی رگ ہلے کہاں غائب ہو جاتی ہے۔ یہاں سے ذرا زور سے لیجیے۔" اس نے روئی کے ٹانکے پر ایک بار پھر نشاندہی کی۔

ہاشم نے اپنا سنجیدہ تاثر برقرار رکھا ہوا تھا۔ وہ ہنسا۔

روئی نے ٹیپ کرا کر ہاشم کی گرفت سے چھڑایا۔

"رگ ڈھونڈ رہے ہیں آپ لوگ یا نیل کے کنویں؟" وہ ہنسی۔ قمر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ موصوف سرنگیں گھوڑے کا کاٹ کرتے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ سنار کا کام لوہار کے حوالے کر دیا۔" وہ اپنا ٹانکا سمیٹنے لگی۔

نرس بیلس جس کرنے میں مصروف ہو گئی۔

ہاشم ابھی بے ساختہ مسکرا رہا تھا۔

"ہو گئی؟" نرس نے بمشکل اپنی ہنسی کنٹرول کی۔

"اچھا ڈاکٹر آرام سے۔" اس نے ہاشم کو بیڈ پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

وہ بیٹھ گیا اور بہت محتاط ہو کر اس کا بازو تھام لیا۔

اس کے ہلکے ہونے لب سے زندگی کی حرارت جیسے روئی کے جسم و جان میں اتر گئی۔

اس نے چھوا تو زندگی کا احساس ہوا۔ ہم خیال تو سراسر آسودگی ہیں۔ ہاشم اور اس کی دنیا میں کیسی زندگی کی موجودگی کا یقین ہے۔ ایک لمحے یا لمحات آنکھ بند کیے خواہ مخواہ فکر کے سائے رہے۔ خواب اور خیال کا فاصلہ رہتا ہے۔ جسے چھو لیا اس کے ہونے کا یقین ہو گیا۔

"میں نے آنکھیں بند کیں۔ اسے اس تک ہونا تھا۔" نرس نے سوئی کب اس کی رگ میں اتار دی۔

اپنے بازو پر ہاشم کا ہاتھ ہٹنے کے احساس سے اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ کھڑا ہوا تھا۔

"سوا کیا ہوا؟"

"بالکل بھی اچھی نہیں ہیں تمہاری ماموں' ہر کسی سے بے وجہ الجھ جاتے ہیں' اتی کی موت میں ان کی بے تحاشا کی بے تکلفی؟" وہ بڑبڑاتے ہوئے بولی۔

"وجہ بیار کا مطلب جانتی ہیں آپ ؟" اس کا قہقہہ بلند ہوا۔

"جاہل ہوں' ایک تو ہی عالم فاضل ہو ہو ہو اور ہاں منوا"

وجہ تم سے وہ ناراض تھا" کھوکھلی قہقہوں میں روبی' ہیبہ' زری اور عشنہ شامل ہوئیں۔ اس کی بات سنتی ہی

گئی۔

"یا اللہ تیرے لاکھ لاکھ شکر ہے' ہم لوگوں کو زوار ہو گئی۔ جیسے ہی یہ پتا چلا کہ تم مکمل ہوش میں ہو تو بس ہم سب نے فاتحہ میں بخشوانے کے لئے پڑھ لیے"۔

گھر اس سے لپٹنے کے لئے بڑھے سے آگے بڑھی تھیں مگر وہ سب کی بچکانہ حرکتوں پر رک گئیں' پھر بڑے سکون سے آگے بڑھیں اور جھک کر اس کے ضماروں کو چوما۔

"بس بیٹا سے اللہ جانا' پاپی تو بہت سخت کہاں گی' بی اماں تو بہت خوش قسمت ہے ناراض ہونے والے کو منانے والے بھی بہت کم ہیں"۔

"انسان کو اتنا خود ان بھی نہیں ہونا چاہیے کہ آس پاس رہنے والوں کی زندگی بھی عذاب ہو جائے" عشنہ بڑبڑاتے ہوئے بولی۔ اپنے حساب سے انہوں نے "نصیحت" کی تھی۔

زری نے آنکھوں آنکھوں میں عشنہ کو مخاطب کیا۔

"یہ آپ سب کی سب اندر آ گئیں تھیں؟" باری نے ان سب کو دلچسپی سے دیکھا۔

"سب کہاں ہیں؟ چار آئے ہیں یہ تو ہ وہ آئے تو گھر پر ہیں"۔ موحد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آپ سے درخواست ہے' آپ زندگی میں کبھی "سوانحیات" پر نظر کرم مت فرمائیے گا"۔ اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر درخواست کی۔

موحد نے بڑی سادگی سے مسکرا دی۔ جب کہ عشنہ نے خاصے تعجب سے باری کا جانزہ لیا تھا۔

"کیا ہوا کچھ کیا خرچ نے" کھوکھلی کے نزدیک بیٹھ کر بہت پیار سے اسے دیکھنے لگیں۔

"جب بیٹا اس نے تمہیں" انہوں نے باری سے استفسار کیا۔

"میں ان کا نام نہیں لوں گا" وہ ہاتھ کھڑا ہوا۔

"تو بتانے میں کیا حرج ہے' عشنہ نے باری کی بات کاٹ دی تھی۔

باری نے غصے سے چونک کر عشنہ کی سمت دیکھا۔ کیا "اسے" بھی مذاق میں غلط کیا جا سکتا ہے اگر یہ ہوا تو بتانا چاہیے۔ اس سے بہت زیادہ عشنہ کا تقاضا تھا۔

"تب ہی تو گاڑی میں بیٹھا آپ لوگ "اس" کی درخواست کے بعد بھی مذاق سے باز نہیں آئے تھے"۔

"باری!" عشنہ نے آواز دی۔

"جی!" باری نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ "پچھلی سیٹ پر سو رہا ہے"۔

"جی!" اس نے اپنی تائب دماغی پر تاسف کیا۔

"گاڑی میں تو گیسٹ پلیئر ہے' اسے کیوں اٹھانے لے جا رہے ہو؟" وہ غریب سی ہنسی۔

"وہ بیمار نہیں ہے' روبی بی بی کا ہے' بھول گیا تھا گاڑی میں۔ وہ بیمار سے بچتے ہوئے لے جا رہا تھا۔ باہل میں اسے بہت واہ واہ خاندانی محسوس کرتا ہے"۔

"اوہ!" وہ اس طرح ہو گئیں جیسے ان کا کوئی خاص مطلب نہیں نکلا ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔

روبی کے کان کھڑے ہو گئے تھے وہ اک ٹین کے کارپر۔ وہ بہت حیرانی سے باری کی سمت دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"سب لڑکی کے جتنی جلدی ہو سکے ہاتھ پیلے کرنا چاہتے ہیں"۔ بیٹے سو گئے تو اس نے احتیاطاً موضوع چھیڑا۔

"پہلی تو تمہارے کل کی ہوائی آج ہو جائے اس کی ذمہ داری پر کوئی فاتحہ تو ہو آئے"۔ اس کی بات پر وہ اپنے بیٹے میں سوئے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"یہ آج پیروں صفائی لے کر آئے تھے۔ شاید آئے ہیں کسی کا؟" اس کے ذہن میں مغرب کے وقت سے سوال کلبلا رہا تھا۔ وہ کھوج گئی تھی کہ خاندان نے یہ وضو کیوں بھیجا ہے۔

"دیکھا تو تھا تو نے وہ جو لال کپڑوں میں تھا"۔ نظام بھر نے استفسار کیا۔

"آپ لڑکے کا رشتہ لایا تھا۔ کیا کرتا ہے اس کا لڑکا؟ خود تو اس عمر میں بھی بڑا اٹھا اٹھا پھرتا ہے"۔ بڑی خیر نظر تھی اس کی گھر والی کی۔

"اس کا کوئی لڑکا وڑکا نہیں ہے"۔

"بھائی ہو گا؟" اس کی بیوی نے بات کاٹ دی۔

"وہ فوت کر گیا ہے"۔ اس نے دبے لہجے میں بتایا۔

"تو اس میں ہوا کیا قصور؟" وہ بھنک کر بولی۔

"بچے والا بہت ہے ۔۔۔" اس کی آواز ڈوب کر رہ گئی۔

"اور عشنہ کیا تھا؟" وہ ہنس کر بولی۔

وہ خاموش رہا۔

"تو ہاں نہیں آئی تمہیں۔ ایسی کیا عمر گزر رہی ہے اس کی آوارہ گرد کے ساتھ اب کہاں میری بھول بی بی اور کہاں وہ" اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔

آہستہ بولو، بچے سو رہے ہیں"۔ نوشی کے لہجے میں مطلق تحکم تھا اس لئے وہ بے بس تھی۔

"اس کی عمر کیسے معلوم کرنے کی کیا ضرورت کی کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ کہہ رہا تھا اس سے کہ تو عمر بتا دے گا۔ کرنے کرانے کی باتیں کرتا رہا"۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی زیادہ بولنے لگی۔

"عورت مرد سے پیسہ لیتا ہے تو بھاؤ تاؤ بھی کرتا ہے کوئی غریب اور ضرورت مند ہی لیتا ہے۔ ہماری لڑکی تم پیسے کا لالچ دیتے ہو۔ آتی ہے نیچی بھی اسی عذاب میں زندگی گزارنے آئے سے بیٹھے بیٹھے بھوکی مر جائے گی۔ نیچی کی ماں کھانوں سے مارا کرے گی۔ آج میں تمہارے ہاتھ پر پیسے رکھتا ہوں تو بھی محلے میں چرچا کرتی پھرے گی۔ تو بھولے سو جاتے ہیں کوئی قسمی اور رات پیسے کا لالچ دیتا تھا۔ لالچی ہے پیسے سے کیا ہوتا ہے ہوا!"

اسے جانے کیا کیا یاد آ گیا وہ رونے لگی۔

"عورت پیسے سے ذلیل ہوتی ہے جس سے اس کے ارمان پورے ہوتے ہیں۔ بھوک سے بڑا عذاب بھی کوئی ہے۔ بھی بچی کی خاطر اسے جانے دیتی ہے۔ وہ بھی پیٹ بھرنے کے لئے ہی تو گئی ہے۔ وہ لوگ پیسے کے بغیر کیا ساتھ لے جاتے ہیں

عدوں کی طلب اور ہے صاحب سے ہے نفرت
زاہد ترے عرفان سے کچھ بھول ہوئی ہے

"یہ بھی جو چیز اٹھا لی ہے مرضی سے دے اس میں کیا حرج ہے"۔ جملہ مرجانہ بیگم نے اس کے کسی شعر سے کچھ اخذ کیا تھا، باقی سر سے گزر گیا تھا۔

"اچھا چلو جائے وہ ناراض نہیں ہوتے"۔ وہ بیگم کی اداسی میں بولا۔

"یہ تم اتنے سارے شعر یاد کیسے کر لیتے ہو؟" آج اس نے پوچھ ہی لیا۔

"لگتے گا کہاں جگی وہ یہاں سناں؟" وہاں سے پھر بے سر و پا جواب آیا۔

غلام محمد نے سر پیٹ لیا۔

"اچھا! اسے زرمان پر آؤ۔ دیکھو گھر والی کو پہلے زمی سے رام کرو۔ کہیں مانے تو گھر سے نکالنے کی دھمکی دو۔ اس عمر میں کہاں جائے گی، راضی ہو جائے گی اور جب اپنی بچی کے خلاف بات دیکھے گی تو سب بھول جائے گی اور پہلے سے زیادہ تمہاری خدمت کرے گی۔ اپنی بے وقوفی کا اعتراف کرے گی، تمہاری تعریفیں کرنے لگے گی۔"

"اور جو اسے دل کی تکلیف ہو گئی تو؟" اس نے ناسمجھی سے اندیشے کا اظہار کیا۔

"چار دن کی تکلیف سے گھر لیا آرام مل رہا ہو تو پھر گھاٹا کیا ہے؟" عارف نے پھر رہنمائی کی۔

"یہ کیسے کہی "نری بگاڑی" ہے؟" اس نے سمجھ نہ ہونے کی بنا پر تصحیح نزول کر ماجس تلاش کی۔

"اوہ جب دادی کا شور بچا تھا اور ری کال ہوتی تھی۔ کبھی وہ جلے کی "نری" نکالی تھی۔ کبھی بھی خلاق کی "نری" دیتا تھا"۔ غلام محمد زائل سادگی سے بتا رہا تھا۔

"پھر تو تمہیں "پرچھیں" ہے نری بگانے کی۔ شاباش! اب پھر "چالو" ہو جاؤ۔ بتانے تمہاری بیٹی دعائیں دے گی۔ اسے بلال خان عزان کا بھی اچھا ہے۔ گرمی تمہیں سے اس کے دماغ میں زیادہ اور پھر کھلے دل کا ہے۔ ہر بات دل کو لگا کر کیا تو "نری" اور "نری" ہے" اسے نیچے پھیں لے جانے کا۔ سیدھا سادہ بچہ ہے گا"۔

عارف نے کن انکھیوں سے غلام محمد کی طرف دیکھ کر بظاہر شیخ زادہ انداز میں کہا"۔ بھائی کسی کو تو سکھانے ہو، مجھ خود غرض سے پر کمزری پر بھروسا چھوڑ جاؤں۔ یا اللہ؟"

عارف نے سگریٹ سلگا کر لمبے سے کش کی تیلی کو گھورتے ہوئے سر جھکا رکھا۔

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو تم تو تمہاری ماں تو ٹھیک ہے؟" اس نے عارف کی ماں کی خیریت اور نوٹ کی۔

"ماں" "کہاں ٹھیک ہوتی ہیں۔ ہزار وہموں کی مستقل ہوتی ہے۔ دو ہم ہوا ہو تو ہزار پریشانی۔ یہ دبلا ہو رہا ہے، موٹا ہو رہا ہے۔ یہ ہوا ہے، بیمار ہے، یہ کام میں جا رہا ہے، یہ کام میں جا رہا ہے" بھولے جاتے۔ پھول جاتا ہے تو مزید کچھ ہلال کر پڑ گئی"۔ وہ بہت آرام سے ماں کو اڑاتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

"تم نے بھی تو زیادتی کی۔ ٹھیک تھا کہ بچے "اس سے چاری کو ایک بھولا دیتے" تعریب بھول جاتی"۔ غلام محمد کو اس کی

ماں کی تنہائی پر ترس آیا۔

اتنی سی بات سے کیوں کی ہے تری وحشت کی عریاں
یہ کس امید پر گھر کو جاناں کر لیا ہم نے

تو۔ یا۔ "بہو" "استغراب دار الطبلہ ہے۔ چلنے کی طاقت ہوتا ایک گھنٹہ فلموں"۔ اس کی آنکھوں نے آنسو پی لیے تھے، لب مسکرا رہے تھے۔

وہ فجر کے وقت اٹھنے کا عادی تھا۔ معمول کے مطابق آنکھ کھل گئی تھی۔ لیکن وہ سوتا رہا، یہاں تک کہ گھر کے تمام افراد جاگ گئے۔ ناشتے کے دوران ہی سعد کے ذہن میں ایک منصوبہ نے جنم لیا اور اپنی کی انجیل کو بروئے کار لانے کا فیصلہ کر لیا۔

"اچھا ہوا آج سب اکٹھے ہو گئے"۔ وہ بابا صاحب کی گود اٹھ جائے کس بات سے بات کرے۔

"السلام علیکم ابو جان!" وہ گھبرا گیا۔

"وعلیکم السلام! بیٹھیں، بات سے ہم ایک بات پر غور کر رہے ہیں۔" وہ اس کے دوا دیں بیٹھ گئے۔

"جی۔ فرمائیے"۔

"یہ جو کراچی کی چار الیکٹری میں وہ ناظم ہے ظلیم الدین، تمہیں تو پتہ ہوگا" پانچ کلاس کا ہے"۔

"جی۔ جی۔ جی"۔ وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"سعید میں یہ لوگ وقت گھر گیا تھا ہے چاروں کا۔ پاکستان بننے سے پہلے کی واقفیت ہے اور ان کے خاندان سے"۔

"جی"۔ وہ جو سمجھ گیا۔ اسے بہت ہی خاص بات کی "تو" آرہی تھی۔

"بس کا ایک ہی بیٹا ہے۔ وہ بھی سے سوال جو سیدھے بھولا ہوگا"۔

"اوہ" اس کی سمجھ میں بات آگئی۔ اس نے دکھ کی آنچ سے سلگتا ایک گہرا سانس لیا۔

"ہاں وہ صاحب پڑھا ہوا ہے۔ باپ سے آگے کاروبار کر رہا تھا۔ عقد محبت میں چلے گئے تھا کہ باپ نے وہ اندیشے سے کام لیا اور دوکان سے اٹھا کر کاروبار میں لگا دیا۔ ہاں بار قرض لیا تھا ہم سے جو ہیں ہزار واپس کر چکا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ یہ ایک اچھا فیصلہ ہے۔ اکیلا لڑکا ہوں ہاں ہے۔ ہمیں بھی سکون ملے گا اور اسے بھی۔ سوال جو سیدھے بھولا ہے تو کہا ہوا۔ اچھی باتیں سیدھے ہی ہوتے ہیں اسے کاروبار سنبھالے۔ ماشاء اللہ بہت اچھا جا رہا ہے۔ ہمارا کراچی ظلیم الدین کو شادی کی چاہیے زمانے کے کھانے پر اکٹھا ہونا کر دیا اور کہہ دیا ہم سب تو بیٹے تو بھی ساتھ لے۔ ٹھیک ہے؟"

"جیسے آپ حکم کریں"۔

"ہاں اگلی اس پندرہ دن اندر کراچی کا چکر لگا لیجئے۔ وہ بھی دیکھ لیں گے۔ وہ پسند تو ہمیں امید ہے" وہ بچوں کی طرح اداسے اپنے سے اتفاق کریں گے۔ اس کے ایک لقمہ بعد ہم، وہ کی بات کر دیں گے کیوں؟"

وہ اپنی بھری پلکوں کا جھکا کر سامنے دیکھنے لگے۔

"جا آپ بھی دیکھیں"۔ وہ اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے کھانا لے کر آ رہی تھی۔

"ابھی ہم ذرا اپنے کمرے میں جا رہے ہیں ایک ضروری فون کرنا ہے" سراسے "آپی جلدی سے آواز کہ وہاں کا سارا پروگرام ہی کینسل ہو گیا"۔

"جانے ہیں نہیں دیں"۔

"تم جاؤ ہم ابھی آتے ہیں"۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

کھانے سے پہلے کا کپ تھما کر اس نے حکم کی تعمیل میں کمر کی ہو گئی۔

"تم جاؤ" اپنا کام کرو"۔ اس نے جیسے کسی خیال سے چونک کر اسے کہا تھا۔ وہ چلی گئی۔

اسے محسوس ہوا تھا وہ پہلے سے ان بہت حسین تھا۔ پہلی سنگی بھی رہے تھے اور باتیں بھی کر رہے تھے۔ اب یہاں محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی گھر میں اچانک بڑی خبر آ گئی ہو۔ اور سب کے چھے سے اڑ گئے ہوں۔ وہ ہر کی آئینہ دار چہرہ کی سلوٹیں کو تک رہی ہوں۔

اس نے چائے کے گھونٹ بھرنا شروع کر دیے جو بے حد بے مزہ محسوس ہو رہی تھی۔

تالیاں بجیں۔ لمحہ بھر اب اور ان کی نظریں آپس سے ہیپ تک خدا حافظ کہنے آئی تھیں۔

حوا اسے رخصت کرنے تک وہ چار باتیں کر کے خدا حافظ کہہ چکا تھا۔

وہ فرنٹ سیٹ پر برادر علی خان کے ساتھ میں بیٹھ گئی اور کھڑکی سے ہیپ کا دروازہ بند کر لیا۔

ابھی تک وہ برادر علی خان کی طرف متوجہ نہیں ہوئی تھی۔

"دیہاتوں میں کیسی کتنی حسین ہوتی ہے نشوں کی تو پتا ہی نہیں چلتا اس کے حسن کا" آپ کبھی اس سے پہلے ہوئی ہیں؟" وہ پوچھ رہے تھے ہیپ بہت احتیاط سے چلاتے ہوئے۔

"ہاں کبھی کبھی بڑی اور بیگ کراؤ نڈ میں رہا ہوں کا منظر دیکھنے کا کبھی بھول نہیں سکیں گی"۔

"سری سے بھی زیادہ حسین ہے؟" اس نے ان کی طرف چہرہ موڑ کر دیکھا۔

لائٹ ہاؤس کو عبور کرتے ہوئے ان کی ہیپ بائیں طرف مڑ گئی۔ وہ بہت آہستہ چلا رہے تھے۔

"سری کا حسن ایک الگ اہمیت رکھتا ہے۔ سری پورا ایک مکمل منظر ہے۔ وہاں تو ہر شے حسن کے علاوہ سکون بہت ہے۔ ہر جگہ سانس لیتی ہے۔ ہر جگہ لوگ بھی الگ سے دیکھے جا سکتے ہیں"۔

ایک سڑک شروع ہو گئی تھی۔ انہوں نے رفتار بڑھا دی تھی۔ سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ سڑک کے دونوں اطراف کے درختوں کے اوپر ایک گلابی سی روشنی اور اجالا نمودار ہو رہا تھا۔

"کتنے عرصے سے ہے آپ کی پوسٹنگ یہاں پر؟"

"دو سال تین ہوئے"۔

"پہلے کہاں تھے؟"

"سوات"۔

"وہاں بھی رہنے کا ہے بہت خوبصورت ہے؟"

"کبھی آئیں گے وہاں بھی آپ کو اور جہاں کہیں گی"۔

"اسے سے سوال ان کیا آپ؟ آپ کا پیر ہوتا ہے؟" وہ ہنس دی۔

"میرے بڑے بھائی ہوتے ہیں بعض اوقات بہت بہت وہ لیتے ہیں"۔ انہوں نے گیئر بدلتے ہوئے اس پر سرسری نظر ڈالی۔

مرنا سوتی گلوز بہت خوبصورت لباس میں وہ ماحول کو خوش نظر بنانے میں اہم کردار ادا کر رہی تھی۔

"کیسے ہوتے ہیں بھائی جیسے؟" اس نے مسکراتے ہوئے پیشانی سے بال ہٹائے۔

"پتا سمجھا مشکل ہے۔ ہے نہیں انکشاف ہوتا ہے۔ پہلے سے پیشگوئی نہیں کی جا سکتی۔

"کبھی ہوا ہے انکشاف؟" وہ ان کا طرح بہت پر وقار چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔

"میں پیش گوئی کر سکتا ہوں آپ ابھی وکیل بنیں گی"۔ وہ سنجیدہ سا مسکرائے۔

"میرے سوال کا جواب ہے؟"

"اچھا یہ ہے آپ کو پہلے بیسٹ ہاؤس بھولا جائے یا آپ میرے آفس چلیں گی پہلے۔ ذرا آفس کا جائزہ لے کر اطمینان سے آگے ہو جائیں گے۔ اس طرح اگلا پروگرام بنانا بہت آسان ہو گا' کیوں؟"

وہ سامنے سے آتے ہوئے ٹرکوں کے ہجوم کو دیکھ رہی تھی جیسے چونک سی گئی۔

"آپ ظاہر ہے بہت مصروف ہوں گے میں اس میں ساتھ ہوں گی اس لئے کہ مجھے کچھ پتا نہیں اور ہاں میرا سوال آپ کے پاس امانت ہے۔ میں اگلی ساری پروگرام نہیں ہوں کہ آپ اپنی مرضی سے جب چاہیں ادھر ادھر میرا ذہن کر دیں اور مجھے پتا بھی نہ چلے"۔ وہ ہنس پڑی۔

"ایسی عورت کبھی جیسے اتفاق سے ہو جاتی ہے"۔ وہ بھی برجستہ اس انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولے کہ ان کی آنکھوں میں شرارت کے ساتھ چمک اور مسکراہٹ بھی تھی۔

"مجھ بھی تو بہت ایسی ہوں گی۔ کاش انہوں نے بھی آپ کی اپنی کشتی کے سر سے پیچھے ہوئے۔ جا گیر ادی میں وہ مزا کہاں ہو" الجھا لفظ" کا ذرا سا مزہ بنتے ہیں ہے۔ پاکستان میں پیدا ہونے والے بچے کو اگر سب سے اچھی دعا دی جا سکتی ہے تو یہ ہے کہ اللہ کرے "ہیپی کریٹ" بنے" دونوں لمبے لمبے پوائنٹ چھلے"۔ وہ بازوں پھیلا کر ذرا سا دہ انداز میں ہنستے ہوئے بولی۔

"برادر علی خان کھل کر مسکرا دیے"۔ اسی ہاؤس تک پہنچا دیں"۔

بلی آئی ہلکی سی طرف پر ایک معصوم سی شرمیلی مسکراہٹ ہیپ کے ہونٹوں پر پھیلنے لگی۔

محبت عبادت ہو سکتی ہے۔

مگر عشق سراسر مجبوری ہے۔

زندگی یونہی دریا سی بہہ رہی ہوتی ہے

انسانوں کا ازدحام بھی وہی ہوتا ہے جیسا رہتا ہے

لیکن "۔

ایک طبسی نظر اک مختلف سیارے کی طرح آباد ہوتی ہے۔

کہکشاؤں کا ایک نیا جہاں دریافت ہوتا ہے۔

انسان ایک ہجرت میں اذکروں سے نئے جہاں میں پہنچتا ہے۔

اس جہاں کی تہذیب۔

یہاں کے رکھ رکھاؤ۔

یہاں کے شام و سحر۔

یکسر مختلف ہوتے ہیں۔

اس جہان میں ہم آہنگ ہونے کیلئے یہاں کا مخصوص لباس پہنا ہوتا ہے۔

جس کے تاروں میں سرمستی ہو۔

بے خبری ہو۔

جس کے لمحے لمحے میں طلب کی آنچ آتی ہو۔

اس جہاں میں نیند و بیداری کے مفہوم بھی الگ ہوتے ہیں۔

مطلوب و محبوب و مقصود کے نہ انوار و مظاہر ہوں تو بھی نیند کے جھونکے آتے ہیں۔ وہ نظر سے اوجھل ہوتا۔

مرہونِ رنج و غم سے آزاد نیند کے آغوش میں لاڈ لڑ سکتے ہیں۔

نہ نیند اپنی نہ بیداری۔

نہ خوشی نہ غم۔

نہ یہ نہ وہ۔

کوئی شے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔

اس ایک ذات کے عشق کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہے۔

وہ "۔

جس کی ذات نیند و بیداری سے ماورا ہو جاتی ہے۔

اس وہ "۔

اس ذات کا ادراک ہونے پر جانا ہوتا ہے۔

وہ کا حسن محسوس ہوتا ہے تو اس ذات کے احساس کے ساتھ۔

ہزار راہوں کی منزل تک کا ادراک ہے تو اس کی مسکراہٹ کے ساتھ۔

پیچھے رہ جانے کی روایتی ہے تو کو اس نظر کی عشق خیز بے قراری کا استعارہ۔

اس نظر کی عشق خیز سحر کا تسلسل۔

عشق کیا ہے ؟

اداب خلائی کی تفصیل "۔

پہلا "۔

دوسرا "۔

تیسرا مسکراہٹ "۔

چوتھا جاگنا "۔

سب اس نظر کے اختیار میں چلا جاتا ہے۔

عشق کیا ہے؟

جاں گسل منزل مارنے والا بڑا سا جہاز۔

زندگی بن کر رہنے والے لمحے سے روشن رہنے والا دیا۔

جو بجھتی ہوئی زندگی کی آن میں اس جہاز میں جا پڑتی ہے۔

اور پھر کوئی کسی سے تو قصہ ختم ہو۔

رکھ لے تو جان چھوٹے۔

بندہ کمبخت کا کھ

نہ سگی ہے نہ پلٹتی ہے۔

عشق کیا ہے؟

اپنی ذات سے وشمیر ازلی کا اعلان۔

اپنی انا کی رفعتی کا سامان۔

اپنی کمشدگی کا اعتراف۔

اپنی ذات کے کھو جانے کا اشتہار۔

اپنے وجود سے لاتعلقی کا جان۔

مشن کیا ہے؟

اس ایک نظر کا اثر ۔۔۔

وہ نظر جو محبت و عقیدت کے محل سے بھرے آنکھوں سے اوجھل بھرتی ہے۔

جس نظر میں بربادی کے سامان چھپے ہوتے ہیں۔

جس کی نظر کائنات بن جاتی ہے۔

اور ساری زندگی گویا اس کائنات میں منتقل ہو جاتی ہے۔

ہر آن ہر لمحے۔

اس نظر کی توجہ محسوس ہوتی رہتی ہے۔

دل مضطر کی گونج لفظی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

ذکر ۔۔۔!

جہاں گونجتا ہے وہیں کائنات ہوتی ہے۔

اس نے تازہ اخبار رول کر کے بیچنے سے لگایا ہوا سیل سے نکالے اسے دیکھا۔

اس کی دوست اخبار میں کوئی اس کی تنہائی میں شامل نہیں ہو رہا تھا۔ البتہ گاہک ہے اکا دکا ہے اسے دیکھنے ہاسپٹل سے ملنے آ جاتی تھیں۔

اور جس کے سنگ اس نے بچے کو اس کی دنیا ثابت کر رکھی تھی اس کی جھلک بھی دیکھنے کو نہیں مل رہی تھی۔

وہ بار بار عدالت جمع کر کے بستر سے اٹھی اور کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ پردہ ہٹا کر باہر جھانکنے لگی۔ وہ سامنے ہی کھڑا نظر آ گیا۔ اختر (ڈرائیور) اسے باتیں کر رہا تھا۔ اختر بھی ہنس رہا تھا اور وہ بھی۔

روشنی کے چہرے سے ہوک سی اٹھی۔

کتنا مشکل ہو گیا آسان ہے ہنسنا جیسے اس دنیا کا کار آسان ترین فعل ہے بھی اسے نہیں بھلا سکتا تھا۔ روشنی اس کے رخساروں پر لڑھک آئے تھے تو تنہا اب ہر لمحہ ہر لحظہ ہنس پا رہی گی۔ مگر ہر آخر یہ انکشاف کیوں ہوا کہ میری خوشیاں اور ہنسی تمہاری ذات کی مرہون منت ہے۔

"بی بی اجائے دیں گی آپ؟" کھڑکی آواز اسے چھری کی طرح اس کے دماغ پر لگی۔

"ہاں"۔ اسرا تنگ سی ہو گئی ہے۔

"اوہ ہاں سوری"۔ اس نے جلدی کھڑکی بند کر لی۔

"باری کو بھیجنا ذرا سر نے بلایا"۔ وہ وہاں سے ہٹنے لگی۔ اختر گاڑی گیٹ کی طرف لے جا رہا تھا۔ باری ریسٹ ہاؤس پر نظر رکھے اس طرف ہی متوجہ تھا۔ اس کا دل بے قابو ہونے لگا۔ "یہ جا رہا ہے جانے کب واپس آئے گا اور پھر کہاں ملے گا۔ جب پہنچے گا تو اس وقت تجھ سے کون ملنے آئے گا"۔ اس کے دل و دماغ کی دنیا تہہ و بالا ہونے لگی۔

اگر بچوں کے لئے اس سے زیادہ نہ ہوتی تو تمہارا دماغ پھٹ جاتا۔ دل رک جاتا۔ اس کا بس چلتا تو کھڑکی سے کود کر اسے پکڑ لیتی۔

سامنے اس نے دیکھا کھڑکی سے وہ تیزی سے باری کی طرف جا رہی ہے۔ سامنے خان کی آواز بھی سنائی دے رہی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ باس کا پیغام لے کر آئی ہے۔

روشنی کے پیچھے سے وہ سر سے کا سایہ غائب ہوا۔ اضطراب پر سکون ہو گیا۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر واپس بستر پر آ گئی۔

بہت دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

"آ جاؤ"۔ اس نے سکون سے آنکھیں موند لیں۔

"مے آئی کم اِن سر؟" اس کی شریر آواز بہت قریب سے آئی۔

"تمہارے ہاں باری کی مداخلت کا رواج نہیں"۔ وہ جیسے بہت سنگ دل تھی۔

"ہاں سر! ایسی کوئی ایسی بات کی ہے آپ نے۔ مجھ سے زیادہ آپ کا ہے اور سارے تمہارے کی پابندی سے وقت نے ہمیں آزاد کیا ہوا ہے حکم کیجئے"۔

وہ بیٹھے ہاتھ باندھ کر سر جھکا کے کہہ رہا تھا۔

"آئی ڈانٹ لائک ایوری تھنگ ریڈی میڈ"۔ وہ بھنا گئی۔

"آپ کو ہمدردی ہاتھ سے ہے کیا؟" وہ اسی طرح تھا۔

"اچھا چھوڑو جاؤ" کیوں پریشان کرتے ہو کہ سارا کا سارا تمہارے حق میں ہو گیا ہے"۔

"لیجئے ہو گیا ارشاد"۔ وہ ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"ارشاد وشاد کچھ نہیں" تمہارے بے حس ہونے کا اندازہ نہیں تھا۔ ایک دفعہ بھی آ کر مجھ سے حال نہیں پوچھا"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

اس نے جلدی سے باری کی طرف سے پشت کر لی اور اداسی تھی ان دو پہنچان اسے گھیرنے لگیں۔

"آئی سب لوگ تو آپ کے ارد گرد طواف کر رہے ہیں۔ میں تو یہ سوچ کر آپ کے پاس نہیں آئی کہ کہیں آپ کو وہ گزرے ہوئے لمحے یاد نہ آ جائیں۔ میں تو احتیاط برت رہا تھا"۔

"بھاڑ میں جائے تمہاری احتیاط مجھے نہیں پتہ میں تمہاری کچھ" باری "ہوں"۔ اس کے سر سے وہ بہتے نکل گیا تھا۔ لہجے کی اجنبیت واضح تھا۔

"آئی ایم سوری روشنی لی لی! اچھا چلیں باہر چل ہو جائیے۔ اب میں آپ کے کمرے کے اندر چکر لگاؤں گا۔ آپ کہیں گی۔

Get out with in moment! (ایک لمحے میں باہر ہو جاؤ)۔ وہ مسکرا رہا تھا تو آنکھوں میں نمی تھی۔

لرکے تھا۔

"فکر کرے ہوا تم بھی بیس بلٹو گے؟" وہ بھوت بھوت کرنے لگی۔

"ماں" بیٹا کر پاس سے گزر گیا۔

"کیا ہوا ہے؟ آخر ماجد صاحب نے بچے کو ڈانٹا ہے۔ بچے ہیں، ایسی ہی حرکتیں کرتے ہیں۔ کیا ماجد صاحب نے کچھ کہا ہے؟" اس نے کوئی بات سننے سے بچنے کے لیے مصنوعی بے نیازی ظاہر کی۔

"مجھے ان کے کہنے کی پروا نہیں، جو ان کے جی میں آتا ہے وہ کریں، جو میرے دل میں آئے گا میں وہ کروں گی۔" وہ غرائی۔

"اب کیا کرو گی؟" اسے مزید چڑانے لگا۔

"میں اوپر جا کر ہولی پالی کی ٹہنی سے پھلانگ لگاؤں گی تو کہیں جا کر میرے کو سکون ملے گا، پھر ماجد صاحب ہولی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جائیں گے۔ پھر تم بھی کہو گے کہ چلو بھوت کے بہانے میرا اتنا شاندار کھیل تو کر رہے ہیں۔" وہ اسی طرح پیچھے ہٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"یہ سامنے والے بھی کیسی عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔ کہیں پاگل خانے سے تو نہیں آ گئے ہیں۔" وہ بے کلی سے بولا۔

"یہ سب" تم عجیب" کہنے کا کیا مطلب ہے"۔ وہ غصیلی سے آنسو پونچھنے لگی۔

"اس طرح تم نہ سمجھو۔ میں تو کھلی کتاب ہوں۔ ماجد صاحب نے مجھ پر کیا کہ ہولی کو میرے بیٹے کو ہولی کھیلنے پر اکسایا ہے۔ میں نے اپنے اور خود ہے کہ میں کر کیا سکتا ہوں۔ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اچھے لوگ ہیں۔ بعض اوقات زندگی میں بوجھ بن جاتا ہے۔ دوا کے بعد بھی کہ بعض فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ تعلیم کی گئی ہے آپ جائیں گی تو بے کی بھی ہولی اور سختی ہے۔ مثل مصروف بھی اچھی ہے۔ بات کرنے کا انداز بھی برا نہیں۔"

"کس کی بات کر رہے ہو؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ہولی کی بات اور ہولی اچھی لگی تھی۔

"علیم الدین صاحب کے حاجزہ سے کی اور کس کی؟" وہ قدرے حیران نظر آیا۔

"تم سمجھے ہیں" تھوں کھانے والے" کے ذکر سے کیا ہوا ہیں۔ تم سے اس وقت سراسر ہولی بات کر رہی ہوں اپنے علیم الدین صاحب کہاں بیٹھ گئے ہیں۔"

"اچھا۔ اچھا۔" وہ ہولی کی طرح سٹپٹا گیا۔ اس کے اعتماد کو دھچکا لگا تھا۔ ابھی علیم الدین اول بات اس تھے میں بیٹھی، وہ ہولی کے وقت پر سر پیٹ رہا تھا۔

"اچھا، اچھا، پھلانگ لگانے کے لیے میں آپ کی کیا مدد کروں؟ آپ ایسی طرح لگا لگ کریں۔ ہوئے سے "ہیپی ہولی" کہہ دیں گے۔ کہ آپ کا کھیل ہولی ہو جائے گا۔ آپ ہولی دیں۔ الیس بھی۔ سب تھے آپ لیں میں کی میں ہوں سے تھے ہوں گا۔

"تھینک یو"۔ وہ مسکرا کر بات سمجھ گیا تھا۔

ہولی ہم جولیوں میں کی کھیل دیکھ رہی تھی۔

"ہی پلیز ہے علیم الدین صاحب کے حاجزہ سے کیا"۔ اس کی نظروں نے ایک سوال اچھالا تھا۔

"یہ بیچارے وہ لوگ آئے تھے ناں، میں کہا آپ ان کے متعلق بات کر رہی ہیں۔ وہ جانے لگے۔ اسے کوئی بات ہی لکھنا ہے"۔ وہ ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔

"اگر ان کے حاجزہ سے کی تعلیم کم ہے تو کیا وہ مجھ سے زیادہ پڑھیں گے؟ میں یہاں اس کی تعلیم کی ہوں کروں۔ لہٰذا ہے میں نے حیاتوں کو پڑھ جانے کا۔ وہ ہمارے ملازم ہیں۔ ہمارے صحت کریں گے۔ ہمیں کی نہیں۔

"تھینک یو تھینک یو ماں ہولی ہیپی ہولی کہا ہے"۔ وہ مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں پریشان ہو رہی ہوں کوئی چکر نہیں ہے۔ کہاں جا رہی ہیں آپ؟"

وہ ہاں کی اور میں نوٹ کرنے لگا۔

"اس کی شکل صورت بھی اچھی ہے۔ قسمت ہے۔ مگر تم کیسے کیوں ہو رہے تھے؟ کیا میں نے اسے دیکھ سوا ہیں؟" وہ سر جھٹک کر اس سے اس کا پیمانہ لے لی تھی۔

"ماجد صاحب کے حاجزہ اور اگلی وہ سب کچھ۔ جس قیامت سے گزرنا نہیں، وہ پھر آج کل "ہیپی ہولی" ہو رہی ہے۔ وہ ہولی کی ہو گرمجوشی سے مسکرا دی تھی۔

"آپ اصل کھیل نہیں ہیں اصطلاب پڑھا کہ"۔ وہ عجیب مخمصے میں گرفتار ہو گیا تھا۔

"ہولی اور ہو کے دا" نہیں ہیں جو میں "اے اور اگر کھیل" کیا کرتی ہوں میں "یہ تو کب بھی کیا ہو کریں ہے کہ ان لے ہاں کی کہانی بنانے وہ بیل خان ہوئی تھی"۔ اس نے ہاں میں سر ہلایا۔

ہولی ہو گھٹنے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "کہاں جا رہی ہیں آپ؟"

"اب تم ہی مقصد ہے آن کی مرحلہ کا علم مخلوط ہیں۔ ہولی مرحلہ کے علم میں ہو ہاں گی"۔

ہولی نے ہنستے کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "ہاں کیسے وہ بنائے ایسی وہ کی کھیل ہو رہی ہیں، آپ کم از کم میرے ہولی ہونے کا تو یقین کریں"۔

وہ ہنستے ہنستے رہ گیا۔ پھر ہولی کے کھلے دروازے سے وہ ہولی ہولی کھل گئی۔ ہولی نے ایک چیخ کی ہو غیر کے ہیر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ ایک خوبرو کہا جانے والے سیدھے پر ہو گئی رہی تھی۔ اس نے ہولی کو ہو پہنچنے سے پہلے کل وہ ہولی شن جا لیا۔

ہاں کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت نے پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔

☆—☆—☆—☆—☆

"میں کہتی ہوں، مجھے چھوڑ دو"۔ وہ اس کے بازوؤں کی گرفت سے آزاد ہونے کیلئے جدوجہد کرنے لگا۔ مگر پھر یہ سے اپنے بے بس ہو گئی۔ بیچارگی اور بے بسی کے ماحول میں پلا بڑھا صفدر، جو بچپن سے اس کیلئے ایک دیوار بن گیا تھا۔

"دوائی کی دوا کریں مجھ کرنے سے پہلے تھوڑی دیر سوچ لینا کبھی بہت سی مشکلات سے بچا لیتا ہے"۔ وہ اسی طرح تھا سے میں اپنے بازوؤں میں جکڑے پیچھا ہٹانے لگا۔ وہ نے ایک بار پھر جدوجہد کی۔

"چھوڑو دو مجھے ورنہ میں تمہاں خون پی جاؤں گی"۔ وہ وہی طرز میں غرا کر بولی تھی۔

"پھر دیں تو تو تھک گی"۔ وہ اسے لئے ہوئے ایک زبردست جھٹکا دیا۔

وہ نے اس کے بازوؤں کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے کرنے دو، میں تمہارا خون پی جاؤں گی"۔

"ضرور کر لیں" جواب کہا۔ "ہوں، خون کی کمی ہو گئی ہے" اور پھر ایک زبردست جھٹکا دیا۔ وہ نے اسے ہی سے اس کے سینے پر گھونسے مارنا شروع کر دیئے۔

اس نے بھی آدم سے اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ پکڑ لئے اور ایک ہاتھ میں سنبھالتے ہوئے وہ نے اور بھی

بازو میں بات پکڑ لیا۔

"دوائی ہے بابا۔ بھولا رہے گولی مار دوں گی تمہیں"۔ وہ بڑبڑاتی انداز میں بولی۔

"خون پینے کی اس وقت آپ نہایت قابل اعتراض حالت میں ہیں۔ ایک گھنٹہ اور یہیں رہیں گے"۔ وہ آہستہ آہستہ سے نرمی سے کہا۔ "کیا سے شکر کرنے کی خدا میں مشکرانے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تو بن جائے پاگل نہ"۔ وہ پھر چیخی۔

"مگر میرا تو ہو جائے گا ناں نقصان۔ مریض کے پیچھے مر کر بھی آباد ہو جائے گا"۔ وہ اسے نے ہوئے اس کر سکی طرف دیکھا جس پر بیٹھا تھا وہ پہلے تھے۔

"دوائی۔ پیارا جیسا جسم اور دل چاہتا ہے اسی بھولا ہوا ہے"۔ اس نے خفگی سے سر ہلایا۔

"آپ میرے حق جذبات ابھارنے کی کتنی ہی کوشش کریں۔ کامیابی نہیں ہو گی"۔ وہ بے حد پرسکون تھا۔

"تمہاری شادی ہوں تمہاری سرخی کھلا لے تو پتا چلے گا"۔ وہ بے کی سے نے کر دی گی۔

"کتنے کرنے مر جائے وہ لیے ہاں دل۔ تمہارے دل میں بھی آگ لگے تب پتہ چلے"۔ وہ وہی تھی۔

"یہ وہ تو آپ نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ کہیں۔ کہیں چھوڑ دی تھی"۔ وہ ہلکا سا مسکرا رہا تھا۔

اب وہ اسے لئے کمرے میں داخل ہو گیا تھا اور کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا۔ وہ نے بھاگ کر دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔

"دوائی! اندر کتنا بہت بری طرح پٹی آؤں گی تمہارے سامنے"۔ وہ شکست خوردہ انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"آپ بات کو سمجھیں، خوامخواہ ضد کر لیا ہے۔ کچھ علم ہیں اور ان کے ساجز اور نے کا سامنا ہے۔ اصل ہے"۔

"اچھا میں چپ ہو جاؤں۔ پھر بابا صاحب کے اس قدر محنت کیسا ہوا ہے مجھے۔ اب اسٹوری گھڑیں گے۔ موصوف کب تک کرو گے میری گمراہی"۔

"بھولی بات" ہاری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "زندگی کو کیوں خراب کر رہی ہیں"۔

"دار مرنے سے پہلے میں ہے کہ انسان ایک بار ہی چلا جائے اس دنیا سے" اس کی شکل تک دیکھنے کو دل نہیں کرتا ان کے سامنے مر کر دوں گی تاور دیکھنا کیسا محسن بابا صاحب کو۔ ہمیشہ یاد رکھیں گے"۔ وہ چلائی۔

ہاری کی جان مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ اب اسے کیسے سمجھایا جا سکتا تھا۔

"دیکھو دوائی! کو کوئی ہو میری شادی میری مرضی کھلا لے کرنے کی کوشش کی گئی تو بتا دوں گا میرا۔ میری طرف سے بھلے یہ پیغام بابا صاحب کو پہنچا دیا"۔

"تھا ذکر کرے"۔ ہاری نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر بہت دکھ اور الجھن سے اسے دیکھا۔

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں"۔ اس نے پھر سمجھانا چاہا۔

"سمجھ لیا ہے۔ کہ میرے پیچھے اب تم کھیلتے رہنا"۔

بہت مشکل ہو گئی تھی، وہ کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا "ضروری تو نہیں ہر کھوٹے جانے والے کو ہم بھی جانچ پرکھ کر ہی لیں"۔ وہ بہت سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگا

"اچھا اگر سمیر کے بعد بھی سب کچھ سامنے آیا تو"۔ وہ اس سے اپنے سوال کا جواب پوچھ گئی۔

"ویسا میں ذرا بھی نہیں سوچتا ہوں۔ ہمیں وہ زندگی گزارنا ہوتی ہے جو ہم گزارنا چاہتے"۔ وہ پھر بڑی سے کہا ہوا اور پھر آپ نے تو اپنی شناخت خود بنائی ہے"۔

"وہ امتحان تھا زندگی ہے، دوبارہ آئے گا بھی تو کوئی اور شکل ہو گی"۔ وہ پھر کہہ اٹھی۔

"جو ہے یہی ہے، آپ کے خیر خواہ ہیں آپ کو یقین کیوں نہیں آتا؟"

"میرے ہونے پر بھول تم بھی جاؤ گے۔ آجائے گا تمہیں بھی یقین خیر خواہوں کا"۔

اس نے اپنی ناک کا زاویہ بدلی تھی جو ایک دم سرخ ہو گئی تھی۔

"لیکن یہ بات بات پر "بتا دو" "نکل رہا ہے"۔ وہ بھی بھلا گیا۔

"نکل رہا ہے کیا مطلب آپ کا"۔ وہ پھر غرائی۔

"میں صرف اسے زندگی سمجھتی ہوں جو میری مرضی کی ہو"۔ وہ بہت اٹل انداز میں گویا ہوئی۔

"یہ ضدی جذباتیت ہے آپ کی، آپ سمجھ سکیں"۔ وہ جیسے تھک کر گویا ہوا۔

"تم اپنی انرجی ضائع مت کرو۔ جاؤ آرام کرو۔ ہاں مگر یہ بتاتے جانا۔ کتنی ضروری ہے تمہیں میری زندگی؟" وہ اٹھ کر دو قدم اس کی جانب بڑھے تھی۔

"میرے آس پاس کی میری صداوں میں میری نظر کے سامنے جو زندگی بھی ہے وہ میرے لئے اہم ہے۔ اس میں کوئی امتیاز نہیں"۔ وہ بغور سوچتے ہوئے جواب دے رہا تھا۔

"کیا ایسے لمحوں میں جب میری زندگی داؤ پر لگی ہو۔ تم کر سکتے ہو مجھ سے تبادل؟" وہ بہت غور اشتیاق سے اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

ہاں کی تو وہی طرح ہو تک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس کا دماغی توازن کھو گیا ہو۔

"اس طرح کی بات آج اور اسی خوشی میں بھی منہ سے نہ نکالیے گا۔ آپ کو زیب نہیں دیتی۔ میں اپنا شمار بچگانہ سوچ سے دور رکھتا ہوں۔ یاد رکھئے تک آپ کے جذبات بچا کر رکھنے آپ کی پسند کے مطابق آپ کے حق میں کرنے کی کوشش کروں گا اور آپ کی شناخت ہرگز برگز زد میں نہیں ہو گی۔ آپ کے شایان شان محض کوٹ کا تحفظ دیا جائے گا"۔

وہ بہت مستحکم لہجے میں اعلان کر رہا تھا۔

"اور خوشی سے ہو گا؟" اس کا لہجہ اس بار نہایت نرم اور آواز بہت دھیمی تھی۔

وہ نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔ سرخ رنگ پر نرمی سے شعاعیں اور وہ اپنی سرخ ناک کے ہمراہ

سے اپنی پلکوں کو جھکائے بہت اعتماد سے دیکھ رہی تھی۔

"اس وقت تک جذبات کا طوفان اتر چکا ہو گا اور آپ ایڈجسٹ کر لیں گے"۔ وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"ایڈجسٹ بھی کیوں ہو گی۔ اس کا تو ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں۔ اس اس سوال کا جواب وہ آئندہ ہونے والی کوئی تم کر رہے ہو۔ پھر کیا کس کے آپ تو محبت جیتنی ہیں ایسی زندگی ہے جس میں جسم زندہ اور دل مر جائے۔ ایسی زندگی میں میرے ساتھ سے ہر لمحے آپ ہیں نکلتی ہیں۔ میں تو ہوں بھی پسند نہ کروں۔ چاہا تھیں ہوں۔ ہیپ تھیں ہوں تو ہو جاؤں۔ سمجھے تم؟"

"پھر کیا کر سکوں گا میں؟ میری کچھ حد و حدود ہیں۔ آپ یہ کہہ لیں"۔

وہ ہار کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھکا تھکا سا وہ بہت الجھا ہوا تھا۔

"تم بہت دل ہو ہاری۔ تم پر تو غلاموں کو بھی شرم آ جائے"۔

"میں دل نہیں ہوں۔ آپ یقین کر لیں۔ میں جب چاہے حویلی سے نکل سکتا ہوں۔ مگر حویلی کے مکینوں نے مجھے اپنی محبت سے قید کیا ہوا ہے۔ مجھے ان کو خوشی اور سکون مہیا کرنا ہی سکون ملتا ہے"۔ وہ بہت عاجزی اور تحمل سے گویا ہوا۔ "آپ کو "وطن سے جڑی ہوئی جذبات والے مرد کا بھی کچھ اندازہ کرنا چاہئے"۔

"پہلے حویلی کے مکینوں نے احسان کرنے ہی اس لئے ہیں کہ لوگوں کو اپنا غلام بنا لے۔ دیکھیں کوئی ان کے سامنے سر نہ اٹھائے"۔ وہ تلخ ہو کر بولی۔

"بہر حال اچھا سلوک احسان ہی ہوتا ہے؟" وہ اٹھ کھڑے سے گویا ہوا۔

"اور آپ کو یہ یقین کر لینا چاہیے کہ میں حویلی کے ایک ایک فرد کا خیر خواہ ہوں۔ میں ہوں اور چلا ہے اپنے انداز میں بات کروں گا۔ وہ بہت اچھے ہیں۔ انشاء اللہ آپ کے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی۔ آپ یقین کر لیں"۔ اس نے نہایت دھیمے سے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میرا سوال اپنی جگہ موجود ہے اگر زیادتی ہونے لگی اور تم بھی کچھ نہ کر سکے پھر تمہیں یہیں ٹھہرنا چاہیے میں سمجھ سے باہر نہیں اڑتی۔ کس طرح مجھے زندہ رکھو گے۔ کیا راستہ نکالو گے اور اسے ضرور دیکھنا تھا۔

"آپ اپنی زندگی کیلئے جو بھی شرط پیش کریں گی۔ مجھے منظور ہو گی لیکن میری بھی ایک شرط ہے اگر کوئی شخص جو ہر صورت آپ سے بہتر ہو گا اسے آپ رد نہیں کریں گی۔ میں صرف لائف سپورٹ (زندگی بچانے والی گولی) کے طور پر اپنا آپ مستعمل کروں گا"۔

"وعدہ کر رہے ہو؟" اس کے جسم و جاں میں عجیب سا سکون در آیا۔

"میری بات ہی قول ہوتی ہے۔ مگر آپ کو میری شرط دل میں محفوظ کر لینا چاہیے فراموش نہ کریں۔ جانتا۔ اب تو نہیں ہو گا"۔ وہ مطمئن ہو گیا تھا اور ہاری کی طرف سے کروٹ لے کر جانے کیا سوچنے لگی۔

اس نے دروازے کی چٹخنی گرا دی۔ لیکن دروازہ کھول کر باہر جاتے جاتے رک گیا۔ جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ پھر کچھ سوچ کر دروازے کی چٹخنی سے گرا دفعتاً کی طرف جانے والے زینے کی طرف بڑھ گیا۔

ریسٹ ہاؤس کا جادو تھا اس کی دہشت بڑھ رہا تھا۔ بچے کھچے لقمے کسی نہ کسی طرح گلے سے نیچے اتار رہی تھی۔ اس کا حلق بند ہو رہا تھا۔

اچانک کمرہ پیاسنجانی لگن میں بدل گیا۔ خانساماں کو جیسے دورہ پڑ گیا ہو۔ اسے کسی کی مداخلت کا یقین نہیں تھا۔ وہ بے تحاشہ دروازے کی جانب دوڑ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی پشت پر جا کھڑی ہوئی۔ مگر اسے احساس تک نہ ہو سکا۔

"صاحب کہاں کھانے آئیگے کہا؟"

"آپ بی بی! کہاں جاؤں۔ بس باچی منٹ لگیں گے"۔ اسے دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

"پہلے سوال کا جواب نہیں ہے؟" اس نے انگلی کھول کر پانی کی دھار نکالی۔

"صاحب کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ کبھی نہیں بھی آتے"۔ اس نے ہاتھ دھو میں پونچھ ڈالے ہوئے جواب دیا۔

"تو اب تو میں یہاں ہوں انہیں آنا چاہیے"۔ اس نے گلاس میں پانی انڈیل کر ہونٹوں سے لگایا۔ اور جیسے ہی خانساماں نے پلٹ کر اس کی سمت سرسری سا دیکھا۔

"بی بی! صاحب کا کام ہی ایسا ہے کہ"۔

"پھر وہ اپنا کام دام کے لئے کرے۔ کام تو کام ہی ہوتا ہے۔ اپنے اپنے حساب سے سب ہی کرتے ہیں"۔ اس نے ناگواری سے اس کی بات کاٹ دی۔

خانساماں نے تعجب سے اس کی شکل دیکھی اس کا صاحب کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔

"اچھا ابھی کھانا بتاؤ۔ میں یار دوستوں کو فون کرتی ہوں"۔

وہ یاور علی خان کے بیڈ روم میں بھی آئی تھی۔ ان کا نمبر ملایا۔ اسے صاحب کے "معمولات" ہونے کا مژدہ سنایا۔ اس کا قہقہہ بلند ہوا۔ اس نے بھی ہنسنا شروع کر دیا۔

"وہ پھیلے صفحہ اس اس بھرا ہوا پیپر میں بیٹھ گیا ہوا آئی گی۔ اگر ان کے پاس پروگرام نہیں بیٹھے ہوئے ہیں تو بھی آپ انہیں صبح کھانے کھلائیں۔ ہیں سر فون پر ہیں"۔ اس نے ہنستی سے کہا۔

"ہیلو ہیلو"۔ پہلے اسے اس نے اس انداز پر داخل ہوکھا گیا تھا۔

چند لمحوں بعد یاور علی خان کی تحریر کردہ ایزیا میں میں تھی۔

"یس یاور علی"۔

"کیا آپ مجھے یہاں اس لئے لائے تھے کہ میں بھوکی مر جاؤں؟" وہ بچوں کی طرح خفگی سے کہہ رہی تھی۔

"اوہ نو۔ ڈیئر۔ دراصل میں ایک بہت ہی اہم میٹنگ میں مصروف ہو گیا تھا۔ اب ابھی ابھی فارغ ہوا ہوں۔ اس کے باوجود بہت سے نہیں اٹھ رہا تھا۔ وہ سب مل بیٹھے ہی تھے کہ اس نے صاحب تشریف لے آئے۔ سیاسی معاملات اور بات ہو رہی ہے تو اس حساب سے کام بھی بڑھ رہے ہیں۔ آپ کھانا کھائیں کسی کے بعد دیکھ لیتے ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ صاحب

کس قسم کے معاملات ساتھ لائے ہیں۔ اور ان میں کتنا وقت لگے گا"۔

یاور علی کو معلوم تھا، اس وقت جو بھی کہے گی۔ ادھر سے ہوا صاف ہو جائے گا۔ اس نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد ریسیور رکھ دیا۔ ایک دوسری سمت سے ریسیور اٹھایا۔ یاور علی خان کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ اس کی کسی بات کے منتظر تھے۔

خانساماں حیران سا ان کے بیڈ روم سے باہر آ گیا۔

"کیا بولا میں بی بی؟" خانساماں نے ایک دم سامنے کہا۔

"نہیں ... ایک گلاس جوس لے آؤ"۔

"بی"۔ یہ جملہ بڑا ہی حیران ہوا خانساماں "بی" تھا۔

"بی بھی بس"۔ وہ جھنجھلا کر کھولی اور اپنے دانتوں کی صفائی کرنے میں مصروف ہو گئی۔

"تو پتا نہیں کتنا مشکل ہے۔ کبھی" ہے "اکیلے کے ساتھ گزارا کرنا۔ تری آ یظلل الف"۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی خانساماں کو جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔

دس منٹ بعد خانساماں دوبارہ جوس لے کر حاضر ہو گیا۔ اس نے جوس کا گلاس اٹھا کر اسے واپس جانے کا اشارہ کیا۔ اور ایک کرسی پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ جوس پینے لگی۔ ابھی گلاس آدھا بھی نہیں ہوا تھا کہ خانساماں پھر حاضر ہو گیا۔

"صاحب کا فون ہے بی بی"۔

وہ چونک پڑی۔ ابھی تو بات ہوئی ہے باچی منٹ لگیں۔ اس نے غصہ سے بڑبڑاتے ہوئے گلاس رکھ کر تیز قدموں سے ان کے بیڈ روم میں آئی۔

"یس"۔

"مجھے ابھی ابھی وعدیان نے بتایا کہ آپ نے ظہیر بھائی کے ہاں کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ کیوں کھانے سے انکار تو نہیں ہو گئی؟"

"بلیس فگر آپ کو اس سے کسی وعدیان کا تو جاتے ہیں"۔ اس کا موڈ آف تھا۔

"دراصل آپ کے اور میرے ایج گروپ میں تفاوت زیادہ فاصلہ ہے کہ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کس انداز اور کن الفاظ میں آپ کو مطمئن کروں"۔ وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"رہنے دیجئے۔ یہ آپ کا یہ محض مصنوعی اظہار ہے۔ دراصل آپ پر کسی بات کا اثر ہو ہی نہیں سکتا۔ میں جان چکی ہوں آپ کی نیچر"۔ وہ ہوا میں گرہا رہی تھی۔

"میں تو بہت سادہ سا آدمی ہوں مجھے جاننا کوئی مشکل بات نہیں۔ مگر بہرحال یہ ابھی اطلاع ہے آپ کھانا شروع کریں۔ میں بھی کچھ لیتا ہوں کھانا۔ اوکے؟"

"میں آپ سے محض اس لئے فون کیا ہے کہ آپ ایک اچھے میزبان ہوتے ہوں۔ بہرحال آپ فکر نہ کریں"۔

"فکر نہ آپ کے" مجھے ذاتی کام" نہیں۔ بالکل نہیں کروں گا" بس دعا کریں ہم کہ شام کو آپ فارغ رہے گا۔ آپ کو بہت اچھی جگہ سیر کرائیں گے۔ آپ کی ساری کوفت دور ہو جائیگی۔ ٹھیک ہے؟"

"جھکیں"۔ اس کی آنکھوں میں شرارتی چمک تھی۔

"اب بات ہو لی ہیں۔ وہ بہت خوش ہو گئے تھے۔ انیس بھائی صاحب کو ابھی تک انتظار میں بٹھایا ہوا ہے آپ کی وجہ سے"۔

"جھکیں رکیں"۔ وہ بدلے ہوئے قدم کے انداز سے آگے بڑھا اور صوفے کے بازو پر کہنی ٹکا کر اس کی طرف جھکا تھا۔

واپسی کا راستہ آ گیا تھا۔ واپسی اور یاسمین میں اس کی سخت ضرورت پیش آ گئی تھی۔

"وہ بابا صاحب کے ساتھ شرارت ہو گئی تھی تو اسے شرمندگی کی وجہ سے ہم لوگ آ جاتے تھے۔ سیٹ کنفرم کرائی۔ انہوں نے بتایا کہ پچھلے فلائٹ تھی۔ بھائی فرسٹ کلاس میں سیٹ لی تھی۔ انہوں کی وجہ سے فرصت پا کر بابا صاحب کے بورڈنگ پاس شرارت سے غائب کر کے خالی اور بیگ وصول کیا۔

تین بجے کے بعد گھر آیا' بھائی وہ چار بجے والے کی مد میں لائے تھے کہ کنفرمی سے منیجر کی کال آ گئی۔ بابا صاحب سیٹ نکل پیک اپ کیے گئے ہوئے تھے۔ انہیں اسے کنفرمی کا دوسرا پیکٹ لگانا پڑا۔ گھر سے کنفرمی زیادہ دور نہیں تھی چار بجے تک واپس آ گیا۔ جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے۔ فریش کر کے تھوڑا سا کھانا کھایا۔ بیان بھی کر دیا آپ کو لیکن ہر تو مسز کی ہی نہیں ہوئی۔ بڑی سخت جھاڑ پڑی ہوئی۔ اختر بھی گاڑی لے کر آیا تھا۔ باری کو ایئر پورٹ پہنچا کر اس نے بابا کو بھی لیتے ہوا تھا۔ وہ شرارت ہاتھ میں پکڑے کمرے سے باہر آیا۔

"کہاں"۔ اس نے آواز لگائی۔

"کمرہ نمبر سات۔ ادھر ادھر کہیں ہالی ہوں تو سامنے آ جائیں۔ سخت ضرورت ہے"۔ اس نے راہداری کے سرے پر کھڑے ہو کر صدا لگائی۔

"وہ کیفے پر کھڑی بڑی دیر سے ہے۔ بہت تیز ہی ہیں ہو"۔ معاً روشی سامنے آ گئی۔

وہ تھوڑا ہچکچایا۔ اس خوف کو اس کے سامنے پا کر قدرے قبل سا ہو گیا "ایئر پورٹ پہنچا ہے ویسے ہی سیٹ بڑی مشکل سے ملی ہے"۔ وہ جانے کیوں نظریں چرا گیا۔

"جلدی ہے؟" اس کے دل کو کچوکا لگا۔

"ہاں"۔

"کوئی آف کرنے جا رہے ہیں؟" وہ مسکرائی۔

"نہیں۔ یہ شرارت بیٹھ کر اسٹری کی ہے۔ میں تو خود ہی کر لیتا مگر یہاں تو کہیں آس پاس اسٹری بھی نظر نہیں آ رہا"۔

روشی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے شرارت لے لی اور ایک سمت بڑھ گئی۔ واپسی تک پر کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور شرارت کی واپسی کا انتظار کرتے لگا۔ اس خیال سے اوپر نہیں گیا کہ پھر اسے اوپر آنا پڑ جائے گا۔

پانچ منٹ بعد روشی شرارت ہاتھ میں لیے اس جگہ واپس آ گئی۔

"ہو سکتا ہے جلدی میں استری نہ ہوئی ہو۔ بہرحال گزارا کرو"۔ وہ اسے شرارت تھما ہی رہی تھی اور سمجھ نہ پائے کس طرف سے

ڈکرپ والوں کے پاس سے بے نیازی سے گزر گئیں۔

"طبیعت آپ کی بہت خراب ہے۔ کوئی ڈاکٹر وغیرہ کو دکھا لیں"۔

"ہاں تم صحیح کہہ رہی ہو۔ سر بہت بھاری ہو رہا ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بلڈ کوئی صحیح ہی لیکر۔ ہے ہاں۔ ہاں مگر تم شرارت"۔ وہ ان سے خاصے فاصلے پر رک کر اپنے غصے میں اور نہیں کھو بیٹھی۔

"جو آپ کے پاس ہے ہی نہیں جا رہے ہو؟"

"بابا آپ اصل میں کام 'سرائے' میں ہے۔ وہ یاسمین سے تو صحیح آ رہے ہیں"۔ وہ بہت سنبھل کر بات کر رہا تھا۔

"اگر تمہاری ضرورت تو یہاں بھی بہت ہے"۔ معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

"کام کے بندے کی تو ہر جگہ ہی ضرورت رہتی ہے"۔ وہ بات کو رد نہ کر سکی۔ قرض کر لی۔

"ہاں بھئی۔ ہماری کام کے تو تم بہت ہو"۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئیں۔

ہاری شرارت چین کر بیٹھا رہا تھا۔ غور سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

"بروقت ہی عقل آتی ہیں"۔ روشی کے دانتے پیس گئے تھے۔

"مگر بھولی عقل بھی بہت ہیں' آنکھیں کھل رکھتی ہیں۔ آپ کو ضیاع کرنا چاہیے۔ آپ کیسے ساتھ دے سکتے ہیں"۔

"اور تمہارے لئے؟" وہ نہ چاہتے بھی خاصی شرمندہ تھی۔

"میں تو خود ہی مسئلہ ہوں۔ میرے کوئی معنی ہے ہی نہیں ہیں۔ آپ بس مجھے ایک کپ چائے قرض کر دیں"۔ اس نے آگے کی مسند قدم بڑھا دیے۔

"چائے تو میں ضرور کروں"۔ اس نے تاکید کی۔

"اور تو میں خان کو کہاں ڈھونڈوں گی"۔

روشی کی ادا نے اسے اگلی بات سے باز رکھا۔

"اور ہاں اگر خالہ وہ یاسمین ہوں تو فون پر میری ماں سے بات ضرور کرا دینا"۔

"بس؟" وہ پھر آگے بڑھا۔

"ہاں بس"۔

"اور ہاں سنو"۔

"جی!" وہ پھر رک گیا اور ریسٹ واچ پر نظر دوڑانے لگا۔

روشی کو اس کی ریسٹ واچ سے سوتن کا سایہ تھا۔ "تم تو خود ہی گھڑی ہو' کیوں گھڑی باندھے پھرتے ہو؟"

"آپ کچھ کہہ رہی تھی؟"

"جاؤ تم۔ کچھ نہیں کہہ رہی"۔ وہ جل کر بولی تھی۔ اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

وہ کم سے کم سے انداز میں ڈریسنگ روم میں داخل ہوئی۔

وہ سب بھی بہت زور و شور سے ہما صاحب کے ایک شراکت دار کے ہاں ڈنر پر جانے کے پروگرام پر تبصرہ کر رہی تھیں۔ جانے والے لیے سات بجے کا وقت طے ہوا تھا۔

روبی کا خیال تھا کہ لباس بہت سادہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ لوگ بہت زیادہ ایلیٹ ہیں اور پھر بھی سے کہا بھی تھا مگر اس کا اختلاف تھا کہ لباس بہت سادہ ایک ہی لگاؤ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لباس وغیرہ پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہی ہے۔

ڈرائنگ روم کا ماحول خاصا پرشور تھا۔

اس کی آمد پر قدرے خاموشی چھا گئی۔

"سلمیٰ نے بہت سنجیدہ نیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی سمت دیکھا تھا اور گاؤ تکیہ کمر کے نیچے درست ہو گئی تھی۔

"آؤ روبی! آخر تو نظر ہی نہیں آئیں۔ طبیعت کیسی ہے اب؟" گلو نے اس کو ہاتھ تھام کر اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔

"اب تو اچھا بھلا ہی ہو جانے کی۔ ہمدرد ہی یاد آیا۔ آج صبح صبح ایک بہت مزے کے گانوں کی کیسٹ ملی ہے ایک سے۔ تالا اور کیسٹ کے روکتے ہیں۔" سلمیٰ نے کیسٹ پلیئر میں کیسٹ رائٹ کی اور "پلے" پش کر کے واپس اپنی جگہ پر آ کر دراز ہو گئیں۔ تالا اور کیشل کی آواز کمرے میں گونج گئی۔ والیم خاصا اونچا تھا۔

(گلو) ہائے مرے بھگوان کروں کیسے؟
چھٹی چھٹائی جوگن ہوں کیسے؟
(کیشل) جھوٹا گرو کا وچن کروں کیسے؟
سادھ ہوں تیرا جوگن ہوں کیسے؟

روبی نے چونک کر سلمیٰ کی صورت دیکھی، وہ آنکھیں موندے بہت سنجیدہ نیز انہماک میں مسکرا رہی تھیں۔

"گانا تو مزے کا ہے کس فلم کا ہے؟ منگوا کر دیکھیں گے" روبی نے بہت دلچسپی لی۔

"تمہارا بہت لمبا چوڑا فلمیں دیکھنا کیا کرنا؟" ارمی ہنس دی۔

"ہاں فلمیں اس کے ذریعے" میں یا مشین زدہ فلمیں آنکھیں دیکھ لیتی ہیں۔ میں تو ذرا گھنٹی وی کے سامنے بیٹھ جاؤں تو سارا گھنٹا ہے۔ گلو نے بھی حصہ لیا۔

"گانا سنو، مزے کا ہے کہ نہیں روبی؟" سلمیٰ بول پڑیں "میں نے کیسٹ لگائی۔ تم لوگوں نے اپنی اپنی بیاں شروع کر دیں۔ ہے نا مزے کا روبی؟"

روبی نے سلمیٰ پر جھک کر ان کی صورت دیکھی۔

"اگر آپ کے باتیں میرے خلاف جائیں (Charges) اکٹھے ہو گئے ہیں تو سچ مچ بڑا فنی ہو رہا ہے۔ یہ کس نے کہا ہے۔ ایک میل ہونے والوں میں سے لگتی ہوں۔ اور یہ مثل بولنا کیوں کی آپ مجھے ملزم (الزام) کر رہی ہیں" روبی ایک جھٹکے سے اٹھ کر دوسرے پر جا کر بیٹھ گئی۔

کمرے میں ہر کوئی اپنی اپنی جگہ سے کسی نہ کسی حیلے کو بہانہ بنا کر کچھ نہ کچھ بول رہی تھی۔

"روبی! تم ہو کیا چیز؟"

گلو نے ترحم آمیز نظروں سے روبی کی طرف دیکھا۔ (اصل تو ہے چوری اور اوپر سے سینہ زوری کہ کچھ بولی ہے بھی تو یہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ تم کیا ہو، تم کیا ہو۔ ایک تو اس پر اس کی ماں کا سا پھیلاؤ۔ وہ پہلے ہی نہایت حساس ہے ہونے جانے کیا کیا پوچھ گچھ کرتی رہتی ہیں)

"روبی" انہوں نے نہایت محبت سے اسے پکارا۔

"جی؟"

"بچا! تم لوٹ جا کر آرام کرو۔ شام سات بجے کے بعد تک کھلو جائیں گے سب۔ تم تھوڑی دیر کیلئے سو جاؤ۔ جاؤ شاباش۔"

ان کے لہجے میں اتنی محبت اور خلوص تھا کہ روبی کا جی بھر آیا۔ "کیونکہ ہے" یوں گلو کی مداخلت سے ماحول ایک دم پرسکون ہو گیا تھا۔

سلمیٰ پلیز اس کے ساتھ اس انداز میں بات نہ کیا کرو۔ وہ تو ہے ہی پہلے سے ہی دکھی ہے اور پھر بیمار ہے" گلو نے روبی کے باہر جاتے ہی سلمیٰ کو ٹوکا۔

"ہم نسبہ دولت سب کچھ تو ہے۔ پھر دکھ کس بات کا ہوا؟ تم تو یہاں سے "پرابیگنڈا الا" ہو گلو" سلمیٰ نے منہ بنا کر جواباً گلو کی خبر لی۔

"تمہیں لگتا ہے سلمیٰ۔ ماں کے پیار سے محرومی بعض اوقات انسان کی ہستی کو ہلا کر رکھ دیتی ہے" "ہاں" تو اس کا نکاح کا بلا کی حسن ہے۔ خدا کی اپنے بندے سے محبت کا لطیف سا اشارہ۔ پھر وہ بہت بڑی محرومی ہے سلمیٰ۔ تمہیں احساس کرنا چاہیے"۔

"اچھا بابا کر لیں گے احساس۔ اب خدا کیلئے اپنی تقریر بند کرو"۔

سلمیٰ نے ہاتھ جوڑ دیئے اور ارمی نے آگے بڑھ کر ٹیپ ریکارڈر کا سوئچ آف کر دیا۔

"اب تمہیں پیسے کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔ یہ دھیان نہیں آتا کہ بچی کیا سوچے گی۔ یہ بڑا ہو طرا ہے ماں باپ نے؟" محمود نے اس کے تیور دیکھ کر ذرا لہجہ سنبھال کر بات کی۔

"اور جو کہ کنگال اور مقروض کے پلے باندھ دی تو بھی لوٹ پاٹ کے کھے گی۔ بڑا ہو طرا ہے اور بس اب بات ختم کرو۔ اگلے ہفتے برات کریں گے۔ ہمیں کوئی تیاری نہیں کرنی۔ برادری کو روٹی کھلانا ہے کھلا دیں گے اور کچھ نہیں ہوگا"۔

"ہو سکے تک کٹ جائے گی برادری میں۔ کچھ ہوش کی دوا کرو" عورت نے خفا ہو کر کہا

"کل سے کمانے نہیں جاؤں گا۔ ایک دھیلا تیرے ہاتھ پر نہیں رکھوں گا اور جو تو نے روٹی روٹی کی آواز لگائی تو نہیں

باتوں سے وہم کرواں گا تجھے خود پر"۔ اس نے چارپائی پر سیدھا لیٹتے ہوئے کہا اور آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

عورت تاسف سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"جب بھوکی مرنے لگے تو چلی جانا حویلی کے پاس کہ بالو اماں دے دیگا۔ پھر دیکھوں گا کون کھلاتا ہے تجھے روٹی مر کون جاتا ہے تیری بپتی"۔ وہ بڑبڑایا۔

"یہ تو ہے تو اٹھائے پھرتی ہوں۔ کون کھلاتا ہے کسی کو۔ سب اپنے ہاتھوں کے ساتھی ہوتے ہیں۔ ماں ہوتی۔ کبھی اولاد کی بھی تھی۔ بیٹی کے دل کی خوشی سوچا رہی تھی۔ تم باپ ہو اس کے غمخوار ہو میں تمہیں سمجھاؤں تو سکی ہوں روک ٹوک لیں گی۔ کرو اللہ نصیب اچھے کرے خوشیاں دے"۔

نہ جانے کیوں وہ آنکھوں سے رو پڑی۔

وہ ایک دم تڑپ کر بیٹھ گیا۔

"کچھ بھرا کوان میں بھی باپ ہوں۔ دشمن لگتا ہوں اپنی لوٹڑیا کا۔ لال خان لمرکا ہے مگر صحت مند ہے۔ تو نے اس کا گھر نہیں دیکھا۔ چھ کمروں کا مکان ہے۔ وہ منزل سامان سے بھرا ہوا۔ اللہ کی برکت سو جو رہے چھوٹ جانے دے اس جول پشتی غریبی سے لوٹڑیا کی جان۔ ہم کی لالچی سے نہیں جیا اور ہے اپنی لوٹڑیا گرلا لگی ہے تو بس اتنا کر ہماری بپتی سکھ دیکھے"۔

عورت روتی رہی۔

"جب بات لگی ہے دعا کر اللہ ہماری لوٹڑیا کو سکھ دے"۔

"بیٹیاں چاہتے ہوئے تو مائیں روتی ہی ہیں۔ جسم کا ٹکڑا نوچ کر کسی کو تھما دو۔ ظلم تو نہیں"۔ عورت آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔

وہ چپ رہا۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔

وہ اٹھ کر باہر صحن خانے کی طرف آ گئی۔ بالو دوپہر کے کھانے کے اور شام کی چائے کے برتن اکٹھے کئے بہت سلیقے سے مانجھنے میں مصروف تھی۔

"اماں! تجھے میں آٹا لادوں یا مزدا؟" اس نے ماں کو مصروف کار دیکھ کر پوچھا۔

"مزدا لال دیتا ہے تجھے باپ کو اچھے لگتے ہیں"۔ وہ غائب دماغی کے عالم سے چونک کر باہر آئی۔

"اوہ آج جلدی آ گئے"۔

"جلدی کام ختم ہو گیا ہوگا۔ میں تو تجھے یہ کہنے آئی تھی کہ لال نئے کپڑے ہیں ان میں سے چارپائی جوڑے کی نہیں ۔۔۔ تین دن میں پھر دیہاڑی پر کوئی پکا بھی لگا تا ہے"۔

"کیا ہوا اس؟" بالو کے تصور کے ہاتھ سے برتن گر گئے۔

"تجھے اکثر کہتا ہے تیرا باپ اگلے جنم"۔

"تیرے کا بیا" کسی تیسرے آدمی کی آواز آئی پر بھی نہ پوچھ سکی کہ وہ بیا "تصفہ" کون ہے؟ کون ہے؟ کون ہے؟

تحمل کرنے آ رہا ہے۔ کہیں یوں ۔۔۔ وہ پورا ہونے کے آثار میں آ ہی سے بھی ہوا۔ بچہ کے ساتھ وہ بہت محبت سے کے بعد وہ پھر اپنے کام میں لگ گئی۔

"میں کوئی خاص تیاری نہیں کرتی۔ بس وہ دن اور رات کو روٹی کھاتی ہے۔ پیسے والا اس کا ماں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ ہائے اللہ ہو کر سکھیوں میں مزے سے رہے گی اس لئے"۔

وہ ایک بار پھر ساکت ہو گیا۔

"پیسے والا اس کا ماں سے زیادہ پیار کرتا ہے" کس کہا ہے۔ ہائے اللہ ہو کر سکھیوں میں مزے سے رہے گی۔

وہ تو اس کی بیٹی کا دشمن لگ رہا تھا۔ ساری سہیلیاں کتنا جھگ کرتی تھی بیٹی کو۔

"دور کچھ دنیاں زرا رکھ کر کیا ہے۔ رات بہت بیتی تھیں۔ رزق ضائع نہیں کرتے۔ اللہ کو برا لگتا ہے"۔ اس نے ہاتھ لگتے ہوئے عربی جاہت دی۔

"اچھا اماں!" وہ اپنے خیال سے چونک کر بولی تھی۔

اس نے دال کھوک کی سمت نظر اٹھائی۔ چونک رہے تھے۔

ایک عجیب سی کوفت اس کے رگ و پے میں اتر گئی۔ یا اللہ کس طرح سزا مل رہی ہے؟ وہ ہمیشہ سے ہی بڑی کفایت کرنے کے انداز میں پیدا ہوئی۔ اسی دم پورچ میں جیپ داخل ہوئی اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ "تھینکس گاڈ"۔

یار علی خان جیپ سے اتر کر سیدھے اس کی طرف بڑھے۔

"تم ہیں آپ؟" انہوں نے اس کے سراپے پر نظر ڈالی۔ بریل کرتے "شلوار اور دوپٹے میں ملبوس بہت توانا زندگی محسوس ہوئی۔ آنکھوں میں بہت ساری سہیلیاں ہنستی ہوئی تھی۔ اور باتیں کالوں میں گھنٹہ کی آتی ہوئی ریسٹ واچ تھی۔ بھورے بالوں میں سفید شوز چم چم کر رہے تھے۔

یار علی خان نے ایک اچٹتی نگاہ میں اس کا جائزہ لے لیا۔

"بہت دیر سے تیار ہوں۔ محترمہ بے حس بھی نہیں ہوں کہ آپ کو جائے یا کھانے کی سہولت نہ دوں۔ آپ اطمینان سے ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھائیں"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کھانا تو میں کھا چکا ہوں۔ البتہ ہاتھ لینے کی تجویز اچھی ہے۔ فریش ہو جاؤں گا"۔

"شیر خان!" انہوں نے ملازم کو آواز دی۔

وہ فوراً آ موجود ہوا۔

"جلدی سے ایک فلور سوٹ تیار کرو۔ میں بہت ریلیکس ہو کر سیر کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی"۔ وہ مخاطب خواجہ خانہ کی میں مسکرا کر اندر بڑھ گئے۔

وہ بار بار کرسی پر بیٹھ گئی۔

انہیں باہر آنے میں واقعی بہت محنت سے زیادہ لگیں گے۔

وہ ہیپ ایک شانہ سک ہلاتے رہے۔

"پہلے ہم لی لینڈ کا کوئی بھیجیں گے۔ وہاں ایک دوست سے ضروری کام ہے۔ بہت خوبصورت جگہ ہے۔ بہت شاندار منظر ہیں۔ مجھے یقین ہے آپ لطف اندوز ہوں گی"۔ انہوں بہت مہارت سے اسٹیئرنگ سے ہاتھ اٹھا کر سگریٹ سلگائی۔

"میں بہت گندی لگ رہی ہوں"۔ اس نے قدرے خفی ہو کر کہا۔

"ارے نہیں کیوں؟" انہوں نے حیرانی کے تاثرات نہیں اپنے۔ صرف سپاٹ انداز میں پوچھا۔

"آپ نے دیکھا ہوگا، صرف آدھی ہیں۔ حقیقتاً میں نے اہتمام کیا ہے آپ کو۔ بہت ساری فارملیٹیز میں الجھا دیا ہے۔ خوامخواہ"۔ وہ دھیرے سے ہنس دیں۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ میں آل ریڈی امپریس آئی ہوں"۔ انہوں نے بہت ہلکا سے انداز میں جواب دیا۔

"کیا؟" وہ بھونچکا سی رہ گئی۔ "کہتے تو نہیں ہیں"۔ اس کے منہ سے نکل گیا۔

"کہتے اور ہونے میں اچھا خاصا فرق ہوتا ہے"۔ انہوں نے سگریٹ منہ سے نکالے بنا ہی دھواں منہ سے نکالا۔

"ہاں خاصا ہے۔ مگر کبھی بھی کسی سے دوبارہ وہ بھی ہمیشہ کی وہ ری کوئی بھول بات تو نہیں۔ مگر جیسی بیوی ہر کو ایک کہاں نصیب ہوتی ہے۔ اور پھر اتنی شاندار اور لمبی حیات ان کے بچھڑ جانے پر تو تسبیح کا ختم ہی ہے"۔ اس نے افسردگی سے کہا۔

وہ ہلکی خان خاموش رہے۔

"ویسے آنے کے بعد سے خوبصورت لگ رہی ہوں"۔ وہ بولی۔

"مگر کیوں؟ کوئی کوہ پیما ہو گئی ہے؟" وہ ہلکی خان نے پھر ایک سرسری نظر اس پر ڈالی۔

"نہیں"۔ وہ بات نہیں۔ آپ سب نے تو دیکھیں جن میں لی ادا کر رہا"۔ وہ ڈھٹائی سے ہنس دی۔

"صادق واپس آجائے گی۔ لاؤں میڈم"۔ انہوں نے سگریٹ منہ سے نکال کر ہاتھ سے وہ اسٹیئرنگ پر دکھائی۔

"یہ بات تھی"۔ وہ بولی۔

وہ ہلکی خان خاموش رہے۔ گرین کی خاموشی کا سبب اپنے صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"میری الجھن یہ ہے کہ ویسے اتنی کا ماحول مجھے بہت پراسرار اور گھٹا ہوا محسوس ہوا۔ جو آج بہت پھر گریس تھیں۔ ان کو اپنے جسٹ منٹ میں بہت مسئلہ ہوا ہوگا جسے کہ وہ کہتے ہیں کہ ویسے میں بہت خوش تھیں۔ کراچی میں تو وہ کافی بھی نہیں تھیں۔ ایک ہفتہ بھی مشکل سے رہی تھیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ویسے میں ان کیلئے کیا اٹریکشن تھی؟" وہ گویا سوچ میں گم کر بولے جا رہی تھی۔

وہ ہلکی خان بدستور خاموش تھے۔

انہیں نے پیچھے مڑ کر ان کی سمت دیکھا۔ گرے شلوار سوٹ میں ملبوس انہوں کا اس چڑھتے ہوئے دن

سرخیوں کے ساتھ وہ بہت متاثر کر رہے تھے۔

"سوری میں میرا خیال ہے ان کی ساری دلچسپی آپ کی ہمدردی تھی۔ وہ بھی آپ کو ہمدرد کرا لی میں نہیں کچھ تھیں"۔ وہ ہنس کر شرارت سے گویا ہوئی۔

"اور ویسے میں کوئی خاص بات نہیں"۔ وہ جھنجلا سی گئی۔

"آپ کچھ بول نہیں رہے؟" سوالیہ نگاہ سے پوچھنے لگی۔

"آپ خود ہی سوال اور خود ہی جواب کے درمیان دلچسپ کھیل سے گزر رہی ہیں۔ میں انٹرپٹ نہیں کرتا آپ فکر نہ کریں"۔ انہوں نے بہت سکون سے ایک دو کا کہا۔

"مذاق کر رہے ہیں؟" وہ مسکرائی۔

"پتا نہیں کرتا"۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں لفظ ہمدرد مسکرائے۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ آپ نے ہماری جو پرائیویسی کا طلسم پھونک دیا تھا۔ انہیں آپ کے ساتھ کو محسوس نہیں کر رہی تھی تو وہ بھی بہت تھیں کہ انہیں آپ جیسا شریک سفر ملا جس کی وفا کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے بعد آپ نے دوسری شادی نہیں کی حالانکہ آپ کی طرح کے لیڈ لا ہوا تو ایک دنیا کی بولیاں رکھتے ہیں"۔

"آج آپ صرف مرنے والوں کو ہی یاد کریں گی؟" انہوں نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"نہیں"۔ وہ چونک کر ان کی صورت دیکھنے لگی۔

"آپ کو اچھا نہیں لگتا کہ کوئی ہو کی بات کرے"۔ وہ ابھی تک حیرت کے عالم میں تھی۔

"اچھا یہ تابی ہیں میم کے اس سے بیک گراؤنڈ میں نظر آنے والے پہاڑ کیسے لگ رہے ہیں"۔ انہوں نے قریب آتے سگریٹ دور پھینک کر گویا فائر کیا۔

"اس طرح تو میرا دھیان ہی نہیں گیا"۔ اس کے لہجے میں اب الجھن کا تاثر تھا۔

"اس کو بھوکا لگتی ہے؟" ایک شاپ کے نزدیک انہوں نے ہیپ آہستہ کی۔

"جیسی کھا لیتے ہیں۔ کچھ تو کھانا چاہیے"۔ اس کا سوا عجیب سا ہو گیا تھا۔

فون کی بیل بہت دیر سے ہو رہی تھی ابھی تو سورج بھی نہیں نکلا تھا۔

وہ ان کی غیر حاضری کے ارادے سے کمرے سے باہر آئی تھی۔ ظاہر ہے، اتنی صبح کا فون بابا صاحب کیلئے ہی ہوگا۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"پھر ایک دم چونک کر بولی۔" بابا صاحب کا فون" "کہیں یہ تو" "دریا بستی" سے بھی ہو سکتا ہے اور یقیناً "ہیں" کا ہو سکتا ہے۔ وہ بھاگتی ہوئی بابا صاحب کے کمرے میں آئی۔ اسے یقین تھا کہ بابا صاحب باتھ روم یا لان میں ہوں گے جب خود بھی تجسس سے بیحد گھبرائی ہوئی تھی۔ وہ سب تو ہے سوچ رہی تھی۔ جاگی ہوئی بھی ہو تھی تو فون سنتے کیلئے کبھی یہ بستر

اس نے اندر آ کر ادھر ادھر دیکھے بغیر ریسیور تقریباً جھپٹ کر اٹھایا۔

"ہیلو"۔

"تھینکس گاڈ"۔ ادھر والی بار بار کہہ رہی تھی۔

جسم و جاں میں ایک سرخوشی کی لہر دوڑ گئی۔ "رانی بات کر رہی ہوں ہوں۔ پہچانے مجھے تم ٹھیک تھا نا؟"

"ظاہر ہے عالم بابا سے فون کرنے سے رہا۔ خان کو ریسیور دیجیے"۔

"بابا صاحب تو آس پاس کہیں نظر نہیں آ رہے۔ پہچانو دیدہ۔ میں پہچانو دل کی"۔ اس نے منہ کر کہا۔

"آپ ذرا ادھر ادھر دیکھ لیجیے۔ مجھے انہی سے بات کرنا ہے۔ سمجھ سے کام نہیں چلے گا"۔ ادھر سے جواب آیا۔

"خالہ ہیں انہی ہوئی ہیں؟" اس نے سنی ان سنی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں۔ دادا اور چچا کے ساتھ ہری پور گئی ہیں"۔ اس نے بالکل بھرے انداز میں جواب دیا جیسے جان چھڑا رہا ہو۔

"وہ مجھے کرا پی فون بھی تو کر سکتی تھیں"۔ اس نے خفگی سے کہا۔

"وہ جو کچھ کر سکتی تھیں یا کر سکتی ہیں۔ خود ہی تو کہتی ہیں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ پلیز خان کو فون دیجیے"۔ وہاں سے پھر وہی بندہ مار جواب آیا۔

"کیا خان سامان کے جائزے میں مصروف ہے میں جو بات کر رہی ہوں"۔ وہ جھلا کر بولی۔

"میں نے اس وقت کام کے سلسلے میں فون کیا ہے۔ مجھے خان سے بہت ضروری بات کرنا ہے"۔ وہ جیسے ڈٹ کر بولا۔

"اوکے ہی میں کہیں ہوں گے، کچھ لیجیے چلیے"۔ وہ جیسے عاجز آ گیا تھا۔

"اچھا، بھتی ہوں، مگر مجھ سے بات کیے بغیر ریسیور نہ رکھیے گا؟"

"سن لیا۔ نہیں رکھوں گا۔ بس آپ ذرا جلدی کریں"۔ غالباً ادھر کی طرف اس نے سر ہلا دیا تھا۔

وہ تھوڑی دیر کا وقفہ دیکھ کر کے دوڑتی ہوئی لان میں آئی۔ بابا صاحب تخت پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

"بابا صاحب! آپ کا فون ہے کوئی سے"۔ اس نے پھولی ہوئی سانس پر قابو پا کر کہا۔

"ہاں۔ بول رہا ہوں"۔ بابا صاحب نے ریسیور اٹھایا تھا"۔ السلام"۔

"ٹھیک ہے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اسے کچھ نہیں ہوگا"۔

"ہم کہہ رہے ہیں ناں۔ ہم خود وہاں پہنچیں گے"۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ فی الحال طبیعت اب کیسی ہے؟ ہمارے پہنچنے تک ہمیں فوراً اس کی خیریت سے مطلع کرنا۔ نہیں بس اور کوئی خاص بات نہیں"۔

"بابا صاحب! ریسیور مجھے دیجیے گا۔ ایک ضروری بات کرنا ہے"۔ وہ ان کے سر پر سوار تھی۔

انہوں نے ریسیور اسے تھما دیا۔

"ہیلو"۔ دوسری طرف سے ہانپی بول رہا تھا۔

اس نے گردن موڑ کر بابا صاحب کی طرف دیکھا۔ پھر آہستگی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ تخت کے پائے سے ٹیک لگائے ہوئے کی جانب دیکھتا پھر بڑبڑاتا کچھ کہتے کمرے سے باہر چلے گئے۔

سارا محلہ لال خان کی آواز سنتے ہی جمع ہو گیا تھا۔ بالکونیوں اور چھتوں پر بھی عورتیں اور بچے کھڑے تھے۔ کچھ فاصلے پر مرد بھی جمع ہو گئے تھے۔ عورتیں بھی بھرپور تعداد میں تھیں۔ ہر عمر کی عورتیں۔ کچھ سامنے والے مکان کے چبوترے پر بیٹھی تھیں۔ کچھ نے بچوں کو گود میں لے رکھا تھا۔ کچھ کے ساتھ بچے کھڑے تھے۔ بچوں کے ہاتھوں میں کھلونے تھے۔ کچھ بچے کھا رہے تھے۔ پھلوں کے چھلکے اور بیجوں کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ کچھ عورتیں ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں۔ کچھ بچے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

"بیٹا ہوا ہے"۔ ایک عورت نے کہا۔

"بیٹا ہو گیا۔ بیٹا ہو گیا"۔ ایک بچہ چلا پڑا۔

"بیٹا ہوا ہے سب باہر نکلو۔ جلدی"۔ لال خان کی ایک رشتہ دار سب کو باہر نکالنے لگی۔

"دیکھیے ہیں تو بہت ہی بڑا لڑکا۔ مولا جی کی بڑی کرپا ہے"۔ ایک بوڑھی نے تشویش ظاہر کی۔

چند لمحوں میں ہی کمرا خالی ہو گیا۔

"بیٹا ہوا ہے"۔ "اللہ"۔ باہر تک سنا گیا۔ لال خان نے خوشی سے دیوانہ ہو کر اسے بیشمار مبارکباد اپنے کی بول اور بھول۔

"تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس کے اور سان ہوئے لال خان کی ایک اور رشتہ دار نے اس کا منہ اپنے ٹھیک کرتے ہوئے کہا تھا۔

"بہو بھی بڑا راضی ہے۔ اللہ بھلائی اپنی بھاوج کی منہ دکھائی کرنے آ رہے ہیں"۔ ایک عورت کی مخنی سی آواز ابھری۔

"بابا بھیجے گئے ہم بہت دیر سے انتظار کر رہے ہیں"۔ کمرے میں عارف کی آواز ابھری۔ لال خان بھی ساتھ تھا۔

"لال خان! ہم تمہیں مبارکباد دیں یا تم ہمیں دو گے؟" وہ شوخی سے پوچھ رہا تھا۔

"ایک سرکار دوسری محنت آپ کی ہے"۔ لال خان تو سرتاپا نہال تھا۔

"سن لیا ہے ہماری مبارکباد۔ اب ہم تمہیں دیتے ہیں"۔

کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی منزل
کوئی ہماری طرح عمر بھر سفر میں رہا

"بہت بہت مبارک ہو تمہیں"۔

بابا کی آنکھیں بند تھیں۔ مگر شعر پڑھنے والے کو اس نے چونک کر دیکھا۔ بہت سے آنکھیں کھل گئی تھیں۔ "یہ ہماری طرف سے حقیر سا تحفہ ہے بھائی"۔ اس نے انگوٹھی ڈبیہ سمیت اس کی سمت بڑھائی۔

"نوازی مبارک ہو۔ یہ ہمارا پیار دیکھ کر بھی سمجھ لے ہو لال کا بھی سمجھ جے امید ہے آپ کو بہت خوش رکھے گا"۔

لال خان ہکلا ہکلا کر نے لگا۔ وہ کوشش کے باوجود "سمجھ" کی طرف نہ دیکھ سکی۔

"لال خان بھائی بہت تازہ کی ہیں"۔ بہت خیال رکھنا ہوگا۔ اچھا اب ہم چلیں گے"۔

"اب دیکھیں گے۔ ہمایا کے آنے کے بعد تم ہمیں کس طرح دستیاب ہوا کرو گے۔ اب دیکھیں گے تمہارے انداز"۔

ہر اک چیز بدل جاتی ہے عشق کا موسم آنے ہی
ماتمی پاگل کر دیتا ہیں ان دیوانے ہو جاتے ہیں

"اچھا بھئی۔ شب بخیر" خدا حافظ"۔ بانو کی آواز بے اختیار اٹھ گئی تھی۔

لیا انتہائی دیدہ زیب دلآویز سی بھولی تھی یا کالی دوا سے شیشے نہیں عالی تھی۔ عارف رنگ شاید بھی گورا ہوگا۔ بے خواروں کی سی چال۔

نہ جانے کس کا پھندہ دیا۔ اس نے چونک کر آنکھیں جھپک لیں۔

اس کے جاتے ہی جانے کس کے کہنے پر کمرہ خالی کر دیا گیا۔ تب اس نے ایک گہرا طمانیت بھرا سانس لیا اور کمرے پر نظر دوڑانے لگی۔

بہت شاندار اور قیمتی فرنیچر تھا۔ اس نے تو کبھی اتنے قیمتی بستر پر بیٹھنے کا خواب بھی نہ دیکھا تھا۔ نیچل لیمپ اور پردے کرنے گلدانوں سے آراستہ۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر بیش قیمتی پردے کرنے کی مہارت میں اضافہ کر رہے تھے۔ نازک صوفے اور گلابیوں سے سجی میز۔ ان کی مہک اس کے اپنے وجود سے اٹھنے والی خوشبوؤں سے ہم آہنگ ہو کر ایک عجیب سا نشہ پیدا کر رہی تھی۔

"معاذ اللہ" کی طرح چونک پڑی سامنے کارنس پر لال خان کی بڑی سی فوٹو پر رکی تھی۔

سفید شلوار قمیض اور واسکٹ پہنے مونچھوں کو تاؤ دیئے۔ وہ شاید کسی موقع کا مہالی پر مسکرا رہا تھا۔ اس کا دل جیسے کسی اندیشے سے لرز اٹھا گیا۔

وہ یک بیک بھیگا بھول گئی تھی۔

ہر لڑکی کی زندگی میں ایک بار آتی ہے اور عورت بھی زندگی کے اس سب سے حسین روپ سے ایک بار گزرتی ہے۔

جس لڑکی کا دل پہلی رات ہی کو اوب نے لگے۔ اس کے بعد زندگی میں کبھی اچھی رات کے خواب نہیں آتے۔ اس کا دل کیا مرجھا جاتا ہے کہ پھول پہننے کے سارے شوق ہی مرجھا جاتے ہیں۔ وہ آن کی آن میں گلشن سے جنگل میں آن گھڑی ہوتی ہے۔ اور مارے رکھ کے وہ راستہ دیکھنے لگتی ہے جس پر چلتے ہوئے کانٹوں سے بچانے والے ہوتے ہیں۔

آہٹ پاکر کا ہولناک سفر دیکھ کر اس کے حواس گم ہو گئے۔

اس نے بھڑکتے ہوئے سر کو سنبھال کر اس پاس نظر ڈال کر پانی تلاش کیا۔

لال خان نے بڑے شوق سے اٹھتے ہوئے قدم بڑھائے۔

"بانو"۔ اس کے ہونٹ میں جیسے کانٹے چبھ گئے تھے۔

لال خان نے تھوڑا کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ بیٹھی گھونگھٹ نکالے ہوئے تھا۔ اس نے لپک کر اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔ اس کے قریب آ کر بہت آرام اور احتیاط سے بٹھا دیا۔ کرسی کے ہتھوں سے لگا دیا۔

وہ ایک سانس میں چڑھ گئی۔ قدرے سکون کا احساس ہوا تو مسکرا کر بیٹھ گئی۔ لال خان سے پانی مانگ لیا۔

ابھی پانی پیتے ہوئے وہ لال خان کے بازو کے گھیرے میں تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے یہ بازو اس کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس کے دل میں ہوا اٹھی۔

بانو جان کو "ہایا" کا انداز حریر بے طور کر گیا۔

"بانو ہم اس گھر کی [illegible] ہم بانو بھائی ہیں۔ سب کا [illegible] گھر [illegible] کی بانو ہم سے بھی چاہے کرو۔ جیسے چاہے ہو اپنی طرف سے اجازت ہے۔ ہم تو بس چاہیں گے کہ تم خوش رہو"۔

وہ بولا تھا۔ چونچلے کر رہا تھا۔

"بانو" اس نے پہلی بار نظر اٹھا کر لال خان کی سمت دیکھا۔

پتا نہیں اب خوشی کس رنگ میں آئے گی۔ میں اسے پہچانوں گی بھی یا نہیں۔ وہ ایک سوالی کی طرح پتھرائی آنکھوں سے خوشی کا راستہ دیکھا کروں گی۔

یہ اسے نہیں آتی تھی تو خوشی کے امکان ہوتے نہیں رہتے تھے اب اندر ایک ماتم برپا ہو گیا ہے ہر لمحہ بڑھتا جائے گا۔

"آج سے پندرہ سال پہلے میرا نکاح ہوا تھا۔ میرے ماموں کی بیٹی سے"۔ لال خان مخاطب ہو رہا تھا۔

اگلے دل کے دورے پر چڑھی زنجیر جھن جھن بج اٹھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میرا سے نباہ نہیں ہو گیا تھا۔ ماموں نے اس کا بہتیرا علاج کرایا۔ مجھے بھی سمجھوں بجھا کر رکھا کہ ٹھیک ہو جائے گی۔ پھر میں نے تنگ آ کر طلاق دے دی اور کویت چلا گیا۔ سات سال وہاں لگا دیئے۔ پھر ملک واپس آ گیا۔ ہوں تو شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ بچے بھی نہیں تھے۔ دراصل قسمت میں تو تم لکھی تھیں۔ اس لئے ادھر ہو رہی تھی۔ ہونا سب کا کوئی وقت مقرر ہے۔ مگر بھئی بڑی اچھی قسمت ہے ہماری۔ سب تعریف کر رہے ہیں ہماری دلہن کی"۔

اب دلہن کو بہلانے کا سرا تھا جو لالی قرب کے بعد وہ جا چکی تھی۔

"بھئی ہم تو سرے سے بیٹھے تمہارے ہیں۔ اتنی دور کیوں ہو گئی ہو"۔ لال خان گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا۔ اور ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

وہ ایک روایتی پردہ نشین لڑکی تھی جو اپنے خوابوں میں بہت آسودہ رہتی ہے۔ بجائے ایک نامانوس قرب کے۔ وہ سہم کر ٹھٹک گئی۔ بڑا ہولناک تصور تھا۔

اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ اس خیال ہی سے اسے متلی آ رہی تھی کہ وہ اس کے قریب آئے گا۔

"میں تھک گئی ہوں۔ سونا چاہتی ہوں"۔ وہ کانپتی آواز میں بمشکل کہہ پائی تھی۔

"ااا"۔ لال خان کا بلند قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"بہت کم ظرف ہو۔ بہت ناداں ہو۔ ارے ابھی ساری مکھن اتر جائے گی"۔

دادو کو اس کے والہانہ انداز پر جھرجھری آنے لگی۔

"میں دوہ چکی ہوں گی"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ گویا یہ ممکن تھی۔

"اور پھر ساری عمر فسوس بھی تو"۔ لال خان کلائی سے گھڑی اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا۔

بالی۔ ایک تو عورت ہے۔ پھر اسے بیٹے کا دکھ دیتا ہے۔ اور پھر اسے "لال خان" دیتا ہے"۔ وہ اٹھی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"آج تو مکھن سے خوشبوؤں کا طوفان باہر آ رہا ہے۔ کیا اماں نے ختم کا جشن منایا جا رہا ہے"۔ اس نے کمرے میں داخل ہو کر گہرے گہرے سانس لئے اور ایک کتاب اٹھا کر ٹوٹنے لگی۔

"بڑے ابا انتظار کر رہے ہیں آج شام چلیے"۔ بلو نے اطلاع بہم پہنچائی۔

"ہائیں — اچھا — بھی حویلی کے سب باشندے قسطوں میں کراچی آ رہے ہیں"۔ وہ سر لے لے کر کتاب کو رکھ رہی تھی۔

"سب لفنڈے ہو جائیں گے۔ انہیں اکیلی فرصت میں اماں بیچارہ"۔ روشی کو اچانک گھبراہٹ سی ہو گئی۔

"ابھی رکھ دی ہوں۔ تھوڑے سے باقی رہ گئے ہیں"۔ وہ کرسی میں کتاب الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

"بلو"۔

"جی بی بی"۔

"یہ بڑے ابا کیوں آ رہے ہیں؟"

"مجھے کیا پتا بی بی۔ ان کا گھر ہے سو بار آئیں گے"۔

"تو گویا بڑے ابا کی دعوت ہو رہی ہے"۔

"دعوت تو دوسروں کی ہے آپ کو نہیں پتا؟ فاطمہ بتا رہی تھی وہ جو اس دن نہیں آئے تھے سولے سے ان کی بائک پر سوا سا سا ہے۔ جب آپ اسپتال سے آئی تھیں نا خان بھی تھے"۔ (اس کا اشارہ حویلی کی طرف تھا)

روشی کا ہاتھ منہ کی طرف جاتے جاتے رہ گیا "علیم الدین؟"۔

"جی ہم مجھے پتا نہیں سا ہے خان (حویلی) آ رہے تھے کہ ہمارے گاؤں ہی کے ہیں"۔

"پر بلی وہ تو سالوں سے شہر میں ہیں۔ جب وہ گاؤں میں ہوں گے تو میں چھوٹی سی ہوں گی"۔

"ابھی تو گئے تھے دعوت کھا کر۔ اتنی جلدی پھر آ رہے ہیں"۔ اب سمجھ میں آیا کہ "بڑے ابا" کیوں آ رہے ہیں؟" اس نے ہاتھ کو منہ کے اندر سے یوں چبایا اور انگریا پاؤں اٹھتی ہوئی کتاب سے باہر آئی۔

روشی ہاتھ میں آئینہ پکڑے آئی تو وہ ماری تھی۔ نرسی کے دانوں میں وہ گئے تھے۔ سوجا ہوا منہ لئے وہ کمرے میں گھر سے پس کرانے کے ارادے سے باتھ روم میں داخل ہو گئی تھی۔

جب ایک کونے میں بیٹھی "لالا سوتے ہیں ناں؟ لالا سوتے ہیں ناں؟" کی گردان کر رہی تھی۔

بیٹے "بولا وہ ہیں" گم ہو گئے تھے وہ ایک ایک سے پوچھتی پھر رہی تھی۔

ان ایک تہذیب کے عالم میں سوتے لئے بیٹھی تھی۔ جو بھی ملازم نظر آتا اس کے پاس جا کھڑی ہوتی۔ وہ پھر بیٹے کرتا ہے کہ "لگ تو نہیں رہا ہے۔ چل جائے گا؟ وہ تو نہیں لگے گا؟"

مریم کا سنتی کرتے ہوئے شرمت ہر نیل پالش کا نشان نظر آتا تھا۔ وہ یہ بھی پھر رہی تھی۔ یہ ہوتے بھی جائے گا؟ وہ یہ بھی کس طرح؟

پورے ہاؤس میں اگر کوئی پرسکون خاتون تھیں۔ وہ تھیں۔ وہ تیزی کی طرح اماں کے پاس گئی۔

جیسے نے سر اٹھا کر روشی کی سمت دیکھا۔

"ارے بھئی کیا ہوا۔ اس کا چہرا سمر ہو گیا ہے"۔

انہوں نے بھی نہ پائے تھے کہ گر پڑا ہوئے

"ارے بھول گئی آپا۔ یہ بے وقت کی راگنی"۔ مریم نیل پالش کے بھیے والی شرمت لئے انہائی غم ناک پوز بنائے تھی۔ ایک دم بھک کر رو لی تھی۔

"ارے کیوں غم میں دبلی ہوئی جا رہی ہو خوامخواہ پاس بھی تو ایسا سوتے ہے۔ اس کی شرمت لے لو اگر تم کو جیلسی ہو رہی ہے سوت بیٹھنا ہے"۔ جیسے اس سے ہار وہ مگ کر بولیں۔

"ہائے اللہ ایسی بیہودہ اخراب ہے سارے بالوں کی تیلیں بن گئیں"۔ نادیہ اپنی روتی ہوئی دوست میں داخل ہو گئی۔ اس کی شکل دیکھ کر سب اپنی فکریں بھول گئیں۔ وہ قہقہے شروع ہو گئے کہ بس۔

"کس سلسلے میں آخر یہ قیامت برپا ہے؟" روشی اب زیادہ برداشت نہ کر سکی۔ سمجھ تو خیر وہ گئی تھی مگر ایک خود فریبی کا بھی "ہاں" ہوتا ہے ہر انسان کے اندر۔

"لو بھئی داہا رانیوں کا پوچھ رہا ہے۔ آپ کیوں آئے ہیں"۔ روشی کو بھی باتیں گھڑنا خوب آتی تھیں۔

لاؤنج میں ایک مرتبہ پھر مشترکہ قہقہہ گونجا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں وہ کیسے ہیں۔

"تم نے اپنے کپڑے وغیرہ تیار نہیں کئے؟ لگتا نہ جانے کیوں آج تم کم صم سی تھیں۔

"اب کہاں جانا ہے؟" وہ انجان بن کر پوچھنے لگی۔ "دریا بستی سے اٹھتے ہیں تو کراچی میں گرتے ہیں۔ آگے خواب سمندر ہے"۔ اس کی خود اختیاری آنا فانا بحال ہو گئی تھی۔ وہ اطمینان سے کشن کمفرٹ کر کے بیٹھ گئی۔

روشی نے سب سے زیادہ اس کی اس بات سے مزا اٹھایا تھا۔ خوب لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ "ہاں گے روشی کیا جواب ذرا ہوتے ہیں فوراً"۔

"اچھا اب تم جلدی سے کپڑے پہنا کر جلدی سے کچھ کھا لو۔ پھر کہیں جانا ہے۔" اس نے اسے ہدایت کی۔

"کہاں جانا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ابھی آپ کو پتا چل جائے گا۔" وہ مسکرائی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

"اور ہاں۔ یہ بات کسی کو پتا نہ چلے۔" اس نے تاکید کی۔

"جی بہتر۔" اس نے کہا۔

"اچھا اب میں جاتی ہوں۔ تم جلدی سے تیار ہو کر آ جانا۔" اس نے کہا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"کھانا تو تم میرے گھر کھاؤ گی۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں تو اگر دو گھنٹے بھی پیدا نہ کروں تو بھوکا نہیں رہتا۔" وہ ہنسی۔

"تو پھر اس لیے کہ اتنی دیر میں تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"اوہ، تو آپ نے مجھے بھوکا رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"اس طرح تو بی بی اپنی طبیعت اور بچے کی خیر سمجھو گی میں کسی قسم کا "دخل" نہیں ہو سکتا۔ یہ باتیں تو اپنی ہیں۔ میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کتنی اچھی ہیں۔ ہو بھی کر سکتی ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں کچھ نہیں ہوگا۔" وہ بہت سکون سے کہہ رہا تھا۔

"مگر یہ سب کیا ہے؟ اس طرح تو یہاں کر لی ہیں جیسے "حکومتی" ہو رہی ہے۔ اور ہوں۔"

"عادت سے مجبور ہیں۔ عادت بری ہے۔ پتا ہے اگر خواب میں بھی دیکھیں کہ کوئی بچا کچرا پڑا ہوا ہے تو اٹھنے ہی لگتا ہوں۔ شروع کروں گی کہ "عادت" بری ہے۔" وہ قہقہے لگانے لگا۔

روشنی کی واپسی ابھی ہوئی تھی۔ "حکومتی بدلی" "بیوقوف" سے تبدیل ہوئی۔

"بیوقوف کوئی اور نہیں۔ کھانے پینے گھر والوں کی۔ کہیں اس سے زیادہ کوئی چیز ہے۔ کہیں ہے تو اپنی خواب دیکھنے کا وقت" تو "اصلی" ہوتی ہیں۔ ان کی تو ہی تو آپ نے اپنے آباؤ سے سنی تھیں۔ خاص ہے۔ ان کی فکر نہ آپ نے بنایا نہیں تھا نہ بنا سکتے۔"

"وہ اس کی "باتوں" پر ہنس ہو گئی۔

"نہ ہو، ایک بات کہنے کو کچھ بھی نہیں چاہیے۔ ہو، ہو تو اور بھی اچھا ہے۔ باتوں کا حشر ہو رہا ہے۔ گھسیٹ رہا ہے کہ اس نہیں ہے؟" وہ ہنسی سے کہہ رہی تھی۔

"آپ بہت ہم "اہم" ضروری ہے۔ کسی "ہوں کا کک" سے ساری بات کہنا شروع کر دیں۔ لمبے بال تو ہوتے ہی عمل کرتے ہیں۔ آپ کی امی کے لمبے بال تھے۔ ابھی تو ہو بھی نہیں چھوٹے ہیں" وہ کہہ رہا تھا۔

"اپنا مجھے پتا ہے لمبے بال پسند ہیں۔ جب بھی تو وہ چوٹی نہیں چھوڑتی بال بنتے" اس کے بال میں کچھ الجھن ہو رہی ہو گی۔

"میں اپنی پسند کی بات نہیں کر رہا۔ آپ کو اپنی پسند کی زندگی گزارنے کا پورا حق ہے۔ میں تو عورت کے حق بات کر رہا تھا۔"

اس نے جواب تو کوئی نہ دیا۔ اس نے ماتھا چوم لیا۔ بیسن کھول دیا۔

وہ "اچھے خاصے" اور "بے چاری سے" "لائن کورٹیسی" کی اصولی نہایت سلیم استغراق سے چھوڑی تھی۔

وہ بی کی آمد کی اطلاع اسے فاطمہ (نوکرانی) کے ذریعے ملی تھی۔ پہلے کے عورت اس نے کروٹ بدل کر ٹال دی۔ پھر کروٹ بدل کر اٹھ بیٹھنے کی طرف کر لیا تھا۔

"کھانا لگے جانے تو بتا دو۔" اس نے کتاب پر سے نظریں اٹھائے بغیر کہا کہ فاطمہ سر ہلاتی نکل گئی۔

اور بھی خاصا عجیب تھا۔ پہلے تو کبھی نے ایک بار کہا تھا اور اس پر کسی بات کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا۔

"کتاب پڑھتے پڑھتے اسے اونگھ آ گئی تھی۔ جاگے بھی تو وہ بیزار ہو کر جا چکی تھی۔

"کیا بدتمیزی ہے" مہمان خواتین کب سے انتظار کر رہی ہیں اور میں سمجھ رہی تھی کہ تم تیار ہو رہی ہو" بگڑا سوا سخت آئے تھا۔

"تمہارا ہوں۔ بتایا خانساماں کہ صبح ہی تبدیل کیے ہیں کپڑے۔ اور مجھے کوئی شوق نہیں نیند اڑنے شوہر کے ستانے میں۔ صبر لیے گا" اس نے بھی جواب خراب ہونے کا مظاہرہ کیا۔

"اوں ہاں ہوتا کر لو۔ چار پھپھے، چالی کے ہاں لڑکا ہوا ہے۔" وہ اطمینان سے کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

"اب اٹھا کے بیوقوف کہتی ہو گی۔ وہم میں گھس گئی۔

"کسی دن اپنی آنکھ سے میرا اس طرح انتظار کیا ہوں تو دیکھ سر سے پاؤں تک پھول ہوں گی"۔

انھوں نے سرگوشی کی تھی" کانوں میں چھوٹی چھوٹی جھلکیاں بجنے لگی تھیں، اچھا کر دار میں ڈال لیا۔ اور اپنے سمجھ بوجھ پر اعتماد کی نظر ڈال کر وہ چلنے کرتی ہوئی آگے۔

"کہاں ہیں سب لوگ؟" اس نے سامنے سے آتی ملازمہ سے پوچھا۔

"ڈائننگ روم میں۔ آپ ہی کے لیے چائے لگی ہوئی ہے"۔

"ایک منٹ میں آتی ہوں۔ آپ میرا سامان لے کر میرے کمرے میں رکھ دیں"۔ اور چلتی ہوئی ڈائننگ روم کی طرف آگئی۔ طویل و عریض پر شکوہ ڈائننگ ٹیبل پر سب سے وہاں تک کھل ہو چکی تھی۔

"السلام علیکم"۔ اس نے جاتے ہی سب کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام آؤ بیٹا"۔ بڑے ابا صاحب کے ساتھ ایک بیٹھے تھے اپنے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

ابا صاحب کی طرف قدرے تھکی تھکی سے انداز میں دیکھتے ہوئے بیٹھ گئی۔

"بیٹی! آج پہلا دن ہے آپ کا اس گھر میں، امید ہے کہ آپ نے بڑے سلیقے سے اس کے سر پر ہم کا ہاتھ پھیرا۔

"جی"۔ اس نے بڑے ادب کی انداز میں جواب دے کر اپنے سامنے رکھی ہوئی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ گویا جتانے کی کوشش کی کہ انہیں نے بات ختم کر دیا تھا۔

"آپ کی عادت ہے کہ بیٹا ہے تو بول کر ہی ہوں"۔

ابا صاحب نے اسے پھر مخاطب کیا۔ کچھ شرم کی وجہ سے نظریں نیچی کیے ہوئے تھی۔

ابا صاحب نے اسے پھر اسی انداز میں اس کی سمت دیکھا۔ پھر اپنے بیٹے (یعنی اس کے شوہر) کی طرف دیکھا۔ جن کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرے ہوئے تھے۔

"تو تھا اور شی ہے"۔ بڑے ابا نے ابا صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے لئے کا جواب دیا۔

"اور بھی تم سے کچھ ارشاد کیا ہے؟" ساتھ ہی انہوں نے ابا صاحب کے صاحبزادے کو بھی مخاطب کیا۔ ایک طرح سے سب کی توجہ اپنی طرف سے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔

"ابا صاحب کا کہنا ہے کہ ڈنر کے بعد کچھ دیر ہم سب کو ساتھ بیٹھنا چاہیے۔ اور آپ کا کیا خیال ہے؟"

"بہت خوب! ابا صاحب ایک ظریف طبع بزرگ ہیں۔ ان کی بات کا برا نہ مانیں۔ وہ ایسے ہی ہیں"۔ بڑے ابا نے ہنستے ہوئے کہا۔ بس اسے حقیقت جاننے کے لیے یہ اشارہ کافی تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی۔

وہ ابا صاحب کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنی پلیٹ کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"بیٹا! آپ کا کیا خیال ہے؟" ابا صاحب نے پوچھا۔

اس نے ایک نظر سب پر ڈالی۔ پھر سر جھکا کر آہستہ سے بولی۔

"جی ابا صاحب! آپ کا حکم سر آنکھوں پر"۔

اسے اس بات کا پورا یقین تھا کہ اس کی سمت توجہ سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنی نظر میں محفوظ ہو جائے گا۔ اور ان کا یہ سمجھ لیا تھا۔ اس لیے آخری حد تک "خوش" کی غلطی سے بھی ان کی نظر میں کمتر نہ ٹھہرے۔

ہاتھوں کے ساتھ کھانے کے خیال سے اس کے منہ میں پانی آ رہا تھا۔ کھانے لگے تھے۔ ابا صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ جیسے ہی کھانا شروع ہوا وہ ہاتھ روک کر "حسین علی" میں فرق ہو گئی۔ سارے سے سوال سے بچ گئی وہ صاحب کی فرمت سے باخبر۔

"آپ نے اپنے بیٹے، بہو کی کوئی تصویر نہیں سجائی ہوئی"۔ ناہید نے ارجی حسین کے صوفے پر بیٹھی ہوئی شام کی چائے پیتے ہوئے پوچھا۔

یہ بھی کیا دیکھنے سے بات ہی ہوا کرتا تھا۔ طویل و عریض لان — اور ان کے اس پار چاروں طرف سے اونچی اونچی دیواریں۔

"آگے تصویریں کیوں سجاتے ہیں؟ دل و دماغ میں اترتی ہوئی تصویریں کیا کافی نہیں ہوتیں؟ کاش کہ ہم کاغذ پر اترتی ہوئی تصاویر کی بجائے دل و دماغ پر اترتی ہوئی تصویر کو جاوداں بنا سکتے۔ ان کے پاس سے زندہ اور متحرک تصویر ہوتی ہے۔ لہو میں اتر جانے والی۔ جو اس کے ساتھ ہے۔ اس کے ساتھ"۔ وہ آہستگی سے اداس ہو گئے۔

"میری شامت نے دعا دی تھا کہ آپ سے سوال کر لیا۔ حالانکہ میرے "سب کانفس" میں یہ بات اچھی طرح نقش ہے کہ آپ کے ہاں ہونے اور نہ ہونے کی ہر انداز کی پریشان (بعد) سے موجود ہے۔ آپ سے سوالیہ گفتگو تو تکلیف دہ ہے"۔ وہ شرمندگی سے سر جھکا کر بولی۔

"آپ تو مجھے، جان کے کسی کی موت میں بھی شریک نہ ہوں"۔

"یعنی ایک حساب سے آپ مجھے مطلبی یا غرض کا بندہ کہہ رہی ہیں؟ مگر ایک بات میں آپ کو بتا دوں اس دنیا میں بہت سے ایسے مواقع ہیں کہ جن کے بھی ادا کرنا ہوتے ہیں کیونکہ ان کے کرنے سے دل کو وہ خوشی ملتی ہے جو غیر ضروری (نظر نہ آنے والی) تقویت ہوتی ہے۔ جس کے ملنے سے انسان پہلے سے زیادہ طاقتور اور توانا ہو جاتا ہے۔ یا ان کی عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے کئی عمل ہوتے کے بعد انسان کو یہ ہوش نہ رہتا کہ وہ یہ جاننے کی کوشش کرے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ البتہ جب اگلے لمحے جب شاید انسان گذشتہ خوشی کے لمحات پر غور کرتا ہے۔ حالانکہ اکثر اوقات اس کی سمجھ سے باہر ہوتی ہے"۔

وہ بغور سن رہا تھا اور ان کی سمت ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"دل کی بات کو مجھے خود اور تھا جب اس کی تجویز ختم ہو گی تو وہ اپنے انداز پر شرمندہ ہو جائے گی۔ لہٰذا وہ شکریہ کہہ کر سے سنبھالنے لگے تھے۔

"آپ کو اس طرح کے لطیف جذبوں کی پہچان ہے۔ یقین کریں مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ ہم ایک ہی انداز کی ذہنی

ہے اب تجھ کو مجھے کچھ نہیں کہنا تھا۔ کیوں آپ کی دیوانی تھیں۔ پھر بھی کیا فکر تھا۔ معاف کیجیے گا۔"

"سر! آپ کا فون ہے"۔ حامد نے مداخلت کی۔

باہر کی جان کر وہ لوٹ گئے۔

باجی اپنے لئے دوسرا کپ تیار کرنے لگی۔ وہ دیر بعد ہی واپس آ سکے۔

"آپ کے بھائی نعمان احمد سے بات کر لیجیے"۔

باجی تو جیسے منتظر ہی بیٹھی تھی۔ حویلی میں جتنی بار کراچی سے فون آیا تھا۔ طیب احمد کا تھا جب سے وہ آئی تھیں یہ پہلا فون تھا۔

اس نے بڑے شوق سے ریسیور کانوں سے لگاتے ہی سلام کیا تھا۔

ادھر سے سلام کا جواب دیتے کے — فوراً بعد اسے فی الفور کراچی واپس پہنچنے کیلئے کہا گیا تھا کہ جو بھی فلائٹ ملے اور پہلی فرصت میں آ جائے۔ ابا کی طبیعت خراب ہے۔ اور پریشان کن بات یہ تھی کہ نعمان بھائی نے مزید کوئی بات کئے بغیر ریسیور رکھ دیا تھا۔

اب اس کی پریشانی فطری تھی۔ وہ فکر بیدار والی ہوئی یار علی خان کے پاس آئی تھی۔

"آپ فکر نہ کریں اپنا سامان پیک کریں میرا آدمی آپ کو چھوڑ آئے گا بلکہ جہاز میں بٹھا آئے گا"۔ گویا خان نے انہیں مطلع کر دیا تھا۔

"میں نہیں جاؤں گی آپ کے کسی آدمی واومی کے ساتھ" آپ میرے ساتھ چلیں۔ مجھے تو ان آدمیوں کی شکلوں ہی سے خوف آتا ہے۔ خدانخواستہ میں کسی حادثہ آدمی کے ساتھ نہیں گزار سکتی۔ اس سے تو بہتر ہے میں اکیلی آپ کی ہیپ ڈرائیو کر کے ایئرپورٹ لے جاؤں۔ پھر میں آپ کا ڈرائیور آ کر ہیپ لے جائے"۔

"یہ ہوئی نا ڈھنگ کی بات" ہے نا حامد؟ اچھا چلیں تیار ہو جائیں اور پریشان نہ ہوں اللہ بہتر کرے گا"۔

"اوکے؟" وہ حامد کی طرف پلٹی۔

"آپ کے پاپا —!" وہ حامد کی الجھن میں دکھائی دیئے۔

"میرے پاپا؟ آپ کے کچھ نہیں لگتے یار بھائی؟" اسے جیسے ان کے انداز پر بہت صدمہ ہوا۔

"آئی ایم سوری — میرا مطلب ہے یہ ایب نارمل"۔

ان کے انداز میں جان چھڑانے والی کیفیت تھی جسے وہ محسوس کر سکتی تھی مگر اس کے پاس وقت نہیں تھا۔

اب خاور ہے ان کے ہاتھ منقطع لگ گیا تھا۔ روشی کا ان کے درمیان چہرا ابھرا اور ابھر ہو پایا تھا۔ جتنے بازو جو تھی سو تھی۔ ادھر ادھر کونوں سے باقاعدہ انتظار ہو رہے تھے۔

پھول کھلے ہیں کتنے پھیلی ہوئی ہے جاں تک خوشبو
ہم نے بھی اور سے اور ہو چمن مہکائے ہیں

دل وہ بہت نزدیک اور نظر سے کار علی تھیں۔

"کلوم نے" وہ کچھ کہہ رہی ہے بڑا انتظار گیت ہے اس میں"۔

"کون سا؟" نگاہ اپنی وہ ست کو بہت انہماک سے اخذ کر رہی تھیں۔

"ہاں — کیا ہے وہ —؟

جو اس یہاں نہ ٹک سکے ہمیں گے اس جہاں میں
کھلیں گے آرزو کے پھول جا کے آسماں میں

"ہاں واقعی بہت پیارا گیت ہے پیارا مصرعہ لگایا ہے"۔

یہ خوبی اسی کی ہے جو کسی کا ہو گیا

وہ کھنکھتے قہقہے بڑی سادگی سے بولیں۔

"آپا آپ تو بھیا روشی کے لفظوں میں کسی کو لے کے غم اٹھا لایا کریں" سدرہ نے کہا تھا۔

"آج تو بڑا اچھا ماحول ہے — روشی کی مٹھیاں میں دیکھا تھی شاندار جوڑی بنے گی دیکھیے گا تقریب کیسے ہوتی ہے"۔ وہ اپنی پریشانی بھول گئی تھی۔ شلوار قمیص میں تو وہ ایک دم ہی پرانی سی لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔ سدرہ نے بھی حصہ لیا۔

"ہوں ہم خانہ خیم الدین ہو گا"۔ یہ کوپر سے نام کے مسئلے نے سنایا۔

"خدا کیلئے روشی اتم اپنے بیٹوں کے نام اس قابل پر مت رکھنا"۔ مریم نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے۔

"کبھی پتا چلے لالا دین — فلاں دین کے ناموں کا رش لگا ہوا ہے"۔

وہ اس قدر سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں جیسے روشی کے ہاں بیٹے ہونے کا اسے سو فیصد یقین ہو۔

"رش کا کیا مطلب؟ کیا تمہیں کسی نجومی نے بتایا ہے کہ روشی کے ہاں گیارہ بیٹے ہوں گے؟" زرین نے تعجب سے مریم کی طرف دیکھا۔

"ابھی بات فرض کر لینے میں کوئی حرج تو نہیں"۔ مریم کے پاس جواب تیار تھا۔

"پھر بھی کچھ کم کرا دیتے بہت زیادہ ہیں"۔ لالی کو اتنی تعداد پر سخت اعتراض تھا۔

"مثلاً کتنے کر دوں؟" مریم نے کن انکھیوں سے روشی کی طرف دیکھا۔

"کوئی ضرورت نہیں کم کرنے کی۔ تھوڑے دنوں کی پریشانی ہو گی جب بچے چھوٹے ہوں جب جوان ہو جائیں گے فکر کرا دیں گے۔ روشی کا جو ہے لیکن ہو گا ہو گا ہو گا —!"

"پھر تو روشی کا ایک الگ قبیلہ بنے گا۔ میں نے ہسٹری پڑھی ہے۔ یونو؟" سلطنت عثمانیہ" کی بنیاد جس قبیلے نے رکھی تھی

"...سے لے کر ہوا میں معلق تھا"۔ تب سے معلوم ہوا "تقدیر" کیا ہے۔

"لگتا ہے وہی کے لیے ہی لکھا ہے"۔ وہی نے قراءت سے وہی کی طرف دیکھا' ہوا میں کی طرف دیکھا' ہوا کی طرف دیکھا' کے باہر ہو رہی تھی۔

چاند پھر بھی مگر ترچھا ہے۔ جاؤ پھر ہوا میں کیا کروں ہائے ؟

چاند پھر بھی ...؟

شیلے کی پرسوز آواز اس شور میں بھی واضح سنائی دے رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے گنگنا رہی تھیں۔

"آپ کو صرف انگلش گانے ہی کیوں پسند ہیں؟" بچے نے بالآخر سوال پوچھ لیا۔

"پسند ہے اپنی اپنی' مجھے اصل میں یہ فیلنگز والے گانے پسند ہیں"۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائیں۔

"ایکسکیوزمی!" وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔

"اللہ خیر!" سوہنہ گھبرا کے منہ سے نکلی تھی۔ ایک دم ہوا ہی کی تھی۔

"ابھی ابھی فون آیا تھا۔ پتا نہیں کہاں سے بابا صاحب بات کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے میں بچوں کو ساتھ لے کر آ رہا ہوں۔ بچے کی تشخیص کروانی ہوں"۔

حنا نے سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے چونکا دینے والی خبر پہنچائی۔

"آج کیا ہے؟" وہی ایک دم گھبرا کر بیٹھ گئی تھی۔

"بچے میں وہ ان ہوتی ہیں"۔ شیلے نے مسکرا کر وہی کو جواب دیا۔

ان کی جان میں جان آئی۔ اس کا جی چاہا ہاتھ جوڑ کر درخواست کرے کہ خدا کیلئے آپ مسکرایا نہ کریں۔ یا پھر کہے "ڈریں" ہے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں چل پڑیں؟" سوہنہ نے ادھورا کام مکمل کرنے کرتے اسے ٹوکنے کی زحمت نہ کی۔

"سامان پیک کرنے"۔ شیلے بھرپور لیس۔ وہی خاموش رہی۔

"آئی ہیلپ!" بھی تو ہمارا دل بھی نہیں بھرا"۔ ہوا سوری۔

"یہاں ہے کیا؟ ہوائے سوائے کے۔ میں تو بس وہاں سے آئی ہوں۔ مزہ نہ کام کا۔ بچے کا کھانا چھوڑ دیا۔ بھوک بھی ٹھیک سے نہیں لگی۔ رنگ شیلے!" "لو" "اوہ ہے یہ" وہی نے شیلے کو ہوا کی کوتاہی۔

"ٹھیک کہہ رہا ہے وہی۔ ایک حساب سے تو واقعی یہاں کچھ بھی نہیں ہے"۔ شیلے نے ہنس کر تائید کی۔ وہی ویسے ہی بیٹھی رہی۔ سوہنہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کچھ اسے بھی دیکھنا تھا۔

"شیلے ... میں آپ سے بات کر رہی ہوں"۔

"جی ... کیسی طبیعت ہے آپ کے بابا کی؟" وہ اپنے دھیان سے بات کر رہے تھے۔

"...قبیلہ میں ہے۔ ہمارا دل چاہا' آپ سے کہوں' آپ سے کہاں؟ کہ مجھے یہ جگہ بہت پسند آئی ہے۔ میں یہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا چاہتی ہوں"۔ اس کی آواز ڈوب گئی۔

"آپ تو واقعی سیریس ہیں۔ کہاں ہے آپ کا مکان؟"

"ہوا چلتا ہے میرے باپ کے پاس۔ وہاں بھائی اور بھائی کا بیٹا ہے"۔ وہ روانی۔

"ہے کیوں ہے؟ ہے ہے ہے' ہے ہے ہے۔ ہے ہے ہے ہے ہے ہے"۔

"آپ آئیے گا؟"

"آپ یہاں کے حالات دیکھ کر کہہ رہی ہیں"۔

"آپ کو اول رہی بھی نہیں؟" کہتے ہے ہے ہے ہے؟"

"...ہے ہے ہے ہے ہے ہے

السلام علیکم بھابی" اس نے نائی انداز میں بیٹھتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" اس نے حیرت سے جواب دیا۔

"کیسا وقت گزر رہا ہے بھابی؟" اس نے نائی کے لڑکے ہوئے بھورے پر تعجیلی نظر ڈالی۔

"سیلابی ریلے سے" سب ٹھیک" نکل چکے تھے" نائی نے کہا۔

"یہ ماحول ہے جو ہمارے اس ماحول میں پیدا ہوتا ہے" نائی ماحول کا عادی ہوتا ہے تم بات کرو لیکن بھابی کو کسی طرح خوف سے آزاد کرنے کے لئے بھی کچھ"

"آپ یہاں خوش ہیں؟" اس نے بھابی کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"بہت اچھی گھنٹی اچھی تنخواہ اور سرکاری رہائش اور پھر سب سے بڑھ کر جو کچھ ہے ہمارا اپنا ہے۔ یہ گھر ہے میں نے اپنا گھر بڑے ارمانوں سے سجایا ہے"۔

"آپ" اپنے گھر" کے مرد میں عورت کیوں ہے۔ اس نے آپ کو آزادی جو دی ہے"۔

اس نے بھابی کی بات درمیان ہی میں کاٹ دی۔

"تمہیں کس طرح کی آزادی چاہیے۔ عورت کو آزادی سے کیا سروکار؟ وہ مختلف پابندیوں سے اپنی ہی حفاظت ہوتی ہے اور عورت اپنی حفاظت ہوتی ہے اپنی ہی پرسکون ہوتی ہے۔ عورت کے تمام مسئلے گھر سے شروع ہو کر گھر پر ختم ہوتے ہیں۔ عورت گھر میں محفوظ رہ کر گھر کو سنوارتی ہے اور حفاظت زیادہ گھر ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ پرسکون اور حسین ہوتا ہے اب اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں نے کاروبار جو پہلے سے سیاست میں انہوں نے کیا کرایا؟ انہیں تو یہاں سے نکلنے کی جلدی تھی۔ خواہ وہ سب سے پہلے "خواہ مخواہ" ہونے کی اطلاع دیتے اور ہر بار فوراً پہلے سے خالی ہوتے"۔

"ماضی کو بھول کر بھابی! کیا آپ اپنی مرضی سے کہیں آ جا سکتی ہیں؟ کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ کیسے حاصل کرتی ہیں؟ کیا آپ کو کوئی تکلیف ہو تو آپ کیا

...لمحوں کی مہلت آپ سے کہا ہوں گی۔ آپ کو تو بتانا ہی ہوگا کہ آپ کو کیا ہوا ہے۔ مجھے خوف آ رہا ہے۔"

"تو یہ ہی ہوں کہ آپ کو کیا ہوا ہے۔ پہلے یہ بتائیں کہ آپ کو یہ..." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ چھوڑ کر اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

"آپ مجھے بتا دیں۔ میں کچھ نہیں کروں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔"

"مجھے یہ بتانا ہے کہ آپ کو کیا ہوا ہے۔ آپ کو کیا ہوا ہے۔" اس نے دہرایا۔

"آپ کو کیا ہوا ہے۔" اس نے دہرایا۔

"آپ مجھے بتا دیں۔ میں کچھ نہیں کروں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں۔"

"مجھے یہ بتانا ہے کہ آپ کو کیا ہوا ہے۔

اصحاب دفنائے گئے۔

وہ اور عزیز وہاں ساکت ہو گئی۔ وہ اٹھ کر چلے گئے۔

پھر بہت سے ازکار آئے، گئے، کسی نے پوچھا نہیں کہ وہ کھول رہی ہے۔

"عزیز!" انہوں نے دروازہ کھلا رہنے دیا۔

"جی صاحب" وہ ادب سے آ کر کھڑا ہو گیا۔

"کچھ بھی ہو جائے بھائی کو" انہوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر حکم دیا اور آگے بڑھ کر سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ ایک سگریٹ منہ میں رکھ لیا۔

"بابا! آپ شادی میں نہیں آئے ناں تو میں یہ سب کچھ نہیں ہونے دوں گی۔ میں اب احترام سے ہاتھ جوڑ کر ہی دعوت دے رہی ہوں، دل چاہتا ہے آپ سر جھکا دیں۔ آپ نہیں ہوتے تو میرا دل ہر شے سے اچاٹ رہتا ہے، بال بنانے تک کو دل نہیں چاہتا۔"

وہ اپنی بیس سالہ بیٹی کی شادی میں جانے کی تیاری کرتے ہوئے ان سے لاڈ کر رہی تھی۔

"اور پھر ہوا کو آپ کی اتنی عادت ہے کہ وہاں مجھے بہت اجنبی لگے گا۔ سارا دن پھر میں مشکل سے آپ سے آدھ گھنٹے کا ہی سفر آتے ہیں، پھر بھی آپ کو اتنا بچپنا ہے۔" وہ اور اس سے کپڑے نکال کر رکھنے کہیں میں لگا رہی تھی۔

"آپ اتنا بے وقوف مت بنائیں، وہ بے چارہ آپ کی عادت ہے مجبور ہے، آپ دیکھیں اور کی محبت کے ذریعے جو یہ بیکیف میل نہ کریں۔ جب اصل الفت ہے تو پھر ایسی آسیب سے کیا آپ کا ہمارے طویل دل پھر کچھ ..."

وہ ہنسے تھے کر رہے تھے اور اس کے چہرے پر کیسے کیسے رنگ بکھر رہے تھے۔

وہ سر جھکائے کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔ ان کی آنکھوں کی سرخی گہری ہو گئی تھی۔ ان کے چہرے پر جو تاثرات تھے وہ اتنے گہرے تھے کہ تاثر سمجھا نہیں جا سکتا تھا۔ صرف محسوس ہو سکتا تھا۔

وہ ان کی طرف بڑھے۔ لمبر ہلایا۔

"کیس وہ جل خان ... اسپیکنگ"۔

"بتیس نہ کرنے کی ہے؟ میں کوئی ماورائی شخصیت تو نہیں ہوں نا۔ میں کوئی دوسرا ایسا وہ میرا وطن ہے"۔

"کیسی طبیعت ہے اکمل کی؟"

"بعض اوقات نظر انداز بھی کر دیا کرتے ہیں غلطی سے کہہ دیا تھا" آپ کے بیٹا ..."

"ہر حال آپ زیادہ پریشان نہ ہوں، ٹھیک ہو جائے گا"۔

"میں کوشش کروں گا اس کو بھلا دینے کی مگر آپ کے پاس بھی جاتا ہوں، آپ حیران کیوں ہوتی ہیں؟ میں نے کہا تھا آپ آج کی بات کریں، ابھی کی بات کریں۔"

"لیکن حقیقت میں میں ہوں کوئی اور لڑکا"۔

"مجھے لگتا ہے، آپ کو تو بتانے کی بھی کیا کر سکتا ہوں؟"

"آپ انتظار کریں گی مجھے ... بھولیے گا ... اور کے لئے اداس"۔

مجھے اس کے بات بدلی اور فراز بہت بہت شکریہ ادا کیا تھا انہوں نے مجھے کے پیچھے سے اپنا بیٹا کا اور کھول کر اپنی کی تصویر کو اپنے ہاتھوں سے چھوا۔ اور بچی کی پہلی سالگرہ کی تھی۔ اور برسوں سے ان کے ہر کمرے میں وہ بیٹی تھی۔ اسے سالوں میں جانے کتنے پوز میں وہ دل چکے تھے۔ مگر تصویر وہ تھی۔ وہ ان سب کی سرخ کامدار والی فراک میں اپنی عمر سے بڑی لگ رہی تھی۔

ملازم چائے لے آیا تھا۔

"عزیز"۔

"جی صاحب"۔

"دیکھو جب کوئی اپنے کو سہارے کے لئے پکارتا چلے جا اور وہ بھی اپنی کو لے آ"۔

"اور ..." ملازم نے ہم عمر ملازمت میں پہلی بار انہیں کسی کو مخاطب کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

"ہاں اور" انہوں نے ملازم کی حیرت کو نظر انداز کر دیا اور چائے کی پیالی اٹھا لی۔

"اور جے خان"۔

"میں یہاں سے ان کر دوں گا اب تم جاؤ" انہوں نے اس کی بات کاٹ کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔

اور وہ خاموشی سے پیالی رکھ کر باہر نکل گیا۔ ایک ہی دن میں ایک ہی گھر میں ایک ہی کمرے میں دو مختلف انسان ملازم تھا۔

وہ ابھی لیٹا ہی تھا کہ دروازہ کھلا تھا۔ اندر آنے والی ماں تھیں اور ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھ گیا۔

سامنے کی کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔ وہ کی طرف جائے نماز لپیٹنے لگا۔

"کس کے لئے پانے لے جا رہی ہیں ماما؟" اس نے رک کر ان پر نظر ڈالی۔

"مہمان آئے ہیں؟"

"کون آئے ہیں؟" اس نے بے ادب سوال کر ڈالے۔

"تمہیں کیا، تمہیں آ کر کیا ہے؟" اس نے بے ادب سوال کر ڈالے۔

"تمہیں کیا ہے اکمل کیسے اتنی جلدی مشتعل ہیں؟ کراچی سے علیم الدین صاحب آئے ہیں آج صبح بابا کے لئے لے جا رہی ہوں۔" وہ سادگی سے بولیں۔

"علیم الدین ..." یہ کیوں آ گئے ہمارے پیچھے پیچھے؟" اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"اچھا نہیں ہے؟" انہوں نے تعجب کر ان کی شکل دیکھی۔

ماما نے فوراً اس کی صورت دیکھی" اور بھی کسی کو؟" وہ اکثر اسی طرح سوال کرتے تھے۔

"اب... اب مجھے کیا پتا آپ ابو کی کب آئے گا کیا آفت آئی ہے سر پر اسے میں؟" وہ جھلا گئی۔

"یہ تو سے خان ہی جانے والے سگے وہ پیسے خان کہ ہے مجھے اتنا دن تو لگ ہی جائیگے۔

"ایک تو اس نے تو ہوں میں گولے ڈالا ہوتے ہیں۔ کوئی کام ہی نہیں ہوتا اس کے بغیر۔ اس کا فون آئے تو مجھے بتانا۔ ایسے تو کاجان کے بال (اڑ بکد فون نہیں بتاتا۔ غیبت خوانیا ہوا ہے۔ مرضی ہوئی ہے تو ملا ہے ورنہ نہیں۔ کبھی ایسا ہوا ہے۔ تو میں لڑائی کرتی ہوں مگر پتا ہے وہ "ام" پر گیا ہوا ہے۔" وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر خود بھی آگے بڑھ گئی۔

وہ ایک کونے میں کتاب کھول کر بیٹھ گئی تھی مگر اس کا دھیان اب ایک اور سوچ کے گرداب میں پھنس چکا تھا۔ علیم صاحب کس سلسلے میں آکر یہاں ہوئے ہیں؟

کیا ہونے والا ہے؟ اگر وہ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تو وہ کیا کر سکے گی؟ وہ کیا کہا کرے گا۔ اپنا سب کچھ کھو دینے کی خبر سنے گی؟ وہ علیم صاحب کیا کہا کرے گا جان لیں گے کیا یہ ان کے سامنے بہت سے نئے سوال اٹھائیں گے۔ پھر میں کیا کہوں گی کہ مجھے خبر ہی نہیں تھی۔

اگر بابا صاحب کبھی بھی شادی کرنا چاہتے تو گھر میں کسی سے کرتے۔ مجھے خاندان سے نکال دینا چاہتے ہیں مگر میں اسے سے بہت بڑا ان کی کرتی ہوں پھر ایسی کی پوتی ہوں۔ اس نے جیسے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

"اور آج دوبارہ تمہاری طرح بھی کوئی اپنا دشمن نہ ہو"۔ لال خان عارفہ کو جاتے دیکھ رہا تھا۔

"ماموں صاحب کی وجہ سے آئی کرتے آ" تمہارے ابو صاحب اسپتال کی بڑی بیوی سے کرتے ہیں۔ وہ تو نہیں ہوا کہیں۔ جان ناں تو تم میں وہ ایسی کہیں ا"

لال خان نرم لہجہ انداز میں اسے ایک پیغام پہنچا کر چلے گئے۔ "اور کوئی ہمارے لائق خدمت ہے؟"

زخم سے ایک دوا تو پھر دوا کی بات تھی

اس دل جلے جاگ کا بندوبست دوا چھوڑ دیئے

وہ مٹھی بند کر کے گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔

ماموں ابھی خوفزدہ تھے۔ اس نے لال خان کا شکریہ کر وہ ایک گاڑی میں لال کر ہاں کی وہ شروع کر دی۔ پھر کچھ سوچ کر وہ اپنے خانے سے باہر آ گیا۔

"وہ ہو میں بھی کبھی ملاؤں؟" اس نے وہیں سے لال خان کو مخاطب کیا۔

لال خان سوچ میں پڑ گیا۔ "یا کہیں وہ ہے وہ ہو میں بھی لاتے ہیں یا کہیں؟"

"رہنے دو ایسے ہی لے آؤ" ماموں کسی نتیجے پر پہنچ کر بولے۔

ماموں کہیں آئی وہ ہو سے پوچھ کچھ سے دھکے دے کر اس نے لال خان کو بھیجا۔ وہ خود کمرے سے کمرے میں آ گیا۔

"بھئی وہ آپ کو کیا ہوا ہے وہ ہو کہیں کر رہا ہے ہو ہو ہو

"لال خان اپنی اوقات بتا رہی ہیں مگر کرم ال کر بھاگے جانے سے بچتے ہیں۔

"بھائی! ہم آج بھی اسی جگہ اپنی اپنی کھڑکی کی بات ہے"۔

"ایسا کرو، مچھلی کے کباب بنا لو اور سبزی کے لئے بیسن کا بھرتا تو بنا ہی لیتی ہو گی۔ اسے کھانے میں بہت مزا آتا ہے۔ گرم گرم پتریں اس کیلئے اچھی ہیں"۔

"یاد! وہ مارے پیٹنے کا مجھ تو کب کا لفظ اٹھ گیا۔ اب تو اس میں آنچ ہی نہیں آتی۔ کیوں بھائی کوئی مارتا ہے تو؟"

لال خان نے آنکھ کے اشارے سے جانے کو کہا۔

"تم تو بڑی کہتے ہو اچھی چیزیں کھایا کرو، کہ جسم میں طاقت آئے"۔ وہ مارک کو کہیں اور جا رہا تھا۔

قلم ایک سیدھی سادی عورت کی طرح سوٹ کیس کھینچتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے گلو بھی اندر آئی تھی۔ وہ بیٹھ کر لیلیٰ ہوئی دونوں کو مگر مگر دیکھ رہی تھی۔

"یہ تم" اور "یہ کھڑکی" کا ورد کرتی جا رہی ہو"۔ گلو نے کلو کو مخاطب کیا۔

وہ خود اپنی آئی۔

"سمیہ بھابی آئی تھیں"۔ گلو نے کاریٹ پر بیٹھ کر سوٹ کی چابیاں چلائیں۔

اور کھٹاک کھٹاک کی آوازوں کے ساتھ سوٹ کیس کھل گیا۔

"کیوں؟ صبح سے دس بار بلی ہیں اب کیا ہے؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کھلے ہوئے سوٹ کیس کو گھورنے لگی۔

"بہت لمبا لگا ہیں گی تمہیں"۔ گلو نظریں چرا کر سوٹ کیس سے کپڑے اور جانے کیا کیا نکالنے لگیں۔

"مجھے خود ہنسی لگا آتی ہے اور سب سے اچھی آتی ہے آپ کو پتا بھی ہے"۔ اس کا دل بری طرح اچھل رہا تھا۔ بظاہر سکون سے بات کر رہی تھی۔

"مگر یہ دان ہے شادی منگنی کی مہندی دلہن تو انہیں لگاتی"۔ گلو ایک سوٹ چھانٹ کر دیکھنے لگیں۔

"کیسی اور کس کی شادی منگنی؟" وہ بستر سے نیچے آئی۔

"تمہاری اور کس کی؟" وہ دیوار سے لگا آئینہ میں اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"مگر میری مرضی پوچھے بغیر میری شادی یا منگنی کیسے ہو سکتی ہے؟" وہ بھری ہوئی ان کے نزدیک چلی آئی۔

"اوہ ہیلو! کیوں سے کون پوچھتا ہے؟" وہ چونکی اور ہنس دیں۔

"پھر لڑکیوں کو گھروں میں کیوں رکھتے ہیں؟ امتحان یا اصطبل میں کیوں نہیں باندھتے؟" اس نے آگے بڑھ کر اپنا سوٹ اٹھایا اور گلو کو ہٹا کر سامنے دیوار پر لگے آئینہ میں گلو [illegible] بائیں بائیں کرتی رہ گئیں۔

"وہ زیور کے ڈبوں پر جھکی۔ گلو نے آگے بڑھ کر اسے اپنے قابو میں کر لیا۔

"یہ کیا ہوا ہے تمہیں؟" وہ اسے [illegible] سے کیسی عجیب لگ رہی تھیں۔

"آپ کریں"۔ وہ خود ہی شام ہی ہو گئی تھی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو"۔ گلو نے اسے ڈانٹ دیا۔

"شٹ اپ رانی!" گلو نے اسے [illegible] کے ہاتھ میں ہوسری لی اور تھی۔

"ہی ہم سب بھائی [illegible] کھول کر اندر آئیں [illegible] کے ہاتھ میں ہوسری لی اور تھی۔

"گلو نے [illegible] کھینچنے کی [illegible] سے اندر جھوم ہو گئی تھیں۔ [illegible] نے لپک کر سوٹ کیس میں [illegible] کپڑے [illegible] دروازے [illegible] دیا۔

"کیا ہوا ہے؟" سب بھائی بہنوں کو [illegible] دیکھنے لگیں۔

"[illegible] خراب ہو گیا ہے اس کا"۔ گلو نے [illegible] کر اس کی جھکی ہوئی چیزیں سمیٹنے لگیں۔

"مجھ سے ہم چھپنے میں [illegible] بہت کم سے کم [illegible] سے [illegible] چھپایا ہوا"۔

"[illegible] سوٹ کیس کو لات مار کر وہیں اپنے پیٹ پر بیٹھ گئی۔

"ہم چھپایا ہے ان سے"۔ گلو نے جلدی جلدی سوٹ کیس میں چیزیں [illegible] شروع کر دیں۔

"ہم چھپایا ہے یا تم سنایا ہے [illegible]"۔

"آپا جانے ابا صاحب سے کہہ دیجئے" اب تک [illegible] بات نہیں ہو جاتی" کوئی مجھے اپنی شکل نہ دکھائے"۔ وہ [illegible] سے جھانک رہی تھی۔

"تم کرو گی یاد اس سے بات؟" گلو حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں اس لئے کہ میری ماں مر چکی ہے"۔ وہ غرائی۔

"مگر وہ تو شام کو آئے تھے۔ بڑی [illegible] رہی تھیں"۔

"مت اکرو میں کسی رشتے کا میں [illegible] ہوں"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

گلو اسے [illegible] لے آگے بڑھیں۔ وہ دوڑ کر [illegible] میں گھس گئی اور دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔

"چلی جائیں آپ دونوں"۔ وہ چیخی تھی۔

دونوں کافی دیر تک [illegible] کرتی رہیں۔ مگر وہ [illegible] ہیں۔ بالآخر تھک کر واپس چلی گئیں۔ وہ کافی دیر باتھ روم میں بند رہی پھر اطمینان کے بعد آہستگی سے باہر آئی۔ دروازہ کھلا دیکھ کر بند کرنے کے خیال سے آگے بڑھی۔

"کھلا رہنے دو۔ ہم اب دوبارہ نہیں آئیں گے"۔ اسے بائیں [illegible] کی آواز سنائی دی۔ ایک سے تو آنکھوں کے سامنے ہر شے ناچنے لگی۔ گول گول دائروں کی صورت۔

"[illegible] کو کہہ دیں [illegible] کر [illegible] کر [illegible] کر

...اسی طرح خاموش رہی۔

"اگر تم نے ہماری بات کا جواب نہیں دینا تو تم معافی کرنے کے بجائے آج تمہارا ناشتہ بھی کریں گے..."
بھی۔ کرنا پڑی ہوں گی۔ جاؤ سکتے کا وقت ہو جائے گا۔" وہ غصے کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے۔

"آپ آرام سے بات کریں۔" وہ اس پر چیخ رہے تھے۔

"ناشتہ" لفظ کو دہرا کر جیسے اس کے معنی سمجھنے کی کوشش کی۔ معنی میں تو پھر بھی وہ کچھ نہ سمجھ پائی مگر اس نے صاحب کے غصے کی وجہ سمجھ لی تھی۔

"بابا صاحب ایک بات سے آپ کو بھی نہیں کروں گی اس آپ ایک بار بیٹا کو بلا لیں پھر ہم ناشتہ کر لیں گے۔ ایک ساتھ
نہیں ہوں گی یہ ہم کہنے پر ہی شرط ہے۔" وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔

"بابا صاحب غصے سے کانپ گئے۔ پگل کی لڑکی ان کے سامنے شرطیں پیش کرے گی۔

"ہوں" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بڑبڑا رہے تھے۔

"جو نہیں ہیں تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں موت سے نہیں ڈرتی۔"

"تم جیسے لوگ اسے ہی ہم جیسے اپنے ہاتھوں سے ختم کر سکتے ہیں۔" وہ احساس دلانے سے چوکے۔

"میں جانتی ہوں اور میں تیار ہوں اس آپ ایک بار بیٹا سے بات کرا دیں پھر جو کچھ کہیں گے میں مان لوں گی۔" اس
نے پست آواز میں کہا۔

"مگر جیسے یہ مطمئن نہیں تم یقیناً اس کے ساتھ بھی گستاخی کرو گی۔ اس کا دل دکھاؤ گی۔ وہ پہلے ہی بہت دکھی ہے۔" انہوں
نے قطعی انداز میں جواب دیا۔

"میرے باپ کو کبھی بھی اس حویلی کے کسی فرد نے نہیں دیکھا۔"

"ہم نہیں چاہتے ہمارا بیٹا اولاد کی محبت کی کمزوری کا سامنا کرے۔ اس سے بہتر ہے وہ اپنی اولاد کے مرنے کی خبر سنے۔" وہ
اسے غصے کے باعث مرنے لگے تھے۔

"آپ یہ بات آرام سے کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔" وہ روہانسی۔

"وہ ان لڑکی اغوا کے معاملے میں ملوث ہے۔ ہم نے سنا ہے تمہارے اغوا نے اس گھر کے کسی بچے کے
نہیں اغوا نے۔ یہ تو اب اندازہ ہوا ہے کہ آج تم ہمارے سامنے گڑگڑا کر کس کی زندگی کے لئے گڑگڑا رہی ہو۔ جو تمہیں کبھی ملے ہی
کریں گے۔ لیکن سے یہ بات کر۔ مگر تمہاری اطلاع کے لئے بتا دیں تمہیں کہیں اس کے مطابق شادی نہیں کریں گے۔

"ایک بات اور آج تم ہم سے اس طرح کی گستاخی نہ کرنا۔ ہم نے زندگی میں بہت کچھ دیکھا ہے۔ اسی برداشت سے کام لیا ہے۔
ہو سکتا ہے آئندہ برداشت نہ کریں۔ آرام سے رہو۔ ہم تمہارے باپ سے تمہاری بات کرا دیتے ہیں۔" وہ نرمی سے نرمی سے
سے کام لے رہے تھے۔

"مگر میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔" وہ چیخی۔

"...بات نہیں کرو گی" وہ اپنی بھڑاس نکالنے سے باز نہ آئے تھے۔

بابا صاحب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ ان کے اٹھنے پر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہم ہر بات کا جواب دینے کے پابند نہیں ہیں۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔

وہ ساکت بیٹھی رہی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ گئی۔ باہر کا منظر دیکھنے لگی۔ اس کے ذہن میں بابا صاحب کی طرف سے کہی گئی بات گونج رہی تھی۔ اسے
یہ بات کرنی ہے۔ یہ تمہارا بیٹا اپنی شادی کے مسئلے پر تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے اس سے کیا بات کرنی ہے۔ اس
کا ہونے والا شوہر اس سے کیا بات کرنا چاہتا ہے۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر بیڈ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"آپ کمرے میں جائیں اور اطمینان سے بات کریں۔" وہ ملازمہ سے کہہ کر اپنے ہونٹ بھینچتے ہوئے اس کے پیچھے آئے تھے۔

"حسن کب حملہ پلیز" اس نے ناشتگی سے کہا اور بیڈ کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔
وہ سب سے اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"السلام علیکم یا وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"السلام" کیا بات کرنی ہے یہ" دوسری طرف سے یاور علی خان کی رعب دار آواز سنائی دی۔

وہ تو اسی وقت گئی "جی ا" (ابھی تو میں نے بات بھی نہیں کی)

"کیا کہہ رہی ہیں بابا صاحب" یاور علی خان نے ہم لہجے میں پوچھا تھا۔

"آپ کو بلا رہے ہیں بابا کر" وہ اٹک گئی۔

"مجھے پتا تھا۔ آج صبح بابا صاحب نے بتایا ہے۔ اس طرح کے کام اس کی امداد کرتی ہیں۔ ان معاملات میں وہ بہت
فیصلہ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ آج تک جو عزت انہوں نے کمائی ہے اس کی حفاظت کا اس سے زیادہ کسی کو نہیں ہے
سکتا۔"

"سنیں"۔

"آپ کو تو نہیں کہاں سے آئے ہیں۔ جب سے ان کی شادی ہوئی تھی وہ شہر سے باہر تھا۔ مجھے اپنی غلطی کی
اطلاع دینا ضروری محسوس ہوئی۔ ہمیں ہر اس کے بارے میں جگہ جگہ اس گھر کی بڑی ہو۔ جس کو ہم جانتے ہیں ان کی تفصیل علم ہونے کے
حاصل ہیں۔ مجھے کہ کہا ہے۔ مگر کسی انسان کیلئے یہ سب کافی نہیں۔ آخر تمہیں اتنی جلدی کیسے ہوئی کہ بابا صاحب سے
سوال جواب کرنے لگیں۔"

"بابا صاحب نے خود ہی کہا ہے آپ کو بلانے کے لئے تو آپ نہیں سنیں گے تو بابا صاحب سے کیا بات کرنی ہے۔"

روئے گی۔

"کیا تمہیں دونوں پر شبہ ہے کہ ہم تمہارے متعلق غلط فیصلہ کریں گے یا تمہیں غلیظ سمجھیں گے؟"۔

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے پاپا"۔

"تب یہ مطلب نہیں تو پھر بات کرنے سے قاصر؟" وہ اور برہم تھے۔

"پاپا! آپ کو شاید یہ بات نہیں کہ پاپا صاحب نے اچانک اور اتنی جلدی یہ فیصلہ کیوں کیا ہے اس تمام کاروائی کے پیچھے کون سا اہم واقعہ چھپا ہوا ہے"۔ وہ رو رہی تھی۔

"مجھے کچھ جاننے کا شوق بھی نہیں ہے' میں اس اتنا جانتا ہوں کہ میرے باپ سے زیادہ اور اسے خاندان کیلئے کوئی مخلص نہیں ہو سکتا اور ان کا کوئی فیصلہ بے معنی نہیں ہو سکتا"۔ وہ اسی لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"آخر آپ حقیقت جاننا کیوں نہیں چاہتے؟"

"کچھ اس وقت ہوتی ہے جب شک یا شبہ ہوتا ہے مجھے اپنے باپ پر نہ شک ہے نہ شبہ"۔ وہ اٹھنے کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"مگر بات سن لینے میں حرج کیا ہے پاپا؟" وہ بری طرح رو رہی تھی۔ آخری امید بھی ختم ہو گئی تھی — تب حواس باختگی کا عالم تھا۔

"مجھے لگتا تو تھا کہ جیسے میں آپ کی اولاد نہیں ہوں' مگر آج یقین ہو رہا ہے"۔

"تب اب روشی' میں شام چھ بجے تک پہنچوں گا' ابھی بچی کی طرح ضد کر رہے ہیں اس پر عمل کرو۔ رات میں وہیں رکوں گا۔ میرے کمرے میں آنا اور جو بات کہنا چاہتی ہو کہہ لینا مگر جو بات ابھی کہنا چاہتی ہو"۔

وہ اس کی سسکیوں کو کانوں سے جھٹک رہے تھے۔ اب برداشت کی حد ہو گئی تھی۔ آخر باپ تھے۔ مگر وہ اپنے باپ کو جانتے تھے' وہ نہیں جانتی تھی۔ اپنی بات کہوا کر آنکھوں سے گرنا انہیں منظور نہیں تھا۔

"پھر کیا فائدہ ہو گا پاپا"۔ اس کے لہجے میں درماندگی در آئی۔

"روشی! اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے ذرا سی بھی تو پاپا صاحب کو پریشان مت کرنا۔ منگنی وغیرہ ہونا ایسی کوئی خاص بات نہیں ہوتی' پاپا تمہیں رات کو کریں گے' خدا حافظ"۔ پاور جل خان نے ریسیور رکھ دیا تھا۔

ایک لمحے کو اسے یقین ہی نہیں آیا پاور جل خان کے بدلے ہوئے لہجے پر — ان کے الفاظ پر — وہ ساکت ہی بیٹھی رہ گئی۔

"منگنی ایسی کوئی خاص بات نہیں ہوتی"۔ یہ جملہ تو اسے حیرت سے مارنے کو کافی تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی پاپا صاحب کے کمرے میں آئی۔ وہ دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے — لیٹے ہوئے چھت کو گھور رہے تھے۔

اس نے دبے پاؤں آگے بڑھ کر فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ اور پاور جل خان کی طرف بڑھے بغیر باہر آ گئی۔

"کل"۔ اس نے ریسیور میں محمد داؤد کا نمبر ملایا۔

"ہیلو پاپا؟"

"سب خیریت ہے' کہو؟ کر رہی تھیں نا اپنے کمرے میں آرام"۔

اس نے لفظ بھر رک کر پیچھا چھڑانا چاہا اور کمرے میں واپس آ گئی۔ اور بلک بلک کر رونے لگی۔ اب یہ بھی بھول گئی تھی کہ اس نے پاپا سے کیا کہنا تھا۔ رونے کی وجہ سے سر پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے فوارہ دماغ کی نسوں میں درد چلنا شروع کر دیا تھا۔

اس کا — بھروسہ تھا۔ وہ سب کی سب سب جھوٹی ثابت ہوئی تھیں۔ سب نے مل کر اسے بیوقوف بنایا تھا۔ وہ اپنے کی بیوقوفی پر روئی تھی۔ وہ کاریڈور پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اسے ایاں یاد آ گئی تھی۔ اسے ایاں کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ کتنا بے وقوف ہونے پر بے نقط سنی تھیں۔ اس نے سوچ کر ہونٹ کاٹ لیا تھا۔ اس کا انگار بھی تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہونٹ کا زخم ہوا کرتا تھا۔

انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ چھوا۔

"سر سام نہیں ہوا مجھے' نارمل ٹمپریچر ہوں"۔ اس نے جھٹکا کر اپنا سر ہلایا۔

"پاپا صاحب ابھی دیر میں کیا ہوا ہو گا؟"۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"کسی بات کا بھی ہوا ہو' تمہیں کیا"۔ وہ اکتائے۔

"پاپا صاحب کی بچگانہ ضد ہے کہ ہم ہی وہ ہتھیار ہیں؟" کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے' آپ کے علاوہ اور بھی ہوں' مگر وہ ہوں پاپا صاحب' یا کوئی اور ہو' مجھے کیا"۔ لہجہ بھی سب کچھ بیگانہ ہو گیا تھا۔

روشی کے ذہن میں اچانک بھانکا سا ہوا۔ ہادی کے تصور سے جانے کیا کیا اسے سوجھنے لگا۔ اب اسے ہنسی آ رہی تھی۔ آخر اس لمحے کے پیچھے کسی کا ہونا ہوا تھا۔ اس نے شاید پہلی بار مسکرا کر مجھے کو دیکھا تھا۔

گھر میں خاصے عرصے کے بعد تقریب ہو رہی تھی اور وہ بھی اچانک۔ لڑکیوں کو اس بات کا شبہ تھا کہ کہیں تبدیلی کا موقع بھی نہیں دیا گیا اور یہ کہ انہیں ہر کسے ہوئے پہنے ہوئے کپڑے پہننا پڑ رہے ہیں۔ وہ نئے جانتے' روشی کو اس طرح تھوپ دی گئی تھی کہ جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔

"پاپا کب تک روشی کو ہمدردی سمیٹنے دیں گے۔ کل اس کے کپڑے پھینک کر کے پیٹ پر ڈال گئیں کہ آرام کیجئے بعد میں سوتو جاگتی تو قصل کر کے کپڑے بدل لیتا۔

"اب تک میں تیار ہو جاتی ہوں پھر آ کر تمہیں لپسن بناؤں گی"۔

ضد کی وجہ سے جو انا کے سب سے بڑی سماعت تھی۔ وہ ضد بھلا نہ سکے۔ روشی کے ہاں کرنے کے بعد بھی انہیں کہہ چکی تھیں' گھر کے افراد ہونے نہیں ہیں' مگر ہونے ہیں۔ اس پر بھی روشی کی حالت میں تبدیلی نہ پا کر وہ نہیں مرتبہ اصرار کر کر بھی تھیں کہ اس کے نہ ہونے سے آج کی تقریب کے انتظامات میں بڑی الجھن ہو رہی ہے۔ لڑکے تو اپنے اپنے

معذرت سے سمجھتے ہوئے ٹال دیتے ہیں۔ روایتاً کہتے ہیں۔ روشی تو مگر جیسے کان دبے تھی۔ بات طرفین نہیں سنتے پھر بھی ہر کوئی اپنی تیاری میں لگ گئی تھیں۔

جس وقت روشی غسل کر کے باہر آئی تو معلوم ہوا کہ ان کی والدہ بھی تو بلی گئی ہیں۔

گلو نے پہلے تو دانتوں سے اس کے بال الجھے ہوئے کھولے پھر اسے کیپ پہنا کر بالوں کو بیک اپ کر دیئے تھے۔

دلہا والوں کی طرف سے ابھی کا مکمل سیٹ آیا تھا جس میں کھانا بھی شامل تھی۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ لوگ بھی تو بارات لے کر آئے تھے۔ ایک قسم کا گلوبند اور جھمکوں پر مشتمل تھا۔

"گلو اسے تیار کرتے وقت کئی بار پوچھ چکی تھیں کہ بابا صاحب نے اسے کیا کہا؟ اور پھر انہوں نے کیا جواب دیا؟ جواب میں مکمل خاموشی اختیار کیے ہوئے تھی۔ بلکہ دوسرے سے مکمل الگ تھی۔ جبکہ سب کا خیال تھا کہ بابا صاحب کی ڈانٹ کھا کر سیدھی ہو گئی ہے۔

گلو اسے تیار کر کے دوپٹا سیٹ کر رہی تھیں کہ بابا کی بھوؤں کے نیچے سے گزر گئی۔

"بڑا بڑی بیگم نے بھجوائے ہیں"۔ وہ گلو سے مخاطب ہوئی۔

"دیکھو جنہیں بڑی بڑی عادت تھی کہ بڑی امی کی لڑکیوں کو پھول پہنے نہیں دیتیں۔ آج انہوں نے یہ اہتمام پھول بھیجے ہیں"۔ گلو نے اس کی پیشانی چوم لی۔

تھوڑی دیر بعد گلو پیغام لے کر آئی کہ "بڑی امی کہہ رہی ہیں روشی بی بی کو ہمراہ کیلئے بال کر کے لے آئیں"۔

اس کے جاتے ہی زرلی اور دولہا اسے لینے آ گئیں۔

"بیا آ گئے؟" روشی کا دل جانے کیوں خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔

"انہیں آنے ہوئے تو ایک گھنٹے سے زیادہ ہو گیا"۔ زرلی نے جواب دیا۔

روشی کو ایک گونہ سکون کا احساس ہوا۔ جیسے دھوپ میں چلتے ہوئے صحرا کے کنارے گھنا درخت نظر آ جائے۔ اور سستانے کے خیال ہی سے اچھی تھکن اتر جائے۔

"اسے لئے بال کمرے میں چلی آئیں"۔

آتشی گلابی زرتار شرارہ میں ملبوس بی بی روشی کو دیکھ کر اس کی نظر اتارنے لگیں۔ بڑی بڑی کے وقت گلو نے کمرے میں داخل ہو کر دیا تھا۔ ایک صوفے پر بیٹھا تھا۔ بائیں طرف بڑی بڑی اور دائیں طرف بیم کی والدہ تھیں۔ بڑی امی نے بسم اللہ کرنے کو کہا۔

اور ٹیبر کی والدہ سے اس کی آنکھ پر پٹی باندھ لی۔

روشی کو ایک لمحہ کے لئے محسوس ہوا کہ اس نے بچپن کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا ہے۔ جس میں آنکھ پر پٹی باندھ کر بڑی امی کے گرد گھومنا ہوتا ہے۔ اور بڑی امی کے پاس پہنچ کر اپنے آپ سے چھڑانا ہوتا ہے۔

[illegible]

☆ — ☆ — ☆ — ☆ — ☆

"کیوں نہیں لوں گی؟ وہ کسے تو ضرور لوں گی"۔ وہ دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے لاپروائی کے انداز میں بات کر رہی تھی۔

"اب میں کر نہیں رہا تھا تو آپ جھٹ سے اٹھا رہی ہیں۔ اب یہ زبردستی کا سودا ہے"۔ وہ مسکرایا۔

"تم سے مطلب؟ تمہیں تو اس کی عظمت پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے"۔ وہ نظریں چرا رہی تھی۔

"یہ واقعی نہیں کر رہا۔ بس دیکھی بھالی حرکت کا اعادہ کر رہا تھا مگر واہ جی تو مہمان ہو رہی ہیں۔ آپ کہاں بھاگی جا رہی ہیں۔ ابھی تو سسپنس کی اگلی قسط بھی باقی ہے"۔ وہ کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھا تھا۔

"ہٹو پرے۔ مجھے جانے دو۔ میں نہیں دیکھ رہی تمہارا سسپنس"۔ وہ اس کے ہاتھ جھٹکتی ہوئی بولی تھی۔

"مگر آپ کو دیکھنا تو پڑے گا۔ آپ کو ہی تو ہیرو نے پسند کیا ہے"۔ وہ اس کے بہت قریب آ کر شرارت سے بولا تھا۔

"ہیرو کو دیکھنا تھا تو دیکھ لیا۔ اب تو تم ولن ہو۔ میں نہیں دیکھ رہی"۔ وہ منہ پھلا کر بولی۔

"مگر آپ کو دیکھنا تو پڑے گا۔ آپ کو ہی تو ہیرو نے پسند کیا ہے"۔ وہ اس کے بہت قریب آ کر شرارت سے بولا تھا۔

"ہیرو کو دیکھنا تھا تو دیکھ لیا۔ اب تو تم ولن ہو۔ میں نہیں دیکھ رہی"۔ وہ منہ پھلا کر بولی۔

"میں ہیرو ہوں، وہ اسٹیج کے ڈرامے میں ہوتا ہے۔ مجھے اس سے بہت اچھا ڈائیلاگ بولنا آتا ہے"۔

"آپ کی مرضی ہے دیکھیں یا نہ دیکھیں۔ اس پر زبردستی تھوڑی ہی ہو گی۔ بابا جان آپ کی سزا کے لیے طلاق نہیں ہو سکتی مگر میں کر سکتا ہوں۔ بابا جان سے آپ کی شکایت لگا دوں گا۔ وہ آپ کو ڈانٹیں گے"۔ وہ اس کے بہت قریب آ کر شرارت سے بولا تھا۔

"ہیرو کو دیکھنا تھا تو دیکھ لیا۔ اب تو تم ولن ہو۔ میں نہیں دیکھ رہی"۔ وہ منہ پھلا کر بولی۔

"مگر آپ کو دیکھنا تو پڑے گا۔ آپ کو ہی تو ہیرو نے پسند کیا ہ

خانوادے اس کے ساتھ تھے۔ اپنی بلڈنگ میں داخل ہونے سے پہلے اس نے سامنے کے حصے پر نظر ڈالی۔ اس کی کھڑکیوں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ اس طرف بھی نظر ڈالی جہاں اس کا اپنا فلیٹ تھا۔ مگر اس کے باوجود اسے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جو اس کا انتظار کر رہا ہو۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

خانہ کھانا شروع ہونے کا وقت ہو گیا تھا۔ ابا صاحب کی تواضع میں ایک ایک کر کے سب ادھر ادھر والی کرسیوں پر جانے لگے۔ ماں کی آواز تک باتیں خاموشی چھا گئی۔ وہ بھی اپنے پلیٹ لے کر صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ خود اختیاری انتخاب کی وجہ سے کسی نے اسے ٹوکا نہیں۔ وہ بہت پرسکون تھی۔ اس نے اپنے باپ کا ایک جملہ اپنی گرہ میں باندھ لیا تھا: "کوئی بھی کوئی خاص چیز نہیں ہوتی"۔

اس نے صوفے سے پشت ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اسے اس کیفیت میں بیٹھے ہوئے ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اس کے کانوں میں جلترنگ سے بجنے لگے۔ وہ بیدار ہو کر سننے لگی مگر اسے اس وقت یہ گمان ہوا جیسے ایک ہی نغمہ تیسری مرتبہ شروع ہوا ہو۔ وہ اپنی حواس سنبھالتی پھر سے اپنے میں گم ہو گئی۔ رات کافی ہو چکی تھی۔ ماں کرسیوں کے درمیان سے راستہ بناتی ہوئی صوفے کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ یہ احتیاط ہمارا موسیقی کے دیباچا ان نے کیا ہوگا۔

اس نے سر اٹھاتے ہوئے اس طرف نظر ڈالی۔ جہاں چھوٹی سی ٹیبل پر پلیئر اور کیسٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ اسے تھوڑی حیرت ہوئی۔ وہاں "کالا بلیک" بادی بیٹھا ہوا تھا۔ وہی گیت اب پوری مرتبہ دہرائے جا رہا تھا۔ تھوڑے ایک مرتبہ پھر بادی کے ساتھ نغمہ میں گنگنا رہا تھا۔

میرا ایمان محبت ہے محبت کی قسم

ساری دنیا تیرے قدموں پہ نچھاور کر دوں
چاند تاروں سے بھری جاں تیرا دامن بھر دوں

تیرے خوابوں پہ کبھی چھا نہ سکے شام الم
میرا ایمان محبت ہے " محبت کی قسم

وہ جہاں ایک جہنم ہے جہاں تو نہ ملے
مل کے مر جاؤں جو یہ ساتھ گیسو نہ ملے

زندگی زہر بھرا جام ہے اب تیرے بغیر
تیری چاہت پہ قربان تیرا ہر ہے اکو اظہر

میرا ایمان محبت ہے / محبت کی قسم / /

تیرا ہر سانس محبت ہے / محبت کی قسم / /

تیرے ہاتھوں کی لکیروں میں لکھا ہے کوئی نام
وہ سویرا ہے جہاں ساتھ ملے گی منزل
میرا ایمان محبت ہے " محبت کی قسم /

"تو کیا یہ نہیں کھا رہے؟" اچانک ماں کے منہ سے نکلا۔ وہ بولنا بھول گئی تھی۔

بادی نے پلیٹ اٹھا کر دیکھا۔ "مجھے فی الحال بھوک نہیں ہے"۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مگر ہال میں آتے ہوئے / کچھ تو سب کھانا کھاتے ہوئے کہتے لگ رہے تھے۔ تم نے تو ایک چمچ بھی نہیں لیا۔ کچھ تو کھا لو۔ اتنا بڑا۔ اتنا بڑا۔ اس طرح ہوا میں سے کے ساتھ کھانے میں ڈوبے ہوئے کیا اچھے لگتے ہیں۔ بلکہ وہ تو نہیں ہو گیا اور کیا کہتے ہیں۔ انسان کے کان ہیں"۔ وہ اسے ٹوکوں سے پکڑ رہا تھا۔

"میں نہیں ہوں"۔ وہ نفی کرتے ہوئے انکو کہہ کر ہوا میں اپنے مسکرا رہا تھا۔

"مگر تمہارے ہاتھ بھی تمہارے کانوں کے ہیں گے۔ ہمارے قسم کے ہوں گے۔ ایسے لوگ بڑی تعداد میں کان رکھتے ہیں۔ وہ ہیں ہائیڈ انٹرنیشنل"۔ وہ پھر فکر ہونے کے بجائے خوشی سے بولا۔

"کھیکس ہائیڈ انٹرنیشنل"۔ وہ بھی اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ہنس دیا۔

"کیا ہوا بابا صاحب کا انتخاب؟" اچانک ہی وہ بادی اب اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

بادی کی ہنسی کی آواز آئی۔ وہ کوشش کے باوجود نہ سن سکی تو جھک کر صوفے پر بیٹھ گئی اور پھر فکر کی سوچ میں پلکیں جھکا لیں۔ گیت کی طرز، نغمہ گار کی آواز اور اشعار کی حقیقت بے حد ہو چکے تھے۔ جیسے وہ جو اس کی حماقت سے گزر رہا تھا۔ "کیوں اس نے انتخاب گیت کیا۔ بے حس۔ نہیں بلکہ پتھر ایک انسان۔

وہ صدیوں کے رواجوں کا اندھیرا ہوگا

اوہ۔ پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے اور سزا دیں گے۔ کیسے وہ ہوگا اور جب اس کے بابا صاحب "بچے معصوم راجی کی طرح نکلا رہے ہوئے۔ گیت کا اس کے بس کی بات نہیں۔" جو بھی ہوا ہے اچھا نہیں ہوا ہے۔ بہت برا ہوا ہے۔"

اس نے ماں کی طرف دیکھا۔ جب تک بابا سے صاف صاف بات نہیں ہو گی۔ یہ بھی نہیں ہلے گی۔ وہ ایک بار پھر اٹھ کر صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔

حالانکہ اسے معلوم تھا یقین خاں کسی سے نہیں ڈرے گی۔ اس کے باوجود آنکھ لگ گئی تھی۔ وارث شاہ اصطبل سے اپنے ہتھیار لیے داخل ہوئے تھے۔ اور روشنی کو سوئے ہوئے دیکھ کر رک گئے تھے۔

کچھ جھنجلاہٹ اور غصہ سر ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنا چہرہ کی جھپک سے لو اور روشنی پر ایک سرسری نظر ڈالی۔ اور جیسے لازم ایک اجنبی محسوس کرنے لگے۔ ان کی امت نہیں پڑ رہی تھی کہ اور روشنی کو جگا کر اپنے کمرے میں جانے کو کہیں۔

ان کا وجدان کہہ رہا تھا کہ رشتے کے جاگتے سے طوفان جاگ پڑیں گے۔ وہ کوٹ اتار کر آہستگی سے دیوار پر ٹنگی سے لگے۔ سانس دھیرے دھیرے کے بارہ سوالیہ آوازوں نے جنم لیا۔ باہر راستوں پر قافلے ہنوز رواں تھے۔ گو محل رخصت ہونے کا مکمل تاثر بھی فضا میں موجود تھا۔ وہ تیزی سے دریچے کی طرف بڑھے۔

"اپنڑی عمدی طبیعت تماں ڈی۔ ہوں وہ ہو گئی اے۔ ان تماں جلو۔ تماں لوں وب دا واسطہ۔ دا سے جان اچے آساں تے مزا ای نیر نہیں۔ چلیئے جلو" (چلو)

سرسوتی کو "ہنہ کو" زبان کے علاوہ کوئی زبان نہیں آتی تھی۔ وہ گھاس پر بیٹھی عورت سے مخاطب تھی۔ یعنی اسے وہاں سے چلنے کو کہہ رہی تھی۔ اسے اندازہ تھی کہ بے خان اجڑ آئے تو دونوں ہی کی خیر نہیں۔ جتنا یہاں سے بھاگ چلو۔

"نیر ۔۔۔ میں کی کراں ۔۔۔ آن وچ اہاں ہاں ۔۔۔ تماں اوندے او آتے بھجو اینکھاں۔ میں تماں لو بھجاں؟" (پھر میں کیا کروں؟ انہیں آنے دو۔ تم اندر چلی ہو جاؤ میں نے تمہیں بھاگنا ہے؟) جواباً گھاس پر بیٹھی ہوئی عورت نے بھی ہندکو میں ہی تلخی سے جواب دیا۔

"کیہ دا دل میں توں روٹی لیا بی ہاں بھی کر مٹن دے۔ ان نے نیر اہی جل ساں اینکھاں"۔ (ایک بار روٹی لیا بی ہاں سے بات کر لے دے۔ اب تو جب ہی جاؤں گی)

"او اے خان میلوں ساڈ سوہاں ساں"۔ سرسوتی لرزتی آواز میں کہتی ہوئی دروازہ بھیڑنے لگی (اندر سے خان مجھے جلا کر راکھ کر دیں گے)

بارو علی خان نے پلٹ کر روشنی کی سمت دیکھا اور نہایت آہستگی سے دریچے کے پٹ بند کیے اور اسی تیزی سے کمرے سے باہر آئے۔ اور باہر والے کو سنا کیا۔

اور ان دونوں نے قدموں کے سلسلے پر رک گئے۔ "تمہارے ساتھ کون ہے سرسوتی؟"

وہ بہت دھیمی مگر بارعب آواز میں اس سے مخاطب ہوئے۔

اور سرسوتی کی تو جیسے گھگھی بندھ گئی۔ کوشش کے باوجود منہ سے آواز نہ نکل سکی۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں سرسوتی؟" ان کے لہجے میں بلا کی برہمی تھی۔

سوا گھاس پر بیٹھی ہوئی عورت اٹھ کر نزدیک ہوئی۔ اور ماحول ایسا ہو گیا جیسے بادل گھنے ہوتے ہوں اور بجلیاں کا خوف سناٹے کی چادر سرکانے لگا۔ اور بارو علی خان نے کوفت بھرے انداز میں گہری سانس بیٹھے سے خارج کی۔

"کیوں آئی ہو اس طرف؟" انہوں نے اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے سوال کیا۔

"بھی نظر ہے کا ڈر تو اسی کہنے سے ہوگی۔ اول بشن آپ کو کھڑے ہوگی۔ اس پر بھی میں چھوڑ دیں گی تو نہیں۔ آپ کے لیے کیوں لائے؟" وہ آگے بڑھیں۔ ہلکی چال کی تیزی خطرناک سرعت رکھتی۔

"خان اپنے تو نہیں کہتی کہ مجھے لائے ہیں۔ یہ تو نہیں کہتی مجھے کوئی لائے ہیں۔ یہ تو کہتی کہ میں آسمان سے اتری ہوں۔ میں کہیں نہیں جاتی۔ میری کوئی جگہ نہیں جہاں میں اپنا سامان لے جاؤں۔ اتنی مصیبتیں جو میں نے اٹھائی ہیں۔ ان کا حساب کر دیں۔ جب میں اور میرا بیٹا بھوکے مرنے لگے تھے۔ اس وقت آپ نے مجھے سنبھالا تھا۔ یہ وقت آئی ہے خان۔ یہ سوالی فقیر ہے۔ اور بھوکا ہو۔ یا تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں۔ یا میں کہیں نہ جاؤں گی۔ میں اپنے بچے کے لیے کھڑی ہوں۔ میرا سر نہیں جھکے گا۔ میں اپنے بچے کے لیے کھڑی ہوں۔ مجھے بھگی کے دو بالوں کے لیے نہ ڈرائی

"تم یہ کھا لینا۔ خدا حافظ" وہ بھی اسے کہتی ہوئی "وہ" کی طرف سے

روشی کو جانے کیوں اپنے وجود میں ایک انجانی کمزوری

میں نے ماں سے ایک بار کہا تھا کہ میں بڑی ہو کر

ایک طرف کو چل پڑی۔ ایک پلیٹ میں قورمہ اور چاول

"میں نے ایک بار کہا تھا کہ میں بڑی ہو کر

دیکھا۔

مجھے روشی کے ہاتھوں میں تھما کر اس نے دوبارہ

"جلدی سے کھا لینا۔ صحت کے لیے بہت

یاور علی خان کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ کیا

"اور کراچی جا رہے ہیں"۔ انہوں نے آگے جھک کر

"ہم" وہ چونک پڑا۔

"ہاں۔ میں اور"۔ ان کے سوال میں وہ کون تھا۔

"صرف" اسے جیسے یقین نہ آیا۔

"صرف"۔ وہ دھیرے سے مسکرائے۔

"خالہ کے ہاں؟" اس نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں"۔ انہوں نے نظریں جھکا کر سر سے دھواں جھٹک لیا۔

روشی کو اپنی دوائیں پانی کے گلاس کے ساتھ دیتی ہوئی "بابا" وہ کہہ گئی۔ وہ قدرے خفیف سی ہو کر انہیں چادر اوڑھا کر

اس کا خیال تھا کہ اب تو بات ختم ہو گئی ہو گی لیکن ڈھائی گھنٹے کی مسافت میں بہت سے سوال

ساتھ۔ شاید وہ اپنی عادت کے مطابق بردباری سے کام لے رہے تھے۔ سفر کا آغاز ہوئے

ان پر بجھی ہوئی۔ اس نے گردن موڑ کر اپنی کمزوری کا اعتراف کیا اور مستحکم ہاتھوں سے یاور علی خان کو دیکھنے لگی۔

"مجھے بابا سے ضرور بات کر لینا چاہیے۔ یقیناً بابا خوش ہوں گے"۔

"آل ایز ویل دیٹ اینڈز ویل"۔ اس نے کہہ کر جلدی سے چھوٹ میں کہا۔

"کس سلسلے میں مسلسل رو رہا ہے؟" وہ تھی نہیں سمجھے۔

"وہ میں نے آپ سے کہہ دیا تھا نا کہ میں ماں کو مس کرتی ہوں"۔ اس نے قدرے جھک کر سامنے کی طرف سے

ہوئے ہوئے قدرے سنبھل کے میں کہا۔

"اوہ"۔ وہ جیسے کچھ یاد کر کے مسکرا دیے۔ "ان مینٹر یہ"۔

"ان مینٹر؟" اسے جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

"اچھا۔ ہم اسے کہہ رہے تھے کہ کراچی کے پروگرام پر تم نہ جاؤ کہ ہمیں پہلے نہیں بتایا۔ اسے اشعر پہلے نہیں بتایا۔ اسے آج

"وہ؟" اس نے الجھ کر ان کی شکل دیکھی۔

"روشی گئی ہے کمرے میں ہے"۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے روشی آواز سے بے خبر سو رہی تھی۔

وہ روشی کے پاس جا کر رک گئے۔ اس کا ایک بازو سر سے اوجھل پڑا تھا۔ چہرے پر عجیب طرح کی معصومیت

سوتے سے کندھے ہو رہی تھی۔ چہرہ سانولی رنگت میں الجھا ہوا تھا۔ انہوں نے جھک کر اس کے سر پر دھیرے سے ہاتھ

"روشی بیٹے اٹھو اپنے کمرے میں جا کر آرام سے سو جاؤ"۔ وہ اس نے کسمسا کر دوسری طرف کروٹ لے لی۔

"روشی۔ اٹھو بیٹا۔ شاباش"۔ انہوں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

اس مرتبہ وہ بڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔

"کیا"۔ وہ سمجھے سمجھے سے انہیں دیکھنے لگے۔

"خالہ کے ہاں تم اور میں"۔ وہ اس کے سوال کو دہرا کر بولے۔

"اوہ"۔ اس کے لیے یہ اطلاع اسی طرح تھی جیسے کسی کتاب کا دیباچہ پڑھ کر کتاب کے مضامین اور موضوع کا اندازہ

ہو جائے۔ وہ نیند کے بوجھ میں اترتے ہوئے جھٹکوں کے ایک ایک جھٹکے کو محسوس کرنے لگے۔

"روشی!" انہوں نے اس کا شانہ ہلایا۔

"بابا۔ تم پہلے کھانا کھا آؤ"۔ انہوں نے بشیر بابا کو وہاں سے روانہ کیا۔

روشی شانہ ہلانے کے عمل سے بیدار ہو چکی تھی۔ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"السلام علیکم بابا"۔ اس نے ادھر ادھر بکھرتا ہوا دوپٹہ سنبھالا۔

"وعلیکم السلام۔ کھانا کیوں نہیں کھایا؟"

"بھوک نہیں تھی"۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"بابا کھانا لا رہی ہے۔ تم جلدی سے منہ ہاتھ دھو لو۔ میں اور تم اکٹھے کھائیں گے"۔ شاباش"۔

وہ اسے کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگے۔

"مجھے بھوک نہیں ہے بابا"۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ان کا لائٹر اٹھا کر اپنے دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر بابا کی

جھکیاں اتاریں اور ان کے بعد گلے میں پڑے ہوئے تینوں چادروں۔ لیگنس اور بازو اور پھر تمام زیور اتار کر ایک جگہ پر

اکٹھا کر دیے اور باتھ روم میں چلی گئی۔ خوب رگڑ رگڑ کر منہ دھویا۔ یاور علی خان کی موجودگی کے احساس نے اسے

اعصاب پر سکون ہو گئے تھے۔ منہ ہاتھ دھو کر بالوں میں برش چلا کر وہ اپنی تمام بابا والی حیثیت میں لوٹ آئی تھی۔

"بابا! آپ کو دل نہیں چاہ رہا اس وقت کھانا کھانے کو"۔ وہ دوسری بار اسے تو اپنا سنہ مس کرنے کی جلدی تھی۔

سے کرا لی کیلئے، وہ آئیں گے۔ مگر ایک بات"۔

وہ سنجیدگی کے انداز میں آگے کو جھکا کر بولے۔

"کہئے پاپا"۔ اس کے خوش ہونے کے عمل میں کمی آ گئی۔

"یہاں کسی کو اپنے کیریئر کے پروگرام کے بارے میں نہ بتانا۔ سمجھ رہے ہو نا"۔

"جی پاپا صاحب کو بھی نہیں"۔ اس نے قدرے تامل سے ان کی بات دہرائی۔

"انہیں بھی نہیں۔ اگر یہ راز کسی کو پتا چل گیا تو میں تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکوں گا"۔ انہوں نے بہت آہستہ آواز میں کہا۔

"کیا آپ ڈرتے ہیں ان سب سے؟ آپ تو' ان ڈیپنڈنٹ' ہیں نا؟" اسے جیسے باپ کا رویہ پسند نہیں آیا۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ جب بہادری بیوقوفی کے ہوتی ہے تو دل جان بن جاتی ہے۔ جب عقل کے ساتھ ہو تو کسی بڑی فتح کی بنیاد بن جاتی ہے"۔ وہ بہت تدبر سے سمجھا رہے تھے۔

روشی نے بہت محبت اور ستائش سے باپ کی طرف دیکھا۔

"بے موقع کام کرنے سے انسان تماشا بن جاتا ہے اور ہاتھ بھی کچھ نہیں آتا۔ جب بھی دل و دماغ ہم آہنگ ہوں تو آہستہ آہستہ فتح ہے۔ نہ ایک دم میں نہ ایک جھٹکے سے۔ تم جو کچھ آج کرنے جا رہی تھیں۔ اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوتا بلکہ میرے لئے ایک تکلیف دہ بات ہوتا"۔

وہ آہستہ آہستہ اس کے من چاہے موضوع کی طرف آئے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا اب اس کی گفتگو کا رخ آج کے واقعے کی طرف نہ جائے گا۔

روشی کا دل بیٹھنے میں نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال وہ ایک مخصوص ماحول کی پروردہ تھی۔ باپ کے سامنے وہ اپنی ناسمجھی کا ذکر کر ایک غلط بات تھی۔

"مگر پاپا ۔۔۔ وہ"۔ اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ اگر تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو تو کچھ نہیں ہوگا"۔ انہوں نے نیا سگریٹ سلگایا۔

روشی تو جیسے بیٹھ گئی۔ "پاپا"۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

انہوں نے روشی کے خوشی سے چمکتے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ اور سگریٹ سلگانے لگے۔

"کیا میں وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" انہوں نے خاصے تردد سے سوال کیا۔

"کوئی وجہ نہیں"۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"کیا تمہیں کوئی پسند ہے؟" انہوں نے بھی بھنی نظروں سے اسے سوال کیا۔

روشی کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے لگا۔ کیا آج پاپا سارے گلوں کا حساب باق کر دیں گے؟ اس کا دل چاہا وہ ہاں سے اعلان کر دے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

"نہیں۔ ایک بات اور بیٹا۔ ہمارا تعلق جس مذہبی طبقے سے ہے اس میں ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ ہے۔ اس لئے ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ ہے۔ [illegible] ۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ [illegible] ۔۔

طرف اشارہ کیا۔

"نہیں کہا تھا"۔

"سو نہیں گی؟"

"نیند تو نہیں آ رہی ہے۔ بیٹھ کر کہانیاں پڑھوں گی تو شاید نیند آ جائے۔ رات بھی تو خاصی ہو چکی ہے"۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"اب اللہ حافظ۔ شاید نیند آ جائے"۔ وہ مسکرائے۔

دروازے کے پاس سے کوئی جا نہیں تھا۔ جب اندر سے کنڈی لگی ہوئی تھی۔

"تم کہاں سے آئے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"بتا کر نہیں آئے۔ چار پانچ سو روپے رکھ لیتا۔ بہت ہوں گے"۔ انہوں نے کہا۔

"پھر میں وہاں آپ کے ساتھ شاپنگ بھی تو کروں گی"۔ اس نے کپ یاور علی خان کو تھمایا۔

"شکریہ۔ تم کافی نہیں لو گی؟"

"نہیں۔ پھر نیند نہیں آئے گی۔ آپ کو کافی پی کر نیند آ جاتی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں؟" یاور علی خان نے اپنی سرخ آنکھیں ایک لمحے کو اس پر مرکوز کیں۔

"آپ کی آنکھوں سے تو لگتا ہے آپ سوئے ہی نہیں ہیں۔ پھر آپ آئی انفیکشن کا علاج کیوں نہیں کرتے۔ آپ کے آئی ڈراپس کہاں رکھے ہیں؟" اس نے معصومیت سے ان سے پوچھا تھا۔

"اچھا"۔ وہ مسکرائے۔ "مجھے کبھی احسان ہی نہیں آیا۔ اب تم نے توجہ دلائی ہے تو ضرور کروں گا"۔

"نہیں۔ آپ کو احسان رکھنے والا بھی تو کوئی نہیں ہے۔ کسی کو نہیں تو کم از کم"۔

اسے جانے کیا یاد آیا کہ ایک دم سے شرمندہ سی ہو کر چپ ہو گئی۔

"کچھ نہیں ہے تو کیا ہوا ہے تو سہی"۔ انہوں نے ایک ذرا سی پرانی سی تکرار رہنے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بہت گہرے انداز میں جواب دیا۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں۔ کیا میں آپ کے ساتھ ہی چل رہا آؤں؟" وہ جاتے جاتے رک گئی۔

"نہیں۔ میں تمہیں بلا لوں گا"۔

"گڈ نائٹ پاپا"۔ وہ دونوں ہاتھوں میں اپنی بیساکھی سنبھالے باہر نکل گئی۔

"گڈ نائٹ گڑیا"۔ وہ مسکرا کر بولے۔

وہ نہ جانے کس دکھن میں تھی۔ ایک دم دروازے میں الجھ کر گر پڑی۔

"کیا مصیبت ہے۔ عقل نہ اصول۔ اتنی بیوقوف ہی لگ جاتی"۔ وہ بڑبڑا کر اٹھی۔

[illegible] ساتھ شروع ہو گئی تھی۔ کیا باتیں کرنے والے معذوری کر رہے ہیں"۔

اس نے چونک کر سامنے دیکھا۔ وہ بے ساختہ آواز سے بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

"تمہارے مطلب؟" وہ بیڈ پر گر کر بولا۔

"ابھی اب بھروسہ نہیں ہے۔ جانے کیا ہے"۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"اپنے بارے میں کنفرم کر لو۔ تو پھر بات آگے بڑھے"۔ وہ کہہ کر اٹھا۔ [illegible] طرف بڑھ گیا تھا۔

"بابا نے بکواس کرتے ہوئے خاصی حوالی سے اس کی سمت دیکھا۔

"اگر تم کو یہ [illegible] ہے تو [illegible] کی آخری حد تک آپ کو [illegible] کرنا"۔ اس نے بوتل کو [illegible] تھام لیا۔

"شکریہ"۔ وہ بے ساختہ بول گئی۔

"کیا کہہ رہا ہے؟"

"کہاں جا رہے ہیں؟"

"وہ عجیب سوال ہے۔ پہلے تو زمین پر یہاں وہاں چلنے کے پابند ہوتے ہیں۔ وہ جا کر پھر کہے تو ہوں گا کہیں"۔

"وہ باہر سے فون ہو"۔ "ظاہر ہے اپنے گھر سے۔ میں نے جا رہا ہوں"۔

"میں نے ان کی تیمارداری کرائی ہے۔ دیکھا کی نہیں۔ عجیب ہے"۔ وہ اپنی جگہ الجھی تھی۔

"کبھی ان میں تقریب لانے کا موقع ملے۔ تو پوچھ لوں گا"۔ وہ دیئے پر چڑھنے لگا۔

"ویسے مجھے یہ لگتا ہے تمہاری بہت اچھا گزرا تھا"۔

وہ لمحے کو رکی۔ پھر اور گہرا سانس لے کر دیکھنے لگا۔ "کیوں سا گا؟"

"وہی جو باتوں میں تم کہہ رہا تھا۔ ایسی عورتیں ہوتی ہیں جو مرد کو بھول جاتی ہیں"۔ وہ غور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ وہ کوئی اور ہی تاثر دے رہی تھی۔

"کبھی کبھی چیزیں سب ہی کو اچھی لگتی ہے۔ دل چاہے تو مجھ سے کیسٹ لے کر سن لینا۔ مجھے اس کے الفاظ یاد نہیں رہے۔ بس اس کی طرز اور آواز اچھی ہے۔ اس لئے اچھا لگتا ہے"۔ وہ بے نیازی سے جواب دے کر تیز تیز سیڑھیاں چڑھ گیا۔

"ہونہہ"۔ وہ ہنکار بھر کر رہ گئی۔ "بہت عجیب ہوتا ہے۔ اتنی واہیات ہوا بھی اتنی مرتبہ سنتا تو اسے بھی یاد ہو جاتے۔ پتا نہیں اسے گھمنڈ کس بات پر ہے"۔ وہ بھنا کر صوفی اپنے کمرے میں گھس گئی۔

"بھائی۔ کہاں ہیں آپ؟" وہ بیگن کے دروازے پر ایستادہ تھا۔

ہاتھ بڑھا کر اس نے کنڈی کھولی۔ بیگن کے دروازے پر اس کو دیکھ کر پڑا ہوا تھا۔ وہ ایک دم ہی سامنے آ گیا تھا۔ وہ غصہ وہ بے پناہ غصہ اور نفرت تھی۔

اگر اس کا اختیار اس کی [illegible] پر ہوتا تو شاید اس کی [illegible] ہو ہی گئی تھی۔ بھائی اس طرح ایک دم سامنے آ جائے گا کیا

تھی مگر اتنا بہتر تو کھانا نہیں تھا۔ اس نے ایک لقمہ توڑ کر منہ میں ڈال لیا۔

"فرمائیے"۔ اس کے لہجے میں غرور جاگ آیا تھا۔

"وہ ہی آنکھیں، ہنستی ہوئی، بھائی! خاص طور پر عورتوں پر بھروسا کرنا تو ہم نے بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اپنے بھی تو ہم کو دھوکا دے چکے ہیں، سردی بہت لگ رہی ہے۔ شاید بخار ہو گیا ہے۔ ایک کمبل اور دے دیں۔ کراچی سے اور اس وقت کراچی سے کوئی نہیں لیکن، دن کے وقت کر کے خود کو کھینچتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔

بارہا آپ ستم کر چکے ہیں مجھ
آپ کی شکل بدل جانی ہے

وہ بڑبڑانے کے انداز میں شعر پڑھتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ رہا تھا۔

بالو کا احسان کیسی اور خواص کی سمجھ میں شعر کیا خاک آتا۔ اس کی حساس طبیعت تو جیسے پون کر کھل اٹھی تھی کہ اسے بخار کی وجہ سے سردی لگ رہی ہے۔

وہ تیزی سے صندوق کی طرف گئی تھی۔

اور دل خان کا بھائی اور امیدوار ایسے قسم کا ملنگ لے کر اس کمرے میں چلی آئی جہاں عارف کو لایا گیا تھا۔

"عارف بھائی! یہ کمبل"۔ اس نے دروازے سے اسے مخاطب کیا۔

"شکریہ بھابی"۔ وہ بے حد آہستہ سے اپنے بیٹھ کر ہوا تھا، تیز تیز سانس لے رہا تھا۔ بالو کھڑی دیکھتی رہی۔ اس نے عارف میں تو پہلے سے سوجھ بوجھ کمبل اٹھانے کی سکت نہیں۔ بالآخر وہ آگے بڑھی۔ عارف کی آنکھیں بند تھیں۔

اس نے آہستگی سے کمبل اس پر پھیلایا۔ پھر ساتھ لایا ہوا دوسرا کمبل بھی اس پر ڈال دیا۔ اور سیدھی کھڑی ہو کر اس کی اگلی بات کا انتظار کرنے لگی۔

"بھابی ۔۔۔ دل خان سے کہو، پہلی فرصت میں میری ماں کو اطلاع کر دے کہ میں آپ کے ہاں ۔۔۔ زندگی کی سانسیں پوری کر رہا ہوں۔ ملنا چاہے تو آ کر مل جائے"۔ اس کی آواز بہت دھیمی اور کمزور تھی۔

"ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں عارف بھائی؟ آپ انشاء اللہ اچھے ہو جائیں گے"۔ وہ جھوٹے سے دل کی تسلی کا سبب کر رہی تھی۔

کم نہیں وہ بھی ہم سے چشم خریاں
تیر ان کا بھی کیا ہے گر کھا جانا ہوا

اور بھابی وہ جو آپ نے کہا ہے نا غالب نے کہ ۔۔۔

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا
تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ کھانسنے لگا۔ بالو خود ان پریشان سی کھڑی تھی۔ "تو بہ نشے کی طرح طاری ہے شعر پڑھنے کا۔ اس حالت میں بھی ادا

[illegible] ہے"۔ وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"آپ کیسے ہو گئے ہیں عارف بھائی؟ اس وقت اس کو دل [illegible] رہی تھی۔

"نہیں بھابی ۔۔۔ اس وقت تو [illegible] ہے۔ کیونکہ [illegible] ہے۔ اس کیلئے میں دل جان سے [illegible] کے لئے [illegible]

[illegible] شکریہ"۔

"آپ کیلئے اللہ کرے گا، [illegible]، دل کو سکون ملتا ہے"۔ اسے بروقت یہی [illegible] بھابی دل کی اسے "[illegible]

لی" [illegible] ہے۔

[illegible] ہے کتنے [illegible]
[illegible] ہو [illegible]

"شعر" وہ خود ہی شعر کو رد کرتا رہا "کیکر ۔۔۔ بھائی"۔

وہ آخری عمر میں کہاں خاک مسلماں ہوں گے

"آپ کی عمر [illegible]"۔ بالو کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

"عمر کا کیا ہے، سال نہیں تو مہینے بیت ہی جاتی ہے بھابی"۔ وہ اس کی سادگی پر مسکرا دیا۔

اس نے اصرار سے اپنے مطلب کی بات اگلوا لی تھی۔ اور بس ۔۔۔ وہ درحقیقت آئی تھی گرانباری میں اترنے کی مدد بھی کرنی تھی۔

"میں آپ کیلئے لکھنی والا بناتی ہوں ۔۔۔ وہ پھر کھانسنے لگا "نہیں کھائیں گے تو آپ ان کے ساتھ کھا لیجئے گا"۔ وہ ہلکے ہونے لگی۔

"آپ کے وہ اب تک آ گئے ہیں، میرا سامان بھی تو فرنٹیئر ایئر لائن میں بند کر گئے ہیں، جھک کر مرا ہے۔ جس میں کہ [illegible] رکھا ہوا ہے"۔

"میں بھی لاتی ہو بھائی"۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

لیکن میں کل سے پانی لیتے ہوئے اسے دھیان آیا، وہ اٹھ کر بیٹھنے کے بھی لائق نہیں۔ پانی کیسے پیے گا؟ کوئی دوا سے سہارے کر اٹھائے گی؟ اسے جھرجھری آ گئی۔ نا بابا نہیں۔ یہ تو وہ کبھی نہیں کرے گی۔ شوہر کی غیر موجودگی میں کسی نامحرم کے [illegible] قریب جانا سراسر فتنہ ہے۔ اور اسے ایک دم دھیان آ گیا۔ اس نے ایک چمچہ ساتھ لایا۔ مسئلے کا حل سمجھ میں آنے پر مطمئن ہو گئی تھی۔

وہ اپنی عارف کے کمرے میں آئی اور چمچے میں پانی لے کر اسے متوجہ کیا۔

"عارف بھائی پانی"۔

"ہاں ۔۔۔ خواب تو اچھا ہے۔ یوں بھی ساحلی شہر میں رہتا ہوں، پانی اور عورت ہے، مگر مرنے میں تو اس وقت صبر کرا لے بھابی"۔

"یا اللہ۔ اتنا گھر ہونے پر اس قدر بوکھلاہٹ ہے۔ حالت واقعی خراب ہوگی"۔

"پچھلی بار میں ساتھ تھا۔ آپ اکیلے بھی کر لیں اور سب بھی"۔ وہ بڑبڑا رہی تھی۔

عارفہ نے تیل کی آواز سے پانی پاؤں پر پڑی۔ وہ اس کی سمت دیکھے بغیر جانے کی طرف بڑھا۔

"ارے کیا بہت برا حال ہے"۔ پیچھے سے بلال خان کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

الو کے ہاتھ سے گلاس فرش پر جا پڑا۔ یہاں وہاں کرچیاں بکھر گئیں۔

"کیا ہوا۔ وہ کیا کھول کر بتا رہا تھا؟" بلال بری طرح ہکلا کر بولا۔ وہ لڑکی دوڑتی ہوئی پیچھے گئی۔

لاشعور کے گھوڑے اٹھائے گئے۔ گھر ہونے کیوں نکلیں اٹھا کر بلال خان کی سمت دیکھا گیا۔

"کوئی بات نہیں ایسا ہو جاتا ہے۔ انسان اپنے احساس میں ہوتا ہے تو چونک پڑتا ہے۔ میں تو اس لئے پاؤں واپس آیا تھا کہ کہیں تمہارا پاؤں نہ جل جائے۔ یہ تمہارا بھائی اسے تو بہت شرم آتی ہے۔ شکر ہے اس نے تمہیں ہاتھ نہیں لگایا۔ اب چلو اٹھو۔ اپنا تو کل میں دوائیں کا بندوبست کر کے آیا ہوں۔ وہ کوئی لغزش ہے"۔

بلال خان نے عارفہ کو بازوؤں میں اٹھایا۔ گھر ہونے کو اٹھایا۔ گھر ہونے نے سر اٹھایا۔ بلال خان سے کوئی بات کی۔ وہ جانے اس کے ہاتھ میں کی جان کیوں نکل رہی تھی۔ بلال لفظ سے پڑ گئے تھے۔

"وہ اور اندر کرو ہوا"۔ بلال خان کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔

گھر ہونے جیسے کسی بخار کی طرح اپنی جگہ تھی۔ حالانکہ اس نے کوئی چوری نہیں کی تھی۔ گھر ہونے جانے کیوں بھی ہوئی تھی۔ کیا سوچتے ہوں گے۔ یہ جیسے تو حاسے نہیں آئی اور جب میں موجود نہیں ہوتا۔ کہیں ایسی کوئی ویسا خیال نہ آ جائے۔ حالانکہ وہ چور نہیں تھی۔ آج مراکل ہوا ہے۔

گھر بلال خان کو اس طرح لیے ہوئے گھر میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ اسے تب اپنے ہوتے ہوئے کسی مرحلے سے گزرنے دینا نہیں چاہتا تھا۔ گھر نے کے دوست کو پانی پلا رہی تھی۔

وہ گھر ہونے تھی۔ یہ بیٹا وہ اس کے بچے کو اس کی پریشان کر رہے تھے۔ وہ ساتھ والا آدمی جو پانی کرتے ہوئے کس طرح طعنوں سے کہہ رہا ہے۔ وہ اپنے آنگن میں کام کرتی تھی۔ جب بھی غصے میں ہوتا ہے کہتے ہوئے کہ یہ عورت کے ہاں بیٹا" کہتا ہے۔ اس طرح کی باتوں سے بچنے آنگن آئی تھی۔ اور ایک مرتبہ کہ عورت پر کیچڑ اچھالا تو اس بہت کڑھ رہی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ جب اس کی شادی ہوگی تو وہ ایسی عورت بنے گی۔ جس کی وفا میں اس کا شوہر صف ماتم

ہو۔

کہیں بھی واقعہ کسی کا منتظر نہیں ہوتا۔

اور یہ ایک قسم ذہن کے پردے پر چل رہی تھی۔

وہ پانی پا رہی تھی۔ پیچھے سے بلال خان آ گیا تھا۔

"یا اللہ۔ اتنا گھر ہونے پر اس قدر بوکھلاہٹ ہے۔ حالت واقعی خراب ہوگی"۔

"پچھلی بار میں ساتھ تھا۔ آپ اکیلے بھی کر لیں اور سب بھی"۔ وہ بڑبڑا رہی تھی۔

عارفہ نے تیل کی آواز سے پانی پاؤں پر پڑی۔ وہ اس کی سمت دیکھے بغیر جانے کی طرف بڑھا۔

"ارے کیا بہت برا حال ہے"۔ پیچھے سے بلال خان کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

الو کے ہاتھ سے گلاس فرش پر جا پڑا۔ یہاں وہاں کرچیاں بکھر گئیں۔

"کیا ہوا۔ وہ کیا کھول کر بتا رہا تھا؟" بلال بری طرح ہکلا کر بولا۔ وہ لڑکی دوڑتی ہوئی پیچھے گئی۔

لاشعور کے گھوڑے اٹھائے گئے۔ گھر ہونے کیوں نکلیں اٹھا کر بلال خان کی سمت دیکھا گیا۔

"کوئی بات نہیں ایسا ہو جاتا ہے۔ انسان اپنے احساس میں ہوتا ہے تو چونک پڑتا ہے۔ میں تو اس لئے پاؤں واپس آیا تھا کہ کہیں تمہارا پاؤں نہ جل جائے۔ یہ تمہارا بھائی اسے تو بہت شرم آتی ہے۔ شکر ہے اس نے تمہیں ہاتھ نہیں لگایا۔ اب چلو اٹھو۔ اپنا تو کل میں دوائیں کا بندوبست کر کے آیا ہوں۔ وہ کوئی لغزش ہے"۔

بلال خان نے عارفہ کو بازوؤں میں اٹھایا۔ گھر ہونے کو اٹھایا۔ گھر ہونے نے سر اٹھایا۔ بلال خان سے کوئی بات کی۔ وہ جانے اس کے ہاتھ میں کی جان کیوں نکل رہی تھی۔ بلال لفظ سے پڑ گئے تھے۔

"وہ اور اندر کرو ہوا"۔ بلال خان کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔

گھر ہونے جیسے کسی بخار کی طرح اپنی جگہ تھی۔ حالانکہ اس نے کوئی چوری نہیں کی تھی۔ گھر ہونے جانے کیوں بھی ہوئی تھی۔ کیا سوچتے ہوں گے۔ یہ جیسے تو حاسے نہیں آئی اور جب میں موجود نہیں ہوتا۔ کہیں ایسی کوئی ویسا خیال نہ آ جائے۔ حالانکہ وہ چور نہیں تھی۔ آج مراکل ہوا ہے۔

گھر بلال خان کو اس طرح لیے ہوئے گھر میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ اسے تب اپنے ہوتے ہوئے کسی مرحلے سے گزرنے دینا نہیں چاہتا تھا۔ گھر نے کے دوست کو پانی پلا رہی تھی۔

وہ گھر ہونے تھی۔ یہ بیٹا وہ اس کے بچے کو اس کی پریشان کر رہے تھے۔ وہ ساتھ والا آدمی جو پانی کرتے ہوئے کس طرح طعنوں سے کہہ رہا ہے۔ وہ اپنے آنگن میں کام کرتی تھی۔ جب بھی غصے میں ہوتا ہے کہتے ہوئے کہ یہ عورت کے ہاں بیٹا" کہتا ہے۔ اس طرح کی باتوں سے بچنے آنگن آئی تھی۔ اور ایک مرتبہ کہ عورت پر کیچڑ اچھالا تو اس بہت کڑھ رہی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ جب اس کی شادی ہوگی تو وہ ایسی عورت بنے گی۔ جس کی وفا میں اس کا شوہر صف ماتم

ہو۔

کہیں بھی واقعہ کسی کا منتظر نہیں ہوتا۔

اور یہ ایک قسم ذہن کے پردے پر چل رہی تھی۔

وہ پانی پا رہی تھی۔ پیچھے سے بلال خان آ گیا تھا۔

"اب آگے تم سنا دو۔" وہ دوستانہ انداز سے کہہ رہا تھا۔

"ہم سب اس ناگہانی پر حیران ہیں۔ اصل بات کا صحیح اندازہ کسی کو نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ خود بھی پریشان تھا۔ کہہ نہ پا رہا تھا اس نے تصویر بنا بھی لیں تو انہیں۔ تھوڑا بھی نہیں کھایا اور جلدی سے چلی گئی تھی۔"

"وہ بہت خوش ہیں۔ اداسی دکھی۔" اس نے فاران کو بتایا میں اس کا ذکر دیا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہو۔" اس نے فاران کو یقین دلایا۔

"چلو دیکھیں یار کیا ٹھیک ہے تو بتانا۔ مجھے تو ان کی سائنگ کھائی دے رہی ہے صحیح سب ہاں میں۔"

"یقین کرو۔ اگر تمہارے ساتھ بھی ہوتی۔"

"مجھے بہت کی اتفاقات میں دیتے ہیں۔ فاران!" وہ شاید فاران سے پہلی دوستی کے حوالے اور اتفاق۔ جب کی فاران نے ذکر کیا تھا۔

"کیوں تمہاری اتفاقات کو کیا ہوا؟ Don't be complicated! (اس کنفرنس کا فاران نے) فاران نے پوچھ سے سوال کیا تھا اور نصیحت بھی کی تھی۔

ہادی نے ان کی گفتگو کے اخذ کرتے ہوئے "Pl explain it" کی بک نہیں لی۔ ہی۔

"پہلے لاہور تک لاہ پہنچ حاصل کرو۔ جھگ نہیں مار رہا ہوں۔" فاران بولا۔

"یہ مطلب نہیں؟" آپ سے مجھے نہیں دی۔" وہ اس بات پر جانے کے مسکرا رہا تھا۔

"اگر تمہارا یہ دوست فل ہونے تو شک اچھے رہتے ہے۔" فاران نے ترکی پر ترکی کہا۔

"مگر جب سے یہ دوست فل ہونے کی جہ گئی ہے کہ میں" "فائنل نہیں" ادھر سے ادھر نہیں کرتا۔" ہادی نے سنجیدگی سے فلسفی جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں حقیقت معلوم ہے؟" فاران اپنی بیت پر مسکرایا۔ ہادی خاموش رہا۔

"مجھے بتاؤ۔ کسی سے نہیں کہوں گا۔" فاران شاید سب کی اداسی کو محسوس کر رہا تھا۔

"وہ زندگی کی جو اور سے کو نہیں ہو جاتے۔" وہ مستقل کتاب ہاتھ میں لیتا ہوا۔

"اہمیت بتا رہے ہو؟" فاران تھوڑے تنگی سے گویا ہوا۔

"آپ کسی کی زندگی یا کیریئر کی قیمت پر بھی مجبور کریں گے؟" وہ فاران کی طرف پلٹا اور اس کے چہرے پر تاثرات پڑھنے لگا۔

"فاران نظریں نہ ملا سکا۔" ہرگز نہیں اب یوں بھی فائدہ نہیں ہے۔"

وہ اطمینان سے پوچھ پایا۔ ہادی نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

"سب اپنی اپنی پریشانیوں کا اظہار کسی نہ کسی سے کر دیتے ہیں۔ ہم اگر کسی سے کچھ کہہ سکتے ہیں تو یہ سب ہادی ہیں۔"

کی قیمت پر اتنی بڑی کامیابی نہیں چاہتا۔ [illegible] "کی لیکن [illegible] ہو سکتا ہے [illegible] ہو گئے۔ [illegible] ہو گئے۔ [illegible] ہو گئے۔

ندیم نے دھیرے سے بادل کی ہتھیلی دبا دی۔

"آپ سے دکھی ہے تو آپ چلے جائیں۔" بادل نے غصے سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ بادل صاحب۔ کچھ دیر بیٹھیے۔ یہ تو ہوتا رہتا ہے گھر۔ لیکن یہ لڑکی ہے اور پہلی بار گھر سے نکلی ہے۔" ندیم بہت پر سکون تھا۔

"کیا کہوں میں آپ سے۔ بیٹھے بٹھائے یہ آپ نے کیا کر دیا۔ اس نے ہاتھ جوڑ دیے احسان کے ساتھ۔

"اس سے شادی کرنے کا ارادہ تھا تو گھر سے باہر ملاقات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" ندیم بھڑک اٹھا۔

"پھر گھر کیوں نہ آتا؟" بادل بھی اب اور بپھر گیا۔ مٹھیاں اس کے پہلو سے پھر لگنے لگی تھیں۔

"ہم لوگ اس طرح بات کرتے ہیں آہستہ آہستہ۔" ندیم نے تحمل سے کہا تھا۔

بادل کو اب ہوش آیا تھا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔ اس کے چہرے پر لالی نمودار ہوئی تھی۔

"ندیم بھائی! وہ سمجھتے ہیں آپ کو برا لگے گا۔ ہم لوگ میں ایک اور سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی وار کیے گا۔" رکن کیا کیے کی نہ ہو سکے گا۔ ... ندیم نے سمجھایا۔

"کہاں شیشہ ہوتی ہیں، اور محبت ان کی کمزوری۔ ان سے کیسی کھیلنے۔ یہ کیل کانٹے ہیں۔ بچ کے رہنا ہے۔"

"شیشہ کو معمولی سی چوٹ بھی لگ جائے تو کس بھی جاتے ہے۔ جو ہو، آپ کا "عمر لے" ہوتا ہے۔ وہ اس کا "عمر" ہوتا ہے۔ اس نے ندیم کی طرف دیکھے بغیر قدم آگے بڑھا دیے۔

"تم کیسے دوست ہو؟ تم نے مجھے احساس دلایا ہوتا۔" ندیم نے احتجاج کیا تھا۔

"میں نے؟ حقیقت تو یہ ہے، اصل آپ کا دوست ہے۔" وہ بہت سنجیدہ تھا۔ میں کہہ رہا تھا۔

"تمہیں سے شادی کیسے کر سکتا ہوں۔ مجھے اس سے محبت نہیں ہے۔" وہ ہاتھ کر بادل کے ساتھ "عمر" ہوا ہوں یہ محبت کیا ہوتی ہے؟" وہ بچی ہے اس عمر میں۔ ۱۲۰ فاقا اور شدت سے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ کوئی اسے اس ذہنی الجھن سے نجات دلائے۔

"محبت ان تجربات کو کہتے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ یا جب ہم ایک ہو جاتے ہیں۔ اور ہم ہر تجربہ ایک جیسا محسوس کرتے ہیں۔ ایک ہی طرح سوچتے ہیں۔ ایک ہی طرح ہنستے ہیں۔ ایک ہی طرح رو

"ماما صاحبہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا کہ کیوں میرے عزیز کو ہے؟" اس نے بادی کو بیچارگی سے دیکھا۔

"اوہ مجھے لیکچر دینے کی عادت ہے۔" وہ مسکرا کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"کیوں آپ مسکرا کیا مرغابی کے پر گنے ہوئے ہیں؟" اپنی محرومی محسوس کرتے ہوئے بادی نے جھلا کر کہا۔

"ابھی سے پوچھیں گا۔"

"تم ان کے گھر والوں پر بہت محنت کرتے ہو تبھی یہ اس لیے۔ وہ اپنے محسن کو بھلی پوزیشن دینے کو بے چین ہے۔" اس نے بڑے ماہرانہ انداز میں تجزیہ کیا۔

"اگلی بات ٹھیک ہوگی۔ آپ ان کی بولی ہیں۔ ان کے بارے میں زیادہ بہتر جانتی ہیں۔" وہ ایک اور انداز لگانے لگا۔

"کلرک ہے وہ؟" وہ لگ گئی۔

"یہ تب ہو جائے گا جب وہ خود کو نہیں سمجھے گا۔" اور میرے سے ہنس دیا۔

"تم ہر بات کیوں نہیں مانتے؟" وہ چڑ گئی۔

"وہ کیسے مانتے ہیں؟" وہ پھر ہنس دیا۔

"کیا وہ انگلش نہیں ہے یا ہنس نہیں ہے یہ؟" وہ اسے کھڑکی تھی۔

"شاید سلیس نہیں ہے۔" اس نے نہایت آسانی سے اتفاق کر لیا۔

"تمہیں تو یہ بھی سلیس نہیں ہے کہ کوئی کھڑا ہے تو اسے بیٹھنے کے لیے بھی کہو۔" وہ اور ڈیپٹ کر خفگی بھری نظر اس پر جا کھڑی ہوئی۔

"کہا بھی آپ کا ہے، مگر بھی آپ کا۔ جیسے چاہے استعمال کریں۔"

وہ پھر اسی سکون اور مسکراہٹ سے گویا ہوا۔

"مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ تم میری "ایجنٹ" سے خوش نہیں ہو۔ تمہیں برے ہونے لگ رہے ہو؟" آخر کار اس نے کہہ دیا۔

"مائی گاڈ! یہ کیا آ گیا آپ کے ذہن میں؟ مجھے تو اس قدر اطمینان ہے آپ کی اس تبدیلی پر کہ آپ اور ڈیپٹ نہ ہوتیں۔ بلکہ میں تو اس بات پر الجھ گیا ہوں کہ ماما صاحب نے شادی کے بجائے یہ منگنی جیسی بکھیڑ کیوں ڈال دیا۔ سیدھے سیدھے شادی کر دیتے۔ جو کام ہر حال میں کرنا ہے، اس میں دیر کیوں کی جائے۔ آپ کی اس تبدیلی کا بھروسا بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ آپ موڈی اور ــــ"

"اور پاگل ہیں۔ بکو مت یہ فضول۔ جاؤ جا کے وہاں سے میرے لیے دو شادی کر دیتے۔ شادی کر دینے فوراً ہی سب کو اچھی طرح سے۔ میں تمہارے لگے میں تو نہیں بلکہ رضا زبردستی اپنی جان چھڑانے کی بڑی اولی ہے۔ کیا میں کہیں نہیں آ سکتی ہوں آپ میں تو اپنی جان چھڑانے کو تمہیں اصل بات ہی تھی۔ تمہارا تو کام ہی یہ ہے کہ دوسروں کے کام کرنا۔ اور

اس طرح کی ہو۔ تم شاید یہ سمجھے تھے کہ میں تمہارے تعلق میں سیریس ہو جاؤں گی۔ ایسا نہیں ہے۔"

وہ دوٹوک طریقے سے مطمئن ہو گئی تھی۔ بادی اسی طرح تیز تیز سلون انداز میں اچھا خاصا بول گیا تھا۔

"خالی پیٹ تھیلے سے کیا ہوتا ہے۔ تم ہو کیا؟ میں نے تمہیں اہمیت دی۔ اس لیے کہ میں اصل ہوں۔ تم جانتے ہو، حالات میں الجھے ہوئے تھے۔ میں نے تو صرف یہ سوچا تھا تم استعمال ہونے والے شے ہو۔ تمہیں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

اس کا سانس تیز تیز چلنے لگا تھا۔ وہ دم لینے کو رک گئی۔

بادی نے اٹھ کر سائیڈ ٹیبل سے جگ اٹھا کر گلاس بھرا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی کہ میں بھی بچہ ہوں گا۔ اس لیے آپ کو بتا دوں کہ بچے ایسے نہیں ہوتے۔ آپ کا تجربہ اتنا ضائع نہ ہو، اس لیے وضاحت کر دی ہے۔ آپ جانتے اور سمجھ گئے ہوں گے کہ کیا کہنا چاہتا ہوں۔ اگر میں نے آپ کو ہرٹ کیا ہو تو میں آپ سے معذرت کرتے میں کوئی تامل محسوس نہیں کروں گا۔"

"ہیز ویل۔ یو آر ویری ہیپی اینڈ سکیئر ہیئر۔ ہیو سم ویٹر۔" اس نے بادی کے ہاتھ سے گلاس لے کر کارپٹ پر رکھے ہوئے بیگ پر بیٹھ کر ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور بچوں کی طرح رونے لگی۔

وہ کچھ دیر کھڑا رہا۔ پھر اٹھا۔ بادی نے آگے بڑھ کر دروازہ ٹھیک طریقے سے بند کیا۔ اور خاموشی سے کرسی پر بیٹھ کر سامنے اخبار پھیلا کر پڑھنے لگا۔ ایک آدھ منٹ بعد ایک اچٹتی سی نظر روتی ہوئی پر بھی ڈال لیتا۔ پھر وہ اخبار نظریں اخبار پر جمائے لگا۔

آخر پانچ منٹ بعد اس کی سسکیاں تھم گئیں۔ اس نے اپنے سے آنکھیں ملائیں اور بادی کی طرف دیکھا۔ بادی اسی طرح اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اس کی طرف اٹھی تھیں۔ وہ بہت خوبی انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بادی نے بہت آہستگی سے اپنی نظروں کا زاویہ اخبار کی طرف موڑ لیا تھا۔

"کیا چاہیے اخبار سمیت تمہیں آگ لگا دوں۔" وہ بیٹھے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

بادی اخبار ہاتھ میں لپیٹ کر کے ٹھوڑی کے نیچے ٹکا کر مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

"میری طرف سے کوئی مزاحمت نہیں ہوگی۔ آپ خوش ہو جائیں۔"

"اوہ!" وہ پاؤں پٹختی آگے بڑھی اور جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

بادی اسی انداز میں بیٹھے جانے کس سوچ کے پاتال میں بھٹکنے لگا تھا۔

بادی کو لوٹ کر گئے ہوئے تیسرا دن تھا۔ اس نے قرآن کے جانے کی اداسی کیس پیک کرایا تھا۔ اس بیچ کے اندر سے اسے بادی بھی نظر نہیں آیا تھا۔ ماما نے خود ہی بتایا تھا کہ "مراسلے" گیا ہوا ہے۔ اور اب مراسلے میں پتا نہیں کون سے بھید تھے

ہیں گھنٹہ لگا۔ اس نے سر جھکا دیا تھا۔ ایک فوکر کو پکا جانے کا سن کر ہوش و خروش اس وجہ خاکہ کی کشش میں
تھی لگ رہا تھا۔ بی جان کا تھا ہی لگا کر کس پتی بھگتا جائے۔ وہ بڑی بے دلی سے باتیں کرتی آئی تھی اور بھوں بھوں لے گئی تھی۔

تین روز سے طبیعت پر کچھ بوجھ سی محسوس ہو رہا تھا۔ اندر سے جانے کتنی مرتبہ یہ آواز آئی تھی کہ اسے اس طرح
باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ کس طرح ہاتک ہاتک کر اس نے بادل کی روح چھلنی کے ٹکڑے تھے۔ اور وہ کتنی خاموشی سے سب
سنتا رہا۔ جواباً کچھ کہہ بھی تو شاید احساسات اتنے شدید ہوتے۔

وہ بھوں بھوں لیتے ہوئے مسلسل سوچ رہی تھی۔

"بی بی! ہمارے خان کا فون آیا ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں آپ شام چھ بجے تک تیار رہیے گا۔ ان کو ایئرپورٹ
آنے گا۔" گھر سے کھڑکی پیغام لے کر آئی تھی۔

وہ چونک کر کھڑکی کو دیکھنے لگی پھر ایک دم اٹھ کر جھرنے سے پیچھے آ گئی۔ سر اندر دوڑ گئی۔ پانچ منٹ میں بچے تھے۔
اپنے کمرے میں آ کر وہ ضروری چیزیں سمیٹنے لگی۔ وقت بہت کم تھا۔ ابھی اپنی تمام کپڑوں کے سامنے دھلا بھی کرنا تھا۔ پیکنگ
دن سے پہلے کی تھی۔ ہر بار کے جانے اس کا پیٹ پھولنے لگا تھا۔ ظاہر ہے اس کے لیے پریشان کن ہی ہوتی تھی کہ بادل خان نے
پہلی بار بیٹی کو اپنے پاس بلایا تھا۔

وہ کپڑے اٹھا کر باتھ روم میں جا رہی تھی کہ بی بی امی آ گئیں۔

"کچھ لے تیار کیا تھا نہیں؟" آتے ہی مخاطب ہوئیں۔

"جی بڑی امی!"

"اچھا تم تیاری کرو۔ ہاتھ بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اندھیرا تو ویسے بھی ہو گیا ہے مگر اب کیا کریں۔ بیٹا وہاں ہمارا ویٹ کر
رہے ہیں۔"

"تحریمہ ہے وہ تھیں وہاں کیوں بلا رہے ہیں۔ اور پھر اس ٹرالی میں تمہارا دل کیسے لگے گا۔ خیر اس نے تو جلد یا
بدیر جانا ہی ہے۔ کچھ کھانے پینے کی چیزیں اندر ہوا میں رکھ دو راستے میں کھا لیں گے۔" بی بی نے کہا۔

"جی اچھا۔" وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔

"اچھا چلو تم تیاری کرو۔" وہ بڑی گم صم سی نظر آ رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھ رہی تھیں۔
روشنی ان کی ہیولہ ہوتے ہی جھپاک سے باتھ روم میں گھس گئی۔ دہشت میں کپڑے تبدیل کیے اور برش ہاتھ میں لیے
روتی ہوئی ہال کمرے میں آ گئی۔ جہاں وہ سب "سب تو تیاری" ہاتھ پھیلائے بچوں کا کوئی پروگرام دیکھ رہی تھیں۔

"ہیلو گرنز!" اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر تیاری۔

وہ سب چونک پڑیں۔

"ارے واؤ بھئی۔ کہاں جا رہی ہو۔ کمرا اس سے اکثر نے ہاتھ تو کب کا ہو چکا۔" سونا نے وہاں بیٹھے۔

"ہم اس لیے آئے ہیں کہ ہم جا رہے ہیں۔" اس نے بھلوں چھوڑ دی۔

"کہاں جا رہے ہیں؟" سونا کی حیرت بھری آواز سے کمرا گونج اٹھا۔

"ہوں!" اس نے خاصے اطمینان کا مظاہرہ کیا۔

"کب؟" وہ سب اپنے اپنے حال کر متفکر ہو گئیں۔

"بچے کے ابا کے ساتھ۔" اس نے وضاحت کی۔

"واؤ۔ کیا ہو رہا ہے؟" سونا کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

"یہ اچھا ہو رہا ہے۔" وہ بھنچکی تھی۔

"وہ بچے کے ابا نے بلایا ہے۔" سونا کی بھنچکی تھیں آہستہ آہستہ کمرا خالی۔

"کیا ہے۔ بس بلایا ہے تو بھیجوا کے ہاں بھی نہ جائیں۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

"جانے کی اجازت تو لی تھی۔" سعدیہ نے منہ بنا کر سے دہرا کر داخل ہو کر کہنا شروع کیا۔

روشنی نے آج پہلی بار اپنی سوچوں کی خاطر طرف نہیں کیا۔ وہ اندر آ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ سب اسے گھیر کر بیٹھ
گئیں۔ یہ بیس کا نظر کس کا سوال بن گیا۔

سونا جیسے جیسے سنتی گئی تھا۔ آنے کی خوشی میں کسی قسم کی ہمدردی میں دان نہیں تھا۔ تو گھر میں داخل ہونے ہی اسے
گھٹن کا سا احساس کچھ ہوا۔ بادل خان کسی انداز میں کہے ہوئے تھے۔

ملازمہ ملازمین نے بہت اچھے انداز میں گرمجوشی سے استقبال کیا تھا مگر اس پر جیسے اداسی سی چھائی تھی۔ رات گہرا رہا بہت
خلل ہو رہا تھا۔ پہلے کچن میں آئی۔ وہاں سوجود ایک ایک چیز کو جانچا پرکھا۔

"کیا پکا کھانا پکتے ہیں؟" وہ خانساماں سے مخاطب ہوئی۔

"جی بیگم۔" وہ بے چارا حیران سا نظر آیا۔

"اچھا پھر تو تم نے ایسا ویسا ہر قسم کے مرغات ہوں۔ یہ اضافہ ضرور کیجیے۔ بیگم تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ کیا پکا لے
ہیں؟" اس نے دیوار گیر شیلف کی الماری میں لگے برتنوں کا جائزہ لیا۔

"جی مجھے علم نہیں۔ جب میں یہاں آیا تو برتن پہلے سے موجود تھے۔"

"ہوں۔ بہت بڑا سیٹ شاندار ہیں ہمارے پاس۔ ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز ہی بہت اچھی ہوتی ہے۔ میں تو نیز
فیکٹ خاکہ اوں۔ محترمہ بی بی بہت حسین تھیں۔ سب سے اچھی بات بھی گھر بھر میں بھرے پڑی تھی۔" وہ ہنسی۔ کیا ہیں
ہیں؟"

بے چارہ خانساماں ہونقوں کی طرح منہ تکتا رہا۔ اس کے "ارشادات" سن رہا تھا۔

اس دہشت کی گھنٹی بجی۔ وہ چپ ہو گئی۔

"کون کہاں ہے؟"

"اب کیا ہم ہاں —— ناں ناں کریں۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔" وہ ہنسی۔

"تم ایک دم سے بڑی ہوتی محسوس ہونے لگی ہو۔ یہ انقلاب کیسا؟ کیا ماں کی قامت کی سے نوشن پا جانے کی تیاری ہے؟" ماجد نے کہا۔

"کیا اچھی بھلی باتیں کرتے کرتے آپ کیا کھانسی، بخار لے بیٹھے تھے؟" اس نے متفکر ہو کر پوچھا۔

"بھائی جان —— ناں —— ناں —— ارے ایک دم سے طبیعت خراب ہو گئی۔" ماجد نے کہا۔

اس نے ریموٹ کو دیکھا، پھر اسٹینڈ سے رکھا، پاؤں گھوم کر دروازے کی طرف چلی۔ دروازے پر ذوالفقار خان بیٹے کے ساتھ کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔

"السلام جنگجو!" وہ انہیں یوں اچانک سامنے پا کر بہت خوش ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام بیٹے! ٹھیک تھا تم کو فون پر بتا دیتا تو نہیں ہو گیا تھا؟" انہوں نے گویا دیر سے دیکھنے کی مسرت کا اظہار کیا۔ وہ ان کی مسرت کا اظہار دیکھ کر مسکرا دی۔

وہ خوشی سے سرشار ہو کر بچوں کی طرح اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کے گلے لگنے کی منتظر تھی۔ ان سے محبت ہوتی ہے، ان کی طرف سے محبت و اپنائیت کے ذرا سے اظہار سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ بھی ان کو دیکھنے کی آرزو جاگ جاتی ہے۔ متحمل خواہشوں کا سا تاثر رکھتے ہیں۔

انہوں نے باپ کے ہاتھ سے کوٹ اس طرح لیا جیسے کوئی سوغات لے رہی ہو۔

اتنی چاہ کہ تھی، اس نے دل سے لگا لیا تھا۔ ہوتی اس کے رخساروں پر مسل ہوا ہے۔ اس لیے وہ ذرا دب کر بولے۔ جذبہ تھا اور محبت پانے سے کون دستبردار ہوتا ہے۔ اپنی بیٹیوں سے بھلا ان جیسے وہ کوئی بے جان گوشت نہ ہو، خون کا ہو، اپنا ہی بڑا حصہ تھا۔

"کون سا پرفیوم لگاتے ہیں آپ بیٹا؟" وہ ان کی طرف جھکی۔

"بہت کہا تھا وہ قسم کی عادتیں ہیں ہماری، ہمیں مدتوں سے ایک عرصے سے یہ پرفیوم استعمال کر رہا ہوں۔ پہلے صرف الکحل اور عرب ہی میں ملتا تھا۔ اب تو یہاں بھی مل جاتا ہے، مگر اب تو کھلی بوتل نہیں ملتی ہے۔ ہاتھ سے پیک کی ہوئی آفٹر شیو ملنے لگ گئی ہے۔ بہت سوفٹ پرفیوم ہے۔ اس لیے ان تمام چیزوں کو استعمال کرنے کے بعد بھی اس کی مہک رہ جاتی ہے۔"

انہوں نے ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم اٹھا کر اس کی سمت بڑھایا۔ وہ ان ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی تفصیل سے بتا رہے تھے جیسے اس نے کوئی بہت اہم اور ضروری سوال کیا ہو۔

"خالہ کا فون آیا تھا بیٹا۔" اچانک اسے دھیان آیا کہ کوئی بہت ضروری بات تو بھول ہی گئی۔

"اور تم نے بیٹی طرح سے انہیں بتا دیا ہوگا کہ ہم کراچی آ رہے ہیں؟" ذوالفقار خان ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گئے۔

اس نے ان کا چہرہ دیکھا، "تو مجھے کیسے پتا ہوتا؟"

"اب دانستہ کیا بھولنا۔" انہوں نے آنکھ دبا کر کہا۔

"ہاں، بھولنا تھا، اس لیے فوراً یاد آ گیا۔" وہ ہنسی۔

"اب بیٹا جی، آپ کی بیٹی کو کیا ہو گیا ہے؟" ماجد نے کہا۔

"ہاں، یہ تو ہے۔ یہ ٹیلیفون والز تو چلتے رہتے ہیں، ہمیں اسٹریٹ میں۔ میں نے اس کو تاکید کی تھی کہ ہمارا کیا ہے، تم کھانا ضرور کھانا آج تمہارے لیے اسپیشل

بادر علی خان نے انکار نہ کرتے ہوئے اجازتی نظر روشی پر ڈالی۔

"پھر کیا جواب دیا انہوں نے۔"

"کچھ نہیں، لائن ہی ڈسکنکٹ ہو گئی تھی۔" اس نے بڑا سا منہ بنایا۔

آپی اپنے فون کی گھنٹی پر اور بادر علی اپنی جگہ سے فوراً اٹھے۔

"جی ---- ہیلو ----؟" انہوں نے ریسیور کان سے لگایا۔ پھر روشی کی سمت دیکھا۔

"حویلی سے فون ہے --- ہاری ہے لائن پر۔"

انہوں نے ریسیور کان سے ہٹا کر روشی کی طرف دیکھا۔ وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھی۔

"پھر اٹھا ہے ---- اس وقت ----؟" وہ حیران ہوئی اور ریسیور بادر علی خاں کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو ---- روشی ---- بات کر رہی ہوں۔ آپی اور ہم تو نہیں ہوں کہ وہاں سے آتے ہی مسئلے پیدا ہو گئے ہوں ----!"

"اوہ، آپ کو خبر نہیں، اب تو آپ بہت اہم ہو گئی ہیں۔ کراچی سے نعیم صاحب آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔ نمبر دے دوں؟ کوئی برا تو نہیں؟" دوسری طرف سے ہاری بہت شوخ لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

"اوہ شٹ اپ!" اس کا موڈ ایک دم آف ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر بادر علی خاں کی سمت دیکھا۔

"مگر وہ بضد ہیں، ہولڈ پر ہیں، لائن میں نے تو ہاری کو ڈرا دھمکا بھی دیا تھا، مگر بھئی بڑے بہادر قسم کے بندے ہیں۔" اس کا لہجہ بدستور شوخ تھا۔

"تم کوئی میڈل دے دو انہیں بہادری کا، میرے کان مت کھاؤ۔" وہ برس پڑی۔

"آخر آل غالبی ہیں، کچھ تو ان کے حقوق تسلیم کریں۔ یہ تو یاد آتی ہے ناں؟" وہ ہنس رہا تھا۔

"کیشن مجھ سے نہ لیا کرو آج کے بعد، اس موضوع پر مجھ سے بات مت کرنا، ورنہ اچھا نہیں ہوگا ---" وہ بھڑک اٹھی۔

"تو انہیں کیوں کیا؟" وہ ہنسی سے پوچھ رہا تھا۔ "وہ اس سے بعد پھر فون کریں گے۔"

"کہہ دو روشی کے باپ سے بات کر لیں۔" اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

اپنی قمیض سنبھالتی وہ دوبارہ بستر تک آئی اور گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

بادر علی خاں نے آہستگی سے نظریں اٹھا کر بیٹی کا چہرہ ٹٹولا۔

"غصے سے اخلاق ضائع ہوتی ہے، جو ہم نے نہیں کرنا، وہ نہیں کرنا۔ پھر ہلکان کر کے اپنا نقصان کیوں کریں۔ چلو، اٹ از مائی آرڈر۔"

"پاپا! میرے پاس بہت اچھے کپڑے نہیں ہیں --- بس سوچ رہی ہوں ---- آؤ دلہن لگے گا ہاں ----!" اس نے بہت سوچ سوچ کر بدل دیا۔

"تو پھر کیا ہوا، کراچی سے لے لینا، مگر ایک بات کا خیال رکھنا، اگر ناجان کی طبیعت اچھی ہو تو شادی پر بلا کر بلاوجہ کوئی ضرورت نہیں، ہم ان کی عیادت کرنے جا رہے ہیں۔"

"پاپا!" اب کے صبا کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ "آپ نے ناجان سے کتنی بے رخی برتی ہے۔ آپ نے بہت صدمہ دیا ہے انہیں۔"

بادر علی خاں بڑبڑ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے میں سگریٹ کی راکھ جھاڑ رہے تھے، جواب نہ دیا۔ صبا نے انہوں نے سگریٹ مسل کر رکھ دی اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے۔

"بیٹے! کھانا کھا کر جانا، رات زیادہ ہو گئی ہے، گیسٹ روم میں تمہارا قیام ہوگا۔"

"مگر پاپا! میں گیسٹ تو نہیں ہوں۔" اسے اعتراض ہوا۔

بادر علی خاں مسکرا دیے۔ "آپ تو ناراض ہو جاتا۔ دراصل گیسٹ روم میں لی الحال سب ہے، زیادہ تر جانا ہوتا ہیں --- وہاں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوگی۔ وہاں بہت اچھا محسوس ہوگا۔" پھر انہوں نے مراد نے کی نشست جائی۔

فوراً ایک ملازم آ موجود ہوا۔

"تیمور اپی کے لیے کھانا لاؤ۔"

روشی کی غیر ضروری متانت سے طبیعت بوجھل سی ہو گئی۔ ایک تو اس کے سوال کا جواب نہیں دیا گیا تھا، دوسرے اسے محسوس ہوا جیسے وہ ان کی موجودگی سے تنگ آ گئے ہوں --- وہ یکلخت اٹھ کھڑی ہوئی۔

"گڈ نائٹ پاپا!" اس نے اتنی روکھی آواز میں کہا جیسے نہایت بھونڈی بات کہہ دی ہو۔

"گڈ نائٹ ----!" بادر علی خاں نے اس کے کمرے سے باہر نکلنے کا انتظار بھی نہیں کیا اور سائٹ بلب جلا دیا۔

روشی نے آہستگی سے اپنے پیچھے کا دروازہ بند کیا اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف مڑ گئی۔

نایاب ---- ہاں بیٹے ہی کوئی مرکزی طاقت حاصل کر لیتی ہے۔ ایک مقناطیسی طاقت ---- جو یہاں وہاں ہر طرف سے رشتوں کو کھینچتی ہوئی ایک ان دیکھے دائرے میں متحرک رکھتی ہے ---- ماں کی کمی سے جو کمی ہو جاتی ہے۔ سب کچھ ہوتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے کچھ رکھ کر بھول گئے ہوں، ایسی ہی جیسے کوئی ضروری چیز گم ہو گئی ہو اور اس میں وہ اس کی جوانی بھی آ گئی ہو، یا جیسے معمول کے سارے کام ہو گئے ہوں، اور سب سے ضروری کام ذہن سے نکل گیا ہو اور بہت دیر بعد یاد آیا ہو۔ ایسی خلل کی سی کیفیت ---- ایسی نامکمل اور ادھوری سی زندگی اسے سونپی تھی۔

اس ادھورے پن کا احساس اسے ہمیشہ ہی رہا تھا۔ مگر اس شعور کے پاتال سے تب ہی باہر آتا تھا --- جب کوئی دکھ اسے گھیر لیتا تھا۔

جیسے ریسیور بھیت ہارٹل میں پٹخ کر اپنی لوٹ بھوٹ کا پتہ دیتی ہے۔ اس پر سے یہ شق الضب ہاری ---- کتنے عرصے آ رہے ہیں اسے ---- سالہا سال قرناؤں کی اجنبی طرح۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے ناں کہ غصے کی ایک لہر کے ساتھ جانے کب کب کا دبا ہوا غصہ ---- اور غصے کی وجوہات کے عرصے سے اٹھا پٹخ لیتی ہیں۔

وہ ڈائننگ ٹیبل پر آ کر ایک کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی تھی۔ میز پر کھانا لگی ہوا تھا۔ صبا اور میز کی چمکتی سطح پر اس

اپنا گلا کھنکھارا، پھر وضاحت کرنے لگا۔

"سب لوگ — یہ بیگ فراہم کرنے والے — سر کہتے ہیں، آپ بہت اچھا کام کرتی ہیں۔" خادم سے متاثر نظر آ رہا تھا۔

وہ جھک پڑی۔ "پپا! آپ مجھے بھاگنے کو کہیں گے۔ مجھے کس کام کا کس جہاں میں، میں نے آپ کو بتایا تھا کہ مجھے ڈانس پسند ہے، پھر آپ کو کیسے بتاتی، زندگی میں کسی کے ساتھ پہلی بار کیا ہوا تھا۔ کوئی اس بات کو آپ کے ساتھ بانٹتا تھا کہ مجھے وہ محبت اور اپنی قدر سے بھرائی ہوئی کہانی کہنے لگی ہیں اور حقیقت لگنی ہو چکی تھی۔

"روشی؟"

خادم کے جانے پر یاور علی خاں اسے پکار رہے تھے۔ اچانک محبت بھری بات تھی۔ اب کہ ان کے بڑھاپے سے کانپتے ہاتھ کا لمس پہلے سے زیادہ محسوس ہوا تھا، وہ اسے پیشتر الوکر رہی تھی۔

"پپا! ایلیز کہاں ہے؟" اس نے دایاں ہاتھ ان کے ہاتھوں پر پھیلایا۔

یاور علی خاں اندر بچے تھے۔ آہستہ سے بیٹھ کر سر جھکا لیا۔ وہ آنکھ جانے والی حالت میں تھیں تھے مگر ان کے گال بھیگے ہوئے تھے۔

مگر آہستہ آہستہ وہ بہت پُرسکون انداز میں ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

وہ ان کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

"اس وقت سوا سات بج رہے ہیں، اگیارہ سے پہلے ہمیں ایئرپورٹ پہنچنا ہے۔ تم نہا دھو کر کے تیار ہو کر نیچے آ جاؤ۔ ہم لوگ ساڑھے دس بجے تک کراچی کے لئے نکل جائیں گے۔ تمہارے ماما جان کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔"

"جی!" ایک لمحے کو تو جیسے وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ "کی پپا؟"

"ماما جان!"

"ماما کو کیا ہوا؟" وہ اچانک صدمے کی کیفیت سے نکل کر بدحواسی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"ہمیں تمہارے ماموں احمد کا — اچھا تم تیاری کرو، میں اتنی دیر میں ضابطے کی کارروائی سے نمٹتا ہوں۔"

(ان کا مطلب ظاہر تھا امور تھا)۔

وہ گنگ سی کیفیت میں ان کی صورت دیکھتی رہ گئی۔ پھر ایک دم چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو دی۔

یاور علی خاں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے، وہ اس کے نزدیک چلے آئے۔

"روتے نہیں، یہ کیا بات ہوئی بھلا رونے کی بات۔"

"پپا! مجھے کسی موت پر رونا نہیں آ رہا، رونا تو اس بات پر آ رہا ہے کہ ماما کو نہیں دیکھا، ماما کو نہیں دیکھا۔ ماما سے ملنے کی خواہش میں زندہ تھی۔ اتنی بڑی خوشی کا خواب لئے کیں وہ کیا تھا اللہ میاں نے ہمدم کیا ساری زندگی خوشیوں سے دور رکھا، آخر میں خوشی ملی بھی تو اس طرح ہوتی ہے، جو دل چاہے پورا ہو جاتا ہے، مجھے دل چاہتے پر کل ہو

نہیں ملا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

یاور علی خاں کی آنکھوں کی نمی پلکوں پر ٹھہر گئی، انہوں نے اپنی کرسی کے ہتھے پر رکھا ہاتھ مٹھی میں بھینچ لیا۔ ان کی آنکھیں کیا تھیں، کرب کا سمندر ٹھہرا ہوا تھا۔

"ہم بھی تو ہمت ہار چکے تھے، ہم نے بھی تو آپریشن کرانے سے انکار کر دیا تھا۔ ہم نے بھی تو ہار مان لی تھی۔ ہم نے بھی تو اپنے اختیار میں ہونے کے باوجود اپنے اختیار سے دستبردار ہو گئے تھے۔ جیتی کوئی آس کی بھی نہیں کی جا سکتی۔ اب اچھا سوچنا بھی اپنے اختیار میں ہے اور ہم نے سوچا بھی اپنے اختیار میں تھا۔ ہم نے اختیار قسمت اور اللہ میں کو سونپ دیا۔ اچھائی کا پہلو سامنے رکھنے میں کوئی برائی تو نہیں؟"

اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"جیسے یاسمین کریب ہوگی اور یاور علی خاں اس سے پیشتر باہر نکل گئے۔ ہم اور کسی اور جہاں سے ہیں۔ وہ بہتر سے بہتر کرنے والے تھے۔ اب ہی سمت آئی۔ اس کا خیال تھا۔ گرا پنی جائے میں کہ ان کھیں گے، اس لیے اس نے پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ سب ہی سمت آئی۔ اس کا خیال تھا۔ گرا پنی جائے میں کہ ان کھیں گے، اس لیے اس نے پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ سب ہی انتظار میں بنوا رکھے تھے۔ بے کھول کر وہ پیڑوں پر نظر ڈالنے لگی جنہیں اپنے ہاتھ سے لگایا تھا۔ اب یہ سوچ رہی تھی کہ موت کے بعد اس گھر میں کون سے پیڑ سے بچن کر جائے۔

"مگر مگر؟" یاور علی خاں جملے ادھورے چھوڑتے رک گئے اور قریب سے گزرتے ہوئے خادم سے مخاطب ہوئے۔

"جی خاں" وہ دوڑ کر ان کے پاس آ گیا۔

"ہم دیکھ رہے ہیں، وہ سامنے ایک لڑکی بہت دیر سے نیچے مالی سے باتیں کر رہی ہے۔ ساتھ میں شاید مالی کا لڑکا ہے، کون ہے وہ لڑکی کون ہے؟" وہ ایک لمحہ سامنے دیکھ رہے تھے۔

"خاں! یہ تو وہی لڑکی ہے جو ہفتے میں دو دن آتی ہے، آج ہفتہ شاید اسی لئے نہیں آئی۔"

"تمہارا مطلب ہے خطرناک لڑکی — ؟ ہمدم؟" وہ چونک پڑے۔

"جی خان!" کہہ کر وہ رخصت ہو گیا۔

یاور علی خاں نے قدم آگے بڑھائے اور تیز تیز چلتے ہوئے وہاں پہنچ گئے، جہاں ہمدم باتیں کر رہی تھی۔

"تو کیا جہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ اسی سے گویا ہوئے۔

ہمدم چونک کر کھڑی ہو گئی۔ "اسلام علیکم خان!" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"پیچھے — ہم پوچھ رہے ہیں کیا کر رہی ہو؟" وہ بدستور اسی سے پوچھ رہے تھے۔

"مگر خان، صبح صبح ادھر آ جاتی ہوں، کہیں بھی گھومتا ہے۔" وہ آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

"تمہارے گھر میں کیا سکھائے جاتے ہیں، روٹی ہوتی ہے، عورتوں کو کیا مطلب، اگلی سے ان کا کام ہوتا ہے کہ وہ گھر میں مصروف رہیں، مردوں سے ملنا ان کا کیا مطلب ہے تمہارا، تم عورت ہو، تمہیں تو اس کی خدمت سے فرصت

نہیں ملی چاہیے۔ تم اسے اکیلا بھیج کر ملازموں سے ملی بھگت کرنا چاہتی ہو۔" وہ غصے سے کہہ رہا تھا۔

"وہ صرف وہ خان ہیں کہ صدیوں سے ہم پر حکومت کرتے آئے ہیں۔ ہم انسان ہیں، ابھی بھی نہیں ہوں۔"

"اگر اب تمہیں اپنے لڑکے کے کہے کہاں سے ہوا، یہ کام کرو۔" انہوں نے مال کو مخاطب کیا۔

"ہاں کیا کہہ رہی تھیں تم۔۔۔ قیدی نہیں اور۔۔۔ قیدی نہیں، اور کیا ہوں تو۔۔۔ بڑا صدمہ پہنچا ہے آپ کو دیکھ کر۔"

"تو ہمدرد سے آپ سے کہیں، وہی نظر بندی کے ساتھ جا کر رہے۔" بھوپر نے تڑخ کر جواب دیا۔

وہ دل خوش دم خود اس کی شکل دیکھنے لگے۔ سارا خون مست کر چہرے پر آ گیا۔

"کیا تم سمجھتی ہو تمہیں، یہ گز بھر کی زبان نکال کر تمہارے ہاتھ میں دے دیں گے۔ تمہاری قید ہے۔"

"آپ بڑے دبدبے کے عوض بھی مجھ سے حویلی میں کام کرا لیا کریں، میں بھی مفت کام کرنے کو تیار ہوں۔ مگر میں نظر بند کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ میں اس کی لونڈی بن کر تو اس کی خدمت کر سکتی ہوں، مگر ایک بیوی کی طرح اس کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی۔" اس نے بات کو ذرا دھیرے سے دوٹوک جواب دیا۔

"اسے لونڈیوں کی کمی ہے، ہم نے تمہارے باپ کے ساتھ سودا کیا ہے۔"

"کیا آپ صرف حکم کے سودے کرتے ہیں؟" وہ بے خوف اور نگڑے ہوئے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"تم ہم سے کیا چاہتی ہو؟" وہ اسی طرح بھڑ رہے تھے۔

"آپ مجھے نظر بندی سے نجات دلا دیں اور اس عورت کے ساتھ اس کی نظر بندی میں قید کر دیں۔ جس کے دانے کی آٹا بن مجھے اسے کوسنے پڑتے ہیں۔"

وہ بھی خان بوکھلا کر اس کی صورت دیکھنے لگے۔

"اتنی آسانی سے آزادی کا خیال تم چاہتی ہو؟ ہم تمہاری کمان میں بھر بھر کر تیر چلائیں گے۔" وہ غرائے۔

"ہر دو ماہ کے بعد میں گزرتی ہوں، آپ مجھے کسی بات سے خوف نہیں آتا۔" وہ بڑی جرأت سے بولی تھی۔

"ہم آج ہی تمہیں دنیا اور تمہارے باپ کو دکھاتے ہیں۔" وہ بھی گرج رہے تھے۔

"وہ سب آپ کے بعد ہیں، جو آپ کر سکتے ہیں، وہ نہیں کر سکتے۔ کیوں انہیں دعوت دیں گے۔۔۔ جو فیصلہ کرنا ہے کر لیجیے۔ میں تھک گئی ہوں۔" بھوپر یکایک بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔

"تمہیں کھانے کو کچھ ملتا ہے اس پیڑ کے نیچے، ہمیں تو بھوکا ہی رکھا ہوا ہے۔ بھی کھاتے ہیں، بھوکے رہ جاتے ہیں۔"

"کیا ایک ڈھلا ہوا بیٹا آپ کے کھانے کا۔" اس نے نظر اٹھا کر سے کہا تھا۔

"اگر تم ڈھل بھی گئی ہو تو کیا، فیصلہ ہم اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔" وہ غرائے۔

"آپ ہمیں نہیں کھلتے ہیں؟ تنخواہ کی بات ہے۔ وہ تو آپ کے دادا کی کمائی کھا رہے ہیں۔" وہ استہزائیہ بولی۔

"تم پاگل ہو گئی ہو، خود کو کوئی اتنا اہم سمجھنے لگی ہو؟ جانتی ہو کہ یہاں تمہاری حیثیت کیا ہے۔ تم کسی پتھر سے زیادہ نہیں۔" وہ بپھرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"معلوم ہے مجھے۔" وہ سر جھکا کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔

"آپ مجھے نظر بندی سے نجات دلا دیں اور اس کے بدلے میں سال کی بیگار لے لیں۔"

وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تم تو ہمارا مال ہے، مگر حویلی کے ملازموں میں سے ہے تمہارے لیے کیا یہ اعزاز کم ہے۔۔۔ کتنی لڑکیاں تو ہیں جو ہمارے بستر کی زینت بننے کے لیے ترستی ہیں۔"

"ہم تمہارا انتظام کرتے ہیں، خود کو کوئی کمین مت سمجھو، ہاں کمینوں کے سے کام بھی آتی ہو، کمین غلام ہوتا ہے۔ اب اس کی اپنی مرضی، اپنی پسند، ناپسند کچھ نہیں ہوتی، مگر تم آزاد ہو، تمہاری آزادی سے واقف نہیں ہو، مگر فکر نہ کرو، ہم تمہیں یہ آزادی ضرور دیں گے اور اس لمحے کا پھر کبھی بھروسا نہیں کر جاؤ گی، مگر تب تمہاری روح ہماری غلامی کرے گی۔"

وہ اپنی بھرپور گانے ہوئے حویلی کی طرف بڑھ گئے۔

بھوپر اپنی بھیگی ہوئی نظروں سے انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ ایک لمحے کو تو خوف کی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کر گئی۔

جذبات چاہے محبت کے ہوں یا خوف کے، انتقام کے ہوں یا بغاوت کے، حشق کے ہوں یا نفرت کے، عورت کے لیے یہ تینوں جذبے تلوار کی دھار جیسی محسوس ہوتی ہیں، وہ بے رحم کر گزرنے پر تل گئی تھی۔

وہ دن بھی ہنسی خوشی ڈھل گیا تھا، جھٹ پٹ خان اپنی مست چال کے ساتھ گھر آ چکا تھا۔

بیاہ پیٹ، سلیم بیگ اور بہت سے بیگ اور میں ملازم کو دور حقیقت ایک نظر بھی پہچان نہیں پائی تھی۔ گھر میں کافی لوگ جمع ہو چکے تھے۔ ایک بڑی سی حویلی اسی طرح بھری ہوئی تھی، جیسے ہر دوسری حویلی تھی۔ ایک دن وہ بھی اس میں رہے گی۔ اس کے ساتھ نہ تھا۔

"ظہر ہے آج تو طبیعت بہت اچھی معلوم ہو رہی ہے۔ رنگ بھی بہت دمک رہا ہے۔" اول خان اس کا شانہ تھپتھپا رہا تھا۔

مجھے حادثوں نے یہ کیا سکھایا کہ میرے ہمدم نہ رہا
مرا دل بھی جیسے انہیں کا ہاتھ ہو ہمدموں سے رچا ہوا

اس نے مسکرا کر ہمارا ایک طرف استقبال کیا۔ "آئیے بھائی آپ ہمارا کہاں کہاں کمزور رگیں ہیں؟" آئیے تھوڑا سا خون نکال کر دیکھ لیں۔"
ہنگامی شعبہ میں ہر سرخ و سفید کی شامل پہلے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ہوئی اس کے بیڈ کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔
"بالو! دیکھا تم دن اسپتال میں وقت پر کھانا پینا اور آرام کرتے ہو تو طبیعت کیسی ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اب اگر تمہیں یہاں رکنا پڑا تو میں تمہارا کیا
خود سے بھائیں کس تک مرا ہی خاطر مدارت کرتا ہے۔ اور سے مرد ایسے ہوتے ہیں۔ چار چوٹ ایک بھی نہ کرو یا تو مرد ہی کیا
کام کا؟ یہ ایک ہی کم پیتے جا رہا ہے، احمق کہیں کا۔"

لال خان نے مردوں کے مخصوص انداز میں مسکرا کر اسے حماقت کی سند سے نوازا۔

"بھائی! آپ بہت نیک، بھلے چنگے ہیں۔ ایسے تھکی ہیں، سال احوال بھی پوچھیں یا نہیں؟"

اس نے مسکرا کر بالو کا سارا وجود گھبرایا اور اوپر دیکھا۔

"وہ تو انہوں نے پوچھ لیا۔ ایک ہی بات ہے۔" وہ بڑا دانت مسکرائی۔

"آپ کتنا پڑھے ہوئے ہیں؟" وہ جیسے مریض کا دل رکھنے کے خیال سے بات کرنے لگی۔

"وہ چہرہ کتابی رہا سامنے
مثلِ خواب مرے ہم خیال ہوئی"

وہ ہنس دیا۔

بالو نے فرار دیکھ کر میاں کی طرف دیکھنے لگی (عجیب پاگل عورت ہے)۔

"جیسے کسی کو کھانسی کی بیماری ہوتی ہے، کسی کو بارہ مہینے زکام رہتا ہے۔ اسے شعروں کی بیماری ہے، زکام تمام۔۔۔!"

لال خان نے دوست کی طرف سے صفائی پیش کی۔

بالو اور بلیک سی ہو گئی، جس کی وجہ سے بڑا تاثر ہوا تھا، جب اسے ہی اعتراض نہیں تو بات ہی کچھ نہیں رہی۔

"تم بیٹھو، میں ذرا ہوٹل سے کر آتا ہوں۔" لال خان نے سائیڈ سے ٹانگ اٹھا کر بالو سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"آپ اپنا خیال رکھا کریں، عارف بھائی آپ ٹھیک ہو جائیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

بعض اوقات دو افراد کے درمیان خاموشی کسی گزرے ہوئے کسی سنیدہ جھوٹ سے بھی زیادہ خوفناک ہوتی ہے۔ دل وحشت زدہ سا ہو جاتا ہے۔ ایسی خوفناک خاموشی ہوتی ہے جیسے طوفان آنے کی خبر آ جائے۔ جسم وجاں لرزنے میں آ جائیں۔ نہ جانے کیوں اسے عارف سے اتنی گھبراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ اس نے بولنا کر گفتگو کا سلسلہ شروع کرنا چاہا۔

"بھائی خیال رکھنا چاہئے۔ تبھی تو اپنا خیال رکھتے ہیں اور سب ٹھیک ہوتا ہے یا نہیں، اس کی ہنسی ہوا ہے وہ ضرورت۔

بہت مشکل ہے دنیا کا سفر

میری باتوں کا بچہ مرتکب نہیں ہے

آپ کی بیوی کہاں ہے؟ ان کے بہت سے ارمان ہوں گے۔" اس نے عمر میں کم ہونے کی بھی فکر نہیں کی۔
"ہاں کا وہ سراپا ارمان ہی ہے۔ اس کا دل کیا ہوتا ہے، ارمانوں بھرا صندوق ہوتا ہے۔ ہاں جانے کی سب سے پہلی ایک
جلد ہے۔ ساری زندگی محبت کے نام پر بلیک میل کرتی ہے۔"
"خواہ مخواہ میاں کی شان میں گستاخی ہے۔ ہاں صرف ارمان بھرے دل کا وہ نہیں فرمانبردار بیوی بھی ہے، اس
سے بدلیں کر سکتا۔"
"بیوی ہاں نے اپنی محبت کو اسٹیٹ کرانے کی مرضی سے بیوی شادی کی تھی۔ ہے ہاں کا دل کھلونا رہے ہوا۔
ہیں رکھے تھے۔ بڑے ہی خون آشام قسم کے مہاجن تھے اور ۔۔۔ اپنے قیمتی خواب، ہمیں رکھ کر ہاں نے لیے ہوئی اور حاصل
نہیں۔ کس کی قربانی بڑی ہوئی بھابی؟" وہ مسکرانے لگا۔
"انہوں نے بھی آپ ہی کو خوش کرنا چاہا ہوگا۔" بالو اپنے موقف پر بھی ہوئی تھی۔
ہاں وہ بھی ستیری وہ پہلی خوشی ہوئی تھی وہ بیرے لیے۔ میری مکوحہ کے ہاں تاج کے ٹھیک پانچ مہینے بعد ایک صحت
مند بچے کی ولادت ہوئی۔"
"پانچ مہینے بعد ۔۔۔؟" بالو بے ساختہ بول پڑی، پھر ایک دم خجل سی ہو کر چپ ہو گئی۔
"جی ہاں پانچ مہینے بعد ساڑھے آٹھ پونڈ کا بچہ قدرت نے مجھے ہاں کا دل خوش کرنے کی خاطر عطا کیا۔"
بالو کے ہونٹ اس طرح ایک دوسرے میں پیوست تھے، جیسے سات کھنیں گے نہیں۔
اگر چہ اب وہ ایک بچہ کی ماں تھی، مگر مارے شرم کے وہ عارف سے کوئی سوال نہ کر پا رہی تھی۔
"آپ نے بہت سی لڑکیوں کے بھیجے کی، مگر اب بھی کسی کو نصیب ہوتے ہے اب آپ ہو چھتا ہیں گی۔"
"برا جوں ہفتہ نہیں ہے، تو رائی تو۔" لال خان اپنی مخصوص تیز رفتاری کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔
"یار جوں چائے، کافی، سوڈے پیتے ہیں۔ دوا کی طرح زہر بھی تو نہیں۔" اس نے بالو کے پریشان سے سامنہ بنایا۔
"یہ بڑوں والی ہے جھوٹ، جیسے کاجے رکھا رہا تو رنگ بدل جائے گا۔ شاباش نکالو پی لو، اور ہاں اب تو نہیں ہے پینے
والے کا بچہ؟"
اس کی آنکھوں میں التجا دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ "وہ آگ تمہیں خاک کرے گی، اس طرح کی چیزیں پیا کرو اندر بھول
کھلیں گے۔"
اس نے ہونٹ بھینچ لیے، جذبوں سے نبرد آزما ہو کر گلاس اس کی سمت بڑھایا۔
عارف نے مسکرا کر اس کا جگر سنا اور گلاس تھامتے ہوئے کن انکھیوں سے بالو کی طرف دیکھا۔

ہے کہنے میں اب بھی اکثر آتا ہے خوشی کے وقت
کیا خبر تھی اختر اتنا یاد رہا ہو جائے گا!!

جمہور کی نظامیت اس کے پیچھے ہاتھ مارنے لگی۔

"ہم خاندان سے باہر شادی کے خلاف نہیں" ہم نے اپنی بیٹیوں اور بیٹوں کی شادیاں [illegible] مذہبی کے حوالے سے ہوئی ہیں۔ [illegible] جائے گی۔

"ہم دولت کی ضرورت اور اہمیت سے بے خبر نہیں مگر ہم خاندان کی اہمیت کو بھی سامنے رکھتے ہیں۔

"ہم اپنے خاندانی اقدار کی خاطر اپنی اولاد کو قربان کرنے کی ہمت بھی رکھتے ہیں"۔ ان کا لہجہ بہت مستحکم اور مضبوط

"ہم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اگر روشنی کو اللہ نے زندہ رکھا تو ہم اس کی شادی گھر میں کریں گے"۔

"کیا!" ہاری نے چونک کر ان کی شکل دیکھی۔

"ہاں — ہم سوچے تھے کہ اس کی شادی گھر کے ہی کسی لڑکے سے کریں۔ مگر اب ہم اسے حریفی میں نہیں بھیجیں گے"۔ ان کے انداز سے فیصلہ کن تھا۔

"پھر کہاں؟" ہاری کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کسی قریب خاندان کے — کے ساتھ بیاہ بھی ہم راضی ہوں گے۔ خاندانی ہوگا تو ہم یہ بھی نہیں دیکھیں گے کہ وہ [illegible] ہے یا نہیں"۔

"کیا —" ہاری کو ایک اور دھچکا لگا۔

"کوئی اچھا بھلا ہوا تو ہاں دیں گے"۔

"کیا" — ہاری کی پیشانی پر موٹی چیخنے لگے۔

"ہاں بیٹا" — اس نے بابا صاحب کو کچھ یاد دلانے کی کوشش کی۔

"وہ کچھ نہیں بول سکتے۔ وہ ہمیشہ ہمارے فیصلوں سے اتفاق کرتے ہیں۔ [illegible] کے بیٹے پر ہم سب کو ہاں ہے۔ وہ تمہارا [illegible] ہے۔ اسی لیے سے ہمیں بہت عزیز بھی ہیں۔ انہوں نے زندگی میں بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ ہمیں خوشی ہوگی اس لئے بھی زیادہ خوشی ہے کہ اس نے روشنی کو ایک اور زخم لگانے کی کوشش کی۔ ہم اسے ہرگز معاف نہیں کرسکتے"۔

ہاری کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ ان لوگوں کو کیا جواب دے۔ سکتے کی سی حالت۔

گرجنے والی برداری کے 302 والوں کیلئے تیار ہے۔ اور وہ سب اور ہی تھی" وہ ایک دم سر جھٹک کر کھڑا ہوگیا۔

"آپ بابا صاحب" — ان نے بابا صاحب کا ہاتھ تھام کر اٹھایا۔

اسے لگا جیسے اس نے بابا صاحب کو نہیں اٹھایا — روشنی کی قضا کو اٹھایا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ماحول اس وقت زیادہ پریشان کن ہوگیا جب موہنا رونے لگا۔ ایک طرف اٹھنے لگی۔

گلو اسپتال کے کاریڈور میں فرش پر بیٹھے تھے۔ زری کی چیخ پر سب تو ڈر کر بھاگیں۔ میں نے کہا بھی تھا کہ مت آؤ مگر یہ سنتی کب ہے"۔ انہوں نے اس کے رخسار تھپتھپاتے ہوئے بیٹے کے اس بار موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا روشنی کی طرف توجہ دلائی۔

"ابا ویسے لوگ یقین کے ساتھ نہیں آنا چاہیے ابا"۔ زری نے معذرانہ سے موہنا کو ٹیک کرنے لگی۔

"ہیں — تم اسٹریچر لاؤ — ہم دیکھتا ہوں — وہ کوئی ڈاکٹر نہیں اے — ڈیوٹی والا تو ابھی نہیں آیا۔ جو ہے وہ ہم تمہارے مریض کے ساتھ مصروف اے"۔ وہ موہنا کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ جہاں سے وہ آیا تھا "طلوع" ہوتا تھا۔

چند منٹوں کے بعد آخر اسٹریچر آگیا۔ زری، گلو اور نرس نے موہنا کو اسٹریچر پر لٹایا اور اس کے ساتھ ساتھ چل پڑیں۔

"گلو تم یہیں ٹھہرو۔ روشنی کے پاس — میں ہوں موہنا کے ساتھ" — زری نے گلو کے بڑھتے قدم روک دیے تھے۔

ایک بھولی سے کھنک دار ہنسی آس پاس سنائی دینے لگی۔ جیسا کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

فیروزی سلک کے پاجامے اور دوپٹے اور سیاہ جال کے کرتے میں ایک خوش رو جوڑے کے بجائے ان کی نگاہوں میں دائرے ناچنے لگے۔ ماحول میں آتش بازی چھوٹ رہی تھی۔ آسمان میں جھلکارے بے ہنگام ہو رہے تھے۔ ان کھول کر ہنستی ہوئی عورتوں جیسے ہاتھوں کی چوڑیاں ہاتھ میں ہاتھ پھنسا کر ہنسی سے ہری ہوتی ہوئی۔

مناسب جسم کے خون میں آگ لگا دینے والے زاویے۔ جیسے خوشی اور ہنسی کے علاوہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسے خوشیوں کے ناچنے والے سے مسکرایا۔

جیسے خوشبوؤں کی خیال تجسیم۔۔۔

"چلو چلیے بلیز"۔ بجلی سی پھنکی جو لمحے بھر کو چمکی تھی ایک دم معدوم ہو چکی تھی۔ بعد از سر نو شکک اور پر تکلف تھا۔

"اب بتائیے کیسے دعوت دی؟"۔

"وہ آپ کا رشتہ تو ایسا ہے کہ اس طرح کی "زحمتیں" ہوتی رہنا چاہئیں"۔ وہ ان کے تبدیل شدہ انداز پر اپنی جیرانی چھپاتے ہوئے بولے گئی۔

"وہ اس کی جانب پر خاموش رہے"۔

"وہ کہاں ہے؟" اس کا خیال تھا وہ اس کے سوال پر چونک اٹھیں گے مگر ان کا انداز پر شور رہا۔

"جس سوال کا جواب آپ کو معلوم ہے اس کو کرنے کا فائدہ؟" وہ کش بگار رہے تھے۔

"آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ مجھے اس سوال کا جواب معلوم ہے؟" اس نے انہیں لاجواب کرنا چاہا۔

"آپ گھر کی خواتین سے ملی ہوں گی انداز سے لگا ہوں گی یا آخر اہم سوال ہے کہ آپ نے فوراً سے پیشتر کیا ہوگا۔ اس پہلے شخص سے جو آپ سے ملا ہوگا"۔ انہوں نے اپنی سرخ نگاہیں لمحے بھر کو اٹھائیں۔

"تو آپ مانتے ہیں کہ یہ اہم سوال ہے لہٰذا اس سے متعلق ہے اس کی اہمیت میرے لئے کیا ہوگی؟"

اسے لاجواب ہونا پڑا تھا یہ اس کے سامنے وہ تھا جو پولیس آرگا اہم پرزہ تھا۔

"نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں"۔ وہ مغموم انداز میں کہہ رہے تھے۔

"پھر آپ نے میری سادگی کے باوجود اسے کیوں بھیج دیا؟" وہ دانستہ پھیلے میں ناکام رہی۔

"اسے میں نے نہیں بھیجا یہ سب بچیوں کا پروگرام تھا"۔ وہ حزیں سکون سے بیٹھ گئے۔

"پروگرام تبدیل بھی کئے جا سکتے ہیں۔ کیا میری اتنی بھی اہمیت نہیں کہ میری بھانجی میری خاطر پروگرام بدل دیتی"۔

"وہ بچی ہے اور انکار کر سکتے ہیں اسے" میں تو آپ کی خاطر ٹھہرا ہوا ہوں ہاں۔ حالانکہ مجھے آج ایودھیا پر ہونا چاہیے تھا۔ میں کبھی کسی بد بختی میں بھی آفس مس نہیں کرتا مگر آپ کی خاطر"۔

اس نے اپنے کام سے کام رکھنے والا اصول کم از کم اس شخص کے سامنے جب اس طرح کا جملہ بولتا ہے تو جھلا دیتا ہے وہ بھی چونک

پڑی تھی۔

"کیا واقعی ایسا ہے؟" وہ قدرے شرارت سے مسکرائی۔

"ہاں واقعی ایسا ہے" وہ قدرے شرارت سے مسکرائی۔

سے اس شخص کا یہ جملہ سب سے زیادہ اچھا لگا تھا۔ یہاں سے لے چلی جانے والی ہر تعریف سے بڑھ کر تھا۔ ایک ایک قسم کی دل کی طرح کھلنے لگا۔ وہ ہنسنے لگی کہ اسے بہت ہی اہم اور معنی خیز باتیں کرنا ہیں۔

"آپ کو بتانا بہت ضروری ہے۔ میں یہاں کا پیدائشی ہوں۔ یہاں سے اپنے وطن سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ ہر کی محبت سے دنیا زندگی بہت سے لگے ہی جاتی ہے۔ مگر بہت کچھ ہو جانے والوں کو درگزر سے کام لے کر انہیں معاف دینا چاہیے"۔ انہوں نے سگریٹ کیس بڑے میں سلگتے ہوئے بہت ہی لطف سے اور دھیمے لہجے میں کہا۔

"مگر یہاں کے جو بسنے ہوتے ہیں ان کا بھی تو کوئی فرض ہوتا ہے" یہ تو ہندوؤں کا کام ہے کہ وہ اشتعال کریں کیا ہم ہیں نہ ہوں گے"۔

"آپ کو بھی کہیں آپ کی کوئی دلیل ایسی ہو ازلیں نہ سکتی کہ میں مطمئن ہو جاؤں"۔

"آپ کی عمر میں اپیل کی اہمیت بھی نہیں ہوتی۔ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں روشنی کی طرف سے"۔ وہ اپنا سگریٹ لال کر رہے تھے۔

"روشنی کی معذرت کی تو ضرورت ہی نہیں۔ اس لئے کہ وہ بے قصور ہے۔ اسے جیسا حکم ملا اس نے کیا"۔

"میں آپ کی الجھن کا ازالہ کرنے سے قاصر ہوں"۔ پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ یاور علی خان نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"جی نہیں۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہوں اور اپنے کانوں سے سنتی ہوں۔ آپ کوئی پوچھے میں نے کیا دیکھا؟ کیا سنا؟" وہ یاور علی کو اپنی الجھنوں کو سلجھوا رہی تھی۔

انکار یاور علی خان کے ہاتھوں سے پھسلا تھا۔ انہوں نے جیسے اپنی عادت پر قابو پانے کی خاطر جلدی جلدی دو تین کش لگا لے۔

"کئی جگہ ایسا ماحول ہوتا ہے تو بہت کچھ باتیں چھپا سکتی ہیں"۔ وہ بہت آہستگی سے دھواں منہ سے خارج کر رہے تھے اور دھوئیں سے بننے والے سلسلہ وار مرغولوں کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"اور کبھی کبھار بتانے والی باتوں سے ذہن میں سوال پیدا ہو تو کیا کریں؟" تابین کو اپنی مطلوبہ ایجوکیشن پر بڑا کانفیڈنس تھا۔ وہ جانتی تھی وہ ایک مقام پر ضرور پہنچ جائے گی۔

"مثلاً۔۔۔ اس گھر میں حکم دینے والوں کی کیا کمی ہے کہ رات کے اندھیرے میں کوئی سکرن کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے۔ فیروز بھی نہیں ہے۔ حکم صادر کرتا ہے اور چلا جاتا ہے"۔

اسے یقین تھا وہ اس بات کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ اس کا جی چاہا بچوں کی طرح تالیاں بجا کر خوشی سے سر ہلانے لگے۔ "ہاں"۔

"اور ہی جا کر ان حصوں پر مشتمل ہے۔ جو حکم دینے والے وہاں بھی ہوتے ہیں مذاکرات میں۔ آپ پتہ ہے اور کیا دیکھا

"جھکیں"۔ اس کی آنکھوں میں شرارتی چمک تھی۔

"اب بات ہو لی ہیں۔ وہ بہت خوش ہو گئے تھے۔ انیس بھائی صاحب کو ابھی تک انتظار میں بٹھایا ہوا ہے آپ کی وجہ سے"۔

"جھکیں رکیں"۔ وہ بدلے ہوئے قدم کے انداز سے آگے بڑھا اور صوفے کے بازو پر کہنی ٹکا کر اس کی طرف جھکا تھا۔

واپسی کا راستہ آ گیا تھا۔ واپسی اور یاسمین میں اس کی سخت ضرورت پیش آ گئی تھی۔

"وہ بابا صاحب کے ساتھ شرارت ہو گئی تھی تو اسے شرمندگی کی وجہ سے ہم لوگ آ جاتے تھے۔ سیٹ کنفرم کرائی۔ انہوں نے بتایا کہ پچھلے فلائٹ تھی۔ بھائی فرسٹ کلاس میں سیٹ لی تھی۔ انہوں کی وجہ سے فرصت پا کر بابا صاحب کے بورڈنگ پاس شرارت سے غائب کر کے خالی اور بیگ وصول کیا۔

تین بجے کے بعد گھر آیا' بھائی وہ چار بجے والے کی مد میں لائے تھے کہ کنفرمی سے منیجر کی کال آ گئی۔ بابا صاحب سیٹ نکل پیک اپ کیے گئے ہوئے تھے۔ انہیں اسے کنفرمی کا دوسرا پیکٹ لگانا پڑا۔ گھر سے کنفرمی زیادہ دور نہیں تھی چار بجے تک واپس آ گیا۔ جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے۔ فریش کر کے تھوڑا سا کھانا کھایا۔ بیان بھی کر دیا آپ کو لیکن ہر تو مسز کی ہی نہیں ہوئی۔ بڑی سخت جھاڑ پڑی ہوئی۔ اختر بھی گاڑی لے کر آیا تھا۔ باری کو ایئر پورٹ پہنچا کر اس نے بابا کو بھی لیتے ہوا تھا۔ وہ شرارت ہاتھ میں پکڑے کمرے سے باہر آیا۔

"کہاں"۔ اس نے آواز لگائی۔

"کمرہ نمبر سات۔ ادھر ادھر کہیں ہالی ہوں تو سامنے آ جائیں۔ سخت ضرورت ہے"۔ اس نے راہداری کے سرے پر کھڑے ہو کر صدا لگائی۔

"وہ کیفے پر کھڑی بڑی دیر سے ہے۔ بہت تیز ہی ہیں ہو"۔ معاً روشی سامنے آ گئی۔

وہ تھوڑا ہچکچایا۔ اس خوف کو اس کے سامنے پا کر قدرے قبل سا ہو گیا "ایئر پورٹ پہنچا ہے ویسے ہی سیٹ بڑی مشکل سے ملی ہے"۔ وہ جانے کیوں نظریں چرا گیا۔

"جلدی ہے؟" اس کے دل کو کچوکا لگا۔

"ہاں"۔

"کوئی آف کرنے جا رہے ہیں؟" وہ مسکرائی۔

"نہیں۔ یہ شرارت بیٹھ کر اسٹری کی ہے۔ میں تو خود ہی کر لیتا مگر یہاں تو کہیں آس پاس اسٹری بھی نظر نہیں آ رہا"۔

روشی نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے شرارت لے لی اور ایک سمت بڑھ گئی۔ واپسی تک پر کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور شرارت کی واپسی کا انتظار کرتے لگا۔ اس خیال سے اوپر نہیں گیا کہ پھر اسے اوپر آنا پڑ جائے گا۔

پانچ منٹ بعد روشی شرارت ہاتھ میں لیے اس جگہ واپس آ گئی۔

"ہو سکتا ہے جلدی میں استری نہ ہوئی ہو۔ بہرحال گزارا کرو"۔ وہ اسے شرارت تھما ہی رہی تھی اور سمجھ نہ پائے کس طرف سے

ڈکرپ والوں کے پاس سے بے نیازی سے گزر گئیں۔

"طبیعت آپ کی بہت خراب ہے۔ کوئی ڈاکٹر وغیرہ کو دکھا لیں"۔

"ہاں تم صحیح کہہ رہی ہو۔ سر بہت بھاری ہو رہا ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بلڈ کوئی صحیح ہی لیکر۔ ہے ہاں۔ ہاں مگر تم شرارت"۔ وہ ان سے خاصے فاصلے پر رک کر اپنے غصے میں اور نہیں کھو بیٹھی۔

"جو آپ کے پاس ہے ہی نہیں جا رہے ہو؟"

"بابا آپ اصل میں کام 'سرائے' میں ہے۔ وہ یاسمین سے تو صحیح آ رہے ہیں"۔ وہ بہت سنبھل کر بات کر رہا تھا۔

"اگر تمہاری ضرورت تو یہاں بھی بہت ہے"۔ معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

"کام کے بندے کی تو ہر جگہ ہی ضرورت رہتی ہے"۔ وہ بات کو رد نہ کر سکی۔ قرض کر لی۔

"ہاں بھئی۔ ہماری کام کے تو تم بہت ہو"۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئیں۔

ہاری شرارت چین کر بیٹھا رہا تھا۔ غور سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

"بروقت ہی عقل آتی ہیں"۔ روشی کے دانتے پیس گئے تھے۔

"مگر بھولی عقل بھی بہت ہیں' آنکھیں کھل رکھتی ہیں۔ آپ کو ضیاع کرنا چاہیے۔ آپ کیسے ساتھ دے سکتے ہیں"۔

"اور تمہارے لئے؟" وہ نہ چاہتے بھی خاصی شرمندہ تھی۔

"میں تو خود ہی مسئلہ ہوں۔ میرے کوئی معنی ہے ہی نہیں ہیں۔ آپ بس مجھے ایک کپ چائے قرض کر دیں"۔ اس نے آگے کی مسند قدم بڑھا دیے۔

"چائے تو میں ضرور کروں"۔ اس نے تاکید کی۔

"اور تو میں خان کو کہاں ڈھونڈوں گی"۔

روشی کی ادا نے اسے اگلی بات سے باز رکھا۔

"اور ہاں اگر خالہ وہ یاسمین ہوں تو فون پر میری ماں سے بات ضرور کرا دینا"۔

"بس؟" وہ پھر آگے بڑھا۔

"ہاں بس"۔

"اور ہاں سنو"۔

"جی!" وہ پھر رک گیا اور ریسٹ واچ پر نظر دوڑانے لگا۔

روشی کو اس کی ریسٹ واچ سے سوتن کا سایہ تھا۔ "تم تو خود ہی گھڑی ہو' کیوں گھڑی باندھے پھرتے ہو؟"

"آپ کچھ کہہ رہی تھی؟"

"جاؤ تم۔ کچھ نہیں کہہ رہی"۔ وہ جل کر بولی تھی۔ اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

وہ کم سے کم سے انداز میں ڈریسنگ روم میں داخل ہوئی۔

یاد بھی ہر ساری خصوصیات نکھر کر رہ گئے۔ بھولی شکل شرم میں بھی آتی جاتی ہے۔"

اور بالو۔۔۔ وہ ان دنوں کے درمیان تھی کب۔۔۔؟ اس کا ان تو ان سوالات کے بوجھ سے ذہن اور اعصاب بوجھل تھے۔ کبھی بھی عارف سے نہیں کر سکی تھی۔ البتہ اُس کے الجھے ہوئے انداز نظر سے عارف خاصہ لطف اندوز ہوا تھا۔ بلکہ اس نے اپنا تھا۔

انہیں خبیب احمد کی کوٹھی تلاش کرنے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔ وہ تقریباً سڑک ہی پر واقع تھی۔ جس کے بارے میں بار طویل قطار کسی غیر معمولی واقعے کی متظر تھی۔ وہ گیٹ میں داخل ہوئے تو آس پاس کوئی شخص نہیں تھا۔ حالانکہ ہونا چاہیے تھا۔ اور اپنی آمد کی اطلاع انہوں نے جان بوجھ کر نہیں دی تھی کہ میزبان کو حیرت ہوگی۔ جبکہ گھر میں پہلے ہی ہنگامہ غیر معمولی ہے۔

لیکسی سے اترنے کے فوراً بعد ان کی نظر گیٹ پر موجود چوکیدار پر پڑی تھی۔ انہوں نے وہیں سے کار کا انجن بند کرا دیا تھا۔

"یہ نعمان صاحب کا گھر ہے نا؟"

"وہ پشت پر ہاتھ باندھ کر ٹہلنے لگے۔ روشی ابھی تک لیکسی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ کیونکہ ابھی تو ان کے ہونٹ کھلے نہیں تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر کا حامل اور دو سالہ جوان چوکیدار کے ساتھ باہر آیا۔

"السلام علیکم! اپنے گھر میں تکلف؟ کب سے یہاں کھڑے ہیں صاحب گئی۔"

وہ بے اختیار یاور علی خاں کے گلے لگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یاور علی خاں نے بھی جواباً نعمان احمد کی پشت تھپتھپا کر برے پیار کیا۔ نعمان ان سے علیحدہ ہو کر لیکسی سے اترتی ہوئی روشی کی سمت متوجہ ہوا۔

"السلام علیکم ماموں!" وہ بہت دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"روشانے!" نعمان احمد نے یاور علی خاں کی سمت سوالیہ انداز میں دیکھا، پھر سلام کا جواب دیا۔ فطری طور پر ماحول کو سوچ سے الگ میسر آیا تھا، تو ملن کے انداز بھی بدلے بدلے سے تھے۔

"آیئے بھائی صاحب! سامان ملازم اندر لے جائے گا۔"

وہ ان دونوں کو لئے کر اس کمرے کی طرف بڑھا، جہاں مہمانوں کی موجودگی کا یقین تھا۔ دروازے میں خاصی خواتین جمع ہوئی تھیں۔ آنے اور جانے والے دونوں ہی کسی قسم کی رعایت دینے کو تیار نہیں تھے۔ بلکہ اچھے کے طور پر دروازے میں اٹک گئے تھے۔

"پلیز! آپ لوگ راستہ دیجیے۔" نعمان احمد خواتین سے مخاطب ہوا۔

"کون ہیں؟ کون ہیں۔۔۔ کون۔۔۔؟" سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔

"آقا یہ وہاں رہتے ہیں۔۔۔ یاور علی کے بھتیجے اور ان کی بیوی روشانے۔" نعمان احمد ایک بار پھر حاضرین سے مخاطب ہوا۔

جواب دیا تھا۔

کمرے میں ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ عمر رسیدہ خواتین کا جوش و خروش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ سو اس وقت بھی یہ منظر بھی ہے۔ منٹ بھر رکا تھا تو کوئی روشانے کو گلے لگا رہی تھی۔

دلہا دلہن ایک خاموش اور تماشا بنے ہوئے حالات سے بے خبر اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے تھے۔

"ارے یہ کیوں آ رہی تھے؟" نعمان احمد ایک خاتون سے مخاطب کر رہا تھا۔

"ہاں!" جواب ملی تھی۔

ایک جہاندیدہ سا تاثر چہرے کے ایک کنارے پر بے نور الجھا ہوا چھوڑے وہ رکا تھا۔

روشی تیزی کی طرح اس کی طرف بڑھی تھی۔ ماموں کے رخساروں پر ایک تواتر سے آنسو اس کے ہونٹ کے نشان تھے۔

نعمان نے یاور علی خاں کو مہمانوں کے قریب کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر انہیں چھوڑتے ہوئے خود کرسی تک لایا۔

یہیں اسی لمحے ڈاکٹر کی آمد کا تعلق ہوا۔ آغا کا بھیجا ہوا۔

محفل دلہن کے دوسرے ہی لمحے میں بازیچہ اطفال بن گئی تھی۔ جانے ڈاکٹر نے ہال میں کتنی عافیت کی دوا گائی تھی کہ اس کے قریب لے جانے کی مہمانوں اس طرح تڑپ کر پیچھے ہٹیں جیسے سمیٹ پڑا کر پھیل پڑ گئی ہے۔

"آنے پاؤ!" اس نے ہوش میں آتے ہی سے کہا دل۔

"مہمان اور کھوکون بیٹھا ہے تمہارے پاس؟" نعمان نے اسے ماحول کی طرف متوجہ کیا۔

رونے کی وجہ سے بھاری بھاری پپوٹے اٹھا کر آواز کی سمت دیکھا۔ قدرے چونکی۔ جیسے یقین نہ آیا ہو۔

"اب آئے ہیں آپ؟ کتنا ترسایا ہے آپ نے میرے پاپا کو۔۔۔ کتنے خطوں میں آپ آپ کی بھول میں میرے آپ کے لیے ایک تڑپ بھی نہیں تھی۔ کیا ضرورت تھی اب آنے کی، جنہوں نے آپ سے بیٹھ داری کی بیزار رکھی تھی۔۔۔ سب دل ٹوٹ رہے۔" وہ ہچکی بھر کر رو دی۔

یاور علی خاں اپنے سپاٹ اور بے تاثر چہرے کے ساتھ اس طرح بیٹھے ہوئے تھے، جیسے کوئی طوفان آ کر تھم چکنے کے بعد کرنے کی پوزیشن میں ہوتا ہے اور اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے مصلحتاً خاموشی اختیار کرتا ہے۔

روشی اپنی جگہ سے اٹھی اور ماموں کی سمت بڑھی۔ اسے بہت سارا رونا آیا تھا۔ وہ بہت سارا رونا چاہ رہی تھی۔ اس سے پھر سانس ہی نہ لیا جا رہا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور ماموں کے گلے لگ گئی۔ اب دونوں طرف طغیانی تھی۔

خواتین دونوں کو خاموش کرانے میں لگ گئیں۔

نعمان احمد، ڈاکٹر اور یاور علی خاں تینوں مرد یہ بوجھل شکل سے دوچار ہو گئے۔

"آیئے بھائی صاحب! ہم اس طرف چلتے ہیں، جہاں پپو تیا آ رہے ہیں۔۔۔" نعمان احمد نے یاور علی خاں کو مشکل

سے نکالا۔

وہ آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے۔

باہر اندھیرا تھا۔ انہیں تکلیف ہو رہی تھی، مگر بیٹی کے تڑپ تڑپ کر رونے سے ان کے دل پر بہت بوجھ تھا۔ اس لیے وہ چل رہا تھا۔ وہ دشالے کو پگڑی کے بجائے سر پر باندھے ہوئے تھے۔ کیا کیا کچھ انہیں یاد آ رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں مرچی گھوم رہی تھی، مگر آج کے ماحول میں اس مرچی پر کون چونکتا۔ سر جھکائے آنکھیں بھر بھر کھولتی تھیں۔

سہ پہر کے سائے ڈھلنے لگے تھے، مگر حویلی پر ابھی سکوت طاری تھا۔

سوا ایک سیاہ فام عورت، سر پر آرائی گوٹہ اوڑھے ہوئی پورچ میں جا کر رک گئی۔

کھوکھر جیپ کے پیچھے دوڑا تھا۔ اور اگلا دروازہ ایک لمبے کی تاخیر کے بغیر کھول دیا تھا۔ اور کھڑکی قریبی میں سے میں ایک پرشکوہ، صاحبِ جیپ سے اترا تھا۔

"میں حویلی میں جا کر ابا صاحب کو اطلاع دے دوں۔" یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اندر کی طرف چلا گیا۔

"السلام علیکم کا کاجان!" سامنے سے جواد آ رہا تھا۔

نواب نے قدرے چونک کر جواد کی شکل دیکھی۔ "والسلام!"

"بابا جان تو اپنے کمرے میں ہیں۔" جواد نے انہیں حیران دلایا۔

"میں ان سے ابھی ملوں گا۔" نواب نے قدرے کھائی سے جواب دیا۔

"جلدی میں ہیں؟" جواد نے قدرے بجھے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

"ہاں!" سابقہ انداز میں جواب ملا۔

"اور سب لوگ کیسے ہیں؟" جواد نے خود پر قابو پا کر اخلاق میزبان کے انداز میں سوال کیا۔

"ٹھیک۔ ہم لوگ ہیں سب میرے پاس۔" نواب آگے بڑھ گیا۔ جواد چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر سر جھٹک کر اپنے راستے چل دیا۔

اسے حیرت کا شدید جھٹکا البتہ ضرور لگا۔ ابا صاحب غیر معمولی تیزی سے اس طرف آ رہے تھے۔ وہ بھر گیا۔

"تیمور علی خان ہے؟" انہوں نے رک کر دریافت کیا۔

"جی — اندر ہی ملے ہیں۔ اور جلدی میں ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ اور تیمور علی خان آگے بڑھ گئے۔

تیمور علی خان نے ہال کا دروازہ بند کر دیا تھا اور کارنر صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ چہرے پر تفکر کے گہرے سائے تھے۔

دیکھے جا رہے تھے۔ انہوں نے جیپ سے باہر آہستہ آہستہ نکالا۔ سر سے [illegible] کے [illegible] پگڑی اتار کر [illegible] واپس جیپ میں رکھ دیا۔ اور ہال میں لگے ہوئے پورٹریٹس پر نظریں دوڑانے لگے۔ [illegible] علی خان کی آمد کا [illegible] نہ ہو سکا۔

"بہت گہری سوچ میں ہو؟" ہال کا سکوت نواب ولی خان کی آواز سے بالآخر ٹوٹ گیا۔ تیمور علی [illegible] سے کھڑے ہو گئے۔

"السلام علیکم!" انہوں نے سر جھکا کر انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" نواب ولی خان ان کے قریب ہی بیٹھ گئے

"یہ ضروری ہے کہ سارے گھر میں گھر والوں کی تصویریں پھیلا دی جائیں۔ بس ایک افسوس سا ہوتا ہے۔ کچھ اچھا نہیں لگتا۔" تیمور علی خان کے انداز تکلم میں اپ سیٹ واضح تھا۔

"مگر اس میں ہرج ہی کیا ہے؟" نواب ولی خان کے انداز میں ناراضگی سی تھی۔

"جن کی موجودگی کا احساس ہم نہیں کر پاتے۔ وہ موجود محسوس ہوتے ہیں۔ سوا ایک کرتے ہیں۔" تیمور علی خان نے خاصی بیزاری سے جواب دیا۔

"آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟" انہوں نے بات کر کے سلام نواب ولی خان سے سوال کیا

"بتاتے ہیں۔ بتاتے ہیں۔ صبر کرو۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھے ہوئے دیوار میں نصب ایک بٹن دبا دیا۔ چند لمحوں بعد ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

"جی خان؟" وہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"سرسوتی سے کہو، مجھ سمیت کو یہاں لے آئے۔" وہ آرام سے بیٹھ گئے۔

ملازم باہر چلا گیا۔ تیمور علی خان ہونٹ باپ کی شکل دیکھتے رہے مگر بولے کچھ نہیں۔ دونوں کے درمیان ایک گہری خاموشی [illegible] پر [illegible] ہو گیا۔

تقریباً پانچ سات منٹ بعد ہال کا دروازہ کھلا۔ سرسوتی "مجھ سمیت" کے ساتھ داخل ہوئی۔ اور دونوں دروازے ہی میں رک گئے۔

"السلام علیکم خان!" مجھ سمیت نے ترنم انداز میں بولی۔

"وسلام!" تیمور علی خان کے چہرے پر الجھن کی لکیریں ابھر آئیں۔

"سرسوتی تم باہر جاؤ۔ کسی کو اندر مت آنے دینا۔ باہر ہی کھڑی ہو کر ہمارا انتظار کرو۔" سرسوتی الٹے قدموں باہر نکل گئی۔

مجھ سمیت والے کی طرف دیکھنا [illegible] کی طرح ایستادہ تھی۔ یا تھی کی فراک اور چادر پہنے ہوئے تھی۔ [illegible] کی قیمتی اور ناک نقشہ سے سراپا [illegible] کوئی بے حد [illegible] تھی۔

"یہ تمہارے خان اس وقت موجود ہیں، جو کہتا ہو اتی ہو" کہا تھا۔" وہ دلاور علی خاں کی بڑبڑاہٹ پر تیز تیز چلتی ہوئی
تھی۔

"کیا کہے گی یہ؟ اور کیوں؟ اور اب یہ بھی کہا کرے گی؟" تیمور علی خاں نے بگڑے ہوئے انداز میں کہا۔ جھومر خاموش
رہی۔

"اب کیوں خاموش ہو؟ جس طرح تمہاری اس گز کی زبان چل رہی تھی، بند کرو اسے۔" دلاور علی خاں نے جھومر سے
خان کو کہا۔ "وہ تیمور علی خاں سے ہی کہہ رہے تھے۔

"اس کی یہ مجال۔ اس نے آپ سے گستاخی کی ہے بابا صاحب؟" تیمور اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے اور جھومر کے
قریب جا کھڑے ہوئے۔ ان کے لہجے میں بلا کا غضب تھا۔

جھومر نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"تمہارا بڑا بھائی ہے باپ کی؟" وہ حقارت سے پوچھ رہے تھے۔

"وہ میرا باپ نہیں ہے خان!" جھومر نے تحمل انداز میں انہیں جواب دیا تھا۔

"اگر وہ میرا باپ ہوتا تو مجھے نہ روکتا کہیں ہزار روپے کی مزدوری کر لیتا۔"

"تم جیسے لوگوں کو عزت راس نہیں آتی شاید۔ کیا تکلیف ہے تمہیں؟" تیمور علی خاں جیسے بابا لپکے۔ کرسی پر بیٹھے
اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"آرام کیا ہے مجھے یہاں؟ یہ پوچھیے۔" وہ بہت دھیمے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"کیوں بھوکی مرتی ہو تم؟ کپڑے نہیں ہیں تمہارے پاس؟" وہ غضبناک ہوئے۔

"آپ نے میرے ساتھ یہی کرنا تھا تو مجھے بڑا بھایا کیوں تھا؟" وہ آنسو پی رہی تھی۔

"تمہیں حویلی میں عزت دینا تھی اس لیے یہ مہربانی کی تھی۔ مگر لگتا ہے تمہیں احترام نہیں آتا۔"

"مگر میں حویلی کی عورتوں میں سے تو شامل نہیں ہوں۔ کیا فرق ہے مجھ میں اور سرسوتی میں، وہ بھی خدمات بجالاتی ہے اور
میں بھی۔ انداز مختلف ہیں بس۔"

"کیا چاہتی ہو تم؟" تیمور علی خاں کے چہرے سے غصہ نرمی پھسلنے لگی۔

"مجھے آزاد کر دیں۔ بابا مجھے کیڑوں میں شامل کر کے کسی کی طرح کے کام لیں مجھ سے!"

"تم ظفری کے نکاح میں ہو۔ میں بابا صاحب تمہیں آزاد نہیں کر سکتے۔ اس کا حق صرف ظفری کو ہے۔"

وہ بہت ضبط کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

"خان۔ اگر میں کچھ دن اور ظفری کے ساتھ رہی تو پاگل ہو جاؤں گی۔ آپ مجھے سرائے واپس لے چلیں۔" وہ چھوٹے
دونوں ہاتھوں میں چہرا چھپا کر بلک بلک کر رو دی۔

"تم ظفری کا دل بہلاؤ۔ وہ تمہارا خیال رکھے گا۔" وہ سختی سے گویا ہوئے۔

"یہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اس نے آپ سے گستاخی کی ہے بابا صاحب۔"

"ہاں۔" وہ خاموش سے ہوئے۔

"میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔" وہ جیسے چیخ پڑے۔

وہ دلاور بابا صاحب سے اس طرح گفتگو کرنے لگے جیسے وہ بچے ہوں۔

"کیا کہا تم نے بھئی؟" بابا صاحب کی سماعتیں جیسے چونک پڑیں۔

"کچھ نہیں خان۔ تم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔ تم معافی مانگ لو۔ وہ بابا صاحب ہیں۔ تمہیں معاف کر دیں گے۔"

"ہم تمہیں کبھی واپس سرائے نہیں بھیجیں گے۔ تم اپنی غلطی مانو۔ وہ بابا صاحب ہیں۔ تمہیں معاف کر دیں گے۔"

"بابا صاحب سے سوال۔ تم ہوتی کون ہو گستاخی کرنے والی۔ چلو۔"

جھومر نہیں سے نہیں ہلی۔

"مجھے کسی حویلی کا حصہ نہیں بننا خان۔ صبح سے اب تک ہوا کیا ہے، وہ سب بتا چکی ہوں۔"

"تمہیں ذرا سی عزت کیا ملی۔ سر پر چڑھ گئی ہو۔ تم جیسی لڑکیوں کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔ تمہیں
تمہاری زبان کھینچنی کی طرح لگی ہوئی ہے۔ ہم عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ تمہاری حد تک ہی مارا ہے۔"

تیمور علی خاں جیسے بھڑکے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"وہ ہو جاؤ۔ یہاں سے۔ نیچ لوگ۔"

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گی خان۔ نہیں تو آپ مجھے یہیں گولی مار دیں۔" وہ چیخی تھی۔

تیمور علی خاں باپ کی طرف مڑے۔

"بابا صاحب، اسے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

"مگر ظفری؟"

"آپ فکر نہ کریں۔ ابھی سارا انتظام کرتا ہوں آپ کو۔ بابا کی امانت ہے، بڑے نخرے سے رکھا ہے اس نے۔"
تمہیں۔" تیمور علی خاں کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

جھومر سناٹا سی کھڑی رہ گئی۔ وہ خان کے اس طرح پلٹنے پر جیسے سکتے میں آ گئی تھی۔

"فرق ہو یہاں سے۔" وہ پھاٹک کی طرف بڑھے۔ دلاور علی خاں کے پیچھے ہی آ گئے تھے۔

"فکر نہ کریں بابا صاحب، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مگر ہم یہ قیدی نہیں لے سکتے۔" دلاور علی خاں ایک بے بس بابا کی طرح ہاتھوں کو ہلا رہے تھے۔

"آپ دیکھتے رہیے بابا صاحب۔ بہت جلد خوش ہوں گے آپ۔" تیمور علی خاں گردن موڑ کر بابا صاحب کو
تسلی دے رہے تھے۔ جھومر کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

"تم تو جانتے ہو زیادہ دیر رکتے نہیں۔ مگر جانے والے تو پوری طرح بات کر لیں۔ ہمارا بچوں سے بات کرنے کا وقت ہی کتنا ہوتا ہے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"خدا حافظ بابا صاحب!"

"جاتے ہوئے مل کر نہیں جاؤ گے؟" وہ جاتے جاتے رک گئے۔ "اور وہ کچھ بتانے کا بھی کہہ رہے تھے؟" یکایک دھیان آیا۔

"رات کو آرام سے فون پر بات ہوگی۔ فی الحال مجھے جانے کی جلدی ہے۔" وہ قطعی انداز میں جواب دے رہے تھے۔

"اور اسے اپنے بچے کا مسئلہ نہ ہوتا تو کیوں سنتے اس چھوکری کی باتیں۔ یہ تمہیں زحمت دینے۔ اچھا خیر خدا حافظ۔" اپنے مخصوص انداز میں چھڑی اٹھائے ہال سے باہر چلے گئے۔

تیمور علی خاں نے اپنی گھنی سوچوں میں کچھ دیر انگلیاں چلائیں۔ پھر سر جھٹک کر سامنے لگی تصاویر دیکھنے لگے۔ ہر تین کے سر تولے سامنے تھے۔ ہر تصویر دھندلا رہی تھی۔ چہرہ بھٹکا سرخ اور بالوں کی لٹیں اس سے زیادہ سرخ اور بھی تھیں۔

عصر اور مغرب کے درمیان غیب احمد کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ گھر سے زیادہ تر مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ خاصا بڑا حلقہ چند خواتین ڈرائنگ روم میں سپارے پڑھ رہی تھیں۔

اگربتی اور کافور کی مہک دلوں میں وحشت سی پیدا کر رہی تھی۔

یاور علی خاں سفید شلوار قمیص پہنے سر پر جالی کی ٹوپی لگائے تھکان کے ساتھ ماہین کے کمرے میں چلے آئے۔ ماہین ہاتھوں پر کہنی ٹیکائے۔ ہال بکھرائے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے چپ چاپ سامنے دیوار پر جانے کیا دیکھ رہی تھی۔ جنازہ اٹھنے تک وہ بکھر بے ہوتی ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ دونوں فوراً اس کے کمرے میں آئے تھے۔ روشی آنکھوں پر بازو رکھے ماہین کے برابر میں دراز تھی۔

"حوصلہ کیجیے ماہین! یہ بھی زندگی کا ایک حقیقی رُخ ہے۔ اسے برداشت کرنا ہوتا ہے۔" وہ اس کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔

ماہین خالی خالی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"کتنی اکیلی ہو گئی ہوں میں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"ہم سب ہیں ناں آپ کے ساتھ۔ ایسے کیوں سوچتی ہیں۔" یاور علی خاں آہستہ سے گویا ہوئے۔

"سب تھے، تبھی تو اکیلی ہوں۔" رخساروں پر آنسو ڈھلک گئے۔ روشی بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"خالہ۔ ہم آپ کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ ہوں تو چند دن کنڈا دائیں چلے جائیں گے ناں!"

کیا رویا۔ ٹھیک ہے۔ اس اور روشی بھی دلجوئی میں شریک ہوئی۔

"تمہارے ساتھ یا تمہارے پاپا کے ساتھ؟" ماہین پھیکی مسکراہٹ سے روشی کو اس کی نادانی کا احساس دلانے لگی۔

"جب آپ ساتھ ہوں گی تو ہم کہیں بھی رہیں گے۔ میں تو پاپا کے ساتھ ہوں گی۔ آپ کو بھی ہمارے ساتھ رہنا ہے۔" روشی اپنی رو میں کہہ گئی تھی۔

"اس طرح نہیں ہوتا روشی۔ بہت باکل ہو تم۔ جو ہو نہیں سکتا وہ سوچتی ہو۔" ماہین نے اسے سمجھایا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا اس طرح؟ ہم ایسا کر سکتے ہیں۔" روشی نے ضد کی۔

"خاموش! اس طرح بات کرتے ہیں بڑوں سے؟" یاور علی خاں نے اسے ڈانٹا۔ "ماہین بیٹی! آپ ہمارے ساتھ چلیں گی۔ آپ کا یہاں تنہا رہنا مناسب نہیں۔ ہم آپ کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔" انہوں نے حتمی انداز میں کہا۔

"کیسے آپ ایسے سے کچھ کہا؟" یاور علی خاں دیکھ کر مخاطب ہوئے۔

روشی خجالت سے انہیں دیکھنے لگی۔ مگر کچھ بولی نہیں۔

"آپ نے ایسے سے کچھ کہا؟" یاور علی خاں دیکھ کر مخاطب ہوئے۔

روشی خجالت سے انہیں دیکھنے لگی۔ مگر کچھ بولی نہیں۔

"بیٹے! اپنی خالہ کو کچھ آپ دلاسہ کریں۔" وہ روشی سے کہہ رہے تھے۔

"ابھی کرتی ہوں۔ مجھے بہت اچھا سا آتا ہے۔" وہ فوراً بشاش ہو گئی۔

"تم رہنے دو۔ تم جاؤ۔ لعمان۔ آپ بھی کچھ کھا لیجیے۔ اس طرح کے ماحول میں اکثر سے خاصا وقت ہو جاتا ہے۔ تم جاؤ روشی۔" انہوں نے روشی کو ڈانٹ کر روم میں لے جانے کا اشارہ کیا۔

"آپ چلیے خالو صاحب۔ میں کھا لوں گا۔ ابھی بھوک نہیں ہے۔" وقار نے کہا۔

"تو پھر آپ بھی ماہین کے ساتھ تھوڑا سا سوپ لے لیجیے۔" وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔

وہ اسے بے تکلف تھے کہ اس سے زیادہ اصرار کی اجازت نہیں رکھتے تھے۔ اپنے قناعت پسند خاندان کے باوجود۔

"ابھی آتا ہوں میں۔ باہر کچھ دوست بیٹھے ہوئے ہیں۔" لعمان اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر جلد آ جائیے گا۔ روشی خاصا خیال رکھتی ہے۔ ابھی آ جائے گی۔" یاور علی خاں نے تسلی دی۔

"آپ کو کیسے پتا۔ وہ کون سا آپ کے ساتھ رہتی ہے۔" ماہین نے انہیں ٹوک دیا۔

"بیٹی ہے وہ میری۔ مجھ سے زیادہ اسے کون جانے گا؟" وہ دھیرے سے مسکرا دیے۔

"آپ اور اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ بتائیے آپ دونوں نے بھی کچھ کھایا؟" ماہین کے اس پر وہ طرح جاگے تو وہ چونک پڑی۔

"ہاں۔ ہمیں صبح کھایا تھا۔ روشی نے ابھی کچھ زیادہ نہیں لیا تھا۔ وہ آپ کے ساتھ شیک ہو جائے گی۔"

انہوں نے مسکرانے کی ناکام سی کوشش کی اور اٹھ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا سوپ کا باؤل اٹھا کر بیٹھ گئے۔

"آپ پلیز اپنے آپ کو سنبھالیں۔ اکرام اتنی بہت بڑا ہے۔ مگر ذکوٰۃ ہوتے ہی بڑے ہیں۔ کیا پورا
وارث ایک تھا؟" وہ اپنی عادت کے برخلاف خاصی گفتگو کر رہے تھے۔ وہ تو ہر ماحول، ہر لمحے، ہر موسم میں
ہر دور گریٹ ہی محسوس ہوتے تھے۔

"نہیں۔ وہ سراسر پہلا آج سے نو سال پہلے یو کے نائز امیں ہوا تھا۔ میں تو اس وقت سے اس پر وقت کانفرنس دلانی تھی۔ اتنا
پریشر کرائی تھی۔ اچھا خیال رکھتی تھی۔ مگر۔" اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگنے لگی۔ بکھرے بکھرے کرتی رہی۔ پھر بیٹ سے بال اٹھا
کر چہل قدمی کرنے لگی۔ ہو کہیں نظر نہ آئی۔ یہ بھی بہانوں کی مجبوری کی علامت ہوا کرتی ہے۔

پھر اسی طرح بیٹ سے اتر کر متقابل کی کھڑکی کی طرف بڑھی۔ اور پردے سرکا دیے۔ اس کے بعد اگلی طرف کی کھڑکی
سے پردے ہٹائے۔ اور واپس آ کر بیٹ پر بیٹھ گئی۔

"میں نے پردے ہٹا دیے ہیں۔ آپ اپنا کام کیجیے۔" اس نے سگریٹ کے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔

یاور علی خاں شاید یہ کام بھی کر کے بھول چکے تھے۔ چونک سے گئے۔ اور آگے کو جھک کر سگریٹ اور لائٹر اٹھا لیا۔ ایک
سگریٹ نکال کر سلگا لی۔

"تھینکس۔" لائٹر بجھا کر انہوں نے اچٹتی سے نظر باہر ڈالی۔ بظاہر بہانے کی نظر بندی مکمل ہوا کرتی تھی۔ پردوں
پہلے اس کا اعتراف وہ تین کر چکی تھی۔

بڑی بھابی اسے ایک تقریب میں کوئی مخصوص ساڑھی پہننے پر اصرار کر رہی تھیں اور وہ ساڑھی کی بار پہننے کے بعد اس کے
دل سے اتر گئی تھی۔ اس نے نہایت خاموشی سے وہ ساڑھی بہنے کے لیے رکھے سوٹ کیس میں ٹھونس دی تھی اور کیسے وہ قرار
کراچی میں بھول آئی ہے اس سے کیے تک بہنوں کی طرح بے تکلفی تھی اس لیے خدشہ قطعاً وہ آ کر وہ ارادہ بے کمال ڈالیں۔
سارا گھر ہی اسے سجا سنوار دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔

ساڑھی اس نے بہت متاثر انداز میں چھپائی تھی۔ اس وقت یاور علی خاں فون کرنے میں مصروف تھے۔ اور بہت گم
تھے۔

اس خدشے کے عین مطابق عالم تب ان کی خواب گاہ میں آ گئی تھی۔

"ارے واہ زوہیب میں اچھی طرح دیکھ لو۔ اٹھو۔ لاؤ میں دیکھتی ہوں۔" انہوں نے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں اور
پوری تندہی سے وہ ارادہ بھانپنے لگی تھیں۔

"ایک تو تم میں اپنائیت بہت ہے۔ اتنے سے کر سی کیوں جاتی ہو کہ میلنا بھول جاؤ۔ اچھی خوبصورت ساڑھی ہے۔ کس
قدر جچتی ہے تم پہ۔ ارے آج تو وہ ملاقاتی بھی آئے تھی اپنی بہو کو لے کر۔ کہتی ہے اس کی بہو سے زیادہ حسین کسی کی بہو نہیں
ہے۔ مجھے بتا رہی تھی آج ہے ایسی چھچھوری عورتوں پر۔ بتاؤ اتنی اچھی ساڑھی بھول آئیں۔"

وہ باتیں کرتی جاتی تھیں اور ساتھ بولتی جا رہی تھیں۔

"بھابی بیگم! یہ وہ ہے بیٹے کے لیے ایک سوٹ کیس ہے۔ اس میں دیکھ لیجیے شاید وہی میں ہو۔" یاور علی خاں نے

کرسی سے پاؤں لٹکائے ہوئے بھابی سے کہا۔

بار میں جھکی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ اور بھابی تو سوٹ کیس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔
ریشہ ملی ہو گئی تھیں۔

"تو یہ ہے وہ ایک بیٹے میں تمہارا یہ حال ہے۔ بتاؤ۔ کہاں رکھی ہیں تو دیکھ لیتیں۔ وہ پہلے ہی کہہ رہے ہیں۔ پھر شرمندہ
ہوتی۔ لڑکیوں کو اچھی طرح ہینڈل کرنا سیکھو۔ پھول بکھر رہے ہیں۔"

بڑے کوٹ کے بٹن کھولتے ہوئے آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"کتنی چیزیں آ گئیں ہیں آپ کی۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔" وہ بیزار سی تھی اور ان سے خفا ہو رہی تھی۔

"مجھے بھی بہت اچھی لگتی ہو تم اس ساڑھی میں۔" وہ شرارت سے مسکرا رہے تھے۔

کوٹ سنبھالتے ہوئے بوجھل سانس میں وہ واقعی غضب ڈھا رہی تھی۔

"بہت پیچھے۔ تم ہیں آپ۔ مگر آپ ایسے ہے جیسے آس پاس کا ہوش ہی نہیں ہے۔" اس کا سر واقعی بار بار تھا۔

"ذرا میں جب کوئی شوہر اپنی بیوی کی تعریف کرتا ہے تو بدمزاج سے بدمزاج عورت کا سر اٹھا کر دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔" وہ
اسے چھیڑ رہے تھے۔

"ان کی شکل سے تعریف ہوتی ہوگی۔ اور ان کو ایک ساڑھی کی کئی بار پہننا بھی نہیں پتا ہوتی۔ وہ امیر اول چاہے
بہت سارا وہ ہوں۔" وہ واقعی روہانسی ہو رہی تھی۔

"کس قدر مغرور ہو تم بازار سے کتنی بھیجتی ہو۔" وہ ہنس رہے۔

"میں تو کوئی مغرور نہیں ہوں۔ موم جیسا دل ہے میرا۔ مغرور تو آپ ہیں پتھر رکھا ہوا ہے سینے میں دل کی جگہ۔ اس
معمولی سی چوٹ دے دینے تو گیا ہو جاتا۔ لگے اپنی بھابی کے ساتھ۔ ہاں نہیں تو۔"

"ہوں کہاں گئے؟" واقعی فرے سمیت اندر آ گئی تھی۔

یاور علی خاں نے اپنی سرخ آنکھیں جنہوں نے دن کو بیان کر رہا تھا۔

"ابھی آ رہے ہیں۔ تم اپنی خالہ کو لے جاؤ۔ اور مجھے کہیں سے ایشو فرما کر دو۔" یاور علی خاں نے دلچسپی سے کہا۔

"ٹھہریے۔ میں لاتی ہوں۔" بانہیں بیڈ سے اترنے لگی۔

"اوہ نہیں خالہ آپ بیٹھیے۔ میں سارا گھر چیک کر چکی ہوں۔ مجھے پتا ہے کون سی چیز کہاں رکھی ہے۔" اس نے بانہیں
دکھائیں اور تیزی سے باہر چلی گئی۔

"آپ سوپ پئیں گے پلیز۔" یاور علی خاں نے عشیائی انداز میں کہا اور سگریٹ کے کش لگانے لگے۔

ماتھا پیالے میں ذرا سا سوپ نکال کر سپ لینے لگی۔

لائٹ براؤن تکیے سے ٹیک میں فیروزی ساٹن بال کو اسٹول سوپ پی رہی تھی۔

وہ بہت نظر فریب سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ اور دل کی آنکھیں سوچ رہی تھیں۔ کافی ہو سوٹ ہوئے تھے۔

مال بے ترتیب سے تھے۔ بکھری ہوئی انوں کی وجہ سے پریشانی نظر آرہا تھا۔

یہ بات طے ہے جب کسی کو بغور دیکھا جائے خواہ کسی بھی طریقے سے۔ تو محسوس ہوتی ہے۔ اس وقت کی ادا کاؤں کے حصار سے نکل کر سنبھل بھی نہیں تھی۔ کہ وہ ادا نظروں کی زد میں تھی۔ بڑا اچھا لگا نہ کہ ہے پھیلی ہوئی تھی۔ (کہاں وہ کھلی یہ روشی؟)

"آپ بھی بیٹھیں ناں۔" ہاجرہ خان کی نظروں سے بچنے کا سے بھی حل سمجھ آیا وہ کہ کسی طرح خاموشی توڑی جائے۔

"وہ دراصل پپا میں ڈرائیو کر لیتی ہوں۔ وہ دراصل جہاں میں نے ایبل لڑکے دیکھی تھی اس وہ مہمانوں کی وجہ سے کبھی کبھی ہوتا ہے۔ بہر حال میں اصل لالی۔"

روشی عجیب سا شور بپا کرتی وہ یاد اندر داخل ہوئی۔ اور سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھ دی۔

"آپ نے ابھی تک اتنا سامان سپ لیا ہے۔ حد ہو گئی۔ اتنا دل لگا کر بنایا ہے۔" اس نے رکھے ہوئے ماجن کی طرف۔

"میں نے لے لیا ہے۔ سوال نہیں چاہ رہا۔ پلیز روشی۔" وہ بے کس سے بولی۔

"اچھا نہیں ہے کیا؟" وہ ڈرتے ڈرتے پوچھنے لگی۔

"ارے نہیں۔ بہت مزے کا ہے۔ بس کسی بھی چیز کو دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے شکستہ انداز میں وضاحت کی۔

"پپا۔ آپ کہیئے ناں خالہ سے۔ شاید آپ کی بات مان لیں۔ ماموں بھی نہیں آئے ابھی تک۔"

"میں دل چاہ رہا تو زبردستی نہیں کرتا۔ بعد میں پی لیں گی۔" شاید وہ ان کی فطرت میں نہیں تھا۔

"شاہین خالہ اور حسین خالو نہیں آئیں؟" روشی کو ایک اہم کمی کا احساس ہوا۔

"سب نہیں ملی۔ فون آیا تھا ان کا۔ جنہیں آپی کے ہاں تو بیٹا ہوا ہے۔ دس دن کا ہے۔"

"آپ کو یاد ہیں پپا وہ لوگ؟" روشی نے باپ کی طرف توجہ کی۔

وہ بہت خاموشی سے ان دونوں کے درمیان ہونے والی بات چیت سن رہے تھے۔

"لو۔ یہ بھی بھولنے والے ہوتے ہیں۔" ماجن نے ٹوکا۔

"اچھا آپ کتنی بار ملے ہیں ان سے؟" وہ بڑے شوق انداز میں پوچھنے لگی۔

"کئی بار۔" انہوں نے بہت مختصر جواب دیا۔

"وہ لوگ حویلی آئی تھیں؟"

"دو تین مرتبہ شاید۔" وہ روشی کے سوالوں سے تنگ پڑ رہے تھے۔

"وہ بھی شروع شروع میں۔" ماجن نے بھی حصہ لیا۔

"شروع شروع؟" روشی کے پلے نہیں پڑا۔

"بھئی باجو کی شادی کے شروع میں۔" ماجن بھی عارضی طور پر کھودیر پہلے والے ماحول سے باہر آ گئی تھی۔

"پھر تو سب ہی گھٹا اٹھے گئے تھے۔" ماجن مزید گویا ہوئی۔

بھجا بتا کیں۔ ان دنوں میں ابی سے زیادہ دنوں کی خاطر تھی ہیں۔" کریلی سے ہوا کر تھیں نے کھڑے ہوئے

ہے۔

بولا۔" ماجن نے جواب دیا۔

بیٹا؟" اپنی ہوں اور خالہ کی کمی کے کرنے بہت طف اور ہو گئی تھی۔

"یہی ہاں ہیں۔" بہت ہی صاف گو تھے وہ۔

"یہ بھی بھلا لگا۔ جب میں نے ان ماموں کو دیکھا۔ یہ لگا جیسے ہمارے آنگن سے ہوا ہیں۔"

میں بھی ہر اور کیا ہی قسم کے ہوا سامنے سے وہ ہو گئی۔" ماجن نے قصہ چھیڑ دیا۔

سب ہی کی ہوائی اسی گھر میں ہوئی تھی۔" وہ جیسے سارے سوالات کا جواب پا چکی تھی۔

ہیں۔ اس وقت پاپا سرکاری ڈاکٹر تھے۔ ہر کال پر حاضر تھی۔"

"شاید آپ نے محسوس کیا ہو کہ میں ابی کو بہت مس کرتی ہوں۔ بہت شدت سے چاہتا ہے۔ کل وہ ایک ہفتے

رہنے آ رہی ہیں۔"

"ماں۔ بیٹے اور نہیں ہو سکتی کیا؟" یاور علی نے مداخلت کی۔

"ہاں۔ بیٹے اور نہیں ہو سکتی ہیں۔ خالہ آپ بہت آرام سے رہ سکتی ہیں۔ خالہ آپ بہت سے اتنی پیاری گھر میں جیسی ہیں۔ کچھ کام

نا ہیں۔ میں آپ کی مدد کروں گی۔ ابھی میں کالج میں تھی۔ سب مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ آپ

آ رہے ہیں۔"

روشی خاموشی سے بستر سے اتر آئی۔ "پتا نہیں خالہ ابھی کہاں ہیں۔"

"آپ بے فکر رہیں۔ آپ تھک چکے ہوں گے۔ میں آپ کو کمرہ دکھا دوں۔"

وہ بچے کچے میں کچھ بول رہا تھا کی طرف بڑھ گیا۔ یاور علی خاں اس کے پیچھے چل دیے۔

"آؤ روشی! اپنے سامان۔" ماجن نے یاد کرایا۔

"میں اوپر گیسٹ روم میں جا رہی ہوں۔ وہاں ایک آنٹی سے ملوں گی۔ کچن میں وہ بھی ہوئی ہے بھوپ ان سے۔ آپ

کے لئے سامان پوچھ رہی ہیں۔"

اس نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہا۔ ان جواب دیا۔

"اچھا۔ ہاں وہ آئی تھیں۔ وہ بھی ہیں یہاں۔ بہت اچھی پڑوسن ہیں۔ انہیں مدد کرنا۔ میں آ رہی ہوں۔" ماجن اور یاور علی

خاں آگے پیچھے اوپر چلے گئے۔

روشی اور اس کے قریب بیٹھ سے سامان کمرہ گیسٹ روم میں چلی آئی۔

"روشی خان ہے۔" ماجن نے گیسٹ روم میں آ کر اعلان کیا۔ "یہ سامنے میرا روم ہے۔ اگر آپ کو"

وہ چار راتیں میں گھر کی تمام تر توجہ خصوصی طور پر روشی سے مخاطب کرنے میں مگن تھی۔

سے اہتمام سے وہ پاپڑ سے وجود پر پھیلائے، زمانے بھر کی سنجیدگی چہرے پر سجائے اس کا انداز سمجھ رہے تھے
سے تعلق رکھتا تھا۔ بہت ہی کھلی ڈلی سی واقعات۔

''ایکسکیوزمی، اگر آپ آئی۔'' وہ لفظ کو لمحوں کے بعد دم میں چلی آئی۔

''ہیلو!''

''یعنی، آپ اتنی آواز دے کر بھی مجھے بیٹن سے پہلے نہیں دیں گی؟'' دوسری طرف بارش تھا۔
دل کو جیسے سے انداز میں ہنسا۔ مگر وہ سے ہی لیے جیسے لمحوں بھت گئیں۔

''ڈانٹ بلیم می اور بھوت سے پکیاں کاٹ رہی ہوں؟'' وہ اترا سے ہنسی پر تھمنا لی۔

''اگر دم نہیں لگا تا۔ بڑھا بیوٹ کرتا ہوں۔ نعیم صاحب دیا دیں مانگ رہے ہیں۔ تعزیت کے لیے بلکہ ہاتھ ہے ہیں۔
بتا یئے۔ کس کا غم کسی کی خوشی ہے۔ کیوں؟''

بارش بلا سے ہنسا۔ مسکراہٹ انداز میں کہہ دیا تھا۔

''بارش حویلی پہنچ کر تیار ہی وہ خبر لوں گی۔'' وہ دانت پیستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''حویلی کیا انتظام ہوا ہے میں آپ کو بارہ بات کی ''خبریں'' مل سکتی ہیں۔ سوسوف بڑے بھت ہیں۔ ''میں آپ نے
بڑا بولا۔ خیر۔ یہ تا یئے تعزیت کرنا کوئی بری بات ہے۔'' وہ اب بڑی سنجیدگی سے اداسی پر چھا رہا تھا۔

''مگر لوگ تعزیت کرنا چاہ رہے ہیں۔ ان کی تعزیت کی یہاں کسی کو ضرورت نہیں۔'' وہ آگ بگولہ ہوئی۔

''لوگ'' کہاں۔ ابھی تو آ کیلے ہیں۔ لوگ تو آپ کے ساتھ ہی آئیں گے۔''

''ان کے بھی لگتے۔ مت کہیا کہ ان سے متعلق مجھے کوئی۔'' وہ پھر بھڑکی۔

''آپ تو میں جو بھی لوگوں کا آپ کے حوالے سے لگوں کا ان کا۔ بھئی پہلے تو آپ بیوی ''بھی'' تھیں۔ خیر وہ بات۔ نکلے
نکل گئی ہوں۔ ایسے ہوا چلا ان کی طرف جائیں تو آپ ضرور دیا یئے گا۔ اس بہانے گھر بھی دیکھ لیجیے گا۔ مثلاً وہاں کے
کمرے کہاں کی کل تعمیر، لان کی ترتیب، باڑی کا ہالا، اور خاص طور ''میں نے فون بند کر دیا۔

''اس کا جملہ مکمل ہونے کے بعد ایک ''قہقہہ'' شروع کرنے والی تھی۔ وہ ہنس رہی تھی۔ جملہ کا ہر لفظ میں
جلا رہا تھا۔ مذاق تھا۔ مذاق کو ہنسی کے آنسوؤں میں بہا دیا۔ ایسے گن گن کر مارے گی۔ وہ آنسو کا ایک قطرہ

تسلیم دے کر انا اشتعال بجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

چند منٹ خود پر قابو پانے میں لگے۔ پھر وہ پیار سے تسلی دلاسا کرتی واپس وارڈ میں آ گئی۔

مسکراہٹ کی تو آج کے ماحول میں ضرورت ہی نہ تھی۔ آنسو اور ہچکیوں کے ساتھ ہر قسم کے سوالات سے بہرحال وہ اس کے حق میں تھی۔

"یہ بابا کا بیٹا دم ہے۔ آپ کو کچھ غلط تو نہیں لگا؟" اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"لاسٹ بیٹل ڈیسیڈ ہو جو بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ بے چاری بے جان دیواریں اور یہ وقت کسی قسم کے تعلق سے عاری ہے۔ اگر آپ مجھے کسی راہداری میں چلتے ڈال کر بھی آرام کرنے کو کہیں گی تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

ماہین نے حیرت سے چونک کر ان کی شکل دیکھی۔ اتنا ہلکا پھلکا۔ سدھ سے زیادہ فارمل۔ اے سی۔ ہر نظر ہر کوئی ضابطے کے تحت اٹھا رہا تھا۔ کس قدر تبدیلی کا مظہر بنا ہوا تھا۔

"بہت بہت شکریہ اس اینایت کا۔ ہم ہمیشہ یاد رکھیں گے۔" اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

یاور علی خاموش رہے۔

"آپ تھک گئے ہوں گے۔"

"سوائے؟" وہ اپنا سوٹ کیس جہاز سے پہلے واش روم ہو رہا تھا۔ بیڈ پر رکھا کر شب خوابی کا لباس نکالنے لگے۔

"میرا مطلب ہے اب آپ آرام کیجیے۔" وہ جانے کے لیے پلٹی۔

"یہ واش کا ماحول تو نہیں ہے۔ آپ مجھے آرام کا کہہ کر پھر ایک کوفے میں جا بیٹھیں گی اور دعائیں کی تھوالی وہیں بیٹھے۔"

"آپ کے پاس؟" ماہین کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ کس قدر "تبدیل شدہ" حالت میں تھے۔

"نہیں وہاں صوفے پر۔" وہ بھی برجستہ بولے۔

ماہین کو تسلی تو تھی نہیں۔ عجیب سی بکھیاہٹ اس پر طاری ہو گئی۔ وہ اپنی حالت کو نارمل بناتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی۔

یاور علی خاں اپنے کام سے فارغ ہو کر اس کے نزدیک بڑی ایک خوبصورت سی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے۔

"کس خیال میں ہیں۔ زیادہ ٹینس طاری نہ کریں خود پر۔ یہ آپ کے لیے اچھا نہیں ہے۔ میں آپ سے پوچھ تو سکتا کہ آپ ہنسیں اور مسکرائیں، لیکن پلیز کوشش کر کے اپنے دل و دماغ پر کنٹرول کریں۔"

"نہیں ہوتا۔" وہ جو بھلی طرح ضبط کی انتہا میں خود پر بہت کنٹرول کر رہی تھی پھر ایک دم سے بکھر گئی اور پھوٹ پھوٹ رونے لگی۔

یاور علی خان کے سرد اور بے حس سے دل میں بھی ہلکی سی لرزش ہوئی۔ اس سے تو بہتر پہلے کی صورت حال تھی۔ یہ الجھن کیا کیا آوزی طرح الجھ گئے۔

"یہ بھی عام عورتوں میں لوگوں سے کم ہونے کے اسے سوا کچھ نہیں ملتے اس لیے خصوصی ہمدردی کی ضرورت ہوتی ہے۔ توجہ کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ انہیں خاص سمجھیں۔ میں نے کہا تھا نا۔۔۔ آل ہیومن بیئنگز ارے ایکوئل ایز ہیومن بیئنگز۔"

لیکن ماہین پر کوئی اثر نہ ہوا۔ الٹی کہ ان کی ہچکیاں بڑھ گئیں۔

"اپنے بچے سے بابا۔۔۔" ایسی بھدی کراہ تھی کہ وہ اپنی نشست سے بے ساختہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"دیکھیے، ماہین اس شدید قسم کے احساس جرم میں مبتلا ہو کر اپنا ہی نقصان کر رہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ ماہین۔"

"جذبات کا سیلاب ابھرتا ہے۔ آپ شرمندہ نہ ہوں، اس میں آپ کا کیا قصور؟" وہ روتے ہوئے بولی تھی۔

"یہ آپ نے بالکل درست کہا کہ جذبات کا سیلاب امڈتا ہے لیکن ایک حد تک۔" قوت ارادی" بھی ہوتی ہے۔ ہر ایسے ہی حالات میں ہمیں کرنا چاہیے اور شاید یہ ہوتی ہی اس لیے ہے۔" انہوں نے نرمی کے ساتھ ساتھ کچھ سخت سے آسان بنانے کے لیے ایک کوشش مزید کی۔

"مجھے نہیں کرنا پچھتاوا۔ اپنے اوپر ترس۔ جسے ہاتھ کر کے آپ تو بچھڑ ہی چکے ہیں۔ جب وہ آئے تو بہت سارا پیار دیجیے۔ جب دل بہت رو رہا ہو تو ماتم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" وہ بہت سنجیدہ سا بات اندر میں اتر رہی تھی۔

"بابا! آپ کس کس طرح مجھے یاد آئیں گے؟"

یاور علی خاں چند پل اسے دیکھتے رہے، جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ ماہین کا دوپٹا جھول کر کاندھے پر آ پڑا تھا۔ اور دونوں ہاتھوں سے اس نے چہرہ ڈھانپا ہوا تھا۔

یاور علی خاں نے پلو سے وہ پٹا اٹھایا اور قریب تھا کہ اس کے سر پر ڈال دیتے، آہستگی سے وہ ہاتھ ہٹا کر اندر جھانکا۔

وہ پٹا یاور علی خاں کے ہاتھوں سے چھوٹ کر دوبارہ نیچے گر گیا۔ وہ اپنے مخصوص باوقار انداز میں چلتے ہوئے واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"تھینکس۔ مائی لارڈ!" انہوں نے چھت کی طرف دیکھ کر جیسے سکون کا سانس لیا۔

"آنٹی روشی اپنے تمہاری خالہ بہت رو رہی ہیں۔ انہیں چپ کراؤ اور ان کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر شرارت سے مسکرانے لگے۔

"اور دیکھو، یہ کمرہ کیمرے سے بری طرح سے بھرا ہوا ہے۔ سمائل پلیز۔"

روشی جو اپنے ہاتھوں میں ماہین کا اور پٹا دیکھ کر ایک دم بھونچکا کر اپنی جگہ رک گئی تھی۔ فوراً اندر چلی آئی۔

"پھر سے کہیے، کیا؟" روشی نے پلو اور پٹا اٹھاتے ہوئے باپ کی سمت دیکھا۔ انتہائے سنجیدہ اور غیر مرئی حال

خاکہ الجھوں نے نفی ان نفی کرتے ہوئے گھوڑا تیز بھگا کر آہستہ آہستہ سے دھواں نکالنا شروع کر دیا۔

"ظاہر ہے فوراً تو سنبھلیں گی نہیں۔ تیز بخار ہو گا۔" مگر آپ کو تسلی اپنے کی خرابی تو نہ چاہیے تھی۔" وہ اپنے آنچل سے مایون کے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

وہ خاموش رہے۔

"آیئے خالہ ہم چلتے ہیں۔ مگر آپ اب رویئے گا نہیں۔ بچے سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اچھے۔" بی اس نے مایون کو شانوں سے پکڑ کر اٹھایا۔

وہ سسکیاں بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"گڈ نائٹ۔" اوشی نے مایون کو ساتھ لے کر چلتے چلتے مڑ کر کہا۔

وہ علی خاں نے کھڑکیوں کی سمت دیکھا، جن پر بڑے پردے، رانی بنانا بھول گئی تھی۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھے۔ ہاتھ سر کائے۔ اور باہر سڑک کا منظر دیکھنے لگے۔ جہاں اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ ان کی سرخ آنکھوں میں گہری سوچ واضح بہت واضح تھا۔

عمارت پر گہرا تاریک غلاف چڑھا ہوا تھا۔

حتیٰ کہ اندر کسی سوم ہی کی لو بھی ٹمٹماتی دکھائی دے رہی تھی۔ مگر کتوں کے بھونکنے کی آوازوں میں اتنا تسلسل تھا کہ کسی واقعے کا امکان تقریباً ناممکن ہی دکھائی دیتا تھا۔ سیاہ جیپ پھاٹک پر رک گئی تھی۔ ہارن ایک تواتر سے بجا تھا۔

ایک منٹ کے اندر پھاٹک کھل گیا تھا۔ کھولنے والے کے ہاتھ میں طاقتور ٹارچ جگمگا رہی تھی۔ جیپ تیزی سے اندر داخل ہو گئی تھی۔ اور پھاٹک کھولنے والا جیپ کے پیچھے سرپٹ دوڑا تھا۔ اور بڑی پھرتی سے ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھولا تھا۔

"اس لڑکی کو بھی اتارو۔" گمبھیر آواز تاریکی میں گونجی۔

"یہاں تو بہت اندھیرا ہے خان!" جمعہ کی آواز میں واضح لرزش تھی۔

"مگر تمہارے دماغ کے اندھیرے سے زیادہ نہیں۔"

"چل باز خان! ٹارچ ادھر دو۔ چلو لڑکی آگے بڑھو۔" تیمور علی خاں نے ٹارچ کی روشنی سے رہنمائی کی۔

گلباز بھی ساتھ چل پڑا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ ہمارا انتظار کرو۔" تیمور علی خاں نے اسے ٹوک دیا۔

"یہ ہال کمرا ہے جمعہ۔ اس کے ساتھ یہ دو کمرے۔ آگے جو راہداری ہے، اس کے آگے سرپرچی ہے۔ اس میں عمارت میں تقریباً سات کمرے ہیں۔ چار نیچے اور تین اوپر۔ آج سے یہ سب تمہارے ہیں۔ یہاں جو کچھ ہے سب تمہارا ہے۔

یہ کہہ کر وہ رات آدمی سے بہت زیادہ بے پناہ ہو گئی تھی۔ اس نے جیپ میں بیٹھے بیٹھے ہی ٹارچ کی روشنی ہال کمرے میں ڈالی۔ وہ بہت بڑا تھا۔ مگر کمرے میں سامان برائے نام تھا۔ ایک طرف ایک بڑا سا تخت پوش بچھا ہوا تھا۔ اس پر ایک گدا اور تکیہ موجود تھے۔ اس کے علاوہ کمرے میں کچھ نہیں تھا۔ دیواروں پر کچھ تصویریں آویزاں تھیں۔ مگر اندھیرے کی وجہ سے وہ صاف دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

"سامان، بستر وغیرہ کہیں نہیں ہے خان!" جمعہ کی آواز میں واضح لرزش تھی۔

"اب آواز بند کرو۔ یہاں ایک مخلوق موجود ہے۔ اسے ہی اپنا سامان سمجھو۔" گلباز نے جیپ کی طرف واپس چل کرنے کی طرف

"ہا۔۔۔ ہو۔۔۔ ہا" بابا صاحب کی آواز سے قہقہہ صدا چھلکنے لگی۔

"اچھا۔۔۔ لیجیے۔۔۔ تم قہقہہ کرو۔ ہنسی زحمت ہو رہا ہے نہیں۔ ہمیں بہت افسوس ہے۔" اور نیچے سے بابا صاحب نے بہت کی بات آج تک ہماری کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ ان کا وہ تیور علی خاں سے اس طرح کا تقابل سب سے کیوں ختم ہوتا ہے۔

"ہم بھی بلوائے ہیں ہاری کو۔ اور کوئی بات۔"

"جی نہیں، شکریہ۔ خدا حافظ!" فون بند کر دیا۔

ہاری نے حقارت سے ریسیور رکھ دیا۔

"بڑا اب کس جینیئس کے امتحان میں گرفتار ہونے والا ہوں۔" اس نے چھت کی طرف دیکھ کر خود سے سوال کیا۔ اس کے کانوں میں تیور علی خاں کی آواز گونج رہی تھی۔ "لڑکی بہت خوبصورت ہے۔"

"ہونہہ۔۔۔ کیا ہیں" "لڑکی بہت خوبصورت ہے۔" اسے جانے کیوں ہنسی آ گئی۔ کسی بھی لمحے بابا صاحب کا بلاوا آنے والا تھا۔ اس نے اوسط کا ون کرنے کا پروگرام فی الفور ملتوی کر دیا۔

بابا صاحب کے استقبال میں تین نیلے فون رہے تھے۔ سوا کل سیٹ۔ جن میں سے دو ایک لان کے بیک ہیک تھے اور ایک لبسر پر حویلی کے دو تین ایکسٹینشن تھے۔ شاید تیور علی خاں پریشانی میں ایکسٹینشن والا نمبر بھی کر گئے تھے۔ وہ یہ سوچ رہا تھا۔

"خان نہیں آ رہی ہے، چائے ٹھنڈا رہی ہے؟" کمرہ آہستہ آہستہ مرزتے ہوئے پھر جاگ رہا تھا۔ سامنے کھڑکی کے شیشوں پر بارش کی آواز۔

"توبہ ہے۔۔۔ ہاری تمہاری مردانہ وجاہت بھی غضب کی ہے۔ تو کرنیاں تک شرماتی ہیں۔" نہ جانے کب خان نے اس پر چوٹ کی تھی۔ کھڑکی اور کچھ کر بے اختیار یاد آ گئی۔

"ابھی بابا صاحب مجھے بلانے والے ہیں۔ وہاں سے واپس آ کر جائے تو ضرور پیا جائے گی۔ تیار رکھنا۔" وہ کلاک کی طرف دیکھنے لگا۔

سوا گیارہ بجے تھے جب وہ ہال میں داخل ہوئی۔

"خان۔۔۔ آپ اور بھیجے ہو۔ میں سارا دن دیکھا آئی۔ اور یہ بیوقوف کے ساتھ قسم کا رہے دیکھتی رہتی ہے۔ اور کام تک جاگ کر کام کرتی ہے۔ صبح اٹھوں جانے پر بھی نہیں اٹھتی۔" ہاری نے ایک اسٹیشن پر اور اگر ہم نظر کیے۔ ہاتھ ہاتھ میں الجھا ہوا کپڑا ایک پرانی تھیلی کی تہیل میں جلدی جلدی بھرنے لگی۔

"کیا کہہ رہی تھیں ماں؟" ہاری نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

"یہ سے خان نے بلایا ہے آپ کو۔"

"بہت ہی بار کرتے ہیں وہ ہمیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اور پیچھے قدموں سے ان کی خواب گاہ کی سمت بڑھا۔ اور دروازے پر دستک دی۔

آپ کچھ سوالات کرنا تھیں۔ مجھے اس جگہ بڑی ہیبت ہے۔" اس نے گھبرا کر منہ سے اگا لیا۔

"مگر خیر۔۔۔ یہ کوئی عیب نہیں۔ اچھی بات ہے۔ یہ بھی کسی انسان کا وصف کہلاتا ہے۔ بعض لوگوں کی بات ہی خاموشی۔

وہ کیا کہا ہے۔ کسی بھلے سے شاعر نے۔

ہم کو یہ بات دلیلوں سے تو زیبا ہوتی ہے
اس کے ہونٹوں کی خاموشی بھی سادہ ہوتی ہے

تو شاید آپ ایسے لوگوں میں شامل ہوتی ہیں۔ آپ بھلے۔ تو نہیں پڑھیں۔ میرے بولنے سے؟" وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

وہ اس کی آواز کی طرف متوجہ ہی کب تھی۔ اسے تو وہ اپنے خوابوں کا راجکمار نظر آ رہا تھا۔

وہ بہت تمکن انداز میں گنگناتا ہوا ہال کمرے کی طرف آیا تھا۔ رات کے بارہ بج کر پانچ منٹ ہو چکے تھے۔ آج اس کا دوست شاہد سے اپنے گھر پہنچا تھا۔ وہ بیکی کنفرم کرنا چاہ رہا تھا کہ آیا وہ گھر پہنچ گیا یا نہیں۔ تاکہ وہ صبح اس سے ملنے جا سکے۔

ہال کمرے میں گہرا سکوت طاری تھا۔ بے ہاری کلوان شریر لوگوں کا پھیلایا ہوا بدنظمی سے صبیہ دی تھی۔ کہیں چلونڈے کے چھلکے۔ کہیں ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے ٹکڑے۔ کہیں تعلن کا بیمار۔ کہیں اخبار، کہیں رسالے، کسی طرف رہوت کشن مل۔ تو کسی جگہ پلاسٹک۔

ہاری نے سامنے "پھیلاوے" پر نظر ڈالی کر کھڑکی سمت بدلی ہوئی سے دیکھا اور خون کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔ ہاتھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نہایت اطمینان سے ریسیور اٹھایا اور ٹیلی فون پیک کی گھر ایک دم چونک پڑا۔ وہاں فون بجنے جا رہی تھی۔

"کلوا کی حالت بہت خراب ہے بابا صاحب! اس لیے کسی بھروسے کے آدمی کی فوراً ضرورت ہے۔"

"تمہارے پاس اتنے آدمی ہیں۔ ایک بھی بھروسے کا نہیں؟" بابا صاحب پوچھ رہے تھے۔

"یہ بات نہیں ہے۔ آپ سمجھیں ہاں لڑکی بہت خوبصورت ہے۔"

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ ہم سمجھ گئے۔ ٹھیک ہے۔ ہاری کو بھیج دیں؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"میرے خیال میں ہاری ہی مناسب ہے۔" وہ پیغام پہنچا تھا۔ دوسری طرف کا جانچ بھی تیور علی خاں تھے۔

"آپ اسے کہیے کہ وہ سیدھا سرائے آئے۔ اسے صبح سے پہلے بھیج دیں۔ آپ کو نہیں پتا مجھے یہاں ایک ایک پل بھاری لگ رہا ہے۔ سوا کل پر آپ سے بات کرتا ہوں۔"

"ارے۔۔۔ سنو کیا تم خود وہاں موجود ہو؟" بابا صاحب کی حیرت آمیز آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"تو پھر کیا کرتا؟ اس کے باپ کو بھیجتا تو وہ اکیلا اس کا کیا ہی گھمان ہے۔"

گی۔ خوف و دہشت سے تو جیسے آنسو بھی خشک ہو چکے تھے۔

اس نے دروازے میں ٹک کر تھن اور فلاسک فرش پر رکھا اور چادر درست کی، پھر دروازہ کھولنے سے پہلے بڑی احتیاط سے دروازہ کھولا۔

"السلام علیکم!" اس نے دھیرے سے سلام کرتی، سلام اس تک آ گیا تھا۔

وہ ہمارے گھبراہٹ کے مارے منہ ہی میں جواب دے کر رہ گئی۔

"وہ ہمارے یار کہاں رہ گئے آبادی خالی خالی لگ رہی ہیں آج؟"

"وہ ضروری کام سے صبح حیدرآباد چلے گئے تھے۔ کہہ رہے تھے، ایسا سے سیدھا ہاسپٹل پہنچوں گا۔" ہالو نے سامان لکھانے پر رکھتے ہوئے اپنی چادر سے چہرہ پونچھا۔

"ایسا اگر آج تو شام بھی بڑی مشکل سے ہوگی۔" اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ ایک دم بہت نیند سوار تھی۔ ہالو پلٹ کر اس کی سمت دیکھا۔ "بہت محبت ہے آپ کو اپنے دوست سے؟"

اس نے تھن کھولنا شروع کیا۔

خدا کے سامنے کس منہ سے جائیں گے خدا جانے
محبت کا کوئی دعویٰ نہیں ہے جن کے دامن پہ

وہی ہوا جس کا ہالو کو خطرہ تھا۔ یعنی شعر آ گیا تھا۔

"آئیے! کھانا کھا لیجیے۔" اس نے ٹرے میں ساتھ لائی ہوئی چیزیں رکھیں اور اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ ساتھ ہی شکر کرنے لگی۔ کہ جتنی دیر کھانا کھانے میں مصروف رہے گا، وہ شعروں سے تو بچی رہے گی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور ٹرے پر نظریں دوڑانے لگا۔ "میرے جیسے کی مرغیوں کو تو جان کی امان دے دیں بھابی! مگر کیا ہوں میں اس چکن سے۔" اس نے معصوم بچوں کی طرح کا نخرا کیا تھا۔

"یہ آپ کے لیے بہت اچھی چیز ہے عارف بھائی۔ آپ کے دوست نے مرغی بھجوائی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ڈاکٹروں نے کہا ہے، آپ کو زیادہ سے زیادہ گوشت استعمال کرنا چاہیے۔ آپ کا خون بھی بہت کمزور ہے۔" "بلڈ" کی بہت کمی ہو گئی ہے۔" ہالو نے شہر کے الفاظ کس اطمینان سے ادا کیے۔

عارف ہاتھ دھونے باتھ روم جا رہا تھا۔ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"انشاء اللہ میری صحت بالکل ٹھیک آپ آؤ گی ڈاکٹر تو بن ہی جائیں گی۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

ہالو اس کی مسکراہٹ سے ایک دم محتاط ہو گئی۔ اور اس کے باتھ روم جاتے ہی کرسی اس کے بیڈ روم سے اور وہ کمرے کی اور خود اس کی پشت سے ٹیک لگا کر اس کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگی۔

چند منٹوں بعد وہ باہر آ گیا۔

"بیٹھ جائیے بھابی۔ کمزوری کیوں ہے؟" وہ ہالو کے سامنے سے ٹل کر [illegible]

[illegible] لیتے ہوئے اس کا پوں سے ٹل کر پاؤں کے پیچھے [illegible]
[illegible] کر نظریں دھرا ہو گئی تھیں۔ ہالو نے آگے ہو کر پلیٹ کے پیچھے سے [illegible]
پڑے تھے۔ اس نے وہ کاغذ بھی سمیٹے۔ پھر سیدھی ہو کر کھلے ہوئے ہی کو دیکھنے لگی۔ اس میں عارف کی [illegible]
مسکرا رہی تھی۔ وہ بے شمار انداز میں دیکھتی رہی۔ اس نے نظر اٹھا کر اس کا چہرہ، [illegible]
جانے کیوں دل اکھڑا سا آیا۔

ملاقات کی اک گھڑی نے مصورت ہی بدل دی
مجھ سے میری قسم ہے ابھی نہیں ملتی!

وہ بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ ہالو نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر فوراً ہی سر جھکا لیا۔ اس کے سامنے اخبار [illegible]
بھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"شام کو آپ کے لیے کیا بھجواؤں؟" اس نے خاموشی سے گھبرا کر دریافت کیا۔

"سوگ کی بھرپور دال اور خاموشی۔"

"آپ نہیں کھائیں گی بھابی؟ مگر یہ تو مریضوں کا کھانا ہے۔ ثمینہ بھابی کہہ رہی تھیں۔ آپ نہیں [illegible]
کی گہری سوچ میں اتر گیا۔ چند لمحوں بعد نظریں اٹھا کر ہالو کا پریشان سا چہرہ دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیا۔

خود غرض لوگوں نے جو حالت بنا دی ہے سلیم
کون کہتا ہے کہ یہ تقدیر ہی سفاک کی ہے

ہالو کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ یونہی ہاتھ مسلتی رہی۔

"کامل خان بہت اچھے دل کا آدمی ہے۔ مجھے امید ہے، وہ آپ کو بہت خوش رکھے گا۔" عارف نے اخبار موڑتے ہوئے موضوع بدلا۔

وہ بدستور خاموش رہی۔

"جب میں یہ رشتہ کرا رہا تھا تو مجھے یقین تھا کہ یہ بھی اس کی بیوی بن رہی ہے، بہت ہی خوبصورت دل ہے۔ میرا یہ [illegible]
بھلا نہ کر سکے گا۔"

ہالو نے چونک کر عارف کی شکل دیکھی۔ تو یہ ہے وہ چہرہ۔ جس نے میرے خوابوں کے اڑانے میں اہم بھائی ہے۔ اور ایک طوفان بپا ہو گیا۔ اس کا جی چاہا۔ اس کا گریبان پھاڑ ڈالے۔ چہرہ نوچ ڈالے۔ اتنا کہ کوئی پہچان نہ کر سکے۔

وہ ہاتھ کاٹتے ہوئے دیوار پر لگے ہوئے چارٹ کو گھورنے لگی۔ اسے آنا دیکھ کر عارف سے شدید نفرت محسوس ہونے لگی۔

"شاید آپ کو زیادہ بات کرنے کی عادت نہیں ہے۔ ورنہ اس روز جو موضوع میں نے شروع کیا تھا، اس سے متعلق

"آ جا بھئی۔ جلدی آ نا۔" ہاشما صاحب کی آواز سے بہت جھلاہٹ جھلک رہی تھی۔

وہ اندر داخل ہو گیا۔ ملازم علی خاں کمر پر ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ اسے دیکھ کر مسکرائے۔

"ہاری!"

"جی خان!"

"اچھا — پہلے تم بیٹھو۔" وہ اسے بیٹھنے کا کہہ کر خود بھی اپنے بستر پر بیٹھ گئے۔

"وقت یہ ہے — تمہیں اسی وقت سرائے جانا ہوگا۔"

اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس کے منہ سے نکل جاتا کہ "اس وقت؟" مگر اس نے ہمیشہ کی طرح زبان کو سکون پہنچانے کے ساتھ صرف اتنا کہا۔

"جی بہتر۔"

"ڈرائیور کو اٹھاؤ۔ تم سارا دن کے تھکے ہوئے ہو، ڈرائیو مت کرو۔"

"جی بہتر! کوئی اور حکم؟" وہ اٹھنے کے لیے پر تولنے لگا۔

"نہیں — اب جو کچھ حکم دیں گے تمہارے خاں دیں گے۔ تم جا سکتے ہو۔" وہ اسٹرچر پر لیٹا ہوا تھا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور ہاں سنو!" انہوں نے پھر پکارا۔

وہ رک گیا اور پلٹ کر ان کے قریب آیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سخت الجھن میں ہوں۔

"ہاری! میں تم پر بہت بھروسا کرتا ہوں، تم جانتے ہو۔"

اس نے ہاں کیا اور نہ ہی ناں۔ بس خاموش رہا۔

"ظفری نے دیوار سے ٹکریں مار کر اپنا سر پھاڑ لیا ہے، تم ہی تو لائے تھے اسے کنڑ کر؟"

"جی!" اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک ظفری کا ذکر کیوں شروع ہو گیا؟ اسے تو مختلف قسم کے دورے پڑتے ہی رہتے تھے۔

"ہمیں اس کی بڑی فکر رہتی ہے۔ بڑی ذہین کی صحت تباہ ہو چکی ہے، اس کے غم میں۔"

وہ پھر گویا ہوئے۔ وہ پھر خاموش رہا۔

"اچھا — خیر — تم جاؤ۔ جتنی جلد ہو سکے۔" انہوں نے دایاں ہاتھ مٹھی کی شکل میں اپنی پیشانی پر رکھا اور آنکھیں موند لیں۔

ہاری آہستگی سے دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آیا۔ اور دو جوڑے کپڑے نکال کر بیگ میں رکھے۔ پھر اپنا بیگ لے کر باورچی خانے میں گیا۔ وہاں سے چیزیں سمیٹ کر لایا۔ بظاہر وہ تیاری میں مگن تھا مگر اس کا ذہن اور سارے حواس جیسے کان بنے ہوئے تھے۔ کیا ہوا ہے وہاں؟ کیا ہو رہا ہے وہاں؟

اور بستر سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

وہ علی خاں کو اپنی عادت کے مطابق علی الصبح ہی بیدار ہوتے دیکھتا تھا۔ یہاں بھی ان کے معمول میں فرق نہ آیا۔ ہاری نے سب سے پہلے کمرہ صاف کیا۔ ان کا خیال تھا وہ کچھ دیر بعد نکل جائیں گے۔ مگر انہیں اس کا کام بہت اچھا لگا تھا۔

سلیمہ بیگم کی چادر سے فرش کو صاف کرتے ہوئے ہاری کا دل بھر آیا۔ ماں کی یاد اسے ہمیشہ بے چین کر دیتی تھی۔ وہ خاندان کی پہلی لڑکی تھی جسے اس نے ایک چادر سے صاف کیا تھا۔ اس کے اگلے برس سلیمہ پانچویں جماعت میں گئی تھی۔ مگر جیسے بالکل نئے قلم میں ہو گویائی بھی ہوتی تھی۔ ہاری کی ماں کی موت کے بعد سلیمہ کی ہی ہو گئی تھی۔ وہ اسے پڑھاتا تھا۔ وہ اسے کھلاتی تھی۔

وہ فارغ ہوا تو ملازم آہستہ آہستہ قل پڑھ رہا تھا۔

ان کے ذہن کے پردے پر ماضی کے منظر ابھرنے لگے۔

ان کی جوانی کی حسین یادوں کا انتقال ہو گیا تھا۔ اسی سلسلے میں قرآن خوانی ہو رہی تھی۔ (حویلی میں) وہ نئی نئی ملازمت کی وجہ سے چھاؤنی میں رہتے تھے۔

وہ فارغ ہو کر گھر آئے تو ایک دم ٹھٹک گئے تھے۔ شاید انہوں نے اس کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ سلیمہ کی ہم عمر لڑکیوں کی طرح وہ بھی سفید چادر سے سر اور جسم کو اچھی طرح ڈھانپے ہوئے تھی۔ اور بہت سنجیدگی سے قرآن خوانی کی محفل میں شریک تھی۔ وہ اس کا یہ روپ دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ ان کی آواز سے سب کی توجہ ان کی طرف ہو گئی تھی۔ وہ سب کو سلام کر کے اندر چلے گئے تھے۔

اس کی نظر اچانک ہی سامنے اٹھ گئی تھی۔

جانے ہاری علی خاں کی نگاہوں میں کیا تھا کہ اسے یاد سا آ گیا۔ اس نے سر جھکا دیا۔ پھر اس کے سامنے کریم بخش تھا۔

"کون کون سے دوسرے جیلیں گے خانم۔" وہ نئی کراکریوں کی پیش چاننے لگے۔

"کھانا کا کر رہا ہے۔ کچھ ہوش کریں۔" ہاری نے مصنوعی ناراضگی سے انہیں ٹوکا۔

"تو کیوں نا ہے ظفر بابا کہ جلدے دکھائی دو۔" وہ اسے آئینے میں دیکھتے ہوئے بہلا رہے تھے۔

"تو بیا" ہاری نے سر جھٹک کر پھر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

"لاہوں کی تو ہیں تو ہوتی ہی ہے۔ "ہاری جاں" کے دکھ بھی تو ہوتے ہیں۔"

"سنجیدہ ہو جاؤ۔ ہمارے سامنے عبادت کرو۔ شکر کرو۔ اس وقت کمرے میں تمہارا ظفر ہے۔ وہ ظفر جسے وہ دنیا کا بہترین بچہ

انہوں نے چونک کر ہاری کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔ ان کے اپنے ہی حصے سے لگے ہوئے اندر انہیں چبانے

گئے۔ انہوں نے واپسی کے ارادے سے قدم بڑھا دیے۔

"آیئے ناں۔ یار بھائی۔ بیٹھیے۔ میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" مائین نے انہیں دعوت دی۔ یار بھائی سے بائیں پیچھے انکار ہے۔

"نہیں نہیں۔ آپ اپنا کام جاری رکھیے۔ چائے اتنی ضروری تو نہیں۔ ہاں وقت ہے۔ روفی ہے۔ ہم اس کی طرف سے بقیہ وہ جواب دے رہے تھے۔

"تو بیٹھ جایئے ناں۔ اٹھیں کیوں جا رہے ہیں؟"

"آپ عالمِ عبادت میں ہیں۔ مناسب نہیں لگتا۔" وہ نظر بچا کر سامنے دیوار پر لٹکی مرمت کی جا رہی گھڑی کو دیکھنے لگے۔ مائین جیسے کچھ سمجھی نہیں۔ پھر کچھ توقف کے بعد مسکرا پڑی۔

"ارے بیٹھیے آپ۔ آپ تو ہمارے محرم ہیں۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں۔"

یار علی خاں شاید ہی زندگی میں کبھی اس طرح لاجواب ہوتے تھے۔ کوئی جواب دیے آگے بڑھ گئے تھے۔ روفی کو سمجھانا چاہتے تھے اور نہ یوان۔

اسے سہارا دے کر مکمل کرنے میں پانچ سات منٹ خرچ کر لیے۔ اندر داخل ہوتے ہوئے وہ ادھر ادھر بھاگتی ہوئی آپا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ یار بھائی کہیں یار علی خاں بیٹھے ہوئے ہوں گے وہ کہیں دکھائی نہیں دیے۔ خود ان کی اپنی کار بھی نہیں تھی۔ آج موٹر تھا۔ ظاہر ہے وہ انہی کے ساتھ میں مصروف ہو گا۔

"مائین۔ یار بھائی کو اور چائے بھجوا دو۔"

"روفی بیٹی نے کہی ہیں۔ ساتھ والی بیگم سارہ کے ہاں سے بانٹتا آیا تھا۔ وہ اسی وقت جانے کے لئے تیار ہو رہی تھیں اپنے ہاتھ سے لے لیے۔" خالہ نے تفصیل سے جواب دیا۔

مائین کو روفی پر اچھا خاصا پیار آ گیا۔ بچی ذمہ دار ہو گئی ہے یہ روفی تو۔ بہت اچھی بات ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتی تھی اس کے گیارہ بارہ سال کا۔

وہ اپنے کمرے کے دروازے میں آ کر ان کے کمرے میں جھانکی۔ یار علی خاں اخبار پر نظریں دوڑاتے ہوئے چائے بھی پی رہے تھے۔ روفی ان کے کپڑے پریس کر رہی تھی۔

"چچا۔ خالہ تو بہت زیادہ بوڑھی ہو گئی ہیں۔ بے چاری کا کوئی بھی نہیں رہا۔ نہ اپنی نہ پرائی۔ پھر وہ روفی بھی کہیں اکیلا پڑا رہتا ہو گا۔ پتا نہیں خالہ جان نے ابھی تک ان کی شادی کیوں نہیں کی تھی۔ شاید پڑھائی کی وجہ سے۔ مگر پڑھائی تو شادی کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔ شادی بھلا کیا کہتی ہے؟ بھلے لوگ شادی سے پہلے بالکل بھی قابل ذکر نہیں ہوتے۔ مگر شادی کے بعد بڑے کام کرنے لگتے ہیں۔ شاید اپنے قابل لائف پارٹنر کی وجہ سے۔ اچھے لائف پارٹنر سے مراد بہت دولت والا ہوتا ہے اگر خالہ کا اچھا لائف پارٹنر مل جاتا تو وہ اور ایکٹو ہو جاتیں گی۔" ایم۔ آئی۔ روفی بچے؟" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر یار علی خاں سے دریافت کیا۔

"نہیں۔" وہ اخبار میں مشغول تھے۔

"بھلا کیوں۔ خالہ کی شادی ہم کرائیں گے۔ ابا ہم کیا کرتے ہیں؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"میں نہیں بولتا۔" وہ اسی طرح "صروف اخبار میں مگن تھے۔

"ابا۔"

"ہاں ایسی باتوں کا سوال نہیں ہے۔ تم اس طرح کی باتیں اور کسی کے سامنے نہ کرنا۔ اوکے؟" انہوں نے اسے دیکھا بغیر ٹوک دیا۔

"ٹھیک ہے۔"

"روفی اٹھ نے چائے پی؟ اب وہ بڑبڑاتی ہوئی اسے تک آ گئی۔ میں کمزوری سے ہنسی ضبط کرنے لگی۔

"آپ اس طرح کے اقدامات میں خود کو ہرگز نہ کریں۔ یہ وقت اس طرح کی باتوں کے لیے سازگار نہیں۔ بعد میں ہو سکتا ہے یہ آپ کا ہوم ورک ہو سکتی ہے۔" یار علی خاں نے جھنجھلا کر کہا اور اخبار تہہ کر کے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"آیئے۔"

"روفی اپنی خالہ کے لیے چائے بنا لے۔ ہم اپنی اماں تمہیں ان کا خیال رکھنا ہو گا۔"

روفی نے باپ کا حکم سن کر فوراً استری کا پلگ نکال دیا۔

"بہت سمجھدار نہیں ہے۔ تم اپنا کام کرو۔" اس نے روفی کو چائے سے روکا۔

"تم جاؤ روفی۔" انہوں نے روفی کو روانہ کر دیا۔

مائین ان سے خاصے فاصلے پر بڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور اپنے ہاتھ ملنے لگی۔

"بہت ہی بہت سادہ اور جذباتی ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات کر بیٹھے تو آپ برا نہ مانیے گا۔ میرا مطلب ہے کوئی خیال۔ کچھ۔"

"فکر نہ کریں۔ آپ بھی بچی کے بھی ہمدرد ہیں۔ مجھے تو اس بات کی خوشی ہو رہی ہے۔" مائین نے پھیکی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"انسان سب سے زیادہ اپنی ہمدرد کا ہی ہوتا ہے۔ ... انسان کے اپنے ہمدردی کا تو ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ رکھتی ہیں آپ ہمارے بارے میں۔" وہ سمجھ نہیں سکے۔

"کیا کریں آپ اخبار پڑھنے کی ایسے دیتے ہیں۔" اس نے مضمحل سے خود کو بہلایا۔

"نہیں۔ آپ سے تو ہم مطمئن رہتے ہیں۔" وہ اخبار پڑھنے لگے۔

"وہ کس سلسلے میں؟" وہ واقعی حیران ہوئی۔

"کچھ نہیں۔ پھر کسی وقت۔" انہوں نے ایک نظر اس کا تھکا سا چہرہ دیکھا۔

"کس وقت؟" اسے جیسے بے چینی سی ہونے لگی۔

"ابھی وقت کا تعین نہیں ہے۔" انہوں نے بھرپور نگاہ سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"تو کر لیجیے۔ اور بتا دیجیے۔" وہ خاصی بے مروتی سے گویا ہوئی۔

"اتنی جلدی تو میں کسی بڑے سے بڑے معاملے میں بھی فیصلہ نہیں کرتا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے طنز کیا۔

ماہین نے گہرا سانس لے کر گرمی کی شدت سے لیک اگلی۔ جیسے ہار مان لی ہو۔

"حالانکہ یہ، اکرمی کسی وقت کی محتاج نہیں ہوتی۔" اس نے لطیف سا طنز کیا۔

یاور علی خاں بے ساختہ مسکرا دیے۔

"مجھے خوشی ہے، اتنا عرصہ باہر رہنے کا باوجود آپ اپنے تہذیبی اقدار سے بے خبر نہیں۔ اور اپنے ملک کی روایات پر بھی خاصی معلومات رکھتی ہیں۔"

"تھا، اب تو یہاں قریب رہنا ہے کی بنیاد پر اختیار کر چکی ہے۔ آپ جانتے بھی ہوں گے کہ فیملی معاملات میں کیا حیثیت رکھتے ہیں؟" وہ بھی خود اعتمادی سے کہہ رہی تھی۔

"مگر اس سے سویلین کی اہمیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خیر چھوڑیں۔ کسی بارک اندر صاحب کو بلوا کر ان طرح بحث نہیں کرتے۔" انہوں نے فوراً بحث سمیٹی۔

"کیا؟" اس نے چونک کر یاور علی خاں کی سمت دیکھا۔ وہ واقعی ان کا انداز سمجھ نہیں پائی تھی۔

سفید کلف لگے کاٹن کے شلوار سوٹ میں سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے یاور علی خاں اسے نہ جانے کیوں بہت پُراسرار محسوس ہوئے۔

"بھئی اوقات آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" وہ چونکہ اپنی خاموشی پر خود ہی خفا ہوئی تھی اس لیے وضاحت کر گئی۔

یاور علی خاں نے مسکراہٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی اور سامنے بیٹھے منیب احمد کے پورٹریٹ پر نظریں جما دیں۔

"بات سمجھنا یا نہ سمجھنا کوئی مسئلہ نہیں۔ اصل بات سمجھنے کی کوشش ہے۔ ویسے ایک بات کا کریڈٹ میں آپ کو ضرور دوں گا۔ پچھلے چند سالوں میں، میں نے اتنی گفتگو نہیں کی جتنی آپ مجھ سے کروانے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ جیسے بیرونی مسلسل آپ کے کنٹرول میں چلا گیا ہے۔"

"شکر کریں صرف واپس سسٹم۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

یاور علی خاں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سائے کی طرح رینگنے لگی۔ وہ اپنے مخصوص دل آویز انداز میں ٹکٹکی لگائے اسے دیکھ رہے تھے۔ پیشانی کی چند الجھی ہوئی مصنوعی لکیریں ان کے چہرے کو ایک انوکھا سا وقار عطا کرتی تھیں۔ یا پھر مونچھوں تلے ہونٹوں پر سائے جیسی مسکراہٹ ان کی پوری شخصیت میں عجیب طرح کا طلسم پیدا کر رہی تھی۔ نہ جانے کیا ماہین نے ان کی پیشکش میں دلچسپی محسوس کی۔ پھر وہ اپنے احساسات سے خود ہی خوفزدہ ہو گئی۔

"اچھا۔ میں چلتی ہوں۔ بچے دیکھتی ہوں گی کیا ہو رہا ہے۔" وہ چادر سر پر جما کر کھڑی ہونے لگی۔

"ہاں۔ وہ تو لے جائے گی۔ بچوں کا پوچھ رہی تھی۔"

ان کے انداز میں "اختیار" کو رکرتا گیا تھا۔ شوہری حق۔ ہاتھ ہلانے کے انداز سے واقعی یہ محسوس ہوا تھا جیسے وہ چڑیا اڑانے کا مطلب ہو۔

وہ بوکھلا گئی۔ یہ ہاں کا جیسے اس کی خود اعتمادی کو جواب دینے کی ہو۔

"نہیں۔ مجھے آپ کے گھر میں کام کرنا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے جب آپ وہ سے ہاں مل جائیں گے تو میں آپ کو بھی بھلا دوں گی۔ مریضوں کی طرح دل لگی کر کے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ بعض اوقات ہمیں بھی ہو جاتا ہے۔ مریضوں کی طرح دل لگی کر لیتے ہیں۔ پٹیاں باندھوں۔"

ماہین بوکھلاہٹ پر قابو پانے کی فی الحال کیفیت میں مسکراہٹ کے اختیار سے مسکرا دی۔

وہ کہہ کر جانے کے لیے پلٹی تھی۔ اصل بات کب سے اس کے لبوں پر تھی کہ اب وہ نہ تو اس پر مسکرا سکے گی۔

"ویسے ایک بات بتا دیں۔ اگر آپ کو برا نہ لگے تو۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہاں بولیں۔ بندہ اچھے سے خوش ہو تو اور بھی اچھا ہو جاتا ہے۔ کیا بات ہے؟"

"شاید۔" وہ کچھ سے رکی کو دیکھنے لگے۔

ماہین جانے پینے لگی تھی۔ اور وہ اسٹری اپ بھرنے لگا رہا تھا۔

حیران پریشان ہوا تو اس نے بدقت اس سے چھوڑ رکھا تھا۔ فی الحال تو بس ایک کوشش کا عالم تھا۔ وہ کچھ پانچ بجے کے قریب یہاں پہنچا تھا۔ تیمور علی خاں ایک ہدایت اور نگرانی کے مرحلے سے گزر رہے تھے۔ اسے دیکھ کر طبیعت بحال ہوئی۔ اس لیے اٹھ کر لیا تھا۔

"پریشان مت ہوا۔ زیادہ بولوں کی بات نہیں۔ دو تین دن ہی میں ریلیز دست ہو جائیں گے۔ تمہیں بس اتنا خیال رکھنا ہے کہ یہ بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ جو سامان تمہیں لانے کو کہا تھا لے آئے؟"

وہ اثبات کے ساتھ آگے ہوئے سرائے کے ملازم سے مخاطب ہوئے۔

"یہ سامان ان میں جو کھانا ہے، یہ صرف تمہارے لیے ہے۔ یہ بچے کھچے ہیں۔ وہ کھانا مانگے تو یہ کچھ دینا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ پینے کے لیے پانی مانگے تو تھوڑا سا گرم کر کے دینا۔ ٹھنڈے پانی کا قطرہ بھی اس کے حلق میں نہیں جانا چاہیے۔ قبض ہو سوں بیک ٹھیک ہو جائے گی۔ پھر حویلی ساتھ ہی لے جانا۔ ورنہ وہاں اصیت نکلی تو ہم تمہیں حلہ بھگتوا دیں گے۔ تمہارا جان میں بگاڑ کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ یا سنبھل جائے گی۔ اچھا خدا حافظ۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر اس کی کچھ نئے بغیر بڑی عجلت میں اپنی جیب کی طرف بڑھے۔ جبکہ ملازم کو اشارے سے ساتھ آنے کی سمت متوجہ کیا۔

"یہ کافی ہوگا کے لیے رہے۔ کوئی ضرورت پیش آ سکتی ہے ورنہ جب یہ واپس آئے گا تو ساتھ لے آئے گا۔ تم

جیپ اور ایئر کنڈیشنر سے جوڑ جوڑ ہلا جا رہا ہے۔"

"وہ ہال کمرے میں ہے۔ باہر سے دروازہ چیک کر کے تم بھی آرام کرو۔ تھکے ہوئے ہو گے۔ ساری رات سو نہیں سکے۔"

تیمور علی خاں نے جیپ میں بیٹھ کر باقی ماندہ کھانا مکمل کیا۔ اور جیپ اسٹارٹ ہو گئی۔

"خدا حافظ خان!" اس نے ہاتھ ہلایا۔ اور چاروں طرف پھیلے ہوئے اجاڑ ویرانوں کو دیکھنے لگا۔

"یا الٰہی۔ ابھی کیا کیا دیکھنا ہے اس آنکھ نے؟" اس نے گہرا سانس اندر کھینچا اور پھر آہستہ سے خارج کر دیا۔ ہاتھ بڑھا کر تھرمس اٹھا لیے۔ تھکن اور نیند کا اس قدر غلبہ تھا کہ اسے رتی برابر دلچسپی نہیں تھی کہ ان تھیلوں میں کیا کچھ ہے اس نے دونوں تھیلے اٹھا کر درمیان کے کمرے میں رکھی ایک کرسی پر لٹکا دیے۔

ساری عمارت میں ویرانی کا نشان تھی۔ گزارے لائق بھی سامان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اب کیا فرش ہو رہا تھا اور کیا چھت پھیرنے لگا۔

خیر۔ اور کمرے بھی چیک کرتے ہیں۔

اور سے پہلے اس کی پیکنگ تو کر لی جائے۔ جس کے جیپ کا لے پانی آتے ہیں۔ خدا جانے کون ہے بے چارا۔ کیا شامت آئی ہے؟

وہ ہال کمرے کی طرف آیا۔ دروازے کو بغور دیکھا جو ہلکے سے اجالے میں واضح نہیں تھا۔ بہر حال وہ باہر سے بند تھا پھر بھی اس نے ہاتھ بڑھا کر اطمینان کر لینا ضروری سمجھا۔

پھر وہ باقی کمرے دیکھنے لگا۔

سب سے آخری کمرے میں اسے ایک پلنگ نظر آ گیا۔ سرہانے بستر اور چادر بھی بچھی ہوئی تھی۔ تکیہ بھی رکھا ہوا تھا۔

اس نے پلنگ پر بیٹھ کر تکیے پر ہاتھ پھیرا اور سوچنے لگا کہ یہ بستر استعمال کر لیا جائے یا نہیں۔

پھر اس کا دل مانا نہیں۔ اس نے بستر ایک طرف ہٹا کر تھیس نہ کر کے سر کے نیچے رکھ لیا اور دراز ہو گیا۔ تھکا ہوا جسم اور ذہن تھا۔ چند لمحوں میں غافل ہو گیا۔

عام دنوں میں اس کی نیند کا دورانیہ پانچ ساڑھے پانچ گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر آج آنکھ کھلی تو دن کافی چڑھ چکا تھا۔ وہ معمول سے زیادہ سویا تھا۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ پہلا خیال یہ آیا۔ وہ تیسری رات ہے اب تک بھوکا پیاسا ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے پاؤں میں اپنی پیاری وفادار بھنسالی اور تیزی سے ہال کمرے کی طرف آیا۔

زنگ آلود کنڈی بڑی محنت سے کھلی دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔ اچھا خاصا دن چڑھ چکا تھا مگر کمرے میں کہیں سے روشنی دکھائی نہیں دی۔ جنم جنم کا سماں تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

ہلکی سے آواز اس کے سر سے ہو کر پھاٹک ٹکرائی۔ اور اس قدر پاس ایک [illegible] بند پنکھ کر جیسے اس کی دعوت دی کہ وہ اسے محسوس کر لے۔ اسے چھو لے۔ [illegible] تو وہ اس کی تیزی سے قدرے پیچھے ہٹ گیا۔

"تیری اماں۔" اس نے آواز دی۔

جواب میں وہ [illegible] ہوئی چھائی رہی۔

"اماں کی۔ وہ بہرہ ہو گیا ہے۔ کچھ کھائی تو"

جواب ندارد تھی۔

اب آنکھیں تخت پر لیٹے وجود کو واضح دیکھنے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔ ساری کوشش کے باوجود [illegible] ہوئے تھے۔ ہاتھ اس کی طرف تھے۔

اس نے آہستگی سے اس کا کاندھا ہلایا۔ "اٹھو بھئی۔"

جسم میں اب بھی ذرا سی حرکت نہیں ہوئی۔

اب تھرمس پیٹ ہونا لازمی امر تھا۔ اس نے اس کا ڈھکن سے بچا کر اپنی طرف موڑا۔ وہ ڈھکن کے [illegible] گیا۔ سفید صحیح پانی اس کے سامنے تھا۔ مگر وہ جنگلے سے ماحول میں پہچان نہیں سکا۔

ایک لمحے کو وہ ساکت سا کھڑا رہ گیا۔

پھر فوراً ہی سر جھٹک کر وہ دروازوں پر نظریں دوڑانے لگا۔ تیسرے دروازے پر نظر [illegible] تھے۔ اس نے ایک سے کی [illegible] کھولنا شروع کر دیے۔ دوسرے ہی کمرے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ پلٹ کر لاری کی طرف آیا۔ اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"بھوپر بھائی!"

وہ لاری کو [illegible] چکر لایا تھا کہ فوراً خود پر قابو نہ پا سکا۔ سر جھکا کر رو پڑا۔ پھر جیسے کسی خیال سے چونک پڑا۔ [illegible] کوئی قسم کھائی تھی۔ جو کمزوری اسے محسوس ہوئی۔ اس نے بے ساختہ اس کے دل کی جگہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

ایک گہرا سکون اس نے محسوس کیا۔ دل دھڑک رہا تھا۔ وہ تیزی سے باہر آیا۔ اور پانی تلاش کیا۔ دیوار کے ساتھ [illegible] نظر آ گیا۔ مگر اس پاس کوئی برتن دکھائی نہیں دیا۔ اب کچن تک رسائی ضروری تھی۔ وہ سامنے نظر آنے والے دروازوں کی سمت بڑھا۔ ان میں سے ایک کچن کا دروازہ تھا۔ کچن کیا تھا ایک نظر میں تو بھوت کا گمان ہوا۔ چولہے سے لے کر [illegible] کالا سیاہ تھی۔

[illegible] اور چھت دھوئیں سے اٹی ہوئی تھی۔ چند "قدیم" قسم کے برتن ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ بڑی سی بالٹی میں [illegible] کے گلاس رکھے تھے۔ ایک طرف صراحی تو دوسری طرف لکڑیوں کا گٹھا۔ اس نے زمین پر سے ایک [illegible] اٹھایا۔ اور [illegible] کی طرف آیا۔

جلدی سے گلاس دھویا، پانی بھرا اور بھوسر کے پاس آ گیا۔

پانی کے چھینٹے مارے۔ اشتیاق بھی سوا کیا۔ تولیے سے رگڑے۔ جو بچ کر سکتا تھا، کیے کرائے پر پانی پھیر آ رہا تھا۔ سادہ پانی کے چھینٹے مارے۔

بے کسی کے احساس نے اس کے اعصاب شل کر دیے تھے۔

اس نے اس کی ناک کے آگے ہتھیلی کر کے سانس کی رفتار چیک کی جو بہت کم محسوس ہوئی۔ اسے سانس دینے کا عمل کرنا ضروری تھا۔ اس نے گلاس کا سادہ پانی اس کے چہرے پر انڈیل دیا۔ "اللہ سے حال بے حال، کبھی "لگی" بھی لگے تو پتا چلے۔" اس نے جھلا کر بے ہوش بھوسر کو دیکھا۔ اور دوبارہ گلاس بھرنے واش بیسن کی طرف آیا، جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے واپس ہوا۔

دوبارہ چھینٹے مارے۔ اب اس نے بزرگوں کا نوالہ آزمایا۔ پانی سے ہتھیلی تر کر کے چاندی کی ناک سے ہی لگائی۔ بگڑ کر ہوا کہ سانس کا عمل ہی بے حد سست تھا۔ اسے محسوس ہوا اب بھی نبض سے مس نہ ہوئی۔

پھر پانی اس کے چہرے پر پھینک دیا۔ اور آخری چارے کے طور پر منہ ہی سانس دینے کی تدبیر آزمانا چاہی۔ وہ اگرچہ اس کا دل گوارا نہیں کر رہا تھا۔ مگر حویلی کے بااختیاروں نے اسے قطعی فیصلہ پر جیسے مجبور کر دیا۔

اسے یقین تھا اگر یہ مر بھی گئی تو اسے بچا لیا جائے گا۔ مگر بچنے کے باوجود مسلسل خیانت کاروں کا سا برتاؤ اسے قتل کے الزام کے ساتھ زندہ رہنا تو پھانسی سے بھی بڑی سزا ہے۔ وہ بھی اس شخص کے لیے جس نے کسی کے رخسار پر تھپڑ بھی نہ مارا ہو۔

وہ دونوں ہاتھ تخت پر جما کر اس کے چہرے پر جھک گیا۔

اس لیے بھوسر نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

اور باری کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے کسی پتھر سے ٹکرا کر ہوا ہو۔ وہ ایک دم پورے قد سے کھڑا ہو گیا۔ اس پر بوکھلاہٹ طاری ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پہلا لفظ کیا بولے۔ کس طرح بتائے کہ وہ ایک بے ہوش انسان کی مدد کر رہا تھا۔ بھوسر چند لمحے حیران پریشان آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک دم اٹھ بیٹھی۔ اپنا دوپٹہ سنبھالا اور تخت سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔ چہرے پر بھوک نے عجیب سی پیلاہٹ بکھیر دی تھی۔ ہونٹوں پہ پپڑیاں سے پڑ گئی تھیں۔ مگر آنکھوں میں حقارت کے جذبے نے بڑی قوت بھر دی تھی۔ اس نے فرش پر تھوک دیا اور دوسرے ہی لمحے باری کا گریبان دبوچ لیا۔

"نظری کی بیوی نہیں ہوں۔ داشتہ ہوں۔

وہ کہیے آدھ لیے کہ وہ بازل نہیں ہے۔ اس پر شریعت کے کسی ڈنکن کی پابندی کا اطلاق نہیں۔ جس کا سواحفہ نہیں۔ جس کی بیوی نہیں۔ کسی بھی عبادت کا حساب نہیں۔

پھر اس کا نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟

وہ سب کچھ جانتی ہوئی بھی کیسی بیوی تھی؟ تم اس سے نکاح کے بغیر داشتہ کیوں نہیں بنا لیتے؟ کوئی ایسا دلیل نہیں دی قوت حاصل ہے۔"

باری نے ایک لمحے کی بھی توقف کیا۔ اور پہلی محسوس کی۔ اس نے عبادت کا لبادہ اوڑھے ہوئے بھوسر کو دیکھا۔

"بھابی! آپ پہلے میرا ہاتھ چھوڑیں۔" اس نے اپنا گریبان چھڑاتے ہوئے بھوسر سے استدعا کی۔

"نظری کو مجھے بھابی کہا۔ یہ گالی دیتے ہیں۔ بھلے لگتے ہیں۔ تولیے کی کمی کی بھابی نہیں ہوتی۔"

"تم بھی اپنی بھابی کی بے حرمتی کی جرأت نہ کرو۔"

"بے حرمتی ہو چکی ہے۔ تم کہتے ہو تو پھر سے ہو جاتی ہے۔" اس کی آواز میں عجیب سی نرمی اور اس کی نظروں میں ترحم تھا۔

"جھوٹ بولتی ہے۔ نظری کے کارندے ہو ان سب سے مختلف کیسے ہو سکتے ہو۔ سچ بولتے ہو۔"

بھوسر اچھل آئی۔ اس نے جھٹکا کر ہاتھ چھڑا لیا۔

"آپ بے ہوش نہیں تھیں؟"

"تم بے ہوش کی بھی فوائد اٹھا رہے تھے۔" بھوسر نے جھڑک کر اس کی بات کاٹ دی۔ باری نے بہت عجیب سی الجھن محسوس کی تھی۔ اور اس پر جھلاہٹ بھی غالب آنے لگی تھی۔ لڑکیوں کے ساتھ فلمی مذاق بھی چلتے رہتے تھے۔ مگر اس طرح کی بات کی جرأت بھی آ سکتی ہے، یہ اس کے سان گمان میں نہ تھا۔ اسے اپنی قوت برداشت پر شبہ ہونے لگا تھا۔ مگر ابھی چار و ناچار اسی وقت اس بے وقعت سی لڑکی کا کردار ادا کرنا تھا۔

"مجھے سلمیٰ پاشا سے مت ملاؤ۔ مجھے آتی ہے مجھے آپ سے۔ آپ صرف یہ بات منہ سے نکالیں مجھے اس طرح ذلیل کرنے کا کیا حق نہیں رکھتیں۔

آپ کو معلوم ہے آپ کتنے گھنٹوں سے غشی یا بے ہوشی کے عالم میں تھیں۔ اور یہ کہ اس وقت کیا بجا ہے؟ ڈاکٹروں کی ٹیم آرام فرما کر چلی گئی ہے۔ میں صبح پانچ بجے سے یہاں ہوں۔ اور آپ گھنٹوں سے بے ہوش۔

تم آرہی ہے مجھے آپ سے یہ بات کہتے ہوئے۔ کہ اس وقت آپ بے ہوش تھیں۔ اب ہوش میں ہیں۔ شاباش ٹھنڈا پانی۔ لے لیجیے اپنا چائنہ اور دیکھ لیجیے آپ کے ساتھ کیا کیا گیا ہوا۔ آپ کا گناہ آپ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ اب کہیے کہ آپ نے اپنے الفاظ واپس لے لیے۔" اس کی نظروں سے خون چھلکنے لگا۔

"کیوں لوں میں اپنے الفاظ واپس۔ ہوا نہیں تو کیا ہوا۔ ہو سکتا تھا۔ وہ تو اللہ نے مجھے بچا لیا۔" بھوسر کے لہجے میں غراہٹ کا زہر گھلا ہوا تھا۔

"آپ شکر ادا کریں جو بھوکی کمزور نہ ہوتی تو آپ کی بوٹیاں نوچ کھسوٹ لی جاتیں؟ کی ہوتی کوئی بڑی حماقت بڑے خانوں سے۔

آپ کی سانس بہت کم ہو چکی تھی۔ اور میں اس حویلی میں جادو کے زور پر کوئی آکسیجن سلنڈر نہیں رکھ سکتا۔ جس

طرح نا سمجھی میں سردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔ کچھ اسی طرح کا عمل تھا۔ اب آپ یقین کریں یا نہ کریں۔

باہر دو تھیلوں میں کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ آپ استعمال کر سکتی ہیں۔ حالانکہ مجھے بہت سے کہ آپ باہر کچھ کھانے کو منہ یا جائے۔ ویسے آپ نے کھا لیں تو بہتر ہے۔

شاید اس طرح آپ واقعی مر جائیں۔ یوں بھی ایسی زندگی کا کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے افسوس ہوا اپنے کو بچانے کی کوشش کیوں کی؟ میں نے اس سے زیادہ بدصورت چہرہ آج تک نہیں دیکھا۔"

بھورے بالوں والی عورت کو تخت پر لٹانے میں مشکل پیش آئی تھی۔ مسلسل قوتوں کا اثر تھا اس لیے اب پھر چکر آنے لگے۔ اس وقت تو جسمانی قوت نے جیسے انجام دیا تھا۔ مگر نقاہت کے سبب یہ کیفیت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔

اس نے تخت پر رکھا گلاس اٹھا کر اندر جھانکا۔ بہت تھوڑا سا پانی تھا۔ اس نے بے تابی سے گلاس منہ سے لگا کر اس میں انڈیلا۔

عجیب سے ذائقہ والا۔ نمکین سا پانی۔ مگر اسے یوں لگا جیسے بہشتی مشروب ہو۔

پانی حلق میں پڑتے ہی جیسے کسی برقی قوت نے اندر اپنا کام شروع کر دیا۔ وہ کچھ دیر اسی طرح تکیے پر گرا سانس لیتی رہی۔ پھر گردن موڑ کر دروازے کی سمت دیکھنے لگی جیسے یقین نہ آ رہا ہو کہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔

پھر آہستہ سے اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی باہر آ گئی۔ باہر آتے ہی چند لمحوں کا تماشا دیکھا۔ دونوں مرد پوری طرح روشنی سے روشن تھے۔

اس نے کچھ دیر سوچا پھر بالائی کی سمت کا راستہ اختیار کیا۔

باہر آ کر سب سے پہلے اس کی نظر ونڈ پمپ پر پڑی۔ وہ سیدھی دیر آئی۔ اور پمپ چلا کر ایک ہاتھ سے منہ پر پانی چھینٹے مارنے لگی۔ ٹھنڈے پانی کے احساس نے سارے وجود کو تقویت پہنچانا شروع کر دی۔ وہ مسلسل منہ پر پانی مارتی رہی۔ نہ جانے ایک دم کیا ہوا۔ پمپ سے پیشانی لگا کر بھوت بھوت کر رونے لگی۔ ہچکیاں تھیں کہ رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔

کافی دیر سسکیاں لیتی رہی۔ پھر وہ یاد و پھر سے پر پانی مارنا شروع کر دیا۔

اور بعد میں اس نے پلٹ کر بلوچ لگا اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ جیسے اٹھنے میں بڑی دقت پیش آ رہی ہو۔

ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ واپس چل پڑی۔ راہداری سے گزرتے ہوئے درمیان کے کمرے میں کوئی بڑے سے بیگ اسے دکھائی دیے۔ کانوں میں ہاری کے الفاظ گونجے۔ وہ جیسے نئے سرے سے زندہ ہو گئی۔ بیگ کی طرف بڑھتے قدموں میں خاصی تیزی آ گئی۔ اس نے بیگ کھول کر اشیاء دیکھنا شروع کیں۔

بسکٹ کے پیکٹ، جیمز، فریٹل، ویل امرنائٹ ڈبوں میں کھانا۔ ڈبل روٹی کے پیکٹ۔ جیلی اور ساسیج کی بوتلیں۔ اور جانے کیا کیا۔ وہ جیسے ایک دم حواس باختہ ہو گئی۔

پہلے تو خان نے اس کے لیے کھانا لایا ہے اور یہ کافی ہو سکتا۔

پھر یہ بیگ اپنے ساتھ لایا ہوگا۔ اسے بہت اچھا پتے کی عادت ہے۔ خان بے کام سے آیا ہے۔

اس نے ڈبل روٹی نکال کر اگلی سے جیلی لگا کر جلدی جلدی منہ میں ٹھونسی۔ جیسے چھین لیے جانے کا خطرہ ہو۔

پھر بیگ کو وہیں چھوڑ کر باہر آ گئی۔ اس نے بھی ایک بیگ اٹھایا اور کمرے سے باہر آ گئی۔

راہداری میں کہیں کھانا نہیں تھا۔

وہ واپس کمرے میں جانے کے بجائے راہداری میں سیدھی چلتی گئی۔ مجھے یاد نہیں۔ اس لیے یوں ہے آ رہا تھا۔ وہ دائیں بائیں بھی دیکھ نہیں رہا تھا۔ جہاں راہداری ختم ہوتی تھی۔ وہاں ایک بڑا سا دروازہ تھا۔ جو کھلا ہوا تھا۔

اچانک اس کی نظر کھڑکی کے طویل شیشے پر پڑی۔ جس کا دوسرا کنارہ تھا ہوا تھا۔ کھلی ہوئی کھڑکی کے اندر سے جانے والی ہوا کا لمس محسوس کیا۔ ایک نظر اپنے بیگ پر ڈالی اور احتیاط سے ہوا کی سمت دیکھتی چلتی گئی۔ اس سے قبل کہ کھڑکی کے دروازے سے ہوا قدم رکھتی۔ اس کا بازو کسی فولاد کے شکنجے میں تھا۔ اس کے حواس بے اختیار چیخ اٹھے۔

"تشریف لے چلیے۔ اور آئندہ اس قسم کی کوئی بہادری دکھانے کی کوشش کی تو نتیجے کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی۔"

ہاری نے اسے کھینچ کر اندر کیا اور دروازہ اس سے دلیلی اور بند کر دیا۔

"شاید مجھے آپ سے ہمدردی ہو جاتی۔ مگر اب نہیں ہو سکتی۔ کوشش کیجیے گا جب تک میں یہاں ہوں، آپ میرے سامنے نہ آئیں۔"

اس نے دروازے میں تالا ڈالتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

"اپنے الٹے ہاتھ کی طرف دیکھیے۔ یہ کٹے ہوئے ہیں۔ حالانکہ نہیں کھانے کا حکم ہے۔ اب میرا خیال ہے آپ کا روزہ نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے اس سے پہلے آگے بڑھ گیا۔ وہ کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی۔

اسے بچنے کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے۔ کیا میں نے اس کی اصلیت دیکھ لی تھی۔ اس کے لہجے میں انکار سے بچنے لگے ہوں۔

اگر قدرت نے مجھے موقع دیا۔ پہلی فرصت میں اس کے منہ سے نقاب نوچ لوں گی۔

ہال کمرے میں تو جیسے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ وہ دوبارہ راہداری میں آ گئی۔ پھر کچھ سوچ کر کچن میں چلی آئی۔

وہیں کی کارگزاری دیکھ کر تو جیسے اس کی وحشت اور بڑھ گئی۔ اس نے پڑے ہوئے برتن سنک اور ونڈ پمپ کی طرف آئی۔ اور ایک برتن میں ملی لے کر برتن رگڑنے لگی۔

جونکہ اس کا ذہن ماحول کی طرف منتقل ہو گیا۔ پھر ہی وہ ہوش کا عالم تھا۔ اس پر سے غصہ اور نفرت کے دورے پڑتے

کو اس کی کائنات کے خدا نے جہاں اور سناٹے میں عجیب قسم کی ہمکناری محسوس ہوئی تھی۔

تنہائی اور بیابانی کو ستا گھبراتا تھا کہ بچوں کے لیے اس کے ہاتھوں کی گرفت خود بخود ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ فلسفیانہ انداز میں ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

پھر اسے ایک دم ہاری کا خیال آیا۔ وہ کہاں پھر سے دوان ہو گئی۔ وہ بار بار تین تین کر کے کہنے لگی۔

مگر وہ تو نہیں ہے شاید۔ وہ کیا میرا انتظار کرے گا۔ اس سے تو اکثر کہتے ہیں اچھا وہ جو ہمکنار تھا۔ نور علی خاں اسے کہہ رہے تھے۔ بہت جی کو لگی ہے کہ بے خان کی۔ وہ ہنسی سے مسکرائی۔

ایا تک اس کی نظر ایک چھوٹا سا پتھر پر گئی۔ برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زور سے گرا۔

وہ خوفزدہ ہو کر کھڑی ہو گئی اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔ مگر کوئی دکھائی نہیں دیا۔ وہ بھی ہوئے اس نے برتن اٹھانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ پھر ایک کنکری اس کی پشت پر پڑی۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ وہ پرلی چٹانوں کی دیوار کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیا۔ وہ خاصی دیر اسی طرف دیکھ کر کے اپنے کو تسلی دیتی رہی مگر کچھ نہ ہوا۔ بلا خر وہ بیٹھ گئی۔ مگر ذہن بہت الجھ گیا تھا۔

ہری کچھ اس نے خود آخری کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اگر وہ باہر آتا تو سامنے سے آتا۔ ضرور پیچھے ہوا ہے۔ وہ گم صم سی بیٹھی سوچتے لگی۔ پھر ایک نرم سی چیز دھپ سے اس کی کمر سے ٹکرائی۔

اس نے مڑ کر کے لگنے والی چیز کو دیکھا۔ سیاہ رنگ کا بلی کا مردہ بچہ تھا جس کی جبڑا کھلیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ اس کی چیخ نکل گئی۔ وہ بھاگتی ہوئی اس کمرے کی طرف آئی جہاں ہاری کو داخل ہوتے دیکھا تھا۔

ہاری ایک موٹی سی کتاب چہرے کے سامنے کیے پڑھ رہا تھا۔

"ہاری۔ پتا نہیں کون مجھے بہت دور سے تنگ کر رہا ہے۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"تو آپ سے کس نے کہا ہے آپ جزیرے میں چہل قدمی کریں۔ یا کر لیجیے اپنے تنگ کرنے والے پر۔" اس نے چہرے کے سامنے سے کتاب ہٹائے بغیر بے رخی سے جواب دیا۔

"وہ جو کوئی بھی ہے تمہیں بھی پریشان کر سکتا ہے۔" وہ بگڑ گئی۔

"اوہ شٹ اپ!" وہ جھنجلایا اور خود ہی سمٹ پلٹ دیا۔

"جائیے آپ یہاں سے۔ فی الحال آپ نہیں مریں گی۔ اطمینان رکھیے۔"

وہ سخت کالی واپس ہیٹ بیچ کی طرف آ گئی۔ اس کی آواز سن کر کم از کم دوسرا ہنسنا تو ہو گیا تھا۔ مگر وہ پہلے والا قہقہہ معدوم ہو گیا تھا۔ اس نے ذرا پرے برتن اٹھایا اور رخ تبدیل کر کے واپس جانے لگی۔ اب جزیرے کے مقام کی طرف اس کا چہرہ تھا۔ اب وہ برتن کی طرف کم اور جزیرے کی طرف زیادہ متوجہ تھی۔

سوئم سے اگلے دن صبح کی ملاقات سے ہی انہوں نے واپسی کا سفر اختیار کر لیا تھا۔ بیگم رانی ابھی تک ہوش اور حواس کے

بارے کہا جا سکتی تھیں۔ مگر ہاری کی ماں کی بیکلی سمجھ میں آتی تھی جو وہ اور ان کے ساتھ والے لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے۔

رانی نے دبی زبان سے ان کے حضور درخواست بھی پیش کی تھی کہ وہ اسے کچھ دن خاور کے پاس رہنے کی اجازت دے دیں۔ جس کا جواب انکار یا اقرار کے بجائے کی گہری خاموشی کی صورت میں دیا گیا تھا۔

اس وقت جہاں کے سوگوار ماحول سے فیصلہ کیا جا سکتا تھا؟

یہ کہیں آ جا سکتی ہے۔ اور وہ بھی میرے انفرنٹ کرنے پر۔ تنہا ہی یہ چھٹیاں گزار لے جائے تھکان دور ہو جائے گی۔ اس سے بہتر ہے کہ تم تسلی بخش کر لیں بہتر کر دیں۔ اگلی دفعہ موسم سرما کا کچھ عرصہ وقت ہم کراچی میں گزاریں گے۔"

"اگلی بار میں نہ جانے کتنا وقت ہو گا۔ میرا مطلب ہے بچا۔" وہ دبی طرف تو تین سیلنے زور سے سر ہلاتی ہے۔ یہ بیٹھ اگ کر اپنی سے جاتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں۔"

"ابھی وقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔" انہوں نے اپنے دل کی اندر میں جواب دیا تھا۔ اگلے سال کی محفل ہی منعقد ہو گی تھی۔

پانیں۔ پانی کی آنکھیں۔ بعض اوقات یہ آنکھیں (سرخ) کیوں ابلتی ہوتی ہیں۔ ان کے اندر موجود ثرات سے اس کا بھولا سا دل دھک سے رہ جاتا تھا۔

جب اوسا رائیڈ ایزی چیئر پر بیٹھ کر آنکھیں بند کیے تھے۔

اس وقت گھر میں داخل ہوتے ہوئے وہ بیرا جہان کے مرحلے میں آ گئی تھی۔ رانی کو سخت بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سیدھی خاور اپنے بیڈ روم کی طرف تو رانی سیدھی کچن میں پہنچ گئی تھی۔

"کوئی ابھی چیز ہے کھانے کی۔ مرے واری۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔ فلیٹ میں تو بس کھانے کی ٹرالی لگ ہی ٹرالی ہوتی ہے۔ لیمنٹ تو ڈرائنگ ہوتا۔" وہ پیا تھا کر کرسی کی طرف بڑھی۔

"آپ کو وہ منٹ انتظار کرنا ہو گا بے بی۔ میں بنا کے سرونگ کر دیتا ہوں۔" خانساماں نے مؤدبانہ خدمت کی۔ اور بیل کی سمت اشارہ کیا۔

"مگر تم پہلے کھانے والے کا تو پیچھا چھوڑو۔ بعد میں جانے دینا۔"

"میں سر کی بات نہیں کر رہا ہوں بے بی۔ ان کے والد صاحب کی بات کر رہا ہوں۔" خانساماں نے وضاحت کی۔

رانی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "ہا—— ڈیڈ صاحب!!!"

☆—☆—☆—☆—☆—☆—☆

"کب آئے؟" اس کی توجہ فوراً ہی اڑ گئی۔

"صبح تو بجے آئے تھے۔" خانساماں نے جواب دیا۔

"انہوں نے ہمارے بارے میں پوچھا ہوگا، پھر تم نے کیا جواب دیا؟" روشی بہت پریشان ہو گئی۔

"سر نہیں کہہ کر گئے تھے کہ کوئی بھی پوچھے تو کہنا بتا دو گئے ہیں ضروری کام سے۔" خانساماں نے ادب سے جواب دیا۔

روشی نے سکون کا سانس لیا۔ "اچھا!"

"مگر بی بی کو کیسے پتا چلا کہ ہم کراچی میں ہیں؟" وہ سوچ کر نئے سرے سے پریشان ہوئی۔

"ہمارے جانے کے بعد ہماری کوئی آواز آئی تھی کیا؟" اس نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

"ہماری؟" خانساماں سوالیہ انداز میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"بھئی ہماری — ہم کو نہیں جانتے۔ ہر وقت تو ٹیلی فون کی بیلوں میں دماغ کھپتا رہتا ہے۔" وہ جھلا کر بولی۔

"جی!" خانساماں کچھ پریشان سا دکھائی دیا۔

"تمہارا بھلا ہو، اچھا چلو تم بابا صاحب کو چائے دے کر میرا کھانا تیار کرو۔ میں باتھ روم میں ہوں۔"

وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی — خانساماں بے کام کے مقام کی طرف بڑھ گیا۔

وہ واش بیسن کی طرف بڑھی تو باہر سے یاور علی خاں کے بولنے کی آواز سنائی دی۔

"میں؟" یاور علی خاں کی بھاری آواز سنائی دی۔

وہ جلدی سے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

"بیٹا! آپ کو کچھ پتا ہے بابا صاحب آئے ہوئے ہیں، اگر وہ آپ کو کچھ کہیں تو کہہ دیجئے گا کہ آپ نے صبح کی فلائٹ پکڑ لی ہے۔ پہلے سلام کر لیجئے گا۔ انہیں اور کہاں جانے کا پتا بھی ہے یا نہیں، ہو سکتا ہے انہیں پتا بھی نہ ہو اور پتا مگر یہ بات بھی تو چل رہی ہے کہ ہماری بی بی کیسے پتا چلا کہ ہم کراچی گئے ہوئے ہیں۔ اس نے مجھے وہاں فون کیا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ اسے پتا ہے بلکہ ہمارے لوگوں کو بھی پتا ہے، انہیں کیسے پتا چلا؟ بلکہ انہیں تو یہ بھی پتا ہے کہ وہ جان کی امان ہو گئی ہے۔ انہیں کس نے خبر دی، تجربے کی بات ہے۔ یہ تو بڑا خطرناک کھیل شروع ہو گیا ہے۔ ہاں —!"

یاور علی خاں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ اسے جیسے دھچکے لگنے لگے۔

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، بات زیادہ سے زیادہ ہو گی —" وہ جان بوجھ کر فضل کے ارادے سے ادب سے کترا کر نکل رہے تھے۔

"مگر بابا صاحب —!"

"میں نے کہا ناں، کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ جب مسائل حل کرنے کے لیے والدین موجود ہوں تو بچوں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔" انہوں نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"سمجھیں، مگر آپ والدین تو کہا کریں۔ صرف والد ہی کہا کریں مجھے وہ اچھا آتا ہے۔ ہمیں کیا پتا، والدہ کیا ہوتی ہے؟" اس نے روہانسی آواز میں کہا اور باہر آ گئی۔

اس کا رخ پھر کچن کی جانب تھا مگر اس مرتبہ چال میں وہ بیباکانہ دلکشی نہیں جھلک رہا تھا۔

مطرب کا وقت اور ہاتھ اور وہ بھاری بھرکم باورچی خانے میں خاتمین جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جھومر کی والدہ ماجدہ پر تاثرین کی بجلی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی ہو گی۔

وہ تیزی سے اپنے رہائشی کمرے کی طرف آیا جہاں گلبار کی طاقت ور روشنی رکھی ہوئی تھی۔ تاریخ اٹھا کر وہ چل کرے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر کیے بغیر پہنچا تھا۔ اس نے تاریخ کی روشنی کرے میں چاروں طرف پھینکی۔ جھومر وہاں موجود نہیں تھی۔

سلاس نے محسوس کیا، کپڑوں کے بھیگنے میں کوئی خاص بات ہے۔ اس کا ماتھا ٹھنکا، وہ بیرونی دروازے کی طرف لپکا مگر دروازہ کھلا اور جھومر اندر داخل ہوئی۔

جھومر چلا دوں بتانے بہت حیران و پریشان سی بے ہوش پڑی تھی۔

جان جل کر خاک ہو گئی، پھر بے ہوش — وہ اس کے نزدیک فرش پر بیٹھ گیا۔

جگہ کیوں تھی اور بے ہوش کیوں ہوئی تھی؟ اب یہ سوال ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اسے وہ منظر بھی یاد آ گیا جو اس نے کوٹھی کی چھت پر دیکھا تھا۔ مگر بظاہر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

اس نے بادل خواستہ اس کی نبض چیک کی اور جیسے جل کے بلبلے ہوا میں گم ہو جاتے ہیں، اس کی کلائی چھوڑ دی۔

اس کی کلائی سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے کلائی پر روشنی پھینکی۔ کلائی خون سے سرخ تھی۔

خود کشی کا ایک خیال اس کے ذہن میں آیا اور اس کے ساتھ ہی پھر ایک ایک واقعہ اس کے ذہن میں گردش کر گیا۔

اس نے بارش ایک طرف رکھ کر اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ وہ کراہا اور بے ہوشی سے اس کے دل کی کیا حالت تھی۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ احتیاط سے اسے ہال کمرے کی طرف لایا اور تخت پر لٹا دیا۔ اور بچوں سے چھلکتے بلبلے سے اجالے میں اس کی کلائی پر پٹی، رومال باندھ دیا۔

قدرے مایوسی اور حسرت کی حالت میں پانی لینے اندرونی احاطے میں آیا۔ باورچی خانے سے گلاس لیا جس کی حالت بہت بہتر ہو چکی تھی۔ جو سراسر جھومر کے دوہرے کا نتیجہ تھی۔

وہ پمپ سے ایک چھلکے میں گلاس بھرا اور ہال کمرے کی طرف واپس آ گیا۔ اور اس کے منہ پر چھینٹے مارنے شروع کیے اور اس کی قربت کی اشتعال انگیزی۔ جب تھوڑی ہی دیر میں جھومر نے آنکھیں کھول دیں۔

"بڑی ڈینگ مارتی ہیں، بس اتنا ہی حوصلہ ہے، جب کلائی کاٹ ہی لی تھی تو چیخ مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ خاموشی سے مر جاتیں۔ جب مرضی سے مرنے ہیں تو چیخے نہیں ہیں۔" اس نے گلاس وہیں اس کے قریب رکھ دیا اور واپس کے ارادے سے پلٹا۔

"باری!" جھومر نے جیسے سسکی بھری۔

"فرمائیے۔" وہ بغیر پلٹے رکا اور بولا۔

"باری! میں مر رہی ہوں۔" اس کی آواز بھرا رہی تھی۔

"میں کیا کر سکتا ہوں، مرضی ہے آپ کی۔ ویسے بھی ایسی حسین بھری زندگی کا کیا فائدہ؟" نہ جانے اتنی تلخی اس میں کہاں سے آ گئی تھی۔ اس نے قدم بڑھا دیے۔

"باری! کیا وہ کالا کتا پاگل ہے؟" وہ سسک رہی تھی، کہا رہی تھی۔

"آپ سے مطلب؟" وہ اجنبی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"روشی ٹھیک کہتی ہے۔ حویلی کے آسیب ہو تم، انسان نہیں ہو۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

روشی کے ذکر پر اس کے دل کو کچھ ہوا۔ اس نے پلٹ کر روتی ہوئی جھومر کو دیکھا۔

"میں جو کچھ ہوں، اس سے آپ کو یا روشی یا کسی کو بھی کوئی دلچسپی نہیں ہونا چاہیے۔"

"باری! خون بہت بہہ رہا ہے۔" وہ ہذیانی طرح رو رہی تھی۔

"آپ کا کوئی بھی مرنے سے پہلے مصنوعی نہیں فکر کرتا۔ میں طریقہ کار کے صفحات میں ہوتا ہے۔" وہ مڑ گیا۔ وہ رکا۔

"میں کا خون کا خون کرنے جا رہا ہوں، ضروری کھیے میں۔ بلکہ وہ ہو چکا ہے۔"

"خدا کے لیے مجھے تنہا چھوڑ کر نہ جاؤ۔ میں نے کلائی کی رگ نہیں کاٹی ہے، بلکہ ایک چھوٹا سا بلیڈ ہے۔ جسے میں ہمیشہ اپنے پاس رکھتی ہوں۔" وہ چیخ کر بولی۔

باری کو چکر آ گیا۔ "اوہ کلائی کا الیکٹرک حصہ۔" وہ جذباتی سے ہو کر اٹھا لے ٹیبل سے آگے بڑھا۔

"باری ——— پلیز!"

"بڑا ہوں، روشی سنبھالے رکھیے۔" اس کے لہجے میں خاصی تلخی آ گئی۔

چند لمحوں کے بعد وہ واپس آیا۔

"وہ کہاں گیا ہے؟" اس نے باورچی کی روشنی اس کے چہرے پر ڈالی۔

جھومر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اور شلوار کا پائنچہ اوپر کیا۔ پنڈلی کھل گئی تھی۔ اس نے پائنچہ اور اوپر کھسکا لیا۔

"اچھا ——— ابھی ٹھیک ہے، اب جلدی سے اکھیے۔ میں گاڑی کی چابی لے کر آتا ہوں۔ یہاں تو سریع طبی امداد بھی نہیں ہے، جھومر کے کلائی کا فوری علاج کیا ہوتا ہے کہ خون بہنا بند ہو جائے۔ پھر سریع گاڑی جائے جھومر کو ٹھیک ہسپتال۔

"نہ باری! کوئی گھر بھی نہیں ہے، جلدی سے ہو آئیے۔ میں آ رہا ہوں۔"

"مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا۔ سر میں دھماکے ہو رہے ہیں۔" اس نے بے بسی سے سر تھام رکھا تھا۔

"مگر میں یہاں کسی کو آخر کو نہیں چھوڑ سکتا۔" اس نے صلاح دی خواہ مخواہ۔

"مجھے تھوڑا سا سہارا دو، مجھے چکر آ رہے ہیں۔" اس پر ابھی تک گویا غنود طاری تھا۔

"آ ہوں ابھی۔" اس نے آہستگی اور ضرورت مندی سے کہا اور چابی لینے اپنے رہائشی کمرے کی طرف آیا۔ تو جھومر اٹھا ہو چکا تھا۔ وہ باورچی کی مدد سے اپنا کام کر رہا تھا۔ جھومر سے چابی اٹھائی ہال کمرے میں واپس آ کر اس نے ہاتھ میں تھامی اور جھومر کا سہارا اٹھا اس کی سمت بڑھایا۔

"آئیے۔"

جھومر نے اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی نظر انداز کر کے اس کا سہارا لیا اور بوجھ کے انداز میں قدم اٹھایا اور پاؤں تخت سے لٹکا کر بیٹھ گئی ہوئی۔ وہ تھکے تھکے انداز میں قدم آگے بڑھا رہا تھا۔ ایک طرف سے صرف اپنے بازو کی حد تک وہ اس کی مدد کر رہا تھا۔ باقی سارا بوجھ جھومر پر تھا۔ اس نے تو اپنا بازو چھڑانے کی اجازت بھی گویا اس طرح دی تھی، جیسے احسان سا کر رہا ہو۔

جھومر خود کو سنبھالے ہوئے اس کے قدم سے قدم ملا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی سمجھ میں بہت تکلیف دہ تھی۔

بمشکل اس کو اسٹریٹ تک لایا۔ کار کا پچھلا دروازہ کھول کر اسے احتیاط سے بٹھایا اور دروازہ بند کرتے ہوئے گیا۔ جھومر بے دم انداز میں سیٹ پر لیٹ گئی۔

ہارون ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا تو جھومر کی سسکاریاں گاڑی کے اندرونی ماحول کو بوجھل بنا رہی تھیں۔ اس نے چاہا کچھ کہہ کر کار کی اندرونی فضا کو آسان کرے لیکن اس کا ذہن ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

"شاید قصبے تک پہنچتے پہنچتے میں زندہ وسکون اور راستے ہی میں مر جاؤں۔" جھومر کراہ کر بولی۔

"تو پھر جلدی جلدی اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیں، مجھے آپ سے کوئی ہمدردی محسوس نہیں ہو رہی۔ میرا آپ کو پہلے ہی خبردار کر دینا تھا کہ کسی بیوہ خاتون سے۔" اس نے خاصے بے رحم لہجے میں جواب دیا۔

"تم خانوں کے کارندے ہو۔ تم میں انسانیت ہو بھی کیسے سکتی ہے۔" جھومر نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

ہارون نے نچلا ہونٹ دبا کر جیسے خود پر ضبط کیا۔ گاڑی باہر آئی تو خود بھی گاڑی سے نکل آیا۔ چابیاں جیب میں ڈال کر واپس گاڑی تک آیا اور ایک سرسری نظر پیچھے لیٹی جھومر پر ڈالی اور دروازہ بند کر دیا۔ کھٹاک سے دروازہ بند کر لیا۔

"ہارون!" جھومر نے سسکاری بھری۔

"جی۔"

"ایک بات کہوں؟" وہ جیسے بہت اذیت میں بول رہی تھی۔

"بہتر ہے نہ کہیں اور خاموش رہیں۔ بولنے سے بھی خون زیادہ بہتا ہے۔" اس نے تلخی سے جواب دیا۔

جھومر شاید بات کی گہرائی سمجھ گئی تھی۔ ایک دم چپ ہو گئی۔

گاڑی نہایت ویران اور اندھیرے راستوں سے گزر رہی تھی۔

کھانا کھا کر وہ سو گئی تھی۔ نیند بھی اس قدر ٹوٹ کر آئی تھی، جیسے کئی دنوں سے سوئی نہ ہو۔ مغرب کی اذانوں کے وقت ملازم نے دروازے پر دستک دے کر اسے جگایا تھا اور وہ گھڑی پر نظر پڑتے ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

اتنی دیر ہو گئی۔ بابا صاحب کیا سوچ رہے ہوں گے کہ سلام بھی کرنے نہیں آئی۔ باپ کے پاس آ کر دل گھبرا گیا۔

وہ جلدی جلدی وضو کر کے جائے نماز بچھانے لگی۔ عبدالرحمٰن کا سادہ سوتی سوٹ نکال کر باتھ روم میں ٹنگی گرم شال میں بھی زیادہ دیر نہیں لگائی۔

البتہ تراشیدہ بالوں کو سنبھالنے سکھانے میں تھوڑی دیر ضرور لگی، پھر دوپٹا اوڑھ کر باہر آ گئی۔

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سارے گھر کی لائٹس آن تھیں۔ ملازمین کی ملی جلی آوازیں، اذان کی گھنٹیاں، ماں کے کوارٹر سے آتی ٹی وی کی پروگرام کی آوازیں، دائیں طرف ملازمہ کی بیوی کے کوسنے جو اس کے بچوں کی شرارتوں کے ساتھ وقوع پذیر ہوتے تھے، اکثر بیشتر اس کے کوارٹر سے نشر ہوتے رہتے تھے۔

اس نے ماحول پر توجہ دی تو بے ساختہ مسکراہٹ اور سوچ کی باپ کے بچپن کے کتنے قصے اس نے سنے تھے۔ کتنی بار ان کو دہرایا ہوگا۔

"میں؟" دروازے کی دستک آواز آئی۔ شاید انہیں کسی ملازم کا گمان تھا۔ وہ اٹھ آئی۔

ہارون خان۔ ہوٹ ہاتھ میں لیے پورچ لائٹ کی روشنی پر کھڑا سوچ رہا تھا کہ کیا کہہ کر اس کو مخاطب کرے۔ اس نے دروازہ کھولا تو اسے دیکھ کر ہارون خان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"آؤ بیٹے! بہت سوتی ہو۔"

"پاپا کہیں چلے۔" وہ شرمندہ ہی ہو گئی۔

"میں آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ میں بابا صاحب کو سلام کرنے جا رہی ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ہم کلام کرنا چاہیں تو کسی کے ہاتھ بلوا لیجیے گا۔ پتا نہیں آپ سے ان کی کیا بات ہوئی ہوگی اور میں کیا کہہ بیٹھوں۔ ٹھیک ہے نا؟"

ہارون خان بے ساختہ مسکرا دیے۔

"وہ بی بی اتنی سمجھدار ہو گئی ہے، اللہ جانے خدا آپ کہاں پر شادی کرے گا۔ کوئی ترس کھا لے آپ سے؟ جائیے سلام کر لیجیے، دیر نہیں ہوگی۔" انہوں نے نرمی سے دوبارہ اذن کر دیا۔

"آپ چل رہے؟" وہ جاتے جاتے پلٹ کر رکی۔

"ہوں!"

"ہار ہار تو نہیں ہیں؟" اسے جانے کیوں ڈر سا لگ رہا تھا۔

"نہیں بی بی! وہ ساری احتیاط اس لیے تھی کہ واپسی میں کوئی مداخلت نہ ہو۔ اب ہم ہو کر آ چکے ہیں۔ بس، بات ختم۔"

"مجھے کس پتا؟" اس کے سر سے بوجھ سا ہٹ گیا۔

وہ آہستہ پُرسکون انداز میں بابا صاحب کے کمرے کی طرف آئی اور دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ۔" بابا صاحب کی بارعب آواز ابھری۔

وہ اندر آ گئی اور ہاتھ پیچھے کر کے ساتھ ہی دروازہ بند کر دیا۔

"السلام علیکم بابا صاحب!" اس نے ڈرتے ڈرتے ان کا چہرہ دیکھا۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہے ہماری بیٹی، باپ کے پاس پہنچتے ہی دادا کو بھول گئی۔ بھئی ہمیں تم بہت یاد آئیں۔ بچی پر بھروسا جما آئے گا بہادر بھی تم ہو۔" وہ مسکرا رہے تھے۔

وہ تو جیسے گرتے گرتے بچی۔ بڑے حیرت کے اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ہہ— میں بھی آپ کو یاد کر رہی تھی۔" اسے اس یہی جملہ سوجھا۔

"آؤ ذرا ادھر ہمارے پاس بیٹھو۔" انہوں نے اپنے بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

بیڈ سرہانے تھا وہ بمشکل ٹانگ لٹکا کر بیٹھ گئی۔ اسے لگا وہ کیسے تو کوئی بھی نہیں بھولا۔ نہ انہوں نے یہ عادت، اولاد میں کسی کو ڈانٹا تھا۔

کسی نے کی تھی۔

وہ گھڑی دیکھ کر پریشان ہوتی رہی۔

"آؤ بیٹی!" وہ پھر مخاطب ہوئے۔

وہ ہچکچاتی ہوئی ان کے نزدیک پلنگ کی پائنتی پر بیٹھ گئی۔ وہ اس طرح تکلف سے بیٹھی تھی جیسے موقع ملتے ہی بھاگ جائے گی۔

"مگر کیا بات ہے بیٹی! تمہارے باپ کی موت کا سن کر افسوس ہوا اور اس بات کا زیادہ کہ تم ایک بار بھی اپنے باپ سے ملنے نہیں آئیں۔" انہوں نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

"ایک بات کہوں بابا صاحب! اگر آپ ناراض نہ ہوں، مگر مجھے لگ رہا ہے آپ ناراض ہو جائیں گے۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"تم کہو، ہم ناراض نہیں ہوں گے۔" اس کا لہجہ ان کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ لہجے سے ناراضی کا تاثر اور آواز میں پشیمانی کی لکیریں گہری ہو گئی تھیں۔

"آپ چاہتے تو میں زندگی میں کبھی بار اپنے باپ سے مل سکتی تھی۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا تھا۔

بابا صاحب نے سینے میں سے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"بیٹی! ہمارے چاہنے نہ چاہنے کی بات نہیں تھی۔ تمہارا باپ نہیں چاہتا تھا۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ سے ہلکا سا دباؤ بھیجتے ہوئے جواب دیا۔

وہ سر نفی میں ہلا کر بابا صاحب کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اسے یہ سوچ کر شرم آئی کہ بابا صاحب کو بھی بہت برے لفظ استعمال کرنے کی ضرورت پیش آ گئی ہے؟ کتنے آرام سے انہوں نے صاف ان کے باپ پر رکھ دیا۔

اگر وہ نہیں چاہتے تھے تو پھر اب کیوں لے کر گئے تھے۔ غلط سوال ذہن میں آیا۔

"وہ کیوں نہیں چاہتے تھے؟" اس کے منہ سے سوال پھسل ہی گیا آخر۔

"کافی دار بیٹیوں سے زیادہ سوال جواب اچھے نہیں لگتے۔ ہم نے ان سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔" بابا صاحب نے ڈپٹنے کے انداز میں جواب دیا۔

تو پھر اب کیوں؟ پوچھنے کو کہ پہلے کیوں نہ چاہا اور اب کیوں چاہا؟ اس کے اندر کی لڑکی پھر سر اٹھا کر اس کے ایک ایک سیل کو ہلانے لگ گئی۔

اس قدر بے اعتباری میں مرنے سے پہلے اپنے باپ کے اور بابا صاحب انہیں پر اعتماد کر رہے ہیں۔ وہ بابا صاحب سے کیا کہنا خاطر ہو رہی تھی۔

"خاموش کیوں ہو گئیں، کوئی بات کریں۔"

"میں کچھ سوچ رہی ہوں بابا صاحب!" انہیں کے لہجے میں بے بسی سی جھلک آئی۔

"ماشاء اللہ! بہت لوگ ہیں تمہاری فکر کرنے والے، یہ تمہارے کھیتے کھانے کے دن ہیں، بس تم خوش رہو کرو۔" بابا صاحب

نے پھر نرمی سے کہا تو اب کے وہ ان سے نظریں نہ چرا سکی۔

"بابا صاحب! آپ کو بہت خوشی ہوگی۔ وہ کر بہت خوش ہے کہ اس کے بچے اس کے پاس ہیں۔ وہ ان کی پرورش کر رہا ہے۔ وہاں تم پڑھنے لکھنے کے سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ ہمارے ہاں کے مدرسے آپ کی پسند کے ہیں۔ تمہارے کسی شوق میں رکاوٹ نہیں ہے گا۔ ہاں میں وہاں کی ہماری بے حد عزت کرتے ہیں۔ وہ بابا صاحب تمہاری خوشی کا خیال رکھیں گے۔

وہ بابا صاحب کی بات سن کر پریشان ہو گئی تھی۔ ہم البتہ تمہیں وہاں کبھی نہ بھیجتے۔ تمہیں وہاں بھیجنا ہوگا تو وہ تمہیں وہاں بھی بھیج دیں گے۔ ہم البتہ تمہیں یہاں کبھی آنے نہیں دیں گے۔ تمہاری شادی کر کے اپنے گھر جانے کی بہت بھاری ذمہ داری ہوتی ہے۔ شادی کے بعد عورت اپنے مرد کی ذمہ داری ہوتی ہے پھر وہ اپنی خوشی سے اسے جتنی مرضی آزادی دے۔ بچے ہونے کی صورت میں بھی اس کی ملازمت کرنے کی۔

تمہاری شادی ہو جائے گی، وہ تمہارے اور بابا کے کاندھوں سے وہ ان اتر جائے گا اور پھر تمہیں اپنا من چاہا ماحول مل جائے گا۔

ہم اپنے بچوں کے کتنے ہی ناز اٹھا لیں، مگر انہیں اس طرح کی آزادی نہیں دے سکتے۔ جو آج کل کے اکثر گھرانوں نے اپنے بچوں کو دی ہوئی ہیں۔ اس کی وجہ اس سکھی ہے کہ عام دولت مند گھرانوں کے بچوں اور ہمارے گھرانے کے بچوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔

ثروت، دولت کی وجہ سے ہی بدل جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی محنت ایک گھرانے میں اٹھانے لگ جاتی ہے۔

کچھ لوگوں کو خالق سے کچھ نہیں ملتا۔ اس کے بھیجے مدد گاروں کی محنت ہوتی ہے۔ انہیں احساس ہے کہ ہمارا زندگی پر بھروسہ نہیں کرتی، اس لیے ہم جلد سے جلد تمہاری شادی کر دینا چاہتے ہیں۔ ہمارے گھر میں تم سے بڑی بیٹی ہوتی ہیں۔ ہم نے انتخاب بھی ہم نے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ وہ آج کل آزاد خیال لڑکا ہے۔ ملک ملک گھومتا ہے۔ شادی کے بعد تمہیں بھی دنیا کی سیر کرائے گا اور ہم یہ سوچ کر خوش ہوں گے کہ ہماری بچی اپنی من پسند زندگی گزار رہی ہے، ٹھیک ہے نا؟"

انہوں نے پھر محبت بھرے انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

بابا صاحب بولتے جا رہے تھے اور اس کا جی چاہا تھا۔ اپنے بال نوچنے لگے۔ سانس بہت تیز تیز چلنے لگی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی بابا صاحب بول پڑے۔

"بظاہر اس شادی کے لیے کہہ رہا تھا، مگر ہم نے اسے بتا دیا ہے کہ تمہارے بابا کے جرائم کے پیش نظر یہ معاملہ متوقف کیا جاتا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ اب تمہارا ان کا تعلق پہلے والا نہیں، مگر تم ہے۔ جو رشتہ ان کا تمہارا ہمیشہ کا ہے۔ اب بہتر ہو سوچ لیا کرو بیٹی!" انہوں نے اچانک موضوع بدل دیا۔

"اگر ایسا ہو نہیں ہے۔" اس کا سر اسے صاف جواب دے رہا تھا۔

"لوگوں کو پتا چلا کہ ہم بابا کو پورا جا رہے ہیں تو وہ بھی انہیں کے ذریعے کوئی پیغام بھیجنا چاہیں گے کہ تمہیں ساتھ لے کر آئیں۔ گلے سے بہت

تو کیونکر ہے۔"

طیبہ کے لہجے کے پیچیدہ تاثر کی چغلی ہوئی لیلیٰ آنکھیں روشی کے چہرے پر ٹک گئیں۔

"ایک دن ایک دن تو جانا ہی ہے تو ابھی جلدی کیا ہے، اپنے بچے کے پاس خیریت سے پہنچ جائیں۔" اپنا تو سینہ حسد سے جل رہا تھا۔ روشی تھی۔

"مرضی ہے تمہاری، ہمارے پاس تمہاری اچھی اچھی یادوں کا خزانہ تھا، ہم نے سوچا دہرا لیں۔" وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"آپ کتنے دن کے لیے آئے ہیں بابا صاحب؟ اگر آپ زیادہ دن کے لیے آئے ہیں تو پھر میں آپ کے ساتھ چلوں، اگر جلدی جائیں گے تو میں بعد میں آجاؤں گی۔ ابھی سمیرا دل نہیں بھرا اور بابا جان سے بھی اچھی طرح ملنا نہیں ہوا۔" نہ جانے کیوں آواز بھرا گئی۔

"کوئی بات نہیں بیٹی، جب تک تمہارا جی چاہے رہو، ہم تو صبح چلے جائیں گے۔"

انہوں نے اسی طرح نپے تلے انداز میں جواب دیا جس کا مظاہرہ وہ شروع سے کر رہے تھے۔

"اتنی جلدی؟" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"ہاں، مجبوری ہے، ادھر ہماری بھی نہیں ہے ناں آج کل، اور تمہارے چچے ابھی کراچی گئے ہوئے ہیں، ہمارا تمہارے دادا بلاوا بھیج رہے ہیں۔"

روشی کا دل بھر سے ڈوبا۔

"ابا جی کہاں گیا ہوا ہے؟" اس نے اٹکتے ہوئے پوچھ لیا۔

"سرائے گیا ہوا ہے، خدا معلوم کتنے دن لگ جائیں۔" وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئے۔

"کیوں؟ وہاں کیا ہو گیا۔ کاکا جان تو اکیلے ہی بہت ہیں۔ جب گھر والے ان سے اتوار کرتے ہیں تو وہ آ جاتے ہیں۔ چاچی——" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"مگر تمہیں تو کسی سے ڈر نہیں لگتا۔ کیا تمہیں کبھی ڈر لگا؟" وہ جانے کیوں بہت سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"میں ان کے سامنے ہی نہیں جاتی شروع سے۔ چاچی امی سب بچوں کو ان سے ڈراتی تھیں۔" اس نے دبے دبے سے جواب دیا۔

"اچھا! ہمیں علم نہیں۔۔۔ وہ ایسا کیوں کرتی رہی ہیں۔ ہر انسان کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ تمہارے ابا جان تو اپنے گھر سے دور رہے ہیں، پہلے بورڈنگ پھر ہاسٹل، پھر دوسرے ملک چلے گئے پڑھنے۔ اسی لیے گھر والے نہیں کر سکے۔"

"مگر اب تو اکثر سے تو وہ ناراض ہی رہتے ہیں، جو بندوق لے کے ہوئے نشانے پر رکھ لیا ہے۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیئے۔

"یہ کوئی بات نہیں ہے۔" بابا صاحب اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "ہم سے کوئی بات نہیں چھپی ہوئی۔ ہم سب جانتے ہیں۔ ہم نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ ہمارے بچے بھی ہم سے کچھ نہیں چھپاتے۔ ہم سے زیادہ کون جانتا ہے۔" وہ کھلی کھلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکی۔

"ہمارے نصیب میں ابھی اور بھٹکنا لکھا ہے۔ وہ علی خان کا علمی سفر ابھی جاری ہے۔ مختلف کنوؤں سے ڈول بھر رہے ہیں، تمہارے ابا جان بھی کس میں جا گھسے ہیں۔ بس یہ لکھا ہے۔" انہوں نے اسی طرح نپے تلے انداز میں جواب دیا۔ روشی کے لیے ہر طرح بے معنی تھا۔

"یہ اچھا خاصا طرق ہے۔ صاف ظاہر ہے بچہ ابا دادا کا نافرمان ہے۔" اس نے بڑے فخر سے کہا۔

"ہاں، شاید یہی ہے۔" دادا وعلی خان نے اس کی پشت تھپتھپائی۔ "تم بہت سمجھدار ہو۔ تمہیں پوتی کا اس طرح فکر مند ہونا اچھا لگا ہے۔"

"آپ کو خوشی نہیں ہوئی کہ پوتا آپ کے قابل بنا؟" اس نے معصومیت سے سوال کیا۔

"ہے——" بے اختیا۔"

روشی نے چونک کر ان کا چہرہ دیکھا۔ دادا وعلی خان کی مسکراہٹ ان کی نرم آواز سے جھلک میں ڈھلنے سے رہ گئی۔

"بابا جی کتنے دن کے لیے گیا ہے سرائے؟" اس نے ایک نظر دادا کا چہرہ دیکھا۔

"پتہ نہیں۔۔۔ کوئی کام ہے اس سے؟" دادا وعلی خان پوچھنے لگے۔

"وہ سب کے کام ہی کرتا ہے، مگر میرے کسی کام کا نہیں ہے۔" اس نے بے ساختہ بتایا۔

"اچھی بات نہیں ہے، بہت اچھا بیٹا ہے۔ بے حد شفیق ہے۔ ہمیں یقین ہے وہ دادا وعلی خان کی طرح بہت ترقی کرے گا۔"

روشی کو فوراً ان کلاسوں کے جھوٹے آنے لگے۔ اس نے ہاتھ ہلا دیئے۔

"کہاں وہ اور کہاں آپ بابا صاحب۔"

"نہیں۔" دادا وعلی خان کے لہجے میں تحمل بول رہا تھا۔

"آپ کا ارادہ کتنے دن کا ہے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ دادا وعلی خان نے دو پل سوچ کر کہا۔

"ہم ایک ہفتہ رکیں گے۔"

"نہیں۔" وہ بدستور اداس تھا۔

اب وہ بچپن کے باوجود کوئی سوال نہ کرسکتا۔ سوال کو دہرانا اس واقعہ کو دہرانا تھا جس کے تصور سے ہی سر جھکا کر بیٹھنے کے باوجود پلکوں پر انگلیاں پھیرنے لگتی۔ اس کا دل چاہا وہ اٹھ کر اس کے پاس جائے اور اسے بتائے کہ وہ دیر تک اس سے ایسی ہی باتیں کرتی رہے۔

ماں کی موت کے بعد اسے پہلی دفعہ ایسا محسوس ہوا تھا کہ اس کے پاس بھی کوئی ہے جو اس کے دکھ کو سمجھتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ رو سکتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ رو سکتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ رو سکتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ رو سکتا ہے۔

"ہوں!" ولاور علی خان نے مخصوص انداز میں اندر آنے کی اجازت دی۔

دروازہ دھکیل کر اندر آنے والے باور علی خان تھے۔ گھر سے عرفی شلوار سوٹ اور سلیپر اسکن میں وہ بھاری بھرکم اسٹول پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"آؤ بھئی۔"

"تم بھی یہیں پر بیٹھ جاؤ۔" ولاور علی خان نے بیٹے کو کہتے ہوئے سر سے تا قدم ہو گئے۔

"میں دیکھنے آیا کہ کیا خاص بات ہو گئی اسے آپ کے پاس آتے ہوئے۔" وہ ہمیشہ کی طرح دانستہ ہو کر کرسی پر بیٹھ گئے۔

"کیا باتیں کر رہے تھے۔" باپ صاحب نے مسکرا کر دانی کی طرف دیکھا۔

"باپ صاحب نے کچھ بھی نہیں کہا پاپا!" دانی نے خوشی سے بتایا۔

"کس سلسلے میں؟" انہوں نے باپ کی طرف دیکھا۔

"کراچی والے سلسلے میں۔" دانی نے جواب دیا۔

دونوں باپ بیٹے ایک دم بہت خاموش سے ہو گئے۔ کمرے میں گہرا سکوت طاری ہو گیا۔

"ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ تمہیں اپنی خالہ بہت اچھی لگیں۔" باپ صاحب نے ایک نیا موضوع نکالا۔

"ہاں پاپا! اچھی تو آپ کو بھی لگی تھیں، جب ہی تو آپ انہیں حویلی میں لائے تھے۔ کوئی آپ کو برا تو نہیں کہتا ہے نا کہ آپ ان کے بھائی ہیں۔" وہ مسکرا رہی تھی۔

جانے کیوں باپ کے سامنے خالہ کا ذکر کرتے ہوئے اب وہ بہت کانفیڈنس ہو جاتی تھی۔ جواب میں دونوں طرف خاموشی طاری رہی۔

"اچھا! آپ یہ تو بتائیں، مجھے ان کی کیا بات اچھی لگی؟" اس نے ان کی خاموشی سے گھبرا کر اپنی طرف سے یہ سوال تیار کر کے انہیں دیا۔

"شاید اس لیے کہ وہ بہت خوبصورت ہیں۔" ولاور علی خان نے بہرحال خیال ظاہر کیا۔

"نہ نہ نہیں بابا صاحب! اتنی خوبصورت تو" پاپا بھی" بھی بہت ہے۔ بات یہ ہے کہ خالہ کم عمر ہونے کے باوجود بڑی عورتوں کی طرح بچکانہ نہیں اور پھر وہ جتنی قابل اور لائق ہیں، وہ ظاہر نہیں ہوتا۔ پھر وہ اردو بھی بہت اچھی کرتی

ہیں۔ گجراتی سے کافی بہتر ہے انہیں۔"

ولاور علی خان ۔۔۔ جو اس کے خیالات سن رہے تھے، آخری جملے پر بے ساختہ مسکرا دیے۔

"تم نے دیکھا بابا صاحب! کتنی باتیں کرتا ہے یہ، کس قدر پکا ہے، لگتا ہی نہیں کہ اس کے لیٹروں پر بھروسا کیا جا سکتا ہے۔" انہوں نے بیٹے کی طرف تابعہ قسم کے نظروں سے دیکھا۔

"آپ ہنس کیوں رہے ہیں۔" ولاور علی خان نے باپ سے پوچھا۔

"ایسے ہی، کچھ یاد آ گیا تھا۔" اس نے ٹال دیا۔

"نہیں بھئی، یہ مطلب نہیں ہے دادا۔ پچھلی عمر سے نہیں تجربات سے آتی ہے وہ تجربات سے نہیں آتا وقت گزرتا ہے۔ تم آدم میں بھی ہو، بچوں میں سوتی ہو، ابھی سوچ ادھر لی ہے۔ فیصلہ کرنے والوں کے فیصلوں کا احترام بھی سوچنا چاہیے کہ جو یہ جانتے ہیں، پیچھے آنے والے ابھی نہیں جانتے۔"

اس نے قدرے خوفزدہ ہو کر باپ کی شکل دیکھی۔

کیا پتہ سب اس لیے ہے کہ اس کا ذہن کسی اور بات کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ یہ آئی دیر سے بابا صاحب جو آئی "محبت" والے لفظ کا اصرار کر رہے ہیں۔ اس کا فیئر سموتی پیغام اس نے بہت پہلے ہی محسوس کر لیا تھا۔

"کیا چاچا نے اپنا پیڈک آپ کی طرف منتقل کر دیا ہے؟" بے اختیار وہ تلک نے اس کا رنگ متغیر کر دیا۔ وہ بے یقینی کی نظروں سے باری باری باپ اور دادا کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"ہمیں ہم اپنے معاملات خود طے کرتے ہیں۔" باور علی خان نے اپنی مخصوص سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ جیسے اس کا ذہن پڑھ چکے تھے، وہ سوچ سکتے تھے کہ اس نے یہ بات کس بنیاد پر کہی ہے۔

"بھانجہ خیر ایسے ہے خالہ کو پسند کرنے کی آپ سے بہتر وجہ ہو نہیں سکتی ہے۔" ولاور علی خان نے بھرپور ہنسی ہنسی۔

"ایک اور وجہ بھی ہے۔" اس نے خاصی سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیا؟" ولاور علی خان نے بے ساختہ پوچھا۔ جبکہ باور علی خان نے اس طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے پر ہی اکتفا کیا۔

"میں سے بڑا فوائی تعلق بھی ہے۔ وہ میری امی کی سگی بہن ہیں۔" اس نے بڑے وثوق سے جواب دیا۔

دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر پھر خاموشی سے ہو کر رہ گئے۔

"کہیں معقول وجہ نہیں؟" اس نے حیرت سے دونوں کی طرف دیکھا۔

"ہاں، بہت معقول وجہ ہے، لیکن بھی وجہ معقول ہے۔" ولاور علی خان نے جواباً کہا۔

"آیئے بابا صاحب! ناشتے کے دسترخوان پر چلتے ہیں، باقی باتیں وہیں ہوں گی۔" باور علی خان اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"نہیں۔ ابھی سے کہا، ابھی تو بابا صاحب سے خالہ کی اور باتیں کرنے کو میرا جی چاہ رہا ہے۔" اس نے گھبرا کر احتجاج کیا۔

"وہ جی کر لیں گے۔" دلاور علی خان نہ جانے کہاں منکر ار ہے تھے۔

دلاور علی خان سُلگی ہوئی نسلی کے انداز میں باہر نکل گئے۔

روشی نے جھاڑی اُٹھا کر بابا صاحب کو تھمائی۔

"شاید بیٹا کو خالہ زیادہ پسند نہیں آئیں۔" اس نے افسردگی سے کہا۔

"وہ کیوں؟" دلاور علی خان جنگلی باڑوں میں الجھے الجھے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"وہیں کہ جو بھی خالہ کی بات ہوتی ہے وہ بات کسی اور طرف موڑ دیتے ہیں۔"

اس نے بڑے وقار سے جواب دیا جیسے اسے اپنے انداز سے پوری طرح یقین ہو۔

"اچھا۔ مگر ہمیں اندازہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

روشی کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ اور بلا کی گہری سوچ میں تھی۔

گریز کا نہیں قائل حیات سے لیکن
جو بچ کہوں تو مجھے موت سے گریز نہیں

عارف، لال خان کے گھر واپس آ چکا تھا۔ لال خان اسے سہارا دے کر اندر لا رہا تھا۔

"اتنی دیر لگا دی آپ نے۔ جلدی کریں۔ ایسے تازہ دم مریضوں کے گھر سے واپس آئے تھے سب مرجھا رہے ہیں۔"

بالو کرائیں کے لش لش کرتے، سنہری کام والے دوپٹے اور کرتے شلوار میں شعلہ جوالہ لگ رہی تھی۔ اندر آنگن میں بھاری کام کے خاصے قیمتی سوٹ نے اسے ایک الوکھی سی چمک بخش دی تھی۔ سلیقے سے کیے ہوئے میک اپ نے اس کے گندمی رنگ والے چہرے پر بلا کی تازگی محسوس ہو رہی تھی۔

"ذرا اس بے چارے کا انتظام تو کر دوں تاکہ یہ آرام سے سو جائے۔" لال خان نے پلٹ کر بالو سے مخاطب ہو کر کہا۔

"سارے گھنٹے میں سب سے پہلی سہیلی میں ہوں ساتو کی۔ وہ تو مجھے بہت پہلے اس کے ہاں چلے جانا چاہیے تھا۔ بارات کے بعد پہنچوں گی تو کتنا ناراض ہوگی وہ۔" بالو نے عارف کے سامنے پہلی مرتبہ کھل کر لال خان سے بات کی۔

"ہاں۔ ہاں۔ چل رہے ہیں اب دیکھو ہاں مریض کو بغیر انتظام کے چھوڑ کر بھی تو نہیں جا سکتا۔" لال خان نے رسمیت سے جواب دیا۔

"یہ تو مستقل قسم کے مریض ہیں۔ اب کیا ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائیں؟" بالو کی آواز آہستہ آہستہ مدھم ہوتی گئی۔

لال خان گڑبڑا کر یکدم سیدھا ہو گیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو چلتے ہیں ابھی۔ تم خیال نہ کرنا عارف!" لال خان نفی سا ہو رہا تھا۔

"ہوتے نہیں یار۔ ہم تو ہر طرح کے مزاج کے عادی ہیں۔"

وہاں دل میں کہ صدمے دو یہاں جی میں کہ سب سہ لو
ان کا بھی عجب دل ہے، بڑھا بھی عجب جی ہے

وہ آہستگی سے ہنس دیا۔

بالو نے مسکرا کے بابا صاحب کو اٹھایا۔

"میں باہر گاڑی میں بیٹھتی ہوں۔ آپ جلدی آ جائیں۔" گاڑی سے سر ہلا لال خان کی سرخ و سفید رنگت نظر آئی۔ وہ اس کے سامنے ہی تھا سو ہو رہی تھی۔

"بیٹے کا اس پانی میں گھونٹ ملا کر یہاں سر پر رکھ دو۔ پانی تو ہے۔ کھانا ہے یہاں۔ پھر بھی گھونٹ پانی بھی رکھ جانے لیا۔

تم فکر نہ کرو میں تمہاری بھابی کو بھیج کر جلدی آ جاؤں گا۔" وہ اسے تسلی دے رہے تھے۔

الوہانیت بھری سے گھونٹ پانی میں ملا رہی تھی۔ بچے کے شور سے اس کے دانت پیسنے کا انداز دیکھا جا سکتا تھا۔

"تمہاری بھابی کی بڑی مزیز کتنی ہے۔ اس لیے جلدی آ جاتا ہے۔ اور یہ تمہیں تو معلوم ہے کتنا طیال کرتی ہے تمہارا۔" لال خان وضاحت در وضاحت سے گزر رہا تھا۔

"میں تو سمجھ رہی تھی کہ جلدی مشغول ہو جائیں گے۔ آج بھگی دوائیاں دینا آرام۔ یہ کھانا ہے۔ انہیں ٹھیک ہونے کا خود بھی شوق نہیں ہے۔ اور جب ان کی یہ حالت ہمیشہ کے لیے ہے تو کام کیوں رہا کریں۔ یہ اپنے حساب سے چلتے۔ ہیں ہم اپنے حساب سے۔"

بالو نے گرمی سے کھا پنکھا اٹھاتے ہوئے نہایت کڑوے لہجے میں کہا۔

بدلے لہجے کے لال خان کی آنکھیں پیشانی پر جا گئیں۔ وہ بے زبان سی بیوی کو یوں دیکھنے لگا جیسے شاک ہو گیا ہو۔ یہ بالو ہی ہے؟

"تم کیوں پریشان ہو گئے لال خان۔ انسان تشکر اور خوشی کے موسم گزار رہا ہو تم ہم جیسے لوگ ماحول مزاکرنے والے لگتے ہیں۔ خوش لوگوں کی طبیعت پر بوجھ پڑتا ہے۔ مزا خراب ہوتا ہے۔

داغ کیا کہا ہے شاعر نے کہ

ہم سے کہتے ہیں چمن والے غریبان چمن
تم کوئی اچھا سا رکھ لو اپنے ویرانے کا نام

تقاضا۔ یہ حال ہے چمن والے تو ہمارے لگانے کا نام بھی اپنی مرضی کا چاہتے ہیں۔ انہیں یہ سہا اچھا نہ ہونے میں ہی بھی اعتراض ہو گیا۔" وہ ہنس دیا۔

"تم کوئی خیال نہ کرو۔ عارف یار! ہم یار ہیں تمہارے آخری سانس تک۔ کبھی بھی ذرا سی بھی ضرورت ہو میری طرف سے۔ اوکے؟

کے بعد تمہیں اپنی بھابی سے شکایت بھی نہیں ہوگی۔" لال خان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سر سے

"تو ہم بھی تمہارے یار ہیں۔ قدر دان، وفا شعار۔ اب ایسے سچے بھی نہیں کہ بلا اجرت اس بات پر تم سے
کہا۔ "ہمارے سماج و سماں میں ایک وفا ہی تو کمی ہے۔ حالانکہ اس مذہب میں اس اصول کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

بھرا ہوا لکھا ہے یہاں دو دل وفا کا بوجھ
ہم بھی کمر سے ہوئے ہیں گنہگار کی طرح

بڑی خوار ہے وفا۔ جو ڈبو دار اوپر ہو رہی ہے۔ بھائی میں بہت شرمندہ ہوں آپ سے کہ میری وجہ سے ہی الجھ
ہوئی۔"

بالو ماتھے پر شکنیں ڈال کر باہر نکل گئی۔

عارفہ کے شانے پر تھپکی دے کر لال خان بھی اس کے پیچھے پیچھے نکل گیا۔

بالو نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ اور بیٹھ کر کھڑکی سے بنہ کر لیا۔ جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کا موڈ اچھا نہیں ہے۔

لال خان نے گاڑی باہر نکال کر گاڑی سے اتر کر گیٹ میں تالا ڈالا۔ حالانکہ اگر بالو چاہتی تو یہ کام خود بھی کر سکتی تھی۔
گاڑی باہر لانے کے بعد تالا ڈال کر بھی بیٹھ سکتی تھی نہ کہ اندر کھڑی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

"آج کل تو ہمارا تمہارا بہت ربط میں ہے۔ تم موڈ ٹھیک کر لو۔" لال خان نے دوبارہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے
منانے کے انداز میں کہا۔

بالو نے منہ کھڑکی کی طرف پھیر لیا اور خاموش رہی۔

"خوشی میں حصہ تو سب ہی لیتے ہیں۔ دوست کو ڈکھ میں اس طرح نہیں چھوڑا جاتا۔ بہت احسان ہیں اس کے تم پر۔
میرے بھائیوں نے تو سمجھو بھیک ہی منگوا دی تھی۔ خون کے رشتوں سے زیادہ کھائی ہے میں نے اور اس لیے ہو کر کہا کی ہے۔"

"ایک احسان تو ان کا میری جان پر بھی ہے۔ ہماری احسان۔" بالو کے لہجے میں انگارے دہک رہے تھے۔

"او کیا؟" لال خان فرنٹ ڈرائیو رسیٹ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کے اعصاب پر یہ بات سوار تھی کہ بالو کے
وجہ سے بالو کا موڈ خراب ہے۔

"آپ سے میری شادی کرائی ہے۔ یہ احسان تو میں کبھی بھی اتار نہیں پاؤں گی۔" اس کا لہجہ زہر ہو رہا تھا۔

گاڑی کی اندرونی لائٹ آف تھی اور سڑک بھی تاریک۔ لال خان کی دھیان اس کے پیٹ سے اٹھی ہوئی تھیں۔

"ہا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔" اس نے اپنا غصہ بے ہنگم قہقہے لگایا۔

"میرے جان لال خان ایہ احسان اس نے تم پر نہیں ہم پر کیا ہے۔ اسی وجہ سے تو اس کی خدمت اور زیادہ کرو ہے
ہیں۔ زندگی اتنی رنگین بھی ہوتی ہے۔ اندازہ نہیں تھا۔" لال خان کی آواز جذبات سے بوجھل ہو گئی۔

بالو کے حلق میں آنسوؤں کے گولے اٹکنے لگے۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔

"آپ کو پتا ہے کہ جب دل بے حد خوش ہوتے کیا محسوس ہوتا ہے؟" اس کی آواز کرب سے بھاری تھی۔

"ہاں جان۔ ہر طرف پھول کھلتے ہیں۔ زندگی بڑی بھلی ہو جاتی ہے۔ موت سے وہ خوف آتا ہے۔ مرنے کو دل ہی
نہیں چاہتا۔ حالانکہ پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا۔ کرکٹ کھیلتے ہوئے خوار میں ہر وقت کرتا تھا۔ ہر وقت ہی چاہتا تھا۔ بڑا مزہ آتا تھا
مرنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا کسی دن۔ بے شعور ہوتا ہے۔ اپنی پروا ہی نہیں کرتے تھے۔ مگر اب موت سے ڈر لگتا ہے۔
اپنا بھائی بچوں کی عمر ہوا ہے تمہارا سا تھا۔"

شوہر والی ہو۔ تنہائی ہو۔ موت بھی بلی کی طرح قریب ہو تو لطیف موت خود ہی طریقے سے آ لیتی ہے۔
کہ اس خلق میں اپنا کوئی بھی ہمارا نہیں ہو سکتا۔ دل و دماغ بھر پور آزادی کے احساسات سے بھر جاتی ہے۔
کرتے ہیں اور خوشیاں کے تو دوہرا ہم ہیں تو کیا فرق ہوتی ہے۔ مگر دکھ کے نصف کی طرح سالمیت تھی۔

لال خان کے لفظ سوا کا اس پر کوئی اثر نہیں تھا۔

"بھلی، جب شوہر موت موت کی باتیں کرتے ہے تو عام طور پر عورتیں یہ بولتی ہیں اور "اللہ نہ کرے" "ایسی باتیں کہتے ہیں۔ اور
تو ہیں بھی ہو جیسے تمہیں میری موت زندگی سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔"

لال خان اپنی جہالت کی وجہ سے خاصا "محظوظ" تھا۔ اب بھی ہنس کر کہہ رہا تھا۔

بالو پھر بھی خاموش رہی۔

"آج تمہاری سہیلیوں میں سب سے اچھا جوڑا تمہارا ہوگا۔ قمیص والے ہی پہنتے ہیں۔ بلکہ بھری شادی
لیں ہوتی تھی تو محبوب کا خط اور رومال کے ساتھ ہماری جوڑے دیکھ کر سوچا کرتا تھا۔ جب میری شادی ہو جائے گی تو
اپنی بیگم کے لیے یہیں سے کپڑے لیا کروں گا۔ بڑی دعائیں ہوتی ہے ہماں۔

اب کسی کی شادی ہوتی تو اس سے بھی اچھا سوٹ نہ کروں گا۔ جو پہنے خاندان میں اور کہیں
"خوشامدانہ باتیں آپ خاتون" سے سیکھے گا۔ میں آپ کے کسی کام کا نہیں۔" اس نے ترشی سے اس کی بات کاٹ
دی۔

"اگر تھوڑی سی انسانیت تمہارے اندر زندہ ہوتی تو میرے کام آ سکتے تھے۔ کتنے بڑے حصے رکھتے ہو خود مجھے کسی دارالامان
میں چھوڑ آتے۔" اس نے سسکاری بھری۔

"میرے طرف آپ سے ہمدردی کا کوئی حساب نہیں نکلتا۔ خاموش رہیں۔" وہ جلیبی کی اچھا کو بھلا رہا تھا۔

"تمہیں کبھی ترس نہیں آیا مجھ پر کہ مجھے نظری جیسے انسان سے جذباتی وابستگی ہو گئی ہے۔" بمشکل بھر کر بولی۔

"میں نے وہ عورتیں بھی دیکھی ہیں جن کے شوہر معذور ہو جاتے ہیں یا فالج زدہ راستوں پر چل پڑتے ہیں مگر وہ انہیں
بھلا شت کرتی ہیں۔ گھر چلانے کے لیے نوکری کرتی ہیں بچے پرورش کرتی ہیں۔ اپنے حصے کا بھی کام کرتی ہیں شوہر کے حصے
کا بھی کام کرتی ہیں۔

کے پاس نہیں ہوگا۔

اور اگر مجھے تم نے بچے کی شکل میں کوئی تحفہ یا تو پورے دن تو نے کا سیت ہو کر دوں گا۔"

ماہ پرست انسان کے پیار کے پیالے بھی مالا مال ہی ہوتے ہیں۔ لال خان خوشی کے عالم میں بات کرنے کا ڈھنگ ہی
اپنی اچھلنے لگا شروع کر دیتا تھا۔ اور قول قول کر اس کی بھولی کی طرح اچھلتا جاتا تھا۔

وہ بدستور خاموش تھی۔

"کیا بات ہے؟ ابھی تک ناراض ہو۔ دیکھو اب اگر تمہیں ماں کی فوج سزا ملی ہے۔ سمجھ رہی ہو ناں؟"

اس نے آنکھیں جھکا لیا۔

بالوا اپنی جگہ پہ دل کر رہ گئی۔

"آپ جلدی مت آیئے گا۔ کبھی اپنے اس بے کار دوست کی خاطر بھوکے پیاسے چلے آئیں۔ اگر کھانے میں دیر ہو
تو میں فقاں کے ہاں منگوا کر آپ کو کھلا دوں گی۔ تاخیر کر دوں گی جلدی۔"

"بڑی بھولی صاحب۔ بڑی اچھی قسمت بنائی ہے مولا نے اپنی۔"

لال خان اتنے معمولی اور مظلوک قسم کے التفات پر ہی خوش ہو گیا۔ الرجیسے اپنی ایوی بلتا کر فارغ ہو گئی تھی۔
وہ باہر جانے سادھ کر باہر دیکھنے لگی تھی۔

پیچھے سے گاہے گاہے بھومر کے کراہنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"جب بھاگ دیں نہیں تو پوڑ کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ دربالستی کی حویلی کا بچھواڑا بھی ہے یہ۔

وہ سب جیل تھی آپ کے لیے یہ منزل جیل ہے۔ نظر بند قسم کے قیدیوں میں شامل ہو گئی ہیں آپ؟ کیا ضرورت تھی
باہر کی طرف آنے کی؟ کون سے پھول کھلے ہوئے تھے ادھر جنہیں دیکھنے کو طبیعت مچل رہی تھی۔ یقیناً بھاگنے کی ہوا چلی ہو۔
اسی لیے جب میں اندر ہوتا ہوں تو باہر کھڑکیاں کھول دیتا ہوں۔ یہ سوچ کر کہ آپ کھلے ہوئے کھڑکیوں کو دیکھ کر باہر خود ہی کھلنے کی کوشش
نہیں کریں گی۔ مگر وہ آپ نے کیا۔"

ہارنی کو اس کی دوسری بے بے وفائی سے بے حد کوفت ہو رہی تھی۔

"تم نے جان بوجھ کر کھولے تھے کیا؟" بھومر کراہی۔

"ظاہر ہے۔ اس طرح کے کام غلطی سے تو نہیں ہوتے۔" وہ بھنبھنایا۔

"جب تمہیں حویلی میں چلتے پھرتے دیکھتی تھی تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ تم اور سب سے مختلف ہو۔ بہت اچھے انسان ہو۔
تمہاری شکل سے لگتا تھا۔ میں وہ بھی تھی۔"

آپ کو جیسے جیسے حالات پہنچے کھول رہا تھا۔ اسی لیے نعمتوں کی قدر نہیں ہوئی۔" اس نے بڑی تحمیل سے اسے ملامت کیا۔

"ایسا لگ رہا ہے جیسے ہارنی نہیں حویلی کا کوئی خان بول رہا ہے۔" اس بار بھومر کی آواز بے حد تلخ تھی۔ ہارنی خاموش
رہا۔

۔ مجھے سارنی ہو لیلی میں وہ لیلی پسند ہے۔ وہ حویلی کے سرداں کی طرح ہو۔ جس کی مرضی ہو ہے۔ وہ سنا آپ۔
آپ لی ہے۔ وہ زندگی کی سرچ نظر کی نئی اس پہ راضی ہو گئی ہیں۔
پتا نہیں وہ کس پہ گئی ہے۔ شاید اپنی ماں پہ۔"
بھومر بہت دھیمے دھیمے انداز میں کہہ رہی تھی۔
وہ مسکرایا پر وہ نہیں مسرور ہو گئی۔ خراب صورت لیلیٰ میں ہمیں ٹیلے جیسے ہاتھ کے ساتھ۔ میں نے شاید ہی کسی
دوسرے کی آنکھ کی چمک سوچی ہاں پر بڑھ رہی تھی۔ جیسے نرمگ سے وہ نیلی انگلیاں ہی کرتی ہے۔ یہ وقت اس نے مجھے کہنے
اسے پہ بھی کر اس سے کہا تھا۔
"یہ ہے ہاری۔ سب سے قیمتی تحفہ اس بار ہمیں یہ لیلیٰ ہی لے رہا ہے۔ کیسی لگ رہی ہے؟" وہ خاموش تھی۔
"آپ سے بات کر کے پچھتا رہا ہوں۔ اس انداز میں سہیلیوں سے باتیں کرتے ہیں۔ میں آپ کی کچھ لگتی ہوں۔"
اسے وقت کے ساتھ میں خود کو مثال کر دوں لیکن بھلایا تھا۔" یہ خواتین باتیں ہیں۔ تم نے مجھے کھانا کھایا ہے؟"
اس نے بھی اچھی خاصی خبر لی تھی۔
"آج رحیلان آ رہا ہے۔ وہ لوگ واقعی تمہاری ناک میں بہت بھی ہے۔ کس قدر بے بس ہو جاتا ہے جب عورت سے
ہار چڑھائی ہو لی تم ہے سر پڑ جائیں بھی اس طرح کرتی ہو جیسے کوئی ساس دن ایک بار ہر نئی بہو سے خفا ہو رہی ہے۔
خبردار یاں کر رہا ہو۔"
"تم اس کار میں مرچ پر جا رہے ہو؟" پیچھے سے بھومر کی نیلی ہوئی آواز آئی۔
وہ ایک بہ جیسے کسی ماورائی دنیا میں داخل کرتا رہا۔
"ہاری۔ میرے پیٹ پر جو زخم ہے۔ اس میں سے بہت خون نکل رہا ہے۔" بھومر کی آواز میں بے بسی تھی۔
"تاریخ مجھے کیا کروں؟ کار کو ہوائی جہاز میں تو تبدیل کرنے سے رہا۔ بس ہم پہنچنے ہی والے ہیں۔"
اس نے جیسے تنگ آ کر جواب دیا۔
"تکلیف میں تو میں ہوں تمہیں کیا؟" بھومر نے کراہتے ہوئے کہا۔
"آپ بھی ہو لی ہیں۔ اس لیے آپ کو سامنے نظر آنے والی الجھن نظر نہیں آ رہیں۔" ہارنی نے جیسے اسے تسلی دی۔
"لاتعلقیں تو میلوں دور سے بھی نظر آ سکتی ہیں۔" بھومر نے چڑ کر کہا۔
ہارنی کا ہی چاہا گاڑی کہیں دے مارے۔ بمشکل خود پر کنٹرول کیا اور خاموش رہا۔
گاڑی میں سکوت طاری ہو گیا۔ کافی دیر گاڑی اندھیرے میں چلتی رہی پھر روشنیاں نظر آنے لگیں۔
بالآخر گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔
"میں ذرا دور سے کسی ٹھیکانے کا پتا کر کے آتا ہوں۔" ہارنی نے دروازہ کھول کر اترتے ہوئے کہا۔
بھومر خاموش رہی۔

ہاری چند لمحوں ہی میں واپس آ گیا اور دوبارہ وارڈ کی طرف چل پڑی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں متلاشی انداز میں ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔ پھر گاڑی رک گئی۔

ہاری اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلا پھر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔

"آیئے۔" وہ دروازہ تھام کر کھڑا ہو گیا۔

جھومر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ہاری۔ میری ٹانگ اکڑ رہی ہے۔ مجھے سہارا دو۔" جھومر نے کرب سے کچلا ہوا ہونٹ دبا لیا۔ ہاری نے ہاتھ بڑھایا۔ جھومر اس کا بازو تھام کر باہر آ گئی اور کھڑی ہو کر اس کے بازو سے چپک گئی۔ وہ اسے سہارا دے کر اندر لیجانے لگا۔ اور برآمدے خواتین والے حصے میں داخل ہو گیا۔ عورتوں اور بچوں کی طویل قطار سامنے تھی۔ اس نے ایک بچ کر نکلنے کی کوشش کی۔

"میں ابھی ڈاکٹر سے بات کر کے آتا ہوں"۔ وہ ذرا ہٹ کر باہر کی طرف بڑھا۔

"آپ کیا یہاں عورتوں میں بے دھڑک چلے آئے' یہاں پردے والی عورتیں بھی ہوتی ہیں"۔ ایک بی بی نے غصے سے اسے مخاطب کیا۔

"مجھ سے چلا نہیں جا رہا تھا۔" جھومر نے وضاحت کے بجائے مجبوری بتانے پر اکتفا کیا۔

"تو پھر وہ آپ کو مردوں کی طرف لے جاتے۔" بڑھیا تڑخ کر بولی۔ شاید جھومر کے قیمتی لباس اور ہیرات کا اثر تھا کہ بڑھیا غصے کے باوجود آپ جناب سے بات کر رہی تھی۔ جھومر سے بیٹھ کر بولنا محال تھا۔ اس نے آنکھیں موند کر دیوار سے ٹیک لگا لی۔ تکلیف کی شدت کی وجہ سے اس نے کچلا ہوا ہونٹ دانتوں تلے دبا رکھا تھا۔

"جھومر کون ہیں؟" اچانک ایک طرف سے کپکپاتی آواز ابھری۔

جھومر نے آنکھیں کھول دیں۔ اور بمشکل اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی۔ میں ہوں۔"

"آیئے۔ آپ ساتھ والے پورشن میں آ جایئے۔ ڈاکٹر صاحب وہیں آپ کو دیکھیں گے۔" اس نے ایک بغلی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

جھومر بمشکل چلتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھی۔ تمام عورتیں کھا جانے والی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"لوگ تو سب سے آخر میں آئیں اور سب سے پہلے چل دیں۔"

"پیسے کا کھیل ہے۔ جو پیسہ رکھتا ہے وہی سب جگہ آگے ہوتا ہے۔"

"ہم بالے ہیں اتنی دیر سے بیٹھے ہیں۔"

"ارے دیکھا نہیں، اس کا میاں شکل ہی سے بڑی چیز والا لگ رہا تھا۔"

"قریب کی نظر ہر جگہ ہی خوار ہی ہے۔"

"توبہ۔ یہ عورت بڑی لمبی سی گاڑی میں بیٹھ کر آئی ہے۔" ایک بچہ جو ابھی ابھی کودتا پھاندتا اندر آیا تھا۔ عورتوں کی یہ

شوخیوں کے درمیان بولا تھا۔

"وہ تو فٹ ہی رہا ہے۔ ہمارا تو پہلے ہی بھرکس نکل گیا تھا۔" وہی بڑھیا بڑبڑائی۔ کراہی اور پھر کولہے اٹھا اٹھا کر چلنے کی کوشش کرنے لگی۔ بچہ کی تیلی سے بان چارپائی نکال کر کھانے لگی۔

جھومر نے بقیہ پورشن میں داخل ہوتے ہوئے عورتوں کے جملے سن لیے تھے۔

"آیئے بی بی۔ یہاں لیٹ جایئے۔" ڈاکٹر نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"بچہ کلثوم ہے ناں کہ کچھ باقی نہیں تھا؟" ڈاکٹر ہاری کی طرف مڑا۔

"جی۔ باقی نہیں تھا؟" یا للہ ہے۔"

"آپ کا اپنا کتنا ہے؟" ڈاکٹر جھومر کے قریب چلا آیا۔ عورتیں تھکی تھکی۔

"جی وہ اپنا کتنا ہے۔" ہاری نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تکلیف ہے۔ آپ کے ہاتھ پیٹنے کو ہاتھوں کی جھولیں آپ ہی ہاتھوں پر غصہ کرو۔" ڈاکٹر نے ہاری کی سمت دیکھا۔

"عورتیں عموماً گھر سے باہر ہوتے ہیں۔ زیادہ تر تو آپ کی بیٹیاں ہی گھر پر ہوتی ہوں گی۔ اسے تو سب سے زیادہ خطرہ ان کا پہچان ہونا چاہیے۔" ڈاکٹر بے حد حیران تھا۔

ایک کروٹ کی لہر بدن بن کر ہاری کے خون میں دوڑنے لگی۔ اس نے بڑی زہریلی نظروں سے جھومر کی سمت دیکھا۔ جس کے ہونٹ بڑا حسن نے ڈاکٹر کو بھی غیر ضروری نرمی پر مجبور کر دیا تھا۔

"یہ بھابی ہیں میری۔" اسے نہ چاہتے ہوئے بھی وضاحت کرنا پڑی تھی۔ ہاری اور ڈاکٹر دونوں ہی چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"آئی ـــ ایم ـــ سوری۔" ڈاکٹر نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

"کہاں کہاں زخم ہے بی بی۔ ہاتھ لگا کر بتایئے۔" ڈاکٹر اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

جھومر نے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔ تو ہاری پر دانت پیستا ہوا باہر نکل گیا۔

"کبھی بڑے دل سے بددعا دی تھی روشانے یار جل خان۔ بھری دنیا بستی اور سرائے میں صرف ایک مرد ہاتھ لگا ہے تو مجھے بددعا دے سکتی ہے۔"

وہ ایک طرف بیٹھ کر سوچنے لگا۔

معلوم نہیں۔ قیامت در بستی واپس آ گئی یا نہیں۔ حویلی میں سے سرے سے نکلے ہی نہ ہوں یا نکلیں۔

"وہ بے چارا نعیم ـــ" وہ نعیم پر ترس کھانے لگا۔

ایک دم سے احساس ہوا کہ نعیم کا ذکر اس کے دل پر بہت بھاری پڑتا ہے۔ کیوں؟

وہ خود پسند خود سر لڑکی دنیا کو بہشت سمجھنے والی۔ جس کا خیال ہے کہ ساری دنیا حویلی کے باسیوں کی طرح راحتوں سے مالا مال اور آلام کے تجربات سے لوگ کس طرح گزرتے ہیں۔ جس کے پاس یہ سوچنے کی فرصت نہیں۔ جو کبھی سرائے بستی کے

کسی کے گھر میں نہیں تھی۔

جس کے پیٹ درد کا پورا مجمل اگلنے والی طبیعت خراب ہو گیا تو ہو کر بولی۔

"ہاری اشوچار ہے ہو آپ نی، ای بہت تنگ کر رہا ہے۔ بابا صاحب سے پیسے لیتے جاؤ۔ نا سنتے ہوئے نکل گئی۔

اور ایک بار اس کی کسی مخمل غریبی پر جب بیوی نے ہمدردی سے کہا تھا۔

"بیٹے کتنا ہی ہو مگر بیٹ سے جائے جاتے ہیں۔"

تو اس نے تعجب سے کہا "پھر باقی بیٹوں کا کیا کرتے ہیں؟ جیسے میں دس بار بیٹوں کی بابا صاحب کے پیسے ادا کر چکا ہوں"

ہتھ کو چھوڑ کر عربی کی تمام جڑ کیں کی تھی کا یہ حال تھا۔ جب تمن سی آیا تھی ان کی۔ ایک بار، جب بے کو معلوم ہوا کہ، چالیس دن تک صبح شام قند حادلی اور کا جوس نکال کر پیا کرے تا کہ اس کا رنگ صاف ہو جائے تو فاران نے دستور اپنا اور میں حاضرین کو اطلاع سنایا تھا کہ

"ایک روز کلاس میں ہم نے بچوں کو مضمون لکھنے کو دیا جس کا عنوان تھا "غریب آدمی" ایک بچے نے مضمون یوں طرح سے لکھا۔

"ایک آدمی بہت غریب تھا۔ اس کا گھر بھی غریب تھا۔ اس کا ڈرائیور بھی غریب تھا۔ اس کا مالی بھی غریب تھا۔ اور اس کے بچوں کی گورنس تو بہت ہی غریب تھی۔"

اس لطیفے پر قہقہوں کا طوفان اٹھا تھا۔ بے چاری بیچ تھوتھی بن گئی تھی۔

اس بچے سے کم بے خبر تھی ہوئی کی لڑکیاں۔

تو کیا وہ معذور اور بے حس کی لڑکی اس کی ذات کی بالوں میں اتر چکی ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔

محض تمہاری وجہ سے میں ایک بھلے مانس سے بچے لگوں جس نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ اس نے نیم کے بارے میں سوچا۔

شاید یہ جذبہ میرے اندر کہیں اکثر مارے پڑا سوتا رہتا۔ مگر کراچی میں تم نے مجھے ہمیشہ کے لیے مضروب کر دیا ہے۔

"آپ کیا کام کرتے ہیں؟" ایک اوپھڑ عمر آدمی نے اسے مخاطب کیا جو بہت دیر سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

وہ چونک پڑا۔

"جی نہیں!" اس نے بہت آہستہ آواز میں جواب دیا۔

نیلی بار رنگ کی امریکن ہنٹر اور سفید شرٹ میں ملبوس اور جیلی کے بیٹھے ہوئے اخبار اور انداز نشست کی وجہ سے جو تو تمام مردوں میں بے حد ممتاز نظر آ رہا تھا۔

"یہ بڑا جھوٹا سا قصبہ ہے۔ ہم نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ نئے آئے ہیں؟" ایک اور صاحب نے اس سے تعارف کی سعادت حاصل کرنا چاہی۔

"جی نہیں۔ میں یہاں نہیں رہتا۔" اس نے جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

"آپ کا کارڈ صاحب اپنی بیٹے پر بلا رہے ہیں۔ ادھر زیادہ ہیں۔" "کیوں لے؟ کہاں کی بیٹے جاں چل رہا ہے۔ وہ اس کا نفس سوال نہیں تھا کہ کسی قسم کی بھی تفتیش کرے۔

وہ ٹیلی جوڑ کے اکثر کے پاس آیا۔

"جناب! ایسا ہے کہ فضر، ہی ایر لفٹ تو دے دیا ہے مگر آپ کو اب، وہاں تک پہنچ اب کے لیے ہوا ہوگا۔"

"ہوا؟" اسے چکر سا آ گیا۔

"جی۔۔۔ ہم بہت مجبور ہے ہیں۔" اکثر نے جواب دیا۔

"جناب یہاں کہیں فون کی سہولت ہے۔" اب اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"جی ہے ہیں میرا نیکل اسٹور ہے۔ وہاں ہے یہ سہولت۔"

"میں ابھی آیا۔۔۔" وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکلا تھا۔

میرا نیکل اسٹور والا انجی ڈو کی کال پر مشتعل ہو رہا تھا اور خاصے جارحانہ انداز طلب کیے۔ اس وقت اسے یہ بات یاد نہ رہی تھی۔

اس نے نمبر ڈائل کیا۔

دوسری طرف کسی خاتون نے ریسیور اٹھایا۔

"ابی بات کرنا ہوں۔ خان سے کہیے۔"

"دوسرے ہی لمحے اسے تیمور علی خان کی آواز آئی۔ "تیمور اسپیکنگ۔"

"خان! مسئلہ ہو گیا ہے۔ میرے بھائی کو کتے نے بہت زخمی کر دیا ہے۔"

"تم کہاں سے بات کر رہے ہو؟"

"قصبہ گھوڑا لے۔۔۔ اکثر کے پاس لایا تھا۔ گھبرا کی طبیعت اب کیسی ہے؟" اس کے لہجے میں تفکر رچا ہوا تھا۔

"ابھی ٹھیک نہیں ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ اور ہماری طرف سے اس شخص حرام کو یہ پیغام بھجوا دو کہ ہم اگر بچ گئے تو پولیس کے ذریعے ہم اس پر خود بھجوا دیں گے۔ اس دو بچے کی چھوکری نے ہمارا بہت قیمتی وقت برباد کیا ہے۔ ہم صرف بابا صاحب کی خاطر یہ اقدام کر رہے ہیں۔

مزاج کیسے ہیں اس کے؟ اب کیا کہتی ہے؟" وہ فکرمند آمیز لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں خان؟" اس نے نہایت معقول جواب دینے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہے ہم کل وہ پہنچ جائیں گے۔ اطمینان رکھو۔" دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

بادل ناخواستہ گن کر کے میرا نیکل اسٹور کے مالک سے زر کی کسی ہاؤل بسپ کا پتا کرنے لگا۔

تیمور علی خان کو فون کر کے اس نے فوراً کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا۔

ساری عمارت پر گہری خاموشی کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔

دادا صاحب کے بدلے ہوئے انداز پر سوچ سوچ کر شل ہو چکی تھی۔ آنے والی کسی تبدیلی کے اندیشے سے اس کا دل لرز رہا تھا۔

کہاں تو چچا اتنی رات گئے واپس آ رہے تھے۔ کہاں یہ کہ بابا صاحب کو سب پتا ہے۔ کیا پتا ہے یہ۔۔۔ وہ اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ کیا مجھے چچا کے ارادے بے نقاب کرنا پڑے گا۔ کیا چچا کی محبت کی مجھے کوئی اور قیمت چکانی پڑے گی۔

مگر چچا تو زبان کے بڑے پکے سمجھے جاتے ہیں۔ پھر یہ کچھوی سی کیا بات ہے؟ سامنے دیوان آرا کے بیٹے دوم کے دریچے روشن ہیں۔

چچا بھی جاگ رہے تھے ابھی تک ——— وہ کچھ سوچ کر کھڑکی سے ہٹ گئی۔

اس نے بستر سے دوپٹا اٹھایا۔ پاؤں میں چپل ڈالی اور بہت آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

سیاسی صورت حال کے تحت بہت کشیدگی ہو رہی تھی۔ اس لیے آج کل عمارت پر پہرا بھی سخت تھا۔

باہر گیٹ کی طرف سے کسی جیپ کے روانہ ہونے کی آواز کے ساتھ سپاہیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے رات زیادہ نہیں ہوئی۔ بلکہ حقیقت یہ تھی کہ رات کا ایک بج چکا تھا۔ وہ بے آہٹ قدم رکھتی ہوئی بیٹھک دوم تک آئی اور رک گئی۔

"کون؟" یاور علی خان کی جھکی جھکی سی آواز آئی۔

"میں ہوں چچا۔ زرشالے۔"

دوسری طرف مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ غالباً وہ دروازہ کھولنے کا ارادہ کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

چند لمحے بعد دروازہ کھل گیا۔

سامنے یاور علی خاں سیاہ ٹریک سوٹ میں ملبوس قدرے حیرت سے روشنی کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بہت گہری ہو رہی تھی۔ رات کی ریزہ کی ہڈی میں ایک عجیب سی لہر دوڑنے لگی۔ اس نے محسوس کیا اس کے باپ کا چہرہ بہت غیر معمولی حساسیت کی کہانی سنا رہا تھا۔

"آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں چچا؟ آپ کے بیڈ روم کی لائٹ جل رہی تھی۔ میں سمجھی تھی آپ جاگ رہے ہیں۔ سوتے ہوئے تو آپ لائٹ جلتی بجھا دیتے ہیں۔"

یاور علی خاں ایک طرف ہٹ گئے۔ گویا روشنی کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ بلا تکلف اندر آ گئی۔ انہوں نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا اور اپنے بیڈ کی طرف بڑھ گئے۔

"تم کیوں جاگ رہی ہو ابھی تک؟" وہ نیم دراز ہو گئے۔

"اس وقت میں پریشانی میں نیند نہیں آتی۔" وہ ان کے قریب پڑی خوبصورت سی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا پریشانی ہے؟" وہ چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

وہ خاموش بیٹھی انگلیاں مروڑتی رہی۔

ساری عمارت پر گہری خاموشی کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔

دادا صاحب کے بدلے ہوئے انداز پر سوچ سوچ کر شل ہو چکی تھی۔ آنے والی کسی تبدیلی کے اندیشے سے اس کا دل لرز رہا تھا۔

کہاں تو چچا اتنی رات گئے واپس آ رہے تھے۔ کہاں یہ کہ بابا صاحب کو سب پتا ہے۔ کیا پتا ہے یہ۔۔۔ وہ اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی۔ کیا مجھے چچا کے ارادے بے نقاب کرنا پڑے گا۔ کیا چچا کی محبت کی مجھے کوئی اور قیمت چکانی پڑے گی۔

مگر چچا تو زبان کے بڑے پکے سمجھے جاتے ہیں۔ پھر یہ کچھوی سی کیا بات ہے؟ سامنے دیوان آرا کے بیٹے دوم کے دریچے روشن ہیں۔

چچا بھی جاگ رہے تھے ابھی تک ——— وہ کچھ سوچ کر کھڑکی سے ہٹ گئی۔

اس نے بستر سے دوپٹا اٹھایا۔ پاؤں میں چپل ڈالی اور بہت آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

سیاسی صورت حال کے تحت بہت کشیدگی ہو رہی تھی۔ اس لیے آج کل عمارت پر پہرا بھی سخت تھا۔

باہر گیٹ کی طرف سے کسی جیپ کے روانہ ہونے کی آواز کے ساتھ سپاہیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے رات زیادہ نہیں ہوئی۔ بلکہ حقیقت یہ تھی کہ رات کا ایک بج چکا تھا۔ وہ بے آہٹ قدم رکھتی ہوئی بیٹھک دوم تک آئی اور رک گئی۔

"کون؟" یاور علی خان کی جھکی جھکی سی آواز آئی۔

"میں ہوں چچا۔ زرشالے۔"

دوسری طرف مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ غالباً وہ دروازہ کھولنے کا ارادہ کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

چند لمحے بعد دروازہ کھل گیا۔

سامنے یاور علی خاں سیاہ ٹریک سوٹ میں ملبوس قدرے حیرت سے روشنی کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں کی سرخی بہت گہری ہو رہی تھی۔ رات کی ریزہ کی ہڈی میں ایک عجیب سی لہر دوڑنے لگی۔ اس نے محسوس کیا اس کے باپ کا چہرہ بہت غیر معمولی حساسیت کی کہانی سنا رہا تھا۔

"آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں چچا؟ آپ کے بیڈ روم کی لائٹ جل رہی تھی۔ میں سمجھی تھی آپ جاگ رہے ہیں۔ سوتے ہوئے تو آپ لائٹ جلتی بجھا دیتے ہیں۔"

یاور علی خاں ایک طرف ہٹ گئے۔ گویا روشنی کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ بلا تکلف اندر آ گئی۔ انہوں نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا اور اپنے بیڈ کی طرف بڑھ گئے۔

"تم کیوں جاگ رہی ہو ابھی تک؟" وہ نیم دراز ہو گئے۔

"اس وقت میں پریشانی میں نیند نہیں آتی۔" وہ ان کے قریب پڑی خوبصورت سی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا پریشانی ہے؟" وہ چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

وہ خاموش بیٹھی انگلیاں مروڑتی رہی۔

"پریشان نہ ہو بیٹا، یہ تمہارے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔" انہوں نے پھر سوال کیا۔

"مجھے ارینج کرنا ہے آپ باہر آئیں تو ہو جائیں گے۔" وہ بچگانہ پن سے بولی۔

یاور علی خاں نے صرف ایک لمحے کو نظر اٹھا کر اس کی صورت دیکھی۔ وہ ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انہیں اپنی جانب دیکھتے پا کر جھٹ نظریں جھکا لیں۔

یاور علی خاں نے سگریٹ کیس سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور دو تین گہرے گہرے کش لیے۔

"روشی! میں تمہارا باپ ہوں، تمہاری ذات سے تعلق رکھنے والا ہر معاملہ ہر مسئلہ میرا ہے۔ اگر خدا نے مجھے اولاد نرینہ تو مقام شکر ہے کہ ذمہ داری کا احساس بھی دیا ہے۔ تم دو پاکستان میں ہو، کراچی میں اور دو بیرونی ملک میں ہو یا امریکہ میں، میں ذمہ داریوں کو کم نہیں کر سکتے۔

تم آرام سے سو سکتی ہو، فی الحال تمہارے معاملات بہت آگے چلے گئے ہیں۔ ان کی جگہ دوسرے معاملات اختیار کر رہے ہیں۔ تم اب یہ فرض کر لو کہ تمہاری "فائل" خاصے عرصے کے لیے "سرد خانے" سے باندھ کر ڈال دی گئی ہے۔"

انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایش ٹرے میں راکھ جھاڑتے ہوئے نہایت پرسکون انداز میں کہا۔

روشی حیران پریشان ان کی صورت دیکھتی رہ گئی۔

"میں کچھ نہیں سمجھا!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"تمہارا مسئلہ حل ہو جائے تمہارے لیے خاص بات یہ ہونا چاہیے، اب تم جا کر سو جاؤ، شاباش!" ان کا انداز پچھلی طرح باضابطہ اور اجنبی سا ہو گیا۔

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ یاور علی خاں کی سرخ آنکھوں میں سرد مہری سی جھلکنے لگی تھی۔

"پپا!"

"تو جا کس فکر میں ہے۔۔۔ تم جا سکتی ہو۔" ان کا انداز بلا کا سخت تھا۔

روشی کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ "کچھ مجھ سے کہا جاتا ہے، آپ جواب دینے کے پابند تو نہیں ہیں۔" اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی شامل ہو گئی تھی۔

یاور علی خاں نے ایک لمحے کو اس کی صورت دیکھا۔ آنسو تواتر سے اس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

"روشانے اپنے مجھے پریشان نہیں کرو، مجھ پر بھروسا قائم رکھو۔ بیٹے تمہارا باپ پہلے ہی بہت اضطراب میں ہے اسے مزید مت الجھاؤ۔" ان کی آواز میں نہ جانے کیسی شکستگی در آئی تھی۔

انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے شاید دوائیں سمیٹ اٹھایا تھا اور آن کر کے بات شروع کر دی تھی۔

روشی کے آنسو تھم گئے تھے۔ باپ کے شکستہ لہجے نے جیسے اس کے وجود میں آگ سی بھر دی تھی، وہ ساکت سی کھڑی انہیں دیکھتی رہی۔

"ہاں کہاں۔۔۔ بھر جاؤں۔۔۔ ذرا بات کرو۔۔۔ ذرا بات کرو۔۔۔ ذرا بات کرو

کہا۔

اس کو وہ اوپر سے پہلے کچھ کھلانا چاہتا تھا، وہ اسی خیال سے دوا لینے کمرے میں آیا تھا، جہاں کھانے پینے کی چیزیں ہوتی تھیں۔

چمچہ، سیرپ اور پانی کا گلاس لے کر وہ چند منٹ بعد واپس اس کے پاس آ گیا تھا۔

"اٹھیے، کچھ کھا لیجیے، پھر دوا کی باری آئے گی۔"

اس نے ہاتھ میں پکڑی چیزیں تخت پر رکھ دیں اور اپنی کے ارادے سے قدم آگے بڑھائے۔

"باری ——!"

"جی ——!"

"بہت ناراض ہو؟"

باری کو جیسے کرنٹ لگا۔ وہ مڑ کر مہر کی شکل دیکھنے لگا۔

"معاف کر دو مجھے، میں نے شاید تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ پلیز باری۔"

"کس بات کی معافی مانگ رہی ہیں آپ؟" وہ بس یہی کہہ سکا۔

"دراصل باری میری جگہ کوئی اور بھی لڑکی ہوتی تو یہی سمجھتی، کیونکہ تم عورت نہیں ہو، اس لیے اس معاملات تک پہنچ سکتے، مگر میں تم سے معافی مانگ چکی ہوں۔"

"یہ اندازہ لگانے میں جلدی نہ کریں، ابھی تو نہ جانے کتنے دن مجھے اور آپ کو اکٹھا رہنا ہے۔"

"کاش! میں تم جیسے مرد کے ساتھ عمر بھر اکٹھا رہ سکتی۔ نظری کے بھٹکے ہوئے پرندے کہتے مجھے نوازتے۔" آہ کی آواز بھرا گئی۔

"پلیز! بھابی خاموش ہو جائیں، یہ دعا کا میری کل طاقت سے زیادہ ہے۔ میں اسے اس وقت بالکل بھی اہمیت نہیں دے سکتا، ہاں کہ آپ کے ہوش و حواس قائم نہیں ہیں، لیکن اگر آپ نے آئندہ اس طرح کے الفاظ منہ سے نکالے تو ——"

وہ رک گیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ سانس کی رفتار خاصی تیز ہو گئی تھی۔ وہ اپنے گریبان کا بٹن کبھی کھول رہا تھا، کبھی بند کر رہا تھا، جو اس کی اضطراری کیفیت کو ظاہر کرنے والا عمل تھا۔

"بھابی! میری بات غور سے سنیں، یہ سوچ کر بلکہ یقین کے ساتھ سوچ کر نہیں کہ فی الحال آپ کے اور گرد و پیش انسانوں میں، میں آپ کا واحد خیر خواہ ہوں۔" وہ بولتے بولتے رک گیا۔

"کیسے خیر خواہ ہو، میں تمہارے سامنے خوف خون پڑی ہوں۔ اگر تم میرے خیر خواہ ہوتے تو کبھی فرصت میں مجھے یہاں سے نکل بھاگنے کا موقع فراہم کرتے۔" مہر مرجھے اس پر برس پڑی۔

"میں صرف آپ ہی کا نہیں حویلی کے ایک ایک فرد کا خیر خواہ ہوں۔ آپ سے خیر خواہی کا مطلب یہ نہیں کہ باقی سب کے ساتھ وفاداری کا معاہدہ منسوخ ہو گیا۔" اس نے بہت دھیمی آواز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"باری! تم نے جس قدر اس سے ہمدردی کی ہے، میں دعا کروں گی کہ اللہ تمہیں اس کا اجر دے۔ اب تم جاؤ، ڈاکٹر کے پاس جاؤ، تم سب سے زیادہ توجہ طلب ہو رہا ہے۔ جلدی سے ٹھیک ہو کر آؤ۔ میں تمہارے لیے کچھ لکھ دیتی ہوں۔"

"نہیں، میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ آپ مجھے شوق سے دیکھتے ہیں، اطمینان سے سنتے ہیں۔ ہم مردوں کی طرح نہیں کہ بغیر سنے سمجھے ہی آگے بڑھ جاتی ہیں۔ سنبل بس میں آ کے بیٹھی تھی تو کہاں اترنا تھا، کچھ پتا نہیں تھا، پیچھے بھیج دیتی تھیں —— کسی کمپلیمنٹ ہو جاتے گا۔ ایک مرتبہ پھر ہمارا ڈاکٹر کی نظر ہونا پڑے۔"

"تم نے محسوس کیا ہے کہ تم پر کوئی اثر نہیں۔ تمہارے ساتھ ایک باہر کا شخص بیٹھا ہے، جیسے ایک سے ہیں۔"

مہر کے لہجے میں شکایت اور رنجش تھی مگر نہ جانے کیوں وہ شکایت کرنا چاہ رہی تھی۔

"ہاں، اس وقت اس لفظ کی جگہ یہی تھی کہ شاید تم بھی مہر سے "ظاہر" ہو ——" وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔

باری اسی طرح پشت کیے چپ چاپ کھڑا تھا۔ جب چند لمحوں تک اس پر کوئی جملہ مہر کی طرف سے نہیں آیا تو اس نے تھکے تھکے انداز میں چمچہ اٹھایا، دوا ملائی، اس طرح کھڑا ہو گیا کہ اب مکمل طور پر مہر کے روبرو تھا۔

حسین عورت کے ساتھ مرد کا ایک ہی رشتہ نہیں ہوتا۔ حسین عورت ماں، بہن، بیٹی، بہو، بھابی، بھاوج، سہیلی، پڑوسن، ہمدرد، غمگسار بھی ہو سکتی ہے اور ہر رشتے کے ناتے سے اس کے کچھ حدبندیاں اور احترام کے تقاضے مقرر رکھتا ہے۔

آپ واقعی بہت حسین ہیں، مگر میرے لیے آپ کا حسن، آپ کی ذات کی طرح قابلِ احترام ہے۔ میں "آپ کو بھابی" کا ہوں، آپ اس رشتے کا پاس مجھے لوٹا دیجیے۔"

اس نے بہت پُرسکون انداز میں مہر مخاطب کر کے مکمل جواب دیا۔ وہ مہر کے بے رحم الفاظ کے تھپڑ سے جیسے بوکھلا گئی تھی اور اب خود پر مکمل کنٹرول تھا۔

مہر نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔

شاید اس کے گریبان کا اوپری بٹن ٹوٹ گیا تھا کہ گریبان کشادہ ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی بیٹے اور بائیں شانے پر خون کے دھبے نظر آ رہے تھے اور سفید شرٹ پر بہت لمبائیاں تھے۔ مہر کو سہارا دیتے وقت غالباً اس کی کلائی سے بہتے وہ خون وہاں لگا گزرا ہو گا تھا۔

"مگر میں تمہیں مطلع کر چکی ہوں، وہاں حویلی میں مہر کسی سے کوئی قانونی اور شرعی رشتہ نہیں ہے۔ تم یا کوئی اور بھی بھابی کہہ کے بلاتی ہے مجھے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"یہ شوہلی نہیں باری —— اگر پڑا ہے میرے باپ کے گھر میں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آپ یہ کچھ تھوڑا سا کھا لیں پھر دوا بھی کھانی ہے۔ نیند کی گولیاں بھی ہیں کھا لیں گی تو نیند آ جائے گی اور تکلیف سے اتنا سے نجات مل جائے گی۔"

محبت انگیز طور پر باری باہر جانے کے بجائے اس کی مسند پر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک چمچہ اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کھا لیجیے، مناسب ہے، پھر آپ کی مرضی۔"

جھور نے قدرے حیرت سے دیکھا، پھر ایک کیک وہیں اٹھا کر آہستہ آہستہ کھانے لگی۔

"...ق کے پلیٹ سے اٹھانے میں وہ الورا کے کھٹارا سے برآمد ہونے والی اجاڑ، خطرناک مہم جوئی کی یادوں...

...ہاری دیں تخت سے پشت ٹکا دے پر ٹک گیا اور ایک طرف دیکھنے لگی وہ انہیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔

وہ اس کی طرف... غور دیکھ رہی تھی اور ہاری کو اچھی طرح اس کا دیکھنا محسوس ہو رہا تھا، اسی وجہ سے اس نے...

اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔

"...ل ایسا ہی بہت گھٹن محسوس ہوتی ہے۔" ہاری خود بولی۔

"یہ قید خانہ ہے، تفریح کا یہ کنکشن بیلا وہ نہیں۔" اس نے ہنستے کہا تھا۔

"اوہ، ہاں، وہ ہے وہ۔" اس نے گلاس اٹھا کر پینا شروع کر دیا۔

"تم کہاں سوتے ہو؟ تمہیں گرمی نہیں لگتی؟"

"میں دالان میں سوتا ہوں، گرمی ابھی کہاں ہے۔" وہ اتنے نرم انداز میں جواب دے رہا تھا کہ وہ تلخی کو پھر بھول گئی۔

"نیند آ جاتی ہے؟" اس نے ہاری پر تفصیلی نظر دوڑائی۔

...سر جھکائے ہنوز دواؤں کے لیبل پڑھ رہا تھا یا پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آ جاتی ہے۔" وہ نہ جانے کیوں آہستگی سے اس دیا تھا۔

"ڈر نہیں لگتا وہاں؟" اس دالان والے "پھڑاؤ" سے وہ ابھی تک خوفزدہ تھی جو ابھی تک دل میں تھا۔

"ڈر۔۔۔؟" ہاری نے بے ساختہ نظریں اٹھائی تھیں، "کس چیز کا ڈر؟"

"سنا ہے دیہاتوں میں بھوت اور آسیب لگنا عام بات ہے۔" خوف سے اسے جھرجھری سی آ گئی۔ ...ہول ہی ہو رہا تھا جیسا تک سا ہو رہا تھا۔

"کون آپ کے کہہ رہی تھی بی بی تو مجھے حویلی کا آسیب کہتی ہیں۔ ایک آسیب دوسرے آسیب سے کیوں ڈرے گا؟" ہاری مسکرا دیا۔

"اور کچھ لیجیے ناں۔" اس نے بھوت سے بات کا رخ موڑ دیا۔

"نہیں بس۔۔۔ لاؤ مجھے تم دوا دے دو۔ نیند کی ضرور دینا۔ میں بہت بے خبر سونا چاہتی ہوں۔ باہر کے ظلم کی یادوں کے البتہ دماغ کے ظلم بہت بے چین رکھتے ہیں۔

اگر نیند کی ایک گولی آنکھ لگنے سلا سکتی ہے تو تم مجھے دو دو دینا، میں سولہ گھنٹے الجھنوں سے پرے سونا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے پوری بھر کر سونے کے بعد میں خود کو زیادہ طاقت ور اور کارآمد محسوس کرنے لگوں اور شاید آپ کے لیے کچھ

...کلیف بھی بہت ہو رہی ہے، سیدھی ٹانگ میں بہت اکڑاؤ ہے۔"

اس نے تکلیف کے احساس سے پھیلا ہوا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

جھور نے پوچھا۔ "ہاری نے کس قسم کی گولیاں اس کی تھیلی پر رکھی ہیں۔"

"...ی ساری گولیاں لا کے سونے سونے کا کھلونا ہوتے تھے، وہ کس لیے تھے؟"

وہ بھی گولیوں کو دیکھ کر رک گئی۔

"...ڈر، ہیضے کے علاوہ سے بچاؤ کے لیے تھے۔ یہ شاید انسانوں کے لیے ہیں۔" اس نے کھا کر سے کہا۔

"...ں، اندازہ لگا رہا ہے تم نے پوری صفت سے قول کر لی، تم واقعی ڈاکٹر ہو۔"

"...ے کام کرنے میں جلدی کیوں کرنا چاہیے۔ وہ بھی زندہ لوگوں کے بارے میں۔" اس نے ...گولیاں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نیند کتنی دیر میں آ جائے گی؟" اس نے کھلے کھلے انداز میں سوال کیا۔

"آپ دوا کھا کر لیٹ جائیں، جلد ہی آ جائے گی۔" اس نے نرمی سے جواب دیا۔

"مگر شاید یہاں وہ تک نیند نہ آئے بہت گھٹن ہے۔ یہ قید دالان میں کہیں جا سکتا ہو تو میں وہاں چلا جاؤں، لیٹ سکتی ہوں۔" جھور نے ملتجانہ سے کہا۔

"آپ کہیے، میں یہ قید ہٹوانے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا کہیے؟" جھور نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"ظاہر ہے اب رات کے اس پہر فوج کہاں سے طلب کروں؟" وہ تھوڑا سا جھلایا۔

"...شاید اللہ بہت حقیر ہو، اس میں کیا قباحت ہے، ایک حقیر سی مرد ایک عورت کے لیے کیا اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا احساس کمتری" بے چاری" اس عورت ہی کو ہو سکتا ہے۔" وہ ہنستے تخت سے نیچے اتر آئی اور ہاری کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

ہاری نے دوائیں زمین پر رکھیں اور تخت اٹھا لیا۔

جھور نے آنکھیں موند لی تھیں۔ ہاری تھوڑی دیر میں واپس آ گیا۔

"کیا تکلیف بڑھ رہی ہے یا نیند آ رہی ہے؟" بہت دیر انتظار کے بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اسے بیٹھا ہوا۔

"تکلیف تو خیر بہت ہے، مگر آنکھیں میں نے اس لیے بند کی تھیں کہ شاید نیند آ جائے۔ کہیں تمہیں بیوی نظر نہ لگ جائے۔"

وہ ہنسنے سے بولی اور لنگڑاتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔

ہاری نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔

"آہستہ آہستہ چلیں، جلدی کیا ہے؟"

وہ اسے سہارا دے کر دالان تک لایا اور تخت پر لٹا دیا۔

تھوڑے فاصلے پر اس کا پلنگ پڑا ہوا تھا۔

"ہادی ——!"

"جی ——!"

"زحمت تو ہو گی، مجھے تھوڑا سا پانی اور پلا دو۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور چند منٹ بعد پانی لے آیا۔

جھومر ایک سانس میں پانی چڑھا گئی۔

"معلوم نہیں، اتنی پیاس کیوں لگ رہی ہے۔ کیا آگ بھڑک اٹھی ہے اندر۔" اس نے گلاس واپس کرتے ہوئے کہا اور جیسے تخت پر اڑھک گئی۔

وہ گلاس رکھ کر آیا اور آہستگی سے پلنگ پر دراز ہو گیا۔

نیا چاند طلوع ہونے میں ابھی دو تین روز باقی تھے، راتیں اندھیری تھیں، مگر ستاروں کی ضیا آسمان پر اتری ہوئی تھی۔ جھونپڑیوں، کھلیانوں پر چراغ روشن تھے۔

موم بتیاں اس نے بجھا دی تھیں۔ حویلی مکمل طور پر تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دیوانے کی رات —— مچھروں، مچھروں اور مینڈکوں کی اصحاب شکن آوازیں کسی طرح بھی تو پرسکون سانس لینے کی رعایت نہیں دیتی تھیں۔ ان کے گردن موڑ کے دراز فاصلے پر لیٹی جھومر کی طرف دیکھا۔

تخت پر گرو جی اسم اعظم کا ایک مجہول سا خاکہ بنا ہوا تھا۔ اس کے اندر اترنے لگا۔

دلاور علی خاں اپنی بیٹھک کی چہل قدمی میں مصروف تھے۔ ان —— سے بیٹھک کے سامنے بڑا سا دالان تھا جس پر بیٹھے بیٹھے وہ معمول کے مطالعے میں مصروف نظر آ رہے تھے۔

روشنی بہت تیز رفتاری سے آئی تھی اور سیدھی بابا صاحب کے پاس پہنچی تھی۔

"السلام علیکم بابا صاحب!"

"وعلیکم السلام —— جیتی رہو۔ بھلی آئیں تمہاری یہ عادت بہت اچھی لگتی ہے کہ تم سویرے سویرے اٹھتی ہو۔" وہ بشاشت سے مسکرائے۔

"آپ کتنے بجے روانہ ہوں گے؟" اس نے فکر مند دلچسپی کے ساتھ سوال کیا۔

"ڈرائیور کسی کام سے گیا ہے، وہ آتا ہے اور ہم روانہ ہوتے ہیں۔ خیریت؟ کوئی پیغام ہے بچوں کے لیے؟" انہوں نے چہل قدمی موقوف کر دی اور ایک جگہ ٹھہر گئے۔

"نہیں، میں خود آپ کے ساتھ جاؤں گی۔" اس نے اعلان کیا۔

دلاور علی خاں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ مسکراتے ہوئے اس کے گالوں میں گڑھے پڑتے تھے۔

"بچے باپ سے اجازت لیتے ہیں۔" بابا صاحب بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔

"ابا جی تو ساری اجازتیں آپ ہی سے لیتے ہوں گے۔" اس نے ایک ادا کی بگھار دے کر کہا۔ "اب ہم بڑے ہو گئے ہیں، اب ہم یہاں رہ۔ یہاں رہنے کی اجازت اپنے آپ سے لیتے ہیں۔" اس کی گھڑی ہوئی ادا کی بگھار دے کر کہا۔ "اب ہم بڑے ہو گئے ہیں، اب ہم یہاں رہ۔ یہاں رہنے کی اجازت اپنے آپ سے لیتے ہیں۔" وہ مسکرا رہے تھے۔

"بیٹا کہیں گے وہ، انہیں فرق ہی کیا پڑتا ہے، وہ ہمارے طرق تو نہیں لاتے ہیں۔" اس نے ماں کے انداز میں کہا۔

"پھوپھی جی۔"

"میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کی سوچ میں کسی دوسرے کے لیے اجازت لی گئی ہو۔" اس نے خفگی سے کہا۔

وہ ہنسنے لگے بولے۔

دلاور علی خاں خوش ہو کر رہ گئے۔

"بیٹا" وہ کچھ دیر دلاور علی خاں کے آرام کرنے کے بعد آئیں گی۔" میں بابا صاحب کے ساتھ جا رہی ہوں، وہ مجھے جانا تو ہے ہی۔"

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے نظریں اٹھائے بغیر بے توجہی سے اندر کہا۔

روشنی کے دل کو کچھ ہوا۔

"کوشش بابا اسے روکنے کو کہتے، کوشش اس سے پوچھتے کہ تو وہاں جا کر کیا کیا کرے گی؟"

"بابا صاحب! ہوا کو چلیاں پڑتے ہی یہاں بھیج دیجیے گا۔ ایک ہفتے کے لیے آرڈر جاری کر دیجیے گا۔ ہوا کو چلیاں پڑتے ہی یہاں بھیج دیجیے گا۔ ایک ہفتے کے لیے آرڈر جاری کر دیجیے گا۔" بابا صاحب سے مخاطب تھے۔

"ہاں ہاں، یاد ہے، کہیں جا رہے ہو۔"

"میں ہوسٹل میں چیک کر رہی ہوں۔"

"روشی —— پہلے ناشتا کرو۔" دلاور علی خاں نے اپنے مخصوص انداز میں اسے ٹوکا۔

"ناشتے جائے گی، راستے میں کروں گی، ناشتا۔" اس نے جیسے بے انداز میں جواب دیا۔

"بھئی روشی کا بھی کچھ پتا نہیں چلتا۔ کل تو جانے کی جلدی نہیں تھی اور آج جانے کی جلدی ہے۔" بابا صاحب نے دلاور علی خاں کو کھانا دیتے ہوئے دیکھا تو گفتگو انداز میں بیٹے سے مخاطب ہوئے۔

"خدا جانے کیوں بابا صاحب مجھے کبھی کبھی یہ احساس ہوتا ہے جیسے میں اپنے بچوں کی توقعات پر پورا نہیں اتر رہا ہوں۔ جیسے بچے مجھ سے ایک باپ کی حیثیت سے کچھ چاہتے ہیں۔" دلاور علی خاں اظہار کرتے ہوئے دکھائی دیے گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے۔

"تمہارا اندازہ درست نہیں، تمہاری بیٹی تم پر بہت فخر کرتی ہے۔ وہ تو یہ جانے کو تیار ہی نہیں کہ کوئی اس کے باپ سے

زیادہ واقف بھی ہو سکتا ہے۔" بابا صاحب مسکرا رہے تھے۔

"اچھا۔" دلاور علی خاں دھیرے سے مسکرایا ہے۔ "مجھے لگتا ہے یہ کہانی یہیں ختم ہو گی۔"

"ابھی بہت کچھ باقی ہے دلاور علی۔ وہ اصل کہانی جو تم نے ابھی سنی ہے وہ تو صرف ایک پرت ہے۔ اس کے نیچے اور بھی بہت کچھ ہے۔"

"آپ کے لیے تو ہو سکتا ہے باقی ہو۔" دلاور علی خاں نے اپنی سادگی سے کہا۔

"وہ جو کچھ ہے وہ ہماری اولاد ہے۔ تم کیا کہہ رہے ہو بابا صاحب؟" ثمینہ بیگم نے بے چین ہو کر پوچھا۔

سمجھ گئی تھیں۔ بابا صاحب اس لیے نہیں آئے تھے کہ ان کی بیٹی اور داماد سے کوئی غلطی ہو گئی تھی۔ وہ تو صرف یہ جاننے آئے تھے کہ ان کی بیٹی کی زندگی کس طرح گزری ہے۔ وہ کیسے ہیں۔ کیا کرتے ہیں۔ کیا کھاتے ہیں۔ کیا پہنتے ہیں۔ کیا سوچتے ہیں۔ کیا محسوس کرتے ہیں۔ ان کے بچے

"بھئی یہ تم جیسے بہت پڑھے لکھے لوگوں کی غلط فہمیاں ہیں۔ ہم ان پر یقین نہیں کرتے۔ کہتے ہیں نا، 'دل کی لگی ہوئی ہے شاید'۔"

دلاور علی خاں خاموش ہو رہے۔

"چلیں بابا صاحب" روشی اپنی چیزیں لے کے واپس آ گئی تھی۔

"تمہارا موبائل کہاں ہے؟" وہ پوچھنے لگے۔

"ارے، وہ لے گیا ہے۔ آپ آئیے۔ اچھا چچا ابھی بھی اور خیال کر لیا کریں۔ جن لوگوں کو آپ سے کوئی غرض ہو، وہ آپ کے پاس آئیں گے۔" وہ اٹھا کر پورچ کی طرف بڑھ گئی۔

"عریبی کب آئے گے؟" دلاور علی خاں پیچھے چلتے ہوئے رک کر پوچھنے لگے۔

"ایک ایڈورٹائزمنٹ آ سکتا ہوں۔ ابھی تو فرانس جانے کا مرحلہ سامنے ہے۔ خیر—" وہ دلاور علی خاں کے بازو سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔

روشی کے سر پر ہاتھ پھیرنا چاہتے تھے، مگر وہ جھک میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ کی آنکھ سے بچتا ہوا سانس پیچھے خارج کر کے چپ چاپ کھڑے رہ گئے۔ آنکھوں کی سرخی بڑھنے لگی تھی۔

"آپ اتنے کمزور تو نہیں ہیں کہ آپ کو ابھی نہ لیں۔ بندہ صاف ستھرا ہو تو جلد ہی صحت یاب ہوتا ہے۔ آپ نے کال لیٹر کتنے عرصے ہوتی ہے۔ کل کر بانی تو نہیں سکتے۔ پتا نہیں لال خان پر کون سے احسان اور کس طرح کرا لے ہیں کہ وہ آپ کو چارے سر نہیں اٹھانے دیتے۔"

بالو اس کے تبصرے کو سمیٹنے ہی لگی تھی۔

مسکرا کر مخاطب کرتے ہو

عادتیں کیوں خراب کرتے ہو

اس نے بالو کے انداز گفتگو پر بڑا لطیف سا طنز کیا تھا۔

"ایک تو سب سے پہلے آپ کی اس بیماری کا علاج ہونا چاہیے۔ مشین کی طرح شعر نکلتے ہیں آپ کے منہ سے۔" وہ جل کر بولی تھی۔

"اور یہ لیلیٰ ایسے کام کا بیمار کیا ہے۔ جب کہا بھی نہیں ہوتا تو صبح کر دیا کیجیے۔ مجھے گھر میں اور بھی تو کام ہوتے ہیں۔ خواہ مخواہ دوسرے کا وقت برباد کرنا۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی واپس اپنی کرسی پر تیزی سے بیٹھ گئی تھی۔

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ کو اپنی صحت سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ آپ ٹھیک ہی نہیں ہونا چاہتے۔" وہ اس کی طرف پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولے۔

"بیٹے، یہ تو قانون کے نواسے بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ آخر آپ کا کارنامہ کیا ہے؟"

دلاور علی خاں اور تیز ہو گئے۔

کیا حال ہے چچا جان کا

آپ کے چچا جان ہیں یا کسی اور کے

"بیٹے، چچا ہوں تمہارا۔ سیدھی سیدھی بات کیا کیجیے کبھی۔" وہ کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولے۔

ہوں۔

"ہاں، وہ لال خاں اور آ گیا۔" "بس آج تو چلی ہوں، کل ہفتہ کر لیا تم نے۔ یاد رکھا جائے گا۔ میں نے تو سنا ہے کہ کچھ بھی ہو، قرنے بھی ہے۔"

لال خاں ایک تو ترسے ہوا تھا، مگر مارے ہوا اس کے لیے کافی نہ ہوا۔ وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ چھت کی طرف دیکھتا ہوا۔

"ہاں، کچھ کہیے۔ باہوں۔ کیا سوچ رہے ہو؟" وہ اس کے نزدیک بستر پر بیٹھ گیا۔

"میں کیا سوچتا۔ کبھی سوچتے تھے۔

اس کی چاہت کی چاندنی ہوگی

خوبصورت سی زندگی ہوگی

اس لڑکی محبت سے بھرا لے

ہاں کی دہلیز پہ کھڑی ہوگی"

وہ ہنس پڑا تھا۔

"بے چاری مال مال ہی گئی جو بھی تھی۔" بالو کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"ہا-ہا-ہا-ہا۔" لال خاں نے زبردست قہقہہ لگایا۔ "یار، تمہاری بھابی بھی بہت اچھا مذاق کرتی ہے۔ ہوں، شاعرہ ہوئی نہیں ہے اور جب بولتی ہے۔ ہو۔ ہو۔ ہو۔ ہا۔"

بالو کو اس کے احساس سے بالوگی پیتانی پر ہلکا سا خفت کا پسینہ پھوٹ گیا تھا۔

"رات میں دو مرتبہ تمہارے پاس آیا۔ تم بے خبر سو رہے تھے۔ حالانکہ رات تو میں نے تمہیں جگانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ یہ تو اچھی علامت ہے۔ صحت کی علامت ہے۔ صحت کی نشانی ہے۔ اللہ، اللہ، دو چار دن میں چلنے پھرنے لگ گئے۔"

"ہر طریقہ یہ چلتا۔ پھرنا چاہتا ہوں۔ فی الحال تو جنت میں بیٹھے ہیں۔" بالو کی طرف سے پھر بے آواز جملہ آیا۔

"خلصہ تو" "تراپ لیجیے" "ابھی بھی ہمارے لیے کشش نہیں رکھتی۔ اور آج کل تو یہاں ہر بھی ہوتی ہوگی ہے۔" اس نے لال خان کو گھورا۔

خواہش کی تار ہے بدن سے انگلیوں کی رگ

اور سانس کھلا ہوا ہے کوئی لے کر بہشت

اس نے آنکھیں بند کر کے بڑی مشکل میں مخاطب کو پہچانا تھا۔

"لال خان۔ یار۔ تم پر ترس بھی آتا۔ بالکل بے حال کر کے رکھ دیا ہے تمہیں۔ کیسے ہو؟" اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"میں تمہیں اس طرح خوفگی کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ اب تم اسے نہیں پا رہے تھے، وہ تمہیں پا رہی تھی۔ شروع میں مشکل تو ہوتی ہی ہے۔ مگر آہستہ آہستہ سنبھل جاؤ گے۔" لال خان نے بڑی محبت سے اس کا ہاتھ دبایا۔

"وہ بیمار کے لیے کیا دستر خوان "بنوں؟" ہالے نے دروازے میں رک کر پھر انکار سے چاہا تھا۔

"ہو۔ ہو۔ ہو۔ یار تمہاری بھابی آہستہ آہستہ کھل رہی ہے۔ وہ اتنی اچھی اور دلچسپ ہے۔ ہو ہو ہو۔" لال خان بھی کی قابلیت پر خوب پر لطف ہوا جا رہا تھا۔

کوئی خاص چیز بنانے کی ضرورت نہیں بھابی۔ جو گھر میں پکے گا کھا لیں گے۔ آپ ہمارے سامنے کسی قسم کا اہتمام نہ کیا کریں۔ یہ تو بے تکلفی کرتا ہے۔"

عارف نے بے حد سنجیدگی سے کہا تھا۔ اس طرح کی سنجیدگی ہالے نے پہلی بار دیکھی تھی اس میں۔ اگر اس کی جگہ کوئی بھی ہوتی، کبھی بھی، کسی بھی حیثیت میں، کبھی استعجاب اور کبھی خوشی ہی ہوتی تھی۔ وہ سر جھٹک کر باہر نکل گئی۔

"رات بڑے اچھے انار لایا تھا میں تمہارے لیے۔ تمہاری بھابی سے کہتا ہوں، وہ جوس نکال کر دے دے گی۔ تم بیٹھ چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"یار۔ کیوں بھابی کو تنگ کرتے ہو؟ ان کے پاس پہلے ہی کم کام ہوتا ہے۔" اس نے پھر لال خان کو روکا۔

"وہ اس گھر میں بہت پیش میں ہے۔ نعمتوں سے گھر بھرا پڑا ہے۔ اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔ اس میں تمہارا حصہ ہے۔ سب سے بڑھ کر تم میرے یار ہو۔ اور ہم یار کی قدر پہچانتے ہیں۔ مت بولا کرو میرے معاملوں میں۔"

لال خان نے تنگ کر اس کا کندھا دبا دیا۔ "اچھا۔ خدا حافظ۔ اپنی بھابی کو تنگ مت کرنا۔ جو وہ کہے کھا لینا۔" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔ عارف نے پھر آنکھیں موند لیں۔

خوشی کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
تیرا وجود ہے صرف داستان کے لیے

وہ ریڈیو کا گایا ہوا ایک المیہ گیت گنگنانے لگا۔ دس منٹ میں اس نے یہ گیت نہ جانے کتنی بار گنگنایا تھا۔ بالکل خراب اور بے سوز آواز تھی۔

ہالہ جوس کا گلاس پکڑے ہوئے چلتے ہوئے اسی طرح کھڑی رہ گئی۔

"ہاتھ میں پکڑا دوں یا رکھ کر چلی جاؤں؟" اس نے گھریلو انداز میں اسے مخاطب کیا۔ عارف نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"رکھ دیں۔ شکریہ۔ یہ ساری خدمات مجھ پر قرض ہیں۔ زندگی رہی تو آپ کو واپس بھی کروں گا۔"

ہالہ اس پر نگاہ کر دروازے کی سمت بڑھ ہی رہی تھی۔ ٹھٹک گئی۔

"آپ کو میں یاد رہی ہوں گی اس سارے عرصے میں؟" وہ پوچھ بیٹھی۔

"پانی مانگا تھا میں نے آپ سے۔" عارف کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"پانی کی حسین نہیں ہے۔ سوچ کی حسین ہے۔ سوچ کی روشنی میں اتر گئی ہے۔" اس کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ پلٹی اور تیز تیز چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔

عارف مبہوت سا دروازے کی طرف دیکھتا رہ گیا تھا۔

اس کا ذہن بری طرح الجھ چکا تھا۔ کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچ سوچ کر تھک ہار گیا۔ تھی ہار کر آنکھیں موند لیں۔ آخری جملہ بار بار مختلف طرح سے گونج رہا تھا۔ بالآخر اس نے گہری سانس کھینچ کر خارج کی۔ دونوں کا حساب پھر اگلی بار اٹھا رکھا۔

کیوں گردش ایام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

وہ آہستہ آہستہ خوش ہونے لگا تھا۔ مگر اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ کسی طرح الجھا ہوا ہے۔

دھوپ کی تمازت کا احساس بہت گہرا تھا۔ اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اور وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ کچھ خاصی دھوپ نکل چکی تھی۔ اس نے وقت واچ پر نظر ڈالی اور بستر سے اتر آیا۔ آتے ہی اس نے اپنے نہانے کا سامان تیار کرنے کی غرض سے کمرے کی طرف بڑھا۔ جہاں اس کا بیڈ سائیڈ رکھا ہوا تھا۔ اپنا شیو کا سامان اور تولیہ وغیرہ لے کر باتھ روم میں جانے کی آئینہ کو دیکھ کر شیو بنانے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ تیمور علی خان شاید گاڑی کو سنبھالیں اور آج اس کی جان چھوٹ جائے۔ اس امکان کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی صبح بڑے آرام سے شروع ہوئی تھی۔

صبح کی چائے تو کبھی روزے جھوٹ مار رہی تھی۔ کھڑکیاں جلا کر دھوئیں میں آنکھیں ملتے ہوئے چائے تیار کرنے پر وہ ہمیشہ چائے کے رہنے کو ترجیح دیتا تھا۔ آخر جب چائے دیر تک نہیں ہوئی تھی تب بھی تو لوگ۔ رہتے ہی تھے ڈیرے میں۔ اس نے اپنی طلب کو بھلا لیا تھا۔ کریم سے بھاگ بناتے ہوئے اس نے آئینے میں پیچھے کی طرف دیکھا۔ جھومر زمت سو رہی تھی۔

اسے نہ جانے کیا خیال آیا کہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

قریب آ کر اس کی کلائی تھام کر نبض محسوس کی۔ کیونکہ وہ کروٹ کے بل سو رہی تھی۔ اس لیے اس کے سانس لینے کا انداز ایسا ہوا تھا۔ مگر رات کو جتنی بار بھی اس کی آنکھ کھلی تو وہ سیدھی ایک دم چت لیٹی ہوئی ملی اور اس کے خراٹوں کی آواز سے اس کے سانس لینے کا عمل واضح محسوس ہوا۔

الم جگ جگ تھے۔ اور خون بھی کافی بہا تھا۔ اس لیے اسے خاصی تشویش تھی۔ کلائی تھامے ہی جھومر نے آنکھیں کھول

دیں۔

"جاگ رہی ہوں۔ اور زندہ بھی ہوں۔ مگر اتنا نہ پیٹنے کو بالکل نہیں چاہ رہا۔"

ہاری نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ اور واپس اپنے لحاف کی طرف بڑھا۔ ہاتھ بدستور گیلی زمین پر تھے۔ سوکھی بھاگ بھاگ کر ہو چکا تھا۔ اس نے رخ را لحاف کر پائی میں ڈبویا۔

"آپ اٹھ جائیں بھائی۔ تاکہ میں قینت واپس لحاف نے پر پھیلا دوں۔ کا کا جان نہ معلوم کس وقت آ موجود ہوں۔"

اس نے آنکھیں بھر مر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے پاس بیٹھ جاؤں۔" وہ تھوڑی دیر سے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ہاری شیو بنا کر نہانے چلا گیا۔ بھر مر وہاں سے ہو گئی تھی۔

وہ نہا دھو کر تیار ہو گیا۔ بڑے نام ناشتا کیا۔ پھر تخت اٹھا کر بال کرے میں رکھ کر آیا۔ اب اس کا کام بھی کا بھر آنے کہ بار بار گھڑی دیکھتا رہے۔

کافی دیر بعد اتنا کر بیرونی احاطے کی طرف چلا گیا۔ بیٹھ کھول کر باہر کیے تاکہ وہ اپنا انتظار خود کریں کہ ان کی بھوک خود اک کا اختتام ہو رہا تھا۔ سوچتے ہوئے کہ بیٹھ تھے۔ گھوم پھر کر واپس آ جاتے تھے۔ اس کام سے فارغ ہو کر اندر سے موڑھا اور کتاب اٹھا لایا اور بیرونی احاطے میں آ کر بیٹھ گیا۔ نہ جانے کتنا وقت گزرا۔ اس وقت چونکا جب بھر مر لنگڑاتی ہوئی سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"وہ ابھی تو کھانا ہو گی ہاری! بہت دیر نہیں ہو گئی۔" وہ دیوار سے پشت ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

"پہلے آپ ناشتا کر لیں۔ خالی پیٹ دوائیں کھاتے۔" اس نے کتاب سے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کا رنگ سفید چونا ہلدی کی طرح پیلا ہو رہا تھا۔

"اچھا!" وہ پھر اندر چلی گئی۔

ہاری نے کچھ سوچا پھر کتاب موڑھے پر الٹی رکھ کر اس کے پیچھے چل دیا۔

"آپ بیٹھیں بھابی۔ میں آپ کو ناشتا بھی دیتا ہوں اور دوا بھی۔" وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم ناشتا نہیں آؤ گے؟" وہ پلٹ کر تھکے تھکے انداز میں بولی۔

"کیا مطلب؟" وہ واقعی حیران ہوا۔

"جب سب کچھ بتا دیا ہے تو کیوں "بھابی" کہتے ہو؟" وہ جیسے چڑ کر کہہ رہی تھی۔

"یہ میری مجبوری ہے۔ میں صرف ان اطلاعات پر کان دھرنے پر مجبور ہوں جو مجھے حویلی سے ملتی ہیں۔" وہ سادہ سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اور دسترخوان کمرے میں داخل ہو گیا جہاں اشیائے خورد و نوش محفوظ تھیں۔

ابھی اسے ناشتا کرا کر دوا کھلانا شروع ہی کی تھی کہ باہر سے بے پے در بے ہارن کی آواز آئی۔

"میرے خیال میں کا کا جان آ گئے۔ کوشش کیجیے گا۔ آپ کی سزا آج کی ڈوز میں تمام ہو جائے۔ باقی بڑھائیں گے تو نقصان اٹھائیں گی۔ تو اٹھ ان کی چلیں گی۔ آپ نہیں۔ سے آگے آپ کی مرضی۔" اس نے چمچ اس کی انگلی ہوئے

ہوئے کہا اور پیالہ تھامے ہوئے چلا گیا۔

"جلدی آئیے گا۔ خانوں کو بہت دیر بیٹھنے نہیں دیں گی۔ فوراً بھیج دیں۔" وہ دروازے سے باہر نکلتا ہوا سن رہا تھا۔

ہے گیا۔

چند لمحے گزرے اور بھاری جوتوں کی آہٹ سنائی دینے لگی۔ وہ سانس تک نہیں روک رہا تھا۔ بھر مر نے بھی آنکھیں بند کر لیں۔ اور صرف ہونٹ حرکت میں تھے۔ وہ پہچان گئی کہ بھر مر دعا میں مصروف ہے۔ خود اس نے

"ہم جس پر حیران تھے، وہ لڑکی کوئی اور نہیں، آج جو سامنے ٹیلی ہے، یہ کوئی اور ہے، کہتا ہے جب وہ باہر نکلا۔

"ہر انسان کا ایک دل بھی ہوتا ہے خان؟" اکبر اس کے لہجے پر ہنسے تھے۔

"جب انسان کا تن سے سر جدا ہوتا ہے، تب بھی تو یہ دل اس کے پاس ہوتا ہے۔ کیا دل کا بھوک سے مر کیوں جاتا ہے؟" وہ چیخا رہے۔

"ہم سے زیادہ کلام کرنے کی ضرورت نہیں۔ احسان فراموش کی آواز اگر بند کر دینی ہے تو ہوں میں۔" وہ چلتے ہوئے حویلی احاطے کی طرف بڑھ گئے۔

"خان! وہ بھائی کی فریکشن کا کیا ہوگا؟" باری نے فکر سے پوچھتے ہوئے سوال کیا۔

"گلبار کو گاڑی کی چابی دے دو اسے واپس بھیج دیں گے۔" انہوں نے فیصلہ سنایا اور جیپ کی طرف بڑھ گئے۔

باری آخری کمرے میں اپنا کچھ سامان اور چابی لینے کے لیے آگے بڑھ گیا تھا۔ اور خاصے عجلت آمیز انداز میں گلبار کی طرف آیا تھا۔

"گلبار!" بھنور کی آواز سن کر اس کے قدموں سے لپٹا تھا۔ وہ رک گیا تھا۔

"جی۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"یاد ہے مہزا آپ کاٹ رہی ہیں، جی نہیں۔ آپ کو شوق ہے۔ مجھے نہیں۔" اس نے سرد لہجہ اختیار کیے جواب دیا۔

"میں آپ کو کل کا پان کے آنے سے پہلے ہی سمجھا چکا تھا۔ اور پھر آپ کو مجھ سے مطلب؟ میں خان کے حکم کا پابند ہوں۔ میں آپ کی خاطر تو یہاں نہیں آیا۔ آپ کو یہ قید تنہائی مبارک ہو کہ آپ کو پسند ہے۔ مگر مجھے یہاں رہنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

وہ گلی بھر سے لیے میں کہہ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ بھنور نے پلکیں جھپکیں، ہونٹ کاٹے۔

"اگر اب حویلی میں واپس بھی گئی تو تمہاری خاطر جاؤں گی۔ حویلی صرف اس لیے خوبصورت ہے کہ وہاں تم ہو۔ بھنور حال۔ ابھی مجھے بہت سوچنا ہے۔" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

باری مطلوبہ چیز لے کر باہر آیا اور ٹیلی ہوئی بھنور پر ایک نظر ڈالی۔

"خدا حافظ بھائی۔ کاش آپ زندگی کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔" آہستہ کہہ کر وہ حویلی احاطے کی طرف آیا اور گلبار کی چابی گلبار کے حوالے کی۔ اور جیپ میں تیمور علی خان کے برابر میں بیٹھ گیا۔ ان کی جیپ اب ایئرپورٹ روڈ پر تھی۔

"گلبار! کچھ پتے ہوا ہاں سب بات؟ لڑکی بہت چالاک ہے۔ بہت ہوشیاری سے۔ اب کچھ پتہ چلا کہ؟" تیمور علی خان نے جیپ سے پرے نکال کر سوہنے کے کھوٹے گلبار کو دیے۔

"میرے سائیں۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ لڑکی چالاک ہے، ہم اس سے زیادہ چالاک ہے۔" گلبار نے ادب

سے جواب دیا۔

"ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ایک گولی لگا کر اس کا قصہ ختم کرو۔"

"میرے سائیں! ایسے کیسے ہو گی۔ پتا کریں، مجبوری کی ڈکی ہے۔ اسے مرنے میں ٹوٹل ہی کتنا وقت لگے گا۔ بھنور علی خان کی ہدایت پر عمل

تھی۔

"اگر ہمیں پتا چل جاتا کہ تم آ رہی ہو تم بھرا پرا گھر دیکھ کر جاتیں۔" استقبال کو گھر ایک آنکھ بھاتا ہے اس لیے وہ اداسی سے سر جھکا گئی۔

"وہ کیا؟" کئی آوازیں ایک وقت ابھریں۔

"سفر کے بعد پانی میں کوئی خاص آہنی اثر ہے۔ سو وہ باقی سفر کا بھول جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے ہم لوگ اسے بھولے ہوئے وعدہ یاد آنے کا پروگرام منسوخ کر دیتی۔"

وہ سب بے ساختہ ہنس پڑیں۔ وہ سب ہماری باتوں کے گل ہو رہی تھی۔ صحن پیچھے سے آگے نہ ہو گئیں۔

"ابا صاحب کے ساتھ آئی ہو؟" زوری نے استفسار کیا۔

"ظاہر ہے۔" وہ مسکرائی۔ "کہتا ہے آپ لوگوں کو ہم بہت یاد آ رہے تھے۔ اس لیے ہم جلدی آ گئے۔"

"ہاں اخیر۔ یاد تو تم بہت آ رہی تھیں۔ مگر ماہلی بہت یاد کر رہی تھی کہ میرے کانوں میں کوئی تھی تھی تھی تھی اور بہت ہو رہی ہے۔" زوری ہنس رہی تھی۔

"باقی سب لوگ کہاں ہیں؟" روشی نے پوچھا۔

"اپنے اپنے ٹھکانوں پر۔"

"ہاں۔ سرائے گیا تھا۔ ابھی تک نہیں آیا۔ ہاں کچھ ضروری چیزیں جو تم چھوڑ کر گئی تھیں۔" صبیحہ ان سے متعلق وضاحت کرنے لگی تھیں۔

روشی نے ایک خفگی بھری نگاہ ان پر ڈالی۔

"میں ابھی آتی ہوں بڑی امی کو سلام کر کے۔" ہال کمرے کے نزدیک پہنچ کر اس نے دائیں طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ بیٹھک والے کی رپورٹ پیش کرنے جلدی جانا۔ جلدی آ جانا۔" مریم نے تاکید کی۔

"ہاں۔ ہاں آ رہی ہوں۔" وہ جب گھر میں داخل ہوئی تو خون میں عجیب سی سرگرمی دوڑ رہی تھی۔ مگر اب وہ خاصی تھکی تھکی ہو رہی تھی۔

"کیوں گیا ہے سرائے؟

اور پھر ابھی تک آیا کیوں نہیں؟ پتا نہیں کیسا دل ہے اس کا کہ کسی جگہ ماحول پہچان ہی نہیں جہاں جاتا ہے جا جاتا ہے۔ جاپانی مشین کہیں کا۔

اسے تو شاید یاد بھی نہیں رہتا ہو گا کہ حویلی کا ایک مستقل ہاشمہ کم ہے۔" وہ بیٹھک کی طرف دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ سب کسی پُرتجسس ڈرامے کی قسط دیکھنے میں مصروف تھیں۔ گھر ہے کہ جیسے الف لیلہ

کوئی ہال نہیں۔

ایک پُرطرف خاموشی طاری ہو گئی۔

کمرے میں بالکل سناٹا طاری ہو گیا۔ سب ایک دوسرے کے چہرے دیکھنے لگیں۔ روشی تھی۔

"یہ کیا تمہارے ہاں کا موسم کسی پر طنز کرتا ہے؟" وہ ان سب کے درمیان بیٹھ گئی۔ اور باری باری سب کے چہرے دیکھنے لگی۔ جس سے اندازہ ہوا کہ وہ دیر تک چھپنے کے ارادے سے اور کسی خاص کام سے آئی ہیں۔ اگر یوں تھیں تو اب بھوگنا تھیں، جیسے قرآن خوانی ہو رہی ہو۔

"مجھے پتا نہیں بڑی امی۔ چائے کرنا ہو گا۔" اس نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

"بالکل۔ سرسوتی نے کچھ سوچ کر سے کچھ اٹھانے کے بعد سے لفظ پر رکھا ہے۔" "بالکل" سے کے ارادے کی تھی۔ اس کی شامت آئی۔

"ہر حال انداز ہو گیا ہے کہ اگلے سینے کی چند دن میں تھک ہو جائے گا۔" وہ جیسے خود سے مخاطب ہوئیں۔

وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

روشی اٹھ کر آ گئی تھی۔ اس کے بعد سرسوتی سوتے کیس نے کرتا گئی۔

"ابا اللہ کی بیوی کرا پی گئی تھی۔ میں نے اس سے کچھ کا ادار سوٹ منگوائے تھے۔ اور بہاول پور سے منی تھی کچھ کرنے کے کام کے نوٹ لانی تھی۔ تم ان میں سے پسند کر لو پھر سلنے کو بھی دیا ہے۔ اور سوکھیڑے ہوئے ہیں شادی کے۔"

انہوں نے سوٹ کیس کھول کر کپڑے نکال نکال کر اس کے سامنے ڈھیر کرنا شروع کر دیے۔

"ہمارا کتنے دن رہنے ہیں روشی کی شادی میں؟" کرنی متفکر تھی۔ "آغر ہم نے بھی تو تیاریاں شروع کر دی ہیں۔"

"کم از کم مہینہ تو لگ ہی جائے گا۔ پندرہ دن تو چلوں گی تمہیں۔" انہوں نے تسلی دی اور ساتھ کپڑے بھی الٹ پلٹ کیے۔

"ہم اداسے نہیں جائیں گے بڑی امی۔ دل بھر گیا ہے باہر کا کپڑا لیکن ہاں کر۔ اسلام آباد کے کسی فیشن بوتیک سے ٹیلر کرائیں گے۔" سمانے لب کشائی کی جرات کی۔ سب نے تائید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ پتو بعد کی باتیں ہیں۔ اصل کام تو جہیز کی تیاری ہے۔"

"کشادرانی کے تو جوڑے آ گئے تھے سارے کپڑے بنیں گے اس کے۔" بیبو نے رشک سے کہا۔

"ماشاء اللہ۔ اس طرح نہیں بولتے بیٹی۔ اللہ خوشیاں مبارک کرے۔ تمہاری باری آئے گی تو تمہارے بھی اسے سارے کپڑے بنیں گے۔"

بڑی امی دلجمعی کیا تھا، تھی تھیں ہوئے کیس میں۔ اسی معروف انداز میں انہوں نے بیبو کو تسلی دی اور وہ کھسیا کر وہ گئی۔ وہ سب منہ چھپا کر ہنسنے لگیں۔

گھر پر کراچی سے علیم الدین نے زیارات کے ڈیزائن کی کتاب بھجوائی تھی۔ اس میں سے جو ڈیزائن تھیں پسند آئے

اس پر نشان لگا دیا۔ ہم نے تو کہا تھا اس اہتمام کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی مرضی سے خود لیں، کیسے لگے گی۔ مگر وہ
پسند ہیں اس کی پسند ہونا چاہیے۔" انہوں نے گولڈن جلد کی بھاری سی کتاب اس کے سامنے ڈال دی۔

"ماشاءاللہ" بیلے نے بڑی الجھن کا پرچھاوا صوفیہ تو رائی دہرا دیا۔

لڑکیوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

روشی دم بخود سی پہلی سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔

"ان سب کپڑوں پر بھاری کام ہے۔ شادی کے شروع دنوں میں تو اسی طرح کے کپڑے زیادہ استعمال ہوتے ہیں۔
تمہاری ساس جس قدر محبت سے تمہیں لے جا رہی ہیں۔ اس سے تو لگتا ہے وہ تمہیں سال بھر دلہن بنا کر رکھیں گی۔ ایک تاج
بچے ہے ان کا۔ کیا کیا ارمان ہوں گے ان کے دل میں؟"

بڑی امی نے ایک آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا عنابی سوٹ اس کے سامنے ڈالا۔

"مجھے اور تمہاری بھابی کو تو یہ سوٹ بہت ہی پسند آیا۔ کام بھاری ہے مگر اس میں کس قدر ہلکا پن اور خوبصورتی ہے۔"

"پھر آپ یہ بھابی جان ہی کو دلوا دیں اسے۔ آپ پر بھی بہت اچھا لگے گا۔" روشی نے بے تاثر لہجے میں مشورہ دیا۔

وہ سب ہنس پڑیں۔

بڑی امی نے کپڑے الٹ پلٹ کرنے کا کام موقوف کر کے قدرے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"احمق کہیں کی۔ جو دے رہے ہیں کیا۔ یہ تمہاری شادی کی تیاری ہو رہی ہے۔ بے وقوف۔" بڑبڑاتی ہوئی وہ پھر اپنے کام میں لگ گئیں۔

"یہ گوٹے کے کام کا کالا سوٹ دیکھو کس قدر خوبصورت کام ہے اور کتنا ہلکا پھلکا سا کپڑا ہے۔ ہمارے ہاں تو نیوز اس طرح کے کام نہیں کیے جاتے۔ مگر ہو سکتا ہے تمہاری ساس اپنی دلہن کو کالا کپڑا پہننا پسند نہ کریں۔ اس لیے یہ رہنے دو۔ سب سے لگے۔"

"بڑی امی، انہیں دکھو گی رکھوا دیں۔" صوفی بے قرار ہو گئی۔ صوفیہ نے نظروں ہی نظروں میں اسے لتاڑا تھا۔

"رکھوا دیں گے دکھو گی۔ اب ایسی بھی آفت نہیں آ رہی۔"

"صوفیہ ایسا ہے تو شاید تمہاری ماں نے بھی لیا ہے تمہارے لیے۔" انہوں نے ایک سوٹ صوفیہ کو دکھانے کا
التماس کیا۔

"نہیں۔ بڑی ممانی اس کا الگ دوسرا ہے۔" صوفیہ نے جواب دیا۔

"کھانا نہیں لگے گا آج؟" روشی نے سخت بیزار کن انداز میں دریافت کیا۔

"اسے اچھے کپڑے دیکھ کر بھی تمہاری بھوک نہیں اڑی؟" بیلے حیران تھی۔

"لو۔ سر تو کب کے کھا چکے۔ مجھے بھی دھیان نہیں آیا۔ ماما نے کھانا کیوں نہیں لگایا؟" بڑی امی بھی چونک پڑیں۔

"کل کس کونے کھدرے میں گھسی ہوئی ہے؟ آج تو اس نے زبان بھی قفا کر دیا۔ نری بدتمیز ہوتی جا رہی ہے۔"

بڑبڑائیں۔

"میں بھیجتی ہوں۔" صوفیہ اٹھ کھڑی ہو گئی۔

"یہ تمہیں پسند آیا؟" انہوں نے دوسرا سوٹ اس کے سامنے کیا۔

وہ سوٹ بہت ہی خوبصورت تھا۔ اب جیسے جیت جانے والی تھی۔ بڑی امی سے مخاطب ہوا۔

"اچھا ہے۔" وہ کل کوئی فیصلہ سوال بیٹے کے حق میں نہیں تھی۔ بیٹے سے کہنے کی ضرورت نہ تھی۔
بیٹے پوچھ لیں گے یہ سوال۔ بڑی امی اس پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ یہ تو بہت اچھا ہے۔ یہ تو بہت
زیادہ اچھا ہے۔ مجھے بہت پسند ہے۔

ہیں۔ یہ سامان صرف اسی کے لیے کیا جا رہا ہے؟

روشی۔ تم ایسا کرو ان بند کر کے اور نشان لگا کر یہ لے جاؤ۔ کل پرسوں کوئی آ رہا ہے کام لینے کے لیے۔"

وہ کمرے سے نکل گئیں۔

ہائے کون کون سے جذبوں کو مارے گی کیوں کپڑوں پر ٹوٹ پڑیں۔

"ہائے روشی کیا شاندار سوٹ ہیں۔ سب سے آگے بھی یہ ہیں۔ روز بس فینسی ڈریس شو ہو گا۔ صبح ہوئی اٹھ کر ڈریس
بدلی۔

"کوئی خاص فرق پڑے گا۔ ان کے ہاں تو ہیلی اور آ کی شادی ہے۔ پھر ہو گی تو ہیں بھی سال ہوا ہے۔ بے بیکار
شادی ہو گی۔" لڑکیاں ہنسیں تو روشی نے بے زبان کر اضافت کی۔

"اور پھر ہاں کے زیور تو عام طور پر بہوؤں کی بری میں ملا چڑھائے جاتے ہیں۔ اچھا ہے تمہارے جیٹھ کا بھی ساتھ
ساتھ انتظام ہو جائے۔" تانیہ بڑی زور کی کوڑی لائی تھی۔

"جوزہ تمہیں یہاں سے ملیں گے، وہ تم اپنی لڑکیوں کو دے دینا۔ تو بھلی تمہارے تو آدھے ساس یہیں بیٹھے جیٹھے ہو
گئے۔" اطیبہ مسکرائیں۔ اندازہ وہی مخصوص تھا جس سے روشی کی جان جلتی تھی۔

"کیسے ہیں زوہا نہ لیں عورتیں بچے پیدا ہوتے ہی ان کے مستقبل کے لیے انتظام شروع کر دیتی ہیں۔ مگر تم تو اس
کی زوہا نہ لیتی کا جواب نہیں۔ زوہا بھی واہ۔ بیٹا ہو تو ایسا ورنہ نہ ہو۔" روشی نے بھنچی ہوئی آواز میں
بڑبڑا کر کہا۔

"کیا بنا ان سوٹ سوزوں کا؟"

"رکھے ہوئے ہیں۔" یہ کہہ کر کہی نہیں۔

"اوہ پیک کر کے روشی کے جہیز میں رکھوا دیا۔ تب تو مل ہو گئی تمہاری زوہا نہ لیتی کی صلاحیت۔" سوزہ ہنس رہی تھی۔ اس
نے گھبرا کے پھیا کر منہ ڈھانپ لیا۔

"اوہ ہاں — روشی۔ تمہاری منگنی کی انگوٹھی کہاں ہے۔ بھئی پہن کر رکھا کرو۔ ویسے ہیرا بہت اچھا ہے۔"

عرب نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"شٹ اپ۔ مائنڈ۔ آئل آف یو۔" وہ واقعی خود پر بہت ضبط کر رہی تھی۔

وہ سب حیران پریشان سی ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"ٹھیک ہی تو ہے۔ اسے پریشان نہیں کرو۔ کتنے دن کی مہمان ہے ہمارے پاس۔ تھوڑی سی فلکر ہے۔ اچھا ہو جائے تو آسان بھی نہیں ہوتا۔"

عرب نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

اس کا جی چاہا چیخ چیخ کر رو پڑے۔ مگر نہ جانے آج کہاں سے اس میں اتنا ضبط کا یارا در آیا تھا۔ وہ پھر جھک کر آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

رات ساڑھے بارہ بجے کے قریب تو وہ حویلی پہنچا تھا۔ سب ہی لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ اکیلی جاگ رہی تھی۔ وہ ماں کو بتا کر کہ وہ نہا دھو کر آ رہا ہے۔ آپ کچن میں کھانا لگائیں۔ نور النسا بیگم کو دوا دے کر سو چکی تھیں۔

اور اب کچن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بھوک بہت شدت سے لگ رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی اسے وہ حویلی بھی بہت شدت سے یاد آ رہا تھا۔

"پتا نہیں بے چاری نے کچھ کھایا بھی ہوگا یا نہیں؟ کہیں ڈاکٹر کے پاس لے گیا ہوگا یا نہیں۔ پتا نہیں اس نے کھائی ہوگی کہ نہیں؟"

اسے حویلی کی ہر چیز کی اور ویرانی یاد کر کے جھرجھری سی آ گئی۔ جیسے اب تصور بھی نا گوار گزر رہا ہو۔

"خواتین۔ حماقتوں کے سب سے عظیم پل سے گزر رہی ہیں آج کل۔" وہ ہنس کر کہا کرتا اس وقت بھی ہنس سکتا تھا۔ معاوہ نہ تھا۔ بلاشبہ سامنے سے روشنی ہی آ رہی تھی۔

اس کی تمام حسیات جاگ پڑیں۔ اور ایک شریر مسکراہٹ ہونٹوں پر مچلنے لگی۔

"السلام علیکم!" وہ اس کے نزدیک آئی تو اس نے سلام کرنے میں پہل کی۔

وہ بھی اسے غور سے دیکھ چکی تھی۔ سوکھ گیا تھا بے حد۔ نقاہت کوئی اور مصیبت تھی۔ وہ اسے نظر انداز کر کے گزر رہی تھی۔

"وعلیکم!" اس نے رکھائی سے کہا اور آگے بڑھ گئی تھی۔ اس کا رخ کچن کی سمت تھا۔

اس نے تیز قدم بڑھا کر اس کے برابر میں جا پہنچا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"ناراض ہیں؟" وہ اس کے برابر چلنے لگا۔

"اگر میں ہوں تو ——؟" وہ رک کر گویا ہوئی۔

"اپالوجیز پوچھ سکتا ہوں؟" اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اٹ ڈیپنڈز آن یور موڈ سے۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"یہ جو آپ کا مزاج ہے۔ اس کے کتنے موسم ہیں؟" وہ سنجیدہ تھا۔

"ایک ناخوشگوار بھی ہوں تو تم سے مطلب؟" وہ بھڑک اٹھی۔

"ماشاءاللہ۔ بھائی ہے۔ بزنس مین سے وابستہ ہونے کا کچھ تو فائدہ ہونا چاہیے۔" مسکرا کر "میں جواب آنے لگے ہیں۔" وہ ہنس دیا۔

وہ اپنی چال میں تیزی پیدا کی اور اس سے پہلے کچن میں داخل ہو گئی۔

ماہی کھانے کے لیے اس کی منتظر تھی۔ روشی کو داخل ہوتے دیکھ کر قدرے حیران ہوئی۔

"عمان کہاں ہیں؟ کہہ رہے تھے، آ رہا ہوں۔" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔ روشی نے جواب دینا ضروری نہ

سمجھا۔

"ماما — نیند نہیں آ رہی اور صبح کے لئے دودھ بھی نکالنا ہے۔ کافی بنا دیں۔"

"آپ کمرے میں چلیں۔ میں لے آتی ہوں۔" ماما نے ادب سے کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ بیٹھیں۔ میں بنا لاتا ہوں۔" وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ہاری اندر آیا تھا۔

"آئیں خان —" ماما جلدی جلدی میز پر کھانے کی چیزیں رکھنے لگی۔

"بھئی ماما — جلدی سے مجھے کافی دے دیجئے۔" روشی نے بڑا سا مگ اٹھایا۔

"کافی سے تو اور نیند اڑ جاتی ہے۔ کیا آج سونے کا ارادہ نہیں ہے؟" ہاری نے اس کا ذہین چہرہ کرسی سے ٹکا کر کہا۔

وہ خاموش بیٹھی اپنے رنگین ناخن گھورتی رہی۔

"خان — سرائے میں تو سب خیریت ہے ناں —؟" ماما نے الیکٹرک کیتل کا پلگ لگایا۔

"پتا نہیں۔"

"تو کیا آپ "سرائے" نہیں گئے تھے؟" ماما نے تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔

"نہیں — کام ہمارا کہیں اور تھا۔" مجھ سر پھر نظروں کے سامنے آ گئی — ڈکاوت کے احساس سے اس کا دل بوجھل ہو گیا۔ اس نے ایک اچٹتی سی نظر روشی پر ڈالی۔

"کھانا کھائیے —" اس نے روشی سے اخلاق برتا تھا۔

وہ اسی طرح خاموش رہی۔ ماما کو کافی بناتے دیکھتی رہی۔

"خان! گھر سے کافی آئی ہے، مگر فرنچ نہیں ہے۔ آپ کھانا بھی نہیں کھاتے۔ اس لئے پوچھ رہی ہوں۔"

"نہیں — اس ٹھیک ہے۔" اس نے کھانا شروع کر دیا تھا۔

"ساری رات جاگ کر کیا شکرانے کے نفل پڑھیں گی؟" وہ مزید خاموشی برداشت نہ کر سکا۔

"کس بات کا شکرانہ۔ لڑکیاں اپنی شادی پر شکرانہ خود نہیں پڑھتیں، ان کے بزرگ پڑھتے ہیں۔" ماما نے کافی کا مگ ہاری کی طرف لے جاتے ہوئے درمیان ہی میں روک لیا۔

"شادی —؟" اس نے دس مرتبہ غور سے روشی کی شکل دیکھی تھی۔

"انشاء اللہ بہت دھوم سے ہوگی۔ اب زیادہ دنوں کی بات نہیں رہی۔" ماما کے چہرے پر خوشی فوری طرح جھلک رہی تھی۔

ہاری نے نوالہ اس طرح منہ میں رکھا، جیسے کوئی کام زبردستی کرتے ہیں یا مجبوراً کرتے ہیں۔

"یہ تو اچھی خبر ہے۔" اس نے بوتل سے پانی گلاس میں انڈیلا۔

"بہت اچھی کہیے خان! بڑے خان کی بیٹیوں کے بعد اس نسل کی لڑکیوں میں پہلی شادی ہے۔ بڑے دنوں سے

"خدا کرے" میں بات کاٹتے ہوئے

[illegible]

"ٹھیک ہے — ماما۔ بہت اچھے طریقے سے کھانا کھلایا ہے۔ آپ کا شکریہ۔" وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہیں — آپ کہاں چلے گئے تھے؟" اس نے ہاری کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے برتنوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔" اس نے تیزی سے کافی چھوڑتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"لاپرواہی بیگم کہہ رہی تھیں۔"

"میں نے کہہ دی تھیں۔ بھول گئے ماما! یہ سب باتیں روشی کو مجھے جلدی ہے۔" روشی کو اس کی بات سمجھ نہ آئی۔ ماما کچھ دیر خاموش رہی۔

"کیوں بے چاری ماما کو اپنے کہہ رہی ہیں۔ اس بے چاری کا کیا قصور؟" ہاری نے [illegible] روشی نے بہت تھوڑے کھانے پر کرسی پر بیٹھی تھی۔

"نہیں، تو اچھی لگتی ہیں۔ آدھی آدھی رات کو باہر سے چل کر آئے ہوں۔ تو نہیں آرام اور [illegible] ہے۔" روشی نے نظر سے ڈک پتا سائی۔

"جو بھی کر کے آتے ہیں، وہ کر کے نہیں آتے۔ اللہ خاموش ہے۔" وہ جانے کیوں مسکرا دی۔

ماما نے کافی لا کر روشی کے سامنے رکھی۔ روشی کچھ بولنے لگی تھی، چپ ہو گئی۔

"ہاں تو ماما۔ کیا کہہ رہی تھیں؟" ہاری کا لہجہ نہایت نرم تھا۔

"تمہیں میری شادی کے معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟" وہ کڑوے تیز دار سے لہجے میں بولی تھی۔

"کیا نہیں ہونی چاہیے؟" اس نے بہت دھیمی آواز اور مہذب سے لہجے میں پوچھا تھا۔

"بالکل نہیں ہونا چاہیے۔" روشی کا لہجہ غصیلا تھا۔

ہاری خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔ اور روشی کافی کے سپ لینے لگی۔ ماما باہر جا چکی تھی۔

ہاری نے بہت جلدی کھانا ختم کر لیا تھا۔ پانی پی کر وہ اٹھا۔ اور سنک کی طرف بڑھا۔

"آپ تو اس گھر کے بڑے بھی بن بیٹھے ہیں۔ چھوٹی حویلی میں بھی خود ہی ہر کام کر رہے ہیں۔ کیا ضرورت ہے کہ تم برتن دھوؤ۔ اب تم برتن دھو کر کہاں گئے تھے؟ پھر کہاں گئے تھے؟" روشی نے کپ نیچے رکھ کر بہت تحکمانہ انداز میں پوچھا۔

"میں نے صدا بھی بھیجی تھی اور آواز دی تھی۔ تم بہت مزے میں تھا۔" وہ اس غصیلہ حویلی کا تصور کر کے مسکرا دیا۔

"تم ہر وقت میں تو آپ بھی نہیں۔ لڑکیوں کا [illegible] وہ ہر نکلنے کے راستے سے دور رہنے کی طرف بڑھا تھا۔

"اب تم حویلی سے دور چلے جاتے ہو تو کیا تمہیں حویلی یاد نہیں آتی؟" روشی کے اندر [illegible] ہاری نے ایک لمحے کو نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔

"اگر آپ کو مطلب ہے۔ حویلی کے کمرے، دالان، باغ، گول کمرے، [illegible] سامنگی سے سوال کر رہا تھا۔

"ہاں۔ یہاں کے گھوڑے، خچر، بیل، کتے، مرغیاں۔" وہ کئی دن سے یہی کچھ دیکھ رہی تھی۔

ہادی نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔ اور باہر نکل گیا۔

"ہونہہ۔ پتا نہیں کس مصیبت میں مجھے اٹکا گیا ہے۔" جانے کیوں اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

وہ کافی دیر کمرے میں قید نما کر کے کھڑکی دیکھتی رہی۔

پھر کھانے کی ٹرے اٹھا کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اب اس کا رُخ ہال کمرے کی طرف تھا۔ ہال کمرے میں پہنچ کر اس نے لائٹ جلائی اور بہت آہستگی سے ٹیلی فون سیٹ کی طرف بڑھی۔ ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ اور انگلی پر لکھا ہوا نمبر غور سے دیکھنے لگی۔ کافی دیر غور سے دیکھتی رہی جیسے حفظ کر رہی ہو۔ پھر ریسیور سے کوئی نمبر ڈائل کیا۔ اس کا مطلب تھا کہ کوٹھے سے باہر کا کوئی نمبر ملا رہی ہے۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اس نے نمبر ڈائل کر لیا تھا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ ساتھ وہ دروازے کی طرف بھی دیکھ رہی تھی۔

چوتھی گھنٹی پر دوسری طرف سے ریسیور اٹھا لیا گیا تھا۔ اور فوراً ہی بھاری مردانہ آواز سماعت سے ٹکرائی تھی۔ "ہیلو (ہیلو)۔"

اس نے گلا صاف کرنے کے لیے ذرا سا کھنکارنا مناسب سمجھا۔

"مسٹر نعیم سے بات ہو سکتی ہے؟" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"آپ پلیز اس چکر میں نہ پڑیں کہ میں کون ہوں۔ ممکن ہے تو نعیم صاحب سے بات کرا دیں۔"

"جی — مجھے صرف مسٹر نعیم سے بات کرنا ہے۔ میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بول سکتی۔ البتہ مسٹر نعیم کی سہیلی بول سکتی ہوں۔"

وہ جل کر بولی تھی۔ مجبوراً اس نے کھٹاک سے ریسیور رکھ دیا۔ اور دروازے کے بیچوں بیچ ہادی کھڑا ہوا تھا۔ اور خاصی حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

روشنی نظریں جھکائے ماتھے پر بل ڈالے خاموش کھڑی رہی تھی۔

"سوری — میں اوپر جا رہا تھا۔ ہال کمرے کی لائٹ جلی دیکھی آف کرنے کے خیال سے آ گیا تھا۔" اس کے معذرت خواہانہ انداز سے ظاہر تھا کہ اس نے "کچھ" سن لیا ہے۔

"آپ کو دروازہ بند کر لینا چاہیے تھا۔" وہ بولی کے ارادے سے بولا۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں — تمہارے مفید مشوروں کی ضرورت نہیں۔" وہ چبا چبا کر بولی۔

ہادی نے اس پر صرف ایک نگاہ ڈالنے پر اکتفا کیا اور قدم بڑھا دیے۔

"ہادی —" جانے کیوں اس نے آواز دے ڈالی۔

"جی — آپ نے کچھ کہا۔" سیڑھیاں چڑھتے ہادی نے پلٹ کر پوچھا۔

"وہ — وہ میں کہہ رہی تھی۔" وہ بولتے بولتے رُک گئی۔

"وہ — وہ کیا کہہ رہی تھی۔" ہادی نے اس کے انداز پر چونک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں کہا — آپ کیسے — تنہا جا رہے تھے۔" "کچھ" پر زور دے کر بولی۔

ہادی نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"کیوں — وہم تو نہیں ہو گیا — اگر میں حویلی کے باہر سے آ رہا ہوتا — تو پھر ٹھیک ہے — لیکن میں تو اندر سے آ رہا ہوں۔" اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"جی بہتر — ویسے اندازہ ہے کہ رات بہت ہو گئی۔ بہتر ہے آپ آرام کریں۔" وہ بھی مسکرا رہی تھی۔ "آپ نے کچھ کہنا تھا۔"

روشنی کا دل چاہا کہ اسے گولی مار دے۔

"میں جا رہا ہوں۔ آپ اپنا کام کریں، فضول باتوں کو ختم ہو جانے دیں۔ بہتر ہو گا کہ آئندہ سے ایسی باتیں نہ کریں۔" یہ کہتا وہ سیڑھیوں سے اس راستے کی طرف بڑھ گیا، جو اس کے کمرے کو جاتا تھا۔

نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

اس نے زور سے دروازہ بند کیا۔ باہر آ گئی۔ اس کے قدم اپنی خواب گاہ کے بجائے حویلی کے پچھلے حصے کی طرف تھے۔ آہستہ آہستہ اس کے سارے اعضا مضمحل ہو رہے تھے۔ وہ کوٹھے کے کوارٹر کے بجائے دوسرے راستے سے باہر آ گئی تھی۔ وہ راستہ بھی اسے اچھا لگا تھا۔ بنسبت کوٹھے کے خونخوار کتے سے اسے خوف آتا تھا۔

وہ بہت تیز تیز چلتی حویلی کے پچھلے حصے میں داخل ہوئی تھی۔ وہی مخصوص سی پراسرار بہت سے دروازوں والی لمبی چوڑی راہداری تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی قیامت سوئی ہوئی ہے، جاگ جانے کے لیے۔

اور روشنی راہداری کو عبور کر رہی تھی۔ تمام دروازے بند تھے۔

مگر خیالی نفوس کی موجودگی کا احساس وہ ہر سو سے لیتا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے بیڈ روم کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے کو ایک محفوظ پناہ گاہ سمجھ رہی تھی۔ جہاں وہ سکون سے بیٹھ کر بہت سارا رونا چاہتی تھی — جانے کیسی بے بسی سی ہو چلی تھی اس لمحہ وہ ہادی کے ساتھ گزرے اس پورے وقت سے اچھا محسوس نہیں کر رہی تھی۔

اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ ایک بار — دو بار — تین بار۔ پھر دوسری دستک پر دروازہ کھل گیا۔ اور وہ اندر داخل ہو گئی۔

اس نے پھر بھی ایک بار دستک دی۔ خاموشی اور مستعد تھی۔

اس نے ڈھیل گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔

سامنے نظر کی بلم دروازے کی سمت گھور رہا تھا۔ منہ سے رال بہہ رہی تھی، دھوپ آنکھوں میں بھر رہی تھی۔ وہ بھری آ گئی۔

اس نے اشارے سے سلام کیا اس کا خوبرو تو کر رہا تھا۔

روشی اندر داخل نہیں ہوئی تھی، وہ دروازے ہی میں کھڑی تھی۔

"بھابی کہاں ہیں نظری بھائی؟" وہ اٹک اٹک کر پوچھنے لگی۔

نظری کی آنکھوں میں وحشت ناچنے لگی۔ اس کا دھیان ایک دم اس کے سر پر ہونے والی چوٹ کی طرف گیا۔

"آپ کے سر میں کیا ہوا نظری بھائی؟" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

نظری کے منہ سے عجیب غریب آوازیں نکلنے لگیں۔ جن میں سے اس نے ایک لفظ "پانی" سمجھا۔

اسے بے انداز ترس آ گیا۔ حالانکہ پانی نظری کے بالکل قریب ہی موجود تھا۔ مگر وہ جذبہ اور اداسی سے پھر رو دیئے۔

ایک آبی پانی کا گلاس اٹھایا اور اس کو تھامنے کے بجائے ہونٹوں سے لگا دیا۔

اور جیسے اس کی روح اس کے جگر سے میں لپٹ لپٹ جانے لگی۔ نظری نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لے لیے تھے۔ اس نے بمشکل اپنا ہاتھ چھڑا پایا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں نظری بھائی۔ پلیز چھوڑ دیں مجھے"۔ اس کا خون خشک ہونے لگا۔ "پلیز نظری بھائی کیا ہوا ہے آپ کو؟"

اس نے زور سے جھٹکا دیا۔

نظری بھائی کے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکلنے لگیں۔ روشی پوری جان سے لرز رہی تھی مگر جیسے نظری کی چیخ اس پر بری طرح جاگی ہوئی تھی۔ کچھ بھی نہیں تھا کہ اس کے ہاتھ کسی انسانی گرفت میں ہیں۔ یوں جیسے وہ کسی درندے کی گرفت میں آ گئی ہو۔ اسی کشمکش میں اس کا دوپٹہ پلنگ سے نیچے گر پڑا۔ نظری کے منہ سے بے ہنگم آوازیں نکل رہی تھیں۔ جن سے حواس اور زیادہ بھیانک محسوس ہونے لگے تھے۔ روشی نے ایک لمحے کو نظری کا چہرہ دیکھا۔ بے حد خوبصورت چہرہ کیا کیا اداس ہو گیا تھا۔

"بھابی!" — بھابی — کہاں ہیں آپ؟" اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ "نظری بھائی — دیکھیں"۔

"یا اللہ! کیسے بے کار ہونے پر اتنی طاقت ہے"۔ اس نے نظری کی کلائی پر دانت گاڑ دیئے۔ مگر جیسے اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے تھے۔

بالآخر اس نے اپنی انتہائی قوت صرف کی جس کے نتیجے میں نظری بیڈ سے نیچے گر پڑا۔ گرنے کے ساتھ ہی وہ ساکت ہو گیا تھا۔ شاید بیڈ کا کونا اس کے سر پر لگا تھا۔ یا کوئی اور وجہ تھی۔

روشی کا دوپٹہ اس کے بھاری بھرکم وجود کے نیچے دب گیا تھا۔ روشی کا تو اس کی طرف دھیان ہی نہیں آیا تھا۔ اس نے

بھاگ کر اس کے وجود سے نظری کو دیکھا تھا۔ اور سر پیٹ لیا تھا۔

کمرے کے قریب پہنچ کر اس نے دروازہ کھولا۔ کمرے کے سامنے لیٹے ہوئے چند منٹ پہلے تک اس کے حواس پر چھائے ہوئے نظری کا بے ہوش اور لاچار وجود اس کے سامنے آ گیا۔

"وہ بے ہوش ہے۔ کیسے مر تو نہیں گیا۔ اور یہ بھابی کہاں گئی ہوں گی؟ مر تو نہیں گئیں اپنے ہی گھر میں؟ وہ اس سے بھی پہلے کا منظر تھا۔ ایسے پڑا تھا۔ ایسے پڑا تھا۔ انہیں دورہ پڑا تھا۔ مگر اب میں کیا کروں۔ کسی کو بلاؤں۔ کسی کو بلاؤں جو نظری سے نمٹ لے۔ جس کو کوئی کمی وہ پہلے بھی سے پوچھ لے۔ کل رات کو وہاں کیوں گئی تھی؟"۔

وہ اپنی سوچ کے بھنور میں پھنس گئی تھی۔ ایک تو خوف، دوسرے "اوہ" وہ دیوار سے ایک اینٹ لے کر کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس نے بے ہوش نظری کے سر پر اینٹ دے ماری تھی۔ اس کے بعد اس نے کمرے کو باہر سے بند کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس کا ذہن کام کرنا چھوڑ گیا تھا۔ بہت احتیاط سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ وہ تو بہت گہری نیند سویا تھا۔ اس نے بے بسی کے انداز میں دروازے کو دیکھا۔ اور جیسے اللہ کا نام لے کر دروازے کے ایک پٹ کو تھاما اور آہستہ سے کھولا۔ اندر کمرے میں نظری کا بے ہوش وجود اسی طرح پڑا تھا۔ اس کے بیڈ روم کی طرف بھی دیکھا۔ اسی نظر میں سوئی ہوئی تھیں کہ روشی نے دروازہ کھول دیا۔

کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ ہوس نیند بھری آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ یوں جیسے جاگنے کا احساس کھو رہا ہو۔

"بابی — میرے ساتھ چلو"۔

بھلے سے ساری نیند ہوا ہو گی — "بابی؟"۔

بیڈ روم — بے ترتیب بال، زرد آنکھیں، کندھے پر آستین اور ٹراؤزر ہوئی۔

"اوہ — تو واقعی آپ ہی ہیں — یوں بھی زندہ انسانوں کے بھوت نہیں ہوتے" سنا ہے۔ خیر اب اپنے "کہ پھر چلنے کا وعدہ ہے۔" وہ اس کی طرف سے جیسے ہر طرح کی خیر ان کی حرکت کی توقع کر رہا تھا۔ بلا کی رسانیت تھی اس کے انداز میں۔

"وہاں — نظری بھائی کے بیڈ روم میں — "اس نے جلدی سے کہا۔

زلزلہ بری طرح چونک پڑا۔ جھومر حویلی میں نہیں ہے۔ یہ وہاں کیوں گئی تھی — اوہ بھی اس وقت کہ رات داخل ہو رہی تھی۔ کیا اسے علم نہیں کہ جھومر حویلی میں نہیں ہے۔

اس نے سر سے روشی کے حلیے پر نظر ڈالی۔ اس کی آنکھوں سے تشویش جھلکنے لگی تھی۔

"کیوں جاؤں میں نظری کے بیڈ روم میں — ؟" اس کے لہجے میں غیر شعوری طور پر تلخی سی آ گئی۔

"وہ — بے ہوش ہیں — "وہ نظریں چرا کر کہنے لگی۔

"تو پھر بی بی کے پاس جایئے۔ وہی نمٹیں گی ہیں اس طرح کی صورتحال سے"۔

اس نے کھلائی سے کہا — ہر چند کہ تجسس سے بری حالت ہو رہی تھی۔

"میں نہیں جا سکتی — بلکہ تم بھی نہ جانا انہیں — پلیز — "اس کی آواز بھرا گئی۔

"مجھے یہ بتایئے آج رات کو آپ وہاں کس مرض کی دوا لینے گئی تھیں؟ خیریت تھی آپ کو اکیلے باہر نکلنا مناسب نہیں۔ کیوں مصیبتیں کمزوری کرتی ہیں دوسروں کیلئے"۔

وہ چائے پینے میں مصروف تھا۔ اسی ماحول کا وہ عادی تھا۔ اور پھر بھی کہیں تھا۔ روشی کا حلیہ۔ تھوڑا بہت الجھا ہوا اور ایک خوف کرنے کی تاکید اور ہاتھ فرش پر بچھے ہوئے آنسو۔

"یہ آپ کو بھی پتا تھا کہ نعیم صاحب کہاں کرتے کرتے پیچھے بھی گئے؟"

نہ جانے کیوں اس نے اس مرتبہ روشی کو بہت تفصیل سے جائزہ لیا تھا۔

"وہ بتا تو آپ کا بھائی ہے؟" اس کا انداز بہت عجیب سا تھا۔

"ہاں ۔۔۔؟" روشی نے ہڑبڑا کر اپنے سراپے پر نظر ڈالی۔ کاش چادر میں چھپ جاتے اور وہ اس میں سما جاتی۔

"اوہ ۔۔۔!" وہ اس کے شانے سے سر ٹکا کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دی۔

"آپ کو میرے ساتھ آنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے بیڈ روم میں جائیے۔ وہ پیدل ہی چلی جائیں گی"۔

اس نے بے رحمی سے روشی کو خود سے الگ کیا۔ گریبان کے بٹن بند کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

روشی نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں اور آہستہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔ سسکیوں کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہوئی۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے سب سے پہلے آئینے میں خود کو دیکھا۔ دل دھک سے رہ گیا۔ شانے سے اجڑی ہوئی آستین سے اس کا سفید بازو تھوڑا سا جھانک رہا تھا۔ اب اس نے خود کو ہاری کی نظر سے دیکھا۔ ایک بوجھ سا آپڑا تھا دل پر۔

"کیا سوچ رہا ہوگا۔ میرا حلیہ دیکھ کر"۔ ملال و خجالت سے اس کی بری حالت ہو گئی۔

وہ اداس سا رب سے کپڑے نکالنے لگی۔ "پتا نہیں یہ بھائی کہاں چلی گئیں؟" کچھ دیر پہلے کی صورتحال یاد کر کے اسے سر سے جھرجھری آ گئی۔ "اللہ تو بہ کس قدر وحشت ہے ٹھنڈی ہوائی میں۔ بے چاری بھابی ۔۔۔ مگر وہ تو ہیں ہی بہن ہوں ۔۔۔ لاحول ولا قوۃ ۔۔۔ وہ تو اداس ہیں انہیں کیا پہچان رشتوں کی ۔۔۔ یا اللہ میری توبہ ہو گئی ان کے گھر سے جاؤں"۔ اس نے دل کڑا کر کے کپڑوں کو ہاتھ لگایا۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے بستر پر آئی ہی تھی کہ ۔۔۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ سمجھ گئی کہ ہاری ہے۔ اس نے دوپٹہ شانوں پر پھیلایا اور ہچکچاتی ہوئی دروازے تک آئی اور دروازہ کھول دیا۔

"یہ پکڑیے اپنی امانت"۔ اس نے دوپٹہ روشی کو تھمایا۔ اور تیزی سے واپس پلٹ گیا۔ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر۔

وہ اسے جاتا دیکھتی رہی۔

پھر عجیب دل گرفتگی کی کیفیت میں دروازہ بند کر کے اپنے بستر پر واپس آ گئی۔ نیند کا تو دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ کبھی اس کروٹ کبھی اس کروٹ۔ کبھی اٹھ بیٹھی کبھی سو گئی۔ ہر طرح کے جتن اس نے کر ڈالے تھے۔

"کیسا عجیب شخص ہے۔ کیا سوچ رہا ہوگا ہماری بابت۔ کیا کچھ اس کے ذہن میں آ رہا ہوگا"۔ طرح طرح کے اندیشوں وسوسوں نے اس کی جان نکال کر رکھ دی تھی۔ بالآخر اس نے اٹھ کر بیٹھنا ہی مناسب سمجھا۔ "کیا ہو گیا ہے مجھے ۔۔۔"

[illegible] ۔۔۔ آپ کو یہاں کی عادت ہو جائے گی۔ اچھا رات کو کہاں چلی گئی تھیں؟"

[illegible] نے اپنے [illegible] شروع کر دیے۔ اسے [illegible] میں [illegible] نے اس کی [illegible] دوپٹہ [illegible]

[illegible] اپنی [illegible] سوچنے لگی۔ وہ یہاں [illegible] کہ وہ [illegible] کی طرح [illegible] آنے لگی

[illegible] پہلے [illegible] کی [illegible] میں [illegible] سوچا تھا۔ [illegible] سے [illegible] کی [illegible] جاتی تھی۔ [illegible] میں [illegible] کی [illegible] [illegible] ایک [illegible] بھی [illegible] تھا۔ جیسے [illegible] کو [illegible]

"بھابی ۔۔۔ خدا حافظ"۔

اپنا [illegible] چھوٹے [illegible] اس نے کھڑکی کے [illegible] [illegible] کھیلا۔ اور [illegible] کی طرف دیکھا۔

[illegible] ۔۔۔ [illegible] [illegible] [illegible] ایک [illegible] [illegible] [illegible]

اس [illegible] دل میں [illegible] لیے [illegible] [illegible]

"آپ ۔۔۔ کہاں جا رہے ہیں؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کہیں نہیں تو ہیں کے ہی۔ ذرا جلدی میں ہوں۔ ابھی سورج آ جائے گا اور پھر مجھے [illegible] کے ساتھ ۔۔۔

"نہیں تو ۔۔۔ آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔ آپ فکر نہ کریں۔ اور یوں بھی اب میں بہت [illegible] محسوس کر رہی ہوں۔ دیکھیے [illegible] [illegible] نہیں دے رہا؟"

روشی کو ایک دم [illegible] ہو گیا۔

اس کا [illegible] [illegible] [illegible] کر دیکھنا پڑا۔

اس نے پہلی مرتبہ اسے [illegible] [illegible] [illegible]

"...صاحب نہیں؟" اور پھر ہنس دیا۔

"ہم تو درحقیقت یہی سمجھتے ہیں کہ اس کی محبت کے جواب میں ہم مطلق ہی ہیں۔ مجھ جیسے اور بھی

"اور سوال کیا ہے؟ اس کی محبت کے جواب میں ہم مطلق ہی ہیں۔ مجھ جیسے اور بھی

تھیں سکیں گے۔ کیوں بھری جان "صحبت میں ڈال دے ہے میں آپ"۔ ہادی نے مسکرا کر کہا اور پھر چلتے چلتے رک گیا۔ "لیجئے بھائی — مجھے جانے دیجئے"۔ عارف نے پیچھے کو پرتولے۔

"چلے جایئے گا۔ رات کون سا ہے۔ مگر "ان" کے آنے کے بعد"۔ اس سے وہ پہلے سے بھی زیادہ بجھا بجھا سا لگا۔ ہادی نے بھی محسوس کیا۔ شاید یہ عادت یوں ہوئی کہ وہ جا رہا تھا۔

"اتنا تو فجر میں سمجھتی ہوں کہ مردوں کو بہت سے کام ہوتے ہیں۔ کتنے دن بیٹھ کر گزارا ہو سکتا ہے؟ آپ اپنی کرنے ہوں گے"۔ ہادی نے بلند کر ہانڈی میں چھپا لیا۔

"کام تو ہم سب کر چکے ہیں۔ اب تو بس اس دنیا سے روانگی کا انتظار ہے

تھمر مرے پہ ہو اس کی امید

نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے

اور پھر سے ہنس دیا۔

"اور ہاں بھائی۔ ایک سوال کا جواب آپ پر ادھار چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اب کبھی میری طرف سے خاطر جمع رہیے گا۔ اطمینان ہو تو مجھے جواب سے سرفراز فرمایئے گا۔ ورنہ خلش رہے گی"۔ وہ بیگ بند کر کے دونوں ہاتھ تکیے پر ٹیک کر اس سے یوں مخاطب تھا جیسے ابھی دو کے جواب ابھی مل جائے گا۔ وہ اس سے وضاحت طلب کرے گی۔ جواباً وہ سوال دہرائے گا اور اسی کے منہ سے سارا غبار جواب نکل جائے گا۔

ہادی نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔ "کیسا جواب؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"آپ کو کیا کمی ہے؟ کسی بات کی فکر ہے؟ پھر آپ کی روح کیسے تحکم سے چور چور ہو گئی۔ جس دن سے آپ سے بات کی ہے۔ میں سکون سے سو نہیں پایا۔ اور آپ مجھ سے کہیں زیادہ بھی یوں ہی جیسے خفا کا بھی میں ہوں۔ میری جہت آپ کو دکھ پہنچا"۔

ہادی نے گھبرا کر اس کی طرف سے پشت پھیر لی۔ "نہ وہ بات۔ کوئی بات نہیں۔ میں ان کو سمجھا لوں گی۔ زیادہ سے زیادہ مجھ پر غصہ ہی کریں گے"۔ اور چولہے کی آنچ بڑھا کر پوری توجہ ہی سے مصروف ہونے لگی۔

"میں یہ نہیں ہوں بھائی! اتنا سادہ معاملہ نہیں ہے۔ آپ نے ان کا دھوکے اور جھوٹ کا ذکر کیا تھا۔ وہ کیا ہے؟ کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں ہے؟ کوئی بات ہے تو مجھ سے کہیں۔ میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ آپ کا ہمدرد ہوں۔ آپ کے لئے میرے دل میں بہت عزت ہے۔ آپ کو کوئی تکلیف ہو، کوئی دکھ ہو، میں برداشت نہیں کر سکتا۔ مگر دل ہی دل میں آپ نے مجھ پر بڑا ہی سنگین الزام لگایا تھا کہ میں نے آپ کی روح میں تحکم اتارا ہے۔ مگر تو عالم بے خبری میں بھی آپ کا بھلا چاہتے، ان میں سے ہوں۔ میری نیت خدا جانتا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کو کوئی غلط فہمی ہو گئی

...ہے آپ نے کہا تھا کہ وہ ...

...وہ ...

"آپ نے ...

...ہے۔ میں اس سے ...

...ہے۔ اس نے ...

...ہے۔ میں نے تو آپ سے صاف صاف کہا تھا کہ ...

...ہے۔ ہادی نے ...

...ہے۔ ہم آپ سے ...

...ہے۔ اور پھر کیا صاف ...

...ہے۔

اس حسن کو چرا کر وہ جا رہے ہیں

تھی جیسے کہ پہلے ہی شرارت ...

...ہے۔

"...ہے۔ مجھے ...

...ہے۔ مجھے ...

...ہے۔ ہادی نے ...

...ہے۔ مجھے ...

...ہے۔ ہادی نے ...

...ہے۔ آپ کو بہت پریشان ...

...ہے۔ آپ کو بہت پریشان ...

...ہے۔ اس کی شادی کہیں ...

...ہے۔ پہلے آپ کی شادی ہونی تھی یا اس کی! اس کی شادی پہلے ہو گئی ...

...ہے۔ آپ کو بہت ...

...ہے۔ عارف نے ...

"...ہے۔ ہادی نے ...

...ہے۔ اس کے لئے میں ...

"...ہے۔ ہادی نے ...

لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے

کون سے شہر میں ہوتا ہے کدھر ہوتا ہے

ان کے بیچ میں کمی آ گئی۔

"ہاں وہ نہیں ہیں بھائی۔ ہزیان بکتے ہیں۔ کچھ سے لگ جاتے تو دھیان نہ دیا کیجئے۔ میرا سوال اپنی جگہ موجود ہے بھائی۔ مجھے صفائی کا موقع ضرور دیجئے گا شکر گزار ہوں گی"۔

"آپ کو صفائی دینا کرنا ہو گی۔ آپ لوگوں کے درمیان ...ا کریں۔ کچھ میری صفائی بھی ہو۔ اس کے لئے ...

جیسے سب کچھ بھلا دیتی۔

"اور سنائیں بھائی کوئی بات نہیں ہوئی ہوگی، کوئی ایسا ویسا ہو جاتی ہے۔ وہ گھبرا جاتی ہے۔"

ایک بھگانے پہ ہوتا ہے گھر کی رونق
اور تم تنہا کہیں خانہ بدوشوں نہ سہی!

وہ ہنستے ہوئے پلٹ گیا "پھر ملاقات ہوگی۔ زندگی رہی تو لال خان سے کہیے گا جہاں بیاہ سے۔ طارق بھائی۔"

"جی بھائی! اب نہ دیکھیں۔" وہ اس سے تھوڑے فاصلے پر جا کر رکی۔

"کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔" یاد آیا۔ وہ گھبرا گئی کہ کیا بیت رہی تھی۔

"اسی لیے تو جا رہا ہوں۔ لال خان آ چکا ہوگا۔"

"آپ شاید میرے ہی ساتھ جا رہے ہیں؟" وہ اٹکتے ہوئے کہہ گئی۔

"آپ کی عجلت نے مزا کرکرا کر دیا تھا۔" وہ مسکرایا۔

"جی؟" ہاتھ کا دل ہنسنے لگا۔

بھلی اور ذات کہتے ہوئے اپنی زبان میں کوئی جملہ کہہ جاتا ہے۔ مگر وہ سننے والے کے دل و ذہن میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہانی کی ہو رہی تھی۔

اس کی مسکراہٹ تیز ہوا سے اڑتے ہوئے بھول کی طرح آ کر ہاتھ پر گرا تھا۔ اس نے وہ پھول سے نازک پھول کو ہتھیلی پر چھپا لیا۔ اور کھولے بنا پھر باندی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ طارق آگے بڑھ گیا تھا۔

"ہیلو جی۔"

"السلام علیکم۔ یاور بھائی۔ لقمان بات کر رہا ہوں کراچی سے۔"

"علیکم السلام۔ کیسے مزاج ہیں؟"

"اللہ کا کرم ہے۔ آپ تیس کو پہنچیں گے ہیں؟"

"کنفرم کر رہا ہوں۔ دیکھنے کیا ہوتا ہے۔"

"بھائی صاحب! ایک اور بات یہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ میں پچیس کو نکاح رکھ رہا ہوں۔ ایک ماہ بعد واپسی ہوگی۔ وہ شہر کے حالات بھی ٹھیک نہیں ہیں۔ اس لیے اگر آپ محسوس نہ کریں تو ہمیں کو ایک ماہ کیلئے وہ امانت میں چھوڑ دے کر جا رہا ہے۔ وہاں روشنی بھی ہے اس لئے اس کا وقت اچھا گزر جائے گا۔ امکان تو یہی ہے کہ میں ایک ماہ سے پہلے ہی واپس آ جاؤں گا۔"

"آپ پیشہ ور میں بھی آرام سے ہوگا۔ گھر بھی کے ساتھ ہے اس لیے ہانی کا بھی۔"

"ہیلو!"

"جی۔ جی۔ میں ہوں۔"

"کیا بات ہے آپ کی؟"

"آپ سے کچھ کہنا ہے۔ کہہ سکتا ہوں؟"

"آپ بولیں۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں؟"

"آپ سے ملنا ہے۔ آپ کے معیار کے مطابق کوئی تحفہ تو نہیں جائے گا۔ اچھا ہوگا۔"

"آپ کہیں تو۔ مجھے اپنے گھر کی ہیں۔ وہ میرے سامنے ہی پیدا ہوا۔ [illegible] میں کچھ نہیں لکھیے۔ [illegible] میں ملاقات لگ جائے گا۔ بیٹا۔"

"جی۔ جی میں ہوں۔"

"آپ کو شاید کیسے کس طرح کرایا آنے کی۔ باقی باتیں پھر ملاقات ہی پر ہو جائیں گی۔ وہ بتا رہے تھے کہ [illegible] آپ سے ملاقات ہی ہے آئے گا۔ اور وہ کہہ کر دل ہے آپ سے بات کرنے کی اس سے۔"

"اور یاسمین واپس چلی گئی ہے۔ اپنے ماں کے ساتھ۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ کا انتظار کروں گا۔ کے گھنٹے۔" لقمان نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ مگر وہ لال خان کے ہاتھ میں ریسیور تھا۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ کی غماز تھیں۔

انہوں نے ایک نام پیش کیا۔ "ہاں۔ جعفری۔ وہ یاسمین ماں۔ روشانے سے بات کرا۔"

انہیں چند ثانیے انتظار کرنا پڑا۔ تب جا کر جعفری کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو۔ میں روشانے۔ بات کیجئے۔" "ہیلو!" ان کی آواز خاصی رسیلی تھی۔

"کون ہے؟"

"ہاں۔"

"السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟" روشی کی آواز پر مژدہ ہی تھی۔

"ٹھیک ہوں بیٹے۔ تمہیں کیا ہوا۔ کیسی گھبرائی آواز ہو رہی ہے۔ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"

روشی جیسے ایک دم سنبھل گئی۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ نے اس وقت کیسے یاد کیا۔ شاید ابھی فرصت مل سکی؟"

"ہاں۔ ہاں۔"

"اپنے لوگوں سے بات کرنے کیلئے فرصت کا انتظار کیا نہیں کیا جاتا۔ فرصت نکال لی جاتی ہے۔" انکھوں کھوئے سے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"تم سے کس نے کہا؟"

"تمہارے بچے کب شروع ہوں گے؟"

"خیریت پاپا؟" روشانے کی آواز میں حیرت واضح تھی۔

"خیریت ہی ہے بیٹے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ تم آؤ کب تک فارغ ہو گی؟" ان کا انداز دوستانہ تھا۔

"میرے خیال سے تو ایک دو گھنٹے میں فارغ ہو جاؤں گی۔ کیوں پاپا؟" اس نے الجھے الجھے انداز میں جواب دیا جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

"آخری پیپر سے ایک دن پہلے مجھے مطلع کر دینا۔ ٹھیک ہے؟"

"میں کچھ سمجھی نہیں پاپا۔ آئی ایم سوری"۔ وہ ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں ڈرائیور کو بھیج دوں گا۔ وہ تمہیں یہاں لے آئے گا"۔

"مجھے — آپ کے پاس؟" وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی "وہ کیوں؟"

"بچے اپنے باپ کے پاس کیوں رہتے ہیں؟" وہ ہنسی کہہ رہے تھے۔

"ہاں لیکن ٹھیک ہے پاپا۔ میں خود ہمیشہ کیلئے آپ کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ اور مجھے یقین ہو جائے گا"۔ اس کی آواز بھر گئی۔ "آپ نے بہت مشکل وقت میں مجھے بھی امید دی تھی۔ تھینکس ڈیڈ بیٹ"۔ وہ رو رہی تھی۔

"روشی — کیا بات ہے؟" وہ جیسے گہری نیند سے سنبھل کے۔

"کچھ نہیں پاپا — آپ بھی اتنا یاد نہیں آتے جتنا اب آتی ہیں"۔ وہ رو پڑی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟ تم تو بہت خوش خوش گئی تھیں"۔ وہ مضطرب ہو گئے۔

"خوش نظر آنے اور خوش ہونے میں بہت فرق ہے پاپا!"

"تم کیوں پریشر خود پر سوار کرتی ہو۔ تمہیں میرا اعتبار نہیں۔ اور پھر تمہارا اپنا بھائی وہاں موجود ہے۔ تم سے بے حد محبت کرتا ہے۔ تم اپنے معاملات اس سے شیئر کر سکتی ہو"۔

"روشی — بیٹے جب تم بہت چھوٹی تھیں تب تو تم نے مجھے کبھی اپسٹ نہیں کیا۔ اور اب اتنی سمجھدار ہو کر"۔

"پاپا — آپ مجھے گارنٹی دیں کہ آپ کبھی میری شادی نہیں کریں گے پھر میں آپ کی کوئی بات سنوں گی"۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"خدا نہ کرے کہ تمہاری شادی کبھی نہ ہو۔ فی الحال کی گارنٹی دے سکتا ہوں۔ بیٹیاں اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں"۔

"لگتا ہے پھر کوئی بات ہو گئی ہے۔ کیا ہوا ہے؟"

"یہاں میری شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اسی پریشانی میں میں بھیج رہے تھی ہوں"۔ وہ اداس تھی۔

یاور علی خان مسکرا دیئے "لاحول ولا قوۃ۔ بھئی ہم نے تو سنا ہے جس دن بیٹی پیدا ہوتی ہے اس دن سے اس کی شادی کی تیاریاں بھی شروع ہو جاتی ہیں۔ تمہاری امی کے پاس ایک بہت خوبصورت سی جہیز کا بنا ہوا تھا۔ بچے کام سے بھرا ہوا ایک ایک مجھے دکھاتے ہوئے کہتے تھیں۔ یہ کام بھی خراب نہیں ہوگا۔ یہ میں روشی کیلئے رکھ رہی ہوں۔ تیاریوں کا کیا ہے یہ تو ہوتی رہتی ہیں"۔

روشی ہم آواز ہو گئی۔ جیسے اسے اپنے کانوں پر اعتبار نہ آ رہا ہو۔ اس نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔ آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ وہ اٹھ کر بھاگنا چاہتا تھا وہ اس کی ماں کی جہیز میں باتیں اس سے کریں۔ وہ یہ ہو آتی ہیں۔

"پاپا"۔

"جی بیٹے"۔

"میری امی بہت حسین نہیں اور جب حسین عورت بہت محبت کرتی ہے تو اور بھی حسین ہو جاتی ہے۔ اب وہ دیکھے پاپا کرتی ہوں گی تو کتنی پیاری لگتی ہوں گی۔ کیوں پاپا؟" روشی کی رو بھک بھگی تھی۔

یاور علی خان نے ساکس اور تھیلا "جو ہو چکی میں ہے یاد کیا گیا ہوا ہے؟" روشی اسکول ہی ہو کر آ رہی ہے گی۔

ایک تو آپ اتنی جلدی یہاں سے واپس ہو جاتے ہیں کہ میں۔ کیا تھا جو وہ چار پانچ دن کی اور کر لیتے۔ آپ نے بہت ہیا۔

"ٹھیک ہے پاپا۔ میں پیپرز کے بعد آ جاؤں گی۔ مگر ایک شرط ہے۔ آپ مجھے امی کی بہت ساری اچھی اچھی باتیں بتائیں گے"۔ وہ بچوں کی طرح مچل گئی۔

"ہو سکتا ہے ماضی کے دفن کھودنے اور خوشی دوبالا کرنے کی بجائے اداس کر دیں۔ زندہ ہو جائے۔ روشی سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس لئے اپنے باپ کو شرطوں میں مت الجھاؤ"۔ ان کے لہجے میں تھکن در آئی۔

"ٹھیک ہے پاپا" روشی کی آواز میں حیرت آمیز خوشی تھی۔

"ہے پاپا"۔ انہوں نے آہستگی سے کہا۔

"اگر اپنے معاملات میں تو میں کوئی شرط نہیں رکھوں گی"۔

"شاباش۔ بہت سمجھدار ہے میری بیٹی۔ اچھا — خدا حافظ"۔ انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ اور سگریٹ سلگانے لگے۔

"پاپا۔ جب روشی کی شادی ہو جائے گی اور جواد باہر چلا جائے گا تو ہم کیا کریں گے؟"۔

وہ کاؤچ پر گھٹنوں کے گرد بیٹھی جواد کو بہت انہماک سے شوٹ پیا رہی تھی۔

"پھر کیا خیال ہے تمہارا۔ دس بارہ بچے ٹھیک ہے۔ جو ہمارے ایج تک کام آتے رہیں"۔

وہ بیڈ پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے اخبار دیکھ رہے تھے۔ نظریں اٹھائے بغیر مسکرایا۔

"ہے پاپا آپ سے بھی۔ بات کیا ہوتی ہے آپ کیا کہا دیتے ہیں"۔ وہ شرمیں نے سر بیڈ پر رکھ لیا تھا۔

"بھئی مجھے تو تمہاری صحت تمہارے حسن کا خیال ہے۔ ورنہ بچے بہت سارے ہوں تو خوب رونق رہتی ہے۔ ماں باپ کی زندگی میں"۔ انہوں نے پھر چھیڑا تھا۔

"نہیں پاپا۔ مجھے نہیں پسند زیادہ بچے جو ماں کو اتنا تھکا دیں کہ وہ ٹھیک سے ان کی تربیت بھی نہ کر سکے"۔ وہ ایک دم سے سنجیدہ ہو گئی تھی۔ ملکہ سے مکھن نکلوا کر لائی اور جواد کے بال بنانے لگی۔

"اور بچوں کے پھر نے چھوٹے کاموں سے خوشی ملتی ہے۔ وہ بھی نارمل ہو جاتی ہے"۔ اس نے جواد کے بھورے بھورے بالوں میں اپنا چہرہ پیار کیا۔

یاور علی خان اپنے کمرے میں داکو جھاڑ کر الٹا کمرے ہوئے۔ اور دیر تک قمری ان دان کے قریب آ کر ان کو دیکھتے رہے۔ کبھی کبھی ان کا سر ہلتا تھا۔

ایک دم چونک کر انہوں نے سوئی نکالی اور واپس اپنے بستر پر آ گئے۔

کمرے میں ٹیکسٹ کی پرسوز آواز پھیلنے لگی۔

جانے کہاں گئے وہ دن کہتے تھے تیری راہ میں
نظروں کو ہم بچھائیں گے

ان کی آنکھوں کی سرخی بڑھنے لگی۔ سگریٹ سلگ سلگ کر انگلیوں تک آ پہنچا۔

وہ جی بھر کر سوئی تھی۔ شاید اس لئے کہ کئی راتوں سے بے آرام تھی۔

نہا دھو کر کمرے ہی میں ناشتہ کیا۔ ناشتے کے دوران ہی مکھو بوی امی کا پیغام لے کر آ گئی۔ کہ وہ ابھی میں تیار ہو جائیں۔

اس نے کوفت بھرا منہ بنا کر چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"پھر لے بیٹھی ہوں گی جوڑے کپڑے۔ کیا مصیبت ہے"۔ اس نے دوپٹہ شانوں پر پھیلایا۔ "سوچا رہی تھی ایک کپ چائے اور پیوں گی"۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر آ گئی۔

ہال کمرے میں آئی تو مستقر کچھ نئے انداز کا تھا۔ گاؤ تکیے غائب تھے۔ سوٹ کیس سے نکلے اور استری کا پراس پہ کر رہی تھی۔ زری کپڑے تراش رہی تھی۔ باقی لڑکیاں اسے گھیرے بیٹھی تھیں۔ بڑی امی صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ہاتھ میں اخبار لیٹر پیڈ اور قلم لیے بیٹھا تھا۔

"السلام علیکم"۔ اس نے باری کی طرف سے نظریں چرا کر اجتماعی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو"۔

"بیٹی — ان چھ سے تک سونے سے نیستی ہوتی ہے۔ یاور نے چار دن میں تمہاری عادتیں بگاڑ دیں۔ اور پھر ایک عدد سب چل جاتا ہے۔ دوسرے گھر جاؤ گی تو سب ایک ایک بات نوٹ کریں گے۔ زندگی تو سب ہی کی گزر جاتی ہے۔ اچھی طرح گزارنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ خواہ مخواہ کی بدمزگی سے فائدہ؟"

وہ ان سے تھوڑے فاصلے پر موڑھے پر بیٹھ گئی۔

"وہ میں نے تمہیں ایک کتاب دی تھی ڈیزائن پرنٹنگ کے کو۔ لگا دو آج ہی جا رہا ہے وہ دان کیلئے کراچی۔ ضروری کام سے۔ اسی کے ہاتھ بھجوا دیتے ہیں۔ کچھ چیزیں میں بھی منگوا رہی ہوں۔ تمہاری ساس کو پیسے بھجوا رہی ہوں۔ وہ لے کر باری کو دے دیں گے"۔

"تمہیں کچھ منگوانا ہو تو لکھوا دو"۔ انہوں نے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے؟ اتنی دیر تک بستر پر دبی"

انہیں اس کا چہرہ بہت بدلا ہوا محسوس ہوا۔

— پھر بیس بڑی امی۔ ٹھیک ہوں میں۔ اور اپنا سامان پیک کر لیں گی۔ بتا دیں گی باری کو۔ وہ کر دیں گے"۔

کہا تھا۔

"بیٹا۔ یہ حال ہے اگر تمہارے بڑے کا انتقال نہ ہوتا تو کل ہی ہوتا تھا۔ ہی وہ ہاتھ میں ہو جاتی۔ تمہیں بتایا ہے سب کام ہونے پر کرنا نہیں ہوتا"۔ وہ ناراض ہو رہی تھیں۔ "صدمہ تو ہوتا ہے۔ اللہ کی مرضی ہے تسلیم۔ اللہ دے گی۔ شیطان کی آنت۔ اب دیکھو ان اپنی دوسرے بھول لی ہے۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ اپنے کہ ہم نے اس طرح ہی ایک ہے کمی کر دی ہے۔ آخر"۔

"ظفر۔ وہ میرے کمرے میں الماری پر رکھی ہے ایک سفید کی کتاب۔ لا کر دے امی کو"۔ اس نے بڑا تحمل نواز میں حکم دیا۔

"رات میں یاور سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر ان کے فون بند مل رہے تھے۔ تم نے اب ان سے ڈاکٹر ماں کو دیکھا۔ ہاں جاتے ہوئے ہاں سے ایک آدھ دن کیلئے ہو آئیں"۔ وہ روکھے سے لہجے میں مخاطب تھیں۔

"پتہ نہیں ہاتھ پر لکیریں کیسی ہیں۔ کیسی قسمت لکھی ہے"۔ عالم ترحم کی نظریں اس کے سپاٹ چہرے پر جمی گئیں۔ مرضیں اس نے بھی واضح ہو رہی تھیں کہ اس پر کمر کڑا چکا تھا۔

اس نے اپنے ہاتھ سے سیاہ ہاتھ دھو لیا۔ "کچھ نہیں بڑی امی ایسے ہی"۔ اس نے قدرے بھاری کی طرف دیکھا خود وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر جھٹ سامنے سیمنٹ پر نظریں گاڑ دیں۔

"اور آؤ۔ دعا دے مجھے تمہاری شادی کے دن قریب ہیں۔ اپنا خیال کرنا چاہیے اور سیاہ ہاتھ نہیں ہوتا۔ دیکھو ذرا ہو رہے ہاتھ دیکھے۔ کیا کرتے ہیں"۔ بڑی نے محکمانہ انداز میں اسے اپنے پاس آنے کو کہا۔ چار و ناچار اسے اٹھنا پڑا۔

"کچھ بھی نہیں بڑی امی۔ ٹھیک ہو جائے گا"۔

عالم نے اس کا ہاتھ تھام کر دیکھا۔ "کیا اس پر رکھا ہے ہاتھ کو۔ سنو کیا اس پر۔ گنتے ہے کسی نے نقصان دہ ہے۔ ہاتھ پر لکیریں کیا لے سیاہ ہے کام کرتی پھرتی ہو"۔

"فکر نہ کریں ان کی طرف سے۔ بہت بہادر ہیں"۔ باری نے پیچھے سے مسکرا کر کہا۔

رانی کی جھکی نظریں نہ اٹھ سکیں۔

"یہ تم نے ٹھیک کہا ہے ہو باری۔ تمہارا انداز و لفظ ہو بھی نہیں سکتا"۔ بھنے ایک کونے میں بیٹھی ہار واہ دیکھ رہی تھیں۔

"وہ بھی بہت سارے خواص ہیں۔ وہ بھی تمہیں چاہتے ہوں گے"۔ بھنے نے ہار سے ہاتھ روک کر سب کو دیکھا۔

"ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہی ہوں"۔ باری مسکرایا۔ "کیا مجھے اپنی حیثیت کا تعین کرنا ہوگا؟"

لڑکیاں منہ چھپا کر ہنسنے لگیں۔

"میں چلوں بڑی امی۔ ابھی تیاری بھی کرنا ہے۔ اور کچھ تو نہیں لکھنا ہے؟"

"نہیں۔ بس — روشی کی ساس کو ہمارا ہیوت بہت سلام کہنا"۔ اگر وہ لوگ تمہیں کھانے پر بلائیں تو ضرور جانا۔"

"ٹھیک ہے"۔ "اچھا کمرا اور" "اور کوئی حکم؟"

"نہیں۔ اور کچھ نہیں۔ بس کچھ بھولا تو نہیں"۔

"اور ان کو لینے کی کوشش کرو" وہ کس کا ذکر کر رہی تھی۔ "سونے" اس نے کہا۔ اسے اپنے مستقبل کی تیاری کیلئے وقت کا تعین کرنا تھا۔ کچھ جلدی کچھ بھی بھیجنے کی کوشش تھی۔

"میں ہر طرح سے ٹھیک ہوں۔ صرف اجازت دو کہ ہے"۔ وہ روشی کے پاس سے گزرتے ہوئے بولی۔ منہ میں بولا۔

روشی بھی اپنی اٹیچیاں سنبھالتی رہی۔

جیسے ہی عالم باہر جانے کو گھومے۔ روشی بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔

"روشی تم کہاں جا رہی ہو؟" کرن نے ٹوکا۔

"آ رہی ہوں ابھی"۔ وہ تیزی سے عالم باب کے پیچھے چل گئی۔

بڑی امی اپنے کمرے کی طرف اور وہ اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

ہادی تولیہ گلے میں لٹکائے ارادہ باب سے کیڑے نکال رہا تھا۔ وہ بہت خاموشی سے دروازے کے درمیان کھڑی ہو گئی تھی۔

"میں تم سے کچھ لینے نہیں آئی ہوں ہادی۔ بس ایک بات کرنا ہے تم سے"۔

"مگر مجھے آپ سے کوئی بات کرنا ہے۔ معافی چاہتا ہوں۔ یوں بھی مجھے ذرا جلدی ہے"۔

"اس طرح کیوں بات کر رہے ہو؟" اسے دکھ سا آ گیا۔

ہادی اپنے کیڑے لے کر باتھ روم کی طرف بڑھا "مجھے افسوس ہے روشی بی بی میں واقعی جلدی میں ہوں"۔ وہ باتھ روم میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر لیا۔ اکبر کی باتوں کی لہر نے جیسے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ کمزور سی کچھ ہو رہی تھی۔ وہ اندر آ گئی اور دروازہ بند کر لیا اور اس کے بستر پر بیٹھ گئی۔ کچھ میگزین اور نصابی کتب سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھیں۔ وہ اٹھا کر دیکھنے لگی۔

جانے کتنا وقت گزرا۔ شاید دس منٹ "شاید چند دو منٹ۔

وہ کچھ سمجھتا ہوا تولیے سے سر رگڑتا ہوا بڑی ترنگ میں باتھ روم سے باہر آیا تھا۔ مگر فوراً ہی ٹھٹک گیا تھا۔ مگر پھر وہ نہیں۔

اور اسے مکمل نظر انداز کر کے اپنے کاموں میں مگن ہو گیا۔ پہلے بال سنوارے پھر بیڈ کے۔ پھر سائیڈ ٹیبل میں شیو کا سامان رکھنے لگا۔

اسی دوران چلتے پھرتے اس نے ایک میگزین اٹھا لیا تھا۔ جس کی جلد سے اکبر نے ایک بہت خوبصورت لڑکی کی تصویر دیکھی تھی۔ سیاہ چمکتے ہوئے بال شانے پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔ اس کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

"ہادی"۔

"جی"۔

"تم ایسے کیوں ہو گئے ہو؟"

"کیسا ہو گیا ہوں۔ اچھا تو میں کبھی نہیں لگا آپ کو۔ کہا آج زیادہ برا لگ رہا ہوں"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ میں جب سے تمہاری بھائی کی شادی کے ہنگام میں آئی تھی۔ اب مجھے کیا"۔

"میں بھلا یہ جرات کر سکتا ہوں کہ آپ سے کچھ پوچھ گچھ کروں۔ مگر حد نہ ہوں"۔ اس نے ٹیک بند کیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"اور پھر آپ کا کمرہ ہے" آپ جب چاہیں گھومیں پھریں۔ وقت ہے وقت" آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں"۔ وہ رعایت سے پوچھ رہا تھا۔

"تم پہلے جیسے نہیں لگ رہے۔ بہت بدلے بدلے لگ رہے ہو۔ کیا کیا ہے میں نے آؤں سا گناہ ہوا ہے مجھ سے؟ تم مجھ سے ناراض ہو اور میں اپنی نظروں میں گر رہی ہوں"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"بدل رہے ہو۔ ارے"۔ وہ ہنس دیا اور اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔ "اور کیا میں اتنا خاطر خواہ کر رہا ہوں کہ آپ پر سے ہوش کھونے لگوں۔ اپنی خواہشات ضائع نہ کیا کیجئے۔ آگے کام آتی ہیں"۔

"ہادی — تم بہت کٹیلے نکل" "ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آتے۔ مجھے تم سے بہت شرم آ رہی ہے۔ جی چاہ رہا ہے میں مر جاؤں"۔ وہ بہت ضبط سے اپنے آنسو روک رہی تھی۔ ہادی کا دل — بشر کا دل تھا — بہت نرم تھا۔ میں دھڑکا۔

"کس بات کی شرم؟"

"تم نے مجھے عجیب سے حلیے میں دیکھا تھا۔ مجھے سوچ سوچ کر شرم آ رہی ہے۔ حالانکہ مجھے پتا ہے تم کسی سے نہیں کہو گے"۔ وہ نظریں جھکائے ہوئے کہہ رہی تھی"۔

"کیا نہیں کہوں گا؟" اس نے انجان بن کر پوچھا۔

"ہا — میں تو کبھی اپنے آپ سے بھی نہیں کہوں گا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ اب مجھے اجازت"۔ وہ ٹیک اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

(اسے یہ تھا کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی کتنے فاصلے ہیں کہ کمال دیتا ہے)

"اوہ ہاں — وہ اس روز جیم کو جو میں فون کر رہی تھی"۔

"کیا آپ کو ان کی معافی سے کوئی دلچسپی نہیں؟"۔
اس نے ہاتھ اٹھا کر رانی کو بولنے سے روک دیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"کیوں نہیں ہے دلچسپی آخر اپنے گھر میں کون نہیں رہنا چاہتا؟" وہ چڑ کر بولی۔
"لیکن گھر میں رہنے کی یہ شرط تو نہیں ہے کہ میں یہاں کے تمام معاملات میں دخل اندازی کروں"۔ وہ جھلا کر اسے دیکھنے لگا۔
کہہ اٹھا۔
"گھر میں رہنے والوں کے لیے "ہوم"۔ "شرط نہیں ذمہ داری۔ غور کرو اس ذمہ داری پر تمہیں آنا پڑتا ہے۔ ورنہ یہ تمہارے گھر کی"؟"
لوگے پر وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "ہوں۔ دیکھنا پڑے گی"۔ وہ اس کے لہجے میں گویا ہوا۔
"اچھی بات ہے"۔ ابیحی نے مسکرا کر شانے اچکائے۔
"مجھے معلوم ہے تمہیں میرے معاملات سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے"۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"انکار کروں ہرگز بھی نہیں ہوں کہ کوئی تو حال سے مجھ پر اثر انداز ہو سکے۔ خاص اہمیت ہو۔ اب مجھے اجازت"۔ وہ
مسکرا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔
"تم جا کر کھاؤ"۔ اس نے دانت پیسے۔
"اور اس کے علاوہ کوئی اور فرمائش ہو جسے پورا کر کے کھاؤں؟" وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟ پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔" وہ پھر رو پڑی۔

"نہ آپ نے کچھ کیا ہے نہ میں ایسا ویسا ہوں۔ میری فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے۔ فی الحال پھر آنسو پونچھ لیجیے۔" اس نے بیگ اٹھا لیا۔

"کوئی پیغام کراچی والوں کیلئے؟" اس نے قدم آگے بڑھائے۔

"تمہارا سر!" وہ جھلا اٹھی۔

"وہ تو میں ساتھ لئے جا رہا ہوں! اچھا خدا حافظ۔" وہ باہر نکل گیا۔

وہ اٹھلیاں مسلنے لگی۔ ساتھ ساتھ کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔

مایوں راجداری کا مرکزی دروازہ چیک کرکے مطمئن انداز میں اپنے کمرے کی سمت بڑھی تھی۔

بہت مدھم سی کال بیل نے اسے چونکا دیا۔ اس کی نظریں لاؤنج میں سامنے ہی لگے وال کلاک پر جا ٹکیں۔ رات کے ڈیڑھ بجے کا عمل تھا۔

اس نے خود آگے بڑھنے کی بجائے نعمان کو بلانے کا قصد کیا' مگر ایک دم رک گئی۔ معلوم تو کرلوں پہ کون ہے۔ ہو سکتا ہے بھائی کی نیند خراب ہو گی۔ یہ سوچتے ہی راجداری کا دروازہ کھول کر باہر آئی اور گیٹ سے چند قدم دور ہی سے آواز دی۔

"جی... کون؟"

"یاور...؟" آواز خاصی دھیمی تھی مگر رات کے اس پہر واضح تھی۔

"اوہ!" ایک انجانی سی خوشی اس نے اپنے اندر دوڑتی محسوس کی۔

"ایک منٹ!" وہ چابی لینے اندر دوڑ گئی۔ جتنی تیزی سے اندر دوڑی تھی۔ اتنی ہی تیزی سے ہانپتی ہوئی واپس آئی۔ تالا کھول کر اس نے ڈیلی ورداز بھی وا کر دیا تھا۔

سیاہ ٹرسوٹ میں ملبوس ریڈ ایڈیٹ والٹ اس کی آنکھوں کو بھلا سا بہت خوبصورت لگا تھا۔ کسی قسم کا سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے یاور علی خان اس کے سامنے کھڑے تھے۔

"السلام علیکم۔" اس کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" ایسے نہیں بھاگتے' گر بھی جاتے ہیں۔" ان کی آواز دھیمی اور لہجہ شائستہ تھا۔

مایوں شرمندہ سی ہو کر اپنا دوپٹہ درست کرنے لگی۔

"آیئے۔" وہ انہیں لئے کر آگے بڑھی۔

"کیا میرے آنے سے خاطر تواضع انتظامات مکمل ہو گئے ہیں؟" انہوں نے کھلے ہوئے تالے کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ۔" مایوں تالا لگانے لگی۔ یاور علی خان بھی رک گئے تھے۔

پھر وہ ان کے پیچھے چلتے ہوئے لاؤنج میں پہنچے۔

"کافی لیتے ہیں یا کچھ اور بھی لیتے ہیں؟" وہ ان کے ہتھ اٹیچی کیس پھیلا رہی تھی۔

"کچھ لیتے ہیں یا کچھ اور بھی لیتے ہیں؟" انہوں نے سوٹ کیس ایک طرف رکھا۔

"جو کہا جائے وہ کریں گے یا کچھ اور بھی کریں گے؟" مایوں نے سوٹ کیس ایک طرف رکھا۔

"آپ کے آنے سے میں کچھ اور بھی کرنے لگی تھی۔" وہ بہت سادہ سے انداز میں مسکرا رہی تھی۔

یاور علی خان نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی۔ سیاہ جینز کے ساتھ سفید کرتا نما لانگ شرٹ میں ملبوس وہ بے حد معصوم لگ رہی تھی۔

"اچھی بات ہے اب آپ مجھے اس اٹیچی کے ہتھ اٹھانے پر لگا دیں جہاں تک پہنچ کر سکوں۔" وہ ہلکے سے مسکرا دیئے۔

"اوہ۔" مایوں قدرے جھینپ گئی۔

"پھر آپ اندر ہی چلئے جہاں پہلے ٹھہرے تھے۔ نظارے بھی ہیں اور ہوا بھی کہتی ہے۔"

"ہوا کچھ کہتی ہے آپ سے؟" وہ ہلکا سا مسکرائے۔

"اس سے بھی کچھ زیادہ۔" وہ شرارت سے کہتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

یاور علی خان اس کے پیچھے چل رہے تھے۔

"پوچھیں گے نہیں میرا وہ جان کہہ رہا تھا' آپ آنے والے ہیں' میں نے کمرا اسی لئے بالکل تیار کروایا تھا۔"

"اچھی بات ہے' رہائی خاتون ہو گی ہیں آپ تو۔"

"بہت زیادہ ہے۔ ایسے خلافات کی مال نہیں ہوں۔ اچھا یہ بتایئے' کھانا کھائیں گے یا سیدھے سو جائیں گے؟"

"کچھ نہیں' بس ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلا دیں اور پھر آرام کریں گے۔"

"بس؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"جی بس۔"

"پھر بھی ایک بار سوچ لیجئے۔ ہو سکتا ہے کچھ اور بھی چاہیے ہو۔" وہ جاتے جاتے رک گئی۔

یاور علی خان کوٹ اتارتے اتارتے ایک دم رک گئے۔

"بعض چیزیں بہت ضروری ہوتی ہیں' مگر موقع محل شرط ہوتی ہے۔" ان کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔ مایوں نے چونک کر ان کی صورت دیکھی۔

"جی۔"

یاور علی خان اس طرح لاپروا انداز میں کوٹ اتار کر صوفہ پر ڈال چکے تھے' پھر کمرے میں اس کے ساتھ [illegible] لہجہ مایوں کا مخصوص بے معنی سا تھا۔

وہ پانی لانے کے ارادے سے کچن کی طرف جا رہی تھی۔

اس نے دونوں ہاتھ دیوار پر ٹکا دیئے۔ ابھی سیدھی ہی ہوئی تھی کہ بلاناغ ایک پتھر گرا۔ وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ مگر کچھ نظر نہ آیا۔

وہ پھر محتاط انداز میں اپنے دوپٹے سے ہاتھ پونچھنے لگی۔ بائیں کان کا ٹاپس واضح طور پر اس کے چہرے سے ہٹا ہوا تھا۔ بلاناغ پھر ایک پتھر اس کی پیٹھ پر لگا۔ وہ تیزی سے پلٹی تھی اور اس طرف دیکھنے لگی تھی جہاں سے پتھر آئے تھے۔ مگر کچھ نظر نہ آیا۔

تحمل پریشان سی کھڑی رہ گئی۔ یہاں آنے کے بعد یہ اللہ دوسری مرتبہ تھا۔

وہ گھوم کر دیوار پر نظریں جما کر کھڑی ہو گئی۔ خوف سے بری حالت ہو رہی تھی۔ مگر آخر وہ کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتی تھی۔

اس نے چاہا گل باز کو آواز دے۔ مگر یکدم رک گئی۔ اسے دیوار پر ایک بھوری سی چیز محسوس ہو رہی تھی۔ وہ گھبرا کر گھورنے لگی۔

اوسان بجے ہی لمحے اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ دیوار کے اس سرے سے دوسرے سرے تک ہر سانڑ کا بندر براجمان تھا۔ اس کی جان میں جان آئی گویا۔

اس نے پیچھے سے ایک پتھر اٹھا کر ایک بندر کی طرف پھینکا۔ سارے کے سارے دیوار پر ہی بچے کھچے پتھر برسانے لگے۔ ایک عجیب سی آفت مچ گئی۔

ایک بندر نے پینگ سے گلاس اٹھا لیا اور بھمبر کی طرف پھینکنے کی دھمکی دینے لگا۔

تانبے کا بھاری گلاس تھا۔ بھمبر مار کر پیچھے ہٹنے لگی۔

دو تین بندر اس کے آگے پیچھے ناچنے لگے۔ وہ بھی ڈر کر ناچنے لگی۔

سارا سے کسی سے ٹکرانے کا احساس ہوا۔ وہ یوں اچھلی جیسے کرنٹ لگا ہو۔ فوراً ہی پلٹی تھی۔ اور حیرت بھری آواز حلق سے نکلی تھی۔

"آپ — واجد بھائی — بندر —"

"لاحول ولا قوۃ! کوئی بھی کمال نہیں تھی آپ کے پاس؟" باری نے منہ بنایا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ اوہ میرے خدایا"۔

"آپ اندر چلیں میں بندروں کو بھگا کر ابھی آتا ہوں"۔

بھمبر یہ سنتے ہی اندر دوڑ گئی۔

باری نے جانے کون سی جیب سے پستول برآمد کیا اور ایک ہوائی فائر داغ دیا۔

بندروں میں کھلبلی مچ گئی۔ آن کی آن میں جانے کدھر غائب ہو گئے۔ اس نے پستول واپس جیب میں ڈالا اور اپنا بایاں کی سمت بڑھا۔

بھمبر دیوار کی طرف ہی تھی۔ باری کو سر آتا دیکھ کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

"تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟" وہ تجسس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی تھی۔

"چاندی والوں کے تحفے!" باری نے جواب دیا۔ "تحفہ؟" وہ چونک پڑی۔

"میں صرف دشمنوں کو قتل کرتا ہوں"۔ وہ ہنسا۔ "بھمبر نے قدرے خفگی سے کہا۔

"پھر تم کس سے بھی یہ سے قتل ہو"۔ بھمبر نے قدرے خفگی سے کہا۔

"یہ قتل جرم ہے؟ میں تو قتل جرم کرتا ہوں۔ اب آپ جلدی سے پتہ بتائیے [illegible]

چونک گیا۔

"کہاں؟" بھمبر نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

"اپنے ٹھکانے پر اور کہاں؟"

"کس نے بھیجا ہے تمہیں؟ کاکو جان نے یا بابا صاحب نے؟" بھمبر مرکی آواز بہت دھیمی تھی۔

"کسی نے تو بھیجا ہوگا خود سے تو نہیں آ سکتی"۔ اس نے جواب دیا۔

"کاش ہمارے نصیب ایسے کہاں"۔ وہ بڑبڑانے کے انداز میں بولی۔

"باری کو سنائی نہیں دیا۔

"کچھ نہیں کہا"۔ وہ آگے کی طرف جھک کر گویا ہوا۔

"اللہ میاں کہیں سے ہماری پکار تم تو نہیں ہو"۔ وہ جیسے چڑ کر بولی تھی۔

"کیا سننا چاہتی ہیں آپ اللہ میاں کو؟" وہ ہنسنے کیوں مسکرایا۔

"چاہنا کیا چاہنے سے کیا ہوتا ہے"۔ اس کی آواز بھرانے لگی۔

"اچھا چلیں اندر چلیں یہاں سے"۔ باری کے انداز میں درخواست تھی۔

بھمبر نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

"کہاں لے کر جاؤ گے؟"

"جہاں سے آئی تھیں"۔ باری نے ریسٹ واچ پر نظر ڈال کر خاصی عجلت کا اظہار کیا۔

"باری! مجھے اس ندیم خانے میں لے کر مت جاؤ۔ تم اپنا پستول مجھے دو۔ میں خود ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ایک فیصلہ کر لیتی ہوں"۔

"مجھے ڈائیلاگ کی بارمت دیں۔ حکم پر عمل درآمد کرنے کا ہی عادی ہوں۔ چلئے اٹھئے اور شکر کیجئے نظریں کی ہیں سے آپ کی بہت پیٹ ہو گئی"۔

"ٹھیک ہے تم مجھے نظری کا نام لے کر جاؤ میں بھی تم لوگوں کو سبق سکھا ہی دوں"۔ بھمبر نے [illegible] ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''چلو' اور سیدھے دریا بستی چلو' سرائے میں حاضری لگانے کی ضرورت نہیں اور تم مجھے دھوکے سے سرائے لے جانے کی غلطی بھی نہ کرنا۔ کہیں میرے ہاتھوں تیمور علی خان اپنے انجام کو نہ پہنچ جائیں''۔ اس کی آنکھوں میں بھی آنچ تھی۔ اور لہجے میں بھی۔

''اچھا چلئے چادر اوڑھئے زیادہ ملکہ جذبات بننے کی ضرورت نہیں''۔ وہ سرد انداز میں کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

جھومر پاؤں لٹکائے کچھ دیر سوچتی رہی پھر ایک فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

چادر اوڑھ کر باہر آئی' گل باز بیگ اٹھائے باہر کی طرف جا رہا تھا' وہ اس کے پیچھے چل پڑی۔ باری بند جیپ میں ڈرائیونگ سیٹ پر اپنی طرف کا دروازہ کھولے اندر سے باہر آنے والے راستے کی طرف تک رہا تھا' گل باز اور جھومر کو آگے پیچھے آتے دیکھ کر اس نے سکون کا سانس بھرا۔

''اس قدر وحشت ہوتی ہے اندر کہ مجھے جیپ میں بیٹھ کر انتظار کرنا زیادہ پسند ہے' بہ نسبت اندر بیٹھنے کے اور ایک آپ ہیں' جانے کیا للو پتے مل رہے ہیں اس حویلی میں''۔

اس نے جھومر کے بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ کر دیا اور بیک ویو مرر میں دیکھنے لگا کہ گل باز ایک طرف ہٹ گیا یا نہیں۔

''تم باری ہو اور میں جھومر ہوں۔ تمہیں کسی ظفری کے پلے نہیں باندھا گیا۔ تمہارا دل محفوظ ہے' اسے کسی نے سلا نہیں' تمہاری روح آزاد ہے' یہ کسی درندے کو پیش نہیں کی گئی لہٰذا تمہیں مجھ سے مقابلہ کرنے کی زحمت کی ضرورت نہیں''۔

جھومر نے تڑخ کر اسے جواب دیا تھا۔

ایک لمحے کو تو باری بھی لاجواب سا ہو کر چکرا کر رہ گیا تھا۔

''چل رہی ہوں میں اس جہنم میں' کر لیا ہے میں نے تمہاری پسند کا فیصلہ۔ اب دیکھنا ذرا''۔

جھومر نے سر سے کلپ کھسوٹ' بال ہاتھ سے سمیٹے اور دوبارہ کلپ میں قید کر دیئے اور سر پر چادر جما کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

''یہ میری پسند بیچ میں کہاں سے ٹپک پڑی۔ مجھ سے جو کہا جاتا ہے' میں وہ کرنے کا پابند ہوں''۔

گاڑی باہر آتے ہی اس نے بہت تیزی سے چلائی تھی' جیسے جھنجلا رہا ہو۔

''غلامی کی زنجیریں توڑنا بھی انسان کا حق ہے' پیدائشی حق''۔ جھومر نے تلخی سے کہا۔

''پیسے جمع کر رہا ہوں''۔ باری کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

جھومر نے حیرت سے اس کی شکل دیکھی' بڑا سنجیدہ سا جواب تھا۔

''پیسے.....؟''

''کس لئے؟''

''غلام پابند ہے کہ اپنے آقا کو منہ مانگی رقم دے اور آزاد ہو جائے''۔ اس کے لہجے میں بلا کی تپش تھی۔

''کیا دام لگا رہے ہیں تمہارے؟'' جھومر کے لہجے میں زہر گھلا ہوا تھا۔

''ان کی تو پوری جاگیر تمہارے سر سے وار کر صدقہ کر دی جائے تو بھی کم ہے''۔ وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

''ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں مجھ میں''۔ اسے یک دم غصہ آ گیا۔

''تمہیں کیا پتہ؟'' وہ بہت سکون سے کہہ رہی تھی۔

''مجھے اپنی حدود کا پتا ہے' میں عملی اور حقیقت پسند آدمی ہوں۔ اپنے بعض جذباتوں کے سامنے بے بس سہی مگر حصار ڈالنے کی حد تک کمزور نہیں۔ وہ کون سے مقامات ہیں' جہاں میرا راستہ مکمل ہوتا ہے' مجھے اچھی طرح شعور ہے''۔

باری کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔

''تم میں بھی جذبات ہیں؟'' جھومر کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''کیا مجھے بتاؤ گے وہ کون سے جذبات ہیں؟''

''وہ تو شاید میں اپنے آپ کو بھی بتانا پسند نہ کروں''۔ باری نے چھلا ہوا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر بڑے ضبط سے جواب دیا۔

''ایک بات کہوں' آپ مائنڈ تو نہیں کریں گی؟'' اس نے طویل راستے کے بعد پہلا موڑ کاٹا۔

''ہوں' کہو! تمہیں میرے برا ماننے کی فکر میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں''۔ جھومر نے بے دلی سے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ پیچھے جا کر آرام سے لیٹ جائیے۔ ہو سکتا ہے' ٹھنڈے ماحول میں آپ کی نیند پوری ہو جائے اور آپ کا ذہن پرسکون ہو جائے۔

کیونکہ سرائے جا کر گاڑی بدلنا ہے۔ یہ جیپ کاکا جان کی ذاتی اور پسندیدہ سواری ہے۔ ان کی ''لینڈ کروزر'' کے بعد جو آج کل بابا صاحب کے استعمال میں ہے''۔ اس نے رسانیت سے کہا۔

''تم مجھے وہاں نہ لے کر جاؤ تو بہتر ہے۔ پھر میرے منہ سے کچھ نہ کچھ نکل جائے گا''۔

جھومر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''مگر مجھے گاڑی لازمی بدلنا ہے۔ شاید وہ بھی آپ سے ملنا اور بات کرنا پسند نہ کریں' آپ گیٹ سے باہر کھڑی ہو جائیے گا۔ میں پانچ منٹ میں دوسری گاڑی لے کر باہر آ جاؤں گا' اب آپ پیچھے جا کر آرام کیجئے''۔

''دل نہیں چاہ رہا میرا آرام کرنے کو' تم چلاؤ گاڑی' میں تم سے کوئی بات فی الحال نہیں کر رہی''۔

باری نے ہونٹ بھینچ کر رفتار قدرے بڑھا دی۔

.....

سب لڑکیاں اندر ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ اس کا موڈ نہیں بن رہا تھا۔

وہ بیزار کن انداز میں دوپٹا سنبھالتی ہوئی باہر آ گئی اور بیرونی برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

پورے دنوں کا چاند تھا۔ وہ ہاتھوں میں چہرہ تھام کر چاند کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔

کھوکھر گیٹ بند کر کے اس کے پاس سے گزرا' قدرے حیرت سے اسے دیکھا پھر آگے بڑھنے لگا۔

"کھوکھا"۔ اس نے کسی خیال سے چونک کر آواز دے ڈالی۔

"جی بی بی"۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

"جاؤ پہلے اندر دیکھو بہت سے مہمان کی سب لائٹیں جلا کر آؤ"۔ اس نے حکم دیا۔

"جی اچھا"۔ وہ اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آ کے ہال کی ساری لائٹیں جلا کر گیا۔

وہ پھر پہلے کی طرح میں بیٹھی ہوئی تھی۔ جانے کتنی دیر اسی طرح بیٹھی رہی۔

سوا دو بج گئے۔ کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس سے گیٹ روشن ہو گیا تھا۔

شاید پاپا صاحب آ گئے ہیں۔

گاڑی پاس آ رہی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا کوئی ملازم نظر نہیں آیا۔ جانے کیا سوچ کر وہ خود کار کی طرف خاصی تیزی سے چلتی ہوئی گیٹ تک آئی اور گیٹ کھول دیا۔ تیز روشنی اس پر پڑی تو آنکھیں چندھیا گئیں۔

گاڑی ایک دم جیسے اس کے اوپر چڑھ دوڑی وہ اچانک تیزی سے ایک طرف ہو گئی۔

"یہ کون بدتمیز قسم کا ڈرائیور ہے"۔ اس کا خون کھول اٹھا۔ گاڑی پورچ میں جا کر رک گئی تھی۔

وہ کھولتی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھی لیکن لیتے لیتے کے خیال سے ٹھٹھک کر رک گئی۔ ایک طرف سے ڈرائیونگ سیٹ سے بھورا اتر رہی تھی۔

"یہ کہاں سے آ رہے ہیں؟ کہاں گئی ہوئی تھیں یہ بھورا بھابی؟"

اسے اچانک ان پہلے والے واقعہ ایک دم سے یاد آیا "تو یہ کہیں گئی ہوئی تھیں شاید اپنے بیٹے کو ڈھونڈنے کراچی گئی ہوئی تھیں یہ انسان ہے یا ہوا؟"

"یہاں کیوں رک گئی؟ آؤ سلام دعا بھی نہیں ہو گی"۔ بھورا نے اسے مخاطب کیا۔

"السلام علیکم"۔ وہ خاصی الجھی ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام! ٹھیک ہو؟" بھورا نے اس کے رخسار پر ہاتھ سا دیا۔

"کہاں چلی گئی تھیں آپ؟ نصرت بھائی نے اچانک سر پر جا لیا ہے۔ آج دوپہر کو ہی انہیں ہسپتال لے کر گئے تھے اب ہیں وہ"۔

روشنی کا انداز اب بھی الجھا ہوا تھا۔

بھورا نے سکون کا ایک گہرا سانس لیا۔

"شکر کہ ہم گئے تھے جن کی خاطر تم گئی تھیں ان کے ساتھ واپس آ گئے ہیں"۔ بھورا کا انداز تھا۔

روشنی کو اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

روشنی کو حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا ایک خطرہ اس کے سر پر تھا۔ اس نے ہال کی طرف دیکھا۔

"میں کچھ بھی نہیں بھابی"۔ اسے ایک دم اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ بھورا انداز ہی ایسا تھا۔

"کچھ کیا نہیں ہوتا ہے" بھورا ہی میں نارمل دل کی طرح انسان بھرا ہوا ہے۔ تم بہت بڑا جرم کر آئی ہو۔

سب سے بڑی ہار ہی ہے۔ اچھا شب بخیر۔ اللہ کرے نصرت کا باپ ہسپتال میں ٹھیک ہو جائے"۔

اس نے پیچھے سے کی جانب بیٹھ لی کی۔

اپنی گاڑی سے نیچے نکال رہا تھا اور روشنی وہیں جھکی دم بخود کھڑی تھی۔

"یہ بھورا بھائی کا اصل خول تک ہی تھیں؟" سحاب نے پوچھا کر پوچھا۔

"وہ آپ کی بھابی ہیں اور یہ بھائی بھائی" نکلی "نہیں، طرفداری ہیں سمجھیں؟"

"تو پھر تم کیا کرنے گئی تھیں؟ کوئی بھابی بھائی نہیں فرماتیں"۔ وہ طنز کر بھی تھی۔

"وہ ایک اسٹائل انسان کے ساتھ رہتی ہیں۔ کوئی نفسیاتی چیز ہی یہ اوقعی ہو گی۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں"۔ میں نے کہہ تسلی دی۔

"مجرم کسی خوشی میں مجرم کو اٹھائے اٹھائے پھر رہے ہیں؟" وہ بھڑک گیا۔

"اصل واقعہ"۔ وہ اس لاعلمی میں ہا ہوا۔

"اگر تصدیق نہیں ہیں گی ہیں تو پاپا صاحب کو اطلاع دو۔ پاگل خانے لے جا کر ان کا علاج کرانے کو کہو میں اس قسم کی واہیات گفتگو کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی" ان کو سمجھانے کی کوشش کرو کہ اپنی اوقات میں رہیں۔ بھورا صرف اپنے بھائی کی خاطر ہی کو عزت دیتے ہیں۔ ورنہ دوسری صورت میں ان کا "ریک" ماما کے بعد ہی بنتا ہے۔

"میں لوگوں کو کبھی عزت نہیں دیتی ہوں انہیں راس ہی نہیں آتی"۔

غصے سے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔

"آپ کیوں خواہ مخواہ اپنا بھیجہ خوار کر رہی ہیں۔ جانے دیں"۔ ہاری نے دانستہ سے سمجھایا۔

"فرق ان کے ہونے کا کوئی اثر نہیں ہوا"۔

وہ شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورنے لگی۔ بلیک اینڈ وائٹ پرنٹ کے شلوار کرتے اور وہ پہنے میں دودھیا چاند کی روشنی میں نہائی ہوئی وہ بڑی معصوم سی کھال دے رہی تھی۔

ہاری نے نظریں پھیر کر گاڑی کا لاک لگانا شروع کر دیا۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے؟" وہ جھلا اٹھی۔

"اگر غرض مجھ پر کچھ اثر ہونے کی بات کا۔ تو اس سے آپ کو کیا فائدہ یا نقصان ہے۔ یہ تو میری اپنی ذاتی واردات ہو گی"۔ وہ اکھڑ کا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"دیکھتی ہوں پاپا صاحب کو تو کیا کرتی ہوں گی"۔ اس نے دھمکی دی۔

"گھر والوں سے جھگڑا کرنا کوئی اچھی بات نہیں"۔ ہاری نے اندر جانے کی نیت سے رخ موڑا۔

"حمایت لے رہے ہو ان کی؟" اسے جیسے کسی طرف سے صدمہ سا ہوا۔

"نہیں — جن لوگوں کے ہونے اور نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑتا ہو، ان سے بات نہیں بڑھانے چاہئیں۔ یہ اصول
رکھتے ہیں"۔ اس نے پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

"خیر — ماموں تو ان کا بھی ٹھکانے لگا دیں گی میں۔ ان کی عمر کیسے ہوئی؟"

وہ کہاں باز آنے والی تھی۔

"مرضی ہے آپ کی۔ میری طرف سے اجازت ہے"۔ وہ مسکرایا۔ جیسے اسے چڑا رہا ہو۔

"اوکے"۔ وہ پاؤں پٹخ کر اس سے پہلے اندر بڑھ گئی۔ اور ہال کمرے میں پہنچی آل ریڈی ہوئی تھی۔ وہ بغیر
"تم کہاں چلی گئی تھیں؟" اس نے اس پر سرسری نظر ڈال کر دوبارہ اسکرین پر نظریں جما دیں۔

"جہنم میں"۔ وہ صوفے پر ڈھے گئی۔

"ہاں — کچھ — سرچ سرچ کی تو ہو رہی ہو"۔ وہ اسی نے شرارت سے دیکھا۔

"شاید۔ حویلی کے غائب اوگ واپس آ چکے ہیں"۔ جیسے کا موڈ بالکل بہت خراب تھا۔

وہ نے ان کے لہجے کے استہزائیہ کو بڑی ناگواری سے دیکھا۔ اس پر مستزاد ان کا جملہ۔

"جیسے آپا! آپ مجھ سے مخاطب نہ ہوا کریں"۔

اس نے خاصی بدتمیزی سے کہا۔ اس وقت وہ اس ماحول میں موجود ہی کب تھی۔ اس کے کانوں میں ڈھول کے
انگاروں کی طرح بجنے محسوس ہو رہے تھے۔

"مگر آپا! یہ نظری بھائی سے کب واپس آئیں گے؟" اس نے نظر کی عینک لگائے بظاہر ٹی وی دیکھتی مگو کو مخاطب
کیا۔

"خیریت؟" مگو نے چشمے سے اسے گھورا۔

"ہاں خیریت ہی ہے۔ بوٹی پوچھ رہی تھی"۔ اس نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔

"وہ اپنے میں ٹھیک نہیں ہوں گے۔ ان کا علاج گھر میں ہی ہے"۔ وہ سر ہلا کر بولی۔

"یعنی"۔ مگو واقعی نہیں سمجھیں۔

"یعنی یہ کہ جھومر بھائی — وہ گھر پر نہیں تھیں۔ انہیں فلس پڑنے لگے۔ انہوں نے اپنا سر جلا لیا"۔ اس نے بظاہر
دلی۔

"وہ کہاں چلی گئی تھیں؟" مگو الجھ کر بیٹھ گئیں۔ ٹی وی سے ان کی توجہ مکمل طور پر ہٹ چکی تھی۔

"یہ تو مجھے علم نہیں کہ وہ کہاں گئی تھیں۔ مگر بہرحال یہ مجھے پتا ہے کہ وہ کہیں گئی ہوئی تھیں اور اب واپس آ گئی ہیں۔ سکہ
باری کے ساتھ"۔ اس نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

"باری کے ساتھ"۔ کئی متحیر لڑکیوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"کیا کرایا؟" مگو حیرت سے پوچھی تھیں۔

"مجھے پتا آپ اسی طرح کہیں گی"۔ جیسے نے منہ پھیر لیا تھا۔

"اوکے۔ اوکے"۔ مگو اسے منانے لگیں۔

"ہاں تو"۔ وہ اصل خبر اور بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

"کیا ہے"۔ وہ مسکرا کر بولی تھیں۔ "آپ نے کچھ کہا تھا"۔ وہ نے کہا۔

"اس نے میرے سامنے کال کیا تھا"۔ اس نے آرام سے جواب دیا۔

"باری کے ساتھ؟" مریم نے سوال کیا۔

"یاہو۔ پکا تم لوگوں نے مستقل طور پر کینیڈا جانا ہے۔ باری کے ساتھ۔ باری کے ساتھ"۔ وہ ہری طرح چلائی۔

"وہ تم کیا بول رہی تھیں"۔ مریم بدحواس۔

"میں تو یہی کہہ رہی تھی۔ آپ نے سنا تھا۔ اب یہ کہاں کیا؟" وہ بگڑی۔

"میں نہیں آ رہا تھا"۔ سونو نے مسکرا کر جواب دیا۔

"مگر ہمیں تو اس طرح آنے تو پوچھا تھا کہ بھائی کو سیر کرانے کہاں لے گئے تھے؟" باری نے مضطرب ہو کر۔

"ہماری آنکھوں کے سامنے تو کراچی روانہ ہوئے تھے"۔ جیسے نے یاد دلایا۔

"یہ اچھا ہوا۔ کہتے ہیں بابا صاحب جھومر بھائی کا"۔ مگو نے معصومیت سے کہا۔

"سب سے عقلمند اولاد بھی تو وہی ہیں وہ"۔ باری نے قطعی غیر مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہاں ہیرو تو ظاہر ہے تو ان کا حق ہے"۔ مریم نے بھی جلے بھنے لہجے سے کہا۔

"وہ بھی — باری کے ساتھ"۔ جیسے کہہ کر خود ہی جھینپ گئی تھیں۔

باری پاؤں پٹختی خود کو کوستی باہر نکل گئی تھی۔

اس نے آہستگی سے دروازہ بجایا۔

"یس!" اندر سے آفیسرانہ انداز میں اجازت ملی۔

اور دروازہ کھول کر وہ اندر آئی۔

"السلام علیکم صبیح بھیا"۔

"السلام"۔ وہ اور علی خان نہا کر نکلے تھے اور اب آئینے کے سامنے کھڑے بال بنا رہے تھے۔

"بات تو آپ بہت لیٹ آئے۔ میں خاصی دیر انتظار کرتی رہی۔ پھر نہیں کب آنکھ لگ گئی"۔ وہ بچوں کے انداز میں
نہ رہی تھی۔

"تصور آپ کا کیسا ہے؟"۔ اگر شرمندہ ہونا بہت ضروری ہے تو مجھے ہونا چاہیے"۔ وہ آسمانی رنگ کے شلوار سوٹ میں
خاصے بشاش بشاش محسوس ہوئے۔

"نہیں — نہیں — ایسا بھی ضروری نہیں"۔ وہ اٹھ پڑی۔ بڑی مترنم اور مدھر سی ہنسی۔

بادل علی خان نے قدرے چونک کر اس کی سمت دیکھا (کس قدر شناسا سی ہنسی ہے) اور کرسی پر بیٹھ کر ہاتھ میں سرخ اور نیلی پنسلوں کے جدید تراش کے سوٹ اور شائستہ گفتگو اس عمر میں بھی وہ بہت رکھ رکھاؤ سے رہتی تھی۔ وہ اسے آہستہ آہستہ دیکھ رہے تھے۔

"مجھ کو کھا نہیں گئے ہیں ہم میں؟" اس نے ان کی نظروں کو محسوس کر لیا تھا۔

وہ اسی سادگی سے مسکرا رہی تھی۔

"میں کسی میں کسی کو کھا نہیں کرتا۔ ہر انسان کا اپنا علیحدہ رنگ ڈھنگ ہوتا ہے"۔ وہ دھیرے سے کہہ کر آئینے کی طرف سے ہٹ گئے تھے۔

"اب بتائیے — آپ کا کیا پروگرام ہے؟" وہ ڈیڈ پر بیٹھ گئے۔

"میرا پروگرام"۔ اس نے حیرت سے ان کی سمت دیکھا اور چائے کا کپ ان کی طرف بڑھا دیا۔

"جی — آپ کا پروگرام — ہمارے ساتھ چلنے کا"۔ انہوں نے اطمینان سے کہا۔

"آپ کے ساتھ؟" وہ حیران ہوئی۔

"کیا نعمان سے آپ کی اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی؟" اس بار حیران ہونے کی باری ان کی تھی۔

"نہیں تو"۔ اس کے چہرے سے فکرمندی جھلکنے لگی۔

"چلیں خیر پھر ہم ہی اس موضوع کو نعمان کے سامنے خیر بات کریں گے۔ چلیں۔ اب یہ بتائیں۔ آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک کیا ہے"۔ انہوں نے بات سمیٹ لیا۔

"فی الحال تو کچھ نہیں۔ ایگزام میں تو خاصا وقت ہے۔ بس تھکی تھکی الجھن سی ہو رہی ہے"۔ وہ اب الجھی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔

"پھر — اس کے بعد؟" وہ مسلسل سوال کر رہے تھے۔

"کچھ نہیں۔ کچھ سوچا نہیں"۔

"تو پھر سوچنا شروع کر دیں۔ شاید نعمان آپ کی شادی کی فکر میں ہیں"۔ ان کا انداز عام سا تھا۔

"نعمان بھائی تو بس"۔ وہ خاصی جھینپ گئی۔

"انہوں نے مجھ سے بھی کہا ہے کہ اس کار خیر میں میں بھی حصہ لوں۔ لہٰذا پہلے اتنا تو معلوم ہو جائے کہ آپ اپنے لائف پارٹنر میں کیا کیا خوبیاں دیکھنا چاہتی ہیں؟" وہ سنجیدہ تھے۔

"مابین کو جیسے اچنبھا ہوا تھا۔ جیسے اسے بادل علی خان سے اس انداز کی باتوں کی امید نہیں تھی۔

"خوبیاں جاننے کیلئے تو بہت زیادہ وقت درکار ہوتا ہے۔ وہ تو وقت سے ہی پتہ چلتے ہیں جو ملا کر سکتے ہیں"۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"پھر بھی ایک بنیادی سا خاکہ ان کے ذہن میں کوئی نہ کوئی تو ہو سکتا ہے ناں"۔ بادل علی خان کے پاس اپنے موقف کی

تھی۔

"نہیں کوئی خاص خاکہ نہیں۔ بس یہ کہ جو مجھے پیار دے، جو مجھے سمجھے، جو مجھے تحفظ کا احساس دے سکے۔ وہ اس کی آنکھوں سے جو سائل ہوا اور اس نے انہوں نے لکھے، اپنی عمر سے بہت آگے دیکھا سمجھا ہے"۔ اس مرتبہ وہ بھی سنجیدہ تھی۔

"ہاں! اور نعمان اس کے علاوہ"۔ بادل علی خان نے اس کے سامنے ٹوکا ہلکا سا کوئی لطیف سا مذاق کیا۔

"یہ سب چیزیں آپ کو پیسے کی بیساکھی سے بھی مل سکتی ہیں۔ اور پھر یہ تو بے کیف سی زندگی ہوتی ہے"۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

بادل علی خان کی نظریں اسے تک رہی تھیں۔ بے تکلف زندگی کی بیساکھی سے دامن بچا کر چلنے والی۔

"آپ نے ہاں کی کی ہوتا اگر کہیں تو مجھے دھیان آتا۔ ویسے میں تو اس قسم کی کوئی چیز نہیں جانتی۔ بس ایک بات اس میں بہت واضح ہے وہ ہے خلوص"۔

بادل علی خان سگریٹ سلگانے لگے۔

"اس میں تعجب والی اس لئے نہیں آتی کہ آس پاس اس کے پرخلوص اور شیئر کرنے والے بے شمار لوگ موجود ہیں۔ آپ کے علاوہ"۔

"آپ فکر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا کریں۔ فکر مجھے آپ کی بے ذات کو گوارا نہیں کر رہی"۔

"آپ نے تو شاید روز اول ہی سے مجھ سے ہمدردی کی ٹھان لی تھی۔ اور مجھے واقعی حیران کیا تھا"۔

انہوں نے گہری آنکھ بھر کر اتنی دور میں پہلی مرتبہ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

"آپ ہمارے آفیسر نہیں ہیں۔ ہمدرد یا محسن کی رعایت نہیں ہیں۔ پھر ہمدرد ہونے نہ ہونے کا کیا سوال؟ ہمیں کیونکہ کوئی تعلق نہیں اس لئے بس یہ بات کہ ہمارا مستقل قسم کا"۔

وہ ایک مرتبہ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"وہی غیر ضروری لاابالی پن اور احتیاط سے نوٹ پھوٹ گئی ہے۔ بالکل ایسے جیسے کرسمس کے ساتھ غیر ضروری احتیاط کی جاتی ہے مگر ایک روز وہ بھی ٹوٹ ہی جاتا ہے۔ غیر ضروری کا تعین ہو گیا ہے"۔

"مگر کرسمس وہ ہمدرد چیز تو نہیں ہے"۔ بادل علی خان فکرمند نظر آئے۔

"وہ کرسمس نہیں ہے انسان ہے"۔ مابین مسکرا دی۔

"پتا نہیں کیا مزاج ہے ہمارا جو ہمیں لاجواب کر دیتا ہے۔ جی چاہتا ہے اسے بہت قریب لے آئیں۔ مگر بدلے کے طور پر اسے لاجواب کر کے رکھ دیں"۔

بادل علی خان نے سگریٹ کی راکھ جھاڑی مگر اس کے تاثرات دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

مابین کا دل دھک سے رہ گیا۔ بلکہ تھکن کا پھیل گئیں۔ ساری خود اعتمادی ہوا ہوتی محسوس ہوئی۔

"یہ ناول سوفیصد نہیں ہے اچھا پسند کی ہے"۔ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے نہایت وقار سے جواب دیا۔ جیسے کچھ ہی

تھی۔

"کسی کے خلوص سے کبھی کسی کی سوچ بدلی ہے"۔ وہ مبہم سا مسکرائے۔

باہر چراغ تک آسمان تھا تاروں سے بھرا ہوا تھا اس کی بے حد اسی بے حد اطمینان بخش تھا۔

اسے حیران آیا اس کے اور یہ اور علی خان کے درمیان بس ایک چھوٹی سی تپائی ہے۔ اسے ڈر بھی لگا یہ اتنا قریب

وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"باجرہ کو بھیجتی ہوں۔ وہ آپ کے گھٹنے سے ڈریسنگ کر دے گی"۔

اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باہر آ گئی۔

وہ غور کرنا چاہتی تھی۔ یہ کیا ہوا ہے۔ یہ عام بات تھی یا خاص؟

یا یہ کہ ان کا مطلب کچھ اور تھا۔ وہ کچھ اور سمجھی ہے۔

یا پھر یہ کہ وہ بھی تو نہیں واضح کر دیتی ہے۔ آخر انہوں نے کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔

وہ تو بہت سادہ اور [illegible] ہیں۔ جس لطیفہ تو شاید ان کے ذہن ایک بھی نہیں پھٹکتی۔

مگر لیکن۔

مرد کہہ کر مکر جاتے ہیں۔ وہ الگ بات۔

وہ اگلا کر بات بدل جاتے ہیں۔ وہ الگ بات ہے۔

مگر مقابل بیٹھی عورت کو خفا بھی نہیں ہو سکتی۔

اس لئے کہ جب عورت مرد کے مقابل ہوتا ہو تو اس کا پورا وجود ناک آنکھ کان بنا ہوا ہوتا ہے۔

وہ سر جھٹکتی اوٹی نیچے اتر رہی تھی۔

لاحول ولا قوۃ۔

اس نے اپنا تجزیہ پیش کر دیا۔

نہ خوشی تھی نہ دکھ۔

نہ افسوس نہ ملال۔

بس حیرت تھی۔ سوچ جیسے ایک مقام پر لٹک سی گئی تھی۔

اس نے کھڑکی سے دیکھ لیا تھا۔ وہ کتاب لے کر باہر کی طرف جا رہا تھا۔

وہ تیزی سے گھر سے باہر آئی۔ اور قریب آ کر رکی ہوئی اس تک پہنچی۔

وہ بھی قدموں کی دھمک پر رک کر پیچھے دیکھنے لگا تھا۔

"وہ۔۔۔ آپ؟" اس نے گھبرا سا کہا۔

"یہ ہمت ہے آپ؟" اس کا انداز خفا سا تھا۔

[illegible] تو جیسے بڑے مزے سے ان میں زیادہ کسی بات نہیں کر رہے تھے۔ [illegible]

ان کے ہاں ہاں سر ہلا رہے تھے؟" وہ غرائی۔

"وہ کر رہی ہیں تو میں کیا کہتا"۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"تو ہم ہے کہ میں؟" اس کا انداز ڈانٹ سا تھا۔

وہ خاموش رہا۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں؟" وہ حد درجہ طیش میں آ گئی۔

"آپ چیخ رہی ہیں۔ چیخنے پر کوئی پابندی نہیں۔ مگر جواب دینا مجھ پر فرض نہیں"۔ وہ پلکیں جھکائے آہستہ سے بولا۔

"کیوں فرض نہیں؟ جس سے سوال کیا جائے وہ جواب دینے کا پابند ہوتا ہے"۔

"کس کتاب میں لکھا ہے؟" وہ تلخ مسکرایا۔

"میرے سر میں"۔ وہ چلائی۔

"ہاں۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں۔ وہاں لکھا ہوا ہو سکتا ہے"۔ وہ گھاس کی سطح پر بیٹھ گیا۔

"اچھا یا بچانے کی کوشش نہیں کرتا"۔ وہ دھیمے سے بولا۔

"آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟" وہ ذرا سا جھکا۔

"میں پریشان نہیں ہوں گی۔ تو کیا کوئی اور پریشان ہو گا؟ کیا اول فول بول رہی تھیں۔ رات بھر سر کھایا۔ پتہ کیا ہے؟"

"مجھے یاد نہیں رات کیا بات ہوئی تھی"۔ وہ کتاب کھولنے لگا۔

"زیادہ انجان بننے کی کوشش نہیں کرو۔ تم ان کا وہ انداز نہیں دیکھ رہے تھے۔ سوگل (So ugly) سو چیپ۔ وہ سوگل"۔ اس نے حقارت سے کہا۔

"کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ کیوں بے چاری بھابی کو برا بھلا کہہ رہی ہیں۔ یہ بھی بھلا کوئی بات ہے۔ اپنے تئیں کو بیچ میں لا کر اپنی ذات کو رکھ دیا۔ وہ آپ کی طرح [illegible] اور اتنی ذہین بھی نہیں ہیں۔ نظر انداز کر دیں اور اپنی دنیا میں مگن ہو جائیں"۔

وہ اسے تحمل، سنجیدگی اور نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

"میں ان کے اخلاق کی طرف تو دھیان نہیں دے رہی۔ ان کا انداز میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے"۔

"پلیز۔۔۔ رہنے دیں۔ مجھے پڑھنے دیں۔ حویلی کی تمام خواتین میرے لئے محترم ہیں۔ وہ مستقل قریب ہو یا مستقل۔ جب تک حویلی کی کسی خاتون سے میرا کوئی تنازعہ استوار ہونے کا امکان نہیں وہ یہی میں ایسا چاہوں گا"۔

وہ اٹھ کر گھاس جھاڑنے لگا۔

وہ کتاب سینے سے لگائے کھڑی رہی۔

"تم — شاید یہ احساس کمتری کا شکار ہو۔ تم اس حویلی کے ملازم تو نہیں ہو۔ اور پھر سب مجھ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ اپنی ذہنی الجھن کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔" وہ اسی سابقہ انداز میں گم صم رہا۔

"جن کاموں سے نہ کسی کا فائدہ ہو اور نہ نقصان۔ میں ان میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔" اس نے اپنے مخصوص پرسکون انداز میں جواب دیا۔

"مگر تم یہ تو مانو گے کہ ان کا انداز غلط تھا۔" وہ اپنی جگہ اڑی ہوئی تھی۔

"ہاں — میں یہ مانتا ہوں یہ سب انہیں زیب نہیں دیتا۔" اس نے بالآخر کہہ دیا۔

"تو بس مسئلہ ہی کوئی نہیں اگر تم یہ غرور چھوڑ دو کہ تم اس قسم کی باتیں پسند نہیں کرتے۔" وہ ابھی تک ویسے ہی بازو لپیٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔

"میں بتا چکا ہوں۔" وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

"کب؟" وہ چونکی نے الجھ کر دیکھا۔

وہ خاموش رہا۔

"میں کچھ بھول رہی ہوں۔ اس سے پہلے بھی وہ یہ حرکت کر چکی ہیں؟ اور کہاں؟" اس نے غور کیا۔

"آپ چھوڑیں اس قصے کو جب بات ہی کوئی نہیں تو بات آگے لے جانے سے فائدہ؟" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"مگر مجھے بہت غصہ ہے۔ میں ایک بار ان کی کلاس لوں گی ضرور۔ تم مجھے روکنا مت۔" وہ ابھی تک ویسی ہی تھی۔

"مرضی ہے آپ کی۔" وہ کتاب پر نظریں دوڑانے لگا۔

"اچھا ایک بات اور بتاؤ۔" وہ اسی زاویے سے کھڑی ہوئی تھی۔

"پوچھیں۔ پوچھنے میں کیا جاتا ہے؟" اس نے کتاب سے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"تمہارا ہمسن حویلی کی کسی خاتون سے کیوں نہیں بنتا۔ بابا صاحب مجھے کہہ رہے تھے۔ تم حویلی کے ملازم نہیں ہو۔" وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"یہاں کی شفقت ہے کہ وہ ایسا سوچتے ہیں۔ مگر مجھے اپنی حیثیت کا اندازہ ہے۔"

اس نے ایک لمحے کو نظریں اٹھائیں۔

"تمہیں اپنی حیثیت منوانے کی کوشش کرنا چاہیے۔" اس نے مشورہ دیا۔

"مجھے جو حیثیت حاصل ہے وہ بہت ہے بس کے لیے میں خان کا بہت مشکور ہوں۔" اس نے نفی انداز میں جواب دیا۔

"شاید تم میں ہمت کی کمی ہے۔" اس نے چوٹ کی۔

"شاید۔" یاری نے کمال بے نیازی سے جواب دیا اور سامنے دیکھنے لگا۔

"تم بس طرح سے تم پیچھے نہ ہٹیں۔" وہ ٹھٹک کر بولی۔

"پتہ نہیں زیادہ اچھی بات ہے۔" وہ مسکرایا۔ "اس میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تمہیں کیا ہے وہ لیے بالوں والی۔ اس نے تمہیں ہپناٹائز کیا ہے۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ تم نے ہی اسے ہمت دلائی ہے۔ تم نے ہی اسے سر پر چڑھای

ابھی تھوڑی دیر پہلے لال خان اسے یہ کہتے کہہ کر گیا تھا کہ عارف کے ہاں چلنا ہے۔ وہ کچھ کم گو لیکن خوش مزاج عورت تھی۔ اس پر انکشاف ہوا کہ وہ اندر سے خاصی خوفی محسوس کر رہی ہے۔ وہ اپنے احساسات سے خود ہی بے خبر تھی۔ وہ ساری عمر اسی طرح سادگی سے زندگی گزارتی رہی ہوگی۔ اور عام سے گھر میں پہنچنے والا سوٹ استری کرنے لگی۔ جیسے اپنے آپ سے اعتماد کر رہی ہو۔

وہ شادی کے بعد سے بہت اہتمام سے تیار ہوتی تھی خواہ کہیں بھی جانا ہو۔ مگر آج وہ بہت سادہ تھی۔ پہلی بار اسے اپنا آپ سے ارتکاز رہا تھا۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے چادر اوڑھ کر وہیں کمرے میں بیٹھ گئی۔ اور لال خان کا انتظار کرنے لگی۔

"اے تم تیار نہیں ہوئیں؟" لال خان کمرے میں آ کر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"کپڑے بدل تو لیے ہیں"۔ وہ بے زاری سے بولی۔

"کیا اور کپڑے نہیں ہیں تمہارے پاس؟ عارف کی ماں تمہیں پہلی بار دیکھے گی۔ کیا کہے گی۔ میرے بیٹے نے سوچا ہوگا کہ تمہیں کپڑے خرید کر نہیں دیتا"۔ لال خان نے قدرے ناراضگی سے کہا۔

"کیا کپڑے کپڑے کیے جا رہے ہیں آپ۔ میرا دل نہیں چاہ رہا"۔ وہ بھی تنگی سے گویا ہوئی لال خان چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا تمہارے دل کو؟" وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

"دل کو کچھ نہ کچھ ہوتی جاتا ہے۔ یہ کوئی اپنے بس کی بات ہے"۔ وہ بولی۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ چلو۔ ویسے ہی چلو"۔ لال خان نے بڑی جلدی جلدی کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ بالو پرس اٹھا کر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

گاڑی گھر سے باہر ہی کھڑی تھی۔ اس نے گیٹ کو تالا لگایا۔ لال خان گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ میں آ بیٹھی۔

راستے بھر ان کے درمیان عجیب سی خاموشی حائل رہی۔

تقریباً چالیس پچاس منٹ بعد وہ منزل پر پہنچے تھے۔

وہ ایک نئی بستی میں آ گئے تھے۔ جہاں ابھی دور تک خیمے ہی خیمے نظر آ رہے تھے۔

وہ ایک شاندار عمارت کے سامنے رک گئے تھے۔ عارف کا خیمہ گراؤنڈ فلور پر ہی تھا۔

لال خان نے گاڑی بجلی کا ہارن بجایا۔ تقریباً دو منٹ بعد آٹھ، دس سال کا لڑکا دوڑتا ہوا عارف کمرا تھا۔

"آ... آپ"۔ وہ لال خان کے گلے لگتے ہوئے اسے مخاطب تھا۔

"بہت بے ایمان ہو بھتیجے۔ مجھے آئے۔ کتنی دیر ہو گئی۔ تمہارے ابا کو بھی تک بلاتے ہو۔ یاد ہوں کی پروا بھی نہیں کرتے"۔ لال خان نے شکوہ کیا۔

اے میرے جوش جنون عشق میرا شعر ہو
تو نے ہر بخشی نہیں وہ رعنائیاں اک کھل گئیں

وہ لال خان کو قدرے غصے سے اندر لے گیا۔ بالو بھی ان کے پیچھے چل پڑی۔

ہال نما کمرے میں ایک نہایت خوبصورت بیٹھک سجی ہوئی تھی۔ کھڑکیوں پر بھاری پردے لٹک رہے تھے۔ ایک طرف بڑا سا ٹی وی لگا ہوا تھا۔ ایک طرف صوفے بچھے ہوئے تھے۔ جن پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ جو ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"السلام علیکم چاچا جان"۔ سب نے بیک وقت بلند آواز میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ جیتے رہو۔ لال خان ہے ہاں"۔ عارف کی ماں نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما۔

"ٹھیک ہے چاچا جان!" لال خان بچپن سے جانے پر بہت خوش نظر آیا۔

"اور یہ ساتھ میں کون ہے؟" عارف کی ماں نے بالو کی طرف توجہ کی۔

"آپ کی بہو ہے۔ بالو! سلام کرو"۔ وہ اس کی طرف پلٹا۔

"السلام علیکم چاچا جان"۔ بالو نے جھک کر سلام کیا گویا اسے سلام کرنے کے لیے لال خان نے حکم ہی کی عدولی کی تھی۔

"اندر بیاں بیٹھ۔ مجھے دور سے سلام دکھائی نہیں پڑتا"۔ بڑی بی نے اسے ہاتھ ہلایا۔

"سنیے آپ کی بات ہے عارف بھائی۔ آپ کی ماں کی یہ حالت ہے اور آپ ان کی خاطر بھی خود نہیں سنبھالتے"۔ وہ لال خان کے ساتھ آ بیٹھی تو اندر عارف کو مخاطب کیا۔ اور بڑی بی کے پاس بیٹھ گئی۔

"میرے بھائی سو طرح کی دلیلیں تو ہمارے دماغ میں بھی آتی ہیں۔ بس مگر..... وہ کیا کہیں کہ

دل کو جو کرتے ہے قیدِ زباں
فائدہ اس زباں میں کچھ ہے؟

"آپ ہے ہمیں بھی یاد نہیں کرتا مگر کوئی ضروری ہی مجبوری ہے"۔ وہ ہنس دیا۔

اسے میں لونڈی پٹھانی اندر آئی۔ مگر مہمانوں کو دیکھ کر وہیں دروازے پر رک گئی۔

"آؤ لونڈیا۔ کوئی کام؟" عارف نے اسے مخاطب کیا۔

"کیا ماما نے حکم کیا ہے۔ اماں سے معلوم کرو ہے آج کیا پکے گا"۔ اردو بولتے ہوئے اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

"آج کچھ نہیں پکے گا۔ مہمان آئے ہیں۔ سب کچھ باہر سے آئے گا۔ اس لیے کہ شاید ہمارے ہاں کا پکا ہوا کھانا تو پسند نہ آئے۔ یہ بہت اچھا کھانا پکاتی ہیں"۔ عارف نے لاپروا انداز میں مسکرا کر کہا۔ پٹھانی واپس پلٹ گئی۔

"کیوں تکلف کرتے ہیں عارف بھائی"۔ بالو شرمندہ سی ہو گئی۔

"یہ ہمیں سلام کرتی ہے؟" لال خان کا اشارہ پٹھانی کی طرف تھا۔

"اماں نے کہا ہے۔ اب اس کی کام کرنے کی عمر نہیں۔ آنکھوں سے بھی کچھ کم دکھتا ہے"۔ عارف نے جواب دیا۔

"کچھ خون سے سالا ہے ہیں اس کو۔ کوئی مستقل انتظام کیوں نہیں کرتے ہاں کیلئے"۔ بالو نے فوراً ہی ٹوک دیا۔

"اے بیٹی اس غم میں تو روز کا کرنا ہی ہو گیا۔ پرائے کوئی احساس نہیں۔ مجھے وہ کچھ کھانے جاتا ہے"۔ بڑی بی کے

آواز بھرا گئی۔

"آپ کو اپنی ماں کے جذبات کا خیال کرنا چاہیے عارف بھائی۔ کتنی بڑی بات ہے"۔

دلاور بڑی بی کے آنسوؤں سے ایک دم ہی سہم کی طرح پگھلنے لگی۔

"انسانوں کو انسانوں سے شکایتیں تو رہتی ہی ہیں۔ سمجھ کر لیجئے۔ اگر میں اماں کی بات مان لوں تو انہیں کچھ اور فکر کیا کہا ہے شاعر نے۔

وہ فرشتے آپ حواس کیجئے کہانیوں کی کتاب میں !!
جو برا کہیں نہ برا سنیں ' کوئی ان سے خطا نہ ہو

"کیوں لال خان؟" وہ مسکرا رہا تھا

لال خان بھی جواباً ہنس دیا۔ "کوئی کوئی شعر تو تمہارا ہماری سمجھ میں آ ہی جاتا ہے"۔

"دیکھ لو ـــ اس طرح باتوں میں اڑا دیتا ہے۔ مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ میری تو گزر گئی۔ بس اسی کا خیال آتا ہے کہ اکیلا ہو جائے گا میرے بعد۔ گھر میں بہو ہوتی۔ بچے کھچتے"۔ بڑی بی نے آزردگی سے کہا۔ "آل اولاد ہو تو ہم چلتا ہے"۔

"لائی تو تھیں تم ـــ اسے تو تمہارے جذبات کا اتنا خیال تھا کہ پہلے بندوبست کر کے آئی تھی"۔ عارف کا قہقہہ جاندار تھا۔

"بالو کھسیا سی گئی۔ لال خان عارف کے ساتھ شریک تھا۔

"کیا سیاسی کو پیٹے جائے گا۔ لوگ ایک جورو (بیوی) کے بعد دوسری نہیں کرتے؟" بڑی بی کو طعنہ آ گیا۔

"چھوڑو اماں! ان باتوں کو۔ گھر میں بہت اچھے مہمان آئے ہیں۔ یہ جو بھابی ہیں ناں' میری بہت ہی خدمت کرتی ہیں۔

اور بھابی! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کچھ کمی سی محسوس ہو رہی ہے آپ میں"۔ عارف اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔

بالو کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ حالانکہ وہ تو اپنی دھن میں تھا۔

مگر شاید اس کے اندر کوئی چور دامنہ پیدا ہو گیا تھا۔

ناپسندیدہ ترین حالات میں انسان خود کو بالکل ہی اکیلا تصور کرنے لگتا ہے۔ ناپسندیدہ قرب نے گویا اسے امر بیل بنا دیا تھا۔ جو ساتھ کھڑے ہوئے پیڑ پر ہی چڑھ جانا چاہتی ہے۔ اس نے دل ہی دل میں لاحول پڑھی۔

"گرمی بھی تو بہت پڑ رہی ہے بھابی! سوتی کپڑوں ہی میں چین پڑتا ہے۔ خیر سے دوپٹی سے تو نہیں ہا"۔

بالو کو بہت حیا آئی۔ وہ خاموش رہی۔

"بیا کر دو اماں اسے میں ٹال دوں گا اسے"۔ لال خان نے بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔

بالو اس بھونڈے مذاق پر کٹ کر رہ گئی۔ ایک عارف ہے دلی سے دلی بات تک سمجھ لیتا ہے اور ایک یہ ہیں جو بھونڈا پن دکھا رہے ہیں۔

"ہاں! وہ کون تھی۔ جس کے پیچھے عارف بھائی کی یہ حالت ہے؟" عرصے کا قصہ آخر ہونٹوں پر آ گیا۔

"بس کیا بتاؤں بیٹی۔ کوئی خاندانی تو تھی نہیں۔ بہت بڑی حویلی میں کنیز تھی۔ اللہ نے حسن بہت دیا تھا۔ اس غریب کا بیڑہ غرق ہو گیا۔ رہے دو ہی چہتا پڑ رہی تھی۔ یہ تھا کم عمر اور سیدھا۔ جان کو روگ لگا بیٹھا۔

مار ایک تو کہتے ہیں حسن اس پر حویلی کی عورتوں کی چھتی ازن" غصہ بھی تھی۔ جانے کس کس کا ستیاناس کیا ہوگا۔ اللہ جانے کیا ہیر پھیر ہوا تھا۔ اس کی کہیں کی"۔

بڑی بی کے لہجے کا زہر گویا ہر سے ہو گئے۔

"آپ حویلی میں رہتی تھیں؟"

"ہاں بیٹی! بچپن ہی تھا میرا اسی گاؤں میں۔ بس آ جاوا تھا حویلی میں۔

کرموں چلی ـــ ذات کی کمیر ـــ پتا نہیں کیا سمجھتی تھی اپنے آپ کو"۔ بڑی بی کے لہجے میں کھلبلی در آئی۔

"پھر ملتا اس کا؟" بالو کا تجسس اب کمال پر تھا۔

"بھلا سا ہلکا۔ چھوڑیے۔ کیا رکھا ہے ان باتوں میں ـــ جانے ـــ آ رہی ہے' جانے دیجئے۔ بہت اچھی جانے والی ہے ہماری بھابی"۔

عارف نے ایک دم ماحول یکسر بدل دیا۔ بالو نے ایک گہرا سانس لیا۔ پر اس کا تجسس کبھی بھی مٹنے والا نہیں ہے گا۔ نہ تو وہ بھولنے دیتا ہے۔ اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

لال خان عارف سے اپنی گھریلو باتوں میں مشغول ہو چکا تھا۔

وہ کئی گام کی دھن میں بڑی تیزی سے لاؤنج میں آئی تھی۔ وہاں یاور علی خان نعمان کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے۔ نگاہیں ملیں بے ساختہ ہل گئی تھیں۔ جیسے بازار میں بھیڑ میں سے گزرتے ہوئے کسی سے بھی چار ہو جاتی ہیں۔

مگر اس کا وہاں کھڑا ہونا گویا تھا۔ ایک دم ہی اسے احساس سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

"کہاں غائب ہیں بھئی۔ نہ چائے نہ ٹھنڈا"۔ نعمان نے ماہین کو مخاطب کیا۔

"مجھے پتا نہیں تھا آپ لوگ یہاں بیٹھے ہیں۔ ابھی بھجوا دیتی ہوں"۔ اس نے شرمندگی سے کہا اور واپس باہر جانے لگی۔

"رہنے دیجئے۔ ابھی میرا سوڈا بھی نہیں ـــ باہر جا رہا ہوں ابھی الحال دو چار کام نمٹانے ہیں۔ دوپٹی کیلئے بھی دو چار چیزیں لینا تھا"۔ یاور علی خان نے اسے روک دیا اور وہ رک بھی گئی۔

"ماہین ـــ!" یاور علی خان نے اسے مخاطب کیا۔

"جی"۔ وہ نظر اٹھانے کا حوصلہ نہ کر سکی۔

"آپ بتا دیں گے۔" وہ اسی سے مخاطب تھیں۔ میں نے کچھ روشنی کی شاید کچھ نہیں کی۔"

"مگر اب کیوں کر رہے ہیں؟" اس کے لہجے سے بے ساختہ نکل گیا۔

"آپ نے بتی کو قریب جو کر دیا ہے۔" وہ بہت دھیمی آواز میں کہہ رہے تھے۔

"اوہ — ہاں — تو چلی جاؤں۔ ہاں بھئی تم کہیں بھاگی نہیں ہو۔" لمحہ ان نے بھی اس سے بڑا راز دارانہ لہجہ

"ٹھیک ہے — میں تیار ہو کر آتی ہوں۔"

ہادل خان نے اپنی سرخ آنکھیں ایک لمحے کو اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔ کہ سر ہلا بھیک کر گئی اور عورت کی فطرت ہے۔ اسے اگلے مرحلے کی تیاری کرنا ہوتی ہے۔

"آپ کتنا وقت دیں گے؟" مایا بن آگے بڑھتے بڑھتے رک کر پوچھنے لگی۔

"جتنا مرضی لے لیں۔" وہ ہنستے ہوئے۔

"میرا مطلب ہے آپ لیٹ تو نہیں ہو جائیں گے۔" وہ پلٹ کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

جواب میں صرف ہادل خان نے اس کی طرف دیکھنے پر اکتفا کیا۔

مایا بن کا دل بھر کھٹک گیا۔ اس نے دبے سے چہرہ پوچھا۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

وہ دونوں پھر باتوں میں مصروف ہو گئے۔

مایا بن کچھ سہمی سہمی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اور دروازہ بند کھول کر خالی خالی نظروں سے کپڑوں کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے ایک سرخ لباس کا سوٹ نکال لیا۔

کپڑے بدلنے میں اسے بمشکل تین منٹ لگے ہوں گے۔ جھجک وہ کرتی نہیں تھی۔ صرف ہم وقت اپنی ادا پر اس نے پانی پھیر دیا تھا۔ لب اسٹک لگاتے ہوئے اس کے ہاتھ بہت عجیب سے ہو رہے تھے۔

عورت کی تیاری میں بھی عجیب سے بھید پوشیدہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ دل کی بات روک رہا تھا اور بڑبڑا رہا تھا۔

اب وہ گواہی بھی نہیں۔

اب خوش گواری بھی نہیں۔

تو پھر یہ سب کیا؟

جانتی ہو تمہاری سب سے بڑی کمزوری ان کے ہاتھ میں تھی۔

یہ ہے۔ ان کی بیل جانے کی عمر کو آ گئی ہے۔

تیرے — وہ تجھے کہتے جا رہے ہیں۔؟

اس نے سمجھا آپ لب اسٹک کا اثر کم ہو رہا ہے۔ انہوں نے لکھے تھا کیا کہا ہے۔ میں کہوں اتنی نا سمجھ ہوں۔ تھوڑی اور تو نے غلطی بھی کی تو ہو جاتی ہے۔

ہاسٹل سے ہی اتنی گڑبڑی ہوئی اور ہر ہاتھ میں سے نکلا۔ بڑی بڑی ہوئی تھی یہ حصل حاصل سمیٹ کر ہاں ہاں کی

میں آ گئی۔

میں نے نظریں اٹھائے بغیر کہا۔

لمحاں نے جیب سے رومال نکال کر پانی نکالی اور ہادل خان کو تھما دی۔ ہادل خان اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر اس پانی کی

طرف لگ گئے۔

مرد میں ابھی بھی بھیڑیے ہوتا ہے۔ وہ عورت کی تیاری کے انداز سے اس کے دل کا بھید جان سکتا ہے۔ اسی لئے نہیں

اس کی طرف بار بار دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کھڑکی کی طرف آ رہی تھی۔ دل پریشان سا تھا کہ وہ ساتھ چل تو رہی ہے۔ اتنوں آپ تو کیا

کرے گی؟

ہادل خان گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔

وہ اور میں بیٹھ گئی۔ مگر ایک ہم چپ چاپ۔

"آپ کو اعتراض تو نہیں ہے —" اس نے کسی وضاحت سے چونک کر ان سے پوچھا۔

"آپ ساتھ تو ہیں۔" جانے سادہ انداز میں جواب آیا تھا۔

اس کا دل تو اچھل کر حلق میں آ گیا۔ شرارت ہی مشکل تھی۔

ہاسٹل کی دیوار نظر آنے تک بہت مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ ذرا نیچا اچھا خاصا اضافی مرحلہ بن سکتا ہے۔" ہادل خان

آہستہ سے بولے تھے۔ جیسے خود سے مخاطب ہوئے ہوں۔

"جی۔" مایا بن نے مختصر سا جواب دیا۔

"آپ ابھی کے لڑکے ہیں اس کی پلاننگ صحیح خطوط پر نہیں ہے۔" وہ پھر گویا ہوئے۔

"جی —" اس بار بھی اس کا جواب مختصر تھا۔

"ایک زمانہ تھا کہ یہ شوخ کے لڑکے سے آئیڈیل سوا کرتا تھا۔"

"جی۔" مایا بن کے منہ سے پھر "جی" ہی نکلا۔

"بھئی شیرنی ہے۔ آخر آپ ہماری ہی منصوبہ بندی پر مزید کیا۔" وہ ہم سے مسکرائے۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ "جی" سے بہتر کوئی جواب میرے پاس نہیں۔" وہ قدرے جھینپ گئی۔

"مگر آنے سے پہلے تو آپ کو مجھ سے شدید اختلاف رہا ہے۔" وہ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے گویا ہوئے۔

"ان باتوں پر اب کیا ہے۔ مگر اختلاف کا مطلب بھید کا اختلاف نہیں ہوتا۔"

"مجھے امید ہے اچھا گیا آپ نے نتائج۔ مجھے آگے سہولت رہے گی۔" یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ ہادل خان نے اس کی

بات کرنی تھی۔

"واقعی بات ہے میں بھی اسی کا کہہ رہی تھی۔"

"کس قسم کی بات؟" اس نے دوستانہ شعوری کوشش کے بعد اپنا لہجہ اجنبی کرلیا۔

"آئیں گے ۔۔۔ کیا آپ کو جلدی ہے؟" وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے آواز تو پہلے جیسی ہی تھی۔

"نہیں ۔۔۔ بھلا مجھے کیوں جلدی ہوگی؟ جب آپ کا سر ہوجائے گا ۔۔۔ اچھا بتائیں روشنی کیلئے آپ کیا کریں گے؟" اس نے کمال مہارت سے بات کا رخ موڑ دیا۔

"کچھ نہ کچھ تو کریں گے فی الحال تو یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ سے کام چلائیں۔ کیا کچھ لکھنے سے وہ ہلکا رہتا ہے؟" وہ دھیمے لہجے میں بات کر رہے تھے۔

"تو آپ کو اس کی نفی دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے" اس نے فوراً کہا۔

"کچھ کہہ رہا ہے؟ وہی کوشش کا حصہ ہے۔ مگر شاید آپ کو یقین نہ آئے" وہ ایک بہت شاپنگ سنٹر کی طرف کار روکتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"میں کبھی نہیں" ۔۔۔ وہ جان بچانے کو انجان بنا چاہ رہی تھی۔ اس لئے کہ ابھی وہ خود پر بھی واضح نہیں تھی۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں سمجھا سکتا ہوں" ۔۔۔ انہوں نے فراخدلی سے پیشکش کی۔

"ابھی سوالیس کو اس لپیٹے گا" ۔۔۔ اس نے شرارت سے اپنا جان بچانے کی کوشش کی۔

وہ مسکرا کر خاموش ہوگئے۔

"جب آپ نہیں سمجھیں گے تو کیسے سمجھیں گے؟ ویسے 55 تا نہیں ۔۔۔ آپ آخری بار کب ہنسے تھے" ۔۔۔ ماہین پھر موضوع بدلنے میں کامیاب ہوگئی۔

بلال علی خان کے چہرے پر اچانک سرد مہری پھیلنے لگی۔ "ہنسنا کوئی مشکل کام تو نہیں ہے آپ کوشش کر سکتی ہیں" ۔۔۔ ان کی آواز بھی بے تاثر تھی۔

"بلال" ۔۔۔ وہ بات پلٹ کر ماہین آچکی تھی۔ وہ تھے کہ پھر اس کے لئے ہی بات نکال رہے تھے۔

"میں تو بہت کوشش کرتی ہوں جب بھی آپ سے ملاقات ہوتی ہے"۔

اس نے سنبھل کر جواب دیا "پتا نہیں کیوں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ نے اپنے آپ پر خول چڑھایا ہوا ہے۔ اور اول بھی اتنا مضبوط کہ توڑنا مشکل" ۔۔۔ اس نے قدرے جھکتے ہوئے بالآخر کہہ دیا۔

"آپ میں گھس ہیں۔ آپ لوگوں کے خول توڑ سکتی ہیں" ۔۔۔ ان کا انداز ہنوز سرد اور بے تاثر تھا۔

"خیر ۔۔۔ چلیں پہلے کچھ لے لیتے ہیں۔ واپسی میں ضروری بات کریں گے" ۔۔۔ انہوں نے پارکنگ لاٹ میں گاڑی روک دی۔

"ضروری بات" ۔۔۔ ماہین کو نئے سرے سے گھبراہٹ ہونے لگی۔

☆—☆—☆—☆—☆—☆

سب سے پہلے وہ ایک دستی بوتیک میں داخل ہوئے تھے۔

سامنے ہی بہترین کڑھائی سے مزین سوٹ کی ساڑھی پر نظر پڑی تھی جس پر سرخ موتیوں کا لہایت نازک کام ہوا تھا۔

"کیسی ہے یہ ساڑھی؟" انہوں نے بلٹ کر ماہین کی سمت دیکھا۔

"بہت خوبصورت کیا واقعی ساڑھی پہنیے گی؟" اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"میں آپ کیلئے کہہ رہا ہوں" ۔۔۔ ان کا انداز بالکل سادہ تھا۔

"کبھی ۔۔۔ میرے لئے آج تک میں نے تو کبھی ساڑھی استعمال ہی نہیں کی۔ ہمارے ہاں عموماً شادی شدہ خواتین ہی استعمال کرتی ہیں" ۔۔۔ اس نے جواب دیا۔

"تو لے لیتے ہیں بعد میں استعمال کر لیجئے گا" ۔۔۔ ان کا انداز وہ مستور تھا۔

"لیکن اتنی جلدی کیا ہے" ۔۔۔ اس نے ان کی بات مکمل ہوتے ہی جلدی سے کہا اور مسکراہٹ کے پردے میں اپنی گھبراہٹ چھپالی۔

"بعض اوقات کوئی ابھی چیز پسند ہو جاتی ہے پھر نہیں ملتی۔ کیا آپ کو اعتراض ہے؟"

انہوں نے جذبات پر نظریں دوڑاتے ہوئے سرسری سا اسے بھی دیکھا۔

"نہیں بھئی اعتراض کی کیا بات آپ ابا جی کی فضول طرفداری بھی نہ کریں"۔

اس نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔

"جب چیز موجود ہوتی ہے تو اس کے استعمال کی جگہ بھی نکل آتی ہے۔ آپ اسے میرا اصرار سمجھئے"۔ یاور علی خان نے کرسل کو اشارے سے بیک کرنے کیلئے کہا۔

مائرہ یک دم چپ سی ہو گئی۔

"یہ دہانت اور یہ سمجھ۔ یہ روشنی بھی سوائی لڑکی کو بہت سوٹ کرتا۔ بہت خوبصورت اپ ٹو ڈیٹ ہے"۔ وہ اپنے طرف اشارے سے بتانے لگے۔

"بس"۔ وہ بس بس کر کے رہ گئی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ خاصے پچھڑے ہوئے ہیں۔ سب کچھ تو بتا ہے آپ کو"۔ وہ ہنس دی۔

"ہاں تو میں نے کب کہا کہ مجھے کچھ پتا نہیں"۔ وہ بہت سنجیدگی سے جواب دے رہے تھے۔

"ظاہر تو آپ یہی کرتے ہیں"۔ وہ ہنستے بولی۔

"تو پھر لے لیں یہ"۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگے گویا اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔

"ضرور، وہ بہت خوش ہو گی۔ اسے یہ ضرور بتائیے گا کہ یہ آپ کی پسند ہے"۔ مائرہ نے نظریں چرا کر کہا۔

"آپ کہتی ہیں تو بتا دیں گے لیکن ایسا کیوں کرنا چاہیے"۔ وہ پوچھنے لگے۔

"آپ کی جانب سے محبت کا اظہار اسے خوشی سے پاگل کر دیگا"۔ مسکرائی۔

"بہتر"۔ وہ مخصوص انداز میں مسکرا دیئے۔

"آپ کے علاوہ بھی دیکھتے ہیں اسے بہت زیادہ خوش کر دینا چاہیے"۔ وہ بائیں طرف مڑتے ہوئے بولے۔

"واؤ سرپرائز"۔ اس نے خوش دلی سے تالی بجائی۔

"نہیں فجر ایسی بھی کوئی بات نہیں اکلوتی بیٹی ہے میری"۔ انہوں نے اپنی مخصوص سنجیدگی سے جواب دیا۔

"بیٹا بھی اکلوتا ہے"۔ مائرہ نے یاد دلایا۔

"ہاں مگر وہ میرے ساتھ باہر جاتا رہتا ہے۔ اس کی پسند کی شاپنگ کرا دیتا ہوں"۔ انہوں نے اسی انداز میں جواب دیا۔

مائرہ کو اس قدر واضح جواب ملنے کے بعد قدرتی طور پر خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

تین سو تے ایک ڈرک ایک ملازم بیک گراؤنڈ میں نمودار ہوئے۔

"تقریباً بیس منٹ لگ جائیں گے تو فضلیے کے پاس صرف ہو گے۔ آپ گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کریں گی"۔ وہ گاڑی

دروازہ کھولتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئے۔

"ضرور، ظاہر ہے بچے بہت اہم ہے۔ میں چالیس منٹ انتظار کر سکتی ہوں"۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

یاور علی خان نے اندر جھک کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔ وہ سائیڈ پر ہٹ کر بیٹھ گئی۔

فضلیے نامی جگہ پر وہ بیس کے بجائے چالیس منٹ میں فارغ ہو کر باہر آ گئے تھے۔ پورے پچیس منٹ لگے تھے۔

ان کی اندرونی الجھنوں کا علم نہیں۔

"ہو گیا آپریشن پراپر؟" مائرہ نے سرسری نظروں کے چور سے پوچھا۔

"ہوں۔ پراپر تو ہوں گی۔ انفیکشن بھی تو سخت چل رہی ہے"۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولے تھے۔

"اب کہاں چلیں گے؟" اس نے بات کا رخ موڑا۔

"کہیں نہیں بس گھر چلیں گے"۔ انہوں نے اسی الجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

مائرہ نے بہت کی پشت سے ٹیک کر سکون سے آنکھیں موند لیں۔

وہ بھی اور خاموشی سے ڈرائیو کرتے رہے۔

"میں نے آتے ہوئے آپ سے کہا تھا کہ کوئی ضروری بات کرنا ہے آپ سے۔ آپ کو یاد ہے؟"

انہوں نے سگنل پر گاڑی روکتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

مائرہ نے بہت سے آنکھیں کھول دیں۔

"مجھے یاد ہے"۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ وہ سنجیدہ کر بیٹھ گئی۔

"دراصل میں بہت دنوں سے الجھ رہا ہوں اب سلجھانا چاہتا ہوں"۔

وہ سگنل پر نظر جمائے ہوئے بہت دھیمی آواز میں مخاطب تھے۔

"جی۔۔۔ جی ضرور کہیے"۔ وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"میں مشاورت کرنا چاہتا ہوں"۔

سگنل کھل گیا تھا گاڑی آگے بڑھی تھی۔

ایک لمحے کو مائرہ کے سارے حواس معطل ہو گئے۔ بظاہر جملے میں اس کے متعلق تو کوئی بات نہ تھی مگر پچھلے دو دن سے وہ جس کیفیات سے گزر رہی تھی۔ اس حساب سے تو یہ "ہمر بلاسٹ" تھا۔ اسے آنے والے لمحات سے خوف آنے لگا۔

"یہ تو کوئی بری بات نہیں مگر پھر بھی اس ضمن فیصلے میں خاصی دیر ہو گی"۔

اس نے بہت محتاط سوچ کر نپا تلا انداز اختیار کیا۔

"جب ہمارا ہونے والا فیصلے کا وقت ہوتا ہے"۔ انہوں نے دہرایا تھا۔

"تو کر لیجئے"۔ اس نے تھوک نگلا گویا سگنل سبز سے پیلے ہو رہا ہو۔

"میں اجازت نہیں مانگ رہا۔ ایک شخص سے مسلسل پریشان کا پابند تھا اور وہ میں ہوں۔ صاحب اور دو بار سے پہلے

آیا"۔ انہوں نے چہرہ موڑ کر اس کی سمت دیکھا۔

"پھر اسی کہانی کو دل دار کر سکتی ہوں"۔ وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

"آپ کا تو یہ ایک سفر رائیگاں ہے"۔ ان کے انداز میں بہت مایوسی تھی۔

ماہین کا دل ایک مرتبہ پھر اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"بابا صاحب ہری پور گئے تھے۔ جب میں اور وشی یہاں سے واپس گئے تھے"۔

"انہوں نے آپ کے نام سے ایک پیغام دیا ہے"۔ وہ بالکل سپاٹ انداز میں مخاطب تھے۔

"کیا ۔۔۔ میرے نام"۔ اس نے بے ساختہ ان کے چہرے کی سمت دیکھا۔

"انہوں نے آپ سے متعلم کیا ہے آپ میرے یہاں کی جہت میں کیسے آ گئے تھے؟" الفاظ ٹوٹ کر گرا تھا۔

ماہین پتھر بنے خاموش رہی جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔ یاور علی خان بہت سکون سے ادھیڑ کر رہے تھے اور اس کے جواب کا انتظار کر رہے تھے۔

"غلطیوں کو ایکسپلائٹ کرنا بالکل بھی اچھی بات نہیں ہوتی"۔ آخر کار اس نے زبان کھولی۔

"بہت سارے وہ جو بات اٹھی ہو کر کسی راستے کی نیا دان جاتی ہیں۔ کمزوریوں کی ایکسپلائٹ کرنے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ وہ بہت بہت ہی گزارہ ہوا کرتی ہے"۔ یاور علی خان نے سمجھانے کے سے انداز میں کہا۔

"وہ جہت جو مجھے یہاں سے ہے؟" ماہین نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

"اس کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے"۔ دو ٹوک جواب آیا۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔

"کامل کی مقناطیسیت رکھنے والا سر، جس کے حواسوں پر چھانے کیلئے زیادہ محنت نہ کرنا پڑی ہو، جس کے لہجے اور خوشگوار نظر کو خوش قسمتی کا نشان سمجھا جاتا ہو۔ اس کی طرف سے اس طرح کا انداز اور جواب حیران معطل کر دینے والا تھا۔ توجیہ کیا ہے۔

خاصی دیر گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ وہ اپنے اعصاب پر سکون کرنے کی کوشش میں لگی رہی اور تھوڑی دیر بعد کامیاب بھی ہو گئی۔

"آپ یہاں کو چھوڑ کر جانے کا تو زیادہ اچھا تھا"۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بات کا کوئی آغاز بھی ہوا کرتا ہے۔ ابھی تو آغاز کیا ہے بات آگے بھی بڑھے گی۔ ابھی تو آپ کے ہوتے ہوئے کافی کچھ ہونا ہے"۔ انہوں نے اچٹتی سی نظر اس کے پریشان سے چہرے پر ڈالی۔

"اتنا تو خیر آپ بھی تجزیہ کر سکتی ہیں کہ میرے بچے کے سر کی دو مرتبہ پامال کر چکے ہیں۔ جس کو دنیا بنا کر دوسری شادی کی جاتی ہے"۔ ان کی سنجیدگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا تھا۔

"مگر"۔ اس نے سر جھکا کر کہا تھا۔

"مگر کیا اس سے تو ساری صورتحال واضح ہو جاتی ہے اور آسانی سے جواب دیا جا سکتا ہے تو اتنی الجھن میں ادھر خالہ"۔

ماہین سر جھکائے خاموشی سے گھومتی رہی۔

"اگر وہ اب آپ کی خواہش کے مطابق نہ ہو تو آپ کیا چاہیں گی اور طلاق کا مطالبہ کب کریں گی"۔ انہوں نے نارمل پرسکون انداز میں ان سے کلام کیا تھا۔

"یہ بات میرے سمجھ میں نہ آنے والا وہ ٹھیک خاکہ موجود ہے۔ آپ اس کی فکر نہ کریں"۔

"میں اس وقت کسی بھی طرح کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ شاید آپ کو انتظار کرنا پڑے"۔

"میں کر سکتا ہوں"۔ یاور علی خان نے اس کی طرف ایک لمحے کو دیکھا۔

"ایسے آپ سوچیں گی کیا؟ ابھی کہہ دیا کیا کیے گی۔ جو اس بچی کے وجہ سے شادی کیوں کی اس سے کیا تھا۔ پر جو اولاد ہے ۔۔۔ اور ۔۔۔" یاور علی خان سر جھکا گئے۔

"میں اپنا حساب کتاب رکھتی ہوں۔ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں۔ وہ تمام حادثات جو انسان کی زندگی پر مستقل اثرات ڈالتے ہوں انہیں دہرا دہرا نے کے بجائے بھلا دیا جائے۔ وہ کبھی بھی نہیں ہوں کہ دوسروں کے ذہن اثر و رسوخ فیصلے کروں"۔

یہ پہلی بار تھا جب یاور علی خان کے چہرے پر نظر آیا۔

"جواب کیلئے میں آپ سے رابطہ کروں گا مگر بابا صاحب آپ سے اور ضروری بات کرنا چاہتے تھے تو ان سے بات کر لیجئے گا۔"

"آپ کا ارادہ کیا ہے؟" وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"اور تو سب ختم ہو چکے ہیں۔ اب تو صرف اپنے آپ سے لڑنا ہے"۔

وہ کسی گہرے خیال سے چونک کر بولے۔

ماہین ہر طرح سے خود کو پرسکون کر چکی تھی۔ اس میں یاور علی خان کا بھی خاصا حصہ تھا۔ انہوں نے اتنی نارمل بات جس انداز سے کی تھی۔ اس کا اندازہ ماہین پہلے سے نہیں کر سکی تھی۔

اس نے ذرا جھجکتی نظروں سے یاور علی خان کو دیکھا۔ مگر تو ان کی ہمدردی دیکھنے لگی۔ اسے ان کے بیمار اور کمزور سے چہرے پر ترس سا آ گیا تھا۔

اداسی شروع دن سے ہی دنیا ہیں محسوس ہوئے تھے جسے وہ رفاقت کرنے کی خواہش بے ساختہ پیدا ہوئی تھی

نام گھومتی ہو رہی تھی۔ اس نے نہا دھو کر بیگ کا ان کا سوٹ زیب تن کیا بال فلنگ کر کے سکارف باندھا۔ لہا بہت آرام دہ سیاہ لیدر کی ہیل پاؤں میں ڈالی۔ ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا۔ بال سے نکلے خود کو مطمئن پا کر اپنے کمرے سے باہر آ گئی۔

ایک دم احسان آیا کہ رہیبہ وہاں تو نہیں ہو گی۔ کمرے میں واپس جانے کے خیال سے کوفت ہی ہوئی۔ ایک لمحے کی کمر جھکا کر کھڑکی کے کواڑ کی طرف بڑھ گئی۔

کا لڑکا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر سے اندھیرا ہو گئی' مگر اسے لیمپ کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ سامنے ہی سرخ گھونگھریالے بالوں والی لڑکی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

دھڑ سے دروازہ کھلنے کی آواز پر دونوں نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا تھا۔

ہاری نے تو گھونگھٹ سے گرفتیں واپس نہیں کیں بلکہ گھونگھٹ کے دست بستہ سلام عرض کیا تھا۔ وہ کھڑکی کے بجائے آگے بڑھ گئی اور دروازے سے باہر نکلتے ہوئے ایک لمحے کو رکی۔

"گھونگھٹ ہم بھیجے جا رہے ہیں کوئی پوچھے تو کہہ دینا وہ ہیں۔ کوئی بلائے تو کہہ دینا جانے والا ہم بھیجے ہوئے ہیں۔"

ہاری نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی مگر خاموش رہا۔

"چنگا جی!" گھونگھٹ" پیچھے نماز پڑھن گئے او"۔ بے چارے نے بڑی سادگی سے جواب دیا تھا۔

روشی نے داد طلب نگاہوں کی اس کی سمت دیکھا۔

"ہاری!!! سے سمجھا یہ"۔ اس نے خفگی سے کہا اور دروازے سے باہر نکل کر بہت بڑے دالان احاطے میں داخل ہو گئی۔

قدرتی طور پر ہاری سمجھ چکا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ عجیب سی الجھن اس کے چہرے سے جھلکنے لگی تھی۔ گھونگھٹ سے بات کر رہا تھا۔

روشی چلتے چلتے فوراً ہی ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ جھومر نے بلب کرتے اور ٹخنے پاجامے پر پڑا ہوا بڑا سا دوپٹا سنبھالتی روشی بالکل آخری کوٹھری سے باہر نکلی تھی۔ اور باہر نالا لگا رہی تھی۔ تالا لگا کر اس نے چابی اپنے گریبان میں ڈالی اور بے نیازی سے بلکہ خود اختیاری سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی' مگر روشی پر نظر پڑتے ہی اپنی جگہ ٹھٹک کر رکنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم"۔ روشی نے بڑی رسمیت کا مظاہرہ کیا۔

"وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہو؟"

جھومر نے بڑی شان بے نیازی سے حال دریافت کیا تھا۔ وہ بالکل نیا انداز تھا' پہلے جیسا۔ قدرے ماتحتانہ انداز نہیں تھا۔

"کیسے آئیں؟"۔

"جیسے آتی ہوں"۔ اس کی نظریں اس کوٹھری کی طرف لگی ہوئی تھیں' جہاں جھومر تالا لگا رہی تھی۔ "تم ہمارا باتیں کرتے ہیں"۔ جھومر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"ہاں' خبر آئی تو اسی لیے ہوں۔ ظفری بھائی ہسپتال سے آ گئے؟" روشی' جھومر کے پیچھے چل پڑی۔

"ارے کہاں' بی اماں تو تمہارے ساتھ ہے"۔ جھومر نے قہقہہ لگایا۔

روشی نے تعجب سے جھومر کی شکل دیکھی۔ اس سے قبل اس نے اسے کبھی قہقہہ لگاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

"کہاں گئی تھیں آپ؟ بڑا تاخیل کر آئی ہیں؟" اس نے قدرے ناگواری سے پوچھا۔

"اچھا اسی بدی ہوئی ہوں' دیکھنے تو چاہتی تھی۔ ایسے ہوتا ہے' چھوٹی امی ہے ہماری؟" جھومر مطمئن ہو گئی۔

"بی اماں تو نہیں کہا جا سکتا"۔ جھومر نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ روشی نے اس کے پیچھے پیچھے جاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں بی اماں کیوں نہیں؟" جھومر حفظ سے بچ کر کمرے میں داخل ہو کر بڑی طمانیت سے گاؤ تکیہ سہارا دے کر بیٹھ گئی۔ روشی نے دروازہ بند کر دیا۔

"بی خاتون ہیں آپ کے ظفری بھائی کا فکر بھی ادا کریں۔ کیا آپ تصور کریں گی اگر آپ کو ان تمام سہولتوں کے طور رہنا پڑ جائے؟" وہ ایک خوبصورت اور دلکش کرسی کھینچ کر جھومر کے بالکل قریب لاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ساری سوتیں ظالم دل کی ہوتی ہیں۔ ظفری موجود ہوں تو ہر کنڈیشن' کنڈیشن بن جاتی ہے"۔ اس نے تھوڑے گلے سے کہا۔

"آپ ظفری بھائی کے بجائے کس کو اس کمرے میں دیکھنا چاہیں گی؟" روشی نے صرف کا آغاز کیا۔

"یہ خوبصورت جواب ہے تمہارے پاس۔ خوبصورت اس لیے کہ اس کا دھیان میں آنا ہی سب سے بڑی خوبصورتی ہے۔ ناممکن خوبصورت ہو جاتی ہے"۔

وہ یوں کھلکھلائی جیسے گدگدی ہو رہی ہو۔

"نہیں۔ نہیں۔ جھومر بھابی! آپ شادی شدہ ہیں' یہ سب آپ کو سوٹ نہیں کرتا"۔ روشی کے لہجے میں بڑی آگ تھی۔

"تم نے پڑھایا تھا میرا نکاح؟" جھومر نے استہزائیہ انداز میں دریافت کیا۔

"کسی نے تو پڑھایا ہو گا"۔ روشی نے تلخی سے کہا۔

"بلو میرا نکاح تو کسی نے پڑھایا ہو گا۔ ظفری کو نکاح کے بچے آتے ہیں۔ کس قدر خوفناک ہو تم لوگ۔ مسلمانوں نے تمہاری آنکھوں پر کتنے موٹے موٹے پردے ڈال رکھے ہیں۔ سوچ کر بھی شرم آتی ہے"۔ جھومر نے بھی اس اہم گفتگو کا لہجہ اختیار کیا۔

"مگر شادی کا جو پروسیس ہوتا ہے' آپ اس پروسیس سے اسی ضابطے سے گھر میں آئی ہیں"۔ روشی نے اسے لاجواب کر دیا۔

"ہاں۔ خوب۔ نکاح دو افراد کے باہمی ہوش و حواس قبولیت کے عمل کا نام ہے۔ جس کے ہوش و حواس ہی معطل ہوں اس کا نکاح کیسا؟" جھومر نے مسکرا کر روشی کی آنکھوں میں جھانکا۔

"مگر جو کچھ ہوا' آپ کے گھر والوں کی رضامندی سے ہوا۔ کسی نے آپ کی کنپٹی پر ریوالور تو نہیں رکھا تھا؟" روشی نے ماتھے پر بل ڈال کر سوال کیا۔

"اس سے بڑا بھی ایک مسئلہ ہے جو سب سے بڑا ہے۔" اسے روتی دیکھ کر وہ بولا۔ "ہمارے اکٹھے ہونے سے پہلے اس کا پیٹ میں ہونا شرط تھا۔ کوئی فاتر مست مزاج تو ہو سکتا ہے۔ جھوٹا یا دغاباز نہیں ہو سکتا۔ جھوٹے کا پیٹ روتی رہتی۔ اس وقت کوئی اس سے پوچھے کہ کیا تم ہو تو وہ یہی کہتا 'روتی کا باپ ہوں'۔" جھومر ہنس پڑی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

"اتنا بڑا وہم انہوں نے میرے اپنے پیٹ سے باندھا تھا۔" وہ بولا اور اس کی جانب دیکھا۔

"اب آپ اتھیا دل بھگی ہیں تو پھر اس بحث کا مطلب؟ بالکل بے کار ہے اور کس راستے پر آپ قدم بڑھا رہی ہیں وہاں دور تک انگارے بچھے ہیں۔ کیوں خود پر ظلم کر رہی ہیں؟" روتی نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اتھیا تو دل دیے تھے مگر فیصلہ خانے کے قیدیوں ہی میں سمر کر شروع ہو گیا ہے۔" جھومر نے گہرا سانس لے کر چھت کی طرف دیکھا۔

"ذہن کو ادھر ادھر بھی کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جس نقطے سے جان نہ ہو اس پر بحث میں وقت گنوانے کا فائدہ؟"

روتی نے بڑے دانشورانہ انداز میں اسے سمجھایا۔

"وکیل اچھا مل جائے تو نقطے سے بھی جان پڑ سکتی ہے۔" جھومر مسکرائی۔

"مگر آپ کو اس ماحول میں اچھا وکیل کبھی نہیں مل سکتا۔" روتی نے اس کو امکان بھر مایوس کیا۔

"تم بن جاؤ۔" جھومر نے اچانک اس سے خدمات طلب کر لیں۔

"وکیل بن سکتی ہوں مگر وکیل استغاثہ وکیل صفائی نہیں۔" روتی نے بے ساختگی سے جواب دیا۔

"کیوں بھلا تمہارا کیا اختلاف ہو سکتا ہے؟ تم تو بہت آگے بہت بڑھ ہو۔"

"بیٹھ پائیں میں صرف یہی سمجھانے آئی ہوں کہ اپنی زندگی کو طوفان کے حوالے نہ کریں اس لیے کہ کچھ حاصل نہ ہو گا۔"

روتی نے اس کی بات کاٹ کر بہت سرد مہری سے جواب دیا۔

"مجھے اپنے معاملات طے کرنے دو مجھ سے ہمدردی نہ کرو۔" جھومر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یہ صرف آپ کے معاملات نہیں ہیں۔ آپ کی بہت سے کوئی دوسرا بھی متشکل میں پا سکتا ہے۔" روتی نے کھائی سے کہا۔ جیسے اب اس سے برداشت نہ ہو رہا ہو۔

"وہ تو پہلے ہی لفظوں میں ہے اور پھر میں بدصورت بھی نہیں ہوں اسے کوئی کھا تو نہیں ہو گا۔"

"صورت سے کیا ہوتا ہے؟ بعض اوقات بہت کوئی اچھا لگنے لگتا ہے تو اس کی بہو صرف صورت نہیں ہوتی۔ بعض

وہ بے تحاشا کی سمجھ میں خود بھی نہیں آتا کہ کوئی اسے یوں اچھا لگتا ہے۔ کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟"

روتی نے بڑے سکون سے جواب دیا تھا۔

"اچھا اتنا بڑے لیکچر سے تو بڑی تجربہ کار لگ رہی ہو۔ کون ہے وہ؟" جھومر شرارت سے اسے گھورنے لگی۔

"ہے کوئی۔" روتی نے مبہم سا جواب دے کر ٹالنا چاہا۔

"بتاؤ نا کون ہے وہ۔ ہاں تو تمہیں بھی بیت گیا۔" جھومر اصرار کرنے لگی۔

روتی خاموش رہی۔

"حویلی میں رہتا ہے؟" جھومر نے مختلف نکتہ اٹھایا۔

"ہوں۔" روتی نے صرف "ہوں" کہنے پر اکتفا کیا۔

"کون ہے؟" جھومر اس کی طرف جھک آئی۔

"نہیں۔" روتی نے دوٹوک انکار کیا۔

"حویلی کے سارے لوگ ہی تمہارے کزن ہیں سوائے جواد کے۔" جھومر الجھ کر بولی۔

"چھوڑیں آپ وقت آنے پر جان جائیں گی۔" روتی نے منہ پھیرا۔

"مگر روتی اتھیا دل تو مشکل ہو چکی ہے۔" جھومر کو یاد آیا تو اس نے چونک کر روتی سے سوال کیا۔

"جس طرح آپ اپنا نباہ نہیں پائیں اس طرح میں اپنی مشکل نہیں پاؤں گی۔" روتی نے دو ٹوک کہا۔

"بغاوت کرو گی؟" جھومر کھلکھلائی۔

"ابھی دیکھیں زندگی آپ کو کیا دکھاتی ہے۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"اور بھی کچھ پتا ہے؟" جھومر نے سوال کیا۔

"ابھی میں اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی۔ اس وقت تو میں آپ کو سمجھانے آئی ہوں وہ اس لیے کہ ہو گا کچھ بھی نہیں مگر کوئی خوار ہو جائے گا۔" روتی نے فوراً بات کا رخ بدلا۔

"تمہیں اس مارے جانے والے سے اتنی ہمدردی کیوں ہے تمہاری بلا سے۔" جھومر نے بے نیازی سے دوبارہ لیٹتے ہوئے کہا۔

"میرے قبیلے میں آپ کے حسن بے مثال کے باوجود حویلی کا کوئی فرد آپ میں اس طرح کا انٹرسٹ نہیں لے گا اور اس لیے کہ حویلی کی بہو ہیں۔ خواہ آپ تسلیم کریں یا نہ کریں۔" روتی نے پاؤں پھیلا کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے سمجھا اس لیے کہ تمہیں کچھ پتا نہیں۔" جھومر عجیب سے سرور میں مسکرائی۔

"کیا نہیں پتا۔" روتی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"کچھ نہیں۔" جھومر آنکھیں موند کر مسکرائی تھی۔ معنی خیز انداز میں۔

"اس سے بڑا بھی ایک مسئلہ ہے جو سب سے بڑا ہے۔" اسے روتی دیکھ کر وہ بولا۔ "ہمارے اکٹھے ہونے سے پہلے اس کا پیٹ میں ہونا شرط تھا۔ کوئی فاتر مست مزاج تو ہو سکتا ہے۔ جھوٹا یا دغاباز نہیں ہو سکتا۔ جھوٹے کا پیٹ روتی رہتی۔ اس وقت کوئی اس سے پوچھے کہ کیا تم ہو تو وہ یہی کہتا 'روتی کا باپ ہوں'۔" جھومر ہنس پڑی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

"اتنا بڑا وہم انہوں نے میرے اپنے پیٹ سے باندھا تھا۔" وہ بولا اور اس کی جانب دیکھا۔

"اب آپ اتھیا دل بھگی ہیں تو پھر اس بحث کا مطلب؟ بالکل بے کار ہے اور کس راستے پر آپ قدم بڑھا رہی ہیں وہاں دور تک انگارے بچھے ہیں۔ کیوں خود پر ظلم کر رہی ہیں؟" روتی نے سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اتھیا تو دل دیے تھے مگر فیصلہ خانے کے قیدیوں ہی میں سمر کر شروع ہو گیا ہے۔" جھومر نے گہرا سانس لے کر چھت کی طرف دیکھا۔

"ذہن کو ادھر ادھر بھی کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جس نقطے سے جان نہ ہو اس پر بحث میں وقت گنوانے کا فائدہ؟"

روتی نے بڑے دانشورانہ انداز میں اسے سمجھایا۔

"وکیل اچھا مل جائے تو نقطے سے بھی جان پڑ سکتی ہے۔" جھومر مسکرائی۔

"مگر آپ کو اس ماحول میں اچھا وکیل کبھی نہیں مل سکتا۔" روتی نے اس کو امکان بھر مایوس کیا۔

"تم بن جاؤ۔" جھومر نے اچانک اس سے خدمات طلب کر لیں۔

"وکیل بن سکتی ہوں مگر وکیل استغاثہ وکیل صفائی نہیں۔" روتی نے بے ساختگی سے جواب دیا۔

"کیوں بھلا تمہارا کیا اختلاف ہو سکتا ہے؟ تم تو بہت آگے بہت بڑھ ہو۔"

"بیٹھ پائیں میں صرف یہی سمجھانے آئی ہوں کہ اپنی زندگی کو طوفان کے حوالے نہ کریں اس لیے کہ کچھ حاصل نہ ہو گا۔"

روتی نے اس کی بات کاٹ کر بہت سرد مہری سے جواب دیا۔

"مجھے اپنے معاملات طے کرنے دو مجھ سے ہمدردی نہ کرو۔" جھومر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یہ صرف آپ کے معاملات نہیں ہیں۔ آپ کی بہت سے کوئی دوسرا بھی متشکل میں پا سکتا ہے۔" روتی نے کھائی سے کہا۔ جیسے اب اس سے برداشت نہ ہو رہا ہو۔

"وہ تو پہلے ہی لفظوں میں ہے اور پھر میں بدصورت بھی نہیں ہوں اسے کوئی کھا تو نہیں ہو گا۔"

"صورت سے کیا ہوتا ہے؟ بعض اوقات بہت کوئی اچھا لگنے لگتا ہے تو اس کی بہو صرف صورت نہیں ہوتی۔ بعض

وہ بے تحاشا کی سمجھ میں خود بھی نہیں آتا کہ کوئی اسے یوں اچھا لگتا ہے۔ کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟"

روتی نے بڑے سکون سے جواب دیا تھا۔

"اچھا اتنا بڑے لیکچر سے تو بڑی تجربہ کار لگ رہی ہو۔ کون ہے وہ؟" جھومر شرارت سے اسے گھورنے لگی۔

"ہے کوئی۔" روتی نے مبہم سا جواب دے کر ٹالنا چاہا۔

"بتاؤ نا کون ہے وہ۔ ہاں تو تمہیں بھی بیت گیا۔" جھومر اصرار کرنے لگی۔

روتی خاموش رہی۔

"حویلی میں رہتا ہے؟" جھومر نے مختلف نکتہ اٹھایا۔

"ہوں۔" روتی نے صرف "ہوں" کہنے پر اکتفا کیا۔

"کون ہے؟" جھومر اس کی طرف جھک آئی۔

"نہیں۔" روتی نے دوٹوک انکار کیا۔

"حویلی کے سارے لوگ ہی تمہارے کزن ہیں سوائے جواد کے۔" جھومر الجھ کر بولی۔

"چھوڑیں آپ وقت آنے پر جان جائیں گی۔" روتی نے منہ پھیرا۔

"مگر روتی اتھیا دل تو مشکل ہو چکی ہے۔" جھومر کو یاد آیا تو اس نے چونک کر روتی سے سوال کیا۔

"جس طرح آپ اپنا نباہ نہیں پائیں اس طرح میں اپنی مشکل نہیں پاؤں گی۔" روتی نے دو ٹوک کہا۔

"بغاوت کرو گی؟" جھومر کھلکھلائی۔

"ابھی دیکھیں زندگی آپ کو کیا دکھاتی ہے۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"اور بھی کچھ پتا ہے؟" جھومر نے سوال کیا۔

"ابھی میں اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی۔ اس وقت تو میں آپ کو سمجھانے آئی ہوں وہ اس لیے کہ ہو گا کچھ بھی نہیں مگر کوئی خوار ہو جائے گا۔" روتی نے فوراً بات کا رخ بدلا۔

"تمہیں اس مارے جانے والے سے اتنی ہمدردی کیوں ہے تمہاری بلا سے۔" جھومر نے بے نیازی سے دوبارہ لیٹتے ہوئے کہا۔

"میرے قبیلے میں آپ کے حسن بے مثال کے باوجود حویلی کا کوئی فرد آپ میں اس طرح کا انٹرسٹ نہیں لے گا اور اس لیے کہ حویلی کی بہو ہیں۔ خواہ آپ تسلیم کریں یا نہ کریں۔" روتی نے پاؤں پھیلا کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے سمجھا اس لیے کہ تمہیں کچھ پتا نہیں۔" جھومر عجیب سے سرور میں مسکرائی۔

"کیا نہیں پتا۔" روتی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"کچھ نہیں۔" جھومر آنکھیں موند کر مسکرائی تھی۔ معنی خیز انداز میں۔

رانی بہت گہری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"پھر بھی"۔ رانی مطمئن نہ ہو رہی تھی۔

"کہا نا اس بھی کچھ نہیں۔ بس یہ کہ مجھے اس کی معمولی سی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ اس کی گردن پر سیاہ طرف زخم کا نشان ہے۔ مجھے اس خیال سے بھی تکلیف ہوتی ہے کہ ماضی میں کبھی اسے یہ زخم لگا ہوگا اور اسے کتنی تکلیف ہوئی ہوگی"۔

رانی کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ وہ ایک ٹک جھومر کو گھورے گئی۔

اس نے تو آج تک اس کی گردن پر سیاہ زخم کا نشان نہیں دیکھا' ہمیشہ ان رات جالے گئی ماتھا گلا اور ہے۔

"آپ نے کیسے دیکھ لیا؟" رانی کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"کیا؟" جھومر نے تعاقل برتا۔

"زخم کا نشان"۔ وہ اندر سے بہت گھبرا گئی تھی بظاہر خاصی پرسکون تھی۔

"بھئی بہت قریب سے دیکھا ہے ہم نے"۔ جھومر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بہتے قریب کا تصور کر سکتی ہو کر لو"۔ وہ پھر کھلکھلائی۔

رانی یکلخت اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے جھومر کے حلیے میں ہالا کی مماثلت نظر آئی کہ اس کا زخم' زخم جیسے لگا ہے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا۔

"ارے کھڑی کیوں ہو گئیں' بیٹھو ناں"۔ جھومر نے اس کی سمت حیرانی سے دیکھا۔

"نہیں اب میں چلوں گی۔ اندر عشاء شروع ہو چکی ہو گی"۔ رانی نے رکھائی سے جواب دے کر آگے بڑھ کر جھٹکے سے دروازہ کھولا۔

باہر آ کر اندازہ ہوا کہ واقعی وقت بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ ہر طرف اندھیرا چھایا تھا۔ وہ طویل راہداری سے گزر کر صحن والے احاطے میں آ گئی۔

معاً اس نے سلیم شاہ کو قمیص میں ملبوس ہاتھ میں لالٹین لیے اپنی طرف آتے دیکھا۔

"کیا مصیبت ہے' اتنی دیر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔ دیکھو گھر آپ کو جانے کتنی نمازیں پڑھنا پڑا ہے۔ عشاء کی ہے نماز قضا کی۔ اماں کھانا لگا رہی ہے۔ سارے ملازمین آپ کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں"۔ وہ اس کے نزدیک آ کر جھلا کر بولا۔

"میں کیا کروں پھر؟" اس نے بے نیازی سے تنگ کر کہا۔

"بتا دیتے بلا لی آ گئی کہ جھومر بھابی کے پاس ہوں"۔

"مگر وہ جو پتی آپ گھم گھم کر پڑھا کرتی تھیں' وہ مجھے بتانے میں کیا جاتا ہے' اب جلدی چلیں"۔

وہ اس سے آگے لمبے لمبے ڈگ بھرتا گھم گھم کے دالان میں داخل ہو گیا۔ جبکہ اس کی چال بے حد سست تھی۔

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں
عشق توفیق ہے گناہ نہیں

مطمئن ہو کر چل پڑا تو تھوڑا پیچھے رانی ہولے ہولے آہستہ چلتی آ رہی تھی۔

عجیب "توہمی" کیفیت میں گھری ہوئی تھی۔ اس کے لیے یہ بڑا عجیب وقت تھا۔

"کتنی دیر لگا دی ہے ہالا بھائی آپ کو یہاں نہیں کرنا چاہیے"۔ اس نے اکتاہٹ بھری کیفیت میں کہا۔

"ارے واہ' تو کوئی سیال تو نہیں مانگ رہا"۔

ایک بھی تو گناہ گار نہیں
پار ساؤں میں کہہ گیا ہوں

اس نے گنگناتے ہوئے لہجے میں ہنسی سے کہا۔

"لال خان آ گیں گے تو کیا کہیں گے؟ آپ کو اس حال میں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا"۔

رانی واقعی پریشان ہو رہی تھی۔

"بہرحال آ گئے"۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے اسے سہارا دینے کی نیت سے ہاتھ بڑھایا۔

"آپ مت دیجیے' میں چل سکتا ہوں"۔

ازل کے دن سے ہوں آوارہ و یگ کی صورت
ہوا میں بھی کوئی مجھ کو سنبھال رکھتا ہے

وہ آگے بڑھا' لڑکھڑایا ایک طرف ہٹ گئی' گیٹ بند کیا اور اس کے پیچھے چل پڑی۔

وہ دالان دوم میں داخل ہو گیا اور ایک صوفے پر گر گیا۔

رانی دروازے میں کھڑی ہو گئی تھی اور گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اس دن وہ بہت غضب ڈھا رہی تھی۔ سیاہ ستاروں بھرا جالی کا کرتا پہنے ہوئے تھی۔ اس دن اس نے بہت سے پھول بھی پہنے تھے۔ حویلی میں جشن تھا۔ ساری حویلی پر چراغاں ہوا تھا۔ بس رات کیا تھی' دن تھا۔ اس دن اس نے خود بھی اور سارے پھول پہنے تھے اور حویلی کی سجاوٹ کے لیے بھی گھر سے لائے تھے۔

تھا سراپا میرا نظر میں یوں
رنگ شام و سحر کو بھول گئے

بڑا دلکش آ رہا تھا وہ۔ یاد کی گلیوں پر چاندنی کے ورق نگار رہی تھی میں نے اسے دور سے اور تک دیکھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس کے سامنے ہار رہا ہے۔ مجھے دیکھ کر بولا۔

"مادلف! آج ساری رات گیت سناؤں گی' سنو گے؟" رانی نے کھڑکی سے لگ کر جھکا' پھر وہ ہنس پڑی

تھی"۔

عارف آنکھیں موندے اپنا سر سیٹ میں کو لے ہوا تھا۔

"بہت تھا آپ نے اس کا کیا؟" اس نے مجبب سے آنکھیں وا کیں دریافت کیا تھا۔

"اس سب سنے تھے اب اس نے آخری گانا سنایا۔

مجھے آئی نہ جگ سے لاج

میں اتنے زور سے ابھی آج کہ دھڑکن زور سے

تو میرا جی چاہا میں اسے اٹھا کر بھاگ جاؤں۔ کتنی زندگی تھی اس کی آواز میں اس اپنے حواس کو جمع کرتا ہوا

نازنین بیگم نے بھیجے آواز دے کر بتایا کہ عارف یہاں کہاں بیٹھے ہوں گے کھانا کھا تو لے تمہارا فیورٹ قورمہ

ہے وغیرہ وغیرہ۔ "آ رہا ہوں بیگم" اس نے ایک گہری سانس بھری تھی۔

"اس کا نام نہیں بتایا تم نے؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"اسے نہیں" وہ آہستہ سے بولی تھی۔ "اس کا نام تو اناؤنسمنٹ میں سے تھا۔ اس کا نام تو اناؤنسمنٹ سے ہے کہ آپ یاد رکھیں گے کہ آپ نے ایک لمحے کو آنکھیں کو لیں۔

تیرے ہونٹوں پہ تبسم کی وہ ہلکی سی لکیر
میرے گیتوں میں وہ رہ رہ کر چمکتا ہے ضمیر
یوں اچانک تیرے عارض کا خیال آتا ہے
جیسے ظلمت میں کوئی شمع بھڑک اٹھتی ہے

"نازنین بیگم چلی گئیں اور مجھے وہیں نیند آ گئی۔ پھر میں چونک کر جاگا تو یوں کہ وہ میرا کندھا ہلا کر مجھے جگا رہی تھی۔ ساری تھکن میں میرے کندھے پر اتر آئی تھیں۔ میں نے کہا ظالم اٹینڈنٹ ہم پہنچ چکے ہیں تو اتار دیا ہوتا طیارہ کو۔ کہنے لگی جاتی ہے کیوں جگایا؟"

وہ پھر ہنس پڑی تھی۔ عارف کچھ نہیں ہنسے۔

وہ بہت اداس اداس لگ رہی تھی جیسے جا رہی تھی، رہتی تھی۔ اس میں کھیڑوں والی کوئی بات نہیں تھی۔

"ہم تو گاتا بھی آپ سے اس کا"۔ بالو نے وہیں کھڑے کھڑے کہا۔

"بہت سے نام ہیں اس کے۔ راحتی گیت خوشبو گل اعلیٰ پھول"۔

وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

وہ اٹھا کر تی رعلی کو پھر کچھ کہنے لگا مگر خاموش رہ گئی تو اس نے پوچھا۔

"اب کیا سوچ رہے ہیں؟"

آغا مرتضیٰ کا پراسرار

ہم خدا کے بارے سوچ رہے تھے۔ آپ نے؟

"بھائی! کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" اس نے طلحہ سے اجازت چاہی تھی۔

"بالکل"۔ اس نے کسی احسان میں تھی چونک کر وہ بولی

اس کا لہجہ اور اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگے ہوئے تھے۔

"آپ رو رہے ہیں سر؟" اس نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"نہیں انسان ہوں"۔ عارف نے مسکرانے کی کوشش کی اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"پھر بھی ایسی بات تو نہیں کہ انسان رو پڑے"۔ اس نے پھر بھی کہہ دیا۔

ہمیں آج ساحل پہ رونے بھی دو
کہ طوفان میں مسکرانا بھی ہے

"کبھی کبھی ہو جاتا ہے بھائی۔ مدت اس طوفان کی زندگی میں ہم مسکراتے رہے ہیں" آپ پریشان نہ ہوں"۔

اس نے اس کی طرف سے کروٹ لے لی جس کا مطلب واضح تھا کہ اب آپ جائیں۔

راحتی سوچتی سے پلٹ آئی۔ مگر وہ بڑی گہری سوچ میں تھی۔

اگلے دن سے آج ان کے بیٹے کی بارات بھی تھی۔

ولیمے کی لڑکیاں کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ان رات طلحہ سات کی ایرانگ میں مصروف ہو گئیں۔ رہتی کا تو دل ہر شے سے اچاٹ تھا۔ سے تو ہوا لیتیں کھیل رہی تھیں۔

اچانک ہی وہ اس کمرے کی سرگرمیوں سے بیزار ہو کر باغ کی طرف آ گئی تھی۔ آخری زینے سے اترتے ہی اس نے دیکھا۔ وہ بیپ داخل ہوتے دیکھی۔ اور یہ بھی کہ یاور علی خوفزدہ کے عالم میں یاور علی خان کھڑے تھے۔

ایک عجیب سی خوشی اس کے اندر بھر گئی۔ وہ چھوٹی بچی کی طرح اچھلتی ہوئی باورچی خانے میں آ گئی۔

یاور علی خان کے بیپ سے اترنے سے پہلے وہ باورچی خانے میں پہنچ چکی تھی۔ یاور علی خان نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تھا۔ ان کے اندر بھی کوئی آنچ سی محسوس ہونے لگی تھی۔

"السلام علیکم ابا۔ ابی امی کیسے ہیں؟"۔ اس کے انداز میں جو تپاک اور گرمجوشی تھی۔ ان کے اندر کا جوالا بھی دیکھے گا۔

انہوں نے بے ساختہ اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ اور وہ ان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"ارے۔ بیٹے۔ کوئی بات ہو گئی؟ مجھے بتاؤ تم تو مجھ سے بہت بہادر تھیں"۔

انہوں نے اس کی پشت تھپتھپائی۔ وہ اس کے رونے سے بے حد پریشان ہو گئے۔

"پتا ہے ابا کبھی کبھی زیادہ خوشی بھی رونا دیتی ہے"۔ وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ بہت خیال دل ہے ہمارے بیٹے کا''۔ وہ اس کا سر پکڑ کر تھپکی دیتے ہوئے بولے۔

''مگر وہ کس بات پر آمادہ ہے؟''

''کوئی ایسی بات ہو تو کہوں''۔ وہ آہستہ سے بولے۔

''کسی نے کچھ کہا ہے؟'' وہ ابھی تک تعجب کی سے پوچھ رہے تھے۔

''ہوں۔ کہا''۔ بظاہر وہ بہت پرسکون اور مطمئن تھے۔ مگر اندر سے اتنے ہی پریشان و فکرمند۔

''آپ ماری کو ہمیشہ کیلئے سرائے بھجوا دیں''۔

''ہاں کیا ہے؟'' ان کے لہجے میں حیرانی کی جانکاری آئی تھی۔

''چاہے مگھوڑا ہو۔ مگر جس اسے پیاری سے نگہداری کریں۔ ایسے بھی کاکا جان اسے بلواتے رہتے ہیں''۔

''تمہیں اس سے کہنا چاہئے تھا۔ میں اتنی غیر اہم باتوں میں دلچسپی نہیں لیا کرتا۔ وہ بیٹا ہے یا وہاں رہنا چاہتا ہے۔ خاص طور پر مجھے اور تمہیں''۔

انہوں نے اپنی تئیں سرد مہری سے قطعی حتمی جواب دیا۔

''یہ میری فرمائش ہے آپ سے بابا۔ بیٹا سے آخر نہ کریں۔ آپ یہ سب کر سکتے ہیں''۔

''بدلی کا حاصل بھی فرمائش ہے' ایسے تمہیں اس سے ملاقات کہا ہے؟'' اس بار انہوں نے بہت توجہ سے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

''بہت ساری ہیں۔ مگر آپ اسے اپنے گاؤں میں آپ اسے مویشی سے وہاں لے جائیں اس نے خجل سے لہجے میں کہا۔

یاور علی خان ملازمین کے سلام لیتے اپنے بیڈ روم کے دروازے تک آ گئے تھے۔

''بہت ساری شکایتوں میں سے کوئی ایک تو ہو۔ تاکہ بات کرنے کی کوئی بنیاد ہو''۔

وہ بیڈ روم میں داخل ہو گئے۔ روشی نے آگے بڑھ کر جوتیاں اور چھڑی اتار دیئے۔

''میں سمجھے اور یہاں برداشت نہیں ہو رہا''۔ وہ بسور کر بولی۔

''اچھا دیکھیں۔ اس کیلئے تو کئی آپشنز ہیں' وہ سرائے جانا چاہے تو کرایا جا سکتا ہے۔ وہاں جا کر وہ آپ کے پاس بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔ نہیں تو خیر آم کے فارم کی دیکھ بھال کیلئے جا سکتا ہے۔ وہاں کا گھر' باغات کی خوبصورتی' وہاں وہ زیادہ خوش رہ سکتا ہے۔ اپنے گھوڑوں کو بھی وہاں لے جا سکتا ہے۔ کیوں؟''

وہ آپشنز پیش کر کے بہت مسرور نظر آ رہی تھی۔

''ہوں۔ مگر بابا صاحب مجھے نہیں کہیں اور بھیجنا چاہتے ہیں مگر اسے کہیں''۔

یاور علی خان کو اچانک دھیان آیا تھا۔ انہوں نے موضوع سے عدم دلچسپی ظاہر کر دی اور اور وہ کہہ کر

''بابا صاحب کو اولاد سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا ہے''۔ اس نے دل میں سوچا تھا۔

''بابا صاحب کے بیٹوں اور پوتوں کو دیکھ چکی ہوں۔ وہ اولاد نہیں ہے۔ وہ جہاں بھیجتے ہیں وہ ہے۔ وہ بابا صاحب کی خدمت کرتا ہے۔ اس لئے بابا صاحب اسے بہت چاہتے ہیں

"ابھی تو نہیں"۔ انہوں نے عینک اتارتے ہوئے جواب دیا۔

"خالہ تو ہاں جانے کی باتیں کرتی رہتی ہوں گی۔ ہے ناں؟"

"نہیں۔ اور باتیں بھی کرتی ہیں۔ وہ فیوچر ہیں۔ خود کو سنبھال لیا ہے"۔ انہوں نے عینک لگانے کے بعد اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں خیر بچی تو وہ بہت ہیں۔ میں بھی ان جیسی بننا چاہتی ہوں۔ مگر بن نہیں پاتی"۔ اس نے سادگی سے اعتراف کیا۔

"تم ایسے ہی ٹھیک ہو۔ بننا بھی نہیں۔ مشکل ہو جائے گی"۔ یاور علی خان نے تنبیہ کی۔

"کیا وہ مشکل میں ہیں؟" اس نے معصومیت سے باپ کی شکل دیکھی۔

"نہیں ۔۔۔ کیونکہ وہ بائی نیچر لکی ہیں"۔ یاور علی خان نے دھوئیں کے مرغولے میں خالہ کی خوش قسمتی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ صحیح ہے پاپا۔ نیچر از نیچر۔ ویسے یہ اور سر بہت خوبصورت ہیں۔ مجھے بہت پسند آئے"۔ اس نے کمرے کا ایک طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"تھینکس"۔ انہوں نے گہرا کش لگایا۔

"چلیں میری پرابلم تو سولو (حل) ہو گئی"۔ اس نے پرسکون انداز میں کہا۔

"کیسی پرابلم؟"

"وہ آپ کے بیٹے کی۔ تھوڑے سے ہیں۔ سب لڑکیاں تیاریاں کر رہی ہیں مگر میرا تو انہیں سن کر ہی دل گھبرا رہا تھا"۔

"کیوں تمہیں سن کر کیا ہوا تھا؟" انہوں نے اس کی شکل بغور دیکھی۔

"بس یونہی۔ بہت تکلیف ہوئی اپنے سولو کی"۔ اس نے منہ بنا کر جواب دیا۔

"اوہ پیا ۔۔۔ خالہ کچھ کہہ تو نہیں رہی تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"نہ نہ۔ ایسا تو کچھ نہیں کہا"۔ وہ سرسری سے انداز میں کہہ رہے تھے جیسے ان کا اس سے دھیان ہٹ رہا ہو۔

"جی ۔۔۔ ٹی ٹال کا مطلب؟" اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ سوال بہت کرتی ہو۔ یہ تمہاری دوست کیسی ہو رہی ہے؟" انہوں نے بات کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی۔

"ٹھیک ہی ہے پاپا۔ آپ خالہ کو ساتھ لے آئے۔ ۔۔۔ ہاں اکیلی بور ہوتی ہوں گی۔ ماموں تو ویسے بھی بزی رہتے ہیں"۔ وہ ان کی کوشش ناکام بنا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ میں کوشش کروں گا"۔

"انہوں نے آنے کی کچھ سے ملنے کی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی"۔ اس نے بڑی پرامید نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"نہیں خیر ۔۔۔ پیا تو بہت کرتی ہیں تمہیں"۔ انہوں نے اس کی تقویت کیلئے الفاظ منتخب کیے۔

"بہت کیوٹ سی ہیں خالہ۔ کیا امی ان سے بھی زیادہ کیوٹ تھیں"۔ اس نے کپڑے سے سینا شروع کر دیئے۔

"میں کمپیئر نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ اس موضوع پر بات ہی نہیں کرنا چاہتا"۔ انہوں نے سرد مہر انداز میں جواب دیا۔

"اوہ ۔۔۔ سوری پاپا۔ مجھے احساس کرنا چاہیے۔ خواہ مخواہ آپ کو کسی کے بارے میں تکلیف دہ باتیں سوچنی پڑتی ہیں"۔ اس نے شرمندگی سے کہا۔

"بہت زیادہ ہوتی ہے"۔ انہوں نے ڈھیر سارا دھواں اپنے سامنے پھیلا لیا۔

"اچھا میں چلتی ہوں سونے۔ میں آپ کا خیال رکھوں گی"۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ آپ کتنے دن کیلئے آئے ہیں؟" اس نے خوشگوار سی بات شروع کر دی۔

"کل صبح چلے جانا"۔

"آپ زیادہ دن کیلئے یہاں کبھی نہیں آتے"۔

"میری ذمہ داریاں اجازت نہیں دیتیں"۔ انہوں نے دوٹوک جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ تو خیر آ ہی گئے ہیں۔ مگر کام ہیں تو آتے بھی نہیں ہیں۔ وہ تو کبھی ایک رات بھی نہیں ٹھہرتے۔ صرف کام ہوں تو ان سے لفٹ لیتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ آپ کے پاس ہر کسی کیلئے وقت ہے مگر اپنے لئے نہیں"۔

وہ کچھ کہتے کہتے رکی تھی۔

یاور علی خان خاموش رہے۔

"پیا"۔

"ہوں؟"

"پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے۔ کبھی کبھی آپ سے اتنا پیار کرنے کو دل چاہتا ہے۔ کبھی آپ سے بات بھی نہیں کر سکتی"۔

یاور علی خان اس مرتبہ بھی خاموش رہے۔

"خالہ کہہ رہی تھیں کہ ماما صاحب سے بڑے ہیں۔ آپ سے بھی بڑے ہیں۔ مگر اتنا نہیں ان سے غریب علی قسم کا ڈر لگتا ہے۔ ان کے سامنے جاؤں تو میں بھاگ کھڑی ہوتی ہوں"۔

وہ ایک بات کہہ کر خود ہی ہنس دی۔

"وہ ایسے کیوں دیکھتا ہے جیسے نیچروں جیسے؟" اس نے معصوم سے انداز میں پوچھا۔

"اب تم بور ہو جاؤ گی تو ماما علی سے کافی کیلئے کہہ دینا اور کہنا میرے لئے بھی لیتے آئے"۔

وہ مگر مچھ کا کلچ ٹرے میں رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ ان کے سرد سے انداز کو اپنی بات نظر انداز کیے جانے پر کپڑے اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک ہے پیا۔ آپ آرام کریں۔ سوری فار دیٹ"۔

وہ بجھے بجھے انداز میں باہر نکل گئی۔ یاور علی خان کوٹ ہینگر کرنے لگے۔

نوٹ: بہت سے قارئین نے پوچھا ہے کہ ماما صاحب کے پوتے کی سالگرہ کیسی تھی۔

یہاں سے وہاں تک انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آتا تھا۔ دور دور کے علاقوں سے لوگ جوق در جوق ایک دوسرے سے پہلے وہاں پہنچ جانے کے چکر میں تھے۔ ہر شخص نے اپنے چہرے کو اپنا ہوا ہالہ نما وردیوں پہنا تھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اب بھی کیا تھا کہ چہرے ہی بھی کھوکھلے ہو چکے تھے۔ ان کے باوجود اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ اتنا لوگوں میں جانے سے وہ سارا کرب پھر سے لوٹ کر آ جاتا تھا۔ اسی ام فکلی سے دوچار ہو لی۔

"ہوں"۔ اس نے ہنکارا بھرا اور وہ بھی بڑی بیزار سی تھی۔

اور جو بھلا تو اس نے بغیر پلٹے صرف نظریں اٹھا کر دیکھا کہ کون آیا ہے۔

وہ ہائف شلوار قمیص میں ملبوس سامنے ہاری تھا۔

"کون ہو بھلا، جانے دیجے"۔ اس نے تنگی سے کہا۔

"کوئی نہیں"۔ اس نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔

"کون ہلار ہا ہے؟" اس نے سابقہ انداز میں پوچھا۔

"کوئی نہیں"۔ اس کا انداز بھی ہنوز تھا۔

"پھر کیوں آئے ہو؟" اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر رخ کر کے پوچھا۔

"آپ کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔ آپ نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اب تو کھانا بھی شروع ہو چکا ہے"۔

"شکریہ۔ پوچھ لی خیریت؟ اب جاؤ اور آئندہ اب خیریت بھی نہ پوچھنا"۔

ہاری کے فریش سے چہرے پر لمحے بھر کو سایہ لہرایا تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ نارمل ہو گیا۔

"کوئی بات ہو گئی ہے۔ سارا دن وقت چھوڑ کر اندر بند کمرے میں بیٹھی ہیں؟"

"اپنے کمرے میں بیٹھی ہوں۔ کسی کے سر پر تو نہیں بیٹھی"۔ اس نے بدستور کوفت کے انداز میں جواب دیا۔

"آپ نے سب کے ساتھ کھانا کھا لیجیے"۔ اس نے بہت رسانیت سے کہا۔

"بھوک نہیں ہے مجھے"۔

"جب باہر نہیں آئیں تو تیار ہو کر کیوں بیٹھی ہیں؟" آخر اس نے کہہ دیا۔

اس نے نظر اٹھا کر ہاری کی طرف دیکھا۔ بہت دھلی سادہ سے ہمدرد انسان کے ساتھ وہ ہالا جو اب نظر آ رہا تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ بھلا تھا۔ سوچھیں البتہ پہلے سے زیادہ گھنی محسوس ہو رہی تھیں۔ سلیقے سے بال جمائے ہوئے تھے۔ وہ کسی بھی طرح سے ہاری کا روپ نہیں لگ رہا تھا۔

اس نے بے ساختہ نظریں جھکا لیں۔

"تمہاری طرح کوئی بھی میرے کمرے میں آ سکتا ہے۔ سالوں سے گھر بھرا پڑا ہے"۔ اس بار اس کی آواز اندر سے ٹوٹی ہوئی اور دھیمی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کی مرضی۔ مگر اس طرح ہونا نہیں چاہیے"۔ وہ بہانے کے انداز سے بولا۔

"ہاری۔ دیکھے جائیں"۔ اس نے پیچھے سے آواز دے کر اسے روکا۔

"جی؟ وہ میں کچھ سمجھا نہیں"۔

"تمہاری گردن کے پیچھے کی جانب کیا کوئی زخم کا نشان ہے؟" اس نے پیچھے جھکے بغیر اس کی سمت دیکھا۔

"نشان؟ مجھے معلوم نہیں۔ لیکن ہے؟" وہ واقعی حیران ہوا۔

"ذرا آئینے میں دیکھ کر بتاؤ۔ ہے یا نہیں"۔ اس نے حتمی انداز میں کہا۔

"مگر کیوں؟" وہ قدرے ہچکچایا۔

"پہلے وہ کہیں جو میں کہہ رہی ہوں"۔ اس نے تحمل سے کہا۔

ہاری آگے بڑھ کر اس کی اور پیٹھ کیے کھڑا ہو گیا۔ اوپر کرتے کے دائیں بائیں دیکھتا گردن سے ہوتا ہوا پیچھے تک نظر ڈالتا وہ بولا۔

"یہ پیچھے کیا ہے؟ وہ اصل میں مجھے اس لئے دھیان نہیں رہا کہ میں خود کو آئینے میں نہیں دیکھتا"۔ وہ سادگی سے مسکرایا۔

"اب آپ بتائیے آپ نے یہ نشان کب دیکھا تھا؟" وہ اس کے نزدیک چلا آیا۔

"اکھاڑ پچھاڑ"۔ وہ اس کے سوال کی کھوج میں تھی۔ اور اس کا سوال نظر انداز کر دیا۔ ہاری نے مسکراہٹ ضبط کرتے ایک طرف سے پیچھا چھڑا لیا۔

فقرہ ایک اچھا خاصا زخم کا نشان تھا۔ اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ اس نے سر اٹھا کر ہاری کی سمت دیکھا۔ وہ اس وہ کچھ بتا رہا تھا۔ سیاہ کھوپڑ کچھیں جانے کس جذبے کے تحت مسکرا رہی تھیں۔ اس نے جیسے خود سے ہی نظریں چرا لیں۔

"یہ سب پوچھ کر مجھے کیسے پتا چلا۔ یہ بتاؤ اس حصور ہریلی کو کیسے پتا چلا؟"

وہ ہار کر اپنے بستر پر جا کر بیٹھ گئی۔

ہاری کے چہرے پر یکلخت سنجیدگی چھا گئی۔

"یہ آپ کے مطلب کے موضوعات نہیں ہیں۔ آپ اس طرح کی باتیں نہ کریں۔ بہتر ہے باہر آ جائیں۔ ہو سکتا ہے وہ واپس چلے گئے ہوں"۔

اس نے واپسی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"تم پہلے میرے سوال کا جواب دو پھر باہر جاؤں گی"۔ وہ حکمیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"کہاں سے کر گئے تھے حصور ہریلی؟" وہ شکریہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"وہ صاحب سے ہم چھپیں۔ یہ ان کے معاملات ہیں"۔ اس نے دو ٹوک جواب دیا۔

"میں تمہارا چہرہ پھر کر دوں گی۔ بہروپ بھر کر اس سب کے بعد تو کہہ سکتے ہو"۔ وہ ضد پر اتر آئی۔

"وہ پہلے ہی کر رکھا ہے"۔ وہ زیر لب مسکرایا۔

"جھومر بھابی اب سے بچوں میں پہلے ایسی نہیں تھیں۔ کسی بڑی طرح تمہارا بیچ لو ہے دکھ سے جو ہوا اس کی وجہ سے ان کی ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہتے سنا تھا۔ اور سے بیٹے کو گھر بھیج دیا۔ اور تمہاری شکل نہ دیکھوں"۔

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔ اس وقت سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ تو وہ شریف انسان کہلانے کا حق دار ہو سکتا تھا۔ بات یہ تھی کہ حویلی کے کسی فرد نے اسے کبھی اس طرح مخاطب نہیں کیا تھا۔ اس کی سن گن مل گئی تو؟ اس کے جھومر کے بے خوف ہونے کی وجہ یہی تھی۔ ابھی تو شرارت کی بجلی لبِ روشنی تک آئی تھی۔

وہ آگے بڑھا۔ روشنی کے قریب آیا۔

"آپ ہوں گی۔ اس پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیں گی؟ اگر آپ یہ کریں گی تو مجھے حویلی کے کسی فرد سے بھلائی کی امید نہیں رکھنا چاہیے۔

میں مجرم کی طرح اپنی صفائی پیش نہیں کروں گا۔ نہ آپ مجھ سے اس طرح کی کوئی امید رکھیے گا"۔ اتنا کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ گیا۔

روشنی نے سر اٹھا کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ اور اس کے محتاط رویے میں ڈوبنے لگی۔ بلکہ ایک ایک نقطہ پر غور کرنے لگی۔

"بڑا عجیب ہے یہ شخص"۔ اس کا دل بے ساختہ بول اٹھا تھا۔

"جھومر بھابی بلاشبہ بہت حسین ہیں۔ ان کی شخصیت بہت دلکش ہے۔ اور پھر وہ ایک بے ضرر اور معصوم انسان سے وابستہ ہیں۔ سب سے بڑھ کر خوبصورتی آباد ہیں۔ سو جہاں سے ملے ہیں۔ یہ لمحے مختصر سہی مگر بہت اچھے گزرے ہیں۔ ہو سکتا ہے اور بھی ملیں۔ ہو سکتا ہے اور بھی پاس سے دیکھنے کا موقع ملے۔ ہو سکتا ہے ان کا تعارف بڑھے۔ ہو سکتا ہے اور بھی ان کے قریب آنے کا موقع ملے۔ ہو سکتا ہے اور بھی ان کو پرکھ

لیں۔

"لو بھلا۔ اب ہم آپس میں بھی بات نہ کریں۔ کیا اس بھوری ہے؟" یہ کہہ کر وہ کافی استانی پن سے گویا ہوئی۔

"یہ بھورے بھائی کو اسٹے اسیر سے زیادہ بڑی امی نے بنا کر دیے ہیں؟" تانیہ کو پھر چڑانا ضروری سمجھا گیا۔

"نہیں۔ فطری اصلاح (اکھاڑ کر لاتے ہیں)"۔ لالی کو اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ہوا کر دیا گیا۔ تانیہ تلملا کر رہ گئی۔

"توبہ۔ کس قدر حسین تھا"۔ روبی نے بے ساختہ کہا تھا۔ ان سب کا ہنسی سے لوٹ پوٹ ہونا بھی اسے شریر انداز میں کہا تھا۔

"توبہ کس بات کی؟ حسین ہونا گناہ ہو سکتا ہے۔ حسن کی تعریف کرنا تو گناہ نہیں۔ تو یہ ہنسی کم از کم چاہیے ہمیں لینی" روبی

اتنے میں گلنار خاصی پریشانی میں ان کی طرف آ گئی تھیں۔

"ارے تم نے زوبی کو کہیں دیکھا؟"

"نہیں۔ ہم تو سب آج ایک ہی جگہ ہے ہیں"۔ روبی نے ہنسی ہاتھ سے کر معصوم ہونے کی اداکاری کی۔

گلنار نے اس کی نظر کا خاتمہ کیا۔

"ہاں بھئی ضرور دیکھنے کے لائق ہیں۔ مگر مجھے فی الحال زوبی کا پتا بتاؤ"۔ انہوں نے قدرے جھڑکنے انداز میں کہا۔

"آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا؟ کمال ہے"۔ لالی ان کی بے نیازی پر واقعی حیران تھی۔

"خاصی اچھی اثر دینے کے بعد ہوش آیا تو اس میں واپس آئی ہوں"۔ انہوں نے مسکرا کر ہونا کو گھورا۔

"تم لوگوں کے اعصاب۔ بھال کرنے کیلئے مرچوں کی دھونی دوں یہاں؟" وہ ہنسیں۔

"لاحول ولا قوۃ۔ اتنے بھی کمزور اعصاب نہیں ہیں ہمارے۔ کہ مرچوں سے گھبرا جائیں۔ بس ذرا ہمیں حسین نہیں ہیں"۔ ہونا نے نخوت سے ناک چڑھا کر اپنے تئیں اس قابل میں کہا۔

"چپ نہیں۔ اتنا دل بھی ہے یا نہیں۔ چھوٹا ہے ہونا تو بڑا کا مسئلہ ہے"۔ روبی نے استہزائیہ انداز میں روبی کے کان میں کہا۔

"لو۔ اب ایک بھی" بے دل" نہیں ہو سکتی ہیں۔ تو کیا یہ ہماری قرنل پاور انسٹیٹیوشن سے ہیں رہی ہیں؟" ہونا نے سرگوشی میں کہا تھا۔

بے ساختہ ہنسی کی آوازیں ابھری تھیں۔

معصوم نے غیب صورت تیز نظروں سے ان ہنستی لڑکیوں کی طرف دیکھا تھا۔

پھر ایک سرد سی نگاہ عالیہ پر ڈالی تھی۔

قہقہہ شروع ہو چکا تھا۔ اور اس دوران کسی کو محسوس نہ ہوا تھا۔ کہ معصوم کب اٹھ کر چلا گیا ہے۔

اور اٹھ کر پیڈال سے باہر نکل آیا۔ روبی تو پیشہ ور جاسوسہ کی طرح اس پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ خاموشی سے اٹھ کر اس کے پیچھے باہر آ گئی۔

معصوم سڑک کی جانب بڑھا جا رہا تھا۔ جہاں بہت سے بچے جمع تھے۔ وہ ان کے درمیان سے گزرتا ہوا سڑک پر آ گیا تھا۔ روبی اس کے پیچھے تھی۔ ایک رکشا سے وہ قریب ہو لی تھی۔ معاً اس نے دیکھا معصوم نے اپنے بچے ہوئے تمام کارڈ اپنے جیب سے نکالے اور ان کو پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ روبی اس سے خاصے فاصلے پر جا کر اس کے دوبارہ کے لیے کھڑی تھی۔ یہ تھا وہ۔ جس کے احساس سے وہ لرز اٹھی تھی۔

اسے جانے کیوں حیرت نہیں ہوئی۔ اب اس کے پیچھے سے ہٹ کر ہاری ہوئی آتے دیکھا۔ اس کا چہرہ بجھا ہوا تھا۔ روبی اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گئی تھی۔ مگر ساتھ ہی واپس پلٹ گیا تھا۔ روبی کو اس کی آنکھوں میں حیرت ہوئی تھی۔

وہ اپنے خیالوں کے دوام میں گم رہا تھا۔ معصوم اپنی منزل تک پہنچ کر پیدل میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا تھا۔

روبی الجھن کے عالم میں کھڑی رہ گئی تھی۔

"معصوم بھائی اگر یہ ہو گئے ہیں تو کیا ہوا۔ ہاری تو ہے ہو گئے ہیں۔ ظاہر ہے انسان بھرے پڑے ہیں۔ کسی کی بھی ٹھوکر لگ سکتی ہے"۔

روبی اپنی گفتگو ہی پر بڑے مطمئن انداز میں واپس بڑھ گئی تھی۔

"کیسے کیسے لگے تمہارے۔ صرف صورت دیکھ کر ہی اپنا سب کچھ نثار کر دیا"۔ اس کے لہجے سے ہوک سی اٹھی تھی۔

"ہیلو۔ اسلام علیکم۔ آپ کون؟"

"خان ہوں اور عرفی خان بات کر رہا ہوں"۔

"عزت افزائی ہے بھئی"۔ خان کو حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ فوری طور پر۔

"کیا حال ہے بیٹے آپ کا؟"

"شکریہ۔ ٹھیک۔ بہت اچھا ہوں۔ دعا ہے آپ کی"۔ خان کی حیرت ہنوز تھی۔

"ماہین بیٹی کیسی ہے؟"

"جی۔ وہ بھی اللہ کا کرم ہے بالکل ٹھیک ہے"۔

"بیٹے بات یہ ہے کہ ہماری طرف سے ایک دو روز میں تمہیں تسلی ہو جائے گی۔ اس لئے کو بہت سکون اور تحمل سے بیٹھنا۔ اور کچھ سوچ وچار کے ہمیں اس کا جواب بھیجنا۔ ہمیں فون اس لئے کر رہے ہیں کہ جلدی کا پڑ ہے۔ بیٹے۔ سن رہے ہو؟"

"جی۔ سن رہا ہوں۔ آپ فرمائیے"۔

"بس اور کچھ نہیں کہنا۔ بس اتنی ہی بات تھی۔ اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔ واپس بیسٹن آ رہے ہو یا واپس پیٹسبرگ جانا ہے؟"

"ابھی تو فی الحال جانا ہی ہوگا۔ بقایا کام وہیں پیٹسبرگ میں تو ادھورے ادھورے ہیں۔ آپ غور کیجئے"۔

نعمان کا دھیان اب آنے والے کی طرف مستقل تھا۔ وہ باہر سے موٹر کی ہارن بجا رہا تھا۔

"ہاں یہ تو ہے اچھا۔ فیر۔ خدا حافظ"۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

نعمان کے ہاتھ میں ریسیور چند سیکنڈ تک جوں کا توں رہا۔

"کس کا فون تھا نعمان بھائی؟" مائین کچن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے وہیں لاؤنج میں چلی آئی۔

"خان اللہ ولی خان صاحب کا"۔ نعمان کے انداز میں ہنوز گہری سوچ کا تاثر واضح تھا۔

"مائین چونک پڑی تھی۔ اس نے بڑی جانچتی نظر نعمان پر ڈالی تھی۔ وہ واقعی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا لگ رہا تھا۔

"کیا فرما رہے تھے خان صاحب؟" اس نے لب و لہجے سے خاص تاثر ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"کچھ نہیں"۔ وہ اسی طرح سوچ میں گم سا ہوا تھا۔

"کچھ نہیں"۔ مائین نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔ جو کہہ رہے تھے انہوں نے میرے بارے کوئی تفصیل خط لکھا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں۔ خط تو انہوں نے کبھی میرے باپ کو بھی نہیں لکھا۔ اب کیا معاملہ پیش آ گیا ہے"۔ اس کی الجھن بجا تھی۔

مائین کا دل دھیرے سے مسکرایا۔ پھر اسی قوت سے پھیلا۔

"چائے لاؤں آپ کیلئے؟" وہ واپس مڑی۔

"لے آؤ"۔

"ویسے کیا تمہیں حیرت نہیں ہے؟" نعمان نے اس کے نارمل انداز کو بہت محسوس کیا تھا۔ وہ بہت قریب سے اس کا ری ایکشن دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اللہ ولی خان کا فون اور خط آنا کوئی عام بات تو نہیں تھی۔

فون آنے کے بعد سے مائین ایک عجیب سے انتظار میں مبتلا ہو گئی تھی۔ حالانکہ نعمان خود ہی وہ الجھن پیدا کر کے معمولات میں مگن ہو گیا تھا۔

"دو دن بعد ایک رجسٹرڈ لفافہ نعمان کے نام آیا تھا۔ نعمان گھر پر نہیں تھا۔ مائین کالس۔ پتا تھا کہ لفافہ چچا جان کا ہو سکتا ہے۔ اس نے لفافہ نعمان کے کمرے میں سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور پھر کمرے میں جب بھی کسی کام سے گئی لفافے پر ایک نظر ڈالتی۔ اپنا کوئی ضروری کام سمجھا۔

جانے کیوں کسی کام میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ ذہن بس لفافے کی طرف ہی لگا ہوا تھا جیسے اس میں جانے کون سا آنکھوں سے اوجھل بھید آ ہو گا۔

شام ڈھلے نعمان گھر آیا تھا اور حسب معمول سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ مائین دم لگائے لاؤنج ہی میں بیٹھی تھی۔ ہر دم یوں محسوس ہوتا تھا جیسے نعمان نے اسے آواز دی ہو۔

کافی دیر گزرنے کے بعد بھی جب کچھ نہیں ہوا تو وہ بے بازوں دروازے تک آئی۔ وہ اتنا بہت آہستگی سے معمولات

[illegible] کمرے میں نہیں تھا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ مائین نے واپس مڑنا چاہا۔ اسے اپنا [illegible] سا محسوس ہوا۔ نعمان کھڑا ہوا تھا۔ اس کا باقی چہرا [illegible] تھا۔ وہ اسے [illegible] کر رہا تھا۔ [illegible] کی طرف تھا۔

نعمان بھائی نے خود سے ہر دکھوں کا اظہار کیا ہے۔ مائین نے [illegible] خاص بات لکھی تھی؟

نعمان کیلئے چائے بناتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

عجیب عجیب سوچوں میں الجھے الجھے اس نے چائے بنا لی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی نعمان کے کمرے میں آئی۔

نعمان بیڈ کے کنارے بیٹھا تولیے سے بال رگڑ رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے مائین کی آہٹ سن لی تھی۔ وہ اندر آ گئی تھی۔

نعمان نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ مائین کی تمام حسیات نے محسوس کر لیا کہ اس نے بہت خاص انداز سے اسے دیکھا تھا۔

"تو بھئی آج تو چائے کی بہت طلب ہو رہی تھی۔ آفس میں بہت مصروفیت رہی کہ چائے پینے کا بھی موقع نہیں ملا"۔ اس نے بشاشت سے کہا۔

مائین نے نعمان کا موڈ سمجھنے کی کوشش کی۔ کیا کب یہ خاطر خواہ ہوتی۔

"بیٹھو جاؤ کھڑی کیوں ہو؟" نعمان نے تولیے سے سر رگڑتے ہوئے کہا۔

مائین جلدی سے یوں بیٹھ گئی جیسے بیٹھنے کیلئے اسے واقعی کسی تاکید یا حکم کی ضرورت تھی۔

"پھر تو آپ بہت تھک گئے ہوں گے"۔ اس نے ہمدردانہ لہجہ اختیار کیا۔

"ہاں تھکن تو ہو جاتی ہے مگر — رات بڑی ہے آرام کر لیں گے"۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"جی"۔ مائین نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"بابا نے کام بہت پھیلا دیا ہے۔ سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ عملہ بھی کوئی خاص نہیں ہے۔ [illegible] ہے"۔

مائین بے صبر ہو رہی تھی جبکہ نعمان کو اپنے کاروبار کی پریشانیاں بتا کر زیادہ مصروفی لگ رہا تھا۔

"کھانا گھر پر ہی کھائیں گے ناں؟" اس نے خاصی سرد مہری سے پوچھا۔

"ہاں آج ہم صبح تک گھر پر ہی ہیں"۔ وہ مسکرایا۔

اس کے کسی انداز سے محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ خط میں کوئی غیر معمولی بات ہے۔ مائین الجھن میں پڑ گئی تھی۔

"اور کیا کرتی رہیں سارا دن؟" نعمان نے چائے کا کپ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔

"بس امی روزانہ کے معمولات۔ بس ذرا آج ان کی صفائی کی تھی۔ وہ اطمینان سے آرام کر رہی ہیں"۔

اس نے کرسی پر سر کو ڈھیلا چھوڑ کر اطمینان سے جواب دیا۔

"ہوں"۔ نعمان نے بنگلا [illegible] جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔

'بابا چاہتے تھے کہ اب تم پاکستان میں رہو۔ بلکہ مستقل یہیں پاکستان میں رہو۔ اب مجھے نہیں معلوم تمہارا کیا ہے۔ کیا سوچا ہے تم نے اس کے بارے میں؟" نعمان نے اچانک بات شروع کر دی تھی۔ وہ چونک کر بولی۔

'بابا تو یہی چاہتے تھے کہ آپ کی شادی یہیں کر دی جائے پھر آپ اپنی بہن کے پاس چلے جائیں۔ وہ کہتی تھیں کہ انہوں نے تمہارے بارے میں سوچا تھا مگر فرق اتنا ہے کہ وہ تمہاری پھوپھو اور ابو کی خالہ تھیں۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ تمہارا خیال تھا تمہیں اپنے لائف پارٹنر کے ساتھ یہیں رہنا چاہیے۔" نعمان نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی۔

وہ خاموش بیٹھی ناخن کھرچتی رہی۔

"داور علی خان صاحب کا خط آیا ہے۔" نعمان نے اچانک سے مطلع کیا۔

"جی، وہ میں نے خانسامے پر دیکھ لیا تھا۔"

"مجھے بڑی حیرت ہوئی ان کا خط دیکھ کر۔ شاید انہیں اس طرح کی بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔" نعمان نے سوچتے ہوئے کہا۔

"کس طرح کی بات؟" ماہین نے اطمینان ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"انہوں نے یاور بھائی کیلئے تمہارا رشتہ مانگا ہے۔ ہاں تعجب کی بات؟" نعمان بہت ہی سنجیدہ تھا۔

"کیوں اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" اس نے بہت دھیمی آواز میں سوال کیا۔

نعمان نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ اور خاصی دیر دیکھتا رہا۔

"تمہیں حیرت نہیں ہوئی؟" بالآخر وہ بولا۔

"اس سے پہلے بھی تو میرے رشتے آئے تھے۔" ماہین نے اسی اطمینان کا مظاہرہ کیا۔

"مگر اس رشتے کی خاص بات یہ ہے کہ یہ ہمارے بہنوئی کا پروپوزل ہے۔ دوسرے تمہاری اور ان کی عمر میں بہت فرق ہے۔ تیسرے ہم تو ابھی نازیہ کا صدمہ دل نہیں کر پائے۔" نعمان نے دلائل دیئے۔

"نازیہ کے مرنے سے تو میں ہو آئی ہوں۔ رہی آپ کی یہ بات کہ عمروں میں بہت فرق۔" وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔

نعمان بے تابی سے اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

"ہاں ہاں بولو رک کیوں گئیں۔"

"انسان کی ایک نیچر بھی ہوتی ہے اور دوسری ویلیو۔ میں ان سے ذہنی فرق محسوس نہیں کرتی۔" اس نے جیسے بہت مشکل سے کہا۔

نعمان خود پر قابو پانے میں مہارت نہ رکھتا تو شاید اچھل پڑتا۔ وہ اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ ماہین یونہی بیٹھی رہی۔

"اگر کوئی کمٹمنٹ تھی تو مجھے آگاہ کیا ہوتا۔" آخرکار وہ گم صم سے انداز میں گویا ہوا۔ ماہین خاموش رہی۔

"یہ ٹھیک ہے وہ واقعی بہت ہینڈسم ہیں ہر لحاظ سے اور قابل بھی بہت ہیں مگر اب میں دوسری بار اس حادثے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔"

"اسے وہ اپنی بدقسمتی سمجھ کر بھول جائے۔" وہ اسی طرح بولی۔

"مگر وہ علی خان آپ کی دل میں بستے ہیں۔" نعمان کو بہت غصہ آیا تھا۔

"مگر میں ان کو نہیں ہوں۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔

میں کھڑا دیکھتا رہ گیا۔ وہ اس کی شکل دیکھتا رہا۔

"مجھے پتا کہاں تھی ہوا کیا تھا بات ہو رہی ہے۔" نعمان دھیمی آواز میں بولا۔

"میرا خیال ہے، بات مکمل ہو چکی ہے۔" وہ بھی بہت سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"مرضی تمہاری مگر جانے کہاں میں سلطان نہیں۔" الجھن کے آثار نعمان کے چہرے پر ہویدا تھے۔

"آپ پریشان نہ ہوں بھائی۔ میں بچی نہیں ہوں۔ وہ موبائل والوں نے کسی طرح کو، ہوں۔ مجھے ان طریقے کے لوگوں سے الجھن آتی ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ رکی نہیں بلکہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

نعمان حیران پریشان سا بیٹھا یہ دیکھتا رہ گیا۔

یہ کمرے کی دھندلاتی موتیوں کے ہار

یہ روشنی کا خمار

پھر بھی کتنی سنسان ہو تم۔ تم کتنی سنسان ہو

رانی ہولے ہولے اپنے پاؤں کو ہلاتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔

وہ کتاب ہاتھ میں لئے چپکے سے آکر صوفے کی حسین پر بیٹھ گئی تھی اور اس کا خوبصورت گیت ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

"یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔ وہ واقعی اتنی حسین ہیں کہ انہیں کسی سنگھار کی ضرورت ہی نہیں۔" اس نے کتاب نیچے رکھ کر بڑے انداز میں گردن ہلائی۔

رانی نے ہولے سے چونک کر پلٹنا۔ سر کو کاٹن کے سوٹ میں ملبوس مجرے کے درمیان بیٹھی وہ ماحول میں عجیب سی کشش کا باعث بن رہی تھی۔

رانی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ البتہ گیت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

"سانگھڑ والے روز تو بہت ہی غضب ڈھا رہی تھیں۔"

رانی نے چند سوالی ہوئی آنکھوں سے اس کی سمت دیکھا۔

رانی اس مرتبہ بھی بالکل خاموش تھا۔

"مگر تم تو بہت مصروف تھے تم نے شاید ہی دیکھا ہو۔ حسن ہے جیسے تصور ہو۔ وہ تو رنگ روپ سے بھرپور ہیں۔"

"اور تو پھر انہوں نے سنگھار کیا ہوا تھا۔" وہ پھر بولی۔

ہاری ہوئی تھی۔

"تمام عمر نے خان بھی کے لئے کہا ہے کہ تم جس رنگ سے کپڑے پہنو گی وہ سوہنا ہو گا۔ تم جس طرف چلو گی روشنی ہو جائے۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"کیا وہ سچی محبت ہے ان سے۔" وہ پھر بولی۔

"تمہارا بھی کوئی تھم نہیں۔ وہ تیرے ہی ایسی ہیں۔" وہ اس کی بیٹھ کو تھپکنے لگی۔ ہاری باپ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"ایسے آج کل ملاقات کی کیا تکنیک بنی ہے۔ موبائل سے باہر تو تیرے تمہاری ہوتی تھی۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"ایسے یاد ہے کیسے تھا۔ کیا بچپن میں گھوڑے سے گر گئے تھے؟ مگر یہ تو دیکھ مشکل ہو گئی کہ وہ دن تھے بھولے ہوئے کل تو اس طرح زلفیں تھام تھام کر ہاتھ باندھ کر بیٹھتا ہو گا۔ ہو سکتا ہے بچپن میں تم لڑکوں سے بہت لڑتے رہے ہو۔ یہ کوئی تم میں سے ہاری ہوئی تھی۔ ہے؟" وہ بے تکان بولی رہی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ پہل کس نے کی تھی؟"

ہاری نے اگلی کیاری کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے۔

"ایسے امکان ہے ہی مرتی ہوں گے پہلے یہ گیت گاتے ہوئے

بیاہ کے بعد نے کیسی ہوا دیں گے

اور کیا ہمیں مرکا دیں گے

اس پہ ہے ناز تو بہ ۔ الف یا انداز تو بہ ۔ !

آپ تو جیتے ہی ہی مار دیں گے

وہ مسکرا دی تھی جیسے اسے زچ کر کے اپنی مسرت ہو رہی تھی۔

"ہائے، وہی تم یہاں ہو۔ پتا نہیں چلتا تمہارا۔ کلو تمہیں اکثر ہاری آباد صاحب تمہیں پکار رہے ہیں۔" وہ اسے دیکھ کر شرمسار ہو گئی تھی۔

اس نے منہ گھما کر دیکھا۔ البتہ ہاری نے اطمینان بھری سانس لی۔ اور اپنے پاؤں پر پانی ڈالنے لگا۔

روشنی بڑھا صاحب کا کمرہ کھلا ہوا تھا۔ وہ بھی اس سے پہلے اندر غائب ہو چکی تھی۔

اس نے ہاری سے بڑھا صاحب کے بلاوے کے بارے میں پوچھ لیا تھا۔

"ہوں" "ہاں"۔ بڑھا صاحب کی بڑھاپے بھاری آواز ابھری۔

وہ اندر آئی۔ بڑھا صاحب حقہ کی چلم لگانے پر تھے۔ کون سے کھانے چیک کر رہے تھے۔

انہوں نے چلم لگا کر اس سے بھاتک کر آنے والے کو دیکھا۔

"تم کہاں تھیں۔ میں کب سے تمہیں بلا رہا ہوں۔ کہاں تھیں؟ کیا سو رہی تھیں؟"

وہ بیٹھ کر اپنا دوپٹہ سنبھالنے لگی۔

"کیا کہیں بڑھا صاحب۔ میں تو آپ کے پاس ہی آ رہی تھی۔"

"ہاں ہاں۔ تم نے آنا ہی تھا۔ مگر تم کہاں چلی جاتی ہو۔ اسے اپنی کمر کی بڑھاپے کی وجہ سے سوال۔ پہلے تھے وہ بیٹھے ہوئے اس نے سیدھا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کی۔ اس میں بھی تکلیف ہو رہی تھی۔ اور تمہارے باپ کو بہت شوق ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے کا۔ آج ایسا کرو تم ہمارے ساتھ ہی کھانا کھا لو۔"

بڑھا صاحب بڑی تیز نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے مجھے کسی کام سے بلایا ہے بڑھا صاحب؟" اس نے الجھ کر سوال کیا۔ اور اس کی بات کاٹ کر بڑھا صاحب نے مسکراتے ہوئے بڑی بڑی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"ہاں بھئی کام تو ہے تمہارے ہی ذمے۔ تم سے آج تک کوئی کام کروایا ہے کسی نے؟" وہ مسکرا دیئے۔

"بڑھا صاحب ہم پوتے ان ہوئی۔

"اچھی ہیں۔ تم سے پہلے تم جیسا اپنے باپ سے کتنا پیار ہے؟" وہ بیٹی کی بیٹھ سے ٹیک لگا کر نرمی سے بولے تھے۔

"بڑھا صاحب، میرے قبیلے میں سب بچوں کو اپنے باپ سے بہت پیار ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اسی لئے تو آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔"

"تم بہت اچھا جواب دے کر ہمیں خوش کر دیتی ہو۔" وہ ہنس دیئے۔

ہاری نے بڑھا صاحب کی سمت دیکھا۔

"اگر تمہیں پتہ چلے کہ تمہارے باپ کو ایک بات سے خوشی مل سکتی ہے تو تم کیا وہ بات کرو گی؟"

وہ ہاری کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"میں ساری دنیا سے لڑ کر انہیں خوشی دینے کی کوشش کروں گی۔ میں اس عمر میں انہیں تو نہیں کہہ سکتی ہوں کہ دنیا سے کس لئے۔ ہاں، وہ بھی تو ہیں۔" اس نے بہت پرجوش انداز میں جواب دیا۔

"شاباش، تم واقعی ہاری خان کو اپنے بہت قریب محسوس کرتی ہو۔ تم ان کی بہت اچھی بیٹی ہو۔" انہوں نے خوشی سے

[illegible]

ہاری خاموش ہو کر ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

[illegible] نے صبر کی تلقین کی ہے اپنے والد تک پہنچ رہی ہے اور اب بڑھا صاحب صبر کا طریقہ سمجھا رہے ہیں مگر اس عورت نے قاتل کہا ہے وہ بیٹھ کیا ہے مجھے مگر یہ سب ان پر سوچ نہیں [illegible]

وہ خاموش ہو کر اور بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"کیا سوچنے لگے ہاری اچھا ہے تو تمہیں اپنی خاکسار کیسی لگیں؟"

...تی کو پھر ایک جھٹکا لگا۔ اب خاموش ہو کر کیا سنتی؟ اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی آنکھیں
"خاموش بہت دکھی ہیں جو اب ہی ملیں ان کا بہت سا دکھ بہہ گیا" ماں نے کوئی کے دل کو بہلانا چاہا۔
"اگر ہم ہمیشہ کیلئے یہاں سے آ گئیں تو ؟" ملاد علی خان نے بیٹی کی طرف دیکھا۔ دل کا دکھ اور
گئے۔

"ضرور لے آئیں گا یہ سب کے لئے بہت بڑی خوشی ہو گی مگر کیسے؟"

چاچا کے سوال پر سب کی آنکھیں جیسے بڑا ہو کر سہم سی گئیں۔

"تمہارے اب سے نکاح کے بعد وہ ہمیشہ کیلئے یہاں آ سکتی ہیں"۔ انہوں نے اخبار سمیٹ کر کے اپنے سامنے رکھ
لیا۔

...تی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ خوشی کو دی۔

"یہ ہو جائے گا مگر اتنا آسان تو نہیں ہے"۔ وہ بجھ گئی۔

"وہاں کے ہیں"۔ ...اصاحب نے اطلاع دی۔

...وشی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور خان؟" اس نے کسی انجانے خدشے کو اپنے آپ پر حاوی ہوتا محسوس کیا۔

"وہ بھی آ جائیں گی ہیں"۔ انہوں نے اپنی مخصوص متانت سے جواب دیا۔

"تو پھر ...کس بات کی ہے؟" ...وشی مکمل ہو گئی تھی اس لاپتی چاہ تھیں کرنے لگے۔

"کسی بات کی نہیں"۔ اس ایک لفظ پر پھر ...وشی کے چہرے پر اداسی کا سایہ لہرایا۔ "...اصاحب نے بڑے سوچ کر
منع کیا۔

"یہ ...انہیں کہاں رہائش ہے۔ کیا بھائی کو یہ احساس نہیں کہ بہن نے کتنی مشکل سے وقت گزارا ہے۔ کوئی خوشی نہیں
پہلے ایسا سال سے نہیں لی۔ ہے تک ...وشی کے ہیں سال کم تو نہیں ہوئے۔ ایک سال کی تین سو پینسٹھ راتیں
کے آنسو بہا بہا کر ...وشی کی خاطر ہو گئی"۔ ...وشی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

...اصاحب ...وشی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جس کی امید انہیں ہو اسے تھی اور ...وشی خاموش ہو گئی۔

"بھائی کو دعوت نامہ کوئی نہیں بھیجنا۔ مکمل اس لئے کہ لوگ سمجھ نہ لیں۔ ہم ایک بیٹے جا رہے ہیں اپنے
کے لئے بھیجیں گے۔ جلد از جلد ...وشی کو کوئی اعتراض نہیں۔ میں بھائی سے بات کروں گی۔ انہیں ان کی خود غرضی پر شرمندہ
کروں گی"۔ وہ ...وشی سے کہہ رہی تھی۔ ...وشی کے ...اسے۔

"بھائی"۔ ...اصاحب نے اخبار سے اپنا چہرہ ہٹایا۔

وہ ان کے قریب آ گئی۔

"بھائی"۔ ...ان کا گلا بھر آیا۔

...ب نے ...تی سے بڑے شفیق انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

...صاحب بہت کم بولتے تھے۔ مگر جب بولتے تھے تو دل کھول کر۔ "بیٹا ...تم تو بڑی سمجھدار ہو گئی ہو"۔

...ی روز خیر الٰہی نہیں بھیجا اس انسان کو اپنے اندر جھانکنا آ جائے تو وہ دوسروں کے احساسات کو سمجھنے کے قابل
...ہو جاتی ہیں مستورات کے ...ہو گیا۔

"کچھ باتیں سمجھ میں آ جاتی ہیں اب تم جا سکتی ہو"۔ انہوں نے اجازت دی۔

"...صاحب ایسا بہت کام مکمل ہو گا وہیں تو ہے ہمیں سے سرجاؤں گی"۔ وہ جانے لگی۔

"...ہت جلدی مگر سب کچھ بہت خاموشی اور سادگی سے ہو گا اور تم فخریہ کرو گی ان سب سے پہلے میں ...تی۔

...ہنے ہوئے انہیں مستقبل کی پوری ہے۔ لے جا سکتا"۔

...اصاحب نے بڑے معصوم سے انداز میں جواب دیا۔

...ی ایک خوبصورت سے احساس سے سرشار ان کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

...سو بھائی نے اپنی بیٹی کو کل خان بھی آنے والے ہیں"۔ بیوی نے بڑے سے کمرے کا ...لائٹ جلا دی۔

"...وہ ہیں بھی ...ہیں کہاں بس کچھ اپنا علاقہ ہے جائے کہاں کھو گئے ہیں ہم

تم سے تو ان کے پاس ملاقات ہو گئی

میں خود کو ڈھونڈنے بہت دور تک گیا

...ہار سے ...ہا

"...ہا کی محفل میں آنسو بہا تیں جن کا حاصل نہ وصول خراٹوں کا ہو پینا۔ خوشی کو کل بھی آخری نہیں ہونی چاہیں
...ہے آ جائے گا جانے خفا کی ہو جائیں۔

ہو آیا ہے خوشی کی انجا پر

بہت روئے تھے اس آنسو کی خاطر

...ظر ...وشی کو اور ...وشی کی طرف دیکھتے ہوئے بولش کرنے جا رہی تھی کیونکہ سے کے موت میں کوئی تیار تھی جیسے کہیں جا رہی

...

"کہیں جا رہی ہیں؟"

"کل جا رہے ہیں۔ ...ہو تعریف کر رہے ہیں ضرور ہی چھوڑنے آئے جائے گا؟" وہ سمجھ کر بولی۔

...ے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "میں سمجھا نہیں"۔

"میں ...ہو رہے ہیں تو یہاں رکیں گے"۔ وہ جھجکتی اور باہر نکل گئی۔

عارف کی تمام حسیات بیدار تھیں۔ نہایت دھیمی آواز کے باوجود وہ جملہ اس نے سن لیا تھا۔ وہ اپنی جگہ

باہر برآمدے میں ہالم چائے لے آئے تھے۔ قہقہوں میں اس نے مداخلت کر دی تھی۔

اس نے ٹرے ایک تپائی جیسی میز پر رکھ دی۔ وہ بہت الجھا ہوا تھا۔ ہالم کی بھی کچھ باتیں اسے سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا ہالم کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

ہالم نے قمر داس سے چائے لی اور اس کے سامنے رکھ دی۔ ساتھ ہی نمکو، بسکٹ وغیرہ بھی رکھ دیے تاکہ وہ اس میں سے کچھ لے سکے۔

"لال خان نہیں آیا ابھی تک؟" اس نے چائے کا کپ اٹھایا مگر نظریں نہیں اٹھائیں۔

"آتی جائے گا، زیادہ دیر نہیں۔" ہالم نے مختصر جواب دیا۔

عارف کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

خاموشی دبیز دھند کی کیفیت میں رہی۔

"آپ کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے، اب تو آپ کے پاس اس کی امانت ہے۔" عارف نے ہلکی پھیکی آواز میں احتجاج کیا۔

"ہونہہ! امانت! میں اسے کچھ نہیں دوں گی، اس کمینے لال خان کو۔ اسے تو کھوپڑیوں کے ہار میں ٹانک دینا چاہیے۔" وہ غصے سے بھڑک کر بولی۔

"کیا کریں گی آپ؟" عارف خوفزدہ سا ہو گیا۔

"میں اس کے بچوں کی ماں کبھی نہیں بنوں گی، ایک کانٹا مستقل میرے دل میں ہے، ایک کانٹا اس کے دل میں بھی ہونا چاہیے۔" وہ بڑی سفاک نظر آ رہی تھی۔

"وہ آپ سے بے حد محبت کرتا ہے اور محبت کرنے والوں کو تکلیف دیتے۔" عارف نے سمجھایا۔

"محبت کیوں نہیں کرے گا، اس کی تو لاٹری نکل آئی ہے۔ پانچ روپے کے ٹکٹ پر پانچ لاکھ کا انعام۔" لہجے کی تلخی آگ اگل رہی تھی۔

"یہ اوش کی بات نہیں ہے۔" عارف بس یہی کہہ سکا۔

"آپ تو خود بے ہوش رہتے ہیں۔" ہالم نے طنز کیا۔

"ہمیں ہوش کے ساتھ پڑھایا گیا ہے۔"

"مگر صبر ہی بے ہوشی نما ضبط میں کسی کے لیے بھی ان تھک کرنے کا ایک انداز ہے۔"

اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا

رات آ کر گزر بھی جاتی ہے

اس موسم کر کیا کیجیے
ہے قرار کی کیا کیجیے
روح تک نہیں ہلی

[illegible] آپ [illegible] ہے۔

[illegible] آپ بھی [illegible] کے شریک ہیں۔ کبھی کبھی تو ہوتا ہے آپ [illegible] ہیں [illegible]

[illegible] ہے۔ لال خان [illegible] ہے۔

[illegible] آپ لال خان کو [illegible] چاہیے۔" بالآخر وہ آہستہ سے بولا تھا۔

اس نے کپ [illegible] اور [illegible] کی طرف دیکھا، اس کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

اس نے کپ [illegible] اور [illegible] ہوئے صرف نظریں اٹھائیں اور بالکل چبا چبا کر بولی۔

اپنے [illegible] ہیں، [illegible] سے پہلے
[illegible] ہے ہوس عشق میں گھر سے پہلے

وہ آپ کو کرا لیتا تو [illegible]۔

ہاں کہیں میں [illegible] آخری [illegible] گھر بیچا تھا۔ [illegible] کے آنے سے [illegible] ہو جاتا ہے۔ عورت کا [illegible] کے [illegible] ہے۔

[illegible] میں [illegible] آپ کے ساتھ ہی گھر سے نکلوں گی۔ آپ کے آنے سے [illegible] ہوئے ہوں گے۔ [illegible] یہاں [illegible] کہا گیا ہے "وہ [illegible] کر [illegible] ہوئی [illegible] گزر جاتی ہے۔"

عارف اپنی جگہ پر [illegible] ہو گیا تھا۔ سامنے لال خان کھڑا تھا اور ششدر سا دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

عارف نے نظریں [illegible] اٹھائی نہیں۔ لال خان اس کی طرف دیکھنے کی بجائے صرف ہالم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"لال خان، میں [illegible] ہوں۔" آواز نہیں ہوں۔ یہ کمزور اور کم عقل ہے۔ اسے کچھ کہنا بیکار ہے۔ اس کے بعد [illegible] میں [illegible] محبت والی [illegible] کہانیاں [illegible] جاتی ہیں۔ [illegible] پلیں تو بہتر رہتا ہے۔ اب ہمیں ایک دوسرے سے نہیں ملنا چاہیے۔ خدا حافظ۔"

[illegible] سے آگے بڑھ گیا۔ لال خان نے اسے روکا نہیں۔ کچھ دیر ساکت کھڑا رہنے کے بعد وہ قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ہالم نے جاتے ہوئے لال خان کو ایک نظر دیکھا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر نہیں تھا۔ نہ غصہ، نہ ہی [illegible] پرسکون نظر آ رہی تھی۔ اس حد تک کہ اس نے چائے کا کپ بھی اٹھا کر [illegible] شروع کر دی تھی۔ [illegible] ہالم کی [illegible] کہاوت کی [illegible] کہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔

گھر میں صرف مائین کی وہ سہیلیاں تھیں جو وہاں موجود تھیں، جبکہ نعمان کے دوست ابھی نہیں آئے تھے۔ جبکہ سحر کے میکے سے بھی کوئی نہیں آیا تھا۔ نعمان سے ان کی بہنوں کی وہ بچی تھی۔

مائین اپنے مہندی لگے ہاتھ دیکھ کر جانے کیوں بار بار دہرائے جا رہی تھی۔ زندگی کا کتنا عجیب موڑ ہوتا ہے جہاں سے پیچھے مڑ کر دیکھا جائے تو کیا کیا یاد آنے لگتا ہے۔ دوسرے سے نعمان کی کئی روز خاموشی بھی بہت سنا رہی تھی۔

شام کے ساڑھے سات بجے کے قریب دلاور علی خان اور ان کی بیگم گھر پہنچے۔ ان کے ساتھ ان کی تین بیٹیاں بھی تھیں۔ بھائی بھی دونوں اپنی اپنی اور اپنے بچوں کی فیملی لے کر آئے تھے۔

ان لوگوں کی آمد کا سن کر تو مائین کے حنا کے سارے رنگ ہی اڑ گئے۔ وہ بے تحاشا رونے لگی۔

عالم بابر کو کراچی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتی اور رونا کرتا بھی ہوتی مائین کو دیکھ کے اٹھایا۔

"جب انسان کسی بڑی خوشی سے گزر جاتا ہے تو وہ لوگ بہت یاد آتے ہیں جو اس خوشی میں سب سے زیادہ خوش ہوتے ہیں، لیکن یہ بھی زندگی ہے۔ یوں ایسی ویسی ہوا نہ کرو۔ ہم بھی تمہارے اپنے ہیں۔ دیکھنا تمہارے کام ہم ہی آئیں گے۔ چلو شاباش چپ ہو جاؤ۔"

وہ اپنے دوپٹے سے اس کی آنکھیں صاف کرنے لگیں۔ ساتھ ہی کراچی کو چابی تھما کر سوٹ کیس کمرے میں لانے کا کہا۔

مائین کی دوست نے کراچی کے ہاتھ سے چابی لے کر خود سوٹ کیس کھولا۔

"یہ شاپنگ کا جوڑا اوپر ہی رکھا ہے۔ بہت اچھی سی دلہن بنانا ہماری مائین کو۔ یاد رہے تو گلے میں ایک ہار بھی نہیں ڈالے ہیں، مگر ہم نے ان سے کہا دیا ہے جب دلہن کے پاس جاؤ تو گلے میں ہار ضرور ڈالی بیٹا۔ آخر اس کے بھی ارمان ہوں گے۔"

انہوں نے مسکرا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

مائین کی سہیلیاں اسے دلہن بنانے کی تیاریاں کرنے لگیں۔ اسی دم کراچی نے آ کر اطلاع دی کہ خان پور کوٹ سے روشی آپ کو بلا رہی ہے۔ اس نے مائین کی طرف اشارہ کیا۔

مائین چونک پڑی۔

"کیا روشی آئی ہیں؟ اسے کیوں نہیں لائے؟ عجیب لوگ ہیں۔"

"رخشی! فون تو وہیں ہے نا بھائی کے کمرے میں، میں چل کے لے جاؤں؟" اس کا چہرہ جیسے کھل گیا۔

"وہ سب لان میں ہیں، لاؤنج خالی ہے۔ البتہ یار بھائی اس طرح سے بیٹھے ہیں کہ لاؤنج ان کی نظروں کی زد میں ہے اب یہ تمہارا مسئلہ ہے۔"

"پھر تو میں نہیں جا رہی۔" اسے ایسے یاد کر کے شرم آ گئی۔

کچھ فطری ادائیں ہوتی ہیں جو عمل سے ماورا ہوتی ہیں اور سب کیلئے ایک سی ہوتی ہیں۔

"میں کہہ رہی ہوں کہ تم نکاح پر راضی ہو مگر ساتھ جانے پر راضی نہیں ہو۔ جلدی کرو اور اٹھو ادھر کی طرف۔ ہاں اب ہوئی نا بات۔"

رخشی نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

"تم تو کہہ رہی تھیں وہ بچگانہ سی حرکت تھی۔"

"بھاڑ میں جاؤ وہ حرکت۔ ایک تو تمہارے بھائی نے کہہ کہہ کے ہمارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ اب ہم بھی دیکھیں گے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔"

مائین نے اس کے سر پر ہاتھ مارا۔

"بدتمیز ہو تم۔" اس نے بھی آہستگی سے اسے ٹوکا۔ اور پھر وہ دونوں ہنستی ہوئی باہر آئیں۔ [illegible] لاؤنج میں داخل ہونے کی ہمت نہ کر سکے۔ رخشی نے ہی آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

"روشی۔" اس کی آواز میں بے یقینی سما آئی۔

"ہاں [illegible] اسلام علیکم! [illegible]" روشی کی شکل دیکھ کر مائین کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ [illegible] کے گلے لگ گئی۔

"میرے ہاں تو کسی نے اس کی کوئی چیز ہی نہیں لے جانے دی۔ آپ نے کیسے لا لی؟" وہ شکوہ کناں تھی۔

"روشی پلیز۔" اس نے ہونٹ دانتوں تلے دبایا۔

"ویسے بھی ہر قسم کی صورتحال میں یہ سب سے مختلف ہوتے ہیں۔ آپ کو پتا ہے ہم نے کیا کیا ہے؟" وہ مسکرا رہی تھی۔

"تم نے بیوقوفیاں کرنے کیلئے اتنی دور سے لاہور آنا تھا؟" مائین بھی آنسو پونچھتی ہنسی۔

"نہیں! آپ کا حال ہوچھنے اور یہ بتانے کہ ہم نے آپ کیلئے فون کیا ہے۔" وہ منہ بسور کر بولی۔

"کیسی شکایت؟" مائین الجھی۔

"اپنی ہمدردی میں ہمیں کیوں نہیں بلاتے۔ ہم بھی تو دیکھیں بارات کے بغیر بھی کوئی دلہن بنتی ہے؟ آپ کو پتا ہے کہ ہم نے کیا کیا ہے؟" وہ ناراضی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

"تم کیسی ہو؟ خوش تو ہو نا؟" مائین نے بے یقینی کے انداز میں پوچھا۔

"ایک دم سے کہاں، خوشی سے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے۔" وہ ہنسی۔

"کیا آپ دلہن بن چکیں؟" وہ اسی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

مائین نے سر ہلا دیا۔

"نکاح ہو گیا؟" دوسرا سوال ہوا۔

"ہر ظالم کوئی اور بات کرو۔" مائین جھینپ گئی۔

"اچھا چلیں۔ کوئی اور باتیں کرتے ہیں۔ یہ تو کہیں کیسا لگ رہا ہے؟" وہ شریر ہوئی۔

"دیکھنا ہاں تو کر تمہاری کیسی چال کرتی ہوں۔" مائین کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"اچھا [illegible] تو پھر آ رہی ہیں ہاں؟" روشی کا قہقہہ بہت جاندار تھا۔

مایا نے بے یقینی سے کہا اور گلاب جامن کے ساتھ ایک پیس اٹھا لی۔

"عنبر بھابی سے یہ حال کروا کے آپ کیا حال کریں گی؟" اس کی دوست آمنہ نے اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا۔

مایا نے اسے گھور کر دیکھا۔

سعدیہ کی Tehi [illegible] میں ایک نئی کہانی کا آغاز ہو رہا تھا۔

باہر سے سوٹ کیس اور بیگ لائے گئے تھے۔ وہاب علی خان کے اندر طوفان کروٹیں لے رہے تھے۔ انجانی جگہ اور ماحول سے وہ بے حد گھبرا رہا تھا۔ دلہن بنی وہ اپنے گھر کی خواتین میں گھری ہوئی تھی۔ گھر کے ملازمین کے اطوار میں بھی خوشی سے تبدیلی پیدا آ گئی تھی۔

وہاب علی خان رات کے تیسرے پہر ایک گھٹن زدہ کراہ کے ساتھ ایک خواب گاہ میں جاگے تھے۔

وہاب علی خان اپنے ایک ہم عمر عزیز دوست کے ساتھ معروف گفتگو ہونے کے باوجود مایا پر اپنی نظر جمائے ہوئے تھے۔ جس سے سمیعہ جانے کون کون سے قصے بیان کر رہی تھی۔ آج سے برسوں پہلے جب اسد کی ایک بیٹی الہڑ دلہن بن کر اس گھر میں آئی تھی۔ جس کے فرش فروش کو چار ملازماؤں نے سنبھالا تھا۔ بچے کام سے یہ جمل وہ بچے کو ان کی دیکھ بھال سنبھال رہی تھیں۔ ملازماؤں اور بہنوں کی وجہ سے دولہن سے خاصے فاصلے پر چل رہے تھے۔ زوجہ نے استقبالی گیٹ پھولوں سے سجایا تھا۔ ملازموں نے پھول اور سکے نچھاور کیے تھے۔

ان کی والدہ نے دلہن کے کمرے پر کھڑے ہو کر اس کی پیشانی پر بطور خوش آمدید بوسہ دیا تھا۔

گھر میں شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ بچوں کا شور، نوکروں کا اور ہم خواتین کی چیں پیاں۔ ڈھولکیوں کے ساتھ بھانت بھانت کے گیت اور ان سے بھی بلند آواز قہقہوں کی آواز۔

جبکہ آج چاند نہیں نکل رہا تھا کہ اس گھر میں نئی دلہن آئی ہے۔ ہر خاص و عام سکون حالت میں نظر آتی تھی۔

جبکہ وہ دلہن سسرال پہنچ کر بھی کافی دیر روئی تھی اور کئی بار بے ہوش ہوئی تھی۔ وہاب علی خان اس کے پاس بیٹھے ہوئے گھبرا رہے تھے۔ کہ نازک مزاج دلہن کہیں تماشا نہ بنا دے۔ جبکہ دلہن کے حسن کے چرچوں نے انہیں بے صبر بنا دیا تھا۔ ان کی آنکھوں کے ڈورے یکلخت گہرے سرخ ہو گئے۔ انہوں نے سگریٹ سلگا لیا۔ آنکھوں میں خوشی اور سرمستی کے بجائے عجیب سی وحشت جھلکنے لگی۔

وہ معذرت کر کے وہاں سے اٹھ آئے۔ عالم جب ان کے پیچھے پیچھے لپکے۔

"کہاں جا رہے ہو وہاب؟" انہوں نے وہاب علی خان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ٹھہرایا۔

"میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ میں کچھ دیر آرام کروں گا۔ وہاں بھابی بیگم نے اتنا شور مچا رکھا ہے کہ میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا ہوں۔"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"آپ کا سر درد ہے تو آپ کا کیا مشورہ ہے؟" سمیعہ مسکرا دیں۔

"ہاں" مایا نے ہچکچاہٹ میں جواب دیا۔

"تو کیا بنا؟" سمیعہ نے شرارت سے پوچھا۔

"وہی ہونا تھا۔" اس نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔

سمیعہ ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"کچھ کچھ ہوا ہے۔ ہوا ہے نا کچھ کچھ؟" وہ ہنسی۔

"بڑی کوفت ہے میری کے بیٹی بھی بیٹیوں والی ہو گئی۔ اس گھر میں ہم کتنے عرصے بعد آئے ہیں۔ کتنی ہی قسمیں کھا کر گئی تھیں۔ وہاب کی شادی میں شرکت کریں گی۔ بہت شیطان ہے۔ سب سے زیادہ ہنسی سے اسے ہی اعتراض ہے۔ ڈرتا ہے کہیں کوئی کانچ ہی نہ لیں۔"

مایا کو ہنسی آ گئی تھی۔ گزشتہ دنوں سے اس کی سمیعہ سے کافی بے تکلفی ہو گئی تھی۔

"آپ کیلئے چائے یا کافی منگواؤں۔ اس بہانے وہ بھی بیٹھ کر گپ لگا لے۔ کسی کو محبت ہو کر گپ لگا لے۔"

اس نے شرارتی لہجے میں کہا۔

مایا نے جھینپ کر نظریں جھکا لیں۔

"سچ!" عالم جب بہت خوش ہوئے۔

"کب کی؟" سمیعہ ایک دم مودب ہو گئی۔

"مجھے لگتا ہے کہ دلہن کو کمرے میں چھوڑ آنے کے بعد وہ آرام کر رہے ہیں تو یہ کیا کہتی ہیں۔ یہ بھی تو آرام کر لیں گی۔ ٹھیک ہے ناں؟"

عالم جب کو ایک وقت میں کئی کام نمٹانے کی عادت تھی۔ اور سمیعہ نے مخاطب تھیں۔ وہ اس بات کو سمجھ نہ سکیں۔ اور الجھ کر رہ گئیں۔

"تھینک یو بھائی۔ سر میں درد ہو رہا ہو گا تو سر ہی دبا رہی ہو گی۔ وہاب علی خان کا کوئی تعلق ہی نہیں ہو گا۔"

اس نے ماہین کے کان میں سرگوشی کی۔

ماہین کے چہرے پہ الوہی سے رنگ بکھر گئے۔

"وہ لوگ ڈنر سے فارغ ہو کر کمرے میں آ گئے۔ اپنے پیچھے قدموں کی چاپ پہ سمیہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ یاور علی خان بالکل اسی طرح سر پہ منڈلا رہے تھے۔ ماہین بھی اس کی دلچسپی پہ مسکرا رہی تھی۔

"کون؟" یاور علی خان کی بوجھل آواز آئی۔

"ہم ہیں پاپا۔ آ جائیں؟"

"ہوں"۔ غالباً یہ اجازت تھی۔

سمیہ نے دروازہ کھولا اور ماہین کو تھامے اندر چلی آئی۔ یاور علی خان سفید کرتے پاجامے میں ملبوس بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ماہین کو دیکھ کر بھی ان کے انداز نشست میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

"آپ کیلئے کافی بھجواؤں؟" ماہین کو بیڈ پہ بٹھاتے ہوئے سمیہ یاور علی خان سے مخاطب تھی۔

"نہیں"۔ انہوں نے دوٹوک جواب دیا۔

"سمیہ ماہین کا ہاتھ دبا کر خاموشی سے باہر چلی گئی اس نے بہت آہستگی سے دروازہ بند کر لیا تھا۔

"ماہین اس طرح بیٹھی تھی کہ یاور علی خان اس کی پشت پہ تھے۔

"آپ پھیچ کر لیں اور ایزی ہو جائیں۔ بہت دنوں بعد ذہن کچھ ریلیکس ہوا ہے۔ میں بہت سارا سونا چاہتا ہوں۔ نیند اب سے دیر تک۔ امید ہے آپ اچھے لائف پارٹنر کی طرح میرے احساسات کا پاس کریں گی"۔ ماہین اسے سوتے ہوئے بچے لگے تھے۔

الفاظ اگرچہ بہت مختصر تھے مگر اعصاب کیلئے اتنے بھی مختصر سے کم نہیں تھے۔

اس کے سارے لطیف احساسات ہوا ہو گئے۔

اس نے آہستگی سے اپنے کپڑوں کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ اتنے دنوں بعد اتنا کشادہ اور ایک نظر بھی نہیں۔ اس کی توہین سے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

مرد بھی کیا ہے جیتے کوئی امتحان پر

ساری عمر عمل کرتے رہو۔

یہ اٹل ہیں۔ جو ہر پورا کرتے وقت تھے۔ روندتی اس کے رخساروں پہ ڈھلک آئے۔

رہتا ہے۔

"کیا کیا ہو گی؟"

اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

وہ کھلونا ہاتھ سے پھینک کے سو چکے تھے۔

ماہین نے آہستہ سے پرچھائیں بنے پاؤں بستر سے آزاد کر کے بے آواز دروازہ تک کا فاصلہ طے کیا۔

سامنے بہت خوبصورت سے لیمپ روشن تھے۔ اس نے کوشش کر کے دروازہ کھولا۔ ایک خوبصورت سا کاریڈور تھا۔ اس کے ایک طرف سیڑھیاں تھیں۔ یہ گھر بہت بڑا تھا۔ سب کہاں ہیں۔ اسے ہی بتایا گیا تھا۔ اس نے سیڑھیاں اترنا شروع کر دیں۔ نیچے لاؤنج تھا۔ اس نے لائٹ آن کر لی۔ بہت بڑا لاؤنج تھا۔ سب کہاں ہیں۔ اسے ہی بتایا گیا

"تم یہ آج کل رہتے کہاں ہو؟" ... دلی نے جل کر انہیں دیکھا۔

"بھئی، ہمیں تو بالکل بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس بیماری میں سارے گھر والے کیوں شریک ہوتے ہیں۔" ... سونا کو عدم شرکت کا یہ انتخاب تھا۔

"دوسروں کی بیٹیاں آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔ اپنا ہاں کی دیکھنے آتی ہیں تو ہاں کی۔"

"اوہ تو کیا تمہیں بھی ہم لڑکیاں تلاش کریں گے؟" ... دلی نے دانت پیسے۔

"لو بھلا!" ... "ہم کریں گی" ... گھومنا پاکر ہنسیں۔

زری خفیف سی ہو کر رہ گئی۔

"بانے گی تو بڑی بیماری ہوں گی۔ سب خالہ کے بڑے حرے ہیں۔ بڑی بی بیٹیں ہو جائیں گی۔ ساتھ لگا لگا کر پیار" ... اپنی فہم کی کوتاہی کے دوران ملک کرنے کی فرصت ملی۔

"وہ ہیں جو ہیں اس گھر کی" ... سونے یاد دلایا۔

"بھوپھو نے میں بھی بڑے حرے ہیں" ... لالی نے لقمہ دیا۔

"لقمہ کرو۔ تم بھی کل کو کسی کی بہو ہو گی۔ پھر یہی ساس کے ساتھ ملو گی" ... سونا نے یاد دلایا۔

"بانے سونا باجی۔ کچھ کریں نہ کریں آپ ... باتیں بڑی اچھی کرتی ہیں"۔

لالی نے ایک آہ سرد کھینچی۔

"خاصی بیوقوف ہے۔ کس طرف اتار ہو سکتا ہے؟" ... دلی نے بھد اڑائی۔

"ظاہر ہے جلد شادی ہی ہے" ... سونا بہت آخر میں ہنسی تھی۔ اس وقت تو وہ بھی لوٹس تیار کر رہی تھی۔

"مگر ہاج بھائی تو ابھی پڑھنے باہر جائیں گے۔"

تانیہ بچپن ہی سے اپنے کزن ہاج سے منسوب تھی اس کی یہ شاید ان دنوں کی باتیں تھیں جو کنوارے ہونے کے ساتھ ساتھ گھوڑی سیٹیاں بھی تھیں۔

"کیسے انہیں ہی وہاں کوئی پی ایچ ڈی پڑھانے بیٹھ جائے۔ جیسے کہ کاکا جان نے کہا تھا۔ اپنے ساتھ گدھوں کی ایک نسل۔"

"اوہ صرف گدھوں ہی کی نسل نہیں تھی کاکا جان کی بھی نسلی تھی"۔

تھے کی دیسے بھی دوسرے کی نسلوں پر نظر رہتی تھی۔

"کیا اب بے چاری تانیہ گھوڑا ہی ہو۔ ویسے ہی ہوا سے باتیں کی جاتی ہے۔ کوئی روکے ٹوکے نہ تو سمجھو کہ گئی بے چاری"۔

گلو ہمیشہ سے ہی ہر دلعزیز اداکرنے کیلئے واقف تھیں یا خواہ مخواہ کر رہی تھی۔

"ایک تم لوگوں سے بھی حد ہے۔ بھیا اور خالہ کے بارے میں بات کر رہے تھے"۔ ... دلی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

"اچھا۔ ... ہمارا ہی طرف آ رہے تھے" ... لالی نے ٹھنڈا سانس لیا۔

"اس طرح" ... "میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔ ... ہوٹل آتے ہوئے ہیں۔ ... ہوٹل میں ... ہوٹل کرنے گی۔"

"اس قوات کہاں سے شروع ہوئی تھی"۔

"پتا نہیں کس طرح" ... "ہنسوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ ... ہے ... ہے ... ہے" ... لالی نے بے بسی سے کہا۔

"قسم کھاؤ ہوئی ہے نہیں ہوں" ... اس نے ٹھنڈے کی۔

"میں بدون کہا ہی نہیں کروں گی۔ ... ہے ... ہے ... ہے

"اچھا بتاتا ہوں۔ پوچھ رہی ہیں"۔ وہ ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"نہیں ۔۔۔ ابھی مجھے اندازہ نہیں ہوا"۔ عینی نے کن انکھیوں سے روشی کی طرف دیکھا۔

"خیر وہ تو ہماری خوامخواہ کی ہمدرد ہے"۔ وہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"کیا آپ لوگ ہر وقت باری باری کرتے رہتے ہیں؟" روشی نے تلخی سے پوچھا۔

"جس کا نام لو اسی کو مارت ہے' طرفہ یہ ہے کہ کوئی منہ سے نکالے یا نہ نکالے کوئی دل میں تو ضرور سوچتا ہے"۔ وہ سب ہی کو جتا رہا تھا۔

عینی کب باز آنے والی تھیں۔ ساتھ گنگنانا بھی شروع کر دیا تھا

دل تم کو دیا ہے اس کا خیال رکھنا

"اسے دل دینے والا بڑا ہی بے وقوف ہوگا۔ گھوڑوں کے چارے میں گم کر دے گا"۔ روشی نے کڑھ کر کہا۔

"اس کا تو زیادہ وقت گھوڑوں میں گزرتا ہے۔ میں تو اس کے آگے چلتے ہوئے بھی گھبرا جاتی ہوں۔ کہیں پیچھے سے کک کی آوازیں نہ آنے لگیں"۔

بے ساختہ قہقہے ابھرے تھے۔

"اوہ سوری اب ایسا بھی گھوڑا پرست نہیں۔ بے چارے کی جاب ہی ایسی ہے"۔

ثانیہ کو کسی کی ورکنگ بیٹھے دیکھ کر بڑی جلدی ترس آ جاتا تھا۔

"بعض انسانوں کی بھی برسٹنگ کر سکتا ہے۔ کلاس ہیں اس میں"۔ عینی نے قہقہہ لگایا۔

روشی نے اپنی آنکھیں الٹائیں جو روٹس تیار کرنے کی غرض سے ساتھ رکھے ہوئے تھے اور باہر نکل گئی۔

"اونہہ۔۔۔ کلاس ہیں۔ چیرٹان (دلکش اوباش) ہون سنس"۔

سامنے ہی پیازی رنگ کے کرتہ شلوار میں ملبوس باہوں میں سبک سی چپل اڑائے مہر چلی آ رہی تھی۔

روشی ٹھٹک کر رک گئی۔ "یہ مہتر سا ادھر کدھر؟"

"آپ یہاں کیسے"۔ وہ اپنی سرد مہری چھپا نہ سکی۔

"بعض ضروری لوگ تو اس طرف آتے ہی نہیں۔ ہم نے سوچا" چودھراہٹ صاحب" کراچی گئی ہوئی ہیں اچھا موقع ہے اس طرف کی سیر کا"۔

"یہاں کون سے ٹیچے پھنک رہے ہیں جو آپ سیر کی غرض سے تشریف لائی ہیں؟"

وہ بڑے تلخ اور مختصر انداز میں گویا ہوئی۔

"ٹیچے نہ سہی' ٹیچو تو ہے"۔ وہ بڑے سحر انگیز انداز میں ہنسی۔

"مگر ملتا ہے' آپ ہنسنے نہیں دیں گی"۔ اس کے لہجے میں زہر امڈ آیا۔

ہاتھ سے آ رہی تھی۔ مہر کو دیکھ کر چونک پڑی۔ چہرہ سے ناگواری عیاں ہونے لگی۔

"ہاں ۔۔۔ ہاں کہاں ہے؟" روشی نے ہاں کا مطلب سمجھ لیا۔

"روشی جا رہے گا ذرا کے کر جائیں گے۔۔۔ تمہارا ہے۔۔۔ وہ کاریں ہیں۔۔۔ ایک [illegible]

ہے ہمارا کام۔ آپ بھی چلے جائیں کہ ہمارے ساتھ خوشی کا موقع ہے"۔

"میں تو جوائی ہی ہے اس موقع کی" مہر کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"آپ اپنی تو بال سائنج نہ کریں۔ آپ کے مطلب کی اور کوئی بات کریں"۔

"ہاں ۔۔۔ ذرا جلدی سے ہاری کھڑا کریں"۔ اس نے مہر کی طرف سے منہ پھیر کر روشی کو مخاطب کیا۔

"ہیری اپ" وہ جانے لگی۔

"اوہ سوری ۔۔۔ گھوڑے جلدی چلیں گے ہوا میں۔ آپ کا ہوائی دورہ رہ جائے گا"۔

"اس بدتمیز کو شرم آنی چاہیے"۔ مہر تلملا گیا۔

روشی پیر پٹختی ہوئی چلی گئی۔

"سوری ہیں آپ کے"۔ اس نے بڑبڑا کر کہا۔

اسی اثنا ہاری نیچے سے بیٹھ کر لیے آ گیا۔ مہر درمیان ہی میں تھا۔ کہ کیا دیکھتے ہیں کہ روشی آگے بڑھ گئی ہے ہاری چلنے لگا۔ ٹیک سنبھالی ہوئی تھی۔ ٹک ٹک سے تانگہ وہ اکیلی پرسکون اور طریقے سے آ رہی تھی۔

"آئے ہائے بھئی۔ کیا پتھر بن گئے؟" روشی نے ہنسی زہر لیلی ہنسی کر دی۔

"میں نے سوچا شاید کوئی بات نہیں"۔ وہ سنبھل کر آگے بڑھا۔

"یہ مہر بھائی آپ کو ڈھونڈتی پھر رہی ہیں۔ میں تو خود بہت مصروف ہوں پھر بھی سوچا ان کی مدد ہی کر دوں۔ کوئی ضروری بات تو نہیں؟" روشی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"نہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بلکہ اگر آپ کو ہو تو"۔ وہ خاموش ہو گیا۔

"یا گئے ہیں۔ کر لیجیے ضروری بات۔ پھر موقع ملے نہ ملے۔ اب میں جا سکتی ہوں؟" اس نے ہاری کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔ آپ کہیں نہیں جائیں گی۔ اب کوئی کانا بیٹا نہیں کہ آپ کو جانے کہنے ضروری ہو۔ جی فرمائیے۔ کیا ہے وہ ضروری بات"۔ وہ مہر کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ بہت پرسکون نظر آ رہی تھی۔

"چلو کہیں بیٹھتے ہیں"۔ مہر اس سے زیادہ پرسکون تھی۔

"نہ بابا مجھے ہی میں ہوں۔ راستہ خاصا لمبا ہے۔ ایسے میرے اور آپ کے درمیان کسی ضروری بات کا کوئی تذکرہ نہیں ہونے کا آگے اس قسم کی زحمت نہ کیجیے گا۔ پلیز۔ اوکے؟"

"مشکل بڑھتی نہیں ہوتے۔ حل بھی ہو جاتے ہیں"۔ مہر نے بڑے شاندار انداز میں کہا۔

"آپ نے شاید ایک بات یہاں حویلی میں نوٹ نہیں کی۔ یہاں مرد اور عورت الگ الگ ہوتے ہیں۔ سوائے میرے

یہاں سے وہاں کوئی دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسا کیوں ہے؟

صرف اس لئے کہ اوٹ کرنے والے اندر یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ حویلی کی تمام چھوٹی بڑی چیزیں قابلِ احترام ہیں۔ مجھے بھی ان سب کا احترام کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ میں کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا۔ اور کوئی ایسا سوچتا ہے تو مجھے اس سے حسد ہوتا ہے۔ صرف اور صرف حسد ہی اسے اکساتا ہے۔

مجھ سے نے ایک خیال سے چونک کر بڑی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ روشی کی طرف دیکھا۔

"میں ٹھیک کر لوں گی اسے۔ سلطانہ افغانی ہوں نہ، پتے کھیلنا آتے ہیں"۔

اس نے بڑے اعتماد سے کہا اور اس راستے کی طرف چل پڑی جہاں سے آئی تھی۔

روشی کی تو خاک سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس زیادتی میں ہوا کیا ہے۔

"اگلی ملاقات میں دیکھنا کیسے بچے پھڑاؤں گی۔ تم بھی موجود رہنا۔ مزا آئے گا"۔

وہ اس سے کچھ فاصلے پر گویا ہوئی اور پھر پلٹ کر چل دی۔

روشی حیران پریشان سی کھڑی رہ گئی تھی۔

رات گیارہ بجے تک لڑکیوں نے پورے جوش و خروش سے دلہن کا استقبال کیا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے تک دلہن کی بھائیاں آنے لگی تھیں۔ وہاں کمرے ہی میں ادھر ادھر آ جا رہی تھیں۔

نوکروں کو جاگتے رہنے کی ہدایت تھی۔ وہ ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ اس سب میں ماہ بی کی کار گزاری سب پر بھاری تھی۔ پونے بارہ بجے کسی نے آ کر ہال کمرے میں اطلاع پہنچائی تھی کہ دلہن آ گئی۔ سب سے پہلی اطلاع روشی کی تھی۔ ماہ بی اس بچکانے سے رویے پر دل ہی دل میں ہنستی ہوئی پورچ میں آئی تھی۔

آنے والے سب وہیں جمع تھے۔ سب نے گود میں بیٹے کو لینے کے باوجود ماہین کو شانوں سے تھام رکھا تھا۔

روشی چند قدم اپنی جگہ پر ٹھٹکی پھر ایک دم ماہین سے لپٹ گئی۔ وہ بھی طرح دار لڑکی تھی۔ جوابی کارروائی کے طور پر ماہین نے بھی رونا شروع کر دیا تھا۔

"اوہ ـــ یہ کیا کرنے لگیں۔ خوشی کا موقع ہے۔ خوشی کی طرح منائیں"۔

عالم صاحب نے دونوں کو الگ الگ کیا۔ ساری لڑکیاں اور خواتین بھی وہاں آ موجود ہوئی تھیں۔

"یہی بات ہے۔ بھلا رونے کا کون سا موقع ہے"۔

"چلو ـــ اندر"۔ بابا صاحب کھنکھار نکالتے ہوئے سب سے پہلے آگے بڑھ گئے۔ باقی لوگ ان کے پیچھے ہال کمرے کی طرف چل پڑے تھے۔

ہال کمرے کی قمقمے روشن کر دی گئی تھیں۔ میرون ساڑھی میں ملبوس ماہین چہرے سے بہت مطمئن نظر آ رہی تھی۔ روشی اس کے پہلو میں بیٹھ گئی تھی۔ باقی لوگ کھڑے ہوئے بڑے پرشوق انداز میں دلہن دیکھ رہے تھے۔

"آپ یقین کریں خالہ، ہمارے خوشی کے میری بڑی حالت ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آپ سے کیا بات کروں

ہے۔ ماہین نے بھی اسے گلے لگا لیا تھا۔ آپ سے ملنے کی خواہش تھی۔

"آپ سے بھی ملنے کی خواہش تھی۔ آپ سے بہت کچھ سیکھنا ہے"۔

"آپ ہی سے سیکھیں گی۔ آپ کو ہمارے ساتھ رہنا ہے"۔

"ہاں، اب تو ہم بھی ساتھ ہی رہیں گے"۔

"آؤ بیٹی۔ اب تم بھی ہمارے ساتھ ہی رہو۔ صبح سے بھاگ دوڑ کر رہی ہو۔ کچھ کھا پی لو"۔

عالم صاحب نے ماہین کو شانوں سے تھام کر کہا۔

"جی ابا جان، اب تو میں ساتھ ہی رہوں گی۔ صبح سے بھاگ دوڑ کر رہی ہوں"۔

"میں بھی یہاں ہوں بیٹے کے ساتھ"۔ روشی پرشوق انداز میں گویا ہوئی۔

"ہاں ہاں، تم بھی آرام کرو"۔ عالم صاحب نے ٹوک دیا۔

اور ماہین کو لے کر وہ خان کے بیڈ روم میں چل دیئے۔

ہال خان صوفے پر بیٹھا ہوا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ ماہین اور عالم صاحب کو آتا دیکھ کر وہ بھی کھڑے ہو گئے۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے ہماری بچی کی"۔ عالم صاحب ان کے قریب جا کر پوچھنے لگے۔

"جی ابا جان، طبیعت ٹھیک ہے۔ اور اب ٹھیک ہو جانا چاہیے"۔

ان کا انداز پراسرار سا تھا۔ ابھی تک ایک نگاہ بھی انہوں نے ماہین پر نہیں ڈالی تھی۔

"اچھا پھر کپڑے وغیرہ تبدیل کر لو۔ چائے یا کافی بھجواؤں؟" انہوں نے جاتے جاتے پوچھا۔

"نہیں ـــ ابھی تو فوٹو کرنے کا سیشن آ شروع ہوا ہے۔ بہت سوچا ہے ہم نے، ان کے بچے میں تھوڑا سا خون ہمارا بھی ہونا چاہیے"۔

ہال خان نے اثبات میں سر ہلاتے ماہین نے بوجھل آنکھوں سے ان کا چہرہ دیکھا۔ مگر کچھ کہہ نہ سکی۔

"ابھی جاؤ بیٹی"۔ انہوں نے جاتے ہوئے عالم صاحب کو مخاطب کیا۔

"جی؟" وہ رک گئے۔

"کچھ ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ آپ کو پہلی فرصت میں وہاں بلوا دیتے ہیں"۔ انہوں نے کہا۔ ماہین سے کچھ کہنا کرنا ہے۔ اور ماہین اب حویلی میں موجود ہیں"۔

عالم صاحب نے ایک الجھی ہوئی نظر ماہین پر ڈالی۔

"ٹھیک ہے جیسا آپ کہیں۔ مگر ہم کریں"۔ وہ بولے۔

''صبح بہت دیر سے ہوتی ہے''۔ انہوں نے کھلے ہوئے کھڑکی سے باہر کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا لگتا ہے''۔ وہ آہستگی سے بولیں اور باہر دیکھنے لگیں۔

ماہان خان پریشان ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان کا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے مذاق کا کیا جواب دیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ماہین اریبک نیپکن کے ساتھ منہ پونچھتے ہوئے کرسی پر سے اٹھی تھی پھر وہ کرسی سیدھی کر کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے نیپکن کو تہہ کرنے لگی۔ اس نے چاولوں سمیت تمام ڈشز اٹھا لی تھیں۔ صوفے پر ایک طرف ایک کوٹ پڑا ہوا تھا۔

یادگار خان بھی اس کے پیچھے آ کھڑے ہوئے تھے اور ہال کی دیواروں کو دیکھ رہے تھے۔

''آپ کو بہت تکلیف ہوئی ہوگی؟'' انہوں نے آہستہ سے کہتے ہوئے مخاطب کیا۔

''ظاہر ہے پکچر میں نے ہی کھینچا تھا''۔ وہ باہر جاتے ہوئے شوخی کے انداز میں بولی تھی۔

یادگار خان کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''آپ نے سارے زیورات اتار دیے۔ ہم نے تو کہا تھا کہ آپ کو یہ بھی نہیں''۔ وہ ہال میں کھڑے ہوتے ہوئے دالان کی طرف بڑھے۔

''آپ کو ضرورت بھی نہیں ہے کچھ کہنے کی''۔ وہ ٹھہر کر بولی اور پھر مڑ گئی۔

یادگار خان نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ کچھ دیر کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھے رہے۔

مایا کے سامنے یہ ان کی پہلی شب تھی۔ مایا نے نظریں جھکا کر آہستہ سے بس کہہ دیا تھا۔ ماں کی ممتا سارا دن اسے سینے سے لگائے رہی تھی۔ بچی بھی پہلی مرتبہ ماں سے الگ ہوئی تھی۔ وہ جلد سے جلد بچی کو اپنے سینے سے لگا کر سکون حاصل کرنا چاہتی تھی۔

وہ بچہ کو اس طرح سینے سے لگائے تھے کہ جیسے وہ ننھے ملنے کا پرزہ ہو۔ دایاں ہاتھ بچہ کی طرف لائے ہوئے تھے۔ وہ بچہ کے ہونٹوں سے ہونٹ کس انداز سے پیوست کرتے ہیں دیکھ رہے تھے۔

"مایا"۔

"جی"۔ اس کا انداز بہت سرشار تھا۔

"بات سنو"۔

"سنائیے، میں سن رہی ہوں"۔ اس کے انداز میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

"اس طرح کیسی رہیں گی؟"۔

ان کے لہجے میں ایک خاص کیفیت محسوس ہوتے ہی مایا کا دل بہت تیز تیز دھڑکنے لگا۔

جب یہ انداز نہیں تھا تو بھی الجھن تھی۔ اب انداز بدلا تو بھی مشکل ہو رہی تھی۔ وہ سیدھی ہونے کے بجائے اس طرح مصروف رہی۔

"میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں"۔ ان کے انداز میں بلا کی معصومیت تھی۔

"میں آن رہی ہوں ناں"۔ اس نے بھی بہت سے جملے بہت کم لفظوں میں ادا کر دیئے تھے۔

"مایا، پلیز اٹھو"۔

مایا پر عجیب سے کیف کے عالم میں سیدھی ہو گئی کہ بات بنانے کو مشکل بنانے تو اس سے بڑا احمق۔

وہ سوئے کیس کی طرح کھلا چھوڑ کر ان کے قریب چلی آئی۔

"جی"۔

"بیٹھ جاؤ"۔ ان کے انداز نشست میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

اس نے بیڈ پر نظریں دوڑا کر اپنے بیٹھنے کیلئے مناسب جگہ تلاش کی۔ پھر ان سے کچھ فاصلے پر بالکل کنارے پر ٹک گئی۔ اس طرح سے کہ جیسے موقع پاتے ہی بھاگ کھڑی ہو گی۔ ان کے بڑھے ہوئے لمبے لمبے بال اس کی گھبراہٹ دوبالا کر رہے تھے۔ اسی وجہ سے نظریں اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

"مایا میں کیا محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھ سے بہت ناراض ہو"

ان کی نظریں آج بالکل ہی دوسرا انداز لئے ہوئے تھیں جو اس کیلئے بالکل نیا تھا۔ کبھی کبھار ایسی شرارتیں ضرور کرتا تھا۔ انگلیاں پیسنے سے باز رہی تھیں۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر وہ بال جا رہا تھا کہ کپڑے تبدیل کر کے جلدی سے سو جاؤں بیٹا آ رہا ہے"۔

اس نے خود کو سنبھال کر بڑا سا جواب دیا۔

"کر رہی ہیں تو کیسے کہتے آپ کے ساتھ گزارے ہیں اتنے سال کیسے"

"کیا میں جا سکتی ہوں؟"

انہوں نے انداز نشست وہی رکھا۔ آنکھوں کی طرف اٹھ کر سایا تھا۔ شرارت کہیں نہیں تھی۔

"آخری فیصلہ کرنے میں ابھی وقت ہے۔ مغرب پڑھ لیں"۔ ان کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

"مایا، تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں"۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "میں نے شکریہ ادا کرنا چاہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں، کہیں"۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ ان کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

"کسی کو اپنے کسی ضروری کام میں کبھی مصروف ہونا پڑتا ہے۔ تو کبھی میں آپ کو مصروف دیکھ کر ہوتا ہے۔

"مایا، تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں"۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "میں نے شکریہ ادا کرنا چاہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں، کہیں"۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ ان کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

"مغرب پڑھ لیں"۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ ان کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

"آخری فیصلہ کرنے میں ابھی وقت ہے۔ مغرب پڑھ لیں"۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ ان کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

"مایا، تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں"۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "میں نے شکریہ ادا کرنا چاہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں، کہیں"۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ ان کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

"مغرب پڑھ لیں"۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ ان کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

"آخری فیصلہ کرنے میں ابھی وقت ہے۔ مغرب پڑھ لیں"۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ ان کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

"مایا، تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں"۔ وہ کہہ رہے تھے۔ "میں نے شکریہ ادا کرنا چاہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں، کہیں"۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ ان کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

"مغرب پڑھ لیں"۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ ان کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

"آخری فیصلہ کرنے میں ابھی وقت ہے۔ مغرب پڑھ لیں"۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ ان کے حکم سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔

ہادی علی خان نے سگریٹ کا ٹین ہاتھ میں پکڑ کر دایاں ہاتھ بڑھایا اور اس کا بھیگا ہوا ہاتھ بھینچتے ہوئے اشتیاق استعجاب کرتے ہوئے پھوپی کی خدمت کرنے لگا۔

"تابیہ! تم بڑی ہو گئیں ہماری شادی کو اور مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ آپ کے ہاتھ اتنے خوبصورت ہیں۔"

اتنا اچانک حملہ تھا کہ تابیہ شرما کر رہ گئی مگر ہاتھ ان کی گرفت سے آزاد نہ کرا سکی۔

"سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق نہ ہو رہا ہو تو بدگمان ہونے سے پہلے یہ بھی سوچنا چاہیے کہ دوسرا فریق کیا سوچ رہا ہے۔ چاہنے والے کو کوئی الجھن نہ ہو اس کی طبیعت کسی بوجھ سے نہ مارتی ہو۔"

"تو بدگمان ہونے میں جلدی کرنے والی لڑکیاں کیسے ہو سکتی ہیں؟"

تابیہ نے ان کی مدلل قسم کی ذات کے سامنے آج پہلی بار مکمل طور پر خود کو بے بس محسوس کیا تھا۔ اس کی گمراہ کن باتوں کا تو کیا توڑ تھا کہ اس کی ہتھیلی سے دہلی انگلی سے اتنا بیہودہ پھوٹ نکلا تھا کہ ہادی علی خان کا ہاتھ بھی نم ہو چکا تھا۔

"خان! مشکل وقت نے اماں کی جان لے لی اے کہ نئیں؟" سر سوتی بیگم راہداری میں ہادی کو دیکھ کر ہی ہوش میں مصروف تھی۔

"اس کے پاس چابی کہاں سے آئی؟" بنیادی سوال ہادی کے ذہن میں غور ہی آیا تھا۔

"چابی تمہارے پاس سے اس کے پاس پہنچی کیسے؟" ہادی کی پیشانی شکن آلود تھی۔

"اے ای توں تساں لوں دی رئی آں ... اماں فی نے فیند (فیصلہ) موت دی ہوندی اے۔ میں اتھے تی پئی ساں نا اناں نے چابی ... ؟"

سر سوتی بلند کو میں اعتراف جرم کرتے کرتے پھر رک گئی۔

"تم اتنا لیٹ پہنچی ہو بھتیجے۔"

"اوں فی مناں کر دی ساں پر اوہیں سنے نے غیر مجبوری تساں لوں؟ آکھدی اں خان چابی دے خان نے سوا نے تساں لوں دب دا اسطے اے خان ہور تے چنگا فی اے تساں دا۔ دسو بھلا میں کی کر ساں؟" وہ روہانسی تھی۔

"کھانے کے وقت دروازہ کیسے کھلتا ہے؟" ہادی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اوہی کھولدے نے ... اوہی بند کر دے نیں ... ہک نئیں سنے اماں فی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"اب رونے کا کیا مطلب ہے؟ تم جاؤ میں ادھر کے کام نمٹا کر پیچھے آ جاؤں گا۔ تم تو ہو سوچو۔" اگر انہوں نے چابی دے دی تو تمہیں دے دوں گا۔ اگر ... خیر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کچھ نہیں ہوگا۔ جاؤ تم۔"

"چیتے رہ ویں ... رب لمی عمر دے۔" وہ الٹے پاؤں انداز میں دعا دیتی آگے بڑھ گئی۔

اور وہ کچن کی طرف آ گیا۔

یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ ناشتے سے پہلے کچھ سوچنا تو تھا اب تو بھتیجی ہاتھ کے دیکھے جانے کی بھی نہیں سکتا تھا۔

ایک لمحے میں اس وقت اپنی عمر سمیت کی ہو سکتے تھے۔ اپنے خاص خاص [illegible] سے طرف طرف اک ٹاک کے بعد "وہ ہاں" کی لکیروں میں آ کے ٹھہر جاتا تھا۔

وہ ہاں ہاں ہوتے ہی ہے جو ہادی کی اولین ضروریات اور اہمیت سے ماورا تھا۔

"تم بھی بڑی سوئیں فی ہاں" اس نے بچپنی والے انداز پر ہی گھما پھرا کر مخاطب کیا۔

"آج وہ ہو تو اماں فی خان مگر میں ہی آئی ہے"۔ وہ اپنی بھی تک خوشی کو روک نہ پا رہا تھا۔

"ہوں"۔ وہ اب اداسی سے "ہوں" تک کر رہ گیا۔

"چاہنے والی خان؟"

"نہیں اماں اب تم جا کر سو جاؤ" چاہنے والے میں غور کروں گا"۔ وہ اس طرح گویا ہوا کہ [illegible] سے اب دلچسپی نہیں رہی۔

"آپ ... ہم ہیں ناں آپ کی خدمت کیلئے"۔ ناں نے ناں کے۔

"پہلی رات نہیں منا رہا ہوں گا۔ بھلی اوقات جب تم سو رہی ہو تو میں منا رہا ہوں۔ پرانی ہے آرام کرو تم آرام کرو۔ جاؤ بھتیجے۔ کہہ دیا ہوں ناں میں"۔ اس نے خود سے بھی زیادہ اس کو اطمینان دلایا۔

وہ خوشی سے اچھلتی کودتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ہادی نے نظریں دوڑا کر اپنے سامنے سے ہوتے ہوئے کمرے کا جائزہ لیا۔ سوچوں کا رخ ہاتھ کی ہتھیلی سے پھیلتے ہوئے کمرے کی طرف ہو گیا۔

وہ کتنی مدت سے چاہنے والے میں مصروف ہو گیا۔

"اگر یہ محبت آ گئی لوگوں پر غور کرنا ختم کر دیتے ہیں"۔

ہادی نے اور سے چائے کا آرڈر دیا تھا۔

"یا اللہ! کیا ہو گیا ہے یہاں کے لوگوں کو رات بھر جاگتے رہتے ہیں"۔

اور نے ہادی کی آواز پر شناسائی نہ کی۔ پہلی مرتبہ اتنی مجھداری محسوس کی تھی مگر خاموش رہا تھا۔

رات فرنٹ میں تقریباً پوری ہی گھس گئی تھی۔

"کہاں گئی ہے ہادی کو بھری دوائیں ادھر ادھر کیا کریں اگر ..." وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"اور میں ... ؟ کیا ہوا ہے انہیں"۔ ہادی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کب کیا ہو گیا ہے آپ کو"۔ وہ بے چین ہو گیا۔

"پہلے کیا ہوا تھا میں" اذل بار" ہوں"۔ وہ تڑپ کر گویا ہوئی۔

ہادی خاموش رہا۔

"نیند نہیں آتی ہے مجھے ڈاکٹر دیتی ہوں اور کچھ"۔

"کیوں ہو بار کر گئی ہیں آپ نے اپنی خیریت کی کس چیز کی ہے آپ کے پاس؟"

وہ بجھ گئی سے کہتے ہوئے کپ میں [illegible]

"کوئی ایسی نیند کا تھن نہیں ہوتا اگر کسی کی نیند خراب ہوتی ہے تو محرم کوئی اور وجہ ہے"۔ وہ جلے بھنے [illegible]
تھی۔

"کیا کہتی ہیں آپ؟" اسے جیسے یہ جان کر دلی رنج ہوا تھا کہ وہ مسکن ادویات استعمال کرنے لگی ہے۔
اس نے خواب آور گولیوں کے نام گنوا دیئے۔

کپ ہاری کے ہاتھ میں لرز کر رہ گیا۔

"عمر دیکھی ہے آپ نے ایلی؟" اس نے دکھ سے اس کی سمت دیکھا۔

"میں نے تو دیکھی ہے تم نے نہیں دیکھی"۔ اس نے گلاس میں پانی ڈالا اور ایک گولی منہ میں رکھی اور [illegible]
گئی۔

ہاری کا جواب سنا ہو کر رہ گیا اور چلتے چلتے سپ لینے لگا۔

"ایک مشورہ ہے آپ کیلئے اگر آپ مائنڈ نہ کریں"۔ اس نے جاتی ہوئی روشنی کو مخاطب کیا۔

"جی فرمائیے"۔ وہ دروازے پر رک گئی۔

"آپ ہفتے میں ایک مرتبہ کسی اسپتال کا چکر لگا لیا کریں"۔

"اس سے نیند آنے لگتی ہے؟" وہ تمسخرانہ انداز میں گویا ہوئی۔

"شاید آنے لگے' وہاں آپ ایسے دلدوز نظارے دیکھا کریں' جو اس قسم کے مریض ہوتے ہیں۔ جن کی تکلیف دیکھنے والوں کیلئے بھی ناقابل برداشت ہوتی ہے' جو ایسے امراض میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں۔ تب آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ تو مراعات یافتہ طبقے میں ہی نہیں انسانوں میں بھی بے انتہا نعمت یافتہ ہیں۔ پھر آپ کو احساس تشکر ہوگا طبیعت میں بے حد ٹھہراؤ اور سکون آجائے گا اور خود بخود نیند سے آنکھیں بند ہونے لگیں گی"۔

اس نے بات ختم کر کے اس کی طرف دیکھنے کے بجائے چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"بس؟" اس نے طنزاً کہا۔

"بس"۔ اس نے بھی وہی انداز اختیار کیا۔

"تو ان دوست! سارے دکھ ایک طرف اور دکھ ایک طرف"۔ وہ اٹھا کہ کر دروازے سے باہر نکل گئی۔

ہاری نے ایک گہرا سانس لیا "آخر انسان کی سمت اتنی کیوں ہاری جاتی ہے؟ اور سب دوست ہی دشمن ہوتے ہیں۔ [illegible]
انسان اپنا دشمن خود ہی بن جاتا ہے"۔

"نہ جانے کیوں یوں محسوس ہوا جیسے کہیں سے آج آرہی ہو اور دل سوم کی طرح پگھلنے لگا ہو۔

اس نے جلدی جلدی چائے ختم کر کے اس کیلئے سے دھیما چھڑایا اور کپ ٹرے میں رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔
سوچنے لگا۔ ایک نئے سفر کے سے دوچار ہونے کا وقت قریب تھا۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]

"تم تو ہو ہی اور تمہیں اجازت کی کیا ضرورت"۔ وہ بدستور شوخی سے بولی۔

"تو آپ نہیں ہٹیں گی؟" اس نے برا سا منہ بنا کر جھومر کا چہرہ دیکھا

"نہیں کیا کرو گے"۔ وہ کھلکھلائی۔

"دیکھئے میں آپ سے کہہ رہا ہوں مجھے اندر جانے دیں"۔ اس نے پہلے بہت زیادہ اور سماجت کا انداز اپنایا۔

"میں تو بتا چکی ہوں تھوڑی دیر بعد تشریف لے جائیے گا"۔ وہ مسکرائی

باری نے کئی گہرے گہرے سانس لئے' پھر ایک جھٹکے سے جھومر کا بازو پکڑ کر آگے کی طرف کھینچا اور دوسرے ہی لمحے دیکھے بغیر کہ اس کا کیا حشر ہوا وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ فساد کی جڑ زنجیر سمیت کمرے کی وسط میں کھڑی اپنی نازک کلائیوں کی تکمرہ بخوبی رہی تھی۔

باری کو اندر آتے دیکھ کر اس نے نظریں جھکا لیں۔

باری نے اس پر نظر ڈالنا بھی ضروری نہیں سمجھا' "چابی کہاں ہے؟" اپنے لہجے کو پر

"چابی اس نے اپنے کھاتے پر لی ہے۔ ذرا سی دیر آرام سے بیٹھئے اور تماشا دیکھئے' تمہاری جیب سے گیا جاتا ہے"۔ جھومر اپنی کہاں سمجھانی ہوئی' مزہ لے رہی تھی۔

"آپ بلاسے خان کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہ کریں تو آپ کے حق میں بہتر ہے۔ آگے یہ ہو بھی"۔

"جو میرا دل چاہے گا میں کروں گی۔ دیکھو میں نے اس کا سر دھلایا ہے۔ بال بنائے ہیں' کپڑے بدلوائے ہیں' کھانا کھلایا ہے۔ اب جو بھی آگے ہو گا بھی میں اسے کھلاتی ہوں' بلکہ ہم دونوں ساتھ ہی کھاتی ہیں۔

حیوانوں کی بستی میں ایک یہ انسان ہے اور ایک میں۔ جاؤ جا کر کہہ دو ان سے"۔

جھومر بستر پر بیٹھ کر اپنے دانتوں سے کہنی سے خون صاف کرنے لگی۔ شاید چوٹ زیادہ گہری تھی۔

باری اسی کی طرف متوجہ تھا۔ خون دیکھ کر جیسے اسے احساس جرم میں مبتلا ہو گیا۔ مگر ظاہر انظر پھر گیا۔

"چلو"۔ اس نے عورت کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ آگے بڑھی' انگڑیاں چٹخ اٹھیں۔

"کہاں جا رہی ہو' میری موجودگی میں کسی کا کہیں جانے کی ضرورت نہیں"۔ جھومر نے فرش پر پڑی ایک زنجیر تھام کر جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

"آپ مسئلہ نہ بنیں' ہمیں مسئلے حل کرنا بھی آتے ہیں' جھومر بی بی آپ"۔ اس نے بھی زنجیر تھام کر جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔

"ہمیں بھی مسئلے پیدا کرنے آتے ہیں۔ ابھی یہاں کے اور بھی بند کمرے کھلوائی گی' بتا دیا"۔ وہ بھی سے گویا ہوئی۔

"بھائی"۔

"بندی کو جھومر کہتے ہیں"۔ جھومر نے اس کی بات کاٹ دی اور کھلکھلا پڑی۔

"میں بہت برداشت کر رہا ہوں' ورنہ مجھ میں اتنی قوت ہے کہ آپ کو اسی کے ساتھ اسی کوٹھری میں بند کر دوں"۔ اس

نے بہت غصہ کیا۔

"تو پھر ایسا کیوں نہیں کرتے۔ غصہ ٹھنڈا کرتے ہیں ہم آپ کے لئے ہیں"۔ وہ مسکرائی۔

"شٹ اپ' مت کرو مجھے مجبور' ورنہ اتنا مارو گا کہ ساری عمر یاد رکھو گی"۔ وہ غرایا۔

"خان ۔۔۔ یاور علی خان نے دوسری شادی کر لی ہے؟" عورت نے اس کی غصہ سے بالکل متاثر نہ ہوتے ہوئے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں کیا' اگر وہ تیسری بھی کر لیں"۔ باری نے سنگ کر جواب دیا۔

"سوری' ہی تھنگ' ہاؤ کم ہر لیٹر ہے' کہاں سے آئی ہے' نصیب؟

وہ یہ بھی ہماری تھی کہ رانی کی بیٹی خانم ہے' مگر مجھے بتایا نہیں گیا۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا"۔

وہ دھیمے لہجے انداز میں بولی۔

"نہیں خواہ مخواہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' پتہ ہے سب کچھ' آگے بڑھو"۔

اس نے پھر زنجیر کو جھٹکا دیا۔ عورت چل پڑی۔ مگر چند قدم پر ہی رک گئی کہ جھومر کے ہاتھ میں اس کے پاؤں کی زنجیر تھی' جو اسے آگے بڑھنے سے روک رہی تھی۔

باری نے جھک کر ایک فیصلہ کن انداز اختیار کیا۔

جھومر کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ سے زنجیر جھٹکے سے کر حاصل کی اور اسے سے پکڑ کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔

"آرام سے پیچھے ہٹ جاؤ' ابھی آپ کا بھی انتظام ۔۔۔ تم کیا دیکھ رہی ہو' چلو"۔

اس نے اپنی آواز میں نئی بھر کر تلخی سمو لی۔

عورت چل پڑی۔

باری نے اسے کوٹھری میں پیچھا دھکیلا اور باہر سے دروازہ مقفل کرنے لگا۔

"تالا چابی نہیں چاہیے کیا؟" جھومر کی شرارت بھری آواز قریب ہی سے سنائی دی۔

باری نے اس کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔

عورت بہت پرسکون انداز میں اپنی کوٹھری میں چلی گئی تھی کہ یہ تو زندگی بھر کیلئے ملا تھا۔ بیڑیوں کا باقی جھومر نے آزاد کر دیا۔

باری نے دروازہ کھلا' پھر جیب سے تالا نکالا اور لگا دیا۔ جھومر اس کے پیچھے میں کوٹھری میں گھس گئی۔

وہ اس کی طرف پلٹا۔

"اپنے پاس رکھئے اپنا تالا چابی"۔ اس نے چابیاں واپس جیب میں ڈالیں اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔

جھومر قہقہہ مار کر ہنسی اور اسے راہداری کے موڑ تک گھورتی رہی۔

لال خان ٹہلا کرتے تھے۔ یہ ان کا معمول تھا۔ وہ ٹہلتے رہے۔

رات خاصی بھیگ چکی تھی۔ انہوں نے صرف ایک مال گیر سے سنا تھا کہ وہ اب کبھی آئے گی۔ کبھی کی سوچی ہوئی باتیں خواہش سے آزاد ہو چکی تھیں۔ وہ بے حد خشک اور بے لچک سے ہو گئے تھے۔ کبھی کبھی ان کا جی چاہتا تھا کہ اپنے بیٹوں کو بلا کر ان سے اپنے دل کی ساری باتیں کہہ دیں۔ اپنے اندر کے اس بوجھ کو ہلکا کر دیں۔

موت کا کیا ہے، وہ تو آنی ہی ہے مگر کچھ دل کا غبار نکل جائے۔

کبھی کبھی چاہتے، ہم کہیں دور چلے جائیں۔

کبھی گھڑی بھر کیلئے خواہش ہوتی کہ بیوی کے کمرے تک جائیں۔

کبھی یوں بھی ہوتا کہ محسوس ہوتا کہ ابھی بھی زندگی کی ہوس باقی ہے۔

کبھی تو یہ احساس ہوتا کہ چاند کسی کی تلاش لے کر آیا ہے۔

کبھی تو روح اصل کی سرشاری میں سرمست ہو کر رقص کرے۔

کبھی تو انتظار حد سے گزرے، کبھی تو من چاہی آ جائے۔

کبھی زندگی روئے تو آنکھ خوشی کا آنسو بہا جائے۔

کبھی دل ہنسے تو من چاہی قسمتوں کی پھوار برسے۔

کبھی مر جانے کو جی چاہے تو کوئی زندگی آنکھوں میں سجا کر لائے۔

کبھی تنہائیاں جاگ کر جو گ بھرنے نکلیں تو کوئی شہزادہ آ کر بیں بجائے۔

کبھی پھوٹ پھوٹ کر روئیں تو کوئی گود کھول کر خوشیاں دل کے دامن میں بھر لائے۔ کبھی خود کو گانے کا جی چاہے تو گیتوں کے بول آئیں۔

کبھی ناامیدی کا اندھیرا ہو تو کوئی امکان کے پر روشن کرنے آئے۔

"آ" سے "اماں" "ا" سے "امی" "ب" سے "بابا" تک۔ اس کی جڑ باتیں ختم ہو گئی تھیں۔

"ا" سے "اللہ" یہ سنتے ہی لال خان کی آواز آئی تھی۔ وہ چونکہ نہایت گہرے خیالوں میں تھی۔ چونک کر اچھل پڑی۔ لال خان اسی طرح ٹہلتے رہے۔

"اندر کمرے میں آؤ۔ ضروری بات کرنا ہے۔ جلدی آؤ۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

وہ سر جھکائے ہوئے ترلے میں اس سے مخاطب تھا۔

وہ آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے پیچھے ہو لی۔

لال خان بستر پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ کھڑی رہی۔

"بیٹھ جاؤ" اس نے خالی پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"...کیا ہے؟" اس نے بہت آہستہ سے اس سے سوال کیا تھا۔

"...میں بیٹھ سے تھی ہوں۔ میرے تو کوئی بچے نہیں ہوئے۔" وہ بے ساختگی سے بولی۔

"...نے پہنچنے کی کی ہے" "...ہوں۔ ...تو میں نے ...ہوئے ہوئے ...ہوئے ہیں۔

"...ایک دل ہے جو ...ہوئے ...ہوں۔ ...ہوں۔" ...ہوئے ...ہوئے ...ہوئے

کو کمال کی بلاؤنگ دیکھنے کے قابل تھی۔ بیٹے، بیٹی داماد بہوئیں کرکٹ کی باتیں کر رہی تھیں۔

"تمہارے پاس بلیو چڑیاں ہیں تو وہ کیوں نہیں بھیجیں"۔ نانیہ نے نواسی کو کہا۔

"کیا فوٹو گرافی بھی ہو گی؟" روبی نے سادگی سے پوچھا۔

"جی — فوٹو گرافی کی ایسی تیسی جب تم نے ہیجنگ کی ہے تو ہوری کرو۔ جب یہ دانت کا درد بڑھ کر بلیڈ کینسر بنے گا تو پتہ چلے گا"۔ ثمر نے چھیڑا۔

"خبردار جو تم نے میرے فرینڈ کی شان میں گستاخی کی۔ یہاں کی تو تریخ از جان دوست ہم سب اس کو بلی اور چھان بین کرتی تھیں پٹاور سے"۔ ہیبے نے ناک پہ کتابی انداز میں گھما کر کہا۔

"ہاں تو لائی تھی ہاں تم کیوں جل رہی ہو؟" روبی نے تنگی سے کہا۔

"بھئی اس خوشی کے موقع پر یہ تکرار کیسی، جس کا جیسے دل چاہے تیار ہو جائے کوئی لڑائی تو نہیں ہے گی"۔ گلوسنیہ نے لڑنے کی عادت سے مجبور تھیں۔

"اوے کیا روبی آج سوتی رہے گی۔ جا کر اسے اٹھاؤ۔ ہم سب لان کے پاس جائیں گے اور وہیں سے ساتھ چلیں گے سوچیں گی؟" ثمری نے دوسری قسم کا لڑنا شروع کیا۔

"میں گئی تھی اسے اٹھانے۔ یوں خراٹے بھیجے لگ رہی ہے"۔ حنا نے اپنی بپتا سنائی۔

"ہیا کیوں نہیں اٹھ رہی، کہاں تمہارے خوشی کے نیند نہیں آ رہی تھی؟" سونا نے حسب توقع تجویز کا اظہار کیا۔

"باری سے کہو وہ دستک دے کر جس آواز دے والے دنیا کے اس کونے پر بھی سو رہی ہو گی تو اٹھ جائے گی"۔ ہیبے مسکرائیں۔

"بالکل بھی سوٹ نہیں کرتی آپا۔ آپ کی یہ پھپھو بھانڈ۔ وہ ولاد علی خان کی پوتی اور یاور علی خان ای سی کی نکلوتی بیٹی ہے۔ مذاق بھی اس کے سٹینڈرڈ کا کیا کیجئے"۔ لالی نے باگوری سے انہیں لوکا۔

"ہا — ہا — یہ کہنت اسٹینڈرڈ"۔ ہیبے نے آہ بھری۔ بھلا وہ باز آنے والی تھیں۔

"مگر آپا کل وہ اتنی دیر تک کیوں سوتی رہتی ہے"۔ سونا پریشان ہوئی

"نشہ چڑھا ہوا ہے شاید"۔ ہیبے نے پھر فس کر کہلوایا۔

"کس چیز کا؟" حنا نے پریشان کران کی طرف دیکھا۔

"بھئی اتنی کیوٹ اتنی سمارٹ سی والدہ آئی ہیں"۔ ہیبے نے ماحول کے تیور دیکھ کر بات بدل ڈالی۔ یوں بھی روبی خود وہیں تھی۔ انہیں مزا نہیں آ رہا تھا۔

"میں جا کر اٹھاتی ہوں، دیکھتی ہوں کیسے نہیں اٹھتی"۔ گلو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کھٹائی لیتی جاؤ۔ خاب کٹائی سے نشہ ٹوٹ جاتا ہے"۔ ہیبے ہنسیں۔

"پھر آپ اتر جائیں اس کے معدے میں، یہ تو بڑا موٹر ہو گا"۔ روبی بڑی دیر سے برداشت کر رہی تھی جل کر

بولی۔

یہ سنتے ہی روبی کی طبیعت میں بل پڑے اور وہ اس لڑکی کی طرف بڑھی

"بابا! روبی اٹھ گئی کیا؟" گلو نے سادگی سے پوچھا۔

ہیبے قہقہہ کر کے منہ اندر کھینچ لیے۔ ثمر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

گلو کچھ نہ سمجھ کر ہنسنے لگی۔ روبی بڑھتے بڑھتے رک گئی۔ اگلے جو ان پر ہنس رہے تھے، وہ بھی ہنسنے لگے۔

"کیا ہوا؟"۔ اس نے باآواز بلند سوال کر کے جواب دینا شروع کر دیا۔

"جی مجھے کیا معلوم"۔ اس نے باآواز بلند سوال کر کے جواب دینا شروع کر دیا۔

"بھئی ہوا مطلب یہ تھا کہ تم نے اسے یہاں وہاں کہیں، دیکھا تو نہیں۔ خود جب وہ لیٹ اٹھتی ہے تو کتنی دیر تک ناشتہ کرتی ہے"۔ گلو نے وضاحت کی کہ لڑکیوں کو لڑکیاں ہی سمجھ سکتی ہیں۔

"نہیں جی مجھے افسوس ہے۔ میں نے انہیں کہیں نہیں دیکھا"۔ روبی نے قطعیت پیش کرتے ہوئے بات ختم کر دینا چاہی۔

چھڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

"دیکھو ہے ہوئے کی ملیسن ہے"۔ ہیبے نے اظہار تاسف کرتے ہوئے روبی کو چھیڑا۔

روبی منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"جانی ہوں، میں اس کے پاس۔ تم لوگ اپنا کام کرو"۔ گلو باہر نکل گئیں۔

"یا اللہ! کیا یہ واقعی سچ کہہ رہی ہے"۔ گلو نے دروازہ دھڑ دھڑایا۔

"کیا ہے آپا؟" روبی جھٹ اٹھ کر دروازہ کھولنے آئی تھی۔

"ہوش کی دوا کرو۔ دس بج رہے ہیں۔ بڑی امی کو پتہ چل گیا تو خوب کلاس لیں گے"۔ گلو باہر ہوئی اور چلی گئیں۔

روبی ہڑبڑا کے پھر بستر پر ڈھے گئی تھی۔

"کیا فراڈ کر رہی تھیں؟" اس نے جھک کر اس کا بازو دھڑ سے ہلایا۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ خراٹے کی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"گیا ہو۔ جو دیکھ کر کیا رہتا ہے"۔ وہ ہنسیں۔

"کیا ہوا ہے؟"

"تمہارا سر ہوتا ہے۔ یہ بڑا غریب قسم کا نشہ ہوتا ہے۔ مگر بہت چڑھتا ہے۔ اب تم اٹھ جاؤ شرافت سے"۔ انہوں نے ایک دھپا مار کر اس کی پشت پر۔

"آپا مجھے بہت سخت نیند آ رہی ہے۔ پلیز پلیز"۔

"ٹھیک ہے۔ خالہ کا سوچو۔ کیا کہیں گی وہ۔ وہم ہو جائے گا انہیں کہ شاید تم خوش نہیں ہو۔ اور یہ اچھا نہیں ہو گا۔ اب تم

سوار ہے ہوں گے"۔

"مگر میں کیا کروں — کوئی کھائی ہوئی ہے میں نے۔ میری آنکھیں نہیں کھل رہی ہیں۔ نیند سے کہہ دیجئے کہ میری رات سے طبیعت خراب ہے"۔ وہ خفگی سے بول رہی تھی۔

گلو نے اسے جھنجھوڑ کر سیدھا کر دیا۔

"کیا کر رہی ہو پاگل سیدھی ہو کر سنو۔ کیوں کھائی گولی — ؟" گلو سخت بے اطمینانی سے پوچھ رہی تھی۔

"نیند نہیں آ رہی تھی۔ اور یوں لگ رہا تھا کہ اگر چند گھنٹے اور جاگی رہی تو میری دائیں شریانیں بہت پھٹیں گی۔ اور پھر کیا کرتے؟"

وہ دوسری طرف بھیرے ہوئے خوابیدہ لہجے میں بول رہی تھی۔

گلو چڑھ گئے بڑے مگر متفکرانہ انداز میں اس کی طرف جھکی رہی۔ پھر جھک کر اس کی پیشانی سے بال پیچھے۔

"روشی — میری جان — کیوں نہیں آ رہی تھی نیند؟ اور کیا سوچ رہی تھیں۔ کیوں سوچتی ہو اتنا۔ کیا آفت آنی ہے تم پر۔ اور تم تو خالہ کے آنے پر بہت زیادہ خوش تھیں نا پھر؟"

گلو در حقیقت بہت پریشان ہو گئی تھی۔

"وہ تو میں ہوں۔ مگر آپ اگر مند نہ ہوں۔ یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ کوئی بات نہیں ہے پلیز آپ۔ آپ مجھے سونے دیں"۔ اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "سارے گھر میں سب سے بڑی مسئلہ ہیں تو آپ ہیں میری۔ بس آج سو لینے دیجئے۔ اسکے بعد جو کہیں گی کر لوں گی۔ جو پھر جاگ لوں گی"۔

پھر اٹھ ہی گئی۔ گلو اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ بے کار ہے۔ مشکل ہی ہے جو آسانی سے وہ پھر سو سکیں۔

وہ دروازہ کھول کر جانے لگیں تو باری پر نظر پڑی۔ وہ بابا صاحب کی خواب گاہ سے نکل رہا تھا۔

"اے — باری کے بچے۔ ادھر آؤ"۔ انہوں نے مصنوعی خفگی کے ساتھ اسے پکارا۔

"جناب"۔ وہ بھی مسکراتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"یہ تم اگر دیئے ہوئے ہو گلو کو نا پھر؟"

"وہ جو ہم سے کہا گیا تھا"۔ وہ شرارت سے مسکرایا۔

"ہوں — بھاری ڈوز لے کر سو رہی ہے۔ پتا نہیں اسے کیا ہو گیا ہے۔ پتہ تم لوگ سے سنبھالی ہو گی"۔

"انگلینڈ میں ہوتا ہے آپ جیسی حیثیت کے بڑے لوگ دوستانہ ہوتے ہیں۔ پر جیسے آپ شوکت کو ایمان کا درجہ دینے والے ہیں اپنے ہاتھ رکھتے ہی ایمان لانے والے۔ ایسا گھاس کھایا ہوا گائے ہیں آپ کو۔ وہ بتائیں گی اور میں نہ مانوں گا۔ رات کے سامنے ہی جان میں طرح سے نکال کر مختصر سے گولی کھائی ہے"۔

"تم نے روکا نہیں — پوچھا نہیں؟" گلو نے خفگی بھرے لہجے میں سوال کیا۔

"میں کیسے روک سکتا تھا۔ وہ چلا گیا تھا تو پیچھے سے کیا ہوتا ہے۔ سونے والے تھے۔ میں نے کیسے روکتا"۔

"پھر کیا کہا ہے"۔

"مگر یہ تو نشہ بتاتا ہے۔ وہ ایسا کیوں کرنے لگی ہے۔ کیا مسئلہ ہے۔ معاملہ ہوا ہے"۔ گلو کو اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"موسم کی کمی ہے۔ مسئلہ حل کرنے کے بجائے غلط کاری کرتی ہیں۔ خواہ مخواہ ہو گئے۔ آپ کو سونا ہے"۔ باری نے ٹوکا دیا۔

"ہوں" خواہ مخواہ کیسے ہو جاتے۔ اور ہو گئے ہوں تو اسے خواب آور دوا کی کیا ضرورت تھی۔ اور پھر اس کی شادی ہو گی۔ کیا سوچیں گے اس کے سسرال والے"۔ گلو نے الجھن کا اظہار کیا۔

باری ان کی دور اندیشی پر مسکرا دیا۔ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

"کوئی بات تو ہر حال ہے۔ ورنہ یوں تو نہیں ہوتا۔ وہ اس وقت گھر ہے نا"۔

"آپ فکر نہ ہوں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ٹھیک ہو جائیں گی"۔ باری نے تسلی آمیز جواب دیا۔

"شاید نہیں پتا نہ ہو۔ وہ اس رشتے سے خوش نہیں ہے۔ کہیں پھر کچھ کر نہ بیٹھے۔ حالانکہ باری نیم بہت اچھا ہے۔ سے ہیں؟" وہ باری کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"جی — کیا شک ہے اس میں؟" باری اور طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں لڑکیاں کسی کو پسند کرنے کی جرأت تو کر نہیں سکتیں۔ جہاں ہو سے رشتے کر دیتے ہیں۔ وہ بیچارے اس دیکھتی ہیں۔ بات پہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ کیوں؟" وہ در حقیقت بہت پریشان تھیں۔

"نہیں"۔ باری نے جلدی سے کہا اور بیسٹ ایچ پر نظر ڈالنے لگا۔

"کہیں جا رہے؟" گلو کو اس کا انداز دیکھ کر تعجب ہوا۔

"جی سر نے بلایا ہے۔ کاکا جان کو دیکھنے پر جانا ہے"۔ اس نے جواب دیا۔

"ایک تو کاکا جان کے مسئلے ختم نہیں ہوتے۔ وہاں انہیں کوئی اور نہیں مل سکتا۔ آتی دو سے تمہیں دوڑیں لگواتے ہیں۔ وہ جھلا گئیں۔

"بہت عرصہ ہو گیا پتا بھی نہیں آیا۔ اب تک خاصا بڑا ہو گیا ہو گا۔ اردو بولتا آتی ہے یا اب بھی انگریزی میں بولتا ہے"۔ وہ مجھ سے پوچھیں۔

"گلو نے بھی اسے خاصے عرصے سے نہیں دیکھا۔ وہ عربی کانونٹ میں پڑھتا ہے ہاں۔ دیکھنے آتی ہوتی اسے اور بولا"۔ وہ ہنس دیا۔

"سمرائے والی جرمنی میں یہاں کی طرح۔ رونق تو نہیں ہوتی۔ کون کون ہوتا ہے ہاں"۔ گلو کو باتوں میں لگا کر بھول گئیں۔

"اوں انکل بھی نہیں ہیں۔ یہاں سے زیادہ ہیں"۔ وہ مسکرا دیا۔

"اچھا — میں چلتا ہوں — دیر ہو رہی ہے"۔

"کاکا جان سے کہنا۔ اس مرتبہ بچوں کو چھٹیوں میں یہاں بھیج دیں۔ بہت دن ہو گئے ہیں انہیں دیکھے ہوئے"۔ گلوبند گرا کے بڑھ گئیں۔

ڈولی کھا باہر جانے والے راستے کی طرف چل دیا۔

بڑی امی نے بڑے اہتمام سے تیار ہوئی لڑکیوں کو دیکھا تو حیرت سے پوچھ گچھ کی۔ یہ جان کر کہ آج قریب والے محل خان کی طرف سے لڑکے دیکھنے آنے والے ہیں۔ انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔

"بھئی ہم تو ہم لوگ۔ دلہن نہ پسند کر لیں کی تو ہمیں بھولے ہی آوے گی یہاں"۔

اب لڑکیاں بے چاریاں سج دھج کر انتظار میں بیٹھ گئی تھیں۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے انتظار کے بعد عالم تاب ماہین کے ساتھ ہال کمرے میں داخل ہوئیں۔ کمرے میں ایک ہلچل سی شروع ہو گئی۔

شانتگ پنک کا دار کرتے شلوار اور اپنے میں ماہین بہت خوش نہیت فریش نظر آ رہی تھی۔

"اللہ — کیسے کیسے گل کھلاتے ہیں یار اور ماموں۔ کیسے اچھی دلہن ملی ہے اس عمر میں انہیں؟" مریم ڈولی کے کان میں منمنائی۔

"اب بوڑھے تو نہیں ہیں وہ۔ ان کی پہلی شادی تو خاصی کم عمری میں ہوئی تھی"۔

ماہین ان سب کے سلام وصول کر کے صوفے پر بڑی امی کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ اس کی نظریں ادھر ادھر روشنی کو تلاش کر رہی تھیں۔

کہاں تو پرشوق انداز سے تیار ہوا تھا کے بے تابی ہوا ہے۔ کہاں یہ کب سے نظر نہیں آ رہا۔

"کیا آپ یاور بچا کے ساتھ ہری پور چلی جائیں گی؟" عالیہ نے پرشوق انداز میں اس کے سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

ماہین عالم تاب کی طرف دیکھ کر دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی۔

"انہیں تو کیا تمہارے ساتھ رہنے کیلئے یاور ماموں اتنی دور سے دلہن لائے ہیں"۔ لالی چڑ گئی۔

"مگر دیکھو ان جو آپ کو ہمارے ساتھ رہنا چاہیے۔ یاور ماموں تو اپنی طرح کر لیں گے اور آپ کو۔ جس طرح انگریز آتے ہیں۔ پتا چلتا ہے۔ راج کرنے آئے تھے۔ ہم ہو کر بھی نہیں اٹھے اور وہ چلے بھی گئے"۔ عالیہ نے اپنے خدشات ظاہر کئے۔

"روشنی کہاں ہے؟" بڑی امی نے موجود لڑکیوں پر جھٹ نظر ڈال کر قدرے بلند آواز سے پوچھا۔

"وہ ہی ہیں"۔ مریم دبے دبے لہجے میں بولی تھی۔ بھت بول پڑی۔

"یہ لوں ساڑھے بارہ بجے ہیں"۔ "یا اللہ اب دوپہر سے ہو لیں"۔ ماہین بھی چونک پڑی۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ہلکی پھلکی سی ہوئی تھی ناں اس نے ابھی اس کی وجہ سے سو رہی ہے"۔ لگوے بھت

نے کہا۔

"کیا ہوا ہے؟" ماہین فکر مند ہو گئی۔

"بخار تھا۔ اب ٹھیک ہے"۔ لگوے نے اس کی فکر مندی کو محسوس کر کے اطمینان دلایا۔

"ٹھیک ہے اسے آرام کرنے دو۔ میں خود بھی ہو آؤں گی اس سے۔ اس نے کچھ کھایا؟" ماہین نے پوچھا۔

"جی۔ اپنی مرضی کو لے ہو روشنی کے پاس۔ وہ کہتی ہے ہو ماہین کو لے آپ کھانے سے پہلے ہو آپ سے ملنا چاہتی ہے"۔ لگوے نے جواب دیا۔

ماہین اٹھ کھڑی ہوئی اور چل دی۔

"روشنی کو لے کر یہیں آ جانا۔ ابھی تو ہم نے ٹھیک سے دلہن کو دیکھا بھی نہیں"۔ بڑی امی نے کہا۔

عالم تاب نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور زینے کی طرف چل دیا۔ ماہین کے باہر جانے سے پہلے لڑکیاں کھسر پھسر کرنے لگی تھیں۔

لگوے ماہین کو لئے روشنی کے کمرے میں چلی آئی۔

"روشنی۔ دیکھو کون آیا ہے؟" لگوے نے اس کو آواز دی۔ روشنی سو رہی تھی۔

روشنی نے بمشکل آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا۔ پھر فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آپ — آپ یہاں کیسے؟"

"السلام علیکم۔ اس قدر دھوکا دیا ہے"۔ ماہین اس کے ساتھ بیٹھ کر مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"کیسی ہیں — طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پتا چلے گئے تھا؟" سوال اس نے چونک کر پوچھا۔

"کہاں؟" ماہین کی نظریں جھک گئیں۔ یہ کہاں کا بے ساختہ سا انداز ہوا ہے اپنے روشنی سے کئے ہوئے سوال پر

"ڈولی یار!" اس نے ہاتھوں سے اپنے بال سمیٹے۔

"نہیں — شاید کچھ جانتی ہے"۔

"آپ کیسی؟" اس نے پریشانی سے ماتھے رگڑ کر ماہین کا چہرہ دیکھا۔

"ٹھیک ہے"۔ وہ مسکرا دی اس کے پریشانی سے سوال پر۔

"ٹھیک تو نہیں ہونے دوں گی آپ کو۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ ہم تو ابھی ٹھیک سے آپ سے ملے بھی نہیں"۔ اس کا لہجہ خفگی لئے تھا۔

"کیسی بھی خاطر مدارات شادی کے بعد بھی ہو جائے"۔ لگوے نے کہا تو وہ اس کا مطلب سمجھ کر اسے دیکھنے لگی تھیں۔ ماہین بھی مسکرا دی۔

"ہاں۔ کیا کر رہے ہیں؟" اس نے جانے کہاں پوچھا۔

"آپ کی یاد میں کھو رہے ہیں"۔ اس نے عام سے انداز میں جواب دیا۔

"اچھا — میں چلتا ہوں — دیر ہو رہی ہے"۔

"کاکا جان سے کہنا۔ اس مرتبہ بچوں کو چھٹیوں میں یہاں بھیج دیں۔ بہت دن ہو گئے ہیں انہیں دیکھے ہوئے"۔ گلوبند گرا کے بڑھ گئیں۔

ڈولی کھا باہر جانے والے راستے کی طرف چل دیا۔

بڑی امی نے بڑے اہتمام سے تیار ہوئی لڑکیوں کو دیکھا تو حیرت سے پوچھ گچھ کی۔ یہ جان کر کہ آج قریب والے محل خان کی طرف سے لڑکے دیکھنے آنے والے ہیں۔ انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔

"بھئی ہم تو ہم لوگ۔ دلہن نہ پسند کر لیں کی تو ہمیں بھولے ہی آوے گی یہاں"۔

اب لڑکیاں بے چاریاں سج دھج کر انتظار میں بیٹھ گئی تھیں۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے انتظار کے بعد عالم تاب ماہین کے ساتھ ہال کمرے میں داخل ہوئیں۔ کمرے میں ایک ہلچل سی شروع ہو گئی۔

شانتگ پنک کا دار کرتے شلوار اور اپنے میں ماہین بہت خوش نہیت فریش نظر آ رہی تھی۔

"اللہ — کیسے کیسے گل کھلاتے ہیں یار اور ماموں۔ کیسے اچھی دلہن ملی ہے اس عمر میں انہیں؟" مریم ڈولی کے کان میں منمنائی۔

"اب بوڑھے تو نہیں ہیں وہ۔ ان کی پہلی شادی تو خاصی کم عمری میں ہوئی تھی"۔

ماہین ان سب کے سلام وصول کر کے صوفے پر بڑی امی کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ اس کی نظریں ادھر ادھر روشنی کو تلاش کر رہی تھیں۔

کہاں تو پرشوق انداز سے تیار ہوا تھا کے بے تابی ہوا ہے۔ کہاں یہ کب سے نظر نہیں آ رہا۔

"کیا آپ یاور بچا کے ساتھ ہری پور چلی جائیں گی؟" عالیہ نے پرشوق انداز میں اس کے سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

ماہین عالم تاب کی طرف دیکھ کر دھیرے سے مسکرا کر رہ گئی۔

"انہیں تو کیا تمہارے ساتھ رہنے کیلئے یاور ماموں اتنی دور سے دلہن لائے ہیں"۔ لالی چڑ گئی۔

"مگر دیکھو ان جو آپ کو ہمارے ساتھ رہنا چاہیے۔ یاور ماموں تو اپنی طرح کر لیں گے اور آپ کو۔ جس طرح انگریز آتے ہیں۔ پتا چلتا ہے۔ راج کرنے آئے تھے۔ ہم ہو کر بھی نہیں اٹھے اور وہ چلے بھی گئے"۔ عالیہ نے اپنے خدشات ظاہر کئے۔

"روشنی کہاں ہے؟" بڑی امی نے موجود لڑکیوں پر جھٹ نظر ڈال کر قدرے بلند آواز سے پوچھا۔

"وہ ہی ہیں"۔ مریم دبے دبے لہجے میں بولی تھی۔ بھت بول پڑی۔

"یہ لوں ساڑھے بارہ بجے ہیں"۔ "یا اللہ اب دوپہر سے ہو لیں"۔ ماہین بھی چونک پڑی۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ہلکی پھلکی سی ہوئی تھی ناں اس نے ابھی اس کی وجہ سے سو رہی ہے"۔ لگوے بھت

نے کہا۔

"کیا ہوا ہے؟" ماہین فکر مند ہو گئی۔

"بخار تھا۔ اب ٹھیک ہے"۔ لگوے نے اس کی فکر مندی کو محسوس کر کے اطمینان دلایا۔

"ٹھیک ہے اسے آرام کرنے دو۔ میں خود بھی ہو آؤں گی اس سے۔ اس نے کچھ کھایا؟" ماہین نے پوچھا۔

"جی۔ اپنی مرضی کو لے ہو روشنی کے پاس۔ وہ کہتی ہے ہو ماہین کو لے آپ کھانے سے پہلے ہو آپ سے ملنا چاہتی ہے"۔ لگوے نے جواب دیا۔

ماہین اٹھ کھڑی ہوئی اور چل دی۔

"روشنی کو لے کر یہیں آ جانا۔ ابھی تو ہم نے ٹھیک سے دلہن کو دیکھا بھی نہیں"۔ بڑی امی نے کہا۔

عالم تاب نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور زینے کی طرف چل دیا۔ ماہین کے باہر جانے سے پہلے لڑکیاں کھسر پھسر کرنے لگی تھیں۔

لگوے ماہین کو لئے روشنی کے کمرے میں چلی آئی۔

"روشنی۔ دیکھو کون آیا ہے؟" لگوے نے اس کو آواز دی۔ روشنی سو رہی تھی۔

روشنی نے بمشکل آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا۔ پھر فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"آپ — آپ یہاں کیسے؟"

"السلام علیکم۔ اس قدر دھوکا دیا ہے"۔ ماہین اس کے ساتھ بیٹھ کر مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"کیسی ہیں — طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پتا چلے گئے تھا؟" سوال اس نے چونک کر پوچھا۔

"کہاں؟" ماہین کی نظریں جھک گئیں۔ یہ کہاں کا بے ساختہ سا انداز ہوا ہے اپنے روشنی سے کئے ہوئے سوال پر

"ڈولی یار!" اس نے ہاتھوں سے اپنے بال سمیٹے۔

"نہیں — شاید کچھ جانتی ہے"۔

"آپ بھی؟" اس نے بڑی بڑی آنکھوں سے ماہین کا چہرہ دیکھا۔

"ظاہر ہے"۔ وہ مسکرا دی اس کے بچکانہ سے سوال پر۔

"مگر آپ کو نہیں جانے دوں گی میں آپ کو۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ ہم تو ابھی ٹھیک سے آپ سے ملے بھی نہیں"۔ اس کا لہجہ شکوہ کناں تھا۔

"کبھی بھی خاندان شادی کے بعد بھی آتا ہے"۔ لگوے نے کہا۔ وہ اس کا مطلب سمجھ کر مسکرا دیں۔

ماہین بھی مسکرا دی۔

"ڈولی کیا کر رہے ہیں؟" اس نے جانے کہاں پوچھا۔

"آپ کو یاد کر رہے ہیں"۔ اس نے عام سے انداز میں جواب دیا۔

"اب بھی ناراض دیکھتے ہیں؟"

"آپ کو کیا لگتا ہے؟" اس نے ترچھی نظروں سے کھڑکی کے باہر سے اندر آتی روشنی کو دیکھا۔

"لگتا تو یہی ہے کہ آپ کی قسمت کے ستارے ان دنوں گردش میں ہیں۔ اچھا ہے۔ معروف ہیں۔" ماہین نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔ جواباً گلو نے مسکراہٹ لبوں پر بکھیری۔

روشی سلمہ ہاتھ دھونے باتھ روم میں چلی گئی۔

"بابا صاحب اولیاء نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک چیز اس دنیا کی سچی ہے۔ مگر اس کی ناسازگاری کے باعث اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے لوگ ہچکچاتے ہیں۔" ماہین نے گلو سے مخاطب ہو کر کہا۔

"یہ دیکھیں۔ یہ انگلی پر تل۔ اس کا استعمال بائیں ہاتھ کا ہے۔ بابا صاحب نے بائیں ہاتھ کی انگلی پر تل کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔" ماہین نے گلو کے ہاتھ کی انگلی پر تل کو دیکھا۔

"آپ لوگوں کے نزدیک سونے چاندی کی انگلی کی اہمیت ہوگی۔ جب بندے کا دل ہی خاک ہو تو مال کی کیا اہمیت۔ سب مٹی ہے۔ یہ انگوٹھیاں۔" وہ ہاتھ لہرا کر بولا۔ "اب کیا سر پر رکھ کر گھومیں۔" وہ ہاتھ لہرا کر پیچھے ہوتے ہوئے تکیے پر ٹک گیا۔

"خوامخواہ اتنا بھی تمہارا دل کیوں خاک ہونے لگا ہے۔ ایسے نہیں کہتے۔" ماہین نے ٹوک دیا۔

روشی نے عجیب سے انداز میں گہری سانس لی اور بالوں میں برش چلانے لگی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں گلو؟" اس نے باہر جاتی ہوئی گلو کو آئینے میں دیکھتے ہوئے مخاطب کیا۔

"ماما کو کہتی ہوں۔ تمہارا ناشتہ بھجوا دے۔"

"تم کتنی کیئر کرو روشانے! سب تمہارا کتنا خیال رکھتے ہیں۔" ماہین نے جیسے اس کا دل بڑھایا۔

"سب کیا... بس یہ گلو آپا... سب کا خیال رکھتی ہیں۔ بس عادت سے مجبور ہیں بے چاری۔ میں کہیں جاؤں تو سب سے زیادہ یاد آتی ہیں مجھے۔ آپ کو معلوم ہے جن سے پیار کیا جائے وہ بڑے ظالم لگنے لگتے ہیں۔"

روشی نے ماہین کو اطلاع دی۔

"اچھا پھر تو بھوپا جائے۔ ظفر واپس آتا ہے جب دونوں پاگل ملیں گے۔ نیا نام ہے گلو کے مجنوں کا۔"

"مجنوں۔ جنوں ہی کے سگے بھتیجے ہیں۔ ذرا دیر آپی کے بھائی۔"

"اچھا اچھا۔" ماہین فوراً سمجھ گئی۔

"گلو کا اصلی نام کیا ہے؟"

"گلو روشانے اعلیٰ خان۔" وہ مسکرا کر ماہین کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"آپ نے عجیدی یاد سے لکھا تھا۔" اس نے ماہین کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہیں! میری دوست بنو گی؟" روشی ایکسائیٹ ہوئی۔

"واقعی بہت خوشی ہوئی روشانے۔" اس نے کہا۔

"مجھے بھی ہو رہی ہے۔ ابھی بھی اس بات کا یقین نہیں آ رہا۔" ماہین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ آپ کو کبھی بھی کوئی دوست بنانے کی ضرورت پیش آئے گی۔ آپ کی شخصیت ہی ایسی ہے۔ کہیں۔ کچھ ہو گیا ہے تمہارے دل کو؟" ماہین نے دل کی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں... ایک بات پوچھوں۔" اس نے کچھ ہچکچا کر کہا۔

"ہاں۔"

"آپ نے خوشی کے ساتھ کیا سے شادی کی ہے؟"

ماہین اس کے انداز پر بے ساختہ مسکرا دی۔

"ظاہر ہے۔ دونوں کے دل ملے ہوں گے۔" اس نے کہا۔

"اچھا... کیا آپ کو پتا تھا کہ کیا آپ کو پسند کرتے ہیں؟"

ماہین اس بار کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس نے روشی کے رخسار پر ہلکا سے چپت لگائی۔

"شادی کرو گی تو خود ہی پتا لگ جائے گا۔ سب کہتے ہیں تو ٹھیک ہی کرتی ہو۔" اس نے بات سمجھائی۔

"کبھی کبھی تو یقین کریں۔ مجھے یہ یقین ہوتا ہے کہ میں بے حد اہم ہوں۔ کوئی بھی بات کہ اہمیت ہی نہیں ہوتی۔" روشی کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"ارے نہیں بھئی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ ابھی تم اس کھیل کو سمجھ رہی ہو۔" ماہین کو بہت الجھن ہو رہی تھی۔ مگر اس نے ضبط سے کام لیا۔

"اچھا یہ بتاؤ۔ اب تک کیوں سوئی رہیں؟"

"رات کو بہت جو سوئی تھی۔" اس کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔

"اور ہو کیوں سوئی تھیں؟"

"نیند کیوں آئی۔" اس نے صاف بات کی۔

"اور نیند کیوں نہیں آتی؟"

"پتا نہیں۔" وہ نظریں چرا گئی۔

"پتا نہیں روشانے تم مجھے اس مرتبہ کافی بدلی ہوئی محسوس ہو رہی ہو۔ یوں جیسے تمہارے ساتھ کوئی زبردست واقعہ پیش آیا ہو۔ کوئی تبدیل ہوئی تمہارے انداز، ہر چیز بدلی ہوئی ہے۔" ماہین نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"اپنی عقل سے غور کیں؟"

"یہ بھی کوئی خوشی کی بات ہے۔" اس نے منہ بنایا۔ "ساری لڑکیاں لڑکیوں کی شکلیں ہوتی ہیں۔"

"تو پھر کیا لڑکا ملنا تمہاری خوشی کی بات ہوتی ہے۔" وہ شرارت سے بولی۔

"کم از کم مجھے تو ایسی شادی والی سے بھی کوئی دلچسپی نہیں۔" روشی نے منہ بنایا۔

"کھرا پیلی دلچسپی کا نام ہے"۔ مایین نے کہا اور ہنسی تیز آواز میں ہنس پڑی۔
روشی کا دل بھر آیا۔ کہا۔
"نہیں۔ میں کبھی نہیں"۔ اس نے التجا کی۔
"بھولو گے تم ہمارے اچھے خان اور فرشتے بھی۔ چلو کہ ہم فی الحال یہ موضوع ختم کرتے ہیں۔ ہم کچھ دیر
دیر میں بات کریں گے"۔ مایین نے گلو کو آتے دیکھ کر موضوع بدلا۔
"بابا صاحب کہہ رہے ہیں دلہن کو ہال میں لے کر آؤ سب گھر والوں کے ساتھ تصویر بنیں گی"۔
"کھینچے گا کون؟" (حسیان اسی دشمن جاں کی طرف جانا تھا)۔ اس نے پوچھا۔
"اوہ۔ بڑی زبردست فوٹو گرافی کرتے ہیں"۔ گلو نے بتایا۔
"اوہ؟"۔ مایین نے سوالیہ انداز میں روشی کی طرف دیکھا۔
"گلو آپا کے بڑے بھائی۔ سعید بھائی کے شوہر نامدار"۔ روشی نے جانبانہ تعارف کا مرحلہ طے کیا۔
"روشی تو ابھی ہنستا کرے گی"۔ مایین نے گلو کی طرف دیکھا۔
"ہاں تو آ جائیں گی۔ وہاں ابھی دیر تک سیشن ہوگا"۔ گلو خوش کر گویا ہوئیں۔
"چلیں آپ تو جائیں"۔ انہوں نے مایین سے کہا۔ تو مایین دوپٹا سر پر درست کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"لال خان نہیں آیا؟" بالو کی ماں نے اسے پہلی مرتبہ تنہا گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر تعجب سے سوال کیا۔
بالو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور ساتھ لایا ہوا بیگ ایک طرف رکھ کر تھکے تھکے انداز میں بیٹھ گیا۔
"طبیعت کیسی ہے تیری؟ چہرہ اترا اترا لگ رہا ہے"۔ بالو کی ماں فکر مند ہوئی۔
"ابھی مجھ سے کوئی بات نہ کرو ماں۔ آرام کرنے دو مجھے"۔ اس نے بیزاری سے کہا۔
"تو کیا لال چلا کر آ رہی ہے"۔ وہ بھی بگڑ کر بولی۔
"رات بھر سوئی نہیں۔ نیند آ رہی ہے مجھے"۔
"کیا پہاڑ گانی رہی ہے رات بھر؟" اس کی ماں بھڑک سی گئی تھی۔
"ہاں۔ سارے بچے دانگ گا کر آ رہی ہوں۔ بس تم چپ ہو جاؤ"۔ وہ اسی طرح بیزار کن انداز میں بولا۔
اس کی ماں نے گھڑی بھر کو اس کے سراپے پر نظر ڈالی اور باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔
بالو آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گیا۔
"اری۔ تیری سونے کی چوڑیاں کہاں ہیں؟"
اس کی ماں دوبارہ آئی تو بیگ کھلا ہوا دیکھ کر جھانکنے لگی۔ آخر سارے محلے میں اس کی بیٹی کی دلہن بھر سونے کی
چوڑیوں کے چرچے تھے۔

"میں نے نہیں۔ وہ نے لی ہیں"۔ وہ بیزار ہو کر بولا۔
"میں نے نہیں" وہ ایک دم ہوشیار ہو گئی۔
"لال خان کی ماں کہاں ہے؟"
"اب وہ اپنے کام پر جائے گی"۔ وہ جھنجھلا کر بولا۔ "میں نے کہا نا مجھے سونے دو"۔
بالو چیخ پڑا۔
"کیا چھوڑی ہیں؟" اس کی ماں کے تیور خطرناک ہونے لگے۔
"اماں۔ آپ بھی ہوش کریں۔ کیا چوڑیاں بچوں کی بھی ہوتی ہیں۔ چوڑیاں تھیں۔ وہ اس کی ماں نے
دے دیں"۔
اس کی ماں غصہ سے باہر جانے لگی تھی۔ تو بالو جلدی سے بولا۔
"کہاں جا رہی ہے؟"
"کوئی ہوش چاہیے تھی۔ مگر ہوش نہیں۔ بلیڈ دے آئی ہوں۔ فوٹو کرو۔ بچیں (اس کے گھر سے کام
"ہائے"۔ اس کی ماں نے سینے پر ہاتھ مارا۔ "ہمارا کیا لالچ لے آئی ہے؟"
"کچھ سمجھو"۔ اس نے سکون سے جواب دیا
"کیا سمجھوں بیٹا۔ جو ہوا ہے وہ تو۔ مگر تم نے ٹال دیا ہے اس نے تھے"
اس کی ماں کا تو دل بیٹھنے لگا۔ اس نے کھڑا ہونے کی سعی نہیں کی۔ وہیں بیٹھ گئی۔
"جو کچھ ہوا ہے۔ وہ ہوا ہے اور کیا بتاؤں اس کے؟" وہ چڑ کر بولا۔
"ارے وہ تو بڑا بھلا آدمی تھا۔ کیا کہتی اسے کیا ہوا؟ کیوں لالچ دی اس نے ہمارے
اسے لالچ نہیں۔ وہ ہمارا محسن تھا"۔
وہ بستر پر بیٹھے بیٹھے بڑبڑانے لگی۔
"یہ کیا کہہ رہی ہو۔ سر گئی ہو۔ کیا؟" وہ جھلا کر اٹھ بیٹھا۔
"اسے کاٹ مر جاتی۔ آنے دے اس کمبخت کے۔ آج میں کہہ کر رہوں گی"۔ وہ
"رہنے دو۔ اماں۔ بند کرو یہ ڈرامہ۔ جب مجھے کوئی دکھ نہیں تو تمہیں کیا ہے؟" وہ کوئی کہنی سنا کر لیٹ
گئی۔
"ارے کتنی محنت سے تو۔ پھر گھر والوں نے پایا تھا"۔ وہ بڑبڑا رہی تھی۔ "ارے سات کڑیاں کیوں آئی۔ سب کے
کہاں سے اب لائے گی۔ تو بھی بھرے بیاہے کی نگری میں کہلائے گی۔ آدھی ہو جائے گی۔ اس منحوس گھر میں
"اگر تمہیں اتنا دکھ ہے تو یہاں سے بھی چلی جاؤں گی۔ مگر ابھی تو چپ ہو جاؤ"۔
"کہاں چلی جائے گی۔ اور اس حلیے میں۔ کلموہی"۔ وہ بڑبڑا کر بولی۔

والہ ۔۔۔ واپس ولیٹ گئی۔

"دوسرے والے کو۔ پہلے ہی کہا تھا۔ ابھی طرح دیکھ لو۔ نہیں آتی ہو تو۔ آگلی بار بیٹے پر توجہ دینا۔"

باڈ اٹھ کر دوسری طرف بڑھ گئے میں بارے تختہ میں ڈھکر لیٹ گئی۔ باڈ سکی ایک بار پھر آنکھ میں اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔

رات ایک بجے کا عمل تھا۔

وہ بری طرح تھک کر سویا تھا۔ دروازے پر ہونے والی دستک پتھر کی طرح گی تھی۔ اعصاب پر۔ بلی تاریکی چھا کر بن جائے۔ بڑا سناٹا ہے۔

گھر دستک ۔۔۔ آہستگی سے اور بڑی احتیاط سے دی جا رہی تھی۔ اس کا ذہن فوراً رانی کی طرف گیا۔

اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دیا کی۔ چھت کی طرف دیکھتے ہوئے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور تکیے آئے ہوئے اداسی جھٹک کر اٹھی۔ اگلے بٹن لیے یوں اچھل کر پیچھے ہٹا تھا۔ جیسے بھوت کو دیکھ لیا ہو۔ سامنے مجسمہ کھڑی تھی۔

"آپ ۔۔۔ اس وقت؟" اس کے منہ سے یہی نکل سکا۔

"بری گھڑی دیکھ کر نہیں آتی"۔ مجسمہ تیز تیز دروازے کا بٹن مکمل سوت اور ایک ایک ہاتھ سے طوائف آپ نے پیٹ بڑی خوبی سے سکوڑ رہی تھی۔

باڈ نے قدرے سنبھلا کر سامنے کاؤنٹر سیمہ کے بیڈ روم کی طرف دیکھا۔

"کیوں آئی ہیں؟" اس نے رکھائی سے پوچھا۔

"چابی دو اس کو فکر ہی کی۔ اس نے آج دن بھر کچھ نہیں کھایا ہے"۔

"کھانا صبح کھتر۔۔۔ کی خوراک کا انتظار کر کے گیا تھا۔ آپ بلکان نہ ہوں"۔ اس نے دو لوگ انداز میں جواب دیا اور دوبارہ بند کرنے لگا۔

"مجسمہ نے کہنی تک بازو دروازے اور چوکھٹ کے درمیان اڑا دیا۔

باڈ نے بے بسی سے دروازہ پھر سے کھول دیا۔

"جی؟"

"چابی چاہیے۔ ہم رات کو باتیں کرتے ہیں۔ کو سکھ کہتے ہیں"۔

"وہ قیدی ہے بڑے خان کی۔ آپ ان سے چابی لے لیں۔ مجھے نہیں پتا"۔

"کون سے ضابطے کے تحت قیدی ہے وہ یہاں۔ ایک منٹ میں بڑے خان کو فون کرتی ہوں۔ تمہارا ہوگا آپ کے ان کے ساتھ"۔

"خدا کیلئے میرا نام تو ضرور لے دیں۔ مجھے تو رانی آپ چائنی نکلوا دیں۔ بہت بڑا احسان ہوگا مجھ پر"۔ اس نے ڈرا

کر جواب دیا۔

"اچھا کیا تمہارے احسان کا"۔ وہ مسکرائی۔

"چلیے۔ چلیں ٹھیک ہے۔ آپ کہہ رہی ہیں تو۔ اسے ۔۔۔ ہو جائے"۔ اس نے بھرپور جواب دیا۔ "اب آپ جائیے صبح ہوا ہے۔ خان سے ملیے۔ آپ کا کچھ نہ کہیں۔ یقین کریں۔ وہ ہوا کی طرح ۔۔۔ کون ہے"۔ باڈ نے بڑے سنبھلا کر اپنے لہجے کا کھوٹ نکالا۔

"مگر یہ تم سے کیا کہہ رہی تھی"۔

وہ باڈ پر جھک کر کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ سن نہیں سکتا تھا۔ باڈ نے اس کے ایک ہاتھ ایک ہاتھ کیا ہے ۔۔۔ ہیں ہوتے ہے۔

"لے جاتے چابی۔ دو چھوڑ دے ہوں جان"۔ وہ پیچھے ۔۔۔ ہوئی ۔۔۔ ضلع کی ایک انگلی کی ہوئی آواز نے تھما دی۔

"شکریہ ۔۔۔ ہے شکریہ۔ کل یہ بھرا ہوا ہوا تھی۔ وہ اچھا لگ رہا تھا"۔

وہ پھر سے اٹھی۔ باڈ نے صوفہ پر بیٹھ کر ۔۔۔ ہوئے ۔۔۔ ہوئے ۔۔۔ ہو چکی ہے۔

چابی لیا کر بڑے باڈ کی جیب کی طرف چلی ہوئی۔

"جان چھوٹ جانے کے احساس سے ایک عجیب سی طمانیت سی ہو جاں ہو رہی ہوگی۔

بڑے باڈ کی جیب میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا۔ وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

"آپ اگر انہوں نے ۔۔۔ پریشان کیا تو ۔۔۔ سے میرا نام لے دیجئے گا۔ میں ۔۔۔ کے ۔۔۔ میں واضح ہو جاؤں گا"۔ فیصلہ کرنے کے بعد وہ اور بھی ۔۔۔ سکون ہو گیا۔

بمشکل تین چار منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

باڈ کا جی چاہا کہ دروازہ کھلا کر اپنے سر پر دے مارے۔

"کون ہے؟ کھلا ہے دروازہ"۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ اور جھلاہٹ تھی۔

"خان ۔۔۔ باہروں آؤ تماں"۔ سرسوتی کی آواز میں خوف گھبراہٹ کا ملا جلا تاثر تھا۔

وہ اٹھ کر بڑھ آیا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

"او ۔۔۔ بھوت کیڈی کیں ساں۔ او بے ہوش ہو ساں۔ تے خون بھی نکل ساں"۔

(وہ قیدی نہیں ہے۔ وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ اور خون بھی نکل آیا ہے)

"کون ۔۔۔؟" اس کی طرح چونک پڑا۔

"آہو جی"۔ سرسوتی کی آواز کانپ رہی تھی۔

باڈ نے سرسوتی سے پہلے آگے ۔۔۔ بڑھا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ خاصا پریشان ہو گیا تھا گو کہ ظاہری طور پر بالکل پرسکون نظر آ رہا تھا۔

حویلی کے پچھلے حصے میں پہنچا تو جمعراتے کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" اس نے نظریں اٹھا کر جمعراتے سے سوال کیا۔

"کیا تائیں کہ کیا ہوا ہے؟" اس نے خفگی سے سر جھٹکا۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا کہ اس عورت نے سر پھوڑ لیا ہے' خون نکل رہا ہے؟" اس نے قدرے تاسف انداز میں دریافت کیا۔

"اس کی کوٹھڑی کے باہر جالیاں لگی ہوئی ہیں' اسٹول پر چڑھ کر خود جھانک لو۔" اس نے داروغہ کے ایک کونے سے رکھے اسٹول کی طرف اشارہ کیا۔

داروغہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا پھر چوکیدار کے آگے بڑھنے پر اسٹول گھسیٹ کر اس پر چڑھ گئے۔

عورت جھکا کر پاؤں پر کپڑوں پر سرخ دھبے تھے۔ کمرے کے بند کی مدد سے کچھ صاف کھائی دیتی تھیں وہ سب

تھا۔

اس نے جیسے اپنی سوچ کو جھٹکا دیا تھا اور اسٹول سے نیچے اتر آیا تھا۔

"داروغہ جی! کیا ہوا ہے؟" داروغہ نے اسے نیچے اترتے دیکھ کر سوال کیا تھا۔

اس نے اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اسٹول پر چڑھ کر اندر جھانکا تھا۔ اس کی بات مکمل ہونے تک داروغہ بھی اسٹول پر چڑھ کر اندر جھانک چکا تھا۔ اس نے بھی اسٹول سے اتر کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"پاگل ہو گئی ہے سرسوتی۔" داروغہ نے زور سے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا ہوا ہے جمعراتے؟" اس نے دروازے کے قریب کھڑی عورت سے استفسار کیا۔

"پتہ نہیں' دن بھر کوٹھڑی میں ٹہلتی رہتی ہے' کبھی کبھی چیختی ہے' کبھی ہنستی ہے' کبھی رونے لگتی ہے۔"

"پاگل ہو گئی ہے' کہہ رہا ہے عورت کا بھائی۔" عورت نے اپنے سر کے ساتھ ہاتھ مارا۔

"کیا کہا ہے تم نے؟" اس کی آواز بہت دھیمی ہو گئی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہوں' آج خون نکل آیا۔"

"کیوں پھوڑلی ہے سر' اس طرح انسان مرتا تو نہیں ہے؟" پاگل نے اسے بھی نظر انداز کر جانے کا اعلان کر دیا۔

"جان! اب راتیں بڑی بھاری آ گئی ہیں۔ سب لوگ خوش ہو چکے ہیں' خوب کھیل لیا ہے' ہنس لیا ہے' رو لیا ہے' سب کے ساتھ ہنسے ہوئے ہیں' ان سب کے بھرے ہوئے ہیں' خوشیاں لے کر تن میں بھر لی ہیں' کسی کا بھی تو اداس نہ ہونا۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

داروغہ نے پلٹ کر پیچھے کھڑی جمعراتے کو دیکھا۔ پھر دبی ہوئی آواز میں گویا ہوا۔

"کوئی نہیں ہوا' ایشور وشن کام چلا رہے ہیں سب۔"

"ہائے' یہ بڑے بڑے لوگ' کام چلانے کی خاطر بندے بھی بھیج دیتے ہیں۔" جمعراتے نے ایک سرد آہ بھری۔

"بھاوی! میں سرسوتی کے ہاتھ فرستادہ ایک پاگل کو بھگتا رہا ہوں۔ آپ اپنی دیر میں اس کا دھیان صاف کر دیجئے۔"

"کھلا چھوڑ دیا ہے تمہیں' اور جو ہم بھاگ گئے؟" جمعراتے مسکراتی ہوئی اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی۔

داروغہ نے سر سوتی کے ہاتھ سے پانی کا کٹورا لے کر عورت کو تھمایا اور ایک اڑتی ہوئی نظر جمعراتے پر ڈالی۔

"آپ نہیں بھاگیں گی' اتنے اچھے نصیب نہیں ہیں ہمارے۔"

داروغہ سرسوتی کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔

"جب عورت کی سرم پٹی ہو جائے تو مجھے آ کر بتا دینا' تمہارا دھیان رکھوں گا۔"

اس نے پہلے میں چلتے ہوئے ماتا سرسوتی کو مخاطب کیا تھا۔

گھر نے ساری خواب آور گولیاں بڑی صفائی اور خاموشی سے کھیل خالع کر دی تھیں۔ پھر بھی ایک بار صبح ہونے

کھڑکیوں اور دروازوں کی جھریوں سے آتی ہوئی ہوا کی سیٹی سنائی دے رہی تھی۔ ایک خوابناک سی خاموشی تھی۔ ایسے میں کسی کے ساتھ جاگنا کتنا اچھا لگتا ہے۔ وہ کسی عادی بلے باز کی طرح بے فکری کے ساتھ گیند کی طرف آئی تھی کہ شاید کوئی گول مگر سامنے سے آتے ہوئے ہاری اور سرسوتی کو دیکھ کر دل بجھ سا گیا۔ یہ تو صاف ظاہر تھا کہ "پیچھے" سے آئے ہیں۔ ہاری کی حد تک تو درست تھا مگر یہ سرسوتی جو "سوتے سوتے" کی تحقیقی تصویر ہوتی ہے، یہاں کیسے ساتھ کیا کر رہی ہے؟ "کیشن" کمار ہی ہے "کریدہ" کہیں کی۔ اس نے دانستہ پہلے اور اپنی جگہ پر کمزور ہو گئی۔ خاص ہے انہوں نے اس پاس سے گزرنا تھا۔

ہاری تو اسے سامنے دیکھ کر ویسے ہی چکرا گیا تھا۔ بڑی دلجمعی تیاری کے ساتھ آگے قدم بڑھا رہا تھا۔

"کہاں سے آ رہی ہو سرسوتی؟" وہ اس کے قریب پہنچا تو اس نے سرسوتی کو مخاطب کیا۔ ہاری کی تیکھی نظر اور لہجہ۔ سرسوتی تو "سنگرت سردس" کی اولین ہی کارکن تھی۔ اسے یہ تو پتا تھا کہ موہنی میں کس محفل سے کیا بات کرنا ہے۔ ہاری بری طرح گھبرا کر رہ گئی۔

"میں — وہ — گل — اسے ہے — میں خان — بل — ؟" اس نے مدد طلب نظروں سے ہاری کی طرف دیکھا۔

"ڈر لگ رہا تھا خان کو؟ اس لئے تمہیں بطور "کارڈ" ساتھ لے کر آ رہے ہیں؟" اس نے بڑے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

"جی! اصل بات یہی تھی۔ اب پلیز آپ انکوائری ختم کر کے ہمیں آگے جانے دیں۔" ہاری نے قصہ کوتاہ کرنے کے انداز میں دوٹوک لہجہ اختیار کیا۔

"میں تم سے مخاطب نہیں ہوں، میں اپنی ملازمہ سے انکوائری کر رہی ہوں۔ تم جا سکتے ہو۔" وہ بھی جواباً بولا۔

"جی تو پھر جلدی پوچھ لیجئے اسے ابھی بہت ضروری کام کرنا ہے۔"

اس نے سینے پر ہاتھ باندھ کر بڑی گہری سانس لی۔

"رات کو چوری ہوئی، آدھی رات کو کون سے "ضروری" کام ہو رہے ہیں؟" اس نے سرسوتی کو گھورا۔

"تم یہیں رکو سرسوتی، میں ایک منٹ میں واپس آتا ہوں۔"

وہ بڑے جھلائے ہوئے انداز میں تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ کیونکہ اسے پتہ انداز تھا کہ سرسوتی کیا کہہ سکتی ہے اور کیا نہیں۔

روشی نے جاتے ہوئے ہاری پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور پھر سرسوتی کی سمت متوجہ ہو گئی۔

"جھومر بھابی کا کمرا بند ہے یا وہ جاگ رہی ہیں؟" اس نے سرسوتی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"جاگ رہی ہیں"۔ سرسوتی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ یہ چھان بین کس سلسلے میں ہو رہی ہے۔ بڑی سادگی سے جواب دیا تھا۔

"ہوں" روشی نے گہرا سانس لیا۔

"یہ لوگ باتیں کرتے ہیں، تم بھی کیا ذہنی مریض ہو؟ کتنے پیچیدہ ہو گئے ہو۔"

روشی کا خود سے مخاطب ہونا۔

"اتنی رات گئے سرسوتی کے محل میں محفل جمی ہوئی ہے۔ وہ بھی کہ روشی جیسی خوبصورت لڑکی کے ساتھ۔ کیا ہو رہا ہے؟" سرسوتی کے محل میں محفل جمی ہوئی ہے۔ وہ بھی کہ روشی جیسی خوبصورت لڑکی کے ساتھ۔ کیا ہو رہا ہے؟

"اتنی بڑی بات ہے سرسوتی، ہے نا؟" روشی کی آواز لڑکھڑا گئی۔

"ہے — وہ — وہ خان — قصور نہیں اس — اس نے تو مجھے اغوا کیا تھا، میں ہی اس کے ساتھ آئی تھی۔ اس نے اپنا قیمتی جوتا کھو دیا ہے، وہی اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے ساتھ کچھ نہیں ہو گا۔ اس نے کچھ نہیں کیا۔ اس نے کچھ نہیں کیا۔"

"یہ سرسوتی اور زیادہ جھوٹ بولنا"۔ ہاری نے مداخلت کی تھی اور سرسوتی کی بات ادھوری رہ گئی۔

سرسوتی تو "جان بچی سو لاکھوں پائے" والی خوفناک کیفیت میں تھی۔ کس نے کیا کہا، کیا سنا، کچھ نہیں۔

روشی نے ایک الجھی ہوئی نظر ہاری پر ڈالی جو اس جھوٹے پر اپنے کرب کی سمت روانہ ہو گیا تھا۔

اس نے بھاگ جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ سرسوتی سامنے سے ہٹ چکی تھی۔ اسے اب پچھلے منظر۔ ہونے والے خیال آ رہا تھا۔

باہر سے جانے تو اس پہرا رہتا ہے، اندر سے جائے تو کھڑکی اور دروازے بند ہیں۔ وہ کیسے جا سکے گا۔

سرسوتی کا تو "روشن دروازہ" ہے اس نے کہکشاں کو کتوں سے ڈرایا تھا۔

نہیں — وہ کس قبیل کی عورت کی بات کر رہی تھی۔

وہ بھی رقص کی التجا اس پر ختم ہو چکی تھی۔

اور یہ فرسٹ ایڈ باکس کس خوشی میں اور کس کے ہاتھ بھجوایا گیا ہے؟

اس خیال کے آتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی سے دروازے کی سمت بڑھی تھی جو ہاری کے کمرے کی طرف تھا۔

دروازے پر ہونے والی دستک کے انداز ہی سے وہ سمجھ گیا تھا کہ کون ہے؟

اس نے خود کو خاصا پرسکون رکھتے ہوئے دروازہ کھول دیا تھا۔

"جی محترم؟" وہ بجھا بجھا سا چہرہ لیے اسے پہلے ہی سے اندازہ تھا کہ وہ آئے گی اور کچھ کہے گی۔

روشی کی سمت اس کی خوابیدہ اور مشکل ہوئی نظر اٹھی تھی۔

(کہکشاں کی آنکھیں ہیں کہ بلا طیس) اتنی قوت کسی اور آنکھ میں کیوں محسوس نہیں ہوئی؟

"ہاری! وہ جب جھومر بھابی کو بند کر رہی تھیں تو تم نے میری مدد کی تھی اور مجھے اندر رکھنے لے گئے تھے۔ آج پھر میں وہاں تمہارے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔ کہکشاں گہری نیند سو رہا ہو گا، میں زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹہ لگاؤں گی تو ٹھیک ہو گا۔" روشی نے

سے جانا چاہتی ہوں۔ اگر ایسی کوئی تو سہ سدھ کی تمنا ہے تو پھر جانے کی تیاری کرو۔ ابھی اسی وقت مجھے پہنچا دو۔"

وہ بات سے ہاری پڑنے لگی تھی اس لیے مخاطب تھی۔

"میں واپسی نہیں جاؤں گی۔" ہاری نے حتمی دوٹوک لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"میں باتوں سے اگلی صدیوں تک آپ کو طرق پانے کا امکان نہیں۔ ان میں کیوں اکارت کروں۔ آپ آرام سے بیٹھیں۔ میری بات کا یقین کیجیے۔ آپ کے جانے یا نہ جانے سے اولی فرق نہیں پڑے گا۔"

اس نے کہا یہ صداقت سے کہا تھا۔

"ہو سکتا ہے فرق پڑے۔ میں تمہیں نہیں جانتی ہوں اس لیے بھروسہ نہیں کر سکتی۔"

وہ اپنی فطرت کے عین مطابق اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

ہاری نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ اضمحلال سا تھا اور بجھا بجھا سا تھا جیسے وہ طویل عرصے سے بیمار ہو۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔ میں اس وقت اب وہاں نہیں جا سکتا۔" اس نے صاف صاف بات کر دی تھی۔ سب خیال پارہ۔

"تمہارا خیال ہے تمہاری معذرت کے بعد میں اپنا ارادہ بدل دوں گی۔ حالانکہ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔" اس نے تنک کر کہا اور پلٹ گئی۔

ہاری نے ایک لمحہ توقف کیا اور اس کے پیچھے چل دیا۔

اپنے پیچھے قدموں کی چاپ پر روشی نے جان لیا تھا کہ وہ پیچھے آ رہا ہے اس لیے وہ بیرونی احاطے کی طرف بڑھتی گئی۔

مگر باہر پاؤں رکھتے ہی اندھیرے کی گھمبیرتا دیکھ کر رک گئی جیسے ہاری کے قریب آنے کا انتظار کر رہی ہو۔

"آپ نہیں، میں گی آ کیوں واپس مول لیتی پھرتی ہیں؟" وہ اس کے قریب پہنچ کر قدرے ناراضگی سے گویا ہوا۔

روشی نے کچھ بولے بنا قدم آگے بڑھا دیے۔

جانے کہاں کہاں سے کتے سامنے آ کر بھونکنے لگے۔ روشی نے ڈر کر ہاری کا بازو تھام لیا۔

"چلیں واپس چلیں۔" اس نے نہایت نرمی سے پھر اس سے کہا۔

"کہہ تو رہا ہے نہیں۔" وہ بگڑی۔ اور ہاری کا بازو پکڑ کر تقریباً کھینچا۔

"غصہ سے کچھ ملتا ہے؟" اس نے زچ ہو کر کہا۔

"ہاں۔" وہ جھلائی۔

ہاری نے بے بسی سے قدم آگے بڑھا دیے۔ کتے ان کے پیچھے پیچھے بری طرح بھونکتے ہوئے دوڑ رہے۔

"ان کتوں کو گولی کیوں نہیں مارتے؟" وہ ہاری کے قریب ہوتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

"کبھی ضرورت پیش آئی نہ دھیان آیا اور کیوں ماریں بے گناہوں کو؟" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"ابھی میری یا تمہاری ٹانگ کچلی تو گولی کا دھیان آ جائے گا پھر تم مارو گے کوئی؟"

"ضرور مارے گا۔ اس وقت تم اپنی فکر کرو۔ ابھی تو ہم سے دور ہو۔ پتا ہے ہم سے دور ہو تو کیا ہوتا ہے؟"

روشی نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تمہارے خیال سے نہیں ہوں گے تو تمہاری فکر میں جیسے دل اچھل کر نہیں دیکھتے۔" وہ بولی۔

ہاری اپنی سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے خاموش ہو جانے پر وہ متحمل ہوئی تھی۔ وہ اس سے کہنے لگی۔

"آپ باتوں کو کیوں جا کر لیتی ہیں؟ ابھی تو آپ کے دشمان بھی دور ہیں۔" اس نے جیسے بہت خفگی سے سوال کیا تھا۔

"مجھ سے اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلا قسم کھا کر کہتی ہوں اس موضوع پر بات نہیں کروں گی۔" وہ بھی سے گویا ہوئی۔

"ٹھیک ہے مجبوری سے عائی جاتی ہے۔" اس نے دل کو بہلا چلانا کرنے کی غرض سے جواب دیا۔

اس کا ہاتھ روشی کے زخمی ہاتھ کی گرفت میں تھا۔ اس کی قربت کسی احساس سے کم تو نہیں تھی۔ بھلے وہ زخمی ہوا تھا۔

"تم "اپنی خوشی" کا لفظ اپنی لغت سے نکال دو۔ غلام کی اپنی خوشی کوئی نہیں ہوتی۔" وہ تڑخ کر بولی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" اس نے نہایت نرمی سے کہا تھا۔

"کبھی تو انکسار ہو جایا کرو اپنی خطا پر۔" وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔

ہاری خاموش رہا۔ وہ پھاٹک سے اندر داخل ہو چکے تھے۔

حویلی کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ البتہ روشی آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ سب سے پہلے اس نے نظر کی کے بارے میں اندازہ لگایا۔ پھر کھول کر اندر جھانکا۔ کچھ نظر آنے پر اس نے خاصی حیرت کے ساتھ پلٹ کر ہاری کی سمت دیکھا۔ پھر دوبارہ دیکھنے لگی۔ ہاری سیٹے پر ہاتھ لپیٹ کر دیوار سے ٹیک لگا کر بھوں اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔

"یہ مہرو گئی کہاں چلی گئی؟" اس نے ہاری کو مخاطب کیا۔

ہاری نے لاعلمی کے اظہار کے طور پر شانے اچکا دیے۔

روشی کو نے پر بنی ہوئی کوٹھڑی سے آتی ہوئی آوازوں پر متوجہ ہوئی اور دبے پاؤں اس طرف بڑھی۔

اندر جھانکا اور جیسے وہیں ساکت ہو کر رہ گئی۔ چند لمحے اندر جھانکنے کے بعد پلٹ کر حیرت سے ہاری کی طرف دیکھا اور کوٹھڑی میں گھس گئی۔

مہرو قبیلی عورت کی مرہم پٹی میں مشغول تھی۔ اسے روشی کی آمد کا احساس نہ ہو سکا۔ البتہ مہرو کی چیخ نکل گئی۔

"روشی بی بی! تساں ... خان ... کھے ... تساں؟"

وہ ہکلا رہی تھی۔ مہرو اس کی آواز پر ٹھٹک کر پلٹی تھی پھر روشی کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"آ روشی! اس وقت تم یہاں کیسے؟" وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

سے جانا چاہتی ہوں۔ اگر ایسی کوئی تو سہ سدھ کی تمنا ہے تو پھر جانے کی تیاری کرو۔ ابھی اسی وقت مجھے پہنچا دو۔"

وہ بات سے ہاری پڑنے لگی تھی اس لیے مخاطب تھی۔

"میں واپسی نہیں جاؤں گی۔" ہاری نے حتمی دوٹوک لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"میں باتوں سے اگلی صدیوں تک آپ کو طرق پانے کا امکان نہیں۔ ان میں کیوں اکارت کروں۔ آپ آرام سے بیٹھیں۔ میری بات کا یقین کیجیے۔ آپ کے جانے یا نہ جانے سے اولی فرق نہیں پڑے گا۔"

اس نے کہا یہ صداقت سے کہا تھا۔

"ہو سکتا ہے فرق پڑے۔ میں تمہیں نہیں جانتی ہوں اس لیے بھروسہ نہیں کر سکتی۔"

وہ اپنی فطرت کے عین مطابق اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

ہاری نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ اضمحلال سا تھا اور بجھا بجھا سا تھا جیسے وہ طویل عرصے سے بیمار ہو۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔ میں اس وقت اب وہاں نہیں جا سکتا۔" اس نے صاف صاف بات کر دی تھی۔ سب خیال پارہ۔

"تمہارا خیال ہے تمہاری معذرت کے بعد میں اپنا ارادہ بدل دوں گی۔ حالانکہ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔" اس نے تنک کر کہا اور پلٹ گئی۔

ہاری نے ایک لمحہ توقف کیا اور اس کے پیچھے چل دیا۔

اپنے پیچھے قدموں کی چاپ پر روشی نے جان لیا تھا کہ وہ پیچھے آ رہا ہے اس لیے وہ بیرونی احاطے کی طرف بڑھتی گئی۔

مگر باہر پاؤں رکھتے ہی اندھیرے کی گھمبیرتا دیکھ کر رک گئی جیسے ہاری کے قریب آنے کا انتظار کر رہی ہو۔

"آپ نہیں، میں گی آ کیوں واپس مول لیتی پھرتی ہیں؟" وہ اس کے قریب پہنچ کر قدرے ناراضگی سے گویا ہوا۔

روشی نے کچھ بولے بنا قدم آگے بڑھا دیے۔

جانے کہاں کہاں سے کتے سامنے آ کر بھونکنے لگے۔ روشی نے ڈر کر ہاری کا بازو تھام لیا۔

"چلیں واپس چلیں۔" اس نے نہایت نرمی سے پھر اس سے کہا۔

"کہہ تو رہا ہے نہیں۔" وہ بگڑی۔ اور ہاری کا بازو پکڑ کر تقریباً کھینچا۔

"غصہ سے کچھ ملتا ہے؟" اس نے زچ ہو کر کہا۔

"ہاں۔" وہ جھلائی۔

ہاری نے بے بسی سے قدم آگے بڑھا دیے۔ کتے ان کے پیچھے پیچھے بری طرح بھونکتے ہوئے دوڑ رہے۔

"ان کتوں کو گولی کیوں نہیں مارتے؟" وہ ہاری کے قریب ہوتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔

"کبھی ضرورت پیش آئی نہ دھیان آیا اور کیوں ماریں بے گناہوں کو؟" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"ابھی میری یا تمہاری ٹانگ کچلی تو گولی کا دھیان آ جائے گا پھر تم مارو گے کوئی؟"

"ضرور مارے گا۔ اس وقت تم اپنی فکر کرو۔ ابھی تو ہم سے دور ہو۔ پتا ہے ہم سے دور ہو تو کیا ہوتا ہے؟"

روشی نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تمہارے خیال سے نہیں ہوں گے تو تمہاری فکر میں جیسے دل اچھل کر نہیں دیکھتے۔" وہ بولی۔

ہاری اپنی سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے خاموش ہو جانے پر وہ متحمل ہوئی تھی۔ وہ اس سے کہنے لگی۔

"آپ باتوں کو کیوں جا کر لیتی ہیں؟ ابھی تو آپ کے دشمان بھی دور ہیں۔" اس نے جیسے بہت خفگی سے سوال کیا تھا۔

"مجھ سے اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلا قسم کھا کر کہتی ہوں اس موضوع پر بات نہیں کروں گی۔" وہ بھی سے گویا ہوئی۔

"ٹھیک ہے مجبوری سے عائی جاتی ہے۔" اس نے دل کو بہلا چلانا کرنے کی غرض سے جواب دیا۔

اس کا ہاتھ روشی کے زخمی ہاتھ کی گرفت میں تھا۔ اس کی قربت کسی احساس سے کم تو نہیں تھی۔ بھلے وہ زخمی ہوا تھا۔

"تم "اپنی خوشی" کا لفظ اپنی لغت سے نکال دو۔ غلام کی اپنی خوشی کوئی نہیں ہوتی۔" وہ تڑخ کر بولی تھی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" اس نے نہایت نرمی سے کہا تھا۔

"کبھی تو انکسار ہو جایا کرو اپنی خطا پر۔" وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔

ہاری خاموش رہا۔ وہ پھاٹک سے اندر داخل ہو چکے تھے۔

حویلی کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ البتہ روشی آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ سب سے پہلے اس نے نظر کی کے بارے میں اندازہ لگایا۔ پھر کھول کر اندر جھانکا۔ کچھ نظر آنے پر اس نے خاصی حیرت کے ساتھ پلٹ کر ہاری کی سمت دیکھا۔ پھر دوبارہ دیکھنے لگی۔ ہاری سیٹے پر ہاتھ لپیٹ کر دیوار سے ٹیک لگا کر بھوں اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔

"یہ مہرو گئی کہاں چلی گئی؟" اس نے ہاری کو مخاطب کیا۔

ہاری نے لاعلمی کے اظہار کے طور پر شانے اچکا دیے۔

روشی کو نے پر بنی ہوئی کوٹھڑی سے آتی ہوئی آوازوں پر متوجہ ہوئی اور دبے پاؤں اس طرف بڑھی۔

اندر جھانکا اور جیسے وہیں ساکت ہو کر رہ گئی۔ چند لمحے اندر جھانکنے کے بعد پلٹ کر حیرت سے ہاری کی طرف دیکھا اور کوٹھڑی میں گھس گئی۔

مہرو قبیلی عورت کی مرہم پٹی میں مشغول تھی۔ اسے روشی کی آمد کا احساس نہ ہو سکا۔ البتہ مہرو کی چیخ نکل گئی۔

"روشی بی بی! تساں ... خان ... کھے ... تساں؟"

وہ ہکلا رہی تھی۔ مہرو اس کی آواز پر ٹھٹک کر پلٹی تھی پھر روشی کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"آ روشی! اس وقت تم یہاں کیسے؟" وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

"یہ کون ہے؟ اسے کیا ہوا؟" روشی تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اس کے جواب ہادی کے پاس ہیں' وہ نہیں جانتیں؟" مہر نے قیمتی سے دوا منہ کی پانی کا گلاس ہوئے عام سے لہجے میں جواب دیا۔

"سرسوتی! ہادی باہر کھڑا ہے' بلا کر لاؤ" اس نے سرسوتی کو حکم دیا۔

سرسوتی یوں بھاگ گئی جیسے منتظر ہی تھی۔

چند منٹوں بعد ہادی اندر داخل ہوا۔

"آپ کا کام مکمل ہو گیا" وہ رکا اور استہ مہر سے مخاطب ہوا۔

"ہاں' تمہارا کام مکمل ہو چکا' مگر تمہارا کام شروع ہوا ہے" اس نے روشی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔

ہادی الجھ کر روشی کو دیکھنے لگا۔

"کون ہے یہ؟" اس نے بڑی خوفناک سنجیدگی کے ساتھ اس سے سوال کیا۔

ہادی خاموش رہا۔

"کیا پوچھ رہی ہوں میں؟ کون ہے یہ' اسے کیا ہوا ہے؟ اس کے پاؤں میں بیڑیاں کس نے ڈالی ہیں؟" وہ جذباتی انداز میں چیخی۔

"یہ کچھ نہیں بتائے گا روشی بی بی! بلکہ میں بھی نہیں بتاؤں گی کہ میں کون ہوں؟ یہ آپ کے راستے نہیں ہیں۔ آپ اپنی خوشیوں بھری زندگی کی طرف پلٹ جائیں' آپ کیلئے یہی بہتر ہے" عورت اپنا سر پکڑ کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔

روشی ساکت سی کھڑی اسے دیکھتی رہی' پھر حریرہ آگے بڑھی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے حاکمانہ انداز میں نام پوچھا۔

"بدنصیب' روسیاہ' اندھیرا' تاریکی' کنیز' غلام' زادی" عورت نے جیسے چڑاتے ہوئے سر کو تھاما۔

"میں نے تمہارے القاب نہیں' نام پوچھا ہے" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"آپ نام جان لیں گی' کیا فرق پڑے گا' مجھے یا آپ کو۔۔۔ آہ!" وہ کراہتے ہوئے بولی۔

"مہر بھائی! کیا نام ہے اس کا' کون ہے یہ؟" وہ جیسے بدحواسی ہو گئی۔

"روشی بی بی! آیئے واپس چلیں' آپ کچھ دیکھنا چاہتی تھیں' آپ نے دیکھ لیا' لائیے مہر بھائی! یہ ہاتھ مجھے دے دیں۔"

ہادی کا سکون کمال تھا۔

روشی تیزی سے ہادی کی جانب بڑھی اور اس کا بازو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔

"میں نہیں جاؤں گی' اس وقت تک' جب تک مجھے یہ پتا نہ چل جائے کہ یہ کون ہے' اس کا نام کیا ہے؟" وہ چیخ پڑی تھی۔

[illegible] سے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا۔ روشی کو [illegible] کہ وہ اس کے [illegible] لگے۔ ہادی [illegible] چوہیں گھنٹے [illegible] جیسے چھوٹے کو [illegible] بڑا ہو گیا ہو۔ پھر اس کی طرف دیکھا' وہ اس کی [illegible] کو دیکھ کر [illegible] وقت [illegible] لگا۔ روشی [illegible]

"مجھے بتائیں آپ کون جکڑ بندیوں میں پڑے ہیں' چچا؟" وہ چیخی۔

اس کی آواز سنتے ہی وہ پاگل [illegible] اس کے لہجے کی تلخی' نفرت [illegible] لگی۔

قریب تھا کہ پھر اس کا دل بھک سے اڑ جاتا' وہ اس کی بات ان سنی کر کے [illegible] اس کے [illegible] پر پانی [illegible] تڑپ اٹھی۔ مڑ کر اس سے دور ہو گئی۔ اس کے ٹوٹے [illegible] ہو گئے۔

"میں یہاں کھڑی ہوں' مجھے حق ہے کہ معلوم کروں' اگر کچھ ہے تو کیوں ہے؟" وہ بلند آواز میں چیخی۔

"آپ جو اس کی اتنی حمایت کر رہی ہیں' کس حساب میں کر رہی ہیں' کیا لگتی ہے یہ آپ کی؟" وہ مہر سے مخاطب ہوئی۔

مہر نے عورت کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر روشی کی سمت بڑھایا۔

"یہ بھی 'قید شریک' ہے' اس کی رشتہ ہے مہر سے اور اس کے لگے۔ باقی تم ہادی سے پوچھو۔ ہو سکتا ہے اس کی کچھ لگتی ہو۔"

وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

تو ہادی کا رخ اپنی جانب دیکھ کر ہادی گڑبڑا کر بولا۔

"نام تو پوچھ لی ہوں میں تمہارا؟" روشی ہادی کی سمت بڑھنے کی بجائے پھر عورت سے مخاطب ہوئی۔

عورت نے نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا' چند لمحے تک دیکھتی رہی۔

"بہت پیاری ہو' مگر اپنی ماں جیسی پھر بھی نہیں ہو۔"

وہ اتنا کہہ کر آنکھیں موند گئی۔

"پھر کہاں کوئی جانتا ہو' دیکھا بھی ہے ان کا نام کیا ہے؟" روشی بے حد شوق سے چارپائی کی پائنتی سے لگ گئی۔

"بھلا ان کا نام کیسے بھول سکتی ہو' [illegible] ہو۔۔۔" عورت نے اپنی بات پر خود ہی جھرجھری لے کر [illegible] لی۔

"مجھے کیسے پتا؟ میں نے تو تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" روشی کے اندر تجسس کا سمندر امڈ پڑا تھا۔

"تمہیں کیسے نہیں پتا ہوں گی۔ نازنین اور یاور علی خان کی بیٹی ہو۔ تمور علی خان کی بھتیجی ہو۔ بھلا تمہیں کیسے پتا ہو گا کہ [illegible] سوشانے" عورت خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

"تم مجھے اپنا نام بتاؤ' ہاتی میں غور کرتا رہوں گی" وہ تیزی سے بولی تھی۔

"عطریہ' کیا عجیب سا نام ہے' میں جان' ان پڑھا' مجھے تو اپنے نام کے معنی بھی پتا نہیں" عورت نے ایک لمحے کیلئے آنکھیں کھول کر روشی کو دیکھا۔

"مطلب؟ اتنا خوبصورت ہونا کون سا جرم ہے؟" روشی نے قدرے ناراضگی سے اس کی بات کاٹی۔

عورت خاموش رہی۔

"بارش! یہ کون ہے؟" اس کی آنکھوں میں قاتل چمک تھی۔

"میں آپ کو بتاؤں گا مگر شرط یہ ہے کہ آپ اس وقت مجھ سے سوال نہیں کریں گی۔"

"موقع سے فائدہ اٹھانا اس کی مجبوری تھی۔

"اور تو کچھ نہیں بتایا؟" وہ اس کی طرف سے پر اطمینان نہیں تھی۔

"بس نے کہا ہاں بتاؤں گا۔" آپ نے بیچارہ! "نیند سے اس کی بری حالت ہو رہی تھی۔

روشی آگے بڑھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔

"بارش!" جھومر نے آواز دی۔

بارش جو پلٹ پڑا تھا "آگے بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ مگر مڑا نہیں۔

"آپ کب آئے؟"

روشی اور جھومر جیسے آگ میں جلنے لگا۔ اس نے نہایت سلگتی ہوئی نظریں اٹھا کر جھومر کی طرف دیکھا۔

"ایکسکیوز می برادر! آپ کو بارش کے آنے جانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہونا چاہیے۔"

"ہاہ! آپ مجھے بتا رہا ہے "چلو مرسوں بارش" بارش نے باہر نکل کر سرسوں کو سلگتے کہا۔

سرسوں سٹم پشتم باہر آ گئی۔

"میں باہر نہیں آ سکتی" بیہ یا اسی نہ مر جائے"۔ جھومر نے انکار کر دیا۔

"تمہیں بلانے کی کوئی ضرورت نہیں" کہیں بھاگے نہیں جا رہے ہم"۔ وہ تنک کر بولی۔

بارش کی جھلاہٹ غصے کی حد سے سوا تھی۔ اس نے دھڑ سے دروازہ بند کیا اور کھٹاک سے کنڈی لگا کر ... جانے لگا۔

جاہاں جیب میں ڈالتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ روشی اس کے پیچھے پیچھے دوڑی۔

"کہے جھومر بھائی کو بھی بند کر دیا"۔

"آپ چاہیں تو آپ بھی ان دونوں کے ساتھ قیام فرما سکتی ہیں"۔ وہ بھڑکا۔

روشی تیز بھاگتی ہوئی اس کے پہلو میں پہنچی۔

"حد ہو گئی ہے تم سے بھی ..." وہ بڑبڑائی۔

"میں صبح کو آپ کو لینے "سلیپنگ بیوٹی" کے پیلس سے آؤں گا۔ پھر کر رکھ لیجئے گا سب سے۔ کہ آپ رات کو ہوا خوری کرتی ہیں"۔

وہ باہر آ چکے تھے اور کہتے "اور دھام" پر دھام شروع کر چکے تھے۔

شیر پر بیٹھ چکے تھے اور کہتے "اور دھام" پر دھام شروع کر چکے تھے۔

"بارش! کہاں جا رہے ہو؟" وہ چیخ اٹھی۔

"روشی! اب یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر چھوڑ آؤں۔ پھر واپس آ کر سب کو لے جاؤں گا۔"

وہ اپنے کہنے سے جانے کے ارادے سے تیزی سے چلتا ہوا دیئے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

روشی جیسے بلبلا کر بیٹھ گئی۔

"اس بیچارے کو پتا ہے کہ آپ اس تہہ خانے سے باہر نکلیں گی تو ہر طرف سے آپ پر حملے ہوں گے۔ اس لئے وہ آپ کو لے جانا چاہتا ہے۔ مگر عجیب طبیعت ہے۔ ہمارے لئے ایک لفظ بھی نہیں بولے گا۔ آپ اس کی اچھائی کی قدر کریں۔ ورنہ ہم تو ہیں ہی۔ ہم ہیں نا۔ ہم ہیں نا۔ ہم ہیں نا

مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ میری خوشی پر خوش کیوں نہیں ہیں۔ آپ لوگ میرے تایا اس کے" دوپٹے سے ہاتھ باندھتے ہوئے چونک کر عورتوں سے مخاطب ہوئی۔

"خوشی"۔ عورتوں نے تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔

"یہ اتنا کر خوش ہے آدھا اور یہ ہو گی والیوٹ نہیں ہے۔ کیا زبان ہو گئی ہے ہاتھ بھر کا لانبا"۔

"تجھے کھاتے ہوئے تھے اماں۔ پیسوں میں کھیلتی تھی۔ ہم نے طور دیکھا تھا تیرا مگر۔ اسے اس کے ساتھ اس کے ہوئے میں ایک سے لاکھ تک راضی نہیں تھی مگر لال خان کے طور طریقے ہمارے ساتھ اتنے بھلے تھے کہ اپنی حالت کے اور پیار وہاں دیکھنے کو نہیں ملتے۔ بدنصیب کے نصیب میں سکھ ہی نہیں ہے۔ پھر سا آ بیٹھا ہے بھائی پر۔

اس کا باپ تو پہلے ہی بیمار تھا۔ اب تو یہ صدمہ سہ نہیں سکے گا۔ اسے لمحاتی جائیگا۔

چھ کمروں کا بھرا ہوا گھر۔ فریج، ٹی وی، ٹیلی ویژن، رنگ والا ڈبہ جو آتا ہے دور دراز کے علاقوں میں بجلی کے آنے کی خبر سنانے کے لئے (جو سر) بجلی کی مشین، کپڑے دھونے کی بڑی سی مشین اس میں دھلوانے کی مشین، کھانا پکانے کی جان کو نہیں لگوا تھا کہ لئے سیدھے لوگ۔ اس کی عورت کو چھوڑیں گے" کیلئے کا بستر"۔

اس کی ماں کھل کھل کر نعمتیں یاد کر رہی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے یہ ابا بھرا گھر چلے کی کسی لڑکی کو نصیب نہیں ہوا"۔ بی صفیہ نے تائید کی۔

(اور وہ بھرے گھر والا۔ بڑی ہی تنومند اور پانچ معمولی دانتوں کے ساتھ امریکہ کا صدر نظر آتا تھا جیسے۔ قد پانچ فٹ آدھا انچ اس کے ساتھ۔ بڑی آپا "جن پری" کا سیل کیا تھا میرے باپ نے مشینوں سے بنی ہوئی تھی۔ ہونہہ!)

"اری! اگر جھگڑا ہوا ہے تو کوئی بات نہیں۔ میاں بیوی جھگڑا کیا ہی کرتے ہیں۔ ابھی "کاغذ" تو نہیں بھیجا اس نے۔ وہ چار لوگ بیچ میں پڑیں تو صلح صفائی ہو سکتی ہے"۔ ماں فضا نے روشنی کی کرن دکھانے کی کوشش کی۔

"مجھے نہیں کرنی صلح صفائی۔ آپ لوگ اپنے دماغ میرے سینے میں نہ گھسائیں۔ سمجھ آئی ہو گی"۔ روشنی گرجی۔

"دیکھو تو اماں! اس کے رنگ ڈھنگ"۔ اس کی ماں نے شکایتی انداز میں بڑھیا سے کہا۔

"کیوں اپنے باپ کا وزن بڑھا رہی ہے۔ کل کو بیا "تی" تیری گود میں کھیلے گا۔ تیرے باپ کو نانی "اماں" ہے"۔ بی صفیہ نے ہنسی سے بولی۔

"کوئی نہیں کھیلے گا میری گود میں اپنے لئے میں کسی فیکٹری میں نوکری کر لوں گی"۔ اس نے فوراً جواب دیا۔

"طلاق لینے سے تجھ میں میرے ہوتی نہیں کے؟" بڑھیا پر اثر ہوئی۔

"ہاں"۔ روشنی کہہ کر اندر کمرے میں چلی گئی۔

"تو پھر تو کر بالو کی ماں بات کیا ہوئی ہے؟" اماں صفیہ تشویش سے بولی۔

"میں تھا اس کا باپ لال خان مل کر ہی نہیں دے رہا"۔ اس کی ماں مایوسی سے بولی۔

"تو خود ہی تھا تو مجھ بھلا کیا دقت کرے گا اس کی ماں کو"۔ اماں فضا نے سمجھایا۔

"مگر یہ نصیب تو وہاں جانے پر راضی ہی نہیں"۔ اس کی ماں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"تو پھر "کبھی نہ بھولنے والی باتیں ہیں" بی صفیہ نے زور لگایا۔

"ابھی جاؤں گی دعا کرنا تم"۔

روشنی یہ کہتی ہوئی آنچل پھیلا کر دعا کرنے کی۔ پھر اس نے دوپٹہ سمیٹ کر کندھے پر ڈالا اور وہ سامنے کی طرف چل دی۔

وہ اور بڑا لال خان وہی ہو رہے تھے جو وہ چاہتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ کریں۔

روشنی کے سسرال والے دوڑے چلے آ رہے ہیں اس کے دو ایک اور عزیز رک جائیں۔

وہ چاہتی تھی کہ اب یہ تھم وہیں کی طرف آ رہی تھی۔ اور وہی ملاقات کی عرض سے ہوا کا ایک جھونکا اندر آیا۔

دروازے پر روشنی کھڑی تھی۔ سامنے سے کھل کر ہنس رہی تھی۔ پھر وہ لال خان سے ملکر رہی تھی۔

جب وہ نہیں تھی تو روشنی نے ساری ملاقات سے غیر متعلق تھی مگر اب وہ اس کے اہم ترین فرائض میں شامل تھی۔

وہ بہت آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی۔

سب کی نظریں اسے دیکھتے ہی خوشی سے خیر مقدم کرنے کے ساتھ ساتھ حیرت سے بھی پھیل گئیں۔

"السلام علیکم"۔ اس نے بیٹھنے کی جگہ تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ سب پر نظر دوڑائی۔ روشنی کو بھی مخاطب کیا۔

"خیر خیریت ہے آپ کو؟" بیٹے نے خوشی سے سرشار آواز میں باپ سے سوال کیا۔

"خیر خیریت آ کیسی خیر خیریت؟" اس نے قدرے حیران ہو کر سوال کیا۔

"ارے! آپ کو نہیں پتا؟ حالانکہ آپ کو تو سب سے پہلے پتا چلنا چاہیے۔ روشنی کے سسرال والے ناراض چلے آ رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے ایڈوانس میں۔ وہ لوگ عید سے پہلے شاپنگ کرنے جا رہے ہیں"۔

"آپ بتائیے کون سی تاریخ مناسب رہے گی؟"

سوا خوشی سے بھولی نہ سما رہی تھی۔

"یہ تو روشی سے ہی ڈسکس کرنا ہو گا"۔ باپ نے بے ساختہ مسکرا دی۔

"ارے بلاؤ نا روشی کو کیا آج اسٹیل تماشا کرنا ہے"۔ دولی نے آواز لگائی۔

"جاؤ بلا کر لاؤ" کہو بس چلے جاؤ۔ ہو گئیں نخرے والی بہو"۔ دولی نے بیٹے کو مخاطب کیا۔

"مگر نہیں ہوا ہی چلا کھائے گی بھلے"۔ بیٹے نے مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ بہت بھی ہوا کی "جو خاصی خوراک تھی۔

"ہم نہیں ہوتے۔ جاؤ تو۔ دو ڈالڈا ویٹ پیٹ کر روشی روشی کہتی واپس بھاگ آئے۔ تو وہ آپ تیچی پیچھے پیچھے"۔ بیٹے کو ڈانٹ کر بھیجا تھا۔

"کیا شور مچایا ہوا ہے آپ لوگوں نے؟" روشی جھلاتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔

شادی کے ان میں قریب
اور ذرا دیر سے ہوں

ثانیہ زور زور سے ہنسنے لگیں۔

روحی نے الجھ کر مایا کی سمت دیکھا۔

"کس کی شامت آئی ہے اب؟" وہ ہنسنا کر مایا کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"تمہارے سسرال والے آرہے ہیں تاریخ لینے"۔ مایا نے سنجیدگی سے اسے مطلع کیا۔ ساتھ ہی تھوڑا سا کیک بھی اس کے پلیٹ میں رکھ دیا۔

روشی تو جیسے ایک دم سناٹے میں آگئی۔ بہت دیر تک تو اس سے بولا ہی نہیں گیا۔

"سسرال والے"۔ کس قدر اجنبی سا محسوس ہوا تھا یہ لفظ۔

"کس بات کی تاریخ لینے"۔ وہ پلیٹ پر جھکا ہوا سر اٹھا کر بول سکی۔

"ہنگ کی"۔ روبی جل کر بولی۔

"اللہ نہ کرے۔ اچھی بات منہ سے نکالو"۔ گلوسے نے ٹوکا۔

"آج شام جاؤ بھئی تک یہاں پہنچ جائیگے۔ تم اچھی طرح تیار ہو جانا"۔ مونے نے کہا۔

"ٹھیک ہے اعشار یہ تین چھ کا ایک ریوالور اور سیون ایم ایم کی ایک۔ الفی وہ بھی لو۔ بھیجدے دینگے۔ یہی برل سب سے اچھی تیاری ہوگی"۔ اس نے کھلتے ہوئے لہجے میں کہا۔

گلوزری، ملھو اور مایا نے اس کے لہجے کا زہر پہلی بار یوں محسوس کیا تھا جیسے وہ ان کی ذات سے اتر رہا ہو۔ بعد دوسری لاابالی لڑکیوں نے اسے اس کا مخصوص "اسٹائل" سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

مایا نے بڑی ہی "مطالعاتی نگاہ" سے ان کا جائزہ لیا۔ پھر اس کا نرم گداز جیسا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"بی ہیو یور سیلف۔ اپنا امیج لوز نہیں کرو"۔

"کیوں نہ کروں۔ انسانوں کو بھی یوں استعمال کرتے ہیں جیسے بچن میں ہدی سرچ"۔ وہ بڑبڑائی۔

"اس کا مطلب ہے شام کو کھانے پر بڑی مزیدار ڈشز ہونگی"۔ مریم تصویر کو دوسرے رخ سے دیکھ رہی تھی۔

"رات کو"۔ یہ نے تصحیح کی۔

"ہاں بھئی۔ وہی وہی"۔ مریم نے صلح جو انداز میں جواب دیا۔

"جاؤ تم اپنے کمرے میں۔ میں وہیں آتی ہوں"۔ مایا نے شور شرابے کا فائدہ اٹھا کر چپکے سے کہا۔

"ابھی تو میں اپنے ایک اہم مشن پر جارہی ہوں۔ ابھی فی الحال آپ ان سب سے بات چیت کیجئے آرام سے۔ ٹھیک ہے"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مشن۔ کیسا مشن۔ کیا گھر سے باہر جارہی ہو؟" مایا نے پوچھا۔

"ہاں۔ یہیں کہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس ذرا پہلے سے تھوڑا سا انتظام کرنا ہے۔ بھئی ہم شادی میں ہوں۔"

روبی کے ہاتھ سے آملیٹ کا ٹکڑا چھوٹ کر پلیٹ میں گر پڑا۔

"کیا ابھی سے تیار ہونے چل دی؟" اور گلے میں اٹکی ہوئی نلی نگلنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

"ابھی سے کیا مطلب۔ ابھی تو بہت وقت ہے۔ ابھی تو ہم نے ڈھیر سارا کام کرنا

"تو پیچھے جاتی ہے کیا؟" (اس کا اشارہ حویلی کے پچھلے حصے کی طرف تھا)

"نہ بی۔ میرا کیا کام۔ ایک بڑھا آتا ہے ادھر۔ وہ بھی اسے لے کر چلا جاتا ہے۔ سرسوتی کو سنے بغیر اس نے

"اچھا۔ جب دیکھو، آتی ہے۔ جب دیکھو جاتی ہے۔"

"پیشہ ور ہے نا جمیلی" (یہاں بھی نفی۔ گلو نے بات کو مزید آگے بڑھانے کا موقع نہ دینا ہی مناسب سمجھا۔

"اور کس کو آتے جاتے دیکھا؟"

راستے کے دائیں طرف اس کی کھوہ بڑی الگ کر کے بنائی گئی تھی۔ غیر سے گھر والوں کی آمد تک جیسے اس کیلئے عام اجازت تھی۔ جب جب چاہے وہ اپنے طریقے سے داخل کر سکتی تھی۔ دوسرے اسے اس معاملے میں اس لئے بھی مختلف سمجھتے تھے کہ یاور خان گھر پر موجود تھے۔ اور عاجن کی شکل میں اسے مضبوط اسٹیٹ میسر آیا تھا۔ اس کا تو حوالہ ہی مستقبل میں کرو گھوم رہا تھا اس کیلئے اصل مسئلہ تو یہ تھا۔

"نہیں ادھر کوئی نہیں جاتا۔ بڑے خان کا حکم نہیں ہے۔ اور بی ادھر کبھی گیا ہے۔ بس خان جی (باری) سے ہو جاتی ہے۔ قدرے جھجک۔ وقتی کی پوری حویلی میں بلا روک ٹوک آمد و رفت تھی۔ بڑے کام ہونے ہی نہیں دیتے تھے۔ گلو نے بڑی اپنائیت و راز داری سے کہا۔ (ہاں اسی کے کہنے پر لگی ہوئی ہے حویلی)

"اوہ خان۔ ۔ ۔ اور نہیں اسے"۔ سرسوتی دوڑتی ہوئی واپس آئی۔ اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔

"تو پھر پیچھے گیا ہوا ہے؟" اس نے سرسوتی سے پوچھا۔

"بس اسے تو وہ کوئی نہیں جانے دیتے"۔ سرسوتی نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔

جانے کیوں اسے یوں محسوس ہوا جیسے سرسوتی جھوٹ بول رہی ہے۔ اور وہ اصطبل میں باری سے ملاقات کرنے آئی ہے۔

"اور کون، کون ہے اصطبل میں باری کے علاوہ"۔ اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ٹھکرا (جانوروں کا ڈاکٹر) کو ٹھکرا سے۔ ۔ ۔ این محمد چوکیدار ہے۔ اور چاچا چترالی"۔ وہ انگلیوں پر گن کر سارے گنوانے لگی۔

"جانوروں کا ڈاکٹر خان لگا رہا ہے یا ڈاکٹر؟"

"ڈاکٹر لگا رہا ہے۔ خان تو"۔ سرسوتی رک گئی۔ اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وقتی اس کو ورغلا کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی۔

سرسوتی خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ ساری لڑکیوں میں لڑکوں کو اسی سے سب سے زیادہ خوف محسوس ہوتا تھا۔

وقتی بیٹھے بیٹھے سرسوتی کو دیکھتی رہی۔

"اچھا۔ جاؤ تم"۔ اس نے پرسکون لہجے میں اسے جانے کو کہا۔ سرسوتی نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ پھر وہ اٹھ

کر چلی گئی۔

"وہ پیچھے کیوں نہیں جا رہی؟" (اس کا اشارہ حویلی کی طرف تھا)

"ہاں ہاں۔ کیوں نہیں جا رہی۔ وہ تو جاتی ہے۔ ہر ہفتے۔ ہر ہفتے معمول ہے اس کا۔

"وہ پیچھے کیا کرتی ہے؟" وقتی نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"کیا کرتی ہے۔ کیا کرتی ہے۔ کام کرتی ہے۔ کام۔ کام کرتی ہے۔ کام کرتی ہے۔ کام کرتی ہے

صاف چھپا رہا تھا۔

"ان کو کیوں اس عورت سے گلہ ہوا۔ بیوی حویلی کو بیچ کیوں کرنی پڑیں گی ابا صاحب سمیت خاص طور پر اس عورت کو۔" روشی نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے پوچھا۔

"تم پر بہت آسانی سے قابو پا لیں گی۔ مگر شاید تم بھی یہی چاہتے ہو۔" روشی نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے پوچھا۔

"جتنا سمجھتے ہیں اس قصے میں ہمارا کوئی حصہ نہیں۔ اب وہ جانے جو بھی کرتی پھریں۔" ہاری نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"کیا اس عورت نے ابا جان کو سب کچھ بتا دیا ہوگا؟" اس کی آواز بلند ہو گئی تھی۔

"شاید۔ انھیں بہت اہمیت دے چکی ہے اس سے۔" ہاری نے جواب دیا۔

"اہمیت تو انھیں تم سے بھی بہت دے چکی ہے۔" روشی نے طنز سے مسکرا کر کہا۔

ہاری خاموش رہا۔ اور قریب کھڑے سفید گھوڑے کی پشت سہلانے لگا۔

"ایک بات سنو ہاری۔"

"جی؟" وہ اس کے لہجے پر چونکا۔

"میں اتنی احمق نہیں ہوں جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔ اس عورت کا انداز بتا رہا تھا کہ تم اس کے محرم راز ہو۔" روشی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ فضول وہم استعمال کرنے کے شوق میں جانے آپ کیا کیا بول جاتی ہیں۔ کہ آپ کو احساس تک نہیں ہوتا۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"کیوں کیا بول گئی ہوں؟" وہ بگڑی۔

"کچھ نہیں۔ بہر حال میں صفائیاں خواہ مخواہ ہوں۔ کسی بھی قسم کی خدمت سے حاضر ہوں۔" ہاری نے دو ٹوک انداز اپنایا۔

"دیکھو ہاری۔ اگر مجھے پتا چل گیا ناں کہ تمھیں سب کچھ پتا ہے تو اچھا نہیں ہوگا۔" اس نے دھمکی دی۔ ہاری نے مشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

"ایک بات کہوں۔" اس نے جاتی ہوئی روشی کو مخاطب کیا۔

روشی رک کر اس کی بات کا انتظار کرنے لگی۔

"اب تک جو کچھ ہوا ہے۔ واقعی اچھا نہیں ہوا ہے۔" وہ شرارت سے گویا ہوا۔

"پتا ہے گا ناں تمھیں۔" اس نے دانت پیسے۔

ہاری کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

وہ پاؤں پٹختی حویلی واپس جاتی ہوئی تھی حالانکہ بات کچھ بھی نہیں تھی۔ اگر چاہتی تو حویلی کی دوسری لڑکیوں کی طرح اپنے کام سے کام بھی رکھ سکتی تھی۔ مگر ہمارا خون یہ گوارا نہیں کرتا تھا کہ جس بات کی ٹھان لی تو اس ٹھان لی۔

کتنی خوبصورت عورت۔ مگر پاؤں میں بیڑیاں۔ خون تھا وہ ہوا چھوٹا۔ اس کے باوجود اس کی خوبصورتی ماند نہیں

پڑی تھی۔ اس کی رنگت اور نقوش میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ [illegible] اس کی عورت سے [illegible] کے لیے وہ اس کی عورت سے تاسف ہوئی تھی۔

ایک بات طے تھی۔ دوسری شروع ہوئی۔ جسے سمجھنے کے لیے وہ دماغ کی تمام بتیاں جلا بیٹھی۔ [illegible] بہت سے کام ہونے ہیں کرنے کیلئے۔ وہ تو خیر میں خالہ کو سب بتا چکی تھی۔ انھوں نے کہا تھا کہ [illegible] آپا سے کہہ کر اپنی نیم کی شادی۔ انھیں بہت مدد کرتے ہیں مگر [illegible] میں بات کرنے والے لوگ۔ وہ [illegible] میں رہتا ہے۔

وہ پلٹ کر سوچتی ہوئی پیچھے جانے کی سب سے پہلے وہ [illegible] کرنے کی طرف بڑھی۔ [illegible] شاید وہ [illegible] کے لیے [illegible] کرنے والی تھی۔

وہ کمرے پر دستک دینے لگی۔ [illegible] "یہ ہیں۔ [illegible] "یہ والوں" کی جانب پھیر دے۔ جہاں داخل ہوتے ہی جیسا تاثر ہوتے ہیں [illegible] کی پہچان ہوتا۔

اس نے خالی جگہ مناسب نہ سمجھا اور دستک شروع کر دی۔

سامنے سے دروازہ کھلا۔ سرسوتی ہانپتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"بی بی۔ چلیں جلو" (جلدی چلو) بڑی بیگم"۔ وہ رک کر سانس درست کرنے لگی۔

"ادھر آ رہی ہیں بڑی امی؟" وہ تھوک نگلتی ہوئی۔

سرسوتی نے نفی میں گردن ہلائی۔

"مجھے بلا رہی ہیں؟"

سرسوتی نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"انھیں کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں؟" وہ الجھی۔

"خان نے؟" وہ ہانپتے ہوئے بولی۔

"ہاری نے؟" اس نے نہایت حیران ہو کر اس کی شکل دیکھی۔

سرسوتی نے زور زور سے اثبات میں گردن ہلائی۔

روشی کی مٹھیاں میں پسینے جوڑ بنانے لگا۔

وہ سرسوتی کو ایک طرف ہٹاتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ حلق سے اس کی بری حالت ہو رہی تھی۔

وہ بے ارادہ کمرے کی خواب گاہ میں داخل ہو گئی تھی۔

بڑی امی نماز کی چوکی پر بیٹھے تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ بیش بہا سجاوٹ اور [illegible] میں وہ بہت ہی خوبصورت محسوس ہو رہی تھیں۔

''السلام علیکم''۔ اس نے جھجکتی ہوئی سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔ بیٹھو''۔ انہوں نے بھی نہایت خشک اور سنجیدہ انداز میں کلام کیا۔

وہ فوراً ان کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''کیا کر رہی تھیں؟'' ان کی سپاٹ آواز ابھری۔

''کچھ نہیں''۔ اس نے نظریں جرائیں۔

''پیچھے کیا کرنے کی تھیں؟'' انہوں نے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔

روشی خاموشی سے اپنے پاؤں دیکھتی رہی۔

''کسی نے کچھ پوچھا ہے تم سے؟'' وہ ناراض لہجے میں گویا ہوئیں۔

''مجھ سے بھائی کے پاس گئی تھی''۔ بات فوراً ہوئی۔

''کس کی بھائی نہیں ہے وہ۔ بس وہ نظر ہی کیسے ہے۔ اپنی سگی والوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں''۔ وہ تلخی سے گویا ہوئیں۔

''جب وہ نظر ہی بھائی کی دشمن ہیں تو سب کی رشتے دار تو خود بخود ہو گئیں نا''۔ اس نے بھی خاصی ناراضگی سے کہا۔

''تمہارے رشتے دار بس وہی ہیں جو ہم کہیں کہ یہ تمہارے رشتے دار ہیں۔ جن کا ہمارا ہم کرنا ہے ہوں وہ تمہارے کچھ نہیں لگتے''۔ وہ برہمی سے بولیں۔

''رشتے قدرتی ہوتے ہیں۔ کسی کے کہنے یا نہ کہنے سے رشتے نہیں بنتے''۔ اس نے بے خوفی سے جواب دیا۔

''یعنی تمہارا ہمارے گھر آنے کا کوئی ارادہ نہیں؟'' وہ اس کی بے خوفی سے حیرت کے میں آ گئیں۔ وہ خاموش رہی۔

''روشانے... تم ہمارے لئے مسئلہ بن رہی ہو۔ جس کا صحیح حل بابا صاحب نے سوچ لیا ہے۔ ہم آج تمہارے سسرال والوں کو کوئی قریبی تاریخ دے دیں گے۔ مگر جب تک تمہاری بات نہیں آ جاتی۔ تم پیچھے نہیں جاؤ گی۔ اگر ایسا کرو گی تو ہم تمہیں تمہارے باپ کے پاس بھجوا دیں گے''۔

''مجھے منظور ہے۔ میں آج ہی بابا کے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔ مگر مجھے صرف یہ بتا دیجئے۔ علم اور وظیفہ ازدواجی کیا ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں؟'' اس نے آہستہ آواز میں سوال کیا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ بری طرح چونکیں۔

''کسی مزدور کے ساتھ ایک ان پڑھ لڑکی کو باندھ دیا جائے یا کسی گورنر کو ہر قانون سے بالاتر ہو کر تین دن کھا کر نیچوں سے باندھ دیا جائے تو ایک علم کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟''

جانے اتنی جرأت اس میں کہاں سے آ گئی تھی۔ بابا کی خلاف مزاج کے جذبات نے اس کے حواس کند کر دیئے تھے۔

''تمہیں بابا صاحب کے ذاتی معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں ہے۔ اپنے کام سے کام رکھو گی''۔ عالم تاب بیگم نے دم توڑنے کے بعد انتہائی غصے سے بولیں۔

روشی نے فوراً ہی ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''بابا... آپ کو ہماری قسم ہے۔ ہم آج ہی نہیں بابا کے ساتھ جائیں گے۔ ہم آپ کے بغیر نہیں رہ سکتے''۔ وہ آبدیدگی سے کہہ کر بیڈ سے اتر گئیں۔

روشی خاموش ہو گئی۔ چند لمحے یونہی گزرے۔ پھر وہ بھی بیڈ سے اتر گئی۔

''سنیے مجھے کچھ نہیں ہوا۔ اس ساری لڑائی میں وہ بالکل بے قصور ہے۔ غلطی سب کی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے بغیر میں بھی نہیں رہ سکتی۔ بابا کتنا معصوم ہے۔ اسے تو پتا بھی نہیں ہے کہ اس کے بارے میں سب کیا سوچتے ہیں۔ خیر اس کی قسمت ہے۔ جیسا اس کی قسمت میں ہے وہ ہو گا۔ ہمیں تو نہیں۔ ہمارا تو نہیں ہے۔ ہے نا گڈو۔ بابا صاحب کا دودھ گھونٹ''۔ وہ محبت بھری اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

بابا جان ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس اپنے لبوں سے لگا رہے تھے۔ جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ وہ چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

''آپ واپس بھی آ گئیں؟''

''جی... بابا کام ہو گیا ہے۔ آپ سے مشورہ بھی تو کرنا ہے''۔ اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''بابا کام اتنا ضروری ہے؟''

''وہ شادی کے سسرال والے آ رہے ہیں نا۔ تو بس ہو گیا''۔ اس نے اس مرتبہ فرش سے ان کا چہرہ دیکھا۔

''ہوں''۔ بابا جان کے چہرے پر یکلخت گہری سنجیدگی جھلکنے لگی۔

''شادی سے کل کر آ رہی ہیں؟'' وہ گویا ہوئے۔

''ہاں... پہلے میں سب ہی لڑکیاں تھیں''۔ اس نے یہ بار کرایا کہ وہ شادی سے خفا ہی میں نہیں گئی ہے۔

بابا جان حیرت بھرے لہجے میں بولے بغیر ہاتھوں میں برش چلانے لگے۔

''ایک بات کہوں آپ سے؟'' ماہین نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''ہوں'' کہہ کر اجازت دی گئی۔

''میں محسوس کر رہی ہوں کہ روشی اس رشتے سے خوش نہیں ہے''۔ اس نے اپنی دانست میں دھماکہ کیا۔

''اچھا۔ ٹھیک۔ پھر؟'' وہ بدستور برش چلاتے ہوئے گویا ہوئے۔

''آپ چونکے نہیں۔ حیرت نہیں ہوئی''۔ ماہین نے انہیں تعجب سے دیکھا۔

''اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ بچوں کے سے بچوں کی بھی پسند ناپسند ہوتی ہے۔ وہ تو خیر ہماری اللہ کی بیٹی ہے''۔ وہ اطمینان سے مصروف انداز میں گویا ہوئے تھے۔

''تو پھر جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ نہیں ہونا چاہیے''۔ ماہین کا انداز تعجبی تھا۔ بابا جان خاموش رہے۔

خیر ہی ہے۔" ماہین کے لہجے کی بے یقینی سے محسوس کر رہی تھی۔ وہ اپنے خدشوں سے کھیلنے لگی۔

"پچھلے دنوں وہ کراچی میں اللہ اللہ کر رہا تھا۔ کیا کوئی کاروباری مسئلہ ہو گیا ہے؟" انہوں نے بہت سنجیدگی سے پوچھا۔ ماہین نے بہت سنجیدگی سے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے خدشوں سے کھیلنے لگی۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ آپ نے اس سے پہلے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔" ماہین کچھ مطمئن سی ہو گئی۔ مگر اب وہ کچھ پریشان سی بات کرنے لگی۔

"اس قسم کی باتوں کا کوئی سوچا سمجھا حل نہیں ہوتا۔ پھر تکلیف دہ باتوں کا ذکر کرنا بھی" وہ جھجکتے ہوئے بولنے لگے۔

"سب آپ اندازے لگا رہی ہیں۔ کچھ بھی ہے ابھی۔ پھوپھی کی بات پر جان پر کھیل جاتی ہے۔"

انہوں نے ایک اور کوشش کی کہ اپنی مخلصانہ سنجیدگی کے ساتھ اس کی دلچسپی بات کرنے کی کوشش کی۔

"آپ کو کیا ہے۔ وہ بات جس کی وجہ سے اس نے خودکشی کی کوشش کی؟" ماہین کی تو بری حالت ہو گئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ مجھے اندازہ ہے کہ اسے یہاں کیا پیش آ سکتا ہے۔" وہ بے تیاری سے کہہ بیٹھے تھے۔

"جب آپ کو بات ہی نہیں پتا تو پھر آپ پھوپھی کی بات کا اندازہ کس بنیاد پر لگا سکتے ہیں۔

اب وہ اتنی بھی بے وقوف نہیں تھی کہ ذرا سی بات پر جان دینے کی کوشش کرے۔ کم از کم میں یہ دلیل تو کر نہیں سکتی۔" ماہین کا انداز قطعی تھا۔

"آپ میرا اعتبار کریں ماہین۔ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ جان بوجھ کر کی بات ہے جب آپ جذباتی ہو رہی تھیں۔ بابا صاحب نے لڑکیوں کو کس لیے بھیج دیا تھا اور شاید وہ جاذبہ نہیں چاہ رہی تھی۔ بلکہ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی۔"

یاور علی خان نے بے حد مشکوک سی ماہین کو یقین دلانے کی مقدور بھر کوشش کی۔

"تو پھر ٹھیک ہے نا۔ یہ جائزہ جیز کیلئے اس کی احتیاج تھا۔ وہ تو میں نے بھی محسوس کیا تھا کہ اسے اور دوسری لڑکیوں کو مجھ سے دور رکھنے کی شعوری کوشش کی جاتی ہے۔ میں اندازہ نہیں کر سکی کہ ایسا کیوں کیا جا رہا تھا۔" "بچہ" ہونا تو جواباً بھی بچگانہ ہے۔" ماہین نے جواب میں بلا کی سنجیدگی اختیار کی۔

"محض آپ کی غلط فہمی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔" یاور علی خان نے بچھے بچھے سگریٹ کے کش لے کر اپنی قدرے سلگتے ہوئے بہت دھیمی آواز میں کہا کہ وہ بچے کے زیر بحث سمجھ گئی۔

"تو اس واقعے کے بعد تو بہن اور بڑی محتاط ہو جانا چاہیے۔" ماہین نے ان کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"آپ منع کر دیں ناں۔ جب وہ راضی نہیں ہے۔" ماہین کا انداز یوں تھا جیسے کوئی بچہ ضد کر رہا ہو۔

"ایسا آسان ہوتا ہے ماہین۔ کتنا برا لگے گا بچی پر ہے اس کا۔ صاف نظر آ رہا ہے۔ بچے کھیلنے کو چاند مانگتے ہیں۔ تو ان کو بہلایا جاتا ہے۔ یہ تو لا کر نہیں دے سکتے ہیں۔" یاور علی خان نے ثابت کرنا چاہا کہ نہیں بھی یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہے۔

"تو پھر آپ اس کی شادی اس وقت تک پوسٹ پونڈ (متوقف) کر دیں جب تک اسے آپ لوگوں سے عقل و سمجھ

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس سے بڑی عمر کی لڑکیاں حویلی میں موجود ہیں تو اس کی شادی کی اتنی جلدی کیا ہے۔" ماہین نے الجھ کر سوال کیا۔

"ان میں سے اکثر کے رشتے گھر سے ہیں" یاور علی خان نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

"تو وہ ابھی کا رشتہ باہر کیوں کیا۔ کیا وہ گھر کے لڑکوں کے قابل نہیں ہے؟" ماہین نے جرح کی۔

"جس لڑکے سے رابی کا رشتہ طے ہوا ہے وہ اکلوتا ہے۔ رابی اکلوتا ہے۔ اکلوتا اور بہت آگے جانا چاہتا ہے۔ ہر لحاظ سے تجارت کر رہا ہے۔ گزلنگ ہے۔ اس کا باپ بابا صاحب کو بہت عزیز ہے۔ بھی بابا صاحب کا بڑا ہے۔ اکلوتا ہے۔ کر لیں گے بیٹا اتنا کامیاب ہے۔ اس کے باوجود علیم الدین بابا صاحب کیلئے کراچی میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ہر شکر گزاری کے تحت بابا صاحب نے نیلم کے کاروبار کیلئے لاکھوں کا لون دلوایا تھا۔ ابھی پچھلی ہفتوں سے اندر کا پتا چلتا ہے۔ گزشتہ بتیس سالوں سے علیم الدین بابا صاحب کے ساتھ ہیں۔ کبھی ایک پیسے کی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ بہت بااصول اور صاف ستھرے انسان ہیں۔"

"مگر اس کا کیا کریں کہ رابی راضی نہیں ہے۔" ماہین نے بے صبری سے ان کی بات کاٹ دی۔

"تو آپ کر لیجئے ناں راضی" یاور علی خان نے آن واحد میں ہزار بار جو اس پر لا دیا۔

"یہ تو زبردستی ہوئی۔" ماہین نے برا مانا۔

"ابھی اس کی عمر اتنی قابل اعتبار نہیں ہوئی کہ اس کے فیصلوں پر بھروسہ کیا جا سکے۔" یاور علی خان نے دلیل دی۔

"تو پھر اس عمر کا انتظار کرنا چاہیے۔ اگر یہ ناپسندیدہ رشتہ اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا تو بھگتنا بھی پڑے گی۔ پچھتاوا لے گی۔" ماہین کو ان کا انداز بے حس محسوس ہو رہا تھا۔

"اسے اچھی راہ دکھانا۔ برا لگنا سمجھانا ہمارا فرض ہے۔ ہمارے اس کے رشتے کا تقاضا ہے ہم اس کے لئے بہتر سوچیں اور مہیا کریں۔" یاور علی خان نے ماہین کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"جب اس کی عمر نا قابل اعتبار ہے تو پھر اسے اہم فیصلوں سے نہیں گزارنا چاہیے۔ علیم نقصانات بھی ہو سکتے ہیں۔" ماہین پر ان کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

یاور علی خان آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئے۔

"اس کے ساتھ بہت اچھا ہو رہا ہے۔ وہ جب ان لوگوں میں جائے گی تو بہت مطمئن اور خوش ہو گی۔ آپ یقین کریں۔" وہ سگریٹ سلگانے کے دوران گویا ہوئے۔

"اسے یہ وہم ہو گیا ہے کہ بابا صاحب سزا کے طور پر اس کی شادی کر رہے ہیں۔"

"سزا کے طور پر؟" ماہین نے تحیر آمیز سے اس کی بات کاٹ دی۔

"کیسی سزا۔۔۔ اور کس بات پر سزا؟" وہ بے تاب ہو گئی۔

یاور علی خان۔۔۔ سر جھکائے کش پر کش لگاتے رہے۔ پھر انہوں نے اپنی سرخ آنکھیں ماہین کے چہرے پر جما دیں۔

خوشگوار نہیں رہا تو پھر آپ اس کی رائے لیں اور اس کے جذبات کا احترام کریں"۔ وہ سنجیدہ تھی۔

ذوالفقار خان کا جاگیردارانہ مزاج ایک دم آتش فشاں بننے لگا۔ وہ خود بھی تو یہی چاہتے تھے۔ اس لئے نہیں کہ بیٹے کے سامنے ان کی قدر و اہمیت کم ہو رہی تھی۔ بلکہ اس لئے کہ ان کے سامنے باشعور، تعلیم یافتہ اور اپنے شرعی حقوق کا قانونی دلائل سے ثابت کرنے کی اہلیت رکھنے والی ایک متوازن لڑکی تھی جس کی آواز کو قلم اور کرنسی سے نہیں دبایا جا سکتا تھا۔

"مناوی کرنے کیلئے اس وقت میرے پاس کوئی ٹھوس وجوہ نہیں۔ اس لئے واضح طور پر میں آپ کے سامنے اپنا مؤقف اختیار کیا تھا۔ میرا خیال تھا چند دنوں میں وہ نارمل ہو جائیگی۔ لیکن اب میں اپنے ایک خیال پر سوچ رہا ہوں۔ آپ کی فہرست میں اس سے معلوم کریں وہ کسے پسند کرتی ہے؟ آپ مجھے نام بتا دیں۔ اللہ کا کام بھلا ہے۔ یہ کام آپ کو بھی کرنا ہے۔ مسز علیم اللہ یزدانی کی آمد سے پہلے مجھے بابا صاحب سے بات کرنا ہوگی۔

اور اسے یہ بتا دیجئے کہ اگر وہ خودکشی کرنے کی حماقت نہ کرتی تو شاید ایسے حالات اسے کبھی پیش نہ آتے۔ آئندہ کوئی اقدام اٹھانے سے پہلے وہ سو بار سوچ لے"۔

وہ لباس تبدیل کرنے کی غرض سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے چپ چاپ سی ماہین پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے ضرور سوچا تھا کہ جب بچے بڑے ہو جائیں تو بیوی کتنا اہم رول ادا کر سکتی ہے۔ خاص طور پر جب بیٹیاں بڑی ہو جائیں۔ انہیں ماہین کی اہمیت واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں جاتی ہوں"۔ وہ بہت بھاری بوجھ اپنے کندھے پر اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ سیدھی حضیر ابن کے بیٹھک والی کے کمرے میں آئی تھی۔

وہ سٹڈی پر جھکا کچھ پڑھ رہا تھا۔

"سوری ہو دوبارہ نائے؟" ماہین نے قریب پہنچ کر اسے مخاطب کیا۔

"نہیں، وہ ہی ہوں اپنی قسمت کو"۔ وہ سیدھا ہو گیا۔

"تم ایسی باتیں نہ کیا کرو"۔

وہ چہرہ اوپر اٹھا کر بڑے سکون سے بیٹھ گئی۔

وہ اسے ہلکی دلچسپی سے اس کا انداز نشست دیکھتا۔

"کام ختم کر آئی ہیں؟" وہ مسکرا پڑا۔

"کافی حد تک ہو گئی ہوں"۔ ماہین بھی جواباً مسکرا دی۔

"کتنا ہے کہ خاصی سمجھ بوجھ آ گئی ہے؟"

وہ بالکل نارمل ہو کر مخاطب ہو گئی۔

"کچھ کہا کیا اس دن سے ایک شخص نے اپنی ماں کو مرنے کی دھمکی دی تھی اور اس نے اپنی ماں کو خود کشی کرنے سے روک لیا تھا۔ کیا نام ہے اس کا؟"

مایئن نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"چھوڑیں خالہ! کیا فائدہ ان باتوں کا"۔ وہ طرح دے گئی۔

"تم نعیم سے شادی پر ناخوش کیوں ہو؟ اچھا خاصا تو ہے"۔ مایئن نے معمول حق میں بات کرنا چاہی۔

"میں نے کب کہا ہے کہ وہ "اچھا خاصا" نہیں ہے"۔ اس نے ٹالنے کے انداز میں جواب دیا۔

"تو پھر؟" مایئن کی حیرت فطری تھی۔

"سب" ایسے خاصے" لوگ سب کو ایسے خاصے نہیں لگتے"۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی لگ رہی تھی۔

"پھر تمہیں کون اچھا لگتا ہے حالانکہ اس سوال کا اب کوئی فائدہ تو نہیں"۔

مایئن نے کن انکھیوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"کیوں فائدہ نہیں ہے؟" روشی کی تمام حسیات متحرک ہو گئیں۔

"ابھی آج تو تمہاری شادی کی تاریخیں دی جا رہی ہیں"۔ مایئن نے بظاہر بڑی لاپرواہی سے کہا۔

"کون دے رہا ہے؟ خیر جو بھی دے رہا ہے دے رہا ہے' شادی تو میرے اقرار سے ہی مکمل ہو گی۔ اور میں اقرار نہیں کروں گی۔ اگر یہ لوگ گھر کی بات باہر سنوارنے کے خواہش مند ہیں تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں"۔ اس نے بے نیازی سے کہا۔

"یہ تو بہت بری بات ہے روشانے۔ یہ سب تم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ کیا محبت کرنے والوں کے ساتھ یہی کرتے ہیں"۔ مایئن نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

"میں نہیں مانتی ان کی محبتوں کو۔ مستقل دکھ دینے کے انتظامات کرتے ہیں اور محبتوں کے دعوے کرتے ہیں۔ آپ ہی کی وکالت نہ کریں' یہ کسی کے نہیں ہیں' انہیں اپنی ہی کرنے دیں' میں بھی انہی میں سے ہوں' میں بھی اپنی ہی کروں گی"۔

"مگر نقصان میں پھر بھی تم ہی رہو گی' سوچ لو"۔

مایئن کا انداز ہنوز تھا۔ اس میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ شاید اس لئے کہ کوئی اہمیت سب سے کبھی اس کے پاس محفوظ تھا۔

"اور یہ بات کہ زندگی کے سب سے دشوار مسئلے کا حل بھی تم اتنی ہی جلدی چاہتی ہو جتنی جلدی تم ایک کپ چائے کی ہوتی ہے' مگر روشانے زندگی ایک کپ چائے کا کپ تو نہیں ہے۔ مسائل کو دیر تک دیکھنے کی کوشش کیا کرو۔ تمہارے پاپا تم سے اور جواد سے اتنا پیار کرتے ہیں جتنا کہ وہ اپنی دوسری اولاد سے پیار کرتے ہیں۔ دیکھو وقت بہت کم رہ گیا ہے' صاف صاف بات ہو جانی چاہیے' اس لئے کہ پھر ... صاحب سے بات بہت دیر بعد

ہو سکے گی"۔

روشی بغور مایئن کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم سے کہہ دوں کہ تمہاری "کہانی" ہم پر ظاہر ہو چکی ہے' مگر میں جانتا ہوں کہ تم اس کے بعد بھی اپنی ضد پر قائم رہو گی۔ اس لئے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ روشی شادی ہو آ اور کھلا دل صاحب کے لئے لے کر آئے۔ وہ بہت اچھا ہے"۔

روشی بغور مایئن کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

"چاہتا ہے"۔ اسے غور کرنے میں دشواری ہو رہی تھی۔

"ہاں اقرب جلدی سے شادی"۔ مایئن وضاحت کر رہی تھی۔

"چاہتا ہے خالہ ...؟" اس کی سوئی جیسے اٹک گئی تھی۔

"ہاں بھئی"۔ مایئن کو اس کی حالت پر ہنسی آ رہی تھی۔

روشی چند لمحے کسی سوچ میں ڈوبی رہی' پھر ایک دم چونک کر۔

"مجھے عزیز ہو گئے ہیں آپ لوگ" اپنے مجھے کا کریڈٹ بھی ان کے نام کر دیا' میں خالہ روشی کی قربت ... وہ جیسے بات کہتے کہتے رک گئی۔

مایئن خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"سب ایسی ہی باتیں کرتے ہیں' ایسے لگتا ہے جیسے کہ آپ سب سے کسی کی باتوں میں آ جائیں"۔ وہ بہت دکھی تھی۔

روشی ایک دم کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ قدرت تمہارا کام آسان کر رہی ہے"۔ مایئن نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

روشی نے سوچ میں ڈوبی ہوئی نظروں سے مایئن کی جانب دیکھا۔

"کیا واقعی خالہ' ایسے کہا ہے؟" اس کی آواز میں بہت دھیما پن تھا۔ جیسے یقین نہ آ رہا ہو۔

"بھلا مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟" مایئن مسکرا دی۔

روشی پھر خاموش ہو گئی۔

"اس میں اتنا سوچنے کی کیا بات ہے' بھلی ہاں کہہ دو اور بس"۔ مایئن نے کہا۔

"لیکن خالہ' شاید ہم ... کر اور مشکل ہو جائے' بجائے کام سنورنے کے"۔ روشی نے خدشات ظاہر کئے تھے۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ ... یوں ... ہاں ... ہم بتانے سے کیا مشکل ہو گی؟ اس کے بعد تو بس تمہارے پاپا کا کام ہے۔

"یہ بات نہیں ہے خالہ"۔ اس نے سمجھتے سمجھتے انداز میں کہا۔

"تو پھر کیا بات ہے"۔ مایئن کو الجھن ہونے لگی۔

"اگر میں نے ہم ... تو شاید پاپا صاحب مجھے ... کر دیں۔ ... فرض کر لیں کہ ... ہو جائے اور یہ سب میرے ... میں ... ہو کر وہ شاید ... نہ ... اس لئے بہتر ہے میری شادی کا قصہ ہی ختم ہو جائے' کیونکہ میں اس کے علاوہ کسی اور پر کسی طور

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ماہین کی طرف سے یک لخت بڑی۔ غصہ کے باعث کنپٹیوں کی رگیں ابھر آئیں۔ اس نے جواب دینا چاہا۔

"کیا بات ہے؟"

روشی فوراً ہی کسی طرح دھڑک گیا۔ کہیں ماہین نے خاندان کے بارے میں کچھ نہ کہہ دیا ہو۔

"یہ تم نے کیا کہا؟ کیا وہ شادی نہیں کرے گی؟" وہ بس یہی کہہ سکی۔

چند لمحوں تک دونوں کے درمیان گہرا سکوت طاری رہا۔

"تو پھر اتنا دن قیاد سے کیوں؟" بالآخر ماہین نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔

"کوئی فائدہ تو ہے نہیں۔ آپ بس یہ کریں کسی طرح ہماری شادی کا قصہ ختم کرا دیں۔ میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی۔" روشی نے بجھے بجھے سے انداز میں کہا۔

ماہین ایک دم چپ سی ہو گئی۔

پھر ایک دم کمزوری ہوئی۔

"وہ واقعی بہت اچھا ہے۔ اس کی عادات بہت پسندیدہ ہیں مگر افسوس خیر میں نہیں کسی بھلائی تعلق سے بھلا ہیں چاہتی۔ اچھا میں چلتی ہوں۔"

روشی دوبارہ دھیم پڑ گیا۔ بہت کچھ ہونے کے باوجود کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

ماہین واپس اپنے بیڈ روم میں آئی تو دیکھا یاور علی خان ہال فون کال سے فارغ ہو کر ٹیلی ویژن دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے فوراً سے پیشتر ٹیلی ویژن بند کر دیا۔

"آئیے جناب! آپ بہت کم ہے بڑی دیر لگا دی ہے۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے پاس آ کر بیٹھنے کو کہا۔

ماہین ان کے پاس بیٹھنے کے بجائے تھوڑے فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس کا خاموش اور مردنی سا انداز انہوں نے محسوس کر لیا تھا اور اب وہ اس کی آواز سننے کے منتظر تھے۔

"ایک درخواست کروں آپ سے؟" اس کے انداز میں التجا کے بجائے جھجک تھی۔

"ضرور!" وہ اس کے چہرے پر نظریں جما کر کچھ کھوجنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کسی طرح بھی آپ سے ہو سکے، بس روشی کی شادی کا سلسلہ ختم کر دیں۔ ورنہ وہ بہت اکیلا رہ جائے گا۔ اور سے زیادہ قابل نہیں ہوتا چاہیے انسان کی انا کو۔"

وہ بہت دھیمی آواز میں ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔

"میں نے آپ کو کوئی کام ہونے کو اس کے پاس بھیجا تھا۔" ان کی سوالیہ نظریں اس کا چہرہ ٹٹولنے لگیں۔

"جو میں نے آپ سے کہا اس کی بنیاد پر بابا صاحب سے کوئی واضح فیصلہ کرایا جا سکے۔"

"اوہ! اچھا۔" یاور علی خان نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"اصل جہاں وہ خواہ مخواہ ہے۔ وہاں بھی معاملہ ناممکن ہے اور فیصلہ سے نہ ہو سکے گا۔ ایک سے ہو گا۔ ایک سے ہو گا۔"

"آپ اسے وقت نہ دلا سکتے ہیں؟" یاور علی خان سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"کون لوگ ہیں وہ؟" یاور علی خان سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"وہ آپ میں سے کسی کیلئے قابل قبول نہیں ہو سکتے۔" ماہین نے جواب دیا۔

"آپ سے ایسی مداخلت کرنے کو کس نے کہا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ پھر کسی صورت بابا صاحب سے بات کرنے کی ہو گی۔ آپ اسے بتا دیجئے گا کہ بابا صاحب کا فیصلہ ان کو وہاں بھی بتانے کا وقت دے دیں۔ مطمئن ہو جائیں کہ ہمارے بچوں کو کیا چاہیے وہ ان کے حق میں بہتر ہے۔"

"وہ نہیں مانے گی۔" ماہین نے تیزی سے ان کی بات کاٹ دی۔

"آپ اسے آمادہ کریں۔ بچی ہے، مان جائے گی۔" یاور علی خان نے بھی بڑی تیزی سے جواب دیا۔

"آپ سمجھ کیوں نہیں رہے ہیں۔ اس سے ہر قسم کی بات کر کے آ رہی ہوں۔" وہ جھنجلا گئی ہو گی۔

"آپ نے جو کچھ بھی کیا ہو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اب آپ کو یہ کرنا ہے، صورت وہ کرنا ہے۔" یاور علی خان نے سگریٹ سلگاتے ہوئے تلخی انداز میں کہا۔

"وہ نہیں مانے گی۔" ماہین نے جھلا کر جواب دیا۔

"تو پھر آپ گھر بھر بھاڑ ہے دیکھتا ہوں کیسے نہیں مانے گی۔" وہ برہم ہو گئے۔

"تھپڑ کریں گے کیا اس پر؟" ماہین نے ناراضگی سے استفسار کیا۔

"میں آپ کو اس قسم کا بندہ نظر آتا ہوں؟" انہوں نے الٹا سوال جڑ دیا۔

"بابا نے آپ سے تقاضا کیا ہے اس نے ابھی ٹھیک کرتا ہوں۔" وہ بڑبڑائے۔

ماہین اندر سے سہم گئی۔ فوراً کرسی سے اٹھ کر ان کے قریب آ گئی اور اپنا دایاں ہاتھ ان کے شانے پر رکھ کر صوفے کے اندر میں گویا ہوئی۔

"دیکھیں پلیز محبت سے بات بنائیے۔ اس کا دل ورنہ بری طرح ٹوٹ جائیگا۔ وہ آپ کا خون ہے۔ آپ اس کے سب سے زیادہ اپنے ہیں۔ آپ ہی کو سب سے زیادہ اس کا خیال رکھنا ہو گا۔ پلیز۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے میں اسے چھوڑ نہیں کھاؤں گا۔ آپ بلوائیے اسے۔ بڑا ظلم ہو رہا ہے اس پر ظلم۔"

ان کے انداز میں تھوڑا سا روایتی پن پیدا ہوا۔ وہ بڑبڑانے کے انداز میں گویا ہوئے تھے۔

ماہین فوراً باہر چلی گئی تھی۔

باپ کا پیغام سن کر اس نے چونک کر باہر ماہین کا چہرہ دیکھا تھا۔

"کیا بات کریں گے وہ مجھ سے؟" اس نے دوپٹہ سنبھال کر دریافت کیا تھا۔

"یہ تو مجھے نہیں معلوم مگر ارے والی کوئی بات نہیں، شاکل آ مجھ سے ساتھ۔"

اس نے روشی کا ہاتھ تھاما۔

وہ اٹھ کر مایین کے ساتھ ہو لی۔ مایین نے محسوس کیا جیسے اس کی چال میں غیر معمولی احتیاط ہے۔

کمرے میں مایین پہلے داخل ہوئی اور اس کے پیچھے پیچھے روشی۔

"السلام علیکم پیا"۔

اس نے ان سے بہت فاصلے پر بیٹھے کیلئے جگہ تلاش کی۔

"والسلام۔ ٹھیک ہو؟" ان کا انداز بے تاثر تھا۔

"تھینک یس"۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میں تم سے اس موضوع پر بات کرنا تو نہیں چاہ رہا تھا جس پر کرنے جا رہا ہوں اس لئے کہ مجبوری ہے۔ تمہیں پتا چلا ہوگا کہ خیم کے والدین تاریخ لینے آ رہے ہیں"۔ انہوں نے مختصر تمہید کے بعد اصل بات شروع کر دی۔

روشی خاموش رہی۔

"اور اب بھی میں تم سے دوبدو بالمشافہ بات کرنا چاہوں گا اور یہ بھی کہ تم بھی واضح ایک دم کلیئر جواب دو۔ مجھے اپنی کہی بات اچھی طرح یاد ہے تمہاری آبجیکشن والی بات میں نے تم سے کہا تھا میں تمہاری ہر خواہش رکھوں گا مگر یہ شرط ہے کہ کوئی بات کوئی ایکٹ ہمارے ریلیشن سے ایوائڈ نہ ہو۔ میں آج بھی اپنی بات پر قائم ہوں اور صاف کلیئر کرنا چاہتا ہوں۔ مایین فار گاڈ سیک تمہیں کہ دو لوگ جن کا تذکرہ کرتا تم نے ان سے کیا ہے ان پر ہم لوگ راضی کیسے ہوں گے ان لوگوں کے تعارف کے بعد مایین نے جو انداز دکھایا ہے وہ یقیناً انہوں نے اپنے طور پر محسوس کرنے کے بعد ہی کیا ہے وہ صاف صاف جو یہ کر سکی ہیں کیا اس گھر کا فرد ہونے کے ناتے تم نہیں کر سکتی تھی؟" وہ بہت نرم انداز میں کہہ رہے تھے۔

"لوگ ... کون لوگ؟ کیا تاثر دیا ہے مایین نے؟" اس نے الجھے ہوئے انداز میں مایین کی سمت دیکھا۔

"میں بھی تو سنوں پیا آپ کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں؟" اس نے مایین کی طرف قدرے پریشان کن انداز میں دیکھتے ہوئے باپ سے سوال کیا۔

"انہی لوگوں کی جن کے بارے میں تم نے مایین سے بات کی ہے"۔ اس بار وہ خاصے تیکھے لہجے میں بولے۔

"لوگ؟" اس نے مایین کی طرف دیکھا۔

"میری "ان" سے ابھی وضاحت کے ساتھ بات نہیں ہوئی ہے"۔

اس نے روشی کو کچھ سمجھانے کی کوشش کی۔

روشی سر جھکا کر ہاتھ مسلنے لگی۔

"کون لوگ ہیں وہ؟ کہاں رہتے ہیں؟" یاور علی خان نے اس کی طرف صرف ایک نگاہ ڈالی تھی۔

"وہ "لوگ" نہیں ہیں پیا"۔ اس نے قدرے ہچکچا کر جواب دیا۔

"میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ لوگ سوشل سوسائٹی سے ہیں۔"

"وہ ہم ہوں گے۔ مایین ایک دم کرسی سے اٹھ کر ان کے قریب پہنچ گئی۔ جیسے یہ ایک بہت ضروری بات ہو۔

"پیا"۔ ایک تاثر سے اس کے لب ساکن ہو گئے۔

"اس وقت یہاں بیوی شادی نہ ہونے دینا میں آپ سے کبھی کچھ نہیں کہوں گی کبھی سامنے نہیں آپ سے ملوں گی بلکہ میں اس طرح رہوں گی کہ شاید آپ کو یاد بھی نہ آئے کہ میں کبھی یہاں ہوں۔ میں آپ کو کبھی تکلیف نہیں دوں گی۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بلک بلک کر رو دی۔

مایین تیزی سے اٹھ کر اس کے نزدیک آ گئی۔

یاور علی خان سر جھکائے اپنی جگہ بیٹھے رہے۔

"اپنے اعصاب سے آگاہ ہونے کے بعد اس طرح کی حماقت کرنے کی کیا ضرورت تھی"۔ یاور علی خان نے جیسے خود سے کہا۔

"جب قسمت بہت ہی اچھی ہو تو مرض کی بات اپنے اعصاب میں نہیں ہوتی ہے لیکن جب قسمت ہی"۔ جملے کے آخر تک آتے آتے یہ سب بھسل گیا۔

مایین اپنے آنچل سے اس کے رخسار پونچھ رہی تھی۔ یہ بھی تعزیت والے سے کا ایک انداز ہوتا ہے۔

"میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں جیسے کہ میرے ساتھ تا پسندیدہ واقعات کا ایک طویل سلسلہ جو ختم ہونے میں نہیں آ رہا اب کہیں جا کر تھوڑا سا سستانے کا موقع آیا تھا مگر اس بار بھی اپنی بیٹی یہ تاثر وہاں کی بات ہے جو ختم ہی نہیں ہے"۔ انہوں نے اتفاق کرتے کرتے اچانک سوال بھی جڑ دیا۔

"ہوتا یوں ہے کہ جب کوئی اتفاق کرتا ہے تو دوسری جانب عجیب سی طمانیت اور خوشی کی لہر دوڑ رہی ہوتی ہے انسان خود بخود ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگتا ہے اور آگے کی گفتگو سہل پذیر دل اور خوشگوار ہو جاتی ہے"۔

روشی مطمئن کر طمینان سے باپ کی بات سننے لگی تھی مگر اس سے آگے کئے ہوئے سوال پر ٹھٹک کر رو دی۔

"مجھے اپنا ہر بات کا جواب چاہیے"۔ وہ اس کی خاموشی پر برہم ہوئے۔

"کس نے کہا آل پیا؟ میں کسی سے بھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔ آپ یہ بات ہمیشہ کیلئے ختم کر دیں"۔ وہ سسکیوں سے رو پڑی۔

"ہمارا تو شاید نہ ہو لیکن تمہارا تو ہے اور تم ہیبر"۔ انہوں نے گہری سانس لی تھی۔ اٹھ کر ان کی طرف چلی۔

اٹھ کر ان کے قریب آ گئی۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ اس لمحہ میں بہت بے بس ہو رہے تھے۔

دنیا کو خود سے ہر طرح ہم آہنگ کر رہے تھے۔

ہار جیسے کسی خیال سے چونک کر آگے بڑھی۔

"ایزی بلیز! دیکھیں آپ اپنا بلڈ پریشر لو نہ کریں۔ میں بابا صاحب سے بات کرتی ہوں، وہ کچھ نہ کچھ
بلیز"۔ اس کا انداز التجائیہ تھا۔

"میں جانتا ہوں وہ نہیں مانیں گے۔ سات دل پہلے وہ یہ آئے ہائم ..." ان کی پیشانی پر شکنیں نمایاں ہو گئیں۔
"صرف انکاری نہیں ہے، اپنے اسٹیٹس کا بھی خیال نہیں ہے۔ ... بہت بڑی سزا دوں گا اسے"۔ ... غصے سے لال
"آؤ روشی! میرے ساتھ آؤ"۔ مایین نے روشی کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔
"آپ وہاں نہیں جائیں گی مایین"۔ بادر علی خان نے اسے روکا۔
وہ ٹھٹک گئی۔
"ٹھیک ہے، میں وہاں نہیں جاؤں گی، مگر ابھی آتی ہوں تب تک"۔
مایین صبح جو انداز میں کہہ کر روشی کا ہاتھ تھام کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

وہ روشی کو لے کر اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔
"خالہ! میں ایک بھٹکی جاتی انسان ہوں، پیار کو سمجھانے اور یہ بھی کہ ان کے تمام مطالبات میری زندگی میں سے شروع
ہیں ناں"۔ وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی تیزی سے بولی۔
"خبردار! جو تم نے کوئی الٹی سیدھی پہلے جیسی کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی"۔ مایین نے ڈرا کر اس کی صورت دیکھی۔
"خالہ! جس شخص کے نام سے میرے اعصاب ٹوٹنے پھوٹنے لگتے ہیں اس کے ساتھ عمر کیسے گزر سکتی ہے اور
شادی کوئی اتنی اہم بات نہیں کہ تمام لوگ اپنی قیمتی توانائیاں صرف اس موضوع پر مرکوز کر دیں۔ شادی کے بعد پریشانی بھی
جاتی ہے، کبھی شوہر کے انتقال سے بھی عورت پر تنہائی کی نوبت آ جاتی ہے"۔ وہ بہت دکھ سے کہنے لگی۔
"یہ بات نہیں ہے روشی! اولاد بہت بڑی ذمہ داری ہوا کرتی ہے اور ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے اچھا،
خوشیوں بھری زندگی گزاریں"۔ مایین نے سمجھانے کی کوشش کی۔
"تھپڑ جا تو میرے لئے کانٹوں بھری زندگی کا انتظام کر رہے ہیں"۔ وہ ہنس کر بولی۔
"یہ تمہاری اچھی سوچ ہے، وہاں تمہیں اتنا پیار اور آرام ملے گا کہ تم سب کچھ بھول جاؤ گی"۔
مایین نے اس کے نزدیک بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"آپ بھی خالہ؟ آپ بھی ...؟" اس کی آواز بھرا گئی۔
مایین نے بے ساختہ اس کا سر اپنے شانے سے لگا لیا اور اس کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگی۔
"تمہارا کیس بہت کمزور ہے روشی! اگر مجھے ایک فیصد بھی امکان محسوس ہوتا تو میں تمہارے پاپا کی برہانڈی کو ایک
لمحہ نہ لگاتی، اس لئے کہ مجھے تمہاری ذات سے تو مجھے ان سے قریب کر دیا ہے، اگر تم پیدا ہوتے ہوتے تو میں تو یہ بات
کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"اچھا ایک بات بتاؤ" کیا پاپا سے تمہاری کوئی بات ہوئی ہے؟"
اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ روشی بمشکل ہی سن سکی تھی۔
روشی خاموش رہی۔
"روشی بلیز!" مایین نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنے مقابل کیا۔
"خالہ! میری تو خود سمجھ میں نہیں آتا، وہ مجھ پر کبھی اس طرح مہربان نہیں رہے۔"
وہ عجیب سی بے بسی سے کہہ رہی تھی۔
"کیا مطلب؟" مایین کو اس نے گھما کر رکھ دیا۔
"یہ تو ان کہیں کی، ابھی کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا"۔ مایین نے اس کے شانے تھپتھپائے۔
"روشی تو میں سوچ رہی تھی۔ ہمارے خاندان کے اکثر لوگ اپنے اعلیٰ مقام کے زعم میں اپنے سے کم حیثیت کے لوگوں سے
مایین خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔
"کسی گھوڑوں کو قابو کرنے سے انسان بااختیار ہو جاتا ہے"۔ خالہ کی اس کے لہجے سے غلط فہمی
مایین کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔
روشی نے منہ پھیر لیا۔
مایین نے بے ساختہ اسے گلے سے لگا لیا۔
"روشی! پتہ نہیں سب یہاں کیسے ہو سکتا"۔
"تو پھر وہ بھی کیسے ہو سکتا جو یہ لوگ کر رہے ہیں"۔ وہ اس کے شانے پر سر ٹکائے نم آنکھوں سے
"ہوں! یہ قابل عمل ہے، میں تمہارے پاپا کو کنوینس کرنے کی کوشش کروں گی"۔
اپنے بچے کے کھلے ہوئے بالوں کو خود ہی شرمندہ ہوتی پھر ہاتھ کھڑی ہوئی۔
"اچھا ٹھیک ہے تم اطمینان سے اپنے کام کرو، گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، ٹھیک ہے؟"
وہ اس کا شانہ تھپتھپا کر باہر چلی گئی۔
اور روشی اس کی جانب متوجہ ہونے کے بجائے گہری سوچ میں تھی۔

شام کے چار بجے تھے، لڑکیوں پر گویا آفت اتری ہوئی تھی۔ کھانا دینے سے اور ان کو کمرے کا کام کرنے کے لئے
یہاں وہاں کی بے مقصد چکر کاٹ رہی تھی۔ روشی یونہی دل بہلانے کے خیال سے ہال کی طرف آئی تھی، وہاں
واقعہ کوئی آئی پروبلم بنانے میں مصروف تھی تو کوئی چیکنگ کے عذاب میں مبتلا تھی۔
"تم کچھ نہیں کر رہی؟" روبی نے ہاتھ پکڑ کے آئینے میں اس کو دیکھا۔
"سوچ رہی ہوں کچھ کرنے کا"۔ اس نے بڑا سا منہ بنا کر جواب دیا اور واپس باہر آ گئی۔

اس کا رخ برآمدے کی طرف تھا۔ وہ آج کیسا چاند لگ رہا تھا۔

اس کی چال سے اس کی ذہنی حالت کا پتا چل رہا تھا۔ وہ بے حد گم صم تھی۔

اس کے باہر آتے ہی بھاٹک کھلا تھا اور ہادی حبیب نے کراہ کر داخل ہوا تھا۔ وہ آسمان کی طرف عزم کے بجائے درد سے سنگ سر ہو کے زینے پر بیٹھ گئی۔

ہادی اسے دیکھ چکا تھا اس لئے ڈسے ہوئے انداز میں برآمدے کی طرف بڑھا تھا مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ اس کے پاس سے گزر بھی گئی مگر اس کے انداز و نشست میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی اس نے ہادی کو مخاطب یا متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ اکثر اکثر ہوا اپنے کمرے کی سمت بڑھتا چلا گیا۔

جانے کس احساس کے تحت اس کے رخسار بھیگتے چلے گئے۔ جانے کتنی دیر وہ اسی طرح بیٹھی روتی رہی۔

صبا اس نے دیکھا۔ کاکا جان کا ڈرائیور شیر گل برآمدے کی ایک طرف کھڑی ہوئی حبیب کی جانب متوجہ تھا۔

ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا تھا۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی شیر گل کے پاس پہنچی تھی۔

"شیر گل! ایک منٹ بات سنو۔"

"جی بیبی صاحبہ"۔ وہ مودبانہ گویا ہوا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"ام سرائے واپس جاتا اے"۔ اس نے الجھی ہوئی نظروں سے روشی کو دیکھا۔

"کاکا جان تیں سرائے میں؟" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔

"کاکا جان "اچا اچا" (اچھا اچھا) تیور خانہ میں"۔ شیر گل تھوڑا سا الجھ کر بات سمجھ گیا۔

"ہاں ہاں!" اسے اس کی گندمی پر بھلا صورت سی ہوئی۔

"تو۔۔۔ تو سنو گے اے شیر گل پر کوئی پیغام؟" اس نے اپنی ذہنی اڑان کے حساب سے سوال کیا۔

"ہوں۔۔۔ خیر تم اپنی حبیب باہر نکالو دیتے ہیں پیغام"۔ وہ اس سے دور ہوتی گئی پھر تیزی سے اندر دوڑ گئی۔

بے چارا شیر خان پریشان سا اپنی حبیب کی طرف بڑھا۔ پھر کیدار نے گیٹ کھول دیا۔

وہ بہت تیزی سے اندر گئی تھی اتنی تیزی سے واپس آئی تھی۔ اس مرتبہ اس نے بدل لی چادر پہنی ہوئی تھی اور چادر کو عورتوں کی طرح چہرے پر بھی سیٹ کر رکھی تھی۔

شیر گل حبیب میں بیٹھا ہوا اس کے "پیغام" کا انتظار کر رہا تھا۔

دین محمد چوکیدار گیٹ بند کر کے مالی سے بات چیت میں مصروف تھا۔ اس نے صرف ایک دہشتی سی نظر چادر میں لپٹی روشی پر ڈالی تھی۔

اس نے حبیب کا دروازہ کھولا اور پھرتی سے بیٹھ گئی تھی۔

"تم کیا کہتا ہے کون اے؟" شیر گل بے چارہ بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر رہ گیا۔

"میں روشی ہوں۔ تم سے اکیلی بات کرنا تھی"۔ اس نے اپنے گریز جواب دیا۔

"تو یہ کیا کرتا اے اور سے ساتھ کدھر جاتا ہے اسے اپنا سرائے جانا تھا"۔ بے حد سراسیمگی کے عالم میں وہ کہہ گیا۔

"میں بادشاہ خان کی بیٹی ہوں۔ تیمور شاہ خان کی بھتیجی۔ سرائے بھی ہمارا ہی گھر ہے۔ اگر میں وہاں جا رہی ہوتی تو تمہیں کیا اعتراض ہوتا؟" وہ سخت لہجے سے گویا ہوئی۔

"وہ آپ۔۔۔ اکیلا؟" بے چارہ گھگھیا کر رہ گیا۔

"اکیلی کہاں تم نہیں ہو میرے ساتھ"۔ وہ پھر غرائی۔

"پر بڑا خاں" شیر گل کی جان عجیب مشکل میں پڑ گئی تھی۔

"پھر تم حبیب کیوں اسٹارٹ نہیں کرتے؟" وہ برہم ہوئی۔

"وہ ام۔۔۔ ام ابھی اسٹارٹ کرتا اے"۔ وہ ہکلا رہا تھا۔

"سنو تمہاری بڑی کیوں نہ ہو؟ اگر تم ہو جاتے ہے چاچا حبیب اور میں شور مچا دوں گی کہ تم بندوق تان کر مجھے لے جا رہے ہو" اس نے اسے دھمکی دی۔

شیر گل کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

اس نے حبیب چلا لی نہیں تھی بلکہ بھگا لی تھی۔

"آپ اور کیوں جانا ہے اے میم صاحب"۔ وہ بچی سہ کر پرانے ہی روشی سے مخاطب ہوا۔

"وہ بھی میرا گھر ہے تمہیں کیا اعتراض ہے؟ میں اپنے چچا کے پاس جا رہی ہوں کسی دشمن کے پاس تو نہیں جا رہی! سمجھے پاجی وہ میرے سوتیلے بھی نہیں ہیں۔ خبردار جو تم نے مجھ سے سوال جواب کیے۔ اپنی اوقات میں رہو۔ ورنہ میں تمہاری جاگیر کی جھے دار"۔

روشی نے مجبور ہو کر اسے "ٹرک" سے خاموش کرا دیا۔

"آپ مائی باپ اے اور ام تو اس واسطے بولتا تھا آپ جوان بچی اہ"۔

"اچھا! اس خاموشی سے حبیب چلاؤ میرے سر میں درد ہو رہا ہے"۔ اس نے آنکھیں موند کر سیٹ سے ٹیک لگا لی۔

شیر گل اسٹارٹ کرتے کرتے کچھ سوچ کر اس پر نظر ڈال لیتا تھا۔

"میم صاحب! آپ پیچھے جا کر آرام سے سو جاؤ۔ ابی بڑا اور جانا اے"۔ وہ بولے بنا نہ رہ سکا۔

"میں ٹھیک ہوں"۔ اس نے زیادہ بدلے بغیر ترشی سے جواب دیا۔

شیر گل مزید کچھ نہ بولنے کا ارادہ کر کے خاموش ہو گیا۔

اندازے پر دھنک ہوئی۔

ماہین ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہوئی بھاری کامدار دوپٹا سیٹ کر رہی تھی۔
یاور علی خان نیم دراز کرسی سوچوں میں غرق سگریٹ کا دھواں اڑا رہے تھے۔
"اوں ۔۔۔ یس!" انہوں نے دستک کا جواب دیا تھا۔
عالم تاب اندر داخل ہوئیں۔
یاور علی خان سنبھل کر بیٹھ گئے۔ "آیئے بھابی بیگم!"۔
"تیار ہو گئیں ماہین؟ مہمان بھی آ چکے ہیں۔ ایسا کرو۔ روشی کو بھی کہہ دو کپڑے وغیرہ تبدیل کر لے گی۔ ہو سکتا ہے اس کی ساس اس کے پاس جائیں یا اسے بلوائیں۔ پھر تم مہمانوں کے پاس آ کر بیٹھ جانا۔ سب لوگ بابا صاحب سمیت اوپر والے روم میں ہیں"۔
"جی بہتر۔ میں تو تیار ہوں۔ کہہ دیتی ہوں روشی سے"۔ بولتے بولتے ماہین کی آواز بے حد دھیمی ہو گئی۔
"یاور! تم کچھ آرہے ہو؟" انہوں نے ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس یاور علی خان کو قدرے حیرت سے دیکھ کر دریافت کیا۔
"آ رہا ہوں۔ بھئی "ہم" آ رہے ہیں"۔ انہوں نے ماہین کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ عالم تاب کمرے سے باہر چلی گئیں۔
"آپ روشی کو تیار کیجئے گا۔ میں چیک کرتا ہوں اتنی دیر میں۔ ٹھیک ہے؟"
ان کا انداز خود بھی سہما سہما تھا۔ جیسے وہ اندر ہی اندر خائف ہو رہی ہوں۔
"جی"۔ ماہین نے ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھ کر جواب دیا۔
یاور علی خان اٹھ کر باتھ روم میں چلے گئے۔ اور ماہین روشی کے بیڈ روم میں چلی آئی۔
روشی بیڈ روم میں موجود نہیں تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر باتھ روم کے دروازے پر دستک دی۔ اندر محسوس کی جانے والی خاموشی تھی۔
اس نے دو تین بار دروازے پر دستک دے کر جھکیا اور روشی کو آواز دی۔ مگر جواب میں بدستور خاموشی تھی۔
اس نے اندر جھانکا۔ باتھ روم خالی تھا۔ وہ الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ کمرے سے باہر آ گئی۔
سامنے سرخ ساڑھی باندھے سرسوتی ہیڑ ہیڑ کرتی آ رہی تھی۔
"سرسوتی"۔ اس نے آواز دی۔
"جلاں بی بی"۔ وہ اس کی طرف تیزی سے بڑھی۔
"تم نے روشی کو کہاں دیکھا؟"
"جن ای آسماں"۔ وہ حکم پا کر ہال کی طرف بڑھ گئی۔ ماہین وہیں کھڑی رہی۔ دو منٹ بعد سرسوتی ہال سے واپس آ کر مطلع کرنے لگی۔
"وہ تے نئیں اے بی بی۔ پر ساں کھلو جاؤ پاک ہور تھاں اتاں ول دیکھ ساں"۔

وہ پلٹ گئی۔ ماہین کو ہال کی طرف جانے والے دروازے کی طرف گئی تھی۔
اوپر کوئی کیوں ہو سکتی ہے؟ وہ پریشان ہو گئی تھی۔ عجیب سے وسوسے دل میں سر اٹھانے لگے تھے۔
"جلاں بی بی۔ ماہین۔ ہوں کیوں کھڑی ہو"۔ عالم تاب اوپر سے آ رہی تھیں۔ سیڑھیاں اترتے اترتے انہوں نے پوچھ لیا تھا۔
"آپ نے روشی کو دیکھا ہے؟" ماہین نے پوچھا۔
"اوپر ہی ہو گی۔ سب بچیاں وہیں ہیں"۔ انہوں نے بے نیازی سے کہا۔
"نہیں ہے وہ۔ وہاں کہیں نہیں ہے"۔ ماہین نے اپنی بات کے دوران عالم تاب کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا بغور جائزہ لیا۔
"ہیں؟ اتنا بڑا روم میں تو نہیں ہے"۔ عالم تاب کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ابھرے۔
"ہو سکتا ہے کسی اور جگہ چلی گئی ہو"۔ ماہین نے دبی ہوئی آواز میں جواب دیا۔
"کہاں؟" عالم تاب کے ذہن نے امکان ابھرا۔ "کہیں نہیں"۔ ماہین نے جواب دیا۔
"ہوں"۔ عالم تاب نے پرخیال انداز میں ہنکارا بھرا۔
"ہو سکتا ہے باہر گئی ہو"۔ عالم تاب نے خود ہی اندازہ لگایا۔
"باہر؟" اس نے ہونق بیاری دوستوں کے چہرے دیکھے۔
"تم نے روشی کو تو نہیں دیکھا ہاری۔ باغ میں یا ادھر ادھر؟" عالم تاب نے خوبی کے سب سے بڑے سوٹ کیس کے بارے میں استفسار کیا کہ شاید وہ کچھ بتا سکے۔
"کمرے میں تھی وہ؟" وہ چونک پڑا تھا۔
"کمرے میں ہے نہ ہال میں"۔ ماہین نے جلدی سے بتایا۔
"ہو سکتا ہے بھائی (سیما) کے کمرے میں ہوں"۔ اس نے امکان ظاہر کیا۔
"نہیں ادھر سے آ رہی ہوں"۔ عالم تاب نے اس کا اندازہ غلط ثابت کر دیا۔
"تو پھر"۔ اس کا ذہن فوراً جھومر کی طرف گیا۔ اس نے معنی خیز انداز میں عالم تاب کی طرف دیکھا تھا۔
"گئی ہے سرسوتی اس طرف"۔ انہوں نے ماہین کے چہرے پر سرسری نظر ڈال کر ہاری کو جواب دیا۔
"جی ملکہ پریشان ہو کر نیچے سے واپس آیا تو وہ دروازے میں زینے پر بیٹھی ہوئی تھیں"۔۔۔
"کوئی خاص بات ہے؟" عالم تاب نے یونہی پوچھا۔
"ایک بچھلے سے آ گئی ہوا ہو گا"۔
کہ سرسوتی تیز تیز باتیں کرتی ہوئی آئی۔

"اوہو ہی نہیں اسے"۔ وہ پھولی پھولی سانسوں کے درمیان بولی۔

"ہوا ہاری۔ ذرا دیکھو بابا صاحب کے کمرے میں تو نہیں ہے"۔

ماہین نے بڑی جانچتی ہوئی نظروں سے ہاری کو سر سے پاؤں تک دیکھا تھا۔ ہلکے بھورے اور کالی بیل بوٹے والے شرٹ میں وہ بہت چاک و چوبند محسوس ہو رہا تھا۔

وہ تیز قدمی سے بابا صاحب کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ وہ دونوں ابھی اپنی جگہ کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی پھولی ہوئی سانس میں بول رہی تھیں۔

"بیٹا کی تو مسئلہ بن گئی ہے۔ حالانکہ اسے سب پیار کرتے ہیں۔ سب خیال رکھتے ہیں"۔ عالم بے خودی میں بول رہی تھیں۔

ماہین بس ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

ہاری جلدی واپس آ گیا۔ اس کی چال سے اس کا ذہنی الجھاؤ ظاہر تھا۔

"آپ لوگ چلئے میں دیکھتا ہوں۔ وہ بابا صاحب کے کمرے میں بھی نہیں ہیں"۔

عالم تاب دھک سے رہ گئیں۔ وہ اس کی شدید طبیعت سے اچھی واقف تھیں۔ طرح طرح کے وہم سے ان کا سر آ گئے۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ! میں تمہیں بلوا لوں گی"۔ وہ بلند آواز میں ماہین سے مخاطب ہوئیں اور سامنے کی طرف بڑھ گئیں۔

ماہین بھی آہستہ آہستہ چلتی اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔

یاور علی خان تیار ہو کر صوفے پر بیٹھے ایک اہم رنگ میگزین کا جائزہ لے رہے تھے۔ دروازہ کھلنے پر سامنے دیکھا تو چپ چاپ سی ماہین کو اندر آتے پایا۔

"روشی کیا کر رہی ہے۔ تیار ہو گئی؟" انہوں نے ماہین کے چہرے سے جیسے کچھ پڑھ لیا تھا۔ جو روشی سے متعلق سوالات شروع کر دیئے تھے۔ یوں بھی جس طرح کی صورتحال درپیش تھی۔ انہیں کنفیوس ہونا ہی چاہیے تھا۔

"وہ اپنے کمرے میں تو نہیں ہے۔ سرسوتی اور ہاری وغیرہ دیکھ رہے ہیں اسے"۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا۔

"دیکھنے کا کیا مطلب۔ وہاں ہال میں ہو گی لڑکیوں کے ساتھ"۔ یاور علی خان نے کہنے والی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ہوں"۔ ماہین نے فی الوقت ان سے مزید بات کرنا مناسب خیال نہ کیا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ ظاہر ہے گھر میں ہی ہو گی"۔ اس نے خود پر قابو پا کر عام سے انداز میں جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے جواد کے پاس گئی ہو"۔ وہ اندازہ لگانے لگے۔

"ہی ہو سکتا ہے"۔ اس نے تائید کرتے آہستہ سے کہا۔

"آپ اتنی گم صم سی کیوں ہیں؟" ان کی صباحت والی شوخ پھر لوٹ آئی تھی۔

"نہیں تو"۔ وہ زبردستی مسکرائی۔

"کوئی بات تو نہیں؟" وہ بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

"نہیں نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ آپ فکر نہ کریں"۔ اس نے بڑی واضح مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"فکر ہی تو ہو سکتی ہے۔ وہ ہے ہی ایسا بہت بے وقوف لڑکی"۔ وہ بڑبڑائے۔

ماہین کے پاس خاصی معقول دلیل تھی کہ وہ چپ رہی کہ اس طرح ایک نئی بحث کا آغاز ہو سکتا تھا۔ جس سے وہ اس وقت کترا رہی تھی۔

دونوں نہایت خاموشی سے کسی نئی اطلاع کا انتظار کرنے لگے۔

یاور علی خان کی انگلیوں میں سگریٹ پھنسا ہوا تھا۔ وہ ادھر ادھر ارتعاش کرنے لگے تھے۔

ماہین اٹھ کر ادھر ادھر ارتعاش کرنے میں جیسے ان کی مدد کرنے لگی۔ یکایک اسے تو یاد آیا۔ اس نے ان کے سوا کچھ کھلتے ہوئے ہونٹوں میں کچھ خوشگوار سی بیچارگی سے کھنک سے ہلکا سا جھاگ کر ان کے سامنے کیا۔ اسے خود بھی اس عمل میں لطف محسوس ہوا۔

یاور علی خان نے آگے جھک کر سگریٹ سلگایا۔

"تھینکس!" انہوں نے دھواں اس کے منہ پر چھوڑ دیا۔ ماہین مسکرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اگ رہے میں عجیب سی طمانیت دوڑ گئی تھی۔

"اسی دھوئیں کا مزہ"۔ ماہین کے دل میں عجیب سی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔

"کہیں"۔ یاور علی خان نے اجازت دی تھی۔

عالم تاب اندر داخل ہوئی تھیں۔ اور بڑے سراسیمہ انداز میں۔

"یاور — روشی حویلی میں کہیں نہیں ہے"۔ وہ دل پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔

ماہین کے پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی۔ وہ ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح بیڈ پر گرنے کے انداز میں جھکی تھی۔

یاور علی خان دم بخود سے بیٹھے رہ گئے۔

"وہ کہاں ہے"۔ ماہین نے بکھرے اور بھٹکے ہوئے حواسوں کو تھام لینا چاہا۔ جہاں وہ جا سکتی تھی۔

"سب جگہ دیکھ لیا۔ سب جگہ — ہائے"۔ انہوں نے سینے پر ہاتھ مارا۔

"یاور وہ تو بہت نہیں کہ بابا صاحب کو کچھ ہوا ہو۔ ارے میرے اللہ — یہ ہمارا کیسا امتحان ہے"۔ وہ پھر سے بچوں کی طرح رونے لگیں۔

"حوصلہ کریں۔ حوصلہ کریں۔ کہاں جائے گی بھلا وہ — خود کو سنبھالیں"۔

وہ الجھ کر ان کے پاس آ کھڑے ہوئے تو ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"اوہ نہیں یار، وہ بچہ کر گزرتی ہے"۔ وہ اور زیادہ رونے لگیں۔

یاور علی خان کی پیشانی پر لکیریں گہری ہو گئیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر سکندر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے مخل کیا۔

"آپ فکر نہ کریں بھابی بیگم۔ اگر وہ واقعی بچہ کر گزرتی ہے تو یار کہتے ہیں میں اسے اٹھا لاؤں گا۔ اگر اور دل چاہے تو میں ہاتھ سے اسے ثابت کروں گا"۔

ان کے لہجے میں جیسے کوئی ارادہ غرا رہا تھا۔

"اوہ — مگر اب کیا کریں؟ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں"۔ وہ روتے روتے گویا ہوئی تھیں۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں ڈیل کر لوں گا"۔

"ماہین۔ بھابی بیگم کو پانی پلاؤ۔ میں بابا صاحب کے پاس جا رہا ہوں"۔

وہ ساکت بیٹھی ماہین کی طرف پلٹ کر گویا ہوئے اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

یاور علی خان نے بابا صاحب کی خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی اور اجازت کا انتظار کیے بغیر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

"آؤ۔ آؤ یار بھتی۔ ہم تمہیں بلوانے ہی والے تھے۔ وہ مہمان تو آ چکے ہیں۔ بہتر احوال ہے کہ رات کے کھانے سے پہلے تمام معاملات طے کر لئے جائیں۔ مہر وغیرہ بھی طے کرنا ہوگا۔ جو تمہاری مرضی ہو تم بتا دینا"۔

بابا صاحب ایک بھاری بھرکم سا رجسٹر کھولے بیٹھے تھے۔ بیچ کر دیکھ کر ایک دم پرجوش سے ہو گئے اور رجسٹر ایک طرف سرکا دیا۔ عینک اتار کر جیب میں ڈالی۔

"سب کچھ آپ ہی کرتے ہیں۔ آپ ہی نے کیا ہے۔ مہر وغیرہ کا مسئلہ بھی آپ ہی نمٹا لیجئے گا"۔

"دوسرے انداز میں جواب دے کر ان کے سامنے پڑی ایک پر شکوہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

بابا صاحب نے چونک کر ان کی شکل دیکھی جہاں ہر طرح کے جذبات مفقود تھے۔

"نہیں بھئی۔ آخر تم باپ ہو۔ مجھے تمہیں بھی حصہ لینا چاہیے"۔ وہ پھر اسی سابقہ انداز میں گویا ہوئے۔

"ہاں بات تو ہوں۔ مجھے انکار نہیں ہے۔ مگر باپ کی حیثیت سے آپ اولاد کے بارے میں ہر قسم کے فیصلے کر سکتے ہیں۔ مگر ہم باپ کی حیثیت سے اس طرح کا کوئی حق استعمال نہیں کر سکتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے باپ کی حیثیت سے خود کو کس طرح استعمال کرنا چاہیے"۔ وہ اسی طرح سر جھکائے میں گویا ہوئے۔

اس بار بابا یاور علی خان نے غور سے ان کی صورت دیکھی۔

"ارے کیوں آج ہمیں قسمت بدلے ہوئے لگ رہے ہو؟" وہ اپنی حیرت ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکے۔

"بابا میں آج تک کسی کی قسمت بھی بدل سکا ہوں؟" انہوں نے دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسا کر سر کے پیچھے کر

[illegible] پشت پر ٹک لگا لی۔

"بات ہے بیٹے؟" بابا صاحب کے لہجے میں ہلکی سی تشویش در آئی۔

"کوئی نہیں ابا صاحب۔ کبھی کبھی اولاد کی ہر بات ہر خوشی کی ہر ادا میں [illegible] ہوتا ہے۔ ابا صاحب اس مرتبہ سارا انتظام میں خود کروں گا۔ اس مرتبہ نکاح میں پوری تحویلی ہال بھی [illegible] ہے۔ ابا صاحب کی پیشانی پر شکنیں گہری ہو گئیں۔

"اور کیا کہنا چاہتی ہے؟" بابا صاحب کی پیشانی پر شکنیں گہری ہو گئیں۔

"کچھ نہیں کہا تھا"۔ یاور علی خان کہتے گویا ہوئے۔

"فضل کرامت کرو یار! "بابا یاور علی خان کے جملے کا پیرایہ سمجھتے ہوئے بولے۔

"ہو چکی ہے"۔ انہوں نے بے حد سکون اور آہستہ آواز میں اطلاع دی۔

"کیا؟" بابا یاور علی خان کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ ان کا اونچا شملہ آندھی کی زد پر تھا' کچھ سمجھ نہیں آئی کہ جواب

[illegible]

"پہلے ہوتا تو مشورہ بھی کیا تھا"۔ وہ اسی بے حد سکون سے گویا ہوئے۔

"مگر کیوں؟" ان کا لہجہ خون جما دینے لگا۔

"وہاں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی"۔ یاور علی خان نے جواب دیا۔ اب وہ سینے پر بازو لپیٹے غصے پر سکون سے نگاہ آئے

[illegible]

"تمہارے علم میں تھی یہ بات؟" انہوں نے اپنی آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی"۔ انہوں نے مختصر جواب دیا۔

"مجھے کیوں نہیں بتایا تھا؟" اب ان کے وجود پر لرزش طاری ہونے لگی تھی۔

"کیا فائدہ ہوتا؟"۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولے۔

"کیا مطلب؟" بابا یاور علی خان نے قدرے درشتی سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ آپ فیصلے کرنے کے بعد ہی لیتے ہیں۔ لہٰذا بات آپ تک پہنچانے کا کیا فائدہ ہوتا"۔ انہوں نے [illegible] دیا۔

"مگر پھر بھی ہمیں با خبر تو رکھنا چاہیے تھا۔ ہم ٹھیک کر دیتے اس کا دماغ۔ اس کی ماں [illegible] ہو گئی۔ مگر وہ [illegible] اس سے [illegible] کرنے آئے ہیں۔ تم نے [illegible] کر [illegible] کی۔ یار [illegible] کبھی پتا تھا؟" بابا یاور علی خان [illegible] کر دہاڑے تھے۔

"سب پتا تھا"۔ یاور علی خان نے جواب دیا۔

"کیا وہ نہیں ہیں۔" ۔۔۔ یاور علی خان بولتے بولتے رک گئے۔ ان کے چہرے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔

"شاید" ۔ یاور علی خان کی نظریں جھک گئیں۔ ان کے شانے میں یہ الجھن چبھ رہا تھا۔

"کون ہے وہ ۔۔۔ کیا کرتی ہیں؟" ۔۔۔ وہ ان کی آن میں جیسے یہ جاننے کی اجازت کو پوچھ رہے تھے۔

"مجھے ٹھیک سے پتا نہیں۔ میں نے ماہین کے ذریعے پتا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان سے اس کا رشتہ ہوا تھا۔ ان سے اس کا انگیجمنٹ ہوا تھا۔ ان سے اس کا انگیجمنٹ ہوا تھا۔ ان سے اس کا انگیجمنٹ

"کہاں؟" موہنے کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

بچے نے دہاڑ دہاڑ کر چلانا شروع کر دیا۔

"کہاں چلی گئی؟" یہ تو زار و قطار رونے کو ہو گئی۔

"کیا کسی بابا صاحب نے کچھ کہہ دیا تھا؟" کالی کا تو جیسے پتہ کر رہا تھا۔

"معلوم نہیں ۔۔۔ بس آپ لوگوں سے یہ کہتا تھا کہ خیم کے والدین گھر میں موجود ہیں۔ کوئی بات کرنی ہو تو ۔۔۔ سمجھ رہی ہیں ناں آپ لوگ"۔

مائین نے ان کے سنتے ہوئے چہرے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

جواب میں خاموشی چھائی رہی۔

چند لمحے خاموشی کے بعد ایک جانب سے سسکیاں ابھرنا شروع ہوئیں۔

مائین نے نظریں دوڑائیں تو گلو کو روتے ہوئے بابا موہنے اپنی جگہ سے اٹھ کر گلو کے پاس آ گئے۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔ آ جائے گا گھر۔ بڑی بات"۔ وہ گلو کو چپ کرانے لگی۔

اسی دم عالم تاب اندر داخل ہوئیں۔ لڑکیاں اپنی اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

"مائین"۔

"جی؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"قمر یار کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ جاؤ۔ مہمان وہیں ہیں"۔ وہ بے حد نڈھال نظر آ رہی تھی۔

مائین وہیں سے چلی آئی۔ سامنے ہی بارتی آپا دکھائی دیا۔

"اعوظ لیا حویلی میں؟" اس نے بے تاثر لہجے میں پوچھنی سوال کر دیا۔

"جی ۔۔۔ چھان ماری ہے"۔ وہ سادگی سے گویا ہوا۔

"یہ اقصان ہوا ہے ہمارا۔ تمہاری وجہ سے"۔ وہ سابقہ انداز میں گویا ہوئی۔

"جی"۔ اسے جیسے ڈرلے کا جوتا محسوس ہوا تھا۔

مائین نے اس سے مزید بات چیت کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور آگے بڑھ گئی۔ بارتی خود ہی پریشان اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تو اس کی صورت بری لگنے لگی ہے۔ منحوس۔ نہ شکری کہیں کی"۔

بالو کی ماں نلا" مجو کو کھانا دیتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔

"بھاگوان۔ سب نصیب کی بات ہے۔ کیوں کوستی رہتی ہے اسے ہر وقت"۔

"تم نے ہی مجو کو سر چڑھا رکھا ہے"۔ اس نے عمر کو خواہ مخواہ کی بات کہہ ڈالی تھی۔

"تو کیا گلو اور بالو"۔ وہ چیخ کر بولا۔

"تب ہی تک کوئی اور باپ ہوتا تو چوٹی سے پکڑ کر باہر نکال دیتا۔ تم نے تو الٹی آنکھ ٹیڑھی کر لی"۔ وہ بھی کہہ کر برا سا منہ بنا کر کھانے میں مگن ہو گئی۔

بالو اندر بیٹھا بھی بھنک رہی تھی۔ ماں کی ڈانٹ سے اس کا سر پھٹنے لگا۔

"ابا ۔۔۔ ماں کو سمجھا لو۔ لی لی کو بلا لیں گے یہ سمجھے"۔ وہ بمشکل دروازے تک آ کر کہہ رہی تھی تو اندر سے آواز آئی تھی۔

"ارے ہم کیا کریں گے تجھے لی لی۔ تو خود کیلئے بن کر آ گئی ہے ہماری چھاتی کا"۔

اس کی ماں واپس کھانے میں مصروف ہو گئی تھی۔

بالو نے غصہ سے کواڑ دھاڑ سے بند کر دیا۔

"پتہ نہیں کہاں گئی ہو گی اپنے ہونے سوتوں کو"۔ اس کی ماں ہنس پڑی تھی۔

"بلال خان کی بلڈنگ نہیں ہے۔ اکیلا کمرا اگیر اگیر لیٹ گئی ہے۔ لفٹ اور بجلی ہے۔ بچے کیا مزے کریں گے۔ اب زادی"۔ اس کی ماں ہنوز چلا رہی تھی۔

"آ گئی ہے ہمیں لارے دکھانے۔ آئی بڑی ہے۔ کل دو ہو جائیں گے۔ بڑی کمائی کر کے لائی ہے۔ ارے کیسے پھوٹے نصیب ہیں میرے۔ خوشی کے دن راس ہی نہیں آتے۔ ارے کسی کی آہ لے آئی ہے"۔ اس کی ماں ہوا دیتی چلا رہی تھی۔

بالو نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"لو اب زادی کہتی ہے۔ بڑھاپے۔ تو کو بڑی یا استاد کی اولاد ہے۔ قمر نے تو دیکھ بھال کر بیاہ کیا ہے۔ شکل بے صورت ہے تیری صورت۔ کھانے کو مل رہا تھا بیٹھے بیٹھے۔ ناتے نہیں گئے تو پتہ چلے گا۔ کاہ جال روٹی پر کان کی تیل بھی رکھنے کا نہ کھانے کی پھر"۔

بالو کے اعصاب چٹخنے لگے۔ اس نے سر سے پیر تک چادر لپیٹ لی اور باہر آ گئی۔

"ابا ۔۔۔ میں ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔ میری طبیعت بہت خراب ہے"۔ وہ باپ سے مخاطب ہوئی۔

"اندھیرا ہو رہا ہے بھائی کو ساتھ لے جا"۔ غلام محمد نرم آواز میں بولا۔

"نہیں ۔۔۔ رہنے دو۔ ڈاکٹر کون سا دور ہے۔ کچھ پتہ ہے اس کی دوکان ہے"۔

وہ کھولی سے باہر نکل گئی۔

اس کی ماں نے بڑی زہریلی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

بالو گھر سے نکل کر سیدھی بس اسٹاپ کی طرف بڑھی تھی۔

"گلشن اقبال جانتی ہے؟" اس نے کنڈیکٹر سے دریافت کیا تھا۔

"بی بی۔ یہاں سے کوئی بس سیدھی گلشن اقبال نہیں جاتی۔ تم یہاں سے صدر چلی جاؤ۔ وہاں سے تمہیں بہت بسیں مل جائیں گی"۔

"یہ صدا جا رہی ہے ۔۔۔؟" وہ کچھ پریشان ہو گئی۔ گریبان میں ہاتھ ڈال کر اس نے ٹٹولا اور ہاتھ میں لے لیا۔

"ابھی جانے کی"۔

وہ تانگے سے ویگن میں سوار ہو گئی تھی۔

"صدا تانگے کی ۔۔۔" ویگن کے چکر میں پڑنے کے بجائے اس نے رکشہ لے لیا۔

پہلی مرتبہ اس طرح تانگے کا اتفاق ہوا تھا اس لئے خوف سا طاری تھا۔

رکشہ خاصی دور چلنے کے بعد اس کے بتائے ہوئے مقام پر رک گیا۔ اچھا خاصا کرایہ بن گیا تھا اس نے اطمینان سے ادا کر دیا اور باقی پیسے واپس لے کر سڑک پار کر کے ایک عمارت کے سامنے آ گئی۔ پہلے کمرے سے اس نے کال بیل بجانے کی کوشش کی پھر اس راستے پر چل پڑی جو اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ آٹھ دس منٹ دروازے پر پہنچ کر اس نے کال بیل بجن پش کیا۔ دو تین مرتبہ پش کرنے کے بعد دروازہ کھلا۔

"کون ہے بھائی۔ ہم کہاں اتنے اہم ہیں کہ کوئی ہمیں یاد کرے اور آئے" دروازہ کھولنے والے کی آواز بھی خاصی کرخت تھی۔

دروازہ کھولنے والا ۔۔۔ اچھل کر پیچھے ہٹا تھا۔

"آ۔۔۔ آپ ۔۔۔!"

"راستہ تو دیجئے۔ خدا سے مجھے پیار آ رہا ہے"۔

یا گردش دوراں کو کوئی کام نہیں ہے
یا میری ہی تقدیر میں آرام نہیں ہے

اس نے بے ساختہ شعر کہتے ہوئے راستہ دیدیا تھا۔ حیرت اتنی تھی۔ آنکھیں جیسے راستے پر جا گی تھیں۔

"ارے جیتا عارف! کون ہے؟ کس سے باتیں کر رہا ہے؟" اس کی ضعیف آنکھوں کے نور سے محروم ماں کی اونچی ہوئی آواز آئی تھی۔

"مہمان آئے ہیں ماں۔ کہتے ہیں مہمان کے آنے سے برکت ہوتی ہے۔ ہمارے بھی دن پھرے ہیں۔ پھر اسی کے سلسلے بڑے ہیں"۔

وہ شکست کی آواز میں جواب دے کر ہونٹ کاٹنے لگا۔

"مہمان؟ کون مہمان۔ ارے پوتا کیوں نہیں؟" بوڑھی ماں بھڑکیں۔

"کہتے ہیں ماں۔ بتاتے ہیں"۔

"آئیے ۔۔۔ اندر آ جائیے"۔ وہ یوں گویا اوامر سے کہہ رہا ہوں "کیا کریں مجبوری ہے"۔

"کیسے ہیں آپ؟" وہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

تو اپنی شیشہ گری کا ہنر دکھا ساقی
میں آئینہ ہوں مجھے ٹوٹنے کی عادت ہے

ریحانہ روحی

☆...☆...☆...☆...☆...☆

"السلام علیکم اماں!" بالو بڑی بی کے سامنے تھکے تھکے انداز میں بیٹھ گئی۔

"جیتی رہو کون؟" بڑی بی ہنوز الجھی ہوئی تھیں۔

"میں ہوں اماں بالو۔" وہ کمزوری سی آواز میں گویا ہوئی۔

"بالو — کون بالو؟" بڑی بی کا حافظہ بالکل پٹ ہو چکا تھا۔

"لال خان کی بیوی!" عارف نے الجھی ہوئی نظروں سے بالو کی طرف دیکھا۔

"اوہ اچھا! — اچھا! اکیلی آئی ہو لال خان نہیں آیا رات تو طبیعت ٹھیک ہو رہی ہے۔" بڑی بی کو یاد آ گیا۔ بالو اب تک خاموش رہی۔

"بیٹی! اس وقت کیسے آئی؟ خیریت تو ہے ناں؟" بڑی بی کی فکرمند سی الجھن تھی۔

بالو پھر خاموش رہی۔

"کھانا وانا بھی کھایا؟" بڑی بی نے تحمل کر اس کے گھٹنے چھوئے۔

"مجھے بخار ہو رہا ہے بہت تیز میں کہیں لیٹ جاؤں"۔ وہ کمزوری آواز میں بولی۔

"اوہ بخار ہو رہا ہے! ارے عارف اسے کوئی دوا دے چائے کے ساتھ"۔

بڑی بی پریشان ہو گئیں۔

عارف نے بھی تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ بھابی اندر کمرے میں آ جائیں۔ ہم تو ویسے بھی آپ کے منتظر ہیں"۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایک طرف کمرے کی جانب اشارہ کیا۔

بالو بمشکل قدم گھسیٹتی ہوئی اس کے پیچھے چل پڑی۔

"آپ یہاں لیٹ جائیے میں چائے لے کر آتا ہوں"۔ وہ لمبے قدموں باہر نکل گیا۔

بالو کرنے کے انداز میں بستر پر بیٹھ گئی پھر آہستگی سے لیٹ گئی۔

بخار بہت تیز ہو چکا تھا۔ جانے کتنی دیر غلطاں رہی۔

"یہ چائے پہلے کچھ کھا لیجئے پھر کوئی دوا کھائیے گا"۔ اسے عارف کی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔

وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ عارف چند لمحے اس کی بے کلی دیکھتا رہا۔ پھر ٹرے تپائی پر رکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

"اگر آپ برا نہ محسوس کریں تو آپ کو اٹھنے میں مدد دوں"۔ وہ اس کے قریب کھڑا اجازت مانگ رہا تھا۔

"اں — الفاظ نہیں چاہئے مگر نیت و ارادے کا اثر کچھ اور"۔ وہ ہانپ رہی۔

عارف نے اس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر اسے اٹھنے میں مدد دی۔

بالو دقت کوشش کر کے بیٹھ گئی۔

عارف نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ چائے کے ساتھ بسکٹ اور کیک پیس تھے۔ اس نے ایک چھوٹا بسکٹ اٹھا کر چائے میں بھگویا اور منہ میں رکھ لیا۔

پھر چائے اٹھا کر پینے لگی۔

"کھا لیجئے ناں"۔ عارف نے کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بالکل قریب بیٹھ چکا تھا۔

اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

عارف نے آگے جھک کر اس کی پیشانی کو چھوا۔ پھر ایک دم چونک کر ہاتھ ہٹا لیا۔

"اوہ گاڈ۔ کس قدر تیز بخار ہو رہا ہے۔ بھلا کیا ضرورت تھی اس حال میں گھر سے نکلنے کی۔ آپ کو تو چلنا بھی مشکل ہو گا۔ میں خود جا کر دوا لے کر آتا ہوں اگر زبردستی ساتھ لے گیا تو دوا لانے کی کوشش کروں گا"۔ وہ باہر کی طرف بڑھا۔

"رہنے دیجئے۔ مت کیجئے تکلیف۔ مرنے دیجئے مجھے۔ مجھے کیا کرنا ہے زندگی کا"۔

وہ شکستہ آواز میں اسے روک رہی تھی۔

عارف نے جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا۔

ہم چراغ اور مفلس تو نہیں ہیں جو ہمیں

ہوا تاکہ کمرا باہر نکل گیا۔

بالو نے لمحے ایک طرف کھسکائی اور پھر رہ گئی۔

اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ خاصی دیر بعد عارف ڈاکٹر کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''بہت تیز بخار ہے' برف ہے گھر میں؟''

''نہیں''۔ عارف نے فکرمندی سے بالو کا چہرہ دیکھا۔

''آپ ایسا کیجئے' بہت ٹھنڈا پانی منگوا کر ان کی پیشانی پر پٹیاں رکھئے۔ فکر کی بات اس لئے بھی ہے کہ یہ بچہ ہے''۔

ڈاکٹر اسٹیتھ اسکوپ سے چیک اپ کرنے کے دوران گویا ہوا۔ عارف بڑی تیزی سے باہر نکل گیا تھا

ڈاکٹر نے بڑی توجہ سے معائنہ کیا اور دوائیں لکھ دی تھیں۔

''اس سے قبل بھی آپ نے اپنی وائف کا چیک اپ کرایا ہے؟'' عارف پانی اور پٹیاں لے کر اندر داخل ہوا تو یہ سوال عمل ہوا۔

وہ کچھ بولنے ہی لگا تھا' مگر پھر جانے کیا سوچ کر خاموش ہو گیا۔

''پہلے یہ دوا' کیں منگوا لیجئے' انجکشن لگا دیا ہے' فکر کی بات نہیں تسلی رکھئے''۔

ڈاکٹر نے اپنا پھیلایا ہوا'' پھیلاوا'' سمیٹنا شروع کیا۔

عارف نے پانی کا برتن تپائی پر رکھ دیا۔ جس میں برف کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔

''آیئے' میرے ساتھ ہی چلئے' میں راستے میں آپ کو کسی میڈیکل سٹور پر ڈراپ کر دوں گا'' بچپن ساتھ کے پتہ نہ دکھائی دینے والا ڈاکٹر۔ بہت شفیق اور مہربان محسوس ہوا۔

''شکریہ' آیئے پلیز''۔ عارف نے اپنے رد عمل سے چند پشکر گزاری ظاہر کی اور دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

عارف کو گھر واپس آتے آتے آدھا گھنٹہ سے زیادہ لگ گیا تھا۔ برف بھی ساری پگھل چکی تھی۔

آتے ہی اس نے پہلے بالو کو دوا دی' پھر پانی میں دوبارہ برف ڈال کر پٹیاں بھگو بھگو کر اس کی پیشانی پر رکھنے لگا۔

بالو پر تقریباً بے ہوشی طاری تھی۔ چہرا بخار سے لال ہو رہا تھا۔ عارف کے چہرے سے فکر و پریشانی کا ملا جلا تاثر ہویدا تھا۔

''عارف — عارف — ارے او عارف — لال خان کی بیوی کا بخار اب کیسا ہے۔ تو کیا کر رہا ہے؟ کہاں ہے؟'' بڑی بی نے شور مچا دیا۔

عارف مزاج ہو کر بڑی ماں کے پاس چلا آیا۔

''سو جاؤ' اماں' چپ چاپ''۔

''کیا کر رہا ہے تو؟'' بڑی بی کو کھوج ہوئی۔

''بھگ رہا ہوں''۔ وہ جھلایا۔

''کیا ہو گیا؟''

''بے ہوش پڑی ہے بی اماں''۔ وہ قدرے نرمی سے گویا ہوا۔

''جو کیا کر رہا ہے؟'' بڑی بی نے تعجب سے دریافت کیا۔

''ارے بھوندو ہوا ہوں' سو جاؤ تم' اب آواز مت دینا' میں خود آ جاؤں گا تھوڑی دیر میں''۔ وہ تیز تیز کہتا دوا لے کر واپس آ گیا۔

اور اس کی پیشانی پر ٹھنڈی پٹی رکھنا شروع کر دیا۔

اس کا عمل اندھا تھا مگر آنکھوں میں بے شمار سوال تھے۔

رات کی گہری تاریکی میں جیپ حویلی کے مین گیٹ پر پہنچی تھی۔

اصیل اسے مثل تھے کہ خیدو آئے گا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے پیغام حویلی کا بھجوا دیا۔

چوکیدار نے گیٹ وا کر دیا تھا۔ جیپ اندر تک چلی' پھر جھٹکا لے کر ٹھہر کے پیچھے رک گئی۔

''اتر آؤ بابا''۔ ڈرائیور کی آواز پر وہ چونک پڑی۔

اور چادر سنبھالتی اتر آئی۔

''احمد بابا کو بولو' بڑی حویلی سے مہمان آئے ہیں''۔

ڈرائیور نے دور کھڑے ملازم کو آواز دی۔

وہ اپنی جگہ کھڑی رہی جیسے اندر سے اجازت ملنے کا انتظار کر رہی ہو۔

ملازم چند منٹوں میں واپس آ گیا۔

''بابا جی کہتا ہے' مہمان کو گیسٹ روم میں بٹھاؤ' خان آ کر خود ملیں گے''۔

ملازم ڈرائیور سے مخاطب ہوا اور پھر اس کی جانب پلٹا۔

''آؤ بابا''۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

ملازم نے گیسٹ روم کھول کر اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

وہ اندر داخل ہوئی۔ انتہائی شاندار گیسٹ روم تھا۔ فرش کو قالین فریم' گولڈن چوم چوم کرنے پردے' سرخ قالین' سرخ ہی جاجیم اور گلے' سرخ گدیوں والی اونچی نیچی پشتوں والی چار کرسیاں' ہر شے نہایت صاف ستھری۔

اس نے ایک طرف بنے دروازے کو پرشوق انداز میں دیکھا اور سر اندر کر کے بھانپا' نہایت ہی صاف ستھرا خوبصورت سلیقہ مگوں والا باتھ روم' گولڈن فریم' گولڈن فریم کا آئینہ اور گولڈن ہی تولیہ سٹینڈ۔ یوں محسوس ہوا جیسے کسی فرمانروا

کا بیڈ روم ہو۔ اس کا بھی چاہا تو ذرا سی قسم کرے مگر کپڑے ۔۔۔؟ اس نے بائیں الماری میں اپنے لباس پر نظر ڈالی۔

"جب تک کاکا جان نہیں آجاتے' کپڑوں کا مسئلہ بھی حل نہیں ہوگا۔ کس قدر بد اخلاق ہیں کاکا جان کی سوسرال والوں کا بھی لحاظ نہیں کرتیں' پتا نہیں وہ "میم" ہیں یا کوئی اور ہیں۔ کاکا جان تو بے حد "سسٹر لیس" ہیں۔ بالکل کہیں بھی جہاں میں رہتے ہیں۔ مجھے تو ویسے ہی اتنا خوف آتا ہے پتا نہیں کیسا سلوک کریں گے مجھ سے"۔

اس نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اور احتیاط سے بستر پر بیٹھ گئی۔ لباس کرنے کی وجہ سے وہ بھی تھکن محسوس ہو رہی تھی۔

صحن میں کاکا جان کے بچھونے بچھ رہے تھے۔ اب ملازم کو کیسے بلائے؟ باتھ روم میں جا کر نوکر سے منگا کر پانی پی لے۔ یہ بھی اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"ہوں' کون ہے؟ آجاؤ"۔

دروازہ کھلا اور وہی ملازم جو اسے یہاں پہنچا کر گیا تھا' ٹرے لئے اندر داخل ہوا۔ اور خاموشی سے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

روشی نے نہایت سے پانی گلاس میں انڈیلا اور غٹا غٹ چڑھا گئی تھی۔ پھر گلاس پی کر اس نے مگر اسی سے ملازم کی طرف دیکھا۔

"کیوں کھڑے ہو؟"

"آپ کھانا کھائیں گی؟" وہ سپاٹ کرو میں بولا۔

"ہاں' ہاں بھئی کیوں نہیں کھائیں گے' بڑا مزے دار کھانا بھیجا ہے' تم کھانا اچھا سا' مگر جلدی لاؤ' بھوک نے دم نکال دیا ہے"۔

اس نے چادر ہٹا کر بیڈ پر پھیلائی اور لیٹ گئی۔

"دروازہ بند کر کے جانا' پہلے بھول کر چلے گئے تھے۔ کسی نے ادب آداب نہیں سکھائے تمہیں' ویسے تو کاکا جان بڑے سخت ہیں"۔

بے چارہ ملازم کاکا اس کی شکل دیکھتا رہا۔ بہانوں کا تو نہیں البتہ بالکوں کا ادراک ضرور تھا۔

"جاؤ بھئی' کیا شکل دیکھ رہے ہو"۔ وہ ناگواری سے گویا ہوئی۔

وہ جلدی سے باہر نکل گیا' مگر اس مرتبہ دروازہ بند کرنا نہیں بھولا۔

روشی چھت پر لگے فانوس پر نظریں جما کر کچھ سوچنے لگی۔ پوری حویلی اس کے دماغ پر طاری تھی۔

"کیا ہو رہا ہوگا وہاں۔ ایک آفت اتری ہوگی' گھوڑے سوتو رو رہ کر پاگل ہو رہی ہوں گی' نجانے کس طرح رہی ایک کیا

ہوگا؟

ہاں صاب تو رائفل لوڈ کر چکے ہوں گے اور ہتھیار بھی ہوں گے' مجھے کچھ ہو جانے کے خدشے سے ماری ہوں گی۔

اور بیٹا ۔۔۔ وہ حقیقت پریشان ہوں گی۔ بیٹا کو کیا سمجھا رہی ہوں گی۔ کیا مجھے گولی لگی ہے؟

ڈرپوک ہیں حویلی کے اصطبل میں بندھی چیتی تھوڑی ہیں' مجھے انسان ہونے کے ناتے اپنے حقوق کا علم ہونا چاہیے۔ میں کس طرح بیٹھی ہوں' ہر لمحہ ہر گھڑی کا وہ اپنے سر لگا رہی ہوں' انہیں پتا چلنا چاہیے' اپنے لئے تو ہر حال کر کھانے کی عادت ہے۔ اگر کل اسے وہ کھانا بھیج دیں۔ وہ سرداروں کی زندگی تک سے بھی گئی گزری ہے۔

ٹرکاکا جان نے مجھے وہاں حویلی بھیجنے کی کوشش کی تو میں حویلی میں جان دے دوں گی' اماں سے بھی ایسا ہی چھٹے ہو ظالموں کی عادت ہی ایسی ہے' جیسے دشمن روندا ہے۔ ہماری دنیا' اس کی تو ایک بھر تھی کی ہوا ہے تو میں اور اس سے بھی ایسا ہی سلوک کریں گی' اس کی تسلیں ہار دیں گی' آزاد ہاں سے مجھے خلاص کرانے کے بہانے جھوٹ بولنے سے بھی نہ ہارا ہوگا' اللہ کرے یہ اطلاع دادا صاحب تک پہنچ جائے پھر پتا چلے اب کاکا جان کا بچہ ہے حویلی کا رہنے والا"۔

اب سارا زور بازی پر لگا ہوا تھا۔

"بگاڑ کر رکھ دیا ہے اس معمولی شخص نے مجھے۔ اس کا تو سب سے برا حشر ہونا چاہیے۔ حویلی کی خواتین کا حشر کرتا ہے۔ بھوکا مرجائے اس کی "نسلیں" بھگتیں۔

پانچوں ان غریبوں کا کیا ہوگا جو مقابلے کے لئے حویلی آئے ہوں گے۔ نادر خان' بھولے خان' ہمارے خان' زادہ خان کی بیوی بچے کہاں جائیں گے۔ ہولے ۔۔۔ "خونی لمحوں کا لمحہ"۔

وہ خاصی دیر "خانہ بدوش" حویلی میں گھومتی رہی' دل و دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے۔ اتنا بڑا قدم اٹھا لیا تھا' کیا مگر نتائج کا بھی سوچا تھا۔

جانے کتنی دیر خیالی دنیا میں گزری تھی۔ وہ اس وقت چونکی' جب ملازم ٹرالی سمیت کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کاکا جان کب تک آئیں گے؟" اس نے ملازم سے دریافت کیا۔

"کاکا جان! ۔۔۔ خان کو پوچھتا ہے آپ؟ وہ تو سفر کو گیا ہے"۔

اس نے اپنی جانب سے اطلاع بہم پہنچائی۔

"پتا ہے مجھے' آئیں گے کب تک؟" وہ چڑ کر بولی۔

"فرمائیں وہ کار پر گیا ہے دوستوں کے ساتھ"۔ ملازم نے سادگی سے جواب دیا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم' تمہارے ہاں داری ناچ کی کوئی چیز بھی ہے"۔ وہ بستر سے اترتے ہوئے استہزائیہ انداز میں پوچھنے لگی۔

"کیا"۔ بے چارہ الجھن سے پریشان نظر آیا۔

"ارے ہٹو ہٹو"۔ وہ جھلا کر کہتی ہوئی سیدھے باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

ملازم باہر نکل گیا۔

تولیے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے باہر آگئی۔

انگلیوں کے ناخن اٹھا کر اس نے ناخنوں کا اندازہ لگایا۔ ایک میں قدرے سفیدی دوسرے میں بھی بڑھنے لگی تھی۔ تیسرے میں آٹا بھرتا۔ اس نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے گویا کھانے سے پہلے اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر ٹی کوزی میں سے چائنیز سلاد بھی تھا' جو اسے یوں بھی بے حد پسند تھا۔

"واہ پھپھی کھانے کے معاملے میں تو ہماری چچی جان بڑی داد دیتی ہیں' پلاؤ یہ تو بہت ہی اچھا ہے۔ کم از کم کھا تو بہت لیا ہے"۔

وہ بہت آرام دہ حالت میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگی۔ اس کی ذہنی کیفیت میں اس لئے بھی کوئی تبدیلی نہیں تھی کہ ایک طرح سے وہ اپنے ہی گھر میں تھی۔

ابھی وہ کھانا کھانے میں مصروف ہی تھی کہ ملازم پھر چلا آیا۔

"آپ چائے یا کافی پئیں گی؟"

"تمہیں پھپھی کھانا کھا کر تو میں اب لیمن ٹی ہی پیوں گی"۔ اس نے بڑے معروف انداز میں جواب دیا۔

"سنو"۔ اس نے جاتے ہوئے ملازم کو آواز دی۔

"جی؟" اس نے بڑی دلچسپی سے روشی کو دیکھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"سمندر خان"۔ اس نے بڑی سادگی سے کہا۔

"اوہ! اتنا طویل و عریض نام"۔ وہ ہنس پڑی۔

"جی"۔ وہ بے چارہ خاک ۔۔۔ نہیں سمجھا۔

"سنو! اپنی مالکن سے کہو۔ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم کوئی غیر نہیں ہیں' خان تیمور علی خان کی سگی بھتیجی ہیں۔ خان زادہ علی خان کی صاحبزادی' جاؤ جا کر اپنا نام اپنی مالکن کو بتاؤ"۔

ملازم چلا گیا' وہ پھر مکمل توجہ سے کھانا کھانے لگی۔

کھانا ختم کرنے کے بعد اس نے برتن واپس ٹرالی میں رکھے اور ہاتھ دھونے باتھ روم میں چلی گئی۔

جب ہاتھ دھو کر باہر آئی تو ملازم اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"بی بی بولتا ہے' آپ خان کے آنے تک انتظار کرو' بی بی کسی سے نہیں ملے گا"۔

سمندر خان نے حرف بہ حرف اس تک پہنچا دیا۔

روشی کو بے انتہا مسلسل محسوس ہوئی۔

"سنو! کیا تمہاری مالکن بہت حسین ہیں؟" وہ تجسس سے پوچھ رہی تھی۔

سمندر خان حیران ہوا۔ پھر تعجب سے اس کی شکل دیکھتا رہا۔

"بھلا اپنا؟ تم نے اپنی مالکن سے کیا کہا تھا؟" اسے بچہ سمجھ کر سوال کے سامنے میں پوچھ رہا تھا۔

"جو آپ نے بولا تھا وہی بولا تھا"۔

"وہاں تم نے کیا کہا؟" وہ جھلائی۔

"آپ خان تیمور کی بھتیجی اور خان زادہ علی خان کی صاحبزادی ہیں"۔

وہ بھی بے چارا پریشان ہو گیا تھا۔

"ہوں"۔ روشی نے کچھ سوچنے کے انداز میں ہنکارا بھرا۔

"اتنے عرصے کے بعد بھی تمہاری مالکن پر کوئی اثر نہیں ہوا؟" اس نے تعجب سے پوچھا تھا۔

"نہیں"۔ وہاں سے اتنا سا جواب آیا تھا۔

وہ حیران کر رہ گئی۔

"نیچے گھر میں کون ہے؟" اس نے موضوع بدل دیا۔

"نہیں بھتیجا خان (آسٹن) بھی میں ہے"۔ سمندر خان نے جواب دیا۔

"اچھا! جاؤ تم یہ ٹرالی لے جاؤ" اور صبح مجھے اٹھانے مت آنا' جب میرا جاگنے کا جی چاہے گا' جان بھی آ جائیں تب بھی۔ میں اپنی مرضی سے اٹھوں گی"۔

سمندر خان ٹرالی دھکیلتا کمرے سے باہر چلا گیا۔

روشی نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کیا' لائٹیں بجھائیں اور بستر پر آ لیٹی۔

کتنے عرصے بعد اسے اتنی پرسکون نیند آ رہی تھی۔

اماں نے ناشتے کی ساری تیاریاں آف کر دی تھیں۔

سب ہی لوگ اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ اب یہ خدا کو معلوم ہو رہے تھے یا جاگ رہے تھے یا سو رہے تھے' البتہ صبح تک آنکھ لگ گئی تھی۔ وہ سینے پر ہاتھ لپیٹے مسلسل ٹہل رہا تھا۔

ہاں محسوس ہو رہا تھا کہ ایک قیامت سی برابر ٹوٹے جا رہی ہے۔

کہاں ہو گی وہ؟

اگر یہ سانحہ کراچی میں ہوتا تو سیدھا سمندر میں غوطہ لگاتا اور اسے ڈھونڈ لاتا۔

کیا اس سانحے کا مجرم میں ہوں؟

کیا میں نے اپنی خود غرضی سے کام لیا ہے؟

میں نے تو آنے والے تکلیف دہ لمحوں سے اسے بچانے کی کوشش کی۔

تھی تو اس پر کسی رکاوٹ کا سایہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس رات مجھے نیند نہیں آئی۔

بچپن میں جب وہ تکلیف یا خوف سے بھاگتی ہوئی میری گود میں آ جاتی۔ اس کے گھنے ریشمی بالوں کے دامن سے صاف... آنسو پونچھ کے آنسو بڑی احتیاط سے پونچھتا تھا۔ اس کو بہلانے کیلئے کیا کیا جتن کرتا تھا۔ مجھے کہا جاتا تھا کہ وہ چھوٹی بچی کو پریوں کی کہانیاں سنائے۔

وہ کس عذاب میں ہو گی؟

کہاں ہو گی؟

کس حال میں ہو گی؟

اگر اسے کچھ ہو گیا؟ یہاں تک کہ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔

"افوہ! تم یہاں ہو؟ میں حیران کہ دلی گئے تو کہاں گئے؟"

جھومر کی آواز پر تو اس کے بچے کھچے حواس بھی جواب دینے لگے۔

"وہ کمبخت سرسوتی تو کب کی مر کھپ گئی۔ ہمیں یہاں سے وہاں تک حویلی چھاننا پڑ گئی"۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

ماری نے نہایت بے زار کن انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

"فرمایئے کیسے زحمت کی؟" وہ اپنے لہجے کی تلخی کو چھپانے میں ناکام رہا۔

"وہ تمہاری چندی اور سرسوتی کی" "کیا؟" "بلا کر لے گئی ہے"۔

"مجھے تو تمہاری طبیعت بھی اچھی محسوس نہیں ہو رہی"۔ جھومر واقعی اسے بہت شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ گرم و مرطوب ماحول میں بھی اس کی کیفیت محسوس کر چکی تھی۔

"میں آپ کو ایک مشورہ دے دیتا ہوں' آپ اسے ٹھکرا دیں"۔ وہ بولا۔

"مگر تالا تو تم کھولو گے؟" جھومر نے تعجب سے اس کو دیکھنے کی کوشش کی۔

"میں آپ کو چابی بھی دے دوں' کھول لیجئے گا"۔ وہ ویسی آواز میں بولا۔

ہیں؟" جھومر کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔

"اور جو وہ بھاگ گئی؟" اس نے قدرے متفکرانہ انداز میں سوال کیا۔

"بھاگ جائے"۔ وہ بے زاری سے کہتا ہوا حویلی کے عقبی حصے کی طرف بڑھا۔

"سخت سوا آف ہے؟" جھومر دھیرے سے ہنسی۔

ماری خاموش رہا۔

ایسے کیوں بول رہے ہو' کچھ کھو گیا ہے؟" وہ پھر دھیمے سروں میں ہنسی۔

"کیا لیں گی آپ' خاموش رہنے کا؟" وہ سخت عصبی کے عالم میں مخاطب ہوا۔

"ہو سکتا ہے وہ تمہارے کب؟" وہ پھر ہنسی۔

"اب تو یہ حال ہی عجب ہے' ذرا بہت کنفیوژ ہو رہے ہیں" "کیا؟"

"کہ وہ کیا اسے بتا کر گیا ہے؟" ہونے کے بعد جھومر نے پہلا سوال کیا۔

"یہ تو تمہارے آنکھوں میں سے ہے۔ اسے اور کچھ نہیں کہنے ہوا" وہ خود سے بڑبڑایا۔

"ہاں کچھ کہنا ہے پاؤں کے پیچھے سے سر کی محسوس ہونے لگی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ چونک کر بولا۔

"یہ تو ظاہر ہو سکتا کہ تم اور مطلب نہ سمجھے ہو۔

"یہ مطلب ہے آپ کا۔ ترکی ہے۔ اسے تو تمہارے ساتھ جانا چاہیے تھا"۔

"ہاں تو وہ چاہ رہی تھی وہ اسے لے جانا چاہتا تھا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا؟ اور آپ ایک معصوم لڑکی کو کیوں مجھ سے منسوب کر رہی ہیں؟ آپ سب کی مرضی کیا ہے؟ یہ کیسی ہیں ہوا تو اس کا ہے"۔ وہ اس اتنا کہہ گیا۔

"کی بورڈ کی آواز سن رہی ہو؟ ایک دروازہ بہت بڑا ہے۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ اس نے کیا کہا تھا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ اس نے کیا کہا تھا۔ اس طرف دوطرفہ کارروائی ہے۔

"ایک عرصہ ہوا میں تم نے اسی ہال میں میلوں کا سفر طے کر لیا ہے۔ ادھر بیچ میدان میں آدھے گھنٹے سے بھی زیادہ ہو گیا۔ بارش نہیں ہو رہی تھی۔ بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ہوا خوشگوار ہو رہی تھی۔ ہم دونوں اس وقت ہی ہوا کے لئے بھی ہم چکے ہوتے ہیں۔ رات بھر ہوتے رہتے ہیں" جھومر کے انداز میں اختیار ہونے کی بھی ادا ہو جانے کیا آیا تھا۔

"آپ اس کیلئے یا اختیار دلیل اختیار کر لیں تو بہتر ہے۔ میں اس حویلی کا ایک فرد ہوں۔ یہاں ہونے والی کوئی بھی حرکت کسی طرح بھی اثر انداز ہو سکتا ہے جیسے کہ دوسروں پر' آپ اسے اپنے سیدھے "سیدھی پہنچنے سے اور رہے۔ اس طرح کسی کو بند کرنے کی اجازت آپ نے کہاں سے حاصل کی ہے۔ یہاں اتنی بڑی بات ہو گئی ہے' آپ کو کسی کی سوجھ بوجھ ہے۔ مجھے نہیں کی بات ہے" وہ ری چلتے ہوئے کہتا جا رہا تھا۔

"بڑا گئی ہے اس حویلی کو میری' میرا بس چلے تو عمارت پر جا کر رقص کروں اور سوں مٹھائی تقسیم کروں۔ فریبوں آزاد کرا دوں۔ اس اشرفیاں ہوں تو تمہارے سر سے صدقہ اتار کر دہلیز پر پھینک دوں۔ پورے چالیس دن سے کیا ہے یہ ہوں ہوا تو آزاد کرا دوں اور اس کا ثواب روشی کی ماں کو پہنچا دوں۔ کیا" "تیرنی" پیدا کی ہے۔ کہہ کر کم میں تو مرنے دے تک اس کی خبر گیری ہو گی اس کی عمر سے میرے بھیجے میں کچھ تھوڑا سا ہی ہے۔

کسی ہوا کے طور پر البتہ اس کا خیال آ رہا ہے۔ جوان بھی ہے اور خوبصورت بھی' کہیں جلدی ہی کوئی ہاتھ صاف نہ کر جائے۔ مجھے دونوں کی حفاظت کرنے کی حد تک بہادر ہے۔ مگر ہے تو پھر بھی لڑکی۔

ایک دل کہہ رہا ہے خدا کرے اسے کچھ نہ ہو۔ دوسرا کہتا ہے خدا کرے اسے لگ کر ہی اس معمولی سے لڑکے کی جان.....؟"

ایک دن نے دار علی خان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ابھی وہ سنبھلی بھی نہیں تھی کہ دوسرے لمحے رخسار پر ایک اور طمانچہ پڑا تھا۔

"میں آپ کا گلا دبانے کی نیت پر ہوں ذبح ہو جائیے یہاں سے اگر آپ نے آئندہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو اچھا نہ ہوگا۔ سمجھے آپ۔ اس قیدی کے ساتھ کچھ نہیں ہوا جو آپ کے ساتھ ہوگا۔"

یار علی کی رگ رگ میں انگارے دہک رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اور وہ سینے کے گرد ہاتھ لپیٹے جھومر رخسار پر ہاتھ رکھے ششدر دیکھ رہی تھی۔

نیند تو خیر ماہین کو بھی نہیں آ رہی تھی مگر یار علی خان جس طرح دھواں چھوڑنے والا انجن بنے ہوئے تھے اور اس کے لئے انتہائی اذیت ناک تھا۔

کبھی راہداری میں ٹہلنے لگتے۔ کبھی کمرے میں ٹہلنے لگتے۔ کبھی صوفے پر بیٹھ جاتے اور پھر اٹھ کر باہر سے کچھ اخبار لے آتے اور ان کے قریب چلی آئی

"اتنے ٹینس نہ ہوں اللہ پر بھروسہ رکھیں۔" اس نے ان کی پیشانی پر اپنا نازک سا ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

یار علی خان نے اپنی سرخ آنکھیں لمحے بھر کو بند کر کے اس کی سمت دیکھا۔ نہایت ہلکے آسمانی رنگ کی ٹائی اور کھلے بالوں میں وہ بہت اپنی اپنی سی محسوس ہو رہی تھی۔ کمرے میں نائٹ بلب کی کمزور سی روشنی اسے مزید پرکشش بنا رہی تھی۔

"ماہین! یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے۔" انہوں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ یہ کوئی چھوٹی سی بات ہے۔ مگر ہمیں یہ بھی تو دیکھنا نہیں رہنا کہ اپنی قوت عمل کو بروئے کار لائیں۔

بات پیدا ہوتی ہے تو آگے بھی چلتی ہے' پھر کسی منطقی انجام تک بھی پہنچتی ہے۔ ہمیں امید رکھنا چاہیے کہ منطقی انجام ہمارے حق میں ہوگا۔"

اس نے اپنا ایک ہاتھ ان کے بازو پر اور دوسرا ان کے سینے پر رکھ کر بہت اپنائیت سے کہا۔

"وہ کمزور سی سڑکی ہے ماہین اور لڑکی بہت بڑی دشمن ہوتی ہے۔ صدیوں کی عقل داؤ پر لگی ہوتی ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔" یار علی خان کے لہجے میں بلا کی تھکن تھی۔

"وہ جہاں کہیں بھی ہوگی خیریت سے ہوگی' ناداں نہیں ہے اپنی حفاظت کر سکتی ہے۔" ماہین نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"ناداں نہ ہوتی تو یہ حرکت کرتی؟ محبت احمق لڑکی ہے' حماقت ہی حماقت کر رہی ہے۔" یار علی خان غصے سے اٹھ

"پلیز آپ آرام کیجئے۔" انہوں نے بے اختیار سے کہا۔

"اور آپ اس طرح سوچتے رہیں گے تو اس سے کیا مسئلہ حل ہو جائے گا؟" وہ بھی ان کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پلیز ماہین! آپ آرام کیجئے۔"

اچھا ہیں کی طرف بڑھتی ہوئی سڑکی طرف بڑھی اور دروازہ کھول گئی۔

یار علی خان نے پھر سگریٹ سلگالی اور صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

وہ شعلہ ابی کیفیت میں کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ ماہین کی نظر بچا کر اس پر ایک نظر ڈال لیتے تھے۔

ان کے سامنے دروازے کھلے ہوئے بال بکھیں کئے ہوئے وہ کھڑکی کے شیشے پر جھکی تھی۔ سرخ ٹائی میں ایک دلکش دلربا کی

مثال بنی تھی۔

سونے کی چوڑیوں سے بھرا ہاتھ شیشے پر رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے فائل بند کر دی تھی اور سڑکی طرف بڑھ آئے تھے۔ وہ

کھڑے پر جھک گئے تھے۔

جانے کتنی دیر وہ اسے دیکھتے رہے پھر وہ اس کے بھرے پر جھک گئے۔

اس نے کسمسا کر آنکھیں کھول دی تھیں۔

"ابھی تک جاگ رہے ہیں؟" وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں یار! تمہیں تو اپنی نیند سے غرض ہے' تم بھری بیداری میں کریا خلوت سے سوئی ہو۔" وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"رات سونے کیلئے ہوتی ہے۔" اس نے بڑے ناز سے کروٹ بدل لی تھی۔

"ہاں کیلئے ہوتی ہے' وہ چاہے دنوں کیلئے نہیں۔" انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب موڑ لیا تھا۔

"کیا ہے بڑی خوفناک نیند آ رہی ہے۔" اس نے پھر کروٹ لینے کی کوشش کی۔

"ان میں سے آدھی ہمیں بھی دیدو تاکہ ہم بھی سو جائیں۔" انہوں نے اسے کروٹ لینے سے باز رکھا۔

"یار پلیز۔" وہ اسور ہی تھی۔

"یو نیڈ ویکیشن میں چلتا ہے رات کو نہیں چلے گا۔ سمجھیں سیدم خفیہ کیمپرج؟"

"ہائے اللہ! ان میں ذرا رنگ کرتا ہے اور رات کو آپ۔" وہ پھر اسور ہی تھی۔

"ظاہر ہے پیارا آپ پر ہی جائیگا۔" وہ مسکرا رہے تھے۔

"اچھا سنیں! آپ کو نیند کیوں نہیں آ رہی؟" وہ جیسے تھک کر پوچھ رہی تھی۔

"نیند تو آفیشل ورک میں مصروف تھا تم پر نظر پڑ گئی شامت آ گئی۔ خیال آیا کس قدر ظالم ہو؟ کیسے نہ اس وقت تمہارا مذہب کرایا جائے۔

"فلحال یار! مجھے بھائی جیسے کے ساتھ بیٹھ اور بھی جانے دیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

"کل بھی ہونے والا ہے جو چاہے کرنا۔" وہ کھڑے ہو کر ریسٹ کا ذیل ہٹا کر لٹکانے لگے۔

''بہت ہی خراب ہیں آپ''۔ وہ کروٹ لیتے ہوئے دھیرے سے ہنسی تھی۔

''لوگ خراب ہوتے نہیں ہیں خراب کر دیئے جاتے ہیں''۔ وہ دھیرے سے مسکرائے تھے۔

''لے کے اتنی اچھی نیند بھگا دی''۔ وہ اٹھ کے ناز سے بھلائی تھی۔

''بھاگ گئی بھگا کے''۔ وہ شریر ہو رہے تھے۔

''کل سے میں جواد کے پاس سویا کروں گی''۔ وہ بولی۔

''ہاں میں بھی سو سکتا ہوں تمہارے بیٹے کا کمرہ ہے''۔ وہ مسکرائے۔

''اپنی قابلیت سے زیرہ کریں''۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

''محبت سے کر رہا ہوں''۔ وہ شرارت سے گویا ہوئے۔

''یاور!'' اس کے انداز میں بے بسی تھی۔

یاور علی خان ہنستے ہنستے رک گئے۔ ان کی آنکھوں کی سرخی گہری ہو گئی تھی۔

وہ ماہین کے قریب آ کر بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

وہ سو چکی تھی۔ ان کی گرم نگاہیں اس نے اپنے چہرے پر محسوس کیں تو جلد سے آنکھیں کھول دیں۔ اور ہاں میں جانے کیا تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ وہ وہاں سے کھڑا ہو گیا۔

وہ چند لمحے ان کی جانب دیکھتی رہی۔

''ماہین''۔ ان کی آواز میں برف کی سی ٹھنڈک تھی۔

''جی''۔ اس نے بمشکل تھوک نگلا۔

''اٹھو''۔ ان کا انداز حکم تھا۔

''وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی''جی''۔

''تم اس وقت یہاں سے چلی جاؤ''۔ ان کے لہجے میں بلا کی خرخراہٹ تھی۔

''جی! مگر کہاں؟'' وہ حیران پریشان اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''اتنی بڑی حویلی ہے کہیں بھی جا کر سو جاؤ''۔ وہ غرائے۔

''جی''۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔

''پلیز ماہین۔ گو آؤٹ۔ وان مومنٹس (دو پل جاؤ لمحوں کے اندر اندر)

ماہین حواس باختہ سی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''جی؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا''۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔

''یو۔ شٹ اپ''۔ انہوں نے بند مٹھی اپنی پیشانی پر ماری۔ ''دیکھو میرے حال پر رحم کرو۔ مجھے ریپیٹ کرواؤ۔

ہری اپ پلیز''۔

ماہین ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے جواد کا کمبل اٹھایا۔ اور اس کی طرف بڑھ کر سے دیا۔ پھر

چند منٹ بعد باہر کی طرف کھڑے ہو کر صورتحال پر غور کرتی رہی۔ وہ جو کہہ کر گئے تھے

اپنا بازو ٹوٹی ہوئی ہڈی میں آواز کھلائی نہ دے تو وہ دوبارہ سے کر سکتے ہیں۔ اور پہلے ہی

''ماہین؟'' باری کی آواز میں شدید حیرانگی تھی۔

''میں ہوں باری۔ پلیز دروازہ کھولو''۔ نہ جانے کیوں اس کی آواز بھرا گئی۔

''میں ہوں کون؟'' حیرانگی بدستور تھی۔ تاہم اس کا دھیان بھی دروازے کی طرف تھا۔

''اللہ۔ باری۔ پلیز۔ ماہین۔ ہوں''۔ اس نے اپنے آنسوؤں پر قابو پایا۔

''باری نے بڑی تیزی کے ساتھ دروازہ کھولا تھا۔

''آ۔ آپ؟ خیریت؟''

ماہین کی آنکھوں سے اشک سلسلہ وار بہنے لگے۔ اس سے کچھ بولا نہ گیا۔

''یاور علی خان چلے گئے؟''

وہ اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

باری کا ہاتھ اب کہنی تک پٹی میں تھا۔ بظاہر اس کی نظر ماہین کے چہرے پر تھی۔

''کیا کہہ رہے ہیں یاور علی؟'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

وہ بمشکل آنسو پیتا مشکل سے بول رہا تھا۔

''سو رہے ہیں؟''

ماہین نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''کام کہہ رہے ہیں؟''

اس نے پھر نفی میں گردن ہلا دی۔

''ان کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' اس کے لہجے میں عجیب سا خسرا پن ہو رہا تھا۔

ماہین نے جواد سے چہرا پھیرا۔

''میں نے تو تمہارے پاس آنا ہی ہوں۔ کچھ پوچھنا ہے تم سے''۔

''آپ چل میں چلتے ہیں''۔ کس قدر چھوٹ کر تھا وہ؟ کیا تھا باری کو۔

''کہاں۔ یہاں کیا ہے؟'' اس نے حیرت سے باری کو دیکھا۔

''پلیز آپ پیچھے چلتے ہیں''۔ اس نے جیسے منت ان منی کر دی۔

وہ اس کے پیچھے چلتی ہوئی ہال میں آ گئی۔

باری نے سر کا تھل صوفے کی طرف اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

"جی فرمایئے۔ کیوں رو رہی ہیں آپ؟" اس نے خود بھی ایک لمحے کو سنبھل کر سوال کیا۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ آنکھیں بھی خوب رو رو کر سوجی ہوئی تھیں۔ وہ بہت بری لگ رہی تھی۔

"باری ... کیا ہوا؟ سائیکل پرابلم ہے؟" اس نے جھکتے ہوئے پوچھا۔

"جی؟ نہیں تو ... سارے گھر میں ایک وہی تو ہیں جو نارمل نظر آتے ہیں۔" وہ دھیرے سے ہنسی تھی۔

"کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟" اس نے مایین کا چہرہ بغور دیکھا۔

"باری! انہوں نے میری بہت انسلٹ کی ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"کیا کہتے ہیں"۔ باری کو جیسے اس کے ساتھ ہمدردی کا بہت دکھ ہوا۔

"مجھے یہ بتا کر کہ میرا گھر والوں کے ساتھ کیسا "ایڈیو" کرتے ہیں؟" اس نے آنکھیں پونچھیں۔

"ہی از اے ویری پولائٹ اینڈ جنٹلمین۔ ویل مینرڈ۔ واشنگٹن میں بہت ایڈمائر ہیں"۔

وہ کہے جا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ الجھن بھری نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھ رہی تھی۔

"یاد کرو، شاید کبھی ایسا ہوا ہو کہ انہیں کوئی وارننگ ملی ہو"۔

"نہیں۔ میں نے ہمیشہ ان کو فٹ دیکھا ہے"۔ باری نے تیزی سے جواب دیا۔

"آپ مجھے بتایئے، اس وقت وہ کیا کر رہے ہیں؟" اسے بہت الجھن ہو رہی تھی۔

"مجھے کیا پتا۔ میں تو اس وقت تمہارے پاس بیٹھی ہوں"۔ اس نے جھلا کر جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے جب آپ اپنے بیڈ روم سے باہر آئیں تو وہ آپ کے ساتھ کیسا بی ہیو کر رہے تھے؟"

"کمرے سے نکال دیا ہے انہوں نے مجھے"۔ اس نے اطلاع بہم پہنچائی۔

"اوہ"۔ باری کو جیسے شاک لگا۔

"جی"۔ مایین نے بھی اس کی نقل اتاری۔

"آپ لوگوں کی لڑائی ہو رہی تھی"۔ اس نے بے حد جھکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ ... کاش ہوتی۔ تو اس طرح نکالے جانے پر اتنی حیرانی کیوں ہوتی"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"پھر کیا ہوا تھا؟" باری کی حیرت بجا تھا۔

"اسی لئے تو تمہارے پاس آئی ہوں کہ تم یہاں کے سب سے باخبر شخص ہو۔ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ اب وہ تی کی وجہ سے ٹینشن ہے، وہ تو فظری ری ایکشن ہے۔ مگر میرے ساتھ بالکل نارمل تھے۔ البتہ انہیں نیند آ رہی تھی۔ مجھے سونے کا کہہ کر کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ میں ویسے ہی آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے وہ سو رہی ہیں تو میں کیسے سو سکتی تھی۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ فوراً کمرے سے باہر چلی جاؤں۔

میں تو ایک دم پریشان ہو گئی۔ کہ ابھی ابھی کیا ہو گیا؟"

"ہوں"۔ باری نے ایک گہرا سانس لیا اور مایین کی سمت دیکھا۔ وہ سوچ میں گم تھی۔ وہ بھی کیا تھا۔

"انہوں نے بہت غصے میں کہا تھا؟" باری ابھی تک گہری سوچ میں تھا۔

"نہیں، بہت کول۔" مایین کو پھر رونا آ گیا۔

"آپ فکر نہ کریں، وہ صبح تک نارمل ہو جائیں گے"۔ باری نے تسلی دی۔

"آپ بات کی صبح تک نکل جائے گی۔ تمہیں اندازہ ہے؟" وہ روہانسی۔

"آپ ایسا کیجئے۔ گیسٹ روم میں جا کر سو جایئے"۔ باری نے مشورہ دیا۔

"سونے کا موڈ نہیں ہے۔ سونے کا کہا ہے۔ کہیں بھی سو جاؤں گی۔ مجھے تو یہ بتایئے کہ انہیں ایک دم سے کیا ہوا؟" وہ زچ ہو رہی تھی۔

"شاید وہ رات بابا کی وجہ سے بہت پریشان ہیں"۔ باری نے دھیمی آواز میں کہا۔

روانی کے نام پر مایین نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"تو بھلا اس میں میرا کیا قصور ہے؟" اس نے آزردگی سے کہا۔

باری خاموش رہا۔

"باری"۔ اس نے گہری نظروں سے باری کو دیکھا۔

"جی؟" وہ نظریں جھکائے ہوئے تھا۔

"کیا واقعی سے تمہاری کوئی بات ہوئی ہے؟" اس نے غور سے پوچھا تھا۔

"ان سے تو نہیں ہوئی راحی ہیں"۔ اس نے نہایت عام فہم سے کام لیا۔

"باؤ نہیں مجھے۔ تمہیں پتا ہے کہ میں تم سے کیا پوچھ رہی ہوں"۔ اس نے جھنجھلا کر کہا۔

باری خاموش رہا۔

"کیا پوچھ رہی ہوں میں؟"

باری پھر خاموش رہا۔

"کیا وہ تمہیں پسند کرتی ہے؟" اس مرتبہ وہ کھل کر بولی۔

"مگر مجھ میں کسی لڑکی کو نہیں ہوں"۔ اس کے انداز میں جیسے اقرار گناہ تھا۔

"تم بھی اسے پسند کرتے ہو؟" وہ مزید آگے بڑھی۔

باری پھر خاموش ہو گیا۔

"بھئی جواب دو"۔ وہ اس کی خاموشی سے چڑ گئی۔

"میں نے کبھی اس زاویے سے سوچا نہیں۔ میرے خیال میں مجھے اس طرح سوچنا بھی نہیں چاہیے"۔ اس نے دھیمے سے جواب دیا۔

"ہمدردی طرف دیکھ کر جواب دو۔ کیا تمہارا اندازہ غلط ہے"۔ اس نے کہا۔

"کی۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں" ۔اس نے نظریں اٹھا کر ماہین کی سمت دیکھا۔

"کیا محسوس ہو رہا ہے۔ اس کے اپنے منہ سے اعلان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تمہارے چہرے کا رنگ انداز بتا رہا ہے اور کہہ رہا ہے" ۔اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"نہیں جی ایسی کوئی بات نہیں ہے" ۔وہ مسکرایا۔

"جھوٹی بات ہوتی ہے بھروسے سے عاری۔ مجھ سے جھوٹ نہ بولا" ۔وہ سنجیدگی سے بولی۔

"انہوں نے مجھے ختم کیا ہے؟" ۔وہ چونک پڑا۔

"وہ بڑی بھاوج اور گھر کی لڑکی ہے۔ ایسے جھوٹے کام نہیں کرتیں" ۔ماہین نے بڑے وثوق سے کہا۔

"پھر؟" ۔ہاری کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"پھر یہ کہ مجھے بتاؤ۔ تمہیں اس کے احساسات کی خبر ہے؟"

ہاری خاموش رہا۔

"ہاری ۔۔۔ پلیز۔ فار گاڈ سیک" ۔وہ بھنائی۔

"کی" ۔نہ جانے کیوں اس سے جھوٹ نہ بولا گیا۔

"تم نے کس طرح اوکی ایکٹ کیا ہے آج تک؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے کبھی ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ بلکہ کوشش کی ہے کہ وہ مجھ سے مایوس ہو جائیں" اس نے سچائی سے جواب دیا۔

"کیوں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"جس بات کا انجام واضح ہو۔ اسی حساب سے اوکی ایکٹ کرنا چاہیے" ۔اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"تمہیں ذرا دکھ نہیں ہے" ۔ماہین نے بڑے دکھ سے پوچھا۔

ہاری خاموشی سے اپنے ہاتھ مسلتا رہا۔

"ہاری۔ کیا تمہیں مجھ پر ذرا بھروسا نہیں؟" وہ بولی۔

"دکھ کا نہ پوچھیں۔ یہ ہمیشہ کا ہے" ۔بالآخر وہ کہہ گیا۔

"اتنے بزدل ہو؟" ماہین نے گہرا سانس لیا۔

بات بزدلی کی نہیں۔ احسان شناسی کی ہے" ۔وہ بہت آہستگی سے گویا ہوا۔

"میرے خیال میں تمہارے ہاں وہ جذبہ نہیں ہے جو اوکی کے پاس ہے۔ اور کوئی راستہ نکل ہی آتا" ۔ماہین جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گئی۔

ہاری نے خاصے تعجب سے اسے دیکھا۔ مگر بولا کچھ نہیں۔

"تم نے اسے زندگی بھر کا دکھ دیا ہے۔ تمہیں احساس تک نہیں" ۔ماہین نے افسردگی سے کہا۔

"میں نے تو انہیں دکھوں سے بچانے کی کوشش کی ہے۔ اوکی ایکٹ کرنا تو میری مجبوری تھی۔ ماں باپ کی خاطر میں نے یہ سودا کیا تھا۔ اپنی پشت سے ایک بوجھ اتارا" ۔اس نے سوچ کر جواب دیا۔

"اور اب پچھتاوے کا کیا ہوگا؟" ماہین نے اس کا چہرہ دیکھا۔

"پچھتاوے کی آخری حد یہ ہے کہ تم اس کے گیلے بستر کو خشک نہ کر سکو۔ اور میں نے یہ حد پار کر لی ہے" ۔ہاری نے سر جھکا لیا۔

"وہ بہت جلد بازار، جذباتیت سے بہت متاثر ہوتی ہیں۔ ان کی جذباتیت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ ہاری اوکی ایکٹ کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتا۔ ہم بھی ایک سے نہیں ہوتے۔ ہر ہیرو کی آنکھ میں نمی نہیں ہوتی۔ ہمارے اندر ایک درندہ صفت انسان بھی ہونا چاہیے" ۔

ماہین نے خوشگوار حیرت کے ساتھ اسے دیکھا۔ وہ بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ سلیبس کا بوجھ اس کے ذہن پر سوار تھا۔ اسے بہت تھکا ہوا اور نڈھال تاثر دے رہا تھا۔

"تم اسے سمجھا دینا۔ کم از کم پڑھ تو لے گی" ۔ماہین نے کہا۔

"فراز سمجھا؟ اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ یہ سب کر گزرے گی" ۔اس نے یوں کہا جیسے اپنے کسی جرم کا اعتراف کر رہا ہو۔

"یہ ہم گوشت اس نے لیے ہے کہ وہ تمہاری طرف متوجہ ہے۔ یا تم بھی؟" ماہین بہت سنجیدہ تھی۔

"میں آپ سے درخواست کروں گا آئندہ پوچھئے پلیز" ۔اس نے نظریں جھکا لیں۔

"چلو ٹھیک ہے۔ فی الحال یہ دعا کرو کہ وہ ساتھ خیریت سے گھر والیں آ جائے۔ باقی دیکھا جائے گا کہ کیا کرنی ہوں" ۔

ہاری نے چونک کر ماہین کی شکل دیکھی۔ "کیا کریں گی آپ؟"

"کچھ نہ کچھ۔ اچھا جاؤ تم آرام کرو۔ ہم بھی آرام کرتے ہیں۔ آؤ فریح وہاں سے بھاگو۔ ابھی تو کرنے پڑے ہیں کام کی فہرست ہے۔ ان کو ہم کریں گے" ۔ماہین نے خود کو ہلکا پھلکا کرنے کی کوشش کی۔

ہاری اٹھ کھڑا ہوا۔

"آیئے۔ میں گیسٹ روم کھولتی ہوں" ۔وہ آگے بڑھ گیا اور ماہین اس کے پیچھے چل پڑی۔

"اب یہ کپڑے یہاں سے سمیٹو" ۔گلے نے روبی کو مخاطب کیا۔

"ہاں الماری ہوں احسان نہیں رہا تھا" ۔وہ بھنچے بھنچے انداز میں بولی۔

"صرف الماری نہیں۔ کمبل دفن کر دو" ۔لالی چیخ کر کہہ رہی تھی۔

"اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہی ہو آ جائے گی۔ اصورت دیگر ڈھونڈ لیا جائے گا" ۔سونو ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

"آپ تو سدا کی خوش قسمت ہیں۔ وہ آ کے کیچلے گی ہے۔ جانا اتنی تو ہماری نہیں ہے جتنا کہ واپس آنا۔ ہاں مناسب ہے تو انہیں بھجوا دیں گے" ۔نیلوفر سے بولی۔

"ایسا نہیں ہوتا جیسے کہ ہم سوچتے ہیں۔ اس وقت تک کے لمحے ہیں جب تک وہ ساتھ نہیں جاتا۔" سوچا۔

"ویسے اس نے بہت لفظ ضائع کیے۔" روبی کو غلطی نظر آئی کہ کافی اور سے خاموش رہتی تھی۔

"اب تو جو ہو چکا — ہو چکا — آگے کا سوچو۔ نعیم کے گھر والے تو ہوں گے، کچھ اچھے ہوں گے۔" رضیہ نے کہا۔

"ہائے میرا بچہ بیزار کا شرارہ۔" روبی نے آہ بھری۔

"لاکھوں لگ گئے ہوں گے اس پر لڑکی پر اس طرح بھی سوچو۔" روبی خفا کر بولی۔

"سمجھے آپا — کب جان چھوٹے گی آپ کی اس بھنگ سے۔ کتنی بے حس ہیں آپ۔" رضیہ نے کہا۔

"میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتی ہوں۔ گاڑی دو — وہ اس طرح آ جائیگی۔" وہ ہاتھ روک کر تیزی سے گویا ہوئی۔

"یہ لائی پڑی ہیں۔" روبی بڑبڑائی۔

"یاد رکھو تو بہت غصے اور ہے ہوں گے۔" سوچا کو ان کے غصے کا خوف محسوس ہوا۔

"سارا غصہ بے چاری عمانی پر اتر رہا ہوگا۔"

"بھلا ان بے چاری کا کیا قصور؟" سکھو بولیں۔

"یہ کون دیکھتا ہے۔" زری اداس انداز میں مسکرائی۔

"وہ گئی کہاں ہوگی؟" روبی کو ایک دم دھیان آیا۔

"شاید کراچی۔" رضیہ نے معصومیت سے کہا۔

"وہ بے وقوف ہے مگر اتنی بھی نہیں۔" زری چڑ کر بولی۔

"ہائے — بے چاری نے ناشتہ بھی کھایا ہوگا کہ نہیں۔" بے کو اس کے کھانے پینے کی فکر ہوئی۔

اسی دم باری باتھ روم میں داخل ہوا اور لڑکیوں پر ایک نظر ڈالی۔

"آپ کو بڑی امی بلا رہی ہیں۔" وہ سکھو سے مخاطب ہوا۔

"سلمیٰ نے کن انکھیوں سے اس کی سمت دیکھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ البتہ کپڑے بدلے ہوئے تھے۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل پر آف وائٹ شرٹ اور چمکتے ہوئے جوتے پہن رہا تھا۔

"کہیں جا رہے ہو؟" سلمیٰ نے بظاہر بے نیازی سے پوچھا۔

"جی۔ کچھ منگانا ہے؟" اس نے بڑی سادگی سے دریافت کیا۔

"نہیں — ان حالات کو کھولی ہوئی چیزیں جائے تو یہی بہت ہے۔" وہ تلخی تیز انداز میں مسکرائی۔

"باری تمہارے ہوتے ہوئے وہ کیسے نکل گئی۔" سوچا کو خاصا تعجب تھا۔

"کیوں — مجھ میں ایسی کیا خاص بات ہے؟ گھر میں تین بیٹیں طرحدار بھی ہیں؟"

اس نے قدرے ناگواری سے جواب دیا۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کے اعصاب ایسے ہی تھے۔

"بھئی تم تو مسلسل برکت میں رہتے ہو۔" سلمیٰ مسکرائی۔

"میرا کیا ہے تو بھری ہوئی ہیں۔ جاتا ہوں۔ ناشتہ کیا ہے؟" وہ بے پروائی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

"باری بھائی — وہ گئی کو ڈھونڈنے جا رہے ہیں؟" بے نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

سلمیٰ جھینپ کر کرسی سے ہوئے سلائیوں پر جھک گئیں۔

باری نے ایک نگاہ بے پروائی ڈالی اور باہر نکل گیا۔

سکھو اس کے پیچھے لپکی۔

"ہائے ہمارے جو وہ سمیت کتنی المناک قتل کر دے ہوں گے۔" روبی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"اور ان سب کے درمیان عمانی کی کیا حالت ہوگی؟" سلمیٰ نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"وہ ہے ہی غصے کی تیز، اگر راستی سامنے آ گئی تو دیکھنے کا شوق کریں گے۔" روبی نے بڑے کہا۔

"دیکھ لیں رات سے اب تک کسی قسم کی شر انگیزی ہوئی ہے اس طرف۔" زری نے خبر لی۔

"پتا نہیں بڑی امی نے سکھو آپا کو کیوں بلوایا ہے۔" بے نے سوچ کا رخ موڑا۔

"وہ گئی کے سلسلے میں کوئی بات کریں ہوگی۔" روبی نے سوچ کا تانا بانا۔

"اب کیا بات ہوگی ہے۔" سلمیٰ شعلہ بار مسکرائیں۔

روبی بھی کریکٹ بیگزین اٹھا کر دیکھنے لگیں۔

آنی کہیں نہیں تھیں ہال میں مگر ایک محسوس کیا جانے والا تناؤ طاری تھا۔

"آپ سارا دن جاگتے رہے ہیں کیا؟" ہالو نے اسے کرسی پر بیٹھے دیکھ کر بڑی شرمندگی سے کہا۔

"اس طرح نہ کریں۔ مجھے کیا ہو جائے گا۔ کیا ہو سکتا ہے۔ ٹھیک ہو جائے گی آپ پلیز کر آپ اس طرح نہ ہوئے تکلف نہ کریں۔"

یہ آنکھیں سارا دن دھوکے بھریہ ہوئے بھی کہاں
چہرہ ان کی بات ہے پر لوگ ہم سے بھی کہاں

وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے ہنس دیا۔

"اللہ کرے اب تو جو ہو اس ظہور کے لیے ہو۔" ہالو نے بے ساختہ کہا۔

عارفہ کے ہونٹوں پر بڑی بے ساختہ مسکراہٹ آئی تھی۔ ہیلی مرتبہ ہالو نے اس کے کسی شعر پر داد دی تھی۔ وہ مکمل طور پر ہو گئے تھے سکون ظہور ہوئے۔ طبیعت بڑی حیران کن تھی۔ وہ بار بار شعر پڑھ رہا تھا۔

خدا محفوظ رکھے آفتوں سے
کہ دلداں ہے طبیعت شادماں ہے

وہ مسکراتے ہوئے اس کے نزدیک آیا۔ اور اس کی کلائی تھام لی۔

"کیسی طبیعت ہے اب۔ کچھ محسوس کر رہی ہے؟" سفید شلوار قمیص میں ملبوس اور بڑی بڑی مونچھوں کے ساتھ سلمیٰ بہت اپنائیت اور ہمدردی سے اس کا حال پوچھ رہا تھا۔

بالو ایک لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ یہ اتنا خوبصورت جوان کون تھا۔ اور اتنا اچھا سلوک کر رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے۔ اب تو طبیعت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ آپ ہاتھ منہ دھو لیں۔ میں ناشتا لاتا ہوں۔ پھر آپ سے بات چیت کرتے ہیں۔" وہ اس کی نظر سے الجھن بن کر اٹھی اور ملازمہ سے کہہ رہا تھا۔ اور بہت پیار محسوس طریقے سے اس کی کلائی چھوڑ دی تھی۔

"آیئے۔ میں آپ کو باتھ روم کا راستہ دکھا دوں۔"

"آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا نہیں۔" بالو اٹھ کر بہت بھرے سے انداز میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"مثلاً۔۔۔ کیا پوچھنا چاہیے تھا مجھے؟" اس نے تحمل سے کہا۔

"بہت کچھ ہے پوچھنے کیلئے۔" اس نے دبی زبان سے کہا۔

"آپ ہوش و حواس کی دنیا میں پورے قدم تو رکھیں۔ پوچھ لیں گے۔ بلکہ پوچھنا کیا آپ خود ہی دیکھ لیں گے۔

کوئی دم اور بیٹھے ہیں یہ فرصت پھر کہاں ہوگی
چلے آؤ جو تم کو ہو ہماری داستاں کہنی

کی مثال بن کر۔ کیا خیال ہے؟ آیئے۔" وہ ہنس رہا تھا۔

"آپ کو کوئی حیرت نہیں ہوئی مجھے یہاں دیکھ کر۔" بالو حیرانی سے پوچھ رہی تھی۔

"اب حیران ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔ پریشان ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔ مشتاق ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔

کھیلیں کاروبار عشق محبوباں
بہت نقصان ہوا ہے اے دل اے دل

وہ کمرے سے نکلا تو بالو اس کے پیچھے آہستہ آہستہ چل پڑی۔

"عارف اقبال خان کی بیوی کا کیا اثر کیا کہ نہیں۔" بڑی بی نے قدموں کی چاپ محسوس کرتے ہوئے فوراً سوال کیا۔

"اثر گیا ہے اماں۔"

"تو نے جانے پانی کا پوچھا؟" ان پر ہیجانی کا دورہ سا طاری ہوا۔

"صرف پوچھا ہی نہیں ہے۔ پیش بھی کر رہا ہوں۔" اس نے سہولت سے جواب دیا۔

"ہاں تو پھر تو ہی پیش کرے گا۔ اور ہے کون یہاں تیرے سوا۔ میں تو بوڑھی آنکھوں سے کہہ رہی۔" بڑی بی کو کوئی بہت ہی شوق تھا۔

"تو نے پوچھا اس سے کہ اس خان سے تعلق کیوں ٹوٹا۔ کیسے" بڑی" والی بات نہیں ہوئی۔"

"ہاں۔۔۔ اپنی کہانی سنا رہی تھی۔ "بڑی" کیا لگتی ہیں اس کی؟"

عارف مسکراتے ہوئے بالو کی طرف بڑھا تھا۔

بالو نے سب سن لیا تھا۔ جان جل کر خاک ہو گئی تھی اس کی۔

(باقی۔۔۔ بڑی بی کو اقبال خان کے بارے کونسی بات نہیں معلوم تھی)

ناشتے کے بعد وہ کافی دیر تک کمرے میں ٹہلتی رہی۔ پھر اتنا کچھ کیا جانے کا جانا کر ایک دم دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

لاؤنج سے لان میں بے حد خوشنما پھول کھلے ہوئے تھے۔ ایک دم آنکھوں میں تراوٹ سی آ گئی۔ گیٹ کے پاس وہ اونچا لمبا پیڑ اور اس کا پھل کا دھبے سے لگا نے تھا۔ وہ جانا پہچانا آنے جانے والوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ چلتی ہوئی ان کے پاس آ گئی۔

سورج کی کرنیں کی تپش پر بیٹھ گئی۔ نظر کے سامنے ساری حویلی تھی۔ یہاں سے وہ اس کمرے کو دیکھنے لگی۔

"آپ کون ہیں؟"

وہ ایک دم چونک پڑی۔ سامنے دس گیارہ سال کی بے حد خوبصورت بچی بڑی معصوم حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرا نام ہے۔ میرا دادی جی اور ابا جان جو کہ" معصوم بچی کی فکر پر ایک لمحہ کیلئے ہنسی آ گئی۔

"اتنی کیوٹ سے بچی ہے۔" وہ اس کو بے ساختہ پیار آ گیا۔

"ہوں۔ پہلے آپ بتایئے آپ کون ہیں؟" اس نے بچی کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں۔ میں ہوں۔ شہلا خان۔" اس نے بڑی شاہانہ تمکنت سے جواب دیا۔

"کاکا جان کی بیٹی ہو؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کاکا جان؟ ہوا؟" اس نے ناک چڑھا لی۔

"بابا صاحب کو جانتی ہو؟" وہ کا اشتیاق سے دیکھ رہا تھا۔

"بابا صاحب کو جانتی ہو؟" وہ کا اشتیاق سے دیکھ رہا تھا۔

"جی۔ وہ ہمارے بابا صاحب ہیں۔ بالی لونگ گریٹ فادر۔" اس نے بڑی شان استغنا سے جواب دیا۔

"گڈ۔" وہ کا اپنے ہر سوال کا جواب پا گیا۔

"آج اسکول نہیں گئیں؟" اس نے بہت محبت سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں۔۔۔ ہم آج کل حویلی آئے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں نہیں پڑھتے ہیں۔ وہ اسکول۔۔۔ سوئٹزرلینڈ میں ہے۔" اس نے سہولت سے جواب دیا۔

"اوہ۔" وہ کا اس کا مختصر سا تعارف بہت محظوظ ہوا۔ سر اٹھا کر کیا اپنے بچپن کی اطراف سے بچپن لے جانے

گیں۔

"وہاں آپ کے ساتھ آپ کے اور بہن بھائی بھی پڑھتے ہیں؟"

"نہیں۔ بس وہاں ہم پڑھتے ہیں۔ ہمارے بہت سے دوست ہیں وہاں' ہمارا جو سب سے بہترین دوست ہے اس کا نام ولیزین" ہے۔ ہمارا الحریم"۔

وہ بڑی بے تکلفی سے بتا رہی تھی۔

"آپ کون ہیں؟"

"ہم بابا صاحب کی وہی ہیں جن کی آپ ہیں"۔ وہ ہنس پڑی۔

"ہیں؟" یگی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"ہم کی حویلی سے آئے ہیں ہم"۔ اس نے وضاحت کی۔

"ہم کی حویلی؟" وہ پھر الجھی۔

"ہاں۔ بابا صاحب کے گھر سے۔"

"اوہ۔ آپ ان کے ساتھ ہی رہتی ہیں"۔ وہ معصوم انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"ہوں"۔

"وہ آپ کے ساتھ کیوں رہتے ہیں۔ یہاں کیوں نہیں رہتے ہیں؟" اسے بیٹھے بٹھائے تجسس لاحق ہوا۔

"یہ ان سے پوچھنے گا"۔

"آپ بڑے بابا کی بیٹی ہیں؟" اس نے انگلش میں پوچھا۔

"نہیں"۔

"بصیر انکل کی بیٹی ہیں؟" یگی مکمل معلومات رکھتی تھی۔

"نہیں"۔

"تو کیا آغا جی کی بیٹی ہیں؟"

"نہیں"۔

"ر ر پھر آپ کس کی بیٹی ہیں؟" وہ جھنجھلا کر رو گئی۔ روشنی کھلکھلا کر ہنس دی۔

"آپ سب کو جانتی ہیں۔ اپنے پاپا انکل کو نہیں جانتیں؟" اس نے پوچھا۔

"پاپا انکل؟ اچھا ہاں یہ میں جانتی ہوں۔ ہاں لیکن نہیں کہ ہم تو یہاں رہتے ہی نہیں ہیں"۔ اس نے جیسے انکشاف

"ہاں تو کون ہیں آپ جانتی ہیں؟" اسے بھی خاصی حیرت ہوئی۔

"ہم تو وہ لوگ ہیں جو ملنے جاتے ہیں"۔ اس نے کہا۔

"ملنے جاتے ہیں؟" روشنی کو حیرت ہوئی' کیونکہ اسے تو کبھی پتا نہیں چلا کہ ہم کی ہر بیلی سے لوگ کب سرائے آنے لگے۔ وہ ہاسٹل میں گھر والے گاڑیوں میں لد کر آتے جاتے تو ضرور رہتے۔ اس سے تو آج تک کسی نے ملنا نہیں چاہا۔ بھی نہیں کسی نے ہاسٹل میں ملنے کیلئے۔ پتا نہیں' خیر تو ہے' کراچی کے علاوہ وہ کبھی کہیں نہیں گئی تھی اور اب یہ بتا رہی تھی کہ وہ بھی ان کے ہوتے ہیں۔

"اچھا' ویسے آپ کا نام کیا ہے؟"

"اوہ ہیلو۔ مائی نیم از ہادی"۔ یہ اول وہ بچے والا انداز تھا۔

"آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟ آپ نے ہادی کے ساتھ ہی کیک کاسٹ کیوں نہیں کیا؟"

"مجھے اجازت ہے کہ اجازت ہے"۔

"بے بی! آپ ادھر کیا کر رہی ہیں؟ ہم آپ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا۔ آپ کا کوئی پریشان ہے"۔

لمبی سی فراک پہنے وہ ہیروں جیسا لڑکا ہاتھ میں ہوٹے ملازم ان کے قریب آ گیا۔

"اوہ' ہم گھر میں ہیں۔ کوئی باہر تو نہیں گئے"۔ وہ جھنجھلائی۔

"آپ کا کوئی بلاتا ہے"۔ ملازم نے مؤدب سے کہا۔

"جی سے کہو ہم گیسٹ سے باتیں کر رہے ہیں تھوڑی دیر میں آتے ہیں"۔

"پہلے آپ کی کاہے من لو پھر آ جاؤ"۔ ملازم نے جھکا کر۔

"اوہ' آپ یہیں بیٹھئے ہم کی کی باتیں سن کر ابھی آتے ہیں"۔

وہ جیسے بہت مجبوری سے بولی۔

"روشنی نے مسکرا کر گویا پیغام دینے کا وعدہ کر لیا۔

نوٹ لیں چلی گئی اور روشنی اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔

☆ — ☆ — ☆ — ☆ — ☆ — ☆

جانے وہ کتنی دیر خیالات میں کھوئی رہی۔

سناٹا بڑھ گیا تھا۔ اطراف میں خاموشی دبے پاؤں پھیل چکی تھی اور صدائیں ابھی تک نہیں آئی تھی۔ اس نے گیٹ کی طرف دیکھا۔ داخلی دروازہ چوکیدار کھولتے ہوئے گاہے گاہے اس کی جانب دیکھ لیتا تھا۔

اس نے ایک اور ملازم کو فیروزی سوٹ پہنے ہنستے مسکراتے گیٹ میں داخل ہوتے دیکھا اس نے دیکھا تھا۔ غالباً سودا سلف لے کر آ رہا تھا۔

روشنی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور اسے اشارے سے اپنی جانب متوجہ کیا۔

"سنو! اندر سے صوفی کو بھیج دو۔ کہنا بہت دیر سے انتظار کر رہی ہوں"۔

ملازم نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا "مگر بولا کچھ نہیں" اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ روشنی کوفت بھرے انداز میں بیٹھ گئی۔

"نا جانے یہ کیسے چاچا کا گھر ہے۔ جیسے آرام کرنا گناہ ہے۔ فضول کشمیر میں پھنس گئے ہوں"۔

وہ جل کر سوچ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ اس طرف بھی نظر ڈال رہی تھی جہاں ملازم غائب ہوا تھا۔ چند لمحوں بعد ملازم کی جانب آہٹ سنائی دی۔

"بی بی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ آرام کر رہی ہے"۔

ملازم یوں کہہ کر ادھر سے نہیں چلا گیا۔

"میں بھی تو بے چارہ کل سے تھکا ہوا ہوں"۔ اس کے لہجے سے تعجب ہویدا تھا۔

ملازم مختصر جواب دے کر اندر داخل ہو گیا۔

روشنی نے غور سے دیکھا۔ وہ ایک کمسن لڑکا تھا۔ اس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ یہاں کا مستقل ملازم نہیں ہے۔ شاید کسی اور کام سے آیا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نظر اس کے ہاتھ پر پڑی۔ اس کی انگلیوں سے خون رس رہا تھا۔ اس نے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے دبا رکھا تھا۔ روشنی کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ اس نے اس لڑکے کو کہیں دیکھا تھا۔ کہاں دیکھا تھا؟ یہ یاد نہیں آ رہا تھا۔ اس نے ذہن پر زور دیا۔ اس کی نظریں لڑکے کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اچانک اسے یاد آ گیا۔ وہ لڑکا وہی تھا جو اس کے ساتھ ہوٹل میں ٹکرایا تھا۔ اس کے ہاتھ پر زخم کا نشان بھی تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نظروں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب وہ ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نظروں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب وہ ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نظروں کے سامنے وہ منظر گھوم گیا جب وہ ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

ماہین صبیح گیسٹ روم سے نکل کر عالم جناب کے بیڈ روم میں آ گئی تھی۔

وہ سامنے ہی صوفے پر بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔

"تم ابھی تک یہیں بیٹھی ہو؟" ماہین نے اس کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کوفت کا اظہار کیا تھا۔

"ہاں کیا کروں یہاں سے جانے کا دل ہی نہیں چاہ رہا"۔ انہوں نے سر دھنا۔

ماہین سر جھٹک کر بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پاپا کہاں جا گئے ہوئے ہوں گے؟" عالم جناب نے اس کا سجا ہوا چہرہ دیکھا۔

"کام پر ہے"۔ ماہین نے نظریں چرائیں۔

"کیا کریں آرائش کی آرائش ہے پھر اگر کوئی کام کر رہا ہے" وہ دیکھ کے گویا ہوئیں۔

"آپ نے کھانا تو نہیں کھایا ہوگا ابھی آپا اور لے کے آ" وہ پوچھنے لگی۔

"نہیں اور دل بھی نہیں چاہ رہا، چائے منگوا لیجیے۔ صرف۔ یاد آیا معلوم نہیں میں تو بہت ڈرے ہوئے ہیں"۔ اس نے بگڑ کر بچے کے انداز میں جواب دیا۔

"سہراب بھی تو بہت رہتے ہیں۔ عریبی آتے ہیں تو سمجھ وہ چار دن آرام کر لیتے ہیں۔ تم بیٹھو میں بلاتے جاتے ہوں"۔ انہوں نے سرہانے لگے بٹن کو پش کرتے ہوئے کہا۔

نوراں کھلا در آئی۔

"کھانا لے آ اور ذرا جلدی لانا میں بھائے مت بیٹھ جانا"۔ انہوں نے تنبیہ کی۔

کھلا ادھ کھلا در بند ہو گیا۔

"پاپا کو بھی نیند کہاں آئی ہوگی رفعت بھر۔ اس لڑکی نے تو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ پتا نہیں کیا چاہتی ہے"۔

جھٹکے کے انداز میں گویا ہوئیں۔

ماہین خاموش رہی۔

"تم کیسی جنگ جدلی کے سامان کے ہیں"۔ وہ پھر بولیں۔

"کیا کہہ سکتے تھے"۔ ماہین نے چائے کا سپ لیا۔

"اور بھی تو حویلی میں لڑکیاں ہیں پتا نہیں چلتا کہ یہاں لڑکیاں بھی ہیں"۔ وہ ذرا ٹھہر کے کہنے لگیں۔

"آتے جاتے ملازم ہیں کسی نے بھی اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا کیسی چھومنتر ہو گئی"۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔

"ہوں آجاؤ بھئی کون ہے؟" وہ بے زار کن لہجے میں گویا ہوئیں۔

دروازہ کھلا اور یاور علی خان اندر آ گئے۔

ایک لمحے کو ماہین کی نظر ان سے ملی۔ اس نے فوراً ہی چہرہ موڑ لیا۔

"السلام علیکم"۔ ان کی آواز بے حد دھیمی تھی۔

"وعلیکم السلام خوش رہو"۔ عالم تاب بھی آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"کہاؤ اب کیا کرو گے تم کیسے تلاش کرو گے؟"

"میں کوئی تلاش وغیرہ نہیں کروں گا۔ میں کل ہی سے فرض کر چکا ہوں کہ میرے ہاں کوئی بیٹی تھی ہی نہیں لہٰذا سے کوئی اس موضوع پر بات نہ کرے"۔

یاور علی خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

ایک لمحے کو تو وہ خاموش ہی ہو کر رہ گئیں۔

ماہین تو ان سے نفرت کا اظہار کرنے کیلئے بے چین تھی۔ ادھر ہتھ زور بات والی صورتحال تھا۔

"یہ تو غلط بات ہے آخر تمہیں کچھ تو کرنا ہی ہوگا"۔ عالم تاب نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"اگر آپ کو ایسا لگتا ہے تو آپ کو اور ماہین کو اختیار ہے آپ جو چاہیں کریں۔ میں کب منع کرتا ہوں۔ لیکن اس وقت اس کے حاضر ہوا تھا کہ آپ کو اور ماہین کو بتا سکوں کہ میں ابھی اسی وقت بوریا بستر باندھ رہا ہوں"۔

ماہین نے چونک کر ان کی شکل دیکھی۔ آف وہ کتنا بے حس شخص تھا۔ وہ دھمکی میں سیاپا ڈالنے والی تھی اور اس نے بوریا بستر باندھنے والی کہہ دی تھی۔

"کیوں ماہین کو ساتھ نہیں لے جا رہے؟" عالم تاب نے تعجب سے پوچھا۔

"نہیں ابھی آپ ذرا جلدی سے ایک کپ چائے کا پلوا دیں"۔ انہوں نے آستین اوپر کر کے وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"آ رہی ہے جائے میرا خیال ہے کہ ماہین"۔

"میں نہیں سمجھتا کہ ہمیں کوئی ایسا موضوع سوچنے کرنے کا ضرورت نہیں ہوں"۔

ماہین بے جگہ سے ذرا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں جا رہی ہو بیٹا سے آ رہی ہے"۔ عالم تاب نے حیرت سے دیکھا۔

"آتی ہوں ابھی"۔ اس نے جیسے مشکل سے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ وہ جو کہ چائے کا دور چل رہا تھا۔

یہ پیالا ایک جیسے کیس چار حالت میں موجود تھا۔ اس کا مطلب تھا ابھی وہ کرے میں آئیں گے کوئی ملازم سے منگوا لیں۔ اس کا دل چاہا۔ بھئی جلدی ہو سکے وہ بتانے والا ہمارا نکال دے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ عرض کرے۔ آخر اس کا حکم کیا ہے۔ وہ سوچتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

اسی لمحے ملازم نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور اسے موجود پا کر خود بھی اندر آ گیا۔

"آ جاؤں بی بی؟"

"یہ کون سا طریقہ ہے اندر آنے کا اجازت کی طرح منہ اٹھا کر گھسے چلے آ رہے ہو"۔

وہ ملازم پر برس پڑی۔ "آجاؤ اب مصروف کیا کچھ ہے اور"۔

بے چارہ جیسے ہوئے انداز میں ہوتے کیس کی طرف بڑھا اور رک گیا۔

"بی بی! وہ صاحب کہہ رہے ہیں آپ نے اگر ان کی بیگ بک کہیں اٹھا کر رکھی ہو تو دے دیں"۔ وہ اٹکتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔

"مجھے نہیں پتہ کسی بیگ بک کا"۔ وہ برہمی سے گویا ہوئی۔

بے چارہ ان دہا کر سوٹ کیس لے کر باہر چلا گیا۔

غصے میں کہہ تو دیا تھا مگر پھر چین بھی نہیں پڑا۔ اٹھ کر بیگ بک تلاش کرنے لگی۔

تمام الماریاں دیکھ ڈالیں مگر کہیں نظر نہ آئی۔ پھر اس نے ٹیبل پر رکھی فائلیں کھول کر دیکھنا شروع کیں وہ اسی مصروف تھی کہ اچانک یاور علی خان کی کمرے میں آمد کا پتا نہ چل سکا۔

آخر وہ فائلوں کے درمیان رکھی نظر آ گئی۔ ماہین نے جھپٹ کر ہاتھ میں لی۔ چشمہ اتار کر صاف کرتے ہوئے یاور علی خان نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے اچک لی۔

"خاموش"۔ یہ ان کے منہ سے نکلنے والا واحد جملہ تھا جو خاص کر اس کیلئے تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی یاور علی خان کمرے سے باہر جا چکے تھے۔

ماہین خود پر کنٹرول کرتے ہوئے دروازے تک آ کر رکی ہوئی۔ یہاں سے ہال کا منظر واضح نظر آتا تھا۔

یاور علی خان پر وقار انداز میں آرام دہ صوفے پر بیٹھے میں مصروف ہو گئے۔ دو نیوز والا گھوم کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ چپ میں بیٹھے تھے۔ چند لمحوں ہی میں چپ تکراں سے اوجھل تھی۔

ماہین کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔

وہ دھم کر بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

"ایسے مارا تھا بھابی؟ آپ کو ان لوگوں نے؟"

مگر میں یہاں نہیں مروں گی ٹھیک طرح سے سنتی سمجھتی ہوں میں"۔ اس نے جیسے ایک نامحرم ماحول کو

تجھ کو کم میری فطرت بدل نہیں سکتا
میں کیا کروں میری عادت ہے مسکرانے کی

"شکر ہے آج آپ بالکل ٹھیک نظر آ رہی ہیں۔ اب آپ ایسا کریں خاموش ہو جائیں"۔

وہ ہنستا کر کے کہہ رہا تھا کہ عارف آ موجود ہوا۔

"نیلو۔ کہاں کہاں لے جائیں گے مجھے؟" اس نے حیرانی سے سوال کیا۔

"ہم نے بھلا کہاں لے جانا ہے آپ کو۔ یہ آنا جانا تو زندگی کے ساتھ ہے بھابی۔ نہ آتے ہوئے خوشی نہ جاتے ہوئے پچھتاوا۔ پھر بھی ہر انسان ایک ٹھکانے پر پہنچتا تو ہے۔ اس کے پاؤں کا چکر کہیں نہ کہیں تو رکتا ہے۔ آنکھوں نے سپنے بھی کہیں نہ کہیں مل ہوتے ہیں۔

وہ کیا کہتے ہیں کہ

پرتو ہے وہم کی شدت سے گھر کے آنگن میں
پلٹ کے آئے تو دیکھا کہ سلسلہ تھا وہی

مگر پھر بھی ٹھکانہ پھر ٹھکانہ ہے۔

"میں سب ٹھکانے کھو چکی ہوں عارف بھائی! کسی نئے ٹھکانے کی طلب ہی نہیں رہی"۔ اس کی آواز رندھ گئی۔

عارف نے سوچتی ہوئی نظریں اس کی صورت پر جما دیں۔ اس کی آنکھوں کی چمک ہالے اپنے چہرے پر کوئی کمی محسوس کی۔ اس کی نظریں کسی انجانے بوجھ سے جھک کر رہ گئیں۔

"لال خان نے گھر سے نکال دیا ہے؟" عارف کی آواز افسردگی سے بوجھل تھی۔

"اس بے چارے میں اتنی ہمت کہاں تھی۔ خود نکل آئے ہیں ہم۔ بلکہ اس بے چارے کو مشکل سے نکال دیا ہے"۔ وہ تلخی سے مسکرا دی۔

"کیوں؟ اس نے آپ کے ساتھ اس دن کوئی بہت بری بدسلوکی کی تھی"۔ عارف کا اشارہ اس دن کی طرف تھا جس روز وہ دونوں ہم کھنگوتے تھے اور لال خان آ گیا تھا۔

"نہیں"۔

"پھر۔۔۔؟"

بالو خاموش رہی۔

"کیا میں نے آپ کو کسی خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا گناہ کیا ہے؟" اور ٹھکانے پر پہنچا تھا۔

اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔

"آپ تو محرم نکلے ہیں۔ لال خان نے آپ کے مقابلے میں کم بھی ہے گواہی ہے"۔ اس کی آواز رندھ گئی۔

"نیلو۔ محرم۔۔۔ اچھا۔۔۔ آپ پہلے پانی پئیں گی تو میں سن بھی پاؤں گا۔ نہیں تو آپ نے میرے سینے کو چھلنی کر ہی لیا ہے تو سب سے پہلے اپنے والد سے سوال جواب کیجئے۔ ایک غیر خود اعتمادی کی کیفیت سے نکلنے کی کوشش کی تھی۔ بس یہی سمجھ آ گئی ہے"۔ عارف نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا۔

"غیر خود اعتمادی! ایسے ہوتے ہیں غیر خود اعتمادی والے۔ آپ کو صرف لال خان علی ملا تھا۔ دوسروں کا مسئلہ سمجھنے والے! آپ کو معلوم تک نہ ہو گا کہ ایک عورت کا مسئلہ یہ بھی ہوتا ہے"۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"بھابی! جس ماحول سے آپ کا تعلق ہے وہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ بس کبھی کبھی لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے۔ یہ کیا گزارا کھانا کپڑا ہوتا ہے"۔

"ہوتا"۔ وہ تلخ انداز میں مسکرا دی۔

عارف ایک لمحے کو خاموش ہو کر رہ گیا۔

"میرا خیال تھا وہ دل کا بہت اچھا ہے اور اس کے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی ایک عورت تمنا کرتی ہے"۔ اس نے غائبانہ طور پر عدالت میں وضاحت کی۔

"عارف! مانے میں ایک اچھی دل کا اچھا انسان ہوں گی نہیں ہوں میں۔ جو آپ کی باتوں میں بہل جاؤں گی۔ میرا ہر طرح کا نقصان صرف آپ کی وجہ سے ہوا ہے"۔ وہ غرائی۔

عارف کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"آپ مردوں کو دینے والے! آپ کو زندہ انسانوں کی کیا سمجھ"۔ وہ پھر طنزیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"اور وہ کون ہے بھابی!" عارف نے آنکھوں سے نظریں اٹھائیں۔

"پھر بھی آپ کے بھی تو کسی کام کی نہیں۔ صرف اپنی ہی نہیں بلکہ میری زندگی بھی خاک کر دی ہے آپ نے اگر دل کی اہمیت نہیں ہے تو پھر آپ نے اپنے دل کی کیوں کی آج تک؟"

وہ بھوت بھوت کرنے لگی۔

عارف دم خود سا بیٹھا رہ گیا جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ جواب کیا دیا جائے؟

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ ہم نے تو آج تک یوں سوچا تک نہ تھا کہ زندہ ہوتے ہوئے بھی مردوں کی طرح سے جانے جاتے ہیں گے۔ پتا نہیں کیا ہو گیا تھا اور کیسے ہو گیا تھا۔

ہم سے کچھ تیرے سوا ہم ہی جدے گھر نے تھے
ورنہ صحراؤں میں رکتے نہیں بادل جاناں

پھر بھی اعتراف کرتا ہوں آپ سزا سنائیے"۔

اس کی نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں

بالو خاموش رہی۔

"کیا آپ نے لال خان سے ملبوسی کا کوئی فیصلہ کرلیا ہے؟"

بالو نے چونک کر سر اٹھایا۔ خوش فہمی کے اطلیسے جسم کے ذرے ذرے پھول۔

"فیصلہ؟ آگئی ہوں اس کی بخشش کو لات مار کر۔"

تو پھر چلئے میں آپ کو خود ہرلھ کے پاس واپس چھوڑ آؤں۔"

"ہٹھ ہر جائے گا مالے کے؟" بالو نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

"نہیں میں اپنا ذاکرنے کی ایمانداری کوشش کروں گا" اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

بالو کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"آپ کیلئے کوئی ایسا شخص ڈھونڈ کر لاؤں گا جو آپ کے خوابوں سے بہت کم نہ ہو۔ جس کی محبت کم ہو اور جو آپ کو بدن بھی دے سکے۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے بشرطیکہ زندہ رہی۔"

بالو کا دل پوری قوت سے دھڑکا پھر اسی قوت سے پھیلا۔

"شکریہ بہت بہت۔ برائے مہربانی آپ مجھے تنہا چھوڑ دیں میں سونا چاہتی ہوں۔"

اس نے ترشی سے کہا اور پلنگ کی طرف بڑھ گئی۔

"شاید آپ کو پتا نہیں میں لال خان کے گھر سے نہیں اپنے باپ کے گھر سے آپ کے ہاں آئی ہوں اور اپنا باپ آپ پر ہے۔"

اس نے بدلحاظ لہجے کے آگے پچھلے تمام حوالے توڑ ڈالے۔

ماہین چند لمحے مبہوت سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

"آگے کیا ہوا ہے؟" اس نے دھیمے لہجے میں سوال کیا۔

"آپ اس وقت مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور پلنگ پر لیٹ گئی۔

"مگر اس طرح تو نہیں چلے گا۔" ماہین نے کہا۔

بالو خاموش رہی۔ اس کی خاموشی جیسے کہہ رہی تھی "جاؤ یہاں سے۔"

"آپ یہاں اس طرح کیسے رہیں گی؟" وہ پگھلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"رہ لوں گی۔ میرے اور بدری کے علاوہ اور آپ ہیں۔ اب تو ہو سوچنا ہے" آپ کو سوچنا ہے۔" اس نے ذرا کرب سے کہا۔

"آپ جانتی ہیں میرا دل کیا ہے؟ میرے دل میں کیا ہے؟" وہ بلکتے لہجے میں گویا ہوا۔

"جانتی ہوں کوئی تصویر آباد ہے اس دل میں۔ جس نے آپ کو کبھی چھوڑا نہیں ہے اور نہ دے گی۔ جسم میں جانے ہوئے ہو۔"

بالو حل کر بولی۔

"...تم آئے کوئی گلہ نہ رہے تھے آپ کے دل سے"۔

کب ٹلا ہے کوئی دل میں آ جانے کے بعد

اس گلی کے دوسری جانب کوئی رستہ نہیں ہے

وہ تیزی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔

"نہ کہ ہو جائے تو مراد — جو منہ سے نکلے کی بھی تھی" کہوں ہو دل چاہے جیسی ہے"۔

وہ آنکھوں پر بازو رکھے جاگتا رہے گی۔

[illegible] کے سامنے تھے جب ہوا نے دروازے پر دستک دی۔

"ہوں" کون ہے" آجاؤ"۔ ماہین نے کرسی سے کھڑے ہو کر انگڑائی لی اور کسمساتی ہوئی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

جوتے کمرے میں داخل ہو کر اس کے سامنے آ گئی۔

ماہین اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

"جوتے — تم؟"

"جی میں السلام علیکم"۔ وہ گھبراہٹ بھری کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"بیا ہوا بیا چلے گئے؟" اس کی بھیدی آواز کمرے میں گونجی۔

"ہاں چلے گئے" اس کے انداز سے اداسی جھلکنے لگی۔

"آپ نہیں گئیں؟" اس نے عام سے انداز میں سوال کیا۔

"نہیں" — وہ اتنا کہہ کر اپنی انگوٹھیوں سے کھیلنے لگی۔

"کیوں؟" وہاں سے فوراً سوال آیا۔

"اس ایسے ہی" اس نے نظریں چرائیں۔

"آپ کا ارادہ ہو گیا ہے یا کوئی اور نہیں ہوا؟" جوتے جیسے دکھ سے کہا۔

ماہین کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"تو پھر آپ نے کیا سوچا ہے شاید کسی کی پروا نہیں ہے مگر آپ کا بھی کچھ دل بنتا ہے"۔

اس نے گویا ماہین پر تنقید کی تھی۔

"مگر کیوں ہونے میں جلدی نہیں کرنے جوتے" اس نے دھیرے سے کہا۔

"نظر آنے والی حقیقت کو جھٹلانا کہاں سب سے بڑی خود فریبی ہے خان"۔ جوتے بہت اکھڑ سے انداز میں کہا۔

"آپ خود بھی سے بہت قریب ہو کر اس کا منہ پر چھوٹی نہیں"۔ جوتے سارے لحاظ اس پر ڈال دیا۔

ماہین نے نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔ بلیک جینز اور بلیک کلر کی شرٹ میں وہ بہت شاندار لگ رہا تھا۔ اس نے

نظریں جھکا لیں۔

"کیا پوچھا تھا"۔ اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"صرف یہ پوچھا تھا کہ عمل کرنے کی اداکاری کیوں نہیں کی"۔ اس نے غرا کر کہا۔

"وعدہ کیا تھا مگر سے شاید اختیار نہیں ہے"۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"اختیار لائے جاتے ہیں اپنے مسئلہ کیا تھا؟" اس نے جیسے چونک کر سوال کیا تھا۔

"بہت تو بھلا"۔ مائین کے منہ سے بہت خفا سے سے نکلا تھا۔

"جواد چلے گئے؟"۔ وہ کہا؟"

"نا نہیں سکتی۔ یہ اس سے اندر ہی نہیں رشتہ ہو گی"۔ اس نے بہت واضح معذرت کی۔

"کیا یہ مسئلہ صرف آپ کے علم میں ہے یا کسی اور کو بھی باخبر ہیں؟" جواد نے گویا سانس لی۔

"نہیں صرف مجھے پتا ہے اور گھر میں کسی کو نہیں پتا"۔

"مجھے کیوں نہیں بتایا جا سکتا۔ میں اس کا بھائی ہوں"۔ جواد الجھ رہا تھا۔

"اسی لئے تو نہیں بتایا جا سکتا"۔ مائین نے بڑبڑاتے کہا۔

"کسی کو پسند کرتی ہے؟" جواد دیکھنے کے ہزار انداز سے میں بات کی گہرائی تک پہنچا۔

مائین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا (یہ جواد تو بہت چالو ہے)

وہ کچھ نہیں بولی خاموش رہی۔

"کیا اسی کے ساتھ گئی ہے؟" جواد کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

"نہیں نہیں جواد ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ وہ تیزی سے بولی۔

"خدا کی قسم اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے"۔

"کون ہے وہ؟" جواد نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا

مائین جواب میں خاموش رہی۔

"آپ جواب کیوں نہیں دیتیں؟" وہ الجھ کر کہہ رہا تھا۔

"دے نہیں سکتی"۔ وہ دھیرے سے کہہ اٹھی۔

"کسی کا دباؤ ہے آپ پر؟" جواد نے قدرے وہ اضطراب سے دریافت کیا۔

"میرے ضمیر کا کہ میں کسی بھی قسم کی بداعتمادی اپنے سر لینا نہیں چاہتی"۔ اس نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

"آپ جانتی ہیں خالہ کہ میں جویریہ میں اپنے کزنز کے درمیان کس طرح ہو گیا ہوں' جیسے میں کوئی مجرم ہوں' بہت بڑا گناہ گار"۔ وہ دکھ سے بوجھل لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"یہ تمہاری ذاتی اپنگلہ ہیں جواد' صرف تمہاری نہیں ہے بلکہ حویلی کے بزرگوں سے بھی اس کا کوئی نہ کوئی رشتہ ہے

"مائین نے اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔

"میں چاہتا ہے وہ سامنے آ جائے تو اسے ثابت کر دوں۔ پیار کے نام پر اس طرح کی بداعتمادی کی جاتی ہے وہ ایسی ہیں گے۔ لوگ کہتے ہیں کہ صرف جاگیردار ہی ایسا نہیں کرتے آفیسر کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ لوگ ان کے آگے پیچھے پھرتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں مگر یہ بھی تو سچ ہے نا کہ یہ بھی تو سچ ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے'

گھبرا ہٹ میں شلوار سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ مائیں کو تو جیسے سے کپڑوں میں سے "اصغرہ" یاد
"بابا صاحب! چلو آرہی ہوں میں"۔ اس نے قدرے بلند آواز سے کہا۔
"یہ نہیں کہ ہمیں بلا رہے ہیں؟ اب کیا مسئلہ ہو گیا؟"
کھڑکی بند ہو گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ پانی کے چھینٹے مارنے کے خیال سے باتھ روم میں گھس گئی۔ ماں کو اس
میں جلدی جلدی بڑبڑ چلاتے ہوئے مسلسل بکواس کرتا رہا۔
پھر ایسی طرح سر پر دوپٹا جما کر باہر آگئی۔ اور خاصی تیز چلتی ہوئی بابا صاحب کے بیڈ روم کی طرف آئی اور
دستک دی۔
"آجاؤ"۔ اس کی باوجہ آواز کسی قسم کے تاثر سے عاری تھی۔
وہ اندر چلی آئی۔ وہ ٹیلی فون پر کسی سے محظوظ ہونے میں مصروف تھے۔ اشارہ سے اسے بیٹھنے کو کہا۔
"نہیں۔ وہ آج صبح جلدی چلے گئے۔ بہر حال تم میرا نام لے کر کہہ دینا کہ میں نے بھیجا ہے۔ ویسے اگر وہ نہ بھی
کہتا ہے۔ تم بھی اس بات کا خیال رکھتے ہوئے بات کرنا۔ ہمیں ہمیں گھبرانے کی بات نہیں۔ کام تو ہمارا ہو ہی جانا
ان شاء اللہ۔ اچھا اچھا۔ ٹھیک ہے۔ ہاں ہاں۔ او کے"۔ انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔
"لبنیٰ! بیٹا وہ گیا بہت جلدی میں گئے ہیں۔ ہمیں تو وہ پھر کہنا چاہا"۔ وہ خاصے حیران ہو رہے تھے۔
"شاید"۔ اس نے رکھائی سے جواب دیا۔
"کیوں تم سے کچھ نہیں کہا؟" انہیں جیسے اچنبھا ہوا۔
"نہیں! مجھ سے انہوں نے کوئی بات نہیں کی"۔ اس نے بیچ بیچ کہا۔
"پھر تو کوئی اہم میٹنگ ہی ہو گی۔ ملک کے حالات بھی تو ایسے ہی چل رہے ہیں آج کل"۔
مائیں کے پاس ان کی اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔
"تم ساتھ نہیں گئیں؟ ہیں مگر تم کیسے جا سکتی تھیں۔ گھر میں تو صف ماتم بچھی ہے"۔ انہوں نے کہا۔
(اللہ نہ کرے)۔ مائیں بول کر رہ گئی۔
"ہونہہ! اہتمام بھی خود کرتے ہیں اور ماتم بھی۔
"یا اور کس قدر پریشان رہے ہوں گے رات بھر کہ اکلوتی بیٹی کا پیدا ہوتے ہی حرماں"۔
انہوں نے اچانک دکھ سے کہا۔
مائیں بس ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔
"اللہ سے دعا کرتے ہیں مرنے دم تک ہمیں اس کی صورت دیکھنا نصیب نہ ہو"۔ وہ بہت نڈھال نظر آنے لگے۔
(بد دعا کیں سنانے کو بلایا ہے مجھے؟) اس کی جان جل کر رہ گئی۔
"لبنیٰ"۔ وہ سوچتے ہوئے مخاطب ہوئے۔

"جی"۔ اسے بادل نخواستہ جواب دینا پڑا۔
"یہ اس بچی کا معاملہ کیا ہے؟ کچھ تم سے کہا اس نے؟" انہوں نے نظریں مائیں کا چہرہ پڑھا۔
"جی مجھ سے تو اس نے کچھ نہیں کہا۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ مجھ سے شادی پر معاملہ نہیں تھی"۔ اس
نے بہت سوچ سمجھ کر جواب دیا۔
"کیوں وہ اکلوتی رو رہا ہے جو بیٹی میں۔ "ہمارے داماد کیوں نہ کہیں کہ ہمارے ہی کئی ہزار ایکڑ زمین کے فیصلے کرنے ہیں۔ وہ
بڑی فون کرتی ہیں"۔
اور یہی سے کہو ہوئے۔
(بوجھ) "اکلوتی" ان کے پاس کیسیٹ ہے کوئی جو دوسروں کی ٹیک ٹیک ٹیکر رہا ہے۔ تمہیں چاہیے اس اختیار کے بغیر
غیر ضروری اختیار کے!
"جس کے ساتھ جانی تھی کیا اس کے ساتھ گئی ہے؟" ان کی آواز بے حد پست تھی۔
"خدا خوفت کی کوئی بات نہیں"۔ اس نے تحمل سے کہا۔
"یہ بات تم یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟" انہوں نے مشتبہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔
"اس لیے کہ میں نے اسے بڑا دیئے سے ٹوٹا تھا۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اس وہ مجھ سے شادی پر معاملہ نہیں تھی"۔
اس نے اپنے یقین کو دلیل سے ثابت کیا۔
"مگر مجھ میں کیا برائی ہے؟ شکل صورت کا اچھا ہے۔ تعلیم یافتہ ہے۔ خیر بہت ہے۔ دنیا گھومتا ہے۔ دنیا کی دولت اس
کے پاس ہے"۔
دوسرے پاس تک حیرت سے کہہ رہے ہوئے تھے۔
"جس طرح یہ اکلوتی بہت بولتی ہے۔ وہ بھی اسی کی طرح اکلوتی بہت بولتا ہے"۔
اس بار وہ بڑی سادہ اور معصوم سی دلیل لائی تھی۔ مائیں بے ساختہ مسکرا دی تھی۔
"بابا صاحب! بعض باتیں دل کو منظور نہیں ہوتیں اور سب کچھ ہے کا لگتا ہے اور جب ہر طرح کا عیش و آرام ہو تو اس
طبقہ کی کمی کرنے کو جی چاہتا ہے۔ کیونکہ ایسی چیزیں تو غیر ضروری اور تکلف کے پاس ہی ہوتی ہیں۔ اس لئے دل اس طرف نہ جاتا
ہے جہاں ہونے اور نہ ہونے کا فرق ہوتا ہے اور ایسے مقام پر انسان کا سب ہونے کا شدید خواہش مند ہوتا ہے۔ دل و
دماغ فطرتی ضروریات مانگتے ہیں کہ ضروریات ہی ان کی زندگی ہے اور پھر حاصل چیزوں میں وہ کشش نہیں ہوتی جو لاحاصل
چیزوں میں ہوتی ہے۔ شاید اس نے کچھ اور خواب سوچے ہوں"۔
مائیں نے لہجہ مستحکم کر کے جواب دینے کی کوشش کی۔
"لبنیٰ! ہم مانتے ہیں تم بہت پڑھی لکھی ہو مگر بیٹی! عورت بے ہر سے کی چیز ہے۔ گھر کی زینت اسے تمہیں
مرد سے زیادہ اور کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے"۔ ان کا لہجہ اس بار بے حد شفیق تھا۔

"گستاخی معاف بابا صاحب! عورت ایک وجود ایک زندہ اور اہتمام سے تخلیق کیا ہوا وجود ہے۔ ہماری مقدس کتاب کا کل موضوع ہوتا ہے۔ ہماری پاکیزہ الہامی کتاب قرآن پاک کا موضوع "انسان" ہے۔ یہ کہ "مرد" اور "عورت" انسان کی دونوں شاخیں ہوتے ہیں اور اس کتاب میں قوانین انسان کے حقوق پر مشتمل ہے۔ قوانین ہیں "حدود" جیسا حدود سے اندر رہنے کے مطابق ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا خیال رکھنا چاہئے تو کبھی کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہ ہو۔"

"بیٹی! سمجھ لو تو کمال احسان ہے ان کی بھلائی کیلئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد بھی تو ایک طرح سے عورتوں کا مکمل احساس داری ہے۔"

انہوں نے اس کی بات نہایت تحمل سے کاٹ کر بڑی بھاری دلیل دی کہ ایک لمحے کو ماہین بھی چکرا کر رہ گئی۔

"جی؟ مگر جب بچے! سمجھ دار انسانی زندگی میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ طرفین کے لوگوں کو ان کی بات سننا پڑتی ہے۔ اس کے ذاتی ذہن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور انسان کے اپنے بنائے ہوئے بے بنیاد اصولوں کی وجہ سے انسان کی پوری زندگی کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو استحصال کا خاصہ رہا ہے۔ جس کے باعث ہی معاشرہ مصنوعی رویوں کی بناوٹی اور کھوکھلے دائرے کا ذاتی کام ہے۔ اس بنیاد پر تو فیصلہ یوں بھی کمزور ہوتا ہے۔"

ماہین نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

"کیا وہ کوئی غریب لڑکا ہے مگر تم تو کہہ رہی تھیں ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ بری طرح چونک پڑے تھے۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" ماہین بوکھلا گئی۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ ان اصولوں کی بنیاد پر جہاں جہاں انسان کا استحصال ہوتا ہے کیونکہ اکثر اسی طرح کی بنیادوں پر فیصلے ہوتے ہیں۔" اس نے سنبھل کر بات سنبھالی۔

"نام نسب بھی بڑی محنت کی کمائی ہوتی ہے بیٹی۔" وہ بیزاری سے گویا ہوئے۔ "پتہ نہیں یہ کیا بات ہے اب انہیں کی عظیم تر لوگوں پر پریشانی سے گزر رہا ہے تو اس کی بدولت بھی عظیم ہو جاتی ہے۔"

"بالکل صحیح فرمایا آپ نے۔ مگر ہر نسب ایک آغاز سے گزر کر آگے بڑھتا ہے۔ اگر کسی شاخ کی بنیاد کا بیل سے زیادہ خوبصورت و خوشنما پھول آنے کی قوی امید ہو تو پودکاری عیب نہیں ہو سکتی۔"

وہ بھلا بار مانے والی تھی۔ اور کہہ یہ بھی رہی تھی کہ جب خلوص سے بیعد ہو تو غور طلب بات ہو ہی جاتی ہے۔

"لیکن جب ایسی کوئی بات ہی نہیں تو اس طرح کی بات کیا معنی؟" وہ بگڑ اٹھے۔

"ممکن ہے ابا اس طرح کی کوئی بات ہو اور وہ کسی وجہ سے ہم سے نہ کہہ سکتی ہو۔ ہمیں ہر طرح کا امکان اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔

"جو بات اس نے ہم تک پہنچائی نہیں اس باپ کے پیچھے اس کے خاندان کو ذلیل کرنے کیلئے اتنا ہنگامہ کیسے اٹھا سکتی ہے۔ ہم اسے کبھی معاف نہیں کر سکتے۔" ان کے لب و لہجے سے جلال ٹپک رہا تھا۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔

"آ جاؤ۔" وہ بابا صاحب ہی تھے۔ ہمارے گھر کی واحد ہستی۔

دروازہ کھول کر ہماری منتظر آنکھیں۔

ماہین کی نظروں سے اس کی نظر ایک لمحے کو ملی۔ وہ فوراً نگاہ پھیر گئی تھی۔

"آپ ان کا بیان بھی جانے کیلئے کہہ رہے ہیں۔ کیا ہم تک خبر پہنچنے سے پہلے ہی ہم سے نمٹنے کا پروگرام تو نہیں بنا لیں گے۔ پہلے ہی بہت کچھ ہو چکا ہے۔"

وہ پھر اسی انداز میں گویا ہوئے۔

ماہین نے چونک کر ان کی صورت دیکھی۔ اس کی نظروں میں اس وقت ایک دنیا کا مفہوم سمٹ آیا تھا۔ ایک بے بس لڑکی میں یہ بھی صورت آج تک اس کے ذہن سے محو نہیں ہو سکی تھی۔ ذاتی کا ایسا منظر تصور کرتے ہی جسم لرز اٹھا۔

کیا واقعی بے چاری کوئی بے بس کی "ذاتی" ہے۔ وہ کہیں اور کھو گئی۔

"اوہ کیل! تو یہ ہوا ہے۔ کیا آپ کل بکھری چل نہیں سکے؟" ماہری کی جھیل دار تیز آواز نے ماحول میں ارتعاش پیدا کیا۔

"ہمیں فی الحال ہم کہیں نہیں جانا چاہئے۔ ہمارا ذہن بالکل منتشر ہے۔ تم اسے فارغ کرو۔ کہیں یہ ہم محو گفتگو کر کے اسے بتا دیں گے۔ وہ کرو۔ ہم جلد اس کی آخری رسم ادا کریں۔ تاکہ ہمارا سماج مطمئن ہو سکے۔"

ماہین نے نہایت دکھ سے ماں کی سمت دیکھا۔ اس کا چہرہ بھی بالکل پھیکا پڑ گیا تھا۔

"اگر غور کیجئے تو ہم نے ہوتی تو ہم مجرم ہو گئے۔" وہ بڑبڑائے۔

"کیسی؟"

"کل بابا صاحب!"

"کوئی کچھ ہو نہیں کر سکتی تھیں؟" ان کی آواز سے بہت اضطراب ظاہر تھا۔

"کیسے — کیا بتاتے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے ان کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ اس یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے پاس بتانے کو ہے ہی کیا۔ ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہم کیا کریں۔" وہ بے بسی سے گویا ہوئے۔

"ماہین! آپ معاملہ سنبھال لیں گی۔" وہ بولے۔

"ٹھیک ہے ابا! آپ کے پاس بیٹھی ہوں۔ ویسے بھی یہاں مجھے کام ہی کیا ہے سوائے تماشا بننے کے۔" وہ زخمی سی مسکرائی تھی۔

ذاتی فرق اس وقت محسوس کر رہی تھی کہ وہ بے معمول کے حالات ہوں۔

رات کا کھانا کھانے سے قبل وہ کمرے میں موجود تھیں کہ ایک ہنگامہ سا مچ گیا تھا۔

آج کھانا بھی بڑی دھوم دھام کا تھا۔ ماہین بی بی کو لئے "سلور کلیکٹر" کا سب جامن بھی۔ رات کا کھانا کھانے کی بعد

سے نیند بھی بڑی زبردست آئی تھی۔

گہری نیند کا ٹوٹنا اس وقت آسان نہ تھا مگر دروازے پر دستک یاں اور علی تھی کہ یا کوئی دروازہ ہی توڑ رہا تھا۔ اس نے کلاک کی سمت دیکھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔

"کون؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور چادر دوپٹے کی تہیت سے اٹھائی۔

"دروازہ کھولو رشنائے!" ایک بھاری مردانہ آواز سماعت سے ٹکرائی۔

آواز نامانوس ہی محسوس ہوئی مگر ذہن فوراً کاکا جان کی سمت گیا۔

"وہ اٹھ کر دروازے کے نزدیک آئی۔

"کون — کاکا جان؟" اس نے یقین کر لینا مناسب سمجھا۔

"ہوں!" ہاں سے بڑا سرد جواب آیا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔ بلیو جینز اور بلیو شرٹ میں ملبوس اپنی بارعب سرخیوں کے ہمراہ سامنے تیمور علی خان کھڑے تھے۔

"السلام علیکم!" اس نے نظریں جھکا کر چادر سنبھالی۔

"وعلام۔ کس کے ساتھ آئی ہو؟" انجانی تشنگی لہجہ تھا۔ ساتھ ہی اسے اشارا کیا کہ دروازہ بند کرے۔ اس نے ایسا ہی تعمیل کی۔

"کسی کے ساتھ نہیں۔ وہ دراصل شیر گل کے ساتھ بس"۔

"کس لئے — میرا مطلب ہے کس وجہ سے یہاں آئی ہو؟" ان کے لہجے میں تشویش تھی۔ رشنائی خاموش رہی۔ علی خان ایک کرسی پر فروکش ہو گئے اور اسے بھی بیٹھ جانے کا اشارا کیا۔ وہ جلدی سے بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔

"حویلی میں پتا ہے کہ تم یہاں آئی ہو"۔ وہ بہت الجھے ہوئے تھے۔

"نہیں"۔ اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"کسی کو بھی نہیں؟" تیمور علی خان بری طرح چونک پڑے تھے۔

"جی نہیں"۔ اس نے پھر واضح جواب دیا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟" ان کی حیرت بجا تھی۔

"اس لئے کہ — میں بس یہی کر سکتی تھی"۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

"مسئلہ کیا ہے"۔ وہ بغور اس کی شکل دیکھنے لگے۔

"وہ میری شادی کر رہے ہیں"۔ اس نے بھی سیدھی سیدھی بات کرنا مناسب سمجھا۔

"تو پھر کیا ہوا لڑکیوں کی شادی تو کرنا ہی ہوتی ہے"۔ ان کا استعجاب سوا ہو گیا۔

"مگر میں شادی کرنا نہیں چاہتی"۔ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"نہیں کرنا نہیں تو مت کرو کیا یہی وجہ ہے جو تم یہاں آئی ہو؟" ان کو رشنائی کی بات احمقانہ لگی۔ وہ خاموش رہی۔

"مگر تم نے اپنے والد سے ڈسکس کر لینی تھیں۔ ان سے نہ سہی تو کم از کم کوہ نور سے تو کہہ سکتی تھیں"۔

انہیں اچانک جس نادر شہ یاد علی خان کا ذکر کیا۔ رشنائی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ صاحب کی موجودگی میں ان کے سامنے اپنے آپ سے لگ الگ ہو گئی ہیں۔ جانے کیوں اسے بے اختیار رونا آ گیا۔

"یہ ان صاحب کو نہیں سمجھ سکتے ہیں"۔ وہ کہہ کر سکتے میں آ گئے۔ "اچھا وہ کوہ نور ہیں' جانے کیوں ان کا نام لیتے ہوئے ان کی آواز بھی بھیگ گئی تھی اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم نے یہ سوچا وقت کی ہے اندازہ ہے کہ پیچھے حویلی میں کیا قیامت برپا ہو گئی۔ تمہارا بھی تک علی چاچا یہاں ہے اور تم ہیں ابھی حویلی فون کر کے مطلع کرتا ہوں کہ تم یہاں ہو"۔ وہ فون کا نمبر ملانے لگے۔

رشنائی بھی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"کاکا جان' پلیز ایسا نہ کریں۔ آپ میری یہ ساری بھاگ دوڑ بیکار نہ کیجئے"۔ اس کے آنسو بہنے لگے تھے۔

"کون ہے؟" وہ جاتے جاتے رک گئے تھے اور ایک دم پیچھے پلٹے تھے۔

"کون؟" رشنائی پاگل نہیں تھی۔

"وہی جس نے تمہیں اتنا بہادر بنا دیا ہے"۔ وہ بغور اس سے سوال کر رہے تھے۔

رشنائی کی نظریں جھک گئیں۔

"کون ہے وہ سورما۔ جس نے تمہیں اتنی دلیری بخش دی کہ تم نے حویلی کی عزت خاک میں ملانے میں ذرا بھی نہ سوچا"۔

"ایسی کوئی بات نہیں کاکا جان"۔ اس کے حلق میں آنسو اٹکنے لگا۔

"بے وقوف مت بناؤ۔ سیدھے سیدھے بتاؤ کون ہے؟" وہ برہم ہوئے۔

"آپ میرا یقین کیجئے کاکا جان ایسی"۔

"دیکھو رشنائے! زیادہ عقلمند بن کر دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کھاس نہیں کھائے ہم۔ ایک عورت اتنی ہمت تب ہی پا سکتی ہے جب کوئی واضح کارکرد اس کے پاس ہوتا ہے۔ ورنہ لڑکیاں بڑی خوشی خوشی شادی کر کے چلی جاتی ہے اور شادی کی بھنک کو اپنی قسمت سمجھ لیتی ہیں۔

"کیا کرتا ہے۔ کہاں رہتا ہے؟" وہ اپنی بات پر مستقل تھے۔

"کاکا جان! آپ میری بات"۔

"شٹ اپ رشنائے۔ اس کا نام اور ٹھکانہ بتاؤ"۔ وہ برہم ہو گئے۔

رشنائی خاموش کھڑی آنسو بہاتی رہی۔

"ہم سے پیچھا کیوں مانگ رہی ہو تم کیا سمجھتی ہو کہ تم بے وقوف بناؤ گی اور ہم بن جائیں گے۔ ہمارا بھی بڑا حصہ

بگڑیوں کے ساتھ گزرا ہے۔ جو زندگی کو لیک سے گزارتے ہیں۔ ہم تمہاری باتوں سے نکلے اسے لیکن معاملہ صرف
دلت کرنے کا ہوتا بہت بڑا دل ہوتی ہے۔ اس کے لیے کسی خواب ہی قسمت والی کیفیت تھی سے بچا لیتے ہیں۔ کون ہے
وہ خواب دکھانے والا؟" وہ بہت گرم لہجے میں ہم کلام تھے۔

"اماں کی بات کا جواب دو یا اسی وقت قبر گل کے ساتھ ہی جو لی دا دفن ہو جاؤ"۔

وہ جو تیمور علی خان کی پراعتماد آواز کی پرتی کی میں تحریر اور علی تھی۔ قدری بیٹے پر چونک پڑی۔

"نہیں" نہیں بلیز۔ بابا جان۔ اس سے بہتر ہے' آپ خود ہی مجھے یہاں شوٹ کر دیں"۔ اس کے منہ سے چیخ نکل
گیا۔

"تو پھر بتاؤ۔ تم ہمارے بڑھاپے کا سہارا بننے کا سوچا تھا کرتی ہو۔ ہم اس بات میں اعتراض ہونے کا اس لئے حق رکھتے
کہ ہمارا باپ تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہے"۔

"بابا جان۔ بلیز مجھے کچھ وقت دیجئے۔ میں آپ کو بھولی بات بتا دوں گی۔ پلیز"۔

"مگر زیادہ وقت نہیں۔ ابھی بابا صاحب کی فکر پڑ گئی ہے"۔ وہ بہت برہم انداز میں کہتا اٹھ گیا۔ باقی خاموشی سے۔
تیمور علی خان دروازہ کھول کر باہر چلے گئے۔

روشنی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔

دستیاب لان میں سناٹا طاری تھا۔ صرف پورچ کی لائٹس آن تھیں۔ وہ چلنے لگی۔

کیا وہ گاجان کو سب کچھ بتا دے؟

گمان کو بتانے کا مطلب ہے جیسے سب کچھ بابا صاحب کو بتا دے۔ کوئی فرضی کہانی گھڑے۔ کوئی ایسی کہانی جس میں
اس کی بچت ہو جائے۔

وہ ٹہل ٹہل کر سوچنے لگی۔

یار علی خان نے اس کے اعصاب ہلا کر رکھ دیے تھے۔ ساری رات بھی وہ سو نہیں سکی تھی۔ اور آج بھی بستر پر
آ رہی تھی۔ وہ بستر پر کروٹ سے کروٹ بدل رہی تھی۔ بار بار یہی سوچتا ہوتا کہ اس سے بات کر لیتی۔ وہ بے چین ہو کر اٹھ گئی
اور چادر اوڑھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ وہ باغ کی سمت جانے کے خیال سے راہداری میں آئی تھی۔ مگر راہداری کے آخری
سرے پر کچن سے تیز روشنی پر چونک پڑی۔ اس وقت رات کو کچن میں کون کیا کر رہا ہے۔ شاید کوئی جاگ رہا ہو۔ یہ سوچ کر اس کے
جانے یا کافی بنا رہی ہو۔ وہ کچن وقت گزاری کے خیال سے کچن کی طرف بڑھی تھی۔

کچن کا دروازہ وا تھا۔ اس نے سر اندر کر کے جھانکا اور بری طرح چونک پڑی۔ سرسوتی بڑی تیزی سے کچن میں ادھر سے ادھر آ جا رہی تھی۔ وضع قطع سے پتا چلتا۔ ایک نشے میں جانے کیا کیا کر رہی تھی۔ وہ حیران اور گھبرائی کھڑی رہ گئی۔

اسے میں سرسوتی "شانی کہاں" کہتے ہوئے بادام کوکا کولا کی لیئر لے کر مڑی تھی۔

"یہاں۔ یہ اسے کیسے کس کی دعوت ہو رہی ہے؟" اس نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

سرسوتی اپنی جگہ پر بالکل ساکت ہو گئی۔ اس کا ردعمل ایسا تھا۔

"T... آپ... آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔ سو جائیں"۔

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل پڑ رہی تھیں۔

"بھولی بات کا جواب دو۔ کون مہمان آیا ہے"۔ وہ تیز کی تحت ہو رہی تھی۔

"کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔ وہ... وہ"۔

وہ ہکلانے لگی۔

"پھر کس کی خاطر مدارت ہو رہی ہے؟" اس کے خوفزدہ ہونے پر مایون ہوئی تھی کہ سوائے اس کے یہاں ہے۔ اس نے
اس پر اپنا اندازہ خود ہی غلط ہو گیا۔

"کس کیلئے لے جا رہی ہو؟"

سرسوتی کی آنکھیں گاہے گی تھیں۔ اس سے کچھ بولا نہ گیا۔

"کیا چوری ہو رہی ہے۔ یہ کچن کیوں خالی جا رہی ہے؟" اس کا اندازہ غلط ہی طور پر مالکانہ ہو گیا تھا۔

سرسوتی کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

"سرسوتی وہ تو T... کی تاکید تھی تمہاری وجہ سے کیا جا رہا ہے؟" وہ جھلا گئی۔

"وہ جی... بھوری بی بی کے لیے"۔

"کون بھوری؟" مایون الجھی۔

"وہ گھر والوں کا کتا ہے"۔ وہ ہکلائی۔

"کتا کرانی ہے حویلی کی؟" مایون نے استفسار کیا۔

سرسوتی نے نفی میں گردن ہلائی۔ "نہیں جی... وہ فی اے"۔

"وہ فی؟" مایون چونکی۔ "کس کی وہ فی؟" اس کے حساب سے تو یہاں صرف ایک ہی وہ فی (نہیں تھی) اور وہ
تھی۔

"تھری صاحب والی وہ فی" سرسوتی نے کانپتے ہوئے بتایا۔

"تھری؟ کون تھری؟" وہ پھر الجھی۔ "اچھا۔ تم مجھے لے کر چلو اس کے پاس"۔ اس نے حکم کیا۔

"آپ... آپ لوں؟" وہ گھبرا گئی۔

"کیا... وہ بار بار کر کے جا رہا ہے کیا؟" وہ چڑ گئی۔ "جلدی چلو۔ میں بھی دیکھوں وہ فی بلکہ تم دونوں وہ فی ہر
رات کے اندھیرے میں کیا پکاتی ہیں۔ جلدی چلو۔ ... بھی الفاظ"۔

اس کے لہجے کی سختی اثر انداز ہوئی۔ سرسوتی بچکچائی۔

"میں کہہ رہی ہوں ماں، اندر چلو۔ جلدی کرو۔" وہ بار بار منت سے بولی۔

سرسوتی نے دہشت خوف اور پراسرار سنسنی خیز انداز میں ہر طرف دیکھا اور مایا کی بہت کہنے پر وہ کچھ آگے آگے اور مایا پیچھے پیچھے چل پڑی۔

ایک عظیم الشان دروازہ پار کرکے جب وہ تیسرے احاطے میں آئیں تو قدم رکھتے ہی انہیں محسوس ہوا جیسے کوئی باہر کی سیدھ میں چل رہی ہوں۔

مایا کی حیرت سے برا حال تھا کہ یہ سرسوتی کہاں جا رہی ہے؟

اس پر مستزاد کتوں کی بھوں بھوں۔ مایا کو زبان کے بھوکے سے نہایت خوف محسوس ہوا۔ لیکن سرسوتی بہت آہستہ چلی جا رہی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ کر سرسوتی کے برابر چلنے لگی۔ کتوں نے ایک آفت اٹھا رکھی تھی۔ وہ طرح طرح کرکے اور ایک دو انگل دروازے سے گزریں۔ اندر قدم رکھتے ہوئے ماحول میں بلا کی پراسراریت محسوس ہوئی۔ ایک عجیب سی وحشت۔ بھاری بھاری بند دروازے۔ جا بجا تاریکی۔ اور ایک ہولناک خاموشی۔ مایا نے قدرے خوفزدہ اور بہت بوجھل ہوتی تھی۔

"سرسوتی کی راہداری میں داخل ہوئی جہاں دور تک صرف ایک بلب روشنی پھیلا رہا تھا۔ سرسوتی ایک دروازے کے سامنے جا کر رک گئی اور پلٹ کر مایا کی طرف دیکھا۔

مایا نے اشارے سے اسے اندر چلنے کو کہا۔

سرسوتی ایک راہداری میں داخل ہوئی جہاں دور تک صرف ایک بلب روشنی پھیلا رہا تھا۔ سرسوتی ایک دروازے کے سامنے جا کر رک گئی اور پلٹ کر مایا کی طرف دیکھا۔

مایا نے اشارے سے اسے اندر چلنے کو کہا۔

سرسوتی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ اس کے پیچھے مایا نے قدم بڑھائے۔

"توبہ ہے سرسوتی! اتنی دیر کر دی۔ بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔ رات کا کھانا دیا کا دیا واپس کر دیا تو نے۔ آج "بڑی بی" کو بھانے چڑانے کا زبردست موقع ہاتھ آیا ہے۔ ویسے ہی باراتی رہتی ہوں انہیں کی ایک دن خود کشی کروا دوں گی"۔ بات کے اختتام پر بے ساختہ کھلکھلانے کی آواز آئی۔

مایا حیران پریشان اندر داخل ہوئی۔ اندر کا منظر دیکھ کر تو جیسے چکرا کر رہ گئی۔ سرخ ویلوٹ کے بھرے بھرے کام کے بیچ میں ایک حسین و جمیل خوش رنگ سی لڑکی بیڈ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اس سے ذرا فاصلے پر ادھیڑ عمر کی ایک اور عورت تھی۔ جس کے کپڑے بوسیدہ مگر بال بنے ہوئے تھے۔ اور ایک بھاری سی انگیٹھی کا ریٹ پر پڑی نظر آ رہی تھی۔ اس نے زیادہ جھونکے کا پتا چلا (انگیٹھی کا دوسرا سرا عورت کے ہاتھ سے بندھا تھا۔ آناً فاناً اس کا ذہن اس رات تاریکی میں نظر آنے والی پراسرار عورت کی طرف گیا۔ حواس جیسے ایک دم سے گم ہو گئے تھے۔

"السلام علیکم!" بھوسر بولا تھی "آپ"۔

"یا خدا اس کا حال ایسا"۔ سرسوتی نے سہمے ہوئے سر کو ہلا کر کہا۔

مایا نے دیکھا کہ سرسوتی کے ہاتھ تک مایا کو دیکھ رہے تھے۔ آلتی پالتی مارے ہوئے اس لڑکی نے اپنے ہاتھ کی پشت پر بندھی ہوئی ڈوری کو کھینچا۔ بہت کھینچنے کی تاب نہ لا کر سرسوتی کے ہاتھ کھل گئے۔ اس نے ہاتھ کو آزاد کیا۔ پھر اپنے کرتے میں اس کی ڈوری کی بقیہ گرہ کھولنے لگی۔

بھوسر پیچھے سے آ گئی تھی۔ "آ بے بیٹھ جا"۔ اس نے کرخت آواز میں کہا۔

"جی مہارانی صاحبہ آپ نے"۔ بھوسر مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

"جی"۔ مایا جیسے کسی خیال سے چونک اٹھی۔

اس نے بھوسر کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ جس کے جوڑے سے بیسیوں دھنیاں پھوٹ رہی تھیں۔

"یہ۔۔۔ تھری کون ہے؟" اس نے پہلا سوال کیا اور سرسوتی کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ کو تھری کا نہیں پتا۔ کمال ہے۔ دیوی سکہ کی نو دیویوں میں سے ایک ہیں۔ دیوی لکشمی کا اوتار ہیں۔ مہارانی"

بھوسر نے نہایت غیر سنجیدگی سے سوال پنجوں میں اڑایا۔

"مگر میں تو کچھ بھی نہیں جانتی"۔ مایا نے بوکھلا کر اعتراف کیا۔

"مجھے علم ہے کہ آپ کے نور نظر نور چشم کہاں ہیں"۔ وہ ہنس دی۔

"کہاں؟" مایا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اگلی منگل۔ تمہاری ساس انہیں بھیج میں لائیں گی۔ تمہارے سسر نے انہیں ہوا خوری میں معاف کیا۔ اس لئے خوش کیا ہوا ہے اگلی منگل"۔ بھوسر بہت شوخی سے کہہ رہی تھی۔

مایا نے ایک نظر بھوسر پر ڈالی۔ بڑی عجیب قسم کی لڑکی محسوس ہو رہی تھی۔ غور کرنے میں نظر روک لی۔

"کہاں ہیں تھری؟" اس کی توجہ نہیں ہٹ رہی تھی۔

"تھری اپنی سسرال میں آرام فرما رہے ہیں۔ بس سے بہیں تھلی ہو رہی ہے۔ ہماری قسمت اتنی بھی خراب نہیں۔ ویسے وہ کالی کلی بے چارے ہیں۔ ہر عورتی والے ہیں کہ قدرت سے اپنی قسمت تسلیم نہیں کرتے۔ دراصل جہاں پیسہ بہت ہوتا ہے وہاں خوش نصیبیاں بھی بہت ہوتی ہیں"۔ وہ کھلکھلائی۔

مایا دم کو دیں بھیڑ رہ گئی۔ اسے قدیہ لڑکی بھی اداریل دکھائی دی۔

"کون ہے؟" اس نے اپنی حیران کن نظروں کا رخ سفر بگ کی سمت موڑا۔

"کلن کی کہانی آپ کی زبانی سنے گا"۔ بھوسر پھر ہنسی۔

(تم پر بھی قدرت ہنستی ہے لڑکی۔ اگر اس قدر خوبصورت نہ ہوتی تو شکل بری لگتی اس کی ہنسی)

"آپ ڈائن بیگم کی بھتیجی ہیں"۔ مایا نے بھوسر کا جملہ نظر انداز کرکے خود سے دوبارہ انداز میں اس سے سوال

کیا۔

"ہاں — تم جانتی ہو کون؟" ماہین کے اندر جیسے طوفان برپا ہو گیا۔

"وہ حویلی کا روشن چراغ" عورت اطمینان سے مسکرائی۔

"تم کون ہو؟ تمہیں کس نے قید کیا ہوا ہے ان لوگوں نے؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔ ان لوگوں سے تمہیں کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے؟"

"ایک خواہش ہے — ایک — بس" — وہ خاموش ہو گئی۔

"کیا یاد کرو گی کہ تم کون ہو اور تمہیں یہاں قید کیا ہوا ہے"۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"میں کون ہوں یہ تو مجھے پتا ہے۔ اور یہاں قید ہوں یہ بھی مجھے پتا ہے"۔ عورت نے اداسی سے کہا۔

ماہین کا دل دکھ سے جیسے پھٹنے لگا۔ وہ قہار جمال خان کو حویلی میں سب سے مختلف سمجھتی رہی تھی۔

اتنی اہم سیٹ پر بیٹھنے والا اتنا بڑا قانون شکن۔

"تمہارا قصور کیا ہے؟" وہ خود پر قابو پا کر پوچھ رہی تھی۔

"ایک نہیں ہے"۔ وہ آہستگی سے بولی۔

"پھر بھی"۔ ماہین کا انداز اصرار کرنے کا تھا۔

"یہ لیجئے"۔ بھورے خوبصورت گلاس میں اسے کوکا مشروب پیش کیا۔

"شکریہ — میرا موڈ نہیں ہے"۔ اس نے اپنے نفیس انداز میں معذرت کی۔

"بھورا وہ گلاس خود لے کر واپس کچن کے کاؤنٹر پر رکھ گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی"۔ عورت کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"میرا اتنے دنوں کا واسطہ۔ میرا مطلب ہے فرینڈ شپ ہے۔ مجھے نہیں بتاؤ گی آج تک۔ پھر تو رونے لگی ہے۔ ایسے پوچھا بھی کیا۔ صاف ظلم کا شکار لگتی ہے"۔ بھورے کی زبان پھر قینچی کی طرح چلی۔

"مجھے بات کرنے دو پلیز"۔ اس نے بمشکل اپنے بے قابو ہوتے جذبات کنٹرول کیے۔ "بھورا کھانے سے متعلق آپ کھانے میں مصروف ہو گئی۔

"ہاں — بتاؤ ناں۔ تمہارا جرم کیا ہے۔ کس بات کی سزا مل رہی ہے تمہیں؟" اس کے پاؤں میں رینگتی کوئی بے دل پر کوڑے کی طرح برستا محسوس کر رہی تھی۔ ایک انسان کے ساتھ اس طرح کا سلوک۔ اس کے اعصاب شل ہونے لگے۔

"آپ کیا کر لیں گی؟ بلکہ یہ سزا میری قسمت اور نصیب بھی ہے"۔ وہ بھرائی آواز میں گویا ہوئی۔

"پھر بھی"۔

"آپ اصرار نہ کریں۔ آپ کو بھی دکھ ہو گا۔ فی الحال شادی ہوئی ہے آپ کی۔ اللہ مبارک کرے۔ بارہ اس بعد

ہیں۔ بہت گہرے ہیں۔ ان کے اندر کا بھید نہیں پتا۔ شاید ملنے والی لڑکی وہ نہیں ہے جو آپ کی سوچ کی تھی۔ یہ سچ ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں اٹھایا تھا مگر اسے میں کبھی نہیں سمجھ سکی۔ سارے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ ہم ہی ان کو نہیں پہچان پاتے۔ ہاں کبھی کبھی دور سے بھی نہیں پہچانتے"۔

"بہت گہری ہو یار جمال خان کے بارے میں۔ یہ بھی کہیں کے ساتھ جیسے تھے؟"

ماہین نے نہایت تاسف سے سوال کیا تھا۔

بھورے نے چونک کر ماہین کی صورت دیکھی۔

"بہت محبت کرتے تھے ان سے"۔ اس کی آواز نہایت دھیمی تھی۔

"وہ ہیں صاحب؟" ماہین جانے کیا جاننا چاہ رہی تھی۔

"وہ وہاں ہیں تو اپنے ہاتھوں سے بنا کر کھلاتے تھے انہیں۔ اپنی بیٹیوں سے بڑھ کر پیار کرتے تھے۔ حویلی کی ہواؤں میں، وہ ہوا میں گھڑی کی طرح گھی ہوئی تھیں کہ انہیں میر نہیں ہوتی تھی"۔ وہ پھر خیالوں میں کھو گئی۔

"پھر کیا ہوا؟" ماہین نے پوچھا۔

"پھر کی — پھر — پھر کچھ بھی نہیں ہوا"۔ وہ خیال سے چونک کر ایک دم چپ ہو گئی۔

"تم کس حساب میں سزا کاٹ رہی ہو۔ تمہاری باتوں سے تو میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں تم بہت اچھی ہو۔ سوائے تمہارے تک خواہشیں۔ پھر تمہارے ساتھ یہ سلوک کیوں ہوا؟" ماہین کا تجسس کمال کو پہنچا ہوا تھا۔

"بس جی یہ نہ پوچھیں"۔ وہ پھر مغموم نظر آئی۔

"میں کسی سے کہوں گی تو نہیں۔ اعتبار کرو میرا"۔ ماہین نے دوسرا طریقہ آزمایا۔

"بات اعتبار کی نہیں ہے۔ وہ اصل کوئی فائدہ نہیں ہے"۔

"یہ نہیں بتائے گی۔ ہر طرح کوشش کر چکی ہوں"۔

بھورے نے پیسٹری کی کریم صاف کرتے ہوئے گفتگو میں شریک ہوئی۔

"کیا فرق پڑتا ہے کسی کو۔ آپ کا فرمانی فیصلہ تو وہ کیلی تھی ہیں"۔

ملازمہ خاموش رہی۔

"اس حویلی میں کون ہے جو وہ آپ سے چھپا رہی ہے؟ ابھی تو آپ نے اس طرف کا ایک دروازہ دیکھا ہے۔ فرصت سے آئے گا۔ اور بہت کچھ دیکھ لیں گی"۔

بھورا ہاتھ دھونے کیلئے واش بیسن کی طرف جا رہا تھا۔ رک کر کہنے لگا۔

"وہ"۔ ماہین کو جیسے چکر آ گیا۔ ابھی اس طرف اور بھی بہت کچھ ہے۔ بھورا کی خود اعتمادی بلکہ اعلانیہ اسے بہت محسوس ہو رہی تھی۔

"تم بہت بے خوف لڑکی ہو۔ ڈر نہیں لگتا؟" اس کی بات پر ماہین کے ہاتھ رک گئے۔

"جب انسان بہت قریبی رشتے کے نقصان سے گزر جاتا ہے تو اس کے سامنے سارا فلسفہ ہار جاتا ہے نا"۔ وہ اداس سے لہجے میں

"نقصان؟ کیا مطلب؟"

"آپ کیا سمجھیں گی۔ یاور چچا یا چچا کو کوئی معمولی سا حادثہ بھی پیش آئے نا آپ کو۔ اور میں نے تھیسز لکھتے ہوئے یاور علی خان تن دلاور علی خان آپ کو بھی دیکھے ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں آپ نے بچپن میں "بی" لیا ہوگا۔ وہ اپنی کو میری ساس کہتی ہیں۔ کوئی قابل ذکر حادثہ نہیں آیا تھا میرے پاک۔ سب سے بڑا حادثہ یا دکھوں کے بھی نام رکھے ہیں"

"پاگل؟" ماہین ڈر سی گئی۔

"نفسیاتی اسپتال میں لوگ ناک کی سرجری کرانے نہیں جاتے۔ سمجھ لیجیے گا۔ سرسوتی۔ لے چلو گاڑی کی طرف"۔

اس نے بات کرتے کرتے دور بیٹھی سرسوتی کو مخاطب کیا اور ٹرے اٹھا کر اس کی مست چال۔

"پاگل پاگل ہے؟" ماہین کا دل کٹنے لگا۔ اس نے سر سے پیر تک سرسوتی کا جائزہ لیا۔ "اچھا"۔ وہ خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

"میوان---اگر"۔ اس نے دانت کچکچائے۔

"تو بھلا اس کیلئے عورت لانے کی کیا ضرورت تھی؟"۔ ماہین تاسف سے کہے بنا نہ رہ سکی تھی۔

"موصوف کو دولہا بننے کا بہت شوق تھا۔ تو الہ دین کے چراغ کے بجائے ناک میں لے کر جاتے ہیں۔ اتنی قسم اٹھوں تاہوں"۔ وہ جل کر کہے بنا نہ رہ سکی تھی۔

ماہین کو اس المیہ پر "وحشت" ماحول میں بھی بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ چہرہ یکدم گلابی سا ہو گیا۔

"اب آپ شادی شدہ ہیں۔ یاور چچا کو بچوں کی خواہش ہو تو۔ آپ تو چاہیں گی ہاں کہ آپ ماں بنیں۔ عورت ادھوری ہوتی ہے۔ اس کے خواب بھی ایک سے ہوتے ہیں۔ یہ مجھے ثریا کرلائے ہیں۔ میں نے اپنے خواب رہن رکھے ہیں پاگل کو سکھ دیا ہے۔ ان کا احسان ہے مجھ پر --- یا میرا ان پر؟ بتائیے آپ؟ پھر آپ کہتی ہیں کہ مجھے ہار نہیں ملتا"۔ وہ ہنس کر کہے بنا نہ رہ سکی تھی۔

ماہین دم بخود سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

"بددعا لگی ہے میری۔ مجھے تو رہ رہ کر رونی پر پیار آ رہا ہے۔ کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا میرا۔ حویلی کے سارے بڈھے بڈھیاں رہ رہے ہوں گے۔ مجھے تو سوچ سوچ کر سکون مل رہا ہے"۔ وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

ماہین کیلئے بہت زیادہ ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ اس نے افسردہ سی نظر اس پر ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو سرسوتی۔ اب چلتے ہیں"۔ وہ تھکے تھکے لہجے میں گویا ہوئی۔

سرسوتی ٹرے اٹھا کر چل پڑی۔

"آتی جاتی رہا کریں۔ آپ کو کس کا ڈر ہے؟" اسے پیچھے سے عنبر کی آواز آئی۔

ابھی تک اسی حلقہ میں۔ اس کے ہاتھ جیسے اس کے بس میں نہ تھے۔ وہ اب بھی [illegible]
مسلسل ہل رہی تھی۔ اور تیور علی خان کے انداز [illegible] مسلسل ہلتی رہی تھی۔
موصوف بیٹ گاڑی کی ونڈ اسکرین سے [illegible] ہو گیا۔ [illegible]
جلد بلے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا پھر نہایت پھرتی سے گیٹ وا کیا۔ [illegible]
پر تیسری گاڑیوں کے قدم ساتھ رک گئی۔
وہ تنگی چچا کی بیٹھک تھا سے [illegible]
جیپ سے اترنے والے دو کیا اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ [illegible]
اس نے آدمی کو مخاطب کیا تھا۔

copied from web
copied from web
from web

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ بہت دیر اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔

یہ کون آیا ہے؟ شاید اسے دھوکہ ہوا ہو۔ ویسے بھی بڑا اچھا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے اپنے معمول کے کام سے وہ واپس بھی آتا رہتا ہے یہاں۔ اس نے خود کو تسلی دینے کے سو بہانے تراشنے شروع کر دیے۔

ماں نے چوکیدار سے کہو بات جیت کی۔ پھر اس طرف بڑھ گیا جہاں سے زینہ اوپر کی طرف جاتا تھا۔ وہ کچھ طمانیت بھرا احساس سینے سے خارج کیا۔ اس کا مطلب ہے سب خیریت ہے۔ وہ تیز تیز چلتی ہوئی واپس اپنے رہائشی کمرے میں آ گئی۔

جانے کیوں احساسات عجیب خوشگوار سے ہو گئے تھے۔ ماں اور بچے ایک دم بالکل بھلا ہو گئی تھی۔ ہوا اور اجالا اس کے اندر بھرتی اور بھر جانے اور اس سے ہی بھر کر لگے۔ بڑا اس کی پرسکون مسکراہٹ اور لہجے سے اپنی جان ہوا۔ خوب لطف اندوز ہوا۔ اسے بچگانہ گھڑکیاں بھر کر رہے۔ اس کے بعد وہ اپنی بھیگی پھوار سے بچے میں اسے بھگانے۔ بڑی بی کبھی یہ کبھی وہ دیکھے۔

اس نے چادر اتار کر ایک طرف ڈالتے ہوئے بچے کیا سوچا۔

وہ رات کو بہت پرسکون رہی تھی۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی تھی۔ لہٰذا پھر وضو بنا کر کے ہوئی تھی وہ

ہالے تھی۔ اس نے بیڈ روم کے دروازے سے دستک ہوئی تھی۔ مگر وہ دروازہ [illegible] تھی۔ [illegible] ہوئی طرح بھرا گیا تھا۔ اس نے دال کا کے طرف دیکھا۔ [illegible] سے [illegible] تھے۔ [illegible] سے بھی اور [illegible] دروازے تک آئی۔ اور دروازہ کھول دیا۔ [illegible] کھڑی تھی۔

"السلام علیکم! آپ کا کیا خیال ہے؟" وہ حسب عادت طنز کرنے سے باز نہ رہ سکی۔

اس نے تیز بھری آنکھوں سے اس کی سمت دیکھا۔

"اس کا خون ہے؟" (شاید یہ لفظ اس کے منہ سے نکل گیا تھا)

"بڑی پھوار سے آ رہے ہیں۔" اس نے بھرا ہوا لفظ ادا کیا۔

"میں خود سے ہو گی بھر کر داخل ہو گئی۔

"جاؤ کپڑے۔ میں سو رہی ہوں۔ بعد میں ناشتہ کروں گی۔"

اس نے کہہ کر کسی اگلے جملے کا انتظار کیے بغیر دھڑ سے دروازہ بند کیا اور واپس بستر پر لیٹ گئی۔

"قریب ہوں تو بات نہیں کرتے۔ فاصلے سے باتیں کرنے کا دعویٰ آتا ہے۔ [illegible] میں کون سا بڑا کارنامہ انجام کرنے گئے تھے۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

ماں حویلی سے ساتھ والی حویلی میں اٹھ چلنے کر رہا تھا۔ ابھی تک وہ کسی سے ملا قات نہیں ہوا تھا۔ وہ کسی اگلے پیغام کا منتظر تھا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ تیزی سے چوکنا ہوا۔

"ہوں۔ کون ہے؟ آ جاؤ۔"

دروازہ کھلا اور شوفر خان اندر آ گیا۔

"السلام علیکم۔" وہ تیز تیز قدموں سے مسکرایا۔

"آؤ، علیکم السلام۔"

"ابھی ابھی ہمیں پتا چلا کہ آپ آئے ہوئے ہیں۔ سو حاضر ہو گئے ہیں۔ کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمائیں۔"

"آپ کب آئے ہم سے کیوں نہیں ملے؟" وہ بڑی معصومیت سے پوچھ رہی تھی۔

"بس [illegible] ہوا۔ آپ سنائیے۔ کیا حال چال ہیں؟" اس نے [illegible] ایک طرف بٹھا دیا۔

"ایسے ہی گزارے کر رہے ہیں۔" وہ شوفر سے مسکرایا۔ پھر اس نے [illegible] ہوئی [illegible] شوفر میں [illegible] زور زور سے کھلی کھلی [illegible] رہی تھی۔

"کیسی کیسی؟" [illegible] ہوا مسکرایا۔

"پچھلی مرتبہ بھی آپ ہمیں لانگ ڈرائیو پر لے کر نہیں گئے تھے جبکہ ہم نے کہا تھا"۔ وہ بولا۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے
"سوری۔ جلدی میں تھا"۔ اس نے فوراً معذرت کی۔
"فی الحال صرف سوری سے کام نہیں چلے گا"۔ وہ سنجیدگی سے بولا۔
"پھر؟" وہ مسکرانے لگا۔
"پھر یہ کہ اس مرتبہ آپ جلدی میں نہیں ہوں گے اور ہمارا پروگرام۔ لانگ ڈرائیو پر ضرور جائیں گے"۔ وہ مسکرایا۔
"اوکے"۔ وہ بھی ہنس دیا۔
"ہادی بھائی"۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔
"ہوں"۔
"وہ ادھر بابا صاحب کی بڑی حویلی میں بھی تو ہم بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ وہ بھی آپ کے ساتھ اس طرح ہنسی مذاق
کرتا۔ ان کی طریقہ شب ہے آپ کے ساتھ؟" وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔
"نہیں۔ وہاں آپ بیٹھے ہوئے نہیں ہوں گے۔ اس کا پتا چھوٹا ہے۔ بہت چھوٹا اور باقی سب تو ہے ہیں"۔ وہ مسکرایا۔ ہادی
کو گہری نظروں سے دیکھتی رہی۔
"باقی سب کتنے ہے ہیں۔ جتنی بڑی حویلی اتنے ہی افراد۔ اتنے ہی بڑے دل۔ اتنی ہی بڑی دعوتیں۔ اتنی ہی بڑی
ہادی نے بڑی طرح چونک کر جیسے فوراً ہی کچھ سمجھ لیا ہو۔ اسے دیکھا۔
"وہ ادھر اتنے کی بیٹی ہے۔ دیکھا ہے نہیں؟ آپ کی بات ہوئی ان سے کبھی؟" اس کے سوال پر جیسے وہ گم سم سی ہو گئی۔
"دیکھا بھی ہے۔ ملے بھی ہیں۔ بہت کم سے ہیں۔ باقی بھی بہت ہیں۔ مگر بات نہیں ہوئی کبھی"۔ وہ کہہ کر پھر
جانے دیتے۔ ہمارا دل چاہتا ہے ہم ان سے بہت بات کریں۔ لانگ ڈرائیو پر جائیں۔ ان کے بارے میں
ساتھ لے جائیں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟" وہ اپنے آئیڈیا پر خود ہی خوش ہوتا ہوا بولا۔
ہادی کا تو دم بیٹھے میں اٹک گیا تھا۔
"آپ کب ملی تھیں ان سے ضوی؟" وہ گم صم سا اس پر جھکا ہوا تھا۔
"کل۔ کل ہی تو"۔ وہ بے نیازی سے کہہ رہی تھی۔
"آپ کی کیا بات ہوئی ان سے؟" اس کے حواس ٹھکانے پر نہیں تھے۔
"کچھ نہیں۔ مگر وہ ہمیں تو ملنے نہیں دے رہے"۔ اس نے منہ بنایا۔
"ہادی بھائی۔ بھی کہاں ملنے نہیں دے رہیں؟" وہ جیسے جھلا گئی۔
"یہ نہیں۔ ہاں کہاں وہ؟" وہ کھوئے کھوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ سب کچھ بھول گیا ہو۔ اس
اتر گیا ہو اور اطراف کے سارے منظر واضح ہو گئے ہوں۔ نظر میں آ گئے ہوں۔
"گیسٹ روم میں"۔ ضوی نے بتایا۔

"اوہ"۔ ہادی نے سر ہلایا۔
"ہاں۔ وہ آل ریڈی جانے کا طریقہ تھا۔ وہ پہلے ہی گیسٹ روم میں تھیں۔ ہادی کے ساتھ ہی ان کے سامان کو بھی
رکھوا دیا۔ اس نے ملازم کو ہدایت بھیج دی۔
"اچھا۔ اچھا"۔
اسی وقت سعد خان ناک کر کے اندر آئے تھے۔ ان کے ساتھ ہی ہادی داخل ہوا۔
"ہادی بھائی آپ یہاں ہیں۔ اور آپ کا گھر پتا ہے آپ کا؟" جیسے ان سعد خان کی نظر
لمحوں میں پوری وہ بے ساختہ کہہ گئی۔
"ہم کوئی حویلی سے باہر ہوتا ہے۔ حویلی پر پٹھان ہوتی تھا"۔ وہ ہادی کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولے۔
"ہاں۔ ہم نے بتایا"۔ سعد خان نے کہہ کر ہادی کو مخاطب کیا۔
"ہوں۔ ہاں۔ ہاں"۔ وہ جیسے کسی دھیان سے بولا۔
"ہادی بھائی۔ دیکھیں۔ اس مرتبہ آپ پر اس بات کے بعد ہمیں نہیں جانے دیں گے"۔ اس نے جاتے جاتے ہادی
کو یاد کیا تھا۔
"اوکے۔ اوکے"۔ ہادی نے ہاتھ اٹھا کر مسکرایا۔
"سعد خان۔ وہ پہلے جو گیسٹ روم میں مہمان ہیں انہوں نے ناشتا کر لیا"۔ ہادی کی آواز بہت دھیمی تھی۔
"وہ۔ یہ لاہور سے آئے ہیں۔ خان وہ تو کوئی لڑکی ہے۔ یہ حکم چلاتی ہے۔ یہ اصرار کرتی ہے۔ تو خان کو ان کا بولنا بھی
پڑتا ہے۔ ہم پہلے سے نہیں دیکھا۔ اور وہ تیمور گل کے ساتھ آیا تھا"۔
سعد خان چائے بناتے ہوئے بڑی سادگی سے بتا رہا تھا۔
"اوہ"۔ ہادی نے گہری سانس لی جیسے مزید مطمئن ہو گیا ہو۔
"کاکا جان نے ہیں اس سے اور بولا سعد کھانے ہوئے تھے"۔ ہادی کو یکدم پریشان آیا۔
"یہ ہم کو بولو (مطلوب) تھا"۔ اس نے چائے کا کپ ہادی کی طرف بڑھاتے ہوئے مخاطب کیا۔
"اچھا۔ اچھا ٹھیک ہے۔ یہ تم جاؤ۔ میں ذرا کام کر رہا ہوں۔ ابھی خان کے ساتھ کچھ دیر گپ شپ لگاتا ہے"۔
وہ ہادی سعد خان سے مخاطب تھا۔ مگر اس کی نظریں ضوی پر جمی ہوئی تھیں۔

وہ بہت آہستہ آہستہ دروازہ بند کر کے آگے بڑھی تھی۔ گیسٹ روم کے دروازے تک آئی تھی اور بہت آہستگی سے دستک دی تھی۔
"جی۔ کون ہے؟" آواز میں ذرا سے گھبراہٹ کی ملی جلی کیفیت تھی۔ اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا۔ مگر اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بہت دیر تک
کھول نہیں سکی تھی۔ اس وقت وہ کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ وہ کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی۔ وہ بس ہینڈل پر ہاتھ رکھے ساکت سی کھڑی تھی۔ بس ایک خلا تھا۔ ایک
خلا۔

"مسعود خان! رات بڑی حویلی سے جو بڑھیا واپس گیا تھا، وہ واپس گیا تھا؟" اس نے حوالدار مسعود خان سے پوچھا۔

"او — محترمہ کو ہماری آمد کی اطلاع بھی ہے"۔ اس کی سرد مہری کے پیچھے اسے ہماری کسی حرکت کا خوف صاف نظر آ رہا تھا۔

سبک اور بے تکے۔

اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

"السلام علیکم"۔

روشی بدحواس ہو کر چلی تھی۔

ایک لمحے کو تو اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ نظریں جھک کر رہ گئیں۔

"واہ صاحب — بندے کی قسمت میں خاطر ہو تو کون اس سے چھین سکتا ہے"۔ ہاری نے نظریں ملا کر شرارتی لہجے میں کہا۔

"آپ مجھ سے لگتے ہیں کاکا جان۔ ایک ذرا سا راز افشا کر دیجئے"۔ روشی سے کہہ کر چادر اوڑھنے لگی۔

"تمہیں نے تو مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ بالی گم؟"۔

"پتا ہے — سوکل جی تمہارے لہجے میں سب نخرے سہتے ہیں۔ مگر ذرا سمجھ لیں، ہر وقت ہر جگہ ہر شے چاہے تو کوئی جیب کے پیچھے تمہاری جیب ہوتی"۔ وہ طنزیہ کہہ کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔

"آپ کو اچھا لگتا ہے اس طرح سے دوسروں کو پریشان کرنا۔ کتنے بےحسوں کی بات ہے۔ آپ کو معلوم ہے اپنے بچوں اور گھر کی یاد نہیں رہتا۔ اور حویلی میں ایک قیامت برپا ہے۔ رات رات بھر کوئی سو نہیں سکتا۔ ایسے میں آپ کا یہاں ہونا موت ہوئی ہو"۔

"تو مر گئی ہوں ہاں۔ میں سب کیلئے موت ہی تو ہوں"۔ وہ اس کی بات کاٹ کر غرائی اور اگر قہر نے یہاں ہو کر یہ اعلان کر دیا کہ میں سرائے میں ہوں تو میں یہاں سے بھی چلی جاؤں گی"۔ اس نے دھمکی دی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ ایسا تو کچھ ہوا بھی نہیں"۔

"شب شب ہاری۔ جی جلا رہا ہے تمہارا معصوم لوچ زبان۔ تمہارا ہو ہو کر مرنا۔ میرا نام محسوس کرنا اور بولنا۔ لو ڈیئر اور والی انداز میں کسی کو پیش کیا جا رہا تھا، اتنی گزری نہیں ہوں میں۔ ایک ہاری سے متعلق ہے۔ مر جاؤں گی"۔

"مگر آپ کی شادی تو کہیں نہ کہیں۔ کسی نہ کسی کے ساتھ"۔

اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ بھوکی شیرنی کی طرح اس کی طرف لپکی۔ ایک زوردار تھپڑ کے بعد اور اس بدلے طریقے سے اس کا گریبان پکڑ کر کھینچا کہ سارے بٹن ایک جھٹکے میں ٹوٹ گئے۔ وہ ہکا بکا رہ گیا۔ بوکھلا گیا۔

"گیٹ آؤٹ فرام ہیر۔ بی آلسو کیئر فل"۔

اس نے نہایت وحشت کے عالم میں اسے دروازے کی جانب دھکا دیا۔ اور اپنی پیشانی رگڑنے لگی۔ جیسے تو

باہر نکلنے والے کا بہت سوار ہو گیا تھا۔

ہاری تو اس اچانک افتاد پر بری طرح بوکھلا کر رہ گیا تھا۔ اس نے خود ایسی حالت ہونے تک یہ نہیں کیا تھا کہ اس کی اچھی خاصی بےعزتی ہو گئی تھی۔ وہ اس کی جانب دیکھتا رہا۔ اس کی سرخ و سفید رنگت پر انگلیوں کے نشان ابھر آئے تھے۔ اور بھورے بال چہرے پر بکھر گئے تھے۔ اور بھورے بال چہرے پر بکھر گئے تھے۔

ایک لمحے کو تو اس کی معصومیت نے اسے ششدر کر دیا۔ پھر روشی کی پیشانی سے بہتے ہوئے خون نے جیسے اس کی جان سلب کر لی تھی۔ وہ سر پھوڑتی روشی کی سمت تیزی سے بڑھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف موڑا۔

"روشانے۔ روشی کرو۔ کیا ہوا ہے؟"

"کاکا جان!" اس کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رونے لگی۔

"کیا ہوا؟ کیا کیا ہے ہاری نے؟" انہوں نے غصیلی نظروں سے ہاری کی سمت دیکھا۔

ہاری تو جیسے ہی اپنی جگہ پر ساکت کھڑا تھا۔ تیمور علی خان کی آواز پر اسے حریم کا لفظ ہی محسوس ہونے لگی۔

"روشانے بتاؤ مجھے۔ کیا ہوا ہے؟ اور یہ کیا وحشت کی ہے تم نے"۔ تیمور علی خان کی سفید گھنی اور لمبی مونچھیں غصے سے تھرتھرا رہی تھیں۔

ان کے وہ خصوصی ملازمین جو انہیں اچانک آتا دیکھ کر اس وقت وہاں سے چلے گئے تھے، ان کے چہرے پر تفکرات کا جال پھیلا ہوا تھا۔ روشی تھی کہ کچھ بتا ہی نہیں رہی تھی۔ اس کی پیشانی پر تھپڑ خون سے لتھڑ گئی تھیں۔ تیمور علی خان نے نہایت احتیاط سے گھنی کی پوروں سے بال ہٹائے تو ان کی انگلیوں پر بھی خون لگ گیا۔

"کیا ہوا گل ہے روشانے؟ اب تم بتاؤ گی بھی کہ نہیں ہوا۔ چلو چلو"۔ ہاری وہ تیمور علی خان نے کہہ کر سخت نظروں سے اسے دیکھا۔

انہوں نے ہاری کے سراپے پر ایک تنقیدی نظر ڈالی۔ پھر ڈانٹتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کاکا جان۔ مجھے مرجانے دیں پلیز۔ یہاں کوئی میرا اپنا نہیں ہے۔ یہ مجھے مٹنے نہیں دیتا۔ کاکا جان۔ میرا جان سے گئی ہوئی ہو گئیں ہیں۔ انہیں اپنی روٹی کپڑے سے مطلب ہے۔ مجھے نفرت ہے ان سب سے۔ مجھے کسی رشتے کسی تعلق کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آپ اسے کہیے کہ اس کی صورت مجھے کبھی نظر نہ آئے۔ ورنہ میں اس پر الزام چھوڑ کر آگ لگا دوں گی۔ مجھے زیادہ سب سے زیادہ اس سے نفرت ہے۔ پلیز کاکا جان۔ مجھے مرجانے دیں"۔

وہ اس بری طرح روئی۔ اس قدر بھوت بھوت کر کہ تیمور علی خان تو اضطراب میں پڑ گئے۔ وہ تڑپ کر اسے ہاری کے سامنے سے ہٹانے لگے۔

"کیا کہا ہے تم نے اسے؟ اور یہ تمہارا حلیہ کیا ہوا ہے؟" ان کے لہجے میں [illegible] کی جانے والی بات اور چبھن تھی۔

"کچھ نہیں ہے کہ ہاری سے روشی نے کہا ہے آپ کو بتانے کی۔ میں بےعزت ہوں خان کہ یہ سب لے کر ہاری سے آئی ہے"۔

اس نے آنکھ بھیجی تو اختیار وقار سے کہا کہ تیمور علی خان بے ساختہ روتی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ خون ولی خان بہہ رہا تھا۔ انہوں نے قمیض کی بھلی جیب سے سفید رومال نکال کر اس کی پیشانی پر رکھا تو وہ فوراً سرخ ہو گیا۔ وہ اس کو اپنا ان لیے ہوئے باہر نکل آئے۔

"سلی گرل!" عجیب سا رکھان کے چہرے سے جھلکنے لگا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے خون آلود ہاتھ کو ایک نظر دیکھا۔ پھر اپنی علیہ قمیض کے دامن سے ہی صاف کر لیا۔ ہاری باہر نکل آیا تھا۔

"تم نے یہ سب کیوں کیا روشانے؟ حالانکہ رات ہم نے تمہارا فیصلہ سنانے کا وعدہ کیا تھا۔" وہ پوچھ رہے تھے۔

"کاکا جان! اگر پھر اس پلے اور صرف ایک خون کرنے کی اجازت ہو تو میں پہلی فرصت میں اسے شوٹ کر دوں۔" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کس کو ہاری کو؟" تیمور علی خان کے لہجے میں استعجاب اور استفہام دونوں تھے۔

وہ کچھ بولی نہیں سسکیاں لیتی رہی۔

"وہ تو بڑا ہم لیس آدمی ضرور ہے۔ اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔"

وہ کہہ رہے تھے مگر ان کی آنکھوں میں اس کا کچھ اور ہی کامیاب پورٹن ہو رہا تھا۔ لیجے خود تو دستہ وکیل ہو گیا۔

"بالکل بے کار۔ بل ایک دم۔ سیلفش سوائے دکھ دینے کے اسے کچھ نہیں آتا۔"

"کیا کہا ہے اس نے تمہیں۔ تم لاوارث نہیں ہو کہ اکیلی ہو گئی ہو۔ ہم پر اعتبار کرو روشانے۔ تم ہماری خون ہو۔" انہوں نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

تسم و جان پر پھوار سی برس پڑی۔ یہ بالکل نیا روپ تھا تیمور علی خان کا۔

"کاکا جان! آپ مجھے واپس بڑی حویلی تو نہیں بھیجیں گے ناں؟" وہ جو دن کے بیتنے سے لگی ہوئی تھی۔

"ہم تمہارے فیصلے کو سپورٹ کریں گے روشانے۔ مگر تمہیں یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے گویا ہوئے۔

اسی دم پھول خان فرسٹ ایڈ باکس لے کر کمرے میں داخل ہوئے۔

"ایک برتن میں گرم پانی لاؤ اندر سے۔" انہوں نے ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ پھول خان سا چپ سا کھلے سے کام لیتا کریا تھا دروازے میں چلا گیا۔

تیمور علی خان باکس کھول کر ضروری چیزیں نکالنے لگے۔

پھول خان پانی لے کر آ گیا۔ تیمور علی خان نے روئی بھگو کر اس کا چہرہ صاف کرنا شروع کیا۔ وہ چپ چاپ بھیگی سسکیاں بھرتی رہی۔

تیمور علی خان نے کسی ماہر کیا ڈاکٹر کی طرح اس کا چہرہ صاف کیا تھا۔

"پھول خان ایک گلاس گرم گرم دودھ لانا۔"

"خبیث ہے پاس اور کپڑے ہیں روشانے؟" انہوں نے اس کی قمیض پر کیچڑ سے لتھڑے ہوئے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہم اور سے ابھی کپڑے بھجوا دیتے ہیں۔"

"ہم اور کیوں نہیں جا سکتے کاکا جان؟" وہ آہستگی سے پوچھ رہی تھی۔

"فی الحال آپ ہمارے ساتھ ہی رہیں گی۔ ہم آپ کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ اب یہ سب ہو گیا ہے نا تو آپ کو ہمارے ساتھ ہی رہنا ہے۔"

وہ اس جھوٹ کے لیے نظر نہ آئے۔ وہ اس کی بات صاف نظر انداز کر گئے۔

"کاکا جان! وہ ولی خان کی حویلی جا کر سب کو بتا دیں گے۔ وہ صاحب اور بیا یہاں آ جائیں گے اور وہ ہی کریں گے جو ان کا دل چاہے گا۔" اس نے اپنے اندیشے ظاہر کیے۔

"اپنی روشانے۔ ہماری اجازت کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرے گا۔ اوکے ڈیل۔ دیکھو۔ اب پھر یہ سب نہیں ہو گا۔ اب ہماری اجازت کے بغیر کوئی یہاں نہیں آئے گا۔ ویسے وہ یہاں آ کیسے سکتا تھا۔ اسے پتا کیسے چلا؟ تم نے بتایا تھا؟" وہ جانتے بوجھتے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں میں نے نہیں بتایا تھا۔ بابی کاکا جان۔ میں تو صبح سے باہر بھی نہیں گئی۔ بتیاں" وہ بتیاں والے کی سفارش کرنے لگی۔ آواز میں ابھی تک افسوس کا تاثر تھا۔ تیمور علی خان باہر نکل گئے تھے۔ وہ بتیاں والے کو کچھ کہنے لگے۔

ہاری لباس تبدیل کرنے کے بعد بری الحسن میں بیٹھا ہوا تھا۔

"خان۔ تیمور خان اپنے کمرے میں آپ کو بلا رہے ہیں۔" حسنہ خان نے آ کر اسے پیغام دیا۔

وہ اٹھا اور کتاب خانے کے ملحقہ ان کے کمرے میں آیا تھا۔

وہ اسے کی پیشانی پر تیمور علی خان نے سر اٹھایا تھا۔ وہ بھی کپڑے تبدیل کر چکے تھے اور لائٹ براؤن شلوار قمیض میں ملبوس تھے۔

ہاری شلوار قمیض چینج کر کے بیٹھ اور ہائٹ شرٹ زیب تن کر کے آیا تھا۔

"آؤ ہاری۔ کام تو آج بھی بہت ہے۔" انہوں نے سامنے سے لائے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"وہ اصل میں وہ کیس تو میرا خیال ہے ہائیکورٹ میں ہی فیصلہ ہو جائے گا۔ ایک پیشی پر ہوں ہے اور ان کا وکیل کہہ رہا تھا۔ اس کے بعد کی پیشی پر فیصلہ ہو جائیگا۔ مجھے تو کوئی ٹینشن نہیں ہے۔ مگر ہاشم صاحب نے اس کیس کو خود ہینڈل کیا ہوا ہے۔ ان کی گفتگو ہے۔ فائل بھجوائی ہے انہوں نے؟"

وہ اصل معاملہ زیر بحث لے آئے تھے۔

"جی ہاں۔" وہ بہت خوش تھا اسے خوب احساس تھا کہ تیمور علی خان کچھ پریشان ہیں۔ اسی لیے اس نے

بات نہیں کر رہے بلکہ وہ سب اس وقت بھی ان کے دماغ میں ہلچل مچائے ہوئے ہے اور معصوم دماغ اس ہلچل کو برداشت نہیں کر رہا ہے۔

وہ بے گناہ ہونے کے باوجود بہت شرمندہ و شرمسار سا تھا۔

"قاسم خانی آیا تھا یہاں حویلی؟" وہ اس کی طرف جھک کر دیکھنے لگے۔

"نہیں۔" ہادی نے پھر مختصراً کہا۔

"یہ بھی بس چکر باز قسم کا بندہ لگتا ہے۔ ایکٹنگ۔" انہوں نے ریلیف کیس کھول کر جانے کیا تلاش کرتے ہوئے کہا۔

"ادھر حویلی میں تو بہت ٹینشن ہوگا؟" انہوں نے ایک رم پلانا کھایا تھا مگر ہادی ہر قسم کی صورتحال کیلئے تیار تھا۔

"نہیں۔" اس نے پرسکون انداز میں جواب دیا اور انجان بننے کی معمولی سی کوشش بھی کی۔

"شوٹنگ کرنے کا پروگرام ہے یا کچھ اور مہمات ہے؟" وہ ایک فائل نکال کر دل کا غذات اس میں کھول کھول کر دیکھنے لگے۔

"یہ تو بہت پرسنل ہے۔ کیا کہہ سکتا ہوں۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔

"تم سے کیوں اتنی ناراض ہے؟" وہ گاؤن سے بلیک جج کرتا اور ہیٹ پہنے گئے۔

ہادی خاموش رہا۔

"کیا تمہیں علم تھا کہ وہ یہاں ہے آؤ تمہیں لا کر ڈراپ کی تھی؟" تیمور علی خان بہت سیریس تھے۔

"نہیں۔ مجھے علم نہیں تھا۔ مجھے فضولی سے پتا چلا تھا۔" ہادی نے بڑی متانت سے جواب دیا۔

"فضولی سے۔" وہ چونک پڑے۔

"کیا کہا تھا فضولی نے؟" ان کی آنکھوں سے عجیب طرح کی تشنگی چھلکنے لگی۔

"وہ لائف ڈرائیو پر جانے کیلئے اصرار کر رہی تھی۔ پچھلی رات میں نے پرامس کیا تھا مگر جلدی میں جا نہ سکا تھا۔ اس لئے وہ ناراض تھی۔ پھر بڑی مشکل سے اس کو منایا تھا کہ ہم لوگ جا رہے ہیں یہاں۔ میں نے بتایا کہ ہاں آپ بھی ہیں۔ سب بہت خوش ہوئے تھے کہ چلیں گی یاور انکل کی بیٹی بھی ہیں سب۔ میں بڑا حیران ہوا کہ کیسے جانتی ہیں وہ یہاں آئی ہوئی ہیں اور بچے گیسٹ روم میں ہیں۔" ہادی نے تفصیل سے جواب دیا۔

"یاور انکل کی بیٹی کہا تھا اس نے۔ اسے ۔۔۔ خیر۔" انہوں نے بات ٹال کر کسی کو فون ملایا۔

تھوڑی دیر بعد سندر خان اندر داخل ہوا۔

"سندر خان! فضولی کو ساتھ لے کر آؤ۔"

وہ انکل خاموش ہو گئے تھے۔ اور ہادی کو تو خاموشی کا ہی بہانہ چاہیے تھا۔

تین چار منٹ کے وقفے کے بعد فضولیاں اندر داخل ہوئی۔ تیمور علی خان نے سندر خان کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

وہ فضولیاں ہادی کی کرسی کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"فضولی ۔۔۔ بیٹے۔" آپ یاور انکل کی بیٹی سے کہاں ملی تھیں؟"

"یہیں پاپا۔ جب رات والی اون (مجھے اپنے پاس) ۔" وہ محبت سے باپ کو دیکھنے لگی۔

"محبت روم میں؟"

"نو ۔۔۔ لان میں پاپا"۔

"آپ کو کیسے پتا چلا کہ وہ یاور انکل کی بیٹی ہیں انہوں نے خود بتایا تھا؟"

"انہوں نے بتایا تھا۔ وہ حویلی سے آئی ہیں۔ آئی ایم ہیوڈ ٹو سی مائی گرینڈ فادر ان لا۔ پھر میں نے پوچھا کہ وہ یاور انکل کی کون ہیں۔ تو انہوں نے بتایا کہ وہ ان کی گرینڈ فادر ان لا ہیں۔ تو میں سمجھ گئی کہ وہ یاور انکل کی کزن ہیں۔" وہ الجھ گئی تھی۔

"ہیں۔ یہ سچ ہے۔ وہ آپ کی کزن ہی ہیں اور کیا باتیں کی تھیں ان سے؟" تیمور علی خان کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ ہادی کو ان سے ہمدردی سی محسوس ہونے لگی۔

"وہ والی سوری پاپا۔ میں نے ان سے بات ہی نہیں کرنے دی بلکہ یہ بھی کہا کہ ڈیڈ ایسے آپ کو وہاں ہونا نہیں چاہیے۔ آپ ہم سے ناراض ہو جائیں گے۔" اس نے بسورتے ہوئے بتایا۔

تیمور علی خان ایک دم کچھ گڑبڑا کر رہ گئے۔ ہادی پاؤں کے انگوٹھے سے کارپٹ مسلنے لگا۔

"اٹس اوکے سویٹی۔ ہم جائیں؟" وہ دونوں کو کچھ خاموش دیکھ کر خود ہی بول پڑی۔

"ہوں"۔

"پاپا۔ پیرکزن کا نام کیا ہے؟" وہ جاتے جاتے رک کر پوچھنے لگی۔

"عاشر۔" تیمور علی خان نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"اوکے بائے"۔ وہ ہلتے ہوئے واپس ہادی کے پاس آئی اور دونوں ہاتھوں کی اوک بنا کر ہادی کے کان میں بولی۔

"سٹے اوے سوئٹ چائلڈ۔ لائف ڈرائیو کیلئے پاپا سے کزن کیلئے بھی پرمیشن لے لینا۔" ہادی نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو گویا اطمینان ہوا۔ فضولی باہر چلی گئی۔

"ہادی تم نے جواب نہیں دیا۔ تم سے کیوں ناراض ہے؟ اور اتنی شدت سے کہ اپنا سارا غصہ بھولا ہوا تمہاری قسمت بھی بھلا دی۔ کیا واقعی حویلی بھی اسے ہسٹریا کے اٹیک پڑتے ہیں؟"

"نہیں نہیں۔" ہادی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اسے ابھی ادھر کے لوگ پریشن کہہ سکتے ہیں۔" تیمور علی خان خود ہی بولے (Schizophrenia) یہ بیماری بھی اپنے پیشنٹ کی کافی اٹیچمنٹ ہو جاتے ہیں۔"

"اب تم ہنسی روکنے کی کوشش کر کے کیوں پریشان ہو رہے ہو۔ وہ کوئی اور بات ہے جس کے سبب وہ تم سے ناراض ہے۔ تم سے ناراضگی کا اظہار کر رہی ہے۔ اور شاید تم بھی نہ سمجھ سکو۔ کیوں ناراض نہیں کرنا چاہتی۔ اور یہ بھی کہ اس نے انجانے قسم کی تم سے بات کی ہے۔

ہادی اس قدر اور جواب شاید بھی ہوا ہوگا۔ تیمور علی خان کی آنکھیں اسے اس قدر بے یقین کبھی محسوس ہوئی تھیں۔ وہ بے حد خاموش ہو کر رہ گیا۔

"کاکا جان! دیکھئے میری طرف سے تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ یہ تمام صورتحال کریم اینڈ ہی کی جانب سے ہوئی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ جینک ریزن انہی کی طرف سے معلوم ہے"۔ ہادی نے دبے لہجے میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"پھر اس کے بعد کاکا جان جو کچھ آپ مجھ سے پوچھیں گے۔ میرے لئے درست جواب دینا آسان ہوگا"۔ تیمور علی خان چند لمحے اس کی جانب دیکھتے رہے۔

"پھر تم آج ہی حویلی منتقل ہو جاؤ۔ ہم بابا صاحب کو اون کر دیں گے۔ یہ بہت بڑا سکینڈل ہو گیا ہے ہادی۔ خاندان کی حویلی کیلئے تو یہ بڑا کلنک ہوگا۔ تم سمجھ رہے ہو ناں؟"

"جی ہاں۔ سمجھ رہا ہوں۔ بہت اچھی طرح"۔ ہادی نے جلدی سے اتفاق کیا۔

"ٹھیک ہے پھر کچہری چلتے ہیں۔ بعد میں بات ہوگی"۔ تیمور علی خان بیڈ سے اترتے ہوئے کہا تھا۔ ہادی بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

ہادی دروازے پر دستک دیئے بغیر اندر آ گئی تھی۔

"کیا کر رہے ہیں؟" وہ بیڈ کے دروازے پر رک کر پوچھنے لگی۔

لذت یہ کیوں ہے یہ کیا ہے؟ مجھے کچھ سوچنے دے
ہر طرف رقص ہوا ہے مجھے کچھ سوچنے دے

"سوچ رہے ہیں اماں"۔

"آپ کے دوست سے میری ملاقات ہو چکی ہے"۔ ہادی سن کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

ہم کو یہ کب تم پہ گماں تھا شاعر بھی ہو افشاں
اب تک تو جس بھیس میں دیکھا لگتے تھے معقول یہاں

رشتے تو ایک بار ہو جاتے ہیں اور اس ہو جاتے ہیں۔ کیا سمجھائیں اور کتنا سمجھائیں"۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یقین کریں جب بھی آپ کو دیکھتا تھا تو یہی ذہن میں آتا تھا کہ آپ بہت سیدھی سادی سمجھوتہ کرنے والی اور وقت سے حوصلے کے ساتھ نبھنے والی ہیں"۔

"چلانے کی ضرورت نہیں اس طرح آپ کے جرم معاف نہیں ہو سکتے"۔ وہ تلخی سے کہتے ہوئے ایک کرسی پر براجمان ہو گئی۔

"جرم؟ کیسا جرم؟ وہ ہے؟ آپ نے اس سے شادی کیوں نہیں کر لی۔ کیوں اس کی زندگی برباد کر دی۔ کیوں اسے
وہ بے آبرو کی زندگی اور موت کے درمیان چھوڑ دیا
تو بھی ہمیں بھی یہ سمجھا اس پہ دل کیوں سمجھ گیا
جیسی چاہتوں کی سچ ہے وہ ہمارے پاس

اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہوگی اس کی۔ اسی سے کرتے"۔ ہادی منمنایا۔

"کیوں اس نے آپ کی ماں کا وہ حال اور یہ انکشاف ہونے سے پہلے آپ سے شادی کر لی تھی"۔ ہادی سنجیدگی سے بولا۔

"ہاں ہوا تھا"۔ ہادی جھلا کر بولا۔

"کہاں ہوا تھا؟" وہ چونکا تھا۔ آج کیا انکشاف کرنے آئی تھی۔

"یہاں سے بہت دور ایک بہت بڑے شہر میں"۔ ہادی کے لہجے سے کرب چھلکنے لگا۔

دو پہر دو پل جو ہوتا ہے اس گھڑی میں جو ستم ہے
چاروں کھونٹ گھومے ہیں کر گھوما ہوا جیسے بھارے ہیں

"تو یہ کیا بکواس تھا آپ نے؟" وہ تقریباً چیخ کر بولا تھا۔

"آہستہ"۔ ہادی نے آہ بھری تو وہ بولا کچھ نہیں۔

"یہ نام ہے اس بچی کا؟"

"ہاں یہ نام ہے اس بچی کا۔ خیر آواز سے پہلے پانی ہے۔ سر جو طاقتور ہے۔ عقل چھوٹی کلیوں کو ہے۔ انسان بھی خواہ مخواہ ہی ہے۔ ہر ایک مرحلہ وہاں بس جاتے۔ پھر اس کا کہیں اور دل لگ نہیں سکتا۔ جب ہی تو یہاں رہ کر بھی وہیں پہنچے ہے یہ وہ ہے نہ میں ایک ایک منظر دیکھتے گا۔

"کیوں گئے تھے وہاں سے آخر آپ کا تو سب کچھ وہیں ہے"۔ وہ چیخ کر بولا۔

"لالے ہائی کی مزا پانے آئے ہوئے ہیں"۔ وہ ہنس دی۔

"کب ختم ہوگی یہ سزا؟" وہ زہر پیلے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"موت پر"۔ وہ اس سے یہ سوال سن کر اداس ہو گئی۔

"نہ کرے ان کیلئے کیوں نہیں جیتے جنہیں آپ کی ضرورت ہے؟" وہ افسردہ ہو گئی تھی۔

وہ مسیحا کو دعاؤں کا صلہ مل کر رہا
چند لمحوں کے لئے چرخ ٹھہر جائے گا

ہادی نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"آپ کو اس لئے نہیں جانا تھا کہ کبھی وہاں ہوا کریں۔ میں نے تو کبھی آپ کو اس شہر سے باہر جاتے ہوئے نہیں سنا۔ اب آپ اتنا عرصہ رہے ہیں تو اب آپ کا گھر بھی وہیں ہوگا وہاں ...؟" ہادی کے سوال ختم ہونے سے پہلے ہی

الجان خطاؤں میں سرزشت ہوا ہوں
اس واسطے مقصود ہوں کس واسطے گھر جاؤں

"وہاں جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے جانا نہیں چاہتا"۔ وہ بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"اگر وہ مجھے کہیں مل گئی ناں تو میں اس کا گلا دبا دوں گی۔ زندہ انسانوں سے کھیلتی پھرتی ہے۔ کتنا سے کوئی بات ہوا۔ اس نے آپ سے"۔

"آپ نے سنا کر بھیجیں؟" عارف یوں بولا جیسے اس کی بات ہی نہیں سنی۔

"ہوں۔ آپ کی اماں کو بھی کرا دیا تھا۔ بے چاری کچھ کھاتی ہی نہیں ہیں۔ پریشان کر کے رکھ دیا ہے ان کو اس لڑکی نے۔ آپ کچھ کریں بھی نہیں آتا ماں پر بالوجہ غصہ آنے لگا۔

"ان کے سامنے کام اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں۔ بہو ہوتی تو ہزار باتیں بنا کر ایک دائی کھلاتی۔ ابھی تو ٹھوکر چاہیے۔ ان کی ناقدری نہیں کرائی"۔ عارف نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

"یہ خیر آیا کہاں ہوتا ہے عارف بھائی"۔ وہ اچانک کسی احسان سے چونکی۔

"مرحد میں ہوتا ہے۔ خیریت؟" عارف کی مسکراہٹ میں حیرت بھی تھی۔

"یونہی پوچھ رہی تھی۔ کیا کاؤں گل بھی ہوتے ہیں؟" وہ پھر سے کھو سے گئی۔

"ہاں! گل بھی ہریالیاں ہوتی ہیں"۔ عارف نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی۔

"آپ جاتے تھے حویلی میں اس کے پاس۔ آپ کو کوئی روکتا نہیں تھا؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ہاں۔ ہم تو سمجھیں رہتے ہی وہیں تھے۔ آ ... کیا ان تھے۔

اس حویلی میں اتنے پھول ہوتے تھے کہ حویلی پھولوں میں چھپ جاتی تھی۔ اور ان پھولوں کے درمیان پھولا پھولا سا وہ۔ اتنے حسین منظر آنکھ کیسے بھلا دے"۔

"وہ کون تھا وہی منحوس؟" بالو جل کر بولی۔

"اس کا نام اسفندیار ہے بھائی۔ محبت کے گیت چھیڑنے والا"۔

"زہر گھول دیا ہے اس نے آپ کی زندگی میں"۔ وہ ہنسی۔

"عارف خاموش رہا۔ بالو بھی خاموشی سے انگلیاں مروڑنے لگی۔

"میں سوچ رہا ہوں آج غلام محمد کے پاس جا کر اسے سمجھانے کی کوشش کروں۔ پھر آپ کو وہاں بھیج کر آؤں گا آپ کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو"۔ عارف نے موقع غنیمت جان کر موضوع بدل دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں آپ کو وہاں جانے کی۔ پہلے میرے حساب کتاب سیدھے کریں۔ میرے نقصان کا ہرجانہ کریں۔ کیا سوچ رہے ہیں آنی جانی سے صاف کر دوں گی؟" وہ غصہ کھا کر کھڑی ہو گئی۔

سامنے دیوار گیر سے تیسرا خانہ ہے۔ نمبر دو کیوں نہیں کہہ رہیں؟ ہو سکتا ہے اسے کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔ عارف نے مزید غور کرنا چاہا تھا۔

"بالو، آپی کو بستر سے اٹھاؤ"۔

"جی، کوئی ضروری کام ہی ہوگا"۔ اس نے شاید یہ انداز میں کہا تھا جس کا عارف نے نوٹس نہیں لیا تھا اور بالو کسی دوسرے کے مقابلے دوسری سمت بڑھ رہے تھے۔

دلہن بنی ہوئی کیفیت میں ہال میں داخل ہوئی۔ عارف معمول ہال میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں اسے عجلت میں اضطراب میں مبتلا دکھائی دیں۔

"السلام علیکم"۔ اس کی آواز ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھی۔

"وعلیکم السلام۔ طبیعت ٹھیک ہے"۔ یاور علی خان کی آواز میں تشویش تھی۔

"ٹھیک ہوں۔ کوئی ضروری کام تھا آپ کو مجھ سے۔ کیسے یاد فرمایا؟" وہ اپنا سوال پہلے ہال میں بولی۔

"اوہ! سو آف ہے۔ پریشان لوگوں کو مزید پریشان کرنا کیسی لائف پارٹنر شپ ہے؟ اور کیسی ہم چوبانے تو ہمیں بلا لیتے"۔ یاور علی خان سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"سب کچھ تو مجھے ہی کرنا ہوگا۔ آپ ہر کسی طرف سے کوئی ذمہ داری لیں۔ وہ سابقہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"تم تو بہت وسیع دل کی ہو۔ تمام ہی مشرقی عورت نہیں ہو"۔ یاور علی خان نے قدرے تمسخر سے کہا تھا۔

"ہوائی جیوں کے بھی بعض تقاضے مشترک ہیں اور فطرت پر ہیں۔ آپ میرے علم و تعلیم کو بھلا کر مجھے فطری و حسین لطیف جذبات کی قربانی پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اتنی سخت زیادتی آپ نے میرے ساتھ کی اور آپ کو احساس تک نہیں ہوا شرمناک ہے"۔ وہ دو انگلی سے کہہ رہی تھی۔

"احساس ہوتا تو کیوں کرتا؟" ان کی گھمبیر آواز ایئر پیس میں ابھری۔

وہ ان کے دل کی بھڑاس میں خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوا۔

"بہت لیٹ ہو جاتے ہیں آپ۔ چاہے کوئی مر ہی جائے"۔ اسے رونا آ گیا۔

"اتنی اسٹیٹ تو ہم نے کبھی اپنے ملازمین کی نہیں کی بڑی بڑی تنخواہوں کے باوجود"۔

"ہونہہ! ملازمین۔ تمہیں کیا پتا کہ"۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"کیا ...؟" وہ متجسس ہو گئی۔

"کچھ نہیں ..." وہ ٹال گئے۔

"آپ کیا کیا کر رہے ہیں؟" وہ جانتی تھی کہ اصرار کے باوجود وہ کچھ نہیں بتائیں گے۔

"کون روتی؟" یاور علی خان کی آواز سے تھکی تھکی سی۔

"یاور صاحب پلیز"۔

"ماہین۔ آج کے بعد تم کبھی مجھ سے روشنی کا ذکر نہیں کرو گی"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے — کہ۔ آخر"۔ وہ بولتے بولتے اٹکنے لگی۔

"میں سوچنا نہیں چاہتی ماہین' تمام عمر دوسروں کے پھیلائے ہوئے کوڑے کرکٹ سمیٹتی رہوں۔ مالا ہے شاید اس نے نکال دیا ہے اسے دل سے بھی۔ دماغ سے بھی۔ تم اپنا خیال رکھنا۔ موا ہوتو آجانا۔ خدا حافظ"۔

ماہین ریسیور ہاتھ میں تھامے خاموش سی بیٹھی رہ گئی۔ اب تک کی بات چیت سے جو تاثر اس کے ذہن پر مرتسم ہوا تھا وہ یہ تھا کہ یاور علی خان اس وقت غم سے چور چور ہیں۔ واقعی کتنی بری بات ہے۔ مجھے ایسے میں ان کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اس نے بڑی شرمساری محسوس کی۔ ان پر اتنی بڑی آفت ٹوٹی ہے کہ ان سے جو سرزد ہوا کم ہے۔ اپنی اسٹڈی کے اس کے بعد مجھے کچھ یاد ہی نہیں رہا۔

"خدا معلوم وہ کیا کیا۔ اور کس کس انگل سے سوچ رہے ہوں گے۔

"ماموں جان تو خیریت سے ہیں ناں ممانی جان؟" صبیحہ نے اخبار پھینک کر کے ماہین کو گم صم بیٹھا دیکھ کر پوچھا۔

"آ — ہاں — وہ ٹھیک ہیں۔ باقی سب کہاں ہیں صبیحہ؟"

"کچھ تو معمول کے مطابق کالج اور کچھ حالت سوگ میں اپنی اپنی ماؤں کے پاس"۔ وہ اخبار تہہ کرنے لگی۔

"خدا نہ کرے سوگ ہو"۔ ماہین کو ان کا جملہ نہایت شاق گزرا۔

"اور کیا نام دیں۔ آپ ہی بتائیں؟" وہ کہاں ہار ماننے والی تھیں۔

"بے نام سہی رہنے دو صبیحہ! اس قصے کو نام دینے سے کوئی فائدہ تو ہوگا نہیں"۔

"ماموں جان کیا کہہ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا تھا ناں کہ کیا کر رہے ہیں روشنی کیلئے؟"

(ایک تو اس گھر میں کوئی اپنے یہاں سے بات بھی نہیں کر سکتا فون پر) ماہین کی جان میں جان آئی۔

"ہوں — کہہ رہے تھے کہ کر رہا ہوں کوشش"۔ اس نے جواب دیا اور تیزی سے باہر نکل آئی۔ سہارا کیلئے کوئی آجائے۔

روشنی ہر ہر دستک پر چونک پڑتی تھی۔ ایک ذہنی خلفشار اسے مسلسل گھیرے ہوئے تھا۔ کہاں بھی غلط ہو رہا تھا۔ سوچ سوچ کر اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا کہ کاکا جان اس سے کیا کچھ پوچھیں گے" اور وہ انہیں کیا جواب دے گی۔ جواب نہ دینے کی صورت میں ان کا اجتماعی ردعمل کیا ہوگا؟

"کیا وہ انہیں سب کچھ بتا دے؟ مگر کس طرح؟ کن الفاظ میں؟"

وہ کبھی اس کروٹ لیٹتی تھی کبھی اس کروٹ' سر الگ دکھ رہا تھا۔

اسی دم دروازہ پر دستک ہوئی۔ "روشانے"۔

"آجائیں کاکا جان"۔ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

صبیحہ علی خان اندر آئی۔ آتے ہی اس کی نظر ماؤں پر پڑی۔

"خدا کا خوف کرو روشانے۔ کاکا جان کا اندر سے خون ہو رہا ہوگا۔ تم نے ان سے کچھ کہا؟"

"میں کچھ بھی نہیں کہہ سکی"۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"جانے کیا کیا صفائیاں گڑھی ہوں گی۔ جھوٹ خاک کے نیچے"۔ صبیحہ نے طنز کیا۔

"آپ فکر نہ کریں میں تھوڑی دیر میں کہوں گی"۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

"ابھی کہہ رہی ہیں رات کے بارہ بجے کہو گی؟"

"وعدہ — میں کہوں گی"۔ اس نے مدت کے انداز میں کہا۔

"طبیعت کیسی ہے اب آپ کی؟ کچھ کھایا پیا بھی ہے یا نہیں؟" اس نے ٹرے کی طرف دیکھا۔

انہوں نے پلیٹ کی اوپری جیب سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

"لپسٹک"۔ اس نے آئینہ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں ذرا جلدی میں ہوں۔ صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ تم نے اپنے اور روشنی کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟" وہ اس کے سامنے بیٹھ چکے تھے۔ "یوں بھی مجھے تم سے بہت کچھ پوچھنے تو ہی تھا۔ تمہیں اندازہ ہے وہاں مورچے میں کتنا نقصان ہوگا۔ بہرحال میرے پہلے سوال کا جواب دو"۔

روشنی خاموش رہی۔

"مجھے اپنے سوال کا جواب نہ پا کر بہت غصہ آتا ہے روشانے"۔ ان کی آواز میں تلخی آگئی۔

"بس ویسے ہی فلمز کیا تھا کاکا جان؟" وہ بہت پست آواز میں بولی۔

"زیادہ چالاکی کی ضرورت نہیں۔ ویسے ہی کچھ نہیں ہوا کرتا۔ مجھ سے لڑیک کے ساتھ بات کیا کرو"۔

"وہ مجھے سمجھا رہا تھا"۔ سوال سے جواب سوجھ گیا۔

"اگر میں سمجھاؤں گا تو کیا چیز میرے ساتھ ہوگی؟" وہ برہم ہوئے۔

"کاکا جان — پلیز — آپ خود کو اس سے کمپیئر نہ کریں"۔ وہ خفیف سی ہوگئی۔

"کیا بات تھی؟" ان کا انداز مستحکم تھا۔

"کچھ نہیں"۔ وہ بولی۔

"ہرگز ہرگز یہ بات نہیں ہے۔ میری صحیح بات سے بات ہوئی ہے۔ اگر چہ اس نے مجھے کچھ بتایا نہیں مگر میں اندازہ لگا سکتا ہوں۔ اس نے جواب دیا ہوگا اس سے اندازہ ہوا کہ بات عام نہیں ہے عام ہوتی تو بغیر بحث کے ٹال دی جاتی۔

روشانے اتنی برداشت ہماری عادت نہیں ہے۔ اس لئے زیادہ مت آزمایا کرو۔ ہم بھی اسی وقت تمہیں ہتھ کڑی پہنا دیتے ہیں"۔ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"کاکا جان! میں حویلی جانے کو تیار ہوں۔ بس میری اتنی ہیلپ کر دیجئے کہ فہیم کے ساتھ جو حادثہ ہوا ہے۔ وہ ہمارے

شادی کا سلسلہ روک دیجئے۔ میں وہاں جانے اور ہر طرح کے برے سلوک کو لیس کرنے کیلئے تیار ہوں" ۔ اس کی آنکھیں
آنسو پینے لگے۔

"میں سمجھتا کرو۔ تمہیں خوشیاں دینے کیلئے تیار ہیں"۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے آغا جان کہ میں اس رشتے سے خوش نہیں ہوں۔ بس اس نے ڈر کہہ دیا تھا۔

"خوش نہ ہونے کی وجہ؟ اتنا معقول رشتہ تو کسی کو ملتا ہے۔ ہر طرح سے پرفیکٹ رہو گی۔ نہ ساس نہ نندیں نہ ذمہ داریوں کا"۔

"مجھے نیم پسند نہیں۔ بابی آغا کا آغا جان"۔ وہ پھر رو دی۔

"ہوں"۔ تیمور علی خان گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

"تمہارے ہیز مس کیا کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ تمہارے پیا تمہاری اسٹیپ مدر کے ساتھ اس موضوع پر بات ہوئی؟"

(ابھی ابھی آغا جان کتنے اپنے سے لگ رہے تھے اور ایک دم کتنے غیر اور اجنبی سے لگنے لگے تھے)

"جی — مدر نے"۔ اس نے مختصر جواب دیا۔

"روشانے! تم اس خاندان کی واحد لڑکی ہو جو اپنا وقتیہ استعمال کر رہی ہو اور ہمارے ارد گرد اچھا خاصا مجمع ہے۔ کے باوجود ہم تمہارے ساتھ کوئی "مس بی ہیو" نہیں کر رہے۔ مرد لوگ مسئلے نہیں کرتے ہیں۔ تمہاری مدر نے بات آگے بڑھائی؟"

"شاید"۔ وہ آہستگی سے بولی۔

"شاید کیا؟" انہیں اس کا "شاید" نہایت بھاری گزرا۔

"میرا مطلب ہے۔ کچھ ہوا تو نہیں"۔ وہ سنبھل کر گویا ہوئی۔

"ہوں۔ خیر۔ تم کھانا کھاؤ۔ پھر بات ہوگی"۔ وہ جانے کیا سوچ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یا اللہ — پھر" اس نے سر کو تھام کر گہرا سانس لیا "غلطی تو خیر میری ہی ہے میں ہی بات آگے بڑھانے باری۔ پھر تو آئے گا"۔

تیمور علی خان اسے کھانا کھانے کی تاکید کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔

تیمور علی خان اسٹڈی میں خاصی دیر تک ٹہل ٹہل کر کچھ سوچتے رہے۔ بالآخر ایل آرام دہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور ٹیلی فون اپنے سامنے کھسکا کر ایک نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا کر پشت کرسی کی پشت سے ٹکا لی۔

"ہیلو"۔

"جی — میں کلوریل رہی ہوں"۔ کلوریل سے ان کا براہ راست کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا اس لئے وہ ان کی آواز پہچان نہیں پائی۔

"ہیلو ایلی گھر پر ہیں؟"

"جی صاحب۔ اپنے کمرے میں ہیں"۔ دوسری طرف سے جواب آیا۔

"میں سے کہو کراچی سے خان صاحب کا فون ہے"۔ وہ بہت آہستہ سے بولے تھے۔

"آپ ٹھہریں جی۔ میں بلا کر لاتی ہوں"۔ کلوریل اپنی ذاتی ملازمہ تھی۔

وہ تقریباً دو منٹ سے کچھ کم انتظار کرتے رہے۔

"ہیلو"۔ ماہین کی حیران پریشان آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔

"السلام علیکم۔ ہم تمہارے خان بات کر رہے ہیں"۔ "سرائے" سے"۔

"جی"۔ ماہین کو یہ اچنبھا ہوا تھا "کلوز" کہہ رہی تھی"۔

"اس نے وہی کہا جو ہم نے اسے کہا۔ اب آپ اس بات پر غور سے سنیئے۔ ہماری آپ کی کوئی رشتہ داری نہیں ہوئی۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ آپ ہمیں جانتی ہوں گی۔ خان صاحب "تھی بابا" صاحب کے چار بیٹے اور بیٹیوں میں وہاں پر قدر ہے۔ ہمارے ہاں میں اس سے زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ آپ سن رہی ہیں؟"

"جی — جی میں سن رہی ہوں"۔ وہ جیسے چونک کر بولی۔

"ہماری اس نیکی کا صلہ کوئی معاوضہ کا کر بھی آپ کسی سے نہیں کریں گی۔ اس سے بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔ بات صرف یہ ہے کہ ہمارے خاندان پر دوڑی کے ہاتھوں بہت برا وقت آیا ہے۔ ہم اس سلسلے میں آپ سے بات چیت کرنا چاہ رہے ہیں"۔

"جی — جی ضرور کیجئے"۔ دوڑی کے ذکر پر اس کے سارے حواس چوکس ہو گئے۔

"آپ کی اور اس کی کتنی انڈر اسٹینڈنگ ہے؟" وہ گویا محتاط ہو رہے تھے۔

"بہت اچھی — ہم اکثر دوستوں کی طرح ہیں"۔ وہ جلدی سے بولی۔

"لگتا تو نہیں۔ اگر ایسا تھا تو یہ سب کیوں ہوا؟" ان کا انداز قطعی تھا۔

"اسے ادھر ہمارے دشمنوں کی موجودگی میں میرا کیا تعلق کیا کرتے؟" اس نے وضاحت کی۔

"آپ اسے بڑی بہن کو اعتماد میں لے سکتی تھیں۔ کام آسان ہو جاتا"۔ وہ ہاں سے دلیل لائے۔

"میں نے کوشش کی تھی"۔ وہ جھجھکنے کے انداز سے بولی۔

"کوشش کی تھی یا کھل کر بات کی تھی؟" یہ اچھی دو ٹوک انداز تھا۔

"کوشش پہلے ہوتی ہے۔ کھل کر بات کرنے کی نوبت بعد میں آتی ہے"۔ وہ بولی۔

"کھل کر بات کرنے کی نوبت ہی نہیں آنے دی گئی؟ کیوں — ؟" وہ گہرے ہوئے۔

"جی — جی۔ آپ ٹھیک سمجھے"۔ وہ جھجکی سے بولی۔

"جس کو اتنا سمجھ ہے اس کے آگے بڑھنے کی نوبت ہی نہیں آئی"۔ وہ ماہین کو کچھ کہنے کا موقع دے چکے تھے۔

ماہین گڑبڑا کر رہ گئی — نہ ہاں کہہ سکی نہ ناں۔ خاموش ہو کر رہ گئی۔

"دیکھئے ہماری مخالفت یہاں والوں سے تھوڑی ہی ہے۔ آپ ہم پر بھروسا کر سکتی ہیں اور ہو سکتا ہے ہم آپ کے کچھ کام آ سکیں۔ ہم اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت کا کوئی حق نہیں دیتے۔ ہم سے زیادہ بہتر کون جانتا ہے۔ وہ کچھ ہے تھے ہو سکتا ہے انہوں نے عام معنوں میں یہ بات کی ہو مگر ماہین کو محسوس ہوا تھا وہ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں۔

"ہیلو"۔

"جی — جی — سن رہی ہوں"۔

"وہ کیا بات ہے جس کو منہ سے نکالنے کا ابھی حوصلہ نہیں آیا؟"

"اب کیا فائدہ — جس کی بات ہے جب وہی نہیں"۔ ماہین آزردگی سے کہہ اٹھی۔

"وہ ہماری صدود سے اور کہیں بھی نہیں جا سکتی۔ ایک دن لا کھڑا کریں گے اسے آپ کے سامنے"۔

"کیا وہ آپ کے پاس موجود ہے؟" وہ ایک دم مشکوک ہو گئی۔

"یہ بات چھپانے والی تھی؟ ہم نے کہا ناں وہ ہماری ریچ سے باہر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ معاملہ مکمل طور پر باہر ہوں اور جب وہ ہمارے اختیار میں آ جائے تو ہم پورا بندوبست کر سکیں۔ سمجھ گئی ہیں ناں آپ؟"

"جی ہاں"۔

"جی — تو وہ مسئلہ کیا ہے؟"

"وہ — دراصل یہاں شادی پر رضامند نہیں ہے"۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ابھی علم ہے — اصل مسئلہ یہ ہے کہ اس کی کسی سے کمٹ منٹ ہے؟" انہوں نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"کمٹ منٹ تو نہیں کہہ سکتے"۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی "مگر اس بات کی کیا شیورٹی ہے کہ سب کچھ ہونے کے بعد آپ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا"۔ وہ آہستگی سے پوچھ رہی تھی۔

"تیمور جل خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "امید ہے آپ مائنڈ نہیں کریں گی۔ وہ آپ سے زیادہ ہماری ہے"۔

"لیکن آپ کے ہاں عزت و وقار کی خاطر اپنے خون کو شوٹ کرنے کی روایتیں بھی موجود ہیں"۔ اس نے دکھی ہو کر کہا۔

"حالات و ماحول بہت تبدیل ہو چکا ہے۔ ہم نے آپ کو زبان دی ہے۔ ہمارا زبان دینا عام بات نہیں ہے"۔ اس کے لہجے میں آنچ آنے لگی۔

ماہین پھر بھی خاموش رہی۔

"ہیلو — وہ آپ بات کر رہی تھیں کہ کمٹ منٹ نہیں ہے۔ پھر کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے آپ شاکڈ ہوں گے"۔ وہ مسلسل ہچکچا رہی تھی۔

"ہیلو"۔ تیمور جل خان کے لہجے سے ظاہر تھا کہ وہ اب کچھ بے چین ہو رہے ہیں۔

"شاید وہ اپنے فیانسے کی شہید ہونے کی خبر سنانا چاہتی ہے"۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

دوسری جانب یکلخت سناٹا طاری ہو گیا۔ ماہین گھبرا اٹھی۔

"ہیلو"۔ اس کی آواز ساتھ ہی ٹوٹ گئی۔ اس سرد خیالی کی آواز ایک دم سہما گئی تھی۔

"جی"۔

"ہماری اور آپ کی گفتگو ہر طرح اور کسی تیسرے کو نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں سمجھ لیجئے۔ یہ دوستی کے حق میں اچھا ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ بھی کو بھی نہیں۔ اوکے۔ خدا حافظ"۔

ماہین بیسیو، ہاتھ میں تھامے گم صم سی بیٹھی رہ گئی۔

"آپ کے پیچھے سے فون آیا تھا بی بی"۔ کلثوم اس پاس ہی سٹنگ لا رہی تھی۔

"ہوں — تم اپنا کام کرو۔ تم نے کیا، بہت کھٹتا ہے؟" وہ الجھے ہوئے انداز میں بولی۔ بات تو ہو گئی تھی۔ مگر وہ بھی بے چین سی ہو گئی تھی۔

"کیا اس نے ٹھیک کیا؟ وردی کے پیچھا پر اعتبار کرنا کہیں مہنگا تو نہیں پڑے گا"۔

"مگر ان کے خلوص پر کیسے شک کیا جا سکتا ہے؟ وہ اگلی دو دن کر یہاں کے طوفان کو محسوس کر رہے ہیں۔ وہ کو دیکھئے بے چین ہو کر بیٹھ گئے ہیں؟"

وہ خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتی واپس ہال میں بیٹھ گئی اور میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی۔

اس کی آنکھ ایکسرسائز کی جا گئی تھیں۔ ساری نے کلاک کی سمت دیکھا بارہ بج کر چند منٹ ہوئے تھے۔ اس نے سائڈ ٹیبل اٹھا کر گود میں ڈالی۔ اور آہستہ سے دروازہ وا کر کے باہر نکل آیا۔

"گیسٹ روم کے دائیں طرف ہے"۔ وہ سنتری نے بتا دیا۔

"وہ اندر کھلا ہوا"۔ وہ سنتری کی ہنکی ہنکی سی آواز آئی۔

وہ اندر داخل ہو گیا۔

"کیسی طبیعت ہے؟"

وہ سنتری آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی۔ اس نے چونک کر بازو آنکھوں سے ہٹا دیا۔ مگر بولی کچھ نہیں۔

"کل صبح میں واپس جا رہا ہوں۔ کیا پیغام دینا چاہیں گی وہاں کیلئے"۔

"اگر تم نے وہاں جا کر بتانا ہے کہ میں یہاں ہوں تو اچھا نہیں ہوگا"۔ وہ غرائی۔

"تو کیا کہا جائے تمہارے بارے میں؟" سارنگ نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں — جب تک میری مرضی نہیں ہوگی وہ کچھ نہیں کہیں گے"۔

"اوہ"۔ ہاری کے منہ سے استعجابیہ انداز میں آواز نکلی۔

"پھر کب تک یہاں رہنے کا ارادہ ہے؟" اس نے کہیں ٹلنے کی کوشش نہیں کی۔

"جب تک کاکا جان چاہیں گے اور معاملات بہتر نہج میں ہو جائیں گے۔ دوسری صورت میں اس مرتبہ ابا جان کو کچھ دن میں ہاتھ ہلوانا ہیں گے تو بھی نہیں ٹلوں گی۔ اب تم بھی جاؤ یہاں سے۔ نہ مجھے تمہاری ضرورت ہے نہ تمہیں میری۔ دیکھنے کی"۔

"پہلے تھی کیا؟" وہ قہر ہوا۔ "بہر حال میں اس وقت آپ سے لمبی چوڑی بات چیت کرنے نہیں آیا تھا۔ آپ کو خبر بہت معلوم کرنا تھی۔ دعا کرتا ہوں وہ مل جو آپ چاہیں یقین کریں۔ مجھے آپ کے دکھ پر خوشی نہیں ہوئی۔

"آپ آرام کریں۔ یہ بھی بہت ہے کہ کاکا جان جیسے لوگ اور سترک آدمی آپ کو سپورٹ کر رہے ہیں۔ شب بخیر۔"

"ہاری"۔ اس نے بے ساختہ آواز دی

"جی؟"

"دیکھو۔۔۔ حویلی جا کر اپنا ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو پھر تم مجھے جانتے ہو"۔ اس نے گویا دھمکی دی۔

"پتا ہے مجھے۔۔۔ اور مجھ سے زیادہ آپ کو کوئی نہیں جانتا۔ یہ بھی پتا ہے۔ اوکے"۔ وہ باہر نکل گیا۔

تیمور علی خان اصلاحی کے آگے بنی بالکنی میں یونہی سگار پینے کی غرض سے آ کھڑے ہوئے تھے اور کچھ سوچ رہے تھے۔ ہاری سے بات کرنے کے بعد تو انہیں مسئلہ سمجھنے میں کوئی دشواری ہی نہیں ہوئی تھی۔ مگر وہ لائحہ عمل ترتیب دے رہے تھے۔ گیسٹ روم کا دروازہ کھلا تو وہ پشت باہر تک آئی اور کمرے سے باہر آنے والے کو پہچانے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

بالکنی کی لائٹ آن تھی۔ وہ فوراً واپس اصلاحی میں چلے گئے۔

اور واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور فوراً بیل بجائی۔ سمندر خان کو ان سے پہلے سونے کی اجازت نہیں تھی۔ فوراً ہی اندر آ گیا تھا۔ "خان"۔

"ہاری کو بھیجو ادھر اصلاحی میں"۔ وہ ہائپر ہو کر بے جا خواہ مخواہ اپنل کرنے لگے۔ ان کے چہرے کے تاثرات لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہو رہے تھے۔

تقریباً پانچ منٹ بعد ہاری اندر داخل ہوا۔

"جی خیریت؟"

"ہاں ہاں۔۔۔ سب خیریت ہے۔۔۔ بیٹھو"۔ انہوں نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"سونے لگے تھے کیا؟" انہوں نے بیکار کا سوال کر کے دھوئیں کے مرغولے بنائے۔

"نہیں تو"۔

"پھر کیا کر رہے تھے؟"

"ریپے کی نام کے اخبار دیکھ رہا تھا۔ عادت ہے سونے سے پہلے پڑھنے کی۔ اور پڑھ لیتا ہوں۔ تھوڑی بہت ہندی بھی آ جاتی ہے اس طرح"۔

"کب تک رہ رہے ہیں تمہارے بھائی؟"

"ابھی پتا نہیں"۔

"پھر پریکٹس کرو گے؟"

"ارادہ ہے۔۔۔ اگر بابا صاحب نے اجازت دی"۔

"تم تو بڑے کام کی چیز بنتے جا رہے ہو۔ وہ کیوں منع کریں گے؟ میرا خیال ہے وہ تمہیں وراثت کا کیلئے بھی سمجھ رہے۔ ہم تمہیں وہ سٹرجن دیکھنا چاہتے ہیں۔ سورنی بھوت کی ضرورت ہوئی تو ہم بیٹھے ہیں ہیں ہاں"۔ انہوں نے ہار مس لگایا۔

"ٹھیک ہے"۔ اس مرتبہ ہاری کچھ اٹک کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ تیمور علی خان نے کبھی اس کی ذات سے متعلق اتنی تفصیل سے گفتگو کی ہو۔

"خیر یہ تو ضمنی سی بات ہے۔ اصل بات کی طرف آتے ہیں"۔

"جی؟" اس بار وہ واقعی پریشان ہو گیا۔

"کل کیا دن ہے؟"

"جی۔۔۔؟ سوموار"۔

"اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے۔ کل تمہارا ناغہ ہے۔ بھی تمہارے لئے ہم نے تمہیں بلایا تھا"۔

کوئی آسمان ٹوٹا تھا اس کے سر پر۔

"جی۔۔۔ کاکا جان۔۔۔؟" وہ اپنی جگہ گم کر رہا تھا۔

"وہ تمہارے بابا علی خان کے ساتھ ہیں اور کچھ پابس۔۔۔؟" ان کا انداز بہت پرسکون تھا۔

"آپ پہلے میری بات تو سن لیں"۔

"سب کچھ سن لیا ہے۔ سارا الزام ایک کمزور لڑکی پر ڈال کر بری ہونا چاہتے ہو؟" ان کا انداز سرد سا ہو گیا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ اگر وہ میری وجہ سے کسی نقصان سے بچ سکتی ہیں تو بڑے سے بڑا نقصان اٹھانے کو تیار ہوں۔ مگر بلیز۔ مجھے اپنے فیصلے کی نہیں تو اپنے"۔ وہ ازحد پریشان ہو رہا تھا۔

"تم خوش نہیں ہو۔۔۔ بابر علی خان کی اکلوتی بیٹی؟"

"اگر خود غرضی سے سوچوں تو اس وقت مجھے بہت خوشی ہونا چاہیے۔ بلیز وہ تک سوچنے ان کا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔ شاید ان کے سارے قریبی رشتے ٹوٹ جائیں۔

چاچی ہوں کی تھی بڑی اداسی لگا لیتی ہے۔ اسے فکر کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ چاہئے۔ اگر ہے تو ہمارے کی
کے بغیر بہت کر لیا ہے اور میں اسے رونے کیلئے کچھ نہیں دے سکتا۔ اگر کسی کی کمی ہے تو وہ ایک
حال ہے۔ وہ ایک زندہ وجود ہے۔ اپنی ذات کی حفاظت کرنے کے اسے اپنا بھی
پسند نہ ہو تو بھی دوسرے اسے نکال نہ سکے۔ کم از کم اب تو وہ اپنی جگہ
ہلکن تھا ہے۔

کچھ کہے کہ کاکا جان یہاں کبھی نہیں۔ کہ کچھ نہیں ہوتے۔ خیر پان کا وہ ایک لے۔

"آپ نے بہت کچھ دیکھا۔ ہم میں کیا نظر آیا آپ کو؟"

وہ کچھ میں آ گیا تھا۔ اور تیسرے دم کے دھوئیں سے وہ غائب تھا۔

"کاش میں کچھ سکتا اس فرق کو سمجھنے کے بعد اس کے ناراض ہوتا ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"السلام علیکم کاکا جان" وہ تیمور علی خان کو اچانک سامنے دیکھ کر بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔

"والسلام۔ یہ شکر کیا تم ٹھیک ہے؟"

"کیا دیکھ رہے ہیں کاکا جان۔ اب تو بچی ہم ہونے والا ہے" وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"اچھا تم آرام کرو اور اٹھو۔ کچھ لوگ اندر آ رہے ہیں"۔

روشی کا دل بیٹھ گیا۔ (کہیں بڑی حویلی سے تو نہیں)۔

"کک۔ کیوں کاکا جان؟" وہ جلدی سے چادر اٹھ کر اوڑھتے ہوئے بوکھلاہٹ سے گویا ہوئی۔

"گھبراؤ نہیں وکیل ہیں۔ قاضی صاحب ہیں۔ نکاح پڑھا جائے گا تمہارا"۔

(یا اللہ۔ کیا مصیبت ہے "ساری دنیا کی خوشی تو مجھ ہو گئی ہے میرے نکاح کی" وہ اٹھ کر آگے بڑھ گئی۔ اس کے دل سے
سے نکلی۔ یہاں بھی وہی

"تمہارا نکاح ہاری کے ساتھ ہو رہا ہے۔ امید ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ پھر بھی اطمینان کا یہ مرحلہ بھی
لازمی ہے"۔

انہوں نے اس کے شانے پر تھپکی دی۔ اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

"آیئے صاحب!"

ہاری نے تصویر کا دوسرا رخ دکھانے کی کوشش کی۔

"یہ بہت مشکل فیصلہ ہے"۔ وہ بڑبڑایا۔

"کاکا بزدل ہو ہاری!"۔۔۔ "انہیں غصہ آ گیا" "تو کی کہیں کی نہیں رہی اس سے زیادہ کیا نقصان ہوگا اس کا"۔

"وہ بہت جذباتی ہیں۔ میں نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی"۔

"تو اسے اس راہ پر لائے کیوں تھے؟" وہ ابھی سے گویا ہوئے۔

"میں نے انہیں کبھی ان کے حوصلے پست ہو جانے کی کوشش نہیں کی اس لئے کہ واقعی وہ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ قابل احترام
تو یہ ہے کہ جنہیں آپ عزیز رکھیں اور تک ان کی بہتری سوچیں۔ صبح آپ میری حالت زار دیکھ ہی چکے ہیں۔ قابل احترام
فرضی کا مظاہرہ کرتا تو بڑی حویلی سے وہ تنہا باہر نکلتیں۔ برا سا تھا اور میری حوصلہ افزائی بھی ان کے ساتھ ہوتی"۔

اس نے اتنی اوٹ پٹانگ دلیل دی کہ تیمور علی خان جیسا "لوہیکل بندہ" چکرا کر رہ گیا۔

"اچھی بات۔۔۔ ہمیں تمہاری بات پسند آئی۔

مگر فیصلہ ہو چکا۔ اب جو بھی مرحلے ہیں وہ تم ہمارے ساتھ طے کرو گے۔ مگر کرنے کی ضرورت نہیں۔ خود ہی
شناسائی۔ یہ معاملہ نمٹ جانے دو۔ باقی تفصیل ہم تمہیں بعد میں بتا دیں گے"۔

ہاری نے بڑی مشکل سے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

سیاہ نائٹ گاؤن میں ملبوس تیمور علی خان کے لب گھنی داڑھی کے اوٹ میں مونچھوں تلے مسکرا رہے تھے۔

"کاکا جان! پھر سوچ لیں"۔

"یہی تو ہمارا مرض ہے۔ بہت ہی فیصلہ کن قسم کے بندے ہیں ہم۔ برفانی علاقوں میں شکار کھیلتے ہیں۔ صرف ایک
جیکٹ پہن کر۔ جوا کبھی نہیں کھیلا مگر زندگی جوا ہی کی طرف گزاری ہے۔ اور ہمیشہ دوسرے ہی کو "ہرا" کرایا ہے۔ ہم کبھی نہیں
ہارے۔ البتہ ایک بازی ضرور ہارے۔ مگر رہے اس طرح جس طرح جیتنے والے رہتے ہیں۔ جیتنے والوں کو خوش نہیں ہونے
دیا"۔

"یہ تو جذباتیت ہے کاکا جان" "لوجیکل" "تو نہیں"۔ اس نے صاف کہہ دیا۔

"یہی تو لوجیک ہے بندہ خدا۔ ہار سے سہم جانے والے پھر عمر بھر ہارتے چلے جاتے ہیں۔ نفسیاتی خوف کا شکار ہو جاتے
ہیں۔ ہم صرف کامیابیوں کو گنتے ہیں۔ خیر۔ تم آرام کرو۔ کل تمہاری زندگی کا اہم ترین دن ہے"۔

ہاری سوچوں کے ایک گرداب میں سے باہر نکلا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ۔۔۔ کس طرح خوش ہو۔ تیمور علی خان اس کی "لیگ" پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ بہت
بڑی بات تھی۔ وہ بھی اس کی ذاتی حیثیت کے بغیر۔ پہلے روشی کو اطلاع دے دی گئی یا صبح کو یہ "ہاں" بتانا ہے گا۔

وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ اتنی بڑی تبدیلی اسنڈی سے خواب گاہ آتے تک۔ اور روشی کو "بی بی" لگانے والے میر سوچ رہے تھے۔

"ہو سکتا ہے بابا صاحب اور یاور بچے کو لیاقت ہی صدمہ ہو۔ مگر ان کے صدمات کا تعلق میری ذات سے ہے۔ ایک جیتی

☆ — ☆ — ☆ — ☆ — ☆ — ☆ — ☆

روشی اپنی جگہ دم بخود بیٹھی رہ گئی۔ یوں لگا جیسے تمام حیات سو گئی ہو۔

ایک کرسی کھینچ کر اس کے بیٹے کے نزدیک کر دی گئی۔

"بیٹھ جاؤ روشانے بنت یاور علی خان! تمہیں حق مہر شرعی ساڑھے بتیس روپے عبدالباری بن عبدالعلی کے نکاح میں آیا ہے۔ قبول ہے؟"

تیور علی خان اس کے برابر میں بیٹھ چکے تھے۔

"بولو روشانے" انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

روشی کو محسوس ہوا جیسے وہ بے ہوش ہو رہی ہے۔

"روشانے"۔ اس نے پھر کاظم جان کی آواز سنی۔

"بولو بیٹی"۔ قاضی صاحب کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

مگر وہ تو جیسے کسی خواب کے عمل میں تھی۔

کمرے میں اس قدر سناٹا طاری تھا جیسے وہاں کوئی نہ تھا۔

"جی ——" وہ جیسے چونک پڑی۔ یوں جیسے ہاتھ آئی چیز واپس چھن جانے کا خطرہ ہو۔

قاضی صاحب نے پھر سابقہ فقرہ دہرایا۔

اس مرتبہ اس نے نسبتاً پرسکون انداز میں "قبول" کہا۔

تیسری مرتبہ وہی الفاظ دہرائے گئے۔ اس بار جیسے اچانک دل و جان سے "جی" کہا تھا۔ اور اس لمحے میں وہ یہ بھی کسی حد تک بھول گئی تھی کہ انکار بھی نہیں کیا تھا۔

"مبارک ہو خان صاحب؟" اس نے قاضی کی آواز سنی۔

ذہن میں ایک دم دھماکا سا ہوا۔ ہیں —— کیا واقعی یہ سب ہو گیا

تیور علی خان نے اسے شانوں سے تھام کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور اس کے سر پر آہستگی سے ہاتھ رکھ دیا۔

گویا ایک دم سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ ایک دم بے اختیار سی ہو کر رو پڑی تھی۔ جانے کیا کچھ ایک دم کی صورت اس کی نظروں کے سامنے متحرک ہو چکا تھا۔

تیور علی خان اس کی پشت تھپتھپانے لگے۔ اور وہ بے ہوش ہو کر ان کی آغوش میں جھول گئی۔

باری باتھ روم میں کھڑا زندگی میں پہلی بار آنے والی اور سر سے پاؤں تک ہلا دینے والی تبدیلی پر گہرائی سے سوچ بچار میں مصروف تھا۔

وہ پچھلا کھانا مہمانوں کے ساتھ کھاتے ہوئے اس نے بے ساختہ سوچا تھا۔ آج اس اہم ترین دن —— اس نے کھانا کیسے کھایا ہوگا؟

بالآخر اسے بہت خوش ہونا چاہیے کہ اس انداز کی خوشی اس نے خدا سے مانگی تھی۔

"اچھا —— تم یہاں کھڑے ہو۔ کہتے ہیں واپسی کا ارادہ ہے؟" تیور علی خان اچانک اس کی پشت پر آ کھڑے ہوئے تھے۔

"بس —— ابھی اسی وقت —— آپ کے اطمینان کا انتظار کر رہا تھا"۔ اس نے سابقہ انداز میں گفتگو کی۔

"ہاں انتظام کے بارے پوچھ تو رہے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں کسی ہدایت یا تاکید کی ضرورت تو نہیں؟" وہ سگار کا دھواں اڑا رہے تھے۔

باری خاموش رہا۔

"ہاں وہ —— اگر تم جانے سے پہلے روشانے سے ملنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ کپڑے وغیرہ میں نے اس کے بھجوا دیئے تھے۔ کچھ بازار سے اگلی سرجہ —— تم آؤ اور اپنی طرف سے کچھ لانا چاہو تو مرضی ہے تمہاری —— اوکے؟" وہ اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر واپس پلٹ گئے۔

باری نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر ریلنگ پر بازو ٹکا کر جھکنے کے انداز میں گیسٹ روم کا نشان زدہ دروازہ دیکھا۔ اس کی

آنکھوں میں شریر سی چمک در آئی تھی۔

"کاکا" "آپ آپ" کرتا رہا تھا مگر فوراً ہی — ایک دم سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ سفید براق شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔

"کیا ایسے ہی خیال تھا؟" اچانک اسے خیال آیا۔ "تم کون سا سب کچھ پاکستان سے لاتے ہو اور نہ ہی "وہ" تمہارے لئے کچھ بھیجتی ہے۔"

تجوری سے نوٹ نکال کر کے وہ پلٹا آیا تھا۔

آج اس کی چال کا انداز ہی کچھ اور تھا۔

اس نے بہت آہستگی سے دستک دی تھی۔

جانے کتنی دھول مٹی اتار کر وہ اسی دم باتھ روم سے برآمد ہوئی تھی۔ سرخ کرتا شلوار کی میچنگ زرد رنگ کی اوڑھنی میں وہ خود کو بالکل تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔ اس کے باوجود گھٹنوں سے ایک اضطرابی کشمکش جاری تھی۔

اس نے بیڈ پر پڑا اسرائیلی پیپر اٹھا کر گلے میں ڈالا۔ گیلے بال تولیے میں لپیٹے ہوئے تھے۔

"ہوں"۔ اس کا خیال تھا اسفندیار خان چائے لے کر آیا ہوگا۔

ہاری دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

دھک — وہ سامنے کھڑی دیکھ رہی تھی۔ اس نے بے ساختہ سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ جیسے دل کہیں نکل کر بھاگ جانا چاہتا ہو۔

خوامخواہ ہی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ اندازہ کرنے کی بالکل ہی نہیں آئی تھی کہ اس طرح کا وقت بھی زندگی میں آ جائے گا۔

"السلام علیکم"۔ ہاری کی شریر آواز اس کے کانوں میں آئی۔

وہ خاموش رہی — بولا ہی نہیں گیا۔ بس یکلخت دھیان آیا "کہ وہ چادر درست کر لینا چاہیے۔

ہاری کو اسے اس انداز میں دیکھ کر بہت لطف آ رہا تھا۔

"مسلمان سلام کا جواب دے کر بہت سا ثواب حاصل کرتے ہیں"۔ اس کے لہجے میں بلا کی شرارت تھی۔

اس نے ہاری کی طرف سے "توبہ" کر لی "دے دیا ہے دل کی دل میں"۔ اسے اپنی حالت اور احساس بے بسی پر بے حد غصہ آ گیا۔ اسے اپنی مظلومیت بالکل بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

"کاش باقی سب کچھ بھی دل میں کر لیا کریں۔ کم از کم اتنی تکلیف تو نہ اٹھائیں"۔ وہ کرسی کی طرف بڑھا۔

"بیٹھ سکتا ہوں؟"

"مجھے پتا نہیں"۔ وہ فطری حیا کے ہاتھوں مجبور ہو گئی تھی کہ ہر تعلق کچھ مخصوص احساسات کا طرفدار ہوتا ہے۔

"یعنی — سیدھا سیدھا مطلب ہے بیٹھ جاؤ"۔ وہ باز نہیں آ رہا تھا۔ وہ بادلِ نخواستہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ "کاکا" کے بال تولیے سے آزاد کرنے لگی تھی۔

"پتا نہیں یہ کیا ہے۔ میں نے تو اس کے سامنے کبھی کسی بات کی پروا نہیں کی۔ آج بال جھٹکنا عجیب لگ رہا ہے۔ لگ رہا ہے

جیسے وہ بھی محسوس کر رہی تھی۔ اس نے بڑی سے بال جھٹکنا شروع کر دیے۔ [illegible] جانے سوچ واپس کمرے میں آ گئی۔

"شکر ہے آپ نے مجھ پر یہ طویل مشقت کا دورانیہ کم کر کے مجھے آزاد کر دیا۔ [illegible] ہاری نے کب اور کیسے باتوں میں ملاقات کر لی"۔

ہاری کے سامنے ہاری کا بالکل ہی انداز تھا۔ وہ چپ چاپ بالوں میں برش چلاتی رہی۔ اس نے ایک بار بھی ہاری کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"کول ہیبت ہے نہیں ہوگی آج — کوئی بھولی سوئی نہ ڈالی"۔

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بہت اطمینان سے بیٹھا تھا۔ اس کا لہجہ بہت سہل تھا۔ آواز بہت میٹھی تھی۔

اس کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی تھی۔ اس کے اس انداز پر۔

"ہاری"۔ اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

"زہے نصیب"۔ وہ جھکا، بولا۔

"تم جاؤ یہاں سے"۔ اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"اپنے تو نہیں جا سکتے" "تو نہ" میں الفاظ پر سخت ٹوٹ ہیں۔ کام نامکمل ہو رہا ہے۔ چھوڑ دیا [illegible] کسی طرح؟"

"مجھے نہیں پتا — پلیز ہاری — مجھے تنگ نہیں کرو"۔

"آپ نے مجھے اتنا تنگ کیا۔ میں نے کبھی آپ سے کہا؟" وہ بدستور شریر انداز میں کہہ رہا تھا۔

"سوچ لیجئے خود بھگت رہی ہیں۔ پتا نہیں اب کب آئیں۔ ویسے کبھی دیکھنے کو بھی چاہے تو پتا نہ لگوا دیجئے گا۔ شیر خان تو جاتا رہتا ہے"۔ وہ سرگوشی سے ذرا بلند ہو کر پہلی آواز میں مخاطب ہوا۔

"اوئے ہوئے — یہ آج آپ کو ہو کیا گیا ہے — ؟" اسے آج اس کی حالت دیکھ کر بہت لطف آ رہا تھا۔

"ہاری — :" وہ تو اسے یوں بھی آگے جا رہا تھا۔ وقتے وقتے سے، وہ بھی جاری تھی۔ پھر وہ شروع کر دیا۔

ہاری ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپے کھڑی تھی۔ وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے نزدیک چلا آیا۔ اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ آنسو ایک قوس سے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

اس نے ایک ہاتھ میں اس کے دونوں ہاتھ تھامے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کی پوروں سے اس کے اشک صاف کئے۔

"دوستانے! صرف اور صرف اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں، آپ کو دکھوں اور اذیتوں سے بچانے کی خاطر بہت کچھ کیا گیا۔

مگر اب جب یہ سب کچھ ہو ہی گیا ہے تو آپ کی مشقت کے دن ختم ہو گئے۔ اپنے دل سے آپ کے بھیجے کے سارے بوجھ اب صرف میری امداد ہیں۔

آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ بالکل ریلیکس رہیں۔

اب بالکل بھی نہیں رہا"۔

روشی کو سانس لینے کی قربت بہت محسوس ہونے لگی۔ وہ اس کی گرفت سے اپنے ہاتھ چھڑانے لگی۔

"میرے ہاتھ کی لکیریں تو بالکل خالی ہیں"۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں روشی کے دونوں ہاتھ تھے۔

"ابھی میں دلہن نہیں ہوں"۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے ساری سے کہا۔

"پھر کب ...؟" اس کے لہجے میں عجیب سی آنچ تھی۔

"ہاری"۔ وہ پھر روہانسی ہونے لگی۔

"اچھا پلیز حرکت نہیں کرتے"۔ ہاری نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ "اچھا خدا حافظ"۔ وہ تیز تیز چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کتنا بڑا تھا اس کے ہاتھوں میں ... اس کے دبیز اور نرم ہاتھوں پر سرخی پھیلنے لگی تھی۔ دل کی دھڑکنوں میں ہلچل سا ہونے لگا تھا۔

"کیسا ہے ... کہتا تو نہیں تھا"۔ چہرے پر حیا کا طلسم بکھر رہا تھا۔

اس نے خود کو آئینے میں دیکھا اور خود کو بہت اچھی سی لگی۔

ہاری کی جیپ اندر داخل ہوئی تو منتظر کنول ماہین دروازے سے ہٹ کر بڑی تیز تیز چلتے ہوئے باہر آئی۔ مگر برآمدے پر رک کر سوچنے لگی۔ ضروری تو نہیں ہاری ہو کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔ ابھی وہ اپنے خیالات میں الجھی ہوئی تھی کہ ہاری سامنے آ گیا۔

"السلام علیکم"۔

"وعلیکم السلام۔ شکر ہے تم آ گئے۔ سرائے گئے ہوئے تھے ناں؟ کل دراصل میں ہری پور چلی جاؤں گی اس لئے تمہارا انتظار کر رہی تھی"۔ وہ بہت دھیمی آواز میں بات کر رہی تھی۔

"خیریت؟" ہاری کی ساری ترنگ حیرت میں بدل گئی۔

"وہ ... بات یہ ہے کہ تم سرائے ہی میں تھے اور تیمور علی خان کا فون میرے لئے آیا تھا"۔

وہ یوں کہہ رہی تھی جیسے اس سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہو۔

ہاری گڑبڑا کر رہ گیا۔ (کیا انہیں باخبر کر دیا گیا۔؟)

"کیا ... مگر آپ کیلئے کیوں ...؟" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بظاہر ماہین کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"روشی کے سلسلے میں بات کر رہے تھے کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی؟ مجھے ضرور علم ہو گا ... اگر نہیں ہے تو وہ تم سے شادی پر رضامند کیوں نہیں ہے؟ آیا کسی کو پسند کرتی ہے؟"

"پھر ...؟" ہاری بری طرح الجھ گیا تھا۔ اسے ماہین کا سوال سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"اور یہ بھی وہ [illegible] کے بارے میں جانتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے اس طرح کہا ہے جیسے میں ان کا [illegible] ہوں"۔ ہاری کی دلچسپی اپنے عروج پر تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا جیسے وہ گل رخ سے اپنا [illegible] ہے۔

"میں پھر انہوں نے فون بند کر دیا۔ مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔ کہ یہ سب سے کیا کل تھا۔ کیوں تمہیں کوئی [illegible] ہے آپ نے۔ یہ تو اصل میں تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ روشی کو تو کوئی اور پسند ہی نہیں ہے"۔ وہ بہت ٹوٹے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"وہ ..." ہاری نے اطمینان کا سانس لیا۔ روشی سے متعلق وہ سوال کرنا چاہتا تھا جو کہ اس سے [illegible] تھا کہ ماہین خود ہی [illegible] ہے اور وہ بلیل زمست میں روشی کی خیریت پوچھتی۔

وہ خود کو ہلکا پھلکا کرنے کیلئے بس بھی پڑھتا کہ اسی کے متعلق کیا کہہ رہے تھے۔ اب تو یہاں بھی وضاحت ہو گئی تھی۔

"تم نے کوئی بات نہیں کی انہوں نے اس طرح کی۔ ...؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"کس طرح کی ...؟" ہاری نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کنٹرول کی۔

"وہ میں ان سے کہہ چکی ہوں"۔ وہ نہایت سادگی سے بولی۔

"انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ بلکہ انہوں نے بتایا کہ میں خود کو ہی آئی پی ایل کہہ رہا تھا"۔

"کیا ...؟"۔ ماہین کو جیسے یقین نہیں آیا۔

"میں ان سے کہہ چکی ہوں ...؟" اس کا لہجہ نہایت شکستہ تھا۔

"ہی از اے جینئس مین۔ تھینکس"۔ ماہین کی جان میں جان آئی۔

"آپ کی ہیں ان سے؟" ہاری کا انداز یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"نہیں ... کل انہوں نے خود اپنا تعارف کرایا تھا۔ وہ تو شاید ہماری شادی میں بھی شریک نہیں تھے۔ اور میں نے انہیں کبھی آتے بھی نہیں دیکھا۔

وہ ناراض تھے۔ شکوے کیوں رکھتے ہیں خود کو ... کم از کم مجھ سے ایک بار تو ملنا چاہیے تھا۔؟"

"وہ زیادہ تر سفر میں رہتے ہیں۔ عمر کا زیادہ حصہ انگلش سوسائٹی میں گزارا ہے یہاں وہاں والوں سے ان کی ہم آہنگی نہیں ہو سکی۔ فون کے ذریعوں سے چونکہ وہ رابطہ کرتے رہتے ہیں اس لئے اس لائن سے ہیں۔ اور تو کوئی بات نہیں"۔

ہاری نے اگلی لائن کی کلک بجھاتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا۔

"مگر وہ صاحب ... ہی از اے ایسٹ پرسنالٹی اینڈ ریئل گڈ مین۔ کم آف ہم اس سے اٹس ورتھ سٹیٹ لگ ہونا چاہیے"۔ اگلے نے اپنی رائے دی۔

"...ی ہوا تو چاہیے۔ اور میرا خیال ہے کہ ہے بھی۔ ابھی آپ اندر سے لگائے ہیں ہوا کی نہ لیں۔" اس نے نرمی سے احتیاط سے بات کی۔

"آپ سے بات کون بدتمیزی کرے گی؟" مائرہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ آپ کہیے"۔ وہ ایک دم سمارٹ ہو گیا بالکل چوکس۔

"خیر ایک سب کوئی آپس میں شائستہ کرتا ہے تو میں سمجھ جاتی ہوں کہ مجھے آپ سمجھا رہا چاہیے"۔ مگر یہ سب وہ قطعاً ہرگز نہیں ہوں۔

نہیں وہ — مجھے لہجہ بہت دکھ سا محسوس سا ہو رہا ہے کہ کہاں تو تمہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس کو بھی آج اپنے حواس میں اتنے محو اور مگن ہو کر یہ بھی یاد نہیں کہ رضی اندر آیا ہے"۔ مائرہ کے لہجے میں بہت الجھن تھا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ آپ لوگوں کی خاطر بھی ہم گھر کے مردوں کو اپنے اعصاب کنٹرول کرنا چاہئیں۔ یہ بڑی اہم بات ہے۔

پلیز آپ آرام کیجئے۔ پھر آپ کو صبح لمبا سفر کرنا۔ ویری گڈ نائٹ"۔

وہ اس کے پاس سے تیزی سے گزر گیا۔

اور وہ کھڑکی پہ سوچ رہی تھی۔ کہ اس کو اس جھگڑے سے کیا کچھ اخذ کرنا چاہیے جو کہ نہایت بے ہودہ اور بے ہم تھی۔

"دیکھو آیا — تمہارا پیچھا اوپر تو سے گر جائے گا"۔

بالو کی جان سول پر لٹک رہی تھی۔ بچہ آہنے سامنے کی برتھوں کو اس طرح استعمال کر رہا تھا۔ جیسے فرش پر چل رہا ہو۔ ہر بار بالو کو یوں محسوس ہوتا تھا۔ کہ اب آیا نیچے گرا تب۔

"کیا آیا آیا گر گیا ہے۔ میری عمر کی ہو بہن۔ جہاں آدھا ہم ہے میرا۔ باز نہیں آئے گا۔ بعد الیا بچہ کے بچوں"۔

"یہ آپ کی لڑکی بار بار کھڑکی سے باہر سر نکال رہی ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے"۔ بچل نے کمسن کے پاس سے ہو کر گزرتی گھنی جھاڑیوں کے قریب سے تو واقعی بالو کا دم خشک ہو جاتا۔

"سنے گی نہیں — کی بچی (موٹی سی گالی)"۔ بالو کی نشہ تیز ہی عورت کو چھلا ہوا کیونکہ غصہ آ گیا۔

تیسری بچی گھومنے سے لمبے بیت کا ل فراک میں ملبوس بالو کی گود میں پہنچ گئی۔

"میں بھی باہر دیکھوں گی"۔ دوسری لڑکی کے سامنے بالو کی حیثیت تھی۔

"اندھیرا ہو رہا ہے کیا دیکھے گی؟ تیرا باپ ناچ رہا ہے باہر۔ بچل تو پیچھے ادھر آ کر بیٹھ"۔ عورت نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے بچی کو نکالے اور پہلے سے فرش پر بیٹھے ہوئے بچوں کے درمیان گھسیڑ دیا۔ مزید سوتی ناکے۔

"یہ بڑا خیال شاپنگ بیگ ہے۔ آپ پچھلے اس میں ڈال لیجئے"۔ بالو نے بتایا۔

"بہن! ہم نے تو جیسے تیسے گزارے ہیں تم شاید یہاں رہنے آئی ہو پاپا کے بل کا ساتھ لے کر جاؤ گی"۔ بالو

نے کہا۔ بالو کی جان میں جان آئی۔

"چائے والا۔ گرم چائے"۔ ایک آواز پانچ سات کھڑکیوں کے سامنے چائے کی کیتلی کے ساتھ گزری۔ بالو نے کہا۔

"چائے والا آئے گی"۔ لال فراک والی بچی بڑبڑائی۔

"چائے — میں بھی"۔ فراک نے بھی ہوا سے اڑتے ہوئے بالو کے بالوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"چپ کم بختوں — نشہ ٹوٹا جا رہا ہے بچیوں کا"۔ چائے والے نے زور کر (مائرہ نے صفحہ کھولا تھا) [illegible] اندازہ کیا۔ کھڑکیوں پر نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

بچی بالو کی گود سے اتر کر فرش پر لوٹنے لگی۔ "چائے پیوں گی"۔ حالانکہ تھوڑی دیر قبل ہی سب بچے بسکٹ کھا چکے تھے۔ پانی کر رہے تھے۔

"اللہ رکھے کہ لگاؤں دو — ؟" اس نے بچی کی چاک منہ میں ڈال کر دیکھیں نکالیں۔ بچی کا صرف "دانت" ہی ابھرا تھا۔ اور بچی ڈھیٹ تھی۔ لہٰذا مطمئن ہو گئی۔

بچی کی دیر یں سے اعصاب ٹوٹنے لگے۔ اس نے بے چارگی سے اطراف میں نظر دوڑائی۔ وہ تین فیملیز تھیں اور بیچ بیچ میں اکا دکا سنگل بوڑھی عورتیں بھی بالو کی طرح بچی کی دیر یں سے عاجز نظر آ رہی تھیں۔

"لے دو ان سے چائے۔ اماں تو سو رہی ہے (پھنسا ہوا ہے)۔ شوہر نے" ایک پٹھانی سے برداشت نہ ہوا۔

"تم نے پیدا نہیں کئے یا بے اولاد ہو — بچے کا ذکر نے ہی ہیں اس طرح"۔ عورت پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

"خانہ خراب — !" پٹھانی بڑبڑا کر رہ گئی۔

"آپ کو ہر جائیگے؟" بالو نے ماحول کے اثر سے نکلنے کی خاطر پٹھانی سے بات چیت شروع کر دی۔ حالانکہ محسوس سے ساتھ جھلی تھیں۔ مگر "جوس آر اینڈ کو" نے وہ آفت مچائی ہوئی تھی کہ الامان۔

"نو شوہر بھائی"۔

"اور بچے — ؟" اس نے دوسری پٹھانی کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ اماں کی بہن ہے۔ ہم دونوں کا شادی ایک ہی گھر میں ہوا ہے"۔

"آپ سسرال جا رہی ہیں؟" بالو نے بات بڑھائی۔

"اماں سسرال ٹھیک۔ سب لوگ شوہر میں ہے۔ اماں سمر کراچی میں فروٹ کا کام کرتا ہے"۔

"پھر تو بڑی آمدنی ہو گی۔ فروٹ والے تو منڈی سے اصل ریٹ پر بیچتے ہیں۔ ویسے اتنا منافع بھی جائز نہیں۔ رازق خدا ہی ہوتا ہے ایک طرح سے"۔ جہاں آرا بیچ میں بول پڑی۔

"حرام خور تو ہم کو لگتا ہے — کیسا اپنا مردہ کا پیسہ بھیجتا اے" جو بچہ مانگتا اے" جو بچہ نہ ہے۔ اماں سمر (فخر الدین) — ہم پہ ارش میں کام کرتا ہے"۔

"تو نے مجھے حرام خور کہا۔ سور خور کی قوم سے ہے اور مجھے حرام خور کہتی ہے۔ مردہ کہا تو ہی اپنے باپ کو پہلے سے۔ لعنت

"ہو ... !" ماجین نے ہونٹ بھینچ کر خواب گاہ کے بند دروازے پر نظر ڈالی۔

"بی بی جی؟"

"سرسوتی کو بھیجو میرے پاس۔ ابھی۔" ماجین اسے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ صاحب کے آنے سے پہلے اسے بہت کچھ سوچنا تھا۔ یہ صبح کی بات تھی۔

تھوڑی دیر بعد سرسوتی نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ"۔

"بی بی جی"۔

"سرسوتی مجھے صوبہ کے پاس جانا ہے"۔

"ہاں بی بی ... نے فیصلہ ... (تو پھر چلو)" وہ مستعد ہو گئی۔

"ابھی نہیں۔ ابھی تو سب جاگ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آنا۔ میں اسے میں بیٹھ کر اپنے کپڑے ٹھیک کر لوں۔ تم نے بہت خوش سے بتایا ہے"۔

سرسوتی واپس چلی گئی۔ ماجین سوچے کیس میں کپڑے رکھنے لگی۔

اس کے چہرے پر اتنے سوال بکھرے ہوئے تھے کہ متوانی پر چڑھا ہوا تھا۔

وہ دل کی پوری جانے سے پہلے چند سوالوں کے جواب چاہتی تھی۔ جس نے اس کو الجھن میں مبتلا کر رکھا تھا۔

اس نے کپڑے رکھنے کے بعد اور دوسری ضروری چیزیں بھی رکھیں۔ ایک خاصا بڑا ٹرنک ہو گیا تھا۔

پھر سرسوتی آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں کھجور کی بانس تھی جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔

وہ آف وہائٹ ساڑی میں چادر اچھی طرح اوڑھ کر سرسوتی کے ساتھ چل پڑی۔ اور عقبی راستے سے گزر کر صوبہ کے کمرے تک پہنچ گئی۔

سرسوتی نے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

ماجین نے خود آگے بڑھ کر دروازہ دھکیلا۔ کمرا خالی تھا۔

"شاید باتھ روم میں ہے؟"

"تساں بیٹھ جاؤ۔ میں آتی"۔ سرسوتی باسکٹ رکھ کر باہر چلی گئی۔

ماجین کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور انتظار کرنے لگی۔

سرسوتی فوراً ہی صوبہ کو لے کر آ گئی تھی۔

"کہاں تھیں؟" اس نے مسکرا کر صوبہ سے دریافت کیا۔

"واش ... اپنی بے جوڑ سہیلی کے پاس۔ لگتا ہے آپ کا بھی دل لگ گیا ہے ہمارے گروپ میں"۔ صوبہ اس کے پاس

"نہیں ... دراصل مجھے اس عورت سے ملنا ہے جس کا بیٹا عمران سا ہم ہے اور میری بہن کے لیے کی عورت ہے

تیری شکل پر"۔

جہاں آرا نے زیر دست" بھرا دیا۔

"کس پر لعنت بھیجتا ہے۔؟" پٹھانی نے آگے بڑھ کر جہاں آرا کو گریبان سے پکڑ لیا۔

بالو کی طبیعت اندر کسی زاویے سے مطمئن ہوئی کہ اب ملاپ ہے اس جہاں آرا کی پٹائی کروا دیں۔ پٹھانی کو بھی لعنت بھیجتا ہے۔

مگر جب دونوں طرف سے ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔ اور بچوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تو وہ زیادہ سہم گئی۔ دوسری خواتین بھی بالکل خس بجھی ہوئی تھیں۔ بلکہ دوسرے کیمپ کی خواتین نے بھی آ کر جہاں آرا کو پٹھانی سے الگ کر کے بچاؤ کرائے تھے۔

پٹھانی نے ایک ہاتھ سے اسے پرے دھکیل دیا۔ وہ دھپ سے سیٹ پر جا گری۔

دوسری پٹھانی نے کھڑے ہو کر دونوں کو الگ الگ کیا کہ وہی کر سکتی تھی۔

"چوڑو (چھوڑو) اس کو لعنت کرو دیئو (بیٹھو) آرام سے"۔ اس نے اپنی بہن کو سیٹ پر بٹھایا۔

جہاں آرا کالی سے نوچی ہوئی چوڑیاں جھاڑنے لگی۔ اس کے روکھے بال جھاڑ جھنکاڑ بن چکے تھے۔ بالو سہم کر ماں کے قریب آ بیٹھے تھے۔

تھوڑی دیر کو وہاں سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ صرف ٹرین کی چھک چھک سنائی دے رہی تھی۔

"تم پشاور جا رہی ہو۔؟" اردو اسپیکنگ بڑی بی نے بالو کو مخاطب کر کے خاموشی توڑی۔

حالانکہ ابھی وہاں "جنگ" کا ماحول طاری تھا۔ دونوں حریف گاہے گاہے ایک دوسرے کو خونی نظروں سے دیکھ لیتی تھیں۔

"ٹکٹ"۔ والا گھبرا تھا۔ پشاور سے تمہاری منزل دور پڑے گی۔ اس سے پہلے کسی اسٹیشن پر اتر کر اس بچوں اور سامان لے لینا۔

پشاور سے پہلے کیا کیا آتا ہے؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔ بڑی بی تعجب سے بالو کو دیکھنے لگیں۔

"لو شیرو ... حسن ابدال۔ اٹک"۔

"ہاں ... ہاں ... میں حسن ابدال اتروں گی"۔ اس نے بڑی بی کو بیچ میں روک دیا۔

"پہلی مرتبہ جا رہی ہو ..." بڑی بی پیچھے ہوئی تھیں۔

"لگتا ہے یہ تو ریل گاڑی میں ہی پہلی مرتبہ بیٹھی ہے"۔ جہاں آرا نے گدھے کے کان اینٹھے جانے کی کہ کر بیٹا کہ "اس کی ماں نے۔

دانش مند بڑی بی نے ہاتھ "انڈو دیئو" موقوف کر دیا۔

"ہو ... !" ماجین نے ہونٹ بھینچ کر خواب گاہ کے بند دروازے پر نظر ڈالی۔

"بی بی جی؟"

"سرسوتی کو بھیجو میرے پاس۔ ابھی۔" ماجین اسے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ صاحب کے آنے سے پہلے اسے بہت کچھ سوچنا تھا۔ یہ صبح کی بات تھی۔

تھوڑی دیر بعد سرسوتی نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ"۔

"بی بی جی"۔

"سرسوتی مجھے صوبہ کے پاس جانا ہے"۔

"ہاں بی بی ... نے فیصلہ ... (تو پھر چلو)" وہ مستعد ہو گئی۔

"ابھی نہیں۔ ابھی تو سب جاگ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد آنا۔ میں اسے میں بیٹھ کر اپنے کپڑے ٹھیک کر لوں۔ تم نے بہت خوش سے بتایا ہے"۔

سرسوتی واپس چلی گئی۔ ماجین سوچے کیس میں کپڑے رکھنے لگی۔

اس کے چہرے پر اتنے سوال بکھرے ہوئے تھے کہ متوانی پر چڑھا ہوا تھا۔

وہ دل کی پوری جانے سے پہلے چند سوالوں کے جواب چاہتی تھی۔ جس نے اس کو الجھن میں مبتلا کر رکھا تھا۔

اس نے کپڑے رکھنے کے بعد اور دوسری ضروری چیزیں بھی رکھیں۔ ایک خاصا بڑا ٹرنک ہو گیا تھا۔

پھر سرسوتی آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں کھجور کی بانس تھی جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔

وہ آف وہائٹ ساڑی میں چادر اچھی طرح اوڑھ کر سرسوتی کے ساتھ چل پڑی۔ اور عقبی راستے سے گزر کر صوبہ کے کمرے تک پہنچ گئی۔

سرسوتی نے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

ماجین نے خود آگے بڑھ کر دروازہ دھکیلا۔ کمرا خالی تھا۔

"شاید باتھ روم میں ہے؟"

"تساں بیٹھ جاؤ۔ میں آتی"۔ سرسوتی باسکٹ رکھ کر باہر چلی گئی۔

ماجین کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور انتظار کرنے لگی۔

سرسوتی فوراً ہی صوبہ کو لے کر آ گئی تھی۔

"کہاں تھیں؟" اس نے مسکرا کر صوبہ سے دریافت کیا۔

"واش ... اپنی بے جوڑ سہیلی کے پاس۔ لگتا ہے آپ کا بھی دل لگ گیا ہے ہمارے گروپ میں"۔ صوبہ اس کے پاس

"نہیں ... دراصل مجھے اس عورت سے ملنا ہے جس کا بیٹا عمران سا ہم ہے اور میری بہن کے لیے کی عورت ہے

تیری شکل پر"۔

جہاں آرا نے زیر دست" بھرا دیا۔

"کس پر لعنت بھیجتا ہے۔؟" پٹھانی نے آگے بڑھ کر جہاں آرا کو گریبان سے پکڑ لیا۔

بالو کی طبیعت اندر کسی زاویے سے مطمئن ہوئی کہ اب ملاپ ہے اس جہاں آرا کی پٹائی کروا دیں۔ پٹھانی کو بھی لعنت بھیجتا ہے۔

مگر جب دونوں طرف سے ہاتھا پائی شروع ہو گئی۔ اور بچوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تو وہ زیادہ سہم گئی۔ دوسری خواتین بھی بالکل خس بجھی ہوئی تھیں۔ بلکہ دوسرے کیمپ کی خواتین نے بھی آ کر جہاں آرا کو پٹھانی سے الگ کر کے بچاؤ کرائے تھے۔

پٹھانی نے ایک ہاتھ سے اسے پرے دھکیل دیا۔ وہ دھپ سے سیٹ پر جا گری۔

دوسری پٹھانی نے کھڑے ہو کر دونوں کو الگ الگ کیا کہ وہی کر سکتی تھی۔

"چوڑو (چھوڑو) اس کو لعنت کرو دیئو (بیٹھو) آرام سے"۔ اس نے اپنی بہن کو سیٹ پر بٹھایا۔

جہاں آرا کالی سے نوچی ہوئی چوڑیاں جھاڑنے لگی۔ اس کے روکھے بال جھاڑ جھنکاڑ بن چکے تھے۔ بالو سہم کر ماں کے قریب آ بیٹھے تھے۔

تھوڑی دیر کو وہاں سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ صرف ٹرین کی چھک چھک سنائی دے رہی تھی۔

"تم پشاور جا رہی ہو۔؟" اردو اسپیکنگ بڑی بی نے بالو کو مخاطب کر کے خاموشی توڑی۔

حالانکہ ابھی وہاں "جنگ" کا ماحول طاری تھا۔ دونوں حریف گاہے گاہے ایک دوسرے کو خونی نظروں سے دیکھ لیتی تھیں۔

"ٹکٹ"۔ والا گھبرا تھا۔ پشاور سے تمہاری منزل دور پڑے گی۔ اس سے پہلے کسی اسٹیشن پر اتر کر اس بچوں اور سامان لے لینا۔

پشاور سے پہلے کیا کیا آتا ہے؟" اس نے سادگی سے پوچھا۔ بڑی بی تعجب سے بالو کو دیکھنے لگیں۔

"لو شیرو ... حسن ابدال۔ اٹک"۔

"ہاں ... ہاں ... میں حسن ابدال اتروں گی"۔ اس نے بڑی بی کو بیچ میں روک دیا۔

"پہلی مرتبہ جا رہی ہو ..." بڑی بی پیچھے ہوئی تھیں۔

"لگتا ہے یہ تو ریل گاڑی میں ہی پہلی مرتبہ بیٹھی ہے"۔ جہاں آرا نے گدھے کے کان اینٹھے جانے کی کہ کر بیٹا کہ "اس کی ماں نے۔

دانش مند بڑی بی نے ہاتھ "انڈو دیئو" موقوف کر دیا۔

—اور — پھر کیا وہ سو گئی؟"

ماہین نے بات ادھوری چھوڑ کر سوال کیا۔

"نہیں — اس بے چاری کو نیند کہاں۔ اور وہاں بیٹھنے کی جگہ کہاں۔ ایسا کرتی ہوں اسے بھیجا دیتی ہوں۔ ابھی منٹ"۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

ماہین سامنے لگی پینٹنگ کو خیال خیال نظروں سے دیکھنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد دھیرے دھیرے کھٹکنے کی آواز آنے لگی۔ دکھ سے ماہین کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"السلام علیکم"۔ عورت نے اندر قدم رکھتے ہی سلام کیا۔ اور وہ قدم آگے آ کر کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"وعلیکم السلام" "ادھر اوپر بیٹھ جاؤ"۔ ماہین نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا سمجھ رہی ہیں آپ — غلام زادی ہوں نام پر نہ جائیں۔ آپ نے سنا نہیں۔ آنکھ سے اندھے دام نہیں ٹکے پر جھومر بی بی ہیں جو کہنے کے باوجود فرق مٹا کر بات کرتی ہیں۔ کہتی ہیں۔ میں تم ہی میں سے ہوں۔ حالانکہ اللہ سے ڈرتے تو ہماری مالکن ہی ہو گئیں"۔

انسانوں کو ترسی عورت بغیر سانس لئے بولتی چلی گئی۔

"آپ نہیں ٹھہریں"۔ ماہین نے جھومر کی طرف دیکھا۔

"کہاں تو نہ کہیں بھیجے"۔ وہ باسکٹ سے چیزیں نکالتے ہوئے سر ہیت کر گویا ہوئی۔ ماہین تو ایک لمحے کو ڈر ہی گئی۔

"وہ شی بی بی کا پتا چلا؟" عورت کو کتنی دلچسپی تھی حویلی کے معاملات سے۔

"نہیں"۔ ماہین نے دکھ سے کہا۔

"بے چارے یار خاناں"۔ عورت کے لہجے میں بھرپور تاسف تھا۔

"کیا مطلب 'بے چارے'؟" ماہین نے کھوجنے کے انداز میں اس کا چہرہ دیکھا۔

"مطلب یہ کہ ان کی ایک ہی تو بیٹی تھی"۔

"ہے"۔ ماہین نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔ دل ہول کر رہ گیا۔

"مجھے سب پتا ہے۔ میں کچھ نہیں بھولی"۔ سلمیٰ کی آواز بھرا گئی۔

"مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ بہت بھروسا کرتی تھیں' کہتی تھیں' سلمیٰ تیری شکل کتنی پیاری ہے۔ میں بہت حسن پرست ہوں۔ تو صورتی کے بیچ رہوں تو خوش رہتی ہوں۔ آس پاس حسن نظر نہ آئے تو یوں ہو جاتی ہوں جیسے بھری ہری بھری خوبصورت گھاس بڑی تھیں۔ وہ بہت خوش رہتی تھیں۔ بہت ہنستی تھیں"۔

سلمیٰ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ماہین' جھومر اور سرسوتی تینوں پریشان اسے دیکھنے لگیں۔

"آپ کو پتا ہے ان کی ہنسی میں نے چھینی تھی۔ انہیں ہاں سبزی میں نے ملایا تھا۔ انہیں جینے ہی میں نے مارا تھا"۔

چلا چلا کر بولے جا رہی تھی۔

ماہین اور وہ دونوں عورتیں ہکا بکا سی اسے تکنے لگی تھیں۔

"کیا کہا تم نے ان کے ساتھ — ؟ میں تو سمجھ ہی نہیں پا رہی ہوں۔ پلیز کہو۔ چپ ہی ہو جاتے ہیں"۔

ماہین گھبرا سا گیا تھا۔ وہ تو اپنی بہن کے ہاتھ کے قصے سننے آئی تھی۔ وہ یہاں کہ وہ علی خاں کی قاتل نکلی۔ اسے لے آئے۔ الجھن میں ڈال دیا تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ"۔ ماہین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ ماہین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

جھومر چوہدری سے دروازے کی سمت بڑھی اور دروازہ تھوڑا سا کھول کر جھانکا۔

"آپ تو روایت سے ہٹا جا رہا کام والی ہیں۔ یہ یہاں کیسے بیٹھ گئیں آپ" "اے ہی" میں اٹھائی ہیں۔ لا سیلا چوا رہے۔ بہت ہو گیا تماشا۔ اور اسے بھی باہر نکالیں"۔ ماہین کے کانوں میں ہاری کی آواز آئی۔

اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ مار کر دروازہ دھڑ سے کھول دیا۔ اور ایک دم ٹھٹک کر رہ گیا۔

"آپ — یہاں اس وقت؟" وہ بس یہی کہہ سکا۔

سلمیٰ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماہین نظریں جھکا کر رہ گئی۔

"اسے بھوت کہنا ہاری — میں نے سنا تھا" اس نے آہستگی سے کہا۔

سلمیٰ آگے چل پڑی۔

ہاری کچھ الجھی اور کھوجتی نظروں سے ماہین کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"آپ اسے کیسے جانتی ہیں"۔ اسے خاصی تشویش تھی۔

"ایک گھر میں رہتے ہوئے واقفیت ہو جانا کوئی تعجب کی بات تو نہیں"۔ ماہین کو برجستہ جواب سوجھ گیا۔

"لائیے۔ چابی مجھے دیجئے"۔ اس نے جھومر کو مخاطب کیا۔

"ایک منٹ۔ رکیے ذرا۔ آج کل تو جناب والا یوں بھی آپ مصروف ہوں گے۔ پریشان لوگوں کو اور کیا پریشان کرنا"۔ جھومر نے بڑھتے چابی اٹھا کر اسے تھماتے ہوئے بڑے معنی خیز انداز میں کہا۔

"بھئی کیا؟" ہاری نے ماہین کو مخاطب کیا۔ گویا جھومر کی بات سنی ان سنی کر دی۔

ماہین اٹھ کھڑی ہوئی۔ جملی تھکی تھکی سی کہ خلش ابھی تک موجود تھی۔

"خدا حافظ جھومر۔ کل تم سے ملنے پھر چلی جاؤں گی۔ اللہ کرے وہ شی کا پتا لگ جائے۔ دعا کرنا"۔

ہاری ماہین کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ جھومر نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا تھا۔ سرسوتی بھی اپنی باسکٹ اٹھا کر ورانڈے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"تمہارا دل بہلا کر ہاری کا سر پھٹے گا۔ بہت زیادہ خوش فہمی ہے تمہیں"۔ ہاری ان کی طرف دیکھتے ہوئے

سرسوتی سے مخاطب ہوا۔

"میں لائی تھی اسے۔ پلیز کچھ نہ کہنا" ۔ ماہین نے مدافعت کی۔

"مت سر چڑھائیے اتنا۔ اس حویلی کو سر چڑھی لڑکیاں راس نہیں آتی" ۔ وہ جانے کس دھن میں کہہ گیا دھیان جو کمرے میں ادھر ادھر پھر رہا تھا۔ اس میں اور ہادی کے قبیلے میں کتنا فرق رہا تھا۔

"مطلب میرا مطلب ہے یعنی؟" ماہین بھلا چپ رہتی۔

"یعنی کچھ نہیں۔ آپ صبح کتنے بجے روانہ ہوں گی؟" اس نے عام سے لہجے میں بات بدلنے کی۔

"تم یہاں سے سب سے زیادہ بیوقوف لگتے ہو۔ بے وقوف سمجھتے ہو مجھے" ۔ وہ چڑ گئی۔

"خدا نخواستہ۔ آپ ایسی ویسی نہ ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ تو بابا صاحب کی طبیعت کا خیال کافی ہے"۔

ایک خوبصورت سا انسان اس پر بچھا گیا تھا جیسے چاند کے گرد ہالہ۔

"ہاں یہ تو ہے۔ مجھے تو بابا صاحب کی فکر پڑ گئی ہے۔ کیس لیٹنن ڈیاوٹ لیس" ۔ ماہین فکر مندی سے بولی۔

"کل ۔ فجر پریشانی کو ذہن سے جھٹک کر اچھی امید رکھنے کہ اچھی خبر ہی سننے کو ملے گی۔ انشاء اللہ"۔

اس کے ہونٹوں پر دلنواز سی مسکراہٹ تھی جو اندھیرے میں ماہین کو نظر نہیں آسکتی تھی۔

"آمین" ۔ ماہین نے دل و جان سے کہا۔

رات کے دوسرے پہر کا عمل تھا۔ جب عالم تاب نے ماہین کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا۔ ماہین کو ہی فجر جھٹکے سی آئی تھی۔ دوبدو حواس ہو کر اٹھ بیٹھی۔

"کون؟"

"میں ہوں۔ باہر آؤ جلدی سے بابا صاحب بلا رہے ہیں۔ ان کی حالت اچانک بگڑ گئی ہے"۔ بند دروازے کے پیچھے سے سب کچھ کہہ دیا گیا۔

ماہین دوپٹا سنبھالتی بڑی تیزی سے دروازہ کھول کر باہر آئی تھی۔

"جلدی آؤ ماہین!" وہ اس سے آگے آگے چل پڑیں۔

کمرے میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ بڑے بابا اور بھیا چارپائیں بچھائے ہوئے تھے۔ جبکہ دو خادمائیں جن سے اتنا قریب سے پہلے۔ اوٹ میں لی تھی۔ وہاں موجود تھے۔ تمام لڑکیاں، سمیہ بھابی اور بابا صاحب کی بہنیں بھی وہاں موجود کھڑی ہوئی تھیں۔

"بابا صاحب! یہ ماہین آگئیں"۔

اسی دم دروازہ کھلا اور ہادی اندر داخل ہوا۔

"خوں کر دیا دونوں کو!" عالم تاب نے احتجاج کیا۔

"جی"۔

"آؤ ماہین ادھر بیٹھو" ۔ عالم تاب نے کہا۔ وہ ان کے قریب ہو کر بیٹھ گئی۔

وہ بہت غور سے ان کے قریب چلی آئی۔ اور بیٹھ کے گھورنے لگی۔

"ہاں ہم نے کچھ نہیں کیا۔ روشی نے بہت تلاش کر لیا ہے۔ کچھ" ۔ وہ اسے دیکھ کر شروع ہو چکے تھے۔

ہر ہوا کے مقابل ترین لوگوں میں سے ہیں"۔ ان کی آنکھوں سے روانی اصلحے گے۔

"دیکھو یار بہت دکھی ہیں۔ ان کا خیال رکھنا۔ اور سب کے پاس سب کچھ ہے۔ اس کے پاس صرف فکر ہے"۔

"ہم تم سے کچھ نہیں چھپائیں گے ہم نے عالم تاب کو کہا کہ کیا ہے کہ"۔

"آپ کی طبیعت خراب ہے بابا" ۔ ماہین نے اندر آ کر ہادی کو مخاطب کیا۔

جواب میں "مصنوعی" کو کہنے کے بابا صاحب کو اٹھانے کیلئے آگے بڑھے۔ روشی اور ایک غلام ہو گئے۔

بمشکل بابا صاحب کو گاڑی تک لے جایا گیا۔ جتنے لوگ لینڈ کروزر میں ہو سکتے تھے بیٹھ گئے۔

ہادی حویلی کی لائبریری میں آ گیا تھا۔

عالم تاب وہیں صوفہ سے ٹیک لگا کر رو دیئے تھے۔ ان کے سر ہی نہیں حوصلے بھی جھکے ہوئے تھے۔

"اے روشی تو ہی چلی جائی دنیا سے اب تو تیرا بولی ہوئی دولت بھی ہے اور بے سائبانی بھی"۔

ماہین کے احساسات عجیب سے ہو گئے۔

وہ ہال کمرے کی طرف آ گئی۔ سب لڑکیاں بھی جاگ گئی تھیں۔ سب کا چہرہ چاپ بجھی ہوئی تھی۔

"اگر خدانخواستہ بابا صاحب کو کچھ ہو گیا تو عمر بھر کیلئے یہ بات ہو جائے گی کہ روشی کی وجہ سے یہ سب ہوا"۔ وہ بجائے ماحول پر چھائی خاموشی توڑتی۔

"اور کیا۔ اللہ کرے بابا صاحب ٹھیک ہو جائیں"۔ سمیہ نے جلدی سے دعا کی۔

"اچھائی یا بخشش نہیں ہے کہ انسان اپنے علاوہ اور کسی طرف دھیان ہی نہ دے"۔ حمیرہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"اس طرح کی باتیں اس وقت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بہتر ہے کہ بابا صاحب کیلئے دعائے صحت کی جائے"۔ بھرے ہوئے لہجہ کی طرح بہت سوچ سمجھ کر بات کی۔ کچھ لڑکیاں اسی وقت دعا کرنے چل گئیں۔

ماہین کا دل اس روداد سنتے اندیشے اور وسوسوں سے گھبرا گیا کہ کسی طرح بابا صاحب ٹھیک ہو جائیں اور روشی بھی بھلے۔ بھلے کیلئے اپنا کہا واپس لے لے۔

اس کا دل تو پہلے ہی الجھا ہوا تھا۔ جاتے جاتے بابا صاحب اور الجھا گئے تھے۔ وہ کیا ہے جو آج تک چھپایا گیا۔ اور اس کا گھر سے کیا تعلق؟ وہ مزید الجھن میں پڑ گئی تھی۔

اتنے لوگوں کی موجودگی میں مسلسل خاموشی بھی بہت محسوس ہونے لگتی ہے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی کہ اس طرح بیٹھے رہنا بے کار ہے۔ بھی کیا۔ دعا کا نہ قضائے حاجت ہی پڑھ لے۔ اسے اگر وہ تک کی فکر تھی تو بس روشی کی تھی۔ بس یہی دعا میں شامل آنے جانے والے

کہ بابا صاحب کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔

دستک اتنی زور سے اور ہی تھی کہ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کی ۔۔۔ کون؟"

"دروازہ کھولو روشانے!" تیمور علی خان کی آواز آئی۔

وہ ساری جان سے کانپ گئی۔ اس وقت۔ کاکا جان۔۔۔ وہ اچھل کر بیڈ سے نیچے آئی۔ بڑی بدحواسی سے دروازہ کھولا۔

"کی کاکا جان؟"

"چادر اوڑھو روشانے۔ اور چلو"۔۔۔ وہ انتہائی سنجیدہ تھے۔

"کی کہاں؟" وہ بے حد پریشان ہو گئی۔

"وقت نہیں ہے بالکل۔ بیٹی اپ"۔۔۔ وہ قدرے برہم انداز میں گویا ہوئے۔ روشی سہم گئی۔ جلدی سے بالوں میں برش پھیرا اور دوپٹہ گلے میں ڈال کر چادر اوڑھ لی۔ اور تیمور علی خان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

ڈرائنگ روم کے پیچھلے دروازے کھولے ہوئے ملنگر کھڑا ہوا تھا۔ تیمور علی خان نے پہلے روشی کو بٹھنے کیلئے کہا پھر خود اس کے برابر میں بیٹھ گئے۔

موبائل فون ان کے ہاتھ میں تھا۔

"شیر گل! اندر کی لائٹ جلاؤ"۔ تیمور علی خان نے فون سیٹ کیا۔

فوراً اندر روشنی ہو گئی۔ تیمور علی خان نمبر پریس کرنے لگے۔

روشی کبھی ان کے چہرے کی طرف کبھی ان کی ان متحرک انگلیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔ کون۔ ہے؟"

"ہوں! راستے میں ہوں۔ کون سے ہاسپٹل میں؟ ٹھیک ہے! اچھا دیکھو۔ ہاسپٹل سے فون آئے تو نمبر لے لینا۔ میں خود کال کروں گا۔ او کے"۔

روشی دم بخود ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔ کاکا جان یہ سے بات کر رہے تھے۔ جس سے ظاہر تھا کہ یہ حویلی میں گزرہ ہے۔ کون بیمار ہے؟ تیمور علی خان کے چہرے سے جو تاثرات اسے نظر آ رہے تھے ان کی وجہ سے اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ کوئی سوال کرے۔

"بابا صاحب کی حالت بہت خراب ہے روشانے! اگر انہیں کچھ ہو گیا تو ان کو کل تمہارے ہے"۔۔۔ وہ بہت اداس تھے۔

روشی کی تو جیسے جان نکل گئی۔ یہاں بھی اس کا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ ذہن کی اسکرین سے خوفناک لمحات جیسے جذبات کے بادل صاف ہو چکے تھے۔ اپنے تمام پچھلے اقدامات کی بدصورتیاں سامنے سراٹھا کر کھڑی ہو گئیں۔

"مجھے کچھ کرنا ان کی عیادت اور بھی کر سکتی ہے کاکا جان؟" وہ ہار سے ہوئے انداز سے بولی۔

"اپ کر سکتی ہے بہت کچھ ہم ہوں اور تو بتا گی۔

ہمیں اس وقت موجود حالات میں سوائے اپنے اپ کے اور کوئی نظر نہیں آ رہا ہے کوئی ہے ہمارے ساتھ بھی ہم نے ہی بات کی ہے"۔

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"بابا صاحب اس لئے بیمار تو نہیں ہوئے ہوں گے کہ انہیں میرے افیئر کا پتا چل گیا ہوگا۔ تو اس لئے بیمار ہوئے ہوں گے کہ ان کا بیٹا کہیں ہے۔ ٹھیک ہے میں خود سر ہوں لیکن ایک انسان کی حیثیت سے میرا حق نہیں کہ میں اپنی بات کہہ سکوں۔ مجھ میں بہت برائیاں ہیں مگر اتنی شدت تو نہیں تھی کہ میں باری کا بدلہ لے کر ہر بیٹی میں بدگمانی کا زہر بھر دیتی۔

مجھے ہم سے شادی کرنا تھی تب بھی ان سے ڈرنے یا ہے ڈکر سے۔ میں کبھی ان چاہے ہمراہ کو قبول کرنے پر رضامند ہی نہیں کرتی تھی۔ مجھے کوئی بوجھ سہارنے برداشت نہیں ہو سکتا۔ ہر بھر کا بوجھ بابا صاحب اتنا تو کر لیتے کہ میری بات کان لیتے۔ وہ کی حیثیت تو نہیں ان کی جائے۔ ہم ان کی جائیداد کے کمزور تو نہیں ہیں۔ جیتے جاگتے انسان ہیں۔ ایک شخص جس کے ہاتھ سے مجھے اذیت نہیں۔ اسے اپنی اصول ذات "اپنی انا سونپ دوں؟ کیا میں انسان نہیں؟ استعمال ہونے والی شے ہوں گی"۔

تیمور علی خان نے اسے اداس جرم میں بیٹھا دیکھا تو اندر سے "آ گی" کا واویلا شروع ہو گیا۔

وہ فوری اپنی وجہ سے بیمار ہوئے ہیں۔ بے وزن دلیلوں جیسے اصول بنانے والے آخر کار زحمت اٹھاتے ہیں۔

انسان کی ذات کو تو روشن اور بڑے بڑے دروازوں والی عمارت کی طرح ہونا چاہیے۔

کہ لمحہ بہ لمحہ موسم ہر تبدیلی کا پتا چلتا رہے۔ تدبر اور استقام ہوتا رہے۔

بے بھروسہ کرنے والے رستے پر اڑنا نہیں چاہیے تھا کہ اپنی ذات کے ہونے کا احساس ہی نہ ہوتا۔

اگر کوئی بات کرنا چاہے تو اس کی بات تو سننا چاہیے۔ باقی مراحل تو بعد کی باتیں ہیں۔

"چلیں ہوں۔۔۔ واسلام"۔

"ہاں۔ گو۔ ایک منٹ۔ انہوں نے جیب سے قلم نکالا اور روشی کا ہاتھ تھام کر ہتھیلی سامنے کی۔ پہلے تو وہ سمجھی نہیں۔ گڑبڑا گئی۔ گڑبڑاہی گئی۔

"آپ بولیے کاکا جان! میں لکھتی ہوں"۔ اس نے قلم ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ تیمور علی خان نے دو نمبر بولے کال ملوا کر آن کر دیا۔

"گھنٹی ہی تھی ابھی بجنے میں ہیں اور ابھی کچھ پتا نہیں چلا کہ کیسی طبیعت ہے۔ فی الحال ہاسپٹل میں ہیں۔

"نیر گل! فی الحال چلتا ہے"۔

اور اس کا ہاتھ کیڈل کے نیچے رکھ کر بیٹھ گئے۔

روشی نے قلم ان کی طرف بڑھایا۔ جوانہوں نے جیب میں ڈالا لیا۔

کئی گھنٹے کا کرب انگیز سفر تمام ہوا۔ ٹیلی فاسفل کے پار کنگ لاٹ میں جا کر جیپ رک گئی۔ اپنے ابا کی جیپ کو روشی نے دور ہی سے پہچان لیا تھا۔ یہ تو گاڑی ہی میں پتا چل گیا تھا کہ بابا صاحب کی حالت اب خطرے سے باہر ہے جہاں یہ بات باعث طمانیت تھی وہاں آگے پیش آنے والے حالات اسے اعصابی لحاظ سے ہلکان کیے ہوئے تھے۔

''تم یہیں بیٹھو روشانے! ہمارا انتظار کرو۔'' تیمور علی خان نے جیپ سے اترتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

تیمور علی خان کی شخصیت میں اکلی بات تو تھی کہ وہ اس سے خوش نظر نہیں آ رہے تھے۔ خفا بھی تھے۔ اس کے وجود کی ذات سے عجیب تقویت کا احساس بہر حال مل رہا تھا۔

وہ اندر چلے گئے۔

وہ باہر نظریں دوڑانے لگی۔ شیر گل بھی اتر کر ٹہل رہا تھا۔

معاً اس نے محسوس کیا کہ پیچھے کوئی گاڑی آئی ہے۔ اس نے صرف گردن موڑ کر پیچھے دیکھا مگر فوراً ہی سیدھی ہو گئی۔ سیاہ پوشاک جیپ سے یاور علی خان اتر رہے تھے۔

اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا تھا۔ اس نے چادر پیشانی پر مزید کھسکا لی تھی۔ یہ ایک بے سابقہ مگر اضطراری عمل تھا۔

پھر اس نے یاور علی خان کو کاریڈور کی طرف بڑھتے اور ایک طرف مڑتے ہوئے دیکھا۔

''یہاں تو کچھ اور ہی سن نہ ہو جائیں۔'' اسے اندیشے ستانے لگے۔

اسے تقریباً آدھا گھنٹہ ہو گیا۔ کوئی باہر آتا دکھائی نہیں دیا تھا۔ شیر گل بھی ایک بنچ پر بیٹھ چکا تھا۔

معاً اس کی نظر وہاں پر پڑی جو میڈیکل اسٹور کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''یا اللہ۔ کیا سب آئے ہوئے ہیں؟'' وہ مزید فکر مند ہو گئی۔

وہاں کے اندر جاتے تک اس نے دیکھا۔ تیمور علی خان باہر آ رہے ہیں۔ وہ ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئی۔

تیمور علی خان نے اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

''آؤ روشانے!'' ان کا چہرہ نہ جانے کیوں اسے محسوس ہوا جیسے وہ کوئی اور ہوں۔

''کاکا جان!''

''ایزی۔ نو پرابلم۔ ہم نے کہہ دیا ہے کہ تم نے ہمیں فون کر کے اپنی پریشانی بتا دی تھی۔ اس لئے ہم نے تمہیں ''سرائے'' بلوا لیا تھا۔ درمیان میں کچھ ایمرجنسیز ہو گئیں اس لئے ہم بڑی حویلی جا کر بات نہیں کر سکے۔ ہم تمہیں ابھی بات کرنا چاہتے تھے۔

دراصل ہوا یہ جنسیز ہم نے بابا صاحب کو بتائیں وہ اتنی رنجیدہ اور دکھی ہیں کہ ان کو یقین کرنا پڑے گا۔ کہ اب کوئی دوسرا یہ بات کرے تو اگر وہ یقین نہیں بھی کریں تو تمہیں کیا فرق پڑے گا؟

وہ یہیں بیٹھی رہے۔ مگر کسی بھی صورت میں وہ اسے اکیلی نہیں چھوڑ سکتے۔ کہ خدانخواستہ یہ کچھ ایسا ویسا ہو جائے۔ اس کو ذہنی طور پر تیار کرنے کیلئے وہ اس سے آہستہ آہستہ مخاطب تھے۔ وہ چل چل آنکھوں سے ان کی سمت دیکھ رہی تھی۔ وہ جان ایسے نڈھال تھے۔ اب کیوں ہو گئے ہیں ایسے۔

وہ تو پہلے ہی سے الجھی الجھی اور کچھ کچھ خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ حالانکہ انہوں نے کبھی ''نہیں'' نہیں کہا تھا۔ وہ اس بات کے لیے سب ہی سے لڑتے تھے۔

الجھی بڑی حویلی میں جا کر ادھر ادھر ہو جاتے تھے۔ ایک بھیر بکریاں جن کے کان کٹے تھے کہ کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ یہ بکریاں بڑی حویلی میں پلی ہیں۔ بچوں میں پلے بڑھے رہتے تھے۔ تیمور علی خان تو کبھی ان سے بچھڑے تھے۔

اس نے بے ساختہ تیمور علی خان کا ہاتھ تھام کر ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''کاکا جان! میں اپنی نظروں میں گر چکی ہوں۔ میں اس طرح کے سلوک کی حقدار نہیں ہوں۔ مجھے بے حد افسوس ہے۔ میں نے ایسا کیوں کیا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں گویا ہوئی۔ اور جیپ سے نیچے اتر آئی۔

تیمور علی خان آگے اور وہ ان کے پیچھے چل پڑی تھی۔

کاریڈور میں پہنچ کر اس کی رہی سہی جان بھی نکلنے لگی۔ گھر کے تقریباً سب ہی افراد وہاں موجود تھے۔ اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔ یوں جیسے اتہائی شنیع فعل کی مرتکب ہوئی ہو۔ مجرمی عدالت میں ہو۔

تیمور علی خان ایک لمحے کیلئے بھی نہیں رکے سیدھے چلتے گئے۔ ان کی تقلید میں وہ بھی۔

بابا صاحب بالکل۔ مست لیٹے ہوئے تھے۔ چہرہ سرخ اور تمتما رہا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ وہ تیمور علی خان کی پشت پر تھی۔ انہوں نے باہر آنے کا اشارہ کیا۔

اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ اور اس پر جیسا حواس کہ شیشے کی اس پار سب کھڑے دیکھ رہے ہیں۔

تیمور علی خان نے باباصاحب کا ہاتھ آہستگی سے اپنے ہاتھ میں لیا تو انہوں نے ذرا آنکھیں کھولیں۔ تیمور علی خان ان پر جھکے ہوئے تھے۔ سیدھے ہو گئے اور روشی کی طرف اشارہ کیا۔

بابا صاحب کی آنکھوں کی پتلیاں پھیلے پھر کو ساکت ہو گئیں۔ جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو۔ پھر لمحے انہوں نے اس کی طرف دیکھا پھر آنکھیں موند لیں اور گہرا سانس لیا۔

''روشانے! تم جیپ میں بیٹھو۔ بڑی حویلی ہم خود چھوڑ کر آئیں گے۔'' وہ سرگوشی والی آواز میں گویا ہوئے۔

وہ دروازہ کھول کر باہر آنے لگی۔ مگر ایک دم رک گئی اور پلٹ کر تیمور علی خان کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بھی اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگے تھے۔

وہ ان کے قریب چلی آئی۔

''کاکا جان۔ وہ۔ چچا۔ جواد بھائی۔'' وہ جیسے ان کے کان میں بولی۔

''اوہ۔'' تیمور علی خان نے شیشے کے پار دیکھا۔ اور گویا ہوئے۔

"...ادھار سے سالم"۔

سیاہ شلوار قمیص' ناز کٹ وضع کی مگر سلیقہ سے پہنے ہوئے تیمور علی خان اپنی لمحہ لمحہ ڈھیلی پڑتی گرفت سے خائف سا محسوس ہو رہے تھے۔ مگر نہ جانے کیوں اسے باتوں میں وہ بہت مردانہ محسوس ہو رہے تھے۔

وہ آگے بڑھے اور دروازہ کھول کر باہر نکلے تو اس نے لپک کر ان کا بازو تھام لیا۔ سامنے باورچی خانے میں بہت نہیں تھی۔ بس ان کا بازو تھامے پیچھے چلی گئی۔

کاریڈور سے باہر آ کر اس نے تیمور علی خان کا بازو چھوڑ دیا۔

شیر گل انہیں آتا دیکھ کر سٹپٹا سے کمرا ہو گیا۔

"بڑی حویلی چلو شیر گل"۔ وہ جیپ کا دروازہ کھولتے ہوئے گویا ہوئے' اسے جیپ میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

حویلی میں داخل ہوتے ہی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"بھائی صاحب (تایا ابا) اور صغیر چچا کو میں نے سمجھا دیا ہے۔ وہ تم سے اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔ اطمینان رکھو"۔

(اور سیما؟) وہ پوچھنا چاہتی تھی جانے کیا سوچ کر چپ رہ گئی۔

"آؤ"۔ صحن عبور کر رہے تھے۔ ہاتھ ہلکا سا ہلا رہا تھا۔

وہ تیمور علی خان کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کے گھر پہلی مرتبہ آئی ہو۔ یاد ہی نہ آ رہا تھا عالم جب خشمگیں نظروں سے اسے گھورتا تھا۔ سرسوتی جانے کس کام سے باہر آئی تھی' رانی کو دیکھ کر الٹے پاؤں واپس ہو گئی۔ اس کی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔

"رانی بی بی آ گئیں۔ تیمور خان آ گئے۔ بیگم بی رانی بی بی"۔

اندر جیسے تھلبلی مچ گئی۔

عالم جب لڑکیوں کے ساتھ ہال میں ہی تھیں۔ جہاں خواتین کا سلسلہ جاری تھا۔

تانیہ تو نسبت توڑ کر جا چکی۔

عزت سے آگے کے مراحل طے کر چکی تھیں' انہیں سلام بھیجنے کی جلدی ہو گئی۔ بیٹے عالم جب نے بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ باقی خواتین اپنے اپنے کمروں میں تھیں۔ سمیہ بچے کو دودھ پلانے جا چکی تھی۔ سائرہ بھی اپنے کمرے میں تھی۔

تیمور علی خان ہال میں داخل ہوئے۔

لڑکیاں سلام بھیجنے لگی تھیں' وہ اپنی اپنی جگہ دبک گئیں۔

"السلام علیکم"۔ تیمور علی خان نے اپنے مخصوص مردانہ انداز میں سلام کیا۔ مخلص لوگوں سے آداب بجا لانے کا انداز۔

"السلام علیکم یا جان"۔

"جیتی رہیں۔ آپ کے کمرے میں چلتے ہیں"۔

"...تی آپ کے کمرے میں جاؤں گی"۔

"ہاں صاحب کیسے ہیں تیمور؟ تم پہنچ گئے؟" انہوں نے برابر والے کمرے سے باقی ماندہ رانی کو دیکھا۔

"...کر' اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ آئیے بھابی جان"۔

"...جا بابا" کہاں سے اٹھا لائے۔ کوئی کہاں نہ ہار دی تم نے۔ تم بھی تو اسی خاندان سے ہو۔ کس حد سے آگے ہے یہ...

"...وہ اور ہی طبیعت کر لیں۔ گھبرا گئیں۔

"...گر آپ کہیں گی تو واپس اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے ہم۔ مگر پہلے کچھ بات چیت تو کر لیں آپ سے سائرہ"۔

عالم جب نے ان کے چہرے پر بڑی طرح چونک کر ان کی شکل دیکھی تھی۔

"تیمور خان۔ تم؟"

"بیٹھیے بھابی جان؟" وہ بیٹھنے لگا رہے۔

لڑکیاں اجنبی' اور مشکوک سے تیمور علی خان کی شکل دیکھ رہی تھیں اور ان کی دل خراش چیخ ہال میں گونجی تھی کہ ان کے سر سے ولی کا سایہ اٹھ جانے جس کا اعتراف کرتے ہوئے حقیقت کا سراغ وہ خود ہی لیں کہ اقدم کیا تھا۔

گھر وہ بدل ہی گئیں کہ تھا عالم جب تیمور علی خان کو ساتھ لے کر ہال سے باہر چلے گئے تھے۔

"چلو رانی کے پاس چلتے ہیں"۔ بے لے آپ کر کہا۔

"...دھر تو گھورے گی تب ہی تو اس تک پہنچو گی"۔ علیحہ نے اپنا تمام تر قیمتی استعجاب دبا کر طنز کیا۔

"علیحہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مشکل ہے جو وہ دروازہ کھولے"؟

گھورنے علیحہ کا طنزیہ لہجہ نظر انداز کر کے ان کے صحیح اندازے کی تائید کی۔

"چلو' ہم بھائی کے پاس چلتے ہیں۔ انہیں خبر بھی دینے ہیں اور پھر ساتھ لے کر رانی کے پاس چلتے ہیں۔ وہ کہیں کی تو ...دروازہ ضرور کھولے گی"۔ بے نے کے آپ نے شوق سے تدبیر سجھائی۔

"...ٹھیک"۔ ...سب کی سب کھڑی ہو گئیں سوائے علیحہ کے۔

"آپ نہیں چل رہیں علیحہ آپا"۔ ...نی نے پوچھا۔

"تم لوگ چلو۔ ...دروازہ کھلوا کر آتی ہوں میں۔ اگر اسٹوری کا شروع تھوڑا سا نکل جائے تو بعد میں تم سنا دینا"۔ ...گئیں۔

"...ست بھول جاتا' فطرت کی لمبا بانی ہے ابھی" شیطان" اسی طرح وار کرتا ہے"۔ وہ مسکرا خیز انداز میں بولیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنا خلیفہ' انسیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ کتنا بدصورت ہو جاتا ہے انسان دوسروں کے کردار پر حملہ کرتے ہوئے۔

...نا بڑا مشکل کام ہے۔ کٹھن مرحلے تو اور بھی انسان ایسے ہی موقعوں پر طے کرتا ہے۔ اخلاقی ... نومبر ۱۹۸۸ء

اس تو بدنی جہاد بھی مستحب ہے۔ عبادت کی جزا تو اخلاقیات سے مشروط ہے۔ نہ خالی اخلاق سے بات اٹھتی ہے نہ خالی عبادت سے۔ شیطان سے ابلیس تو کسی کی عبادت کا ذکر نہیں ہوئی۔ پھر بھی مردود کر دیا گیا۔ انہیں تو مناسب ہے یہ شعر تو لازمی نصاب میں کرا کر دینا چاہیے غور و فکر کرنے کیلئے۔

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو!

دادا ابا کہا کرتے تھے۔ نماز رابطے کا سلیقہ ہے عام کنکشن ہے اور تہجد کی نماز جات لائن۔

نماز بھی رابطہ ہے اخلاقیات بھی رابطہ۔ ایک کا تعلق خدا سے اور دوسرے کا خدا کی مخلوق سے۔

مگو کو غصے کی بات سے دلی تکلیف ہوئی تھی۔ وہ مایین کی خواب گاہ تک سوجی ہوئی کیفیت میں پہنچی تھی۔

مایین ٹھکی دستک پر باہر آئی تھی۔ اس نے بڑی فکر مندی سے ان کے چہرے دیکھے' سب کی سب ایک ساتھ اس کا حال جاننے لگی۔

"سمائی جان! روشی آ گئی ہے؟" سوہا نے لب کشائی کی۔

"ہیں"۔ اسے ساعت کا دھوکا محسوس ہوا تھا۔

"جی۔ روشی آ گئی ہے"۔ مگو نے بھی کہا۔

"کیسے؟" اس کی حیرت کی کوئی حد نہیں تھی۔

"کاکا جان کے ساتھ اور کچھ تو ہمیں بھی نہیں پتا"۔ روبی نے کہا۔

"کاکا جان؟" وہ الجھی۔ سارا اعصابی نظام الٹ پلٹ ہونے لگا تھا۔

"جی۔ کاکا جان تیمور علی خان"۔ نوری نے وضاحت کی۔

"وہ۔ "سرائے" والے؟" اس نے پوچھا

"جی جی۔ وہی"۔

"پرسوں رات۔ ایک بجے ان سے بات ہوئی۔ آج روشی ان کے ساتھ"۔ وہ الجھنے لگی۔

"کہاں ہے وہ؟" وہ سنبھل کر بولی' تمام لڑکیاں بغور اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

"اپنے کمرے میں' ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ کو اطلاع بھی دیدیں اور ساتھ لے کر اس سے ملنے چلیں"۔

"ہاں۔ ہاں۔ چلو۔ وہ اکیلی سے کوئی فون وون آیا؟" وہ ایک دم جیسے کسی دھیان سے ہوگی۔

"فون بھی آیا تھا۔ کاکا جان بھی تشریف لے گئے کہ اب حالت بہت بہتر ہے۔ وہ وہیں سے آ رہے ہیں"۔ سوہا نے بتایا۔

"روشی بھی۔ روشی بھی گئی تھی یا اکیلی؟" اس نے چلتے چلتے قدرے حیرت اور تلخی سے اندیشے کے ساتھ پوچھا۔

"شاید! آئی تو وہ کاکا جان کے ساتھ ہی ہے"۔ مناہیہ نے کہا۔

"اچھا"۔ مایین نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تمہارے کاکا جان کہاں چلے گئے؟" اس نے سوہا کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔ وہ چاچی امی کے پاس ہیں"۔ اس نے روشی کے کمرے کی طرف بڑی مشتاق نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب

دیا۔

مایین نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔

"کون؟" روشی کی تھکی تھکی آواز آئی۔

"میں ہوں مایین۔ دروازہ کھولو"۔

ہچکی کرنے کی آواز تو آئی مگر دروازہ نہیں کھلا۔

مایین نے دوبارہ دستک دی تو وہ کھل گیا۔ وہ احتیاط سے اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم"۔ "اللہ تمہیں خوش رکھے اور ہنستا بستا"۔

اس نے سرخ و زرد اکثر امت کے خوبصورت سے لباس میں ملبوس روشی کو بڑی دلچسپی سے دیکھا اور آگے بڑھ کر گلے سے لگا لیا۔

روشی نے بہت ضبط کیا مگر جانے کہاں سے ڈھیر سارے آنسو امڈ پڑے وہ مایین کے گلے سے لگی سسکیاں بھر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لڑکیاں ادھر ادھر بکھرے ہوئے انداز میں بیٹھ گئی تھیں۔

ماہین نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا اور اپنے دوپٹے سے اس کی آنکھیں صاف کیں۔

"یہ مردانہ قسم کی انتہا پسندی تمہیں بہت نقصان پہنچا رہی ہے بیٹی۔ مجھے آنے والے وقت سے ہول آ رہے ہیں۔"

"پھوپھی خدا! اب مجھے کسی تبدیلی کسی بات کا خوف نہیں۔ میں بالکل پرسکون ہوں۔"

اس نے گہری سانس لے کر باری باری لڑکیوں کو دیکھا

"میں سونا چاہتی ہوں خدا۔ بہت تھکن ہے۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے تم آرام کرو۔ پھر باتیں کریں گے۔" ماہین کے اٹھتے ہی لڑکیاں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں

ماہین فجر کی نماز پڑھ کر باہر باغ میں آئی۔ اسے شاید یاور علی خان کا انتظار تھا۔ وہ دنیا کے متعلق سوچتی ہوئے لیٹ گئی۔

"بابا بابا" یہ نہیں سنتا۔ کہتا ہے انداز نہ ہے جس کا نام لیتا ہے وہ یہاں نہیں رہتا۔ پھر بھی نہیں سنتا۔" چوکیدار نے سے فکاتی انداز میں ماہین کو مخاطب کیا۔

ماہین آہستہ آہستہ چلتی حویلی پر تھک گئی۔

"بیت گھوڑ۔ بلاز کون ہے؟" اس نے چوکیدار سے کہا۔

چوکیدار نے تعمیل کی۔

حویلی کی دروازہ سے سانولی سلونی لڑکی برآمد ہوئی میں اپنی اس کے سامنے تھی۔

"کون ہو تم؟" ماہین نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"اقبال بیگم۔ سب باؤ بولتے ہیں۔" اس نے شکستہ سی کیفیت میں جواب دیا۔

"کس سے ملنا چاہتی ہو؟" اس نے سوال کیا۔ عجیب سی وحشت تھی لڑکی کے چہرے پر۔

"سطریہ سے۔" اس نے بہت دھیمی آواز سے کہا۔

ماہین کچھ سمجھ کر سر ہلانے لگی۔

"حویلی میں سوائے کسی کو چند لوگوں کے علاوہ معلوم نہیں تھا کہ یہاں کوئی سطریہ رہتی ہے۔ یہ لوگ بے کار کے بچوں کے ساتھ سطریہ کا ذکر کر رہی ہے۔"

"کیا بھی ہے سطریہ تمہارا؟ کس نے تمہیں بتایا کہ وہ یہاں رہتی ہے؟" ماہین کی حیرت مزید بڑھ گئی۔

"بس ملی۔ مجھے پتا ہے یہیں رہتی ہے وہ یا کہیں میں۔ اس کے علاوہ کوئی اور حویلی نہیں ہے۔" اس نے بے بسی سے جواب دیا۔

"میں پوچھ رہی ہوں تم اس کی کیا لگتی ہو؟" ماہین الجھی۔

"بس ملی۔ دل کا رشتہ دار ہاں ہیں ان سے۔ آپ ان سے ملوا دیں۔ دل کی مراد پوری ہو گی۔"

"اندر آؤ۔" ماہین اسے ساتھ لے کر چل پڑی۔ اس کا ذہن کسی قطعی ترتیب سوچوں میں الجھا ہوا تھا اس نے خاموشی تھی۔

وہ چلتے ہوئے حویلی کی ایک ایک شے کو غور دیکھ رہی تھی۔

ماہین اسے بیڈ روم میں لے آئی۔

"بیٹھو۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"سطریہ کپڑے بہت گندے ہو رہے ہیں۔" باہر نے بچھتے ہوئے قیمتی صوفے پر نظر ڈالی۔

"کوئی بات نہیں اب ایسے بھی گندے نہیں۔" وہ خود اپنے بیڈ کے ایک کونے پر بیٹھ گئی۔

"کہاں سے آئی ہو؟" اس نے اگلا اہم سوال کیا۔

"کراچی سے۔" اس نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔

ماہین ایک مرتبہ پھر چونک پڑی۔ "کراچی سے؟ اتنی دور سے؟ تمہارا سامان وغیرہ؟"

"اندر ایک اٹیچی پڑی ہوا سامان کیسا؟" وہ فکر مندی سے انداز میں بولی۔

ماہین نے اس کے تھکے دلیل انداز پر اسے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

"پڑھی لکھی ہو؟"

"پتا نہیں ان پڑھوں میں۔ مگر اب وقت پڑا ہے تو پتا چل ہی جائے گا۔" وہ پھیکی سے ہنسی۔

"اتنی دور سے میری یہاں آمد کی وجہ؟" ماہین کو یکدم ایک خیال آیا۔

"کچھ"۔ اس نے مختصراً کہا۔

"ایسا کرو۔ تم نہا دھو لو۔ میں تمہارے ناشتے کا بندوبست کرتی ہوں۔ کپڑے تو تمہارے پاس ہیں نہیں۔ میں اپنا کوئی سوٹ نکالتی ہوں۔ ٹھیک ہے؟ پھر تمہیں سکون سے سمجھائیں گے۔ فکر نہیں کرو۔"

وہ اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ مالکن ہیں یہاں کی؟" وہ پیچھے حیران سی رہ گئی۔

"ہاں مگر دوسرے نمبر کی"۔ وہ کوئی مناسب سا سوٹ تلاش کرتے کرتے ہنس کر بولی۔

"آپ کا نام تو نہیں ہے؟" بانو کو عارف کی زبان سے نکلا ہوا حرف حرف ازبر تھا۔

ماہین واش روم کا کھلی چھوڑ کر چونک کر پلٹی۔

"نہیں۔ مگر تم انہیں کیسے جانتی ہو؟" وہ الجھن بھرے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"بس ہم سنا ہے۔ مگر آپ وہ کیسے ہو سکتی ہیں۔ وہ تو بڑی پرانی بات ہے۔ وہ تو آپ سے بہت بڑی ہوں گی"۔ وہ سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔

"پھر بھی کس سے سنا تھا؟ تم تو کراچی میں رہتی ہو نا ماہین کی خدمت جانتی تھی۔

"بس ـــ وہیں سے سنا ہے سب۔ کچھ؟" وہ سادگی سے بولی۔

"کس سے؟" ماہین اپنا کام بھول کر پھر سوالوں میں الجھ گئی تھی۔

"عارف بھائی سے"۔ وہ سکون سے کہہ رہی تھی

"یہ کون ہیں؟" اس کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"آپ یہاں مالکن ہیں۔ آپ نہیں جانتیں انہیں؟" اس مرتبہ حیرت سے بانو کو ہوئی۔

"مجھے زیادہ دن نہیں ہوئے یہاں آئے ہوئے۔ ہاں۔ تو عارف کون ہیں؟" اس نے وضاحت کے ساتھ سوال بھی کیا۔

"جب آپ انہیں نہیں جانتی تو بیکار ہے۔ آپ مجھے سفر سے تو ہلا سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کو کہتا سنتے"۔

اس نے اس بھری نظروں سے ماہین کی طرف دیکھا۔

"ہاں ہاں میں تمہیں ہلواؤں گی"۔ وہ کسی دھیان سے ہنسی اور پلٹ کر پھر واش روم میں نظر دوڑانے لگی۔

"اس سے پہلے سفر پہ کب چلی تھیں؟" اس نے ایک سوٹ نکال ہی لیا۔

"میں ان سے پہلے کبھی نہیں چلی"۔ وہ بڑی سادگی سے بولی۔

"اب کیا ضرورت پیش آ گئی؟" اس نے سوٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"ضرورت ہی ضرورت ہے۔ بھرپور زندگی دا پڑ گئی ہے"۔ وہ پھیکی سے مسکرائی۔

"اچھا چلو۔ تم پہلے نہا دھو کر ناشتہ کر لو۔ پھر تم سے آرام سے بات ہو گی۔ ایک سوٹ نکالا"۔ اس نے سوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ اس سے ایک انچ دو تین انچ لمبا نکلا۔

تھوڑی ہی دیر میں گلو اندر داخل ہوئی۔ کمرے نے اسے دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی۔ پھر جھلا کر بولی۔

"جی بی بی"۔

"دیکھو۔ یہ بے چاری بڑی دور سے آئی ہے۔ اسے باہر کا کھانا کھا کر پیٹ خراب ہو گیا ہے۔ ایک گلاس دودھ لے آؤ۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

"جی اچھا کون ہے؟" اس نے اچٹتا سا جواب نکال پھینکا۔

"اپنے کام سے کام رکھو۔ تمہیں اس سے کیا"۔

"اور ہاں سنو"۔ وہ باہر کی طرف چلی"۔ یہاں اور کسی سے کوئی بات نہ کرنا۔ جو بات ہو صرف مجھ سے کہنا۔ وہ تمہارا مسئلہ حل ہونا مشکل ہے"۔ اس نے بانو کو سمجھایا۔ کہ اس کی اپنی ذات ہی دلچسپی اس میں تھی۔

باورچی خان بیچ سے ادھر کر بڑی تیزی سے اندر داخل ہوئے تھے۔ سامنے ہی سرسوتی نظر آ گئی۔

"سرسوتی"۔ ان کا لہجہ برہمی کے تاثر سے مضطرب تھا۔

"ہاں صاحب"۔ وہ ان کے قریب تقریباً بھاگتی ہوئی آئی۔ نوکر لوگ اپنے صاحب کے موڈ کے بارے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔

"دشانے کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں صاحب"۔

باورچی خان اسی رفتار سے دشانے کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

دروازے پر اسٹک بڑی بھرپور تھی۔ وہ زور زور سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔

"کون؟"

"دروازہ کھولو"۔ ان کا لہجہ غضبناک تھا۔

دشانے کا دل گویا دھڑکنا بھول گیا۔ وہ دروازہ کھولنا ہی تھا۔ اس نے تابعداری کے کے دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم"۔ اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

انہوں نے کوئی جواب اپنے بغیر دروازہ بند کر دیا۔

''تیمور آ کہاں فی تھیں تم؟'' وہ اپنے غصے کو ضبط نہیں کر پا رہے تھے۔

''کہیں نہیں — میں تو سرائے گئی تھی۔ شیر گل خان کے ساتھ۔'' وہ نظریں جھکا کر کہہ رہی تھی۔

''مطلب کیا ہے تمہارا ان حرکتوں سے؟ سیدھے سیدھے بات نہیں کر سکتیں۔ کیا ضرورت تھی۔ یار اور اگر سے ہی''

''کوئی سننے والا ہو تو کہیں۔'' وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

''آرام سے نہیں رہا جاتا تم سے؟ اور لڑکیاں نہیں ہے۔ تم میں کوئی زیادہ عرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔ گر تو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ زندگی کی سب سے بڑی سزا بن گئی ہو۔ کیسے ن اس گھر کے لوگ سوئے نہیں۔ زندگی موت کا سوال پیدا ہو گیا ہے۔ کیا تم اتنی بڑی اور کم عقل ہو کر اپنے کام کے نتائج کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔''

''فائدہ سمجھتوں اور عقلوں کا جو کسی کی خوشی نہ دیکھ سکے۔'' احساس تک نہ کریں۔'' اس نے رخ موڑ کر آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ۔ کیا کمی ہے تمہیں؟ باہر نکل کر دیکھو۔ لوگ پیٹ سے پتھر بھی باندھتے ہیں اور خلائی بھی کرتے ہیں۔'' وہ برہم ہو گئے۔

''انسان کو اپنے پیدا ہونے پر اختیار نہیں۔ جو جہاں پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ پھر اس کا ذمہ دار بھی اسی کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ اگر اسے نعمتیں ملتی ہیں تو وہ ان کو اپنا پیدائشی حق سمجھ کر وصول کرتا ہے۔ اگر فاقے ملتے ہیں تو وہ اپنی بدنصیبی سمجھ کر اسے قبول کر لیتا ہے۔

جاگیردار کے ہاں پیدا ہونا میرا قصور نہیں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ مجھے اس بات کی سزا ضرور دے سکتے ہیں کہ میرا شعور کیوں جاگتا ہوا ہے۔ میں مطمئن کیوں نہیں۔ مجھے اپنے ہونے کا احساس کیوں ہے؟''

''پاگل بے شعور ہو تم۔ نعمتوں کی بارش سے کھیلنے والی جاہل لڑکی ہے۔'' وہ غرائے۔

''اقدام پر غور کیوں کرتے ہیں آپ اقدام پر کیوں غور نہیں کرتے۔ شریعت اور قانون کی کون سی دفعہ یا شق ہے جس کے تحت اولاد ''نسان'' میں شامل نہیں ہوتی۔ عدالت کسی مذہب کی ہو دین کے ساتھ کاروائی شروع کرتی ہے۔''

''یہ زبان درازی بے حیائی اور بے ادبی ہے۔ میں تمہیں اس دنیا میں پیدا ہونے پر ایوارڈ نہیں دے سکتا۔ زبان کھول کر بتاؤ۔''

''کاش جان اسی لئے شاید ہوتی حویلی میں کس اپ نہیں کر سکتے کہ''۔

''مت لو یہ نام میرے سامنے''۔ وہ مضطرب ہوئے۔

''نہیں لیتی۔ کہ مجھے پتا ہے بڑی حویلی میں ''اچھوں'' کا گزارا نہیں۔

''روشانے میں تمہیں شوٹ بھی کر سکتا ہوں۔ سمجھیں''۔ وہ اسی سابقہ انداز میں گویا ہوئے۔

''اس شخص کے ساتھ تمہیں دیکھ کر میری عدالت کے تمام طالبتیں جواب دے چکی ہیں۔''

''وہ آپ کے''۔

''میں نے یاد دہانی نہیں کروائی۔ اپنی اطلاعات اپنے پاس رکھو۔ بابا صاحب کی طبیعت ایک دو دن میں سنبھل

جائے گی۔ تب تم ان سے بات کیسے کرو گی۔ آج کے بعد تم میرے ساتھ ہو گی۔ میں اپنی ''نعمت'' خود سنبھالوں گا۔ تم نے سوت کے گھر میں بچانے کی آخری حد بھی پار کر لی ہے۔ ماں کا دل ہوتا تو سمجھ جاتی۔ اگر تم ہوا کھانے میں ملوث نہ ہوتیں۔ پھر اس کے بعد تم کبھی یہاں نہیں آ سکتی۔ تم میری اولاد ہو میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ یہ بات ان میں رکھتے ہوئے تیاری کرو۔ یہ تمہارے دادا کا گھر ہے۔ تمہارے باپ کا نہیں۔''

وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

ماہین کمرہ سوتی کے ارادے اطلاع دینے گئی تھی۔ یاور علی خان آ چکے ہیں۔

یہ جان کر کہ وہ روشی کے پاس ہیں۔ وہ اس وقت اپنے کمرے سے باہر آ کر حویلی کے مقصد کی بابت یہ بھی نہ سوچ سکی کہ یاور علی خان کہاں ہیں۔ باہر کاریڈور میں یا کہ لمحہ کر رک گئی۔

''السلام علیکم'' اس نے قدرے جھکتے ہوئے ان کے پیر چھونے کا بھی جتن کر لیا۔

''وعلام''۔ وہ ملیر کے آگے بڑھتے گئے۔

''وہ بھی پیچھے پیچھے چل پڑی۔

یاور علی خان نے کمرے میں داخل ہو کر شرٹ اتار کر بیڈ پر پھینکی تھی اور اے سی آن کر رہا تھا۔

''پانی پلاؤ ماہین! بہت گھٹن سا''۔ انہوں نے بیان اتار کر صوفے پر پھینکا۔

ماہین نے بڑا دم فریج کھول کر سب سے ٹھنڈی بوتل نکالی۔ وہ حقیقت اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔ آج یاور علی خان پھر ایک نئے انداز میں سامنے آئے تھے۔

ماہین گھبرا کر ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''بابا صاحب کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' انہوں نے جیسے ہی خالی گلاس اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ اس نے فوراً دریافت کیا۔

''ٹھیک ہیں اب۔ میرا کوئی سلیپنگ سوٹ نکال دو۔ میں آرام کرنا چاہتا ہوں''۔

ماہین دوبارہ کی ماتھا داری دب کی سمت بڑھ گئی۔

سوٹ نکالتے ہوئے اس کا ذہن روشی کی طرف بھٹکنے لگا۔ اس نے سوٹ ان کو تھماتے ہوئے سوچا یہ جلدی سے لیٹ جائیں تو روشی کی خیریت معلوم کرنے جائے۔ اللہ خیر کرے ان کا سوا تو اب نارمل ہے۔ اسے اچھے قسم کے وسوسے ستانے لگے۔

''یہ خیال ہے ماہین! تم روشی کو آج کل ذرا تیور کے ساتھ ہی پڑھاؤ۔ ہم تو کل پرسوں ہی جائیں گے''۔

ل: ''اسے جیسے اچھنبا ہوا۔

''کہاں نہیں پتا۔ اب وہ بابا صاحب کے سامنے آئے۔ اسی میں سب کی بہتری ہے''۔

''وکیلی وا گرا''۔

"کچھ نہیں کرے گی اب وہ اسٹوپڈ"۔ انہوں نے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"ٹھیک ہے۔ میرے خیال میں ابھی وہ آرام کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں"۔

"اچھا۔ اچھا۔ ایسا کرو یہ پراسے پھینکو۔ اور میرا کمرہ درست کرنے میں تمہاری"۔

وہ سلیپنگ سوٹ اٹھا کر باتھ روم میں چلے گئے۔ اس نے پراسے پھینکے اور بیڈ روم سے باہر آ گئی۔ سیدھے ہاتھ پر اس کے ساتھ۔

سب لڑکیاں مفہوم سمجھ کر ہنسنے لگیں۔

"آپا تو کرو گی ہی روشی"۔ ردا نے انتہائی خوفناک انداز میں پوچھا۔

"پتا نہیں"۔ اس نے بڑے سے ٹوٹ کیس میں اپنے کپڑے لگاتے ہوئے گم صم سے انداز میں جواب دیا۔

"جا کیوں رہی ہو؟" نیہ ہاتھوں کے پیالے میں ٹھوڑی ٹکائے اداسی سے گویا ہوئی۔

"پتا نہیں"۔

"کیا تمہاری شادی وہیں ہو گی؟" نیہ نے اپنے فرار کے تصور میں ڈوب کر پوچھا۔

روشی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ریسٹنگ ٹیبل سے چیزیں اٹھا اٹھا کر ایک بیگ میں بھرنے لگی۔ اس کے چہرے پر ایک سکون تھا۔

ماہین اس کی تیاری کے سراسر غلط ہونے کے خیال سے کمرے میں آئی تھی۔

"تیار ہو گئیں روشی؟"

"میں ماما جان سے بات کرنا چاہتی ہوں خالہ۔ وہ یہاں ہیں یا ہاسپٹل میں؟" اس نے ردا سے استفسار کیا۔

"وہ تمہیں چھوڑنے کے فوراً بعد وہ بابا کے ہاسپٹل چلے گئے تھے"۔ اس نے جواب دیا۔

"کوئی بات ہے تو بابا سے کہو۔ وہ ابھی بھیج دیں گے"۔ ماہین نے حل بتایا۔

وہ خاموشی سے چیزیں بیگ میں ڈالتی رہی۔

"بلواؤں بابا کو۔ ہو سکتا ہے تھوڑی دیر بعد ہاسپٹل چلا جائے"۔ ماہین نے پھر پوچھا۔

"نہیں"۔ اس نے ہاتھ روک کر بیگ بند کیا۔ اور ریسٹنگ ٹیبل کی دراز کھول کھول کر دیکھنے لگی۔

"بابا ویٹ کرو۔ چاہے باتیں ہی کر لو۔ اگر بھوک بھی گئی تو بعد میں لے جانا"۔ بھوک کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"ساری باتیں ہی ختم ہو گئیں۔ تمہیں بابا سے باتیں کرنی آ رہا۔ کیا باتیں کریں آپا"۔ وہ مسکراتی ہوئی اس کے قریب چلی آئی۔

"یہ چھوٹا سا بیگ۔ ماما جان والا گھر کیسا لگا؟" بھوک نے پیار سے اس کے ہاتھ تھام لئے۔

"اندر سے تو دیکھا نہیں۔ جس گیسٹ روم میں میرا قیام تھا۔ اس سے ایسا اندازہ ہو گیا تھا کہ گھر اندر سے کیسا ہو گا"۔

"آپ وہ بھی اندر نہیں گئیں؟" نیہ نے تعجب سے اس کی بات کاٹ دی۔

"کتنے پیار اور مان جان سے زندگی گزر رہی ہے۔ پھر بھی ماما جان "گھر والی" حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے

ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کی وائف مجھ سے مل کر خوش ہوتیں۔ اپنی خوشی کے سبب انہوں نے مجھ سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا۔ یہیں (دل) پر جا کر ہوں سے مطلب ہے"۔

"ہم نے تو کبھی ٹھل نہیں کیا کہ یاور ماموں اور ماما جان میں کوئی کشمکش ہے۔ ماما جان تو ہمیشہ سے ہی بہت اچھی ان کو بہت مائل دیکھا ہے"۔

سوہا کی رائے سے ناسوش قدرے مائل تھی۔ جبکہ ماہ نور کے تصور سے ہی اسے ہول آنے لگے۔ بمشکل قابو پایا تھا۔

"پھر بھی ہم نے کبھی یاور ماموں اور ماما جان کو تم کی طرح بات کرتے نہیں دیکھا"۔

ردا بھی شامل ہو گئی۔

"چھوڑیں اس قصے کو۔ اچھی اچھی باتیں کریں۔ اب روشی پتا نہیں کب آئے گی"۔

بھوک نے اپنی مخصوص بردباری سے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"تم آؤ پھر بہت دیر ہو جائے گی۔ مہمان کو گھر لے جانا"۔ ماہین نے اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ سب لڑکیاں ہی کزنز ہو گئیں۔

"وہ بابا سے نہیں ملو گی؟" ردا نے دریافت کیا۔

روشی نے ماہین کی طرف دیکھا۔

"ان بلا رہے ہیں۔ چلو"۔ ماہین نے اس سے نظر چرا کر کہا۔ روشی کمرے سے باہر نکل گئی۔ اور سب اس کے پیچھے پیچھے ہو لیں۔

وہ سب اس کے ساتھ پورچ تک آئی تھیں۔ اس دم وہاں فضل باری ان سے پورچ میں داخل ہوا۔ پہلے تو وہاں موجود ہر شخص کو دیکھ کر گھبرایا پھر جانی پہچانی صورتیں پا کر قدرے پرسکون ہوا۔ سب کو باری باری دیکھتے ہوئے۔

"باہر گاڑی ہے آپ لوگ؟" وہ سب سے مخاطب ہوا۔

"میں گھر لے جا رہا ہوں۔ جیسے وہ اس حویلی کے لڑکیوں کے بابا صاحب ہیں ہمارے بھی"۔ یہ تو روشی بھی سمجھ چکی تھی۔ اس لئے اور زیادہ گھبرائی ہوئی کھڑی رہی۔

فضل نے ایک طرح چونک کر جیب سے گن روشی کی سمت دیکھا۔ سلیٹی کالر کے کرتے شلوار میں ملبوس بڑا سا سلیٹی دوپٹہ اس پر پھیلائے وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

"یار بھائی جا رہے ہیں کیا؟" اس نے ماہین کی سمت الجھن میں دیکھا۔

"نہیں۔ فی الحال صرف روشی جا رہی ہے"۔

"صرف؟" وہ الجھ کر بولا۔

"کیوں۔ وہ جانا چاہتی ہیں اب روشی وہاں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہے"۔ ماہین نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"ملاقات ہو گئی روشی اپنی امی سے؟" وہ بظاہر ماہین سے مخاطب تھا مگر یہ سوال روشی سے تھا۔ وہ

تھا۔

"ہاں ہو گئی جب ہی تو"۔ ماہین نے معنی خیز انداز میں بات ادھوری چھوڑ دی۔

"باقی تو سب ٹھیک ہے؟" اس کی توجہ کا مرکز صرف روشی ہی تھی۔ وہ بائیک سے پہلے اتر آیا تھا۔

"ہے! کچھ کھر سے کہہ دیا کہ روشی کے کمرے سے سامان لے آئے"۔ ماہین نے بیہ سے دریافت کیا۔

"جی"۔

"کس کے ساتھ جا رہی ہیں روشی بی بی؟" ہادی نے ماہین سے پوچھا۔

"ڈرائیور کے ساتھ"۔ ماہین نے جواب دیا۔

"بہت جلدی ہے کیا"۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہو گیا۔ وہ نہا دھو کر کپڑے بدل چکا تھا۔ بس سے اتر تھا سے خاصی دیر ہو گئی تو لیل آئے ہوئے۔

"ہاں شاید — چلو روشی دیکھو — گھبرانا نہیں۔ ہم پرسوں انشاء اللہ پہنچ جائیں گے"۔ ماہین نے روشی سے کہا۔

روشی پھیلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ اس نے وہاں موجود لڑکیوں میں سے کسی سے بات نہیں کی تھی۔

تھوڑی دیر میں کھر کھر اس کا سوٹ کیس اور بیگ لے کر آ گیا۔

ہادی نے چند نگاہوں سے روشی کی سمت دیکھا پھر لڑکیوں پر نظر ڈالی۔ چند لمحے کچھ سوچا پھر بائیک سے ہوا کی گھڑ کی کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ سب لڑکیاں کہاں ہیں۔ کچھ پتا ہے؟" عشنا سامنے آ گئیں۔

"وہ روشی بی بی کو الوداع کہہ رہی ہیں باہر پورچ میں"۔ اس نے مختصراً کہا۔

"اب کہاں جا رہی ہیں موصوفہ؟" عشنا ہکا بکا رہ گئیں۔

"ہری پور"۔ اس نے پھر اختصار سے کام لیا۔

"مگر یار سامان اور ممانی تو یہیں ہیں"۔ ان کی حیرت قابل دید تھی۔

"یار پچا کے حکم پر ہی روانگی ہو رہی ہے"۔ اس نے جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

"لیکن کس کے ساتھ جا رہی ہے؟" ان کی حیرت بدستور تھی۔

"ڈرائیور کے ساتھ"۔ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھا۔

"تم چھوڑ آتے۔ کیا پتہ ہر یہ خطرہ مول لینے والی بات نہیں ہے"۔ ان کے طویل جملے نے اسے آگے بڑھنے سے روکا۔

"اب کوئی خطرہ نہیں ہے آپ اطمینان رکھیں"۔ وہ جانے کس دھن میں کہہ گیا۔

"اچھا"۔ ان کا انداز بڑا معنی خیز تھا "تمہاری" "ہاں ہری" "پرچ ہمیں رشک آتا"۔ وہ جیسے مردوں میں بھی بڑبڑایا۔

ہادی ایک دم کانشس ہو گیا۔

"ہادی — اب تو وہ نابالغہ نہیں رہے گی؟" عشنا کی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھی۔

"تم کیا جانو ان کے باپ کا کمرہ ہے"۔ وہ بھی ہادی کی مسکراہٹ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ کوئی جواب دیتا اس سے پہلے ہی عشنا مسکراہٹ دباتے ہوئے پورچ کی سمت بڑھ گئیں۔

"کون ہے یہ لڑکی؟" عالم تاب سخت کچھ میں کچھ سے لاعلم تھیں۔

"جی — وہ ماہین بی بی کی بھتیجی ہیں اور تو مجھے پتا نہیں"۔ کچھ کھسیا رہی تھی۔

"ہادی جا رہا ہے میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی ہوئی گیلے بال سلجھا رہی تھی۔ اسے یہاں آتے دیکھ کر اس نے ہاتھ روک لیا اور اک ٹک اسے دیکھنے لگی۔ اس نے بال سلجھانے کے دوران ہی بیٹھے بیٹھے سوئے ہوئے واقعی آنکھ کو اپنے حساب سے اس لڑکی کی اہم شخصیت سمجھتے ہوئے سلام کر لیا تھا۔ عالم تاب کی شناسا نہ روک طبع پر اس کا یہ انداز بہت گراں گزرا تھا۔ اس لیے یہیں خود کو روک نہ سکی تھی۔

"کہاں سے آئی ہو تم؟" وہ سر ہلا کر سے گویا ہوئیں۔

"کراچی سے"۔ اس نے ہاتھ روک لیے۔

"بڑا مطلب ہے تمہاری ہوئی کہاں ہو؟" وہ جیسے چڑ گئیں۔

"جی۔ سیدھی یہیں آئی ہوں؟" وہ قدرے بوکھلائی۔

"او — ماہین سے ملاقات ہو گئی؟ کیسے جانتی ہو ماہین کو؟"

"جی — وہ"۔ اسے ماہین کی ہدایات یاد آ گئیں۔ "آپ ان سے پوچھ لیں۔ انہیں سب پتا ہے"۔ وہ بس یہی کہہ سکی۔

"کیا مطلب؟ تمہیں پتا نہیں پتا؟" تعجب سے ان کی بھنویں اوپر چڑھ گئیں وہ خاموش رہی۔

"بلاؤ کہاں ہیں ماہین بی بی کو"۔ کچھ نے خدمات پیش کیں۔

"نہیں۔ میں خود جا رہی ہوں ان کے پاس۔ تم بھی کنگھی چوٹی کر کے وہیں آ جانا"۔

ماہین بی بی ہال میں ہیں جی۔ ہادر خانوں سو رہے ہیں ناں"۔

"ہادر کب آئے؟" عالم تاب چونکیں۔

"کافی دیر ہو گئی ہے آپ آرام کر رہی تھیں۔ روشی بی بی کو سب خدا حافظ کہہ کر ہال میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ چائے بنانے جا رہی تھی میں سب کیلئے۔ آپ کیلئے بنا دوں؟" کچھ ان کے سخت موڈ کو جلد سے جلد نارمل دیکھنا چاہ رہی تھی۔

"سب ہی کون کے ساتھ گیا ہے؟ لگتا تھا کہ قصور وار بے قصور سب ہی کی شامت آ جاتی تھی۔

"ڈرائیور کے ساتھ"۔ وہ الجھ کر ایک تفصیلی نظر ڈال کر ہال کی طرف بڑھ گئیں۔

سب لڑکیاں ہال میں موجود پا کر ایک دم متحرک ہو گئیں۔

"ہادر گیا ہے اکیلا سے؟ کیا کہہ رہی تھے؟" وہ ماہین سے مخاطب ہوئیں۔

"کہہ رہے تھا ہے تو حالت کنٹرول میں ہے لڑکی کوئی بات نہیں"۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" وہ فوراً اپنے مقصد کی طرف آ گئیں۔

"کون؟" ماہین نے بے ساختہ ادھر ادھر دیکھا۔

"وہ جو لمبا سا کرتا پہنے کیچڑ سے اپنے بائیسکل نکال رہی ہے" وہ بے خود سے ماہین کو دیکھ ہی نہیں رہی تھیں۔

"اوہ" ماہین کو یکدم دھیان آ گیا۔ اس نے فوراً عالم تاب کا چہرہ دیکھا۔ انھیں اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ الجھ سے گئے ہوئی۔

"کلی۔ ہماری جانے والی ہے"۔

"جانے والی۔ کیا مطلب؟" وہ الجھ گئیں۔

"کراچی سے آئی ہے"۔

"ہاں ہاں۔ وہ مجھے پتا چل گیا ہے" وہ بات ایک کر بولیں۔

"ہماری کام کرنے والی ہے ماں اس کی بہن ہے"۔

"مگر یہاں کیا کرنے آئی ہے؟" ان کی حیرت بجا تھی۔

"اپنے کسی سسرالی رشتے دار کے ہاں آئی تھی۔ اس کا گھر نہیں تھا۔ اتفاقاً ہمیں مل گئی تھی۔ اس لئے یہاں چلی آئی۔ لگتا ہے اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے یا اس کے حالات خراب ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ چلی جائے گی"۔ ماہین نے بہت محتاط جواب دیا۔

"نہیں خیر اس کے یہاں رہنے سے مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ اسے تو کر بھر ان کی آل اولاد مجھے تو کمسنوں کی فوج ہی نہیں۔ ایک یہ بھی ہوئی۔ وہ تو میں اس لئے پوچھ رہی تھی کہ بالکل نیا چہرہ۔ شناسا بھی نہیں لگ رہی تھی"۔

ماہین نے طمانیت کا گہرا سانس لیا۔

عالم تاب ہال سے باہر چلے گئے۔ کچھ سوچ کر ماہین بھی اٹھی اور پیچھے پیچھے چل پڑی۔ کچن سے ملحق باورچی خانہ ہال اور کوریڈور تھا۔ کلی وہاں کام کر رہی تھی۔

"کلو! اسے ناشتہ کرا دو اور سب سے اوپر جہاں تمہارا کمرا ہے۔ وہاں کسی کمرے میں اسے لیٹنے دو۔ اتنا لمبا سفر کر کے آئی ہے تھک گئی ہو گی"۔

"باجو۔ تم ناشتہ کر کے آرام کرو اور بالکل فکر نہ کرنا" تمہارا کام میں کر دوں گی۔ بس اس بات کا دھیان رکھنا جو تم نے مجھ سے کہا ہے۔ کسی اور سے نہ کہنا ورنہ تمہارا کام کبھی بھی نہیں ہو سکے گا اور تمہیں ایسے ہی واپس جانا ہو گا بابر۔ سمجھ گئی ہو میری بات"۔

اس نے باجو کی شکل دیکھی۔ کلو وہاں سے جا چکی تھی۔

"جی۔ جی" باجو چونک میں ہلانے لگی۔

سفر کے حوالے سے وہ اس بچی سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ اس کی بہن عجیب پراسرار انداز میں دنیا بھر کی

ایک ایک بات ایک ایک فرد سے پوچھ رہی تھی۔ جس جس کی ایک ایک بات سے پہلی بار اس کا واسطہ پڑا تھا۔

"ایک بات بتاؤ گی تم مجھے؟" آخر تک اسے دھیان آیا۔

"جی باجی پوچھیں"۔ وہ نے تابعداری سے جواب دیا۔

"تم اپنی بہن کو ہمارے گھر میں کام کرنے کے لئے کیوں بھیجنا چاہتی تھیں۔ مجھے جاننے میں دلچسپی پیدا ہو گئی ہے"۔ ماہین کی تجسس بہت بڑھی تھی۔

باجو نے چونک کر ماہین کی شکل دیکھی۔ پھر ایک دم نظریں جھکا لیں۔

"آپ کو کہتے ہے ہیں بھلا باجی؟"

"ایک بھی نہیں"۔ اس نے زیادہ لمبی بات کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"پھر بھی آپ کی مرضی"۔ وہ جھجک کر رک گئی۔

"وہ لوگ کہتے ہیں کہ" باجو نہیں کہا جاتا ہیں تو دیکھیں ہیں"۔ یہ بولی ایک مشکل بات تھی نہیں۔

وہ میں اس لئے بھی پوچھ رہی تھی کہ مجھے تمہارے حالات سے مکمل طور پر باخبر ہونا چاہیے۔ جانے کب سے اپنے لئے مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے"

"ہاں باجی۔ ہے ہاں کراچی میں ایک سیالی ہے باقی تیراں۔ تیرا اچھا علاج کرتی ہے۔ کہتی ہے ہوا ہو جاتی"۔

"اوہ اچھا۔ تو تم ناشتا کر کے آرام کرو۔ میں موقع دیکھ کر سب کچھ کہہ دوں گی۔ جب تک میں نہ بلاؤں تم یہاں سے مت جانا۔ ٹھیک؟"

اس نے آہستہ آواز میں جھک کر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ جیسے آپ کہیں گی ویسے ہی کروں گی"۔ باجو نے تکیے سے بال نکال کر خلاف شروع کر لیا۔

ماہین باورچی خانے کی سمت بڑھ گئی تھی۔

اس نے کلو کو باجو کا خیال رکھنے کی ہدایت کر دی تھی۔ اسے بس رات کا انتظار تھا۔ پچھلی رات کے کچھ حصے پر پریشان کر رہی تھی تو نئی رات سب سے جلد ہی اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔

بابل خان "فیصل منزل" میں معروف تھے۔ یہ وقت اس کیلئے بے حد کٹھن تھا کہ جانے کب سوئیں۔ اور پھر یہ کہ شاید سو کر بھی بچا نہ سکیں۔ ان کے پلے پلے بہ لئے سوا کا بھلا کیا بھروسا۔

"آنٹی ہاں آپ کیلئے؟" اس نے یونہی پوچھ لیا تھا۔ آخر تم بھی تو تنہا تھی۔

"ہاں۔ سو تو ٹھیک ہے۔ سونا چاہو تو سو سکتی ہو"۔

کل سے آج تک وہ کئی مرتبہ سے کوئی مرحلہ بھلانگ گئے تھے۔ اب سے تم پر آ کے تھے۔ اس نے مکمل توجہ کر لی۔ کوئی سے نہیں سوچا تھا۔ بلکہ شاید اسے اچھا لگا تھا۔ جیتی قربت کا احساس جاگ رہا تھا۔

اکثر وہ رات تو وہ اسے اتنے پر تکلف محسوس ہوئے تھے کہ گلٹی تھا ان کے اثر میں ڈوبی ہوئی ہو۔

"فی الحال تو نیند نہیں آ رہی۔ شاید وہ بھی جاگ رہی ہو۔ فون کر لوں؟"

"کیا ضروری ہے؟ اتنے فکر مت اٹھاؤ۔ اس کا آل ریڈی رابطہ خراب ہے۔"

انہوں نے گفت بھرے انداز میں کہا۔

"اوں ہوں۔۔۔ یوں نہ کہیے۔ سب کی سننا چاہیے۔ جانا کیا ہے۔"

"اب آپ سوموٹو اپنی وکالت سے میری رات کالی کریں گی؟ جائیے کر لیجیے۔"

انہوں نے جیسے جان چھڑائی۔ یا پھر یہ کہ کوئی سوفٹ کارنر موجود تھا۔

"تھینکس۔" اس نے جانے سے پہلے فریج سے چھوٹا سا بالی کا جگ نکال کر ان کے قریب رکھا۔ سائیڈ ٹیبل اور خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔

ہال میں آئی تو دیکھا۔ ہاری فون کرنے میں مصروف تھا۔ سرسوتی سیٹا سفالی میں مصروف تھی جس سے اوور ہیڈ لائٹ "مہمان" کے ساتھ باتیں بنا رہی ہے۔

"صبح ہو سکتے ہیں یہ سب کام۔ تمہیں صبح سب سے پہلے اٹھنا ہوتا ہے۔ سو جایا کرو۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

"کہاں اٹھتی ہے یہ صبح۔ ماما بلی سے پوچھیے کس طرح اٹھاتی ہیں اسے؟"

ہاری نے ڈائل کرنے کا عمل موقوف کیا اور ریسیور کان سے ہٹا لیا۔

"خیریت ہے ناں؟" اس نے ماہین سے استفسار کیا۔

"ہاں خیریت ہے۔ بس وہ ایک فون کرنا تھا ہری پور۔ روشی کو۔ مجھے یقین ہے وہ جاگ رہی ہوگی۔" وہ وہیں سوفے پر بیٹھے ہوئے بولی۔

"مجھے بھی یقین ہے۔" وہ بے ساختہ انداز میں کہہ گیا ہوا تھا۔ مگر اپنی بے ساختگی پر شرمندہ نہیں تھا۔

ماہین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"بڑی خوار ہے لڑکی۔ بس کرو۔" وہ ہنس رہی تھی۔

"ذرا ڈائل تو کرو۔ کہیں ریکارڈنگ تو نہیں لگی ہوئی۔ السلام علیکم اطلاعاً عرض ہے اس وقت تمام نمبرز ملائے جا رہے ہیں۔ وہ سہولت تھوڑی دیر بعد ڈائل کیجیے۔" اس نے بڑے انداز سے نقل اتاری۔

ہاری بڑے بھرپور انداز میں ہنس دیا۔ پھر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"کیا بات ہے بڑے خوش نظر آ رہے ہو۔" ماہین نے محسوس کر لیا تھا۔

"خوش رہنا چاہیے۔ اگر نہیں تو خوش رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔" وہ نمبر ملاتے ہوئے بھی جواب دینے سے باز نہ آیا۔

"جناب۔ مسز اور علی خان مس روشانے سے بات کریں گی۔" نمبر لگ گیا تھا۔

"آ جائے۔ ہولڈ کروایا ہوا ہے۔ بڑی خوبصورت دھن لگی ہوئی ہے۔" اس نے ماہین کو بتایا۔

"چلو پہلے تو بات کرو حال چال پوچھو۔" وہ مسکرائی اور فون اسے تھما دیا۔

"آپ بھی پکڑ کر بیٹھیں گی؟" اس نے ریسیور ماہین کو تھمایا۔

"کیا اضافہ ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے ریسیور کان سے لگایا۔

ہاری وہیں بیٹھ کر اخبار الٹ پلٹ کرنے لگا۔

"ہیلو۔۔۔ السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔" سوتی تھی۔ سوتی تھی۔ بالی وڈ سے۔ کیا یہ ذکر کافی ہے۔ اور اگر ہاں تو کیا وہ تم سے ایسی گفتگو کر رہی ہوگی جیسی وہ جاگ رہی ہوگی۔"

"نہ۔ رانی نیند سو رہی تھی؟ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ بالکل بھی ٹینشن نہیں ہے۔ وہ ری لیکس ہے۔ یہی ہونا چاہیے۔ مجھے جان کر بہت خوشی ہوئی۔"

"ٹھیک ہے۔ ان کے سوا کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ ٹینشن تم سے متعلق انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ بائے۔"

"ہاری سے بات کرو گی؟" ماہین نے ہاری کی سمت دیکھا۔ اس نے جھٹ سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اوں ہوں۔ ہاں میں مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر ٹینشن۔ مرضی ہے تمہاری۔ دیکھا بھالا اب تم سو جاؤ۔ مجھے تمہاری طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔ اوکے۔ اللہ حافظ۔" اس نے ریسیور اتار دیا۔

"بھالا تو اب۔ اب خیر لینا ہے تمہاری۔ مجھے سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ فی سرائے میں موجود ہے۔ مجھے اب جمالی پتہ چلے گا یا تمہیں واقعی تم پر بہت غصہ آیا۔ تم بھی زیادتی کرتے ہو۔۔۔؟

"یہ کوئی چھپانے والی بات تھی؟ وہ اپنے حقیقی چچا کے ہاں تھی جبکہ وہ کوئی اور نہیں تھی۔ وہاں میں کوئی خطرہ بھی نہیں ہے۔ پھر؟"

لاکہ جب اس پر انکشاف ہوا تھا تو اس نے فوراً ہاری سے متعلق اپنا گمان ظاہر نہیں کیا تھا۔ بلکہ اطمینان آیا تھا کہ سر سے بوجھ ٹل ہوئی ہے۔ جس طرح کے تعلقات ہیں اس کا یقین ہے کہ ہاری ابھی اتنا آگے نہ ہوا ہوگا اور تب بھی خان نے ہاری سے بھی اسی طرح روشی کی سودے بازی کی ہوگی جیسی طرح خود اس سے چھپائی تھی۔ اور مختصر یہ تھا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا تھا۔ روشی کی جو گفتگو وہ پیر کو ایبی کرنز کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ دونوں بھائیوں کے تعلقات "پرفیکٹ" نہیں۔

لیکن اس وقت تو اس نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔ یہ تو یقین تھا کہ علی یا ہری روشی سے حقائق معلوم کرے گی۔ اس کے اگلے ہی لمحے وہ اور کچھ سوچ نہیں سکی۔

"کل ہاں اگر میرا وقت گزرتا ہے تو زیادہ تر مچھلیوں کے پیچھے شوٹر کرتی ہیں۔ ماما جان اس طرف کیلئے تھا۔ بابا صاحب کہتے ہیں تو چلا جاتا ہوں۔ کبھی کبھار جا کر بھی کوئی کام نکل آتا ہے۔ ایندھن آل۔"

وہ مسکرایا۔ اس کا انداز اس میں۔

"ویسے یار لی۔ یہ تیمور علی خان کی شخصیت کچھ مسترلیس ہی نہیں ہے؟ مجھے تو بہت فراڈ لگا ہے۔ فراڈ لب میں سے محسوس ہوتا ہے۔ یاد ہو اس نے سر سے پرابلم ہی نہیں کرتے۔ شاید ان کے درمیان کوئی پرابلم اس نوعیت (قسم) کا ہے؟ کیوں؟"

"لی۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یقین کیجیے میں یہاں بھی اتنا الوالیس ہوں جتنا آپ سمجھ رہی ہیں۔" وہ کسی احساس سے چونک کر بولا تھا۔

ماہین چونکنا سے بغور دیکھ رہی تھی۔ اس لئے گہرا سانس لے کر اپنی ہو گئی۔

"ستو ہاری۔" بنے بنائے" کو نہیں مانتے"۔ اس کے انداز میں شکایت تھی۔

"خدا نخواستہ ۔۔۔ یہ بات نہیں ہے میری آپ تو ماشاءاللہ بہت خوبصورت ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم بھی تو کوئی تبصرہ اکل کر رہے تھے جب میں نے مداخلت کی تھی۔ پھر تم نے وہ ادھورا اکل نہیں کیا۔ کیا سوچ لیا؟" ماہین نے یاد دلایا۔

"نہیں ۔۔۔ پوسٹ پونڈ کر دیا ہے۔ شاید میرا دوست سو چکا ہو۔" اس نے ویسے بات کی نہیں۔ ملکہ اول۔" وہ لوگوں کے معاملے میں بہت کانشس ہوتے ہیں۔ ان کی ہر حرکت کا خیال رکھتے ہیں۔" ماہین نے معنی خیز انداز میں اسے نصیحت کی۔

"یاد رکھوں گا۔" وہ مسکرا دیا۔

"تم سوتے کب ہو؟" جاتے جاتے وہ پلٹ آئی۔

"خیریت؟" وہ الجھا۔

"ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔ کیونکہ ہمیشہ جاگتے ہوئے ہی ملتے ہو۔" وہ بولی۔

"سوتا بھی ہوں مگر بڑی جلدی فریش ہو جاتا ہوں۔ مجھے لمبی نیند کی خواہش نہیں ہوتی۔ ہمیشہ سے۔ اب سونے جا رہا ہوں صبح پانچ بجے اٹھ جاؤں گا۔ لیکن آپ کا جاگنا معنی خیز ہے۔ اب تو الحمدللہ سب خیریت ہے۔"

"ہاں۔ خیر اللہ کا شکر ہے۔ ویسے ہی کبھی کبھی نیند نہیں آتی۔ اچھا شب بخیر۔" وہ باہر آ گئی۔

سرسوتی کچن میں برتن دھو رہی تھی۔

"سرسوتی۔ دیکھو اوپر سے کھانا مہمان کو بلا لاؤ۔ میں یہیں ہوں ادھر ہی لے آؤ۔"

سرسوتی ہاتھ دھو کر فوراً چلی گئی۔ ماہین فریج سے پانی نکال کر پینے لگی۔

وہ سارا دن اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہی تھی مگر ایک لمحے کیلئے بھی اس کا ذہن ہالو کی طرف سے نہیں ہٹا تھا۔ ذہن تجسس کے دائرے میں گھوم رہا تھا۔ اتنی دور سے یہ سفر یہ کی جاں میں کیوں آئی ہے۔ اس عورت کی زندگی میں کوئی اور مرد نہیں ہے۔ اس لڑکی کا کیا انٹرسٹ ہے؟ ایک بے بس عورت اس کے کس کام کی؟ وہ کرسی پر بیٹھ کر تانے بانے بننے لگی کہ اسے کس کس پر احسان کرنا ہے۔ وہ آج ہر صورت سفر کے بارے میں پتا لگا لے گا۔ کہاں راہوں سے گزرنے ہوتے ہو سکتا ہے۔ اسے ڈاکیومنٹس کے بارے میں کچھ پتا چل جائے۔

تبھی اس سے حاصل کیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے اس سے بڑا بھی کچھ ہو گا۔ وہ کیا ہو سکتا ہے۔ وہ کیا ہو سکتا ہے۔

شاید کوئی بڑا نقصان ہو جائے۔ شاید کوئی بڑا فائدہ ہو جائے۔ کہ لیے واضح (اس بھی نوع انسان کی فطرت میں ہے۔ انسان کو زندگی کے راستے واضح نظر آتے ہیں تو اس کے حاصل اور مستقبل کے احساس میں ایک سکون کا احساس ہوتا ہے۔ خواہ نقصان کے سودے ہی کیے ہو مگر ایک راہ متعین ہو جاتا ہے اور پھر وہ ایک متعین اور آسان راہ ہوتی ہے۔ ماحول میں پائی جانے والی بے یقینی کی فضا سے وہ بھی گزرتا تھا۔ شاید اس کی تخلیقی جبلت کا سوال نہ ہوتا تو وہ یہاں کی کسی بات کا گہرائی سے جائزہ نہ لیتا۔

بس کچھ تھا جو اسے محسوس ہوتا تھا۔

ماحول جس کی سمت دیکھتی تھی وہ ہوا پاک صاف اور خیر جانبدار نظر آتا تھا۔ پھر بھی جانے کیا محسوس کرتی تھی۔ اس احساس سے پریشانی اٹھ ہوتی تھی کہ یہاں ہر معاملے میں غیر ضروری ہوشیاری برتی جاتی تھی۔ وہ تو اس سوچ کی حامل تھی کہ جب ازبن ہوشیار نہیں کرتا تو کانشس بھی نہیں ہوتا۔

"لی لی ہالی!" اسے کمرے کی آواز آئی۔

اس نے اپنے خیالوں سے باہر آ کر ان کی سمت چند لمحے غائب غائب نظروں سے دیکھا۔

"ہاں ۔ تم جاؤ۔ کھانا شروع کرو۔ آؤ ہالو تم یہاں بیٹھو۔ سرسوتی تم جلدی سے اپنے برتن نکالو۔ پھر نیچے چلانے۔" کمرہ باہر نکل گئی۔ مگر چند لمحوں کے بعد وہ لمحے سوں اندر آئی۔

"لی لی۔ یہ ارجنٹ بلا رہے ہیں آپ کو۔"

"کون۔ بالی کالا؟" اس نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ بالکل بھی دھیان نہیں رہا کہ نہیں جانا پھر بلا کر آئی تھی۔

"ہم بھی آتی ہوں۔ تم لوگ یہیں میرا انتظار کرو۔"

"کون ہیں جو آپ کو بلا رہے ہیں؟" ہالو نے پوچھا کسی ہوئی ماہین سے استفسار کیا

"کہاں ایسے سفر سے۔ اور اس وقت کس کی ہمت ہو سکتی ہے بلانے کی؟" وہ ہنسی ہوئی باہر چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی وہ مانع دانی لڑکی نے کھڑکی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"کتنی خوش قسمت ہے۔ ان کا ہوں ہو گا۔ ایسا کہ وہ خوش ہوں۔" اسے جانے کیا کیا یاد آ گیا۔ آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔

ماہین بہت تیز تیز چلتی ہوئی ہیڈ روم میں آئی تھی۔ اندر ہائٹ بلب جل رہا تھا۔

"لی۔ خیریت؟"

"خیریت کہاں ہے۔ کیا کر رہی ہو تم یہاں۔ ابھی تک؟" انہوں نے کرسی پر بیٹھ کر اس کی سمت دیکھا۔

"میں ذرا ہال میں ہوں۔ ابھی آ کر سوتی ہوں" اس نے دروازے کے ذرا سے کھلے کھڑکے سے کہا تھا۔

"ہال میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا لڑکیاں ابھی تک جاگ رہی ہیں؟"

"کچھ نہیں ہو رہا۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں آتی ہوں" اس نے جانے کے ارادے سے قدم بڑھائے۔

"ٹھیک ہے؟"

"اچھا اچھا۔ یہ نائٹ بلب بند کرتی جانا۔ پلیز"۔

ماہین نے نائٹ بلب آف کر دیا اور باہر آ گئی۔

ہال اور سرسوتی اس کی منتظر تھیں۔ حسب ہدایت کولنڈرنگ کی لیٹر ہوتی سرسوتی بیٹھے سے لگائے کھڑی تھی۔

"چلو"۔ اس کے سینے میں ایک آتش شوق بھڑک اٹھی تھی۔

وہ دونوں خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑیں۔

چند منٹ کی واک کے بعد اپنی منزل تک پہنچ گئیں۔

جھومر انہیں راہداری ہی میں مل گئی۔ اس نے قدرے حیرت سے ہالو کی مست دیکھا جو ماہین کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ لہٰذا اس پر لڑکی کا احتمال نہیں ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم"۔ اس نے ماہین کو سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہو؟"

"جی۔ الحمدللہ۔ آپ سنائیں نذر کو کیسے ہیں؟" وہ عجب سرخوشی میں مسکرا رہی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ خطرے سے باہر ہیں۔ تم کہاں دھرنے میں چہل قدمی کرتی پھر رہی ہو؟" ماہین نے قدرے خفگی سے ایک نگاہ ڈالی۔

"اس کی قسمت میں یہی لکھا ہے"۔ وہ ہالو کی مست دیکھنے لگی۔

"کیا ہے؟" ہالو نے ماہین کی مست اٹھتے ہوئے دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ یہ ملبہ نہیں ہے۔ اسے دیکھ کر تو تمہیں بہت دکھ ہو گا۔ جھومر۔ ملبہ کو لے آؤ ہے ترے ملبہ" ماہین نے کہا۔

"آج تو بہت ہی ناممکن ہے۔ خان ہاری خود تالا لگا کر گئے ہیں۔ ان سے چابی کون لائے۔ کیا ہی اچھا ہے کہ رہنے کرا ڈالا جائے"۔

"اوہ۔ یہ تو مسئلہ ہو گیا"۔ ماہین الجھن میں پڑ گئی۔ "یہ تو بے چاری دور دراز سے وہ بھی کھانی ملبہ لے لئے آئی ہے۔ سارا وزن" بے چاری" پر پڑا" وہ اپنے شوق و تجسس کا تو اظہار کر نہیں سکتی تھی۔

"پھر اب کیا کریں؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"کیا اسے یہاں قید میں رکھا ہوا ہے۔ عارف بھائی تو"۔ ہالو کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"یار تو زبان کیوں کاٹ رہی ہے"۔ سرسوتی نے شکایت بھری نظروں سے دیکھا۔

"ہاں۔ چلو تو وہ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے" پہلے ایک لمحہ سوچنے کے بعد ماہین نے کہا۔

"لیکن اگر وہ۔۔۔ مجھ پر حملہ کر دے گا"۔ جھومر نے خدشہ ظاہر کیا۔

"تم فکر نہیں کرو۔ میں اس سے خود بات کروں گا"۔ ماہین نے تسلی دی۔

"چلو" تم کوئی بھاری سا پتھر لے آؤ"۔ اس نے سرسوتی سے کہا۔ وہ سب ہال کی چھوٹی سی دیوار میں بنی کھڑکی پر آ گئیں۔

"یہ کہاں سے آئی ہیں؟" جھومر نے ہالو کی بابت دریافت کیا۔

"کراچی سے"۔ ماہین نے مختصر کہا۔

"آئی ہے۔۔۔ صرف ملبہ لے جانے؟" جھومر کو بڑی حیرانی ہوئی۔

"جی ہاں۔ ملبہ کیا؟" تعجبی سوال تھا۔

"نہیں" اس نے جھکے جھکے اندر ہی ماہین کی مست دیکھا۔

"یہ ان کا گھر ہے"۔ اس نے جھومر کی طرف اشارہ کر کے ماہین سے پوچھا۔

"ہاں"۔ ماہین نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا۔

ہالو نے جھومر کی اس مرتبہ بڑے غور سے دیکھا۔ نذر جھرنے کتنے بھلکڑ یا ادیانے کے پیچھے کچھ کوئی تھا۔

وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی' سب سے پہلے تو یہی کہ آپ کے اس گھر میں وہ سب جو ملبہ کہا جا رہا ہے' آپ کا گھر اتنا ویران کیوں ہے؟ اور سب سے اہم یہ کہ ملبہ آپ کی کیا لگتی ہے؟ کتنا عرصہ ہو گیا ہے اسے گھر چھوڑے ہوئے۔ کیا وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ وہ کیسے اس ویرانی و وحشت میں آپ کیسے انس لیتی ہیں؟ مگر وہ چپ رہی۔ سرسوتی کچھ دیر بعد پتھر کا ٹکڑا اٹھا لائی۔

"جلدی کر سرسوتی۔ پتا نہیں کتنی دیر بعد ٹوٹے گا"۔ ماہین نے پتھر پہنچائی پتھر دیکھ کر خوش ہو گئی۔

سرسوتی گویا تالے پر ٹوٹ پڑی۔

"کون؟" مطربہ کی سوئی سوئی آواز۔

"گھبراؤ نہیں۔ ہم تالا توڑ رہے ہیں"۔ جھومر نے دوستانہ انداز میں تسلی دی۔

"کیا اپنی جان مصیبت میں ڈالنی ہو۔ بھلا فائدہ کیا ہے۔ جاؤ سو جاؤ"۔

"تمہارے مہمان آئے ہیں' ذرا صبر کرو۔ ابھی لوٹ جاتے ہیں"۔

"مہمان؟" اس کی حیرت آمیز آواز آئی۔ آواز کا وہ کھوپا کھوپا پن ازخود چھو ہو گیا تھا۔

"ایک منٹ صبر۔ ابھی دیکھ لیتا"۔ جھومر نے تالے کو غور سے دیکھ کر "کامیابی" کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

اندر سے آواز آنا بند ہو گئی۔

وہ چاروں بھی بالکل خاموش تھیں۔ پتھر کی ضرب تالے پر پڑتی تھی اور سناٹے میں ایک آفت سی برپا کئے ہوئے تھی۔

"اندھے سے آواز آنا بند ہو گئی۔

وہ تینوں ہی بالکل خاموش تھیں۔ چھری ضرب آنے پر چلتی تھی۔ اور سناٹے میں ایک آہٹ سی ابھرا کرتی تھی۔

بالآخر لالٹین گیا۔ پرانی وضع کا لمبوترا سا بلب تھا۔ سرسوتی پیسے پیسے ہو چکی تھی۔

"شکر ــــ بھومر سرسوتی کو کوئلہ لاتک پلاؤ"۔ ماہین نے سرسوتی کا شانہ تھپک کر خوشی کا اظہار کیا اور کھڑکی کھولنے سے پہلے خود اندر داخل ہو گئی۔

ایک لمحے کو تو سرسری چمکارا گیا۔ سیلن اور بدبو سے کوٹھری کا ماحول اس کیلئے ناقابل برداشت سا تھا۔ پھر چھوٹا سا جالی دار کھڑکی کے کھلتے ہی اس پر مستزاد انتہائی کم پاور کا بلب۔

"السلام علیکم بی بی!" مطربہ کی آواز نے اس کے حواس قدرے بحال کیے۔

"وعلیکم السلام"۔ یہ کرایہ دار سے اقبال بیگم آئی ہے۔ تمہارا پوچھ رہی ہے"۔

ماہین نے جلدی سے تعارف کرایا۔

"اقبال بیگم۔ کون؟" اس نے بغور بالو کو دیکھا۔ جو دم بخود کھڑی تھی"۔ لیکن میں نے تو اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ خیرات زدہ تھی۔

"میں عارف بھائی کے گھر سے آئی ہوں"۔ اس نے بمشکل حلق صاف کر کے آواز نکالی۔

"یہ ــــ یہ ــــ مطربہ"۔ بالو نے بڑے سٹپٹاتے سے انداز میں ماہین کی طرف دیکھ کر استفسار کیا تھا۔

"عارف ــــ وہ زندہ ہے؟ کیا تھی ہو تم عارف کی؟ اس کی کوئی بہن تو تھی نہیں۔ تو کیا بیوی"۔ وہ بولتے بولتے رکی۔

ماہین کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ شروع ہو گئی تھی۔

بالو کی حالت عجیب و غریب ہو رہی تھی۔ وہ تو مطربہ کا جانے کون سا شہزادی سا تصور لئے یہاں تک آئی تھی۔ وہ مطربہ جس کیلئے وہ صرف شعر کی زبان استعمال کرتا تھا۔

"میں اس کی کچھ نہیں لگتی، تم نے انہیں کسی کا کچھ لگنے کے قابل ہی کہاں چھوڑا ہے"۔ اس کے اندر کی سوئی ہوئی بالو ایک دم جاگ اٹھی۔

ایسا کرو مطربہ۔ بھومر کے کمرے میں آ جاؤ"۔ ماہین زیادہ حساس روح ماحول برداشت نہ کر سکی۔ ہاں بھی آئے "کام" تھا۔

"بھومر! انہیں اپنے کمرے میں لے آؤ"۔ وہ کہتی ہوئی باہر آ گئی اور بھومر کے کمرے میں پہنچ کر اس نے اپنی کوٹھری کو تالا لگا دیا۔ دونوں ٹیوب لائٹیں جلائیں۔ سوئچ کا ایک بلب بھی تھا۔ اس نے وہ بھی جلا دیا اور گہری خجالت اور سانس لے کر صوفے پر براجمان ہو گئی۔ اور میرے خدا۔ یہ چاند سی مطربہ۔ کاش میں اسے بتا سکوں کہ میں اس کے بارے میں کتنی خوش قسمت ہیں وہ آنکھیں اور گھوڑے جو اصطبل میں بندھے ہیں۔ ایک دکھ اس کی رگ رگ میں اتر گیا۔

چند منٹوں بعد وہ تینوں بھی اندر آ گئیں۔ بھومر اپنے بیڈ پر اور وہ تینوں کارپٹ پر دوزانو ہونے کے قریب بیٹھ گئیں۔

وہ کھڑی تھی اور نہ بیٹھ سکی کہ کہاں بیٹھے۔

"یہاں بیٹھ جاؤ۔ کوئی بات نہیں۔ اس عربی میں سب سے زیادہ صاف ستھرا ہونا ضروری ہے۔ کم سے کم یہ تو ہے بس چار" بھی کہہ سکتے ہیں"۔ بھومر نے اپنے قالین بیٹھنے کے ساتھ اپنے بیڈ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ماہین کو بھی ہنسی آ گئی (یہ ہے دل گردے والی بھومر)

ہاتھ جھٹکتے ہوئے قدم بڑھاتے اور بہت احتیاط سے ایک کونے پر ٹک گئی۔ پھر جیسے ایک دم ہی بالو میں (ہاں تو وہ ایک عورت محسوس ہو رہی تھی۔ مگر یہ کیا۔ اتنے سوز میں نہیں جتنی جیسے کوئی قصہ ہو۔

"تم عارف کی کیا لگتی ہو"۔ مطربہ اس سے زیادہ بے چین نظر آئی۔

(تم نے اسے اس قابل ہی کہاں چھوڑا ہے کہ کوئی اس کا کچھ لگے) بالو نے اس پر ایک نگاہ ڈالی۔

"کچھ نہیں ــــ میں تو تم سے یہ کہنے آئی ہوں کہ کیوں برباد کر رہا ہے تمہیں وہ کمینہ؟" اس کی آواز میں حزن تھی۔

مطربہ نے حیرت سے اسے دیکھا" "جب تم اس کی کچھ نہیں لگتی تو کہاں سے جانتی ہو؟"

"بابا کہاں ہے؟ بتانے کے قابل ہیں۔ جب وہ یہاں سے گئے تو تم نے ان کے سامنے سارے دروازے بند کر کے کیوں نہ کھولا ہے؟ کس امید نے انہیں آج تک قید کیا ہوا ہے؟" وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"میں تو اسے ہمیشہ سے ہاں ہی کرتی رہی ہوں۔ اگر وہ سر پھرا ہے تو میں کیا کروں؟ جو کچھ ہوا اس کے سامنے ہوا"۔ مطربہ نے یا بہت بھرے سے لہجے میں جواب دیا۔

"یہ عارف کون ہے؟" ماہین سے اور زیادہ صبر نہ ہو سکا۔

"میں ہوا کرتا تھا۔ خواب دیکھنے والا میری طرح۔ ایک بے وقوف۔ اگر وہ حسن پرست تھا تو میں بھی احمق تھا۔ بالکل اسے والی چیز کا سایہ بننا چاہتا تھا"۔ مطربہ نے افسردگی سے کہا۔

"کیا یہاں تو نہیں ہیں؟" ماہین نے سوال کیا۔

"ہاں۔ کچھ نہیں۔ گاؤں کے چند بچے لکھے لوگوں میں سے ایک تھا۔ سو تم اس کے پاس واپس جاؤ تو کہہ دینا کہ (مطربہ نے اس کے سامنے پسپائی تھیں" وہ آج بھی میرے پاؤں میں ہیں۔ وہ خوش خبریاں جو وہ پوری میں بندھے جا رہا ہے۔ "میرے کسی کام کی نہیں۔ میری طرف سے اجازت ہے کہ تمہیں دے دے"۔ مطربہ کی آواز بھرا گئی۔

"مجھے تو بہت جلدی ہے۔ میں تو یہ دیکھنے آئی تھی کہ وہ کس آس پر ہر طرف سے آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں"۔ بالو نے مطربہ کی انگلیوں پر ترحم آمیز نظر ڈالی۔

"تم عارف عارف کر رہی ہو حالانکہ وہ تمہارا کچھ نہیں لگتا۔ پھر پتہ کس کا ہے؟"

ماہین کے لبوں پر وہ ہنسی۔ دوسرے یہ کہ کوئی اور لڑکی سے وہ خود اپنی تعلق ظاہر کر چکی تھی۔ اور یوں بھی اس بڑے ادارے کی پراڈکٹ تھی۔ ایک تو کی مشکوک دوسرے عالم تاب کی کھوجتی نظریں۔ اس کا اس قدر کانفیڈنس ہونا فطری تھا۔

"کچھ تو میرے خاوند کا ہے نی۔ آپ فضاست سے سمجھیں"۔ بالو نے نہایت سکون سے کہا۔ وہ ماہین کے انداز پر بہت

بچی تھی۔

''پھر — یہ عارف کا کیا قصہ ہے۔ کیا وہ مطربہ''۔ ماہین کو حقیقت حال جاننے کی بہت بے چینی تھی۔ کہ مطربہ اس اعتراف کر چکی تھی کہ وہ زلیخا کی مجرم ہے اور اسی وجہ سے فیہ قہابی کی سزا ہوئی ہے۔ کیا معلوم عارف کے قتل میں کیا کچھ اس لئے تجسس اپنے کمال پر تھا۔

''وہ میرا قاتل ہے۔ میرا خون ہے ان کے ہاتھ۔ اور میرا پاک صاف نہیں ہو سکے گا''۔ بالو پھر اپنی سے ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''بھوسر ماہین اور سرسوتی حیران پریشان بیٹھی رہ گئیں۔ مطربہ البتہ بالکل پرسکون تھی۔

''تو اسے یہاں لے آتی ناں۔ کر دیتی اس بے خوف کو پاک صاف''۔ اس نے سپاٹ لہجے میں اسے کہا۔

''میرے اس کے بیچ پابندی والا کوئی رشتہ کبھی قائم نہیں ہوا۔ وہ تو بہت بعد میں آئی تھا اور مجھے اپنے خواب دیکھنے کی عادت تھی''۔ وہ تلخ لہجے اور مسکراہٹ سے گویا ہوئی۔

''مگر تم تو شادی شدہ ہو''۔ ماہین ٹوکے بغیر رہ سکی۔

''اسی نے یہ پھندا میرے گلے میں ڈالا تھا۔ جب ہی تو کہتی ہوں وہ میرا قاتل ہے''۔ بالو بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''تمہاری میاں سے بنتی نہیں ہے؟'' ماہین ٹھیک اندازے کے قریب پہنچی۔

''میں بتانا نہیں چاہتی''۔ وہ تڑخ کر بولی۔

''پسند نہیں ہے''۔

''نہیں''۔

''کچھ ہے؟''

''مارتا ہے؟''

''ذکر کرتا ہے؟''

''جس جی — مجھے اچھا نہیں لگتا شروع سے۔ بہت بڑا ہے عمر میں مجھ سے''۔ اس نے آنکھیں رگڑیں۔

''تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ میرے میاں بھی مجھ سے بہت بڑے ہیں''۔ ماہین کا انداز سمجھانے کا تھا۔ کہ وہ ان باتوں سے ثابت ہو رہی تھی۔

''مگر وہ آپ کو اچھے لگتے ہوں گے''۔ بالو نے بے پروائی سے کہا۔

''ہاں۔ خیر یہ تو ہے''۔ وہ ہنس پڑی۔

''تمہارا میاں کیا بدصورت ہے؟'' بھوسر جو دم خود بیٹھی سن رہی تھی۔ ایک دم بولی۔

''جب دل ہی نہیں چاہا تو کیا کریں''۔ بالو نے ایک ناک چڑھائی۔

''عادت کا کیسا ہے۔ ایجاد دل سے بتاؤ۔ سچ سچ''۔ ماہین نے اس کی صورت بغور دیکھی۔

''اچھی کہ مرد اور کیسی بری ہی تھی۔ عادت تو آپ ہی بھی ہو گئی تھی''۔ بالو نے کہا۔

''خیر یہ تو عادت کیلئے ضروری نہیں۔ بدبودار بھی عادت ہو جاتی ہیں مگر عادت اب ہو تو مرد بھی بدلے جا سکتے ہیں۔ بدبودار کا۔ تمہارے گھر والوں کی رضامندی ہو گی۔ تب طلاق وغیرہ لے کر کیا ہو گا۔ تمہیں اور تو نہیں چاہئے ہو گا''۔ ماہین نے کڑوا سچ کہا۔ بالو نے گڑبڑا کر اس کی شکل دیکھی مگر بولی کچھ نہیں۔

''اس کا تو کوئی قصور نہیں۔ اس لئے تو شروع میں شادی سے پہلے ہی یہ بات طے کر لینے کا حکم ہے۔ کہ عورت کی اس طرح کی صورتحال پیدا نہ ہو۔ مگر ہمارے ہاں اس بات کا خیال ہی نہیں رکھا جاتا۔ عادت والے ہیں ساری عمر ہی بھگتنی پڑتی ہے۔ اب سوا آدمی دو والے سے پر آسودہ ہوتے ہیں۔ پھر لڑکی کیا کرے گی۔ اسے ہمیشہ ہی شروع کا مرد اچھا لگتا ہے جب کی راز کی باتیں راز ہی رہتی ہیں''۔

ماہین نے ہاتھ سے کہتے ہوئے بھوسر کی طرف دیکھا جو دراصل اس کے حواس سے گم ہو رہی تھی۔

''کیا عارف کا حویلی میں آنا جانا تھا؟'' اس نے مطربہ سے دریافت کیا۔

''اس کی ماں حویلی میں ہی دائی تھی۔ اس کا باپ پٹواری تھا۔ بڑے خان کی عارف کو بڑا گھما رہے تھے کہ اپنے بعد پٹواری سنبھالے''۔ مطربہ نے جواب دیا۔

''کیا تمہارے اس قصے سے میری بہن کا بھی کوئی تعلق ہے؟'' وہ کسی خیال سے چونکی۔

مطربہ چند لمحے خاموش رہی۔

''میں کیا کہوں۔ ان کا یہ انتقام ان کیا ہے میں نے''۔ وہ رونے لگی۔

وہ سوال آ گیا تھا جس کے لئے ماہین نے تمام وقت شروع کی ہوئی تھی وہ ایک دم سنبھل گئی۔

☆—☆—☆—☆—☆

وہ چاروں اس کی سمت بغور دیکھ رہی تھیں۔

خدا کے لئے صفدر اب بس کرو۔ کیسا الو۔ ماہین نے بہت ڈپٹ کر کہا تھا۔

تم کیوں مجھے دھونڈتی ہوئی آئی ہو۔ اس نے

ماہین کی بے چینی نظر انداز کر کے بہت سکون سے کہا۔ میں تو تمہیں ساتھ لے جانے کے لئے آئی تھی کہ تم اس سے اتنا کہہ دو کہ تم نے اسے آزاد کر دیا۔ اسے رہا کر دو۔ ایسے کہ وہ تمہاری آس میں بیٹھا چھوڑ دے۔ بس اپنے لئے ہے اس کے لئے جو اس کے ساتھ جینا چاہتے ہیں۔

ہالو ایک تواتر سے بولی اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس کی جانتی تھی ہالہ کہ ماہین کس عذاب سے گزر رہی ہے۔ اسے اسے ہمیشہ مایوس کیا ہے۔ کب اسے اپنا پابند کیا ہے۔ کیوں خوامخواہ وہ محرومی کو رونے لگا رہا ہے۔ ایک بات سنو شاہ کا دماغی توازن درست نہیں رہا۔ تم بالکل جوان ہو۔ کوئی اور تھامنے کا سوداست کر بیٹھنا۔

صفدر نے بڑے خلوص سے مشورہ دیا تھا۔ اور ایک بچے چاہنے والے کی سا کو بڑی طرح ہمدرد کر کے گھوری تھی۔

بھئی تم یہ قصہ کل پہ اٹھا رکھو صفدر مجھے بتاؤ۔ کیا کہہ رہی تھیں آپا ماہین سے صفدر بردباشت نہ ہو سکا۔

کیا سننا چاہ رہی ہیں آپ؟ پتہ نہیں آپ کی برداشت کی حد کہاں تک ہے؟ وہ پھر اطمینان گرفتہ ہے لگی ہے گویا ہوا۔

تم میری فکر نہیں کرو ماہین نے جلدی سے تسلی دی۔

جھوٹ کے سامنے ہی بتا دوں۔ کہیں یہ حملہ الٹا نہ کر دے۔ صفدر دھیرے سے مسکرا لی۔

ہے پھر رہو۔ ماہین بابی کو مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

جھوٹ مصلحت بات کھٹکھٹا لی۔ اس بات سے تسلی نکر کر ماہین اور ہالو اپنے اپنے بھیجی خواست سے گئی ہیں۔

"بات کچھ اس طرح سے شروع ہوتی ہے بابا!" صفدر نے کچھ سوچتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"سوچتا ہے۔ بتاؤ بھابھی بابی کہاں رہ گئے"۔

ہالو سوا آنے بھگل نیچی اپنی کا پیچھے کمرے میں داخل ہو گئیں۔ ماہین بے چاری کا اچھا خاصا اوری تھا۔ تھا اپنے گھر کا سلام لیے سوا آنے مشہور ہو گئی تھیں۔

"اوئی وقت سے دیر پکڑ نہیں سوا آنے۔ ایک تو اوپر نیچے گھڑی دوسرے بارش"۔

ایک کونے میں پڑے چیئر پہ بیٹھ بیٹھ بڑبڑی بی کراہتے ہوئے بولیں۔

"میرے کہا تاؤں پھوپھی۔ کمرے تو حساب سے ہی چلی تھی۔ مگر کیا کروں طبیعت اکیا۔ ظلم تھسیلی بار ہو شیخ گئی اس کے اس پھولے سے گاؤں اللہ وسایا تک پہنچنا آسان کی بات ہے۔ میں تو تمہارا نہ ملتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ کس کا علاج کروا رہی ہو"

خالہ سوا آنے نے سر سے دوپٹہ کھینچ کر نیچوڑنا شروع کیا۔

"ارے ہی حکیم چلن والا۔ اور کون سے شاہی طبیب آئیں گے یہاں"۔ بڑی بی تکلیف سے عاجز ہے سوال پوچھا یا کر جس کر لیں۔

"خیریں تو نہ کہو پھوپھی۔ بڑے بڑے شاہی طبیبوں نے نبض ٹٹولی ہے تمہاری"۔ خالہ سوا آنے نے گلے سے دوپٹہ بھی اتار کر نچوڑنا شروع کر دیا تھا۔

"کمبخت کب کی باتیں لے بیٹھی۔ کچھ کھا پی لے کپڑے بدل کر بھوکی پیاسی سردی ہو گئی۔ ارے شان بالو۔ کدھر ہے رہا۔ خالہ قلی ہیں"۔ بڑی بی نے پوری طاقت اکٹھی کر کے چیخ دہاڑ شروع کی۔

چند لمحوں بعد ایک بچی کا جھانکا ہوا تھا۔

"السلام علیکم — خالہ — میں تو جمعت پر بارش میں نہا رہی تھی"۔ وہ خوشی سے نہال نکر رہی تھی۔

"ہزار مرتبہ کہا ہے وقت بے وقت کوئے پہ مت کھڑی ہوا کر۔ پر سوں بھی تجھے ہمنر لو بادل کا لوٹا چھڑ رہا تھا۔ یا تو آ کہاں مر گئیں ہے"۔ بڑی بی کا پارہ چڑھ گیا۔

"اب کیا کرے غریب "عمری چھڑوانے کی ہے"۔ خالہ نے تعقب لگایا۔

"لاؤ خالہ جان دو۔ تمہارے کپڑے نکال دوں۔ ان کی عادت ہی ہے بہانے بہانے سے ڈانٹنے کی"۔ رشان بالو نے خالہ کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔

"بھئی کہا اٹھا لی ہے لوڈ بالے"۔ خالہ نے بھیگے کپڑوں میں جانے کس انجانی خوشی سے چور چور سوی گڑیا کو دیکھا۔

"اذان بھی لے لے گی۔ کوئی وقت جاتا۔ اسی لئے تجھے بلایا ہے کہ اس بھاری پتھر کو ہٹا لے۔ میں اکیلی کیا کیا کچھ آواز میں گھوڑا دوں۔"

"ارے اللہ نہ کرے کہاں کا بھاری پتھر۔ کیسی خوشبو جیسی لوٹ رہا ہے۔"

خالہ نے ستائشی نظروں سے اس کا سراپا دیکھا جو سوا آلے ترتیب وار تھا۔

"یہ تو اپنی ماں سے بھی بڑی شے نکلی ہے۔"

خالہ نے گریبان سے جھانکا اور اس میں سے چابی نکال کر زعفران بانو کو تھمائی۔ "اپنی ترکیبیں ان کو سمجھا دینا۔"

"ارے چھوڑ مراد کا قصہ۔ جان جلتی ہے میری اس کے نام پر۔"

بڑی بی نے اپنی جان زعفران سے خوب جلا بھن کر ایندھن فراہم کیا۔

زعفران بانو بیٹھے ہوئے صندوق کھول رہی تھی۔ "ایسی ترکیبیں تو مردوں عورتوں کی کرتے ہیں۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"اری بدذات کس کس سے سن یہ ترکیب۔ ابھی سے تیرا یہ حال ہے۔" بڑی بی تو آگ بگولہ ہو گئیں۔

"مردوں کی تعریف پہ نہیں جاتے بنا آنچ پگھلائے کا دانہ ہے یہ مردوں کا۔ خبردار۔ ایسے ہرکات کرا لئے ہیں اب طرف کہ بچ کر پانی تک نہ پیئے۔" خالہ سوا آلے قورمے سجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"اری تو نے بتایا نہیں کس نے کی تھی تیری تعریف؟" بڑی بی کی سوئی ایک جگہ اٹک گئی تھی۔

"ہائے اللہ امی نے تو ویسے ہی کہہ دیا تھا نا!" زعفران جھلا گئی۔

"ارے ہٹاؤ بھی پھوپھی۔ مچھلی کے بچے کو کون سکھائے۔" خالہ غل غل کرتی ہنسی کے ساتھ گویا ہوئیں۔

"یہ تو اسی طرح لہا دھو کر پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ جاؤ خالہ! تم نہا کر کپڑے بدل لو۔ میں تمہارے لئے کھانا گرم کرتی ہوں۔" زعفران بانو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو تو کپڑے بدل لے۔ بخار وخار چڑھ گیا تو الٹے لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔" خالہ کپڑے اٹھا کر غسل خانے کی طرف چل پڑیں۔

"زعفران بانو!" بڑی بی نے پکارا۔

"ہوں"۔

"ذرا سا سوہی کا صفورہ نکالے۔ بڑی دور سے آئی ہے خالہ۔ ایک پیالی چائے بھی بنا دینا۔ پانی میں بھگونا ہوگی آلی ہے بے چاری"۔

"سن رہی ہے؟"

"ہاں ہاں — بہری نہیں ہوں!" وہ چڑ کر بولی۔

"تو کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہی ہے۔ آواز دبا کر بولا کر۔ جوان لونڈیوں کے یہ ڈھنگ اچھے نہیں ہوتے۔" بڑی بی ناراض ہو گئیں۔

"بڑی! تعلیم جلیس والے کے پاس دوا لینے جانا تو کہہ کر لے کی بھی ولی دو آلی کہ بلغم کی بہت شکایت ہے۔ وہ تمہارے بولنے میں کام آ جاتی ہے۔" زعفران بانو نے جھلا کر کہا تھا۔

"دیکھ اس کی زبان کیسی چلنے لگی"۔ نامراد لقمہ کے ساتھ کیا زبان بھی نگلتا ہے۔ اب تو بڑی استعمال سے لگی"۔ بڑی بی بڑبڑانے لگیں۔

زعفران بانو چپ چاپ کھانے کے انتظام میں لگی رہی۔

"تھوڑی دیر میں خالہ غسل سے باہر آ گئیں۔

"پھوپھی۔ شہزاد کو تو کل دوا میں چکر لگاتی ہے اب؟" وہ بڑی بی کی چارپائی پر ایک طرف بیٹھ گئی۔ "دیکھوں چکر لگا لے گی۔ ہم لے ان کو کون سا اس کے قرضے دینے ہیں۔ بھولے بھٹکے ملنے پڑا آ جاتے ہیں۔ کبھی کبھار۔ میں تو حیران سے ہو جاتی ہوں کہ وہ تو اتنے ایسی قیمتی ساڑھیاں پہن کر سجنے میں پیل ہو کر آتی تھی کہ میاں کی آنکھوں میں جھونکا پیش کرتے پھریں۔ میری طرف سے تو مر چکی مراد اور تو سنا تیری کیسی گزر رہی ہے؟"

"بس ٹھیک گزر رہی ہے۔" بڑی بی مشکل سے فرصت نکال کر آئی ہوں حویلی میں مہمان کے بیٹے کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ بڑی بی تک تک سے دوست بہتو ڈھولڑی ہے سوا آلے۔ دیکھی تو نہیں میں نے مگر چرچے بہت ہیں۔ بڑی زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بڑی کی تیاری تو جو ہے سو ہے سوا آلے گھر بھر اپنی اپنی ہی مار رہا ہے۔ بڑی بہو نے چار سوٹے کے جوڑے اپنے بنوائے ہیں۔ تین تین جوڑے نوکروں کے بنے ہیں۔ میرے لئے بھی کرن پھول بنوائے ہیں۔ بڑی بہو نے کہ تم ہماری پرانی اور باعتبار رونق ہو۔"

"واہ۔ تیرے تو مزے آ گئے"۔ بڑی بی پہلی مرتبہ مسکرائیں۔

"ارے کیا مزے۔ اپنی بھی کوئی زندگی ہے۔ دوسروں کی صورت دیکھ دیکھ کر کٹ رہی ہے۔ نیند آتی ہے تو بھی مالکن سے پہلے نہیں ہو سکتے۔ غلامی بڑا بھاری بوجھ ہوتا ہے پھوپھی۔ تم مزے کہہ رہی ہو۔"

"چل خیر۔ اب تو زعفران بانو تیرے ساتھ جا رہی ہے۔ تیرا وزن کم ہو جائے گا۔ کل سے پیلتی ہے۔ آنکھ تو بالکل ہی ٹھیک ہے۔ جتنا مرضی کام کروا لو۔" بڑی بی نے تسلی کے ضمن میں تعریف کی۔

"اب ایسی جانور بھی نہیں ہوں کہ تم لے جا کر استھان پر ہی باندھ لو۔" زعفران بانو نے ہنستے ہوئے نئے پیالی بھر دی۔

"بہت بولتی ہے کمبخت"۔ بڑی بی کے انداز میں محبت تھی۔

"اگر اسے ساتھ لے گئی تو تمہارا کیا ہوگا پھوپھی؟ تم سے تو کل کر پانی نہیں پیا جاتا۔" خالہ نے تشویش ظاہر کی۔

"تو میری فکر نہ کر۔ مراد علی مجھے لے جائے گا۔ دس مرتبہ کہہ گیا ہے کہ اماں لوٹا لا کھانا نہ کھا۔ دکھی پھر میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔ میرا کیا ہے آج مری کل دوسرا دن۔ فکر تو مجھے اس کی تھی۔

زعفران کی تو تعلیم ہی میں دعا نہیں ہے۔ اس کی طرف کیا دیکھتی ہے۔ بس خوف خدا کر کے اس کا خیال رکھنا۔ کوئی جوڑا اٹھوا کر دیں حویلی میں کھپا دینا۔ دوائی کپڑا اور سر چھپانے کا آسرا ہو جائے یہ بھی بہت ہے۔

"سولہ آنے۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ آگ باہر کی نہ لگ جائے۔ مسالہ بھرا ہوا رہ گیا ہے۔ اداسی آنکھوں میں بھر گئی تو سمجھو ہی ہے ذلت بھری بات"۔ بڑی بی نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"ہاں ہاں سمجھ رہی ہوں پھوپھی۔ باپ پر پوت نسل پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا تو فرق ہی کرتی ہے۔ بیٹا باپ پر تو بیٹی ماں پر جا سکتی ہے۔ حیرت کیا۔ ماں بھی وہ جو ایسی ماں جایا کی طرح بھولی کہ دوسرے دیسوں کے آسمانوں تک پتنگ آئی۔ جیسے اکیلے جانہ کو ستر جگہوں کے لوگ دیکھیں۔ مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ خوب سمجھی ہوں میں"۔ وہ بڑے انداز سے ہنسیں۔

"بیٹے تیری حویلی کا ماحول کیسا ہوگا۔ دھیان رکھنے"۔ بڑی بی کی فکر کم نہیں ہو رہی تھی۔

"حویلی میں مرد اور زنانہ الگ الگ ہے۔ مگر تو کر چاکر تو سب کے سامنے ہی آتے ہیں۔ مگر تم بے فکر رہو حویلی کے لوگ اپنی اپنی دنیا میں مگن رہتے ہیں۔ ان کی اپنی عورتیں بھائی کا بل۔ موٹی سی۔ تو بہ سے اچھا کھانا پکاتا ہے۔ ان کی محبت کے آگے کس کا چراغ جل سکتا ہے۔ اب جو نئی آ رہی ہے اس کے تو چرچے ہی بہت۔ بتول بڑی بہو کے جیسے تصویر۔ مجھے کہہ رہی تھی۔ اتنے بڑے بال ہیں اس کے کہ تیری دادی نگاہوں کی سولہ آنے اس کا سر دھونے کیلئے تلاش کرنے کیلئے"۔

"ارے پھوپھی اس بچے سے آ رہی ہے وہ بھی ایک ہی دانہ ہے۔ اس سے بھوٹا تو ہار پڑھتا ہے جانے کیا ہوا۔ مگر ہمارے اس خان کا جواب نہیں بہت ہی نیک مزاج ہے۔ بے تو بھی بڑا ہوا۔ ہر وقت کتاب آنکھ سے لگی رہتی ہے۔ سنا ہے بہت بڑا امتحان دے گا۔ ارے ایک سے ایک خوبصورت تو گرائی ہے۔ کام بھی بڑی سے ہی کرائے گا۔ میری تو فکری ہی بھی ہے اس کے کمرے کی گھنٹی۔ بھلے آدمی رات کا کوئی کام ہو۔ گنہ نہیں ہے ہماری حویلی میں"۔ خالہ نے کھانا کھاتے ہوئے بہت کچھ بتا دیا۔

"یہ تو۔۔۔ تو بہت اچھا بولی سولہ آنے۔ سکون آ گیا مجھے"۔ بڑی بی نے پرسکون انداز میں آنکھیں موند لیں۔

"خالہ! حویلی کی شادیوں میں تو بڑا مزا آئے گا۔ میں تو خوب گانے گاؤں گی"۔

"زنان بالو نے اشتیاق بھرے انداز میں کہا۔

"ہاں جانے ہی دکھاؤ جیسے اپنی اوقات۔ بڑی آئی سرتال کی اولاد"۔ خالہ ہنسیں۔ تو الہ حلق میں اٹک گیا۔

"بیان سے خالہ! بڑا اچھا اصول بتاتی ہوں۔ حکیم چلمن والے کے لڑکے کی شادی میں ایسی ڈھولکی بجوائی کہ کہ واللہ ہو گیا مگر مجال ہیں اس وقت تک نہیں بلیں جب تک میں نے ڈھولکی بجانا بند نہیں کی۔ چاہے تم کسی سے بھی پوچھ لو"۔

"سنبھال کے سولہ آنے۔ دیکھ رہی ہے اس کی ہر کتیں"۔ بڑی بی کو وسوسوں نے پریشان کیا۔

"سولہ آنے سنبھالوں گی پھوپھی۔ تم کیوں فکر کرتی ہو"۔ خالہ قل قل کرتی پھر ہنس پڑیں۔

"میری مانے تو کوئی ڈھنگ کا لونڈا دیکھ کر اس کے ہاتھ پیلے کر دیجیو اپنی حویلی میں"۔ بڑی بی کو فکر ہو گئی۔

"لونڈے ہے لونڈے"۔ خالہ سولہ آنے حلوہ حلق سے اتارتے ہوئے بولیں۔ زنان بالو ابھی ابھی کہہ کر گئی تھی۔

"میں نہیں کروں گی وہاں کے کسی لونڈے سے شادی کہ ساری عمر بیگموں کی دھتکار ہی سنتی رہوں"۔

زنان بالو کی نند ایک بھلی خالہ کے کیڑے نکال رہی تھی۔

"دیکھو تو سہی ذرا بے غیرت کو۔ اور کیا تو اب جائے گی نہیں گے سے"۔ بڑی بی نے چڑ کر کہا۔

"تو بہ ہے پھوپھی۔ پاگل ہے۔ تم تو سیانی ہو۔ بولے تو۔ کیا جادو ہے ان کی زنان بالو کے سر سے اتر ہی نہیں رہا ہے"۔ خالہ بڑے مزے لے لے کر بتا رہی تھیں۔

"ارے کچھ کھا بھی لیا ہے خالہ"۔ زنان بالو نے کیڑے نکالنا شروع کر دیے۔

"بچا تو۔ مجھے بھی۔ میں بھی دیکھوں کیا تیر مارا ہے"۔ بڑی بی نے اطمینان کی کوشش کی۔

"تو بی بی اتنی ناک بھی اچھی نہیں ہوتی۔ سیدھے سیدھے کہہ دیں حسد کھا رہے"۔ زنان بالو تنک گئی۔

"جل مرو ابھی اس بات سے فضول کرتی ہے۔ لاؤ سے ذرا سا حلوہ"۔

خالہ بی خوش مزاجی سے مجھوتہ نہیں بات بے بات ہنستی تھیں۔

"کرے عالم تاب سے یہ زیب تو جن کر آ گئی۔ یکتا ہیں ہی ہے جیسی کی تھی"۔ اماں نے ایک آہ بھر کے کہا۔

"ہائے اللہ نالی ایسی۔ تصور تو بہت ہی بھولے ڈال دیے۔ کیا آواز نکلے گی ان سے۔ یا رب میں تو اتر نہ ہو گا کیا نورصورتی۔ میں تو سوچ رہی تھی۔ ان میں حویلی میں چھم چھم کرتی چلے گی تو در و دیوار سے رونق پھوٹے گی"۔ عالم تاب ہنسے ہوں ہوں کر گئی۔

"سلم نہیں اسے پازیب پہنانا ایسا بھی لگتا ہے کہ نہیں۔ یاور کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔ کتنا قدامت پسند ہے معمولی سے شوخ رنگ کو پسند نہیں کرتا"۔

"ارے نالی اماں۔ انکی بیوی آ رہی ہے کہ بس اسی کی سنا کریں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔ بالکل بول جائیں گے یاور"۔ عالم تاب ہنس پڑے۔

"پتا نہیں اس کا دل بھی لگے گا کہ نہیں"۔ اماں ہی فکر مند ہو گئیں۔

"ارے بڑا اچھا دل لگانے والا صاحب رہے ہیں اسے۔ یاور خاناں جیسے لوگ بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں"۔

عالم تاب نے اپنی طرف آتے ہوئے یاور علی خان کو دیکھ لیا تھا اس لئے ان کی شوخی سوا ہو گئی۔

"کیوں ہر وقت مجھ غریب کو شامتے پر رکھتی ہیں بھابی بیگم"۔ وہ مسکراتے ہوئے ماں کے نزدیک بیٹھ گئے۔

"تالی اماں فکر مند ہو رہی ہیں کہ پتا نہیں وہ شعراوی کا دل بھی لگے گا کہ نہیں۔ وہ شعر کی پی ہے ہی اور یہ بھابی"۔ عالم تاب بولیں۔

"مجھ کچھ ہے ان کے سامنے ہی ہے انہیں دل لگا آتا ہوگا جب ہی تو راضی ہوئی ہیں"۔ یاور علی خان نے بظاہر سنجیدگی سے کہا مگر ان کے انداز کی شرارت سے عالم تاب سمجھ گئی تھیں۔ قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

"دیکھ لیا ہالی اماں۔ کیسے پیچھے ہوئے ہیں آپ کے صاحبزادے"۔

"اللہ غریق کی مغفرت کرے۔ یہ تھی خیال آ گیا تھا"۔

"یہ تھی فکر کرتی ہیں ہالی اماں۔ جن سے دل لگا ہے ان کا اطمینان تو دیکھیں۔ جیسے حقیقی بیٹے کے احسان کی بوجھ ہی ہو"۔ عالم تاب ہنس پڑیں۔

یاور علی خان بھی قدرے جھینپ کر مسکرا دیئے۔

"اتنی خوشیاں اتنی روشنی میرے دل کی بے سکونی بڑھا دیتی ہیں"۔ اماں جی اچانک فکرمند نظر آنے لگیں۔

"وہ کیوں ہالی اماں؟" عالم تاب حیرت سے انہی شکل دیکھنے لگیں۔ یاور علی خان بھی الجھن بھری نظروں سے اماں کی طرف دیکھنے لگے۔

"کب آئے گا جیور ۔۔۔ وہ کیسے جان پائے گا کہ اپنے جب خوشیاں مناتے ہیں تو دل کیا محسوس کرتا ہے؟ بھرے گھر میں کیسے رہتے ہیں۔ رنجور جیسے رشتوں میں بندھنے کے دکھ سکھ کیا ہوتے ہیں۔ یہاں لوٹ کر چار کرختیں کھانے ہیں وہ اپنی چائے ڈل روٹی کھاتا ہوگا۔ اپنے جوتے خود پالش کرتا ہوگا۔ کبھی دیر سے آنکھ کھلتی ہوگی تو بھوکا گھر سے نکل جاتا ہوگا"۔ چند قطرے ان کی آنکھوں سے چھلک کر چہرے کی جھریوں میں گم ہو گئے۔

"ہائے ہالی اماں۔ اسے وہاں کوئی کمی نہیں۔ وہ کون سا نوکری کرتا ہے۔ صرف پڑھتا ہی تو ہے۔ بڑے بھیا اور بھابی جو اسے بھجواتے ہیں بابا صاحب۔ وہ اسے بہت ہیں۔ وہ تو یہ کہتا ہے کہ وہ یہاں سے زیادہ خوش رہتا ہے اماں۔ آپ خواہ مخواہ فکر کرتی ہیں۔ تقاضے ذرا۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کا بیٹا کتنا لائق ہے۔ آپ تو بڑی قسمت والی ماں ہے ہالی اماں اپنے سارے بیٹے لائق ہیں۔ میری طرف دیکھیے۔ ایک بدنصیب ماں ہوں جس کے ایک نہیں دو دو بیٹے"۔ ان کی آواز بھرا گئی۔

"یہ لیجیے۔ اماں جی کو سمجھاتے سمجھاتے آپ شروع ہو گئیں۔ بھابی بیگم"۔ یاور علی خان نے جیسے زچ ہو کر کہا۔

"ان کا علاج ہو رہا ہے۔ وہ ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ آپ کیوں مایوس ہیں"۔ یاور علی خان نے تسلی دینے کے انداز میں ماں کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں عالم تاب! دل چھوٹا نہ کیا کرو۔ انشاء اللہ بچے ٹھیک ہو جائیں گے"۔

اماں جی بھی اپنا قصہ بھول کر ان کی دل جوئی کرنے لگیں۔

"ہائے اماں جی! اتنا سامان جائے گا کراچی"۔ تزئین نے مارے پریشانی کے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"سامان اتنا کیسے نہ ہوگا۔ تم لوگوں کے کپڑے کی کوئی حد ہے کھانے سونے نہانے کھانے لینے دینے کے جوڑ ملے ہیں"۔ وہ ہنس کر بولیں۔

"اب ایسا بھی نہیں ہے۔ بڑے بھائی کی شادی پر ہم خاصے چھوٹے تھے۔ اور پھر بڑے بھائی کی شادی اکلوتے بیٹے کی شادی ہوئی کہ آپ کا بھتیجا دولہا بن کر بھاگ کر بارات میں بیٹھے"۔

"ہاں میں نے دیکھا تھا۔ تمہارا سانس پھولا ہوا تھا"۔ سلمان بھائی نے مسکراہٹ دبائی تھی۔ بھابی نے گھور کر دیکھا۔

"کمرے میں بے حوالہ فقرے گونجے تھے۔

"ہاں جی اماں نے تو میرا کی کا لباس بھی سلوا لیا ہے۔ وہاں سب لوگوں کے سامنے ہی تو ہمیں پہننا ہے۔ غریب اماں کے ارمان ہیں"۔ سلمان کی بھابی نے گویا پٹاخہ پھوڑا۔

"وہ کیا ہوا ہے؟ اور اسے کیا آفت آئی ہے؟ کیوں لگانے کی"۔

اماں جی تب سے ایک ایک کی صورت دیکھنے لگیں۔

"اور کیا اماں جی ٹھیک تو کہہ رہی ہیں۔ تمہیں تو چلو بھر کوئی ہے"۔ تزئین سے نہ رہا گیا۔

"سمندر تو زیادہ وسیع ہے"۔

"دیکھیں اماں جی۔ آپ کو"۔ تزئین نے شکایتی انداز میں ماں کو دیکھا۔

"تو کیا بچوں کی طرح لجھتی ہیں۔ اپنا اپنا سامان دیکھو۔ پھر وہاں پہنچ کر فضا کا رونا روتے رہنے ہیں۔

"اماں جی۔ یاور کہہ رہے تھے میں سوا دو انچ نہیں باندھوں گا۔ بلڈ پریشر بڑھتے ہیں"۔ بھابی بیگم نے جیسے کسی دھماکے سے بچنے کی کوشش کی۔

"اچھا۔ ایسے کہہ رہا تھا۔ بھئی ہم تو اپنے ہوش سے سیانا ہی دیکھتے آ رہے ہیں"۔ اماں جی واقعی چونک گئی تھیں۔

"کروڑوں کی آبادی میں اکیلے یاور علی کو دھیان آیا کہ یہ اضافہ باندھتے ہیں۔ یہاں تو دشمنوں کے بھی ان کے قریب جاتے ہوئے ہاتھ بندھتے ہیں۔ اور سوا تو اس لئے باندھتے ہیں کہ بھیڑ میں پتہ چلے گا کہ دولہا کون ہے۔ کوٹ پتلون جو ہوئے گرہ پہنتے ہیں۔ وہ نہیں پہنتے یہ لوگ۔ ارے میں تو لال گلابوں کا سہرا ضرور باندھوں گی اپنے بیٹے کو۔ اصل بات تو تاج کی ہے۔ وہ تو پہنی پڑھائے گا۔ یا نہیں؟ پھیرے تو نہیں لگوا رہی۔ اللہ دین ایمان سلامت رکھے۔ یہ تو خوشی کے رنگ ڈھنگ ہیں۔ جیسے ہر خوشی انسان خوشی مناتے۔ اللہ اپنا کرم رکھے ایسے کچے ایمان نہیں ہیں ہمارے کہ ہر پھولوں کی بھینٹ میں گم ہو جائیں۔ بھجوا تو سے میرے پاس۔ بہت بڑھ گھٹ گئے ہیں پیارے"۔

اماں جی کے ارمان تو جیسے سہرے ہی میں اٹکے رہے تھے۔

"چھوڑیں اماں جی! ایسا کوئی ضروری تو نہیں۔ نہیں مان رہے تو نہ سہی۔ شادی ان کی ہو رہی ہے۔ ان کے ہوا کا خیال کریں"۔

تزئین جو سب خواتین میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ تھیں۔ بھائی کے احساسات کے قریب قریب تھیں۔

"بچہ ہے کیوں تم بہت پڑھی ہوئی اور اسی کا رونا رو رہے تمہیں اسی لئے بیاہ کر لائے تھے"۔

وہ بھنچ گئیں۔ ان کے منہ سے نکل گیا۔ تزئین یکدم خاموش ہو کر رہ گئیں۔ کہنے والی ان کی حقیقی ماں تھی۔ وہ اب کیا کہہ سکتی تھیں۔

"اماں جی! عدیل کرتی ہیں آپ۔ قصہ کیا ہوتا ہے۔ آپ بات کیا نکال بیٹھتی ہیں۔ پڑھا لکھا ہونا کون سی بری بات ہوئی

ہے۔ روشنی چرانے جیسی ہستی بن جاتی ہے انسان کی۔ اب ان لوگوں کا تو ہمارے پاس کوئی علاج نہیں تو اپنا سر کھپا کھپا کر دوسروں کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں"۔

"رہنے دیں آپا! آپ میرے بھلے کی صفائیاں پیش نہ کریں۔ ہم جس سوسائٹی میں رہتے ہیں وہاں طلاق یا کام والی کی ذمہ دار صرف عورت سمجھی جاتی ہے۔ اماں جی اپنے حساب سے ٹھیک ہیں"۔

ثمرین نے دکھ سے رئیسہ بیگم کی بات کاٹ دی اور خاموشی سے باہر نکل گئیں۔

"حد کرتی ہیں اماں جی آپ بھی۔ آپ سے بھی اسے دکھ ہی ملے گا کیا؟"۔

رئیسہ بیگم دکھ سے گویا ہوئیں۔

"مجھ سے زیادہ دکھ کسے ہو سکتا ہے؟ غصہ مجھے اس بات پر آتا ہے کہ ایک ہی طرف ہو کر رہ گئی ہے وہ۔ بھلی تو ہمری شادی کر چکا ہے۔ کبھی بیٹے سے ملنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ نئی دنیا بسائے بیٹھا ہے۔ یہ کیوں اس طرح کیچڑ چنتی ہے۔ تباہی ہے تقدیر میں؟ اس طرح کیسے وقت کٹے گا؟ آگ لگے ایسی بڑھائی کو جو مت دھرم ہی مٹا دے۔ کون سی ماں خوش ہو گی یہ تماشا دیکھ کر"۔ اماں جی آبدیدہ ہو گئیں۔

"اماں جی! ابھی دکھ نیا نیا ہے۔ زخم تازہ ہے۔ وقت سنبھلنے کی قوت سنبھالے گا۔ وہ بچی کی وجہ سے منع نہیں کر رہی ہے۔ وہ کسی سے بھی دوسری شادی کیلئے فی الحال تیار نہیں۔ کیا نام ہے بچی کا۔ ہاں شاید پیار سے ثمو بولتے ہیں۔ وہ خوش بھی اپنی ماں کے پاس رہتی ہے۔ اس کا کوئی مسئلہ نہیں۔ بات ہوئی تھی میری عظیر بھائی سے۔ کریں گے وہ انتظار آپ مت پریشان ہوں"۔

رئیسہ بیگم نے ماں کا چہرہ چھو کر محبت سے سمجھایا۔

"مجھے تو صبر ہے بیٹی۔ وہ تمہارے بابا صاحب جو روز نیا تماشا شروع کر دیتے ہیں انہیں شاید معلوم نہیں۔ وہ عورت سخت ہو اور ماشاء اللہ بڑے کنبے والا ہو تو اس کی عورت تو جیسے ہر وقت عدالت میں کھڑی رہتی ہے۔ جیسے کہاں سے ہار کر آئے ہیں۔ ماتم مناتیاں کر رہے ہوں۔

"بچے بڑے ہو جائیں تو اکثر مردوں سے بڑا اور سخت جو چھوڑ کے جاتے اپنی عورت ہی کو گرہی سردی رکھانے ہیں۔ بھگتے بھی ہر دم کرو اب تم لوگ"۔

وہ آزردگی سے گویا ہوئیں۔

"اگر نہ کریں اماں جی! ابا کی شادی ہونے دیں۔ پھر گھیرتے ہیں ہم ثمرین کو"۔ سارہ بھابی نے بھی دہائی دی۔

"ہماری سات پشتوں میں یہ پہلا قصہ ہے بیٹی۔ ایک چھاس سی اگی رہتی ہے ہر وقت"۔ وہ بھیگے بھیگے اور دھندلائے ہوئیں۔

"اس دنیا میں روز ہی کچھ نیا ہو جاتا ہے۔ کسی بات نے پہلی مرتبہ تو ہونا ہی ہوتا ہے۔ مالک یہ ہے کہ ماں کا پیار ہوا تو دوبارہ نہ ہو سکا اور کسی کے بھی ساتھ نہ ہو"۔ رئیسہ بیگم بولیں۔

"آمین!" اماں جی کی بہوؤں کی طرح بھیگ گئیں۔

"اللہ کیا ہوا ماں جی اٹھ گئیں"۔ خالہ سوا آئے نے پریشان ہو کر پکارا تھا۔

ماہلی جو خود بے تحاشہ سے نوجوان لڑکوں کی طرف متوجہ تھیں ایک دم چونک گئیں۔

"ارے نہیں سوا آئے! آج کل تو شادی کی تیاریاں زوروں پر ہیں۔ سب وہی سے سوتے ہیں۔ سب بال بچے بھی ہیں اماں جی کے ساتھ۔ یہ لڑکی کون ہے؟" وہ جواب دیتے دیتے اپنے مطلب پر آ گئیں۔

"اری زنجان لڑکے۔ سلام کر ماہا کو۔ تیری افسر ہیں یہ"۔ خالہ ہنستے ہوئے اپنا مذاق اڑا کر بتانے لگیں۔

"سلام بیگم"۔ اس نے بڑی بڑی آنکھوں والی نوجوان عورت کو دیکھا تھا جسے بہت باوقار محسوس ہوتی تھی اسلام کہا۔

"ویلکم! السلام۔ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا سوا آئے"۔

"اے اپنی ہی لوٹ پیا ہے۔ یہیں رہے گی اب۔ میرے خیال میں اماں جی منع تو نہیں کریں گی ہاں یہ تیاری ہو رہی ہے سوا آئے"۔ خالہ نے سوالیہ انداز میں ماہا کی طرف دیکھا۔

"اب کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ تو اماں جی کا مسئلہ ہے"۔ ماہا نے جواب دیا۔

"دوپہر کی کیا ابھی سے سوچ لی؟" خالہ نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

"ارے نہیں۔ سردی کو دیکھتے ہوئے بھاری کھانا ہی بنے گا۔ اس کی تیاری سے لگ کر چلتی ہے"۔

"کیا تھی ہے یہ تمہاری؟" ماہلی کو نہ جانے کیوں لہجہ اکڑا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔

"بھائی ہے بھروسی رشتے میں۔ پھوپھی تاجور کے پاس رہتی تھی۔ ان کی طبیعت اب ایسی نہیں رہتی۔ پھر جوان بچیاں لڑکی کی ذمہ داری اور وہ بوڑھی جان۔ اسی لئے بلوایا تھا انہوں نے مجھے"۔

خالہ سوا آئے نے اپنی قسما کو کی ادا پر موڑنے کے دوران جواب دیا۔

"ماں باپ نہیں ہیں اس کے؟" ماہا نے اس کے ترتیب وار حسن کو بڑی تفصیل سے دیکھا۔

"مر کھپ گئے۔ اب کیا اکٹھا لے جاؤ گی۔ بھوکے ہیں ہم کھانا بھی کھائیں گے۔ کیا کچھ پکایا آج؟" خالہ نے بیسے اکڑ سے پہلو بچایا۔

"کیا ذوالفقی اماں جی نے۔ سارے گاؤں میں کھانا بھجوایا ہے۔ آج کھانا باہر دیگوں میں پکا تھا۔ کھرے کے گوشت کا قورمہ ہے۔ مرغی کی بریانی ہے۔ لال دالی ہے۔ کھوئے کی کھیر ہے۔ دوپہر کو گھر میں قیمہ کریلے اور ماش کی دال پکی تھی۔ وہی بچا ہوا ہے۔ جو کھانا ہے کھا لو"۔

زنجان لڑکی سوکھی آنکھوں میں حیرت اترنے لگی۔ جبکہ خالہ سوا آئے پراٹھے کی تفصیل سے کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ ان کیلئے یہ معمول کی بات تھی۔

"پہلے اماں جی سے تو مل لوں' پھر اطمینان سے کھانا کھائیں گے۔ کہاں زنجان! اچھا سنو ہیں' تیری تو آتے ہی

رخصت ہوگئی ہے تو غیر حویلی میں آنے جانے والوں کی آمد و رفت ہوتی ہیں۔ میں بھی اماں جی سے ملوانے لاؤں۔"

"خالہ" وہ پیسر پر بھا کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ زیتون نے بھی ان کی تقلید کی۔

"سولہ آنے تمہارا سامان پہنچا دوں تمہارے کمرے میں"۔ ماما نے پوچھا۔

"بالکل آپ ماما۔ بڑی مہربانی تمہاری"۔ وہ شکریہ کے بولیں۔

ایک لمبے راہداری میں تین قدم چل کر خالہ ایک بڑے سے کھلے دروازے میں داخل ہو گئیں۔ پیچھے پیچھے زیتون بانو بھی۔

ہال نما بیسے زنانہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ گرج رہا تھا۔ اماں جی تخت پر بیٹھی جوڑوں کی "لگائی" پیش کر رہی تھیں۔ باقی خواتین بیچ قالین پر مختلف قسم کے کاموں میں مصروف تھیں۔

اماں جی کیونکہ بیٹھی دروازے کے سامنے تھیں اس لئے ان کی نظر فوراً خالہ پر پڑی تھی۔

"آ گئی سولہ آنے" چل شکر ہے میں تو سوچ رہی تھی" کہنے کے دوران ہیں۔ معلوم نہیں جنت کا بنے کہ پتہ دوان"۔

"السلام علیکم"۔ خالہ نے اماں جی سمیت تمام بیگمات کو سلام کیا۔ زیتون بانو تو جیسے اندر کا منظر دیکھ کر دروازے کی دہلیز سے ہی اٹک کر رہ گئی تھی۔

وہ کپڑے جو وہ بیاہ باراتوں میں پہننے کا تصور نہیں کر سکتی تھی۔ بیگمات عام حالات میں پہنے ہوئے تھیں۔ ہر ایک کی کلائیاں کہنیوں تک چوڑیوں سے سجی تھیں۔ ایسے قرینے سے بنے ہوئے بال ناکوں میں دمکتی نتھنیوں کے علاوہ کانوں کے ساڑھے گیارہ جیسے ایسی تیاری۔ وہ بھی گھر کے ماحول میں۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی شادی میں شامیانے تلے مہمان بیٹھے ہیں۔

"وعلیکم السلام ایہ بچی کون ہے" بھتر بڑے ہیں تیری عقل پر سولہ آنے" اتنی خوبصورت بچی کو لئے رات کے اندھیرے میں آ رہی ہے۔ صبح نہیں ہو سکتی تھی کیا؟" اماں جی نے جانچتی نظروں سے زیتون بانو کو دیکھتے ہوئے جھاڑ پلائی۔

"اماں جی! مجھے ڈر نہیں لگتا۔ کوئی نیچ میں آنکھ سے دیکھتا تو اس کی اپنے سر ہوتے سے آنکھیں پھوڑ دیتی" کیا سمجھا ہے آپ نے مجھے؟"

"کس قدر بھروسا ہے سولہ آنے کو اپنے" اتھیار" پر"۔ رئیسہ بیگم نے سراہا۔

"خیر بھروسا تو اللہ پر ہے بی بی جان! آپ کو یاد نہیں رمضان کی گانے گھیری تھی میں نے" مردوں نے شادی کی تھی"۔ خالہ نے ماضی کا ایک اہم کارنامہ بطور ثبوت پیش کرنا ضروری خیال کیا۔

"وہ بے چاری تو" گانے" تھی"۔ عابدہ بھابی نے خالہ کو چھیڑا۔ سب ہنسنے لگیں۔

"یہ کون ہے خالہ تم نے بتایا نہیں؟" تزئین نے بڑی سوالیہ نظروں سے زیتون بانو کو دیکھا۔ باقی سب نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

"بھانجی ہے میری" چھوٹی بی بی جان! اماں جی سے اجازت لینے آئی ہوں میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہوں۔ ذرا ہوشیار ہے سب کاموں میں۔ آپ اس کے کام دیکھیں گی تو خوش ہو جائیں گی۔ سولہ آنے"۔ خالہ نے حالات اپنے سولہ

کرنے کیلئے خود ہی میدان میں پرزور دعا کیا۔

"تو تیرے بھی ہو لی کہاں ہوئے ہیں؟" اماں جی نے نامحرمی سوال کیا۔

"وہ نہیں ہیں اب اس دنیا میں"۔ خالہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تو اب تک کہاں رہ رہی تھی پھر؟" اماں نے تعجب سے پوچھا۔

"وہیں آپ سے اپنی بھروسی کرا کر نہیں کرتی؟"

"ہیں ہاں، وہ کوئی اور ہے کی"۔ اماں جی نے بات ٹالی۔

"جی ان کے پاس رہ رہی تھی۔ اب ان کا انتقال ہو گیا اس لئے آنے دن کی بیماری اس وجہ سے خالہ انہوں نے بھیج کر"

"اچھا۔۔۔ اچھا ٹھیک ہے" بھلا وہ بھی اسے یہاں کے طور طریقے" کچھ پتہ بھی ہوتی ہے"۔ اماں جی پھر کپڑوں کی طرف توجہ کرنے لگیں۔

"جی اماں جی! تعلیم بھی ہے" قرآن بھی پڑھا ہے" کاموں میں بھی ایک ہی ہنر کی سکول ہے" شعور ہے اس لئے آنے لگی ہے"۔ خالہ نے جواب دیا۔

"کھانا کھایا تم نے؟" عالم آپ نے جوڑے میں ٹانکا لگاتے ہوئے سر اٹھایا۔

"کھائیں گے بھی اماں جی کو سلام کرنے حاضر ہوئے تھے"۔

"تو کی تو بہت خوبصورت ہے"۔ ساجدہ بی بی نے تزئین کو مخاطب کیا۔

"ہوں! ہی دیکھ رہی ہوں۔ ہماری کنیز بننے کے لیس ہے"۔ وہ سر گوشی میں کہتے ہوئے مسکرائیں۔

"مردانے میں نہ بھیج دیا غلطی سے آفت ہی آ جائے گی"۔ عالم آپ مسکرائیں۔

"سب بی بی ہنسنے لگیں۔

"کیا کیا کام آتے ہیں تمہیں؟" رئیسہ بیگم اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"سب کام کر لیتی ہوں"۔ وہ گھبرا رہی تھی۔

"اور ہم دیکھ رہے ہیں" کام تمام" کرو گی ہو گی"۔ عابدہ بھابی نے بھنگڑی چھوڑی۔

"اوہ سب قہقہہ مار کر ہنس پڑیں۔

"ہوں ہوں"۔ اماں جی نے تنبیہی انداز میں کھنکارا۔

"اماں جی نے انہیں جانے کا اشارہ کیا" دونوں باہر نکل گئیں۔

"واہ کیا پیاری لڑکی ہے" چھڑا ہوا کوئی خوبصورت گیت"۔ تزئین نے جاتی ہوئی زیتون بانو پر نظر ڈالی۔

"شامت ہو گی آن واحد میں؟" عالم آپ مسکرائیں۔

"کیا غلط کہہ رہی ہوں بھابی بیگم؟" وہ بھی جواباً مسکرائیں۔

''نہیں تیمر' غلط تو نہیں کہہ رہیں۔ خوامخواہ تو بہت سے چہرے ہوتے ہیں' مگر اس میں ایک پراسراریت محسوس ہوتی ہے' تو سمجھ میں نہیں آرہی''۔

وہ سوچتے ہوئے بولیں۔

''ارے بتاؤ بھی کیا قصہ لے کر بیٹھ گئیں' عمر ہی ایسی ہے۔ جوانی تو گدھی کو بھی خوبصورت بنا دیتی ہے''۔

اماں جی پر اپنی فکر سوار تھی' انہیں اس بحث سے الجھن ہوئی۔

''مگر اماں جی آواز زنجان بانو ہے کہ بھی نہیں''۔ امینہ بھابی نے اکتا کر کہا۔

''ہاں' ہاں اچھے پتا ہے''۔ وہ بڑے معروف انداز میں بولیں۔

''مگر انسوائی آوازوں اور قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔

''سیدھی سادی اماں جی حیران ہو کر ان کی صورتیں دیکھنے لگیں کہ آخر انہوں نے ایسا کیا کہہ دیا۔

حویلی کے ذہانتی افراد تو کراچی روانہ ہو چکے تھے۔

ملازم عورتوں میں صرف دو بادیوی' اور زنجان بانو حویلی میں تھیں۔ اتنے سارے لوگوں کے چلے جانے کے بعد حویلی میں عجیب سا سناٹا محسوس ہونے لگا تھا۔

نئی بولے کی وجہ سے زنجان بانو صدمہ پہنچا تھا۔ رات کو چونکہ چوک کر انہ بیٹھتی تھی اور چاکر دروازے اور الماریاں دیکھتے پھرتی تھی کہ تالے لگے ہوئے ہیں یا نہیں۔ دو بادیوی تو ''ایا ہنجات'' منا رہی تھی۔ تو بے فکی سے کر سو جاتی تھی۔

نیند نہ آتی تو کچن کے کیبنٹ صاف کرنے بیٹھ جاتی تھی۔ کوئی کام دھیان میں نہ آتا تو باہر باغ میں چلی جاتی تھی' خوامخواہ کی سوچوں میں الجھ جاتی تھی۔

اس وقت بھی وہ کام سے فارغ ہو کر باغ کی سمت چل آئی تھی۔

''اس دم گیٹ پر گاڑی کی ہیڈ لائٹس جگمگائی تھیں' ایک تو اتر سے ہارن بجا تھا۔

''اس نے ادھر ادھر چوکیدار کو دیکھا پھر روتے ہوئے غلام رسول کی کوٹھڑی کی سمت بھاگی کہ شاید چوکیدار وہاں ہو۔

غلام رسول سائیکل تھا۔

''چاچا! وہاں پھاٹک پر کوئی سواری آئی ہے''۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''وہ ادھر اچھو ڈرائیور کے ساتھ ہتھ پلی رہا ہوگا' تم رکو میں اس سے چابی لاتا ہوں''۔

چاچا غلام رسول اپنی کوٹھڑی کے پیچھے چلا گیا۔

وہ وہیں کھڑی ہو کر انتظار کرنے لگی۔

''چند لمحوں بعد ہی چوکیدار گرتا پڑتا اپنی سمت آتے ہوئے دکھائی دیا اور تیر کی طرح اس کے سامنے گزر گیا۔

وہ بھی چل پڑی اور جالی کے گیٹ کے پیچھے کھڑی ہو کر گیٹ کی سمت دیکھنے لگی۔

چوکیدار نے بڑی پھرتی سے گیٹ کھولا تھا۔

''میں نہیں جانتا تھا کہ تیمر خان (ڈرائیور) کیوں لیے گیا ہے۔ تم بات دانا تین نہ نہیں بلکہ ہتھ پلی ہے تھا۔ ویسے تو ہم ہتھ پلی''۔

ایک نوجوان خوبصورت میں ملبوس تھا بڑی طرح چوکیدار پر برس رہا تھا۔

''خان اماں ابھی ابھی ادھر حقنا زہ کرنے گیا تھا' ہتھ پلی ہوتا ہے''۔ چوکیدار نے بھولی سی صورت بنا کر کہا۔

''یہ وقت ہے ان باتوں کا' نوجوان بھنائے ہوئے آگے بڑھ گیا تھا۔

غلام رسول سائیکل بھی وہاں آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی نظر ہم تھوپی زنجان بانو پر پڑی۔

''زنجان بانو اندر جاؤ' خان کو دوائی پانی دو۔ دو بادیوی تو اپنی کوٹھڑی میں ہوگی۔ اسے تو یوں بھی نیند بہت آتی ہے''۔

''چاچا یہ کون ہیں' مجھے تو ڈر لگ رہا ہے''۔ اس کی واقعی بہت بری حالت ہو رہی تھی۔

''ارے کوئی ڈرنے کی بات نہیں' خان تھکا ہوا ہے۔ دو ماہ بعد آیا ہے لمبا سفر کر کے' تو جلدی سے اندر جاؤ' کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے''۔

چاچا غلام رسول نے اس میں ''تھرل'' پیدا کرنے کی کوشش اور وہ واقعی اندر دوڑ گئی۔

اندر پہنچ کر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کس کمرے میں کہاں جائے۔ جانے خان اپنی ہتھ پلی حویلی میں کہاں گم ہے''

سوائی سی طرف سے تھنی زور سے بجی۔ اس کی تو رہی سہی جان بھی نکل گئی۔

وہ تو خود یہاں نئی تھی۔ اسے گھنٹیوں کا کوئی انداز نہیں تھا۔ وہ حواس باختہ کی ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف بھاگتی گئی۔

بچے کے سوئے کمرے بھاگ بھاگ کر دیکھ لیے۔ اب بالکونی زینے کی طرف بھاگی۔ آخری زینے طے کرتے ہی اس کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ ایک نوجوان عین سامنے کھڑا تھا۔

''سس — سس — سلام علیکم!'' اس نے تھر تھر کانپتے ہوئے سلام کیا۔

''کیا تم ادھر کام کرتی ہو؟'' سلام کے جواب کے بجائے کرخت لہجے میں سوال آیا۔

''جج — جی — وہ مجھے پتا نہیں چل رہا تھا کہ آپ کس طرف ہیں؟'' اس نے باقاعدہ وضاحت شروع کر دی۔

''ان کمبخت ملازم کیا مر چکے ہیں؟ کوئی پرواہ ہی نہیں دکھائی نہیں دے رہا''۔

''جی وہ سب کراچی گئے ہوئے ہیں' باقی جو ہیں' وہ سو رہے ہیں''۔ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

''یہاں کسی نے نہیں بتایا کہ ہم آ رہے ہیں؟ تم جاؤ اور فوراً پانی لاؤ''۔

شاید اس کے آنسوؤں نے اثر کر رکھا تھا۔ آواز اس بار پہلے سے قدرے نرم تھی۔

''آ — آپ کس کمرے میں ہیں؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

ادھر سامنے انہوں نے ایک سمت اشارہ کیا۔

وہ جلدی سے پانی لینے بھاگ گئی۔ اتنی دیر میں اس نے حریر کو اٹھا کر بٹھایا اور تکیہ اس کے پیچھے رکھ دیا۔ وہ کھانسنے لگا۔ کھانسی کا دورہ ختم ہوا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی چھوئی۔ بخار تیز تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ وہ گلاس لے کر آئی تو حریر نے آنکھیں کھولیں۔ اس نے گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ وہ گلاس خالی کر کے اس کے ہاتھ میں تھما کر پھر لیٹ گیا۔ وہ گلاس لے کر باہر آئی۔ اس نے گلاس دھویا اور پھر اندر آ گئی۔ حریر کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی چھوئی۔ بخار تیز تھا۔ اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔ حریر نے آنکھیں کھولیں۔ اس نے پوچھا۔

"کچھ کھاؤ گے؟"

حریر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"دوا لو گے؟"

"ہاں۔" حریر نے آہستہ سے کہا۔

وہ اٹھ

"جی میں خالہ سوار آنے کی رشتے دار ہوں' بہت دور کے گاؤں سے آئی ہوں"۔ اس نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"کوئی مرض نہیں ہیں تمہارے؟" دوسرے ہاتھ سے اس نے گلاس اٹھالیا تھا۔

"جی؟" وہ گھبرا کر نوجوان کی صورت دیکھنے لگی۔

"والدین"۔ نوجوان نے دانستہ اختصار سے کام لیا اور وہ گھونٹ بھرا۔

"نہیں جی"۔

"ہوں' یہ دودھ میں کوئی فلیور کیا ہے؟ بہت اچھا ہے؟"

زرخان بانو خاموش رہی' اس بھی سمجھ سکی کہ وہ حاسے پسند آگیا ہے' سکون سا محسوس ہوا۔

"بس دو کافی ہیں"۔ نوجوان نے خیرا سلاکس اٹھاتے دیکھ کر اسے روکا۔ زرخان بانو نے بہت سا کس واپس رکھ دیا۔

"اور سنو! ہم بہت دیر تک سوئیں گے' کوئی فون وون آئے تو ہمیں ڈسٹرب مت کرنا' ہاں کرنے والے کا نام ایڈریس لینا' ہم خود کال بیک کرلیں گے' اٹھ کر کوئی ہمیں جگائے نہ آئے۔ چاہے ہمیں کتنی دیر ہوجائے"۔

بہت ہی عجیب تھا' اسے دن ہو گئے تھے اسے حویلی میں آئے ہوئے مگر کوئی بھی اس انداز میں اس سے پیش نہیں آیا تھا۔ حویلی کے مردوں میں کوئی بھی اس جیسا نہیں تھا۔ صورت' شکل' قد' کاٹھ' انداز اطوار ہر طرح سے مختلف محسوس ہوتا تھا۔

سب سے زیادہ خوفزدہ وہ بابا صاحب سے مل کر ہوئی تھی' مگر اب یہ ان سے بھی زیادہ خوفزدہ کرنے والا شخص ہو رہا تھا۔

وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی طرف نظر دوڑانے کی تو ہمت ہی نہیں تھی۔

چند منٹوں بعد اس نے دودھ کا خالی گلاس ٹرے میں رکھا تو وہ چونکی اور فوراً کھڑی ہو کر ٹرے اٹھانے لگی۔

"آ۔۔۔آ۔۔۔آپ بڑے خان کے رشتہ دار ہیں؟" اس نے جانے جانے اتنا کہہ کر کے پوچھ لیا۔ نوجوان نے بھی حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"بے وقوف لڑکی! بیٹے ہیں ہم ان کے سب سے چھوٹے بیٹے"۔

یہ سن کر تو زرخان میں جیسے سر سے نکلی دوڑ گئی۔ وہ اتنا خائف و خجل ہو گئی تھی۔

"خان کو چائے ناشتے کا کس پر بھیجا ہے زرخان بانو"۔

دوپہر ہونے کو تھی' وہ بادیوی کی تشویش درست تھی۔

"جیوں نے سنع کیا تھا۔ جب وہ اٹھیں گے تو خود گھنٹی بجادیں گے"۔ اس نے برتن دھوتے ہوئے جواب دیا۔ لہجہ راجداری میں تھپکی چھپی تھی۔

"اوپروں والی اے"۔ بادیوی بدحواس انداز میں دوڑ گئی' اسے اس لمحے وہ بادیوی کا دم نکلتا لگا۔ لہجہ بے اس کی جان چھوٹی۔

چند منٹوں بعد وہ بادیوی کی دہائی واحد واحد واپس ہو لیا' گھبرائی ہوئی۔

"خان تمہیں بلوا رہا ہے' کہہ رہا ہے بلانے والی کو کہو اپنے بلائے"۔ وہ جیسے اپنی نوکری ہی ہار رہی تھی۔

زرخان بانو کے قدم جیسے پتھر کے ہو گئے۔ اس نے برتن ایک طرف کیے' ہاتھ دھوئے اور دوپٹہ سے ہاتھ پونچھتی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ ٹرے بادیوی اٹھا کر لے گئی۔

خان استراحت فرما رہا تھا۔

"السلام علیکم"۔ اس نے بڑے سنبھل کر کہا۔

"نہیں چائے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بالکل جھجک نہیں ہونی چاہیے۔ اس کو اس لئے وہاں کہا تھا کہ اسے کوئی بات کہنا ہو تو ہمیں اٹھانا نہ پڑے"۔

"وہ۔۔۔ جی مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ صبح کی چائے پیتے ہیں یا نہیں۔ سب تو دن کے گیارہ بجے پیتے ہیں"۔

"ہم نے تمہیں اس لئے نہیں بلایا کہ تم ہمارے کمرے میں بلاوجہ تاک جھانک اور نجی پرستش شروع کر دو"۔

"دیکھو پینے تو چائے لاؤ پھر یہ کپڑے پریس کرنا۔ اس کے بعد ناشتہ۔ وہ بائیک لے کر اٹھے' ایک گھنٹہ میں واپس آؤں گا"۔

اس نے خان کی طرف دیکھا۔ وہ ہدایات صادر کر کے ایک سوئی سی انگریزی کتاب میں گم ہو چکے تھے۔

بہت خوبصورت سنہری پھولوں والے سیاہ نائٹ گاؤن میں وہ پورے ماحول پر چھا رہا تھا۔ اس کی سم بھی حویلی کے دوسرے "خانوں" کی طرح ڈرانے والی تو نہیں تھی مگر بہت کھنچی تھی جس کی وجہ سے اس کا اوپری ہونٹ مشکل نظر آتا تھا۔ چہرہ بھرا بھرا تھا۔ جس پر سرخی غالب تھی۔ بال بہت قرینے سے بنے ہوئے تھے۔

وہ آہستگی سے پلٹ گئی۔

چائے تیار کرتے وقت اس پر عجیب طرح کی خجلت سوار تھی۔

"خان بڑا غصہ کرتا ہے' خیال کریں کرنے"۔ بادیوی نے اسے باخبر کیا۔

"ہاں پتا چل گیا ہے مجھے' تم اور ڈراؤ"۔ اس نے چڑ کر کہا تھا۔

چائے تیار کر کے وہ کمرے میں آئی۔ وہ ہنوز اسی زاویے سے لیٹا تھا۔

"خان چائے"۔ اس نے مگ سے کپ ہٹایا۔

"ہوں رکھو"۔

"ناشتہ کتنی دیر میں لاؤں؟"

"چھوڑو میں سفت میں لے آتا' یہ کپڑے لے جاؤ' ہم نہا کر کپڑے خود نکال لیں گے' ڈرائیور کو کہنا کہ وہ کہیں نہ جائے"۔

"جی ٹھیک ہے"۔ وہ تابعداری سے کہہ کر نکلنے لگی۔

"لڑکی! وہ کیا نام ہے تمہارا۔ بائے دی وے کا مطلب پوچھ لینا بادیوی سے' ملا سعید حاشتہ کیں تو ہمارا بھیا سے گھومنا ہو؟" اس نے عینک میں سے نظریں ہٹا کر زرخان بانو کو دیکھا تو وہ گنگ ہو گئی۔

"نکی"۔ اس کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔ دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر باہر آگئی تھی۔

"یا اللہ! حویلی کے چپے چپے میں لوگ پائے جاتے اور یہ کیا" خان" جن سب پر بھاری لگے۔ اب سر پر کھڑا ہوا تھا۔

وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ سوچ رہی تھی۔

"تو بتانی انہیں بھی ابھی یاد پڑا تھا۔ یہ اتنی بڑی حویلی' کھی ہوئی کھانوں کی خوشبوؤں اور پھولوں کی مہک سے مہکی ہوئی۔

ادھر وہ کیا کوفتا — چاندی ورق لگا ہوا بریانیوں والا' جہاں وہ خود کو مہک کی طرح محسوس کرتی تھی۔ ایک دم اداس اور اجنبی اس کے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہوا۔

"ہائے اللہ! اماں جی! تیمور آئے ہیں"۔

مہندی گوندھتی ہوئی رئیسہ بیگم اٹھ کر بھاگی تھیں اور بھائی کے سینے سے لپٹ گئی تھیں۔ "آغا آغا" سے تو ہی کے کر کھڑے وہ سب خیر پہنچ گئی تھی۔

یاور علی خان بھی آموجود ہوئے تھے۔

"یار! اطلاع تو کردی ہوتی"۔ وہ ان کو سینے سے لگا کر گویا ہوئے۔

"سوچا تھا شاید ہم کچھ اہمیت رکھتے ہیں لہٰذا سرپرائز دے کر دیکھیں۔" وہ بھائی کی پشت پر طبیعتاً مسکرائے۔

"تنی مبارک شادی ہے یار علی' سب سمو رہے ہیں"۔ رئیسہ بیگم خوشی سے نہال ہو کر کہہ رہی تھیں۔

"کوئی اور نہیں ہے تمہارے ساتھ"۔ سائرہ بھابھی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" تیمور خان حیران ہوئے۔

"بھئی کوئی میم، یم" وہ مسکرائیں۔

"ابھی تو نہیں"۔ انہوں نے معنی خیز انداز میں آنکھ مار کر کہا۔

"کیا مطلب"۔ انہی سے ادا وہ بات کر گویا ہوئیں۔

"مطلب یہ کہ ابھی تو ہم چھوڑے ہیں"۔ انہوں نے ادا کی ایکٹنگ کرتے ہوئے جواب دیا۔

بے ساختہ قہقہے برسے تھے۔

"بابا صاحب کہاں ہیں؟" تیمور علی خان نے باپ کے بارے میں پوچھا۔

"ارے وہ سمیر (یاور علی خان سے چھوٹے) کے ساتھ فیکٹری گئے ہوئے ہیں۔ سلیم الدین آئے تھے۔ ان کے ساتھ چلے گئے ہیں نے کہا بھی کہ بیٹے کی شادی ہے لوگ آجا رہے ہیں پھر ہو جائیں گے کاروبار مگر وہ سنتے کہاں ہیں"۔ اماں جی نے شکوہ کیا۔

"تم اور میرو نے میں جا کر وہاں سب کیسا بہت خوش ہوں گے تمہیں دیکھ کر"۔ سائرہ نے کہا۔

وہ یاور علی خان کے ساتھ سرداروں کی طرف بڑھ گئے۔

"بھابی! آپ نے اماں کو بتایا کہ وہ تیمور لال مرچ والا سالن نہیں کھا سکتے"۔

نرمین نے دھوئی کے چھوٹوں میں سے پٹ پٹاتی خالہ کا طنز کیا جو اسوقی کو لاڈ کرتے ہوئے پیچھے آرہی تھیں۔

"کھانے پینے کا سارا انتظام بھابی ہی تیمور والا ہت جا کر"۔ شفیقہ بھابھی (عالم ہاب کی بہن ایک بہت ہی لمبے تڑنگے سے

کہا۔

عالم ہاب کے چچا زاد بھائی شدہ بھائی ساتھ ہی رہتے تھے۔

"ہاں یہ ہے"۔ رئیسہ بیگم نے تائید کی۔

"اماں جی! تیمور کے آنے سے تو جیسے خوشی بہت ہی محسوس ہونے لگی ہے"۔

"یہ ہی خوش قسمت بھابھی ہے آنے والی اور یہ تو آتے کا نام ہی نہ لیتے تھے"۔ نرمین نے لہال ہو کر کہا۔

"ارے مجھ اور ہوا کے غرارے (سوٹ رہی ہوں استری کرنے کو نکالے تھے اس دوشی مینے میں پھر اس سے کل کے"۔ رئیسہ بیگم ماتھے پر ہاتھ مار کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ام تے میرے غراروں پر بھی استری ہوگی"۔ رئیسہ سے چھوٹی رخسانہ آواز کرتی ہیں بیگم تھیں مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ابھی شادی ہوئی تھی خوب آئی نہیں۔

"ارے سوٹ کیس میں دب کے نشان پڑ جاتے ہیں۔ میری بچیوں کو یہ اصول ہے غراروں کا ——" وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

"اپنے تیمور ماموں عرف کو کا جان کو پیکن کرا کھائیں گے کہ آپ جہاں پڑھتے ہیں اماں تو بڑی عورتیں بھی اتنا کپڑا نہیں پہنتی ہیں اتنا ہم یہاں پہنتے ہیں"۔

اجنبہ بھابھی نے ہنس کر تکلف کیا۔ سب ان کے ساتھ ہنس پڑی تھیں۔

"ارے عالم ہاب! میرو دیکھ لیا جو دلہن کے ہاں جانے کا کوئی شے کم نہ ہو۔ سوٹ کیسے کے لال نشان ہی گوارا کیا ہمیں پڑے رہے ہیں"۔

اماں جی اپنے احساس برتری سے مجبور تھیں۔

"فکر کریں اماں جی انتظامات میں میرو بھرا بھی دیا ہے"۔ انہوں نے تسلی سے کہا۔

"جیتی رہو"

"بھئی بھی ابھی خاصی گفتہ ہوا لینا۔ ایک خیال تو سوئے آنے اپنے ہاتھ پاؤں پر لیپ پوت کر لیٹ جائے گی۔ کچھ نے لمحہ سفر انہیں ہے تم ہوا ہے یا کستان بنتے وقت۔ جانے کون سے دور سے قال لٹھا کر جلی ہوئی ہے"۔ اماں جی بڑبڑانے کے انداز میں گویا ہوئیں۔

سب ہنس ہنس کر لوٹنے لگیں مگر اماں جی کی سنجیدگی میں کمی واقع نہ ہوئی۔

"ارے ذرا سی کے ہوتے بھی لینے جانا تھا بازار پہ پولیس والا کھڑا ہے یا نہیں"۔ شفیقہ بھابھی کو سمجھا رہا تھا۔

"اب آپ ایک جوتے کے لئے بھی بازار جائیں گی؟ زاہد بھائی کو کہہ دیجئے۔ اسکوٹر بھی تو ہے جا کر پہنا لائیں گے"۔ نزہت نے مشورہ دیا۔

"ہائے اب! تیور سیدھے یہاں آئے ہیں یاور بابا بھی گئے تھے پہلے۔ یہ تو پوچھ لیتی تم اماں سب ٹھیک ہے نا سب ہی اٹھتے اٹھتے پھر بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔

"ایک دو دن میں کیا ہو گیا ہوگا اس آپ کو بھی فکر لگی رہتی ہیں"۔ وہ بولیں۔

"یہ سولہ آنے اماں کے پاس گئی تھی یا انگیٹھ پہنچ گئی؟" اماں جی کو سمجھا رہا تھا۔

"آ گئی اماں جی اماں اوپر تھی۔ بچیاں نہا رہی ہے ناں اور ہاں وہاں ہارلم میں خسرے آئے ہوئے ہیں"۔ نزہت نے نئی اطلاع دی۔

"ارے تو بابا میں بیٹھا چھوڑ آئی کیا بارات میں لے کر جائے گی۔ آتا جاتی پانچ روپے دے کر فارغ کرا لیتی"۔ اماں جی چڑ کر بولیں۔

وہ کہہ رہی ہیں شمشاد سائن کے دو جوڑے لے کر جائیں گے چودھریوں کی شادی ہے۔

"لو اور سنو! شمشاد سائن کے جوڑے ایک بھی نہیں بلکہ دو انتظام بھاڑتے ہیں کراچی کے خسرے"۔ وہ جوڑے اور خسرے کے ملے جلے تاثرات سے گویا ہوئیں۔

"نزہت ذرا دیکھنے والے کپڑوں میں سے کوئی جوڑا نکال دو سوا آنے کو ادھر دس روپے رکھ دو۔ اور آنے کا بھی آنا ہے۔ دس بارہ سیر آٹے کے پیسے کیا بہت نہیں آ سیر بھر چینی اور سوئی رکھ دینا۔ جلدی سے فارغ کرے آ۔ ملے آنے بہتیرا کام پڑا ہے"۔

وہ خود کلامی کے انداز میں بولتی ہوئی باہر چلی گئیں۔

بارات کا ڈنر نسیم احمد نے ہوٹل میں دیا تھا۔

نکاح تو صبح دس گیارہ بجے کے دوران ہو گیا تھا۔ صرف گھر کے مرد اور اماں جی گئی تھیں۔

لڑکیاں پہلے سے گیت بھیڑ رہی تھیں۔

"نزہت آپا! ابھی مجھے لہنگا دکھائیں۔ میں اور زیادہ صبر نہیں کر سکتا"۔

تیور دلہن کو چھوڑنے پر بلاتے ہی آن دھمکے۔

"ابھی تو دلہا سے زیادہ بے صبرے ہو رہے ہو؟ سائرہ بھابھی نے چھیڑا۔

"بھئی اس کا سامان ہیں سنبھالنے رہیں گے۔ کیوں کی تھیں آپ لوگوں نے اتنی فرمائشیں بس سب سے پہلے ہم

یہیں گے"۔

اپنی کے ایک طرف یاور علی خان دوسری طرف تیور علی خان بیٹھے تھے۔ گھر کے دوسرے [illegible]

فرنیچر کمزی ہوئی دلہن سے نزہت اور تیور کی آنکھ مچولی کو دیکھ رہے تھے

"یاور بھائی جان! چاہتا ہے، آخر میں نے شرارت سے مسکرا کر یاور علی خان کو دیکھا۔

"ہوں، ہوں۔ نزہت۔ کیا کر رہی ہو پہلے یہ تو پھوپھا جی کو دے کیا ہے [illegible] مشورے کا مطالبہ کیا۔

"بھابھی ہم جو اب لیں گے Dependent میں اپنے ہی دیور کو تحفے ٹوٹا ہے کا [illegible]

"ہی ہیں۔ ہی ہیں۔ اگر آپ نہیں ہے تو کمائی سے گھڑی ہی خرید کر دیجئے۔ دولہا میں بچ کر آ گئی ہو لیں گی [illegible]

ہار پھول میں مشغول۔

"ایکسیلنٹ۔ کون ہیں یہ باہر سے شرارت آ سامنے آ گئیں"۔ یاور نے چھوٹے بھیے علی خان نے آہستہ سے

لڑکی تڑا کر بھیجا ہے گم ہو گئی۔

"کیا سمجھ رکھا ہے آپ لوگوں نے۔۔۔ تیور علی خان ہیں ہم جناب"۔

تیور علی خان نے اپنے کوٹ کی جیب سے گلی ڈنڈا نکال اور گھما کر سامنے کی۔

"ہائے اتنی پیاری گلوکی"۔ نزہت بے حد شوق سے بولیں۔

"اے نہیں، ماشاء اللہ ہم پولیس میں رہتے ہیں مگر شوق سب یاد ہے۔ اصلی ڈنڈہ ہے محترمہ"۔

"اب تو کچھ کہتے ہیں؟" انہوں نے ڈنڈا دلہن کی گود میں رکھ دی۔

"بالکل بالکل حضور دیں گھما کے اور کرتی ہوں"۔

نزہت نے گھما کے اور کر دیا۔

"والی کہ نہیں بھتا ہے اماں جی کی ساری دعائیں آپ کو لگ گئی ہیں"۔ تیور نے بے ساختہ سر ہلایا تھا اور یاور علی خان نے

دیکھا تھا۔

"ہر سال باس کی گھڑی تھیں۔ ایک دم تیور علی خان کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور پیشانی چوم لی۔

"اب تو کیا کرے گا ہم؟ تیری بھی ایسی لاؤں گی"۔

"اماں جی میرا نمبر ہے"۔ یاسر علی خان نے ٹکڑا لگایا۔

بے تحاشہ قہقہے گھر رہے تھے۔

"اچھا اگر کے ہاں آپ کا رشتہ تو ڈال رہے ہیں۔ ان کی تو سب لڑکیاں ہی بچی ہیں۔ نزہت نے بھی چھیڑا

"دیکھیں گے۔ پہلے سے دیکھ لیتا۔ کبھی بعد میں اماں جی سے شکایت کرا"۔

دلہن بھی نے بہت محبت سے بھائی کو دیکھا۔ جو خود کو مصروف ظاہر کرتا کیونکہ سے قبل سے ہو رہے تھے۔

"تیور اٹھو تکلیف کر ہی رہے ہیں۔ ہماری بھی ہاری سہی"۔ امیر علی خان نے نور آپا سے کہنے کی جرأت کی۔

"لیکن تھک گئی ہوگی۔ آرام کرنے دو"۔ اماں جی نے کہا۔

"منہ دکھائی تو ہو لے دیں اماں جی۔ سب لوگ دیکھنے کے شوق میں کھڑے ہیں"۔

دلہا کی اماں تھیں۔ اور دوں کے صدقے

باہر سے اوہیشوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"ارے ابھی سیپ کروا دو۔ بیچ سے حق چھوڑ رہی ہیں۔ اکیلی دلہا کی اماں ہی ہاتھ میں ہیں۔ سارا گھر ان سے ہار گیا ہے۔ دیکھ لئے انہوں نے میری آنکھوں میں"۔ اماں جی ساری سے ہوا کر رہی تھیں۔

بے ساختہ قہقہے گونج رہے تھے۔

منہ دکھائی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ یاور علی خان اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یہ ہے۔ مگر فی الحال یہاں میرا تو کوئی رول نہیں"۔ وہ مسکرا کر گویا ہوئے۔

"صحیح کہہ رہے ہیں۔ اتارو دل بعد میں شروع ہوگا"۔ عالم جب نے چھیڑا۔

وہ مسکراہٹ دباتے باہر چلے گئے۔

واجی خان باتھ روم میں تھے۔ نازنین اپنے بال سنوار رہی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی۔

نازنین یکدم سنبھل کر بیٹھ گئی اور اوپنا اٹھا کر سر پر پھیلایا۔ اور دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔

دستک دوبارہ ہوئی۔ اسکی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ دروازہ کھولے یا اندر سے آنے والے کو اجازت دے۔ کچھ سوچ کر وہ بیڈ سے نیچے اتر آئی۔ اور دروازہ کھول دیا۔

سامنے ہی تیور علی خان کمزے شرارت سے مسکرا رہے تھے۔

"اسلام علیکم۔ ہمارے ہاں کی پہلی صبح آپ کو مبارک ہو"۔

نازنین ایک دم گھبرا گئی۔ ایک مسہری نوجوان کو سامنے پا کر نروس ہی ہو گئی۔

"اسلام علیکم"۔ وہ بس سلام ہی کر پائی۔ "وہ تو ہم آپکو کر چکے ہیں۔ آپ بڑی بھلی ہیں اماں۔ آپ ہمارے سلام کا جواب دیجئے"۔ وہ شوخ کر رہے تھے۔

"وعلیکم السلام"۔ وہ ہاتھوں کے طوطے اڑ کر بہت آہستگی سے بولی۔

"اندر آنے کو نہیں کہیں گی۔ ہم تو رات سے اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں کہ آپ سے کب بات ہو۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ

میں تیرا حسن یہاں تک دیکھوں

"بھابی کہاں ہیں۔ بلا کر دیں۔ پہلے ہی ان آپ سے دروازہ کھلوا لیا۔ ابھی پوچھتے ہیں ہم"۔

نازنین ایک جھٹکے اور بے تکلفی پر قدرے گھبرا کر ایک طرف ہو گئی۔ تیور علی خان اندر داخل ہو گئے تھے۔

"بھابی کہاں چلے گئے؟" وہ ادھر ادھر نظر دوڑانے لگے۔

نازنین نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ باتھ روم میں ہیں۔

"بھئی ہمارے ایک دم سے آ جانے پر بھابی کو بہت حیرت ہوگی۔ اس وقت تک تو وہ بھی اٹھ کر تیار ہو جاتے ہوں گے۔ آپ کے بیڈ ٹی پینے کی عادت ہوگی تو اس وقت آپ کا دل چاہ رہا ہوگا۔ ہے ہاں؟"

تیور علی خان نے آگے بڑھ کر ٹیبل لیمپ کی روشنی مدھم کر دی۔ نازنین نظریں جھکا کر بیڈ کے ایک کونے پر ٹک گئی۔

"کچھ تو بولیے۔ سلام کے جواب سے کچھ کمی پڑ گئی ہے کیا"۔ وہ شریر ہو رہے تھے۔

"کس چیز کا؟" بالآخر وہ جھجک سے بول پڑی۔

"ابھی یہ نہیں۔ آپکو کس چیز کا؟ اچھا پہلے یہ بتائیے کہ آپ نے کالی مارننگ گاؤن کی ہاری ہیں؟"

"ہوں" نازنین نے مختصر سا جواب دیا۔

"پڑھی کرتی ہیں؟"

"نہیں ہی ہوں"۔ اسکی آواز سے ہچکچاہٹ صاف جھلک رہی تھی۔

"ہوں"

نازنین نے مسکرا کر تیور علی خان کی سمت دیکھا۔

"یہ اسٹرچ کا انتخاب سب لیں گے ہمارا؟"

"ہاہا"۔ تیور علی خان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ "سب تو نہیں ہے بات۔ ماشاءاللہ۔ اچھا بولیں گی"۔

نازنین جھینپ کر رہ گئی۔

اسی وقت باتھ روم کا دروازہ کھلا اور عالم جب باہر آئے۔ تیور علی خان کو وہاں پہلے سے موجود پا کر جیسے انہیں خوشگوار حیرت ہوئی۔

"ہو گئی بھابی آ گئی۔ بیڑا بھی تک جانے سے محروم ہیں۔ یہ ہماری کزن ہیں نازنین۔ بھابی صاحبہ جو اسٹوڈنٹ لائف گزارنے کو ایک دم ہمارے ہاں لانسفر ہو گئیں۔ انہیں صبح کی چائے کتنی اچھی لگتی ہوگی۔ آپ کو تو پتا ہے اسٹوڈنٹ لائف کے کتنے ہاری ہو جاتے ہیں۔ ماما سسرال میں بھابی کے ساتھ پہلی زیادتی"۔

تیور علی خان کمبل سر کے نیچے رکھ کر اطمینان سے صوفے پر دراز ہو گئے۔

"فاں ابھی بیگم نے کہا تھا جب تک یاور خاں خود نہ لائیں کمرے میں کوئی نہ جائے اس لئے"۔ ماما نے وضاحت کی۔

"اوہ اچھا۔ اچھا۔ اب چائے لے آئیں۔ صرف دو نہاریں کیلئے نہیں۔ ہمارے لئے بھی۔ ہے نا بھابی۔ ہم تو ناشتہ کر کے آئے ہیں مگر آپکی بے مزہ نہاری بہت تھوڑے دنوں کے مہمان ہیں۔ آپ ہماری آؤ بھگت کیجیے اچھی میزبان۔ پتا نہیں پھر کب ملاقات ہو بھی یا نہیں"۔

وہ بھی خوب صورت ناٹک کر رہے تھے۔

"کیا مطلب؟" نازنین کچھ نہ سمجھ سکی۔

"بھئی۔ ہم مکمل آزاد خیال ہو گئے ہیں۔ یعنی انگلینڈ میں زیرِ تعلیم ہیں"۔

"مگر مجھے تقسیم کا انداز خاص نظر نہیں آ رہا"۔

یاور علی خان نے اذان ہاتھ کے اشارے میں مطبخ والے سے مرد کرتے ہوئے ہاتھ دھونے باہر آ گئے تھے۔

"تمام ریپریشن خراب مت کیجیے! ہم آل مغل ہیں" "اور ایل بیٹا" "بہر حال ہر گز نہیں ہیں"۔ تیمور علی خان نے یاور علی کو بہت محبت اور چاہت سے دیکھا۔

"بھئی ہم تو تقسیم سے متعلق بات کر رہے ہیں لگتا ہے تم۔ اور کچھ خاص کر رہے ہو گے۔ اچھا کچھ نہیں تم شش"۔

یاور علی خان کا لہجہ بھی خیر اور شرارت سے بھرا تھا۔

"یہ دیکھیے۔ ہولیا لوگوں کی یہ قدر ہے یہاں۔ کس قدر مشکل سے"۔ تیمور علی خان نے مذاقیہ انداز میں دانتوں کو پیسا کیا۔ جوان دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"بھائی! آپ کو چائے کا کہہ کر باتوں میں لگا ہوا ہے۔ بے چاری کب سے چائے کا انتظار کر رہی"۔

"واقعی!" یاور علی خان نے تعجب سے نازنین کو دیکھا۔

اس کی نظریں حیا سے جھک کر رہ گئیں۔

"آپ دونوں بھائی کیا اسی طرح سیریل اگنور کیا کریں گے؟" "خود احتسابی تو اس میں بہت تھی" اس کی سوچ کے آواز اور الفاظ تھے۔

"ہم تو خیر چلے جائیں گے۔ پھر یاد کیجیے گا"۔

تیمور علی خان نے بڑے مغلوبانہ اور سنجیدہ انداز میں جواب دیا۔ یاور علی خان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ ہنستے ہنستے سر پیٹ ہاتھ چہرے پر رکھ لیتے تھے۔

"چھوڑیے بھائی۔ بھائی کو تنگ مت کیجیے۔ گنہ گار ایج ہو رہی ہے"۔ تیمور علی خان نے بہت دلچسپی سے ان کی نشست و اٹھ کو دیکھا تھا۔

اسی دم ماما چائے کی ٹرالی کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔

"ادھر لائیے ماما۔ آج بھائی کی خدمت کا آغاز کریں گے"۔ تیمور علی خان نے ٹرالی کھینچ کر اپنے سامنے کی۔ ماما کو تشفی رکھنے کا اشارہ کیا۔

"بہت سی اہم نہ بھولیے گا۔ ملی کر باتوں نہ پیتے والے چائے مارے ہیں"۔ یاور علی خان نے باتوں میں بولتا ہوئے آپنے میں تیمور علی خان سے کلام کیا۔

"سارے گھر میں روشنی ہے خوشبو ہے" تیمور علی خان نے گویا بھیجا خالی کی۔

"اوں ہوں — یہ ہمارے بھتیجے کا انداز ہے"۔ یاور علی خان نے معنی خیز سے بھائی کو دیکھا۔

"مگر بہت اچھے ہیں۔ اپنی واجب تاحترام بھابی کیلئے بھی لے جا سکتے ہیں"۔

تیمور علی خان نے چائے کی تیاری کے دوران وضاحتی جواب دیا۔

نازنین جو تیمور علی خان کے بے ہودہ مذاق سے بوکھلا گئی تھی۔ تیمور علی خان کے سادہ اور بے ساختہ انداز میں شرمندہ سی ہو گئی۔

تیمور علی خان نے چائے پیالے نازنین کو پیش کی۔

"شکریہ"۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہیں — اوہ"۔ ہم بات سے خوش ہو کر برا حال کیے دیتے ہیں کہ اپنے گھر میں کاٹوں انگلش بولنے والا کوئی ہو۔ آپ کی انگریزی سننے کے شوق میں بولے جا رہے ہیں۔ اور آپ ہیں کہ بھابی بیگم والا شکریہ بھابی بیگم تو ہوتی ہیں کے اپنے سامنے قرآن پاک کی ہوتی ہیں۔ علاوہ یہ بھابی بھی اچھی خاصی ہے۔ ہم تو انہیں کہتے ہیں آپ تھینکس کے بجائے "شکریہ" بولا کریں۔ کیونکہ قرآن عربی میں اترا ہے"۔

"واقعہ" نازنین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ یاور علی خان بھی مسکرا رہے تھے۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں ناں ہمزا انسان کی عام طور سے مشکل سے پتا چلنا چاہیے ناں کہ اس کا ایجوکیشنل سرکل کس طرح کا ہے۔ ہم نے آپ کا شکریہ بتا دیا کہ کہاں کا ہے۔ سائنٹیفک پوائنٹ پر۔ کرکٹ پر لٹریچر کے ساتھ ہمیں مطلب تھینکس کیجیے"۔

نازنین کا دل چاہا زور زور سے قہقہہ لگا کر ہنسے۔ مگر یہاں وہ ایک رات کی دلہن تھی غرور بڑا اکھڑا سا لڑکا۔

"یار۔ مت ستاؤ اپنی نئی نویلی بھابھی کو"۔ یاور علی خان بھائی کے قریب سرکنے لگا کر بیٹھ گئے اور چائے کا کپ اٹھایا۔

"جا رہے ہیں آپ"۔ تیمور علی خان نے پھر چھیڑا۔

"اچھا یہ بتائیے۔ آپ نے بھابھی کی انگریزی سن لی۔ کیسی انداز میں تو نہیں ہوتیں؟ ہمیں تو دبئی سے ہاں میں گرجی لوگ سے بہتر انداز میں بات کرتا لگتا ہے"۔

"یاد آیا یاد" یاور علی خان نے ایک بھرپور نظر نازنین پر ڈالی۔ جو سادہ سے چہرے پر کاجل سے سرمگیں آنکھیں جھکائے خود سے سر جھکا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ تنگ فیراوی لباس میں آنکھ جیسب اور تھی۔

سادہ اپنا ویریکنگ کھیل پر بڑا تھا۔ سرخ کامدار لباس میں گویا وہ سجا گیا تھا۔ اسی دم وہ اٹھنے پر تغلیل سی محسوس ہوئی پھر خود کو سنبھالا ہوا۔

"ملی کون۔ آ جائیں؟" یاور علی خان نے اجازت دی۔

ارتی بڑے لباس میں ملبوس خواتین کی ٹولی اندر داخل ہوئی۔

"لو سے تیمور تم یہاں ہو۔ کیا کر رہے ہو اور اس" نازنین نے بھنت اپنی تیزت پر قابو پا کر سلام کر لیا۔

"خدمت کر رہے ہیں بھابھی کی۔ آپ لوگوں کے بغیر بلاوے تو آ گئے۔ دعا خاموشی دلہن کے دیکھنے ہی کھلیں گے

۔۔بس ایک دم ہمیں اپنی بھابھی کا خیال آ گیا"۔

"اللہ کی شان۔ ابھی ایک جواب ہاتھ میں لے کر دوسری کی امید جگانے والے کس قدر امید افزا ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں نہیں معلوم کہ بڑی بھابھی کی جو دوسری شادی کے قابل نہیں ہیں آپ کی کیا خدمتیں ہو سکتی ہیں"۔

بصیر علی خان سے چھوٹی بہن روشن آرا نے بڑی دلسوزی سے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ ہماری تو معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں بھابھی کی نجی زندگی کے متعلق۔ ہمارے لئے تو بہنوں کی اطلاع ہی کافی ہے۔ بھائی صاحب کی بھی"۔

وہ تمام با رعب خواتین کو خود پر سمٹا آدھا کر کے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"بھئی آپ لوگ اسے کچھ نہ کہیں۔ واقعی اس نے ہمیں بیٹی طلب کے وقت بہت اچھی چائے بنا کر پلائی ہے"۔

یاور علی خان نے خواتین کو اگلے حملے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

"ذرا بچکے رہئے گا۔ میں حیرت سے مر نہ جاؤں"۔ نزہت بیگم بے بیاد سے بیٹھ پر بیٹھ گئیں۔

"ہائے اللہ اس نے تو بہت تنگ کیا ہوگا"۔ نصیرہ بیگم نے بیاد سے نازنین کو اپنی گود میں کھینچ کر پیار کیا۔

"ہم تو بہت پروگرام بنا کر آئے تھے۔ مگر کیا کریں بھائی جان دم سے جلدی اٹھ گئے"۔ تیمور علی خان باہر جانے کے لئے شرارت سے مخاطب ہوئے۔

وہ سب ہنس پڑیں۔ یاور علی خان بھی کپ رکھ کر ہنستے ہوئے باہر نکل گئے۔ انہوں نے تو نہیں بھابھیوں سے بھی کافی سخت الفاظ سنے تھے۔

"ہائے۔ ابھی تک زیور نہیں پہنا۔ نزہت ذرا زیور اٹھانا۔ ابھی کے گھر والے بھی آتے ہی ہوں گے۔۔۔

عالم تاب نازنین کے متقابل بیٹھ گئیں۔

"آپ پہلے چوڑیاں پہنائیں۔ میں بھابھی کے بال سلجھاتی ہوں۔ نزہت نازنین کی پشت کی طرف چلی گئیں۔

"بھئی۔ کیا زیورات میں اضافہ نہیں ہوا؟ ایسے بھابھی زیورات نوٹ لے گئیں۔

"مجھے تو نظر نہیں آ رہا۔ میرا خیال ہے۔ صرف معلومات میں اضافہ ہوا ہے"۔۔

روشن آرا شوخی سے بولیں۔ خواتین کے محترم قہقہے بہت بھرپور تھے۔ نازنین کے چہرے پر سرخی بکھر گئی۔

"بھئی ہم زیادہ دیر سسپنس برداشت نہیں کر سکتے"۔۔ نزہت نے نازنین کے سر سے آدھا آنچل کر ایک طرف کر دیا۔ اسکے گھنے دراز بال انگلیوں سے سلجھانے لگی۔

"بھئی ہمیں یاور خان جیسے چھپے رستم کا کانٹا کھینچنے کی بڑی جلدی ہے"۔

عالم تاب نازنین کی کلائیوں میں کنگن اور چوڑیاں ڈالنے لگیں۔

"بھابی چلئے"۔ نزہت نے آگے کی طرف جھک کر نازنین کا چہرہ دیکھا۔

نازنین نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کی طرف اشارہ کیا۔ بھئی خود ہی دیکھ لو۔

ایسا ہی کیے بیٹھا ہے سے دراز کھینچی۔ اور ایک خوبصورت مخمل کا آنچل باہر نکالا۔

سونے کے تاروں سے بھرے ہوئے آنچل کو نزہت نے سب کی آنکھ بچا کر چوم لیا۔

سرخ مخملی آنچل میں ہار کے بہت نفیس زیور اور بھاری بھرکم ٹیکہ سب کے سامنے تھا۔

"کتنا خوبصورت"۔

"ہاں۔ اشارے کی زبان میں کہا ہے کہ عروبی کی" وہ" دلہن بنے گی تب ہی یہ سب پہنے گی۔ عمل کی بجائے بات ہی سے کام چلا رہا ہے"۔ سائرہ بھابھی نے ہونٹ کی کونپل اٹھانے میں سہولت حاصل کی۔

"ایسے کیا ہی ہوگا"۔ نزہت نے قرارت سے کھوٹا ہار نازنین کا چہرہ چھوتوں ہو گیا۔

"چہرہ تمہاری بات کی تصدیق کر رہا ہے"۔ روشن آرا نے بھی حصہ بٹایا۔

نازنین نے بے ساختہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے۔

خواتین کی محترم مسکراہٹ سے ماحول یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دنیا میں غم نہیں ہوتے۔ اس سیارے میں خوشی کا موسم دائمی بہار کا ہے۔

اس شام عروبی واپس ہو گئی۔ ماں کی گود کراچی میں، جیسے کبھی نہیں لگتا تھا۔ انہیں اپنی عروبی کی عمر دیانت بہت عزیز نہیں۔ کبھی تھیں۔

"کراچی میں تو میرے ہاتھ پیر بندھ جاتے ہیں۔ یہاں تو کوئی کام ہی نہیں ہوتا اور عروبی میں میرے کام ختم نہیں ہوتے"۔

ان ہی کی طرف سے جلدی واپسی کا تقاضا تھا جبکہ ایسے تو چار روز کے بعد یعنی اتوار کو تھا۔ کہ بابا صاحب کے بااثر دوست احباب شمول بیوروکریٹس کی بھتیجی کا ولیمہ ہونا تھا۔

دلہن بالو نزہت کا بھائی ہوا کرتا تھا جس سلیم سلمے کے کام سے بہاسوت پہنے استقبالیہ ملنے میں نہایت ممتاز نظر آ رہی تھی۔ دلہن دیکھنے کے اشتیاق نے اسکے چہرے پر عجیب سی خصومت پیدا کر رکھی تھی۔

"دلہن بالو۔ ادھر پیچھے سے آ کر دلہن کا نورا سنبھالو"۔ نزہت نے مستعدی سے دلہن بالو کو سب دلہن اور اعزاز کیا۔

دروازے کی سیڑھیاں ایک مست میں بھاگتی تیمور علی خان برق رفتاری سے اپنا بیگ اٹھائے سب سے پہلے اندر داخل ہونے کی کوشش میں آگے بڑھ رہے تھے۔

نزہت بالو کی نظر "اور بھائی اشیاء" کو دیکھ کر کب رکی تھی اگلی نظر تو براہ راست دلہن پر تھی۔ اس بری طرح تیمور علی خان کے کاندھوں پر ہوتے گھرائی اور دھڑام سے گری کہ ایک لمحہ کو تو سب ہی ہکا بکا رہ گئے۔

"کیا ہوا۔ چوٹ تو نہیں لگی۔ دیکھ کر چلا کرو۔ ایسا بھی کیا شاپنگ الفرا" مختلف قسم کی آوازیں ابھریں۔

"آئی سوری"۔ دھڑام سے تیمور علی خان نے بس اتنا ہی کہا۔

"چھوڑ دو جانے دو۔ تم گرے تو نہیں۔ گری تو یہ بے چاری ہے"۔ عینہ بھابھی نے تیمور علی خان کا سا حال کرنے کی کوشش کی۔

"گر بھی سکتا تھا۔ ایسے بھاگے دوڑنے کی کوئی تک تو نہیں ہے ادھر"۔

انہوں نے بدحواس سی زرتاشہ بانو کے چہرے پر تنقیدی انداز میں نظریں دوڑائیں۔

"یہ عمر بھلا دوڑنے کے ہے تیمور خاناں"۔ زرتاشہ نے شوخی سے دھیان دلایا۔

"ہوں"۔ وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئے۔

وہ بھی مسکراتی ہوئی دلہن کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔

دلہن کو ہال میں پہنچا کر وہ ماما کے ساتھ کھانے میں مصروف ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے تو سب کو جانے والے کا افسوس۔

"ماما! اب آپ آ گئی ہیں۔ تیمور خاناں کے کام آپ ہی کرنا۔ مجھے ان سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ ابھی اگر سب لوگ رہتے تو وہ مجھے تھپڑ ضرور مارتے"۔ اس نے کپ دھو کر الماری میں لگایا شروع کیے۔

"ارے نہیں۔ ایسے نہیں ہیں۔ کبھی کبھی تو تقریباً سب لوگ ہی چڑچڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ تو سب کو خوش رکھتے ہیں۔ ان صاحب کے سامنے بھی نہیں چوکتے۔ باہر پڑھتے ہوئے اتنے دن ہو گئے ہیں۔ جو بیٹی کی تو سماجی عادتیں گم ہو گئی ہیں۔ اپنے بہت سے کام خود ہی کر لیتے ہیں۔ ہاں کراچی میں مجھے اندازہ ہوا تھا"۔ ماما نے تسلی دی۔

"پھر بھی ماما"۔ وہ کسی وضاحت سے مطمئن نہیں ہوئی۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ میں خود ہی دیکھ لیا کروں گی۔ ویسے آج تو تم پر ہی لگ رہی ہے"۔

ماما نے اسے محبت سے دیکھا۔

"چھوڑیں ماما! آپ بھی کیا بات کرتی ہیں۔ نانی کے سامنے کوئی میری تعریف کرتا ہے تو پتہ ہے نانی کو کتنی ہے"۔ وہ ہنسی۔

"کیا کہتی ہے"۔ ماما کے انداز میں دلچسپی تھی۔

"کہتی ہے پگلی میں موسا جا رہا ہے"۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ماما بھی مسکرا دیں۔ "اللہ تمہارے بھاگ جگائے۔ ہاں کچھ بھی ناممکن نہیں"۔

انہوں نے شفقت سے دیکھ کر دعا دی۔ چند دنوں میں وہ انہیں بہت عزیز ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے انہیں بھی اداس سی معلوم ہونے لگے تھے۔

اسی دم وہ پاؤں کی آہٹ داخل ہوئی۔

زرتاشہ بانو۔ تیمور خاناں۔ بلاساں تساں تو۔"

زرتاشہ بانو کے تعاقب میں مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں دیکھ آتی ہوں۔ چائے دیکھ لینا"۔ وہ باہر چل دی۔

زرتاشہ بانو کے دم میں دم آیا۔ اس نے باآسانی سے بچ نکلے۔

چند منٹوں بعد ماما واپس آ گئیں۔ اس نے آتے ہی زرتاشہ بانو کو بھی ہولی کلروں سے رنگ دیا۔

"زرتاشہ بانو خان تمہیں بلا رہے ہیں"۔

"سچ۔ مجھے"۔ وہ گھبرا کر اٹھی۔ "کیوں؟"۔

"پتا نہیں بس مجھے تو بھیجا بھروا کر زرتاشہ بانو کو بھیجو"۔

اس نے جلدی سے ہاتھ دھو لیے۔ بری طرح گھبرا رہی تھی۔ اسی حالت میں باہر نکل گئی۔ اس نے ہاتھ میں پانی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔

"یس"۔ اندر سے خان کی بارعب آواز آئی۔ اس نے اور پریشان ہو کر ہینڈل گھمایا۔ اندر داخل ہو گئی۔

"یس۔ خان"۔

"وہ۔ زرتاشہ بانو۔ بات یہ ہے کہ تم کریز بہت اچھی مانگی ہو۔ یہ چیئر استری کر دو۔ ہمیں ذرا باہر جانا ہے"۔ خان نے پرلی چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

"جی اچھا"۔ وہ خان کے نرم انداز پر سنبھل گئی۔ وہ آگے بڑھ کر چیئر اٹھانے لگی۔

"پورٹ تو نہیں گئی تمہیں؟" اس کے آتے ہی بدلتے خان کی آواز پر تھم گئے۔

اس نے حیرت سے مڑ کر دیکھا۔ خان ایزی چیئر پر جھولتے ہوئے بغور دیکھ رہا تھا۔

اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ "یا یہ خان کی ہے۔

"نہیں"۔ اس نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

"تم گر گئیں تھی ناں۔ اس لئے پوچھ رہے تھے"۔ بھولو ماما ہی تھا۔

"نہیں۔ مجھے چوٹ نہیں لگی بس وہ ذرا گھٹنے میں درد ہوا ہے"۔

"چلو اچھا ہوا۔ مگر تمہارا سر ہمارے سینے سے بہت زور سے ٹکرایا تھا۔ خاصی تکلیف ہو رہی ہے"۔ بھولو نے مسکین صورت بنائی۔

اس نے بدحواس ہو کر خان کی طرف دیکھا تھا۔ مگر وہ تو پرسکون اور نارمل تھا۔

"وہ۔ جی۔ آپ نے ہم لگایا"۔ اس نے سادگی سے کہا۔

"وہ۔ جی۔ وہ ہم ہوتا ہے ناں۔ ہولی تیوری خوشی ہوتی ہے اس میں"۔

اس نے اپنی دانست میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"تمہارا مطلب ہے اس لیس تیور اب ایسا بھی نہیں ہے کہ ہولی کی جائے۔ اچھا پھر تم جاؤ۔ آتے ہوئے چائے لے آنا۔ تم بہت اچھا کام کرتی ہو۔ ہمیں امید ہے اگر ہم یہاں زیادہ دن رہے تو تمہاری عادتیں نہ بگڑ جائیں"۔

کس قدر دل جلا تھا خان۔ اسے ہمیشہ ہی ہونے لگی۔ وہ بیزاری سے باہر نکل آئی تھی۔

ویسے کی دعوت نامے اطلاع نے پر تھی۔ کراچی سمیت دوسرے شہروں سے بھی مہمان آنے والے تھے۔ ہال ہی ایک بڑے سائز تھی۔

ناز نین کے بھی سب گھر والے آئے ہوئے تھے۔ داماں علی اور بابا صاحب کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ ناز نین بھی اپنے میکے والوں کی موجودگی میں بہت بے تکلف و آزاد ہی محسوس کر رہی تھی خود کو۔ نازیہ اور سارہ بھی تو آئے ہوئے تھے۔ لیکن تو ویسے بھی سب کی توجہ کا مرکز ہوتی ہے۔ ناز نین تو پھر ناز نین تھی۔ جس کی آمد سے قبل ہی اس کے آنے کی خبر ہی تھے کہ حویلی میں داخل ہونے والے فرد کی پہلی خواہش یہی دیکھنے کی ہوتی تھی۔

نجمو علی خان نے آج تیاری بھی بہت اہتمام کیا تھا۔ آف وائٹ شیروانی موقلک پاجامے میں ملبوس باآسانی ہی ہر خاص کیا تھا نوجوانے کی ہی آن بان تھی۔

زنان خانہ میں لیکن کے کہوں گھروں کی باسکٹ لئے بیاہ دوم کی طرف جا رہی تھی۔ نجمو علی خان نازیہ مخاطب کر کے پوچھ رہے تھے۔

وہ خان کی جیب دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گئی۔ معصوم نیاز کی جیب سے ابھی تک اسے خوف آتا ہو لے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے کڑھے ہوئے کرتا شلوار میں پہلے پہنے ہو رہی تھی۔ بے ساختہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ جیسے پہچان رہی ہو کہ آیا یہ وہی ہے یا کوئی اور۔

نجمو علی خان کی حسیات بلا کی مناسب تھیں۔ انہوں نے اس کا ٹھٹکنا نوٹ کر لیا۔ ایک مبہم سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر ٹھہر گئی تھی۔ جیسے وہ خود کو مسرور ہونے سے روک رہے ہوں۔

"کیا ہوا؟" وہ بولیں۔ ان کی آنکھیں ہونٹ تھی انہیں ہو گیا ہے۔ اور خود پر سنجیدگی طاری کر لی۔

"کک۔ کچھ نہیں۔" وہ خان۔ میری طبیعت ہے ہاں۔ وہ ٹھیلی ہو گئی ہے۔" ان نے لڑکھڑاتے ہوئے جواب دیا۔

نجمو خان نے اس سفید لٹھ پوش والی کم سن لڑکی کو اپنی گہری اور بھیگی ہوئی نگاہوں سے غور سے دیکھا۔ اپنی رہنمائی کا اول برجیت کرتے اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

"اپنی سب چیزیں تحفظ رکھا کرو۔ بعض اوقات پرابلم ہو جاتی ہے۔"

وہ سر ہلا کے رہ گئی۔ وہ کچھ بھی اور کہہ نہیں۔

"ارے۔ تمہیں کیا ہو گیا۔ کیا بات بنی مزیدی ہے۔" اسے عقب سے خان۔ سارہ کی آواز آئی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ اگر خالہ پھپھو نہ ہوتیں تو وہ اس کے پیچھے ہی دوڑ لگا دیتی۔

جانے کیوں ہی ہوا کہ ہی بھر کے خود کو سنبھالتے ہوئے وہ سارے کاموں سے فارغ ہو چکی تھی۔ نہا دھو کر اجلے ہوئے جسم کے ساتھ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ آج کا دن بہت ہنگامہ خیز گزرا تھا۔ سوچنے کو بہت کچھ تھا۔ آج سے پہلے اسے کبھی اتنا فرصت نہیں ہوئی تھی۔

باتوں میں مصروفی اگر بھلے ہی اتنی فضول ہو پھر بھی تو تنہائی سے بہتر ہوتی ہے۔ کوئی بھی ساتھ نہیں تھا۔ لیکن ایک دم اپنے سامنے پا کر اسے اپنی آواز بہت محسوس ہونے لگی۔ جانے کیا سوچ کر آپ اس کی آنکھ بھی بھر آئی۔

"آخاہ۔ وہ کیا ہو گیا۔ کل ہی تو ہوا ہے۔ ناز نین باجی کو۔ ترس کھانے لگے ہے۔ ساتھ ہوا تھا۔ بھائی کے لئے رو رہا ہے۔ کوئی آپ سے ہو گیا تو کہیں اپنی ہو۔ جہاں رہ لے۔"

سارہ بھی کو اپنے لفظ سے تکلیف ہوئی تھی۔

"ہی ہی۔" ایک دم ہی شرمندہ ہو گئی کہ یہ کیا کہی ساری محنت جب اسے کھل میں کچھ بنانے بگاڑنے کی ہدایت دی تھیں۔

"ہی۔ بگڑیا کیا ہو گیا ہوں آ۔" اس نے اطمینان بھرے لہجے میں سوال کیا۔

"اچھی۔ ہمارا تو کچھ نہیں کھیل۔ خوش کا ہوں ہے۔ بچ گیا کچھ ہو جاتا۔ مگر حضرت ہی خارج ہو گئے تو تمہارا کیا ہو گا۔ ہمیں تو ہے۔ ماما تو رہی تمہاری آدھا بہت خوبصورت ہے۔ اس بچ دیکھ میں کوئی تو کام آئے گا۔ وہ ہی آ جو ہو گا۔"

"ہاں۔ اب ہم ہے تمہارا کام بھی سوت نہیں کرنا تم۔ ہو تو رہا ہے۔" سفر بہ" ہونا چاہیے۔

آج سے تمہیں ہم اسی نام سے پکارا کریں گے۔ کیا خیال ہے بھائی۔ کیسا نام ہے؟" ناز نین نے سارہ کو مخاطب کیا۔

"ارے۔ اتنا مزہ آ جاتا۔ کھیل لینے کے بعد نہ پڑا جائے۔" سارہ کے اصباب ہر قسم کی صورتحال میں نکال میں رہتے تھے۔

"ہے نہیں بھی یہ تو ہی بے وقوف اور بادہ کی ترکی ہے۔ چلو اب تم دونوں شروع ہو جاؤ۔ ہم نے تمہیں اتنا خوبصورت نام دیا ہے۔ سفر بہ۔ محبت کے گیت چھیڑنے والی۔" ناز نین بہت اترائی تھیں۔

بگڑ کر کمرے کی شکل بھی بگڑنے لگی۔

وہ بہت سرخوشی کے عالم میں اچھلتی ہوئی آئی تھی۔ خوشی بھی اس کی جانب اٹھی تھی پرستائش اور سوالیہ تھی۔ کون ہے؟ کیا ہے؟ — وہ تھی — حویلیوں میں بھی اتنی خوبصورت کھڑکیاں ہوتے تھیں؟ کیسے طرح کی چھوٹی تھیں۔ وہ یہاں سے وہاں تک کی اندازی لگانے لگی۔

اس کا کمرہ بھی وہاں پر موجود خواتین کے پاس تھا تھی نہیں تھا۔ مگر ایسا نہیں تھا۔

وہ کل بارگیٹ کی سمت بھی گئی۔ اسے شاید خود بھی پتہ تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔

شاید کسی آنکھ سے قرص وصول کر رہا تھا۔

اسے لوگوں نے دور دیدار اور اسے مرنا تھا تمہارے ہو نہیں آیا تھا۔ ولی اور بھی اور اتنی بے تحاشہ ہوا تھا۔ اس کی دھڑکن بڑھ گئی اسے یقین آ گیا تھا۔

محبت اور اور ادھر بھیجنے کے ادھر اس کی تشنہ پوری نہیں ہوئی تھی۔

وہ تھک ہار کر ایک طرف بیٹھ گئی تھی۔

کھانا شروع ہو چکا تھا۔ فیز معمول پر لوٹ چکی ہوئی تھی۔ کھانے کی خوشبو میں بھی اسے متوجہ کرنے میں ناکام تھیں۔
کھانا ختم بھی ہو گیا لوگ آہستہ آہستہ اٹھنے لگے۔ سنہری فرغی فراک میں ملبوس ہالہ میں بھی بیٹھے سے اٹھ کر...
پھیلا دی گئی تھی۔

"تو نے کھانا کھا لیا زینو بانو؟" گھر سے نیلے کپڑوں میں ملبوس کرن پھول پہنے ہوئے ہونٹ پان سے رنگے
خالہ سولہ آنے اس کے سر پر کھڑے اس کو تعجب سے دیکھ رہی تھیں۔

"کھا لوں گی خالہ... ابھی بھوک نہیں ہے۔" وہ بدلی سے بولی۔

"کب کھائے گی۔ کیا سوچے سے۔ آدھی رات ہو چلی۔ چل اٹھ۔ چھوٹی بی بی جان بلا رہی ہیں۔"... وہ بولیں

"کون ثمینہ بی بی؟"... وہ چونکی۔

"ہاں ہاں اور ادھر ہال میں بھی سب۔ جلدی سے چلی جا۔ دیر ہو چکی ہے۔ مجھے کیا فکر تھی کہ تو یہاں بیٹھی
ہے۔ اچھا خاصی بگھو رہی تھی ادھر ادھر۔ چل شاباش"... وہ اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ہال میں آ گئی۔ ہاں کافی تعداد میں اور تھا۔

دلہن صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ کچھ خوشگوار سیماں پر کچھ بے چینی سی محسوس ہو رہی تھیں۔ تجسس اور اجنبی کی آواز سن کر ہال کی...
تھا۔ وہ ثمینہ کے بائیں طرف آ کھڑی ہوئی۔

"جی بی بی جان!"

ثمینہ جو اپنی کسی بات میں مشغول تھیں ایک دم چونکیں۔

"او بھئی... سلمیٰ آ گئی"۔

"سلمیٰ... یہ سب تمہارا گیت سننے کے لئے بے تاب بیٹھی ہیں۔ بھئی جب مامانے بتایا کہ بڑی سریلی اور پیاری...
ہے۔ لگتا ہے کوئی بڑی ہنر مند گلوکارہ ہو۔ ہم نے تو اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اس کے گیتوں سے محفل ضرور سجائیں گے"۔

"مم... مجھے گانا نہیں آتا بی بی جان۔ ماما تو ویسے ہی کہہ رہی ہوں گی"... وہ سر جھکائے انگلیوں کو مروڑتے ہوئے ایک
کونے کو گھورنے لگی۔

"اچھا اب گھگھیاں والے فقرے نہ کرو۔ چھوٹی سے سنو اور شاباش"... ثمینہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے شانے پر رکھ لیا۔

وہ بے بس ہو گئی۔ حلق میں جیسے کانٹے سے اگ رہے تھے۔
"بات نہیں کریں گے ہم تم سے"... ثمینہ اٹھلا کر بولیں۔
اس نے بمشکت تمام گلے میں اٹکے ہوئے... پر آواز نکالی اور گیت کا آغاز کیا۔

"آ... آ... آ... آ... آ... آ... آ... آ...
"آ... آ... آ... آ... آ... آ... آ... آ...

وہ بے... جیسے... ہوا لے چل رہے ہیں
کوئی نہیں جانا... اور... چل رہے ہیں
عجب کا کوئی کب تک... ہے آس لے سہارے
لیکن یہ کہہ رہے ہیں دل کے بھروسے... ستارے
آ... آ... آ... آ...

محفل پر ایک سکوت طاری ہو گیا تھا۔ کیا غضب کی آواز تھی بلا کا سوز اور جادو تھا۔ ثمینہ کا یہ عالم تو یاد داشت ہو گئی اور سانس بھی مکمل سنبھال۔ جیسے ندیا کا پانی رواں ہو اور کوئی معمولی سی کھل... کا ساتھ نہ دے۔
اس کے خاموش ہوتے ہی جیسے سب سوتے سے جاگ پڑے۔
"ماما... یہ کوئی زبردست شدید وقت کی ہے"... ثمینہ آرائے پلٹ کر دوسرے کے پاس بیٹھی ماں کو دیکھنے لگی۔
"بی بی جان اسے کہیں... وہ سنائے۔ تنہائی سنایا کرتی ہے کچھ بیتے دنوں کا فسانہ"۔
"ہاں ہاں... سناؤ۔ ہم نے نہیں سنا کبھی یہ گیت۔ گیت ہے یا غزل ہے؟" سائرہ نے اشتیاق اصرار کا فوری مظاہرہ کیا۔
"گیت ہے... میں نے بچپن میں سنا تھا۔ مجھے یاد نہیں تھی کہ میں نے کسی کے ہاں گنگنایا تھا۔ ماما نے بتایا تو یاد آیا"۔
"بھئی سے سنا... مطلب یہ کچھ دلچسپ بھول بھلیاں سے لگ رہے ہیں۔ بیٹھ جائیں ہم بھی سنیں گے"۔
خانم نے شریر انداز میں کہا تو سب نے جھینپ کر نظریں جھکا لیں۔
"دیکھیں بھئی۔ سب موجود ہیں۔ غور سے سن لیں ہم نے اس کا نام بدل دیا ہے۔ آج سے سب اسے سحر
پکاریں گے۔ عربی میں بھی کسی لفظ کے دو معنی کی ہوا کرتی ہیں"۔
"واہ... کیا کتابی نام ہے۔ اپنی آنے والی نسل کے لئے ہی محفوظ رکھیں"۔ سائرہ بانو نے برجستہ کہا۔
ثمینہ نے جھینپ سا دی تھیں۔ بس ایک سانولا سا چہرہ سے پر نور اکر رہ گیا۔
"اب تو شروع کرو ناں۔ کیوں اتنی فضیلت کروا رہی ہو"۔ سائرہ بانو بھی نے قدرے غصے سے کہا۔ مہمان خواتین کی طرف سے بھی اصرار ہوا۔

تنہائی سنایا کرتی ہے کچھ بیتے دنوں کا فسانہ
تنکوں کا کسی سے لگنا اک دم سے اور ٹوٹ جانا
وہ جھوٹ کسی کی چاہت میں جینے کی مصیبت کر لینا
کھائے تو کھائے کوئی ٹھوکر... کھا کے کوئی تو رو دینا

"بی بی جان... بی بی جان"... وہ دھاڑیں مار کر روتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی۔

ابھارنے کے بجائے گرانی ہوئی دیوار سے لگ آئی اور کانپتے ہاتھ سے دروازہ کھولا۔

"اوہ" ۔ زجون بانو کو سامنے دیکھ کر اس نے گہرا سانس لیا اور سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

"قیامت ہے ہاں" ۔ مجیب سہما ہوا انداز تھا۔

"پاپا میں پھوپی جیجی۔ ابھی تو کچھ خبر نہیں" ۔ اس نے گم صم سے انداز میں کہا۔

"اوہ آجاؤ زجون بانو۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے اکیلے میں" ۔ وہ بستر کی طرف پشت ہوتے ہوئے بائیں ہاتھ میں گرم شال لیتی ہوئی۔

دروازہ بند کر کے چل آئی اور کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"پاپا میں سانپ کہاں سے آ گیا۔ کیا اس سے پہلے بھی سانپ نکلے ہیں یہاں؟" ۔ نازنین نے پوچھا۔

"پاپا میں۔ مجھے بھی زیادہ دن نہیں ہوئے یہاں آئے۔ اتنا بڑا باغ ہے۔ پھول پودے ہیں۔ سانپ تو ہوتے ہیں۔ نہ ہے رات کی رانی جہاں ہوتی ہے وہاں سانپ آ جاتے ہیں۔ باغ میں تو رات کی رانی کھجوری بڑی ہے۔ پوری حویلی مہکتی ہوتی ہے رات کو" ۔ زجون بانو نے جواب دیا۔

"تم کہاں سے آئی ہو؟" نازنین نے اس کے حسین اور دلکش حسن کو پہلے سے بڑھ کر دیکھا۔

"بہت دور کے ایک گاؤں سے آئی ہوں۔ ہمارے گاؤں میں بھی بڑے سانپ نکلتے ہیں۔ کھیتوں میں پانی لگاتے ہوئے رات کو عام طور پر بڑے لوگوں کو ڈستے ہیں۔ مگر وہ لوگ انتظام کھتے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں ایک بڑا سیانا حکیم ہے۔ سب علیم چچی والا نام لیتے ہیں۔ اس کو بلا بھیجتے ہیں۔ کوئی دوا دیتا ہے اور پتا نہیں کیا کھلا کر راضی کرتا ہے۔ اور اسی دم میں کوئی بھلا چنگا ہو جاتا ہے۔ میرے ہوش میں تو ابھی آج تک وہاں سانپ کے ڈسنے سے کوئی نہیں مرا۔ ہاں بڑا دکھ ہوتا ہے جب کوئی بندہ سانپ سے ڈسا ہوا مر جاتا ہے" ۔ اس نے تفصیل سے جواب دیا۔

"دعا کرو۔ تیور بھیج سلامت واپس آئیں۔ ورنہ میں تو کہیں کی نہ رہوں گی" ۔ نازنین نے بے قرار لہجے میں کہا۔

زجون بانو نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ ہلکا گلابی رنگ کا ہم کا سوٹ پہنے ہوئے اور پیشانی تک دوپٹہ سیدھا جائے وہ کچھ دیر پہلے سے بالکل مختلف نظر آ رہی تھی۔

"کیوں بی بی" ۔ زجون بانو نے تو تیور خان کی کزن سے بڑھ کر بہن کا رشتہ جوڑ لیا تھا اور اس کو بی بی کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔

نازنین نے اس کے حیرت آمیز سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بس خاموشی سے اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔

"دعا مانگے ہیں تیور کے؟" اس نے زجون بانو کے استغراق میں مداخلت کی۔

"ہی"۔

"تمہارے بڑے خان کو پتا چل گیا؟"

"پاپا نہیں"۔

"تمہارے ماں باپ بھی یہیں ہیں؟" تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد نازنین نے پوچھا۔

"سب چونک پڑیں۔ کیا ہوا؟"

"تیور خاں نوں سانپ ڈنگ ماریا۔ نے اوئے ہوئے ماریا۔ تیاں بھیجی جلدی"۔

"ہائے اللہ مارے" ۔ مختلف قسم کی آوازیں ابھریں۔ سب ہی کچھ بھول گیا۔ وہ سب گرتی پڑتی اور بھاگتی ہوئی ان کے آگے آگے دوڑ رہی تھی۔ وہ بڑے بھائی کی بیٹھک کی طرف جا رہی تھی۔

ابھی وہ سب دروازے کے قریب پہنچی تھیں کہ بڑے بھائی اور ولی خان۔ تیور کو اٹھائے ہوئے گاڑی کی سمت بڑھتے نظر آئے۔

نازنین تو جیسے تیورا کر گرنے لگی۔

"دیکھو ماما اماں جی کو بتانا مگر اور دیکھو تم بہن کو ان کے کمرے میں پہنچاؤ"۔

"ہائے اللہ۔ کیا ہو گیا یہ عالم تاب نے مضبوط اعصابی کا مظاہرہ کرتے ہوئے احکامات جاری کئے۔

نازنین اور روشن آرا دیکھ دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ابھی مہمانوں کی چہل پہل شروع تھی۔ ہال ابھی خون سے روشن تھا۔ مگر اب چہار سو وحشت کی طاری ہو گئی تھی۔

گاڑی باہر جا چکی تھی۔

"نازنین۔ خود کو سنبھالو۔ انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا"۔ نازنین کی غیر حالت دیکھ کر عالم تاب نے ان کا سر اپنے سینے پر ٹکا کر دلاسا دیا۔

زجون بانو کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ وہ دروازے کی سیڑھی پر دم بخود کھڑی تھی۔

بمشکل سب واپس اندر آئیں اور ٹیلی فون کے قریب بیٹھ گئیں۔ افسانوں سے گھر بھرا ہوا تھا۔ مگر ایک ہولناک سناٹا سا پھیلا ہوا تھا۔

نازنین اپنے کمرے میں بری طرح رو رہی تھی۔ اس کے میکے والے اپنے رشتے داروں کے ہاں پٹھان کوٹ تھے۔

یہاں کے دقیانوسی ماحول کو دیکھتے ہوئے ایک خوف اس کے وجود میں خون بن کر دوڑ رہا تھا۔

خدانخواستہ تیور علی خان کو کچھ ہو گیا تو بیچارے کمسن کا تو یہاں اس پرنگ جائے گا۔ اور پھر اس روتے ہوئے نے ذرا سے پیشتر لباس تبدیل کیا۔ زلفیں برش کیں۔ ٹیبل پر بال صاف کی اور وضو کر کے نفل پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔

اماں جی تو دن بھر کی اپنے کمرے میں جا چکی تھیں کہ وہ بہت تھک چکی تھیں۔ دوسرے صوفہ کی نماز بھی پڑھ رہی تھی۔

زجون بانو بے قرار سے انداز میں جھومتی رہی۔ یوں کہ کوئی بھونچال آ جائے اور تیور علی خان اپنے پاؤں پر چلتے ہوئے گھر میں داخل ہوں۔ اور وہ اپنے جھگڑے ہوئے وجود کو بستر پر ڈال کر پرسکون ہو کر سو جائے۔

کوئی دو گھنٹے کے بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ بھاگتے ہوئے دل میں جانے کے دروازے نازنین کے کمرے میں چل آئی۔

دروازے پر دستک دی تو نازنین کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ جلدی جلدی دوپٹہ کی پلو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے

"نہیں"۔

"گاؤں میں ہیں؟"

"نہیں"۔

"پھر"۔ نازنین نے تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔ کسی خبر کے آنے تک جوانمردی وحوصلہ تھی اسے بھی تو نبھانا رکھنا تھا۔ اس لئے وہ اس سے سوال جواب کرنے لگی تھی۔

"مجھے میری نانی نے بلایا ہے چھوٹی بیگم"۔ اس نے بڑے سعادت سے جواب دیا۔

"ہاں مگر بھائی تمہارا؟" نازنین نے ناسف بھرے لہجے میں کہا۔

"سمجھ لیں"۔ بڑا عجیب انداز تھا۔

"یں؟" نازنین نے بغور اسے دیکھا۔ "یا تو بھائی زندہ ہوتا ہے یا مرا ہوا۔ یہ سمجھ لیں۔ کیا ہوا ہے؟"

"بعض لوگ کسی کیلئے جیتے جی مر جاتے ہیں چھوٹی بیگم!" اس نے خاصی گہرائی سے لہجہ آلودہ کرکے جواب دیا تھا۔

"اوہ باپ؟"

"اسے بھی مرا ہوا سمجھ لیں"۔ وہ زہر خند سے گویا ہوئی۔

نازنین کا جی چاہا سر پیٹ لے۔

"اچھا چلو چھوڑو۔ جاؤ باہر دیکھ کر آؤ کہ کوئی خون وون آیا"۔ اسے پھر وسوسوں نے آگھیرا۔

زیتون نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ "اللہ بابا کرم کرے گی"۔ وہ خوشگوار انداز میں کہتی ہوئی باہر چلی گئی۔

نازنین بستر سے اتر کر دریچے میں آ کھڑی ہوئی۔ یہاں سے پورچ کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ باغ میں لگے ہوئے رنگ برنگ قمقمے بھی جیسے دھندلا رہے تھے۔

دوسرے پاؤں سے وہ ہائی ہوئی تھی۔ جان سولی پر ٹنگی ہوئی تھی۔ اس کی خوش قسمتی اور بدقسمتی آج کے واقعے سے مشروط نظر آتی تھی۔

خوشی سے نہال زندگی گزار رہے تھے۔ یہ عجیب وغریب سودا آ گیا تھا۔ اب ان مقامات پر الاؤ بھڑکا تو وہاں کوئی بھی نہ سوچتی۔

اسے لگتا کہ کبھی ہوئی کہ ہر تبدیلی اپنے اندر معلومات واحساسات کے ہزار ہا پیغام لئے آتی ہے۔ وہ شاید سوچ بھی نہ پاتا کہ اس پر کیا کیا خوش قسمتی و بدقسمتی بھی مشروط ہو کر آئی ہے۔ اور لوگوں کی رائے پر زندگی کا انحصار بھی ہوا کرتا ہے۔ وہ ناسف تھا۔ بے اطمینان اس کے اعصاب شل ہونے لگے۔

دوسرے قدم کے سونے پر ہو گی۔ جانے کتنی اور کیسی کیسی۔ عجیب سے الجھن تھی۔ اسی دم یاور علی خان اور زاہدہ خاتون اندر

"نہیں یہ وقت آنے سے پہلے"۔ وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔

"کیا۔ کیسے ہیں چھوٹا؟" اس نے اور جلد جان لینے کی خاطر کھوجی نظروں سے دیکھا۔

"اللہ۔ اکثر تاؤ یا خاصا کمزور ہو جاتا ہے۔ مگر بھلا چنگا ہوا ہے۔ اب ٹھیک ہیں مگر پتہ نہیں کہاں ایک دم کچھ بگڑ گیا ہے"۔ وہ فکرمندی سے بولے۔

وہ یوں گواہ سا محسوس ہوا جیسے اس کے اعصاب کسی شکنجے میں کسے ہوئے تھے۔ ایک دم آزاد ہو گئے۔ بنا بتائے ہوئے احسان سے پہلی مسرت سے ہوا۔ بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

یاور علی خان شیر دل کے دل کھول رہے تھے۔ ایک دم رک گئے اور تیزی سے نازنین کے قریب آئے۔ "کیا ہوا"۔

نازنین نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ وہ بلکنوں سے رونے لگی۔

"ارے کیا بات ہے بیٹی؟" وہ بے حد فکرمند ہو گئے۔

"کچھ نہیں۔ خوشی کے آنسو ہیں۔ اب سے کچھ دیر پہلے میں بہت ٹینس تھی۔ خدانخواستہ تیمور کو کچھ ہو جاتا تو میں شاید آپ کی بیٹی کے کہنے سے بہتر ہوتی"۔ وہ خود پر قابو پا کر کہہ رہی تھی۔

"ہائیں۔ مگر وہ کیوں؟" یاور علی خان دم بخود رہ گئے۔

"آپ کے ہاں تو سب مجھے منحوس کہتے تھے"۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اوہ ہاں۔ کاؤ بھروسہ کرنے میں اگر چہ دن تو لگتے ہیں لیکن آغاز تو ہونا چاہیے۔ ایسے کہتے ہیں ہم آپ کو اور ایک دوسرے کو۔ مگر ہم کو پہلی پہلی شب سے ہی اور صبح لگ رہا ہے"۔

وہ شرارت سے اس کی بھیگی پلکوں سے اٹھکیلیاں کرنے لگے۔

"آپ کی بات نہیں کر رہی۔ ماحول کے حساب سے ایک سوچ آئی تھی"۔ وہ جھینپ کر دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

"میں جب ہم آپ کے ساتھ ساتھ ہیں تو آپ کو دوسروں کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تعلق میں اعتبار ہو تو پھر خوشی کیا"۔ وہ اپنے اس کی دلفریب مسکراہٹ پر نثار ہو گئے۔

"شکریہ"۔ ان نے اعتبار والے کے جملے پر ہاتھ کو گہرے سکون کا احساس کرکے کچھ دیر پہلے کی اذیت کا مداوا کرنے کی کوشش کی۔

کھانا کھا چکے تھے بھن رہے تھے۔ نازنین نے سب کو سونے کے لئے بھیجا دیا تھا اور خود تیمور کی پیشانی پر پٹیاں بدلتی رہی تھی۔ خان بابا تو خوشی کی فرط سے دم بخود بالی بدل رہی تھی۔

آہستہ آہستہ تمام بتیاں بجھ چکی ہوئی ہیں۔ زاہدہ خاتون نازنین کے کہنے پر تیمور کے پاؤں پر چڑھی تھی۔ خان بابا بے حد مسرت سے آگے بڑھی اور جوتا بھی کھینچنے لگی۔ کھوجی نگاہوں سے اس نے ذرا سے پھوا۔ پھر ایک دم سے تھما کر کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھیں۔ ... کمزوری ہوئی۔

"کیا ہم کہیں جا رہے ہیں۔ پٹیاں میں خود باندھ لوں"۔ اس نے تھکی تھکی نازنین کو مخاطب کیا۔

"اب سب آرام ہی کرنا ہے۔ شکر ہے اللہ نے میرے بھائی کے حال پر رحم کیا۔ ہم سب پر رحم کیا"۔ انہوں نے جھک کر تیمور خان کی پیشانی سے بال سمیٹے اور بوسہ دیا۔

"آپ آرام کریں۔ ابا اب پہلے سے بہتر ہیں ہم۔ یوں بھی سارا دن سفر رہا ہے"۔ وہ بہت دھیمی آواز میں ہی سے مخاطب ہوا۔

"جانا ادھر سے میں بالکل بھی تھکی نہیں ہوں۔ تم فکر نہ کرو"۔ انہوں نے تیمور علی خان کا ہاتھ محبت سے پھر تھپکا۔

"پھر بھی۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ اماں جی تو ٹھیک ہیں ناں۔ نظر نہیں آئیں"۔ معاً انہیں ماں کا خیال آیا۔

"وہ اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ انہیں پتا نہیں وہ تو ویسے ہی دل کی مریضہ ہیں۔ انہیں تو سنبھالنا مشکل جاتا"۔ تزئین بھابی نے جواب دیا۔

"بہت اچھا کیا"۔ تیمور علی خان نے آنکھیں موند لیں۔

"بابا جان۔ اٹھیے۔ آرام کیجیے۔ علی خان کے پاس ہوں۔ جب تک خان نہیں کہیں گے میں یہاں سے نہیں جاؤں گی آپ اطمینان رکھیے"۔ اس نے پھر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ بہت کام کرتی ہے یہ۔ بدلی لگتی ہے۔ اماں جی کہہ رہی تھیں وہ تو تمہارے ہاتھ پاؤں ملتی جا رہی ہے۔ یہ میں نے اس کا نام زخموں سے دل کر رکھ دیا ہے۔ سب کو بہت پسند آیا"۔ تزئین بھابی نے ہنسی ہنسی کرتے کہا۔

"بہت خوب۔ آپ اپنی صلاحیت سے خود ہی لطف اندوز ہوئی ہیں آپا۔ اسکا نام بدلنے کا تو ہم بھی سوچ رہے تھے۔ بڑا عجیب سا لگتا ہے اس کا۔ وہ کون سی بات تھی"۔ انہوں نے ایک لمحے کو آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا۔ "زخموں والو"۔ تزئین نے مسکرا کر ان کی پیشانی سے پٹی ہٹا کر دوسری رکھی۔

"ہوں۔ جائیے آپ آرام کیجیے۔ ہم پہلے سے بہت بہتر محسوس کر رہے ہیں۔

"اچھا۔ ایک دفعہ ذرا ماتھا اور پیر چھو لوں کر لیں"۔

انہوں نے سر جھکا کر محبت سے تیمور علی خان کے ماتھے اور پیر چھوئے۔

"کیا کروں۔ تیمور کے لئے ایک کپ چائے بنا لاؤں۔ انہوں نے تو شاید کھانا بھی نہیں کھایا تھا"۔ تزئین نے زخموں والو سے کہا تو وہ ایسے چونکی جیسے بھٹک رہی تھی۔

"جی۔ بات سنتے ہوئے واپس آئی تو تزئین بھابی کو مخاطب پایا۔ شرمندہ ہوئی تھی۔

"اب بخار کیسا ہے خان کا بی بی جان"۔ اس نے کپ انہیں تھماتے ہوئے پوچھا۔

اسے بھی کوئی فکر یا تشویش کے بجائے تجسس تھا۔

"اللہ کا شکر ہے اب تو بہت اترا ہے۔ بھائی جان نے ہدایت کی تھی کہ ہر دو گھنٹے بعد پیناڈول دی جائے تو بہت آرام آ جاتا ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ میں بدل دوں گی۔ آپ آرام کریں"۔

"بہت اچھا۔ تیمور تم دوا لے لیا۔ کچھ کھا لیتے"۔ وہ اٹھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"نہیں"۔ انہوں نے آنکھیں کھولے بغیر گردن میں سر ہلایا۔

تزئین کمرے سے باہر چلی گئی۔

"آپکو اب کیسے اس لڑکی کا خیال آ گیا"۔ اس نے کافی دیر تیمور علی خان کی پشت سے لگائے ہوئے سادگی سے پوچھا۔

"بچے اور بوڑھوں کو ہوتا ہے"۔ وہ بغیر کسی ارادے کے چڑ سے ہوئے لہجے میں بولے۔

"بہت تکلیف ہوئی ہے"۔ اس نے ان کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں۔ کوفت ہوتی ہے"۔ انہوں نے بے تاثر لہجے میں جواب دے کر پہلو کے بل گھوم کر لیٹ گئے۔

وہ کچھ دیر سوچتی ہوئی کرسی پر بیٹھی رہی اور پھر کچھ سوچ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم جاگ کیوں رہی ہو"۔ انہوں نے بے تاثر لہجے میں جواب دے کر پہلو کے بل گھوم کر لیٹ گئے۔

"آپکو کیسے پتا چلا"۔ اس نے ان کا چہرہ دیک

اس نے پہلے دونوں لیپ سائن کئے پھر دونوں نوٹ آف کر دیں۔ اور خود کو اطمینان کی طرح ڈھیر کی طرح بستر پر گرا لیا۔ اسے بالکل احساس نہیں تھا کہ جب وہ بیٹا پیدا کرنے کیلئے جھگڑ رہا ہے تو اس کا گھر لے بھی اس کے لئے کو چھوا جاتا ہے۔

صاحبہ جمیل خان نے بڑی پریشانی سے خود اختیار کر اس کی طرف بڑھا لیا۔

"پاپا — ہمارا خیال ہے کہ اب ضرورت نہیں۔ اور تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ"۔

وہ ہکا بکا ان کی صورت دیکھنے لگا۔

"کک — کوئی غلطی ہو گئی؟" اس کے حلق میں کانٹے اگنے لگے۔

"نہیں — ایسی کوئی بات نہیں۔ سسٹم ہی غلط ہے"۔ وہ جیسے خود سے کہہ رہا ہو۔

"مگر؟" وہ حیران پریشان ہوئی۔

تم سے نہیں کہہ رہے ہیں جاؤ تم اور ہاں سنو"۔

وہ جاتے جاتے رک گئی۔

"جی؟" دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ کچھ غلط ہونے والا تھا۔ کچھ۔

"آئندہ عورتوں کے کسی بڑے یا سرد کی طبیعت خراب ہو تو رات میں بے ایسی خدمات پیش کرنے سے باز رہنا۔ اپنی بھابی بیگم سے ہم بات کر لیں گے۔ مگر تم بھی یاد رکھو۔ اب جاؤ"۔

وہ حیران پریشان باہر نکل آئی۔ ایسا کیا ہو گیا۔ یہ کیا ہوا یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کچھ۔

جس بھی سوچ کو وہ سمجھنا چاہتی تھی کہ خود کچھ ہو مگر صاحبہ جمیل خان کو اس سے ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ خاندان یہ برداشت نہ کرے۔

اس کی جگہ پر کوئی سمجھدار ہوتی "بلکہ وہ ان کا شعور رکھتی ہوتی تو شاید خاندان کی بہتری پر غور کر رہا ہوتا۔

مگر وہ ہفتوں سے سرخوں کی بوچھاڑ سے بہت اور کھل اٹھا سرد کی خوشی سرخوشی کے بہانے کچھ بھی کی اور محسوس کر رہی تھی کہ کچھ بہت اچھا ہونا چاہیے۔ خوشی کا احساس مسلسل ہو۔ سن ہونا کھانے کو ہو۔ اس سے کوئی غلطی نہ ہو۔ مگر کوئی ایسی اور بات ہے۔

انسانوں کی پریشانی پر پڑے پردے جن لمحوں سے اٹھا دیتے ہیں۔ خان کے لئے ان لمحوں سے گزرنا بہت طبیعت توڑ تھا مگر عجیب الجھن ہی تھی۔ کس سے کہتا۔ صرف بڑی بیگم سے وہ "بات" کیا کریں گے؟

"بس اماں جی! یہ تو بعد میں پتا چلا کہ سارا دوش کالی کے پیچھے ہی پڑتا ہے۔ ہوا ایک بار چھوٹے سرد کے ہاں

ہے۔

رات بارہ بجے کے قریب کالی کی چیخیں آنا شروع ہو گئیں۔ وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ ہم سمجھے کہ بچہ ہونے والا ہے۔ ہم

اطمینان سے بیٹھے رہے۔ کچھ دیر بعد چیخیں بند ہو گئیں۔ ہم سمجھے کہ بچہ ہو گیا ہے۔ ہم ایک بار پھر سو گئے۔ صبح

سویرے ان کا سہارا پھر بولا اور بتایا"۔

نیلوفر نے کنکھیوں سے دیکھا وہ سنجیدگی سے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

"کسی نے کالی کو ساتھ نہیں دیکھا؟" اماں جی نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

"نہ جی میرے تایا ابا اس میں بیٹھ کر لے جا رہے تھے۔ سامنے تھڑا کہا جاتا ہے اس پر بیٹھ کر۔ ہم نے کہا بھی کہ ہمیں بتا دیں ہم بھی ساتھ چلتے ہیں۔ مگر انہوں نے کہا کہ ہوا بہت ہے بھروسہ نہیں۔ میری خالہ (کالی کی ماں) کو بھی ساتھ نہیں لے گئے۔ وہ بھی سر پیٹتی رہ گئی۔ بچے کا ختنہ بھی ساتھ ہی ہونا تھا۔ اس لئے بھی ساتھ جانا ضروری تھا۔ ہم سمجھے کہ ہسپتال لے جا رہے ہیں۔ مگر وہ تو گھر سے جا چکے تھے۔ صبح ہوئی تو پتا چلا کہ کالی کی لاش کھیتوں میں پڑی ہے۔ ساتھ ہی بچہ بھی مرا پڑا تھا۔ کالی کی لاش کے ساتھ ایک سانپ بھی مرا پڑا تھا۔ بچے کا ختنہ بھی ہوا تھا۔ ایک رات ہمارے ہاں ٹھہرا۔ جو سانپ سانپ کا شور مچا تو سبھی نے بھاگ کر اپنی اپنی جگہ لے لی۔ ہم نے بھی کوئی ترکیب کی۔ سوئی بل سے نکلنے لگا۔ وہیں سر کچل دیا۔ تڑپتے ہوئے سانپ کی تینوں پوریں ہو گئیں۔ پھر

"اب جو رات پھولے خان کا"۔

"توبہ خدا۔ کچھ نہیں رکتا ہے میں"۔ نیلوفر نے ایک دم کہا۔

"ہاں بس تم لوگ مجھ سے برا بات چھپایا کرو۔ ہاتھ مل گیا ہے مجھے تیتا باغ میں گلی تو چوکیدار نے بتایا کہ رات کیا ہوا تھا۔

میں تو ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئی تھی۔ مجھے یہ پتہ تھا کہ خاندان کی طبیعت کیسی ہے؟ میں جان کر کیا چھوڑ رہا ہے؟ رات کو بھرا پورا بتا کھیلا بھرا ہوا تھا۔

"میں نے کہا کیا ہوا دشمنوں کو؟

"کالی کا بھرا ہوا ہے جو بھرا ہوا کی دشمن تو موت میں ہے چھوٹے خان کو رات سانپ نے ڈس لیا تھا۔

اسے تیرہ گھڑی ہو گئی۔

"اچھا" نیلوفر نے داد تحسین دیا۔

"بھول سالت اچھا کر ہوا۔ رات اکثر نے زہر نکال دیا تھا۔ مگر اس کو بخار چڑھ گیا تھا۔ یہ مرگئیں کیا کرو تم لوگ۔ اگر میرا

اس بند ہو جاتا؟ جب وہ واپس آ گیا تھا۔ تب تو بتا دیتیں۔ تمہارے بابا صاحب بھی رات بھر میری طرف نہیں آئے۔ دل میرے بچے کی جان پر بنی ہوئی تھی اور میں بے خبر سوتی رہی تھی"۔

"اسی لئے نہیں بتایا تھا امی کہ آپ کی اپنی طبیعت خراب ہو جائے"۔ نزہت نے نرمی سے کہا۔

"تو ہم سے انتظام کرتیں"۔ وہ خفگی سے بولیں۔

"اب یہ بھی کیا پتا تھا کہ صبح صبح کریم صاحب سلامت ہو جائیں گے۔ ہم نے تو یہ سوچا تھا کہ صبح کو ہم سب کچھ بتا دیں گے"۔ نزہت نے کہا۔

"کرنے میں گئی تھی۔ بے خبر سو رہا ہے۔ سو کر اٹھے تو ہاتھ جھاڑ کر کھڑے ہو جاتے۔ اللہ نے میرے حال پر احسان کیا۔ مر گئی تھی اور نہ میں تو پیٹے گی"۔

"اللہ نہ کرے اماں جی آپ کے دم سے تو حویلی میں رونق ہے"۔ خالہ سولہ آنے نے کہا۔

"اماں جی انہیں سلام کرنے آ رہی ہیں آپ کو"۔ ماما نے دور آ کر اطلاع دی۔

"ہاں ہاں لے آ۔ اللہ سہاگ بنائے رکھے"۔

"یہ نجمان بانو کی کیا شکل نکل ہو گئی ہے۔ صبح کے دس بجے تو میرے کمرے میں ہوتے ہیں اس کے"۔ اچانک اماں جی کو دھیان آیا۔

"سونے دیں آپ اسے رات بھر جاگی ہے اور ہاں ہم نے اس کا نام بدل دیا ہے۔ سعدیہ کہا کریں اسے حویلی بچی کو اماں جی۔ خوبصورتی بھی خوبصورت نام بھی خوبصورت"۔

"یہ کیا نام ہوا بھلا؟" اماں جی سادگی سے نزہت کو دیکھنے لگیں۔

"بہت اچھا نام ہے۔ مسرت اور خوشی کے گیت گانے والی"۔ نزہت نے تشریح کی۔

"یہ اسقوط پتے گانے والیوں پر جچتا ہے"۔ اماں جی نے بچی کی بات کی۔

"یہ بھی بہت اچھا گاتی ہے رات ہم نے اس سے گانے بھی سنے تھے۔ کیا لحنب کی آواز ہے"۔ وہ ہنسیں۔

"مگر وہ پیشہ ور تو نہیں ہے ناں؟ کیوں سولہ آنے؟" اماں جی نے کہا۔

"جی۔ جی"۔ خالہ سولہ آنے جلدی سے بولیں۔ جیسے وہ کچھ سوچ رہی تھیں۔

"بہت تیز بخار تھا اماں جی تیمور کو۔ گویا ایک مصیبت سے نکل کر دوسری میں پڑ گئے تھے"۔ نزہت نے سولہ آنے کی عالیت جانی۔

"ارے نظر لگ گئی ہو گی میرے بچے کو۔ خلاقی بھی تو رہ رہ کر یہی کہتی تھی کہ بڑی اچھی اٹھان ہے تیمور خان کی۔ کوئی کہتا نہیں ماشاء اللہ کہو کسی کو یاد نہیں رہتا۔ میرے بچے دشمن اوجھ کر سامنے آتے ہیں ہمارے اور کبھی نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتی کہ کہیں میری اپنی نظر نہ لگ جائے۔

"کل مجھے کتنا خوف کر رہا تھا کہ بتائیں اماں جی کیا لگے رہا ہوں۔ مجھے سہاگوں کی بڑی اچھی لگتی۔ دھیان آتا نہ تو کہ

پڑھ کر پھونک دوں۔ جب کچھ ہونے والا ہوتا ہے تو ایسی مت ماری جاتی ہے"۔

"آپ بابا صاحب کو کہیں، ایک دو کنے سے سرسوں حویلی میں ہر گھر میں، صدقہ خیرات کا سامان ہو جائے"۔

اسی وقت ماہ بیگم زرد گھبرائے لباس میں ماما کے ساتھ سر جھکائے اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم"۔

"ارے بھئی بیماری بھابی"۔ نزہت نے بچی کی خوشی کے جذبے سے بے قابو ہو کر انہیں گلے لگا لیا۔ اور تم اداس ہی سے قریب آئی۔ اماں جی نے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

"خوش رہو"۔

ماہ بیگم ساس کے پہلو میں ہی بیٹھ گئی۔

"کل تو تم بہت تھک گئی ہو گی"۔

"تم نے بھی حد کر دی تھی نزہت" کھلونوں بھاگ دینے والی بات تیار کرنے میں۔ سمجھاں پوچھا تو تھک گئے۔ جاں سے گئی بیچاری۔ کہاں ماما سے بنا رہی تھیں؟"

نزہت اور خالہ سولہ آنے اس بات پر ہنسنے لگی تھیں۔ ماہ بیگم بھی مسکرا دی۔

"ارے بھئی بھول اماں جی!" نزہت نے بیگ کے گلے میں بانہیں ڈال کر ان کے شانے سے سر ٹکا دیا۔

"بھولی نہیں ہوتی ہے اماں جی۔ سمجھ سے باہر کی بات ہو جاتی ہے"۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں ہل لی جان"۔ خالہ سولہ آنے نے لقمہ لگایا۔

"تو چپ کر سولہ آنے۔ کوئی دین ایمان نہیں تیرا۔ ابھی ادھر ابھی ادھر۔ بہو کو تو اللہ نے سمجھا کر بھیجا ہے"۔

اماں جی نے خفگی سے ماہ بیگم کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اسی وقت نجمان بانو اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم"۔ وہ اماں جی کو سوتے دیکھ کر صبح صبح آ گئی تھیں کیا؟"۔

"کوئی بات نہیں سلام دیا خاتم نزہت نے۔ اور سوا ہے تو سوا جا کر کام ہوتے رہتے ہیں۔ جو بچے سے بڑی ہو گئی ہیں۔ خدا انہیں سلامتی رکھے۔ اللہ نصیب اچھے کرے پتا ہے بچے نزہت کام ہو گئیں ہے"۔

"دیکھ تیمور جاگ رہے ہیں یا نہیں؟" نزہت نے اسے باہر جانے کو کہا۔

"میں بھی چلوں اماں جی ماما۔ بچی بھوکی ہے چھٹنے تو"۔ خالہ سولہ آنے نے بھی بانہیں اٹھا کر کے کھڑی ہو گئیں۔

(نجمان بانو اور ہو جانے کیلئے دیئے کی طرف بڑھی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ایک لڑکا نہیں اس کے سامنے کھڑا ہے۔ اسے لگا کہ اسے مختلف انداز میں وہ اسے مختلف مرتبہ دیکھ رہی تھی۔

"اوے۔کون ہو تم۔اور کس سے پوچھ کر جا رہے ہو"۔اس نے اپنی دانست میں بڑی ڈانٹ ڈپٹ کی تھی۔ وہ بھی تھکے ہارے کی تیاری میں تھی۔سوچ ہی نہیں پا رہی تھی کہ لباس تبدیل کر لیتی۔

"آپ یہاں لیڈی پولیس لگ گئی ہیں؟" لڑکے نے جل کر اسے دیکھا تھا۔

"تم کس سے پوچھ کر آئے ہو اندر؟" وہ سختی سے پوچھ رہی تھی۔

"ہم پوچھ کر نہیں آتے۔اپنی مرضی کے مالک ہیں"۔شان بے نیازی سے جواب آیا۔

"حویلی میں بہت سردار کر ہیں مگر ہر کوئی اندر نہیں آ سکتا۔تمہیں تو بار بار کہا سردار نے کہ دور ہی رہو۔کیسے جانے دیا اور تم"

وہ اٹ گئی تھی۔

"آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔میں خود چلا جاؤں گا اوپر"۔وہ مسکراہٹ دبا کر طنزیہ ایکسکیوز پر چڑھا۔

"سچ بتاؤ کون ہو تم۔ورنہ شور مچا کر بلا لوں گی سب کو"۔اسے تو وہ ایک دم مشکوک لگنے لگا۔

"بلا لو۔میں بھی دیکھوں شور مچاتے ہوئے کیسی لگو گی۔ویسے تو خیر اچھی ہو"۔شرارت لڑکے کی آنکھوں سے ابل رہی تھی۔

اتنا بے تکلف وہ بھی پہلی دفعہ میں وہ غصے اور حیرت سے کھڑی دیکھنے لگی۔

"ارے ۔۔۔ عارف ۔۔۔ آ گئے تم؟" جانے کس طرف سے رئیسہ بیگم نکل آئی تھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے۔گھر پہنچا تو پتا چلا کہ ملنے کی مدت ہو رہی ہے۔بس ہو رہی ہیں۔یہ "بیٹی" کون سے ملنے آ رہے تھے دے رہی؟" اس نے بظاہر بڑی معصومیت سے سوال کیا تھا۔

"کیوں تم کیا اپنی سوتیلی میں لینا چاہتے ہو؟ آپکی نظر آ رہی ہے یہ تمہیں؟" رئیسہ بیگم مسکراہٹ چھپا کر بولی تھیں۔

اچھا ۔۔۔ میں نے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ورنہ کہیں تو بچیوں والی نہیں ہوتی تمہیں پیچھے سے پکارا تو کہنے لگی نہیں تھیں۔"

"کیا نہیں تھیں؟" رئیسہ بیگم نے تعجب سے پہلے سلطانہ اور پھر عارف کو دیکھا۔

"مطلب یہ کہ مجھے اوپر جانے سے منع کر رہی ہیں"۔

"مگر کیوں؟" رئیسہ بیگم نے گھورا۔

سلطانہ گئی۔"وہ جی مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ کون ہیں؟" احساس تو پہلے سے اس کی آنکھوں میں آنسو بنے تھے۔

"عارف!" رئیسہ بیگم جاتے جاتے رکیں۔

"کہو اپنی ماں کو بھیجے۔میں اماں جی کے کمرے میں ہوں" وہ ہاتھ جھاڑ کر چل پڑیں۔

''جی — اب فرمایئے اجازت ہے۔ اوپر جا سکتا ہوں؟'' وہ ایک ذہنی دھچکے سے سنبھلا۔
اس نے رخ موڑ کر اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے چند قطرے انگلیوں کی پوروں سے صاف کیے۔
''آپ روئی ہیں۔ معاف کیجیے گا۔ میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی بات تو ہوئی نہیں ہے جس سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو۔ مگر نہیں۔ بعض انسان ایسے حساس ہوتے ہیں کہ انہیں ہر دوسری بات اپنی توہین محسوس ہوتی ہے۔ معاف کیجیے۔''
وہ تیزی سے لپٹے مڑ گیا۔ وہ حیران پریشان سے انداز میں اوپر ایک موڑ جانے سے غائب ہو جانا دیکھتی رہی۔

''مطربہ تیمور کا کمرہ اتنا گندہ ہوتا ہے کہ رات کو وہ کرہ تھا۔ میرا بستر بارش میں اوّل دیں وہاں کم از کم کھٹمل تو نہیں ہوں گے۔ دو دن کو میرا بچہ آیا ہے۔ اتنی فیاضی دل میں لے کر جائے گا۔ دل کرے گا بھر دوبارہ آئے گا۔''
''اماں جی میں نے پرسوں ہی تو بستر کی چادریں بدلی تھیں۔'' اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔
''او خوامخواہ بات کرنا نہیں۔ جا سب سے پہلے اس کا کمرہ اور غسل خانہ جھاڑ کر آ۔ پھر کوئی دوسرا کام کرنا۔''
انہوں نے حکم دیا اور پھر اپنی وارڈ روب میں جانے کیا تلاش کرنے لگیں۔
وہ ڈرتی ڈرتی اوپر آئی اور آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔
''ہوں۔ اجازت آ گئی۔
وہ اندر داخل ہو گئی۔ ''السلام علیکم'' اس نے دن کا پہلا سلام کیا۔
''ہوں۔ والسلام۔'' وہ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھے بڑی تیزی سے کچھ لکھ رہے تھے۔
''کیسے آئی ہو؟ انداز خود معروف تھا۔
''وہ جی — صفائی کرنا ہے۔ اماں جی نے کہا ہے'' وہ ڈرے ڈرے انداز میں گویا ہوئی۔
''خاک صفائی کرنی ہو۔ جس چیز پر ہاتھ رکھو دھول مٹی'' وہ چیخ کر بولے۔
''جاؤ پہلے ہاتھ روم کی پنس۔ صاف کرو۔ اگر نہا نہیں ہے تو ہاتھ روم کی دیواریں اور فرش اچھی طرح دھو ڈالو۔ ہر چیز اس طرح چمکنی چاہیے جیسے نئی ہو'' انہوں نے حکم صادر کیا۔
''او وہ جی... نہیں گیا ہے؟ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
''تو نئی بھئی۔ کچھ پوچھیں۔ پاگل گنوار ہو'' وہ جھلائے۔
وہ جلدی سے باہر کی طرف بھاگی۔
''کہاں جا رہی ہو؟ انہوں نے تعجب سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔
''وہ جی — فنائل لینے جا رہی ہوں ماما نے'' وہ ڈر کر روتے کو ہو گئی۔
''ہوں'' وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔
تھوڑی ہی دیر میں وہ فنائل کا ڈبہ لے کر واپس آ گئی تھی۔ پائپنچے چڑھائے وہ پہلے کموڈ — وہ ہاتھ روم میں گھس گئی۔

باقی ساری چیزیں نہیں۔ وہ کموڈ کرا رہی تھی۔ اور وہ کمرہ صاف کرنے لگی۔ ایک طرف کی چادر تبدیل کر چکی تھی۔ کمرے کی جھاڑ پہلے کیا جا چکا تھا۔ وہ جھاڑ کر باہر آ گئی۔
''خان — وہ نہیں ہوا۔ وہ ادا کرتی ہوئی بولی۔ پہلے کموڈ میں پانی بھر کر پھر فنائل ڈالو۔ ہوا ہے۔ وہ ہاتھ روم میں گھس گئی۔
''کیا — وہ کیا؟ — وہ جھلائے۔
''فنائل ڈالنا ہے۔ وہ بتا رہی ہے'' — وہ بولی۔
''فنائل ڈالنا ہے۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''مطربہ تیمور کا کمرہ بھی نہیں ہے۔ کام کے لئے پانی چاہیے تو مانگ لیے۔ وہ ہاتھ روم کی صفائی کے لئے آیا کرو۔ ضروری معلومات لے کر آیا کرو۔ میں اماں کو تو نہیں ہے۔ کہ میں ہر روز کوچنگ کروں یا انہیں ٹریننگ دوں۔ ایجوکیشن آف ناؤ فراہم ہو۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
مجھ میں تو کچھ نہیں تھا سوائے اس کے کہ فولاد ہو گیا ہے اور اسے کام شروع کر دینا چاہیے۔ وہ سنک میں گھس گئی۔ اس قدر جھاڑ پونچھ کی تھی کہ صاف نظر آ رہا تھا۔ کموڈ کی ٹنکی سے آئینہ پیچھے لگا ہوا تھا۔ وہ اپنا چہرہ آئینے میں دیکھ کر چمک گئی۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اطمینان کیا اور باہر آ گئی۔
''خان'' وہ ڈرتے ڈرتے مخاطب ہوئی۔
''پھر کھل گیا؟ وہ جیسے بول پڑے۔
''نہیں — وہ آپ دیکھ لیں'' اس نے چند سانس بمشکل آزاد کیے۔
''کیا، کیوں؟ وہ حیرت پر گھوم گئے اور اس کی طرف دیکھنے لگے۔
بھیگے ہوئے کپڑوں میں خوفزدہ سی حالت میں وہ جانے کیا محسوس ہوئی۔ پیشانی پر بھیگی ہوئی لٹیں چپکی ہوئی تھیں۔ آنکھیں بوجھل بھیگی ہوئی تھیں۔ گویا کوئی من بھر بوجھ ہو کہ پلکیں اٹھانا محال ہو۔
ایک جادو سا سر چڑھ کر بولنے لگا۔
دلفریبی جوانی کا لباس ہے۔ جوانی حسن سے پوچھ لو تو دلفریبی کا سامنا سستا لیا کرتا ہے۔ زیادہ تر ہوتا ہے۔
انہوں نے چہرہ واپس گھما لیا۔ ''ٹھیک ہی ہو گا۔ میرا بیٹا کہ نہیں کہ صفائیاں اپنی نگرانی میں کرواؤں۔ وہ سے بیٹے ہیں۔ اب اپنا باقی کام کرو۔'' ان کے لہجے میں پھر حیرت سے وہ پہنے والی رسیت نمودار ہوئی۔ اب وہ کمرے میں اصل مطربہ تیمور کی تھی۔
تیمور علی خان نے کھٹا بند کر دیا تھا اور پھر آن کر کے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھ چھ دیئے تھے۔

"اتنی ہے دم کے ساتھ عاشقی ہے چار دن کی بات
میں بھی آیا ہوں چار دن میں تمہارے کر ہو"

مہدی حسن کی آواز میں کوئی غزل چھڑی ہوئی تھی۔

اس نے جانے کیوں پلٹ کر تیمور کی طرف دیکھا تھا۔

اسے یوں محسوس ہوا کچھ کمی ہے۔ اور یہ کمی پوری نہ ہونے کے اندیشے بھی پورے تھے۔

کسی قریب کسی تعلق میں یہ خیال ابھرتا ہے جیسے رات کوئی شجر ہو اور روشنی اور ہوا [illegible] مگر سورج اور ہوا سے محروم ہو۔ جڑ سے والے نہ ہوں۔ جس اپنا ہو کہ وہ رنگ، ہوا کا امکان نہ ہو۔

کتنی محنت اور مشقت ہو جاتی ہے ایسے موسم میں شجر کی زندگی۔ سرسبز کیسے نظر آئے؟

ہریالی کہاں سے اوڑھے؟

اس کے ساکت ہونے سے ایک محسوس ہونے والا جمود کمرے میں طاری ہو گیا تھا۔ چیزوں کی چھن چھن نہ ہونے کی تھی۔ کچھ ایریل کمرے میں زندگی متحرک تھی۔ سناٹا نہایت قابل ذکر اور قابل غور تھا۔

تیمور چند پر بے ساختہ گھوم گئے تھے۔ وہ ان کے چمکتے ہوئے بالوں پر نظریں جمائے مشکل کا نکلنا ان ہاتھوں میں لے جانے کون سے جہان میں گم تھی۔ اتنی گم اور بے خبر کہ اسے خان کے چہرے گھمانے کا احساس بھی نہ ہوا۔

خان کے تمام لطیف احساسات بیدار ہو گئے۔ انہوں نے آہستگی سے چہرہ ٹیبل کی طرف موڑ لیا۔

وہ کسی سمت دیکھ نہیں رہی تھی۔

اس کا نقطۂ ارتکاز کہیں بلندیوں میں روشن تھا۔ یوں جیسے کوئی جسم مرقد میں ہو اور روح کہیں ماورائی جہانوں میں سیر کناں ہو۔

ان کے روئیں روئیں میں البتہ ایک فطری اشتیاق جاگا۔

وہ کیا سوچ رہی ہے۔

وہ کون سا خیال ہے جس کی وجہ سے روح اور جسم کا رابطہ عارضی طور پر منقطع ہو گیا ہے۔ انہوں نے ریسٹ واچ کلائی سے الگ کر کے جیب میں ڈالنے کی کوشش کی۔ ان کا درمیان کیونکہ ناخن تھا۔ اس لئے ریسٹ واچ ہاتھوں سے پھسل کر ٹیبل پر گر گئی۔

ایک چھناکے کی آواز پیدا ہوئی۔

اس کے ساتھ ہی چوڑیاں بجنے لگیں۔

جھنکار یہ ہلکی آواز میں بج رہا تھا مگر ایک خاموشی کا احساس پتھر پر نقش کی طرح تھا۔

"خان یہ کتابیں ٹھیک سے رکھ دوں"۔ اس نے بستر پر بڑی کتابوں کی بابت پوچھا۔

"نہیں۔ نہیں اسی طرح رہنے دو"۔ انہوں نے قلم بند کر کے جیب میں اٹھاتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔

"پھر چادر کیسے بچھاؤں"۔ اس نے بچوں جیسے انداز میں کہا۔

"چادر بچھاؤ صاف ہی ہے۔ اور بھی بہت کی چیزیں ہیں صاف کرنے کے لئے۔ تم نے [illegible]"

بولے۔

"تم میں ذرہ بھر سے کپڑا نہیں ہو سکتی۔

"کیوں؟" سوال فطری تھا۔

"آپ ہر چیز سے کام کر رہے ہیں۔ ہنر کرنے میں بھول جائے گی تو آپ پریشان ہوں گے"۔

"اوہ۔ ہم شہر جا رہے ہیں۔ تم اطمینان سے اپنا کام کرو"۔

وہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"شہر جا رہے ہیں۔ پھر کب آئیں گے؟" اس کا انداز اٹل سے سوال تھا۔

تیمور علی خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

آنے جانے کا حساب رکھنے والے کمزور ہوتے ہیں۔ ان کا وجود قریب بھی خاص ہوتے ہیں۔

تعلق کی کتاب میں ان کا ذکر بھی خاص صفحات میں درج ہوتا ہے۔

یہ کہاں سے آئی۔ ایک دم تامل ذکر جیتے کی بے وقعت سی لڑکی۔ وہ گہرائی کا ادراک پر تکمیل کی پیچیدگی کے ساتھ اس کی سمت متوجہ ہوئے۔ پرچہ کہ وہ اللہ کے کہنے کا مراعات یافتہ تھی۔ مرعت و رعایت کی ایڑی سے چوٹی تک سونے سی ہوئی تھی۔

کس قدر بااثر تھی بے حیثیت ہونے کی۔ کہ وہ نرمی سے گویا ہوئے۔

"زیمبرز کی اکیا یوم ہے تمہارا۔ کیونکہ تم ان ایریز ہو اور کافی گھوار بھی اس لئے تمہیں یہ سنس نہیں ہے کہ کس سے کس طرح کے سوالات جائز ہوتے ہیں اور کس طرح کے ناجائز۔ تم فاتحہ وقت میں ماضی سے سیکھنے کی کوشش نہیں کرو۔ تیمور تم صبح اٹھ کر اپنے آپ سے اتنا ضرور کہا کرو کہ تم اس حویلی کی کنیز ہو۔ ملازم ہو۔ جنہیں صرف اپنے کام سے غرض ہوتی ہے۔ جو اپنے مالکوں سے اپنے طور کبھی بات نہیں کرتے صرف مالکوں کے سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔ وہ بھی صورت میں خاموش رہتے ہیں۔

ہمیں اماں بی کے ساتھ بھی تمہارا یہ احتیاطانہ انداز پسند نہیں ہے۔ وہ سیدھی سادی ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ان کو [illegible] جائیں۔ وہ تمہاری مثل نہیں ہیں۔ ہم اپنی باتیں بار بار نہیں دہراتے۔ ہمیشہ کہنے پر ذکر کرتا"۔

وہ سائس روکے گھڑی بھر سن رہی تھی۔ کیسی بے رحم گھڑیاں تھیں۔ خوبصورت حریری پردے ہوا کرتے تھے۔ ہر جملہ شعلہ بن کر پردوں سے لپٹ رہا تھا۔

خاکستری کا عجب نشہ تھا۔

شناسائی کے کسی لمحے کم مائیگی کا احساس گراں کم حوصلہ انسان کا قتل کر دیتا ہے۔

کوئی بڑی تبدیلی آ جاتی ہے۔

تیمور علی خان باہر نکل گئے۔

اس نے تھوک نگل کر حلق تر کیا۔ گھر اسے پیس سمجھا اور فرنیچر پر کپڑا مارنے لگی۔ کوئی احساس تھا جس سے وہ زائل ہو گئی تھی۔

وہ روئی نہیں تھی۔ اسے رونا آتا بھی بہت کم تھا۔ جب کبھی روئی تھی تو یہ بھی معلوم تھی۔

لیکن اس وقت ایک تواتر سے اشک رخساروں پر بہہ رہے تھے اور اسے احساس بھی نہیں تھا۔ دل دکھ کے دلدلی کی شاخ میں جا اٹکا تھا۔

اور لمحہ بھی وہ جس کی شاخیں آسمان چھوتی تھیں۔

"اماں جی! اقرار کی اقرار لوٹنی جاتے تھے سارے بھلی کی طرح تھیں۔ تانگہ بھر جاتا تھا۔ ایک دن بڑی مزے کی بات ہو گئی۔ سب سے زیادہ ہلو کی اماں کو چوٹیں آئیں۔ بلقیس کی بڑی بہن بے چاری رحیم بخش سے چھپ کر جاتی تھی اس سے الگ بیٹھی تھی۔"

خالہ سولہ آنے تہایت تیزی اور مہارت سے لقمانوں میں ڈورے ڈال رہی تھی۔ اماں جی نے ہر آنے والے تکیوں کے منہ بند کر دیے تھے۔

"ارے آگ لگے ایسے شوق کو۔ کہ انسان بیکار ہو جائے۔ اب یہاں گھر میں دیکھو۔ رات کی رات کیسی اونچ نیچ ہو جاتی ہے کہ قلم آرنی ہے۔ نوکر باغ میں ٹیل ڈون رکھ رہے ہیں۔ یہ تمام لڑکیاں اسے جلدی جلدی کام نمٹا رہی ہیں کہ کہیں ہوئی جارہی ہو"

میں نہیں بھائی کبھی ان چیزوں کے پیچھے۔ تمہارے بڑے ارمان کیتے بھی تھے تو مجھے جلنا آجاتی تھی"۔

ان کا چہرہ مغموم ہو گیا"۔

"اپنے مرد کے ساتھ بھی اماں جی؟" خالہ نے ایک ادا رگ کر لطیف سی شرارت کی۔

"ہاں بھئی۔ حیا تو مجھے آج بھی آتی ہے ان سے۔ اب بھی کبھی مجھے اپنے کمرے میں بلواتے ہیں تو قدم من من بھر کے ہو جاتے ہیں۔ اور غصوں میں تو ایسے منہ پھاڑ کر بولتے ہیں کہ اب مرے کوئی جا رہے۔ جب گھر میں بیاہ آیا تھا تو تنہا سے خان پر خفا ہوتی تھی کہ لڑکیوں پر برا اثر نہ ڈالو۔ وہ ویسی ہیں جو ہم بیاہی عورتیں نہ کریں۔ مگر میں بیاہ کر آئی تھی تو ہر کرتی ہیں۔ بھئی مجھے تو بیاہی حیا آتی ہے"۔

"خان تنگ نہیں پڑتے اماں جی! آپ کی اس طبیعت سے"۔ خالہ شریر ہوئیں۔

"بڑی بے لگام بہو تو سولہ آنے اور تو خواہ مخواہ ہی صدقے آدمی ہیں۔ بھول جاتے تھے کہ گھر والی بھی ہے۔ ہمارے زمانے کی ساری عورتیں ہی ایسی تھیں۔ کوئی میں اکیلی ایسی تو نہیں تھی۔ اور انہیں کوئی تعجب ہوتا"۔

"آپ تو بہت ہی سیدھی ہیں۔ آپ کی تو بارہ پشتوں میں محبت کی شادی نہیں ہوئی ہوگی"۔ خالہ ہنسیں۔

"ہاں ہوا تو"۔ اماں جی کی طرح نہیں ہیں [illegible] ہے۔ ہمارے بڑے تو بھئی [illegible] ہو جاتے۔ اس میں ہو جاتی ہوگی بیاہ سے پہلے؟ کچھ سنا ہے؟ کچھ سنا ہے؟"

میں کچھ سرخ ہو گئیں۔

"آپ کو کیسے پتہ چلے خاں سے محبت؟" خالہ نے چھیڑنا خیال کی۔

اماں جی کے چہرے پر تاسف سا ٹھہرنے لگی۔

"شرم کرو آپ سے اپنی اور میری عمر کا فرق۔ اس عمر میں مجھ سے محبت کرتی ہے؟"

"تو یہ ہوتا نہیں ہے۔ بلکہ ایسے مرد سے محبت کرنے میں ثواب ہے"۔ خالہ نے کہا۔

"ایک عورت عمر بھر کسی کا گھر سنبھالے اپنے بچے پالے سب کیا ہے۔ یہی اس کے حاصل کا جوہر ہے۔ [illegible] ہے"۔ ان کے چہرے پر دھنی سی بکھر گئی۔ خالہ ان کی سادگی پر ہنس ہنس کر لوٹ گئیں۔

"اسلام بیگم۔ خیر ہے تو نے خالہ کو کیوں ہنسا رکھا ہے"۔ آپا کی آواز [illegible] سے پہلے [illegible]

"اوئی رہو۔ پھوپھی جان۔ اس کی تو عادت ہے اونٹ پٹانگ باتیں کرنے کی۔ خوامخواہ ہنس ہنس کر دوہری ہوتی ہے"۔ اماں جی مسکرائیں۔

یہ لہجے پھوپھی جان اماں جی کے نزدیک بے ادب پٹانگ باتیں ہیں جن کے دم سے زندگی میں رام ہے۔ میں تو کہتی ہی نہیں۔

"جب کہ سولہ آنے اپنوں کے سامنے کیسی باتیں کرتی ہے"۔ اماں جی نے گھبرا کر خالہ کو کہا۔

خالہ کی پھر ہنسی چھوٹ گئی۔

"اماں جی۔ میں دو دن کی بات تھوڑی کر رہی تھی۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ"۔

"میں کہہ رہی ہوں نا چپ ہو جا۔ خدا دو دن کی نہ دے والی۔ اور پھر تم بھی تو ہو۔ ٹھیک تو ہو ہوں۔ بی بی تمہیں کچھ ہو گیا ہے ہاں۔ خیر گھاڑے ہاں یا پھر تم سے دور نہیں جب جب چاہے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر آ جا۔ ایک گھنٹے میں [illegible] ہو کر ہوتا ہے"۔ انہوں نے مسکرا کر گویا فیصلہ دیا۔

"تمہیں اماں جی امیر اول نہیں گھبرا؟" [illegible] "آپ کی اس طبیعت سے"۔ خالہ شریر ہوئیں۔

"ہاں ہاں۔ سب مل کر ہنسی اڑاتی تھیں۔ وہ تو مانے نہ تھا یا تو پتہ چلا"۔

ماں نے اپنی شفیق ساس کو جواباً تسلی دینا ضروری خیال کیا۔

"پگلی نام سے آئیں کھائی نہیں دی۔ رات میں انکی طرف گئی تو مانے بتایا کہ سو رہی ہے"۔

"کل اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ کل ہوا سے بس بھی نہیں چلی"۔ ماں نے جواب دیتے ہوئے [illegible] اماں جی خاموش ہو کر رہ گئیں۔ پھر تو خالہ کے بعد گویا ہوئیں۔

"تا [illegible] دیکھ رہی اب تم اس لڑکی کی ایک لڑکی کی طرف سے [illegible]

"کیوں۔ کیا ہوا؟" وہ چونک سی گئی۔ "آتی خوش اطوار اور خوش شکل سی تزئین۔ بھلا اسے کیا ہوا؟"

"اس کا رشتہ آیا ہوا ہے۔ شاید یاور نے تمہیں بتایا ہو۔ شادی کے ایک سال بعد ہی طلاق لے لی تھی اس نے۔ بچہ بھی نہیں ہوا تھا۔ ویسے تو اللہ کو ہی معلوم ہے۔ مگر مجھے یہ لگتا ہے اسے بڑھاپے کا داغ ہے۔ اور تزئین کی سے زیادہ پڑھا ہوا ہے۔ مرد عورت کو بیوی بنا کر لاتا ہے استانی تھوڑا ہی۔ وہ اور اس سے کم پڑھا ہوا تھا۔ مگر تھا تو اپنی قسم۔ بہت اچھی زندگی گزار رہی ہے ان کی۔ خیر اب اس کا ذکر کیا۔ بہر حال رشتہ آیا ہوا ہے۔ یہ بھی ہمارے دور پرے کے عزیز ہوتے ہیں۔ بچے بھی ہوئے ہیں۔ تمہارے بابا صاحب بتا رہے تھے۔ ایک بھولی سی بچی ہے جس کا نام سلمہ ہے۔ چھوٹا تمہارے بابا صاحب۔ کراچی میں اچھی نوکری کر رہا ہے۔ اچھا کماتے پہنتے ہیں سب کچھ ہے اللہ کا دیا ہوا۔"

"تزئین کیا کہتی ہے؟" نازنین نے اماں جی کے خاموش ہوتے ہی فوراً سوال کیا۔

"ماں بھی رہی۔ کہتی ہے کہ میں تو اس کی بچی کی ماں بن جاؤں گی مگر کیا وہ بھی اپنے باپ کا پیار دے سکے گا؟ کچھ ہوا تو کیا میرا بیٹا مجھے معاف کر دے گا؟ اب یہ حال دھرپ میں تو سفید نہیں کیے ہیں۔ سنا ہے آمدنی اور گھر کی بھی بہت مشکل ہے مگر زندگی بہت سے تجربوں کے سامنے میں آگے بڑھتی ہے۔ بہت اچھا مالس ہے۔ وہ قریب کے سب ہی لوگ اچھا کہتے ہیں۔ پڑھا لکھا ہے۔ صورت شکل بھی اچھی ہے۔ اب تم لوگ اسے اس طرح سمجھا کر وہ خوشی سے راضی ہو جائے۔ ظہیر میں بھی ہزار خوبیاں ہیں۔ اکیلی عورت مرگی ہے دنیا کی اونچ نیچ بھی ساتھ ہیں۔ اسے تو بیوی کہیں۔ کہیں بیٹی بنا جائے گی۔ لیکن اسے طلاق ہوئی ہے۔ اسے آگے مشکل پڑ جائے گی۔"

ان کی آواز بھرا گئی۔

"آپ فکر نہ کریں اماں جی۔ ہم سب تزئین کی بہتری کے لئے جو کچھ ممکن ہو سکا کریں گے۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" نازنین نے اپنے بچے تلے لہجے میں ساس کو تسلی دی۔

"یہ اطہر بہت پریشان ہے تمہاری سوتیلی ماں نے۔" اماں جی نے خالہ کو پانی کا گلاس اور جگ لئے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو فوراً پوچھا۔

"ہو گی یہیں کہیں کسی کام دھندے میں۔ بلاؤں کیا؟"

"تیمور کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔ بہت دیر ہو چکی۔ تم روبینہ کو اور اسے ساتھ لگا لو۔ یہ تین دفعہ ناشتہ آ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ اندر ہو جائیں گی تو دسترخوان بھی بڑھ رہے گا۔"

"اے لو۔ وہ آ ہی گئی۔" خالہ نے اطہر کو اندر داخل ہوتے ہوئے پہلے دیکھا۔

اس نے نازنین کو دیکھ کر سلام کیا اور پھر کچھ جھجکتی سی سے اماں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اماں جی۔ تیمور نے ناشتہ کر لیا ہے۔ آپ ماما سے چیک کروا لیں۔"

"ہیں؟" اماں جی نے تعجب سے اس کی شکل دیکھی۔

"صاف کر دیا اچھا کیا۔ اب یہ چیکنگ کیوں کوئی فلکر اپنی کھکھڑا آ رہے ہیں انعام ہاتھ۔" وہ اس کی احمقانہ فرمائش

پر جھلائیں۔

"اے تجھ سے کہا ہے تو نے۔"

"اچھا ہے۔ کہہ رہے تھے۔" اماں جی کی جھڑکی پر وہ گڑبڑائی۔

"اچھا ہے تو نے کہا۔ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے کہ میں صفائیاں چیک کروں۔ بڑا ہوا کھاتا ہے۔"

"اچھا ہے تھے۔ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے کہ میں صفائیاں چیک کروں۔ بڑا ہوا کھاتا ہے۔"

"ہاں ٹھیک تو کہا انہوں نے۔ تو جو کمزوری ہو گئی ہو گی اس کی سوال جواب کر لے۔" خالہ نے اسے وضاحت کی۔

"بے وقوف۔ گھر کے مرد گھر میں رہتے ہیں۔ صاف ستھرے گھر میں۔ عورتوں کی سوجھ بوجھ میں گھر کی صفائیاں کیوں کراتے ہیں۔ یہ کام گھر کے لوگ کرتے ہیں یا گھر کی عورتیں۔ کیا کیا تو اس نے۔"

"عورتیں صفائی کرتی ہیں اور مرد صفایا۔" نازنین نے شوخی سے کہا تو اماں جی، خالہ اور خود تزئین بھی ہنس دیں۔

"یہ بھی بتا دیجئے۔ بھولی بھی تو پتا چلے کہ صفایا کا کیا مطلب ہوتا ہے؟" خالہ نے ہنسی کو روکتے ہوئے کہا۔

"یہ ہمارا مطلب ہے۔ مرد کے ہاتھ میں آ کر تو ایک دو دن کھلا عورت کا تو اللہ ہی صفایا ہو جاتا ہے۔ بڑی مشکل سے گرہستی" اماں جی نے مسکرا کر بہو کی طرف دیکھا۔

"تیمور نے بتایا تھا کہ آپ نے کہا تھا کہ کام کرنے والی کے ساتھ کام کرنے سے اور دیکھنے بھالنے کی کیا کمی رہ جاتی ہے۔ اس لئے ہم نے سوچا کہ ہم بھی ساتھ لگ جائیں۔ ان چھ گھنٹوں میں کیا کچھ ہو جاتا ہے۔ ہم نے ساتھ لگ کر دیکھا۔" نازنین نے اپنے بچے تلے لہجے سے غائب ہے۔ ان چھ گھنٹوں میں کیا کچھ ہو جاتا ہے۔ ہم نے ساتھ لگ کر دیکھا۔" خالہ نے اسے مزید کام سے لگایا۔

"توبہ خالہ اتنا بھی اس عمر میں اور سے ذاتی ہوا اور لڑکی کو بھی راہ پر لگانی ہو۔"

تزئین اپنے صحت مند اور خوبصورت سے بچے کو گود میں بھرے کمرے میں آ بیٹھی تھی۔

"چھوڑیں بی بی جان! ہم تو باتوں سے سیدھے ہو جاتے ہیں۔ بچے کے ساتھ رہیں بچے تو ہیں۔ سو لیا تو ساس کے ہی دباؤ سے تھے۔

"ہمیں بدلے کی تھی بی بی جان میں چولہا جلانا شروع کر دیا تھا۔"

"اب اتنی بھی نہ ہانکا کرو۔ سولہ آنے کی تین برس کی بچی سے کون چولہا جلوائے گا؟"

اماں جی نے لوکا۔ ان کے حساب سے تو مہالے کا رہا ڈوب رہا تھا۔

"پوری بات تو سنیں اماں جی۔ گھر میں اور کوئی بچہ جو نہیں تھا۔ گاؤں کے کسی بھی گھر سے آگ مانگ کر لانی تھی تو ماں نے بتایا تھا۔" خالہ نے وضاحت کی۔

"خوب کی سولہ آنے۔ اگلے وقتوں میں آگ بجھے جاتی تھی۔ اب تو جلتے جلتے لگ جاتی ہے۔" تزئین نے شرارت کے بارے میں فیصلہ سنا دیا۔ اطہر شوہر کی تھی کو چھپاتے ہوئے کھانسنے لگا۔

نازنین بہت لطیف مذاق سے محظوظ ہوئی تھی۔ اس نے پیار سے تزئین کو دیکھا۔

"کیا ہو رہا ہے بھائی صاحب؟" اس نے بیٹے کے رخسار چھو کر ماحول کو ہلکا پھلکا کرنے کی کوشش کی۔

"آرہی ہیں خالہ اور باورچی۔ بکری کا دودھ نکالنے گئی ہوئی تھی۔ اس کی لڑکی بیمار ہے ناں"۔ عظمیٰ نے ایک ایک تفصیل سے جواب دیا۔

"اب تم بتاؤ" کیا کرنا ہے"۔ وہ سب کو نظر انداز کر کے خالہ کے مقابل بیٹھ گئی۔

"تیری طبیعت تو ٹھیک ہے۔ کیسا بخار چڑھا ہوا ہے۔ دکھاؤ ذرا ہاتھ تو لگیں ہے"۔ خالہ کو اس کی سرخ آنکھوں سے تشویش ہوئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ کچھ نہیں ہے مجھے"۔

"ہاں۔ خیر یہ تو میں بھی نوٹ کر رہی تھی کہ آپ بہت چپ چپ ہے"۔ نزہت نے بھی خالہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"نہیں بھئی۔ گھنٹہ پہلے تو بہت چہک رہی تھی۔ شاید تھک گئی ہے۔ جا فریج میں ٹھنڈا لسی رکھی ہوگی جا کر پی لے"۔ اماں جی نے بڑی شفقت سے اس کی جانب دیکھا۔

"پی لوں گی۔ اماں جی اخبار کا ٹکڑا ہو تو دیں"۔ اس نے خالہ کے ہاتھ سے سوالیہ لیا۔

"یہ آج آپ کے ابو صاحب کہاں غائب ہیں؟ بہت گپ شپ تو نہیں کرتے۔ تیور آپ کے"۔ نزہت نے بدلی ماحول کو تازہ خوش گوار محبت سے بھر دیا۔

"ارے نہیں۔ ان کی وجہ سے تو گھر میں بہت رونق ہے"۔ ثمینہ نے کہا۔

"ہاں ۔۔۔ ماشاء اللہ بھرا پرا جہاں دیکھتا ہے۔ رونق ہو ہی جاتی ہے۔ مگر کیا کروں۔ تمہارے باپ نے کتنا ور کر دیا ہے لڑکے۔ وہ کیا پڑھاتے ہیں جو یہاں والے نہیں پڑھا سکتے"۔ اماں جی کا موڈ برا ہو گیا۔

"میرا خیال ہے چند دن بھی نہیں رہنے جانے ہیں۔ ہے ناں اماں جی!" نزہت بھی بھائی کی جدائی کے خیال سے افسردہ ہو گئیں۔

"ارے کہاں۔ گیارہ دن۔ بارہویں دن تو صبح کو چلے جائے گا"۔ اماں جی تو انگلیوں پر دن گننے میں بھی لگ گئی تھیں۔

"نزہت آپ کہنا بھائی سے شاید تمہاری بات سمجھ میں آجائے۔ تم بھی پڑھی ہوئی ہو"۔

"کیا اماں جی؟"

"یہی کہ زیادہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ دماغ کی طاقت خرچ ہوتی ہے اور تمہارا تو کام ہی سینداری ہے۔ تم نے کون سا نوکری کرنی ہوتی ہے" نزہت میں اماں کے بھولپن پر مسکرا دیں۔

"کہوں گی اماں ۔۔۔ مگر وہ مانیں تب"۔

"صبح صبح مجھے اپنے ہاتھوں پر دم کر کے کیسا سکون ملتا تھا۔ اور اب بچوں کو ترستی ہوں۔ یہ تو بہت بھلا تھا۔ تب تمہارے ابو نے مجھ سے دور کر دیا تھا"۔ اماں جی نے پرانی شکایتی فہرست شروع کر دی۔

"اچھا اماں جی! ہم چلتے ہیں۔ آپ کو کچھ منگوانا ہو تو بتا دیں"۔ اس نے بے اختیار ہو جانا چاہا تھا۔

"پگلی اماں کی بات ہوتی تو کہا نہ تھا۔ ماں ہر حال میں اپنے بچے کی صورت کو ۔۔۔ اماں جی کی فکر مندی سے تشویش سنائی دیں۔

"اماں جی ایسا آپ کیلئے فکر کی بات ہوتا ہے کہ آپ کو لگتا ہے کہ آپ کے بچے کو کچھ ہو گیا ہے۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اماں پہلے بہت غرقی کی بات ہوتی ہے۔ نزہت نے انداز لگا لیا تھا۔

"اولاد جب بڑی ہوتی ہے سب ہی ایسا سوچتی ہوتے ہیں؟" اماں جی نے فوراً جواب کر دیا۔

"مجھے تو ایک دوسرا بھی کھانا ہوتا ہے"۔

"اے اماں جی ۔۔۔ ارے یہ کیا؟" نزہت میں رو پڑیں۔

"کسی بیمار کے چکر میں نہ پڑ جانا"۔ وہ فکر مندی سے بولیں۔

"کیا پتا پڑ بھی گئے ہوں۔ ارے کہہ کر تو ہوں کہ کس آرہا ہوں۔ وہ چاہے ہی نہیں"۔

خوفزدگی۔ گمراہوں کی پناہ گاہ۔

اماں کے گلوگیر ہاتھ سے چھوٹ کر کرسی کے نیچے گر گیا۔ جیسے کوئی اس سے بچا ہوا ۔۔۔ سرخ ہوا ہو۔ چھاتی پر لگا تھا۔ نزہت کے شوخ لہجے سے ذات کے اندر ایک اور چھوٹا بچہ اٹھا اور سوالیہ نظروں کی گرم ہوائیں اندر آنے لگیں۔ خوب لو چلنے لگی۔

"آپ فکر مند ہوں۔ اگر ہم بھی کریں گے تو کوئی اچھی ہی کریں گے۔ ہمیں پوری امید ہے"۔ خالہ نے بھی لقمہ دیا۔

"میرے منہ میں خاک سولہ آنے۔ مجھے نہیں چاہیے مجھے سر کی پگلی۔ اس دن کے لئے اولاد پیدا کی ہے"۔ اماں جی تو بول کر رو گئیں۔

(اے اماں جی زنجیریں پہنا کر رکھیے۔ آپ پر سکتی ہیں۔ کسی کو بھی قید نہیں کر سکتا ہے آپ کا قلب مضطر) اے اماں جی کی طرف سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے لگے۔

"کون خدمت کرے گی بیمار کی خدمت؟" نزہت میں شرارت سے پوچھا۔ "تو تو بڑی خوش ہو گی؟"

"آپ لوگ ہوں گے تو میں بھی ہو جاؤں گی"۔ وہ دھیرے سے بولی۔

"قربان جاؤں تیری اطاعت گزاری کے"۔

"تم لوگ کیا بات نکال رہی ہو۔ بھرے پرے کیلئے۔ کوئی کمی ہے جو اسے تم کیوں کی؟" اماں جی نے ڈانٹا۔

"ہزاروں اولاد سے نہیں اترتی ابھی تک؟" معاً انہیں دھیان آیا۔

"وہ تو بیچارے سے ٹھرگئی ہوتی ہے اسپتال۔ اس کی آنکھوں میں کئی دن سے تکلیف ہے۔ اس کا کوئی کے کر گیا ہے"۔ خالہ نے قطع کیا۔

"اچھا ۔۔۔ بھلے کر گئی ہوتی۔ ایک وہ کام تھے ضروری"۔ اماں جی خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئیں۔

"آپ کو کیا کام تھے۔ تیور بھی تو بگڑے ہیں ٹھرے"۔ نزہت نے ٹوکا۔

"اس کے کرنے کے لیے کیا تھا۔ وہ بے چارے کو کیا کہتے تھے؟" اماں جی کی سوئی سے ہمارے کان کھڑے ہوئے۔ انھوں نے ماہ بخش کے سوالی دھماکے کو سطریہ کی طرف بڑھا دیا۔

"اماں جی۔ یہ پوچھ رہا ہے کہ اگر کل جانے کا انتظام ہو جائے تو؟" اس نے بتایا۔

"ہاں ہاں ضرور۔"

ترکیبیں اور ترکیبیں اپنی باتوں میں مصروف تھیں۔

"لڑکی اپنی مستی" وہ بے چارگی کی طرف جا رہی تھی۔ چونک کر رک گئی۔

پلٹ کر دیکھا۔ عارف تھیلا اٹھائے کھڑا تھا۔ پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"وہ ہم تیں سمرے سے نہ تھان ہا تو اور سطریہ" وہ اچک کر گم گیا ہو گی۔

"یہ تو نہیں ہیں۔ کیسی آتی ہے؟" وہ مسکرا کر جان چھڑا رہا تھا۔

"اور یہ سطریہ کیا نام ہوا۔ جیسے لیکسلا بڑ ہے۔ مگر کچھ راستے بھی خوبصورت نہیں ہوتے"۔

"کام بتاؤ" وہ اکھڑ کر بولی۔

"کرو گی؟" وہ بہت شوخ تھا۔

"اماں جی سے شکایت کروں گی اگر زیادہ بات کی" وہ مزید بھڑک گئی۔

"کیا کہو گی؟" اس نے دلچسپی سے اس کا سراپا جانچا۔

"یہی کہ یہ لڑکا مجھے چھیڑتا ہے" وہ اسے گھور رہی تھی۔

"ہمرا نام ہارلف ہے۔ ایک ہی نام ہے ہمرا" اس نے قریب آتا۔

"آگے دیکھے مت رہ کنا۔ میں ہر کسی سے بات نہیں کرتی" وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

"ارے بھئی بڑ پہ ہوتن ہمرا واز تو سنو۔ یہ تھیلا اماں جی تک پہنچا دو۔ وہ انتظار کر رہی ہوں گی"۔ عارف نے تھیلا اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس میں کیا ہے؟" وہ چونک کر بولی۔

"سلاب بکھر ہیں۔ آج اماں نے تمھیں چیلی اون بنا کر کھلائیں گی"۔

"آج" سطریہ کو سمجھ آنے لگی۔ "تم بہ تیسرا روز والا بات کنڈے بھی بہت ہو" وہ کل جھن کر باہر آ رہی تھی۔

"تم اتنی اتی ہو یا وتی ہو" عارف کو پھر گدگدی ہوئی۔

"خالہ! خالہ! یہ لڑکا" اس نے شور مچا دیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ عجیب لڑکی ہو" وہ اصطبل کی طرف بھاگ گیا۔

"کیا ہو گیا ہے نہ تھان ہا تو؟" چوکیدار آ موجود ہوا۔

"کچھ نہیں ہوا" وہ تھیلا سمیٹتی ہوئی بولی۔

"آ پھر بیٹھا کیں تھا" وہ جھلا اٹھا۔

"اماں جی اب بہری" اس نے آگ پیشانی پر بل ڈالے کہ سوائے ڈرنے کے اور کیا کر سکتی ہے۔

چوکیدار آ بھیں چاڑ کر اسے پھٹکا۔

"ہاں ہاں کی اولاد ہے بھائی۔ لچن اتوار کی اتوار سیر سے پارسنت کی ستائی کرتی ہے۔ سوری ہو گئیں تک ہوتی ہیں"۔ نیر علی خان نے فقرہ تاڑا۔

"آہستہ۔ اماں جی نہ سن لیں۔ ہی کل ہی مگر بیوہ کے اکلوتے سے لاڈلے تھیں" ۔ زبیر نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر آہستہ سے کہا۔

"مگر بیوہ۔ اوہ میں نہیں کہہ سکتا۔ ؟" وہ خجالت زدہ ہو گئے۔

"ایسی کچھ بات نہیں ہے کسی کو ضرورت نہیں۔ ایسی گھر بیٹھے ہی سب کچھ ہے" ۔ زبیر نے سمجھایا۔

"یہ تو بڑی گڑبڑ ہے بھائی۔ آپ ایسی تاڑ لیجیے کہ گھر پہ ضرور ہے مگر سات گز کا دوپٹا اوڑھتی ہے"۔

"میں سات گز کیا صحرا بھی نہیں اوڑھ سکتی" ۔ زبیر نے صاف انکار کیا۔

"مگر یہ تو بھولی ہے۔ اور بھولی لگتی ہوتی ہے" ۔ نیر نے دلیل دی۔

"مگر میں اپنی سیدھی سادھی ساس کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتی کہ تم کسی بھولی کو لیے پھرتے ہو۔ اپنا مقدمہ خود لڑو بھئی" ۔ اس نے دو ٹوک فیصلہ سنا دیا۔

"وہ گھی بہت سیدھی ہے۔ ہم نے اسے بتایا۔ ہماری ماں کو بچے بہت پسند ہیں۔ کھانے میں تو کہنے لگی۔ بتائیے میں کیا کروں کا خرچا ہے؟"

وہ تین تس تس کر ہنسی ہونے لگی۔

"سطریہ ماما کو ماہ بخار سوپ لے کر دہلیز میں داخل ہوئی تھی۔ نیر علی خان بھانجی کو ہنسا کر مسکراتے ہوئے سر کھجا رہے تھے۔

سطریہ نے تپائی پر سوپ رکھ دی۔

"وہ کیا نام ہے تمہارا لڑکی — کیا بولی ہو؟" نیر علی خان یکدم سنجیدہ ہو گئے۔

"کتنے لوگ نام کے سامنے میں بلا کے فیر قتاد ہوتے ہیں۔ حالانکہ نام ہر انسان کی آرائش ہوتا ہے اور اسے بہت مزین ہوتا ہے۔

اور جو لوگ کسی کے دل میں سوتے جاگتے ہیں ان کے منہ سے اپنا نام سننا ایک سعادت لگتا ہے اور اگر وہ نام بھولے بھٹکے سے انسان اپنی نظروں میں خود کو بہت بے توقیر لگتا ہے۔

"خان — اصطبل میں بہت خوبصورت گھوڑیاں ہیں"۔ اس نے ایک بیانے میں دم بھرا۔

"پھر —؟" وہ الجھے۔

"ان کے بہت خوبصورت نام ہیں"۔ وہ آہستگی سے بولی۔ "ذرا تمیں بھی حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"پھر —؟" ان کا پارہ چڑھنے لگا۔

"ان کے نام غالباً کوایک دفعہ میں یاد ہو جاتے ہیں۔ آپ مجھے بھی کوئی گھوڑی سمجھ لیں"۔

اس نے تالی ان کے نزدیک رکھ دی۔

تزئین سششدر سی اس کی شکل دیکھنے لگی۔ تیمور علی خان خاموش سے ہو گئے۔

"یہ سب ہے ماما نے بنایا ہے۔ آپ کیلئے جائے بنا کر لاؤں چھوٹی بیگم"۔ وہ تزئین کی سمت مڑی۔

"نہیں — میں اس وقت چائے نہیں پیتی۔ البتہ یاور صاحب سے پوچھو۔ وہ اپنے ہیڈ روم میں انتظار کر رہے ہیں"۔ اس نے ملائمت سے کہا۔

سطریہ ایک لمحہ کے لئے باہر نکل گئی۔

"کچھ سمجھ نہیں آئی"۔ اس نے تیمور علی خان کی سمت محسوس کیا۔

"ویسے خاصی بے وقوف سی ہے۔ آپ جائے دیجئے۔ کچھ کیجئے گا نہیں"۔ اس کو سطریہ کے مشورے پر غصہ آ گیا تھا۔

"اس کو زیادہ آئینہ نہیں دیکھنا چاہیے۔ بھابی — دوست گزیدہ ہو جاتی"۔ وہ بہت ناراض سے انداز میں کہہ رہے۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔ بے حیثیت انسان کتنا ہی حسین (ذہین) ہو مگر ہے تو پھر بھی بے چارا — اور بے چاروں سے صرف درگزر کرنا بڑائی کی بات ہے۔ ویسے میں سمجھا دوں گی۔ آپ ریلیکس ہو جائیں"۔ تزئین نے ان کا موڈ بحال کرنے کی کوشش کی۔

تزئین بالآخر تیمور علی خان کے دلائل کے سامنے بے بس ہو ہی گئیں۔

اماں جی کا خیال تھا۔ تیمور علی واپسی سے پہلے تزئین کا نکاح ہو جائے تو اچھا ہے، وہ بھی ایک اور اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ انسان جس سے غیر معمولہ محبت کرتا ہے وہاں محبت ہی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ یہ دور ہونے کی وجہ سے دلوں کے مزید قریب آ گئے تھے۔ پھر یہ کہ تزئین کی خیر خواہی کے جذبے نے ان میں مزید قربت پیدا کر دی تھی۔

نکاح بے حد سادگی سے ہوا۔ صرف گھر کے افراد اور چند بہت قریبی دوست احباب شریک تھے۔

تزئین نے کسی سے منع کر دیا تھا کہ نکاح سے پہلے کی کوئی رسم وغیرہ نہیں ہو گی۔ وہ ہو بھی نہیں سکی۔ خاور سلطان نے اچھن کا پیالہ لے کر دہلیز کی کوٹھری میں پھینک دیا۔ ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا کہ کوئی رسم نہ ہو گی۔

ہاں غرارہ اور دوپٹہ سے بھر گئی ہوں۔

"لے دوپٹی — اچھا ہے، سسی پنوں کے نکاح میں گوٹہ لگا دوپٹہ اوڑھا تھا"۔ تزئین کو یاد آیا کہ کسی نے کہا تھا کہ ہیر کا نکاح ہوا ہے۔

اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی اس "دوپٹی" کی تفصیل پوچھتی، وہ اس کی بات ٹال گئی۔ اتنے عالم خوب سے تزئین کے اندر خوف سا بیٹھنے لگا۔ وہ ڈر گئی تو وہ خاموش رہیں۔

خاور نے بھنڈی کو اوڑھتے ہوئے اپنی دل لگیوں کی ذمہ داری بھی بھنڈی کی دائمی پناہ میں دے دی تھی۔ تزئین کے بھرپور کے بعد یہ ہو گیا۔ اس نے اسے پلے بڑھے اور سب سے پہلے بھنڈی کا ذہن بنایا تھا۔

"مخیاں نہ کے یہاں وہاں نہیں رہی تھی کہ بیوی کے آنے سے تیمور علی خان اس سے دور ہو جائیں گے۔ اس پر انہوں نے اپنی توجہ اس پر لگا دی۔

"محترمہ سطریہ بازنین بانو صاحبہ — اگر یہ ہے کہ وہ ان سے کپڑے استری نہیں ہوتے۔ اگر وہ ہوا کرے کہ اس کو کوریں۔ کے کھانا تیار کیا ہے مدرسے پانی کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔

وہ اٹھ کر دہلیز کے آگے بڑھ گئے۔ سطریہ نے اپنے موٹر کی سمت دیکھا۔ اس پر تیمور علی خان کا ملازم باب اپنے اسی کام میں مصروف تھا۔ ابھی تو آدھا گھنٹہ بھی نہیں ہوا تھا گئے۔ وہ ان کے پیچھے دوڑی۔

"خان"۔

تیمور علی خان رکنے کی طرف توجہ دیئے بغیر آگے بڑھ گئے۔

"خان — آدھے گھنٹے بعد کروں گی۔ یہ استری کی ہوئی ہے۔ ابھی تو رنگ بھی نہیں چڑھا ہو گا"۔ اس نے ان کے ارادے ان کی شکل دیکھی۔

"مجھے کپڑے چاہئیں ابھی۔ فوراً کام کیلئے اور بھنڈی بنانے کیلئے نہیں"۔ "یہ بات ہے تو — پھر میں کہتے ہیں سرد مہری ٹھہرا دیتے ہیں"۔

وہ آگے سے کہہ کر وہ پیچھے چلتے گئے۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے تھے۔ وہ ان میں گھنے چھپ کی سمت بڑھ گئی اور وہاں دیوار میں بھنڈی اتار کر ہاتھ دھونے لگے۔ پھر اپنی دردناک خطاوں کو دیکھتے ہوئے تیمور علی خان کے کمرے میں چلی گئی۔

"سب کپڑے سکھا دیں خان؟" اس نے صوفے پر پڑے کپڑے اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آواز آنسوؤں کی وجہ سے بھیگی ہوئی تھی۔

"نہیں اور بھی ہیں"۔ وہ بیگ شیلف کے سامنے سے ہٹ کر واش روم کی طرف آ گئے اور کپڑے نکال کر باہر نکلنے لگے۔

''وہ کیا تو ہال میں بڑا ہے گا۔ وہاں کام کرو گی تو صبح تک تھک ہی جاؤ گی۔ میں استری کر لوں گی۔''

''وہ نا کچھ بولے استری اور بچانے کیلئے بڑی چادر وغیرہ نیچے بچھ گئیں۔

اتنی دیر میں تیمور علی خان باتھ روم میں بند ہو چکے تھے۔

وہ خاموشی سے واپس آ کر استری کرنے لگی۔ انگیٹھیوں سے دلفریب مہندی کی مہک سے اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ بہت ہی اداسی ہو گئی تھی۔

اماں بی کتنی اچھی ہیں۔ ماما کام کرنے کیلئے بلانے آئی تو اماں بی نے کتنی محبت سے کہا تھا۔ کام تو ہر کوئی کرتا ہے۔ لگائے دو اسے مہندی۔ شوق کی عمر ہے۔ حویلی کی سب سے بڑی تو وہ ہیں۔ انہی کو ہال بھی خود لینی۔ وہ خوش ہو رہی تھی۔ بھولے ہوئے سوچ رہی تھی۔

تیمور علی خان غسل سے فارغ ہو چکے تھے اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے تولیے سے سر رگڑ رہے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں وہ بالکل واضح نظر آ رہی تھی۔

کبھی اپنے سے بڑے پر جھکتے ہوئے کبھی آنکھیں — وہ چونک کر مڑے۔

''کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟''۔

وہ پلٹ کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ اپنی دانست میں تو بڑی ''نفیہ'' انگلیاں رہی تھی۔

''کچھ نہیں —'' اسے بوکھلاہٹ میں کوئی مناسب جواب بھی نہ سوجھا۔

''ہمیں اپنی بات دہرانا پسند نہیں۔ کیا مسئلہ ہے؟'' وہ واقعی حیران تھے۔

''کک — کچھ نہیں خان — وہ — بس''۔

''اتنا عذاب لگتا ہے تمہیں کام کرنا کہ رو پڑی ہو۔ ہمیں ڈیکوریشن پیس نہیں چاہیے۔ ہم اماں بی کے بڑے بیٹے ہونے کی وجہ سے چلی جاتا۔ جہاں سے آئی ہو۔ وہیں واپس چلی جاؤ۔ جاؤ آرام کرو''۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے''۔ وہ بڑبڑائے۔

''اٹھو بھی — نہیں کروانا ہمیں تم سے کام''۔ وہ بڑبڑائے۔

''خ — خان — میں کام کی وجہ سے تو نہیں رو رہی''۔ وہ اٹکا کہہ کر جھک جھک کر رونے لگی۔

''اوہ شٹ — پھر کس وجہ سے رو رہی ہو۔ سچ سچ بتاؤ ورنہ ہم صبح کو تمہاری صورت نہ دیکھیں گے''۔ وہ غصہ ہونے کے بجائے پریشان تھے۔

''وہ — ہم — مہندی — لگائی تھی ہاں''۔ اس نے ہتھیلیاں پھیلا کر وضاحت کرنا چاہی۔

''مائی گاڈنس — کیا مہندی دوبارہ نہیں لگ سکتی؟'' وہ متعجب ہوئے۔

اس نے سفید کرتا پاجامے میں ملبوس متین جیسے انسان کو دیکھا۔

شوق کی ایک ان چھوئی گھڑی ہوتی ہے اس میں خوشی کا جو پرا ملتا ہے۔ اس گھڑی کو ادھر ادھر نہیں ہونا چاہیے۔ اس

کے سر کھل جائیں گھڑی پوری نہیں ہوتی۔ تو یہ گھڑی بھلا دیتی ہے۔

اس سے وہ آج کہہ رہے تھے ''کام کرنے کیلئے ہاتھ خوبصورت ہونے چاہئیں۔ ہاتھوں کی تعریف سے کھلے ہوئے ہیں۔ خوشی کے کونپلیں سے کھلتے ہیں۔ خوشی ہوا رہی تھیں ہو گئے تھے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سرائیں بھاگ لی تھیں۔ جھوم کیسے وہ کتنے مسرور ہیں۔

تیمور علی خان تولیہ اس کے شانے پر ڈالتے ہوئے۔

''ہے نا ہلکا سا ایک پر کسی شوق کی قربانی کا بھاری وزن آیا۔

''تم نہیں رو سکتے۔ کیونکہ ہمارے ساتھ سے وہ چلا گئے ہے اب ان کے پاس کھونے کو کچھ نہیں تھا۔

''ہم اپنا سب کر کرے ہیں ہیں کوئی ہو ہیں تو ہیں''۔ وہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولے۔

لیلیٰ نے ناک سڑیپ پاجامے اور اپنے میں وہ بہت معصوم لگ رہی تھی۔

رات آنے میں ابھی بہت وقت تھا۔ وہ بیٹھی کیلئے کھولے بیٹھی تھی۔ کہ خالہ آ گئیں۔

''تو یہاں چھپی ہے؟'' وہ غصب سے سر پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

''اور کہاں جاتی ہوں —'' وہ چونک کر بولی۔

''کیا تھک گئی؟''

''کیوں؟'' وہ پھر تیکھے لہجے میں گویا ہوئی۔

''کھانا کھانے کو نہیں اٹھنے کو کہی کرتا ہے — اور پھر ہاتھ سیدھے ہاتھ'' وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

''اوہ''۔ خالہ نے ناک پر انگلی رکھی۔ ''کیوں بول رہی ہے تو کہ کسی نے کچھ کہا ہے؟''

''کوئی کچھ کہتا ہی کہاں ہے۔ ہم اس قابل ہیں کہ ہمیں کوئی کچھ کہے۔ کھری کھری سناتے ہیں لوگ''۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر سکرا دی۔

''کون سنتا ہے — کتنا خیال رکھتے ہیں سب تیرا۔ تیرا ماتھا ہی عرش معلیٰ پر رہتا ہے۔ اچھا چل اٹھ وہاں ہال میں جا رہی ہیں۔ بھولی وہیں ہو رہی بی بی جان''۔

''ہیں — وہاں ایک ساتھ — مگر کیوں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''باتوں میں نہ لگا کر بھیجا ہے بلایا'' ''کیوں'' نکال دے اپنی زندگی سے کھڑی ہو''۔ جلدی سے وہ اٹھ کر واش بیسن پر گئی۔

اس نے بھولی کے پھول والی باسکٹ میں ڈالے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

اماں بی آئی تو گھر کی خواتین اور مہمان خواتین نے خوب شور مچایا کر رکھا تھا۔ اس کے داخل ہوتے ہی سناٹا چھا گیا۔ مہمان خواتین اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھیں۔

"یہ ہے مطرب — مطرب مقام کرو — مہمان ہیں"۔ رفیق بیگ نے اسے سرگوشی کے انداز میں ٹوکا۔ اور پھر ہلکا سا جھک کر آداب بجا لایا۔

"بھئی تمہاری تعریف سنی تھی تمہاری آواز کی۔ یہ سب مہمان تمہارا گیت سننا چاہتی ہیں۔ فیض نے کہا۔

"جی"۔ وہ ہچکچایا۔

"اب جی جی مت کرو۔ جلدی سے کوئی اچھا سا گیت سناؤ۔ بارات بھی آنے والی ہے"۔ سلیم نے کہا۔

وہ ان کا قطعی حکمیہ انداز دیکھ کر ہیبت زدہ سے ہو گئے۔ اور اپنی پھٹکی رنگت والی جھنجھلاہٹ کو نگل گئے۔

"کوئی خوشی والا سناؤ"۔ کسی طرف سے فرمائش آئی۔

"خوشی"۔ اسے ایک دم کھوئے سامان کی طرح خوشی یاد آئی۔

وہ خوشی کے گیت یاد کرنے لگی۔ جو اسے بھولتے جا رہے تھے۔

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا

ایک تو جو ملا ساری دنیا ملی
کھلا جو میرا من ساری چھایا کھلی

کتنی میٹھی سی لہر تھی۔ سب ہی جھوم چکے تھے۔

گیت ختم ہوتے ہی ایک اور گیت کی فرمائش ذرا دور سے ہوئی۔ تیمور علی خان پیچھے ہٹتے ہٹتے باہر کی سمت دیکھتے ہوئے کھٹک کر رک گئے

اڑے کے تو راں کا یا نچھی
بیڑیں میں باندھی میں نے پائل نو — او — او —
آج نند کے کول کی اڑان کوا
ہستہ نیا — آہا — ہا — ہا

آج پھر جینے کی تمنا ہے
آج پھر مرنے کا ارادہ ہے

اتنی دلفریب آواز — اتنی رواں اور نفیس جیسے کوئی پانے کی سفنیہ — کون گا رہا ہے؟ بے ساختگی نفس قدسی کے خانے کی طرف بڑھتے ہوئے جھجک تھی کہ آج اس طرف مہمان خواتین بھی تھیں۔

اسی دم ہمالیلی والان کی طرف سے اندر داخل ہوئیں۔

"بابا — ایک کپ چائے مل سکتی ہے"۔ انہوں نے ماہی گو کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر سوال پیدا کیا۔

"کیوں نہیں خان — ابھی لایا — کیا آپ اپنے کمرے میں ہیں؟

"ہوں — باغ کی طرف جا رہا ہوں باقی سب میں واپس آتا ہوں — اوہ اچھا — بابا — یہ خان کون ہے؟

ہمالیلی کا دھیان ابھی اس طرف نہیں گیا تھا۔ تیمور علی خان کے سوال پر وہ متوجہ ہوئیں۔ پھر مسکرا دیں۔

"یہ مطرب ہے"۔ وہ بے تاثر سے گو ہوئیں۔ جیسے یہ کوئی معمول کی بات ہو۔

"مطرب"۔ انہیں جھٹکا سا ہوا۔

"ہاں بلکہ اور اس آواز — واقعی بابا؟"

"علی خان — بشکل خوبصورت ہے خوبصورت آواز بھی ہے۔ ہو سکتا ہے ہمارے خانے کے لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے"۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئیں۔

وہ بھی کسی دھیان میں گم باہر کی طرف بڑھتے قدموں میں نظریں گاڑھ رہی تھیں۔

آج پھر جینے کی تمنا ہے آج پھر مرنے کا ارادہ ہے

کیا مطرب کی آواز ہے۔ ایک لمحے کو بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ کئی تو چار بار یہ گیت پورا سن چکے تھے۔ مگر یوں ہر بار کچھ نہ کچھ نئے میں بھی تبدیلی محسوس ہوتی تھی۔

"کیا بات ہے عارف اکیلے اکیلے موٹر رہے ہو"۔ یاور علی خان بڑے تھکے تھکے انداز میں اپنے جہاز کی طرف جا رہے تھے۔ عارف کو ادھر ادھر جھانکتا پا کر چونک پڑے۔

"وہ — خان بابا موٹر میں ایک عورت آئی ہے۔ کہہ رہی ہے خانہ سوا آنے کی بھائی سے ملنا ہے"۔ اس نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں مطلع کیا۔

"احمد کیوں نہیں بلایا؟" ان کا تھکا ہوا انداز موٹر اور عورت میں کوئی دم سمٹ سا گیا۔

"وہ اندر نہیں آ رہی۔ کہہ رہی ہے۔ اسے یہیں بلا لاؤ۔ اس کے ساتھ دو آدمی بھی ہیں۔ خوب بڑے ہیکل سے"۔ عارف نے مزید اطلاع بہم پہنچائی۔

"یاور علی خان چونک پڑے۔ آدمی؟"

"جاتا ہوں دیکھتا ہوں"۔ وہ آگے بڑھنے کی بجائے بیرونی دروازے کی طرف چلے۔ عارف بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔

پھاٹک سے باہر آئے تو تیمور علی خان وہاں ان سے پہلے موجود تھے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا تھا۔ دائیں بائیں کھڑے ہونے کی وجہ سے اندر بیٹھی عورت واضح نہیں تھی۔

"کیا بات ہے تیمور — کون ہے یہ؟" انہوں نے بھتیجے سے سوال کیا۔

"یہی میں پوچھ رہا ہوں۔ چچا کہلوا رہے ہیں کہ یہ عورت کچھ بتا رہی ہے"۔ تیمور علی خان نے انہیں بھری نظروں سے گاڑی کی سمت دیکھا۔

"السلام علیکم"۔ یاور علی خان تیمور کے پہلو میں آ کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔

"علیکم السلام"۔

"جی فرمائیے۔ کیا مسئلہ ہے؟"

"یہاں حویلی میں ایک سب سے خوبصورت لڑکی ہے' مجھے اس سے ملنا ہے' اتنی خوبصورت کہ میں پچیس سال سے دنیا کی آپ کے ہاں کی خواتین میں سے کوئی بھی اس کے برابر نہیں ہو گی — سنی اس کی بہن فی ہے۔ اس لاکھوں میں ایک ہے"۔

شاہانہ انداز میں بیٹھی ہوئی عورت نے بڑے عجیب انداز میں کلام کیا۔

"آپ کو اس سے کیا کام ہے؟" یاور علی خان نے برتشویش انداز میں سوال کیا۔

"آپ اسے بلائیں تو سہی — پتا چل جائے گا سب"۔

"ہم معذرت خواہ ہیں — اس طرح اسے یہاں نہیں بلا سکتے — آپ اندر تشریف لے آئیں۔ اندر بات چیت کر لیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔

تیمور علی خان نے اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے پہلوان نما آدمیوں پر نگاہ ڈال کر جواب دیا۔

عورت نے بگھی پر سوار' پھر گاڑی سے اتر آئی۔

"غیرت خان — ابھی آتے ہیں ہم"۔ اس نے دونوں آدمیوں میں سے کسی کو مخاطب کیا پھر ان کی طرف چل دی۔

"چلیے"۔ یاور علی خان اور تیمور علی خان اس کے آگے پیچھے بائیں چلنے لگے۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ ماں ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

تیمور علی خان نے ڈرائنگ روم میں پہلے داخل ہو کر تمام لائٹس آن کر دیں۔ اور پھر پنکھے بھی چلا دیئے۔ اور پھر صوفے سنبھال لیے۔ سفید چٹیں ساڑھی میں ملبوس بالوں کی گھنگھریوں میں موتیے کے گجرے پہنے۔ انتہائی دلکش سی عورت تھی۔ ماں بھی وہ ایک انتہائی طرح دار عورت نظر آئی۔ میک اپ اتنا بھرپور اور نفاست سے کیا ہوا تھا کہ اس پر تصنع کا گمان غالب آنے کے بجائے معصومیت کے بوش سے وجود میں آئی ہو۔

سر سے پاؤں تک اتنی مرتب۔ ایک لمحے کیلئے تو تیمور علی خان کے حواس ہی جواب دے گئے۔

"تشریف رکھئے"۔ یاور علی خان نے سنبھل کر صوفے کی سمت اشارہ کیا۔

"مسئلہ بھی غلام زادی سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" تیمور علی خان کے ذہن میں یہ سوال بار بار کوندا کی طرح لپک رہا تھا۔

"جاؤ عارف! مسئلہ کو بلا لاؤ"۔ — "بالآخر انہوں نے عارف کو حکم دیا۔ وہ جیسے منتظر ہی تھا۔ فوراً باہر نکل گیا۔

یاور علی خان نے تیمور کی سمت دیکھا۔ دونوں الجھن میں تھے کہ اس سے کیا بات کریں۔

"آپ سے تعارف ہو جائے تو کیا یہ مناسب نہ ہو گا"۔ عورت نے باری باری دونوں کی سمت دیکھا۔

"ہم دونوں بھائی ہیں — یہ ہماری حویلی ہے اور مسئلہ ہماری خادمہ"۔

یاور علی خان نے بڑے وقار سے مختصر جواب دیا — انداز یوں تھا کہ ہمیں آپ سے گفتگو کرنے کا کوئی شوق نہیں۔

ایک تو اپنے ظاہر سے وہ بے حد معزز محسوس ہوتے تھے۔

"یہ نہیں لگتا ان میں رہنے والوں کو یہ شوق کہ کوئی ہوتا ہے کہ ان کی ملازمہ کیسی ہے۔ کتنی خوبصورت ہے۔ ان کی ضروریات کیا ہیں۔ ان کو تو صرف کام سے غرض ہوتی ہے' اور خوبصورتی کام نہیں آتی کسی کے۔ ایک خادمہ کے حسن کی بات کرنا بے وقوفی ہے — اس پر آزمائش ہے"۔

"لاحول ولا قوۃ"۔ دونوں بھائی بڑبڑا گئے۔ بظاہر طور پر وہ عورت کسی بڑے عہدے کی منتظر لگ رہی تھی۔

"وہ ہماری درخواست پر یہاں نہیں بھیجی گئی۔ بلکہ ہماری والدہ نے ایک حسین سے اسے اٹھایا ہوا ہے۔ آپ بلکہ زحمت نہ کریں"۔ یاور علی خان کی دبنگ آواز گونجی۔

"ایکسکیوزمی — یہ تو بہت اچھی بات بتائی آپ نے — بلکہ ایک طرح سے ہمارا کام آسان ہو گیا"۔ عورت نے پرس کھول کر موبائل نکالا اور کچھ ٹائپنے لگی۔

دونوں بھائیوں نے اس کی حرکات و سکنات سے نتیجہ نکال کر یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے شوہر سے اس بارے بات نہیں کریں گے۔

اسی دوران سے مسئلہ کے بجائے خادمہ سوا کے الفاظ سوا کے ہونٹوں سے ادا ہوئے۔ عورت کو یہ لفظ کچھ اجنبی سا لگا۔ انہوں نے خود ہی اندازہ لگا لیا۔ یاور علی خان اور تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"تت — تم کیوں آئی ہو؟"۔ وہ سوال عورت سے کر رہی تھیں اور نظریں دونوں بھائیوں کی دیکھ رہی تھیں۔

"میں تو باہر سے واپس ہو جاتی تھی مگر تمہارے مالک اندر لے آئے۔ ہمارے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں — ساری زندگی ایسی ہی آؤ بھگت دیکھتی رہی ہوں"۔ وہ حقارت سے گویا ہوئی۔

دونوں بھائی اپنی اپنی جگہ ایک دوسرے سے بلا کی شرمندگی محسوس کرنے لگے۔

"محترمہ! آپ صرف کام کی بات کیجئے"۔ تیمور علی خان کا لہجہ تلخ تھا۔

"کس سے کروں؟ مجھے بلایا تھا' وہ آئی نہیں"۔ اس نے تو بہت ہی برے انداز میں جواب دیا۔

"وہ نہیں آئے گی"۔ خالہ نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔

"جس جوان جسم کو تم نے مشقت پر لگا رکھا ہے اور میرے بیٹے سے پہلے سے پہلان چکا ہے۔ اس کی بیوائی کا سرٹیفکیٹ میرے ہاتھ میں ہے۔ پرچہ کٹوا دیا تمہارے خلاف تو یہ جائیداد ضبط ہو جائے گی"۔ وہ چلائی۔

"جیل میں آئے کرو۔ یہاں بھی محنت کر کے کھاتی ہوں۔ جیل میں بھی چکی پیسوں گی"۔ خالہ نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

"اپنے جائیدادوں پر پھولو۔ پھلی ہوا ہیں بھی چھینوا لوں گی"۔ وہ زہریلے لہجے میں گویا ہوئی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہے؟"۔ خالہ کا انداز ہنوز تھا۔

"آپ ہمیں بتائیے مسئلہ کیا ہے؟" یاور علی خان کو اس کی ہمت اور تنکہ لاہ ہوتی نظر آئی تو بول پڑے۔

"خان" ۔ یہ عطیہ کو لینے آئی ہے"۔ خالہ نے نہایت ناگواری سے عورت کی جانب دیکھا۔

"کیوں ۔۔۔ کس حیثیت سے"۔ سوال میں اضطراب تھا۔

"ماں ہوں اس کی"۔ دروازے میں کھڑا عارف بدحواس سا بولا اور عورت کو گھورنے لگا۔ دونوں جانبوں نے اس عورت کا جائزہ لیا ۔ ہاں"۔

اتنی عمر ہو عورت؟

"اگر آپ اس کی ماں ہیں تو یہ بولنے ہی کیوں آئے ولی کہ وہ حویلی میں پل لی؟" تیمور علی خان نے ناگواری چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

"غراما کیا ہے ان لوگوں نے میرے ساتھ ۔۔۔ راتوں رات اسے یہاں پہنچا دیا"۔ عورت نے غضبناک نگاہوں سے خالہ کی جانب دیکھا۔

"مگر انہیں نے ایسا کیوں کیا ۔۔۔ بظاہر تو اس میں ان کا کوئی فائدہ نہیں؟"

تیمور علی خان کی استدلالی قوت پوری طرح کام کر رہی تھی۔

"کیوں ۔۔۔ پیسے نہیں دیئے ہوں گے آپ نے۔ اس لالچی عورت کو"۔ عورت نے جان بوجھ کر کہا۔

"دیکھئے محترمہ! آپ ذرا احتیاط سے گفتگو کیجئے۔ ہمارے نمک خوار ملازمین وہ ہیں جن کے باپ دادا ہمارے بزرگوں کے ملازم تھے۔ ہم کبھی منڈی سے انسان خرید نے نہیں گئے۔ وہ ایک لفافہ دے رہی ہیں جن کو کہیں بھی ملازمت چاہیئے ہمارے ہاں کام مل گیا تو یہاں رہنے لگے۔ یہ جب چاہیں نوکری چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ ان پر کوئی زبردستی نہیں۔ اب یہ خود ہی ہیں ۔۔۔ ان کے تمام پچھلوں نے حویلی میں کام کیا ہے"۔

یاور علی خان نے خود پر کنٹرول کر کے وضاحت کی۔

"اب بھی تسلی نہیں ہوئی ۔۔۔؟" خالہ نے خود اعتمادی کی نئی رمق اپنے اندر محسوس کی۔

"تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ آپ فی الفور میری بچی کو میرے حوالے کیجئے۔ یہ دیکھنے میں تو اسے ہر قیمت پر ہوٹ جانے آئی ہوں"۔

عورت نے چیک بک پرس سے نکال کر ان کے سامنے لہرائی۔

"خان! اگر آپ حج اکبر کا ثواب کمانا چاہتے ہیں تو اللہ کے واسطے ذیشان بالو کو اس کے ساتھ مت بھیجئے گا"۔ خالہ نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"مت بولو اتنا ۔۔۔ تمہیں یہ حق دیا کس نے ہے؟" عورت غرائی۔

"خان! آپ کو اندازہ تو ہو گیا ہوگا یہ کون ہے ۔۔۔ خان! وہ بچی بہت معصوم ہے"۔ خالہ کی آواز بھرا گئی۔

"ہوں ۔۔۔ ہوں ۔۔۔ ایک منٹ"۔ یاور علی خان نے انہیں خاموش کرایا۔

دیکھئے ۔۔۔ آپ کا کیس بہت کمزور ہے۔ اس کیلئے ایک ہی دلیل کافی ہے کہ اگر وہ آپ کی بیٹی ہے تو آپ اس کے

ساتھ کیوں نہیں رہتی اور آپ کو اس سے پیسے کیوں وصول کرنے پڑے"

"میری مجبوریاں مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھیں کہ میں بچی کو اپنے ساتھ رکھتی۔ میں اس کی پرورش کے اخراجات برداشت کرتی رہی ہوں۔

عورت نے ساڑھی کی قال درست کرتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔

"اگر وہ واپس کر دیا جائے ۔۔۔؟" تیمور علی خان نے عورت کے تاثرات پر نظریں جمائے رکھیں۔

"آپ تو کہہ رہے تھے ہم انسان خرید نے منڈی نہیں جاتے؟"

"وہ آزاد کرنے کا معاملہ ہے مذہب میں بڑا اجر ہے۔ خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں کہ اس بچی کو بھلا دیا جائے۔ وہ آپ کے ماحول کیلئے یا آپ کا ماحول اس کیلئے مناسب نہیں ہے"۔ یاور علی خان اب مکمل پرسکون حالت میں بات کر رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں اصل بات آ گئی تھی۔

"ہم آپ کو لکھ کر دے سکتے ہیں کہ ہماری آپ سے کوئی سودے بازی نہیں ہوئی"۔

"وہ میری اولاد ہے۔ "بردہ" نہیں ہے۔ کیا آپ کو شک ہے؟ مگر میں آپ کا شک دور کر سکتی ہوں"۔ عورت ہار ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"نہیں ۔۔۔ نہیں ہمیں کوئی شک نہیں"۔ تیمور علی خان نے جلدی سے کہا۔ ان کے کانوں میں سریلی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

آج پھر جینے کی تمنا ہے آج پھر مرنے کا ارادہ ہے

"آپ لوگ غیر قانونی اقدام ضائع کر رہے ہیں۔ اسے حاصل تو میں ہر قیمت پر کروں گی۔ ہمیں باقاعدہ قانون کی مدد لینی پڑے۔ انہیں لوگوں سے خود واپس لوں گی۔ اس کا ساتھ ہے"۔ عورت کے انداز میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔

یاور علی خان کے سنجیدہ ذہن نے عورت کے تیور بھانپ لئے تھے۔ وہ مکمل ایک ملازمہ کی غیر ضروری الجھنوں کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔

بابا صاحب تک ۔۔۔ وہ معاملہ پہنچانا نہیں چاہیے تھے کہ وہ گرہ کھولنے کا نہیں بلکہ ڈوری توڑنے کا مزاج رکھتے تھے۔

"عارف! عطیہ کو بلا کر لاؤ۔ بہتر ہے کہ اس سے ہی پوچھ لیا جائے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اور خالہ آپ کو بھی اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں"۔ انہوں نے ایک لمحے میں فیصلہ کن مرحلہ طے کیا۔ یہ سراسر بچی کا معاملہ ہے

تیمور علی خان نے کچھ بولنا چاہا تو یاور علی خان نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش کی تلقین کی۔ عارف عطیہ کو لانے جا چکا تھا۔

"اگر اس نے آپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تو آپ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کریں گے"۔ یاور علی خان نے عورت کو مخاطب کیا۔ خالہ ایک دم اچھل کر رہ گئی تھیں۔

"کیوں نہیں اس کی ماں ہوں۔ زبردستی بھی کر سکتی ہوں"۔ اس نے غرور سے کہا۔

"شہباز! تم وقت ضائع کر رہی ہو۔ یہ تمہارے ساتھ نہیں جائیگی"۔ خالہ نے ناگواری سے روکنا چاہا۔

"تم چپ رہو ۔۔۔ میں کون کر تو اکر اوں۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ اگلی اسے پوری بات طے نہ کر لینے دو گی"۔ عورت نے خالہ کو ڈانٹ دیا۔

"مجھے پتا ہے پوری بات۔ مجھے نانی نے بہت پہلے سمجھا دیا تھا کہ ۔۔۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی"۔ سلمہ نے پر وقار پا کر قدرے سکون سے جواب دیا۔

"یہاں فلاکت ہے میری جان اور جہاں میں تجھے لے جا رہی ہوں وہاں تیری بادشاہت ہو گی۔ راج کرو گی۔ تیرے ماتھوں جیسے سینکڑوں تیرے پاؤں چومیں گے۔ سونا جھولا دوں گی تجھے۔ جس کا کوئی نہ ہو۔ میرے پاس تو ہوتے ہوئے سب کچھ ہے۔ تو راج کرنے کیلئے پیدا ہوئی ہے۔ غلامی کرنے کیلئے نہیں۔ میری اپنی ماں نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ میری بھول بھیں بیٹی کو بیکار پر لگا دیا ہے۔ میرا تو کلیجہ پھٹتا ہے۔ ماں کا یہ حال جو ہوتی اپنے ہاتھ سے نہیں بھیجتی اور بیٹی دوسروں کی جوتیاں سیدھی کرتی ہے"۔ عورت نے لہجے میں بیزاری کو سمو کر کہا۔

"ماں ایسی نہیں ہوتی۔ مجھے ماں کے بغیر رہنے کی عادت ہے۔ اور میں خوش ہوں"۔ اس نے خالہ کا ہاتھ تھام کر بہت سکون سے جواب دیا۔

"اپنا ایک نکما سیدھا کرنے کیلئے خوب پٹی پڑھائی ہے میری اولاد کو۔ خالوں کو خوش کرنا تھا خوب کیا کرتی ایک بیٹی ہو نہہ۔ حلوائی کی دکان پر دادا جی کی فاتحہ ہو رہی ہے"۔

عورت نے غضبناک لہجے میں خالہ پر چڑھائی کی۔

"دھیان سے بات کروالی بی۔ منہ سنبھالو (سنبھلو) میں نے کسی کو کوئی پٹی نہیں پڑھائی۔ تم تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ تمہارے پیٹھ پیچھے تمہارا ذکر کیا جائے"۔

خالہ نے از حد برا مان کر جواب دیا۔

"ہونہہ ۔۔۔ میری ماں کی سر چڑھی ہو۔ اگر تم کیا حیثیت ہے تمہاری۔ تمہارے بھیس دار ہیں میرے پاس۔ نوکرانیاں کرتی ہیں میرے سر اور بدن کی۔ چلو اٹھو کی بہت ہو گیا۔ باہر گاڑی میں بیٹھو"۔ عورت نے ایک دم بیزار ہو کر کہا۔

سلمہ بے یقینی سے انداز میں اس صوفے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی جس پر دونوں بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔

"دیکھیے محترمہ۔ زبردستی کچھ نہیں ہو گا۔ اگر آپ کے ساتھ جانا چاہے تو جا سکتی ہے۔ اگر نہ جانا چاہے تو ہم کوئی زیادتی برداشت نہیں کریں گے"۔

تیمور علی خان نے نہایت برہم لہجے میں مداخلت کی۔

"تو پھر ابھی قاضی کو بلوا لیجئے اور میرے سامنے نکاح کر لیجئے اس سے"۔

ذرا تک دم میں وہ اس سالیس بالکل ساکت ہو گئیں۔ اتنا غیر متوقع حملہ تھا کہ خالہ تو مارے خوف کے کچھ نہ بولیں۔ سلمہ بے چارہ تو منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

وہ تیمور علی خان نے لہجہ میں اس بے یقینی سے دیکھا جیسے [illegible]

تیمور علی خان ایک لمحے رکے تھے کہ تو فوراً ہی سلمہ بے صاحب ہو لے "صاحب آپ [illegible]

"یہ اس لڑکی کی ذاتی پسند اور ناپسند کا معاملہ ہے۔ وہ اگر اپنی مرضی سے اس شخص کے ساتھ جانا چاہے [illegible] سہارے سے نکل جائے۔ اس طرح کا تحفظ اس وقت دیا جاتا ہے جب یہ [illegible] کے ساتھ جانا چاہتی ہے تو ہم اسے نہیں روکیں گے۔ بلکہ آپ اپنے ذاتی مسئلے میں [illegible] سول چوری کر رہے ہیں اپنے ماتحتوں کو بلیے"۔

تیمور علی خان نے بڑی آہانت سے سر جھٹک دیا۔

"اچھا تو بس پھر آپ خاموش رہیں۔ اپنی سول چوری اپنے پاس رکھئے۔ یہاں میں کافی ہوں"۔

عورت نے بڑی شاہانہ حکمت سے ایک حساب سے تیمور علی خان کو ڈانٹ دیا۔

"او تو بڑی ظالف۔ تم تھلو بی بے وقوف۔ یہ بھیجے کھانے لوگ۔ ہاں پر ہوا کرتے آوارہ اش" عورت نے [illegible] ہاتھ پھیلا کر اسے بلکارا۔

"خان"۔ سلمہ نے بدحواس ہو کر تیمور علی خان کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں ۔۔۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ جہاں خالہ ہوں گی میں بھی وہیں رہوں گی"۔

"ہوں ہوں ۔۔۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے"۔ تیمور علی خان نے بے وقار سے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹا دیئے۔ ان کے سادہ سے طرز عمل پر کسی کو کوئی رد عمل نہیں تھا۔ وہ اس کی کیفیت محسوس کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔

"جاؤ سلمہ۔ اپنا کام کرو"۔ یاور علی خان نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

خالہ کے پیچھے کی روش پر چلنے لگی۔

"یہ بھی ساتھ جائے گی۔ بغیر کریں جائیں گی اور صاحب آپ کو بڑی سہولت رہے گی۔ کیوں خوامخواہ مقدمہ میں الجھ رہے ہیں آپ"۔ اس نے مطمئن انداز میں دھمکی دی گئی۔

"جاتی کیوں نہیں ہو۔ کیا کھڑی ہوئی ہو"۔ یاور علی خان نے اسی انداز میں بیٹھے بیٹھے پیچھے کھڑی سلمہ کو دیکھ کر لہجے میں مخاطب کیا۔

"سلمہ نے یوں دو زبانی جیسے گھوڑا دوڑ لگانے پر دوڑتا ہے۔ دروازے کی چوکھٹ سے نکلا ہوا [illegible] ایک طرف ہو گیا تو بہت برا تصادم ہوتا۔

عورت چند بے دم قدموں کھڑی رہی۔ پھر ایک گہرا سانس لے کھینچ کر دونوں بھائیوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"بہت اچھا ۔۔۔ اگر آپ کے پاس فالتو وقت ہے بیکار ضائع کرنے کیلئے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ انتظار کر لیں گے۔ مگر دوسرے انداز سے"۔ وہ بڑا سراسر انداز میں مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

خالہ بھی پیچھے پیچھے چلی گئیں۔ انہیں خاتون سے بہت خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ خود کو سوال جواب کے قابل نہیں پا رہی

نسیں

وہ بادبی کے سر پر تھال تھا اور مظہر کے ہاتھ میں ناشتہ دونوں کھلکھلاتی ہوئی بے چھاتک کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ان کی صبح کا آغاز ابھی قائم تھا۔

"پھول خان"۔ تیمور علی خان نے نگی چارپائی پر بیٹھے بیٹھے مالی کو آواز دی۔ وہ کھرپا ورانی چھپک کر دوڑا آیا۔

"جی خان"۔

"دیکھو وہ کالے کپڑوں میں جو لڑکی ہے اسے بلاؤ"۔ انہوں نے کتاب بند کر کے کہا۔

"وہ تو زنخان بانو ہے سرکار"۔

"ہاں ہاں — وہ جو کوئی بھی ہے بلاؤ"۔ وہ جھلائے۔ مالی دوڑتا ہوا ان دونوں کی طرف گیا اور انہیں روک کر تیمور علی خان کی سمت متوجہ کیا۔

مظہر نے ٹوکری وہیں رکھ دی۔ شاید وزنی تھی اور قدرے ادھورے انداز میں ان کی طرف چلی آئی۔

"السلام علیکم خان!" اس کی آواز سہمی ہوئی تھی۔

"وعلیکم — کہاں جا رہی ہو؟" انہوں نے اس کے سلام کا نوٹس نہیں لیا۔

"وہ جی — لوگوں کے گھر جا رہے ہیں۔ کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ اماں جی بھجوا رہی ہیں ہمارے ہاتھ"۔ اس نے بہت آہستہ آواز میں بتایا۔

"دماغ تو خراب نہیں ہے تمہارا؟ تمہاری عمر کی لڑکیاں اتنی احمق بھی نہیں ہوتیں۔ حویلی سے باہر قدم بھی نہ نکالا تم نے کیا تم رات کا واقعہ بھول گئیں؟"۔

ان کے انداز میں بلا کی برہمی تھی۔

"نہیں جی — وہ مگر"۔ وہ یکلخت کہہ کر یکدم خاموش ہو گئی۔ خالہ کی ہدایات یاد آ گئی تھیں۔

"اٹھا کر لے جائے گی وہ عورت تمہیں۔ اگر تمہیں کوئی اعتراض نہیں تو سیدھے راستے سے اس کے ساتھ چلی جاؤ۔ ہمارے لئے کیوں الجھن پیدا کرتی ہو؟"

وہ اسی آف موڈ میں بات کر رہے تھے۔

"میں کیوں جاؤں اس کے ساتھ۔ خالہ کر رہی تھیں وہ صحیح نہیں ہے"۔ اس نے اتنی سادگی اور معصومیت سے کہا کہ تیمور علی خان کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

انہوں نے ایک اچٹتی سی نگاہ اپنے اطراف میں ڈالی پھر ایک لمحہ کو اس کی سمت نظر اٹھائی۔ پھر فوراً ہی واپس موڑ لی۔

"تمہیں پتا ہے یہ صحیح غلط کا کیا مطلب ہے"۔ ان کی مس لطیف میں تحریک ہوئی۔

"پوچھا تھا میں نے خالہ سے"۔

"کیا بتایا انہوں نے؟" تیمور علی خان نے کھلے ہوئے کتاب بند کر دی۔

"پہلے اپنے ہاتھ پاؤں سے ہاتھ مارنا ایک حلال جانور ہے۔ مال حرام ہے۔ ہاتھ پاؤں"۔

تیمور علی خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دبی تھی۔ مظہر نے بہت کم مسکرا کر دیکھا تھا۔ مسکراہٹ ان پر جچتی تھی۔

"وہ عورت نیک نہیں ہے۔ ماں ہے تمہاری"۔ انہوں نے اس کا ردعمل دیکھا۔

"نہیں خان — ماں ایسی نہیں ہوتی۔ اماں کہتی ہیں کہ جب میں پیدا ہوئی ماں کی تھی تو کمزور ہو گئی تھی۔ بیمار رہتی تھی۔ بہت مرنے مرنے کو بھی تھی۔ اماں نے بتایا کوئی سوتا نہیں تھی وہ مجھے اٹھا کر چھاؤں بیٹھی رہتی تھی۔ اسی سے خان کو پتا چلا کہ میں ماں کے وقت مر جاتی تو — اماں نے مجھے بہت پہلے سمجھا دیا تھا کہ زندگی میں کبھی کوئی عورت تیری ماں بننے آئے تو اسی سلام کرنا۔ وہ تیری ماں کی ہے۔ میں ہی تیری ماں ہوں۔ میں ہی تیرا باپ ہوں۔ میں — سردار ماسوں نے بھی مجھے یہی بتایا ہے کہ ماں باپ نہیں ہیں اب میں بھولی تھی! بہت چھوٹی تھی جب عورت آتی تو اماں مجھے پاؤں میں بھیج دیتی تھی پر سردار ماسوں کہتے ہیں"۔

"یہ سردار ماسوں کون ہے؟" تیمور علی خان نے سوچا کہ وہ سردار ماسوں کا تذکرہ کیا تو ضرور پوچھ لیں۔

"میں شروع سے ان کو سردار ماسوں کہتی ہوں۔ ماسوں ہی ہوں گے"۔ اس نے بھولپن سے کہا تو وہ سمجھ گئے۔

"نہیں اندازہ ہے کہ وہ تمہیں کیوں لینے آئی تھی؟" انہوں نے خاصی دلچسپی سے اس کی شکل دیکھی۔

"نہیں — میں تو خود حیران تھی کہ یہ مجھے کیوں لینے آئی ہے۔ شاید اس سے گھر کا کام نہیں ہوتا"۔

کیا سادگی تھی تیمور علی خان نظریں نہ اٹھا سکے۔

"بہرحال بہت کرلو تم حویلی سے باہر خواہ مخواہ کی ضروری کام وام نہیں جانا کسی کے بھی"

"جی — آپ نے تو بولا اس کی باتوں کا بہت دھیان رکھنا ہوگا"۔ اس نے چہرہ اٹھا کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

ان جیسے زیرک آدمی کیلئے اس کی بات سمجھنا مشکل نہیں تھا۔ وہ کتاب کے صفحے پلٹنے لگے۔

"جاؤ روبابی کو کہو اکٹھی چلی جائے۔ وہ کمزور ہوئی تمہارا انتظار کر رہی ہے"۔

انہوں نے واضح اشارہ دیا کہ وہ اس موضوع پر اس سے اب کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔

وہ خاموشی سے پلٹ گئی۔ تیمور علی خان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں مگر وہ کتاب کی سطور نہیں اس کے وجود یا ہاں دیکھ رہے تھے۔

شدید غالم سا اس تھی میری۔ ہاتھ چھوٹے بھی بہت تھی۔ جو چیز ہاتھ میں آتی پھینکتی مارتی۔ چار پانچ سال کی تھی میں۔ سور کا بچہ پھینکتی مارا۔ اب گھونسٹ میں دوتی بھی بھاری ہوں۔ دنیاں بھی پانی جاری ہوں۔ وہ بھی تھی تاکہ مرسوار جاتی تو صلوائیں بھی شروع کہ کون مر گیا ہے کس کو رو رہی ہے"۔

خالہ سلامہ نے چاول چھکتے ہوئے سسرالی مظالم کا تذکرہ چھیڑا۔

"تو بیٹھ — غصہ کو جان بھی دینی ہوتی ہے۔ مرنا یاد نہیں رہتا تو کون کو"۔ اماں جی نے تاسف کا اظہار کیا۔

"آپ لوگ تو بہت خوش قسمت ہیں کہ اماں جی جیسی عورت آپ کی ساس ہے"۔

خالہ سولہ آنے نے عالم تاب اور نازنین کو خوش قسمتی کا احساس دلایا۔

"اے — بہویں تو گھر کی رونق ہوتی ہیں۔ گھر کی بہار ہوتی ہیں۔ مجھے تو اپنی بہویں بہت پیاری ہیں۔ میں تو ہمیشہ روشن آرا اور رفیعہ کو کہتی ہوں کہ تم دوسرے گھروں کی رونق ہو۔ میری تو بہوئیں ہی بیٹیاں بھی ہیں۔ یہ گھر داداجی چھوڑ کر گئے ہیں۔ ریل کرنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں تو یہ گھر کرتا ہے اس گھر میں کرتا ہے۔ اللہ سے دعا کیا کرو۔ اللہ تمہارے گھر کو بھی ہری بھری رکھے"۔ اماں نے اپنے مخصوص سادہ انداز میں کہا۔

"اماں جی! میری ساس بہت شفیق اور محبت والی ہیں۔ میں ان کے لئے ایک ان جانی تھی۔ مگر انہوں نے مجھے بہت جلد اپنا بنا لیا"۔ نازنین نے بہت محبت سے ساس کو دیکھا۔

"اللہ انہیں خوش رکھے۔ کتنی اچھی تیمارداری ہے تمہیں۔ بات کرتی ہو تو پھیپھڑے میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے۔ دعا کیا کرو۔ اللہ تمہاری ساس کی بھی عمر دراز کرے"۔ اماں جی نے بہو کو دعا دی۔

"اماں جی! آپ کی بہو نے میری بہت خدمت کی ہے۔ اللہ اسے بہت اجر دے"۔ عالم تاب نے بھی بیوی کی تعریف کی۔

اماں جی نے ہاتھ بڑھا کر نازنین کے سر پر پھیرا۔

"میں تو اپنی نوکرانیوں سے اونچی آواز میں بات کرنا پسند نہیں کرتی۔ بہویں تو اس گھر کی شان ہیں۔

"یہ عالم تاب اتنا کام کرتی ہے۔ بہت کہتی ہوں کیوں اپنی جان ہلکان کرتی ہے بہویں کام کے لئے تو لاتے ہیں۔ جب ذمے داری پڑتی ہے تو سب ہی اچھا برا کر لیتی ہیں۔ کام وہام کے پیچھے کیا فضیحہ کرنا جس کا سوچ سوچ کر کام کرو تو سب کام نمٹ جاتے ہیں"۔

"تو یہ اماں جی۔ میری ساس تو خالی بیٹھا دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ بچے کو دودھ پلاتے پلاتے کبھی وہ پوتا اٹھا اٹھا کر مارکر اٹھاتی تھی۔ کہ حرام خور اٹھ۔ شام کیلئے آٹا پیس لے۔ خصم آئے گا تو کیا روٹی پکائے گا"۔

خالہ نے ایک اور زیادتی یاد کی۔

"اے ہے بچی بچی"۔ اماں جی کو تو بہت ہی دکھ ہوتا۔

"بچے والی عورت کی تو جان یوں بھی تھکی ہوئی ہوتی ہے۔ اللہ توبہ"۔

"بچہ بھی چاچا کیا اٹھ کے پاس۔ داری کی کل کل کھا گئی اسے۔ پھر تو کوئی پیری ہی نہ ہوئی"۔ خالہ آزار بھرا گلہ۔

"یہ بچے بھی تیرے ہی سولہ آنے۔ آج تک تجھ سے تو کرائی سمجھ کر تو نرمی سے بات کی کسی نے؟" اماں جی نے خالہ کی بھرائی آواز پر تڑپ کر روکا تھا۔

"اماں جی۔ آپ نے تو میری ہوئی کو سر پر چڑھایا ہے"۔ خالہ نے آنکھیں پونچھیں۔

"ہاں خالہ! ہمیں تو تم جنتی دکھی لگتی ہو۔ دو دن کو گاؤں کیا گئیں ہماری تو حویلی ہی سونی ہو گئی"۔ رفیعہ بیگم نے بھی اظہار خیال فرمایا۔

"یہ شوہن بانو نظر نہیں آئی صبح سے"۔ معاً عالم تاب کو دھیان آیا۔

"میں نے بھیجا ہے اسے دایا بوا کے ساتھ محلوں کے ہاں"۔ اماں جی نے جواب دیا۔

اسی وقت مطربہ اندر داخل ہوئی۔

"آ گئی؟ بیٹھو کب کی تمہیں بلوائی؟" اماں جی نے پوچھا۔

"میں پہلی گلی میں ہی اتر جانے سے منع کر دیا ہے۔ دایا بوا کی اکلوتی ہے"۔ مطربہ نے سلام کرنے کے بعد بیٹھتے ہوئے اطمینان سے بولی۔

"خان نے آگوں سے خان نے؟" اماں جی مخاطب ہوئیں۔

"تیمور خاں نے"۔ اس نے بے پروائی سے کہا۔

"ہائیں — کیوں؟" انہیں خاک سمجھ نہیں آئی۔

"وا کہہ رہے تھے"۔

"ہاں — ہاں ہر جگہ لوٹے لپاڑے گھڑے ہوئے ہیں اس لئے منع کر دیا ہوگا خان نے"۔

خالہ نے اطلاعی مطربہ دانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گھرا بھی لگایا اور چھالیہ اس کے منہ پر دے مارا کہ وہ سنبھل سکے۔ مطربہ نے چونک کر خالہ کی شکل دیکھی اور پانوں میں ہاتھ مارنے لگی۔

"تاؤ — یہ تیمور کب سے اتنا وسواسی ہو گیا"۔ اماں جی کو جیسے بہت خوشی ہوئی تھی۔

"بہت پیچھے ہوئے ہیں۔ انگلستان میں رہتے ہیں اماں جی جو پولیس دیا کو غلام بنا کر بھی رکھتے"۔ رفیعہ بیگم نے اس کو کوا ہوئی۔

"واقعی یہ گورے تو بہت ہی ہوشیار ہوتے ہیں"۔ اماں جی نے تائید کی۔ "مگر تیمور میں چاچا کی روح کہیں بہت سویا ہوا ہے میرا بچہ"۔

"سب ماؤں کو اپنے بچے سوئے ہوئے لگتے ہیں اماں جی"۔ رفیعہ بیگم شرارت سے بولیں۔

"تو — تو تم نے کچھ دیکھا ہے اس میں۔ ایک کونے لگے پڑا رہتا ہے۔ زیادہ ہوئی ہے تو ماں بہنوں بھاوجوں سے بھڑ بھڑ کر لیتا ہے"۔ اماں جی مذاق دل پر لے گئیں۔

"ہائے اماں جی — وہ مان گئیں؟ آپ کا بیٹا ہے تو میرا بھائی ہے۔ بہنوں کو بھی اپنے بھائیوں میں کوئی برائی نظر نہیں آتی"۔ رفیعہ بیگم نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"مطربہ تو کہہ رہی تھی تیمور خاں"۔ رفیعہ بیگم نے پھر پوچھ گچھ کی۔

"مجھے تو ملی ان سے بڑا ڈر لگتا ہے"۔ وہ بے ساختہ بولی۔

"لو اتنا تو خوبصورت ہے میرا بھائی"۔ رفیعہ بیگم مصنوعی برا منا کر بولیں۔

"کس کی تعریف ہو رہی ہے؟" تیمور علی خان کتابیں ہاتھ میں لئے ہال میں داخل ہوئے۔

"ماشاءاللہ بڑی عمر ہے"۔ عالم تاب مسکرائے۔

"مگر اچھی ہونا چاہیے۔ ایسی ویسی ہم چاہیں، وہ نہ کیا فائدہ ایسی عورت کا"۔ وہ ماں کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

"ماشاءاللہ — اچھی ہی گزر رہی ہے۔ کفر نہیں بولتے بیٹے"۔ ماں جی نے شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"آخر ذکر خیر کس سلسلے میں ہو رہا تھا؟" انہوں نے بہن کی سمت دیکھا۔

"ارے یونہی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہتی ہیں۔ ان کی جھلی چاولی۔ لو اس بچی سے پوچھ لو ہیں تمہارے ابا جان کیسے ہیں؟" اماں جی نے اپنے سیدھے پن میں ٹھیک ٹھیک ... رپورٹنگ کی۔

تیمور علی خان کی آنکھوں میں الجھن اور ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔ انہوں نے سوالیہ نظروں سے دلبر بیگم کی سمت دیکھا۔

"... بڑی کو بھی دیکھو سوال گندم جواب چنا۔ کہہ رہی تھی مجھے تیمور خاں سے ڈر لگتا ہے۔ اب کوئی اس سے پوچھے کہ مارتا ہے تجھے؟" اماں جی مزید گویا ہوئیں۔

مطربہ کے چہرے پر شرمندگی کا تاثر جھلکنے لگا۔ وہ مزید تیزی سے چاولوں میں ہاتھ مارنے لگے۔ تیمور علی خان نے اپنے بارے میں اس کا صحیح اور شرمندہ شرمندہ سا چہرا ایک لمحے کو دیکھا۔

"لیکن ہمارے کریکٹر سرٹیفکیٹ پر اتنی اہم اسٹیمپ لگانے کی ضرورت کس سلسلے میں پیش آئی"۔ ان کا انداز بھرپور طنز پر اترا ہوا تھا۔

"ارے ویسے ہی ٹھٹی مذاق ہو رہا تھا۔ ان لڑکیوں کی تو عادت ہی ہے اوٹ پٹانگ باتیں کرنے کی"۔ اماں جی نے قصہ کوتاہ کرنے کا انداز اختیار کیا۔

"کیوں بھئی۔ تمہیں کیوں ڈر لگتا ہے ہم سے؟" تیمور نے براہ راست مطربہ سے مخاطب ہوئے۔

وہ خاموش رہی مگر دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"اب بتاؤ نا کیوں ڈر لگتا ہے؟" خالہ نے بھی ڈرو ڈالا۔

وہ چپ چاپ اپنا کام کرتی رہی۔

"ارے بتاؤ ... بچی ہے ویسے ہی کہہ دیا ہوگا۔ کیوں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے غریب کے"۔ اماں جی کی پرسکون ٹھہری گفتار بوجھ بن رہی تھی۔

"نہیں نہیں اب تو بتانا ہی پڑے گا"۔ زرین نے شرارت سے تیمور کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا پتا کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔ بروقت ہمیں لاجواب کرتے رہتے ہیں"۔ وہ ہنسی۔ "ہاں تو خاں مطربہ"۔

"آپ سے زیادہ ہمیں اشتیاق ہو رہا ہے بھابی جان"۔ تیمور علی خان بھلا ہار ماننے والے تھے۔

مطربہ اسی طرح خاموش رہی۔

"نہیں بولے گی اب شرما گئی تو"۔ عالم تاب کو ہوئیں۔

"ابھی بلواتا ہوں۔ ایک ویک پوائنٹ ہے میرے پاس"۔ تیمور علی خان گردن موڑ کر بھاوج سے مخاطب ہوئے۔

"وہ ... کیا نام ہے تمہارا بی؟" انہوں نے کہنی سے ملازمہ کو مخاطب کیا۔

"جی ... "نوری" بھی کہہ لیا کریں"۔ وہ بھی کہاں چپ رہنے والی تھی۔

"ہاں میں بے ساختہ قہقہے گونج اٹھے۔ تیمور بھی اپنی ہنسی نہ روک سکے۔ مطربہ نے حیرت سے سب کو دیکھا۔ کیا ہنسنے کی بات ہے؟

"لائیے ہمارا انعام"۔ تیمور نے عالم تاب کے سامنے ہتھیلیاں آگے بڑھا دیں۔

"جی نہیں — پہلے یہ بتانا چاہیے کہ یہ تم سے خوفزدہ کیوں ہے؟" وہ بھی اپنی ضد پر تھیں۔

"یہ بتانے سے بات بگڑ جائے گی ہو سکتا ہے۔ کیوں امجد رضا خاں؟"

"نہیں بھئی اصولی بات ہے بھابی جان ٹھیک کہہ رہی ہیں"۔ رضا خاں نے لقمہ دیا۔

"چلیں پھر ہار ہی کر لیتے ہیں۔ ہاں بھئی کیوں ڈرتی ہو ہم سے؟" وہ اس سے مخاطب ہوئے۔

"آپ مالک ہیں جی اور مالکوں سے سب ہی ڈرتے ہیں"۔ وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔

"کیے کرائے پر سب ہی پانی پھیر گئے۔ ہو گئی نا بچی پریشان"۔ اماں جی کو ڈانٹ رہی تھیں۔

"اچھا بھئی۔ خواہ مخواہ بچی کو پریشان کر دیا۔ کیا کہتی ہے غریب؟" اماں جی کو ڈانٹ رہی تھیں۔

"اسے حق سچ بات کہتے ہیں"۔ وہ خفگی سے گویا ہوئیں۔ "چپ کر جا بچی۔ بیٹھ جا شاباش۔ ہاں بچی جا رہے ہیں تم لوگوں سے بے ماں باپ کی بچی ہے۔ خیال کرنا چاہیے"۔ ان کا انداز ہنوز خفگی بھرا تھا۔

"آپ کو کس نے بتایا کہ سب ماں باپ کی ہے"۔ تیمور علی خان نے خال پر سر ہلایا تو اماں جی سے سوال کیا۔

"اسے بھی کسی بات ہے ماں باپ ہونے تو سوتا آنے کے ساتھ کیوں بتا دیتی۔ کیوں سلمیٰ بیٹی"۔ وہ نفی سے نفی ملاتے ہوئے بولیں۔

خالہ خاموش رہیں۔

"مطربہ آنسو پونچھتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"اچھا بھئی ہم بھی چلتے ہیں"۔ تیمور اٹھ کھڑے ہوئے۔ "اماں جی ہم ایک رات کیلئے سرائے جا رہے ہیں۔ وہاں سے ——— دوستوں کے ساتھ شکار کا پروگرام ہے"۔

"بیٹے کیوں بے زبانوں کو خون میں نہلاتے ہو۔ جیسے اور جب اللہ نے انہیں زندگی دی ہے۔ تمہیں کیا حق ہے۔ کیا کہہ رہے ہیں تمہیں"۔

سلمیٰ الصب اماں جی نے بساط بھر دل نرمانے کی کوشش کی۔

"تیمور ہنس دیئے۔

"اماں جی ایسے جو ہر قابل لوگ ہیں ہاں۔ ایک کھیل کھیلتے ہیں جوئے بنے کی طرح کا۔ ہوتا یوں ہے کہ ان پرندوں کے جسموں پر [illegible] باندھ کر اڑا دیتے ہیں۔ پھر اڑ کر جہاں تک جا سکتے ہیں جو تیزی سے بھاگتا ہے۔ جس کا اڑنا سب سے آگے نکل جاتا ہے وہ

بیت جاتا ہے۔ اور جب والدین تیزی سے بھاگ دوڑ رہے ہوتے ہیں تو بچے گر بھی جاتے ہیں۔ اور اللہ بچاؤں کو دعا دیتے ہیں۔ معصوم بچے بیچارے کیلئے صفحہ دار ہو جاتے ہیں"۔

"ہائے میرے اللہ"۔ اماں جی سینے پر ہاتھ رکھ کر دہائی دیتی تخت پر بیٹھ گئیں۔

"کون ظالم اپنے بچے ان کو دیتے ہیں۔ کیا اندھیر ہے"۔

"دے گا کون؟ یہ الگ کاروبار ہے' بچے اغوا کر کے معمول کر دیئے جاتے ہیں۔ بعض ملکوں میں اتنی غربت اور مہنگائی ہے کہ ماں باپ خود اپنی اولاد کو بیچ دیتے ہیں"۔ تیمور نے مزید معلومات بہم پہنچائیں۔

"میں نہیں مانتی ۔۔۔ یہ اغوا والی بات تو خیر صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر ماں باپ اپنی اولاد کو بیچ دیں تو یہ کرور۔۔۔ ناممکن ہے"۔ اماں جی دہل کر رہ گئیں۔

"کیا واقعی تیمور؟" عالم تاب نے بھی دکھ اور تعجب بھرا اظہار کیا۔

"جی ۔۔۔ بھائی جان۔ یہ سب ہو رہا ہے"۔ انہوں نے یقین دلایا۔

"کیا قیامت ہے۔ لڑکیوں' بچوں کا دھیان رکھا کرو۔ اللہ اپنا کرم کرے سب پر"۔ اماں جی کو یوں' ناسمجھ نواسیوں کی فکر پڑ گئی۔

"اچھا بیٹے! جب بچے صفحہ دار ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا کیا کرتے ہیں"۔ اماں جی تو اپنے سب کام بھول بیٹھیں۔

"کیا کرتے ہوں گے یتیم خانوں میں ڈال دیتے ہوں"۔ تیمور کو افسوس ہونے لگا کہ حق ماں کے سامنے بیان کیا۔

"اللہ کسی کو اولاد کا دکھ نہ دکھائے سب کی مامتا ٹھنڈی رکھے"۔ وہ ہاتھ پھیلا کر دعا کرنے لگیں۔

تیمور نے ماں کے ہاتھ تھام کر چوم لئے۔ "دنیا میں جتنی روشنی نظر آتی ہے' شاید ماؤں کی دعاؤں کی وجہ سے ہے"۔

اماں جی شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"ماما ۔۔۔ مطربہ نظر نہیں آئی صبح سے"۔ تیمور نے اخبار سے نظریں ہٹا کر ماما بلی کی سمت دیکھا۔

"وہ تو چھوٹی بہن اور بڑی بی بی جان کے ساتھ بازار گئی ہوئی ہے کوئی کام ہو تو میں حاضر ہوں"۔ ماما نے رفتہ رفتہ بچے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں۔

"بازار گئی ہے۔ کب گئی تھیں یہ لوگ بازار؟" انہوں نے اخبار میز پر رکھا اور فکرمندی سے کہا۔

"دو تین گھنٹے۔ مالی گئے تھے۔ کیا خریدنے گئی ہیں ایسا؟ اور کون ڈرائیور ان کے ساتھ گیا ہے"۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی ۔۔۔ یہ تو مجھے پتا نہیں"۔ ماما نے لاعلمی ظاہر کی۔

"موٹی بازار گئی ہیں؟" وہ اضطراری انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"شاید"۔ ماما اب پریشان ہو گئی۔

"اسے ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی' اسے کیا خریدنا ہوتا ہے"۔ وہ جھنجھلا رہے تھے۔

"سامان ہی پکڑ لیتی ہے خان"۔ ماما کو ان کی کیفیت سے اندازہ ہونے لگا۔

"اچھا جاؤ اور باہر صفائی سے گاڑی کی چابی لے کر آؤ"۔ وہ بھانپ گئے۔

ماما نے اچنبھے سے تعجب سے ان کی شکل دیکھی پھر کچھ نہ بولے ماما باہر نکل گئی۔

تیمور کمرے میں ٹہلنے لگے۔

ماما جلد ہی واپس آ گئی تھی۔ اس نے چابی تیمور خان کو تھما دی۔ وہ بگٹٹ کی تیزی سے باہر نکلے۔

ماما کی طرح الجھ گئی تھی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟

وہ اپنے کام میں مصروف تھی مگر ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔ کہ آخر مطربہ کے باہر جانے میں کیا تک ہے؟

اسی دم تینوں راہداری سے گزرتی نظر آئیں۔ مطربہ نے دونوں ہاتھوں میں سامان اٹھا رکھا تھا۔ وہ بالی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ماما تقریباً بھاگتی ہوئی ان کے قریب آئی۔

"بی بی جان ۔۔۔ وہ تیمور خان آپ کو راستے میں ملے تھے؟"۔

تینوں کی نگاہیں اپنی جگہ ٹھہر گئیں۔

"خیریت؟" زبیدہ پریشان ہو کر پوچھنے لگیں۔

"وہ آپ لوگوں کو لینے گئے ہیں شاید"۔ ماما نے جلدی سے کہا۔

"ہمیں لینے؟ مگر کیوں تم نے بتایا نہیں کہ ہم ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں گئے؟" انہوں نے تیزی سے سوال کیا۔

"وہ جی انہیں پتا ہے"۔ ماما کی سمجھ میں خود نہیں آ رہا تھا کہ اپنی بات کس طرح سمجھائے۔

"جی ۔۔۔ کیا ہو گیا ہے ماما۔ مسئلہ کیا ہے؟" زبیدہ بیگم پریشان ہو گئیں۔

"وہ جی ۔۔۔ انہوں نے مطربہ کا پوچھا تھا۔ میں نے بتایا آپ کے ساتھ بازار گئی ہے تو غصہ کرنے لگے کہ اس کے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر پوچھا۔ آپ لوگوں کو گئے ہوئے کتنی دیر ہوئی ہے۔ جب میں نے بتایا۔ دو تین گھنٹے ہوئے تو مجھ سے بازار خانوں کی گاڑی کی چابی لی اور فوراً حویلی سے چلے گئے"۔ ماما نے تفصیل سے بتایا۔ وہ دونوں مطربہ کی شکل دیکھنے لگیں۔

"تجھے کوئی کام کہہ کر گیا تھا؟" زبیدہ بیگم کو بھائی کی بے وقت مہربانی کا معمہ سمجھ نہ آیا تو مطربہ سے پوچھنے لگیں۔

"نہیں بی۔ میں ان کے کسی کام میں دخل نہیں کرتی"۔ اسے کچھ احساس تھا کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا اس نے نظریں جھکا کر آہستہ سے بولی۔

"پھر؟" دونوں اور زیادہ الجھ گئیں۔

"تو ضرور اس کا کوئی اور کام بھول گئی ہو گی"۔ زبیدہ بیگم کو اس کی بات درست لگی۔

"آپ قسم لے لیں۔ میں نے تو صبح سے انہیں دیکھا بھی نہیں"۔ وہ بری طرح گھبرا رہی تھی۔

"اچھا چلیں۔ باقی سامان تو رکھ۔ اور ماما کام پر دوڑا لی! ہو سکتا ہے کل رات کوئی کام کہا ہو"۔

رفیعہ بیگم کی سوئی ایک جگہ اٹک گئی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی بات ان کے دھیان میں نہیں آ رہی تھی۔

مطربہ آگے بڑھ گئی اسے دماغ پر زور ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسے سب علم تھا کہ یہ سب کیوں ہوا ہے۔ بلکہ اسے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ معلوم نہیں تیمور علی خاناں اس کے ساتھ کس طرح پیش آئیں گے؟

اس نے سرخ مخمل کی چادر اور گاؤ تکیوں سے آراستہ تخت پر قیمتی چھینٹ کے انداز میں دکھے اور چادر اٹھا کر گھٹنوں کے ایک طرف رکھ دیا اور پنکھا جھل کر پسینہ سکھانے لگی۔ گھبراہٹ بھی بہت تھی۔

تھوڑی دیر بعد گھر کی تقریباً تمام خواتین ہال میں جمع آئیں۔ کی ہوئی شاپنگ پر ابھی تبصرے باقی تھے۔

''مطربہ! ٹھنڈا پانی تو پلا۔ تو بھی میں کانٹے پڑ گئے''۔ رفیعہ بیگم ایک صوفے پر لیٹ گئیں۔ ''اور ماما سے کہو چائے جلدی بنا لائے''۔

وہ دبا سنبھالتی باہر چلی گئی۔ راہداری میں اس نے ڈرے ڈرے انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور دو تین گلاس ٹرے میں رکھے پھر ماما کی طرف چلی۔

''ماما! بی بی جان کہہ رہی ہیں کہ چائے ذرا جلدی بنا لاؤ''۔

''تیرا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟ کیا تھک گئی؟'' ماما نے ہمدردی سے پوچھا۔

''ماما''۔ اس نے ماما کا سوال نظر انداز کر دیا۔

''ہوں؟'' ماما سر سے پاؤں تک متوجہ تھی۔

''کیا تیمور خاناں غصے میں تھے؟'' وہ دل سنبھالنے کے جتن کر رہی تھی۔

''تھے تو غصے میں۔ بات کیا ہے مطربہ! مجھے بتاؤ سے کسی سے نہیں کہوں گی''۔ ماما اس کے قریب چلی آئی۔

''کوئی بات نہیں ماما — بس تم خالہ کو ذرا سمجھا دو کہ مجھے کاؤں بھجوا دیں۔ میرا دم گھٹنے لگا ہے حویلی میں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ جیسے کوئی گناہ کر کے چھپتے پھر رہے ہیں''۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ تیزی سے باہر نکل آئی۔

مغرب کی نماز کی وجہ سے حویلی میں ایک سکوت طاری تھا۔

وہ اماں جی کے کمرے میں چلی آئی۔ اماں جی ابھی نماز میں مصروف تھیں۔ وہ دروازے کے قریب بیٹھ کر ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

اماں جی نماز سے فارغ ہو کر طویل دعا میں مصروف ہو گئیں۔ وہ ان کے پہلو کی طرف آ کھڑی ہوئی۔

''اماں جی! آپ کے پاس تو سب ہی کچھ ہے آج دعا جھولی بھر کے لیں''۔ اس سے رہا نہ گیا اور بول پڑی۔

اماں جی نے جلدی جلدی دعا پوری کی چہرے پر ہاتھ پھیرا اور لبالب حیرت کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

''کیا بات ہے؟''

''اماں جی — مجھے بھگا دیں — پلیز''۔ اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

''کس سے؟'' وہ حیران ہو گئیں۔

''تیمور خاناں سے''۔ اس کی آواز میں بھی آنسوؤں کا زور تھا۔

''آ — ادھر بیٹھ میرے پاس''۔ اماں جی کے چہرے پر فکر مندی جھلکنے لگی۔

وہ قالین پر بیٹھ گئی ''آپ کی نماز کی جگہ ہے یہ، جوتے نہیں ہے''۔ اس نے دہلیز پر بیٹھے بیٹھے ہی پوچھا۔

''میں ڈوگے — اپنے تھے جوتے؟'' وہ بہت تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔ اس کا مسئلہ پھر وہیں جا رکا۔

''وہ میں بی بی جان کے ساتھ باہر اور چلی گئی تھی''۔

''تو کیا ہوا اس سے پہلے بھی تو گئی تھی''۔ ان کا ذہن ادھر ادھر بھٹکنے لگا۔ کل بھی اس نے ماہ بیگی کے ساتھ جانے سے منع کر دیا تھا۔ اس نے تو آج تک کسی کے آنے جانے پر پابندی نہیں لگائی۔ حتیٰ کہ کبھی دھیان بھی نہیں دیا کہ کون آیا ہے کون گیا ہے۔ وہ بکھر کر سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

''آپ کہہ دیں کہ سمجھ نہیں جاؤں گا میری توبہ''۔ وہ رو پڑی۔

''ہے ہاں بے وقوف۔ کہہ دوں گی بھلا اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ پاگل تو نہیں ہے۔ کہا نہیں جانے کا تجھے۔ پاگل کچھ بھی تو پتا چلے کہ وہ تیرے باہر جانے پر غصہ کیوں کرنے لگا ہے''۔

ان کی تشویش بجا تھی۔ اپنی ہی پروردہ انسان ایک معمولی ملازمہ پر اتنی توجہ کیوں دے رہا ہے۔ کچھ تو بات ہے اس کی جاسے سارا گھر باہر کرنے لگے تو وہ دیکھ لیں گی۔

''آپ خود ہی پوچھ لیجئے اماں جی۔ میں تو آج آپ کے کمرے سے باہر نہیں جاؤں گی۔ یہیں پڑی رہوں گی''۔

''خدا خواستہ بندوق تانے بیٹھا ہے تجھ پر پاگل کہیں کی''۔ وہ خفا ہو گئیں۔

''اماں جی مجھے کسی کا غصہ بھی برداشت نہیں اور خان کا تو ذکر ہی نہیں۔ مجھے ہر کسی کے غصے سے ڈر لگتا ہے۔ قسم اماں جی''۔

''توبہ ہے زمان خان کو پیار بانٹ رہی ہے۔ کہہ دوں گی میں اس سے کہ تجھ سے آرام سے بات کیا کرے۔ تیرا دل کمزور ہے۔ جا اب۔ شاباش کام کر''۔

وہ کیونکہ حقیقت حال سے بے خبر تھیں اس لئے تیاری ظاہری تھی۔

اگلے دم ماما اندر داخل ہوئی۔

''تیمور خاناں بلا رہے ہیں تجھے''۔ وہ مطربہ سے مخاطب ہوئی۔

''اماں جی!'' اس نے بے چارگی سے ان کی طرف دیکھا۔

''تیمور کو یہیں بھیج دو ماما''۔ اماں جی اپنی تیاری پر جھک گئیں۔

مطربہ سست پاؤں باہر نکلنے لگی۔

"تو کہاں چلی۔ ٹھہر ابھی۔ تیرے سامنے ہی پانکروں کی سب کچھ۔ آخر مجھے بھی تو پتہ چلے کہ معاملہ کیا ہے۔ اماں طویل فسانہ بن رہا ہے"۔ وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائیں۔

وہ دروازے کی اوٹ میں کمزور ہو گئی۔ چند منٹ گزرے کہ تیور اندر داخل ہوئے۔

"کہاں ہے وہ مصیبت؟" وہ گھن کی وجہ سے شاید خاصے بدمزاج ہو رہے تھے اور شاید وقت کے بارے میں بھی۔

"کیا بات ہے بیٹے! کیوں غصہ کر رہے ہو اس بے ماں باپ کی بچی پر۔ لوگ کہتے ہیں کہ خدا بھی بچا ہوتا ہے کہ وہ اکثر بے قصور بھی خریدا ہوا لگتا ہے کہ وہ لڑکا ہے۔ جو کام وہ کرتا ہے۔ وہ کام ہی اسے یاد دلانے کو کافی ہے کہ تو نوکر ہے۔ اس حویلی میں کوئی اور ہمارے لوگ ہی پشتوں سے چلے آ رہے ہیں ہم نے خرید رکھے ہیں۔

تمہارے بابا صاحب بڑے سے دو لڑکیاں لائے تھے۔ مول۔ ایسی سوداگری جیسی۔ گوری گوری بھولے بھولے مکھڑوں کی۔ میں نے تو تمہارے بابا صاحب کی جان کھالی۔ ایسی کبوتروں کی طرح سہمی ہوئی تھیں کہ میرا تو دل ہی ہو گیا۔ دادا جان کو بھیج دیا تھا میں نے تو۔ وہ خفا بھی ہوئے تھے کہ تمہاری خدمت کو لایا تھا۔ میں نے کہا بیٹی نہیں تھی (بیوی کی خدمت کیلئے) میں مجھے کوئی اوپر سے رکھوا دے کو لطف اٹھا لیں۔ مور مچل مچلائیں۔ نہ بابا۔

جس کا خدمت کرنے کو جی نہ چاہے۔ چلا جائے حویلی سے ہم روکیں گے نہیں۔ اگر اس کا کام میں دل نہیں لگے گا تو سولہ آنے سے کہہ دوں گی واپس گاؤں پھوڑ آ۔ بس۔

بیٹے اگر اس سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو آسمان نہیں ہو گی۔ اب تم میرے پاس بیٹھ کر فضول خوشی کی باتیں کرو۔ جاؤ جا کے آرام کرو۔ "خان کیلئے"۔

اماں جی نے اس کی فائنل کا دل یوں ادا کیا جیسے کوئی یاد کیا ہوا سبق سناتا ہے۔ کیونکہ وہ خود اپنی آواز اور لہجے کے اوئے تیوروں سے گھبراتی تھیں۔ اس لئے بھی مستقل تامل اگر تھی۔

"اماں جی"۔ تیور علی خان زچ سے ہو گئے۔

"جب آپ کو کچھ پتا ہی نہیں تو کیوں اس احمق اور گنوار کی حمایت کر رہی ہیں"۔

"ہاں تو پھر پتا کرا دو ناں مجھے؟" وہ جھلا کر بولیں۔

"تمہیں ہم نے کہا تھا ناں کہ حویلی سے باہر قدم نہ نکالنا۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا؟"

وہ اماں کو جواب دینے کی بجائے اس سے مخاطب ہوئے۔

"میں اکیلی نہیں تھی خان۔ بی بی جان اور"۔

"شب بات۔ جب تمہیں کہہ دیا تھا تم باہر نہیں جاؤ گی نہ اکیلی نہ کسی کے ساتھ۔ حویلی یہاں عزت کی علامت ہے۔ کل تماشہ ہوا تو گاؤں والے بابا صاحب کے بارے میں کیا سوچیں گے کہ وہ کن لوگوں سے تعلقات رکھتے ہیں۔ ہماری طرف سے تم جہنم میں جاؤ مگر ہم تمہیں اپنے خاندان کیلئے مصیبت نہیں بنا سکتے"۔ وہ برہم ہوئے۔

"کیا بات ہے بیٹے! کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔ آخر معاملہ کیا ہے۔ خدا خیر کیا بات ہوئی ہے کہ عزت کا مسئلہ ہو گیا ہے۔

مجھے بتائیں غور سنبھال لوں گی"۔

اماں جی حیرت کو طیش سے بھلا کر کے بے حد پریشان ہو گئیں۔

"جب خان سے لائی تھیں آپ نے اس وہ کیا تھا کہ یہ کون ہے؟ خاندان کیا تھا؟ کیسے ماں باپ کی بچی ہے؟ کچھ پتا ہے آپ کو؟ کیسے رہتے ہیں؟" وہ ماں کی طرف پلٹے۔

"ہمارا کیا کرنا تھا بیٹے! خالہ پورے سال سے حویلی میں ہے۔ اب اس کے گھر والے کیسے ہیں کیا ہیں کیا نہیں کی۔ محنت کر کے کھاتی ہے۔ خوش خوش خدمت کرتی ہے۔ کھلتی ہے۔ اس سے بھلا ہے کے سوال جواب آتی"۔

اماں جی نے خاصی حیرت سے ان کی صورت دیکھی۔

"لیکن اب کوئی حویلی میں آئے آپ کو اس کا اچھا معلوم کرنا چاہیے"۔ تیور نے اسی انداز میں کہا۔

"بس بابا کا پتا بہت ہے کہ یہ سولہ آنے کی بھلائی ہے۔ اور سولہ آنے ایک بھلی دکھی صورت ہے"۔ اماں جی نے سادگی سے جواب دیا۔

"تم نے بچی کی کوئی شکل دیکھی ہے؟" معاً وہ چونک کر پوچھنے لگیں۔ تیور خاموش رہے۔

"اماں جی! انہیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ یہ بہت کم عمر اور بے وقوف ہے۔ ہر کوئی بھی بیچ سودا کر سکتا ہے۔ اس کی کسی دوسرے انسان کے ساتھ زیادتی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ نہ ہو اس حویلی کی ملازمہ سے۔ آپ کے ساتھ زیادتی ہو گئی تو ہمیں بہت دکھ ہو گا"۔ وہ اتنا کہہ کر باہر چلے گئے۔

ملازمہ کو تو یہ جملہ بڑی محنت کی کمائی لگا۔ یہاں ہاں تک ہر گھی آٹھ پانی محسوس ہوئی۔

جن کا حسان و طیال ہر آن سر پہ تنا ہو۔ ان کی خیر گیری کے اور تھوڑا سا نے کو کمائی رہے ہیں۔

"تو تو ہے۔ الجھا کر رکھ دیا ہے مجھے۔ بیٹھی معصوم سیدھا کرتی رہوں۔ تو تو اگر کوئی بات ہے"۔ سیدھی سادی اماں جی بہت الجھی تھیں۔

ملازمہ نے نظریں اٹھا کر ان کی سمت دیکھا۔

"آپ خالہ سے پوچھ لیتا اماں جی! مجھے تو خود بھی کچھ پتا نہیں"۔ وہ آہستگی سے بولی۔

"تیری بات مجھے نہیں پتا تو سولہ آنے کو خاک پتا ہو گی"۔ اماں جی جھلائیں۔

"آپ بیٹھیں کریں اماں جی! انہی کو پتا ہے سب۔ بھیجوں انہیں آپ کے پاس؟" وہ باہر کی طرف لپکی۔

"ہاں — ہاں — بھیج دے۔ تو بے میرا تو سر دکھنے لگا ہے"۔ اماں جی نے سر تھام لیا۔

"آپ نے بابا یاد کیا اماں جی؟" خالہ کمرے میں داخل ہوئیں۔

"ہاں — آ سولہ آنے۔ بیٹھ"۔ اماں جی نے بھی نشست کو آرام دہ انداز اختیار کیا۔

"جی"۔ خالہ قالین پر بیٹھ کر پانوں کا بٹوا کھولنے لگیں۔

"سوتیلے تو نے بتایا تھا اس بچی کے ماں باپ مر کھپ گئے؟" اماں جی خالہ کو گہری نظروں سے دیکھنے لگیں۔
خالہ ایک دم ٹھٹک گئیں مگر نظریں نہیں اٹھائیں۔

"مرے ہوئے ہی سمجھ لیں۔ خیریت؟ آپ کو یہ کیا سوجھی آپا" ان کے لہجے میں گھبراہٹ کی آمیزش تھی۔

"بہ حاسید حاجرا ب دے سول ... کیا سمجھوں" اماں جی کا تو ویسے ہی سر گھومنے لگا تھا۔ انگلی سے پیشانی مسلنے لگیں۔
"کوئی بات ہو گئی اماں جی؟" خالہ کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"مجھے تو نہیں پتا لیکن لگ رہا ہے کہ کوئی بات ہو گئی ہے۔ تیور طمطراق کر رہے تھے۔ زجون بالو پر اور وہ اسے کہہ رہے تھے کہ گھر سے باہر نہیں جائیگی۔ کیوں کہہ رہے تھے ایسا۔ مجھے ضرور پتا ہو گا" اماں جی گویا ہوئیں۔

خالہ سر جھکائے سوچتی رہیں۔ پھر گلا صاف کر کے بولیں۔

"اماں جی آپ کو تعجب اس لئے نہیں ہونا چاہئے کہ بچی کو حویلی والے ذلیل نہ سمجھتے تھے۔ وہ تو معلوم ہے بے قصور ہے۔"

"ہیں؟" اماں جی کا گلا بھنچنے سے گلی ہوئی تھیں چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"یہ میری سگی بھانجی نہیں ہے۔ مگر ہے بہت مظلوم۔ ہندوستان میں اس کی نانی کا گھر میرے میکے کے برابر تھا۔ ہمارے دادا سے بڑھ کر سلوک تھا دونوں گھروں میں۔ پاکستان بنا تو ہجرت بھی ساتھ کی۔ پھر ایک ہی جگہ رہے۔ اس کی نانی انجانے کی بڑی گہری سگی بہن تھی۔ مشتری انجانے والی کے نام سے سارے ہندوستان میں مشہور تھی۔

ایک سیدزادہ اس پر فدا ہو گیا۔ دلی کے رئیسوں میں سے ایک تھا اس کا گھرانہ۔ اس نے زجون کی نانی سے چھپ کر شادی کر لی تھی اور کہا تھا کہ آہستہ آہستہ دراستہ بنا کر اپنے خاندان میں لے جائیگا اس سے شادی کے بعد مشتری انجانے والی نے دکان بڑھا لی اور گمنامی میں چلی گئی تھی۔ مگر تھی بالاخانے میں ہی اپنی ماں کے پاس۔ بہت بھرتا تھا رئیس اس کی ماں کو بھی تو نچاتی ہو بیٹی۔

وہیں زجون بالو کی ماں شہر بالو پیدا ہوئی۔ مشتری کی ماں "نا تو آپ کی کتھی لاپلی ہوئی ہیں یہ عورتیں اس کی تو ہوں گی روح فنا ہو رہی تھی کہ سیدزادہ مشتری کو جب اپنے ساتھ لے جائیگا تو علم ہے ماں کے کیسے چھین لے گے۔ دکان نیلی بھجوا دی اس کے آدمی کو کہہ دیا کہ لوٹا پیدا ہوا تھا۔ مگر تو رانی مر گیا۔ آپ جانو اماں جی ان عورتوں کی چالاکیاں۔ کچھ عرصہ بعد مشتری کو اس کا مرد لے گیا۔ مگر اس بدنصیب کو چار دن بھی خوشی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے مرد کو کسی نے دشمنی میں گولی مار دی۔ اس کے گھر والوں کو تو مشتری ایک سے لاکھ تک منظور نہیں تھی۔ اکلوتی اولاد کے سامنے جھک گئے تھے۔ جب جائیداد رہا تو وہ کیا لگتی۔ ان کی عدت بھی پوری کرنے نہیں دی کمرے کپڑوں میں نکال باہر کیا۔ یوں دربدر ہونے پڑا اس شہر آ آباد ہوئی۔ میرے اپنے بھی کہہ دیا ہوں ہم سب اسے پھوپھی کہنے لگے۔ عدت مزدوری کر کے پوری کی۔

ایک روز دل میں اسے اپنے وہاں کا خواب سر اٹھا گیا۔ اس نے بھید کھول دیا پھوپھی پر کہ اس کے وہاں تو ابھی ایک لڑکا ہوئی تھی اور دو زندہ ہے اور تیسری ماں اس کی ٹریننگ کر رہی ہے۔ پھوپھی کے تو چھکے چھوٹ گئے۔ اس نے سیدزادے کے سامنے حلف اٹھایا تھا کہ مر جائے گی مگر دوبارہ اس دنیا میں نہیں جائے گی۔ اب اس کی اولاد وہاں تھی۔ اس بے چاری کو تو یہ

واپس بھیجنے گئیں۔ ایک دن گفت کتا کر اکیلا بچی کو لے کر گھر واپس آ گئیں۔ اس کے بعد اس کی پیدائش اس کا نام پھوپھی نے اپنے سینے میں اگر کوئی ہمدردی اس کی تو لے اس نہیں ہوں گی۔ پھوپھی بے چاری اکیلی کمر توڑ محنت کر کے سب کو پالتی رہی۔ جب اس کی بات کا اعتبار کرتے۔ گواہیاں دیتے تو خون کے آنسو روتی تھی۔

"بس بے چاری نے دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔ مل کر آتی تھی تو ہوں ہوتی تھی بھوکے ماں باپ کے۔ اس کی بھوپالی ہو گئی تھی اس خالہ نے کہ بچی سے اس کو ماں ہی کہلوائے گی۔ یوں شہر بالو اپنی ماں کو پھوپھی کہنے لگی۔

وہ لوگ انجانے سے ہجرت کر کے سندھ میں آباد ہوئے تھے۔ پھوپھی پال پال جوڑتی تھی بچی سے لئے کیلئے۔ وہ اس آبائی وطن سے پہلے ہی بہت پیار کرنے لگی تھی۔ غربت اور پھر مستقل غم۔ بیوگی اور بہت کی شادی کی ... ہوتی ہے۔ شہر بالو تو پھر اس کے پیار کی مثال تھی۔ اس نے بڑے جتن کئے کہ شہر بالو اس ماحول سے نکل نہ سکے مگر کچھ نہ ہو سکا۔

پھر وہ دن آئی نے اپنے آپ کو دہرایا۔ سندھ کے ایک امیر کبیر زمیندار کا بیٹا شہر بالو پر آ گیا۔ جب کہ شہر بالو کے باپ جیسا مرد نہیں تھا۔ کچھ شہر بالو کے اپنے مزاج کا بھی خلل تھا۔ گاڑی چل نکلی۔ وہ اپنی آگے اپنی نانی کے پاس ... زجون بالو پیدا ہوئی۔

پھوپھی بنے گئی تو اس کی اپنی ماں کا آخری وقت چل رہا تھا۔ پھوپھی کہہ کر بچی کو میں پال لوں گی۔ اکیلے دل گھبراتا ہے زجون بالو کو ساتھ لے آئی۔ شہر بالو کو کچھ دادا کی ماں سے خطرہ ہو سکتا تھا۔ اس کی تو جیسے جان پھوپھی "اسے تو بے قصور لگی تھی۔ محبت بچی اس کے حوالے کر دی۔ سوچ رہی ہو گی کہ ماں پال ہوں کر جوان کرے گی تو وہ لا کر اسے دان دے دے گی۔

اب پھوپھی اتنی بھی سیدھی نہیں تھیں کہ اپنے طور پر کچھ سوچ ہی نہ سکیں۔ زجون بالو ابھی بہت چھوٹی تھی کہ پھوپھی نے مجھے کہہ دیا تھا کہ جب یہ بڑی ہو جائے تو اسے حویلی لے جانا اور وہیں اس کی شادی کرنا۔ پھوپھی کو اس ماحول سے نفرت ہو گئی تھی۔ پھر گاؤں میں لوگوں نے اس کا بہت خیال رکھا تھا۔ گاؤں کے پٹواری کی بیوی صفدر ہو گئی تو اس کی ہمدرد کو بھی پھوپھی نے بالا پوسا۔ انہوں نے پھوپھی کا بہت خیال رکھا۔ پٹواری کے تینوں بیٹے پھوپھی نے پالے۔ تینوں پھوپھی کو اپنے باپ کی بہن سمجھتے ہیں۔ پھوپھی کہتے ہیں۔ ایک لڑکا ہے سردار وہی خیال رکھتا ہے۔ اب پھوپھی کا۔ اس کو زجون بالو سردار ماموں کہتی ہے۔ خیر سے بیوی بچوں والا ہے"۔

خالہ اب خاموش ہو گئیں۔

اماں جی جیسے سانس روکے سن رہی تھیں۔ خالہ کے چپ ہوتے ہی چونک گئیں۔

"سوتیلے ... اتنے بڑے باپ کی اولاد ہے زجون بالو۔ کچھ پتا نہیں کون ہے وہ لڑکا؟" اماں بکھرے ہوئے گویا ہوئیں۔

"ہائے اماں جی اتنی کے ساتھ وہ بول پڑے تھے کبھی پلٹ کر اسے نہیں پوچھا۔ ایسے عیاش آدمی دھرا دھری اپنی اولاد کب قبول کرتے ہیں۔ آپ بھی بہت سیدھی ہیں"۔ خالہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے جواب دیا۔

"تو کیا لگاؤ کے بعد اسے پتا نہیں چلا ہوگا کہ اس کی عورت کے کچھ ہونے والا ہے؟" اماں جی کو پھر غصہ آنے لگا تھا۔

"اب کیا پتا ان کے چکر ان کا۔ ایسا غیرت مند ہوتا تو جاہ کر عورت کو اس ماحول میں بھیجتا ہی کیوں؟" خالہ نے سر ہلایا۔

"ہے تو بہت سمجھ والی سولہ آنے" اماں جی نے خالہ کی سمجھداری کو بڑی فراخدلی سے سراہا۔

"تاؤ یہاں وہاں اپنی اولاد چھوڑتے پھرتے ہیں۔ کیسے سرے سے بے ضمیر ہوتے ہیں لوگوں کے۔ مجھے تو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ لوگوں میں اتنی غیرت ہے کہ لوگ پیسے کی خاطر اپنی اولاد بیچ دیتے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا مگر اب آ رہا ہے سمجھ۔ اللہ کے کلام میں بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں کے دلوں پر مہر لگی ہوتی ہے اندھے بہرے کہا ہے اللہ نے ایسے لوگوں کو۔

ق — ق — ق — تاؤ بے قصور بچے۔ میرے بچوں کو بخار چڑھ جائے تو مجھے ساری رات نیند نہیں آتی۔ اور اس حشر کی آخری چار آیتیں پڑھ کر اپنے بچوں پر دم نہ کروں تو چین نہیں آتا۔ میں تو دم کیے بغیر بچوں کو باہر نہیں نکلنے دیتی۔ کچی عمر کی آگ ہوتی ہے اولاد کی۔ کتنا مہنگا ہوتا ہے سہاگ کا جوا۔ اسے پہنچنے کے بعد عورت اپنے لئے کب رہتی ہے۔ تاؤ اور اس جیسے کیسے کیسے لوگ ہیں دنیا میں۔ کس قدر حسین بیٹی اور کتنی بدنصیب" اماں جی کی جان کو ملال لگنے لگے۔

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں اماں جی؟" خالہ نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

"کس بات پر؟" وہ حیران ہوئیں۔

"اسٹون ہاؤس کے حویلی میں رہنے پر؟" خالہ نے ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا۔

"بھلی کہی۔ یہ تو میرے اوپر نصیب ہیں کہ کسی رکھیا ہے آسرا کو میری چھت کے نیچے امان ہے۔ اللہ میرے ان بچوں کا بھلا کرے۔ یہ توفیق خوش بختوں کو ملتی ہے۔

اس کی بلی کے نام کی روٹی بھی بھجوا دیا کرو ہر جمعرات کو غریبوں میں۔ نیاز کا خمیر بھی ڈلایا کرو اس کے نام کی۔ ولی اللہ ہوتی ہیں یہ عورتیں۔ معلوم نہیں کیا کیا مجبوریاں ہوتی ہوں گی انہیں۔ مجھے پتا نہیں زمانے کا حال۔ کتوں کو حلوے پر خوار کھلاتے ہیں۔ اور ان عورتوں کی چادریں خود اتارتے ہیں۔ اور پھر — اب کیا کہوں سولہ آنے۔ بہت بری ہے دنیا۔ ایک بیچاری اکیلی جان۔ اور راستے کو۔ اور اچھا ہوا ہے۔ یہ تیمور کو کیسے پتا چلا۔ تو نے بتایا تھا؟" اماں جی کو دھیان آیا۔

"مجھے لیا ضرورت پڑی اماں جی۔ پرسوں آئی تھی وہ بدنصیب" خالہ نے بیزاری سے کہا۔

"کون؟" اماں جی سمجھیں نہیں۔

"وہی — شہر بانو — اس کی ماں" خالہ نے ناگواری تاثر کے ساتھ بتایا۔

"ہیں — کب — تو نے مجھے کیوں نہیں بلوایا"۔

"بس مجھے بھی خیال تھا کہ حقیقت کھلنے پر کہیں بے چاری درد نہ ہو جائے جو اسے اتنی توجہ اور محبت ملی ہے بچی سے۔ اب بھی اماں جی آپ سے بھی درخواست ہے جو بیٹی میں اور کسی کو نہیں بتانا ہے"۔

"اسے مجھے کیا بتانے کی ہڈی ہے۔ اتنا بڑا سانحہ ہے ہو گیا ہے اب اس بیچاری کے ساتھ۔ کہہ رہی تھی کہ ابھی تک وہ یہاں؟" اماں جی نے غضب سے سوال کیا۔

"ہاں بند کر بیٹی کو لینے آئی تھی۔ بمشکل منا رہا تھا پولیس والا" — وہ ہنسی۔

"بے چارہ انتظار — کیسی بھول بھلی معصوم بچی ہے۔ کتنی چھوٹی ہیں عورتیں سکھائی ہوئی"۔

"جیسے تاؤں اور دادا ان نے صفا جواب دے دیا کہ اداری ذمہ ہے اداری مرضی کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتی"۔

"یاد بھی واقعہ اس عورت سے؟" اماں جی بولیں۔

"جی — وہاں بھائیوں نے بات کی تھی"۔ خالہ نے جواب دیا۔

"ہوں پھر؟"

"پھر کیا — ہنسی، رونے لگی۔ قسمیں کھانے لگی۔ تب یاور خان نے کہا کہ وہ شہر بانو کو فوراً کر پیچھا چھوڑا جا سکتی ہے، کہا"۔

"لو بولو — اسے بیچ میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو بے عقل ہے جو ساتھ چل پڑی۔ تو مجھ سے کچھ نہ بھجوایا کہ سولہ آنے" اماں جی کو غصہ آگیا "پھر بتا کیا کہا شہر بانو نے؟"

"اس نے انکار کر دیا۔ بولی میں تو اس عورت کو نہیں جانتی"۔

"شرم نہ آئی"۔

"پھر کچھ نہیں بولی اس کی ماں؟"

"ہنسی دے کر چلی گئی پلٹ کر کہا"۔ خالہ نے کہا۔

"اچھا تب خان تیمور ایسے کر رہا ہے۔ ٹھیک ہی کر رہا ہے۔ کیا بھروسا ایسے لوگوں کا۔ کیوں — ؟"

اماں جی نے کہا۔

"جی — ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ — میری تو اس دن سے نیند ہی اڑ گئی"۔ خالہ فکرمندی سے بولیں۔

"تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ مالک ہے۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ بھائیوں کو یہ سارا قصہ پتا لگ گیا۔ تیرے بڑے خان کو پتا لگ جاتا تو اس عورت کا وہاں اسی وقت ٹھیک کر کے رکھ دیتے۔

چل خیر اللہ نے کرم کیا۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جا تو اپنا کام کر"۔

اماں جی پرسکون ہو گئیں۔ خالہ فوراً اٹھ کر چل پڑیں

تحریم آئی ہوئی تھی خوب رونق ہو رہی تھی۔ سب ہال میں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ یاور علی خان کسی ضروری کام سے باہر جا رہے تھے۔ نازیہ گاڑی کا ہارن سن کر باہر آئی تو یاور علی خان کو جاتے دیکھ کر وہ بھی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ یاور علی خان تیار ہو رہے تھے۔

"اماں جی! جھوٹ نہیں کہتی تھیں۔ کہتے ہیں نا کہ۔ تمہاری ایک ایک حرکت سے ظاہر ہے کہ خون جوش مار رہا ہے
کوئی تھیں"۔

رخسانہ بیگم نے بہت خاموشی سے داخل ہو کر شلوار اور دوپٹے میں ملبوس کھلکھلاتی نزہت کو دیکھا۔

"شروع شروع میں تو سب ہی ایسے ہوتے ہیں"۔ نزہت ہنسیں۔

"پھر وہی بد تمیزی کی باتیں"۔ اماں جی نے ڈانٹا۔

"جب خوش ہوتے ہیں تو بس خوش ہوتے ہیں۔ الجھنا کیا کسی سے"۔ نازنین نے نزہت کی چٹیا کی گرہیں
درست کرتے ہوئے ان کے دلنشیں پر بھنگی بھری۔

"بھولی بھابی کو دیکھ کر تو فرشتے دنیا کے بارے میں "سب اچھا ہے" کی رپورٹ بھیجتے ہوں گے"۔ نزہت نے ترکی
سے کہا۔

"اماں جی! آج آپ نے ارادے لئے کیا پکایا ہے۔ وہاں سسرال میں تو ہمارے تکلیف کے بھوکے مر رہے ہیں"۔

"ہے ناں شکری۔ کیوں کرتی ہے تکلف۔ تیرا گھر ہے یہ"۔

"ہائے اماں جی اتنے مہمان رکے ہوئے تھے وہاں کہ بس۔ مجھ سے نہیں کھایا جاتا نئے لوگوں کے سامنے کھانا"۔

"جب اندر سب اچھا ہو تو باہر بھی سب اچھا نظر آتا ہے"۔ نازنین نے شوخی سے نہیں چھیڑا۔

"دعا دیں میرے بھائی کو۔ جنہوں نے عالم فاضل بنا دیا ہے آپ کو"۔ نزہت نے بھی بھابی کا دفاع کیا۔ نازنین کے
چہرے پر حیا کے رنگ بکھر گئے۔

"کون سے والے بھائی کی بات کر رہی ہیں آپ؟" تیمور ان سب کو اٹھتے ہوئے وہیں آ گئے تھے۔

"جن کا یہ سامان ہیں۔ ظاہر ہے انہی کی بات کریں گے۔ تمہارا کارنامہ دیکھنے کا اشتیاق ضرور ہے مگر ابھی ہم بھوکے
ہیں"۔ نزہت کھلکھلائیں۔

"نہیں آپ حکم کریں تو ابھی یعنی جلدی دکھا دیتے ہیں کارنامہ"۔ وہ بڑی معصومیت سے گویا ہوئے۔

"نہ نہیں ۔۔۔ وہ ہے ناں جوتیاں گھس کر دلہن لانے کا رواج ہے۔ آپ وہ رہنے دیں ذکر اتنا ہی بہت کافی ہے"۔

"بعض اوقات انتخاب بہت ضروری ہوتے ہیں آپا"۔ تیمور نے مصنوعی سنجیدگی کے ساتھ بھانجے کی آشنائی کو۔

"یہ اتنا لمبا ہے تو بہت بڑا ہوگا"۔ رخسانہ بیگم نے دھیمی سی۔

"آپ لوگوں کو سنڈلز کے جوتوں سینڈلوں کا اتنا ہی شوق ہے تو فکر مند نہ ہوں اپنا پتا دے دیجئے گا۔ اگلی بار سے
سینڈلیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ وہاں سے بھجوا دیں گے"۔

"اماں جی ۔۔۔ مایا بچے بھوکے ہیں کھانا لگواؤ ناں"۔ مطربہ تیمور کی پشت کی طرف کھڑی اماں جی سے مخاطب تھی۔

"مردانے میں لگواؤ۔ ابھی تو لڑکیاں باتیں کر رہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد لگا دینا۔ ہاں بھئی کوئی ضرورت ہو تو بتا دینا کسی
ملازمہ کو"۔

"اماں جی ۔۔۔ بھوکے تو کزنز کی فوج ہے۔ میں آپ کو بتا دوں کہ کھانا کوئی ہم اکیلے نہیں کھائیں گے۔ وہ سامنے والی حویلی
پہلے کوئی اطلاع ملا لیا ہوا تھا ہے لے گئیں"۔ "وہ نازنین نے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

"تیور جیسا سفید آپ تو مستقل ہو جائے گا۔ اماں جی کو اس عمر میں اکیلے بھیجنا ہے گی۔ کوئی ساتھ والی حویلی میں
کھانے میں باتیں کر ہو لیے بھی پتہ نہیں کر لیں"۔ نزہت زور سے ہنسیں۔

"ارے آگے لگے اس مگر بڑی کو کسی مشکل سے تو جان چھوٹی ہے ہوں۔ شادی سے پہلے ہر سے باپ کے ہاں
بیٹھیں ہوئی مگر یہ وں کی۔ گولے کی طرح پھٹتی ہے جو سے ساتھ"۔ اماں جی نے ڈانٹ سے ہوئیں۔

"جب ہی تو کہتے ہیں اس مرتبہ اتمام کر بھیجیں"۔

"چلو تم لوگ جاؤ۔ کہے جھانجی ہیں تمہاری۔ خاندان بھر میں جتنے والے سب ہی کی لڑکیاں دیکھ بھی ہیں تم نے"۔ اماں جی نے مسکرا کر گویا شرارت میں پیش آنے والوں کا ساتھ دیا۔

"جاؤ بیٹے مردانے میں۔ کھانا لگ رہا ہے پہلے کھانا کھا لو"۔ اماں جی نے کہا۔

"بھوک نہیں ہے۔ پیٹ بھی ہمر سے ہوا ہے۔ ایک گھنٹے بعد بھوک لگے گی"۔

"اس اندھیرے آئی دار کا سفر کرائے گے۔ غریب کا ہوا ہے ہیں تمہارے بھی"۔

"اماں جی! کریلی سے نیلی خون آیا ہے"۔ مطربہ پھر آ گئی تھی۔

"کس کا ۔۔۔ کون سے نیلی خون ہے۔ پوچھا تھا تو نے"۔ اماں جی فکر مند ہو گئیں۔

"تیور خانوں کے کوئی دوست ہیں"۔ وہ جھجکتی سے بولی۔

"پاگل ہے ہوا ہے۔ مجھ سے بات کرے گا غیر خان کا دوست"۔ اماں جی نے ہاتھ کا کر وہ بار بیٹھ گئیں۔

"اسے تیور سے ڈر لگتا ہے اماں اس لئے آپ کو ایسا لگ رہا ہے"۔ نزہت ہنسیں۔

تیور جھانکر نکر پاؤں چلتے اندر کی سمت بڑھ رہے تھے۔ مطربہ ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

دھم دھم دھڑ دھڑ دھڑ

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

عطرہ نے گود سر پر ہاتھوں رکھ کر بھالی۔

باغ میں بھی حویلی و دیگر خواتین میں بھی کھلبلی مچ گئی۔ وہ بھی طرف حویلی کے پچھلے حصے کی طرف دوڑیں۔ بیرونی حصے میں اماں جی کا زیادہ تر قیام رہتا تھا۔ باقی سب گویا پیچھے رہ گئے تھے۔ اماں جی بلند آواز سے آیۃ الکرسی کا ورد کرتی جا رہی تھیں۔

"ارے یہ تیمور یہ انشا نے کیا بنتا ہے۔ کہیں بھالک کی طرف نہ چلا گیا ہو۔ مار کون سی فوج آ گئی۔ اللہ رحم کرے"۔ اماں جی کو ایک دم تیمور علی خان کا خیال آیا۔

"اب اتنے بھی احمق نہیں ہیں تیمور ۔۔۔ اماں جی کیا ہوائی ہتھول چلا لیں گے آ کون سا ہر دم اپنے ساتھ غلیلا لئے پھرتے ہیں"۔ زرنین نے اماں کو تسلی دی۔

"اے اس کا کوئی بھروسا نہیں۔ آگے پیچھے نہیں دیکھتا"۔ اماں جی کی پریشانی کم نہیں ہوئی۔

"آپ اندر تو چلیں"۔ نازنین جھلائیں۔

دوسری طرف تیمور علی خان احمد سے گن لے کر واپس بھی آ چکے تھے اور تیزی سے بھالک کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کا ارادہ حملہ آوروں کو بھالک کے اس کے باہر سے گھیرا ڈالنے سے پہلے ہی ختم کر دینا تھا۔ جب کہ اس کے باہر سرخ خون دور تک پھیلا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"خان! آپ رکیں ۔۔۔ ہم بھیجتے ہیں لوگ ۔۔۔ صرف دو ہیں"۔ چوکیدار نے اذیت پر قابو پاتے ہوئے تیمور علی خان کو مخاطب کیا۔

"تمہارا بازو ٹوٹا ہے۔ ٹانگ جاؤ۔ ہم دیکھتے ہیں"۔ تیمور علی خان کا لہجہ قطعی تھا۔

"اس وقت ایک گولی شعلے کی صورت ان کی طرف آئی۔ صرف ایک سے کی بات تھی۔ آگ کا یہ گولا سے ایک فٹ دور گرتے ہوئے زور سے پھٹتی چاروں اطراف پھیل جاتی۔

"خان ۔۔۔ اللہ کا واسطہ آپ اندر جائیں۔ خان اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے تو آپ کو کچھ نہیں ہوگا"۔ بی بی زور سے چیخی۔

"ایسے کچھ نہیں ہوگا مگر اس وقت میں کچھ نہ کچھ ہو جائے گا"۔ تیمور علی خان چیخ کر گویا ہوئے۔

"اسلحہ (ہوائی) ہے خان"۔ چوکیدار کھلے آوازوں سے بڑبڑایا۔ "ہے خان" کا لفظ تھا۔

اسی دم بابا صاحب اپنی گن کے ساتھ باہر آتے نظر آئے۔ ساتھ ہی باہر سے فائرنگ شروع ہو گئی۔

"تیمور! تو ادھر سے"۔ بابا صاحب کی گرج دار آواز سنائی دی۔

"کاکا جان ۔۔۔ نوں"۔ گلو کھلا ہی تھا کہ پہلے فرش پر گرینیڈ مارتی اچھلتی کودتی وہ آ گئی تھی۔ چوکیدار کے بازو سے بہتا خون دیکھ کر ایک دم وار کر بیٹھی۔

ایک لمحے کو تو تیمور علی خان کی تمام اصابتی قوتیں ایک دم ہوا ہو گئی ایک طرف بابا صاحب کا حکم اور دوسری طرف پوری بھرکوں کی جان۔

"بابا صاحب ۔۔۔ پلیز آپ گلو کو اندر لے جائیں ۔۔۔" اس وقت سب سے پریشان کن مرحلہ بچی کی حفاظت کا تھا۔ باقی تو بس اتنی ہی دیر میں۔

چوکیدار ایک دم کی گرفت میں آ چکا تھا۔

"ٹھک ۔۔۔ گولی چلی تھی اور گن تیمور علی خان کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھی۔ سب جانتا تھا کہ نشانے پر تیمور علی خان نہیں بلکہ ان کی گن تھی اور مقصد انہیں نہتا کرنا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ غلیلے (ہوائی ہتھول) چلا پاتے۔ چوکیدار کا اندازہ غلط تھا۔ وہ رکے نہیں جا رہے تھے۔ وہ بھالک پر سورچہ سنبھال چکا تھا اور وہ تیمور علی خان اور چوکیدار کو گرفت میں لے چکے تھے۔

بابا صاحب نے گلو کو اندر دھکیلا تھا۔ بس اتنی مہلت حملہ آوروں کو کھینچ لائی تھی۔

"گولی چلانے سے پہلے اتنا ضرور سوچ لینا خان۔ مجھ تا خان ہمارے نشانے پر ہے ۔۔۔ ادھر تم گولی چلاؤ گے ہم چلائے گا"۔ بھالک پر کھڑے ہوئے وہ قامت "خان نما" نے دھمکی دی۔

"کون ہو تم لوگ"۔ تیمور علی خان نے پوچھا۔ "تمہاری کسی سے دشمنی نہیں"۔

بابا صاحب کا ایک پاؤں دروازے کی نچلی سیڑھی پر تھا اور دوسرا اوپری سیڑھی پر تھا۔ انہوں نے قہر آلود نظروں سے تیمور علی خان کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اس سے پاس سوال جواب کا ٹیم نہیں ہے خان۔ لڑکی اماری حوالے کرکے اپنا بچا ہوا سامان اٹھا لے جاؤ"۔ ان میں سے ایک نے ترشی سے کہا۔

"لڑکی — کون لڑکی"۔ اتنے اونچے گھرانے والوں کے ہاں سے اتنی اعلیٰ کھانا لڑکی کی طلب — ایک سکنڈ میں ذہن میں آ گیا۔

"زعفران ہاؤس — شہر بانو کی لڑکی —" فوراً جواب آیا۔

"کیا بک رہے ہیں یہ لوگ تیمور؟" بابا صاحب کہہ رہے۔ (اس قدر رنگت نکھری ہے اس لڑکی کا حسن تو)

"وہ ہماری لڑکی ہے تمہیں اس سے مطلب؟" وہ اپنی الجھن پر قابو پا کر بے رنگ انداز میں گویا ہوئے۔

"باسق (زیادتی) کرتا ہے تم اس کے ساتھ — اس کی ماں کا چار کوٹھی دے — وہ لیکن اسے اماں — اور کچھ آسائش (مذاق) نہیں دے تمہارے ساتھ اماں"۔

"دو منٹ میں لڑکی باہر لاؤ ورنہ خان کو گولی مجھے گا"۔ پھاٹک پر کھڑا بدھیبت (بیوقوف) چلایا۔

"کیا بک رہے ہیں یہ لوگ تیمور؟" بابا صاحب غضب ناک ہوئے۔

"زعفران ہاؤس کو لینے آئے ہیں"۔ تیمور علی خان نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔

"مگر کیوں؟" ان کی عقل کیسے ہوئی کہ وہ حویلی کی کسی لڑکی کا نام اپنی زبان پر لائیں۔ خواہ وہ ہماری اولاد ہو یا نوکرانی — دونوں حویلی کی عزت ہیں"۔

بابا صاحب غصے سے بھاگ اٹھنے لگے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خاتمہ کر دیں۔

"ویسے نہیں کرو خان — لیم نہیں ہے"۔ ایک غلطے نے خشونت بھرے انداز میں کہا۔

"بابا صاحب — نہیں — آپ اسے باہر نہیں لائیں گے"۔ تیمور علی خان بابا کے خطرناک ارادے بھانپ رہے تھے۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ اماں تا بس گھنٹے دیتا ہے۔ خان کو ساتھ لے جا رہا ہے — لڑکی کو اس کے گھر پہنچاؤ — اسے ساتھ لے جائیے۔ ابھی خون خرابہ کرنے کا آرڈر نہیں ہے۔ اگر دو دن میں لڑکی نہیں پہنچا تو ہم بڑی عزت کے ساتھ خان کا ہاتھ اور چوڑا جائیے۔ اب کچھ بولنے کا نہیں۔ چلو خان"۔

ان میں سے ایک نے اپنی بات مکمل کر کے تیمور علی خان کو آگے دھکیلا۔

صفریہ ہال کمرے کی کھڑکی سے ناک لگائے باہر کی کارروائی بغور دیکھ رہی تھی اور تھر تھر کانپ رہی تھی۔ گمان یہی غالب تھا کہ بس بابا صاحب اب بلوانے ہی والے ہیں۔

مگر باہر کا بدلتا منظر دیکھ کر جانے کیا ہوا۔ باہر کی جانب سرپٹ دوڑی۔

"رکو — رکو — تیمور — خان کو چھوڑو — میں چل رہی ہوں تمہارے ساتھ"۔

بابا صاحب کیلئے یہ اچانک افتاد تھی۔ وہ سنبھلنے بھی نہ پائے کہ وہ پھاٹک پر پہنچ گئی۔ اسے یہ بھی نہ پتا کہ وہ کوئی اگلا قدم اٹھانے کے بعد وہ دشمنوں کی گرفت میں تھی۔

جب تک جیپ اسٹارٹ نہیں ہو گئی انہوں نے تیمور علی خان کو نہیں چھوڑا۔ بابا صاحب گن اٹھانے کے بعد ہی رکے۔ جیپ دھیرے سے آگے بڑھی۔ دونوں غلطے تیمور علی خان کو چھوڑ کر پیچھے جیپ میں کود گئے۔

تیمور علی خان ہونٹ کاٹتے ہوئے اصول ارائی جیپ کو دیکھتے رہے۔ پھر اچانک ہی وہ اپنی سمت سے دوڑتے ہوئے چوکیدار کو ساتھ لئے اس کی کوٹھری کی طرف جا رہے تھے۔ وہ جا رہے تھے یا اڑا لائے جا رہے تھے۔

بابا صاحب کو کچھ حیرت اور دلچسپی ہوئی اس واقعے سے مگر چوکیدار کی جان چلے جانے سے اس کے بعد کچھ نہیں تھا۔

پکڑ کھیلنے والے اس طرح کے معاملات بہت آسانی سے نمٹا لیتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں وہ ہتھیار تھا جو شہادت کو ناکارہ کر دیتا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے کس طرح کرنا ہے۔

"خان — اس بے وقوف کا بھی ساتھ لے جاؤ۔ بہت ایذا کرے گا"۔ بابا صاحب نے تکلیف پہنچاتے ہوئے بھی دل سوزی کر کے کہا تھا۔

وہ دونوں خاموش رہے جیسے انہوں نے کہا ہی نہیں۔

خواتین اندر آیت کا ورد کر رہی تھیں۔

"یا اللہ — کیسی نامعلوم ہے — پتا تو کرا کہ تیمور اور تمہارے بابا صاحب کہاں ہیں۔ آج اتنی دیر ہو گئی ہے۔ ہمارے کماری محل کہہ رہی ہے حویلی کے سارے لوگ آج کل رسیوں پر ہوتے ہیں۔ مگر یہ تو صرف تیمور اور تمہارے بابا صاحب کی تھے۔ قصیر اور صبیر تو شہر کی طرف گئے ہوئے ہیں"۔

اماں جی کے دل میں تو جیسے پھپھولے پڑ رہے تھے۔

"تو آپ مردانے میں کہلا کس کیلئے کھانا کو کہہ رہی تھیں؟" زنیرہ نے پوچھا۔

"تمہارے بابا صاحب تو وقت پر کھانے ہیں قصیر اور صبیر بھی کہہ کر گئے تھے کہ وہ کھانے کے وقت تک واپس آ جائیں گے۔ پھر تیمور بھی سامنے جا رہا تھا اس لئے کہہ رہی تھی"۔

اسی دم ماہا بی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کا چہرا ستا ہوا تھا۔

"اماں جی — بابا صاحب آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں"۔ اس نے پیغام دیا۔

"تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے پیغام نظر انداز کر کے فوراً فرصت میں ملنے کی بابت دریافت کیا۔

"خان بھی دکھائی نہیں دیا"۔ ماہا نے جواب دیا۔

"اماں جی — آپ جائیں تو سہی۔ پتا نہیں بابا صاحب نے آپ کو کیوں بلایا ہے؟"

"غلطے" کے فوراً بعد اماں جی کی طبیعت بڑی متلی خیز تھی۔ فطری طور پر سب ہی کو تجسس تھا کہ اب سے کچھ دیر پیشتر ہونے والے واقعے کا بھید کیا ہے؟

"ٹھیک ہے تو بہو اماں جی —" اماں جی کی چھٹی حس جیسے چارج ہو چکی تھی۔

"یہ ہوا آنے ابھی تک نہیں آئی بخاری کے ہاں سے؟" انہوں نے ماہا کے ساتھ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں آئی"۔ بابا نے اسی سابقہ انداز میں جواب دیا۔

"تو — اندھیرا ہو گیا اس کی باتیں ختم نہیں ہوتیں — بابا مجھے پتا چلا کہ گولیاں کون چلا رہا تھا؟"

"پتا نہیں اماں جی"۔ بابا کا جواب مصلحت آمیز تھا۔

"توبہ — میری تو جان نکل گئی۔ سیدھی سی بات ہے مجھے اپنے بچے کی فکر مار رہی تھی کہ ارے ہوش کے ناخن لو۔ شکر ہے میرے رب کا میرا بچہ محفوظ ہے۔ یا اللہ کل کی خیر ہو"۔ وہ دعائیں مانگتے ہوئے بابا صاحب کے کمرے میں داخل ہو گئیں۔

"آؤ نیسہ کی ماں"۔ بابا صاحب کاغذ سے نگاہ کر بیٹھے۔

"خیریت تو ہے"۔ اماں جی نے پرتشویش نظروں سے وارفتہ باپ بیٹے کی طرف دیکھا۔

"یہ کون گولیاں چلا رہا تھا۔ میرے تو ہاں ابھی تک غلطے پڑے ہیں"۔

اماں جی تیمور کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔ کمرے میں ایک محسوس کیا جانے والا سحر خیز سناٹا حاوی تھا۔ فضا میں ایک عجیب سا غیر معمولی پن چھایا ہوا تھا۔

"یہ جان بالو کس حوالے سے تعلق رکھتی ہے؟" بابا صاحب نے وہ سوال کیا جو اماں جی کے دماغ میں ہو سکتا تھا۔

وہ بری طرح چونک گئیں۔

"خیریت؟" سوال آنے کی دیر تھی۔ "اسی کے گاؤں سے تعلق ہے"۔ ان کے دل میں عجیب وغریب کچوکے لگنے لگی۔

"سوال آنے کہ مر رہے ہو؟ سے بڑا ہیں"۔ بابا صاحب کا لہجہ تعلی سے عاری تھا۔

"آپ مجھ سے پوچھیں جو پوچھنا ہے۔ مجھے سب پتا ہے"۔ وہ بے حد پریشان ہو گئیں۔

"کیا پتا ہے؟ کیا آپ کو یہ بھی پتا ہے کہ اس کا کسی شوہر نامدار عورت سے کوئی تعلق ہے؟" ان کی انداز تھا۔

"جی — پتا ہے"۔ وہ مجرموں کے سے انداز میں بولیں۔

تیمور علی خان نے چونک کر ماں کی شکل دیکھی۔ خان دادا اور جی خان بھی الجھے۔

"ہاں کہتی ہے وہ جان بالو کی"۔ وہ بہت آہستہ آواز میں گویا ہوئیں۔

"تو کیا ہیں اس طرح بیٹیوں کو لفظوں سے اچھالتی ہیں؟" ان کے انداز میں محسوس کی جانے والی ناگواری تھی۔

"ہیں؟" اماں جی دل کر رہ گئیں۔ "تک کہاں ہے جان بالو؟"

"وہ گولیاں اسی لئے چل رہی تھیں اماں جی"۔ تیمور نے بہت تحمل بھری آواز میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"تک — کیا مطلب؟" اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑنے لگا۔

"لے گئے ہیں وہ اسے"۔ تیمور علی خان نے مختصر کہا۔

"ارے میرے اللہ"۔ اماں جی نے سر پیٹ لینے والی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کی۔ "آپ لوگوں کے ہوتے ہوئے کسی نے جرأت سے لوہا لینے کی صورت دیکھی۔

"یہاں سے نکلنے کے بعد پہلے تو صدف بائی کے اپنے بیٹے کی جان کا خطرہ ہے۔ خطرہ ہے زندہ سلامت آپ کے سامنے ہے۔ آپ اپنے علاقہ پر سے بہادری کے کارنامے انجام دیتے۔ انسان کو کسی معاملے میں بالکل ہی اندھا نہیں ہونا چاہئے۔ وقت جہاں طرف سے اطمینان کر لینا چاہیے۔ آپ نے ہمیں اندھیرے میں رکھ کر اچھا نہیں کیا۔ اگر آپ کے بیٹے کو کچھ ہو جاتا تو؟"

"خان دادا جی خان کے انداز سے خفا خفا سی لگ رہی تھی۔

"خدا نہ کرے — وہ بھی ہے آسرا بچی ہے"۔ وہ سر پر دوپٹہ سنبھالتے ہوئے نظریں جھکا کر انگلی سے گر یہ ہوئیں۔

"ہمیں تو پہلی سے ابھی تک اکھوں انسان مسائل سے دوچار ہیں۔ کیا ہم پر تمام لوگوں کی امداد فرض ہے؟"

"ہمیں اس بات سے الجھن ہے کہ یہ اقتدار سے ہوا تک کیوں؟ اس کی سرا سر امداد فرض آپ پر آتی ہے"۔ بابا صاحب کا لہجہ سوال کرتا ہوا تھا۔

"جب آپ نے اسے عربی میں رہنے کی اجازت دی تو کیا آپ اس کے تمام حالات سے باخبر تھیں؟" انہوں نے بیٹوں کے نرم اور پریشان چہرے پر ایک اچٹتی سی نگاہ کی۔

"پہلے تو نہیں تھی باخبر — البتہ بعد میں سب کو معلوم ہو گیا تھا"۔ وہ دھیرے سے گویا ہوئیں۔

"کیا کیا معلوم ہوا بعد میں؟" خان صاحب کی مجبوری تھی کہ وہ اس سادہ مزاج اور بھلی عورت کے سامنے تحمل کر ہر اخلاقی کا اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے۔

اماں جی نے تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"بیٹے؟ تم تو وہاں اپنے بابا صاحب کو"۔ وہ جھجکیں سے کہہ رہی تھیں۔

"لیکن اماں جی — مجھے بھی تو صرف اتنا پتہ ہے کہ وہ شوہر نامدار کی بیٹی ہے اور بس"۔ تیمور علی خان نے انہیں تسلی دینا چاہا تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"جانے دیجئے اب اس قصے کو — وہ بدنصیب تو اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اب ان باتوں سے کیا حاصل؟ ہائے — اس کی تو عمر بھی بہت کم ہے۔ اس پر بے حد رحم ہے۔ اللہ اسے امان دے"۔

"ہائے — آپ دونوں کے سامنے وہ اسے لے گئے؟ — ایسی بزدل بیٹی میں دودھ بخشنے والی — کیا حال ہوا ہو گا اس کا — کیا کھاتی ہے وہ عورت؟ — کیسا چھر دل ہے اس کا"۔ اماں جی کی آواز بھر آئی۔

"ہائے — لڑکیوں کو کتنا دکھ ہو گا۔ کتنا پیار کرنے لگی تھیں سب اس سے — کم از کم اس بے حیائی کی زندگی سے تو بچ جاتی"۔ اماں جی پہنے آنسو پونچھنے لگیں۔

"تیمور! جاؤ بیٹے تم اپنا کام کرو۔ اب کیا ہو سکتا ہے"۔ بابا صاحب نے کہا۔

تیمور کسی گہری سوچ میں ڈوبے تھے۔ بابا کو ہولے سے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

"آپ ادھر آ کر میرے پاس بیٹھیں"۔ بابا صاحب نے اماں جی کو اپنے پاس بلایا۔ وہ ان کی بات سے پہلی بار ان کے ایک کونے پر بیٹھ گئیں۔

"یہ صدیوں سے زیادہ مضبوط ہے جہاں آپ کی بہترین خوبی ہے، وہاں آپ ہی کے حق میں وبال بھی ہے۔ فرمانبرداری اچھی تو ہوتی ہے لیکن یوں بھی نہیں ہونا چاہیے کہ انسان اصول سے ہی ہٹ جائے۔ اگر ہمیں آپ سب کچھ بتا دیتیں تو ہم کبھی اتنا بڑا دھوکا نہ کھاتے"۔

"بس غلطی ہو گئی — مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ سب بھی ہو سکتا ہے"۔ وہ جیسے جرم کا اقرار کر رہی تھیں۔

"کیا آپ کچھ نہیں کر سکتے اس کیلئے؟" انہوں نے پر طلب نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔

"غیروں کے ساتھ معاملہ ہو تو بہت کچھ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن بقول آپ کے یہ حرکت تو اس کی اپنی ماں کی ہے۔ ہم عدالت میں کس منہ سے جائیں گے۔ چار کوٹھیوں کی مالک عورت اپنے ہاتھ ہی چلا رہی تھی، بھی جانتی ہو گی"۔

وہ جیسے کچھ سوچتے ہوئے بول رہے تھے۔

اماں جی نے چونک کر خان صاحب کی شکل دیکھی۔

"چار کوٹھیوں کی مالک....؟" آپ کو کس نے بتایا؟" وہ متعجب تھیں۔

"وہی جو اسے لینے آئے تھے انہی کے منہ سے سنا ہے"۔

"اتنی باتیں بھی ہو گئیں آپ سے؟" ان کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔

بابا صاحب نے اپنی سیدھی سادی بیوی کو ایک تاسف کیلئے نظر دیکھا۔

"کیا خاندان ہے سولہ آنے کا؟"

اماں جی کا دل بڑے زور سے دھڑکا — انتظار ہی انداز میں دوپٹہ درست کرنے لگیں۔ مزید کچھ سننے کا حوصلہ نہیں تھا۔

"وہ سولہ آنے کی نہیں بیسیوں ہے۔ اس کی نانی سے سولہ آنے کے خاندان کا منہ بولا بہنا پاچل رہا تھا۔ سکوں کی طرح ایک دوسرے کے ہیں مدتوں سے"۔ وہ جیسے لہجے میں تاریخی تھیں۔ "پاکستان بننے سے پہلے کے تعلقات ہیں ان کے"۔

"کیا یہ لڑکی ان لوگوں سے تعلق رکھتی ہے جہاں صرف "نانیاں ہوتی ہیں" "دادیوں" کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہوتا؟" بابا صاحب نے گہری نگاہ ان کے چہرے پر جما دی۔

"زبیدہ کے باپ نے اس کی ماں سے نکاح کیا تھا"۔ اماں جی نے زبیدہ بالو کی سماکہ بحال کرنے کی کوشش کی۔

"آپ کے پاس امانت رکھا ہے اس کی ماں کا نکاح نامہ؟" بابا صاحب کا موڈ آف ہو گیا۔ انہیں پکا فراڈ لگا تھا۔ عقل مند لوگ عقل کی بات کا اعتبار کر لیتے ہیں۔

اماں جی ایک لمحے کو خاموش ہو کر رہ گئیں۔

"آپ کو تمام باتوں کا کیونکر علم نہیں ہے اس لئے آپ اس طرح کی باتیں کر سکتے ہیں"۔ اماں جی نے حقیقت پسندانہ انداز اختیار کیا۔ انہیں کیونکر علم تھا کہ خان صاحب آسانی سے مطمئن نہیں ہوتے اس لئے وہ بھی کہہ سکتی تھیں۔

"آپ کو آپ کیسی بات بتائیے آپ کو اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مگر اس بات سے آپ کیسی بھی طرح کا فائدہ نہیں اٹھا سکتے"۔ وہ برہم ہو گئے۔

"عورت کو شوہر کے ساتھ چلنا چاہیے ہوتے ہیں۔ سب کچھ ہی ہوتا ہے"۔ انہوں نے بابا صاحب کے غصے کی نے سے نکالا۔

"بچے بھی بہت بڑی ذمہ داری ہوتے ہیں۔ بڑے کام ہوتے ہیں کہ اتنی سے" بابا صاحب نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

"اتنے بڑے کنبے کی ذمہ داری کا خیال رکھنے والی آپ بھی اپنے سوا کسی کو نہیں سمجھتی تھیں؟" وہ جیسے ان کی کوتاہی کی نشاندہی کر رہے تھے۔

"آپ کیسے اپنے کام دھندے میں مصروف رہتے ہیں۔ اسے مصروف رہتے ہیں کہ مجھے آپ کی صحت کے خیال سے بے حال ہوتا ہے۔ ماں کو اسی لئے کہتی رہتی ہوں کہ کھانا بڑے خان کی مرضی کا پکایا کرے۔ اب بے چاروں کو کھانا بھی تو کھانا ہوتا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ بڑے بڑے کام ہوتے ہیں۔ بادشاہ مطلق بیٹے ہوتے ہیں۔ جاگیر کے کام ہوتے ہیں۔ آپ نے بھی تو بڑی بھولی عمر میں یہ سب کچھ سنبھالا تھا"۔

وہ سادگی سے کہہ رہی تھیں اور ان کی نیک نیتی میں ان کے چہرے پر نور بکھر رہا تھا۔

خان صاحب کا سارا غصہ "ساری" کی نذر ہو چکا تھا۔

"آپ نے زمانے کے ہزار رنگ دیکھے مگر کوئی اثر نہیں ہے۔ آپ تو بالکل ہی دنیا اور نیرنگی ہیں"۔ بابا صاحب کو ان کے سیدھے پن کی ایک ایک ادا پیار آنے لگی۔

اماں جی قدرے شرما گئیں۔

"مجھے اس بچی کا دھیان آ رہا ہے"۔ انہوں نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

"ہاں تو آپ تاریخی تھیں اس کی کہانی — بتائیے کہ ہمیں بھی پتا چلے انداز ہو کہ کون کتنا پانی گیا آپ کو —؟"

"سولہ آنے مجھ سے جھوٹ نہیں بولتی۔ کیا میں اسے جانتی نہیں۔ چار دن کا ساتھ تو نہیں ہے ہمارا اس کا — اس کا کیا لالچ ہے اس بچی سے آ رہنے کو گھر ہے، روٹی، کپڑا، پان، پھل، سب اسے ملا ہوا ہے"۔

"بات دراصل یہ ہے"۔ اماں جی نے خالہ سولہ آنے کی وکیل صفائی کا کردار ادا کرنے کے فوراً بعد حقیقت بیانی شروع کر دی۔

"ماں — اماں جی کہاں ہیں؟" نرگس نے لان میں آ کر پوچھا۔

"بڑے خان نے بلایا تھا، اس وہیں ہیں"۔ ماما کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

"کیا تیور "سراسے" چلے گئے؟" وہ جاتے جاتے پھر پلٹیں۔

"نہیں چھوٹے خان بھی اپنے کمرے میں ہیں"۔ ماما نے جھاڑ دیا۔

"جی ہاں — ایسے تو بڑی جلدی ہو رہی تھی۔ یہ مطربہ بھی اسی کی وجہ سے نظر نہیں آئی۔ کچھ پتا چلا ماما؟ یہ کار کس کی تھی؟"

"چھوٹے خان سے پوچھیں بی بی جان"۔ ماما نے بیزار سے لہجے میں جواب دیا۔

نرگس واقعی طور پر اتنی منتظر تھیں کہ وہ ماما کے غیر معمولی انداز پر دھیان نہ دے سکیں۔ اور سوچتے ہوئے انداز میں کمرے میں جانے کیلئے راہ داری کی طرف بڑھیں۔ کمرے کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر وہ چاہت آہستہ سے دستک دی۔

"ہوں — کون ہے؟" تیمور علی خان کے انداز میں جھلاہٹ تھی۔ نرگس نے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں۔

"آپ — آپ آئے آپا"۔ تیمور بستر پر نیم دراز سر کے نیچے ہاتھوں کا تکیہ بنائے جانے کس خیال میں گم تھے۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"سوئے نہیں؟" وہ نرگس کی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"کہاں؟" وہ گم صم انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"سرائے — اور کہاں؟ کہاں تو تم پر سفر سوار تھا کہ کہنا بھی نہیں کہا رہے تھے"۔

"ہوں — ہیں — ویسے اتنی سوئی نہیں بن رہا اب"۔ وہ نظریں چرا کر گویا ہوئے۔

"یہ فائرنگ کیسی تھی تیمور؟ وہ ادھر ساری خواتین ابھی تک سہمی بیٹھی ہیں"۔

وہ جانے کیوں اٹک گئی تھیں۔ اس پر سے تیمور کا روکھا پھیکا رویہ۔ کچھ گم صم سا نظر آتا۔ ان کے بے اختیار تجسس کو ہوا دے رہا تھا۔

"ایک حادثہ ہو گیا ہے آپا۔ حیرت ہے آپ ابھی تک بے خبر ہیں۔ کسی ملازم نے بھی نہیں بتایا"۔ وہ بہت آہستہ سے بات کر رہے تھے۔

"کیا؟ کیسا حادثہ؟" وہ ڈر کر بھائی کی صورت دیکھنے لگیں۔

"مطربہ کو اس کی ماں کے "کارندے" اٹھا کر لے گئے ہیں"۔ انہوں نے گویا دھماکہ کیا۔

"ہیں — اس کی ماں کے کارندے؟ کیا کہہ رہے ہو؟ اس کی کوئی ماں واں نہیں ہے"۔ انہیں تیمور کی ذہنی حالت پر افسوس ہوا۔

"آپ کو دراصل حقیقت حال کا علم نہیں ہے۔ اس لئے آپ ایسا کہہ رہی ہیں۔ اس کی ماں بھی ہے اور جیتا جاگتا ہے کوئے میں باپ بھی ہوگا"۔ وہ پرسکون انداز میں ان کی معلومات میں اضافہ کر رہے تھے۔

"پتا نہیں کہاں سے سن کر آ رہے ہو۔ خالہ سوا آئے کبھی بھی ہم میں سے کسی کے ساتھ اظہار نہیں کرتی"۔ نرگس کو طور مانے کو تیار نہ ہوئیں۔

"ہو سکتا ہے انہوں نے اماں جی کو بتایا ہو اور آپ سب سے چھپایا ہو۔ اماں جی عالباً اس قسم کا امر دوسرے صاحب کے کمرے میں۔ وہاں سے آئیں تو پوچھ لیجئے گا"۔ تیمور نے بیزار انداز میں کہا۔

"ایک بے ماں کی ماں کو اس طرح سے لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ [illegible] لے جاتی تو کون سا اماں جی اسے روک لیتیں؟" نرگس کی الجھن کسی طرح کم نہیں ہوئی۔

"وہ تو سیدھے طریقے سے لینے آئی تھی مگر ہم نے اور وہ ملازمہ نے اس کے بارے میں [illegible]"۔

"آپ لوگ ملے ہیں اس سے؟ کب؟ کہاں؟" نرگس سر سے پاؤں تک مستعد ہو گئیں۔

"یہیں — حویلی میں — آئی تھی وہ"۔ تیمور نے جواب دیا۔

"تو ہمیں کیوں نہیں بلوایا؟ ہم بھی تو دیکھتے، ایسی کیسی ہے؟" نرگس کے انداز میں اشتیاق تھا۔

"ایسی اس علاقے کی عورتیں ہوتی ہیں"۔ تیمور علی خان نے بہن سے نظریں چرائیں۔

"کس علاقے کی؟" نرگس کی سوئی وہاں تک نہیں پہنچ سکی تھی جس طرف تیمور علی خان اشارہ کر رہے تھے۔

"آپ نے اس کے گیت سنے ہیں۔ کیسی آواز ہے اس کی؟" انہوں نے سوال کر دیا۔

"اف — بہت خوبصورت آواز ہے۔ میں تو سن کر حیران رہ گئی تھی۔ [illegible] لے کر آئے۔ تو ہمیں بھی سنوائے"۔ وہ مسکرائیں بے ساختہ۔

"اس کی ماں کر رہی ہے لاکھوں کھرے"۔ تیمور علی خان نے بے ساختہ کہا۔

نرگس یک دم سناٹے میں آ گئیں۔

"تیمور"۔

"جی — امید ہے آپ سمجھ گئی ہوں گی"۔

"ہوں — کچھ کچھ سمجھی ہوں — کچھ نہیں۔ اس کی نانی تو خالہ سوا آنے کی بھانجی ہے۔ اور خالہ سوا تو ہمارے ہاں تک "بے سر" تھیں۔ اس علاقے میں خالائیں تو ہو سکتی ہیں مگر بھوپھیاں نہیں"۔ وہ در حقیقت الجھ گئی تھیں۔

"لگتا ہے خالہ اماں جی کو سب کچھ بتا چکی ہیں۔ اماں جی کو سب معلوم ہے۔ جو یہ معلومات ان ہی سے مل سکتی ہیں آپ کو"۔ تیمور نے انہیں الجھن سے نکالنے کی کوشش کی۔

"وہ اسے زبردستی مطربہ سوا لے کر گئی ہے۔ جب کہ مطربہ اس کے ساتھ جانے سے انکار کر چکی تھی"۔ تیمور گویا ہوئے۔

"پتا نہیں — ان عورتوں کا بھروسا کیوں نہیں۔ کتنا ہی لے گی؟ کتنا کمائے گی؟ کون سا خاندان بنا کر بیٹھی ہے کہ اولاد کی فکر میں کمار رہی ہو۔ ق ق۔ یہ مطربہ تو بہت معصوم بہت ہی بیوقوف ہے۔ بڑی زیادتی ہو گئی اس کے ساتھ تو"۔ نرگس بہت سے ملال سنانے لگے۔

"اگر وہ ان کا کہا نہیں مانے گی تو اور سختیت۔ یہ لالچی اور حریص قوم۔ یہ لوگ تو نمک بھی بہت زیادہ کرتے ہیں۔ ایسی بھول بھی نہ کرے گی۔ کم بخت کو ابھی ہوش بھی تو نہیں آیا۔ تیمور! کچھ ہو نہیں سکتا؟ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے خواہ مخواہ"۔ نرگس بے اطمینان ہو گئیں۔

"ماں بیٹی کا معاملہ ہوتا تو بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ اب تو مشکل ہے"۔ تیمور نے مایوس کن لہجے میں اظہار خیال کیا۔

"ہائے — تیمور یہ تو بہت ہی برا ہوا۔ ہے نا"۔

"اب کیا بھی کیا جا سکتا ہے؟" وہ عام سے انداز میں گویا ہوئے۔

"تو یہ — کہتا ڈرتی تھی تم سے۔ خدمت گزار کتنی تھی۔ آدھی رات ہو یا دن۔ ایک سا انداز خدا م کرنے کا۔ بچی ہوں۔ اماں کو دیکھتی ہوں۔ وہ تو یوں بھی دل پر لیے بیٹھی ہوں گی"۔ اب انہیں ماں کی فکر پڑ گئی۔

"کھانا کہیں بھجوا دوں؟" وہ دروازے کے قریب جا کر رک گئیں۔

"نہیں — صرف ایک گلاس دودھ بھجوا دیجیے گا۔ تھکن"۔ وہ بیڈ سے اتر کر باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے گویا ہوئے۔

تزئین باہر نکل گئیں۔

تیمور راہداری کے نزدیک پہنچ کر چند لمحے رک کے لیے پھر واپس پلٹ کر روشنی میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

چاند کے نزدیک ایستادہ ستارہ کی مدھم سی روشنی میں پورچ تک منظر واضح تھا۔

ایک لڑکی ننگے پاؤں دوڑتی ہوئی عجیب میں بیٹھ رہی تھی۔ بار بار اس منظر کی تکرار سے ان کا دماغ من ہونے لگا۔

وہ اس کا دیوانہ وار — لڑکھڑاتے خوف انداز — وہ دروازے سے ہٹ گئے۔

"اوہو — ہو — بچ گئے جانا۔ کوئی ذرا ادھر ادھر ہو جاتی۔ ہو گیا تھا تمہارا تو کام"۔ عارف چوکیدار سے خفگی رپورٹ وصول کر رہا تھا۔

"ام نیند تا تھیں۔ ادھر وہ بڑا خان آ گئی۔ ام ذرا ادھر سو رہتی۔ خفہ لوگ فائدہ اٹھا گئی۔ افسوس کا بات ہے بڑا خون ہو گئی۔ چوکری تو پھر بھی چلا گیا۔ چونا خان نشانے پر تھی وہ سام گھول لیتی۔ ابی ہم بوڑھا ہے پر ایسا ابی نہیں"۔ چوکیدار اپنی ساکھ بحال کرنے کی کوشش میں بولے چلا جا رہا تھا۔

"مگر جب بڑے خان گن اٹھائے ہوئے تھے تو لڑکی کیسے چلے گئی لالہ؟" عارف نے ٹوکا تھا۔

"بس وہ اندر سے بھاگتا ہوا آیا اور جیپ میں بیٹھ گیا"۔ چوکیدار نے بڑے معصومانہ انداز میں بتایا۔

"خوب ہی"۔ عارف کی حیرت بڑھ رہی تھی۔

"خوب ہی — ہو دیکھتا رہ گیا بس"۔ چوکیدار نے آنکھیں جھپکا کر کہا۔

"خان نے پوچھا نہیں کیا؟" عارف نے الجھ کر سوال کیا۔

"بڑا تیزی میں معاملہ ہوا۔ کچھ سمجھا ہی نہیں آیا"۔ چوکیدار نے سادگی سے جواب دیا۔

عارف چند ثانیے گم صم سا کھڑا کچھ سوچتا رہا۔

اسی دم وہ بڑی اپنے مخصوص گھاگھرے میں ملبوس سر پر لال کپڑا بندھے پھاٹک سے اندر داخل ہوئی۔

"وہ باہر بی امی خفا ہو آنے ہوں گی۔ انکی کھانا وانا آپ ہے"۔ وہ اسے دیکھ کر بے تاب ہو گئی۔ وہ بڑا بے چین تھا۔

چند لمحوں بعد سفید چادر میں لپٹی بھیگی خالہ باہر آتی دکھائی دیں۔ ان کے پیچھے سے اندر جاتی ہوئی تزئین دکھائی دیں۔

"ہاں بیٹے کیا بات ہے —؟" وہ قریب آ کر مٹھے مٹھے انداز میں بولیں۔

"میں نے سنا ہے نا؟"

"ٹھیک سنا ہے بچے۔ لوڈا کے نصیب پھوٹ گئے۔ کہا بات ہے ماں اللہ والی چھوان۔ ایک اس کا بیٹا ہوئی ہے بے غیرت بے ضمیر"۔ وہ رونے لگیں۔

"ارے میں تو تیری ماں کی خیر خبر پوچھنے آئی۔ کہاں سے باتیں کرنے لگ گئی۔ ادھر یہ سب ہو گیا"۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"اس کا کوئی اتا پتا نشانی تا ہیں۔ کچھ کرتا ہوں"۔ وہ بے حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"مگر بھتے"۔ خالہ نے بے اختیار اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"پرانے وقتوں کی طرح کوئی اپنا نشانی ہے۔ بے غیرتی سے دھندا کرتی ہے۔ تو سے دے سرکاری افسروں سے تعلق ہے۔ تو اس کے آگے کل کا بچہ — اللہ تیری ماں کا کلیجہ ٹھنڈا رکھے"۔ انہیں عارف بڑا بھروسے والا لگا تھا۔

ہوں بھی عظیم اکھ کے اندھیرے میں تلاش کا نشانے والے یوں محسوس ہوتے ہیں جیسے اندھیرے میں ستارے۔

"بجن خالہ — اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا تو اس کے ساتھ بہت زیادتی ہے"۔ وہ بہت فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔

"آپ سمجھے اس کی بہنی کا پتا دیں وہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گی"۔ وہ پھر گویا ہوا۔

"ہائے — اس کے پاس چلے بھی نہ جانا۔ قریب سنتے ہی دم دے دے گی۔ اس کی تو ساری عمر ہی ٹھانے لگ گئی"۔ خالہ نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"یہ تو پتا ہو گا کہ اس کی ماں سندھ، پنجاب، سرحد، بلوچستان چاروں صوبوں میں سے کس میں رہتی ہے"۔ اس کی سوچ میں خالہ کی باتوں سے کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔

خالہ نے عقیدت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"پہلے کیوں نہ کچھ پوچھا؟ تیرے ساتھ مل جاتی۔ پھر تو وہ حرام خور ساری زندگی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ ایسا ٹھیک بجھے گھنے کا شوقین۔ شکل صورت بھی بھلی"۔

عارف مسکرا کر اٹھا اور واپس پلٹ گیا۔ خالہ کی آنکھوں سے ایک تواتر سے آنسو بہنے لگے۔

"اماں جی — آپ نے ہم سے یہ سب کچھ کیوں چھپایا تھا؟" تزئین نے شکایت آمیز انداز میں کہا تھا۔

"اوہ میں نے کیا بات کی بات ہو گئی۔ کیا کسی کے دکھوں سے مرے جانا۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہوتی"۔

"سولہ آنے تو تم نے کہا ہے میں نے خان سے کہا ہے میں نے کہ کچھ کریں"۔ وہ انتہائی محظوظ ہو کر کہہ رہی تھیں۔

اماں جی نے سبزی بناتی ہوئی خالہ کو لب بستہ بیٹھے دیکھ کر کہا۔

"آہ — ہا — اماں جی — کھیل تو پورا ہو گیا۔ اب تو یہ خود کو مرجھا دینے والی باتیں ہیں۔ اس کے نصیب کی لڑائی میں ہمارا آپ کا کیا دخل؟" خالہ نے فلسفی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھا۔

"نہ — مایوس نہیں ہوتے۔ اللہ کے پاس ہر مشکل کا حل ہے۔ مشکل تو انسانوں کیلئے ہوتی ہے۔ بس دعا کرو۔ اللہ پاک اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین"۔ اماں جی کی فطرت میں مایوسی کا عنصر کبھی بھی نہیں آ پاتا تھا۔

"ایک عورت ہی تو ہے خالہ۔ کیا کر سکتی ہے۔ ٹھیک ہے اس نے اپنا سارا زور دکھا دیا ہے اب صبر ابا صاحب کو کریں گے تو ظاہر ہے کچھ اچھا ہی بندوبست کریں گے"۔

تزئین نے بھی انہیں مایوسی سے نکالنے کی کوشش کی۔

"وہ عورت بہت پہنچی ہوئی ہے۔ بڑے بڑے لوگوں سے سلام لیتی ہے اپنے جھوتے پر"۔ وہ تلخی سے مسکرائیں۔

"کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو سولہ۔ لاحول ولا۔ اللہ سے بڑا تو نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ کسی کی مدد کرے تو کوئی روک سکے گا اسے۔ بڑی بات اللہ پر بھروسہ رکھو تو نے رات بھی کھانا نہیں کھایا۔ کچھ کھا پی لے"۔

اماں جی کا دل ان کی حالت پر پگھلے جا رہا تھا۔

"بھوک ہی نہیں لگ رہی۔ نہ نیند آ رہی ہے۔ جیسے سکتہ سا ہو گیا ہے۔ میرا تو سوچنے کی بھی نہیں اب کہ اس کی ہمت کو داد دوں کہ میرا آبدار موتی"۔ ان کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

"آپا — وہ میرا بلیو سوٹ کیس ہے ناں — اس کا لاک خراب ہو گیا ہے۔ کوئی اچھا سا سوٹ کیس ہو گر میرا تو خالہ دیں پلیز"۔

تیمور علی خان دالان میں داخل ہو کر تزئین سے مخاطب ہوئے۔

"ابھی تو چار پانچ روز ہیں تمہاری روانگی میں — اتنی جلدی پیکنگ شروع کر دی"۔ تزئین نے تعجب سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"اس دوران جو کچھ یاد آتا رہے گا' دور رکھتا رہوں گا۔ کسی چیز کے مس پلیس ہونے کا خطرہ تو نہیں رہے گا۔ پھر بھی بہت کوفت ہوتی ہے"۔

"تمہارے بابا صاحب کے کمرے میں دو تین سوٹ کیس ہیں۔ بہت خوبصورت ہیں۔ اوپر سے بڑے ہیں اتنا بھی سے کوئی لے لو"۔

"کہاں جا رہے ہو اس وقت؟" تیمور علی خان قُل ہو اللہ کہے ہوئے تھے اس لئے اماں جی نے پوچھا۔

"ایک دوست کے ہاں — بہت ضروری بلایا ہے"۔ انہوں نے سرسری نگاہ خالہ پر ڈال کر جواب دیا۔

"بہت تھوڑے ان رہ گئے ہیں تمہارے جانے میں۔ زیادہ سے زیادہ میرے پاس بیٹھا کرو۔ [illegible] بھر سب جانے پھر ہاں کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہ ہو گی"۔

"اماں جی — ایسی باتیں نہیں کرتے' جہاں ہم پڑھتے ہیں ہاں وہاں ہوسٹل کے کمرے کے آگے حصے ہیں پڑھنے کیلئے۔ اور ان سب کی مائیں ہیں۔ بڑی خوشی میں جدائی برداشت کرتی ہیں کہ ان کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ہم تو مرد ہیں اماں جی' وہاں تو دوسرے شہروں سے لڑکیاں آتی ہوتی ہیں پڑھنے کیلئے۔ وہاں وہ بہت فرق پڑتا ہے۔ ہمیں اداسی کا احساس ہی نہیں ہوتا"۔ تیمور نے تزئین کی طرف دیکھ کر جملہ مکمل بھی کر ڈالا۔

"ایک تو مشہور انڈین ایکٹریس کی بیٹی ہے۔ دوسرا ہوائن ہے۔ لڑکا انگلش بھی ہے۔ فرنچ بھی۔ کسی اور لڑکی میں ہوتی ہے اس کی ماں۔ دیکھیں اماں جی' وہ بھی تو ماں ہے"۔

"بیٹا تمہیں کیا ضرورت ہے لڑکیوں کو سہیلیاں بنانے کی۔ لڑکے ہوسٹلیں پڑتے ہیں؟"

اماں جی کو یہ لڑکیوں کے ساتھ دوستی کی بات بالکل نہ بھائی۔

"اماں جی' دوست سہیلیاں تو بس خود بخود بن جاتے ہیں۔ اچھا ہم چلتے ہیں' دیر ہو جائے گی"۔ وہ بیٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر ماں کے پلنگ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹے — وہ اپنے بابا صاحب پر بڑا جادو جگا گئی۔ دیکھو خالہ کا کیا حال ہو گیا ہے' نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے' نہ سوتی ہے"۔ اماں جی کو پتہ تھا بابا صاحب ان کی بہت سنتے ہیں۔ تیمور علی خان نے بائیں ابرو اچکا کر کن انکھیوں سے خالہ کی سمت دیکھا۔

"کیا ہم بھی آپ سے وہیں جملہ کہیں جو سب کہہ رہے ہیں کہ" فکر نہ کریں" دیکھئے وہ اس حویلی میں کام کرتی تھی' سب اس سے خوش تھے۔ اس کی خدمات کے صلے میں اس کا حق بنتا ہے ناں کہ اس کیلئے کچھ کیا جائے"۔ تیمور علی خان کے انداز میں ان کا قبائلی وقار جھلک رہا تھا۔

خالہ نے گہری سانس بھری اور چوکی سے اٹھ کر تیمور علی خان کے ہاتھ تھام کر چوم لئے۔ ان کی آنکھوں سے چند قطرے بھی تیمور علی خان کے ہاتھوں پر ٹپک گئے تھے۔ سب نے خالہ کو تسلی دی تھی مگر ایسا مضبوط دلاسا کہیں سے نہیں آیا تھا۔

"اتنی خوشیاں اسے رب اللہ لعین آپ کو کہ آپ سے سنبھل نہ جائیں"۔

"آمین"۔ اماں جی نے بے ساختہ کہا۔

"کتنی دعائیں دیتی ہے تو سولہ آنے میرے بچوں کو — تو نے تو خرید لیا ہے مجھے"۔ اماں جی نہال نظر آئیں۔

"ہائے نہیں اماں جی۔ آپ کے پیر کی جوتی ہوں"۔ خالہ نے آنکھیں پونچھیں۔

تیمور علی خان صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"ابھی — تیمور اور بابا صاحب کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا گھر میں؟" یاور علی خان سفری جھکن اتار کر سو کر فارغ ہوئے تو

نازنین نے انہیں مطمئن کیا۔ وہ ایک دم غصے پریشان نظر آنے لگے۔

"لیکن وہ لوگ چوکیدار، بابا صاحب اور تیمور کے اندر آتے ہوئے اندر کیسے آ گئے؟ صرف صدر دروازے کی طرف تین سو (بندوقیں) لگی ہوئی ہیں۔ اور ہر گزرنے والے نے پہلے وہیں سے گزرنا ہوتا ہے۔ اس ہر گیٹ پر ہو بو گزرتی ہیں۔ اتنی وہ وہ گن مین سے الجھے ہوں گے۔ اتنی وہ وہ اندر موجود لوگوں کیلئے کافی تھی۔ جب کہ تیمور اور بابا صاحب تو باہر ہی رہے تھے۔"

یاور علی خان کو اس سچوئیشن پر سخت الجھن ہو رہی تھی۔

"چوکیدار سے چاروں تو جلد ہی زخمی ہو گیا تھا"۔ نازنین نے تاسف سے کہا۔

"تو کیا وہ بابا صاحب اور تیمور کو قابو کر کے اندر گھس گئے تھے؟" یاور علی خان درحقیقت بہت فکرمند نظر آ رہے تھے۔ اس معصوم سی لڑکی کے ساتھ ہونے والی واردات انہیں بھی بہت دکھ گئی تھی۔

"وہ اندر نہیں آئے۔ مطربہ خود بھاگ کر ان کی بیپ میں بیٹھ گئی تھی"۔ نازنین نے کہا۔

"یار ——"۔ یاور علی خان نے بے بسی سے نازنین کی طرف یوں دیکھا۔ گویا اس کی ذہنی صحت پر شبہ ہو۔

"پوری بات تو سنیں —— یہ اپنی شیطان —— گھوکی بچی اس طرف آ نکلی تھی۔ اس نے شور کر دیا۔ بس اتنی سی بھنک سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے تیمور پر قابو پا لیا۔ بابا صاحب بھی کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ لوگ تیمور کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔ بس شاید اس وجہ سے مطربہ خود ہی باہر آ گئی۔ بہت ہی تنگ حال لگی اس نے سوچا ہوگا۔ کیوں اپنی وجہ سے بالکوں کو نقصان پہنچائے۔ ایسی بزدل دکھائی دیتی تھی۔ مگر حیران کر گئی"۔

نازنین نے چائے تیار کر کے یاور علی خان کے سامنے رکھی۔

"وہ جذبہ بہت ہی طاقتور ہوتا ہے جو دوسروں یا کسی کی خاطر جان کی بازی لگانے پر آمادہ کرتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

یاور علی خان نے بیوی کی سمت تائید طلب نظروں سے دیکھا۔

"وہ بیوقوف ضرور ہے۔ میرا خیال ہے مگر اتنی بھی نہیں —— آپ نے اتنی بڑی بات کس بنیاد پر کہہ دی"۔ نازنین نے الجھ کر پوچھا۔

"اتنی ڈرپوک سی لڑکی۔ جو کسی قیمت پر بھی ماں کے پاس جانے کیلئے راضی نہیں تھی۔ ادھر اس پر کوئی پریشر بھی نہیں تھا۔ اور آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ بے وقوف لوگوں ہی سے اس طرح کی احمقانہ و بے سروپا حرکتوں کی توقع کی جا سکتی ہے"۔

یاور علی خان سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر جیبوں میں لائٹر ٹٹولنے لگے۔

"وہ تیمور کا بالکل بالکوں کی طرح احترام کرتی ہے۔ لگتی تو بندھ جاتی ہے ان کے سامنے"۔ نازنین نے ان کے خیال سے بالکل اتفاق نہیں کیا۔

"چلیں خیر —— ہم اس سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ اب اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ ہو سکتا ہے پولیس اس تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد میں ہر کسی بھی طرح تک علاقی کا اعلان کر دے۔ اپنی جس حفاظت میں ہے اسے اسی کے حوالے کر دیتا"۔

"نہ بابا، تو اس عورت کا اتنا بڑا خطرہ کسی کو اٹھانے کی جرأت کبھی نہیں کرے گا۔ بے چاری خاصی پریشان دکھائی دیتی ہے۔ بہت بری حالت ہے جان کی"۔ نازنین نے افسوس سے کہا۔

"ظاہر ہے اطربی عمل ہے۔ ان کے پاس وہ کسی کی امانت تھی"۔ یاور علی خان نے سگریٹ سلگا لیا تھا۔ دھواں منہ سے نکالتے ہوئے پوچھا۔

"تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے جانے کس دھیان میں چونک کر سوال کیا۔

"چلیں —— بڑی زبردست تیاری کے ساتھ باہر گئے تھے۔ اور جانے کہاں آپ کیلئے؟" نازنین نے ان کا موڈ اچھا قریب کرنے کی نیت سے ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں —— کیا کسی کو بھی پتا کرنے نہیں بھیجا؟" یاور علی خان کی توجہ ایک جگہ مرکوز تھی۔

"نہیں —— شاید بابا صاحب کو علم ہو"۔ نازنین نے جواب دیا۔

"ہوں —— اچھا ہم ابھی آتے ہیں —— بابا صاحب کو علم کر لیں"۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

نازنین نے محسوس کیا کہ وہ ذہنی طور پر بہت الجھے ہوئے ہیں۔

تیمور علی سامان کی پیکنگ کے عمل سے تنگ گئے تھے۔ اس لئے کمرے کی لائٹ بجھا کر وہ پیچھے میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ ان تین چار دنوں میں ایک لمحے کو بھی وہ مطمئن ہو کر اپنی سے نہیں ہوئی تھی۔

سینے سے وہ بھی سر ہٹا کر نگاہیں جھکا کر بات کرنے والی —— اس کی وہ ٹیڑگی ہی تو اس کا زیور تھی۔ اس کے اس زیور کی تو کوئی قیمت ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

ان کے گھرانے میں تو عورتوں کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ بابا صاحب تو اس معاملے میں ذرا زیادہ گہرائی میں جاتے ہوئے بگڑ جاتے تھے۔ لیکن ان کے والد صاحب اور اماں جی خواتین کی عزت و احترام کے متعلق اتنے حساس تھے کہ بچوں کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ دنیا میں اس سے زیادہ اہم بات ہی کوئی نہیں۔

سامان کی نظر چوکیدار پر پڑی۔ وہ گیٹ کی سمت جا رہا تھا۔ انہوں نے کالی پرنسس کی گھڑی پر نظر ڈالی رات کا ایک بج رہا تھا۔ اس وقت کون آ سکتا ہے۔ وہ کھڑکی سے گیٹ کی طرف دیکھنے لگے۔

گیٹ کھلتے ہی کوئی اندر داخل ہوا اور ایک دم فرش پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ چوکیدار بھی دوڑا ہوا کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ لور اور اور چوکیدار میں کیا گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ فاصلہ ہونے کی وجہ سے سن نہیں سکتے تھے۔ بجلی کی سی تیزی سے اپنے کمرے سے نکلے تھے اور چند لمحوں میں دبے پاؤں لان میں آ گئے تھے۔

"کیا ہوا خان بابا؟ —— کون ہے یہ؟"۔ چوکیدار اپنی کوٹھری کی طرف جا رہا تھا۔ تیمور نے درمیان میں ہی جا لیا۔

"خان بابا کو بے —— بڑی گولی ہے —— اماں بابا لینے کے واسطے جاتا ہے پورا خان"۔

تیمور علی خان کو گویا زبردست شاک لگا تھا۔

"ارے بھائی۔ کیا نام ہے وہ اندر چلو جلدی"۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"پ۔۔۔ پ۔۔۔ پانی۔۔۔" اس نے جیسے کسی کی کوئی بات سنی ہی نہیں۔

"یہاں سے تو اٹھو۔۔۔ پانی بھی لے گا"۔ وہ جھلائے اور خود آگے بڑھ کر کھلا گیٹ بند کیا۔

وہ اس سے کس نہ ہو سکی۔

"پپ۔۔۔ پانی۔۔۔ میں مر رہی ہوں خان۔۔۔ پانی۔۔۔"۔

"اس دم خان بابا بڑے سے گلاس میں پانی لے کر بھاگتا ہوا آ گیا۔ اور جھک کر سطربہ کو گلاس تھما ہوا خود بھی تیزی سے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"بابا گندہ نہیں۔۔۔ اٹھو" تیمور علی خان نے اس کا بازو تھام کر اٹھایا۔

"بابا۔۔۔ پانی جلدی سے لے آؤ"۔

وہ تیزی کی کمرے کی طرف بڑھے۔ سطربہ ان کے ساتھ جیسے گھسٹتی جا رہی تھی۔

کمرے میں داخل ہو کر وہ وہیں دہلیز پر بے دم انداز میں بیٹھ گئی۔ چوکیدار بھی پانی لے کر پیچھے پہنچا تھا۔

"خان بابا۔۔۔ خود پلاؤ اسے" تیمور علی خان نے کمرے کی لائٹس آن کرتے ہوئے کہا۔

چوکیدار نے تعمیل کی۔۔۔ اتنا بڑا گلاس سطربہ نے ایک ہی سانس میں پینے لگی۔

تیمور لائٹس آن کر کے پلٹے تو بری طرح چونک پڑے۔ سطربہ کے ہونٹوں کے دونوں کناروں پر خون جم کر بیٹھ چکا تھا۔ شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس کے سارے چہرے پر درد محسوس ہو رہا تھا۔

"چاچا۔۔۔ ایک گلاس اور" وہ تیز تیز سانس لینے لگی۔

چوکیدار ایک دم تیزی سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

تیمور دوزانو ہو کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"وہ۔۔۔ کیا نام ہے۔۔۔ سطربہ۔۔۔ کیا ہوا ہے؟ کہاں سے آ رہی ہو" وہ بغور اس کی شکل دیکھنے لگے۔

"خان بھلا تیز کر دیں۔۔۔ آگ لگ رہی ہے اندر" اس نے دوپٹا تار کر دور پھینکا۔

تیمور علی خان ہڑبڑاہٹ کے انداز میں اٹھے اور پنکھے کی اسپیڈ بڑھا دی۔ پھر دوبارہ اس کی طرف چلے آئے۔ اتنے میں چوکیدار بھی اندر داخل ہوا۔ سطربہ ہتھیلیاں فرش پر جماتے بے دم انداز میں جھکی ہوئی تھی۔

"زیادہ بالو۔۔۔ لو پانی پیو۔۔۔ اوہ چونا خان۔۔۔ اس کا قمیض تو خون سے خراب ہے"۔ چوکیدار گلاس اس کے سر سے لگاتے ہوئے بدحواس ہو کر بولا۔

تیمور علی خان نے اس کی پشت کی طرف نگاہ کی تو واقعی سناٹے میں رہ گئے۔ "گندا کا"۔

انہوں نے فوراً ہاتھ بڑھا کر اس کی نبض دیکھی۔ پھر ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہم ابھی آئے ہیں"۔

ان کے تیور دیکھ اٹھتے تھے سطربہ تیمور کے کمرے کی طرف لپکے۔

ان کی دستک میں غضب تھا۔

"کون؟" ان کے بہنوئی کی آواز آئی۔

"ہم ہیں تیمور۔۔۔ بی بی جان کو بھیجیے"۔

تھوڑے سے توقف کے بعد دروازہ کھلا تھا۔ دبیر بیگ بری طرح الجھن سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"خیریت۔۔۔ کیا بات ہے تیمور؟" وہ پریشان ہو گئے۔

"ہمارے ساتھ آئیے"۔ وہ مڑ کر پلٹ گئے۔ دبیر بیگ بھی ان کے پیچھے لپکے۔ سطربہ ان کے پیچھے چلتے ہوئے بیٹھک میں داخل ہوئے۔ سطربہ نڈھال انداز میں بیٹھ چکی تھی۔

"ہائے اللہ"۔ دبیر بیگم بیٹی پر نظر پڑتے ہی وہیں تھم گئیں۔ "یہ سطربہ ہے تیمور"۔ وہ حواس کھو گئیں۔

"بی بی جان یہ بہت زخمی ہے۔ اس کے کپڑے تبدیل کرائیے۔ خون بہہ رہا ہے۔ ہم ڈاکٹر کو لاتے ہیں۔ اور کوئی انجکشن وغیرہ دیکھتے ہیں"۔

وہ دبیر بیگم کو ششدر کمرا چھوڑ کر باہر چلے گئے۔

"بی بی جان۔ اس کو بہت خون نکل رہا ہے۔ کمزوری ہو گئی ہے"۔ چوکیدار نے دکھ سے کہا۔

"سطربہ۔۔۔" دبیر بیگم نے اس کا سر شانہ دھیرے سے چھوا۔ کئی چھوٹی سب کے سر پر اس کا نیا آنچل دیکھا تھا۔

"سطربہ۔۔۔ دیکھو۔ میں ہوں تمہاری بی بی جان"۔ ان کے لہجے میں بلا کی محبت تھی۔ سطربہ نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں۔ ان کی سمت دیکھا۔

"بی بی جان"۔ اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ ابھی دوا لگاتے ہیں۔ فوراً آرام آ جائے گا۔ اللہ ہادی"۔

"بہت کرو۔ اس طرف آ جاؤ۔ ہم کشن رکھ دیتے ہیں۔ تمہارے سر کے نیچے۔ آؤ شاباش"۔

انہوں نے سطربہ کو اٹھنے میں مدد دی۔ اور اسے تیز بچھے کے نیچے لا کر نہایت نرمی سے کشن رکھ کر اس کے سر کے نیچے رکھوا دیا۔

"بی بی جان۔۔۔ میں مر رہی ہوں"۔ اس کی آواز پر آنسو حائل آ گئے۔

"نہیں نہیں۔۔۔ ایسے نہیں کہتے بری بات۔۔۔ تمہارے کپڑے تو خالہ کی کوٹھری میں ہوں گے۔ تیمور ہم ابھی لے کر آتے ہیں"۔ وہ باہر نکلنے لگیں تو تیمور آگے بڑھے۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"کپڑے لینے جا رہی ہوں۔ جگہ جگہ خون لگا ہوا ہے"۔ وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"خان بابا! کسی بڑے برتن میں پانی لائیں ہلکا گرم کر کے — بی بی جان اس کے ذرا مسالہ کریں گے، اور ہاں ایک گلاس میں پانی پہلے دے جائیں۔" یہ ہدایت بھی کی۔

مطربہ نے آنکھیں موندے موندے تیمور علی خان کی سرگوشیاں سنی تھیں۔ وہ ان کی تمام ہدایتیں اپنے اندر اتار لیتا۔ یہ وہ تیمور علی خان تو ہرگز بھی نہیں تھے جن کے چہرے پر رعب بھی رہتا تھا۔ جن کے حافظے میں اس کا نام محفوظ نہیں ہو پاتا تھا۔ جنکے بارے بلند نظر آتے تھے۔ وہ اسے "لڑکی" کہتے ہوئے۔

چوکیدار پانی لے آیا تو انہوں نے وہ پھلس اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اس کے سامنے کیں۔

"لو یہ کھالو — درد کم ہو جائے گا"۔

وہ کھلیوں کے بل اوندھی ہوئی بمشکل پہلے ان کی ہتھیلی سے ایک گولی اٹھا کر منہ میں رکھی اور پانی کے چند گھونٹ لیے۔ پھر دوسری گولی اٹھائی۔

"خان بابا۔ ہم اپنے کمرے میں جا رہے ہیں۔ بی بی جان آ رہی ہیں۔ ان سے کہنا کسی طرح کوشش کر کے اسے تھوڑا پہنچا دیں۔ جب تک میں تالا لاؤں اب جب تک اس وقت تک نہیں کھلے گا جب تک ہم اجازت نہ دیں"۔

وہ اپنے مخصوص لب و لہجے میں حکم دے کر باہر چلے گئے۔

صبح کو ہال کمرے میں ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ مختلف آوازوں سے ایک شور سا ہو رہا تھا۔ خالہ گاہے گاہے اسے جھک کر دیکھ رہی تھیں۔ جیسے اسے سامنے دیکھ کر یقین نہ آ رہا ہو۔

"بتاؤ — بچی کا کیا حال ہو گیا۔ بچی! کیا بہت تکلیف ہو رہی ہے؟" اماں جی اس کی حالت پر بہت اذیت محسوس کر رہی تھیں۔

"یہ تمہارے ساتھ کیسے؟" خالہ بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

"بہت مارا ہے انہوں نے"۔ مطربہ نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔

"اے ہے — ستیاناس ہو کم بختوں کا۔ کیا منہ کیا ہے پھول سی بچی کا"۔ خالہ آبدیدہ ہو گئیں۔ "لے یہ جانے دو پہلے کھانے"۔

"رات تو میں امتحان میں پڑ گئی اماں جی۔ کپڑے زخموں سے چپکے ہوئے تھے"۔ رئیسہ بیگم نے بتایا۔

"تو یہ تو ان خونیوں سے بچ کر کیسے آ گئی آبدی ہمت دکھائی تو نے"۔ اماں جی کہے ہی گئیں۔

"کوٹھی میں کوئی فنکشن تھا۔ وہ چڑیل ادھر لگی ہوئی تھی۔ اس کے کتے پیچھے میں بے ہوش پڑی ہوں اور اتنی زخمی ہوں کہ مجھ سے اٹھا بھی نہیں جائیگا اور مجھ سے واقعی اٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ پتا نہیں کہاں سے اتنی ہمت آ گئی"۔

"ہاں! بس اللہ ہی ہمت دیتا ہے"۔ اماں جی نے بڑی دلسوزی سے کہا۔

"مگر انہوں نے تجھے مارا کیوں؟ تو کیا بھاگتے ہوئے پکڑی گئی تھی؟ تزئین بھی گم صم حالت میں باہر آ گئیں۔

"وہ مجھے لین جا رہی تھی۔ میں نے کہہ دیا کہ میں کسی سے نکاح نہیں کروں گی۔ میں [illegible] چھوڑ دیا تھا۔ وہ دوسرا سمجھا کہ میں نے دھوکہ دیا ہے۔ پیچھے آنے لگی۔ میں نے اس کے منہ پر تھوک دیا"۔

حاضرین نے جیسے ہی لفظ "تھوک" سنا اپنے اپنے منہ میں لفظ بولی محسوس کی۔ اماں جی نے "توبہ" کہتے ہوئے تحسین بھری نظروں سے دیکھا۔

"پھر —؟" تزئین نے سب تالی سے پوچھا۔

"پھر اس نے وہ طمانچے مجھ سے [illegible]"۔ مطربہ کراہی۔

"میں نے بھی کہہ دیا کہ اللہ تجھے کفن پہنا کر ہی بھیجوں گی اس "مقبلے" کے گھر۔ ہائے بی بی جان [illegible] آدھا کھایا۔ وہ تو بہت چھپا رہی تھی لیکن میں بھی بڑی چالاک ہوں۔ آہ — ہائے"۔

"تیری چالاکی ہوشیاری کے تو آگے بہت رہے ہیں"۔ خالہ نے اس کے بازو پر ہلکا سا مکا مارتے ہوئے محبت سے کہا۔

"میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اتنا ہی اچھا ہے تو تم خود کر لو نکاح۔ کیوں اماں جی صحیح نہیں ہے؟"

سب کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"ہیں — ہاں صحیح کیوں نہیں ہے؟" اماں جی نے خفگی سے اس کا دل رکھا۔

"وہ تو تیرے "آپا جی" پر بڑی خوش ہو گی"۔ تزئین نے مسکراہٹ دبا کر چھیڑ کی سے کہا۔

"کہاں بی بی جان۔ وہ تو ہے ہی نکمی"۔

"چل لعنت بھیج اس نکمے" موئے پر۔ میں نے تیرے لئے دوا ابھی ابھی گھول کر پلائی ہے۔ میرے جوڑ کا ہے۔ تیمور علی خان بھی تو ہے۔ اس تیمور والا بھی بہت ہے"۔ خالہ نے لب بند کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

سب ہی ایک لمحے کو بھر سکتے رہ گئے۔ مطربہ تو اپنی تکلیف ہی بھول گئی اور پٹ آنکھوں سے خالہ کو دیکھے گئی۔

"خالہ — کیا کر چکی ہو چکے چکے۔ ہم سے بھی چھپاتی ہو؟" تزئین نے شاکی انداز میں کہا۔

"یہ تو بڑی نئی بات ہے۔ آپ سے کیوں چھپاؤں گی؟ جو کروں گی آپ سب کی اجازت سے ہی کروں گی"۔ خالہ نے رسانیت سے جواب دیا۔

"کس کا لڑکا ہے؟" اماں جی بھی خوشگوار حیرت سے پوچھ ہی گئیں۔

"تاؤں کی اماں جی — فکر نہ کریں"۔

مطربہ نہایت الجھن میں نظر آنے لگی تھی۔ اور جیسے اپنی تکلیف ہی بھول گئی تھی۔

"چلو خیر — اچھا ہی ہے سال آنے۔ جتنی جلدی ہو سکے تیرا وزن کم ہو"۔ اماں جی نے فطری خلوص کا اظہار کیا۔

"اب تو خوش ہو جا — گورے رنگ والے سے تیری شادی کر رہی ہیں خالہ"۔ رئیسہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔

مطربہ خاموش رہی۔

"ویسے ایک بات ہے۔ ثابت ہو گیا کہ بھاگ تو بہت ہے۔ بڑا دل گردہ ہے"۔

نرجس نے ایک نگاہ اس کے زخموں پر ڈالی۔

"ہماری تمنا ہماری" آہ" ہوتی ہے بیٹا جان۔" آہ" لفظ اور معانی کا ہم آہنگ ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس میں بہت کرب اور درد چھپا ہوتا ہے۔"

اس نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ سب ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"تو تو بڑی ہو کر بڑی گہری باتیں کرنے لگی۔" سلمیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہنسی۔

"وہ کون سی تمنا ہے جس کی تو آرزو بن گئی ہے۔" نرجس کو اس کے جملے پر ابھی تک حیرت تھی۔

سطریہ خاموش رہی۔ بجھ آنکھیں موند لیں۔

"رضیہ — اپنے بابا صاحب سے کہہ کر اس کا کوئی بندوبست کرو۔ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ اماں نے اس سے یہ بات کہنا چاہی تھی۔

نجم علی خان کو داخل ہوتے دیکھ کر اس طرف آتے ہوئے۔ وہ اس کا جملہ سن کر متحیر سے دالان میں ہی رک گئے تھے۔

"ہو گیا ہے بندوبست۔ مت کرائیں بھجوا دیتے ہیں۔ وہاں بھی تو ملازموں کی ضرورت رہتی ہے یہ بہت اچھی ہے۔ اس کی دیکھ بھال بھی اچھی طرح کرے گی۔ اشرف کی ماں وہاں پہلے ہی ہے۔ یہ بھی یہیں ہے کہ وہاں یہ اکیلی ہو گی۔ دل بہلا کرے گی اور یہ بھی کہ اور ہم آپ کو یہ بتانے آئے ہیں کہ ہم سرائے جا رہے ہیں۔ سات ایک ہفتے کی واپسی ہو گی۔ فکر مت کیجیے گا۔ سر پہلی پر پہرہ ہے۔ اطمینان رکھیے۔" وہ اتنا کہہ کر واپس پلٹ گئے۔

"پھر واللہ حافظ بیٹے — تمہیں بھی اللہ کی امان میں دیا۔" اماں جی نے دعا دی۔

"میں اکیلی رہوں گی کیا جی؟" سطریہ خفیف آواز میں بڑبڑائی تھی۔

"اور کیا بارات لے کر جو جائیں گے۔ اشرف اور اس کی ماں گاؤں کے ہیں اپنے۔ بھلی عورت ہے۔" خالہ نے کہا۔

"مگر میرا دل نہیں لگے گا۔" وہ کراہتے ہوئے بولی۔

"جان کی خیر ہو — جان کے ساتھ ہیں دل لگانے کے سودے۔" خالہ نے ڈانٹا۔ "یہ کیا کم ہے کہ اطمینان کا سانس لے۔ اگلا پچھلا دل "دلت" پڑا ہے۔"

"یہ لڑکیاں تو آتی جاتی رہتی ہے۔ اور اب تو چھوٹی دلہن بھی جاتی رہتی ہیں۔ ان کا تو یہ کام ہے اماں۔" اماں نے سمجھایا۔

"تو کیں بھیرہ خاں کی شادی میرے پیچھے ہو جائے گی — آں۔"

"بڑی بھلی ایک ہولی پڑی ہے۔ مگر دل ہے کہ شادی بیاہ میں اٹکا پڑا ہے۔" خالہ نے ڈانٹا۔

"لیکن میں کہاں کس کے ساتھ جاؤں گی؟"

"اب یہ ہمارا مسئلہ ہے تو کیوں پریشان ہو رہی ہے؟" رضیہ بیگم نے ڈانٹ پلائی۔

"اماں جی — آپ مجھے بہت یاد آئیں گی۔" وہ رو دینے کو ہو گئی۔

"خود نے ماں کی بات ہے۔ تیار ہو کر دیں گے۔ کوئی فرمائش ہو تو بتا دینا۔ بے تکلف نہیں کیا۔" خالہ نے سمجھایا۔

"میں نہیں کروں گی کچھ بھی۔ دوست کو بھیجنے کے لیے۔" وہ بدتمیزی سے بولی۔

"سن رہی ہیں اماں جی۔ اس حال میں بھی کتنی بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی ہے۔ یہ نہیں کرے گی تو کیا کرے گی؟" خالہ ناراض ہوئیں۔

"دنیا میں ایسے بھی تو لوگ ہوں گے جو ہوا نہیں کرتے۔ دنیا میں ایک ہی تو کام نہیں کرنے کھیلنے والے۔" اماں نے سمجھایا۔

"چھوڑو اماں جی — اس وقت اس کا بھی جی نہیں۔ تو کیوں اپنی جان جلا رہی ہے۔"

اماں نے ازحد معمل جیت کہنی مگر ٹال جانے کی کھٹک رہی تھیں۔

ایک تو لڑکیاں شرم کی وجہ سے شادی بیاہ سے اخلاقی کا اظہار کرتی ہیں مگر اس کا انداز کچھ اور تھا۔ مگر وہ اماں جی کی وجہ سے چاہنے کے باوجود کچھ بول نہیں۔

"چل سطریہ اٹھ جا۔" خالہ نے ڈانٹ کر جگایا تھا۔

وہ ہڑبڑا کر جاگ گئی تھی۔ چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ خوفزدہ سی ہو گئی تھی۔ "کیا ہم سفر ہو رہا ہے خالہ؟"

"صبح کے سائے چار ناچ رہے ہیں۔ بیٹا جان نے ایک بیگ دیا تھا۔ تیرے سوا باقی بیگ اس میں رکھ دیے ہیں۔ جو لے لو وہ رکھ لو۔" خالہ نے دو بیگ اس کے ہاتھ پر رکھے۔

ایک تو ان ابھی پوری نہیں جاگی تھیں خالہ اس پر مستزاد حملے پر تلی۔

"مگر کیوں؟ کپڑے بیگ میں کیوں رکھے ہیں؟ اور دو بیگ کا میں کیا کروں؟"

"بیٹا — تجھے تو بہت زیادہ ہی اوائی جہاز سے کراچی لے جا رہے ہیں۔" خالہ نے کہا۔

"ہائیں" ساری نیند اڑ گئی۔ ایک عجیب سے احساس نے اس کی رگ رگ میں ہلچل مچا دی۔

"بولا سو دو بیگ ہی اس بیگ میں رکھ دو خالہ۔ میرے پاس تو کوئی برس بابو نہیں ہے۔" اماں نے چارپائی سے اترتے ہوئے کمزور سی آواز میں کہا۔

"نہ تو دھو دو خالہ۔ میرے ہاتھ سے تو کوئی کام نہیں ہو رہا ہے۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

خالہ نے ٹرنک سے کپڑے نکالنے شروع کر دیے تھے اور غسل خانے کی طرف چلی گئیں۔

خالہ نے ہی منہ دھلوایا پھر خود بھی صاف کیا۔

"پڑھے تو تجھے لیک ہیں۔ اب دوائیوں کی بوتل تو کوئی نہیں۔ یہ میں نے ضیہ بچی کی چارپائی سے لے لیں

ہے۔ اسے اچھی طرح لپیٹ لے۔ میں یہ پیسے بیگ میں رکھ دوں"۔

خالہ اس وقت مشین کی سی تیزی سے کام کر رہی تھیں۔ اس نے چادر سمیٹ کر اسے [illegible] ڈالی۔ خالہ کا بازو تھام کر وہ بہت آہستہ آہستہ نیچے آئی تھی۔

"سب تو سو رہے ہوں گے۔ اماں جی سے تو مل لیتی"۔ اس نے سیڑھیوں سے خالہ کی سمت دیکھا۔

"کوئی بات نہیں ۔۔۔ بچوں کی نیند خراب ہے۔ کیوں بے آرام کرتی ہو ۔۔۔ بی بی جان جاگ رہی ہیں۔ تیرا انتظار کر رہی ہیں"۔ وہ اسے لئے ہوئے برآمدے میں آ گئیں۔

بی بی جان ادائیر کے ساتھ کھڑی ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

"اگر بیٹھنا مشکل ہو تو پیچھے لیٹ جاؤ"۔ رئیسہ بیگم نے اس سے کہا۔

ادائیر نے جیپ کا دروازہ کھولا۔ خالہ نے سہارا دے کر اسے بٹھایا۔

"گھبرانا نہیں۔ وہ بھی ہمارا اپنا گھر ہے"۔ رئیسہ بیگم نے اسے تسلی دی۔

"اشرف کی ماں بہت اچھی عورت ہے۔ بہت خیال رکھے گی تمہارا"۔

"بی بی جان اللہ آپ کو تو اولاد کی خوشیاں دکھائے ۔۔۔ کتنے بھلے لوگ ہیں آپ۔ ایک بے کس بچی کیلئے جو آپ نے تکلیف اٹھائی ہے اللہ ہی اس کا بدلہ دے گا"۔

خالہ کا دل بھر آیا تھا۔ کچھ جذبہ سپاس سے اور کچھ اس کی جدائی کے خیال سے۔

"خالہ روئیں نہیں ۔۔۔ وہاں میں سارے دن آپ سے روز ملنے جاؤں گی"۔ مطربہ کو خود بھی رونا آ رہا تھا۔

"آ گئی وہ؟" اسی دم تیمور علی خان سیاہ کوٹ پینٹ میں ان کے قریب آ گئے۔

"ہاں بیٹھ گئی"۔ رئیسہ بیگم نے جواب دیا۔

"میرا بیگ رکھا ہے؟" وہ بہن سے پوچھ رہے تھے۔

"ہوں ۔۔۔ رکھ دیا ہے۔ اب بس بیٹھ جاؤ۔ وقت بہت تنگ ہے"۔

وہ پیچھے متوجہ ہوئے بغیر بہت آرام دہ انداز میں اگلی سیٹ پر بیٹھ چکے تھے۔

☆ ۔ ☆ ۔ ☆ ۔ ☆ ۔ ☆ ۔ ☆ ۔ ☆

جیپ روانہ ہوئی تو چلتی شروع ہو گئی۔ خالہ بے تاب سے انداز میں ۔۔۔ ساتھ ساتھ چلتی گئیں۔

"آؤ خالہ اندر بیٹھیں"۔ رئیسہ بیگم کو ان پر ترس سا آ گیا۔

خالہ بے ساختہ آگے ہوئے اور گلے لگ کر بچھڑ گئیں۔ "اللہ تیری امان میں دیا"۔

تیمور علی خان بورڈنگ کارڈ کے سلسلے میں کاؤنٹر کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ وہ کبھی کبھی شیشے کی دیوار سے گزرتا ہوا ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ وہ عورتوں کی بھاری جماعت میں ایک خوش لباس، خوش شکل نوجوان عورت کے مصروف انداز میں آ جا رہے تھے۔ اسے اپنے لباس پر نظر ڈال کر بڑی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ حالانکہ یہ خوبصورت لباس اس نے بہت خوبصورت پیکنگ کر کے الماری کی دراز میں رکھا تھا جس سے آدھا دراز بھی چھپا ہوا تھا۔

"آؤ"۔ تیمور علی خان کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ روانگی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ گھبرا کر ان کے پیچھے بھاگی تھی۔ گویا بھیڑ میں گم ہو جانے کا خوف ہو۔ لاؤنج میں اگلے مرحلے کا خوف تھا۔ لوگ جیسے اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔

دائیں بائیں نے غالباً کلام پڑھنا شروع کر رکھا تھا۔ باقی سب لوگ ایک طرف ہو کر بیٹھے تھے۔ وہ دونوں ماں بیٹا ہی بیٹھے تھے اس کی پشت پر آ کر ایک بچے نے فیڈر ماری۔ دودھ بھی بوکھلائی ہوئی تھی ایک دم اچھل پڑی۔ پھر ذرا سنبھلی تو شرمندہ ہو گئی۔ اس وقت تو بچے گھروں میں بے خبر سوتے ہوتے ہیں۔ اور مرتضیٰ بھی بیک وقت ہنس رہا تھا اور مسلسل اس کا دھیان گاہے گاہے ہونے والی اوڈیسے کی طرف گیا جب وہ متوجہ ہوئی تو وہ مسکرا کر اس میں مصروف تھی۔

"تج — خان اشاید کسی کا بچہ کھو گیا اعلان ہو رہا ہے"۔ وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

تیمور علی خان نے گھوڑی سائس لے کر پھر سوچا تھا۔ گویا اپنی سماعت پر قابو پایا تھا۔

"ابھی اردو میں بھی بولے گی۔ غور سے سن لینا"۔ وہ اس خیال سے گویا ہوئے تھے کہ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ کیونکہ اس کے پہلو میں ایک بڑی لیشن اعلیٰ خاتون گود میں شیر خوار اٹھائے براجمان ہو چکی تھی۔ اور اس کے پہلو میں اسی کی بہن تھی۔ دونوں کی شکل میں خاصی مشابہت تھی۔

"ریکسکیو زمی انکل! آپ کے اس سائیڈ میری بال ہے"۔ ایک بچہ مٹھوں کے بل جھکا ہوا ہونے کے لیے جھک رہا تھا۔

"ہوں — ہوں — وہاں کیا کر رہے ہو تیمور؟" سامنے صوفے پر بیٹھی ایک طرح دار خاتون نے بچے کو پکارا۔

تیمور علی خان نے دلچسپی سے اپنے ہم عمر بچے کو دیکھا اور ایک طرف کو ہو گئے۔ کہ بچہ سہولت سے اپنی بال نکال لے۔

"سوری انکل — ادھر نہیں ہے" آپ کی آنٹی کے پاؤں کی طرف ہے"۔ بچے نے قدرے بے تکلفی سے کہا اور مخالف طرف ہو کر ہاتھ اس کر گیند اٹھانے لگا۔ پھر ایک دم اٹھا۔ اب اس کے ہاتھ میں وائٹ کلر کی بال تھی۔

"تھینک یو آنٹی"۔

"ڈیئر بابا۔ یہ انکل کی آنٹی نہیں ہیں آپ کی آنٹی ہیں۔ انکل کی تو عائلہ"۔ "وہ" "ہیں"۔

سطریہ کے حسن سے دم بخود پہلو میں بیٹھی ہوئی عورت بچے کو جھڑکتے ہوئے مسکرائی۔ جو بھی جو بھی خاصا مسکرایا۔

"کرا رہی ہیں آپ؟" وہی خاتون سطریہ کے چہرے کو پرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"جی"۔

"شادی شدہ ہیں ناں؟" اس مرتبہ اس نے بڑے وقار بہت شاندار سے تیمور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔

سطریہ نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"پھر یہ آپ کے کون ہیں؟" خاتون بھنویں اچکا کر بولے گئے جملے پر شرمندہ نظر آئی۔

سطریہ خاموش رہی۔

"کزن ہیں؟"

سطریہ خاموش رہی۔

"یہ سے عالی ہیں؟"

سطریہ پھر خاموش رہی۔

تیمور علی خان نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"میلام اہم امید ہر شخص کے لوگ ہیں۔ اور ہمارے ہاں کی زیادہ تر خواتین اور انگلش نہیں سمجھتی ہیں۔ یہ صرف حلوائی رہ جاتی ہیں"۔

"سوری فار دیٹ"۔ عورت جھینپ سی ہو کر بیگ سے پانی کی بوتل نکالنے لگی۔

سطریہ نے بھی اطمینان کا گہرا سانس لیا۔

اسی وقت کونسل کی فلائٹ کیلئے اناؤنسمنٹ ہوئی اور سطریہ کے پہلو میں بیٹھی ہوئی دونوں خواتین اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"اب کوئی بات کرنا ہے تو جواب ضرور دینا چاہیے۔ ابھی وہ اپنے سوال کو کہہ کر تسلیم کرتی ہیں اور اب ایسی کرتی ہیں اظہار کے کر دیتی ہے جاتی جاہل ہے۔ ان شش۔ فیسو لوگی پرابلم"۔ تیمور علی خان کی تلخ ہزک ہم ہو گئی۔

ان کے انداز پر تو اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

"میں واقعی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا جواب دوں؟" وہ روہانسی ہو گئی اس خوف سے کہ جانے کب سے وہ ناراض ہیں۔

"اگر کوئی اور پوچھ لے تو کیا جواب دیں؟" وہ سہمے ہوئے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"بس اب کوئی نہیں پوچھے گا۔ فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے"۔ وہ اسی طرح آف موڈ میں گویا ہوئے۔ وہ جانا درست سمجھ کر چل دی۔

"خان — وہ یہ تو آپ نے نہیں دیدیا ہے۔ اس میں میرے دو سو روپے بھی تھے۔ کہیں وہ اتفاق نہ لیں"۔ سطریہ پریشان ہو گئی۔

"پیسے جیب میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ جھلائے۔

"میرے پاس کوئی دوسرا نہیں ہے۔ مجھے پیسوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اس لئے سب بھول جاتی ہیں۔ کبھی کبھی جان بھی بھول جاتی ہیں"۔ وہ ڈرتے ڈرتے کہہ رہی تھی۔

تیمور علی خان اس کی آواز کے زیر و بم میں اتر گئے۔ چہرہ موڑ کر بیگ کو لیے کو اس کی سمت دیکھا۔ سفید چہرہ گلابی کا پتے ہوئے ہونٹ چادر کا کلیک خاک گھونگھٹ۔

طلسم حسن کی شعاع میں پھر خاک ہو گیا۔

"اڑان بھرنے کوئی نہیں نکالے گا۔ وہ جھک فلائٹ میں اتنی چھوٹی چیزیں نہیں ہوتی"۔

اونگھتے ہوئے پائلٹ نے بازو نیچے کر کے آواز دیکھنے لگے۔

اسے اور کچھ کہنا سوجھا ہی نہیں اس کے کہ پیسے کوئی نہیں نکالے گا۔

"اور یہ دوسرا وہ بے تمہارے پاس آنے کہاں سے لگے۔ ایک لاکھ رقم ہے۔ ایک ہزاری سونے کے بنے آئے ہیں۔"
تیمور علی خان نے بظاہر تاثر اس کا جائزہ لیا۔

"خالہ نے دیئے تھے اور خالو کو نانی نے دیئے تھے۔ اور نانی کو۔"

"لگتی ہے لڑیاں (مسلسل سفر) اسٹاف پلیز۔ اب کراچی جا کر خیریت کر دینا۔ جان چھڑا اس انسان سے۔ بڑی بڑی بڑائیٹ بات کرنے والے تیمور علی خان جی کو بھلا کر رہے۔"

وہ سہم کر خاموش ہو رہی۔ اور دل ہی دل میں سوچنے لگی۔ جاتے ہی اشرف کی ماں کے حوالے کرے گی۔

وہ سہ پہر کی شب داخل ہوئی تو سراپا حیرت تھی۔ راستے میں بھاگ اڑا تا سمندر دیکھ کر تو وہ دم بخود رہ گئی تھی۔ بلکہ سے بہتا دریا بھی دیکھا تھا۔ اور دریا نے جہلم بھی اتنا بڑا سمندر سا لگ رہا تھا۔

وہ کوٹھی میں داخل ہوئے تھے اشرف بتا رہا۔

"خان آپ کے دوست رات کو آ گئے تھے میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ آپ بھی آ رہے ہیں۔"

"اچھا۔ کیا سو رہا ہے؟"

"جی ـــ رات کو لیٹ خود دیکھ کر آئے تھے۔ (بیا) محمد علی کی بی بی گم گئی ہے اس اتوار سے وہی دیکھ کر آئے ہوں گے۔"

صابرہ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ ٹھیک ٹھاک عمارت برس رہی تھی چہرے پر۔

"بات مختصر کیا کرو۔" تیمور علی خان ناگواری سے ٹوک کر آگے بڑھنے لگے۔ وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہی چل پڑی۔

اسی دم ایک مست سے ایک ادھیڑ عمر عورت نمودار ہوئی۔ اور بہت ادب سے جھک کر تیمور علی خان کو سلام کیا۔

"یہ تمہارے ساتھ رہے گی صابرہ۔ اس کا خیال رکھنا تمہاری سب سے خاص ذمہ داری ہے۔ باہر کے کسی کام سے پیچھے جائے گی۔ یہاں کے کاموں میں تمہارا ہاتھ بٹائے گی۔ باقی ہدایات اماں جی فون پر تمہیں دیدیں گی۔ ہم بہت تھکے ہوئے ہیں آرام کریں گے۔ ہمیں کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔" وہ گول چکر دار زینے کی جانب بڑھ گئے۔

اشرف کی ماں دم بخود کھڑی صابرہ کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

"تت ـــ تمہیں خان حویلی سے لائے ہیں؟" عورت کا ذہن اس کا حسن دیکھ کر کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔

"ہوں ـــ میں وہاں کام کرتی تھی۔ خالہ سولہ آنے کی بھائی ہوں۔" اس نے آہستگی سے بتایا۔

"ارے ـــ تو سولہ آنے کی بھائی ہے۔ میں صدقے۔ پھر تو میری بھی بھائی ہے۔ سولہ آنے نے کہاں چھپا کر رکھا تھا یہ دانہ۔" صابرہ نے اسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔

"آ ـــ ہا ـــ آ ـــ خالہ میرا جسم بہت دکھ ہا تھا دکھ چکے ہیں۔" وہ اذیت سے دوہری ہوئی۔

صابرہ نے بدحواس ہو کر اسے ایک دم خود سے الگ کر دیا۔

"ز ـــ زخم۔ کیسے آئے زخم بیٹی؟" وہ بری طرح پریشان و مضطرب نظر آئی۔

"بتاؤں گی خالہ ـــ ابھی تو تمہارے ہاتھ کی روٹی کھاؤں گی۔ سب بتا دوں گی۔ آپ نے بہت سے سوال کئے ہیں ان کے جواب ہیں۔"

ہلتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا ـــ تو یہاں بیٹھ جا۔" اس نے صحن میں بچھی چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاتھ منہ دھو لے پہلے؟" وہ اس کی پیشانی سے بال سمیت کر محبت سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں ـــ بس میں سوؤں گی۔ ہاتھ منہ جہاز میں کر لیا تھا۔ بہت نیند آ رہی ہے۔ یہ نہیں کھائی جائیں گی۔ ٹھیک ہے سو لیں گی۔" اس کی آواز میں اجنبیوں جیسی تھکن اتر آئی۔

"چل آ جا پھر ـــ میرے بستر پر آرام سے سو جا۔ اور جتنا مرضی سو۔ تجھے کوئی نہیں اٹھائے گا۔ جب تو سو کے اٹھے گی نا تجھے بہت اچھا سا پراٹھا بنا کھلاؤں گی میرا بچہ۔"

جانے اس کی صورت میں کیا جادو تھا کہ وہ موم کی طرح پگھل رہی تھی۔ اس سے بہت محبت ہی محسوس ہو رہی تھی۔

"یہاں کام ہی کتنا ہوتا ہے بچی۔ کام تو شہروں سے ہوتا ہے۔ جب پورے جہاں اجڑتی ہیں تب ہوتی ہے بدلی رانجی۔ رات ایک ایک بجے تک سونے نہیں دیتا۔ وہ بابا بھی پریشان ہو جاتا ہے۔ وہ آتی ہیں تو میں بڑی خوش ہوتی ہوں۔ اماں بی کہتی ہیں صابرہ گھر بیچا کر رکھا کر۔ کہ جیسا ہوا نکل آئے۔ تم ادھر ادھر دیکھ لیا کرو۔ میں پاس کی کوئی کوٹھی وغیرہ کی طرح نہیں جھگی۔ جیسے آج ہی بی بی ہے۔ بڑے خان دو سال میں ایک دفعہ تو آتے ہی ہیں کوٹھی میں رنگ و روغن کراتے ہیں۔ بجلی بدل ہو جب کرچلی (گرا پڑی) آتی ہے تو اندازہ کرتی ہے کہ اماں یہ تو بڑی کوٹھی ہے۔ خانوں کا تو بس نام ہے۔ کسی ہوٹل تو ہے اس میں۔"

صابرہ اسے اپنے کمرے تک لے جاتے ہوئے ایک تواتر سے بولے چلی جا رہی تھی۔

"اور آج سے تو یہ بھی کہہ سکتی ہے بی بی۔" صابرہ دھیرے سے ہنس پڑی۔

(باقی ـــ آگے پیچھے کوٹھیاں بنی ہیں میرے تو۔ مگر دل حویلیوں کوٹھیوں پر۔ اتنی ہی کب ہے۔ یہ تو وہ حصہ ہے جو ماں کی دی ہوئی مٹھائی بھینچ کر چیخ مرچ مانگ رہا ہو۔ وہ تھکے تھکے ذہن سے سوچ رہی تھی۔

وہ شام ڈھلنے کے قریب سو کر اٹھی تھی۔ گہری نیند سے جاگنے کی وجہ سے کچھ دیر تو اسے سمجھ ہی نہ آئی کہ کہاں ہے۔ خاصی دیر جھت کو گھورتی رہی۔ پھر ایک دم اٹھ بیٹھی۔ دوپٹا سنبھالتی باہر آئی۔ سامنے ہی وائٹنگ ہال میں واش بیسن لگا تھا۔ وہ اسی سمت بڑھ گئی۔ ہال دھلا دھلا تکلیف تھی۔ اس نے منہ دھویا۔ ہال اور کمرے میں اور کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ وہ کمرا کر سوئی تھی تو محسوس ہوا تھا کہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ وہ چونک کر مڑی سامنے تیمور علی خان بیٹھا سگریٹ پی رہے تھے۔

"اس میں تمہاری دوائیاں اور بیوٹی ہیں۔ اشرف کی ماں سے کہہ کر دھلوں پر دوا چھڑکوا لینا۔ ویسے اب حال کیا ہے؟" وہ ہلکے ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"درد تو اب بھی بہت ہے خان اور الٹا بازو تو بہت دکھ رہا ہے۔" وہ اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں بازو کو ہلاتے

وہ سے کہہ رہی تھی۔

"ہوں"۔ وہ کچھ سوچ رہے تھے۔

"ویسے ہماری تجربت کسی طرح کم نہیں اور ہی کہ اس رات تم نے اتنی بڑی حالت میں اتنا راستہ طے کیا۔ اور وہ بھی ہے تمہاری ماں کا گھر حویلی کے نزدیک تو نہیں ہو سکتا۔ پہلے تم شوکت علی کی پھر وہاں سے اتنی رات کو بیل گاڑی"۔

"میں بیدل نہیں آئی تھی خان"۔ اس نے ذرا غرور علی خان کی بات کاٹ دی۔

"پھر ۔۔۔ اتنی رات کو تمہیں سواری مل گئی تھی؟" وہ متعجب ہوئے۔

وہ خاموش کھڑی رہی۔

"بولو"۔ وہ چیخ گئے۔

"مجھے ایک آدمی چھوڑ کر گیا تھا خان"۔ وہ بہت آہستہ بول رہی تھی۔

"تمہاری ماں کی طرف کا آدمی؟" وہ مزید حیران ہوئے۔

"نہیں ۔۔۔ جب میں دیوار کود کر باہر آئی تو ایک آدمی اپنی دوائیوں کی دکان بند کر کے نکلا۔ ہاتھ میں لالٹین سے کوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ دکان چھوڑ کر بھاگ کر میرے پاس آیا۔ وہ سمجھا تھا کوئی چور ہے۔

شہر والوں کو ادھر سب جانتے ہیں۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ یہ عورت مجھے اغوا کر کے لائی ہے اور میرے بھی میرے کپڑے خون میں تر بتر ہیں۔ بے چارے کو بہت دکھ ہوا۔ کہنے لگا "یہ عورت بہت خطرناک ہے۔ میں تمہیں کو اسپتال لے جا سکتا ہوں نہ اپنے گھر۔ میرا بھی جوان بیٹیوں کا ساتھ ہے۔ ہمیں میرا گھر ہے بیٹے کو ہوں وہ اپنے میرے ہمیں وہاں ضرور پہنچا سکتا ہوں جہاں سے تم آئی ہو۔ میں اپنی بیوی کو بتا کر آتا ہوں اور گاڑی بھی لے کر آتا ہوں اپنے تم دکان کے اندر بیٹھ جاؤ۔ میں باہر سے بند کر کے جاؤں گا۔ گھبرانا نہیں"۔

پھر خان میں دکان میں بیٹھ گئی۔ اس نے مجھ سے پتا تم پوچھا۔ مجھے تو خود بھی سے معلوم نہیں تھا۔ میں نے کہا اور آگے چلو۔ وہاں سے تو میں بتا سکتی ہوں۔

تھوڑی دیر میں وہ آ گیا تھا اس نے مجھے دکان سے نکال کر گاڑی میں بٹھایا۔ پیچھے اور دکان میں بتایا تھا۔ وہ بتا رہا تھا بہت دور ہے اس کا گھر بہت دیر گاڑی چلی تھی۔ میں تو بتا نہیں ہو گئی تھی یا بے ہوش ہو گئی تھی۔

راستے میں اس نے گاڑی میں پڑا دل بھی ڈلوایا تھا۔ میں نکلی ہوئی تھی۔ پیچھے مجھ سے بڑا الجھ کر بیٹھ کر کھانا کھا لیا ہو جائے۔

"خان ۔۔۔ وہ بہت نیک آدمی تھا۔ اس نے مجھے حویلی سے تھوڑی دور اتارا تھا۔ میں نے اسے کہا تھا کہ آپ ہمارے خانوں سے مل لیں۔ وہ بہت اچھے ہیں۔ کہنے لگا بیٹی بھلائی کا زمانہ نہیں۔ نیکی لگے پڑ جاتی ہے۔ ایک تو تم بدنصیب پھر اس پر اس قدر زخمی۔ اس لئے اللہ کا نام لے کر خطرہ مول لیا"۔

"واقعی وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ یا پھر تمہاری لگ (قسمت) بہت اچھی ہے اس ابراہیم خان خاتون سے بہت ہو گئی

آسمان بات کہہ رہی تھی۔

"یہ بھی خان قسمت اچھی ہے یا قسمت اچھی ہوئی تو نہیں اور یہ بھی ہے کہ تم نے ہمارے ساتھ"۔

پھوپی جان بہت نرم دل کی بات تھی۔ تبھی تو خان نے آپ کو اتنے دن سے رکھا ہوا ہے۔

"یہ بھی اچھی قسمت کی علامت ہے کہ تم جہاں پہنچ گئی تھیں وہاں کسی ۔۔۔ کسی سے تمہارا تعلق نہیں نکلا"۔

"اس نے تم پر دست تعلق کیوں نہیں کیا تھا؟" وہ جانتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"ایک سو لے سے بوری تلوار تھی۔ میں نے تو کہا وہ بھی نہیں تھا یا تھا وہاں [illegible] ایک چٹان کا سہارا بھی تھی وہاں۔ اس سے بھی کی تھی کہ آپ [illegible] جا کر [illegible] نہیں کر بھاگ کر چلے گی۔ [illegible] اشرفیوں سے بھرا تھا اس ایک طرف [illegible] نے کہا۔ [illegible] یہ بھوکی پیاسی مر جائے گی"۔

صابرہ خانم سے سوالات کر رہی تھی۔

اتنی لمبی بات میں کوئی لفظ استعمال نہیں کیا تھا کہ جس پر خان کی بھنویں تن گئی ہوں۔ وہ بھی خاموشی سے سن رہے تھے۔

"خیر سے اغوا کی ۔۔۔ یہ تو کسی نئے سے کسی زیادتی ہو گئی ہے وہ بھی میں۔ تیرے لیے کے ستارے ہیں اچھی ہوئی تھی۔ گرم گرم پکڑے ہوئے ہیں اور چنگی ہیں ہے۔ ہم لوگوں کو بھی دے کر آئی ہوں۔ سب بڑے خوش ہوئے۔ اللہ کا شکر ہو کہاں دل کرتا ہے اس طرح کھانے پینے کو"۔

صابرہ اندر داخل ہوتے ہی بڑبڑ کر رہی تھی۔ اس کی تلخی کی جیسے ہی ایک موج سی آئی تھی۔ اس نے بہت اپنائیت سے صابرہ کو دیکھا تھا۔

"خان کو تو میں نے بیکار نہیں بھگوانے والی عورتوں کی چیزیں لا کر نہیں [illegible] ہیں وہ تو آپ کو یاد آیا کہ تم نے [illegible] کھانا آیا ہوا ہے رات سے اسے ہی بھوکا رہنے کر اسے تو وہ بچے ہیں"۔

"یہ کیا ہے؟ کیا ہے؟" صابرہ کی بات کرنے کے نظر بیگ پر پڑی۔

"دائیاں ہیں ہاں میں میرا۔ اور مرہم ہے۔ جو تم نے بنوائی تھی۔ کام ہو گیا ہے تمہارا"۔ وہ دیکھتی ہے انداز میں مسکرا دی۔

"صدقے جاؤں۔ بھولا یہ بھی کوئی کام ہے۔ مگر صابرہ بولتے بولتے رک گئی۔

"بیٹی ایہ زخم تجھے آئے کیسے؟" وہ بہت فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

"کہاں ۔۔۔ میں ہوں اب۔ سب کچھ تو ہوں گی"۔ وہ اس کے ساتھ ہاتھ کی سمت قدم بڑھاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"کیا خانوں نے؟"

"اسے نہیں خالہ ۔۔۔ خان لوگ تو بہت اچھے ہیں۔ یہ کچھ اور بات ہے۔ پیچھے جانے پائے۔ کچھ نہ کہو۔ پھر سب کو ہاں کے بتائیں گے"۔

"اچھا... آجا"۔ صابرہ اسے بچن کی لے کر چلی۔

صابرہ اللہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی" وہ پہلے باڑوں کی بلی ایک ایک کمرہ جھانک رہی تھی۔ ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ بنی ایک لکیر کی صورت باہر آ رہی تھی۔

اس نے دستک سے دروازہ کھٹکھٹایا اور دھکے سے وہ کھل گیا۔ ایک نوجوان جس کے جوان سر ہی کہ بہ مشکل تھا باہر میں کوئی نقشہ سا پھیلائے بیٹھا تھا۔ اس نے دروازے کی چرچراہٹ پر چونک کر سر اٹھایا تھا۔ اور ٹھٹک سا گیا تھا۔

"جی... تشریف لائیے۔ آپ کون؟" اس نے ہاتھ میں پکڑی پنسل نقشے پر ڈال دی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"جی... وہ... السلام علیکم"۔ وہ بوکھلاہٹ میں بے دھیانی ہو گئی۔

"وعلیکم السلام رحمت اللہ وبرکاتہ، فرمائیے"۔ اس شخص کی آنکھیں بدستور حیرانی تھیں۔

"وہ جی... تیمور خاناں ادھر نہیں ہیں آپس کی"۔ وہ پلٹنے لگی۔

"سنئے"۔ اس شخص کی دھیمی آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"آپ تیمور کی کون ہیں؟" وہ الجھن سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس قدر آپ جناب سے گھبرا کر وہ تو آدھی ہو گئی۔

"میں جی... کوئی بھی نہیں ہوں ان کی"۔ وہ بہت گھبرا رہی تھی۔

"جب کوئی کسی کو جھوٹا کہتا ہے یا چھوتا ہے تو وہ اس کا ضرور کچھ نہ کچھ ہوتا ہے"۔ وہ بہت اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"آپ یقین کریں"۔

"اس وقت میں یقین نہ دلائیے۔ کہ مجھے ہی کسی تعلق کی ضرورت محسوس ہونے لگے"۔ عجیب شرارتی انداز تھا اس کے تو سر سے گزر گیا۔ اسے ایک دم اپنی اوقات یاد آ گئی۔

"آپ مہمان ہیں خان کے چائے بھجواؤں آپ کیلئے"۔ اس سے نجات کی یہی آسان صورت نظر آئی۔

"چائے ہی پلوانا ہے تو بھجوائیے نہیں۔ خود لے کر آئیے"۔

وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ پلٹ آئی۔ صابرہ اب بھی منظر پر نہیں تھی۔ وہ کچن میں چلی آئی۔

"اسے یہاں کا کچھ پتا نہیں تھا۔ چینی کہاں رکھی ہے پتی کہاں رکھی ہے۔ اول تو ذرا سا چلنے ہی سے اسے تھکن محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ ایک طرف بیٹھ کر گہری سانس لینے لگی تھی۔

"بیٹی! تو یہاں کیا کر رہی ہے۔ کچھ چاہیے تھے۔ جا تو آرام کر سہری آنکھوں میں تو ابھی تک نیند کے... الجھے ہوئے ہیں۔ بچے ہے۔ خالہ کو اپنی اولاد پر رحم آیا تو اوروں کے ساتھ کیا کرتی ہو گی"۔

"کہاں چلی گئی تھیں خالہ میں تھیں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ پریشان ہو گئی تھی میں تو"۔

وہ دھم سے ہنسی ہو کر صابرہ کے گلے سے لگ گئی۔

"تو ڈھونڈنے کے پڑی تھی۔ میں کبھی سو رہی ہے۔ میں بچی کی فکر نہ کروں گی۔ ... چاہے ہوں پانیوں کے بعد پڑا ہوا ہے۔ سہارا کہاں ہے پتے کی تھی۔ اسی تو کی تھی۔ ... وہ وہ بھی نہیں ہوئی۔ اس ... ہاں ... بتا لے سے گھبرا گئی ہو گی"۔

"نہیں اصل کوئی مہمان ہے چائے کا کہہ رہا ہے"۔ وہ پرسکون ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تو بھی تھی اوپر؟" صابرہ نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ تمہیں ڈھونڈنے گئی تھی"۔

"بچی اری کیا تیرے بھلے کو کہہ رہی ہوں۔ ہر ایرے غیرے کے سامنے نہ جایا کر۔ ... لے جانے والے ہیں یہ لوگوں کو آزمائش میں ڈالنے والی بات ہوئی۔ بندا خود کو چھپا سکتی ہے چھپ۔ اللہ تجھے ساتھ تو بہت کے اپنے گھر کی کر۔ ... میں اسے آواں گی چائے"۔ صابرہ نے بڑی محبت سے سمجھایا۔

"تیمور خاناں بھی پتا نہیں کہاں چلے گئے"۔ وہ بڑبڑائی۔

صابرہ نے کیتلی اٹھاتے ہوئے ایک دم مڑ کر اس کی سمت دیکھا اور بہت بغور دیکھا۔

"ایک بات اور گرہ میں باندھ لے بیٹی۔ باتوں کی کمی۔ ... دری قریبی حاضری غیر حاضری محسوس نہیں کرتے۔ ... رات کو بھائیں ہے۔ تو لاکھ پیسے والی کی اولاد سہی مگر اجڑا ہوا تو کر ہے۔ یہ عیب کی بات ہے بیٹی ایران مدد"۔

سلیہ خاموشی سے ہاتھ مسلنے لگی جیسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔

صابرہ نے باتیں کرتے کرتے چائے تیار کی۔ سلیہ ہوں ہاں کرتی رہی۔ اوپر والے مہمان کے اندر روہ کر دھیان میں آ رہے تھے۔

"یہ ایک پیالہ کھانا ہے صبح کو واپس ہو جائیگا۔ کھائے گی؟" صابرہ نے سفری پلیٹ میں رکھا ایک اس کے سامنے رکھا ساتھ خوبصورت بیتے والی چھری تھی۔ وہ تھم تھم سے انداز میں ایک ایک پھلکی چلانے لگی۔ صابرہ چائے لے کر باہر نکل گئی۔ ابھی اس نے ایک بیس چوتھائی کھایا بھی نہیں تھا کہ صابرہ ٹرے سمیت پھر سے موجود تھی۔

"کیوں۔ چائے نہیں پی مہمان نے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کہہ رہا ہے کب دل نہیں چاہ رہا۔ بیمار ہوں"۔

"اللہ نیکی دے لوگوں کو۔ اب میں ایسی بڑی بھی نہیں ہوں کہ سلیقہ ہی نہ ہو۔ اس کی دی ہوئی تھوڑی بہت ... ہے پاس بھی ہے۔ ہر کوئی ... سے ناراض جیسا تھوڑا ہی ہوتا ہے"۔

صابرہ برتن اٹھا کر رکھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔

رات کو کیونکہ وہ جلدی سو گئی تھی اس لئے صبح پو پھٹتے ہی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر باہر باغیچے میں چلی آئی۔ آج دنوں کی تھکن میں بہت کمی محسوس ہو رہی تھی۔ اعصاب بھی قدرے پرسکون تھے۔ وہ مور کی شکل بنے ہی ایک سنگی بنچ پر بیٹھ

گئی۔

اس کے سامنے دریلی کی صبح کا منظر ابھر آیا تھا۔ کبھی بڑی رونق تھی صبح کی۔ ''ماما ماما'' کی آوازیں
دوڑتے بھاگتے کاموں میں لگ جاتی تھی۔ ایک افسردگی سی اس کے دل پر چھانے لگی۔
''آپ نے خود بھی چائے کیلئے کہا تھا''۔
وہ بری طرح اچھل پڑی۔ رات والا مہمان لائبریری اور ڈرائنگ کا دن کی چیزوں میں ہاتھ ڈالے سامنے کھڑا تھا۔
وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''السلام علیکم جی''۔ وہ گھبرا کر یہی کہہ پائی۔
''وعلیکم السلام''۔ وہ پرشوق نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔
''وہ — خالہ نے کہا تو تھا''۔ اس نے موہوم سا کہا۔
''مگر مجھے خالہ کی بنی ہوئی چائے سے تو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے تو چائے کیلئے آپ نے کہا تھا''۔ وہ اسے
پر شکل سے متنبہ ہوا۔
''مگر — خالہ مجھ سے اچھی چائے بناتی ہیں''۔ وہ اس کی نگاہوں سے بہت گھبرا رہی تھی۔
''اچھی بری کا سوال نہیں ہے۔ چائے بنانے اور پلانے والے کا مسئلہ ہے''۔
''آپ خان کے رشتے دار ہیں؟'' اس نے غور پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا اور ماحول کا بوجھل پن
لاشعوری کوشش کی۔
''آپ خان کی کون ہیں؟'' وہاں سے اتنا سوال کر دیا گیا۔
''میں ان کی ملازمہ ہوں''۔ وہ بڑے سکون سے اور اعتماد سے گویا ہوئی۔
''اوہ!'' مہمان نے سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔ اور پہلے سے زیادہ بے خوف انداز میں اس کا جائزہ
لینا شروع کر دیا۔
''بڑے خوش قسمت ہیں یہ خان زادے۔ میں حسد کی آگ میں جلنے لگا ہوں''۔ مطربہ کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں
ہونے لگی تھیں۔ اس جنہ میں سے محسوس ہو رہا تھا وہ۔ اس کے وجود سے آنچ نکل رہی تھی جس کی تپش سی محسوس ہو رہی تھی۔
''ویسے ایک بات بتائیں۔ ہم بھی خان زادے ہی ہیں۔ بس قبیلے کا فرق ہے۔ مگر۔ تم خان زادوں میں فرق کرنا
پسند کرو گی''۔ وہ ذرا آپ سے تم پر آ گیا تھا۔
سرخ و سفید روئی جیسے گالوں کا گندم شلوار اور سر پر خوبصورت کڑھائی والا سیاہ آنچل۔ صبح کے نور میں اجالے میں وہ کوئی
بے حد سوتی کی طرح چمک رہی تھی۔
''ایک بات بتاؤ''۔ وہ جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکالتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جمائے گویا ہوا۔

''خاموشی سے اس کی بات کا انتظار کرنے لگی۔
''تم خان زادوں سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہو؟'' اس کا سوال عجیب سا تھا۔
''کچھ خان زادے مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے میں بھی ان سے نفرت کرتی ہوں''۔ وہ اتنا ہی کہہ پائی۔
''کیا مجھے بتاؤ گی کہ کس طرح کا خیال رکھتے ہیں؟'' وہ ہونٹوں میں کسی کے پھر سے مسکرا رہا تھا۔
''جیسا کہ کہنا چاہیے۔ میں اس لئے سے اپنے خانوں کی بہت عزت کرتی ہوں کہ وہ سب عورتوں کی عزت کرتے ہیں
۔''
اس نے اپنی عمر سے بڑی بات بہت سمجھداری سے کہی۔ شاید وہ مہمان کی نظروں سے ان کی ان میں علمیت جانچنے لگ
گئی تھی۔
''شاباش تمہارے خانوں کی تربیت کی داد دینے کو دل چاہ رہا ہے''۔ اس نے سر دھنتے ہوئے انداز میں کہا۔
''تمہاری اس بات سے مجھے بھی بہت اچھا تاثر ملا ہے۔ اب مطربہ سوچنے والی بولی کیا کہیں۔
''میں جاؤں؟'' اس نے بے گانگی بھانپتے ہوئے خود مانا انداز میں اجازت چاہی۔
''اس شرط پر کہ اور چائے لے کر تم آؤ گی''۔ اس نے بھرا ہوا پیر دھواں اڑایا۔
''میں آپ سے سوال چاہوں گی۔ خالہ منع کرتی ہیں''۔ اس کی آواز سادگی سے ہموار آئی۔
''کون خالہ — وہ بڑی بی جو ادھر کام کرتی ہیں؟'' مہمان نے ناگواری سے ہونٹ بھینچے۔
''جی''۔ وہ دھیرے سے بولی۔
''ہوں — لگی خالہ ہے تمہاری''۔ بھنچے ہوئے لہجے سے کڑوا کسیلا تھا۔
''نہیں — مگر اماں جی نے آپ کا بہت خیال رکھنے کو کہا ہے''۔ وہ اسی سادہ انداز میں گویا ہوئی۔
مہمان کے دل پر تو گویا کسی نے کڑوے کسیلے ذائقے کا پرچا ایسا ہوا تھا کہ اور تلخ اور خالص انداز۔
''اماں جی — تمہاری والدہ؟'' مہمان نے تلخ سے الجھا۔
''جی''۔ وہ نظریں جھکا کر بولی۔
''یعنی خالہ تمہارا خیال رکھ رہی ہیں۔ ہوں۔ اچھی بات ہے۔ اب بھولوں کے گرد تو کانٹوں کا حصار ہونا چاہیے۔ اماں
جی بہت سمجھدار عورت ہیں''۔
''جی — ماشاءاللہ سے انہیں اللہ نے بڑی عقل دی ہے''۔ وہ سنجیدگی سے الجھن کی تفریط میں جانے لگی۔
اتنی سادگی۔ کہ مہمان کہہ اٹھا۔ جانے اپنی کس کس سوچ پر۔
''ٹھیک ہے — تم جاؤ — ہم تم سے چائے کیلئے نہیں کہیں گے''۔
اس نے حیرت سے مہمان کی شکل دیکھی۔ بہت ہی اجنبی اجنبی لگی تھی۔ وہ آہستگی سے گھاس کا قطعہ پار کرنے
لگی۔

وہ کہہ رہی تھی کہ خالہ نے کہا ہے تیمور خانوں بلا رہے ہیں۔

اور تب جیسے دروازے کی اوٹ میں آئی تھی۔ پاؤں پاؤں کھلے وہ گئے تھے اس دیکھے ہوئے۔

"نی — نی خان"۔ وہ اندر داخل ہوئی تو اس کی سانس پھول رہی تھی۔

"اماں نی تم سے بات کریں گی"۔ تیمور علی خان نے اس کی مدد دیکھتے ہوئے۔ اس کے ہاتھ میں ریسیور تھا۔ "آ کے بات کریں۔"

"اے اللہ — اماں جی"۔ وہ اور خوشی سے گرتی پڑتی آگے بڑھی۔

"السلام علیکم اماں جی۔ اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں جی۔ جی۔ نہیں آپ فکر نہ کریں۔ صاعدہ خالہ بہت اچھی ہیں۔ جی۔ مجھے تو خان کل سے دکھائی نہیں دیئے۔ پھر خیال کیا دکھوں۔ نہ انہوں نے کل گھر میں جانے پانی نہ کھانا کھایا۔ نہیں نہیں۔ اماں جانے تو پی تھی۔ کوئی مہمان بھی ہے ناں گھر میں اس کے ساتھ۔

جی سمجھے نہیں پتا۔ شاید خان کے دوست ہیں۔

نہیں ہیں۔ — بالکل نہیں دوستی۔ بس آپ بہت یاد آ رہی ہیں۔ جی خان تو باہر چلے گئے ہیں"۔

"اچھا — خدا حافظ"۔ اس نے اداس سی کیفیت میں ریسیور رکھ دیا۔

وہ باہر آئی تو کچن کی طرف بڑھنے لگی۔

"عطریہ"۔ اسے پشت سے آواز آئی۔

وہ چونک کر مڑی "جی خان"۔

"زخم کیسے ہیں اب؟" وہ عام سے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"پہلے جیسے دکھتے نہیں ہیں مرہم بہت اچھا ہے"۔ وہ خاکساری کے انداز میں گویا ہوئی۔

"وہ ایک بات ہے"۔ وہ کچھ کہتے ہوئے جھجک رہے تھے۔

"جی خان — حکم"۔

"دیکھو — کچن میں ادھر ادھر نہیں گھومنا۔ بس صاعدہ کے ساتھ رہو اور اپنے کام سے کام رکھو"۔

"جی خان"۔

"اوپر بھی نہیں جانا جب تک ہم یہاں ہیں"۔ وہ بہت دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔

اس نے چونک کر تیمور علی خان کا چہرہ دیکھا۔ دل بہت تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔

"کیا کہیں نہیں اوپر؟" وہ جاتے جاتے پلٹے۔

"وہ گڑبڑ ہو گئی۔ ملک پیلے پیلے ہو گئی"۔ وہ — جی — جی نہیں — نہیں تو۔ وہ ہی مجھے تو کوئی ضرورت ہی نہیں اوپر جانے کی"۔ اس کی آواز تھرا گئی۔

تیمور علی خان اپنے کسی خیال میں گم تھے۔ اس کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس کی عزت سے [illegible] تھی۔ اگر کچھ لیئے تو خدا نخواستہ [illegible] جائے۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے"۔ وہ اپنی ٹھوڑی مسلنے لگے۔

وہ چند لمحے سانس درست کرتی رہی۔ اور پھر ہمت کر کے پوچھ لی۔

"وہ جو صوفے پر کل آپ کو کچھ ملا تھا۔ وہ کسی کی کوئی چیز تو نہیں ہے۔ کام کے وقت تو [illegible] جاتی ہیں۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اچھا بھلا انسان ہے"۔

تیمور علی خان اپنی ہتھیلیوں کی پشت پر نظریں جمائے کچھ سوچ رہے تھے۔ اس کی بات پر چونک کر سر اٹھایا۔

"کیا؟" وہ اسی طرح سوچ رہے۔

"وہ — جی آ — کچھ نہیں۔ [illegible] یہ سب روگی کی باتیں ہیں"۔

"ابھی کہنا مناسب تو نہیں ہوگی"۔ تیمور علی خان ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کھولے مگر پھر کچھ سوچ کر بولے۔

"بھوک ہو گی۔ تمہیں کھانے کا بھی کیا ہوش۔ مگر ہوش تو رکھنا ہی ہوتا ہے۔ [illegible] ہو گا۔ ایک کپ چائے بنا کر لاؤ"۔ وہ نرمی سے بولے۔

تیمور علی خان کا لہجہ بے حد پیار بھرا تھا۔

"جی۔ چلو تمہیں تو کھانے کا ذائقہ ہے ناں۔ وہ دوپہر کو بھی تمہارے لئے [illegible] تھا۔ اب بھی دیکھ صاعدہ نے ٹھیک طرح مشرقی مسالہ جات کا استعمال کیا ہوگا۔ ہمیں پرہیزی ہے"۔

"یہ تو ہے بار بار یہ صاعدہ کھانے بہت اچھے بناتی ہے۔ [illegible] تھا کہ میں نے بے اختیار یہ کہا تھا کہ اس کی ضرور کوئی اسپیشل ڈش ہو گی۔ کہتے گئی جیسے بناتے ہیں ویسے ہی بنا دیتی ہے اس دن کوئی ہوائی ہو گی اور [illegible] والا ہے۔

ویسے بار بار کھانا بنانا بھی بہت یاد آتا ہے۔ ویسے وہ جو تھرمے پاس رکھی ہے اس کی عادت ہو گئی ہے کہ اس سے زیادہ بہتر کام ہو نہیں سکتا ہے۔ اب اسے دل سے کام کرنے کی سے کرنا لئے ہوئے اچھا محسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ کی اصل کام تو بچے کی دیکھ بھال کا ہے۔ وہ تو ہی کر رہی ہے"۔

"شادی کرلو — بہت سے [illegible] تو ٹھیک ہو ہو جائیں گے"۔ تیمور علی خان نے اٹھ کر جگ سے پانی [illegible] پینے لگے۔

"ہاں یار۔ اب تو میں خود بھی سوچ رہا ہوں۔ سول سروس کے ایگزام کا رزلٹ بھی آنے والا ہے۔ یوں بھی [illegible] ہو گی ہے"۔

"تو پھر اسی کی بات کی ہے؟" تیمور علی خان نے دریافت کیا۔

"ارے تم کہاں کی بات کی ہے۔ اچھی کل جو ہوئے ساتھ [illegible] ہے وہ تمہیں بتا ہی ہے۔ لگے سے بھولی بھالی

ہوں۔ آل ریڈی شادی شدہ ہوں"۔

"لاسٹ چانس — سوسائٹی — لو پرابلم"۔ تیمور علی خان نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"مگر سادھو اکبر — میری جان — پہلے تو یہ بتاؤ وہ ہے کون"۔ علی نے ٹیبل پر رکھے ہوئے بال کی کھال اتارتے ہوئے اور شکنجہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ایک بچے کا باپ ہے۔ جس سے اس کے خاندان والے نہیں ملتے' کیوں نہیں ملتے۔ اس کا جواب ہے ہر کوئی اپنی صفائی دینی بھی نہیں دے گا۔ اور اس سے سامنے جواب میں شکنجہ کی سرشلیں برآمد کر لی جائیں گی۔ جو ہمارے مقاصد کو فیڈ بھی نہیں کی گئی ہوں گی۔

یار مجھے بتا دیا کرو۔ اتنی جلدی چھوڑ جاتی تو میں انجائیر ہی نہ لیتا۔ بھوندی تو کہتے ہیں کہ ان کی شان کم ہو گئی ہوں"۔

"اوے نہیں یار — خوامخواہ وہم نہ کرو' فراڈ کر"۔ تیمور علی خان اتنی باریکیوں سے پریشان سے ہو گئے۔

"بھئی جب تم غیر ہو جھوٹ نہیں بول رہے تو سچائی کی قدر کرنا چاہیے"۔ وہ حیران سے تھے۔

"بتا نہیں کون سی دنیا میں ہو تم — بہرحال لگتا ہے اچھی دنیا میں ہو"۔ علی نے لمبی سانس بھری۔ "خوش رہو"۔

"اس طرح تو بات نہیں بن رہی۔ پرابلم نہیں کر۔ سولوشن نکالو یار لنز"۔ تیمور علی خان نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہاں تم کرو ناں پرابلم حل"۔ علی نے صوفے پر بلم ڈھیلا ہو کر اطمینان سے کہا۔

"تم جو کہیے ہم مدد کرنے کو تیار ہیں۔ اگر ہمارے اختیار میں ہوا"۔

"بس اب تم تمہارے ہی اختیار میں ہے ڈیئر"۔ علی نے بات مکمل ہونے سے پیشتر کاٹ دی۔

"وہاٹ"۔ حیرانی سے تیمور علی خان کا اس کہنا بھول گئے۔

"ہاں یار — بات تھوڑی سی غیر معقول تو ہے مگر"۔ علی نے کچھ توقف کیا۔

"اوں ہوں — کہو"۔ تیمور علی خان الجھے الجھے سے قریب آ گئے۔

"یار — قسمت نے اسے خلازمہ بنا دیا ہے۔ مگر کسی طرح خلازمہ نہیں لگتی"۔ علی نے بات کرتے کرتے نظریں جھکا لیں۔

"کون؟" تیمور حقیقت میں نہیں سمجھے۔

"نام تو مجھے پتا نہیں۔ البتہ جلاء طن ملکہ کہتی ہے"۔

"یار — کیوں الجھا رہے ہو"۔ تیمور زچ ہو گئے۔

"واقعی... مجھے اس کا نام نہیں معلوم۔ اس کا بیٹا تم نے دیکھا ہے۔ بہت پھولی عمر ہے۔ گھبرائی گھبرائی بہت ہے۔ بات کچھ سمجھی ہے۔ کچھ نہیں"۔

تیمور علی خان چونک پڑے۔ اور سنجیدگی سے علی کی شکل دیکھنے لگے۔

"سطریہ"۔ ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"بالی گنج نہیں — وہاٹ اے لیجنس — سو یو لیو ہم"۔ علی نے الجھ کر پوچھا۔

"ہاں واقعی یہاں کا نام ہے۔ بہت ہی ذہین خاتون ہے کبھی پتا چلا ہے"۔ علی کی آنکھوں میں سوال تھا۔

"خاتون — ہے — تم کیسے جانتے ہو اسے یار"۔ وہ جیسے گھونے کنویں سے بول رہے تھے۔

"تو پھر کیا خیال ہے۔ کوئی قباحت تو نہیں ہے"۔ علی کی آنکھوں میں چمک لہرائی تھی۔

"نہیں — کوئی قباحت نہیں ہے۔ ہم سے تو خود اس کی وجہ سے بہت پریشان ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کی شادی کل کی ہوتی آج ہو جائے۔ پرابلم سولو ہو جائے گی۔ یہ بڑی خیر کی بات ہوتی ہے۔ تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ کیا واقعی تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" تیمور علی خان نے الجھی ہوئی نظروں سے علی کو دیکھا۔

"ابھی کرا دو یار!" علی کا جواب بڑا بے ساختہ تھا۔

"بہت ہی ہیپی مسئلہ ہے۔ اصل ادھر بھی کچھ پرابلم ہے۔ پہلے حقیقت جان لو۔ پھر غور کر کے فیصلہ کرنا"۔

"مجھے غور نہیں کرنا اس شادی کرنا ہے۔ یار کام سے لگ رہے ہیں' لگنے دو"۔ علی نے جھلا کر کہا۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اب تو اپنی فورسز کی طرف سے ہمارا ذہن بھی نہیں کرتے۔ اور ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ جلد از جلد اس کی شادی ہو جائے مگر تم پہلے تمام حقائق جان لو"۔

"نہیں اتنا اصرار ہے تو جلد سے جلد تاؤ اور لے کر لو مجھے کسی بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بھاڑ میں جائیں سب لے کر مجھے منزل تک جانا ہے"۔ علی کے انداز میں بڑی بے صبری تھی۔

تیمور علی خان نے جانچتی نظروں سے علی کی طرف دیکھا۔ "اتنی بے تابی۔ کہاں سے کیا تم نے اسے؟"

"بھاڑ میں قصہ۔ حقائق بتاؤ"۔ علی نے کوفت بھرے انداز میں کہا۔

"اس کا پتا گراؤنڈ" ریڈ لائٹ ایریا" سے متعلق ہے۔ مگر وہ بہت خوبصورت ہے۔ وہ اس ماحول میں۔ علی نے کہا۔ اب (پروفیشنل) ہوئی۔ اس کی نانی نے چھوٹے سے گاؤں میں اسے پالا۔ لائق ہونے کی وجہ سے اس کا۔ ہماری بہت پرانی ملازمہ کے تعلقات ہیں اس کی نانی وغیرہ سے۔ اس کی نانی نے ہماری حویلی میں کام کیلئے بھیج دیا۔ کیونکہ وہ اسے اس ماحول میں بھیجنا نہیں چاہتی تھی۔ البتہ اس کی اپنی ماں ریڈ لائٹ ایریا کی ہی ورکر میں اب بھی ہے۔ وہ اسے بچانے ہماری حویلی لائی تھی مگر یہ اس کے ساتھ گئی نہیں۔ مگر بعد میں وہ اسے اغوا کر کے لے گئی۔ بچی اڑھائی سال کی تھی۔ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی اور حویلی واپس آ گئی۔ اس کی ماں کی وجہ سے ہی اسے کرایہ کی شفٹ کرنا پڑا۔ اب گھر میں سب سوچ رہے ہیں کہ اس کی جلد سے جلد شادی ہو جائے۔ اس صورت اس کو بچہ اپنی ماں سے ہمیشہ کیلئے چھوٹ سکتا ہے"۔

"چلو پھر آج ہی کر لیتے ہیں شادی"۔ علی نے گہری سوچ سے چونک کر بڑی ہی بشاشت سے کہا۔

"واقعی؟" تیمور علی خان نے مسکرا کر پوچھا۔

"یس — آف کورس — شی از — انوسنٹ (وہ معصوم ہے بچی کی طرح ہے)"۔

"مگر فی الحال تو وہ الجھن (زدہ) ہے۔ نہیں پرابلم ہو گی"۔ تیمور علی خان شرارت سے مسکرائے۔

علی نے تعجب سے ان کی طرف دیکھا۔ "میں"۔

"انکوائری کے بعد بہت دیر کیا تھا ان لوگوں نے"۔ تیمور علی خان نے بتایا۔

"واقعی میں۔ لوگوں نے"۔ علی نے الجھ کر پوچھا۔

"ہر دو ایجنسیز تھیں"۔ تیمور علی خان نے وضاحت کی۔

"اوہ — پھر بے چاری کی مرہم پٹی بھی ہو رہی ہے نا"۔

"ایک دن میں اس قدر ہمدردی"۔ تیمور علی خان قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"یہ تمہاری رضامندی کے بعد اب تو جائز ہے"۔ علی کا سوال کے لہجے سے سرشار تھا۔

"ٹھیک ہے یار تم آج ہم بابا صاحب سے بات کریں گے اور کوشش کریں گے تمہاری لندن واپسی سے پہلے یہ کام ہو جائے"۔ تیمور علی خان نے مزید تفصیلات بھی بھجوائی۔

"یار تیمور! ایک بات ہے، کوئی ذہن میں آئی ہے۔ تم آؤ اور نہ سمجھ لیا۔ میں لائن پر رہتا ہوں اب کوئی میلاد پڑھانت مجھے اٹینڈ نہیں کر سکتا"۔

"ہوں"۔ تیمور علی خان بھی سنجیدگی سے متوجہ ہوئے۔

"ابھی تم کہہ رہے تھے کہ اس کے چچا نے نکاح کیا تھا تو اس کا باپ"۔

"وہ سندھ کی کوئی بڑی آسامی ہوتا ہے۔ وہ بڑی بیٹی والوں کو اس اون کر چکا ہے۔ ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ پرسوں ہمیں بابا صاحب سے ملنا ہے اور انہیں اماں جی سے"۔ تیمور علی خان نے دھیان سے علی بات اچک لی۔ "مطلب یہ کہ ہمیں ہے"۔ انہوں نے شرارتاً کہا۔

"ابھی کچھ بھی ابھی نہیں سوچا، انتظار کرو، ماسٹر پیس کہتا"۔ علی کی خوشی اس کے ایک ایک انداز سے چھلک رہی تھی۔

"اگر سندھ کی طرف سے چلو تو پھر ماسٹر پیس کہنا زیادہ موزوں ہے"۔ دونوں نے قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد تیمور علی خان نے پوچھا۔

"یار! ہم تو یہی سمجھے ہوئے سرکاری افسر ہیں جب تم ہمیں رنگین مزاجی کا الزام دیتے ہو۔ اصل کام تو تم لوگوں کا ہوتا ہے، کھاتے ہو"۔

"ہمیں حلال روزی پر یقین کرو ہم خاصے ٹھیک ٹھاک ہیں"۔ تیمور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لگا کیں گے مقررہ ہم لندن کا بھی ایک چکر دیکھیں گے تمہارے رنگ ڈھنگ"۔ علی نے اپنے اگلے پروگرام سے باخبر کیا۔

"ضرور کوئی نہیں"۔ تیمور علی خان نے اطمینان سے جواب دیا۔ وہ خوبصورت سی کرسی پر بیٹھے شیشہ پی رہے تھے۔

"خان"۔ دروازے پر دستک ہوئی اور ملازم کی آواز آئی۔

"ہوں"۔

"کوئی لوگ آیا ہے۔ اور وہ ملنا مانگتا اپنے کو ہمارے ملک کا بتاتا"۔ ملازم نے اطلاع دی۔

"ہم ایک وقت میں دو لوگ کیسے ہو سکتے ہیں کہ کہ ہم تو یہاں ہیں"۔ علی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ اور تیمور علی خان کو اس پر غصہ کوئی خیر نہیں تھی۔

وہ سوئی کیلئے تھوڑی دیر پہلے لاؤنج میں آئی تھی۔ تیمور علی خان پر مصروف تھے۔ خالی بیٹھے بیٹھے وہ آ گئی۔ ملازم نے اسے بہت سنجیدگی سے مخاطب کر کے اطلاع کی تھی۔

"ایک منٹ پلیز"۔ تیمور علی خان نے فون کرتے کرتے ہاتھ روک کر ہاتھ رکھ دیا۔

"وہ — کیا نام ہے ابھی ہم فون کر رہے ہیں۔ بعد میں دیکھو"۔

اس نے ایک افسردہ سی کیفیت میں گھڑی واپس کارنیلین پر رکھ دی اور خاموشی سے واپس چل دی۔

"علی بابا صاحب! اچھا خون پڑھتی آپ کو کوئی کال کسی اور بات ہوئی تھی؟"

اچھا — اچھا، تمہاری قانونی حیثیت کو رہنے دیں۔ لیکن ہم اسے اپنے نہیں دیں گے اللہ رکھے۔

پریشان — اچھا۔ ہاں اچھا لگا ہے۔ لیکن ابھی کلیئر نہیں ہے کہ کیا کرے گا۔ ہاں خیال ہے ابھی اس کی عمر خاصی کم ہے۔ ہاں وہ تو ٹھیک ہے، وہ خاصا ہے۔ تعلیم۔ لیکن اب وہ اپنے ماں سے بیٹے گا۔ ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ اس کی جان چھڑانے کیلئے شادی کا ایک کھیل کھیلا، بہت بے اصولی کی بات ہو گی، ہمارا خیال ہے۔ تمام حالات سے باخبر ہونے کے بعد اس کی جھلی لی (طرز فکر) بہت بھیج ہو گئی ہو گی۔ اور وہ اتنی آسانی سے کچھ ہاتھ نہیں گزارے گی۔ وہ بے بس لڑکی ہے، ہاں نہ ہے تو آپ سے اتنی بات کی ہے۔ ہم تو خود بھی آپ کو یہ بات کرنے والے تھے۔

"ہاں ہاں۔ ملتا ہے۔ وہ ہی ہے ناں۔ ہاں ہاں۔ سمجھ لی۔ اس کو بہت پسند آ گئی ہے۔ ڈانٹ ڈپٹ اس سے ہوتی ہے۔ ملتا نہیں ہیں۔ وہ گھریلو سا چاہ رہا ہے۔ ہم نے اس سے تفصیلی بات کی ہے۔

ملتا ہے سب بتا رہا ہے۔ اسے تو پیار اب یہ تو وہ خود بہتر سمجھتا ہو گا۔ ہم نے تو اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ کیا۔ ہاں کرے گی وہ ہاں۔ وہ علی کا خاندان حسب نسب سب ڈھونڈ لیا ہے۔ آپ اتنی گہرائیوں میں مت جائیں۔ بابا صاحب ڈھونڈ چکا ہے۔ اگر نسب کی اہمیت ہوتی تو الگ کر چکا ہے۔ وہ پہلی خاندانی نہ بنے ہو چکی ہے۔ یہ تو اس کے آپ سے پوچھنے کی بات تھی۔ نہیں کیا — ؟

نہیں نہیں — بابا صاحب وہ پیر نہیں ہے۔ اگر وہ اس حد پر بھی آ گیا ہے تو اسے منظور ہے۔ ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ نہیں، ابھی اسے نہیں معلوم۔

ملتا ہے — بہت بہتر ہو گا۔ اور بہتر ہے کہ ہماری واپسی تک بھی چلوں وہ کہتے ہیں۔ ٹھیک ہے جیسے فیصلہ تم کرو پاکستان سے تو سنہ وہاں کی نوکری ساتھ لے آئیں۔ ظاہر ہے وہ انہیں خالی کرنی ہے۔ وہ بھی صبر آ جائے گی۔

اس کی اب تقریر کریں گے اس سے ہم خود بات کریں گے۔ یہاں سمجھے کہ کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

اوے گے"۔

انہوں نے بہت دلکش انداز میں دہیسور کھا باسوراڈوچ سے باہر آ گئے۔

"صابرہ"۔

"جی خان!" صابرہ فوراً کچن سے نمودار ہو گئی۔

"دیکھو۔ اسے تکلیف ہے۔ اس سے کام مت کراؤ۔ اسے ریسٹ دو اور کھانے پینے کیلئے اچھی چیزیں دو۔ جن سے انرجی گین ہوتی ہے۔ ہمارا مطلب ہے۔ طاقت آتی ہے۔ اسے جلد سے جلد فریش ہونا چاہیے۔ کچھ بہت اچھی چیز تیار کرو۔ تاکہ مہمان خوش ہو"۔

"اتنا خیال کر رہے تھے تیمور خاناں اس کا۔ اسے اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ جیسے پانی پر تیرتے دیئے والی روشنی میں آ گئی تھی۔

انگ انگ میں سرمستی سی اترنے لگی۔

"اماں جی اور بابا صاحب۔ ممکن ہے رات کو آ جائیں ورنہ صبح کو ضرور آ جائیں گے۔ ان کا کمرا چیک کر لینا تم نے۔ ہم باہر کام سے جا رہے ہیں۔ علی واپس آئے تو اسے کہنا کچن پر ملاقات ہو گی"۔

وہ جیب میں چابیاں ٹٹولتے آگے بڑھ گئے۔

"ہائے اللہ — اماں جی آ رہی ہیں"۔ مطربہ تو جیسے خوشی سے ناچ اٹھی۔

"جو بات سب سے پہلے بتانا چاہیے تھی وہ بعد میں بتائی۔ تیمور خاناں بھی بس۔ اماں جی کو اطلاع تو دلوا لیتے۔ ان کو بھنڈی بہت پسند ہے۔ میں خود بناؤں گی۔ اماں جی کیلئے۔ انہیں کھچڑی اور پودینے کی چٹنی بھی بہت پسند ہے۔ یہ بھی بنائیں گے۔ ٹھیک ہے ناں خالہ"۔ وہ سر سے پاؤں تک خوشی سے چور تھی۔

"ہاں — ہاں کیوں نہیں۔ ہماری مالکن تو بہت ہی سادہ ہے۔ کتنا لمبا دسترخوان ہے حویلی کا۔ اور اماں جی کے کھانے میں بھی سادگی۔ میں تجھے غور سے دیکھ رہی تھی ابھی۔ کتنی محبت کرنے لگی ہے تو اماں جی سے"۔

صابرہ نے اس کی شکل خوشگوار حیرت کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"لو — وہ ہیں ہی اتنی اچھی۔ نہ گالی دیتی ہیں۔ نہ واویلا کرتی ہیں۔ غلطی ہو جائے تو انجان بن جاتی ہیں۔ اکیلے میں سمجھاتی ہیں۔ اگر اماں جی مجھے کہیں کہ ساری رات بیٹھی ہاتھ پنکھی جھلتی رہوں تو میں ساری رات جھلتی رہوں"۔ وہ سادگی سے کتنی گہری بات کہہ گئی۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اماں جی بہت اچھی ہیں۔ مگر تو بھی بڑی اہل ہے۔ نیکیوں کی قدر پہچانتی ہے۔ اللہ تیرے نصیب اچھے کرے۔

جیب کاٹ کر دوں۔ کھائے گی۔ تیمور خاناں کہہ کر گئے ہیں' تجھے ابھی چیز بیز کھلاؤں"۔ صابرہ نے فریج کھولتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں کون سے اندازے میں بھیجیں گے مجھے خان۔ فالتو کی طاقت کا کیا کروں گی میں؟" وہ شرارت سے بولا

ہوئے وہ مسکرا دی۔

صابرہ ہنس ہنس کر لوٹ گئی۔

"بے وقوف! کبھی طاقت بھی فالتو ہوتی ہے"۔

"اوئی بلی کی تو ہوں۔ اماں جی کہتی ہیں کہ بلی سے بچتی ہوں۔ تجھتی کیسی ہوں"۔

"بچی وہی طرح سدھر کر نہیں رہ لیتے۔ اللہ کا شکر کرتے ہیں۔ اپنی بھی نکھر جاتی ہے۔ صابرہ نے بات مکمل کر لی۔

"سب بلی کی کھلائی پلائی کا کمال ہے۔ اچھا سر نے کھانے نہیں دیئے تھے کہ کھانے سے آگ لگ جاتے ہیں۔ عورت جلدی داغی جاتی ہے۔ بیلی روٹی پر گھی کا پتا صبح صبح کھلاتی تھی اور پوتے کو جلد پانی تھی کہ بڑا ہو جائے گا۔ چائے بھی نہیں پینے دیتی تھی کہ خون جلاتی ہے۔ میں بھی سر دوا اماں کے ہاں پلی تھی"۔

"خالہ"۔ وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔

صابرہ خود سے دھیان ہٹنے پر اس کی باتیں سن رہی تھی ایک دم چونکی۔ "ہوں؟"

"خالہ میں اپنی بلی کو کب دیکھوں گی؟" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ "میں نے خان سے کہا بھی تھا کہ بلی کو بھیجیں لا دو۔ اماں جی بے چاری تو کچھ بھی نہیں کہیں گی"۔

"پھر کیا بولی سوں آنے؟" صابرہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کیا بولتیں۔ بھی کہ بلی کہتی ہیں' پورا گاؤں بھرا رشتے دار ہے مر کر بھی یہاں سے نکلوں گی"۔ وہ بلی کو یاد کر کے یکدم اداس نظر آنے لگی تھی۔

وہ سونے کیلئے لیٹ گئی تھی تب ہی صابرہ آ گئی۔

"بچی — خان بلا رہے ہیں۔ لارا نگ روم میں ہیں"۔

"خیر میں ہیں؟" وہ اٹھ بیٹھی۔

"نہیں۔ خیر میں تو نہیں لگ رہے"۔ صابرہ سوچتے ہوئے بولی۔

وہ دوپٹا سر پر جما کر لارا نگ روم کی طرف چل پڑی۔

ڈرتے ڈرتے اس نے قدم اندر رکھے تھے۔

"آؤ بھئی — وہ ہی؟" تیمور علی خان وہ اڑے کے مقابل صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"جی!" اس نے دھک دھک کرتے دل کو قابو میں کرتے ہوئے جواب دیا۔

"دل لگ گیا ہے یہاں؟" وہ عام سے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

اس نے نظریں اٹھا کر ان کی سمت دیکھا۔

"اماں جی اور خالہ بہت یاد آ رہی ہیں"۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''آج رات بالکل نہیں وہ یہاں آ جائیں گی۔ تمہاری لائف بچ جائے گی تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

''ایسا — پتا نہیں — تم اوپر گئی تھیں؟'' وہ اصل موضوع پر آ گئے۔

عطریہ کا دل تیزی سے دھڑکا۔ ہاتھ پیر کانپنے لگے۔

''آپ نے تو منع کر دیا ہے۔'' وہ ہکلائی۔

''مگر ہمارے منع کرنے سے پہلے تم اوپر کا چکر لگا آئی تھیں۔'' وہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

عطریہ کی پیشانی پر سوئی چبھنے لگے۔ (خان کو کیسے پتا؟)

وہ خاموش رہی کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

''جواب دو بھئی۔''

''جی — نہیں وہ خالہ کو اٹھانے گئی تھی۔'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''کوئی ملاقاتی تھا؟'' وہ تکیے پر بازو پھیلائے اطمینان سے پوچھ رہے تھے۔

''نن نہیں تو۔'' ڈر سے اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

''جھوٹ بول رہی ہو تم۔'' وہ ناراض ہوئے۔

''خان اللہ کی قسم مجھے تو پتا نہیں تھا۔ خالہ نے منع کر دیا تھا۔ ورنہ میں جائے لے آتی۔'' وہ روہانسی۔

''جائے — خان سنکس' یہ جائے کہاں سے آ گئی؟'' وہ الجھے۔

''جائے ہی کی تو بات ہوئی تھی۔ مہمان نے کہا تھا کہ جائے خود لے کر آؤ مگر خالہ کہتی تھیں۔ خان لوگ تو ہاتھ میں تو بہ کسی کے سامنے مت جایا کرو اسی لئے میں نہیں گئی تھی' خالہ جائے خود لے کر چلی گئی تھیں اور انہوں نے ہی بات پر آپ سے میری شکایت لگا لی ہو گی۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

ہم سے کسی نے شکایت نہیں کی۔'' تیمور علی خان نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

''جی۔'' وہ ہکا بکا ان کی شکل دیکھنے لگی۔

(یہ کیا کر دیا اس نے خود ہی ساری بات کھول دی)

''تم نے اندازہ لگایا کہ کیسا ہے وہ شخص؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

وہ خاموش کھڑی آنکھیں صاف کرتی رہی۔

''کچھ پوچھ رہے ہیں ہم تم سے۔'' وہ پھر گویا ہوئے۔

وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔ ''وہ آپ کے مہمان ہیں آپ برا مانیں گے۔'' وہ بہت ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''نہیں ہم بالکل برا نہیں مانیں گے۔'' انہوں نے اطمینان دلایا۔

''وہ — پتا نہیں کیسی باتیں کرتے ہیں' دل کو اچھی نہیں لگتیں' مکمل صحیح دماغ میں'' وہ رک رک کے بولتے ایک دم چپ ہو گئی۔

''ہوں' تو دماغ میں بھی خرابی ہوئی ہے۔'' تیمور کا لہجہ سخت خفیف تھا۔

وہ روہانسی ہونے لگی۔

''وہ جا رہے تھے۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''خیر اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں' اس تمہیں پتا چلے گا کہ تمہاری غلطی کہاں ہے۔ تمہاری گلطی یہ ہے کہ ایک تعلیم یافتہ شخص نے تمہارے ساتھ بدتمیزی کا مظاہرہ کیا تو تم نے اس کا جواب بدتمیزی سے دینے کی بجائے اپنی تعلیم یافتہ ہونے کا ثبوت دیا ہوتا۔ تمہیں یہ حرکت کیسے بہت مہنگی پڑ سکتی ہے۔ امکان ہے کہ خالہ ہی وہ ہیں جو اس گھر سے تمہیں چلتا کریں گی۔ تمہاری ایک غلطی اور اپنی غلط فہمی کی وجہ سے تم نے اپنے لئے مشکل پیدا کر لی ہے۔ اس وقت وہ شخص ان سب سے اوپر بیٹھا ہے اور اس بالادستی کی بنیاد ہی تمہاری غلط فہمی ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں

"مگر مجھے اکیلا رہنے دیجئے" میں اسی میں خوش ہوں"۔ اس کے چہرے سے ایک ہوک سی اٹھی۔

(مجھے معاف کر دیجئے ہو خان بڑے آدمی کی بیٹی ہونے کا اعتبار بھی کرتے اور پھر بھی تھرتھراتے ہوئے سے ہیں ہو۔ تمہیں دیکھ کر پچھتاہٹ کی وجہ سمجھ میں آ گئی رہا نہ ہوئی۔ ہو خان کی سوتیلی کے آگے ہاتھ جوڑتی ہے ہاتھ جوڑتی ہے میں۔ اغوا کنندہ کو درمیان میں رکھتی تو اغوا والی ہو جاتی۔ چاروں کو پانی رم کر کے دیتی تو انہیں ختم ہو جاتی۔ کون سے مسئلہ سے چھٹکارا ہے ہو۔ کبھی کچھ احساس نہیں ہوا؟؟)

"ہم نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تمہیں فیصلہ سنائیں اور آگے کی اونچ نیچ سمجھائیں۔ تم ہمیں کوئی پہیلی نہیں لگی۔ تمہیں پتا ہے تمہاری ماں وہاں حویلی میں بابا صاحب کو خون پر دھمکی پر دھمکی دے رہی ہے۔ تمہارا ہونے کے لوگوں کی ناک اسٹریب ہو رہی ہے۔

تمہارے احمق پن کی انتہا تو یہ ہے کہ تمہیں اپنی خوش قسمتی کا اندازہ نہیں ہے"۔

"خان! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھے کنیز ہی رہنے دیں۔ اقتدار اور عزت والی زندگی کی ایک بات کی کمی عمر بھر ستائے گی"۔

تیمور علی خان کو وہ یکلخت بڑی بہت بڑی اور بڑی محسوس ہوئی۔

"ایک ٹھیک ٹھاک بندے سے تمہاری شادی ہو جانا ہر طرح سے تمہارے حق میں ہے۔ تم ہمیشہ کیلئے اس عورت سے چھٹکارا پا لو گی"۔

"خان!"

"شفٹ اب مطلب! تمہارے پاس دو ہی راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمہاری شادی ہو جائے یا پھر یہ کہ تم اپنی ماں کے ساتھ واپس چلی جاؤ۔ ہم انگلینڈ جا رہے ہیں۔ بھیر بھائی زیادہ تر سرائے میں ہوتے ہیں۔ یاور بھائی اور اجراء السفر ہوتے رہتے ہیں۔ ہم بابا صاحب کیلئے مفت کا دردِ سر چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے۔ بڑے بھائی ہیں تو ان کی بات سیدھے سادھے ہیں۔ صبح اماں جی آ جائیں گی۔ دونوں میں سے جو تجویز بھی پسند آئے۔ اماں جی کو بتا دینا"۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"خان۔ کوئی تیسرا راستہ؟" اس کی آواز بھرا گئی۔

"بہت۔ بلکہ سب سے آسان ہے۔ مگر ہمارا ضمیر ہمیں اجازت نہیں دیتا۔ ورنہ یہ آسان راستہ ہم تمہیں خود بتاتے۔ فی الحال۔ رات پڑی ہے۔ دونوں راستوں پر خوب غور کرو۔ عربی میں کبھی اتنا کنفیوژن نہیں ہوا تمہاری وجہ سے سب ڈسٹرب ہوئے ہیں۔ نوکر بننے پر اصرار تو کرتی ہو مگر نوکر بنا نہیں آیا تمہیں۔ اس میں ہماری غلطی ہے۔ اماں جی کی غلطی ہے"۔

وہ اس کے واضح انکار پر سخت برہم نظر آ رہے تھے۔

"ہم نے اپنی زندگی میں اتنا احمق کوئی نہیں دیکھا"۔ وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئے۔

وہ بے دم انداز میں کاؤچ پر بیٹھ گئی۔

"مجھے آپ سے خان کہ میں خطا ہوں، مجرم"۔

دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر وہ رو پڑی تھی۔

سارا دن رات کروٹیں بدلتے گزر گئی تھی۔

نیند کسی جانے لوری کے تو کے آ کر گئی تھی۔

سے کسی نے نہیں اٹھایا تھا وہ خود ہی جاگی تھی۔ سونے کے باوجود سر بھاری سا محسوس ہو رہا تھا۔

دماغ پر ہلکی سی دھند تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کل رات سے کل رات تک وہ ایک تھکن بھرے خواب کے عذاب میں تھی۔

کوئی ہنر چھو گیا تھی۔ اعصاب ابھی تک کچھ بوجھل ہو گی۔ سب طلاطم ہو گیا۔ عذاب ٹوٹ گیا۔

ایک اذیت ناک احساس یاں تمام مدت کا حاصل رہا۔

وہ سر جھکا کر بیٹھی رہی۔ آنسو بے ساختہ خوشی اس کے خون میں دوڑنے لگے۔

برآمدے میں اماں جی آ گئیں اور ان کی بھلی خوش آوازیں میں مصروف تھیں۔

اس نے سب کو مشترکہ مقام پر اماں جی کے سامنے سر جھکا دیا۔

انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"طبیعت اچھی نہیں ہے شاید تمہاری۔ بہت دبلی ہو گئی ہو۔ میں تو سوچ رہی تھی اور تو بیمار پڑ گئی ہو گی"۔

"جی اماں جی۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے"۔ اس نے جھک کر ان کے پاؤں تھام لئے۔ آنسو ان پر بہہ گئے۔

"کیا ہو گیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"رات میں بہت دکھن ہو رہی ہو گی۔ کیوں؟" اماں جی نے حیرانی اور تاسف سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اماں جی۔ اتنی دکھن تو زندگی میں کبھی نہیں ہوئی"۔ وہ ان کے قدموں پر بچھا کر بھوت بھوت اٹھ پڑی۔

☆ — ☆ — ☆ — ☆ — ☆ — ☆ — ☆

"باگل نہ ہو۔ جب چوٹ تازہ تھی تو روئی نہیں تھی۔ اب اتنا رو رہی ہے؟" اماں جی نے سر ہلا کر بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔

"آ ہے گی ظالم کو تیری"۔ خالہ سولہ آنے بھی یکن سے اس کی پشت پر آ کھڑی ہوئی تھی۔

"چل چپ ہو جا۔ مت بلا کر خود کو اللہ نے تیرے بھاگ دیکھا دیے۔ سب کو بھول جائے گی۔ کیا تم ہو اس کیا ہنر پڑا ہے کمریزی پڑتا ہے۔ پولیس والا ہے۔ خوب دہشت ہو گی تیری۔ پولیس والی کہاں کریں گے اور کیا کریں گے"۔

نزہین نے اسے جھنجھلا۔ وہ خاموشی سے آنکھیں پونچھتی رہی۔

"یہ تو جی آپ لوگوں کا بڑا پن ہے اور اس کے بھلے نصیب ہیں"۔ خالہ سولہ نے جذبہ افشر سے چور ہو کر کہا۔

"اماں جی کیا شادی کرنا ضروری ہوتا ہے؟" اس نے ناک پونچھتے ہوئے سادگی سے پوچھا۔

نزہین کو گہ گدی ہوئی۔ مگر اماں جی کے لحاظ میں کچھ بولی نہیں تھی۔

شادی تو عورت کی طاقت ہوتی ہے۔ نصیب کھلنا کہتے ہیں۔ عورت پوری ہوتی ہے۔ گود میں بچہ لیتے ہیں سب سے بڑی خوشی کی پہچان ہوتی ہے۔ اس کا مرد اس کا سنگھار بھی ہوتا ہے اور رکھوالی بھی۔ اس لیے ضروری ہوتی شادی"۔ اماں جی نے بچے سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"شادی تو ہونے دے پھر پوچھیں گے تجھ سے"۔ نازنین کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"اللہ اسے عقل دے"۔ خالہ سولہ آنے بھی مسکرائیں۔

"اماں جی! بچہ بچے کے تو قابل نہیں ہے یہ۔ ایسے ہی رہن ہے گی یہ؟" نزہین نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔

"ارے اسے تو اللہ نے بھیجا ہے"۔ اماں جی نے محبت سے کہا۔

"ان کو بھی سمجھوا دیں کہ ڈنی ہے"۔ نازنین نے نزہین کو آنکھ ماری۔ دونوں بے ساختہ ہنس پڑیں۔

اماں جی تو ان کی شرارت نہیں سمجھیں"۔ البتہ خالہ مسکرا کر یہ کہتے ہوئے واپس پلٹ گئیں۔

"صد ہو گل چھوٹی رہن"۔

شام کو ہی نکاح ہو گیا تھا۔

علی کے جہد آباد روانہ ہونے میں دو دن تھے۔ وہ ان تک اسے [illegible] سریع وہ پہنچ میں وہ ہوش اڑائے دے رہی تھی۔ ایک اپنے کے [illegible] تاج میں علی اور جمیل خان کے چار یا پانچ دوست جمع ہوئے اور وہ صاحب شریک ہو گئے۔

اس کا پیر لفظی ہے اڑ گیا۔ گویا سکتے کی کیفیت تھی۔ وہ کسی شور و غم میں بھی شامل نہیں ہو رہی تھی۔

نزہین اور نازنین اسے ساتھ اس بیڈ پر بٹھا گئی تھیں۔ وہ وہیں بیٹھی رہی۔ ایک [illegible] سے لیے اتر آئی۔ عجیب وحشت و تحیر اس کے چہرے سے عیاں تھا۔ وہ [illegible] کھلی کھڑکی ہوئی تھی۔

نظر کے سامنے بھاگ اڑاتا سمندر تھا۔ اور ایک عظیم بحر اور اس کے اندر شور مچا رہا تھا۔

وہ ایک بپھرا کی لہریں ننھے ننھے فتنوں کی طرح اٹھ آ رہی تھیں۔ وہ گہری بادبانہ کر ساحل کو تھوڑنے لگی۔ سولہ سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ جتنی کر وہ آنکھیں اپنے تھیں۔ اس سے [illegible] دیکھ نہ سکا۔

"وہ بھی۔ کیا نام ہے تمہارا۔ یہاں کیوں کھڑی ہو؟" تیمور علی خان کے لہجے میں ہلکی حیرت تھی۔

"کوئی ایک اللہ ہے سولہ پر نگہ بیٹھا۔ اور انہیں باتھ نہیں رہتا"۔

اکھ کی ایک نئی لہر اس کا جوڑ گیا گی۔ اس میں ان کی طرف دیکھنے کا یارا نہ تھا۔

"کیا بچہ ہے ہیں ہم؟" وہ بولے۔

"لفظی ہوا میں کھڑی ہوں خان۔ آگ لگی ہوئی ہے میرے اندر"۔ اس نے بے تاثر مگر سرد لہجے میں [illegible] بغیر جواب دیا۔

"وہ بھی بات یہ ہے کہ اس طرح نہیں کھڑے ہوتے"۔

وہ قدرے الجھ کر کہہ رہے تھے جیسے اپنی بات کہنے میں انہیں بہت دقت ہو رہی ہو۔

"کس طرح خان؟" اس کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ ابھری اور نور ابھی معدوم ہو گئی۔

"بھئی وہ تمہاری شادی ہو گئی ہے"۔ وہ اپنی بات کہہ نہیں پا رہے تھے۔

"شادی کے بعد کیا لفظی ہوا میں کھڑے نہیں ہوتے؟" اس کا لہجہ زہر یلا تھا۔

تیمور علی خان کی طبع کے برعکس تھا یہ سب۔ مگر انہوں نے بہت تحمل کیا۔

"ہم کہہ رہے ہیں ناں کہ کمرے میں جاؤ"۔ انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

وہ ٹس سے مس نہ ہوئی جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔

"آپ مجھے کچھ نہ کہیں خان! ورنہ میں بچے جلا کے لگا دوں گی"۔ اس کے اندر سے جیسے آتش فشاں ابل پڑا۔

"بان سکی۔ نہایت احمق اور احسان فراموش قسم کی لڑکی ہو۔ شاید ہم اللہ جگہ پر بھول کر بیٹھے ہیں"۔

"جو زیادتی آپ نے میرے ساتھ کی ہے۔ میں اسے کبھی نہیں بھول پاؤں گی"۔

وہ ایک جھٹکے سے مڑی اور غرارے میں الجھتی کمرے میں چلی گئی۔

تیمور علی خان اپنی جگہ دم بخود سے کھڑے رہ گئے۔ ایک بھاری پتھر دل ان کے اعصاب پر آ گرا تھا۔ وہ یہ سب کہہ گئی تھی۔ یہ سب کہہ گئی ہے۔

وہ بکھرے ہوئے طرح کھڑے رہے پھر آگے بڑھ گئے۔

علی پھولوں کا ہار ہاتھوں میں تھامے کتنی دیر سے اسے تک رہا تھا۔

"خوش قسمتی کا یقین نہ آئے تو کیا کرنا چاہیے مجھ سے؟" وہ آہستہ آہستہ چلتا اس کے قریب آیا۔

جواب میں سکوت طاری رہا۔

"یہ تو بہت منتر ہوا ہے۔ سنا ہے لوگ تو عشق کی راہ میں بڑے صعوبت کرتے ہیں پھر بھی کوئی مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ کیا واقعی آپ میرے سامنے بیٹھی ہیں یا مرنے کے بعد سیدھا جنت میں پہنچ گیا ہوں؟ ہاں ایک شوق کا مارا ہوا ہوں۔"

"ٹھہریے ابھی چھو کر دیکھتا ہوں۔ شاید پھر چیتن آ جائے"۔ وہ آہستگی سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے چھونے کی"۔ وہ جیسے چیخ پڑی تھی۔

"واہ۔۔۔ کیا بولی ہیں۔ ویسے بتا دوں کہ آپ ڈرتی ہیں۔ مگر خیر کوئی بات نہیں۔ اب مراحم رکھے کھلے ہم ہو گئے ہیں۔ اس سے مراحم دیکھیں گے کہ ظلم بھول جائے گا"۔ وہاں ایک شرارت بلوریں تھی۔

"یقین کیجیے۔ آپ نے تو ہمیں مار ہی دیا ہے"۔ اس نے مطربہ کا ہاتھ تھام لیا۔

مطربہ کو جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا۔ ایک دم اچھل پڑی تھی۔

"آپ مجھے ہاتھ نہیں لگائیں گے"۔

"ایسے سستے میں کون ہاتھ لگانے کی اجازت دیتا ہے۔ ان بھلے کی امداد ہی لی ہے مر مر کھلے۔ اگر یہ بیاہ کے حساب سے بہت معمولی سی بات ہے۔ آپ تو موتیوں میں تولنے کے لائق ہیں۔ بھئی توبہ ہے"۔ وہاں اور لوٹ مستانہ تھا۔

"دیکھئے پہلی بات تو یہ ہے کہ میں آپ کو بالکل نہیں جانتی"۔

"میں آپ کو اس بات کی اجازت بالکل نہیں دوں گا کہ آپ مجھے اتنی جلدی سے دغا کر دیں۔ مرے گا ہاں"۔

علی تو اس کے انداز پر اپنے حواس ہی کھو بیٹھا۔ اور اس کی بات بے ساختہ کاٹ دی تھی۔

"دیکھئے۔ میں بہت دکھی ہوں"۔ مطربہ بے بسی سے چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر بھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"آپ کے ایک ایک دکھ میں شریک ہونے کا وعدہ کرتا ہوں۔ مر مر کھلے آپ کو اپنایا ہے"۔ وہ قدرے سنجیدہ ہوا۔

"آپ میرا دکھ دور نہیں کر سکتے"۔ اس نے پیتے اطلس صاف کیے۔

"کم کرنے کی کوشش تو کر سکتا ہوں"۔

علی جیسے حاضر جواب مرد کے سامنے اس کی سادگی بے بسی میں بدلنے لگی۔

"مجھے آپ کے تمام حالات کا پتا ہے۔ یہ بھی کہ ایک لڑکی کروڑ پتی لڑکی کی معمولی خادمہ بن کر کیوں رہ رہی تھی۔ آپ کے اس جذبے نے تو جیسے مجھے خرید ہی لیا۔ ایسا موتی جو سیپ کی کوکھ سے باہر ہی نہیں آیا۔ جیسے سورج کی کرن لے کر

چھو بھی نہیں۔ مجھے تو اپنی اس بھلی تقدیر پر شرمندگی ہے بڑے آباب آپ کو ہمارے پاس رکھ چھوڑا تھا۔ شکر ہے ہمارے ارادے آپ کے خلاف نہیں ہیں اس سے کہیں زیادہ آپ کے حامی کی آرزو ہے۔ مجھے اپنی خوش قسمتی پر رشک آ رہا ہے۔ اس موتی کو پھولے والی بھلی روشنی کی کرن میں ہوں۔

میں آپ کو سونے چاندی میں تولنے کا وعدہ نہیں کرتا۔ مگر پیشانیوں کا کیا آپ کی خوشی میں شامل ہو گی۔ ہم ایک پتا ہے۔ آپ کریں گی۔ بہت بھولا ہے۔ بھلا۔ بہت پیارا لگتا ہے۔ آپ اس داستان میں ہمارا ساتھ دیں گی تو میں بہت خوش ہوں گا اور چاہوں گا کہ مرنے سے پہلے میں آپ کو ہر طرح سے خوش دیکھ سکوں۔

اسے ابھی ٹھیک طرح سے بولنا نہیں آیا۔ وہ تب کوئی بچہ تھا تو آپ کو بہت اچھا لگتا۔ آپ ہنستے ہوئے کہتیں کہ تم بہت اور پیارے ہو بہت تنگی۔

اس نے آج تک کبھی "امی" نہیں بولا۔ مجھے خوشی ہے کہ جب وہ ہوش کی عمر میں آئے گا تو اس کے پاس سب کچھ ہو گا۔ ماں باپ اور دنیا کی ہر بڑی چیز۔ ہماری دنیا اب بہت مکمل اور خوبصورت ہو گی۔ میرا خواب ہے کہ آپ کو بھرے گھر میں ہر طرح کا آرام ملے"۔

اس نے باتیں کرتے کرتے ایک خوبصورت انگوٹھی اس کی انگلی میں ڈال دی۔

مطربہ پتھر کے بت کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔ بشکل اس کے لب پھڑپھڑائے۔

"آپ کا بچہ۔ کہاں ہے وہ؟" اس کی آواز میں لرزش تھی۔

"یہ جتنی رات تو آپ کی ہے۔ وہ بھلا یہاں کیوں آ سکتا ہے۔ کسی نوخیز لڑکی کے خوابوں کا حاصل ہوتی ہے یہ رات۔ میں کم از کم یہ زیادتی تو نہیں کر سکتا تھا آپ کے ساتھ۔ وہ حیدرآباد میں ہے اپنی آیا کے پاس۔ جب ہم جائیں گے تو وہ اپنی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا استقبال کرے گا۔ وہ اشتیاق سے کہ شاید آپ ہمیں بھول بیٹھی ہیں آپ اپنا کہیں گی تو بہت لڑائی ہو گی"۔

علی نے اس کا ہاتھ تھام کر بوسہ لیا۔ اپنے استحقاق کی مہر ثبت کی۔

مطربہ کی جان کا لب کر رہ گئی۔ ابھی تک وہ غائب دماغی کی کیفیت میں مبتلا تھی۔

"آپ کا بچہ۔۔۔ تو آپ کی بیوی؟" اس کا دل جانے کیوں ڈوب رہا تھا۔

"وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اگر وہ ہوتی تو خان زادہ اتنی آسانی سے آپ کو میرے حوالے کیسے کرتے؟" علی نے بھرپور نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"خان زادہ؟" مطربہ نے چونک کر پلکیں اٹھائیں۔

"تیمور علی خان۔ میری جان ایسے بھی نہیں جانتیں؟" وہ ہنس دیا۔

مطربہ کا چہرا جیسے یک دم پتھر کا ہو گیا۔ ہاتھی کیفیت کی ایک ایک لہر چہرے پر جیسے منجمد ہو گئی۔

"ایک بات ہے"۔ اس کی آواز نحیف سے نحیف تر تھی۔

"بسم اللہ۔۔۔ ارشاد ہو"۔ علی کا تکیہ پہلو میں نے کر نیم دراز ہوتے ہوئے تحمل سے کہا تھا۔

"جب آپ مجھ سے بات کریں تو حویلی کے کسی شخص کا ذکر بیچ میں نہ لائیں"۔
اس کی آواز میں کسی پاتال کی سی گہرائی اور اکھی کا سا تھی۔
عجیب تاثر ہے لاوا کے پگھلے ہوؤں کی دہکتی حرارت کی ہر لہر کو دل سے گزرتا محسوس کرنے لگے تھے۔ زینت بانو
جلا آپ بتانے لگی ہیں۔
حالانکہ اس نے کتنا مصمم ارادہ کیا تھا کہ وہ علی کو ہر ہر طرح سے مایوس کرے گی۔ تڑوا دے گی۔ بیگانی بنا دے
گی۔
اور علی کے وارفتہ اور اپنائیت بھرے لب و لہجہ نے اسے بے حد کمزور کر دیا تھا۔ اس پر سے وہ "الصبائی" جملہ تو
عموماً دلہن کو دی جاتی ہے۔ زینت نے اسے یہاں پہنچانے سے پہلے جانے کتنی قسم کی نصیحتیں کی تھی۔ علی کیلئے اس کے دل
میں ایک دروازہ بے آواز کھل گیا تھا۔ مگر علی کے لب و لہجہ کی خواب پرور حلاوت یادداشت کے نقیر گوشوں سے زینت کے کہے
ایک لفظ اسے چھلنی کر رہا تھا۔ وہ ایک دم ہوش و حواس کے سرے سے کر رہا تھا۔ زینت کا ایک
داؤ پیچ اسے بھولا لائی تھی۔

ایک بے توقیر اور حقیقی رشتوں کی محبت سے محروم اور پھر بے حد کم عمر اتنی پختگی کہاں تھی کہ ایک بھرپور مرد کا مقابلہ
پاتی۔

اس پر مستزاد ایک بے ماں کے معصوم بچے کا ڈر۔ اس کی تمام تر دنیا کمرے کے اندر گردش کرنے لگی۔

"آپ کی بیوی"۔ اس نے کچھ بولنا چاہا۔

"وہ تو اب آپ ہیں"۔ وہاں سے برجستہ جواب آیا۔

"میرا مطلب ہے کہ"۔ حیا نے اس کی قوت منتشر کر کے رکھ دی۔

"وہ عشق کرتی تھی مجھ سے۔ میرے اپنے قبیلے کی تھی۔ بچپن کی منگیتر تھی مگر پھر ایسا ہوا کہ ہمارے خاندانوں میں قتل
کی وجہ سے دشمنی ہو گئی اور دشمنی بھی اعلیٰ درجے کی۔ اس وقت میں پڑھ رہا تھا اس دشمنی کے نتیجے میں ہماری منگنی بھی ٹوٹ
گئی۔ دکھ تو خیر مجھے بھی بہت تھی۔ میں کیونکہ مرد تھا اور میرے باپ دادا مجھے صبح شام غیرت دلاتے تھے جس کا مطلب خون
کے بدلے خون تھا۔ کا سبق پڑھاتے تھے۔ اس لئے میری توجہ کئی جگہ بٹ گئی تھی۔ مگر اس کی توجہ صرف ایک سمت تھی۔ بس
میری طرف۔ وہ مجھ سے جدا ہونے پر کسی قیمت پر راضی نہیں تھی۔ ایک رات وہ دھیروں سوا بن کر میرے کمرے میں آ
گئی اور فرار ہونے کیلئے ضد کی۔ اس کی شادی کہیں اور طے کر دی گئی تھی۔ وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔ میں نے اسے بہت
سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے مجھے بزدلی کا طعنہ دیا اور کہا اگر میں نے اس کا ساتھ نہ دیا تو وہ کنویں میں چھلانگ لگا
دے گی یا اپنی شہ رگ کاٹ لے گی۔ وہ جس انتہا پر پہنچ چکی تھی کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ یہ کر گزرے گی۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔
مجھے اس کی شدید محبت نے سب کچھ بھلا دیا۔ پانچ ہزار روپے اور ایک رائفل لے کر میں اپنے قبیلے کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ کر آ
گیا۔ ہمیشہ کیلئے اس لئے کہ اس اقدام کے بعد نہ میں انہوں کیلئے قابل قبول تھا اور نہ اس کے رشتے داروں کیلئے۔ آج
بھی وہ میرے سر کی قیمت لگائے ہوئے ہیں"۔

حلیہ نے مڑ کر پیلی مرچ اس کی سمت بڑھا دیا۔ حیا نے ہاتھ بڑھا کر مرچ لی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ گہری تراش کے خوبصورت ہونٹ بے حد بھنچے ہوئے تھے۔ وہ کچھ بھی نہیں بولی۔ اس نے مرچ اپنی سمت رکھی پانی کی
ٹھنڈی شرارت آنکھوں میں سمو کر جواباً اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"ساتھی پسند آیا؟" بہت اختصار سے سوال ہوا۔

حلیہ نے جھینپ کر پلکیں جھکا لیں۔ "پھر؟" اس کے لہجے نے جنبش کی۔ اس کے مخاطب سے کچھ بات نہیں چھپی ہوئی تھی۔

"پھر یہ کہ ہم نے مل کر فرصت میں شادی کر لی۔ میں نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس دوران کھوئی ہوئی مردانگی
بھی کرتا رہا۔ دو برس بعد ہمارے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ اور ٹھیک اس کی پیدائش کے ایک سال بعد وہ مجھے اپنے بچے کو ہمیشہ
ہمیشہ کیلئے بھلا کر اپنی حقیقی منزل کی طرف اڑ گئی۔

مجھے اس کے چلے جانے کا بہت دکھ تھا۔ وہ مجھے چاہے چاہے کے تکلیف دہ رویے کی وجہ سے آخر کار چلی گئی تھی۔ اس نے
صرف مجھے دیا۔ مجھ سے کبھی کچھ مانگا نہیں۔ انسانوں کی اس بستی میں اس نے مجھے پر ہونے پر بہت اہم ہونے کا احساس
دلایا تھا۔ بہت خود پسند بنا دیا تھا اس کی محبت نے مجھے۔ میں نے اسے کھونے کا جب بھی سوچا تو محسوس ہوا کہ میں نارمل
حال اس کا مقروض ہوں۔ قرضے اترتے تو کھونے کے مرحلے آتے۔ اس سے دستبردار کی ایسا کچھ ہوا وہ چلی گئی۔
آپ بھی تو مجھے اس کے حوالے سے ملی ہیں۔ اس رات وہ اپنی جذباتی حالت سے مجھے قبیلے سے دشمنی تو مول
آپ کے ملنے کے لیے کر آئے۔ ایک پیارا سا بیٹا اور ایک بے حد حسین اور سادہ دل ساتھی۔ یہ اس کی طرف سے
آئے ہوئے بیش بہا تحفے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس پر دل کی ہوئی بہت اچھی عورت سے کبھی رقابت محسوس نہیں کریں گی"۔

"جی؟" حلیہ سمجھی نہیں۔

"مطلب یہ کہ آپ کو اس کا ذکر کرنا گوارا تو نہیں گزر رہا؟" علی کے انداز میں سنجیدگی تھی۔

"وہ کھوئی اور بزدل نہیں تھی۔ اتنی اچھی عورت تو ہوتی بھی نہیں ہے"۔ اس نے سادگی سے کہا۔

علی نے بے ساختہ اس کا ہتھیلی سے سر رگڑا تھا اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"جھٹکے کا صاف پانی دیکھا ہے؟"

حلیہ نگاہیں جھکائے خاموش رہی۔

"آپ کو دیکھ کر اس کا خیال آتا ہے"۔ وہ بھرپور جذبے سے مسکرایا۔

"آپ مجھے آپ آپ کیوں کہہ رہے ہیں"۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے ٹوکا۔

"رعب حسن کے آگے بے بس ہوں"۔ وہ تڑپ اٹھا۔

"آپ کو میں نے اپنی عزت دی ہے۔ میں صرف آپ سے محبت نہیں کروں گا بلکہ آپ کی عزت بھی کروں گا۔
ہمیشہ۔ یہ میرا پہلا اور سچا وعدہ ہے آپ سے"۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور کمر سہلانے لگا۔

مطربہ کو جانے ایک دم کیا ہوا۔ اس کا سارا وجود کانپنے لگا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بری طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

علی کو نئے سونے پر اچھال کر اس کی سمت متوجہ ہوا۔

"مطربہ — جان — کیا ہوا؟"

وہ مزید ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

"پلیز بتاؤ ناں کیا میری کسی بات سے تمہیں تکلیف ہوئی؟" وہ بہت پریشان ہو گیا۔

"نہیں جو کچھ آپ سمجھ رہے ہیں۔ وہ میری اوقات سے بہت زیادہ ہے۔"

"بس تمام شکایت ختم ہوا ابھی کچھ دیا ہی کب ہے۔" وہ ہنس دیا۔

"دیکھو چپ ہو جاؤ ورنہ مجھے تین سو ساٹھ طریقوں سے چپ کرانا آتا ہے۔ اپنے اعمال میں چپ کر جو تم ہو نہیں بھرا اور نہ مجھے کوئی الزام دینا۔"

مطربہ کے تو ہوش اس کی وارفتگی کے سامنے ڈھیر ہو رہے تھے۔

"بی بی جان! کیا یہ کپڑے بھی رکھ لوں؟" مطربہ نے بیگ کی سمت اشارہ کیا۔

"بے وقوف۔ اب یہ کپڑے پہنے گی؟ اماں جی نے دس بار سوٹ جو دیے ہیں مجھے اور تیرے "ابا" بھی تو لائے ہیں اتنے کپڑے۔ ابھی تو "تو" روز نیا جوڑا پہنے گی"۔ نازنین ہنسیں۔

"مطربہ! اللہ کی قسم قیامت لگ رہی ہے۔ ویسے رات کو خجریت تو رہی تھی ناں۔ ویسے مجھے بے ہوش انسان کو ہوش میں لانے کی ترکیبیں تو آتی ہیں ناں؟" نازنین شرارت سے ہنسیں۔

مطربہ کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھر گئے۔

"اب بتا — اب بھی رویا کرے گی؟" نازنین نے چھیڑا۔

اسی دم تیمور علی خان اندر داخل ہوئے۔ وہ اسی سمت رخ کیے کھڑی تھی۔

"السلام علیکم خان"۔ اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ بمشکل سنی جا سکتی تھی۔

"اسلام — آپا — اماں جی کہاں ہیں؟" انہوں نے اچٹتی سی نگاہ اس پر سے روٹھتے ہوئے نازنین سے پوچھا۔

"برآمدے میں ہی تو بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہاں نہیں ہیں کیا؟" نازنین کی بجائے نازنین نے جواب دیا۔

"نہیں وہاں تو نہیں ہیں"۔ انہوں نے پھر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ مطربہ پر ڈالی۔

کمرے میں مہران گامدانی سے مرصع سوٹ میں ایک نئی زندگی کا انکشاف اس کے ایک ایک نقش پر ثبت تھا۔ اس نے یکدم تیمور علی خان کی سمت سے رخ موڑ لیا تھا۔

"بی بی جان۔ اگر میں ان سے کہوں تو کیا یہ مجھے ہالی سے ملانے لے جائیں گے"۔

"کیا ارادہ ہے۔ اتنی دیر بعد ہی سے جا بیٹھے۔ [illegible] سے ہی [illegible]"

سعدیہ تیمور علی کی موجودگی کے خیال سے کچھ گھبرا سی گئی تھی۔

"ہوں — بولی تو بولی اب تو تم اس کے ساتھ اپنے ماں کے پاس بھی جا سکتی ہو۔ [illegible] تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے یا برائی"۔ تیمور علی خان کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"بعض انسانوں پر اتنی عظیم آپا بھی ہیں کہ انہیں بھلائی یا برائی کی تمیز ہی نہیں ہوتی"۔

وہ عجیب سے انداز میں ایک نظر کے ایک طرف رکھتے ہوئے بولی۔

"اچھی تو ہو بہت ہے مطربہ! کوئی خجریت کی بات نہ ہوئی آخر تو کچھ دن بعد ہی [illegible]" اس نے اپنی خجریت کو اتنی میں چھپایا۔

"ارے تم لوگ یہاں ہو۔ تلاش مطربہ بھی ہے۔ اس کا سامان دیکھا یا۔

"تیمور! تم نے نہارے ابا صاحب سے کہا تھا کہ کل کو کچھ نقد دے دیں اپنی [illegible] کے۔ کہ کل کو [illegible] بچی ہی مطربہ اپنی پسند سے لے گی۔ اب اتنی بھلائی کیا ہو سکتی تھی"۔

"اماں جی! وہ روپے تو میرے پاس" وہ سادگی سے بولی۔

وہ نازنین کے قہقہے بلند اور اماں جی اور تیمور علی خان کی مسکراہٹیں ہمراہ تھیں۔

"گویا ابھی تک پوچھا نہیں تھا؟ ایں وہ روپے سے"۔ تیمور علی خان سوفے پر بیٹھ گئے۔

"اماں جی! انہوں نے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا ہے۔ ابا صاحب نے بہت اصرار کیا تھا مگر وہ نہیں مانے تھا"۔

"اماں جی! کچھ ضرورت ہے۔ میری اوقات سے بڑھ کر سوٹ کیا ہے آپ نے؟" مطربہ کی آواز بھرا گئی۔

"یوں نہیں کہتے۔ تیرا ابا تو قول دا پکا اصیل تھا اور کہیں نہ ہوتے۔ میرا دل [illegible] تو یہ ہے کہ تو کرامت ہو کر [illegible] تھی۔ اللہ نے تیرا نصیب کھول دیا۔ خوش رہ"۔

"عزت واقعی بہت ہیں اماں جی! جو اس کی حقیقت بتا ہی دیتے ہیں"۔

تیمور علی خان کے لہجے میں جانے کیا تھا۔ اس نے بے ساختہ ان کا چہرہ دیکھا تھا۔ انہوں نے بھی مڑ کر اس سے نگاہیں چرائی تھیں۔

"دیکھو بیٹی۔ اپنے مرد کی توجہ چاہیے تو اس کی اولاد کو اپنا کر لیا کرو۔ یہ کبھی شکوہ کرے گا تمہیں۔ بچہ سے اس کا گھر اجڑی ہر نہیں ہے کل کی۔ تیمور سے سال دو سال ہی بڑا ہوگا"۔

کوئی بات ہو — کوئی مسئلہ ہو — یہ تیمور کہاں سے آ جاتے ہیں بیچ میں جبکہ یہ کبھی بیچ میں نہیں ہوں گے۔

"اور میری بات سن — ہر صورت نباہ کرنا ہے۔ کوئی مشکل پڑے تو جان چھڑانے کی سوچنا نہیں کہ [illegible] ہے۔ مرد بڑا ہی آسان نہیں ہوتا لیکن نباہ آ جائے تو عورت کی ساری زندگی سنور جاتی ہے۔ عزت اور محبت دونوں دیتے ہیں اللہ نے عورت کو۔ ان سے کام لینا سیکھ گئی تو بھلی گزر رہا تیں"۔

اماں جی بھی اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے سمجھا رہی تھیں۔

''کن رہی ہے ناں میری بات؟''

''جی اماں جی''۔

''اللہ بھاگ لگائے رکھے۔ نصیب اچھا کرے۔ حویلی کے دروازے کھلے ہیں۔ جب چاہے چلی جاؤ۔ وہاں بہت آجگی لگے۔ بڑی خدمت کی ہے میری''۔

''اماں جی! آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ مجھے رونا آرہا ہے''۔ اور رونے لگ گئی۔

''اچھا اچھا۔ دھیان سے اپنی چیزیں رکھ لے۔ کبھی بعد میں پریشان ہو۔ بھولی دلہن۔ وہ شال بھی دیدے سے جو میں لائی تھی۔ ساتھ ہی رکھ لے گی۔ کبھی بعد میں دھیان نہ رہے''۔

''وہ رکھ دی ہے اس کے کپڑوں میں''۔ نازنین نے جواب دیا۔

''یہ چلی کہیں گیا ہوا ہے؟'' معاً انہیں دھیان آیا۔

''پتا نہیں میں تو سیج سے اوپر نہیں گئی''۔ وہ اپنی مخصوص سادگی سے بولی۔

''کیوں؟'' تزئین نے شوخی سے سر کوشی کی۔

وہ حیا آمیز انداز میں خاموشی سے کپڑے تہ کرنے لگی۔

''پاگل ۔۔۔ کیوں نہیں گئی اوپر۔ اس کا سامان نہیں باندھے گی''۔ اماں جی مسکرائیں۔

''اصل سامان تو ساتھ بندھا چلا جا رہا ہے''۔ نازنین بہت سروں میں ہنسیں۔

''یہ چلی جائے گی تو تم بھی اپنے میکے ہو آؤ''۔ اماں جی نازنین سے مخاطب ہوئیں۔

''جی اماں جی۔ امی بھی فون پر پوچھ رہی تھیں کہ کب آؤ گی۔ تزئین بھی رات کو اپنے سسرال جائیگی پھر آپ اکیلی کیا کریں گی؟ آپ میرے ساتھ چلئے گا''۔

نازنین نے ساس کو بہت محبت سے دیکھا۔

''ہاں خیر ملنے تو مجھے بھی جانا چاہیے۔ چلوں گی''۔ وہ بولیں۔

''آپ کے کپڑے استری کرنے کو دے دوں؟'' تزئین بولی۔

''ہاں بھی من لیجئے۔ سیٹ کتنا رم ہو گئی ہے ہماری پرسوں رات کی فلائٹ ہے۔ آج ہم حویلی جا رہے ہیں۔ پرسوں شام کو پہنچیں گے واپس۔ ہم سے الوداعی ملاقات جس جس کو کرنا ہے۔ ابھی کر لو''۔

''پرسوں ۔۔۔ بس جا رہا ہے؟'' اماں جی نے دکھی کر ان کی سمت دیکھا۔

''جانا تو ہے اماں جی!''

''مجھے بھی پرتس نہیں آتا تیور''۔ وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

''اماں جی ۔۔۔ پھر دبئی ۔۔۔ ہم ہمیشہ کیلئے تو نہیں جا رہے۔ آنے کیلئے جا رہے ہیں جہاں اتنی محبت دکھائی ہے تھوڑی اور سہی''۔

وہ ماں کے قریب آکر بیٹھ گئے۔

''کہاں کی محبت۔ کھل گئی ہوں تیری بہو اپنی میں''۔ ساس کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

صفریہ کا بھی ایک دم جی بھر آیا۔ وہ ماں کو دیکھ کر رونے لگ گئی۔ وہ بھی رونے لگ گئے۔ کمرہ ان کی سسکیوں سے بوجھل ہو گیا۔

وہ رات گئے حیدر آباد پہنچے تھے۔ سارا شیڈول نیلمہ کی آمد تک تھا۔ تیمور علی خان نے کافی دیر انہیں روکے رکھا تھا۔

پرانی وضع کا گھر تھا جس کے باہر ایک زرد رنگ کا پورچ سا بنا ہوا تھا۔ دہلیز پر ایک بوڑھی عورت کی آمد کا منتظر دکھائی دی تھی۔

''کھولو اماں۔ میں ہوں علی''۔

دروازہ فوراً ہی کھل گیا تھا جس شوق سے بوڑھی عورت دروازے پر آئی تھی اتنی ہی تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔ گلاب، موتیا اور عنبری ہار اور رانی چادر پھولوں کی خوشبو۔ چوڑیوں سے بھری کلائیاں۔ اور جگمگ ہوتی آنکھیں۔ اس پر حسن بھی غیر معمولی۔

''اندر آئے نہیں دو گی اماں۔ گھر ست ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے بیاہے کیلئے ماں بنا ہوں''۔

علی کے انداز میں اس کی فطری شوخی جھلک رہی تھی۔

عورت پیچھے ہٹ گئی مگر حیرت اپنی جگہ بدستور تھی۔

''اماں! راستہ بہت تھکا گیا ہوگا۔ بیٹھک کھول دو اور اسے چائے پانی کا پوچھو''۔

''وہ تو پوچھ لوں گی۔ مگر یہ''۔

''اوہ۔ یقین نہیں آیا ابھی تک جب ہی تو دلہن کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا نہیں دی۔ تمہاری قسم اماں۔ سچ کہا ہے''۔

بڑی بی کے اوسان ذرا بحال ہوئے۔ وہ آگے بڑھیں اور صفریہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''کہاں سے لی یہ چاند سی دلہن۔ سارے گھر میں روشنی سی ہو گئی ہے''۔ وہ بہت پرشوق انداز میں جائزہ لے رہی تھیں۔ ''آؤ بیٹی۔ یہاں بیٹھ جاؤ''۔

انہوں نے اسے تھام کر ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

''میں نے آپ کو بتایا کہا۔ آپ نے برا تو نہیں منایا۔ دراصل علی میاں نے میری عادت بگاڑ دی ہے۔ ماں تو میں نوکر یہ مگر مجھے ماں کی طرح عزت دیتے ہیں''۔

''تو اماں اتم بھی تو ہمارا' میرا مطلب ہے ہم آپ بیٹے کا اتنا خیال رکھتی ہو جیسے سگی رکھتے ہیں''۔

اس کی تو خوراک ذرا سے بڑی ادبی ترقی یافتہ ہوئی تھی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر اب اپنی خادمہ کو دیکھا۔ ایک دم جانے کیوں دل بھر آیا۔ وہ تیزی سے پلکیں جھپکا کر آنسو چھپانے لگی۔

''علی میاں! دلہن بہت پسند آئی۔ اللہ مبارک کرے خوشیاں دکھائے۔ آمین''۔ وہ دعا دیتے ہوئے باہر نکلنے لگیں۔

"کہاں جا رہی ہو؟" علی نے کوٹ اتار کر ان کی سمت بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

مطربہ نے دوسری طرف سے اٹھ کر کوٹ تھام لیا۔ علی نے بہت خوشی اور دلچسپی سے اس کی سمت دیکھا۔

"منہ تو دھلا کر آؤں۔ دلہن پہلی بار گھر آئی ہے۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

وہ علی کا کوٹ ہاتھ پر لٹکا کر ادھر ادھر ٹہلنے کی جگہ تلاش کر رہی تھی۔ نظروں ہی نظروں میں۔

"اتنا حسین وہ بھی سراپا اور پھر یہ ادائیں۔ کہیں یہ خواب تو نہیں۔ میں تو ہاں ابھی ابھی خواب و خیال کے سلسلوں میں بھٹک رہا ہوں۔ ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔" علی نے اپنے بازو اس کے شانوں پر ٹکا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اماں آ جائیں گی۔" اس نے گھبرا کر دروازے کی سمت دیکھا۔

"تو کیا ہے۔ آنے دو۔" علی نے شرارت سے لبھاتے ہوئے دانتوں تلے دبایا۔

"شرم نہیں آتی آپ کو۔" حیا سے اس کی حالت غیر ہو گئی۔

"دھیان نہیں دیا بھی اس بات کا۔" اس نے قہقہہ لگا کر بازو ہٹا لیے۔ مطربہ سے چابیاں اٹھائیں اور باہر ہو گیا۔

"فی الحال تو یہی ہے گھر میں۔ شام کو بچے کیلئے یہ کنستر لایا تھا۔" اماں نے اٹھائے تھوڑی دیر بعد واپس آ گئی تھیں۔

"اماں! تم نے بیٹھک کا دروازہ کھول دیا؟ بہت سامان آیا ہے کھانے پینے کا ان کی طرف سے کھانا بھی ہے۔ بھی بھی ڈھیروں مٹھائی ہے۔ صبح اٹھ کر محلے میں بانٹنا شروع کر دینا۔ کئی دن میں بٹے گی۔ جب جا کر ختم ہو گی۔"

علی نے قمیض کے اوپری بٹن کھول کر کنستر واپس میں ڈالتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"ماشاء اللہ بڑے دل والوں کی اولاد ہے۔"

مطربہ کا چہرہ یکلخت سفید سا پڑ گیا۔ ان دیکھے روشن چراغوں کی لو کپکپانے لگی۔

"یہ لیجئے محترمہ۔" علی نے بہت شوخ انداز میں اس کے سامنے پیش کی۔ اس پر اماں کے جملے نے کوئی اثر نہیں ڈالا تھا بلکہ اسے اپنے اعصاب و خیال پر بہت کنٹرول تھا۔

مطربہ نے پیالی تھام لی۔

"کھانے کیلئے دی ہے۔" علی نے اسے پیالی کی سمت گھورتے دیکھ کر چونکایا اور وہ حقیقت میں چونک پڑی۔

"کس دھیان میں ہیں آپ؟ یہ دنیا بڑے دل والوں کیلئے ہے۔ چھوٹے حوصلے اور چھوٹے دل والے ان خوشیوں سے بھی محروم رہتے ہیں جن پر ان کا جائز حق ہوتا ہے۔ بہت خلق کرتی ہے انہیں یہ دنیا۔ کسی قسم کی فکر خود پر طاری کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو ہمیشہ خوش دیکھوں۔ جس دن کسی غم میں مبتلا دیکھا۔ بہت لڑائی ہو گی۔ اور اپنا پلنگ باہر گلی میں ڈال کر سو جایا کروں گا۔ لوگ پوچھیں گے کہ باہر کیوں سو رہا ہوں تو صاف کہہ دیا کروں گا کہ بیوی کہنا نہیں مانتی۔"

مطربہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر بمشکل ہنسی ضبط کی۔

"ابھی ہم آپ کو اپنے بیٹے سے ملائیں گے۔ بڑا ہو کچھ کل وقت کا پابند ہے۔ نو بجے ہی سو جاتا ہے۔ صبح چھ بجے سے پہلے ہی جاگ جاتا ہے۔ بڑی خوبیوں کی ہی مالک ہے۔ لگتا ہے پکا نمازی بھی بنے گا اور باقاعدہ جماعت سے نماز ادا

پڑھا کرے گا۔"

"پتہ بہت اچھی بات ہے۔" مطربہ نے اچھرتے سے کہا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"اچھا ہم آپ کو ایک اور دلچسپ بات بتاتے ہیں۔ آپ پہلے تو ہمارے بیٹے کا نام سن کر حیران ہوئی ہوں گی۔ کیوں نا بتا دیں۔ ہمارے بیٹے کا نام ہے [illegible]۔"

مطربہ نے پیالی واپس رکھ دی تھی۔

"آئیں چلیں۔ پہلے اپنا ہونہار دیکھ لیتے ہیں آپ تو۔" علی نے ہاتھ بڑھا کر اسے [illegible]

وہ پیچھے پیچھے چل پڑی۔

علی اوپر جانے کیلئے زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ بھی اس کی تقلید میں زینے طے کرنے لگی۔

زینے طے کرتے ہی چھت کی کھلی جگہ کے بعد سامنے ہی کمرا تھا۔ علی [illegible] داخل ہو گیا۔ اور پھر وہ بھی۔

چھوٹا سا کمرا بہت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ دیواروں پر خوبصورت پھول اور جانوروں کی تصاویر [illegible] رنگین بتیوں سے سجے ٹرکھولنے کا بہت پرانا مگر بہت سجا ہوا جھولا تھا۔ کھڑکی کی طرف [illegible] چھوٹا سا سنگل بیڈ اور اس کے ساتھ ہی وارڈ روب الماری۔ کھڑکی کے ساتھ ہی سفید [illegible] ایک بچے کیلئے اس قدر اہتمام پر تو اس نے حویلی میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہاں ایک کمرے میں [illegible] اہتمام ہوتا تھا اور اسی حساب سے بے ترتیبی بھی ہوا کرتی تھی۔

"یہ دنیا ہمارے دل جیسی ہو۔ وہ جو آپ جیسی لڑکی وہ ان کے جائیں سوال کیے۔"

"ہائے اللہ۔" مطربہ کو مارے حیا کے قدم اٹھانا مشکل ہو گیا۔ "علی تو ہیں بڑے چلے جاتے ہیں۔"

"آؤ بھئی۔ رک کیوں گئیں۔ دیکھئے کیسے للچائی سے دیکھ رہے ہیں۔ باپ کی توڑ ہے نا۔"

مطربہ نے بچے پر نگاہ ڈالی۔ وہ واقعی سال کا نہایت صحت مند اور خوبصورت بچہ تھا۔ بے اختیار ہی [illegible] ساختہ پیار آ گیا کہ وہ ان بچوں میں سے تھا جنہیں راستہ چلتے ہوئے بھی پیار کرتے ہیں۔"

اس نے آہستگی سے اس کی پیشانی سے بال سمیٹے اور جھک کر بوسہ دیا۔

"محترم عبدالباری محمدی! دیکھئے کتنی اچھی ایی لائے ہیں آپ کیلئے۔" علی نے مطربہ کو شانوں سے تھام کر [illegible] کی۔

چھوٹے دل تک یہ محض اس کو بہلانے کی تدبیر تھی۔ محض عزت و محبت نے جو دیا تھا۔ کھونے کی [illegible] طاری تھی۔

خواب کے عظیم ٹوٹنے کی آہستگی سے آپ جاں چھوڑتے ہیں۔ مگر محبت بھی ایک قیامت ہے انقلاب ہے [illegible]

"کیسا لگا آپ کو ہمارا بیٹا؟"

"ماشاءاللہ۔ بہت پیارا ہے"۔ اسے واقعی بچہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھی۔

اسے حیدرآباد میں رہتے ہوئے تقریباً ایک ماہ ہو رہا تھا۔ اس دن پہلے علی اسے ہاتی سے ملوانے لایا تھا۔ ہاتی بہت بار تھی۔ اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ اس نے کہا بھی تھا کہ وہ ساتھ چلے۔ اب تو اس کا اپنا گھر ہے۔ مگر اس کی "ہاں" کے باوجود اس نے نہ بدل سکی تھی۔

سردار ماموں نے علی کی بہت آؤ بھگت کی تھی۔ زندگی میں پہلی بار مطربہ کو گلے سے لگایا تھا۔ سر پہ ہاتھ پھیرا تھا۔ بچے ہوئے ایک جوڑا اور کچھ روپے بھی دیئے تھے۔ اور ساتھ ہی کہا تھا کہ تھوڑے بہت پیسے اس نے کفن دفن اور سردار کے بچوں کیلئے اتار رکھے ہیں۔ کفن دفن کا سن کر اسے بہت رونا آیا تھا۔ وہ بہت بوجھل دل کے ساتھ واپس ہوئی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے یہ اس کی آخری ملاقات تھی ہاتی سے۔

چلتے ہوئے ہاتی نے کہا تھا۔

"زندگی ہار کر علی تیرا مرد ضرور ہے مگر یہی ہماری عمر بھر کی کمائی ہے۔ عمر بھر کوشش کی کہ اس کا احسان میرے سر پہ ہو۔ اپنی محنت مزدوری کی روٹی کھاؤں مگر سولہ آنے اور حویلی والوں نے جو احسان کیا ہے میرے پاس اس کا بدلہ نہیں ہے۔ سوائے اس دعا کے کہ حویلی کی چکی چلتی رہے۔ اللہ ان کے نصیب اچھے کرے"۔

وہ حیدرآباد آ کر بہت دن اداس رہی پھر ایک روز علی نے اسے خوشخبری سنائی کہ صبیر علی خان کی شادی ہو رہی ہے۔ آج آفس میں اماں جی کا ٹیلی فون آیا تھا۔ انہوں نے کہا ہے کہ پہلی فرصت میں مطربہ کو حویلی بھجوا دوں۔ اسے صبیر علی خان کی شادی کا بہت انتظار تھا اور یہ بھی کہ کوئی تیاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اس کیلئے کپڑے سلوا لئے ہیں۔

اماں جی کے اس اپنائیت بھرے پیغام پر اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بہت مقدس جگہ کی بیٹی ہے۔

علی نے تو کوئی ایسا تاثر نہیں دیا تھا کہ وہ بچے کو ساتھ لے کر جائے اس نے خود ہی تھا وہ بچے کو ساتھ لے کر جاتی۔

اور جب وہ گلابی سوٹ اور سرخ ہار میں "بچہ" میں اٹھائے حویلی میں داخل ہوئی تو وہاں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ایک لمحے کو تو اسے یقین ہی نہیں آیا کہ وہ حویلی والوں کو اتنی پیاری ہے۔

"واہ مطربہ۔ کیا پیاری میڈ اولاد دی ہے۔ ماشاءاللہ کتنا پیارا بچہ ہے"۔

تزئین نے بے اختیار بچے کو منہ لے کر رخسار چوم لیا تھا۔

"ماشاءاللہ۔ بڑی جلدی مل گیا تجھ سے"۔ بچے کے منہ بسور کر مطربہ کی طرف ہاتھ بڑھانے تو اماں جی نے بہت خوشی سے کہا۔

اگر کسی باپ کی اولاد ہے۔ جو اس سے ایک لمحے کو ملی گیا تھا"۔ تزئین کی خوبصورت آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"اچھی تو ہے؟" اماں جی نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے اسے دیکھا۔

"آپ کی دعا ہے اماں جی"۔ اس نے نگاہیں جھکا کر کہا۔

"اللہ خوش رکھے۔ ایک خیال سے عمر بھر کو تیری جان چھوٹ گئی"۔ وہ بچے پہ نظر کئے ہوئے اداس سی کہہ رہی تھیں۔

"آج کل تو بڑا نام ہو گیا ہے تیرا"۔ اس نے بچے کو اٹھائے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ مگر ہم تجھ سے کام نہیں کروائیں گے۔ تیرا مرد کیسی ہاتھ ہے کا نہیں؟" اماں جی نے بھی دلجوئی کی۔

"نہیں اماں جی۔ میں تو اب بھی آپ کی باندی ہوں"۔ وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔

"ہاں ہاں تو تیری باری پشتوں میں ہوتی آئی ہوں گی۔ ایک اور آ گئی تھی بس تھا"۔

"جن ہار پشتوں کا ایک اچھلے کا رزق نہ کھایا میں نے۔ میں کیا ہاتوں ان کو"۔ وہ بہت احترام سے عرض کر رہی تھی۔

"دیکھا اماں جی! ایک مہینے میں ہی کتنی سنجیدہ باتیں کرنے لگی ہے"۔ تزئین نے ہنس کر کہا۔

"نہیں خیر کھوٹی تو ہے پر"۔ اماں جی نے شفقت آمیز انداز سے اسے دیکھا۔

"مگر تم تو یہ کہتے ہیں کہ سرے گزر جاتی ہیں اس کے ہماری باتیں۔ بہت آسان انداز میں بات کرنا پڑتی ہے اس سے"۔ تزئین نے کہا۔

مطربہ جیسے ایک دم چونک پڑی۔ یہ خیال ہی نہیں آیا کہ ان سنسن۔ احمق کہلانے والا اب اس حویلی اس وطن میں نہیں ہے۔

اسے حویلی میں لیا کیک بہت بڑی کمی کا احساس ہوا۔

چوبی برآمدوں کی چوڑی راہداری۔ زینہ اترتے ہوئے قدموں کی مخصوص دھمک۔ ان کی آمد سے قبل ہی ان کی آمد کا اعلان ایک مخصوص خوشبو کی ترویج۔ ایک خاص انداز کی کھنکار۔

جانے کیا کیا گم ہو گیا تھا حویلی میں۔ اس کے اندر وحشت کے بگولے اٹھنے لگے۔ اسے محسوس ہوا کہ علی کی ذات ایک بنگامہ پرور اور پرجوش وجود ہے کہ ذات کے بغیر وہ اداسی کھلنے کی فرصت اور مہلت نہیں ملی۔ بھلی اتنی ہی دیر میں اس نے اندر کا غبار بھاپ کر فرو کر دیا تھا۔

اس نے گھوڑا کر بچے کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

"بچے کا نام کیا ہے"۔ اماں جی کو وہ بہت اچھی لگی بچے کو پیار کرتے ہوئے۔

"ہارلی"۔ اس نے دوبارہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"نام تو اچھا رکھا ہے یہ نام بچے پر"۔ تزئین نے بہت خوش ہو کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

"مجھے خیال میں تو پورا نام عبدالباری ہو گا"۔ وہ پھر کویا ہوئیں۔

"جی۔ عبدالباری محمدی"۔ اس نے تائید کرتے ہوئے پورا نام بتایا۔

"او صاحب! کیا بارعب نام ہے"۔ تزئین نے بچے کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

"اسے نیند آ رہی ہے۔ اوپر سلا آؤں یہیں تو بہت شور ہے"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سونا آنے کی کوشش میں نہ چلی جانا۔ اماں جی نے اوپر آنے والا کمرہ کھلوایا ہے"۔ عالیہ اب ہنس رہی تھی۔

"وہ دعا پلانے سے پہلے۔ آرام سے سو رہے گا"۔ اماں جی نے تاکید کی۔

"اسے کاپی آتی ہو گی"۔ نازنین نے شرارت سے کہا۔

"جی"۔ وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

"لو اس عمر میں تو یوں بھی اپنا چھوٹ جاتا ہے"۔ اماں جی مذاق نہیں سمجھیں سمیعہ سے کہہ رہی تھیں۔

"ہمم۔ اماں جی ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے"۔ نازنین مسکرائیں۔

"ارے میں بچے کی بات کر رہی ہوں۔ ماشاء اللہ دو سال کا تو ہو گیا ہے ہاں؟" اماں جی نے بلال سے تصدیق چاہی۔

"جی ۔۔۔" یہ تقاضا ہے تھے کہ دو سال کچھ مہینے کا ہو گیا ہے"۔ وہ بولی۔

"ہائے ظالم کیا آفت لگی ہے"۔ "وہ" "ان" کہتے ہوئے۔ اب تقاضا بہت رو رہی تھی کہ ٹھنڈا نہیں کرواں گی"۔ نازنین نے گھبرائی کی۔

واقعی لگ رہا تھا کہ عین نکاح کے وقت انکار کر دے گی"۔ نازنین بھی گویا ہوئیں۔

عطریہ کا چہرہ ایک دم بے تاثر ہو گیا۔ غصے سے جیسے حواسوں پر برف پڑ گئی۔ اس کی نظریں بے ساختہ دروازے کی طرف اٹھ گئیں جہاں سے چھپ کر اس نے دل کی ویرانی کا پہلا سرا طے کیا تھا۔ زرخیز زمین پر پہلی ہل چلا تھا۔ سبزے کے شوق میں جیسے زمین کو روندے جانے کی تکلیف نہیں ہوتی ویسے کہ وہ یہ کہ روئیدگیاں پھوٹنے کی تکلیف دہ اذیت بھلا دیتی ہے۔ ایسی روئیدگیاں پھوٹی تھیں کہ پھل پھول کے جھاڑ اگے تھے۔

اس نے خود پر قابو پا کر بچے کو شانے سے لگایا اور اندر کی سمت بڑھ گئی۔

بصیر علی خان کی رسم اجین کا ہنگامہ تھا۔ وہ بچہ مامایں کو تھما کر اپنی تیاری میں مصروف تھی۔ بال میں موتے پرونے استری شدہ کپڑے اٹھانے آئی تھی۔ تقریب باہر باغ میں ہو رہی تھی۔ بی اماں سب اپنے اپنے کمروں میں تیار ہو رہے تھے۔ وہ کپڑے بازو پر لٹکا کر باہر کی طرف بڑھی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا اور اپنے مخصوص انداز میں پوچھا۔

"کون؟"

"کون نہیں تیمور علی خان"۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ وہ تو جیسے اچھل پڑی۔

"السلام علیکم خان"۔

"عطریہ؟" وہاں سے استفسار ہوا۔

"جی خان"۔ اس کا لہجہ سرد ہو گیا۔ (شکر ہے آپ کو میرا نام تو یاد ہوا۔)

"جی کہیے؟"

(شادی والے دن بھی کچھ پوچھنا تھا کیا؟)

"جی ٹھیک ہیں"۔

"اچھا سنیں۔ پہلے بڑے بھائی کو بلائیں چار منٹ کے لئے اماں جی کو بلانا"۔

عجیب طرح کا پیغام تھا اس نے ریسیور رکھ دیا۔ عین اسی لمحے وہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"آپ کا فون ہے۔ چھوٹے خان ہیں"۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ ۔۔۔ تیمور"۔ نازنین فوراً شوق سے آگے بڑھی۔ "ہیپی برتھ ڈے۔ ویلکم اسلام آباد۔ کیسے ہو؟ کہاں ۔۔۔ ہاں ۔۔۔ ٹھیک ۔۔۔ ٹھیک"۔

وہ بولتے بولتے ایک دم رکی اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر عطریہ کو وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ تو یوں بھی جانے والی تھی۔ اماں جی کو بلانے۔ ہدایت کے مطابق دو منٹ کا وقفہ گزار دیا تھا۔ جب کھلے ہوئے دروازے میں وہ اماں جی کے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

تیمور کی آواز نے ایک مرتبہ پھر اس کا اعصابی نظام تپت کر کے رکھ دیا تھا۔ جس کی سرد گن ہونے کے احساس کے ساتھ آج وہ سنسنانے کا بہروشوق برداشت کر چکا تھا۔ مگر اب ایسی کیفیت ہو رہی تھی گویا کوئی نئی بیماری لاحق کر لی ہو۔

وہ اپنی سوچوں میں گم اماں جی کے کمرے میں آ گئی تھی۔

"اماں جی ۔۔۔ چھوٹے خان کا فون ہے"۔ اس نے عام سے انداز میں اطلاع کیا۔

"اچھا؟" وہ ایک دم پلنگ سے اتر آئیں۔ "تاز۔ بچوں اور رک جاتا۔ صالحی کی شادی میں تو شریک ہو جاتا۔ اس لڑکے کی بھی اپنی الگ دنیا ہے۔ میری بات ہوئی تھی تیمور سے؟" خوشی سے وہ جیسے اپنا آپ بھول رہی تھیں۔

"جی"۔ وہ ان کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے بولی۔

"بہت خوش تھا تیرے بیاہ سے۔ کہ اماں جی۔ بہت اچھا کام کر لیا ہے اللہ نے میرے ہاتھوں۔ حور لگائے پڑی گئی۔ اتنا خوش تو میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ ہوں بھی کیوں نہ وہ بھی کسی مجبور کا دے ثواب کا کام ہے۔ بھلی بیٹی کی میرے بچے نے ۔۔۔ اللہ اسے خوشیاں دے"۔

اماں جی ساتھ چلتے ہوئے بولتی جا رہی تھیں۔ دعائیں دے رہی تھیں اور وہ زمان و مکان سے ماورا۔ جہاں سے ناسمجھ میں آنے والے دکھ کی پھانس میں پھنس گئی تھی۔

کتنی عجیب بات ہے کسی کی عظیم خوشی کسی کا عظیم دکھ۔ جیسے ایک تصویر کے دو رخ۔ تمہاری خوشیوں دنیا سنسنا گئی تیمور خان۔ میری دنیا پھٹ گئی ہوئی ہے کوئی کسی کو کتنا سمجھا سکتا ہو گا۔ جتنا میں خود کو سمجھا رہی ہوں علی۔ میری بصورت میں پھنسی سسکتی، جھانکتی خلائق۔ حالانکہ میں اس پر قربان ہونا چاہتی ہوں۔ میں اسے خوشیاں ہی خوشیاں دینا چاہتی ہوں۔ مگر سمجھ نہیں آ رہی۔

وہ اماں جی کو وال تک چھوڑ کر اپنے کھانے کی طرف چل پڑی تھی۔

دیسمبر کی شام دور پہلی کام کے اور ج شلوار کرتے میں ڈھیروں پھول پتے باری کو گود میں اٹھائے جلدی سے اندر کمرے میں داخل ہوئی تھی جو صبح ہی سویلی پہنچا تھا۔

"خیریت سے ہو مطربہ؟" ایک جانی پہچانی آواز پر وہ چونکی بائیں جانب برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے عارف کھڑا تھا۔

"ہوں۔ خیریت سے ہوں"۔ اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"تم تو بڑی خوش ہو گی۔ سنا ہے۔ کسی پولیس والے سے شادی ہوئی ہے"۔ وہ اس کے سراپے کا طنزیہ جائزہ لیتا ہوا بولا تھا۔

"جس طرح انسان پیدا ہوتا ہے۔ کھاتا پیتا ہے اسی طرح ایک دن سب لوگوں کی طرح شادی بھی ہو جاتی ہے۔ اس میں خوشی کی کیا سوال۔ انسان کو خوش رہنے کا شوق ہو تو شادی کے بغیر بھی خوش ہو لیتا ہے اور نہ ہو چاہے شادی سے بھی کیا ہوتا ہے"۔

اس نے قدرے سرد مہری سے اسے دیکھ کر جواب دیا۔

"لیکن وہ تو اپنی شادی پر بہت خوش ہوتا ہو گا جسے اپنی مرضی کا ساتھی ملتا ہو گا۔ جیسے کہ تمہارا خاوند"۔ وہ بظاہر مسکرا رہا تھا۔

"شاید۔ مجھے تو یوں بھی یہاں ہر شخص ہی خوش دکھائی دیتا ہے"۔ اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

"ہاں ـــ دراصل تمہیں غور سے دیکھنے کی عادت نہیں ہے"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"تو ضرورت بھی کیا ہے۔ اور ہاں سنو تم مجھے تم تم نہیں کہو۔ میرے میاں نے سن لیا تو برا مانیں گے۔ وہ بھی مجھے تم نہیں کہتے۔ گھسیارے نہیں ہیں۔ خاندانی ہیں"۔

اس نے ناگواری سے ٹوکا۔ اسے عارف کا یوں تفصیلی بات کرنا بہت کھل رہا تھا۔

"تمہاری چال سے لگتا تھا کہ تم بہت اونچے خواب دیکھتی ہوں۔ خوشی کی بات ہے۔ خواب پورے ہو گئے"۔ وہ بہت سادہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"شاید تمہیں میرے اونچے خوابوں پر اعتراض تھا"۔ وہ قدرے تلخی سے مسکرائی۔

"آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں۔ کیا تاک کر رہا ہے؟" علی کسی سمت سے نمودار ہوا اور باری کی طرف دیکھا۔

"نہیں تاک تو نہیں کر رہا۔ میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ آپ کھانا کھا چکیں تو اسے لے جائیے گا۔ میں اطمینان سے کھا لوں گی"۔

"میں آپ سے کہہ بھی رہا تھا کہ اماں کو ساتھ لے جائیں۔ خیر۔ ٹھیک ہے۔ اور ہاں آپ کو اس طرح باہر نہیں گھومنا چاہیے ابھی خطرہ موجود ہے۔ میرا اسٹاف کار آپ کے ہاتھ پر لگا ہوا نہیں ہے"۔

وہ پھر شوخ ہوا چاہتا تھا۔ مگر ایک دم سنبھل گیا۔

"آپ کی تعریف؟" اس نے مطربہ سے سوال کیا تھا۔

"یہاں گاؤں میں خاندانی لوگ ہیں۔ کھیتی باڑی کا بہت شوق ہے انہیں۔ حویلی میں بھی" نے ہونے میں ساتھ کے بڑے خان کے خاص آدمی ہیں۔ سچ کہتا ہے ناں؟"

وہ کھسیانی سی ہنسی ہنسا تھا۔ ستائشی نگاہ سے اسے سراہا تھا۔

"بالکل سچ کہتا ہے"۔ وہ جیسے کچھ یاد کرتا ہوا بولا۔ بہت غور سے اس نے علی کا سراپا دیکھا تھا۔

"اچھا چلیں اب آپ اندر جائیں۔ باہر آنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔ سمجھیں؟"

وہ بشاشت سے کہہ کر جیپ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر سیٹی کے انداز میں گاتے ہوئے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

مطربہ بھی عارف پر نگاہ ڈالے بغیر پلٹ گئی تھی۔

اور عارف جوتے کی نوک سے گھاس مسلتے ہوئے جانے کس دھیان میں تھا کہ ایک دم سے چونک پڑا۔

"یہاں اکیلے کھڑے کیا سوچ رہے ہو یار؟"

وہ بہت وقار سے مسکرایا تھا

کتنی آوازوں کے اسرار تھے نہاں ان میں
آج تک سوچ رہا ہوں وہ سریلی آنکھیں

علی تو اگلے ہی دن چلا گیا تھا۔ مطربہ کو خالہ سوہنا نے دو تین دن کیلئے روک لیا تھا۔ شادی کا ہنگامہ رہ رہا تھا۔ مہمانوں کی گہما گہمی تھی۔ بہت جلد سب پڑ کر سو جاتے تھے۔ اگر ہوائی کا لالٹین نے کراہنا شروع کیا تو نیند نہیں آئے گی۔

"مطربہ"۔

"جی"۔ وہ رک گئی۔

"بچہ سو گیا یا سلاؤ کی ابھی؟" عجیب چیلی بندی کا سا انداز تھا۔

"وہ تو کبھی سو چکا۔ کوئی کام؟"

"ہاں ـــ وہ بات یہ ہے کہ تیمور کا لندن سے فون آئے گا۔ بہت تھوڑے دن کیلئے اور بار بار مجھے بلا رہے ہیں اس لئے میں اس بار نہیں جا سکتی۔ ماما اور پاپا ویسے سے میں پیغام نہیں لینا چاہتی کہ اماں جی کو پتا چل گیا تو ان کا جی نہ ہو گا کہ تیمور کی ان سے بات کیوں نہ کرائی۔ آج دراصل یہ ممکن نہیں ہے۔ کیا تم گھنٹہ آدھ گھنٹہ یہاں اٹل میں جا سکتی ہو؟ پھر کے پاس بھی وہ پاپا جی کو بھیج دیتی ہوں۔ لیک ہے"۔

"ٹھیک ہے جی"۔ وہ حقیقتاً سمجھی نہیں تھی۔

"ہاں۔ اب مجھے بتانے آؤ تو کچھ کہنا مت' میں دستک دوں گا۔ میں آواز سن لوں گی ٹھیک؟"

"جی"۔ اب وہ الجھی پریشانی اس کے چہرے پر پھیلنے لگی تھی۔

تو کیا وہ اپنے سر پر اٹھائے ہوئے پرسکون انداز میں آگے بڑھ گئی۔

اور وہ سوچنے پر مجبور ہو گئی سوچنے لگی کہ بظاہر کسی کام کے نہ لگنے والے بھرے کیسے پایا جا سکتا ہے؟ اس نے کاریڈور سے گزر کر اندر صوفے پر رکھے اور دراز ہو گئی۔ ذہن میں بے ترتیب سوچیں گردش کرنے لگیں۔

وہ تو اپنے حق میں بہتر ہی سمجھ رہی تھی کہ سکندر علی خان وطن میں نہیں تھے۔ ان کی موجودگی اسے گھبراہٹ میں مبتلا رکھتی۔

تبھی اچانک پھر ان کی آواز سنائی دی۔ جو وہ اب کبھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

وہ جانے کیا کیا سوچتی رہی اور جانے کب اونگھ آ گئی۔

فون کی گھنٹی جانے کب سے بج رہی ہو گی۔ اونگھتے ہوئے اس نے اندازہ لگایا تھا۔

''جی خان۔ السلام علیکم۔ جی میں کافی دیر سے انتظار ہی کر رہی تھی آپ کے فون کا!'' اس کی آواز میں نیند کا خمار تھا۔

''کون سے خان کے فون کا انتظار کر رہی تھیں۔ عالیہ کہ اب تو صرف میرے فون کا انتظار کرنا چاہیے آپ کو۔''

وہ ٹھٹک سے گئی دوسری طرف علی تھا۔

''آپ؟'' اس کے منہ سے بس یہی نکلا۔

''کوئی شک؟ کیا میرا فون آنا کوئی حیرت کی بات ہے؟'' وہ دوسری طرف بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''نہیں تو۔ وہ جی۔ بس۔ وہ یہ ہے کہ'' وہ گھبراہٹ میں بے ربط ہو گئی۔

''ہادی کہاں ہے؟'' وہ بہت بدلے ہوئے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''سو رہا ہے''۔

''اکیلا؟ اس کی آیا کو یہاں چھوڑ گئی ہیں آپ؟''

''نہیں' وہ وہ یہاں ہی ہے اس کے پاس''۔ وہ جانے کیوں اس کے بدلے ہوئے انداز پر گھبرا رہی تھی۔

''یہ تم کیا ہوا ہے اس وقت؟'' وہ اپنی غلطی کا اندازہ کرنا چاہ رہی تھی۔

''غنیمت ہے آپ کو نہیں پتا؟ ہادی کی وجہ سے اس وقت فون کرنے کا خیال آ گیا تھا''۔

''کہاں سے فون کر رہے ہیں؟'' اس نے بوکھلا کر پوچھ لیا۔

''اسٹیشن سے آج ابھی تک یہاں ہی ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ صبح تک یہاں ہی رہوں۔ بچے کا خیال رکھنا۔ مجھے بہت فکر ہے۔ خدا حافظ''۔

وہ ہکا بکا سی رہ گئی۔ آج کچھ بھی نہیں تھا۔ جس کو بھرپور چاہت ملنے کا اور اک ملتا ہے وہ کمی بیشی کا اور اک اس سے کہیں زیادہ رکھتے ہیں۔ اس کا گم صم ہونا عین فطرت تھا۔ یہ چند لمحوں کی قربتیں اس کی زندگی کا اہم موڑ تھیں۔ سادہ سے سادہ عورت کو بھرپور مرد کی بھرپور رفاقت جو شعوری ترقی دیتی ہے وہ کسی کے سکھائے پڑھائے سے کبھی نہیں آ سکتی۔ اس نے بے دلی سے ریسیور رکھ دیا تھا۔

[illegible] کھلے ہی چھوڑ گئی تھی۔ اس نے فوراً [illegible] ''ہیلو؟''

''اس وقت کیوں ٹانا ٹان ہو رہا ہے فون؟'' دوسری جانب تیمور علی خان تھے۔

''السلام علیکم ابا آ رہی ہوں خان۔ دو منٹ رکیے''۔

اس نے کوئی بات کرنے اور سننے سے پہلے ہی [illegible] تیمور علی خان کی مخاطب کرنے کی [illegible] چکی تھی۔

بہت آہستگی سے ریسیور رکھ دیا تھا۔

''ٹھیک ہے معیز۔ چلو آ رہی ہوں۔ ایسا کرو تم اوپر چلے جاؤ''۔ وہ [illegible] کہہ کر [illegible] چکی تھی۔

معیز کچھ بولے بغیر ہی اپنے راستے پر چل پڑی تھی۔

رات اس کی بہت قبل کی تھی۔ نہایت لطیف سا خیال تھا کہ ایک شخص اس کی زندگی کا اہم حصہ بن چکا تھا۔ وہ اس پر [illegible] کر سکتے تھے۔ چاہے جانے کی عظیم لذت سے آشنا کر سکتے تھے۔ [illegible] ''وہ'' یا [illegible] تھی۔ پھر اس کا [illegible] اس پر کیے گئے [illegible]

صبح ہی اس نے اماں جی سے کہہ دیا تھا کہ اسے جیسے آباد دیکھنا چاہیں۔

''ہیں! بچا! کیا ہوا؟ وہ چاند دیکھنے تو تم اپنی خوشی سے رکی تھی۔ نہیں رکنا تھا تو علی کے ساتھ ہی چلی جاتی۔ وہ فکر مندی سے بولی تھیں۔

''نہیں اماں جی! میرا دل چاہ رہا ہے جانے کو''۔

''آہم!'' آنکھوں میں شرارت سے مسکرائیں۔

''اب پیچھے بچے کے دماغ کیا کیا سوچے گا تو۔ علی نے کہا تھا تعلیم الدین کے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔ [illegible] بات سے میں لے جاؤں گا۔ خیر میں تیرے خان سے بات کرتی ہوں۔ تو فکر نہ کر۔ تیرے تو ہونٹوں سے [illegible] نہیں لگتا تھا''۔ اماں جی مسکرائیں۔

''اب بتا۔ بہت دیر ہی تھی کہ شادی نہیں کروں گی'' [illegible] نے چھیڑا۔

اماں نے جانے کس دھیان سے چونک کر [illegible] کی مست دیکھا۔ پھر خیال خیال نظروں سے اماں جی [illegible] کو پیار سے دیکھا۔

''کل کیا ہونا ہے۔ کسی کو پتا تھوڑی ہی ہوتا ہے''۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔

[illegible] کو اس میں کوئی خاص بات محسوس ہونے لگی۔

''اچھا اچھا۔ فکر نہ کر۔ کرتی ہوں خدا وہ [illegible] اس سے اچھی کیا بات ہے کہ تجھے اپنے گھر کا [illegible]''۔

''پھر بھی۔ کیا کوئی بات ہو گئی ہے؟ مجھے تو بتا۔ جب سے ہی لگ رہا ہے'' [illegible] نے پوچھا۔

"نہیں بابی جان! ویسے ہی کچھ طبیعت سی خراب ہے۔" اس نے خالی خالی نگاہوں سے باورچی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اماں جی! میں سامان باندھ رہی ہوں۔ بس آپ مجھے بھجوا دیں۔"

"ہاں ہاں۔ کہہ تو دیا۔ تیرے سفر کا انتظام ہو جائے تو علی کو بھی فون کروا دوں گی ٹھیک ہے۔ تسلی رکھ۔"

"علیم الدین کو بھی تیری ہی وجہ سے جلدی جانا پڑے گا۔ تیرے بڑے خان کی کوئی خبر نہیں۔"

وہ خاموش رہی۔ اسے کسی اور کے مسئلے سے دلچسپی نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ اس محفل کو قریب سے دیکھ رہی تھی جو اس کے سوچے ہوئے امکان جیسے وجود پر ارجمند کے برس رہا تھا۔ اتنا گہنا گھاؤ دل کہ اس کی بربادی طلب بڑھ گئی تھی۔ ضرورت شیخ بن گئی تھی۔ اسے کچھ دیئے بغیر بہت کچھ لے رہا تھا۔ ایسا لمحہ کا سودا کہ اظہار سے کے بغیر ہی سے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

علی اس کو لینے آیا تھا۔ جیب نما دائیو وہ رائیو کر رہا تھا۔ اس لئے رکی بات چیت کے علاوہ انہوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی تھی۔

مگر رکی بات چیت کے دوران بھی علی اسے بہت دور محسوس ہوا تھا۔ اس لئے اس کی ہمت نہیں پڑی تھی کہ وہ اس سے کوئی عام سی بات بھی کر لیتی۔

حالانکہ اسے بہت تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ مگر پھر بھی اس نے کھانا خود بنایا تھا۔ علی اس کو گھر چھوڑ کر دوبارہ اپنے اسٹیشن جا چکا تھا۔ اور یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ گھر واپس کب آئے گا۔

وہ باری کو سلاتے سلاتے خود بھی سو گئی تھی۔ حالانکہ ایسا ارادہ تو نہیں تھا۔

رات کو اچانک آنکھ کھلی تو وہ جز بز اٹھ بیٹھی تھی۔ ریک پر رکھے ہوئے بلب کی مدھم روشنی میں اس نے باری کے ہاتھ پاؤں درست کئے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ لیپ کا ڈبہ پر اماں بے خبر سو رہی تھی۔

وہ آہستہ سے ذرا ہٹ کر اپنی جوانی گاؤن میں آئی۔ خواب گاہ میں روشنی تھی۔

علی جاگ رہے ہیں؟ وہ حیرت سے سوچنے لگی۔

اور دھیرے سے دروازہ کھول کر جھانکا۔ علی اپنے دفتری کام میں مصروف تھا۔ مگر اس نے دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز سن لی تھی اور سر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔

"باری کو سلاتے سلاتے میں خود ہی سو گئی پتا ہی نہیں چلا۔" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے غیر ارادی وضاحت کی۔

"کھانا بھی نہیں کھایا تھا آپ کے انتظار میں۔ آپ نے کھا لیا ہے ناں؟"

وہ دراز دراز سے علی کا پسندیدہ خوابی کا لباس نکالتے ہوئے بولی۔

"ظاہر ہے آدھی رات گزر چکی ہے۔ ایسا کریں کھانا کھا لیں۔ صبح ہونے میں بہرحال کافی وقت ہے۔"

وہ صوفے انداز میں اس کی سمت دیکھے بغیر گویا ہوا۔

"آپ نے کچھ کھایا نہیں؟" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"میں نے سوچا۔ آپ اکٹھے ہی کھائیں گے۔" وہ ہلکے سے مسکرا کر بولی۔

وہ لباس تبدیل کر کے واش روم سے نکلی تو علی کام سمیٹ رہا تھا۔ طبیعت کو کچھ بے چینی سی محسوس ہوئی۔ کھانے کا ٹرے سیٹ کرنے لگی۔

تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد وہ ٹرے لے کر واپس آئی تو علی اندر داخل ہو چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟" وہ بہت شرمندگی محسوس کرنے لگی۔

"نہ جانے کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ آپ کھانا نہیں کھائیں گے۔ سوچا اکٹھے کھا لیں گے۔" وہ اس سے ٹرے لیتا ہوا بولا۔

"اس طرح نہ کریں آپ میرے ساتھ۔ میں اس کا اہل نہیں تھی۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"علی جواب میں خاموش رہا۔ وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ تھوڑا سا کھانا پلیٹ میں نکال کر کھانے لگی۔ حالانکہ دل تو بالکل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔

"آپ ۔۔۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" وہ پگھلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"الحمدللہ۔ بالکل ٹھیک ہوں۔" وہاں سے برجستہ جواب آیا۔

"پھر کیا بات ہے۔" اس نے مزید ہمت کی۔

"کوئی بات نہیں۔ کیوں؟" وہاں اطمینان سے بولا تھا۔

"جب انسان کچھ کہنا چاہتا ہے تب ہی اس طرح ہوتا ہے۔" وہ اس کے عقب میں دیکھ رہا تھا۔

"مثلاً کس طرح کا؟" وہ بہت پرسکون تھا۔

"جس طرح آپ ہو رہے ہیں؟" وہ رکھائی سے بولی تھی۔

"اچھا۔" مسکراہٹ بہت معنوی تھی۔

"کوئی بات نہیں ہے تو آپ فکرمند کیوں ہیں؟" بہت سکون سے بولا تھا۔

"فکرمندی کی تو بات ہے۔ آپ بہت بدلے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں۔" وہ بہت اہمیت کو [illegible] تلخی محسوس کر رہا تھا۔

"وہم ہے آپ کا۔ وہ اصل میں مصروفیت بہت ہے۔" علی نے سر دھنے میں کہا۔

"نہیں وہم نہیں ہے۔ وہ اصل میں ناں وہ خاتون کی بیگم ہیں ناں [illegible]"

"اوں ۔۔۔ پھر؟" علی نے قدرے دلچسپی ظاہر کی۔ مگر اس کی طرف دیکھا نہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''وہ میرے پاس آئیں اور بولیں۔ تیمور خانوں کا فون آئے گا۔ میں بچے کے پاس رہوں گی آپ یہاں ہال میں بیٹھی رہو۔ فون آئے تو مجھے بلا لانا۔ اور کسی کو بتانا نہ پہلے کہ تیمور خانوں کا فون آنا تھا۔''

وہ ایک تواتر سے بول رہی تھی۔ علی بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا جو ہر طرح کی ہائی ٹینشن سے عاری تھا۔

''ہوں۔۔۔ پھر؟'' علی کا چہرہ اس کی گہری سوچ کا مظہر تھا۔

''میں پھر سے بے حد نروس ہونا شروع ہو گئی۔ جب آپ کا فون آیا تو میں بلکل۔۔۔ بلکہ ساری ٹینشن ختم ہو گئی تھی۔'' وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔

''ہوں'' علی کی ہوں بہت لمبی اور گہری سوچ کا اظہار تھی۔

''یہ تیمور خانوں کی تقریب ہے شادی کی تقریب؟'' علی کا سوال قطعی غیر متوقع تھا۔ وہ ہکی بکی سی اسے تکنے لگی۔

''بہت ذہین آدمی ہیں۔ دیکھتے ہیں۔ آپ کو کیسے پتا؟ آپ کے تو دوست ہیں۔'' وہ حیرانی سے بولی۔

''میں بھی مرد ہوں، وہ بھی ایک مرد ہے ایک عورت کی آنکھ سے دیکھوں گا تو کوئی عورت اسے کیسے دیکھے گی۔ سیدھی سی بات ہے۔'' علی کا لہجہ عام سا تھا۔

''میں نے تو ان میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جیسے عورتیں کے دیکھنے والی ہوتی ہیں۔'' وہ بچگانہ پن سے کہہ رہی تھی۔

''ایسے۔۔۔ باباصاحب کی طرح ادھیڑ ہیں۔ فلسفہ کی جلدی آجاتا ہے۔'' وہ ہنس پڑی تھی۔

''ذوالجلال کی شادی تو ان کے سامنے ہی ہوئی ہے۔ حویلی میں پہلے سے آجا جا تھا ان کا؟'' علی کا سوال بے ربط سا تھا۔ وہ الجھ کر اس کی سمت دیکھنے لگی۔

''میرا خیال ہے نہیں۔ جب میں حویلی آئی تھی تو اس وقت ذوالجلال کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اس میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کہ جس سے پتا چلتا۔ وہ حویلی میں پہلے بھی آتی تھیں۔ میرا خیال ہے وہ لوگ اکثر نہیں آتے۔ ذوالجلال کی امی تو باہر ہی سیٹلڈ ہیں۔ ان کے بال بھی کٹے ہوئے ہیں۔ وہ باہر سے ساڑھیاں منگواتی ہیں۔ حویلی میں تو ان کی عمر کی عورتیں ساڑھیاں نہیں پہنتی ہیں۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ ماڈرن لوگ ہیں۔ کیوں؟ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں آپ؟'' وہ الجھی۔

''یونہی'' علی مسکرا دیا۔

''آپ مسکرائے کیوں؟'' وہ بچگانہ پن سے بولی۔

''چلو نہیں مسکراتا۔ واقعی ہوں مسکراتے ہوئے؟''

''نہیں'' وہ جھینپ گئی۔

''اچھا لگتا ہوں؟'' وہ شرارت کے موڈ میں آچکا تھا۔

سلمہ کے سر سے جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ سرک گیا تھا اس نے نیا آسودہ انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

سورج کی زندگی بے حد مصروف ہو گئی۔ علی سے بھی ترقی کے کئی مدارج طے کیے اس دوران اس کی چھٹیوں میں آتا جاتا رہا۔ حال ہی میں وہ خواب خٹک آئے تھے۔ انیس بی کی حیثیت سے علی نے بطور ڈائریکٹر جنرل کا چارج سنبھالا تھا۔ حویلی میں ان کی مراجعت کئی مہینے ایک دو دن سے زیادہ قیام نہیں ہو پایا۔ علی کے ساتھ ہی ان کی واپسی آ گئی۔

حال ہی میں جوار کی سالگرہ کا دعوت نامہ ملا تھا۔ اس کے سامنے حویلی کی تعمیر و ترقی کے سارے مراحل گھوم گئے۔ وہ

ہے بھین ہی ہو گئی۔ اور پھر تقریب بھی کراچی میں تھی۔ علی نے تو اپنی مصروفیات کی بنا پر جانے سے انکار کر دیا تھا لیکن ثمینہ نے جانے کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی ضروری شاپنگ بھی کرا دی۔ ایک ہفتے کے بعد اس نے سسرال میں قدم رکھا تھا۔ سب کچھ ہی نیا نیا تھا جیسا وہ چھوڑ گئی تھی۔ اماں جی تو اسے دیکھ کر یوں خوش ہوئیں جیسے برسوں بعد ملا ہوا نیا بچہ آیا ہو۔

ثمینہ ماں بن کر لوٹی اور نکھر گئی تھی۔ دوسرے بچوں کا بھی خاندان میں اضافہ ہو چکا تھا۔ ثمینہ کی امی بھی جلد ہی آ جا رہی تھیں۔ ہادی کے ساتھ کھیلنے کو اب کئی بچے تھے جنہیں کودوں میں دیکھا تھا وہ بھاگتے پھر رہے تھے اور کئی ایسے تھے جنہیں پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

اسے وہی گیسٹ روم ملا تھا جس میں اس نے شادی کی پہلی رات گزاری تھی۔

"توبہ — سطوت — تو تو بالکل ہی نکمی نکل۔ میری فیکٹری میں کچھ نہیں بتایا بھی تھا؟" ثمینہ نے چھیڑا۔

"توبہ ہے بھی جان!" وہ بھری محفل میں ٹوکے جانے پر لال بھبھوکا ہو گئی۔

"سچ لے تو نہیں کہا۔ ایک ہی تو ہے" — روشن آرا نے اصل کھوج لگانے کی کوشش کی۔

"نہیں وہ تو نہیں کہتے۔ وہ تو کہتے ہیں" — وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم رک گئی جیسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔

"ہاں — ہاں۔ کیا کہتے ہیں" — ثمینہ نے اس کی بات لپکی۔

"کچھ نہیں" — اپنی حماقت پر وہ بری طرح خجل ہو رہی تھی۔

"ہمیں بھی تو پتا چلے گا" — ثمینہ نے معنوی خفگی ظاہر کی۔

"وہ خاموش رہی۔

"مجھے پتا ہے وہ کیا کہتا ہوگا" — روشن آرا نے اطمینان سے کہا۔

"کیا؟" وہ سب تجسس سے ان کی سمت دیکھنے لگیں۔

"یہی کہ مجھ بوں نے مجھے اپنے قبیلے سے نکال دیا۔ اب میں اپنا قبیلہ الگ بناؤں گا" — وہ اتنے اطمینان اور سنجیدگی سے بولیں۔ گویا ان کے سامنے ہی یہ بات ہوئی ہو۔

بے ساختہ قہقہے برسنے لگے تھے۔

"تو آپا اور دیر نہیں ہو گئی کچھ اتنی دیر سے قبیلہ بنانا شروع ہوا تو مسئلہ ہو جائیگا۔ اسے تو بڑی دیر تک کام کرنا ہے۔"

ثمینہ فکرمندی سے گویا ہوئیں۔

ایک مرتبہ پھر ہنسی کا طوفان برپا ہوا تھا۔ سطوت کا چہرہ گلال ہو گیا۔

"ارے ثمینہ! کتنے بچے کا پلان ہے تمہارا؟" اماں جی ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

"اماں جی! رات دو بجے کی فلائٹ ہے۔ گھر پہنچتے پہنچتے انہیں چار بج جائینگے۔ آپ آرام سے سو جائیں۔"

ثمینہ نے انہیں پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ سطوت کو بھی کچھ دیر آرام کی ضرورت تھی۔

ہاتھ ایک لمبے کو اندھیرا ہی میں مستقل ہو کر رہ گیا۔

ماحول پر نقاہت سی چھا گئی۔ اسے اپنے آپ سے خوف آنے لگا۔ وہ ہنسی کی ایک ہلکی سی لہر جو ابھی تھی۔ جان پھیلا ان سے کچھ مختلف تھا۔ دل کی تھکن بڑھ رہی تھی۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ کسی بند گلی کے آخری موڑ پر کھڑی ہے۔ جہاں سے آگے کا سفر کیوں نہیں بڑھتا۔ نہ بڑھتا جاتا ہے۔

کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں اس کے مختلف ہونے کا احساس سر ابھارتا ہے۔

اس نے دھیرے سے آنچل سر پر جمایا۔ ہنسی پر بھی کہ وہ کتنی بڑی ہو گئی ہے۔

"کہاں چل سطوت؟" وہ اٹھنے لگی تو کئی آوازیں ابھریں۔

"ہادی کو دیکھتی ہوں۔ کہیں اٹھ نہ گیا ہو" — وہ جھینپ سے گویا ہوئی۔ سطوت کی تاریخ کو لیکر سب ہی ہنس رہے تھے۔ اسے امتحان سے پہلے کی تیاری یاد آ رہی تھی۔

"خالہ سوئے آئے، کچھ آنچل آج تو ہم تجھ سے گانا سنیں گے" — ثمینہ کے لہجے میں اصرار تھا۔

"نہیں جب وہ جاگ جاتا ہے تو مجھے بہت گھبراتا ہے" — اس کا انداز بھی طفلی تھا۔

"ہاں کیوں نہیں کہتی کہ تجھے خود نیند آ رہی ہے" — وہ خفگی سے گویا ہوئیں۔

"واقعی بی بی جان! مجھے نیند آ رہی ہے۔ سفر کی وجہ سے تھکن بہت ہے" —

"ابھی کچھ دیر پہلے تو بہت فریش لگ رہی تھی" — ثمینہ نے حیرانی سے کہا۔

"نیند تو نیند ہے۔ ہر چیز کو تھوڑا ہی آتی ہے" — وہ بے ساختہ ہنسی۔

"ارے سوئے دو اسے۔ کیوں زچ کر رہی ہو" — اماں جی نے محبت سے اس کی سمت دیکھا۔

"تو بھی تھکنے لگی سطوت؟" خالہ سوئے نے پوٹے سے پان نکالتے ہوئے جیسے تعجب سے پوچھا۔

"انسان ہی تھکتے ہیں خالہ" — وہ اداسی سے مسکرائی جیسے گہرے بادلوں کے بیچ ذرا سی دراڑ پڑ جائے۔

"خالہ — ہم تو سوچ رہے تھے تجھ سے گانا سنیں گے" — روشن آرا نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"گانا تو میں نہیں سناؤں گی۔ نہ آج 'وکل'" — اس کا انداز واضح اور فیصلہ کن تھا۔

"ہیں — وہ کیوں؟" سب کی سب بھونچکی رہ گئیں۔

"کہیں علی نہ ناراض نہ ہوں۔ بقول اماں جی کہ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھر ٹوٹ جاتے ہیں" — وہ بہت آہستہ انداز میں بات کر رہی تھی۔

"خدا خوفی کر" — اماں جی تڑخ کر بولی تھیں۔

"تو — علی کو بتائے گا کون کہ تو نے گانا سنایا تھا" — ثمینہ نے کہا۔

"پھر بھی۔ ان سے بری تو ہوئی ناں؟"

ایک دم بجلی روشن ہو گئی۔ اور صبا کا چہرہ اس کے قلب سے لمحہ بھر کو نمودار ہوا۔ ایک لمحہ اس کے رخسار پر سجا رہا۔ پھر غائب ہو گیا۔

"آپ لوگ مجھے معاف کر دیجئے۔ پھر سناؤں گی کل ان کا فون آئے گا تو پوچھ لوں گی"۔ وہ سادگی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"واہ صاحب! کیا اطلاعت ہے۔ سیدھی جنت میں جائیں گی"۔ روشن آرا نے طنز کیا۔

"ہاں تو اچھی بات ہے ناں۔ اپنے مرد کا خیال رکھنا چاہیے"۔ اماں جی نے اس کی اس خوبی کو سراہتے ہوئے کہا۔

"بہت ہی سیدھی ہیں اماں جی؟ آپ بھی۔ اس طرح کی گھریلو عورتوں میں تو سب جگہ چلتا ہے۔ کسی کی آواز اونچی ہوتی ہے تو اس سے گانا سن لیتے ہیں مگر لگتا ہے کہ یہ بہت گھریلو ہو گئی ہے۔ ہمیشہ کیلئے اندر سے اداس۔ اس کی "بے خبری" اس کا سب سے بڑا سکھ تھی"۔

جرمین کا تجزیہ سبھی کو اچھا لگ رہا تھا۔

محفل میں عجیب اداسی اتر آئی تھی۔

رات بہت بار بارش ہوئی تھی۔ اور صبح باری کے جلد اٹھ جانے کی وجہ سے اسے بھی اٹھنا پڑا تھا۔ کوٹھی میں سناٹا طاری تھا۔ یوں لگتا تھا سب سو رہے ہیں۔ وہ باری کی اگلی تمام کرکٹ میں آ گئی تھی۔ صابرہ معمول کی مصروفیات میں مگن تھی۔

"بیٹھا کر کچی سطریہ؟" وہ اس کی شکل دیکھتے ہی گویا ہوئی۔

"نہیں خالہ! مجھے تو بس ایک کپ چائے دیدو۔ البتہ باری کو ناشتہ کراؤں گی۔ ایک اٹھ بال دو باقی ہے۔ کل اسے میں نے تو بس سیکھی ہوں"۔ وہ تھکے تھکے انداز میں باری کو کرسی پر بٹھا کر تولیہ سے مسح کرنے لگی۔

"میں کرلوں گی سب۔ رہنے دو"۔ صابرہ نے ٹوکا۔

"کوئی بات نہیں خالہ۔ اتنے میں تم ایک کپ دودھ گرم کر لو۔ چینی ہلکی ڈالنا"۔ وہ اسی کیفیت میں گویا ہوئی۔

"طبیعت ٹھیک نہیں لگتی تیری"۔ صابرہ غور سے اس کی شکل دیکھ کر بولی۔

"نہیں ٹھیک ہوں"۔ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولی۔

"گھر والا یاد آ رہا ہوگا؟" صابرہ نے ماحول خوشگوار کرنے کی کوشش کی۔

"وہ بھولتا ہی کب ہے۔ ہلکا تو اب راستے کی روشنی ہے۔ کیسے بھولوں؟" وہ یاسیت سے گویا ہوئی۔

"آج تو سب دیر سے اٹھیں گے۔ تھوڑا ناں رات ساڑھے تین بجے آئے تھے۔ سب صبح تک جاگتے رہے ہیں۔ دیکھو کتنا بجے ہوگا"۔ صابرہ جیسے خود کلامی کر رہی تھی۔

اس کا دل بھر بھری زمین سے دھڑکا۔ "آ گئے"۔ وہ بے ساختہ بولی تھی۔

"ہاں ماشاءاللہ بڑی اچھی صحت ہو رہی ہے۔ بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ کوٹ پتلون میں"۔

صابرہ کے انداز میں جانثار خادم کا وارفتہ بے لوث تاثر تھا۔

اس کے سامنے دیوار پر ایک عکس روشن ہو گیا۔ وہ جلدی سے باری کی سمت آئی۔ وہ گھر تھا۔ وہاں کی سوندھی سوندھی

مہک اس کے پورے وجود میں اتر آئی۔ اس نے بے ساختہ چاہا کہ

اس نظر سے جائے۔ یہ نصیب والا بچہ ہے۔ قسمت سے ہی سہی وہ

رہی تھی۔

"بڑے فرشتے پڑھا رہے ہیں اس کے باپ نے کہا ہے۔ بہت خوشامد پسند ہے"۔

وہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

"اور ہی کیا ہوتا ہے کوئی بہت کچھ"۔ صابرہ وہ بھی چائے ختم کرتے ہوئے بولی۔

"اصل دل تو محبتوں میں شریک ہوئے بغیر بھی بہت جانے ہیں"۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"میری بات سمجھ میں نہیں آئی"۔ صابرہ نے منہ سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"وہ خاموش رہی اور باری کو ناشتہ کرانے لگی۔

"ایسے اس کا باپ تو خوش ہے ناں تجھ سے؟" صابرہ نے جانے کیوں پوچھا۔

"اس والی تو خوش ہے"۔ وہ پھر عجیب انداز میں مسکرائی۔

"کیوں تو خوش نہیں ہے؟ اتنا پیار کرتا ہے وہ تو"۔ صابرہ کو حیرت ہوئی تھی۔

"نہیں — میں بھی خوش ہوں۔ بلکہ بہت خوشی کے برابر حال ہے"۔ وہ کھلکھلا دی۔

صابرہ بھی اس کی ہنسی پر مسکرا دی۔

"اسے کہتے ہیں بھاگ جاگنا۔ جب اللہ دیتا ہے"۔ وہ گویا ہوئی۔

"اچھا؟" اس کا چہرہ یکلخت سپاٹ ہو گیا تھا۔

وہ باری کو بلا کر خود بھی نہا دھو کر باہر میں چلی آئی تھی۔ صبح کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ چمکیلی دھوپ نے ہر شے کو بہت حسین بنا دیا تھا۔ بھی دھوپ میں تیزی نہیں آئی تھی۔ وہ باری کے ساتھ بیٹ بال بھی رہی تھی۔ پھوپھا اماں کو اپنا گھوڑا بھی کرا چکے تھے۔ سب مرد حضرات کیا طے کر بیٹھے۔ بیٹ بال میں تھا اور گھوڑے سے لگا ہوا تھا۔ اور چھوٹی سی گیند ہاتھ میں پکڑ ہوئی بھی جنہ باری پیچھے بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ بہت ہی دلچسپ منظر تھا۔

"اے — دھیرا — دھیرے پیچھوں ہا"۔ وہ بھاگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بیٹا! گھوڑے پر بیٹھ کر کرکٹ نہیں کھیلی جاتی۔ البتہ گھوڑے پر بیٹھ کر باکی کھیلتے ہوئے قصہ ہوں میں ایک ہے"۔

وہ بھلی ہوئی کہتی جا رہی تھی "اب تو گھوڑے پر بیٹھتا ہے باکر کرکٹ کھیلنا ہے"۔

"اسے باؤلر کہتے ہیں۔ جس کی آپ بات کر رہی تھیں بھی گھوڑے پر بیٹھ کر باکی کھیلتے ہیں"۔

صابرہ کی ہنسی سے ایک اداس جملہ ناں تک آیا۔

وہ ہلکی طرح ہنس پڑی۔ بھلا یہ آواز نہ پہچانتی۔

"السلام علیکم خان!" سامنے تیمور علی خان اسٹائلش انداز میں دیکھ کر لطیف سے مسکرا رہے تھے۔

"سلام۔ ٹھیک ہے۔ لگتا ہے بہت دیر ہو گئی ہے بچے سے؟" انہوں نے بچے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"دیر تو ہماری بس اپنے آپ سے ہے۔ دیر بہت جلدی ہو جاتی ہے سب سے۔" وہ خود کو سمجھاتی سی بہت دھیمی آواز میں گویا ہوئی۔

"علی کیسا ہے؟" انہوں نے سبز کچوروں میں ملبوس جھکے بالوں والی عطریہ کو بغور دیکھا تھا۔

"اچھے ہیں۔ خوش ہیں۔" اس نے خاصی دیر تو بھی سے جواب دیا۔

"یعنی تم نے خوش رکھا ہوا ہے۔ گڈ۔" انہوں نے کسی استاد کی طرح شاباش دی۔

"آپ کا اماں جی کا حکم ہے۔" اس نے سہم ہی گئی کے ساتھ جواب دیا۔

"یعنی تمہارا دل نہیں چاہتا کہ اپنے اچھے شوہر کا خیال رکھو۔" انہوں نے تعجب سے سوال کیا۔

وہ خاموش رہی۔

"ہماری اس سے دو تین بار فون پر بات ہوئی۔ ہمیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ وہ تم سے بہت خوش ہے اور اس کے جینے سے بہت پیار کرتی ہو۔"

"اتنا پیارا بچہ ہے۔ اسے تو سب ہی پیار کرتے ہیں۔ پھر میں کیوں نہ کروں گی کہ یہ اس شخص کی اولاد ہے جس نے مجھے عزت دی۔" وہ دھیرے سے انداز میں مسکرا رہی تھی۔

تیمور علی خان نے اس کی مست ستائشی نظروں سے دیکھا۔ ان کے سامنے وہ الجھی سی عطریہ نہیں تھی بلکہ ایک سنجیدہ سے دانا بیٹی کھڑی تھی۔

"چلیں بات عقل میں آ گئی۔ اچھی بات ہے۔" وہ اخبار رول کرنے لگے۔

"بعض لوگ دو زندگیاں گزارتے ہیں خان ایک عقل کے ساتھ۔ ایک دل کے ساتھ۔ اور یہ بہت مشکل کام ہوتا ہے۔"

وہ گھاس پر بیٹھ کر باری کے گھوڑے کو دھکیلنے لگی۔

تیمور علی خان ایک جانے کو دم خود سے رہ گئے۔ انہیں ہرگز یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ عطریہ ہے۔ ہاکی کا ہاتھ سے بے خوف۔ مگر بہت ناراض سی۔ کیوں؟

وہ گھنے جنگل میں شکار کھیل سکتے تھے مگر اس کیوں کے صحرا سے انہیں بیحد خوف آتا تھا۔ وہ اس کی سرحد کے پاس سے بھی گزرنا نہیں چاہتے تھے۔ تھوڑی بہت خود فریبی سب ہی کو جاتا ہے۔

"تو یہ بے وقوفانہ حرکت کی ضرورت ہی کیا گیا ہے۔ کیوں خود کو مشکل میں ڈالتی ہو۔ اسے اچھے پارٹنر کے ساتھ بھی زندگی بہت آسان ہو سکتی ہے۔"

وہ اپنے فطری مانگا سوا سے گویا ہوئے جانا کہ اب اس کی ضرورت نہیں تھی۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بچے کی طرف ساری توجہ کر لی۔ تیمور علی خان کو اس کے اس انداز سے ہوا

یا بھی تھی۔ سخت مشکل مرحلہ تھا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ وہ وہاں کھڑی تھی

وہ اماں جی کو اطلاع دینے ہال میں آئی تھی۔ وہ سب مرد بیٹھے ڈائننگ ٹیبل پر کچھ جھکے ہوئے آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ وہ جھجک کر رک گئی تھی۔

"آؤ عطریہ۔ کوئی کام؟" نازنین نے خود ہی متوجہ ہوئی۔ کسی بات پر وہ دونوں مسکرا رہے تھے۔ مسکراہٹ کا تاثر ابھی تک نازنین کے چہرے پر تھا۔

"جی۔ وہ اماں جی کو دیکھ رہی تھی۔" وہ جانے کیوں گڑبڑا رہی تھی۔

"کہاں چلی گئیں اماں جی۔ ابھی تو برآمدے میں تھیں۔" نازنین نے کہا۔

"جی بچے تو کہیں نہیں ہیں۔ سب جگہ دیکھ لیا۔" وہ پلٹنے لگی۔ اسی دم ڈرائنگ روم میں رکھے ٹیلی فون سیٹ کی گھنٹی بجی۔

"عطریہ! ذرا فون سننا۔ شاید ابا کا ہے۔"

نازنین نے مخاطب کیا۔ ڈرائنگ اور ڈائننگ کے بیچ صرف ایک بڑا دروازہ تھا۔ وہ بھی بند ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو"۔

"کیا حال ہے بیٹھم صاحبہ کے"۔ دوسری طرف علی کی شوخ آواز ابھری۔

"السلام علیکم"۔ شوخی کا جواب دینا وہ بھولی تھی۔

"کیا اور رہا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ اماں جی تو اب مجھ سے کوئی کام کرواتی نہیں ہیں۔ یہاں والوں کا خیال ہے' آپ بڑا بنائیں گے"۔ وہ بہت آہستہ آواز میں بات کر رہی تھی۔

"بالکل بنائیں گے۔ بہت گھوڑا ہیں ہولی کے لوگ"۔ اسی شناسا انداز میں علی کی ہنسی تھی۔

"خیر یہ بات تو ہے مگر یہ سب لوگ مجھ سے بڑی محبت کرتے ہیں"۔ وہ مسکرائی۔

"سب کی محبتوں کا ٹھیک ٹھاک اندازہ ہے ہوائے ہماری محبت ہے"۔ وہ صد پار کرنے لگا۔

"اوں — ہوں اکیلی نہیں ہوں میں ادھر"۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

"کون کون بیٹھا ہوا ہے؟" لاپروائی کے انداز میں سوال ہوا۔

"تیمور خان آئے ہوئے ہیں۔ اپنی بھابی سے باتیں کر رہے ہیں"۔

"کیا؟" گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

"پہلے ہی کیوں نہ بتایا۔ جلاد کہیں کا"۔

"ابھی آپ کو بلا رہے تھے۔" اس نے ماتھے میں پڑا جھوٹ کا بلبلہ آواز سے کہا۔

''کون؟'' وہ الجھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''یہ بیٹا''۔ اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا اور ریسیور ریڈل اپ کر دیا۔

''خانم ان تو بھولا ہی تھا۔ تم بھی بھول گئیں یا زنانہ؟'' تیمور علی خان نے مسکرا کر ہمشیرہ کا سامنا کیا۔

''کیا مطلب؟'' الجھن کے لیے میں حیرت آمیز استفسار تھا۔

''مطلب یہ کہ آپ کی تعلیم صاحبہ سے پوچھا۔ فون پر کون ہے تو فرماتی ہیں۔ ''ان (Noun) ضمیر (Pro Noun) سے گزارا ہو رہا ہے''۔

''ہمیں یاد آیا تو اسے بھی اوامی کہتے ہیں۔ اس قدر حسین ہو تو پھر ہر ادا ہی سجتی ہے''۔ بلی کا قہقہہ بلند ہوا۔

''بس اپنی اپنی قسمت بھی ہے۔ تم تو ذرا رنگ کہہ کر انشا مالطہ بلائے جاؤ گے اور ہمیں ''یہ'' ''وہ'' پر گزارا کرنا ہے۔''

وہ تیمور کو ہنستا مسکراتا اور زلیخا کو فون بند ہونے کا مختصر جملہ کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

سالگرہ کا ہنگامہ رات گئے تک جاری رہا۔ اس نے کھانا بھی لیٹ کھایا تھا اور شاید پانی پی کر ہی سوئی تھی۔ اس لئے کہ وہ نہایت گہری نیند سے چونک کر جاگی تو دہان آیا شاید پیاس لگی ہے۔

اس نے نیبل پر رکھے جگ کی سمت دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ اس وقت نہایت ٹھنڈا پانی پینے کی خواہش ہو رہی تھی۔ وہ زینہ طے کر کے نیچے آئی تو یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ لاؤنج اور ڈرائنگ روم کی بتیاں روشن تھیں اور دھیرے دھیرے باتیں کرنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ دل تو پہلے ہی گھبرا رہا تھا اس کی گھبراہٹ حیرت میں بدل گئی۔

اس نے کھڑکی کے شیشے سے یونہی چلتے چلتے جھانکا تو حیرت سوا ہو گئی۔

اماں جی، بابا صاحب اور تیمور علی خان نہایت فکرمندی بلکہ سنجیدگی کی سی کیفیت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے دہشت سی ہوئی تھی۔ وہ بے ساختہ اور بلا ارادہ دروازے سے اندر داخل ہو گئی تھی۔

''کیا ہو گیا اماں جی۔ اتنی رات ہو گئی آپ سوئیں نہیں ابھی تک؟''

اسے ان کا چہرہ دیکھ کر ڈر سا لگنے لگا۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ سر جھکا ہوا تھا کہاں تک اس کے بالوں میں جھول رہی تھیں۔ سفید سفید سیک اپ کے نشان باقی تھے۔ نیند سے جاگنے کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ہونٹ بوجھل تھے۔

''ادھر آ میری بچی۔ میرے گلے سے لگ جا اماں جی کی آواز بھرا رہی تھی۔

''اماں ہوں۔ کیا کرتی ہیں آپ۔ بچی ہے۔ رات کا وقت ہے''۔ بابا صاحب کا سخت لہجہ تیمور نے بھی بے قراری سے پہلو بدلا۔

اس کا دل بیٹھ گیا۔ ''کیا ہوا اماں جی؟'' اس کی آواز لرز رہی تھی۔

''کچھ نہیں''۔ بابا صاحب نے تیمور کی سمت دیکھا۔

''کچھ نہیں تو آپ سب اتنی رات کو کیوں جاگ رہے ہیں؟'' اس کا دل جیسے حلق میں آ گیا۔

''اے نہیں بتائیں گے تو کیا آئے ہو کو بتائیں گے''۔ اماں جی نے ہمیشہ کی طرح برہم ہو کر کہا۔

''کچھ ہوا ہے خان؟ کیا ہوا ہے؟'' اس کی نیند ایک دم اڑ گئی تھی اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ جان گئی تھی کہ جو کچھ بھی ہے اس کی ذات سے متعلق ہے۔

''بات یہ ہے کہ علی زخمی ہو گیا ہے۔ آج اس سے ملنے میں یہ غلطی ہو گئی ہے۔ تمہارے کی ذات تھی ہے''۔ تیمور علی خان نے تفہیم کرانے کے انداز میں بتایا۔

اسے لگا وہ ان کی بات پر یقین نہیں کر پائے گی۔ اماں جی کے چہرے پر بکھرا ہوا ہراس تھا۔ وہ حسرت بھری نظروں سے صرف انہی کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

بعض اوقات چہروں سے اتار چڑھاؤ اور تبدیلی کی بھنتا ہے کہ الفاظ کم پڑ جاتے اور ادا پانی محسوس ہوتے ہیں۔ وہ بھاگ کر اماں جی کے نزدیک آئی اور گھٹنوں پر جھک کر ان کے گھٹنے تھام لئے۔

''اماں جی! مجھے سمجھا کر نہیں بتائیں گے۔ کیا بات ہے؟ کیا؟'' اس کے لہجے سے بھتیجا آواز نکل رہی تھی۔

اماں جی کی آنکھوں سے چند قطرے چھلک کر جھریوں میں گم ہو گئے۔ اور اسے زور کے جھٹکا لگا کہ اماں جی رونے لگی ہیں۔ اس پر سکتے کی کیفیت طاری ہو گئی۔

''مطربہ بیٹی! ہم صلاح کر رہے تھے کہ خبر اور ہوتے کسی کے کہنے پر چڑیاں اتاریں۔ یہ سب بھلا اور سمجھ دار لوگ ہیں۔ کچھ باتیں ہیں تیری کلائیاں ان رنگ برنگی چوڑیوں سے''۔ اماں جی اسے بیٹے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

وہ ایک پتھر کی مورت کی طرح ان کے بیٹے سے لگی ہوئی تھی۔ آنکھیں صحرا کی طرح خشک تھیں اور تیمور علی خان پر جمی ہوئی تھیں۔

''اب بتاتا ہے تو اسے رونا بھی۔ اور اس کی جان کے لالے بھی پڑ سکتے ہیں''۔

بابا صاحب نے اداس آواز میں گمبھیر خاموشی توڑی۔

''مطربہ''۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''بیٹی! بہت سی خوشیاں پہ دکھ اٹھاتی ہیں اور پھر تیز دھوپ میں بڑے حوصلے سے راستہ کاٹتی ہیں۔ دکھ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جھیلنا تو پڑتا ہے''۔ اماں جی نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر گلوگیر آواز میں سمجھایا۔

''علی چلے گئے اماں جی؟'' اس کی آواز بہت گہرے کنویں سے آئی۔

''سب نے جانا ہے بیٹی!'' وہ رو پڑیں۔

''وہ تو جب جانا ہے جانا ہے۔ مگر آپ خان سے پوچھئے۔ انہیں کھیلنے کو میں ہی ملی تھی؟ آپ انہیں کوئی بددعا ہی کریں اماں جی۔ یہ میرے دل کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔ ذرا ان کی طرف دیکھئے کتنا فانی نظر آ رہے ہیں۔ اماں جی! انہیں برا وہم ہوا ہے جس سے میرا دل کانپ جائے۔ جس سے میری آواز گلوگیر ہو جائے۔ جس سے میری آنکھیں خون روئیں۔ جو مجھے رونوں کو رلائے بھاگے۔ آپ کو پتا ہے۔ آج ان کی خوشی سے بری حالت ہو گئی۔ اماں جی

اتنی دیر ہو رہی ہوں"۔

وہ بلک بلک کر رو دی۔

تینوں اپنی جگہ دم بخود سے بیٹھے تھے جیسے حرکت محال ہو۔ بابا صاحب الجھی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"اماں جی! مجھے تو چپنے کا شوق تھا۔ یہ رونا کیوں پڑ گیا ہے؟ اماں جی میں بیٹے کی گیان بانوں گی۔ میں لہو بہا دوں گی سفید کپڑے۔ خان۔ میری جان کے دشمن۔ اللہ کرے"۔

"ہوش کر مطربہ!" اماں جی نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔ کچھ کا سب کر وہ گیا خان کا۔

"بیٹی وہ کسی سے پوچھ کر خط نہیں لکھتا۔ تیرا خان اسے تیرے لئے خوشی مانگ کر لایا تھا۔ تیرا گھر بسایا تو نے"۔

"میرا دل اجاڑا اماں جی!" وہ چیخیں مار مار کر رونے لگی۔

بابا صاحب کو ایک گہری چپ نے گھیر رکھا تھا۔ تیمور اپنی انگلیاں چٹخا رہے تھے۔ بے پناہ اضطراری کیفیت تھی۔ شاید کوئی اور موقع ہوتا تو دلاور علی خان اس کی زبان ہی نکلوا دیتے مگر اب یہی سمجھا جا رہا تھا کہ اس صدمے سے اس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے۔

"یہی لائے تھے اسے میرے لئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا تھا۔ وہ تو یوں بھی گولی کے نشانے پر تھے۔ وہ کہتا تھا کہ مجھ پر اس کے دم کی گولی سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔ وہ مجھ سے مذاق میں کہتا تھا۔ کبھی بھی خدا نخواستہ میں ہوں۔ ہر ملاقات کو آخری سمجھا کرو۔ وہ ڈاکوؤں کی گولی سے نہ مرتا تو مجھ ہی اسے مار دیتے۔ اماں جی انہوں نے مجھے اجاڑنے کیلئے بسایا تھا۔ اماں جی انہیں مجھ سے بہت پیار ہے۔ انہیں میرا ہر کام اچھا لگتا تھا۔ پتہ نہیں کہاں کہاں کا طعنہ ہے انہوں نے مجھ پر۔ ہائے میرے اللہ۔ جی"۔

وہ بری طرح دھاڑیں مار مار کر رو دی۔

"تیمور!" بابا صاحب کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"جی بابا صاحب"۔ وہ کسی دھیان سے چونکے۔

"بیٹے! تم اس کے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ یہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ جاؤ اور پتا کرو بیت پیاں کب تک پہنچے گی"۔

وہ بہت دھیمی آواز میں بول رہے تھے مگر اس نے سن لیا۔

"بیت — ہائے اماں جی!" وہ تیورا کر قالین پر ڈھے گئی تھی اور اسی لمحے دوسرے کمرے کے دروازے داخل ہوئے تھے۔ سب سے آگے بدحواسی کے عالم میں خالہ سولہ آنے تھیں۔

"کیا ہوا اماں جی؟" نرگس حواس باختہ نظر آ رہی تھیں۔

"پانی لاؤ سولہ آنے۔ اسے ہوش میں لاؤ"۔ اماں جی نے جیسے نرگس کی بات نہیں سنی۔ خالہ سولہ آنے بلند بلند

گئیں۔

"اماں جی — بابا صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟" بیت نے بھی سب کچھ نہیں سنا تھا۔

"بی بی — اب وہ بچہ نہیں ہے بیٹی"۔ بابا صاحب نے بہت دیر سے محسوس کیے جانے والے فاصلے کو پاٹ کر پوچھا۔

"جی ابی — کیا؟" مختلف قسم کی تصاویر ان کے ذہن میں گھوم گئیں۔

"کس نے بتایا؟" انہوں نے بہت دھیمے سے مطربہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اللہ نے آپا کو اس کے اختیار سے۔ وہ اس کو بتا دیں گی۔ بابا صاحب نے یہاں کا لہجہ بدلا تھا" تیمور نے جواب دیا۔

انہوں نے بھرپور سرد آہ ایک لمبا سانس لیا۔ اپنے مخصوص انداز میں ذال کر جواب دیا۔

"بہت دکھ ہوا۔ علی زندگی کا گولی ہے۔ پتا نہیں کم ہے"۔ وہ دھیمے سے مطربہ کی طرف دیکھتے ہوئے۔

"اللہ بے صبر دینے والا۔ دینے والے کے ساتھ صبر جانے لوگ۔ مجھے تو فکر ہو گئی ہے۔ اس کو دیکھ لیا۔ بچہ جائے"۔ اماں جی بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھیں۔

اسی دم خالہ سولہ آنے جھک کر اس کے ہاتھ کی سے اندر داخل ہوئیں۔ بیت بیگم نے جھک کر بے ہوش سے اور جلدی جلدی اس کے منہ پر چھینٹے مارنے لگیں۔ نرگس بھی دوڑ کر ان کے ساتھ شامل ہو گئیں۔

"مطربہ — اٹھو — دیکھو — یہاں سب ہیں۔ دیکھو اماں جی بہت پریشان ہو رہی ہیں۔ شاباش"۔

محبت و شفقت سے مس نے بولی۔

"ظلم ہیں آپا۔ اس طرح کام نہیں چلے گا۔ ہمیں ڈیکٹی ایکشن کرنے ہیں"۔ تیمور بڑبڑانے لگے۔

"ہائے — کیسی مشکل آئی ہے بچی پر"۔ اماں جی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"آپ اپنے آپ کو سنبھالو بیت کی ماں۔ اس بچی کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا"۔

دلاور علی خان کو بیوی کے پہلے آنسوؤں سے اور طرح کی پریشانی لاحق ہوئی۔

"میرا دل بیٹھ رہا ہے۔ تمام گولیاں ستاروں جیسی سوزش میں کیسی اچھی کیفیت پھر رہی تھی۔ ہماری طرف کی ہوئی کہہ رہی تھیں۔ ایسا حسن نہیں دیکھا۔ کیسی کوئی کمی نہیں۔ نظر لگی ہے غریب کو"۔

"اماں جی۔ پلیز آپ چپ ہو جائیں"۔ تیمور علی خان اندر داخل ہوتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"مطربہ تو دو بار بے ہوش ہو چکی ہے"۔

"ٹھیک کہہ رہا ہے بیت کی ماں؟"

تیمور نے روئی میں کوئی دوا لگا کر ان کے نتھنوں کے قریب کی مطربہ نے تڑپ کر پہلو بدلا اور پھر اماں جی کا چہرہ دیکھ کر رونے لگی۔

تیمور نے پھر تحمل دہرایا۔ مطربہ کے جسم میں زور سے جھٹکا لگا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ تیمور نے اطمینان کا سانس لیا۔

"مطربہ! اٹھو شاباش!" نرگس نے بہت پیار سے کہا اور اسے سہارا دے کر اٹھایا

"نبی بی جان!" وہ ان کے شانے سے لگ کر پھر بلک بلک کر رو دی۔ تزئین کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔
تیمور علی خان فوراً باہر نکل گئے۔

"یہ کہاں گئے ہیں۔ کیا بھی کو لینے گئے ہیں" وہ روتے روتے بولی۔

اماں جی اپنی جگہ سے اٹھیں۔ "خود کو سنبھال بیٹی چل اپنے کمرے میں"۔

"اٹھو"۔ رقیہ بیگم نے بھی اسے اٹھایا۔

"نبی بی جان! اسے اوپر لے کر جائیں۔ نیچے گیا تو اور مشکل ہو جائے گی"۔ تزئین نے رقیہ بیگم سے کہا۔

"ہاں ٹھیک کہتی ہو چلو اسے میرے کمرے میں لے چلو"۔ تزئین نے رقیہ بیگم کے ساتھ مل کر اسے اٹھایا۔

"نبی بی جان! باری کو تو بتا دیں کہ اس کا باپ تیجوی دکھا گیا۔ ہائے اماں جی! بچے کا کیا کریں گی؟"
وہ بے حد بوکھلا گئی۔ وہ سب خاموش رہیں۔

"کیا کرتے ہیں بچے کا۔ تیرے مرد کی اولاد ہے۔ تو رکھے گی اس کا خیال اور کون رکھے گا"۔ اماں جی نے دکھ سے کہا۔

وہ باہر آئیں تو دیکھا تیمور علی خان پشت پر ہاتھ باندھے برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔

"وہ بچہ مجھ سے زیادہ ان کا ہے۔ انہیں دیدیں۔ یہ لائے تھے ناں؟ انہوں نے ہی مانگی تھی بچی۔ پالیں گے بھی انہی میں۔ انہی کے ہوتے سوتے کا ہے وہ بچہ۔ میرا کچھ نہیں لگتا"۔

وہ تیمور علی خان پر نظر پڑتے ہی پھر بے قابو ہو گئی۔

"اب دیکھئے گا۔ ایک ایک دن میں نے بھی اپنے بچے میں بھنڈ اڑال کر نہ دکھایا انہیں۔ دیکھ لیجئے گا آپ سب دیکھئے گا کتنا خوش ہوں گے"۔

وہ پھر بے ہوش ہو کر رقیہ بیگم کے بازوؤں میں آ رہی۔

تیمور علی خان نے ماں کی طرف دیکھا۔

"میں نے تو اسے منا دیا تھا کہ میت نہیں آ رہی ہیں۔ اچانک دیکھتی تو اور بدحواس ہوتا"۔ وہ شرمندگی سے معافی مانگنے لگیں۔

تزئین خوابی ہو رہی تھی۔ جنازہ برآمدے میں تھا۔ صحن دیا جا چکا تھا۔ ماحول میں کافور اگر بتی کی خوشبو رچ بس پھیلا رہی تھی۔

صفریہ بڑی سی کالی چادر پہنے کمرے میں بت بنی بیٹھی تھی۔ اور بچے اسی کا انتظار ہو رہا تھا کہ رات کے انتظامات مکمل تھے۔ تزئین اسے دو مرتبہ بچے آنے کا کہہ آئی تھیں اب اور کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اسے بلاتا۔

بابا صاحب بار بار گھڑی دیکھتے تھے پھر اماں جی کی طرف دیکھتے تھے مگر وہ کیا کر سکتی تھیں۔

آدھا گھنٹہ اسی کشمکش میں گزر گیا۔

باری تقاسم سوا آلے کے پاس تھا۔

تھوڑی دیر بعد زینے پر قدموں کی چاپ ابھری۔ سب نے بے ساختہ گردنیں موڑ کر دیکھا۔ [illegible] سوئے ہوئے بچے کو اوڑھنی میں لپیٹے وہ کمرے میں آ گئی تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی بابا صاحب کے قریب پہنچی۔ سب کے دل تیز تیز دھڑکنے لگے تھے۔

پلکوں میں گہرا کاجل پھیلا کر بھی اس کی آنکھوں کا سوجا ہوا پن چھپا نہ سکا تھا۔ بابا صاحب نے جھک کر بچے کو دیکھا۔

"اتنی خوبصورت پلکیں اور آنکھیں۔ اب انہیں کبھی نہیں دیکھیں گے۔ بیٹی! تو نے بچے کی آنکھوں میں کاجل کیوں لگایا تھا؟" بابا صاحب نے آنکھوں میں۔ "تیمور خان!" انہوں نے کہا۔ "کہاں ہے تیمور؟" وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساری خواتین گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ گھر کے باہر کی خواتین بھی فرطِ جذبات میں ضبط نہ کر سکیں۔

"آپ نے بڑی زیادتی کی تھی اپنے دوست کے ساتھ۔ میں اس کے کام نہیں آئی تھوڑا سا۔ بے قیمت علی مجھے سنبھال کر رکھئے گا۔ میں کبھی بھی اس نے مجھے کچھ نہیں مانگا۔ مجھے معاف کر دیجئے"۔

وہ جھکی ہوئی آنکھوں میں پھیلا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

اماں جی اٹھ کر اس کے قریب آئیں۔

"بس زیبان بیٹا! اب خدا جانے کہاں کہاں سے۔ سر دا انتظار میں کھڑے ہیں"۔

انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر انہوں نے تیمور کو اشارہ کیا کہ مردوں کو بلا لے۔ پھر صفریہ کو اٹھایا۔

"چلو اندر چلتے ہیں"۔ دوسری تمام خواتین بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اماں جی اسے لے کر زینے کی طرف بڑھ گئیں۔ وہ اب بالکل بت بن چکی تھی۔ ایک دم خاموش اور بے حس۔

اسی دم کچھ عجیب پڑھنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ تزئین نے گھبرا کر صفریہ کی طرف دیکھا۔

"میں نے علی سے معافی مانگ لی ہے۔ کیا مزا ہے انسان معاف کر دیتا ہے؟" ان نے بچپن لہجے میں اماں جی کو مخاطب کیا۔

"اسے تجھ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ تجھ سے بہت خوش تھا۔ بہت تعریف کرتا تھا"۔ انہوں نے دلاسا دیا۔

"اس بات پر تو رو پڑ گیا ہے۔ مگر کسی کے میری بات سمجھ میں نہیں آئے گی"۔

"مجھے ٹیلی فون پر کہتا تھا۔ اماں جی آپ سب کا بہت بہت شکریہ۔ صفریہ بہت اچھی ہے۔ تزئین کیوں پریشان ہوتی ہے؟" وہ پھر گویا ہوئیں۔

صفریہ نے سر آہ بھری۔

"آئینہ جتنا صاف ہو۔ شکل کے عیب بھی اتنے ہی صاف دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بہت صاف آئینہ تھا اماں جی"۔ وہ دیوار کو گھورتے ہوئے بولی۔

"مجھے تو وہ دنیا میں بڑا سچا مسلمان کہا کرتا تھا"۔ انہوں نے [illegible] سر ہلا دیا۔

"اماں جی اب کوئی عورت ہے ہی نہیں جو سب سے زیادہ دکھ اس کی ماں کو ہوتا ہے۔"

اماں جی خاموش ہو گئیں۔

"پتا نہیں وہ سب بھی کہاں بیاہی گئی ہیں۔ انہیں بلانا چاہیے۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"اماں جی اصل کو یہ لوگ کب لے جائیں گے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

سب نے چونک کر اس کی شکل دیکھی اور شکر ادا کیا کہ وہ بے خبر ہے۔

شاید بتانے کی روانگی کے وقت وہ واپسی طور پر ماموں سے کہی ہوئی تھی۔

حالانکہ کلمہ پڑھنے کی آوازیں دیر تک اندر آتی رہی تھیں۔

"لے جائیں گے آرام سے۔ تم یہاں بیٹھو۔" فرحین نے کہا۔

سوئم کے بعد وہ لوگ حویلی واپس آ گئے تھے۔ جگنو، روشن آرا اور فرحین اپنے اپنے سسرال چلی گئی تھیں۔

وہ کہیں بھی ہوتی تھی اسے فرحین ہمیشہ ہر وقت یاد آتی تھیں۔ ان کی شوخ فطری بھیجتے چھاڑ کرنے کی عادت اسے بہت تنہا تنہا محسوس ہوتی تھی۔ اماں جی تک سے سہیلیوں کی طرح مذاق کرتی تھیں اسی وجہ سے ان کی غیر موجودگی بہت شدید محسوس ہوتی تھی۔ اور اب تو ہر طرح اداسی کا موسم تھا۔

اسے ایک گہری چپ لاحق ہو چکی تھی۔ جانے کیا سوچتی رہتی تھی۔ جہاں بیٹھتی تھی بس بیٹھی رہ جاتی۔ خاموش سی غلام باری کو سنبھالتی رہتی تھیں یا وہ اماں جی کے پاس رہتا تھا۔

اتنے عرصے میں اس کا قہقہہ سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ یوں بھی عدت میں تھی۔ اماں جی کی ہدایت تھی کہ گھر کے لوگوں کے بھی سامنے نہ آئے۔ اسے پیچھے آخری بالکل کونے کا کمرہ دیا ہوا تھا۔ جہاں وہ زیادہ وقت گزارتی تھی باقاعدگی سے قرآن پاک پڑھ رہی تھی خاتونہ ایصال ثواب کیلئے۔ آخر عدت پوری ہوئی مگر اس کے طور طریقوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اب بھی اس کا زیادہ وقت اسی کمرے میں گزرتا تھا۔ اماں جی اسے بہت کہتی تھیں کہ سب کے ساتھ بیٹھا کرے کھانا کھایا کرے۔

آج وہ سورج چھپنے سے کچھ دیر پہلے باہر آئی تھی۔

باری بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ کسی بچے کے ساتھ شرارت کر کے بھاگنے کی تماش میں اس کی طرف آیا۔

"امی! امی!" وہ اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

"باری مجھے تنگ نہیں کرو۔" اس نے فطری بیزاری کے نئے پیار تاثر کے ساتھ اسے پیچھے ہٹایا۔ مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ پہلے سے زیادہ گرم جوشی سے لپٹ گیا۔

"ہٹو باری اللہ کیلئے میرا پیچھا چھوڑو۔" اس نے چلا کر ایک طمانچہ اس کے پھول سے رخسار پر رسید کیا۔

پہلی مرتبہ اس کا یہ بدصورت روپ بچے نے دیکھا تھا۔ سہم کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ اسی دم تیمور علی خان اس کی طرف سے سامنے آئے۔ اور باری کا ہاتھ تھام کر اس کے مقابل کھڑے ہو گئے۔

"ہم آپ کا یہ سب رویہ برداشت نہیں کریں گے۔ ہمیں علی کی بیوہ سے زیادہ اس کے بچے کی فکر ہے۔ اور پھر تم کسی ایسے ضمیر کی ہو جس کے دروازے ہر سائل کے لئے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ تم نے ہمیں بھی شہادت پر لانا ہوا ہے تو اس کا حق ادا کرو۔ تمہاری خاری کبھی بھی کسی سے ہمدردی نہیں رکھتی۔ آپ ہے ہماں۔ ہم اس کے ساتھ معمول سی زیادتی بھی برداشت نہیں کریں گے۔ باقی ہو اس کے آپ سے ہماں ہی کب ہوئی تھی۔ جب ہم پڑھتے سال کے تھے۔ گھر کے بڑے چچا اور دادا صاحب کے ساتھ خوشی خوشی چلے جاتے تھے۔

جس شخص نے تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ عزت دی۔ اس کی اولاد سے تم اس طرح کی معمولی کرو گی؟"

"تیمور ابھی بہت چھوٹا ہے خان! کچھ سمجھ نہیں آتا۔ آپ کو بڑا ہونا چاہیے تھا مگر آپ نے شادی بیاہ والی باتیں بچوں کے سامنے کہی۔ دیکھئے گا۔ آپ سے درخواست ہے۔ آئندہ تو ان کو ہاتھ بھی نہ لگائیں۔ کیا میں آپ کی گھڑیوں سے بھی کچھ گزری ہوں؟"

وہ بھی کی ہوئی ہتک کے بعد اب بہت اکھڑ سے بات کر رہی تھی مگر حویلی میں بھی اس کی "عزتی" ہوئی تھی۔ اس کا اثر بھی اس کی چال چلن پر تھا۔ اور وہ "طیش سہل" عورت جو اس کی ماں تھی۔ اس کی ذات میں حلول ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے ذات میں ایک صبر کرنے والا رہتا تھا۔ اس کا اثر بھی چھوٹے سے جھلکتا تھا۔ تیمور "بہت بچہ" کے غرور میں اسے دیکھتے۔ اس لئے یہ برداشت قابل ایک اصولی بات تھی۔

بچے ان کے اور گھڑے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"کاکا جان! باری کی پٹائی کیوں ہوئی؟" ایک بچے نے دلسوزی کے لہجے میں دریافت کیا۔

"جاؤ" کہا آپ لوگ۔ جاؤ بیٹا آپ بھی۔" انہوں نے باری کا ہاتھ چھوڑ کر نرمی سے کہا۔

"حویلی میں رہنا ہے تو بچے سے بہت پیار کرنا ہوگا۔ اب تم اسے جو بھی ہے سمجھا لو۔ تم یا حویلی میں کوئی اور اس کے ساتھ معمولی سی بدسلوکی کرتا پایا گیا تو ہمیں ان سے ہماری اس سے اچھی طرح ہو گئی۔ یہ ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ تمہیں پتہ چلے کہ یہ باری ہمارے لئے کتنا اہم ہے امید ہے بات سمجھ میں آ گئی ہوگی۔"

وہ کہہ کر پورچ کی طرف بڑھ گئے۔

اسے اب کوئی کسی کام کیلئے تو نہیں کہتا تھا۔ وہ خود ہی کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی۔ آج اس نے بال میں سے تازہ پانی کے پھول مرغ کے جھاگ میں رکھے تھے۔ اور باغ میں ٹہلنے لگے تھے۔ اب سمیٹ کر ہال میں آئی تھی۔ وہ اسے ہی اندر لے آئی۔

"تیمور اپنے کمرے میں ہیں ملازمہ؟" اس نے رک کر پوچھا۔

"جی! مجھے نہیں پتا۔ اب تو مجھے اوپر کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔" وہ سہمی سی کہہ کر اندر داخل ہو گئی۔

"اچھا تم اوپر جاؤ۔ بلیز! بھیجی کی چائے بھجوا دینا۔" وہ ملائمت بھرے انداز میں بولی۔

"خان کے گھر سے ہیں؟" اس نے جاننا ضروری خیال کیا۔

"ہوں۔ وہیں"۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ شہری کام کا کوئی واسطہ یا تعلق اس پر بہت اثر انداز ہوا تھا۔ وہ پیشے پر نا تھا اور بڑی مچھلیوں پر اس کی نشست پر لوٹ رہی تھی۔ چائے میں خوب سرمستی وہ بے تیاری تھی۔ ملیحہ نے گھر کی سالن اور کھیتی اور پھر ابلے ہوئے انڈے ڈال کر چائے بنالے کیلئے لیکن میں آگئی اور بجائے ماما خالہ سے کہنے کے خود چائے بنانے لگی۔

"کس کیلئے بنا رہی ہو؟" ماما نے پوچھا۔

"چھوٹی دلہن نے کہا ہے"۔ اس نے جواب دیا اور کپ میں پتی رکھنے لگی۔

"لاؤ میں بنا دیتی ہوں"۔ ماما نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کیوں اتنا تکلف کرنے لگی ہو ماما۔ میں ہی ہوں نہ رات"۔ وہ تلخی سے مسکرائی اور اپنا کام کرنے لگی۔

ماما نے خالہ کی سمت بہت دکھ بھری نظروں سے دیکھا تھا۔ مگر خاموش اور رہی تھی۔

اس نے بہت اہتمام سے چائے بنائی اور ٹرے اٹھائے سے قبل ماما کی طرف پوچھا۔

"ماما! بچھوں کی بیٹیاں بیوہ ہو کر بیٹے واپس آجائیں تو کرتے کھاتی ہیں۔ میں تو پھر؟"

وہ اداسی سے مسکرائی اور ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی۔

حالانکہ وہ بڑی سیدھی اور صاف نیت سے چائے تیار کر کے لائی تھی۔ مگر تیمور علی خان کے کمرے کے قریب پہنچ کر جانے کیا ہوا۔ دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔ یہ شاید اسے خود بھی پتا نہیں تھا۔

"مجھے تو اس کی آواز ہی اتنی بیماری لگی تھی کہ بس کیا بتاؤں۔ ویسے بہت دیر ہو گئی ہے۔ آپ کو اب گھر میں ہونا چاہیے"۔ نازنین کہہ رہی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ بابا صاحب کے ہاں تو پھر بھی گنجائش ہو سکتی ہے۔ اصل فکر تو ہمیں اماں جی کی ہے۔ بیٹی کی سخت ٹینشن ہے"۔ تیمور کی آواز بہت سنجیدہ تھی۔

"آپ بابا صاحب کو سنبھال لیں۔ باقی وہ خود سنبھال لیں گے"۔ نازنین نے سمجھایا۔

"ہوں۔ یہ تو ہے۔ اماں جی بہت اموشنل ہیں۔ کہیں بات بہت سیریس نہ ہو جائے"۔

"آپ کی شادی کی بات پر تو شاید اتنی سیریس نہ ہوں لیکن یہ جان کر انہیں بہت دکھ ہو گا کہ ان کا بہت پیارا سا پوتا ایک آپریشن کے بعد دنیا میں نہیں رہا۔ اس کے دادا' دادی اس معصوم کی شکل تک نہ دیکھ سکے"۔

نازنین نے بہت افسردہ لہجے میں کہا۔

ملیحہ کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔

"شادی ہو گا"۔ اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔

تیمور خان کی شادی بھی ہو چکی۔ بچہ بھی ہو گیا۔ وہ گم صم کھڑی تھی۔

"اس دن اس سے بات ہوئی۔ بہت خوش ہو لی مشرقی اداؤں کی ملیحہ لڑکی ہے۔ آپ سے تو متعلق کرتی ہے۔

میرا خیال ہے دعا کر دیں۔ بڑا ہی امید ہے اماں جی کو بہت اچھا لگتی"۔ نازنین کہہ رہی تھی۔

"سوچ تو ہم بھی رہے ہیں۔ وہ بھی اصرار کر رہی ہے۔ بچے کی امید سے ہونے کی وجہ سے ہمیں اسے کچھ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ بہت دکھی تھی"۔ تیمور علی خان کی آواز میں تشکر کی تھی۔

"پہلے تو وہاں بیٹے پر ہی آباد نہیں تھی۔ کہتی تھی ہم کچھ ہو گا۔ پاکستان میں ہو گا۔ ہم نے اسے سمجھا کر بچے کے ساتھ تو بیٹ کا سر سلا سانی سے ملے ہو سکتا ہے۔ خیر بات سمجھ گئی تھی۔ مگر وہ ایسی بدقسمت نہیں تھا"۔

ملیحہ پتی کاپوں کے سامنے تیمور علی خان کے مختلف انداز گھومنے لگے۔ جس کا دل چاہتا تھا وہ اسے دل پر ہاتھ رکھ کر اس کی تڑپ کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے اس کے دل سے ہوک سی اٹھنے لگی۔ پھر سانا تھا۔ اس نے بے اختیار دروازہ دھکا کر کھلا دیا۔

"نہیں"۔ تیمور علی خان کی آواز ابھری۔

وہ اندر داخل ہو گئی۔ وہ دونوں دیوار بھال ایک دوسرے کے متصل بیٹھے تھے۔ کمرے میں وہ خاموشی چھا گئی جو کسی آنے والے تیسرے فرد کیلئے ہوتی ہے اور جس میں شامل کیلئے اس تیسرے فرد کے واپس جانے کا انتظار کرتی ہے۔

"ارے۔ تم کیوں لے آئیں۔ تمہاری تو طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ کسی سے کہہ دیتیں"۔

نازنین نے بیڈ پر ٹرے رکھتی ہوئی ملیحہ کو مخاطب کیا۔

"کوئی بات نہیں۔ خالی بیٹھنے سے تو طبیعت اور گھبرائی ہے"۔ وہ بہت دھیمے لہجے میں بولی۔

"چائے بناؤں؟" وہ خود کو کمرے میں بوجھ محسوس کر رہی تھی۔ جیسے وہ دونوں اس کے باہر جانے کا انتظار کر رہے ہوں۔ اسے یقین تھا کہ نازنین کہے گی ہم خود بنا لیں گے اور وہی ہوا۔ نازنین نے کہہ دیا تھا کہ وہ بنانے لگی۔

ملیحہ نے سیدھے کھڑی ہو کر آنچل درست کیا اور تیمور علی خان پر ایک نگاہ ڈالی۔

دل ان کی طرح آباد ہو تو بندے کو ادھر ادھر دیکھنے کی کب فرصت ہوتی ہے۔ وہ لمحہ کثرت اور بیک وقت میں بہت گہرے گہرے محسوس ہو رہے تھے۔

اسے کیا پتا تھا' آگے کون سے گمشدہ لمحات کی گھاتی ہے۔ اسے تو نازنین کے پراسرار انداز ہی چونکاتے تھے۔ آج پتا چلا۔ وہ سب تو ہم والی کی ادائیں تھیں۔

وہ خاموشی سے باہر آگئی۔ جانے کیوں تیمور کی آبادی پر دل میں مسرت در آیا ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن میں اس طرح کا گمان نہ پایا ہو گیا جس طرح کا علی کے انتقال والی رات ہوا تھا۔ وہ سیدھی باورچی میں آگئی اور سر پکڑ کر ایک سمت کے بیٹھ گئی۔

تیمور علی خان اپنی اگر پذیری کے ساتھ اسے باغ میں چہل قدمی کرتے نظر آنے لگے۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ ایک سکون ان کے وجود پر طاری تھا۔ وہ دنیا کے مطمئن ترین انسان دکھائی دے رہے تھے۔

اسے ان کے لہجے کی دلی دلی۔ خاکی یاد آئی۔ دل کے معاملے کو دنیا اہمیت دینے والے کو دوسروں کے دل کے ساتھ اتنی زود رنجی زیب دیتی ہے۔ اسے اپنی شادی کی پہلی رات بھی یاد آئی جب وہ دروغ کی آنکھ میں دھول جھونک رہی تھی۔

اور ہر کھا کر سر ہلا لے کا کی پتا تھا۔

کاش ماں جی ہاں کر دیں۔

اس کے دل میں مراد سے اٹھنے لگے۔ مل کی سادگی اور سچائی پر وہ کس طرح دن میں سو سو بار مرتی تھی اس کی بھی کے بوجھ سے آج تک اس کی کمر ٹوٹی جاتی تھی۔

وہ ابھی تک سیاہ لباس پہنتی تھی۔ سیاہ رنگ سوگ کا رنگ ہے اور آج تک جنگ ہوتی تھی کہ وہ رنگ کی لوجھ دیتے اس کا جی چاہا۔ جلد سے جلد انکشاف ہو جائے۔ اور تیمور علی خان ہمیشہ کیلئے حویلی سے نکال دیئے جائیں۔ اسے دکھ ہیں کہ وہ اس کے دکھوں پر غور کرنے لگیں۔ رابطے کا یہ سلسلہ بھی بہت ہو گا۔ کسی طرح تو ان کے اعصاب نرم آئے گی۔

"ملیحہ۔ آپاں کیا کر رہی ہے؟ یہ باری اتنی دیر سے تھے امرود بھر رہا ہے۔ بہت رو رہا ہے"۔

خالہ سلمہ کی آواز نے خیالات کے ہجوم سے باہر کھینچ لیا۔ وہ باری کی اگلی فراغے سامنے کھڑی تھی۔ باری کے رخساروں پر آنسو تھے۔ وہ ہچکیاں بھر رہا تھا۔

"یہ مجھے سامنے نہ پائے تو وہ کم محسوس کرتا ہے۔ کہتا گھر ارشتہ ہے میرا اس کے ساتھ"۔ اس نے باری کو اٹھا کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"کیا ہوا میری جان! کیوں رو رہا ہے؟" وہ اس کی پیشانی سے بال ہٹا کر چومتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"آپ کہاں چلی گئی تھیں امی"۔ وہ ہچکیاں لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں آپ کے بغیر باہر نہیں جاتی جان۔ آپ کو پتا نہیں۔ تو پھر آپ کیوں روئے اس طرح نہیں رویا کریں۔ میں پریشان ہو جاتی ہوں"۔

"یہ تیری ذمہ داری ہے اب۔ دھیان رکھ کر۔ میں دیکھ رہی ہوں۔ تو بہت آگے آگے بڑھنے لگی ہے"۔

"یہ زندگی تو خود بھاری جنازے کی طرح میرے کندھوں پر دھری ہے۔ اس پھول کو کیا بوجھ ہو گا"۔ وہ تلخی سے مسکرائی اور باری کا رخسار چوم لیا۔

"اللہ کرے ابھی تیری عمر ہی کیا ہے۔ قسمت کا لکھا تو ہو کر رہتا ہے۔ حویلی والوں نے تو بڑے زور و شور سے تیاری بھی کی تھی۔ کسی کی دشمنی تو نہیں تھی تیرے ساتھ۔ ایک عزت دار آدمی سے بیاہا تھا۔ اب قسمت ہی کہا جائے کہ یہ سب کچھ اس کیوں ہوئی؟" وہ اطمینان سے گویا ہوئیں۔

ملیحہ خاموش سنتی رہی۔

"خالہ! عقل تو اس کی بات میں عزت جاتی ہے۔ وہ انجانے میں بدلے لیا کرتے ہیں"۔

"پتا نہیں کیسی باتیں کرتی ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتیں"۔ وہ جھلا کر بولیں۔

"خالہ! آپ کو اس کے ساتھ کچھ ہوا تھا؟" اس نے باری کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ہاں بس ایک تو اس کھلا تھا وہ کیا کہتے ہیں انگارہ کی بنی ہوئی آنکھ کھلی"۔ وہ دھیرے سے بڑبڑائے تھے۔

"اچھا۔ چلیں"۔

"باری اب آپ کو سکول میں داخل کرا رہے ہیں اور سکول جانے والے بچے نہیں ہیں۔ بڑے ہو گئے ہیں اماں"۔ وہ بہت شفقت بھرے لہجے میں اس سے ہم کلام تھی۔

"باشا اللہ۔ سب ہی پیار کرتے ہیں اس سے۔ بڑے خان بھی اس کو ساتھ لے کر نکلتے ہوتے ہیں۔ وہ بھی اسے ہر جگہ ساتھ لے جاتے ہیں۔ سب کہتا رہتے ہیں بڑے خان سے۔ چھوٹے گھبرا نہ۔ بے وہ اس کو گھر سے نکلا چاہا ہے۔ کہتا ہے۔ "خان! گھوڑے کی سیر کرا کیا"۔

"بڑے خان کہتے ہیں بچہ! آپ ہمیں ماما صاحب کیوں نہیں کہتے۔ خان کیوں کہتے ہیں؟" خالہ جس کر پوچھنے لگیں۔

"کہتے تھا اسی بھی تو آپ کو خان کہتی ہیں"۔ بڑے خان بہت ہنسے۔ بڑے خان کہتے ہیں بہت اچھا بچہ ہے۔

"اس کا باپ کم عاصر جواب تھا کہ دکھیوں کو ہزار ہے۔ مجھے تو اس کے سامنے جواب ہی نہیں سوجھتے تھے۔ اور جواب سوجھتے بھی تو کیا تھا۔ اس سے جھوٹ بول رہی ہوں۔ اس لئے بچہ بول رہی تھی"۔

اس کی آواز بھرا گئی۔ چند قطرے آنکھوں سے بچے اور باری کے سیاہ بالوں میں جذب ہو گئے۔

"اس طرح اکیلی نہ بیٹھا کر۔ وہ نہ یہ سوچیں مجھے کھا جائیگی"۔ خالہ نے اسے سمجھایا۔

"پھول لوگوں کو پتا نہیں کہاں ہیں۔ یاد خانوں دفعہ مرتبہ ہو چکے ہیں"۔ انہیں اٹھتے ہوئے رحیمان آیا۔

ملیحہ نے خالی خالی نظریں خالہ کے چہرے پر جما دیں۔

"وہ خوشیوں میں شریک ہیں۔ تو اب کہاں ہیں"۔ اس کی آواز بھی بے تاثر تھی۔

"ہائیں"۔ خالہ سلمہ نے تعجب سے اسے دیکھتے کہا۔ "کیا بول؟"

"کچھ نہیں۔ آؤ باری اندر چلیں"۔ اس نے باری کو گود سے اتارا اور کھڑی ہو گئی۔

وہ باری کو سلا کر اپنے کمرے میں کھڑی جانے کن سوچوں میں مستغرق تھی۔ آنسو اور تیمور علی خان کی شاہی کی تشکیل دماغ میں دھماکے کر رہی تھی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور داخل ہوئی۔

"اوں بی باری ہیں"۔ اس نے پیغام پہنچایا۔

ملیحہ نے کارنس پر رکھے ٹائم پیس کی سمت دیکھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔

"چلو آتی ہوں"۔ وہ باری کی طرف آئی۔ اسے درست کیا۔ اوپر چادر ٹھیک کی۔ اور کھلی کھڑکی سے اندر کے کمرے میں چلی آئی۔

"جی اماں جی"۔ وہ ان کے قریب جا بیٹھی۔ اماں جی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے اشارے سے اسے صبر سے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔

وہ خوش ہو کر اپنی انگلیاں چٹخانے لگی۔

"بارش ہو گئی؟" اماں جی نے تسبیح پڑھی کر کے چولہے پر توا رکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی"۔ اس نے اختصار سے کام لیا۔

"تیری طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ مجھے کیا ہوا ہے گا"۔ وہ تلخی سے بولی۔

"اللہ نہ کرے۔ عمر پڑی ہے آگے۔ اپنے آپ کو سنبھال۔ ماں بھی اپنے مرے ہوئے بچے کے ساتھ قبر میں لیٹی اور دیا میں۔ ماں کی محبت سے بڑی کوئی محبت نہیں۔ کیا تجھے احساس ہے کہ تیرے ابا کی چادر بچے کو اکیلا پا کر بے"۔ اماں جی نے بہت دکھ سے کہا۔

"اب کیا کریں۔ اس میں ہمارا تصور کیا"۔ وہ بیدلی سے بولی۔

"کر کیوں نہیں سکتے۔ اللہ کی ذات راستے بنانے والی ہے"۔ اماں جی کا انداز تنبیہ یا خفگی کا سا تھا۔

وہ چونک کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔ دل وسوسوں میں گھرنے لگا۔

"شرع میں حکم ہے کہ بیوہ اور طلاق والی عورتوں کے گھر بسانے میں جلدی کرو"۔

اماں جی نے کہنا شروع کیا۔

اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ اب کیا ہونے والا ہے؟ اب کون عزت دار آ گیا ہے؟

"پڑوس والی تھی میرے پاس۔ عارف نام ہے اس کے لڑکے کا۔ پہلے بھی بیاہ دیا تھا اس نے مگر تیور نے اپنا زیادہ بہتر ہے۔ اس کی زندگی فکروں میں گھری ہوئی ہے۔ اسے کوئی سہارا چاہیے۔ اب تسبیح کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا۔ جی کی موت والے دن تو جو بولی سب کے سامنے۔ وہ تو شاید تجھے یاد نہ ہو۔ تجھے ہوش ہی کہاں تھا۔ مگر کچھ باتیں اول کی بات دیوانے پن میں ہی منہ سے نکل جایا کرتی ہے۔ تو نے اپنے سہارے کی امید باندھی تیور کے سر۔ اول ہی تھی۔ مگر اللہ کی عدالت ہو یا اللہ کی۔ یہی بات ظاہر ہو گی کہ اس نے تیرا بھلا چاہا تھا۔ تو اس گھر کی لو کر ولی بن آئی تھی۔ تجھے اس نے اپنے دوست کی بیوی بنایا تھا۔

میں نے تیور اور تیرے سے ذکر کیا تھا۔ تیور بہت خوش ہوا کہ اللہ نے تیرے آباد ہونے کا پھر سے آسرا پیدا کیا۔ کہنے لگا اماں جی پہلی فرصت میں نکاح کر دیجیے"۔

"یہ کہا تھا خان نے؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں یہی کہا تھا۔ کیوں؟" وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"کتنا خیال ہے انھیں میری خوشیوں کا"۔ اس کا انداز بدستور تھا۔

"کیوں نہیں۔ اسے سب کی خوشیوں کا احساس رہتا ہے"۔ وہ خوش ہو کر بڑے فخر سے کہہ رہی تھیں۔

"تو پھر سب سے زیادہ انھیں اپنی ماں کی خوشیوں کا احساس کرنا چاہیے۔ کیوں؟"

وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

"پاگل۔ بہت خیال رکھتا ہے تیرا بچہ۔ اللہ لوٹیاں رکھائے"۔ وہ دعائیں دینے لگیں۔

"یہ دن کہہ رہی تھی کہ عارف بچے کو کہیں اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ ہے۔ کس اسے تو بچے کی نانی کی ضرورت ہے۔ تیرے ساتھ ہو جائے۔ یہ شروع میں مشکل ہوتا ہے"۔

وہ بہت غور سے انھیں دیکھ رہی تھی۔

"پھر طارق؟" وہ بظاہر بے پروا ہو کر مسکرانے لگی۔

"ہاں۔ ہاں۔ یہی کہہ رہی تھی یہ دن۔ تیور اور تیرے سے بڑے خان ہے کہ تو شادی اب کہیں اور کر لے۔ اب تو سب کا بچہ ہے تو فکر نہ کر"۔

"اس سے کہیے گا۔ پھر طارق کی بات نہ کرے۔ سماعت میں زیادہ علی سمجھی؟" اس کی تلخی محسوس کر کے اماں جی نے بات بدلنے کی کوشش کی۔ وہ بے یقینی سے انھیں دیکھ رہی تھی۔

"ہیں۔ کیا باتیں کر رہی ہے؟ سب کچھ بتا ہے اس۔ علاقہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی کہ دنیا سے چھپائے پھریں۔ تیری ماں تو اس کے سامنے ہی آئی تھی"۔ اماں جی کو الجھن ہوئی۔

"تیور کہہ رہا تھا کہ بس جلد سے جلد کر دیں۔ سب سے الگ تھلگ رہنے لگی ہے۔ کہیں وہ مریض نہ بن جائے۔ کیا کہتے ہیں"۔ وہ ماہر نفسیات والے لفظ یاد کرنے لگیں۔ "ہاں "نفسیاتی"۔

"وہ کہہ رہا تھا۔ اس سے بہت صدمے ہو جاتے ہیں"۔ وہ سادگی سے بولیں۔ وہ خاموش رہی۔

"کچھ تو بول"۔ اماں جی اس کی گہری خاموشی سے گھبرانے لگیں۔

"اماں جی مجھے بہت تھکن محسوس ہو رہی ہے۔ باری کو بھی اکیلا چھوڑ کر آئی ہوں۔ جاؤں"۔ وہ یوں گویا ہوئی جیسے ان کے درمیان کوئی خاص بات چیت نہیں ہو رہی تھی۔

اماں جی نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ جان کی اتنی اہم بات کا جواب دیا تھا۔

"اچھا۔ جا آرام کر۔ غور کر لینا"۔ وہ بھی الجھن میں پڑ گئی تھیں۔

وہ کچھ کہے بنا اٹھ آئی۔ اس کے قدموں کا رخ اپنے کمرے کے بجائے تیور علی خان کی خواب گاہ کی طرف تھا۔

دروازہ بند کر کے اوپر آئی۔ چند لمحے رک کر کچھ سوچا پھر آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔

"کیں۔ دروازہ کھلا ہے"۔ تیور علی خان کی آواز سے ایسا محسوس ہوتا تھا گویا وہ مصروف ہوں۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"السلام علیکم خان!"

"علیکم السلام"۔ وہ واقعی کچھ پڑھنے میں مصروف تھے۔ اس کی آواز پر دیا لوگ چیئر کا رخ اس کی سمت موڑ کر وہ قدرے حیران سے اسے دیکھ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

''السلام علیکم خان!'' اس کا لہجہ قطعی سپاٹ تھا۔

''اسلام''۔ انہوں نے جواب دینے کے دوران سامنے گلی والی کھاک کی طرف نگاہ کی۔

''خیریت؟'' ان کی ایک ایک ادا میں استعجاب تھا۔

''سب سے جرمانی میں آئے ہیں۔ خیریت کے علاوہ سب کچھ ہے''۔ دروازے پر کھڑی تھی اور ایک انچ آگے نہیں بڑھی تھی۔

تیمور علی خان نے کوئی جواب دینے کی بجائے سر کی جنبش سے اندر آنے کا کہا تو وہ ہچکچاتے ہوئے اندر آ گئی۔ تیمور علی خان نے دروازہ بند کیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ وہ بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ دونوں کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر تیمور علی خان نے سکوت توڑا۔

''ہاں بھئی اب بات کرو۔''

''کیا ہوا؟'' انہوں نے اس کے غیر معمولی حسین چہرے پر چھائی اداسی جیسے دانستہ کے سنگ میل کو سرسری دیکھتے ہیں۔

''میں نے آپ سے درخواست کی تھی خان۔ کہ آپ کبھی میری شادی کی بات نہ کیجئے گا''۔ اس کی آواز پست اور نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

''اچھا ہوتا۔ مگر یہاں تمہاری طرح کا لیڈر ہے اور اور بے وقوف لوگ۔ کیا سمجھیں؟'' وہ اپنی کرخت گھوم گئے اور دیئے کا شعلہ اس طرح پلٹ کر رہ گیا۔

''میں آپ سب سے رحم کی درخواست تو کر سکتی ہوں''۔ اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

''عارف پسند نہیں ہے تمہیں؟'' ان کے ذہن میں ایک خیال سرعت سے آیا تھا اور انہوں نے چونک

کر پوچھا تھا۔

وہ خاموش رہی۔

''ہاں بھئی۔ اتنا تو ہم سمجھتے ہیں کہ علی جیسے لڑکے کا عارف جیسے لڑکی کا انتخاب حاصل کر رہا ہے تمہیں قابل قبول کیسے لگ سکتا ہے''۔

وہ خود ہی ایک نتیجے پر پہنچ کر گویا ہوئے۔

''یہ بات بھی نہیں ہے خان!'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''پھر''۔ وہ قدرے حیران نظر آئے۔

''خان۔ میں نے خواب تو علی سے بھی اچھے بندے کے دیکھے تھے مگر پھر علی کے ساتھ جس طرح ہونے لگی تھی۔ اب اگر اس سے کم مل رہا ہے تو کیا ہوا؟ میرے اکاؤنٹ کی مد پھیکی ہے''۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

تیمور علی خان کی گہری خاموشی طویل ہوتی چلی گئی۔

کمرے کے سناٹے میں سلگتے کے بجھنے کی مدھم سی شور بھی سنائی دینے لگے۔ کہیں یہ کسی ہچکچاہٹ کی نمائندگی تھی۔

چند لمحے مزید کے شور میں گزرے۔ تیمور علی خان نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔

''تمہاری آمد کا مقصد؟'' ان کا انداز قدرے سخت و سنجیدہ تھا۔

''آپ کی یہاں بہت کمی محسوس کی جاتی ہے۔ ماں جی اور بڑے خان آپ کی بات نہیں ٹالتے۔ اگر آپ انہیں کہیں گے کہ وہ میری شادی کا ذکر بھی نہ کریں تو وہ بھی نہیں کریں گے۔ اور پھر آپ کو کیا ہیں ایسے رہوں یا ویسے؟'' ان کا لہجہ یکدم تلخ ہو گیا۔

''ہم سے کوئی گلہ ہے تو ہم سے الجھتی بھی ہو۔ بات کرنے کا سلیقہ سیکھو پہلے''۔ وہ برہم ہو گئے۔

مگر ایسی برہمی جس میں سختی پن تھا۔ قطعی برہمی نہیں تھی۔

''الجھ کہاں رہی ہوں خود پر اختیار نہیں رہتا۔ دکھ بھی تو بڑھتے ہی جا رہے ہیں''۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

''تمہارے دکھ ختم کرنا چاہ رہے ہیں سب''۔ تیمور علی خان نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔

''اگر میں قسم کھا کر کہوں کہ دکھ بڑھا رہے ہیں تو پھر؟'' وہ رخ پھیر کر پوچھنے لگی۔

''تمہیں ابھی اپنے فیصلے کا احساس نہیں ہے۔ صرف جذباتی ہو رہی ہو جب کوئی تمہیں وہ طلاق کا کاغذ دے گا تو سب کچھ بھول جاؤ گی۔ یہی زندگی ہے''۔ وہ لاپروائی سے کہہ رہے تھے۔

''ایک بات کہوں۔ آپ برا تو نہیں مانیں گے خان؟'' وہ ہچکچائی۔

''ہوں بولو۔ پہلے تم نے ہمارے بڑا ہونے کی پروا کی ہے؟''

"ایک دم پر کس نکلنے آئے گے (ان کے کھلانے سے تو بالکل نہ لگتا تھا)

"اگر آپ کی شادی زبردستی کر دی جائے تو کیا آپ کہیں اور شادی کرنا چاہیں گے؟ ہوں تو کیا آپ سب کی اجازت لیں گے۔ اگر ہاں لیں گے تو آپ کے دل کا کیا حال ہوگا"۔

وہ بہت غور سے کہہ رہی تھی۔

تیمور علی خان کیلئے یہ جملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ ایک لمحے کو تو چکرا کر رہ گئے۔ پھر سے تحمل کی تسبیح گھمانے لگے۔

"تم کہاں کی پڑھی ہو؟" انہوں نے جذبات سے عاری لہجے کو برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

ملیحہ نے ایک لمحے کو ان کی سمت دیکھا۔ بہت خوبصورت سنہری بالوں والا مرد۔ جو بہت بلند آواز میں بولتا ہو۔ اس کے دل کے قید خانے میں صرف اس کے حسن کی وجہ سے ہی جگہ بنا سکتا تھا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

"کہیں نہیں خان۔ کہیں بھی نہیں"۔ وہ بے ساختہ بول پڑی تھی۔

"ہم جانتے ہیں تمہارا دکھ بڑا ہے اور جب خان بہت دکھی ہو یا بہت خوش ہو تو اس کا باقی خاندان بھی دکھی اور خوش ہو جاتا ہے۔ اس کے فیصلوں پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ فی الحال تم آرام کرو۔ دراصل ہماری کمی کی وجہ سے تم ہمارے لئے پہلے سے کچھ زیادہ اہم ہو گئی ہو۔ ہم اس بچے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں"۔

"وہ بچہ ہے تو کیا ہوا ذمہ داری کی ادائیگی بھی تو ضروری ہے۔ ہوں۔ میں شادی نہیں کروں گی خان آپ من لیجئے"۔

"وہ تو تمہیں کرنا پڑے گی"۔ صدمہ ہوا تھا۔ ایک دم سکتے سے ہو گئے۔ احساس تو ہمیں سے ان کا چولی مرتا ہوا تھا۔

"اماں جی نے تو آپ کیلئے شیخ رفیع کی بیٹی کی پسند کی ہے' آپ وہاں شادی کر لیجئے۔ پھر جہاں آپ کہیں گے میں وہیں پہنچ کر لوں گی۔ وعدہ"۔ وہ ہنسی سے مسکرائی۔

"تیمور خان ہم تو دنیا سے اس کی صورت دیکھتے رہ گئے۔

"تم گئی ہو وہ اس لئے عدالت کر رہے ہیں۔ مت رکھنا ہمیں اپنی کم ظرفی کے رنگ۔ ایک بے حیثیت لڑکی سے شادی کی ہاں سے چند سرخ کے عوض خرید بھی سکتے تھے۔ یہ صلہ ہے ہماری محبتوں کا"۔ وہ چیخ پڑے تھے۔

"ہم سے غداری کرنے بھی ہو۔ ہم یہ کریں تو تم وہ کرو گی۔ تم ہوں کون؟ تو رایاں سے بچی جاؤ۔ بگڑے ہمارے سے ہم میں جاؤ۔ اور کبھی ہمارے سامنے نہ آنا۔ احسان فراموش۔ ہاں سینس"۔

(احسان کرتے تو کسی۔ آپ کے لفظوں میں مر رکھ ہے یہ کبھی نہ اٹھانے)

ایک عمر دولت دینا اپنے سے کمتر کے ساتھ ہو بھی کرے وہ احسان۔ کاش کہیں یہ رسم بھی ادا کی کہ کتاب میں پڑھایا جاتا کہ فلاں احسان میں فرق کیا ہوتا ہے۔ جس پر احسان کیا گیا ہے اس کے دل کا کیا حوصلہ ہے۔ یہ احسان اٹھا بھی ہے یا نہیں۔ اپنی دانست میں احسان کرنے والے کو علم کس قیمت سے وہ فراغت لیں آئی ہیں آپ کے سامنے۔ کاش کبھی آپ کے سامنے بھی نہ آتی"۔

وہ چراغ آنکھوں میں چھپا کر وہاں سے چلی گئی۔ اس وقت ہی لیکن مردوں کے حواس گم ہو گئے تھے۔ اصل حملہ ان کے اعصاب کی طرف ہوا تھا۔ سر گھوم گیا تھا۔ اٹھ کے ہولے چلے گئے تھے۔

وہ کہہ کے گئے تھے اس پر ساتھ ساتھ ہمیں محسوس بھی ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی سنگدلانہ قسم کی بے حسی کے سامنے بے بسی بھی واضح ہو رہی تھی۔

جیسے سے وہ تیمور خان پر بیتاں تھے کہ آج وہ کیسے کیسے رنگ میں تھی۔ جیسے ہوش بھلائے ہوئے تھی۔

اپنی ہی دنیا میں گم۔ خود سے بے خبر۔ وہ اپنا کام جاری رکھنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

"یہاں بھی ہے۔ لے تو سب اسی کے ہیں تھے"۔ پٹاران خانہ سامان آنے کے ساتھ یاد کے تحفظ کرنے میں بھی اسی کی مدد کی تھی۔

اس نے دل بے چین ہو کر ان سے پٹاران اور سامان آنے کو کہا اور باہر کی طرف سے کھلنے لگی۔

"بیگم بہت مغموم ہے"۔ خالہ سامان لے آئے تھے۔

"مت خوش کیا کر خالہ۔ اب بھولے بادشاہ کو کر۔ ہم کہنے سے کیا قسمت بدل جاتی ہے؟" اس کا طرف طرف سے خود سامان بھی نہیں کیا تھا۔

"میں صدقے جاؤں۔ اللہ نے چاہا تو قسمت ضرور بدلے گی۔ یہ اصل ہے بھولوں کا کھیل ہے سب کے ساتھ ہے ہوتا ہے۔ پٹاران نے آگے بڑھ کر اس کا چہرا ہاتھوں میں تھام لیا اور پیشانی چوم لی۔

وہ کوئی دو شہزادیوں کی صورت اس کی پیشانی پر بوسہ دے رہی تھیں۔ وہ مسکرا دی۔

"صبح سے بھروسہ کر رہا تھا اپنی بیٹی کی صورت دیکھ کر آؤں۔ اب آئی ہو رہے تھے اسی وقت۔ ہمیں کیا پتہ تھا یہاں خلیل ہے۔ خیر اللہ رحیم سب خیر میں بدلے ہیں کہ جانے کہاں گئی؟" پٹاران نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"ملیحہ۔ خیر۔ سب کو بس خیریت ہی دیں"۔ وہ ہاتھ چھڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہماری کہاں ہے؟" اس نے خالہ کی طرف دیکھا۔

"وہ بے خان کے ساتھ گیا ہے"۔ خالہ نے بڑی کھوجتی نظروں سے اس کی سمت دیکھا۔

"اچھا"۔ دل کی دھن میں چل پڑی۔ وہ باہر دالان کے پیچھے پیچھے آ رہی تھیں۔

باغ عبور کر کے وہ آگے بڑھے تھے آگے ہی تیمور علی خان اور نور علی خان ایس ڈی او کے پاس کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

"کہاں سے آ رہی ہیں آپ؟" یاور علی خان نے قدرے تیز آواز سے پٹاران کی طرف دیکھا تھا۔

"بیگم صاحبہ تھیں۔ خان!" خالہ نے وہ اتنا ہی جواب دیا۔

"یہ اکیلی کیوں جانے کہاں سے آ رہی تھی؟ اسے اندر لے کے گئے تھے"۔ وہ حیران ہو گیا تھا۔

"ہاں — اس کا خیال رکھنا چاہیے یہ بہت الگ تھلگ رہتی ہے"۔ یاور علی خان نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔

"خیال رکھنے کی کوشش تو کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں تو اسے کیا سمجھتی ہے"۔ خالہ نے جواب دیا۔

"سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہاں تو میں بھی جانے کیا کیا سمجھ لوں"۔ وہ یہ کہہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

وہ چاروں ایک لمحے کو خاموشی سے ہو کر رہ گئے۔ اس کا گستاخانہ انداز یاور علی خان نے پہلی بار دیکھا تھا۔ انہوں نے ایک پشیمانہ نگاہ بھائی پر ڈالی تھی۔

"ناپر بھتیجہ ہے"۔ تیمور علی خان نے ظاہراً لاپرواہی سے کہا۔

"میرے خیال میں اماں جی کا فیصلہ درست ہے"۔ یاور علی خان نے بچوں کی طرف دیکھ کر جیسے کہ نتیجہ پر پہنچتے کہا۔

"ہمارا بھی یہی خیال ہے"۔ تیمور نے تائید کی۔

"ہمارا خیال ہے آج نہیں"۔ نے ور علی خان کے انداز میں الجھن تھی۔

"جو کام آج ہو سکتا ہے اس میں پھر آج اور کل کیا؟" یاور علی خان نے حیرت سے کہا۔

"مسئلہ ہے۔ یاور بھائی اتی الحال یہ ذہنی طور پر تیار نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں ہر طرح سے مزاحمت ہو گی ہے۔ صدمہ بہت آیا ہے مگر اس کے دکھ کا اندازہ کر کے برداشت کرنا پڑتا ہے۔

لیکن جلد تبدیلی اسے جلد تبدیل کر دے گی۔ یہ سب تو کچھ دنوں تک ہے۔ یاور علی خان کو یہ تھی خبر جانے والے اس لئے ان کا ذہن رد یہ بہت واضح تھا۔

"ہوں — تو کوشش کر دیکھیے"۔ تیمور نے گویا اتفاق کر لیا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ اماں جی پیچھے والان میں ہیں"۔ یاور علی خان نے اپنی الجھن دیکھتی دونوں خواتین کو گویا احساس دلایا کہ انہیں یہاں سے اب چلے جانا چاہیے۔

وہ دونوں فوراً ہی اس سے آگے بڑھ گئیں۔

چند لمحوں تو یاور علی خان کی صورت اتنے انہماک سے دیکھتی رہی تھی کہ گویا وہی دن تاریخ دہرائیں گے۔

"ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے تیمور؟" یاور علی خان نے گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔

وہ یاد یوں تیمور علی خان کے کمرے میں یہ پیغام لے کر آئی تھی کہ اماں جی نے فوراً بلایا ہے۔

وہ چونک پڑے تھے۔ جب انسان خود اپنے اندر بڑے دھماکے لئے پھر رہا ہو تو ہر بات پر چونک پڑتا ہے کہ کہیں کسی کو بھنک تو نہیں پڑ گئی۔ وہ بھی بڑی الجھی کیفیت میں ماں کی طرف آئے تھے۔

لیکن کمرے میں پہنچتے ہی انہوں نے گہرا سانس سینے سے خارج کیا۔ سامنے ہی صوفہ پر بھی تھی اور وہ بیٹے سے اپنا غم صاف کر رہی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ معاملہ کیا ہے۔

"جی — اماں جی — اب وہ کیسے ہو گا؟" انہوں نے [illegible] پوچھا تھا۔

"آؤ — بیٹا — ایک بات ہے۔ میں چاہتی ہوں تمہارے ابا صاحب تک نہ پہنچے۔ اسی کمرے میں سب ہو جائے"۔ وہ پریشان نظر آ رہی تھیں۔

"فکر نہ"۔ انہوں نے فوراً ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

"اسے سمجھاؤ۔ تسلی بھی دو۔ ساتھ نہیں رہتی۔ ایک ہی بچہ ہے۔ اپنی اماں کا اور پتا نہیں اس بہت" وہ بھی رو دی تھی۔ اذل صدمے تو ہو رہی ہے اس پر۔ لڑکا بھی خوفناک راستی ہے۔ مگر پھر بھی ماں ہوں۔ سامنے چلی جا رہی ہے۔ اور کچھ سے کہا کہ وہ نہیں دیکھا جاتا۔ بہت بے وقوف ہے یہ"۔

اماں جی نے انہیں بلانے کی بہت تفصیل سے بیان کی۔

"بے وقوف تو ہے یہ اس میں کوئی شک نہیں۔ آپ اس کے انکار اقرار پر نہ جائیں اور کوئی مناسب سا فیصلہ کریں۔ بعد میں ٹھیک ہو جائے گا سب"۔

"ٹھیک ہے پھر اماں جی مجھے سمجھ آ گئی ہے۔ میں ایک غلام ہوں۔ مجھے اپنی اوقات پہچان لینا چاہیے تھی۔ مگر آپ لوگوں کے رویے نے مجھے اپنی اوقات بھلا دی تھی۔ علی کی موت کے بعد گورنمنٹ نے جو پیشکش کی ہے۔ وہ میں آپ لوگوں کے حوالے کرتی ہوں۔ اسے میری آزادی کی قیمت سمجھیں یا کچھ اور۔ بس مجھے اجازت دیں"۔

وہ چادر سنبھال کر آنکھیں پونچھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ نے مجھے بہت پیار دیا۔ میں کبھی نہ بھول پاؤں گی"۔

"کیا مطلب؟" اماں جی ہکا بکا اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

"مطلب یہ کہ جو بیلی میں میرا دانہ پانی اتنا ہی تھا" اس نے قدم بڑھا دیے۔

"ایک قدم آگے بڑھایا تو ٹانگیں توڑ دوں گی نیلی" آئی کہیں سے پیچھے والی"۔ اماں جی بھی غضبناک ہو گئیں۔

"اپنا بھلا برا نہیں پہچانتی پتھر پڑے ہیں عقل پر۔ عقل بھی یہاں"۔ انہوں نے ڈانٹا۔

"اماں جی! آپ سب جو کام مجھ سے لے رہے ہیں۔ وہ میری طاقت سے بہت زیادہ ہے۔ مجھ میں طاقت نہیں ہے اماں جی۔ میں اندر سے بالکل ختم ہو چکی ہوں"۔ وہ اماں جی کے پاؤں پر جھک کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"بھلا۔ اس میں طاقت ہمت کی کیا بات۔ گھر بس جائے گا تیرا۔ لگانے لگے گی"۔

"وہ بری طرح روئی تو اماں جی کا دل پگھل پگھل گیا۔ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"تیمور۔ بیٹے اسے سمجھاؤ"۔

"اماں میرے سمجھانے میں مت والے بھی نہیں کہیے یہ جتنی جلد ہو سکے۔ شیخ رفیع کی لڑکی سے شادی کر لیں۔ آپ کو ان کی شادی کا بھی تو بہت ارمان ہے"۔ وہ چیخ پڑی۔

اماں جی تو ایک لمحے کو چکرا کر رہ گئیں۔ بھلا اس وقت شیخ رفیع کی لڑکی کا ذکر کیا معنی جبکہ یہاں تو معاملہ ہی اور ہے۔

"اماں جی! اس سے کہیے کہ ہمارے ذاتی معاملات میں مداخلت نہ کرے"۔ تیمور علی خان کا پارہ چڑھ گیا۔

"ارے یوں نہ کہو۔ اسے بھی تو اپنے بھولے خان کے چاہنے والوں پر مان ہوگا۔ اس لئے کہہ رہی ہے۔ شاید لڑکی کو پسند نہیں کرلی۔ صورت، سیرت، تعلیم ہر طرح تو تمہیں سے میل کھاتی ہے بلکہ دولت سے بھی مالا مال ہے۔ انکار کرنے کا ابھی کوئی جواز بھی نہیں ہے۔ ابھی کچھ دن اور سوچ لو۔ ابھی کون سا تمہارا نکاح ہو رہا ہے"۔

اماں جی کے لہجے میں بلا کا تحمل اور وقار تھا۔

"تو پھر ذرا کہہ کر دیکھیے"۔ وہ بیٹے کے کندھے پر جھک کر استہزائیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"لے تا کہوں تو جب کہ مجھے شک ہو۔ تو اپنی بات کر"۔ وہ مسکرائیں۔

"گولہ ہیلی"۔ تیمور علی خان جھنجھلا کر کھڑے ہو گئے۔ "ہمیں اس امر کے سوا اپنے دل میں کسی سے کوئی سروکار نہیں ہم چلتے ہیں۔ آئندہ آپ اس سے متعلق کوئی بات ہم سے نہیں کیجیے گا"۔ انہوں نے قدم آگے بڑھا دیے۔

"تیمور — بیٹے — اس نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی کہ تم برا مان گئے ہو"۔ سیدہ کی سادگی اماں جی مشکل سے سمجھ پائیں۔

"ہم نے کہا ناں اماں جی۔ ہماری طرف سے یہ جہنم میں جائے۔ بس آئندہ آپ اس کے سامنے ہمیں نہ رکھیے گا۔ ورنہ ہم آپ کو بھی معذور رکھیں گے"۔ وہ بولتے بولتے رک گئے۔

"ہاں ہاں — بولو"۔ وہ ہمہ تن گوش ہو گئیں۔

"آپ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں"۔ وہ بولے۔ آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔

"لو ایسے کیسے چھوڑ دوں۔ میں نے تو زبان دی ہے۔ کچھ اپنے ہاتھوں کیا ہے"۔

"اچھا — (نرمی سے) جانو آرام کرو۔ ہم باری کو دیکھ کر بات کریں گے تھک گئے ہو گے۔ آؤ تیمور تم یہاں بیٹھو ہمارے پاس"۔

انہوں نے جاتے ہوئے بیٹے کو بھی مخاطب کیا۔ جو ان کے لہجے سے جھنک رہا تھا۔

تیمور اماں کے قریب جا بیٹھے۔ وہ باہر نکل آئی۔ مگر جانے کیوں دل بہت اندیشہ مند سا تھا۔ وہ دروازے کے پاس کھڑی ہو گئی۔ آخر اس کی زندگی بھر کی بات تھی۔ اتنی احتیاط کیوں نہ ہوتی۔

"اماں جی! ہماری بات میں اسے فریق بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سیدھے سیدھے ان لوگوں کو بلائیں اور کام پر لگوا دیں۔ ایسی کون سی اٹکھیلی کی لڑکی ہے۔ جسے ایڈجسٹ میں مشکل ہو گی نہ ہی باشعور اور باوقار ہے۔ ان طرح کا انسان بہت آسانی سے ہر رنگ میں ڈھل جاتا ہے۔ شروع شروع میں ذرا مشکل ہوتی ہے۔ آپ گھبرائیں نہیں ہم ہیں نا کریں"۔

مطہر کی روح اس کے وجود میں یوں پھڑپھڑاتی محسوس ہوئی جیسے خالی بدن میں پکڑائی ہوئی کوئی

اس کے ہوش کی ایک لمحہ کی اجنبیت خود سے بیگانہ کر گئی کہ اس لمحے کے اس منظر سے انصاف کرنے میں ناکام رہی۔ دیوان کی آواز کہ کیا اس مقام پر ہاں بھرنے کا خیال ہی محال ہے کیا؟ وہ تو۔

دیوان کی آواز میں ان کی اماں ان کا "نوشی" ہی کی "نہ" ہے ان کا خدا ایک ہی تھا۔

جب کوئی تقاضا نہیں۔

مطالبہ نہیں۔

خاموشی ہے۔ سب چاہ کی اجازت کے ساتھ ایک کو منتظر ہے تو انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ بنا سے سنے کا انکار کر جائیں۔ ہر دروازے سے خود سے لڑائی کا جھگڑا کرنے کی خواہش کی۔

اپنے دل کا اتنا خیال۔ ہر صورت جیت کر خوش ہو کر ایک اور دروازہ بند ہو جاتے ہیں۔ خاموشی کے آنسو بہانے لگتے ہیں۔ جانے کی جلدی ہے۔

تاہم اس تیمور علی خان نہیں ایسی طرح کر کے دیکھ لیں۔ ساتھ دے رہی۔

وہ ان دیکھی آگ میں جھلسی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"بندوقوں کی کچھ میں تو ساری"۔ خانساماں آلے نے پان کا خوانچہ اتار کر کھولا اور بیچنے لگے تھے۔

"یوں نہ بول سالے۔ کل کی مصیبت ہے۔ ظلم ہوئے ہیں۔ بچی ہے۔ پھر مرد بھی وہ۔ خوف کر اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا۔ بہت دکھ ہے اسے"۔ اماں جی کے لہجے میں بہت افسوس تھا۔

"تو ہم بھی تو اس کے دکھ دور کرنے کے جتن کر رہے ہیں۔ اسے سمجھنا چاہیے اماں جی"۔ خانساماں بولا تھا۔

"سمجھ جائے گی۔ ہمیں بھی اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ تو کیوں ظلم کرتی ہے۔ قسمت کا لکھا ہو کر رہتا ہے۔ اس پر تو بے بس ہو گی۔ اکیلے محسوس کرے گی۔ اب کچھ کہو اسے۔ میں سمجھا لوں گی"۔ اماں جی کے انداز میں بلا کا تحمل تھا۔

"باری سلام کے لیے آ رہی ہوں"۔ باری ہما گتا ہوا دالان میں آیا تھا اور مطہر ایک کرتا ہاتھ میں پکڑے پیچھے پیچھے تھی۔ باری نے پاجامہ اور ویسکوٹ پہنا ہوا تھا۔ وہ مطہر کے ساتھ تھی۔

"دیکھ ناظمہ سے لڑائی کریں گی — اماں جی دیکھ رہی ہیں آپ؟"

"باری بیٹے۔ کیوں جھگڑ رہے ہو ماں کو۔ آؤ میرے پاس بیٹھو۔ مجھے کرتا"۔ اماں جی مسکرا دی تھیں۔

وہ بھاگتا ہوا اماں جی کی آغوش میں دبک گیا۔ "میں نہیں بولوں گا یہ کالا جان والا سوٹ پہنوں گا"۔ وہ کہہ رہا تھا۔

اماں جی نے اسے بانہوں میں بھر لیا اور اس کی پیشانی کو چوم دیا۔

"تجھے چاند سے بڑے کپڑے نہیں آئیں گے۔ میں سلوا دوں گی کالا کپڑا جیسا سوٹ ... ارے تجھے تو دیکھ کر۔ میں اپنے بچے کو تو دیکھ لوں گی۔ میرا لال اپنی اماں جی کا کہنا مانے گا ہوں۔

"تجھے ہمارے خان سے کہوں گی اور بھی نیا سوٹ لے آئیں گے اور گھوڑے کی سیر بھی کرا دیں گے"۔

اماں جی نے اسے باتوں میں لگا کر کرتا پہنا دیا۔

"اماں جی! میں کاکا جان جیسی بلی والی (بڑی والی) کار اگلی بھی لوں گا"۔ اس نے حسرت سے کہا۔

"ہاں ہاں — لے لیں گے۔ اگلی بھی لا کر دیں گے"۔

"اور میں کاکا جان والے شوزی (شوز) بھی لوں گا"۔

"لو بتاؤ — تیرے کاکا جان کی تو دلہن بھی آنے والی ہے۔ تو کہے گا کہ میں بھی ایسی دلہن لوں گا"۔ خالہ جان نے ہنس کر کہا تھا۔

اماں جی بھی مسکرانے لگیں۔

اسی دم تیمور علی خان ماں کو تلاش کرتے ہوئے دالان میں چلے آئے۔

"ماشاءاللہ سے مرد ہیں حویلی میں۔ مگر جب دام لے گا کاکا جان کا"۔ خالہ نے تیمور علی خان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کیا بول رہا ہے پارنٹر؟" تیمور علی خان نے باری کا رخسار چھوا۔

"تنگ کر رہا ہے اماں کو۔ کپڑے نہیں بدل رہا تھا کہ کاکا جان جیسا سوٹ پہنوں گا"۔ اماں جی نے بتایا۔

"ارے ہم ضرور دلوائیں گے اپنی جان کے سوٹ۔ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہارا باپ تمہارے لئے بہت کچھ چھوڑ کر گیا ہے۔ عیش کرو یارنٹر"۔

تیمور علی خان نے اس کا سر تھپتھپایا۔ اور ایک اجنبی ہوئی نظر کمزوری سطریہ پر ڈالی۔

"اماں جی! آپ فوراً اس کی چھند کے کپڑے سلوائیں"۔

"بچے اپنوں کو بہلایا کرتے ہیں۔ ہر خواہش پوری نہیں کرتے۔ آگے مشکل ہو جاتی ہے۔ کل تمہارے اپنے بچے ہوں گے تو اتنی توجہ اس پر دے سکو گے؟"

"اگر ایسی بات ہے تو یہ ہمارا اپنا بچہ ہوگا۔ اماں جی! ہماری اتنی گہری دوستی کبھی کسی سے نہیں ہوئی۔ اس دوستی میں کمی کے باپ کی کاوش کا بڑا حصہ ہے۔ ہر طرح کے عیب ہنر بنانے کی سعادتی ہی ادا کیں تھی"۔

"چلو باری — باہر چلتے ہیں"۔ انہوں نے اپنی اداسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اسے کہاں لے جاؤ گے؟"

"گھومنے جا رہے ہیں ہم بابا صاحب کے ساتھ۔ ہم تو پھر وہاں سے شہر چلے جائیں گے۔ بابا صاحب کے ساتھ وہ آجائیگا۔ چلو یارنٹر"۔

باری فوراً اٹھنے سے لیے اترایا۔

"کاکا جان ابھی بھی"۔ اس نے سطریہ کی طرف دیکھا جو اپنی کالی چادر درست کر رہی تھی۔

"نہیں — جان — وہاں ابھی نہیں جاتیں"۔

"ابھی کہاں جاتی ہیں؟" اس کی نگاہوں میں معصومیت تیرتے لگی۔

"اپنی گھر پہ اتی ہیں"۔ وہ دھیرے سے کہہ گیا۔

"باہر پولیس پکڑ لیتی ہے؟" اس نے تعجب سے سر اٹھا کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"پکڑ تو خدا ایک پولیس والے نے تیری ماں کو — آ — ہا — " خالہ جان نے اماں جی سے کہا اور

اور جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

ماحول پر یکلخت سکوت طاری ہو گیا۔

باری نے فوراً وہ گھر سطریہ کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اماں کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تیمور علی خان نے باری کا ہاتھ اپنے "مضبوط دام" میں تھام لیا۔ "آؤ بچے۔ خالہ اپنوں سے ملنے کی اتنی فکر نہیں کرتے"۔ وہ بہت آہستگی سے کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

"اماں — آپ بیٹھیں۔ میں آپ کیلئے چائے بناتی ہوں"۔

اس کے مخاطب سے اس کی ماں بوکھلا گئی۔ بہت سے بھولے بسرے لمحے اس کی نگاہوں میں گھوم گئے۔

بہت بڑی کار، مسلح وردی والے ڈرائیور، ہر طرف اس معصوم بچے کی محبت کی برسات سے بھیگ گئی۔

اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ اس بچے کی سوتیلی ماں ہے۔ کتنا پیار کرتا ہے اس سے۔ غیر بچے میں کتنے ہی اسے اجنبیت ہے"۔ خالہ نے اماں جی سے اس انداز میں کہا کہ وہ ان کی باتوں سے بے نیاز ہوں۔ سطریہ نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیا ہے۔

"کہاں چل پڑی — ادھر آ میرے پاس بیٹھ جایا کر۔ نہ جانے کہاں گھومتی ہے"۔ خالہ نے ٹوکا۔

"کسی کے پاس بھی بیٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ایک ہی بات روتی ہے سب کے پاس"۔ وہ بے دلی سے بولی۔

"بیٹے کھلے نصیب میں کر سب کو تیرا ہی تو رہنا ہے۔ کون کرتا ہے اتنا آج کل"۔ خالہ نے بہت ہی تسلی سے کہا تھا۔

"کھلے نصیب ہوتے؟" — وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"اچھا جی — ادھر آ کر بیٹھ — نہیں کریں گے ہم وہ باتیں جو تجھے بری لگ رہی ہیں"۔ اماں جی کا لہجہ پسیج گیا تھا۔

وہ آہستگی سے اٹھتی ہوئی آئی اور اماں جی کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"تھی کرو وہ ہو گئی ہے۔ اچھی عمر آخت سے گذار یا کر"۔ اماں جی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

اسی دم دالان میں بڑی تیز خوشبو سی آئی۔

"پالیں سب ملازم کہاں چلے گئے۔ تیمور کہاں ہیں؟ اپنے کمرے میں بھی نہیں ہیں۔ ان کا سامان آیا ہے"۔ وہ بلند آواز میں پریشان نظر آ رہی تھی۔

"وہ تو اپنے باپ کے ساتھ گھومنے گیا ہے۔ کس کا سامان ہے؟" اماں جی نے بہو کی شکل دیکھ کر جواب دیا۔

"اماں جی! خان کے کسی دوست کا ہوگا اور کس کا ہوگا"۔ خالہ نے اسے بے نیازی سے کہا۔

"ہاں تو کس کا سامان ہے کیا ہے"۔

"کب تک آنے کا کہا ہے؟" بارگین کی لگر مدل پھیلانے نہ دیں۔

سلمیٰ نے جوک گران کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔

"لندن سے آیا ہوگا" اس نے سرد لہجے میں جملہ اچھالا۔

اس بار نازیہ نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ (رات کیسے ہے؟)

"لندن سے"۔ اماں جی نے ہول کر پوچھا تھا۔

"نہیں — اماں جی — لندن سے نہیں ہے"۔ وہ جلدی میں کہتی ہوئی باہر چل گئیں۔ ظاہر ہے دوسری طرف کوئی منتظر تھا۔

"ہیلو — چھوٹی دلہن آپ کے تو پیرے پر لکھا ہے کہ فون لندن سے آیا ہے۔ اور بھیا یہیں صحن میں کھڑے ہیں"۔ اس کے اندر والا دَور بھڑکنے لگے۔ آنکھوں سے تپش آنے لگی۔

وہ ہال کی صفائی کی غرض سے جھاڑن ہاتھ میں لئے اندر آئی تھی مگر فوراً ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ تیمور علی خان نہایت روانی سے انگریزی میں فون پر بات کر رہے تھے۔ اس کی آمد کا انہوں نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔ انگریزی یوں بھی اس کی سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ مگر ان کا رواں رواں اپنائیت بھرا انداز ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کس سے مخاطب ہیں۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ کسی کے کان میں سرگوشی کر رہے ہوں۔ عجیب سے رنگ ان کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ جو اس کیلئے بالکل نئے تھے۔

یہ چہرہ جو کئی بار خواب میں اسے اپنے قلب میں جھانکتا نظر آیا تھا۔ ہوش کی دنیا میں انہی رنگوں کے ساتھ کہیں اور چھپا تھا۔

وہ بے خبری کی کیفیت میں انہیں دیکھتی رہی۔

"وہ بھئی کیا نام ہے۔ گیسے۔ گمزلی ہو؟"

وہ اپنا ہاتھ یوں ہاتھ رکھ کر سرد لہجے میں مخاطب ہوئے۔

وہ چونک پڑی۔ "جی کر رہی ہوں خان۔ آپ ٹھہر کریں میرے انگریزی سمجھ میں نہیں آتی"۔

وہ دلفریب مسکراہٹ لبوں پر سجائے پلکیں جھپکانے لگی۔

"جائے کیوں تیمور علی خان جھنجھلا کر رہ گئے۔ مگر کچھ مزید بولے بغیر وہ پھر فون میں مصروف ہو گئے۔

"لو — لو — ڈارلنگ — ڈیئر میٹ — کتنی نیو پلیز — ہوں — ہوں — یس"۔

وہ کسی گہرے میں پھنسا تھا۔ اس نے چادر، بستر کی ادھ کام ادھورا چھوڑ کر باہر آ گئی۔

"ملازمہ — تیمور کو دیکھا ہے کہیں؟" سامنے ہی اسے یاور علی خان مل گئے۔ بہت زبردست سونگھ کر رکھی تھی۔

"خان ہال میں ہیں۔ لندن بات کر رہے ہیں"۔ وہ بے نیاز لہجے میں بولی۔

"اوکے — وہ دیکھو ایک آپ چائے میرے کمرے میں بھجوا دو۔ اور ہاں"۔

وہ رکنے کے لئے قریب کھڑے تھے۔ بس سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ بھی سے کہہ رہے ہیں۔

"جی — خان"۔ وہ جھاڑن ایک طرف ڈال کر فوراً ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ کچھ چاہتے تھے۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

ماہلی نے اس سے بہت کم باتیں کیں مگر اتنا تو سمجھ آتی تھی۔ اسے بتا گئی تھی۔ جانے اس کہاں کہاں کا پتہ تھا۔

ایک خوبصورت مرد کے ساتھ شادی شدہ زندگی گزارنے کے بعد وہ اس قسم کے مرد سے بہت جلد متاثر ہو جاتی تھی۔ فرحان نے اسے ہر قسم کے جذبوں سے روشناس کیا تھا۔ ایک عجیب سا ملال اس پر طاری تھا۔ اس نے بہت احترام سے چائے لانے کی حامی بھر لی۔ یاور علی خان چائے میں گڑ کو بہت پسند کرتے ہیں۔

اس نے قہوے میں گڑ کا ٹکڑا کوٹنے کی بات میں اضافہ کر دی تھی۔ اور اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

یاور علی خان صوفے پر بیٹھے کوئی فائل دیکھ رہے تھے۔ وہ کافی بہت پر جھک کر چائے رکھنے لگی۔

"چھوٹی دلہن کیا بازار گئی ہوئی ہیں خان؟"

اس — ہاں — شاید — پتا نہیں"۔ وہ اپنی مصروفیت کے دوران قدرے چونکے۔

"آپ کو نہیں پتا؟" وہ عجیب سے مسکرائی۔

"وہ خود حویلی میں بہت مصروف رہتی ہیں۔ پتا ہے"۔ وہ اسی انداز میں گویا ہوئے۔

"جی آپ کے ساتھ تو وہ کمی نظر آتی ہیں۔ مجھے سے خیال میں تیمور علی خان سے ان کا اخراج زیادہ ہے۔ اسی لئے ہر لمحہ ان کے ساتھ رہتی ہیں"۔

وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ ان سے مخاطب تھی۔

"ہوں — یہ تو ہے"۔ انہوں نے اسی مصروف انداز میں تائید کی۔

"ایک دن کہہ رہی تھیں کہ تیمور خان اس گھر میں نہ ہوتے تو حویلی میں رہنے کا کوئی مزا نہ ہوتا۔ وہ بچے تھے، یا وہ ہیں اور باتیں بھی بہت اچھی کرتے ہیں۔ پھر بولیں۔ کاش حویلی کے سب مرد تیمور خان جیسے ہوتے"۔

اس نے چائے کا کپ یاور علی خان کے سامنے رکھتے ہوئے سادگی سے بتایا۔

"ہوں"۔ یاور علی خان کے لہجے میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"اماں جی سے کہہ رہی تھیں کہ باہر تو بس بزرگ رہتے ہیں۔ بوڑھے کھانسی اور بلغم"۔

وہ چائے کہتے کہتے رکی۔ "اگر ان کی شادی تیمور خان سے ہو جاتی تو جوڑا بہت سیٹ بنتا"۔

"شٹ اپ — وات اے نان سینس"۔ یاور علی خان نے فائل صوفے پر پٹخ دی۔ "اتنی بڑی ہو چکی ہو تمہیں ابھی تک بات کرنے کی سینس نہیں ہے کہ کس سے کس طرح کی بات کرنا چاہیے۔

اس دایا دیوی کو بھیجو ادھر کرتا ہوں اس کا بھی دماغ سیٹ"۔ یاور علی خان یکدم مشتعل ہو گئے تھے۔ "ان لوگوں کی اتنی ہمت"۔

حیرت کی بات تھی کہ ان کے طیش کا اس پر کوئی اثر نہیں تھا۔ ایسی سکون کی کیفیت میں تھی جیسے کوئی بات ہی نہیں تھی۔

"ہاں تم یہاں سے جا سکتی ہو"۔ وہ اسی انداز سے بولیں کہ رہے تھے۔

"خان ... حویلی کے سارے نوکر سب سے زیادہ آپ سے پیار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ ادھر بہت کم ہوتے ہیں۔ نوکروں کو بہت کم ملاتے ہیں۔ کسی کو کچھ نہیں کہتے"۔ وہ اٹھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اچھا بس جاؤ"۔

"خان آپ غصہ نہ ہوں۔ مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔ ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں کہ آپ کو مفت میں پریشان کریں۔ بھلا آپ تیمور خانوں سے پوچھ لیں۔ وہ کبھی بھی شیخ رفیع کی لڑکی سے شادی نہیں کریں گے۔ بلکہ آپ لوگ اگر فلپین کیا کیا پاکستان کے بادشاہ کی لڑکی سے شادی کریں تب بھی نہیں کریں گے"۔ وہ یہ کہہ کر رکی نہیں بلکہ تیزی سے باہر نکل آئی۔

"بیسٹرڈز آل لٹریری گرل۔ اتنا بھی نہیں پتا۔ پاکستان میں بادشاہت نہیں"۔ انہوں نے جھلا کر کاغذات سمیٹنا شروع کر دیئے۔

ہال کمرے میں عجیب شور و غل مچا ہوا تھا۔ روشن آرا بیگم کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔ پشاور سے بھی اماں جی کے بھتیجے مہمان آئے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے گھر میں غیر معمولی چہل پہل تھی۔ کچن میں بھی خاص اہتمام تھا۔ عالم تاب اور اماں جی گاہے بگاہے کچن میں بھی چکر لگا لیتی تھیں۔ یاور علی خان شہر سے آئے تو بہن کی آمد کا سن کر سیدھے ہال میں ہی چلے آئے تھے۔

نازنین ... اماں جی کے دوپٹے پر کروشیے کی بیل بنا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ باتیں بھی چل رہی تھیں۔

"یہ تیمور پتے پر ہاتھ ہی دھرنے نہیں دے رہا۔ اب تم بھیجو بھاوجی کو کراسے گھر۔ شیخ رفیع کے گھر والے بھی کئی بار جتا چکے ہیں کہ ان کی لڑکی کے بہت پیام آ چکے ہیں۔ وہ لوگ جلد کوئی فیصلہ کرنا چاہ رہے ہیں"۔ اماں جی نے روشن آرا سے کہا تھا۔

"ارے چھوڑیں اماں جی۔ ایک سنت میں سمجھائیں گے انہیں۔ فکر ہی نہ کریں۔ مگر وہ ہیں کہاں؟ بلوائیں انہیں ذرا دیکھیں کیسا تماشا کھاتے ہیں آپ کو بھی"۔

روشن آرا کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔

"ارے رو پاڑیوی۔ دیکھنا تیرے چھوٹے خان کدھر ہیں؟ کہنا گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں"۔

اماں جی نے روپا لیوی کو برتن اٹھا کر باہر جاتے دیکھا تو ساتھ ہی نیا کام بتا دیا۔

"ان کے انداز کچھ اور کہہ رہے ہیں بلا وجہ سنت کر رہے ہیں آپ لوگ"۔ نازنین نے دھاگے کا ٹوٹا ہوا آلہ سمیٹتے ہوئے کہا۔

یاور علی خان نے لاشعوری طور پر نگاہ ایک لمحے کو نازنین کے چہرے پر جما دی تھی۔

"ارے یوں نہ کہو اماں جی کی تو جان اٹکی ہوئی ہے شیخ رفیع کی لڑکی میں"۔ عالم تاب نے ٹوکا۔

"تم سے بھلا کب اس نے کچھ کہا ہے؟ کہاں کی پریشانی ہو گئی تمہیں"۔

"کہنے تو وہ کسی سے کچھ نہیں ہیں۔ آپ تو خیر ابا سے دبتے ہیں۔

نازنین کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ یاور علی خان کی طرف مسلسل دیکھ کر کہے جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد تیمور علی خان اندر داخل ہوئے۔ بہت اطمینان سے ... [illegible]

"آؤ ... آؤ ... تیمور کہاں ہو تم۔ مہمان آئے ہوئے ہیں [illegible] ہے"۔

عالم تاب نے ہمیشہ کی طرح بہت محبت سے تیمور علی خان کا استقبال کیا۔

"سیدھی سیدھی بات کریں بھائی جان سے۔ ارے بھئی ضرورت کیا ہے ..." وہ کہتے کہتے بھائی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"جی۔ کون سی بات؟" تیمور خان کے پہلو میں بیٹھ کر وہ جوتیوں میں الجھ رہے تھے۔

"آپ کی مشکل کی وجہ ادا کرنے والے ہوتے ہیں یہ سب۔ بس چلے گا تو ..." [illegible] ہیں۔ اب تو آپ بھی ... [illegible] دیجئے"۔

یاور علی خان بغور بھائی کی [illegible] دیکھتے ہوئے بغور مسکرا رہے تھے۔

"مشکل؟" تیمور علی خان کو کچھ شک سا ہوا تھا "وہ بات"۔

"کیوں اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ یا لوگوں کی مشکلیں دور کرنا مطلب ہے مشکل کرنا ہوتی ہے"۔ یاور علی خان نے حیرت کا اظہار کیا۔

"بیٹی ... آپ بھیجئے کریں۔ بالکل بھی ابھی آپ لیں ہے"۔ تیمور علی خان کے لہجے میں بلا کی ہراسانی تھی جیسے انہیں درحقیقت اس قسم کے موضوع سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

"تو اسی کا آپ کیلئے تو آپ کو یہاں بلوایا گیا ہے"۔ نازنین کے چہرے پر شرارت کھیل رہی تھی۔

تیمور علی خان کے چہرے سے یکدم سنجیدگی جھلکنے لگی۔

"سوری ... فی الحال ہم اس بارے میں آپ سے بات کرنا پسند نہیں کریں گے۔ کوئی اور بات کریں آپ لوگ"۔ وہ غیر معمولی سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔

"اور ... کیوں اور بات کریں۔ ہم نے تمہیں یہاں بلوایا اس لئے ہے کہ تمہیں بتا سکیں کہ کل ہم سب شیخ رفیع کے ہاں جا رہے ہیں۔ اور بس"۔ اماں جی کا انداز قطعی فیصلہ کن تھا۔

"ہرگز نہیں ... فی الحال ہم لندن واپس جا رہے ہیں۔ اور شادی مشکل کا دور دور تک پروگرام نہیں۔ آخری بات کے طور پر اماں جی آپ سے عرض کر رہے ہیں۔ آپ کے سٹے والوں میں کہیں کوئی لڑکی ایسی نہیں جس سے ہم شادی مشکل کریں۔ پلیز"۔

"خوامخواہ ہے۔ نازنین جیسی انگریزی بولتی ہے۔ بڑے خاندان کی ہے اور گون پسند آتی ... ان سے ہر طالب کے پاس ... گے اور اگے اس میں؟"

اماں جی کا خواب بکھرا ہوا تھا جسے ان کا لہجہ فرش پر گرانے لگا۔ انہیں جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

یاور علی خان کی سوئی ہوئی غیرت جیسی جاگی ہوئی تھی۔ حالانکہ کوئی بات بھی تو نہیں تھی۔ اس سے پہلے وہ اور ان میں کبھی بات ہوئی تھی۔ مگر وہ آج بات بات پر بھڑک رہے تھے۔ انہوں نے وہ گرہیں انگلیوں پر گن ڈالی تھیں۔ جو ان کے ساتھ گزری تھیں۔ اور وہ بھی جو زمین کی تہہ کے ساتھ گزری تھیں۔ انہیں از سر نو یاد کیا تھا۔ جب از خود ان کے گھر میں موجود ہونے کے باوجود تہمد کے ساتھ جیسی باتیں کر لی گئی تھی۔ مطلب — اس نے زندگی میں کوئی غلط بات نہیں کی ہوگی۔ کم از کم ان سے تو ہرگز بھی نہیں۔ اتنی ڈرپوک، بزدل لڑکی۔ اتنی بڑی بات بڑا بہ کیسے منہ سے نکال سکتی ہے۔ ان کی واحد جائے پناہ یہ حویلی ہے۔

"اچھا تو یہ شرما ہے کیا کہ تمہاری بہن بالکل پھوپی جیسی ہو جانی چاہیے"۔ روشن آرا نے احتجاج کیا۔

"ان کے جیسی تو شاید ہی کوئی ہو۔ مشرق کا نادر نمونہ۔ جب دیکھو سیر و زلی کام کا سوٹ پہن کر گھر کی صفائی کر رہی ہیں تو بس دیکھنے والی چیز ہوتی ہیں"۔

تیمور علی خان نے اپنے مزاج کے مطابق بہت کھل کر اپنے تاثرات بیان کئے۔

سب خواتین کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔ "میرے خدا دن سیر و زلی کام کا سوٹ"۔ عالم آب کی بھاوج شفیق جس پر لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔

"آپ کوئی تبصرہ نہیں کریں گے یاور بھائی! آپ کی تکلیم کی تعریف میں زمین آسمان ایک ہو رہے ہیں"۔ روشن آرا نے سوچ میں گم یاور علی خان کو چونکایا۔

"ایسا تو بہت عرصے سے ہو رہا ہے۔ شاید ہم لوگوں نے دھیان نہیں دیا"۔

"ہماری چھوڑیے اپنی کہیے۔ آپ نے واقعی نہیں دیا ہوگا۔ آپ کو اپنی کتابوں سے فرصت کہاں۔ کتابیں سامنے ہوں تو آپ بندوں سے گزر جاتے ہیں"۔

روشن آرا نے تنقید کی۔ یاور علی خان کا جملہ درمیان ہی میں کٹ گیا تھا۔

"واہ آپا — کیا شاعرانہ ذہن میں جملہ کہا ہے"۔ تیمور علی خان نے بے ساختہ داد دی۔

"اچھا تم باتیں نہ بناؤ۔ ہمیں چلانا۔ سیدھی بات کرو۔ کیوں منع کر رہے ہو۔ کیوں نہیں کرنا چاہتے شادی"۔ اماں جی بر درمیان میں در آنے والی تیسرے بازی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ان کا ذہن ہنوز ایک نقطے پر اٹکا ہوا تھا۔

"کہہ تو دیا ہے اماں جی۔ ابھی نہیں کر رہے ہم شادی۔ جب کرنا ہوگی ہم خود کہہ دیں گے"۔

"پھر کب کرو گے۔ اچھی لڑکیاں اتنی آسانی سے بھی نہیں ملتیں۔ اپنی بہنوں بھاوجوں سے پوچھ لو۔ دیکھی بھالی ہے انہوں نے۔ کیوں زلی؟" انہوں نے محسوس کیا کہ سب سے مضبوط گواہی زلی ہی کی ہو سکتی ہے۔

"یاور علی خان نے فوراً زمین کی سمت دیکھا۔ وہ خاموش تھیں اور یاور علی خان کو اس کی خاموشی پر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔

"ہمارا ارادہ ابھی شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ سوری۔ آئیم"۔ انہوں نے اس مرتبہ پھر دو ٹوک انداز اختیار کیا۔

"اوہ جی — یہ بات تو کرنا بھول ہی گئے ہیں"۔ عالم آب کی بھاوج شفیق نے [illegible] دوبارہ اٹھانے کی کوشش کی۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے"۔ یاور علی خان چونک کر بھائی کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"آپ بھی جو مرضی کہیں مگر شادی کا نام نہ لیں"۔ ان کا لہجہ آل ہو رہا تھا۔

"نہیں — ہاں نہ کریں گے۔ بڑی خوشی ہے ہمیں۔ ایسے نہیں کرتے"۔

اماں جی کی آواز میں صدمے کی کیفیت محسوس کی جا سکتی تھی۔

"اماں جی ہو جائیں گی آپ کی خواہشیں پوری۔ فی الحال ہماری خوشی کی خاطر یہ صدمہ [illegible]"۔ روشن آرا نے [illegible] گو ہوئے۔

"اللہ کریں"۔ اماں جی بڑبڑانے میں مصروف ہو گئیں۔

"جی"۔ تیمور علی خان کے انداز میں طنز اور اطمینان واضح تھی۔ یاور علی خان بہت بے آبرو ہو کر گھر سے نکلے تھے۔

"چلو ٹھیک ہے۔ فی الحال معاملہ تو سلجھ گیا ہے۔ مگر تیمور صاحب کے لئے تو کسی نہ کسی شادی کا بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔ ایسے کیسے نہیں ہے؟"

انہوں نے بہت رازداری سے تیمور علی خان سے سوال کیا۔

"ماشاء اللہ ہم اتنے سین بھائی ہیں۔ سب ہی کی شادیاں ہو چکی ہیں اور دھوم دھام سے ہوئی ہیں۔ ہم کریں تو کیا کریں ہے۔ شادی تو انسان کی اپنی ذات کیلئے ہوتی ہے۔ جب ہمارا موڈ ہی نہیں ہے تو پھر مسئلہ کیا ہے؟"

بہت ہی پیچیدہ اور عجیب و غریب جواب تھا۔

"شادی کا موڈ سے کیا تعلق ہے؟ ماں باپ کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ وقت پر اپنے بچوں کے فرائض سے سبکدوش ہو جائیں"۔

اماں جی کے لہجے سے شدید قسم کی ناراضگی کا اظہار تھا۔

"آپ نے تو ناراض ہونے کا اہتمام کر کے اپنا فرض پورا کر لیا۔ آپ نے تو اپنی طرف سے فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اب تو یہ اور اہم ہے یا یہ اہم ہو گیا ہے۔ آپ پر تو کوئی الزام نہیں ہے۔ پھر آپ کیوں فکر کرتی ہیں آپنچی اماں جی۔ آپ اختیار کیوں نہیں دے دیتیں"۔

تیمور علی خان نے ماں کے ہاتھ تھام کر گویا انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"اختیار چھننے کی ضرورت نہیں میرے سامنے۔ میں نہیں آنے کی تمہاری باتوں میں"۔

انہوں نے ناراضگی سے منہ موڑ لیا۔

"اماں جی کبھی بھی کوئی بات حتمی طریقے سے نہیں ہوتی۔ گنجائش ہوتی ہے۔ وقت ہے۔ کہیں اماں جی"۔ تیمور علی خان

نے پھر ماں کو منانے کی کوشش کی۔

''کوئی خیال نہیں ہے تمہیں میرا۔ بس اپنا ہی سوچا ہے تم نے''۔ ان کی ناراضگی اتنی آسانی سے کیسے ختم ہو جاتی تھی۔ ایسا وہ انسان جس کی ہر امید اسے پوری کی اور اس کیلئے تو خلاف امید کچھ ہو جانا سانحے سے کم نہیں ہوتا۔

''آپ سمجھائیں ناں اماں بھائی پلیز''۔

''سمجھ وہ لیں گے مگر یہ ان کا فیصلہ ہے۔ سو صولہ''۔

یاور علی خان کی ذہنی کیفیت اعلیٰ درجے کے انتشار سے دوچار تھی۔ وہ ''سب اچھا ہے'' سننے کے عادی تھے۔ انہیں کچھ سننے کی آرزو تھی۔ وہ یہ خوفناک اکھاڑ پچھاڑ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں عادت تھی کہ ''سب اچھا ہے'' بھلے سے اندر جو بھی ہو جائے اور وہ مطربہ کو ہر حال میں گوارا کیے رکھتے۔ انہوں نے بہت اچھی امید کے ساتھ بھائی سے یہ جواب وصول کیا تھا۔

تیمور علی خان نے ایک لفظ کو نازنین کی سمت نظریں اٹھائیں۔ ''سوری ابھی ہم کوئی ریزن نہیں دے سکتے''۔

یاور علی خان کے دل میں کچھ ہوا۔ وہ ایک دم اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''جو ہونا ہے وہ ہو جائے گا۔ سب ایک روز سامنے آ جائے گا آپ لوگ کیوں بے کار کی ہٹ کر رہے ہیں''۔

وہ تیکھے انداز میں کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

تیمور علی خان اور نازنین ان کے اس انداز پر چونک سے گئے تھے اور خاصی حیرت سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا۔

آج وہ سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہے تھے۔ حال ہی میں انہیں یہ لت لگی تھی مگر آج تو چین اسموکر بنے ہوئے تھے۔

اسی اثنا دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ کسی وہمیان سے چونک پڑے۔

نازنین تو نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی خواب گاہ میں دستک دے کر کیوں آنے لگی۔

''یس۔۔۔ کم ان''۔ وہ دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔

دروازہ کھلا اور مطربہ اندر داخل ہوئی۔

''خیریت''۔ وہ بہت عرصے بعد ان کے بیڈ روم میں بن بلائے داخل ہوئی تھی۔

''جی۔ سب کیلئے چائے بنائی تھی۔ خیال آیا کہ آپ تو رات دیر تک لکھنے پڑھنے کا کام کرتے ہیں۔ آپ کو بھی پلا دوں

''

''ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے لے آؤ''۔

''وہ واپس مڑ گئی۔

''مطربہ''۔ انہوں نے بے ساختہ انداز میں آواز دی تھی۔

''جی خان؟'' وہ پلٹی۔

''تم ہی بنا لو نا یہیں کیا کر رہی ہیں؟''

''وہ''۔ ایک لمحے کو وہ بوکھلا سی گئی۔

''ہاں۔۔۔ وہ مجھے نازنین کے ساتھ کچھ کام نکل آیا تھا۔ بہت دیر ہو گئی۔ میں اکثر یہیں رک جاتی ہوں۔ اب کیا آپ کہیں تو نہ رکوں؟''

''ٹھیک ہے چائے پلائیے۔ اس وقت؟

''نہیں کوئی ضرورت نہیں۔ ٹھیک ہے تم جاؤ اور ہاں سنو''۔ انہیں کچھ یاد آیا۔

''جی''۔

''اپنی لوگ سو گئے؟''

''نہیں سب جاگ رہے ہیں۔ اماں کی اپنے کمرے میں لڑائی ہو رہی ہے''۔

''اچھا ٹھیک ہے''۔ وہ سگریٹ کا کش لینے لگے۔

مطربہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

''باؤ جی جواب لینے کیلئے چکر پہ چکر لگا رہی ہے۔ دو بجے آئی تھی۔ ساڑھے تین بج گئے ہیں اس کی آنکھ کھلی نہیں آ رہی''۔

اماں جی آج خود حویلی چل کر تیمور کے کمرے میں آئی تھیں۔

مطربہ نے نازنین کو بھی دیکھ لیا تھا اور اماں جی کو بھی تیمور کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے۔ کیا لیا قوار نے اسے بتایا ہوگا۔ وہ اسے کان لگا کر کھڑی ہو گئی تھی کہ آخر اسے اپنی اوقات اپنے اختیار کی حد دیکھنا تھا۔

''ایک نان سینس لڑکی کو آپ نے اور سر چڑھا لیا ہے۔ نہ اسے بات کرنے کا سلیقہ ہے۔ نہ اسے جانے آپ پٹھان کو مہمان داری کے آداب سکھا رہے ہیں۔ اسے تمیز سکھانے کا کہہ دیں۔ ایٹ ہز اوپنین آل''۔ وہ جھلا کر گویا ہوئے۔

''یہ انگریزی میں انہیں آسان لگ رہا ہے۔ اردو میں اتنا آسان نہیں ہے''۔

اماں جی کی جان جل کر رہ گئی تھی۔ جھلا کر بولیں۔

''اور ہم اماں جی۔ آپ خیر ضروری حد تک گائڈ بالڈ ہیں۔ میرا مطلب ہے ہر ہم ہیں۔ کیا کرے گی جب اس نے تمام چھٹ گیوہ ہو جائیگے اور اول ایٹ ہوسلیز''۔

''اندر کا اسطلب تیور۔ میرے کانوں میں انگارے اترتے ہیں۔ اس مردار انگریزی سے۔ اس سے تو بہتر ہے تم مجھ سے مقامی بولی میں بول لیا کرو۔ تمہیں کم میری سمجھ میں تو آتی ہے''۔

''سوری اماں جی۔ ہمارا مطلب ہے آپ ان کو ترجمہ کر دیں اور پٹھان سے کہیں زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں۔ خاموشی سے جواب دیں گی وہ واپس لے آئے''۔

''اور جو میں اقتصہ ہوا ہے''۔ اماں جی کا لہجہ ہنوز یہیں اٹکا ہوا تھا۔

"شوٹ کر دیں گے ہم اسے۔ اسے اپنے بچے کی فکر نہیں ہے تو کیا ہم اس کی فکر کریں۔ یہ جیل جائے گا تو ہمارے ساتھ اچھا کیا تھا یا برا۔ اور وہ جو اس کی ماں ہے۔ اگر اسے ہم الگ کر دیں تو "لاوارث" بچے کی پرورش یوں بھی اس کا بگڑا ہی کیا ہے۔ بچہ ہے تو وہ کون سا اس کا اپنا ہے"۔

"خیر یہ تو تمہاری بات ٹھیک ہے۔ مگر ایک سوچ یہ آتی ہے کہ اللہ جانے وہ اور اس کی ماں اس سے پہلے کتنے کتنوں کو اولاد سے محروم کر چکے ہوں۔ اور وہ بددعا ہمیں کہہ رہی ہو"۔ اماں بی کا انداز ابھی تک فیصلہ کن نہیں تھا۔

"ہم آپ کو کہہ رہے ہیں ناں۔ چلیے۔ ہم خود بابا صاحب سے بات کرتے ہیں۔ وہ خود کہہ دیں گے پھر تو آپ۔ اب آپ پرسکون ہو جائیے اور ان سے ہر قسم کا بوجھ اتار دیجیے۔ چلیں ان سے کہہ دیجیے کہ بابا صاحب خود ہی لیں گے وہ اب زحمت نہ کرے۔

"آیئے۔ بہت دقت ہوتی ہے ہمیں دیکھ کر کہ ایک خوامخواہ کی پریشانی میں مبتلا ہیں آپ۔ آپ چلیے اپنے کمرے میں ہم بابا صاحب کے پاس جا رہے ہیں"۔

مطربہ فوراً دروازے سے ہٹ کر سیڑھیوں کی طرف بھاگی اور بھاگتی ہوئی سیدھی باغ میں اترنے لگی مہتابی کو لیے لیتے گی۔

"بچے کو نکاح ہو گا میرا۔ اس سیک سلائی بڑھاکو کے ساتھ۔ بچے کے ساتھ راتوں کو میں نے محفل لیلیٰ فرماؤں اور میرا نکاح"۔

بہتا تیز سانس چل رہا تھا اس سے ہزار گنا تیز اور دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔

"اب میں اپنے دل کے ساتھ زور زبردستی نہیں ہونے دوں گی۔ اب کسی کے پہلو میں بیٹھ کر میں تمہیں نہیں بھلاؤں گی علی خان۔ اب یہ نہیں ہو گا کہ کوئی قریب ہو اور میں تمہاری خوشبو محسوس کروں۔ تم چاہے دل ماں کے احساس دلاتے رہو تو پھر میرے کیا لگتے ہو؟

اس بچے کو تمہارا نکاح ہو تو کیا خوب تماشا ہو۔ دل صرف جاگیردار علی کا ہوتا ہے۔ اب یہ کچھ نہیں ہو گا۔ جو ہونا تھا وہ ہو

"۔

ایک ان دیکھی آگ کے شعلوں میں وہ جل کر خاک ہو رہی تھی۔

"تم — اس وقت؟" یاور علی خان نے چونک کر گھڑی دیکھی۔

"علی خان — آپ کو دیکھنے آئی تھی۔ آپ بھی چھوٹی دلہن کا انتظار کر رہے ہیں"۔ وہ دروازے کے قریب

تھی۔

یاور علی خان جواباً خاموش رہے۔

"خان — آپ بہت اچھے ہیں۔ بہت نیک آدمی ہیں۔ مجھے بھی آپ کے ساتھ اس زیادتی کا دکھ ہے"۔

سے کہہ رہی تھی۔

"کون سی زیادتی"۔ وہ چونکے۔

"چھوڑیں۔ اب آپ کے ساتھ یہ کیسی کر رہا ہے۔ کیسے ایک سے ایک ہی کمسن لڑکیاں لے آتا ہے۔ آپ کو اس سے جدائی ہے۔ سچے رشتوں کی بات ہے"۔ مطربہ کے انداز میں تاسف تھا۔

"یا کہہ رہی ہو؟" یاور علی خان کا ضبط جواب دے گیا۔

"آپ بہت غصہ کرتے ہیں خان۔ میں تو بس آپ سے اس لیے ملنے آئی تھی کہ آپ کے ساتھ یہ زیادتی برداشت ہی نہیں کر سکتی۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں بوڑھی خالی اماں ہوں۔ آپ مجھے بھول رہے ہیں۔ میں بھولی نہیں ہوں۔ آپ کو یاد دلاتی رہوں گی۔ اور مجھ سے جو پوچھیں گے میں اس دنیا کے سامنے بھی آپ کو جواب دوں گی"۔ یاور علی خان۔ ایک لمحے کی کیفیت میں اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔

"آپ چاہیں تو ابھی بلوا لیں۔ میں یہیں ہوں آپ کے کمرے میں"۔ وہ بہت سادگی سے کہہ رہی تھی۔

"میں اب بھی تمہاری بات نہیں سمجھا"۔ یاور علی خان کی شریانوں میں طوفان برپا تھا۔

"سمجھو تو آپ گے ہیں خان۔ مگر آپ کو یقین نہیں آ رہا۔ اور آ بھی کیسے سکتا ہے۔ یہ کوئی چھوٹی ہی بات تو نہیں ہے۔ آپ ان دونوں کو ابھی میرے سامنے بلوا سکتے ہیں"۔

اتنی بڑی بات۔ یہ سب تھا ہی کیا۔ سادہ سا کرنے کو تیار تھی۔ ان کی ہستی اختر کیسے فنا ہوئی۔

"کیوں کر دی اتنی بڑی یہ سب؟" وہ بہت تھکی تھکی آواز میں پوچھ رہے تھے۔

"اس لیے کہ آپ بہت اچھے ہیں۔ کسی کو کچھ نہیں کہتے۔ میں آپ کی سب سے زیادہ عزت کرتی ہوں۔ اس لیے برداشت نہیں ہوا یہ سب"۔

"کیا ہو گی ہو تم — تم یوں بھی خاصی بے وقوف لڑکی ہو"۔ وہ خود کس اچھی اس میں ہنسے تھے۔

"بے وقوف ضرور ہوں خان۔ مگر چھوٹی سی بچی نہیں ہوں۔ شادی کی تھی آپ لوگوں نے میری۔ ایک محفل آرائی کے ساتھ"۔ وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"تمہیں کیا حاصل ہو گا اس بیوقوفی سے؟" وہ دکھ سے پوچھ رہے تھے۔

"ایسا پاگل برداشت کی بات ہے۔ مجھ سے نہیں ہو پا رہا برداشت۔ مجھے پتا ہے تھوڑا خان مجھے گولی بھی مار سکتے ہیں۔ میں یہ سب آپ کو بتانا نہیں چاہ رہی تھی۔ میں نے تو آپ کو موقع دیا کہ آپ خود دیکھ لیں سب۔ مگر اور میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتی ناں خان"۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔

"نہیں خان۔ یہ کوئی بڑی بات ہے۔ اگر غلط بات ہوئی تو تم بتا رہی ہو گی۔ تمہیں میری آواز سے یقین آ جائے گا۔ مگر خان کچھ بہت سادہ سے واقعات اس تمام ہوتوں کے حق میں ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔

"ٹھیک ہے ناں خان۔ مجھے ہرزا معلوم ہو گی"۔ وہ بولی۔

یاور علی خان تو جیسے کہاں چلے گئے۔ ایک ذات سے قہقہے لگانے والی لڑکی ایک دم اتنی غمزدہ کیسے ہو گئی۔ یہ تو بہت سادہ اور معصوم لڑکی ہے۔ درحقیقت جو کچھ وہ کہہ گئی وہ کوئی بے وقوف ہی کہہ سکتا ہے۔ اور نہ جانے انہوں کی ہمت کیسے ہو گئی اپنے بااختیار لوگوں کے سامنے ایسی حقیقت پیش کر سکیں۔ بوجھ ہونے کے باوجود انہیں نکال نہیں بھیجا گیا ہے۔

"صنم"۔ یاور علی خان نے اسے مخاطب کیا۔

"جی خان"۔

"آئندہ — ہم سے اس قسم کی بات نہ کرنا۔ ہم میں جتنی برداشت ہے وہ ہم کر چکے۔ مگر ہو سکتا ہے ہم آئندہ برداشت نہ کر سکیں اب تم جاؤ"۔

وہ ان کے تیور دیکھ کر ایک لمحے کو واقعی خوفزدہ ہو گئی تھی اور جلدی سے باہر نکل گئی تھی۔

"آپ کیوں پریشان ہیں خیر آباد؟" نازنین نے کوفت بھرے انداز میں یاور علی خان سے پوچھا۔

"نہیں — نہیں کا مطلب نہیں ہوتا ہے نازنین"۔

"دیکھیے اماں جی۔ یہ کراچی بھی نہیں گئے تھے میرے ساتھ۔ دو دن کی تو بات ہے۔ آپ کیسے ہاں نہیں"۔ اس نے انداز میں لڑکپن سے اصرار تھا۔

"چلے جاؤ یار۔ ہر وقت اپنی نہیں کرتے"۔ اماں جی نے بھی بھولا دل رکھا۔

"مجبور ہو رہے ہیں ناں — بس ٹھیک ہے"۔

"یہ لیجیے۔ آپ آپ ہیں' مجبور ہیں۔ ہم آپ کو مجبور نہیں کرتے تو اس کا مطلب ہے آپ ہاں اماں جی پر پلے جائیں"۔ وہ مسکرائی۔

"مطلب اماں جی کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اور ان کی محبت سے دیوانہ نظر آ رہی تھی۔

"دل اور سادہ ہو جاتا ہے۔ ادھر ادھر سیر تفریح کرنے سے۔ یہ بچہ حالی تو بہو کی سوت دار بھی ہے تم لے"۔ اماں جی نے قدرے مذاق سے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے اماں جی — ان کی سیر و تفریح پر ہماری غیر حاضری سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں انہیں تو سمجھا کر رہا"۔ وہ بہت بے دلی سے کہہ رہے تھے۔

"ٹھیک ہے پھر میں نہیں جا رہی"۔ نازنین کا موڈ آف ہو گیا۔

"بیٹے۔ بہو دوسرے دل سے ہے' کیوں جان جلاتے ہو اس کی۔ ایک دو دن سے ہو کیا جاتا ہے"۔ اماں جی نے سمجھانے کا سا انداز تھا۔

"میری اور ان کی ملاقات ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ رات کو ہوتی ہے۔ چھ گھنٹے یہ رات کو سوتی ہیں اور دو گھنٹے ادھر کو باقی رہے چودہ گھنٹے یہ کہاں صرف ہوتے ہیں۔ یقیناً خوشگوار ہی بسر ہوتے ہوں گے"۔

"تو — ہاں چودہ گھنٹے بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ کیا مسئلہ ہے۔ بیٹے فرحانہ کے ساتھ ہی جا کر کرے"۔ اماں جی تو جیسے کے ساتھ اعتماد اور بھروسہ چھن جانے کا اور پھنسنے کا احساس بھی جیسے ان کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ سب کے سامنے یہ سب کتاب کھلا نہیں تھا۔

"نہیں جانا تو نہ جائیں مگر اس طرح سب کے سامنے اسٹینڈ لے کر بات نہ کریں"۔ وہ بدستور خفا تھی۔

"ہم کہیں نہیں جا رہے اماں جی — ایک کونے میں پڑے رہیں گے۔ آپ ان سے کہیے ہمیں بھی اپنے ساتھ ہی کہیں سرکاری گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرا لیا کریں۔ کرسی بھی کافی ان کے بدن سے بڑا ہو جائے"۔ وہ ناراضگی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

دروازے پر بیل ہی اسٹک ہوئی اور وہ دروازہ کھولنے چلی گئی۔ یاور علی خان نے چونک کر کتاب سے سر اٹھایا۔ حیرت غریب رہ گئی۔ سامنے اماں جی تھیں۔ وہ ایک دم سنبھل گئے۔

"آپ اماں جی — خیریت — مجھے بلا لیا ہوتا آپ نے کیوں زحمت کی"

"سنا ہے۔ مرد کی شادی ہوتی ہے تو بیوی کے پیچھے سب بھول جاتا ہے۔ مگر جس کو بیوی احسان نہ پہچانتی ہو وہاں اسے کہاں دھیان کرنا ہوگا۔ آگ لگے اس پر حال کو۔ تم اتنے دن سے محسوس ہونے ہو کہ لندن گیا ہوا تھا تو قریب لگتا ہے"۔

وہ شرمندہ اور خفا خفا سے بیٹھے میں ہوئی ہوں ان کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

"بہت ناراض لگ رہی ہیں؟" وہ زیر لب مسکرائے تھے اور ماں کو بہت محبت سے دیکھا تھا۔

"ناراض نہ ہوں تو پھر کیا کروں۔ کتنی معمولی بات کی تم نے چھوٹی بہن کے ساتھ۔ اس نے دل دکھایا ہے۔ کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔ سب کے سامنے اس نے اپنی بہت بے عزتی محسوس کی ہے تمہیں اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کے اور بھی بہت سے طریقے ہوتے ہیں۔ مجھے تم سے ایسی بے تکی حرکت کی امید نہیں تھی۔ وہ بہت دل پسند ہے۔ بڑے ادب سے بات کرتی تھی۔ اور کیا بات مجھے اپنی پسند کی بھی پوچھنا نہیں تھا۔ اتنی اگر مگر جو ہی چاہی ہوئی ہے مگر جو ہی کے معاملوں پر چلتی ہے۔ کہنے کو کر ہیں مگر میرے کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اپنے ہاتھوں میری تنگھی چوٹی کرتی ہے پتا نہیں کیا کیا حلاقت کی چیزیں بنا بنا کر مجھے کھلاتی ہے۔ بیٹے اگر میں اس کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہیں۔ بڑے پودے کو نکالنا ہے۔ پہلے سے تو وہ اس کا رشتہ گہرا ہو چکا ہے ہم سے۔ مت پریشان کیا کرو اسے مجھے تکلیف ہوتی ہے"۔

وہ بہت سنجیدہ تھیں۔

"جی اماں جی — اب تو سب کچھ اسی گھر سے وابستہ ہے۔ گھر آباد ہو جائے تو خاص بات نہیں ہوتی۔ دل آباد ہو بولے تو زندگی مکمل ہو جاتی ہے۔ انسان قیامت تک کیلئے پرسکون ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات دل کا معاملہ ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ انسان کی خوشی' خواہش' زندگی' دنیا' آخرت سب اس دل سے مشروط ہو جاتی ہے۔ پھر انسان کسی نفع نقصان کی پروا نہیں کرتا"۔

"ہائیں کیا زمزمہ آسمان کی جو زد رہے ہو۔ بات کیا ہو رہی ہے۔ کہاں مارا ہے ہو۔ اللہ کا شکر ہے اس کا دل تم سے آباد

یاور علی خان تو جیسے کہاں چلے گئے۔ ایک ذات سے قہقہے لگانے والی لڑکی ایک دم اتنی غمزدہ کیسے ہو گئی۔ یہ تو بہت سادہ اور معصوم لڑکی ہے۔ درحقیقت جو کچھ وہ کہہ گئی وہ کوئی بے وقوف ہی کہہ سکتا ہے۔ اور نہ جانے انہوں کی ہمت کیسے ہو گئی اپنے بااختیار لوگوں کے سامنے ایسی حقیقت پیش کر سکیں۔ بوجھ ہونے کے باوجود انہیں نکال نہیں بھیجا گیا ہے۔

"صنم"۔ یاور علی خان نے اسے مخاطب کیا۔

"جی خان"۔

"آئندہ — ہم سے اس قسم کی بات نہ کرنا۔ ہم میں جتنی برداشت ہے وہ ہم کر چکے۔ مگر ہو سکتا ہے ہم آئندہ برداشت نہ کر سکیں اب تم جاؤ"۔

وہ ان کے تیور دیکھ کر ایک لمحے کو واقعی خوفزدہ ہو گئی تھی اور جلدی سے باہر نکل گئی تھی۔

"آپ کیوں پریشان ہیں خیر آباد؟" نازنین نے کوفت بھرے انداز میں یاور علی خان سے پوچھا۔

"نہیں — نہیں کا مطلب نہیں ہوتا ہے نازنین"۔

"دیکھیے اماں جی۔ یہ کراچی بھی نہیں گئے تھے میرے ساتھ۔ دو دن کی تو بات ہے۔ آپ کیسے ہاں نہیں"۔ اس نے انداز میں لڑکپن سے اصرار تھا۔

"چلے جاؤ یار۔ ہر وقت اپنی نہیں کرتے"۔ اماں جی نے بھی بھولا دل رکھا۔

"مجبور ہو رہے ہیں ناں — بس ٹھیک ہے"۔

"یہ لیجیے۔ آپ آپ ہیں' مجبور ہیں۔ ہم آپ کو مجبور نہیں کرتے تو اس کا مطلب ہے آپ ہاں اماں جی پر پلے جائیں"۔ وہ مسکرائی۔

"مطلب اماں جی کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اور ان کی محبت سے دیوانہ نظر آ رہی تھی۔

"دل اور سادہ ہو جاتا ہے۔ ادھر ادھر سیر تفریح کرنے سے۔ یہ بچہ حالی تو بہو کی سوت دار بھی ہے تم لے"۔ اماں جی نے قدرے مذاق سے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے اماں جی — ان کی سیر و تفریح پر ہماری غیر حاضری سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں انہیں تو سمجھا کر رہا"۔ وہ بہت بے دلی سے کہہ رہے تھے۔

"ٹھیک ہے پھر میں نہیں جا رہی"۔ نازنین کا موڈ آف ہو گیا۔

"بیٹے۔ بہو دوسرے دل سے ہے' کیوں جان جلاتے ہو اس کی۔ ایک دو دن سے ہو کیا جاتا ہے"۔ اماں جی نے سمجھانے کا سا انداز تھا۔

"میری اور ان کی ملاقات ایک گھنٹہ صبح اور ایک گھنٹہ رات کو ہوتی ہے۔ چھ گھنٹے یہ رات کو سوتی ہیں اور دو گھنٹے ادھر کو باقی رہے چودہ گھنٹے یہ کہاں صرف ہوتے ہیں۔ یقیناً خوشگوار ہی بسر ہوتے ہوں گے"۔

"تو — ہاں چودہ گھنٹے بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ کیا مسئلہ ہے۔ بیٹے فرحانہ کے ساتھ ہی جا کر کرے"۔ اماں جی تو جیسے کے ساتھ اعتماد اور بھروسہ چھن جانے کا اور پھنسنے کا احساس بھی جیسے ان کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ سب کے سامنے یہ سب کتاب کھلا نہیں تھا۔

"نہیں جانا تو نہ جائیں مگر اس طرح سب کے سامنے اسٹینڈ لے کر بات نہ کریں"۔ وہ بدستور خفا تھی۔

"ہم کہیں نہیں جا رہے اماں جی — ایک کونے میں پڑے رہیں گے۔ آپ ان سے کہیے ہمیں بھی اپنے ساتھ ہی کہیں سرکاری گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرا لیا کریں۔ کرسی بھی کافی ان کے بدن سے بڑا ہو جائے"۔ وہ ناراضگی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

دروازے پر بیل ہی اسٹک ہوئی اور وہ دروازہ کھولنے چلی گئی۔ یاور علی خان نے چونک کر کتاب سے سر اٹھایا۔ حیرت غریب رہ گئی۔ سامنے اماں جی تھیں۔ وہ ایک دم سنبھل گئے۔

"آپ اماں جی — خیریت — مجھے بلا لیا ہوتا آپ نے کیوں زحمت کی"

"سنا ہے۔ مرد کی شادی ہوتی ہے تو بیوی کے پیچھے سب بھول جاتا ہے۔ مگر جس کو بیوی احسان نہ پہچانتی ہو وہاں اسے کہاں دھیان کرنا ہوگا۔ آگ لگے اس پر حال کو۔ تم اتنے دن سے محسوس ہونے ہو کہ لندن گیا ہوا تھا تو قریب لگتا ہے"۔

وہ شرمندہ اور خفا خفا سے بیٹھے میں ہوئی ہوں ان کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

"بہت ناراض لگ رہی ہیں؟" وہ زیر لب مسکرائے تھے اور ماں کو بہت محبت سے دیکھا تھا۔

"ناراض نہ ہوں تو پھر کیا کروں۔ کتنی معمولی بات کی تم نے چھوٹی بہن کے ساتھ۔ اس نے دل دکھایا ہے۔ کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔ سب کے سامنے اس نے اپنی بہت بے عزتی محسوس کی ہے تمہیں اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کے اور بھی بہت سے طریقے ہوتے ہیں۔ مجھے تم سے ایسی بے تکی حرکت کی امید نہیں تھی۔ وہ بہت دل پسند ہے۔ بڑے ادب سے بات کرتی تھی۔ اور کیا بات مجھے اپنی پسند کی بھی پوچھنا نہیں تھا۔ اتنی اگر مگر جو ہی چاہی ہوئی ہے مگر جو ہی کے معاملوں پر چلتی ہے۔ کہنے کو کر ہیں مگر میرے کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اپنے ہاتھوں میری تنگھی چوٹی کرتی ہے پتا نہیں کیا کیا حلاقت کی چیزیں بنا بنا کر مجھے کھلاتی ہے۔ بیٹے اگر میں اس کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہیں۔ بڑے پودے کو نکالنا ہے۔ پہلے سے تو وہ اس کا رشتہ گہرا ہو چکا ہے ہم سے۔ مت پریشان کیا کرو اسے مجھے تکلیف ہوتی ہے"۔

وہ بہت سنجیدہ تھیں۔

"جی اماں جی — اب تو سب کچھ اسی گھر سے وابستہ ہے۔ گھر آباد ہو جائے تو خاص بات نہیں ہوتی۔ دل آباد ہو بولے تو زندگی مکمل ہو جاتی ہے۔ انسان قیامت تک کیلئے پرسکون ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات دل کا معاملہ ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ انسان کی خوشی' خواہش' زندگی' دنیا' آخرت سب اس دل سے مشروط ہو جاتی ہے۔ پھر انسان کسی نفع نقصان کی پروا نہیں کرتا"۔

"ہائیں کیا زمزمہ آسمان کی جو زد رہے ہو۔ بات کیا ہو رہی ہے۔ کہاں مارا ہے ہو۔ اللہ کا شکر ہے اس کا دل تم سے آباد

ہے۔ ایک عمر شہر میں گزارنے کے بعد وہ یہاں ہم میں رہ رہی ہیں اس طرح جیسے ہمیشہ ایسے ہی ماحول میں رہی ہوں۔

"اسے فرق کیا پڑا ہے اماں جی — حویلی میں بھی بڑا کھلا ماحول ہے۔ کھیتوں میں مال چلانے کو ملیں جاتی ہیں۔" وہ قدرے جھلائے جیسے وہ اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتے ہوں۔

"تمہیں کوئی شکایت ہو گئی ہے اس سے؟" اماں جی نے گہری نظروں سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ میں دراصل بہت مصروف ہوں۔ میرے اگیگرام ہونے والے ہیں۔" انہوں نے نگاہیں جھکا لیں۔

"نہیں اگر کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ۔" وہ شاید گہرے اعتماد کے تحت بات کر رہی تھیں۔

"اماں جی! کوئی بات نہیں ہے۔ آپ فکرمند نہ ہوں۔"

"فکرمند کیسے نہ ہوں۔ میری بہو پریشان ہے زوری ہے۔ حد کرتے ہو تم۔" وہ ناراضگی سے بولیں۔

"اچھا۔ چلو میرے ساتھ۔ اسے ساتھ میں لے کر آؤ۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "چلو۔"

"آپ اسے لے آئیں۔ پھر میں سنبھال لوں گا۔" وہ جز بز ہو رہے تھے۔

"نہیں — تم میرے ساتھ چلو — اٹھو شاباش۔ یہ کوئی ناک کی بات نہیں ہے۔ ایسا کرنے سے گھر مضبوط ہوتے ہیں۔ خوشی ملتی ہے۔ آؤ۔"

"اماں جی کے انداز میں تحکمانہ تھا۔ وہ چار و ناچار بیڈ سے اتر آئے۔

اماں جی چل پڑیں اور وہ ان کے پیچھے ہو لیے۔

ان کا خیال تھا کہ اماں جی ہال کی طرف جائیں گی مگر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

"واقعی بہت ذہین ہو نازنین بیگم۔" وہ دل ہی دل میں گویا ہوئے۔

اماں جی کے پیچھے وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ پھر پھر وہ خاموشی سے گھر گئے۔ نازنین اماں جی کے بستر پر تکیہ اور رضائی اور نجیر خان کرسی پر ان کے قریب بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہے تھے۔ جبکہ نازنین کی آنکھیں رو رو کر متورم ہو رہی تھیں۔

"کیا ہوا؟ طبیعت خراب ہے؟" وہ یکسر انجان بن کر چلتے گئے۔ آواز بالکل سپاٹ تھی۔

نازنین خاموش رہی۔

"یہاں اماں جی کے کمرے میں کیوں لیٹی ہو؟ اپنے بیڈ روم میں چلو۔" وہ پھر اسی سرد و سپاٹ انداز میں گویا ہوئے۔

نازنین پھر خاموش رہی۔

"ہاں بیٹی — جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو۔ میرے کمرے میں تو سب کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔"

اماں جی بہت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اماں جی! میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے مڑ کر دوسری طرف موڑتے ہوئے ناراضگی سے کہا۔

"ہوں ضد کر رہی ہیں آپ یہاں آپ کو آرام نہیں ملے گا۔ ہر دوسرے منٹ تو یہاں کوئی نہ کوئی ہدایت لینے آ جاتا ہے۔"

بڑبڑاتے ہوئے آپ اٹھ لیتے ہیں۔ "چلو بھئی اماں جی کے کمرے میں ہی آرام کرتے ہیں۔" وہ بظاہر ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے۔

نازنین نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔ "ٹھیک ہے پھر آپ اپنی چیزیں وہیں سے ساتھ لے جائیں۔" اس نے بھی ناراضگی سے کہا۔

"ارے کیا ہے؟ یہاں اٹھا لاؤ۔" وہ بظاہر ناراضگی سے گویا ہوئے۔

"نہیں رہنے دیں پھر ابھی آپ سے کچھ نہیں ہوگا۔" اس نے تکیہ اور رضائی اٹھا لی۔

"ہاں چلو تم یہاں بھی ان کی مدد کرنا۔ ذرا سنبھال کے لے جانا۔" وہ اماں جی سے مخاطب ہوئے۔

کہا۔

"ڈرامہ میں بھی کیا ہے۔" نازنین بے ساختہ کہہ گئی۔

"اگر کسی کے ساتھ ڈرامہ کرنے کی بھی ہو تو پورا کرنے کی کوشش تو کی جا سکتی ہے۔"

تیمور علی خان اس وقت مکمل ڈرامہ کے موڈ میں تھے۔ وہ اصلی بات کہہ گئے تھے۔

وجدی خان اس کے قہقہہ لگانے سے پہلے وہاں سے نکل گئے تھے۔

"بات بڑھانے کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا جب وہ اس قدر ناراض ہو ہی گئی تھی تو۔"

اماں جی نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"اماں جی ٹھیک کہہ رہی ہیں بھائی۔ یہ ہمارا اپنا گھر ہے۔ آپ کو اس طرح ناراض ہو کر نہیں جانا چاہیے۔ غصہ تو اپنوں پر ہی کیا جاتا ہے۔"

انہوں نے بھی اماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"بہت دانا اور سمجھدار ہیں یہ۔ اگر آپ جیسے کچھ لوگ حویلی میں نہ ہوتے تو میں بہت پریشان ہو جاتی۔" وہ ناراضگی سے کہہ کر چل پڑی۔

"کیا ہوا دلہن؟" اماں جی نے الجھ کر تیمور سے پوچھا۔

"آپ کی تعریف کر رہی تھیں۔" تیمور علی خان مسکرا رہے تھے۔

"ہوں۔ "طنز" کہہ رہی تھی؟" ان کی فکرمندی بڑھ رہی تھی۔

"تو یہاں لوگوں کی سردار تو آپ ہی ہیں ماں۔" تیمور علی خان نے ہنس دیا۔

"مجھے نہیں چاہیے سرداری۔ میرے بچے خوش رہیں اور کیا چاہیے مجھے۔ جو تمہیں بتانے آئی ہے۔ اس کا ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ کہیں وہ بات نہ بگڑ جائے۔ فوراً بات بڑھے گی۔"

اماں جی نے تیمور علی خان کو اس طرح کہہ کر وہاں سے اٹھنے میں مدد دی۔

"کچھ نہیں ہوتا اماں جی۔ بھائی اتنی اچھی ہیں کہ پتا بھائی ان سے [illegible] کریں گے۔ میں ہوں نا۔ میں سنبھال لوں گی سب کچھ۔ آپ [illegible] اماں۔ ہر حال چلا جاتا ہوں"۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

کوئی سایہ کھڑکی سے فوراً ہٹا تھا۔ جس کا گمان ابھی تک وہاں بیٹھے کو ہو رہا تھا۔

"اماں جی! بڑوں سے کہیے ایک عید تو ہو جانے۔ ابھی میرا دل کھانے کو نہیں ہے اماں۔ پھر ہو جائے گا"۔ سلطانہ کا رنجیدہ پن آنسو بن کر بہنے لگا تھا اور ہادی کو بیچ سے کوئی اور بات نہیں سوجھ رہی تھی۔

اماں جی نے خوشگوار حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"تیرا دل ہی تو کھانے کو چاہ رہا ہے۔ بے غلط نہ جو ہو گیا ہے"۔ خالہ نے جس کر کہا۔ وہ بھی جیسے خود کو بھی بہلا رہی تھیں۔

"لو وہ تو ٹھہر جائیں گے وہ تو ہمیں ہی جلدی ہے"۔ اماں جی نے بہت سرد انداز میں کہا۔

"آپ کو کیوں جلدی ہے؟" اس نے قدرے خفگی بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہمیں تو تھین کپڑوں میں ہنسی کھیلتی ابھی اچھی لگتی ہے۔ ان کالے کپڑوں میں تو بہت سوگ ہوگیا ہے"۔ ان کے لہجے میں عجیب سی تلخی تھی۔

"اماں جی! بعض اوقات رکھ تو دوسروں ہی کیلئے ہوتے ہیں۔ کسی کو کیا پتا چلے کہ ماتم تو رنگوں میں بھی ہوتے ہیں۔ اپنے دیکھنے کا آپ اعتبار بھی نہیں ہونا چاہیے۔ غیب کا حال اللہ جانتا ہے یونہی تو نہیں کہہ دیا کسی نے؟" اس نے پوچھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر اپنے آس پاس موجود بندوں کو خوشی دینے سے بھی انسان کو بڑی خوشی مل جاتی ہے۔ اچھی خوراک کے پتوں بھی ہوتے ہیں جم کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ میری عمر گیا ہے ابھی تجھے زندگی کی پوری سمجھ نہیں آئی"۔

اماں جی نے پوری سنجیدگی مگر محبت بھرے لہجے سے کہا۔

"ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ یہ اللہ والوں کی باتیں ہیں۔ آپ کر سکتی ہیں خالہ کر سکتی ہیں"۔ اس نے قدرے آگے ہو کر۔

"چل چھوڑ اس بحث کو۔ مہینہ چھوڑ دو مہینے کا کہہ دیں گی پڑھائی سے۔ تو اسے میں ایک سوال تو کر مجھ سے بہت ہے کہ" ہاں" پر تو آئی"۔

اماں جی نے بات سمیٹنے کی کوشش کی ان کے حساب سے جو اس پر ہو گزری تھی بہت کٹھن تھی۔ اسے دہرانا مناسب نہ تھا۔ گزر گیا سو گزر گیا۔

"اماں جی! اب آپ چھوٹے خان کی شادی بھی جلدی سے کرنے کی کوشش کیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی بھروسے والا رشتہ آ جائے"۔ سلطانہ نے نہایت سے ہاری کا اندھا صاف کیا۔

"میں تو تیار ہوں مگر یہ اس کی [illegible] ہے۔ اسوں نے بہت کچھ اگر دیکھا ہوا ہے"۔

"کیا کہتے ہیں؟" وہ خالہ کا پوچھا ہی سے پوچھ رہی تھی۔

"یہی کہا ہے کہ ابھی پڑھنا ہے"۔ وہ سیدھا کہہ گئیں۔

"تو کیا وہ شادی کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اسوں نے کون سا تم جیسا سسرال لینا ہے۔ کتابیں جلانی ہیں"

"نہیں اماں! ہم ان ہوتے ہیں نہیں ملتے ہیں۔ [illegible] ہیں۔ اس نے اس سے [illegible] اس کا بھائی ہے۔ وہ [illegible] کرنا چاہتے ہیں۔

بھیڑ بکریوں کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ تم جب اس کی پوری ہے پر نظر ڈالو گے تو تمہیں اس کی ذہانت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اس کی بھیڑیں اسی چرواہے کی آواز پہچانتی ہیں۔ اس کے بیچے سے سالس لیں خارج ہوتی ہیں۔ ہر بھیڑ کی عادات اور اس کی خصوصیات سے وہ اچھی طرح واقف ہے۔ اس کی بھیڑیں اسی چرواہے کی آواز پہچانتی ہیں۔"

اس کے بیچے سے سالس لیں خارج ہوتی ہیں۔ ہر بھیڑ کی عادات اور اس کی خصوصیات سے وہ اچھی طرح واقف ہے۔ اس کی بھیڑیں اسی چرواہے کی آواز پہچانتی ہیں۔"

"سلویا"۔۔۔ وہ بیچ سے اٹھ کر سے اپنے پر کرا شیا کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ ولی خان کی آواز پر چونک کر پیچھے دیکھنے لگی۔

"ولی خان"۔۔۔ اس نے آہستہ سے سرگوشی کی۔

"کام کر رہی ہو؟" وہ ایک گہری پراعتمادی سے چلتے ہوئے آئے۔

"نہیں۔ بس ایسے ہی"۔۔۔ وہ انگلیاں مروڑنے لگی۔

"اول۔۔۔ باری کہاں ہے؟" انہوں نے سرسری انداز میں پوچھا۔ جیسے یہ کوئی بات سے پہلے کی بات ہو۔

"وہ بی بی سے خان کے پاس ہے۔ زیادہ وقت انہی کے پاس رہتا ہے۔ بہت پیار کرتے ہیں خان اس سے۔"

اس نے قدرے الجھ کر ان کی جانب کھوجتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"وہ خوان والا کیس نمٹ گیا؟"

اس نے بڑی حیرت سے ولی خان کی صورت دیکھا تھا۔ اپنے کام سے کام رکھنے والے ولی خان میں اس معاملات میں اتنی دلچسپی لے رہے تھے کہ خود چل کر آئے تھے۔

"نمٹ ہی گیا خان"۔۔۔ وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔

"ہوں اچھی بات ہے۔ اچھا ہے تم جلد سے جلد پھر سے ناروی شہد واپس جاؤ۔ تمہاری ماں سے تو بات ہو گئی ہے۔"

وہ خاموش رہی۔

"اور کوئی بات تو نہیں ہوئی تمہارے ساتھ؟" وہ ہچکچاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"کیسی بات خان؟" اس نے سر سے تھان ہوئی۔

"کسی قدر بے وقوف لڑکی ہو۔ ازدواجی زندگی میں قدم رکھنا کتنی معصومیت سے پوچھ رہی ہو کتنی بات ایک بات بتائے دیتا ہوں تمہیں اگر تمہاری طلاق نامہ بات ہوئی تو پھر شوہر بننے والے پہلے پر تمہارے کوئی حقوق ہو سکتے ہیں۔"

ان کا انداز سمجھانے کا تھا یا دھمکانے کا۔

"خان۔۔۔ بھلا مجھے ایسی بات کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیا مجھے اندازہ نہیں کہ میں کیا کر رہی ہوں۔ پھر آپ سے میرے ساتھ کیا برائی کی ہے۔ اگر میں جھوٹ بولتی تو آپ سے یہ کیوں کہتی کہ مجھے چھوٹے خان کے سامنے لے جائیں۔"

"میں تو شاید اس طرح سوچتی بھی نہ۔۔۔ وہ تحمل سے کہتے ہوئے اس کے قریب سے گزر گئے۔

"ولی خان"۔۔۔ وہ ولی خان کی رہائش گاہ سے نکلے تھے۔

"جی"۔۔۔ ولی خان کی آواز میں ہلکی سی حیرت تھی۔

"کل۔۔۔ کیا کہا تھا اس نے؟" اس کی آواز میں ہلکی سی تشویش تھی۔

"وہ میں کہہ رہی تھی ہاں۔ جب چھوٹے خان ہاں تھے تو آپ سے ہوئی تھی۔ ہاں وہ ہاں۔ ہاں کے بعد کی بات ہے۔ ہاں ہاں جاگ رہے ہیں۔ میں اپنے کمرے میں ہاں۔ ہاں سے تھوڑی دور ہاں سے تھوڑی دور ہاں ہاں ہاں

"ہوں"۔ وہ دانتوں پر ہاتھ کا پیالہ بنا کر اس کا جائزہ لیتے رہے۔

"کیا کہہ رہا تھا وہ؟" وہ دیکھ رہا تھا۔ بے ساختہ لڑکی کے سامنے اب وہ جھک گیا۔

"کہہ رہا تھا کہ بہت بھوکا ہے خان۔ مگر کھانے کی اجازت نہیں ہے"۔

وہ خود فراموشی کے عمل میں تھی۔ وہ جو بے دھیانی سے عجلت میں کسی کی ہولی زبان کے تحت تھوڑا بہت آ جاتا ہو۔

یاور علی خان جھکے جھکے قدموں سے باہر نکل گئے۔

وہ بے حس سے انداز میں دوبارہ نکل بنانے لگی۔

"بھئی واہ کیا کام ہے تمہارا۔ ہاں سطریہ! دیکھو لندن سے فون آنے والا ہے۔ کوئی فون پر بات کرے تو یہ اور ہاں بڑی دیر لگے۔ بہت مشکل ہو جاتی ہے"۔

"تم بھی ہو گی یہاں پر؟" وہ جاتے جاتے پلٹے۔

"جی"۔ وہ نگاہ اٹھائے بغیر گویا ہوئی۔

"او کے۔ فون پر کوئی خاتون ہو گی۔ وہ مجھے بلائیں گی۔ سمجھ رہی ہو ناں؟" وہ پھر اسی عجلت بھرے انداز میں گویا ہوئے۔

"جی"۔

تیمور علی خان تیزی سے باہر نکل گئے۔

"یور آنر۔۔۔ خاتون۔۔۔ جانتی ہوں۔ کون خاتون ہوں گی۔ کاش تم سے پوچھ سکوں تیمور علی خان۔ کیسی لگی ہے اب وہ؟ کیوں بھر رہے ہو ہمارے ماتھے پر سارے سکھ جیسن لندن میں گروی رکھ کر آئے ہو۔ قرض ہے۔ اتارے نہیں اترتا۔ دل تو سب کا ایک جیسا ہوتا ہے۔ تیمور علی خان تمہارے بھی دل پر نہ لگائی تو ہم نہیں"۔ اس کی رگ رگ میں آگ دہکنے لگی تھی۔

"تم کچھ نہیں کر سکتے مگر کسی کو اس کے حال پر تو چھوڑ سکتے ہو"۔

وہ سر جھکائے ٹیلی فون کی سوچتی رہی۔ جانے کتنا وقت گزر گیا اسے احساس تک نہ ہو سکا۔

فون کی گھنٹی ہوئی تو چونک پڑی۔ اور تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔

دوسری طرف کسی مرد کی آواز تھی۔

"آصف حسین خان اسپیکنگ۔ تیمور ہیں؟ لندن سے کال ہے"۔

"بلاتی ہوں"۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ یہ تو کوئی آدمی ہے۔ خان تو کہہ رہے تھے کسی عورت کا فون آئے گا۔ وہ اصل ہولی تیمور علی خان کو بلانے چل پڑی۔

وہ بھی شاید انتظار کی کوفت سے بے زار ہو کر خود ہی آ رہے تھے۔ راہداری میں مل گئے۔

"فون آ گیا ہے خان!" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "مگر کسی آدمی کا ہے"۔

"ہوں۔۔۔ آصف ہو گا"۔ وہ جیسے خود سے کہہ رہے تھے۔ رفتار ایک دم تیز ہو گئی تھی۔

وہ بھی پیچھے پیچھے چلی آئی۔

تیمور علی خان نے ہولی عجلت میں ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہوں۔ ہیلو۔ یس۔ ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ ہوں۔۔۔ وٹ دا ہیل از دس"۔

پھر وہ اس کی جانب پلٹے۔

"وہ کیا ہے کہ تم باہر جاؤ"۔

"کوئی بات نہیں خان۔ مجھے پتا ہے۔ آپ اپنی گفتگو ہولی سے بات کرتے ہوں۔ فرض کریں۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں"۔

وہ قدرے ناراضی سے مسکرا کر ہولی سے یاری اور دوستی سے کہہ رہی تھی۔ اس نے تیمور علی خان کے تاثرات دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی اور دوسرے دروازے سے نکلنے لگی۔

"تیمور علی خان بہت آہستہ آواز میں بات کر رہے تھے اور دوسری طرف شاید بات سمجھ نہیں آ رہی تھی اس لئے خان کو بات دہرانا پڑ رہی تھی۔

تین چار منٹ بعد انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا کہہ رہی تھیں تم"۔ اسے پشت سے ان کی غصیلی سی آواز سنائی دی۔

"کب؟" وہ پلٹ کر پوچھ رہی تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے تھیں آپ"۔ وہ ہیبا ہیبا کر کہہ رہے تھے کوئی یوں کہہ رہے ہوں کہ کیا تک رہی تھیں آپ؟"

"ہم کیا فرما سکتے ہیں خان۔ ہمارا تو زبان آپ کے۔ ہمارا زبان کیا بولی"۔ بلا کا بے خوف انداز تھا۔

"آپ بے خبر ہیں۔ کسی سے لیں کہوں گی"۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"اس طرح کی بکواس کرنے کی تمہیں ہمت کیسے ہوئی"۔ وہ بے حد برہم ہو رہے تھے۔

"آج بھی کچھ چھپا ہے خان۔۔۔ بے چاری اماں بی کو اتنا تو آزما لیں۔ اگر آپ انہیں بتا دیں تو کچھ بھی نہیں ہو گا۔ تھوڑا سا پریشان ہو کر رہ جائیں گی پھر انہیں صبر آ جائے گا"۔ وہ بے حد پرسکون تھی۔

"اس نے دل سے تمہیں یہ غلط خبر؟" لگتا تھا غصے سے ان کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔

"ہم بھلا اس قابل کہاں کوئی ہمیں خبر دے"۔ اس نے دھیما جملہ بیچ میں لپکتے ہوئے بہت سکون سے جواب دیا۔

"اور اب ہمت آزمائی کیوں؟ کھونے پر تل گئی ہو؟" وہ بمشکل غصہ ضبط کر پا رہے تھے۔

"مجھے پتا ہے۔ آپ کو خبر ہے کہ مجھے اتنی اہمیت کیسے مل گئی۔ مجھ فقیر کی جھولی میں آپ کی دولت ہیں۔ مگر جب وہ اپنے ہیرے جواہرات چھپا سکتی ہیں تو مجھے کیوں نہ ملیں گی۔ میں بھلا ان کی کیا سمجھتی ہوں۔ آپ ان پر شک کیجئے گا بھی نہیں"۔

"بکواس"۔ وہ خود کلامی کے انداز سے گزر رہے تھے۔

"بکواس بھی نہیں۔ پرسوں آپ کہیں گے"۔ وہ ٹھہر کر ان کے سامنے آئی۔ سیاہ چوڑی دار پاجامے کے اوپر سفید کرتا پہنے ہوئے تھی۔ وہ تھکن سے چور چور

بہت خراب محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے تو وقت آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"اپنے پاس رکھو اپنی خدمات۔ بتانے والوں کی بات ہے پھر دیکھتے ہیں تمہیں"۔ وہ اس سے پہلے باہر نکل گیا۔

وہ باری کو بہت خراب صورت لوری سناتے ہوئے تھپک رہی تھی۔ دن بھر کے واقعات اس کی آنکھوں کے سامنے سے بار بار مسلسل سے گزر رہے تھے۔ اس کے چہرے پر بلا کا سکون تھا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور وہ اپنے خیالوں سے چونک پڑی۔

"کون ہے؟" اس نے دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کچھ سیکنڈوں میں قدموں کی آواز نزدیک اور واضح ہوئی۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

"آپ ۔۔۔ مجھے بلوایا ہوتا"۔ وہ گہری نظروں سے نازنین کا چہرہ دیکھتے ہوئے بہت احسان جتا کر کہہ رہی تھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔ آج کل تو تم ہم سب پر حکومت کر رہی ہو"۔ نازنین بولی، بہت طنزیہ انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"خیر بہت آداب کھا لیے ہیں"۔ وہ پھر سے احسان جتانے پر چڑی تھی۔

"خیر بہت کہاں ۔۔۔ پھر تو اس تبدیلی کا سہرا دعوے آپ ہی ہوں گے میں؟ نانا نانا؟ کہتی ہے"۔ وہ بہت تلخ ہو رہی تھی۔

"کیوں بدتمیز ہیں؟ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے"۔ وہ بچے سے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"غلطی تو ہر حویلی والوں کی ہے کہ ایک کم ظرف پر اپنا خلوص نچھاور کیا۔ انسان بنیاد سے گندا ہو تو بے ماحول بھی کو اچھائی اچھو نہیں پاتا ہے۔ بنیاد خراب ہو تو اچھے ماحول سے بھی کچھ نہیں لے پاتا"۔ نازنین کی برہمی بہت واضح ہو گئی۔

"آپ مجھے گالی نہ دیں۔ نکاح کیا تھا میرے باپ نے میری ماں سے اور میرے نانا نے میری نانی سے"۔

"نکاح گناہ کی طرح رات کے اندھیرے میں چھپ کر ہوں تو نکاح نہیں ہوتے دل کا بہلاوا ہوتے ہیں"۔

نکاح وہی ہوتا ہے جس کی گواہی دو دروازے تک پہنچے۔ لوگ بھی پھرتی ہو حویلی میں۔ حویلی والوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش کرتی ہو۔ کہاں سے تمہیں ایسی جرأت دے؟" نازنین جیسے جھنجھلا گئی۔

"ہر وقت سوچے بازی نہیں ہوتی"۔ وہ طنزیہ مسکرائی۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی ہے۔ آپ کیوں مجھ سے خفا ہو رہی ہیں؟"

"خوامخواہ۔ کیوں بدتمیزی کی تم نے تیمور سے۔ اس شخص سے جس نے تم پر احسان کی انتہا کر دی۔ اب مرو کہتے تم سے"۔ نازنین کا غصہ واقعی بہت بجا تھا۔

"میں غلام زادی ہوں چھوٹی بہن۔ میری کیا بساط؟" وہ پھر بڑے بھولپن سے گویا ہوئی۔

"ہاں تو پھر تو اپنی اوقات۔ کیوں، لگوں کے منہ لگتی ہو۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ سرداروں کی اولاد تمہاری آنکھ سے پیدا نہیں ہوئی تو بہت ہی اچھا ہوا۔ تم تو کسی سردار کی ماں بن کر ہمیں لگے تیر بیچ کھاتیں"۔

"آپ کا یہاں رکنا اب مناسب نہیں ہے۔ آپ کو یہاں نہیں رہنا چاہیے"۔ وہ بہت ہی تحمل سے بول رہی تھی۔

"اور یہ احسان جتانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے صاف یہ جانے کی بات ہے کہ تم نے تیمور سے بدتمیزی کیوں کی؟"

"اور یہ احسان جتانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے صاف یہ جانے کی بات ہے کہ تم نے تیمور سے بدتمیزی کیوں کی؟"

نازنین نے اپنی بھڑکی ہوئی سانسیں کنٹرول میں کرتے ہوئے سوال جواب کرنے چاہے۔

عظریہ خوشی سے اچھل پڑی۔

"انہوں نے شادی کی ہے آپ سے؟" یہ اور بات ہے کہ انہوں نے ابھی اس طرح کی شادی کی اس طرح کی شادی کی ہے میرے والد نے کی تھی اور آپ نے زبردستی کرائی ہے شادی"۔ وہ بہت آداب سے کہہ رہی تھی۔

"اچھا ہے انہوں نے شادی کی۔ تم نہیں لیا تکلیف ہے۔ تم نے کس حیثیت سے ان سے بات کی۔ تمہارے لئے موت ہی ہے تمہیں تمہارے اصل مقام پر رکھا جائے اور یہ تم تمہارے حوالے کرو۔ ہم خود پال لیں گے"۔

نازنین نے آگے بڑھ کر باری کو اٹھانا چاہا۔

"تو یوں کہیے ناں ۔۔۔ آپ کو خان نے اس کام کیلئے بھیجا ہے۔ سچ ہی تو کہتی ہیں آخر میں نے کیا کہہ دیا؟ حرا ایک دایہ خاندان کی باری کا بچہ سب کو لگے جانے کا ہو گیا ہے۔ شادی کوئی بڑی بات نہیں ہے"۔

وہ نازنین کے لہجے کی پرواہ کئے بغیر بہت صاحبیت سے کہہ رہی تھی۔

"یہ بکواس بند کرو۔ تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں"۔ نازنین جیسے بری طرح چڑ گئی۔

"اور لاؤ۔ باری کو مجھے دو۔ تیمور سے تمہارے پاس چھوڑنے پر راضی نہیں ہیں"۔ نازنین نے باری کو اٹھانے کی کوشش کی۔

"آپ اسے نہیں لے جا سکتیں چھوٹی بہن۔ خان سے کہہ دیجئے۔ بچہ میرے مرحوم شوہر کا ہے۔ وہ مجھ سے دوست ہوتا ہے۔ اور شوہر ہوتا ہے۔ ان کا حق میرے حق سے زیادہ نہیں"۔ اس نے باری کو گود میں بھر لیا۔

"یہ ان کا حکم ہے"۔ نازنین چیخ چیخ گئی

"میں ان کی نوکر نہیں ہوں عبدالعلی حویلی کی ہوں۔ وہ خود ہی تو کہتے ہیں"۔ وہ باری سے کہہ رہی تھی۔

"محترم دوسری جگہ شادی کی حامی بھر چکی ہو۔ اب تمہارا علی کی چیزوں پر اس کی اولاد پر کوئی حق نہیں ہے سمجھیں"۔ نازنین چیخ گئی۔ اس سے یہ گستاخی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"کس نے کہا؟" وہ تمسخرانہ انداز میں مسکرائی۔

"کیا؟" نازنین سمجھ نہیں۔

"یہی کہ میں اس سوگ بھرے سے شادی کی حامی بھر چکی ہوں"۔ عظریہ کے انداز خون کھولا دینے والا تھا۔

"تم حد سے بڑھ رہی ہو عظریہ۔ حویلی سے تمہاری چھٹی بھی ہو سکتی ہے"۔ نازنین نے دھمکی دی۔

"اسے دیجئے مجھے۔ چلی جاتی ہوں میں بچے کو لے کر"۔ وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

"بچہ بچہ کرنا چھوڑو۔ بچہ نہیں ہے اب یہ تمہارا۔ ادھر دو مجھے ورنہ تیمور کر لے جائیں گے اور جو تمہارا حشر ہو گا وہ دیکھ

"۔

مارگیں نے شکر ادا کیا اور اس سے اسے گھورا۔

"مجھے تم سے ڈر لگتا ہے۔ مجھے کسی بات سے اطمینان نہیں ملتا"۔ وہ بے خوفی سے بولی۔

"ٹھیک ہے میں تمہارا دل نہیں دکھانا چاہتا۔ تم رکو۔ وہ خود تمہیں لے جائے گا"۔

"آپ اتنی ناراض کیوں ہو رہی ہیں۔ مجھے تو خان کی شادی کی بات کسی سے پتا چلی۔ میں نے تو کسی سے نہیں کہا۔ اگر چاچی تو کہہ سکتی تھی"۔

وہ جان جلانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔ مارگیں سنگ ہو گئی۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

سلیمہ بادلی کو کاندھے سے لگائے بڑی عجلت میں باہر آئی اور اماں بی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ بہت دیر اماں بی کے کمرے میں بیٹھنے کے بعد واپس اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اس کا خیال تھا حسن جہانگیر خان اس کی بیٹی بھلا بھلا کرنے جلد ہی آ جائیں گے لیکن خاصا وقت گزرنے کے بعد جب محسوس ہوا کہ وہ نہیں آئیں گے تو وہ مطمئن ہو کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

اسی دم اسے پاروشہ کی یاد ستانے لگی۔

"تیرا خدا حافظ تینوں بلاساں"۔

"کہاں ہیں؟" اس کا دل بھرا گیا۔

"اپنے گھر ہے اج"۔ وہ دوبارہ بات کی طرح پیچھا ہونے کر بڑبڑائی تھی۔

سلیمہ نے بادلی پر ایک نگاہ ڈالی اور چادر اٹھا کر لپیٹی اور گہری سوچ میں جہانگیر خان کے کمرے میں چلی آئی۔

"ملی خان"۔ اس نے دستک دے کر ان کی اجازت کا انتظار بھی نہیں کیا تھا اور فوراً اندر آ گئی تھی۔

"سنو۔ کیا ہم ہے تمہارا۔ ہم تمہیں سزا نے بھیج رہے ہیں۔ اب تم ہمیشہ وہیں رہو گی۔ شادی کرو۔ بچے پیدا کرو۔ بچوں کو بڑے کرو اور پھر جب تک ہم اجازت نہ دیں۔ تم وہاں سے واپس نہیں آؤ گی۔

"میں۔ میں خان؟" وہ ایک لمحے کو چکرا کر رہ گئی۔

"ہاں صرف تم۔ باری نہیں جائے گا۔ وہ یہیں رہے گا"۔ وہ حتمی انداز میں گویا ہوئے۔

"مگر وہ ایسے نہیں رہ سکتا"۔ وہ بھی فیصلہ کن انداز میں گویا ہوئی۔

"جب وہ اپنی ماں کے بغیر رہ سکتا ہے تو تمہارے بغیر بھی رہ سکتا ہے۔ اب ہم تم سے کوئی اور بات نہیں کرنا چاہتے۔ تم جا سکتی ہو"۔

وہ بہت دل گرفتہ سی لیے کمرے سے نکل آئی تھی۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ جب تک وہ خود نہیں مجھے نہیں لے جائے گا میں نہیں جاؤں گی۔ میں اس سے بات کروں گی"۔

وہ بچوں کی طرح ضد کر رہی تھی۔

"اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم نے اس سے بات کر لی ہے۔ وہ تم سے ملنا نہیں چاہتا"۔ وہ بدستور اپنے فیصلے پر جمے ہوئے تھے۔

"انہوں نے مجھے سچ کہا ہے۔ آپ پوچھ لیں ان سے"۔ وہ ڈٹی ہوئی تھی۔

"کیا سچ کہا ہے؟" غصے کی لہر جہانگیر خان کے اندر اٹھی۔

"یہی کہ میں جو بھی ہے نہیں جاؤں گی۔ آپ پوچھ لیں ان سے"۔

"کہہ تو یہی رہی ہے"۔ وہ متفکر ہو گئے۔

"آ... ہے تھا"۔

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھے تھے اور بھی خان اور حسن ان کے پیچھے چل پڑے۔

جہانگیر خان اس سے کہیں پہلے باورچی خانے کے دروازے تک پہنچ گئے تھے اور دستک دینے ہی لگے تھے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سامنے سے تھا۔ راستے پر کھڑی ہو گئی۔

وہ دونوں انہیں دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔

"وہ... وہ... کہاں جا رہے ہیں؟" تیمور کا انداز بڑا خائف سا تھا۔

"ہمیں... ہمیں جانا ہے۔ بابا سائیں کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ہمیں جانا ہے"۔ وہ ہکلائی تھی۔

"ہمیں اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب سے بات کی ہے۔ وہ تو ٹھیک ہیں"۔ تیمور نے کہا تھا۔

"وہ... وہ... ہمیں... ہمیں جانا ہے"۔ وہ ہکلائی تھی۔

"ہم اس سلسلے میں کوئی خطرہ نہیں لے سکتے۔ آپ واپس جائیں"۔ وہ حتمی انداز میں گویا ہوئے۔

"ہم... ہم... ہمیں جانا ہے"۔ وہ ہکلائی تھی۔

"ہم آپ کو اجازت نہیں دے سکتے"۔ وہ بھی

ہی؟" تیمور علی خان تو گویا حیرت کے مارے جامد ہی ہو کر رہ گئے۔

"آپ نے سنا ناں کہ ہم نے کیا کہا" ۔ انھیں یاور علی خان کا لہجہ کچھ تلخ سا لگا۔

"جی جناب اس لئے کہ بخشش تھوڑا ہی نہیں ہوں" ۔ ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"یاور بھائی پلیز آپ بہت سادہ دل انسان ہیں آپ کو یہ باتیں کرنا"۔

"فخریہ کہا ہے کہ بہت احمق ہوں، بتانے کی ضرورت نہیں" ۔ یاور علی خان نے مسکرا کے کہا۔

"پلیز یاور! آپ تیمور کی بات سنیں تو سہی" ۔ نازنین کو یوں لگا کہ یاور علی نے بھائی کی بات کو غلط سمجھا ہے۔

"نازنین آپ کی اور تیمور کی رائے ایک ہے، ایک بے حیثیت سی لڑکی کیا آفیشل میٹنگ رکھ سکتی ہے آپ کو اس سے ایک کونے میں پرائی ہوئی ہے کیا کہتی ہے کہتی کہ"

ان کا انداز گفتگو بہت تلخ تھا۔

"آپ فرصت نکالیں تو ہم بتائیں کہ مسئلہ کیا ہے" ۔ نازنین نے بدمان کر کہا۔

"میرے پاس واقعی فرصت نہیں ہے۔ اس سے میری درخواست یا سفارش سمجھا جائے گا اسے کہیں بھیجا جائے"۔

"یاور بھائی، اس نے ہماری صریحاً توں کا مطلب بہت غلط لے لیا ہے اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو"۔

"تم نے تو اسے احسانات تلے دبانا چاہا تھا تاکہ یہ تمہاری ممنون و مشکور ہو مگر یہ تو تمہاری توقعات پر کھری نہیں اتری"۔

"انہوں نے بہت سہم سے تلخ لہجے میں تیمور علی خان کی بات کاٹ دی۔

"آپ کو اندازہ نہیں ہے یاور بھائی"۔

"اندازہ اچھی طرح ہو گیا ہے، پلیز" ۔ یاور علی خان جھلا گئے۔

"آپ بھی اس لڑکی کے سامنے ہماری انسلٹ نہیں کیجیے۔ بھیجی حیرت ہے آپ ہماری بات سننے کے بجائے صرف اس کی بات کو اہمیت دے رہے ہیں" ۔ تیمور علی خان کے لہجے سے ناراضگی بہت واضح تھی۔

"بات یہ نہیں ہے۔ اصول کی بات ہے۔ کہاں تو اس پر اتنی مہربانی ہوئی۔ کہاں یہ سلوک' کیوں اتنی اہمیت دے رہے ہو یہ کہیں بھی رہے کیا فرق پڑتا ہے"۔ یاور علی خان کا لہجہ بدل سا گیا۔

"پہلے آپ تیمور کی بات تو سن لیں" ۔ نازنین کو پھر مداخلت کرنا پڑی۔

"آپ سے سن لیں گے۔ ایک ہی بات ہے"۔ ہاں ٹھوڑا ایک منٹ ہی تھا۔

"یہ وہ نہیں ہے جو آپ کہہ رہے ہیں" ۔ نازنین نے ناراضگی سے کہا۔

"اور ہم بھی اتنے بے وقوف نہیں ہیں جتنا آپ لوگ سمجھ رہے ہیں"۔ یاور علی خان نے ایک کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرتے ہوئے تلخی بھرے لہجے میں کہا۔

"نہ افسوس کیا ہو گیا ہے آپ کو پہلے تو کبھی آپ نے ایسے نہیں کیا" ۔ نازنین کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"غصہ والی نہیں بھولنے والی ہو جو پہلے ۔۔۔ یہ کہیں نہیں جائے گی۔ یہ ہرگز اتنی اہم نہیں ہے کہ ہم لوگ اپنے اتنے پرانے

تعلقات کو داؤ پر لگا دیں۔ آپ کا کیا ہے آپ نے کہیں اور سے کما لیا ہو گا۔ ہم تو اب کہیں اور سے نہیں کما سکتے۔ ہم نے تو اسی سے کمانا ہے۔ ہم نے تو اسی سے سیکھنا ہے۔ ہم نے تو اسی سے سیکھنا ہے۔ ہم نے تو اسی سے سیکھن

دلاور علی خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس گہری گہری سانسیں لینے لگے۔

"بھائی ۔۔۔ ان الفاظ سے کہیں اپنی شکل گم کر لے۔ کیا تو چاہتا ہے اس شکل پر تجھے اب بھیجوں۔" نجمہ بیگم نے انتہائی نفرت سے کہا۔

سلیم نے بازمین کو بولنے کی زحمت نہیں دی اور تیزی سے پلٹتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"اکبر خانزادہ تیمور علی خان ۔۔۔ نسرین کو کبھی اٹھا لینا چاہتا ہے۔ کوئی ہوش نہیں۔" کسی مجسمہ سفاکی از خود تھی ان کے اندر۔ جیسے اس کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہو۔

"اکبر دے اور کھسیٹے میں کیا فرق ہوتا ہے بندہ دلیر کو بتانا چاہیے"۔

دوسرے لمحے نظر انداز میں ہوتی ہوئی اپنے کھانے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"بچے کچھ سیکھتے ہیں آپ سے ہم تمہاری طرف کا جرمانہ بھگتی ہوں۔ میرے بچوں کا صدمہ ہوگا اس کے ذمہ دار آپ۔"

زرمین تیمور کے پیچھے پیچھے نکل آئی تھی۔

"تیمور کیا ہو گیا ہے انہیں؟" اور وہ ہراساں آواز میں کہہ رہی تھی۔

"کچھ نہیں بھابی! ہم سے نے زبردست دھوکا کھایا ہے"۔ اور حقیقت بہت پریشان تھے۔

"کیسا دھوکا؟" وہ حیران ہوئی۔

"یہ لڑکی بہت ہوشیار نکلی ہے سب اسے بہت الو سمجھ رہے تھے"۔ وہ گہری سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"یار اس وقت اسپورٹ کیوں کر رہے ہیں آپ تو اس سے بات بھی نہیں کرنے تھے"۔ وہ عجیب سے اندیشوں میں گھری ہوئی تھی۔

"پریشان نہ ہوں۔ سنبھال کر لیں گے"۔ وہ جیسے اس کے دل کی بات سمجھ رہے تھے۔

"کس قدر توہین کی ہے انہوں نے میری بھی اور تمہاری بھی۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ ایسے کیوں ہو رہے ہیں۔ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی ہے؟" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"تیمور ۔۔۔ کیسے حسین بھی تو بہت ہے"۔ بازمین اندیشوں سے باہر نکلیں آ رہی تھی۔

"بھابی! کیا سوچنے لگی ہیں آپ اور بھائی ایسے نہیں ہیں۔ ان پر ۔۔۔" وہ اچانک ہی ان ہونی کرنے لگے۔

"اوں ہی کا انداز لفظ ہے تیمور۔ یہ شادی ہوا بھی بھی رضامند نہیں ہے۔ مجھ سے اس نے خود کہا۔ کیا مطلب ہوا اس کا؟" وہ گھبرا کر پوچھ رہی تھی۔

"کچھ مطلب نہیں ہے۔ بات کچھ اور ہے۔ ہم بابا بھائی کو جانتے ہیں۔ وہ اس طرح کی کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔ بابا دلاور علی خان کو ان پر ناز ہے۔ یار بھابی اس طرح کی کہانی کبھی نہیں پسند کر سکتے۔ بھلا کسی سے کیا ہوتا ہے؟" وہ سمجھانے کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

"مگر پاپا نہیں مجھے کیوں بلا رہے ہیں۔ کہیں طبیعت تو نہیں خراب ہو گئی ان کی۔" وہ اچانک ہی پریشان ہوئی۔

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم ہی سوچ رہے تھے کہ اب اس کی موجودگی یہاں سے بھیجنا بہت ہی اذیت ناک ہوگی"۔

"میرا تو سر پھٹ جائے گا۔ پاپا نے کبھی اس طرح نہیں کہا"۔ وہ بولی۔

"چلی جائے گا وہ اب کیوں کر رہے ہیں"۔

"ہاں کریں پہلی فرصت میں اپنی شادی اٹیسٹ کروں اس طرح اس کی ٹیک سیٹک سے نجات ملے گی۔ پاپا بھی یہی چاہتے ہیں۔" وہ جلد بازی کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"بھابی شادی کا اس معاملے سے تو بظاہر کوئی تعلق نظر نہیں آ رہا۔ تیمور بھائی یہ بھی کہہ لیتے ہیں۔ تو دو دن بعد نہ سہی۔ آج ہی سہی"۔ انہوں نے گویا بازمین سے اتفاق کر لیا۔

"ہمیں بس اس کی کہانی تھا۔ باقی تو آسانی سے نپٹایا جا سکتا ہے"۔ وہ سوچتے ہوئے بولے۔

"آخر ایک دن تو ہمیں اس کو بھگتانا ہی ہے۔ کس دن کریں۔ میں زیادہ دیر یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی"۔ وہ بے چین ہو گئی۔

"بھابی۔ ایسی ایسی ۔۔۔ یہ تو زندگی میں آتی جاتی ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ وہ تسلی دے رہے تھے۔

"آمین ۔۔۔ خدا کرے"۔ وہ بے ساختہ بولی۔

"اچھا اب آپ اپنے کمرے میں جائیں۔ اور بے فکر ہونے کی خوش فہمی کریں"۔ انہوں نے نرمی سے اسے مشورہ دیا۔

"مجھے تو ڈر لگ رہا ہے بابا سے۔ پھر کوئی بات نہ ہو جائے"۔ وہ واقعی خوفزدہ تھی۔

"اوں ۔۔۔ ہوں ۔۔۔ کچھ نہیں ہوگا۔ آپ فکر کریں۔ کوئی مسئلہ ہو تو ہم حاضر ہیں۔ آپ اکیلی تو نہیں ہیں"۔ وہ اس میں حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

بازمین نے چند لمحے سوچا پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے میں داخل ہوئی تو دلاور علی خان سوئی ہوئی حالت میں اٹھائی دیئے۔ اس نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

اماں کی بہت فکرمند سی بابا صاحب کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

بابا دلاور علی خان بابا کے پہلو میں اخبار کھولے بیٹھے تھے۔ دلاور علی خان اپنی چھڑی سے تائین کر رہے تھے۔

"جی؟ خیر تو ہے۔ آپ نے صبح صبح مجھے کیوں بلایا؟" وہ ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"اس ضروری کام کا کیا ہوا جو آپ سے"۔

آواز میں اسی انداز میں بات کر رہے تھے۔ پیشانی پر شکنوں کا جال بن گیا تھا۔ ایک دکھ کا ہونہ چہرے سے واضح تھا۔

"جی ۔۔۔ کہتا"۔ وہ جانے کیوں ان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"آپ — آپ نے چھوٹی دلہن کو یا رکیلئے پسند کیا تھا۔ کیا بات ہوگئی تھی آپ کو؟"
وہ کچھ سوچتے ہوئے مخاطب تھے۔

"جی — کیا مطلب آپ کیا سوال ہوا۔ ساری دنیا میں مائیں یہی پسند کرتی ہیں۔ میں نے ان دونوں کو ہمیشہ ساتھ ہی دیکھا۔" وہ بہت ہی حیرت سے شوہر کو دیکھ رہی تھیں۔

"یعنی آپ ان کے حسن و جمال سے متاثر ہوئی ہوں گی"۔ وہ جیسے غور ہی کسی نتیجے پر پہنچ رہے تھے۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ حسن و جمال زندگی بھر کا ساتھ ہے؟ صرف حسن دیکھ کر اتنے بڑے فیصلے نہیں ہوتے۔ دونوں اگر پڑھی لکھی ہوئی ہے اور خاندان بہت اچھا ہے۔ پشتوں سے کماتے پیتے لوگ ہیں۔ ان کی ماں بہت دنیا دار ہے۔ یہ لوگ اچانے سے پہلے وہ ہمارے ہاں آکر رہیں۔ آپ سے بھی بات چیت رہی۔ اب تک تو ان سے آپ کی بس دعا سلام ہی ہوئی تھی۔ آپ نے نہیں دیکھا تھا کتنی عقل مند اور طریقے کی عورت ہیں۔ اور شادی کے اتنے دنوں بعد بھائی کو سنبھالنے لگی ہے۔ ورنہ کیا ہے۔ یہ آپ کو کیا سوجھی؟" ان کی حیرت سوا تھی۔

"خاندان تو خیر بہت اچھا ہے یہ تو ہم بھی جانتے ہیں"۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"یہ بتائیے۔ کیا وہ سلریہ کو پسند نہیں کرتیں؟" انہوں نے بالکل ہی مختلف سوال کر دیا۔

اماں جی ہکا بکا ان کی صورت دیکھنے لگیں۔ "کیا مطلب؟ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ سلریہ تو ماں سے بہت محبت کرتی ہے۔ اس کے کام اپنے ہاتھ سے کرتی ہے۔ اس کا بس چلے تو وہ دلہن کے بال بال موتی پرو دے۔" انہوں نے اوٹ سے کہا۔

"پتا نہیں آپ کون سی دنیا میں رہتی ہیں؟ اتنی محبت ہے۔ جب ہی اس کا وجود حویلی میں برداشت نہیں۔" وہ خفا خفا سے ناراض ہوئے۔

"کیں؟" وہ پھر ہکا بکا سے رہ گئیں۔ "نہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔" انہوں نے اول اول بیٹے اور شوہر کو سمجھتے ہوئے کہا۔

"اور بھلا سلریہ سے کسی کو کیا بیر۔ دشمن میں نہ تیرہ میں۔ حد ہوگئی"۔ انہوں نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"اوہ کیا ہے؟ کبھی آپ چھوٹی دلہن کی بات کرتے ہیں۔ کبھی زندگی بھر کی۔ سیدھی سیدھی بات بتائیے۔" وہ پریشانی چھپا نہ پائیں۔

"بھول آپ کے وہ چھوٹی دلہن سے بہت محبت کرتی ہے۔ پھر چھوٹی دلہن اس کی دشمن کیوں ہو رہی ہے؟" ابا صاحب نے دہرا یا تھا۔

"کیا رشمی ہوگئی ہے۔ کل دوپہر تو وہ اس کے بالوں میں تیل ڈال رہی تھی۔ دونوں ہی خوش باتیں کر رہی تھیں۔" اماں جی کا حیرت سے برا حال تھا۔

"کل دوپہر کی نہیں کافی دن پہلے کی بات ہوگی۔ آپ شاید بھول رہی ہوں رئیسہ کی ماں"۔

"سیدھے سیدھے کہیں صفایا گئی ہوں"۔ اماں جی برہمان گئیں۔

"جی اگر ایسی بات ہے تو وہ اسے حویلی سے نکالنے پر اصرار کیوں کر رہی ہیں"۔ انہوں نے بالآخر اصل معاملہ سامنے کر دیا۔

"ہیں! وہ پھر پہنچ گئیں"۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کہ بات یہاں تک پہنچے۔ اوہ اللہ!" وہ دونوں ہاتھ گئیں۔

"صرف نکال ہی نہیں رہیں۔ بچا اس سے بھی کچھ ہی ہیں؟" ابا صاحب نے مزید انکشاف کیا۔

"یہ تو اس کے مرد کا ہے کوئی کیسے لے سکتا ہے اور پھر سے اسے کیا ملیں۔ اس کا تو بچا اس کی گود میں کھیل رہا ہے۔ اللہ کے دوسرا بھی دنیا میں آنے والا ہے"۔ ان کی حیرت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"ہم نے آپ کو اس لئے بلایا تھا کہ آپ سے ضروری معلومات حاصل کریں گے۔ مگر یہاں تو بے خبری ہی بے خبری ہے" وہ کسی الجھن میں گم کہہ رہے تھے۔

"یا میرے — کیا بات ہوگئی ہے۔ تمہارے ابا صاحب تو بالکل الجھا رہے ہیں۔ میرا دل یوں ہی بہت گھبرا رہا ہے" وہ یاور علی خان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"ابا صاحب کو سب علم ہے یہی آپ کو بتائیں گے امی جی۔ میرا تو اپنا دماغ پھٹنے کو ہے"۔ ان کی آواز سے شدید خفگی ظاہر تھی۔

"ہیں" اماں جی ہول کر رہ گئیں۔

ان کا دل خوفناک اندیشوں سے سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا۔ یاور علی خان کی بات بھوت بن کر ان کے ایک ایک حلیے میں اتر گئی تھی۔

"تیمور اور چھوٹی دلہن کسی قیمت پر بھی سلریہ کو حویلی میں رکھنے پر تیار نہیں ہیں۔ ان کا بس چلے تو وہ ابھی اس کا ہاتھ پکڑ کر حویلی سے باہر کر دیں"۔

"ہیں — اب تیمور بھی آگیا بیچ میں"۔ اماں جی نے ابا صاحب کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی بے تابی سے کہا۔

"مگر بات آپ کو سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ بات کچھ اور ہوگئی ہے۔ ان دونوں کو سلریہ کا وجود حویلی میں گوارا نہیں ہے۔ یہ بات البتہ سمجھ میں نہیں آرہی کہ وہ بچا اس سے کیوں لینا چاہ رہے ہیں"۔ ابا صاحب نے بتایا۔

"مگر ایسی بات — یاور کہہ رہا ہے اب وہ حویلی میں نہیں رہ سکتا"۔ انہوں نے بہت دکھی انداز میں اماں جی کو مطلع کیا۔

اماں جی حیران پریشان یاور علی خان کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ استعجاب اتنا حاوی تھا کہ وہ کچھ بولنے کے قابل نہ رہی تھیں۔

"آپ سلریہ کو بلائیے — اپنے پاس اکیلے میں — اس سے بات کریں پھر حقیقت کیا ہے اس لئے کہ جو کچھ ہم نے سنا ہے ابھی اس کا یقین نہیں کر پا رہے اور خدا کرے جو سنا ہے وہ غلط ہو"۔

"بیٹے — دلہن اگر بڑی پڑھی ہوئی ہے۔ تھوڑی آزاد خیال ہے۔ طبیعت میں ذرا غفلت اور لاپرواہی ہے۔ قدرتا آگے جا کر وہ سوچے

دلاور علی خان نے یاور علی خان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بہت شفیق لہجے میں کہا۔

"میں قیامت تک اس طرح کی کسی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا مگر پاپا صاحب مطہر بھی بے وقوف اور دل کا کمزور ہے۔ وہ کیا کہہ گئی ہے اور بات غلط فہمی ہونے پر آپ کے ہاتھوں اس کا کیا حشر ہو سکتا ہے۔ آپ اس پوائنٹ پر غور کریں"۔ یاور علی خان نے سمجھے سمجھائے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی۔

"اس بات نے میرے بدن کو ہلا دیا ہے"۔ وہ ہارے ہوئے انداز میں گویا ہوا۔

"اماں جی!" نجابت سمجھے ہوئے انداز میں دونوں کو دیکھ رہی تھیں ان کا وجدان کسی بہت بڑے خطرے کی گھنٹی بجا رہا تھا۔ جس کے سبب ان کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی تھی۔

"اب یہی ہے کہ تمہاری ماں مطہر سے تنہائی میں حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد ہی سوچا جا سکتا ہے کہ آگے کیا کرنا چاہیے"۔

"کیا پوچھتا ہے زبردان ہانو سے؟" اماں جی کی آواز کانپ رہی تھی۔

"یہی کہ وہ بات جو اسے آپ سے کرنا چاہیے تھی اس نے یاور سے کیوں کی؟ کیوں اسے پریشان کیا؟ اور کیا ہے اور کیا ہو سکتا ہے وغیرہ اس نے کہا وہ صرف اس کی احمقانہ سوچ ہو"۔

طوفان سر پر پہنچا ہوا محسوس ہو رہا ہو تو پھر وہ طوفان ٹالنے والے کسی بھروسے کی ہوتی ہے۔ بھروسہ بھی وہ جو اگلے ہی لمحے ہو۔ اب خان دلاور علی خان بھروسے کے مرحلے پر آ گئے تھے۔ انہیں اب صرف بھروسہ چاہیے تھا۔ ایسے میں طور طریق ہی پہلا مرحلہ ہوتی ہے بھروسے کا۔

"کیا بات کی اس نے یاور سے؟" اماں جی کی معصوم آنکھوں سے خوف اور تشویش جھانکنے لگی۔

حالانکہ وہ بات جو ان تک پہنچنے والی تھی اس نوعیت کا خیال تو انہیں بہت گہرائی میں جا کر بھی نہ آ سکتا تھا۔ ان کا دھیان کسی اور ہی سنگین قسم کے جرم کی طرف آ رہا تھا۔

"یہی کہ لڑکیوں کے ساتھ خوش نہیں ہے اور تم ہو"۔

"ارے۔ آسمان پھٹ جائیگا۔ کچھ خوف خدا کریں"۔

ان کی حسیات تو اتنی چوکس تھیں کہ اور ہی بات سے انہوں نے پوری کہانی اخذ کر لی۔

"لاحول ولا قوۃ۔ میں سمجھی خیریت ہے زندہ ہوں — ارے میرے اللہ"۔ وہ ایک طرف ڈھلک گئیں۔ دلاور باپ بیٹے ان کی طرف تیزی سے بڑھے۔

"یاور! اپنی ماں کو بستر پر لٹاؤ"۔ دلاور علی خان نے ملازم کو بلانے کیلئے گھنٹی بجائی۔

"میں نظر رکھتا ہوں"۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"یاور! تمہاری ماں کا دل بہت کمزور ہے بیٹے"۔ وہ دکھ سے گویا ہوئے۔

"مجھے اس بات کا قطعی علم نہ تھا۔ پاپا صاحب۔ اس نے تو آپ سے کہا تھا مجھے کوئی سے بھی بات کرنے کو کہا تھا۔ وہ بھی نے اسے غلط سمجھا ہے"۔ یاور علی خان نے وضاحت کی۔

"تم پاپا سے کیسے کہہ سکتے ہو۔ تم اور اور ہو۔ یہ ہوا کیا تھا؟"۔

وہ اماں جی کے سر پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ یاور علی خان ماں سے مخاطب ہوئے تھے۔ وہ کچھ بعد وہ یاور ہی کر سکتے تھے۔

"وہ پاپا — بڑی بہن کو بلاؤ۔ اور ایک گلاس پانی کچن سے لاؤ"۔ دلاور علی خان نے فوراً حکم دے کر اسے ملازم کو روانہ کیا۔

مطہر سوپ لئے اسے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی۔ مگر قدم ایک دم سے من بھر کے ہو گئے۔ سامنے ہی تیمور علی خان ماں کے بالکل قریب بیٹھے تھے۔ انہوں نے دروازے کھلتے ہوئے دیکھا پھر مطہر کو اندر آتے ہوئے۔

وہ اسے تنہائی پر محمول کر اماں جی کو ہوش میں لانے لگی کہ یہ جاگ رہی ہیں۔ تیمور علی خان نے قطعی نظر نہیں کیا۔ خاموش بیٹھے ماں کا ہاتھ سہلاتے رہے۔

"اماں جی! آپ جاگ رہی ہیں؟" اس نے براہ راست اماں جی کو مخاطب کیا۔ تیمور علی خان کو مخاطب کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی تھی۔

"کون آ زبردان ہانو؟" اماں جی نے آنکھیں کھول دیں۔

"جی — سوپ لائی ہے بڑی بیگم نے آپ کیلئے"۔ وہ دھیمی آواز میں کہنے لگی۔

"لے جا اپنا سوپ! اپ۔ میرا جی نہیں کر رہا کسی چیز کا"۔ وہ بے زاری سے گویا ہوئیں۔

"تھوڑا سا لے لیں — آپ نے دوپہر کو کھانا بھی نہیں کھایا۔ مرغی کا سوپ ہے"۔ وہ اصرار کے انداز میں گویا ہوئی۔

"مرغی کا ہو یا اونٹ کا۔ کہہ دیا ہاں۔ میرا دل نہیں کر رہا۔ لے جا یہاں سے"۔ وہ اسی سابقہ بیزار کن انداز میں گویا ہوئیں۔

"لے لیجئے اماں جی — کمزوری بڑھ جائے گی۔ پلیز"۔ تیمور علی خان نے بہت فرشتہ انداز میں کہا۔

"یا تو آپ پریشانی ہضم کیجئے یا سوپ لے لیجئے۔ پتا تو چلے ناں آپ کیوں پریشان ہیں"۔ تیمور علی خان نے محبت سے ماں کا ہاتھ دبایا۔

"کچھ نہیں۔ جا تم بھی اپنا کام کرو۔ میں ٹھیک ہوں"۔ انہوں نے بے زاری سے جواب دیا۔

"ایسے کیسے چلے جائیں۔ اتنی دیر سے یہ پوچھ رہے ہیں کہ آپ کو کیا پریشانی ہے۔ آپ بتائیں گی تو دور کرنے کی کوشش کریں گے"۔

وہ کھلا نہ آنے والے تھے۔ وہ خاموشی سے کہنی سانس لینے لگیں۔

"مجھ سے زیادتی برداشت نہیں ہوتی تیمور۔ تم اس بے آسرا لڑکی کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔ کیوں ستا رہے ہو اسے

عربی سے"۔ وہ جیسے ہنس پڑیں۔

"کمال تو نہیں ہو رہے۔ سرائے بھگتا رہے ہیں۔ یہ آہستہ آہستہ مسئلہ بن رہی ہے۔ اب آپ کو کیا بتائیں اور کیا نہ بتائیں"۔

"اس کی جگہ کوئی اور انسان ہوتا تو وہ ہمارے لئے لعنت بن جاتا۔ ہمیں بھی سکون پہنچاتا اور خود بھی سکون سے رہتا۔ مگر اسے سمجھانیاں، اس نہیں آئیں۔ ہم تو لندن چلے جائیں گے۔ مگر پھر یہ آپ کیلئے مسئلہ بن جائیگی۔ اماں جی آپ نے جو سلوک اس کے ساتھ کیا۔ ہم سب کو سزا مل رہی ہے۔ یہ بابا آپ بھول بیٹھی ہے۔ برابری کرنے لگی ہے۔ ٹھیک ہے ہم غلط سوچ لے آئے تھے۔ مگر کبھی اس کو بھی تو سوچنا چاہیے۔ آپ نے اس کی گستاخی دل سے نہیں دیکھی ہے"۔

"ارے ایک کونے میں پڑی ہوئی ہے کیا کہہ رہی ہے کسی کو"۔ اماں جی نے ان کی بات کاٹ دی۔

"کاش ایک کونے میں پڑی رہنے والی ہوتی۔ عربی کے معاملات میں مداخلت کرنے لگی ہے۔ یہ ہم برداشت نہیں کر سکتے"۔

☆—☆—☆—☆—☆

تیمور علی خان ماں کی حالت کے پیش نظر اٹھ کر تو آ گئے تھے مگر بہت الجھ گئے تھے۔ پتا نہیں انہیں کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ یہاں پر کوئی پراسرار طوفان متحرک ہے جو سامنے آنے والا ہے۔

وہ پھر بے کل انداز میں ماں کے پاس دوبارہ آ گئے تھے۔ یہاں کیفیت مزید بہتر ہوا تھا کہ وہاں مطمئن نہیں تھی۔

اماں جی آنکھیں موندے لیٹی تھیں، وہ خاموش انداز میں ان کے قریب پڑی کرسی پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔

"میرا بچہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ہاں تو سختیریں بھی سر اعتراف کر جھکتی ہیں۔ اور یہ تو آیزہ کے ساتھ بیاہی جانی تھی"۔ وہ بے اختیار بڑبڑا رہی تھیں۔

"میرے اللہ تو مان رکھ لے میرا۔ میری عزت رکھ لے"۔ وہ پھر بڑبڑائیں۔

تیمور علی خان بری طرح چونک پڑے۔ جانے کیا کیا ان پر الہام ہونے لگا۔ پھر کسی یوسف کا دامن پیچھے سے پھٹا ہے، نہایت مضروب و مصاب ہونے کے باوجود ان کی نگاہوں کے سامنے تاریکی چھانے لگی۔ وہ بیٹھے لگا۔

وہ آتش جوالہ لڑکی، کچھ نہیں کر سکتی۔ یقین کیا جا سکتا ہے کہ گہری ہوتی رات کی تاریکی میں چھپ کر کسی مخالف سے تصادم کرنے والا دل غیر ہوتا تو تاریک روشنیوں میں ہوتا۔

"خالی کاغذ کی نسب سے کیا ہوتا ہے۔ کہ تو دوسرا کاغذ نے کر تحقیق سے بلکہ کوئی نسب نہیں۔ آدمی ہے خاندان
ساری کی ساری غلط جذبات الواح ہیں۔ یہ ہم لوگ کھائے ہوئے انسان ابھی تک نسب کی حقیقت سمجھ ہی نہیں پائے ہیں۔
تو یہ بات ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر کاروان کا آغاز کس سے ہونا چاہیے۔ ہم تمہیں پھوڑ دیں گے اسے۔ ان کی آنکھوں
سے لہو ٹپکنے لگا۔

"اماں جی! ہم خاصے آزاد خیال تھوڑے سے ہیں فرمان اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کے معاملے میں تھوڑے سے
لچک اور سکنڈل ضرور ہیں۔ مگر اس وجہ کینے اور گھٹیا نہیں ہیں"۔

وہ خود پر کنٹرول کھو چکے تھے اور کچھ اس بات کی بھی جلدی تھی کہ ماں کو تکلیف دہ کشمکش سے نجات دلا دیں۔ جس کے
سبب ان کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ انہوں نے بے اختیار ماں کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ان کی آواز شدت جذبات سے لرز رہی تھی۔

اماں جی نے چونک کر آنکھیں کھول دی تھیں۔ تیمور کے بیٹے نے انہیں تڑپا کر رکھ دیا تھا۔

"ہاں! مجھے یقین ہے میرا بیٹا ایسا نہیں ہو سکتا"۔ اماں جی کی آنکھوں میں نئے سرے سے ہتک کا بات آ گئی۔

"جب آپ کو یقین ہے تو پھر آپ کی یہ حالت کیوں ہوئی؟" تیمور علی خان کے انداز میں شکوہ تھا۔

"یہ تو اس بات کا صدمہ ہے کہ میرے گھر میں اس طرح کی بات ہوئی کیوں۔ اللہ خواہ مخواہ۔ ہمارے ہاں ایسی بات کا
کبھی بھی تصور نہیں کیا جا سکتا"۔

اماں جی میں نئے سرے سے توانائی آتی محسوس ہو رہی تھی۔

"تو پھر جھگڑا کیا ہے۔ جب کوئی بات ہی نہیں ہے۔ بڑی ہوئی ہے ایک طرف تمہارا کیا نکلی ہے بیٹے۔ چھوڑ دو اسے اس
کے حال پر"۔

وہ تیمور علی خان سے گویا سفارش کر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہو گئی اماں جی — ابھی بھی آپ کی اس کی سفارش کر رہی ہیں۔ اب تو آپ کو چاہیے کہ پہلی فرصت میں اسے
یہاں سے شفٹ کر دیں تاکہ آئندہ اس قسم کا کوئی مسئلہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکے۔ اتنی گھٹیا الزام تراشی وہ بھی ہم پر۔ غصے اور دکھ کی
ملی جلی کیفیت تھی اس وقت ان کی۔

"کہہ تھی ہے — سمجھ دوں گی اسے۔ بے سہارا بچی ہے۔ اسے بھرے گھروں میں رہنے کا تجربہ بھی نہیں اور دشمنوں کی
نزاکتوں تک اس کے دماغ کی پہنچ نہیں۔ جانے کس بات کو کس رنگ میں لے بیٹھے۔

"میں تمہارے بابا صاحب کو بھی سمجھانا چاہ رہی تھی کہ اس طرح غصے اور تیزی میں نہیں سوچیں۔ میرا تیمور اپنی بھاوجوں
کی بہت عزت کرتا ہے شاید ہی کسی دیور نے کبھی کی ہو۔ نہ ہی ہمارے گھر میں کوئی ایسے گرے پڑے گھر کی ہے جہاں گدھے گھوڑے
ایک ہو رہے ہوں"۔

"یہ زیادتی کا اس قصے میں کیا ذکر؟" تیمور علی خان نے تعجب کا مظاہرہ کیا۔ اگرچہ اندر کہیں اسلم بھی گرا تھا۔

اماں جی ان کی شکل غور سے دیکھنے لگیں۔ (تو پھر کس کا ذکر؟) مگر وہ سا چپ ہو کر رہ گئیں۔

دونوں ماں بیٹے اپنی اپنی خاموشی میں بکھرا سوٹ لئے تھے۔ دونوں کو احساس ہو رہا تھا کہ بات وہ ہے جو کہی نہ جا سکی
اور نہ ہی وہ ہے جو سمجھی جا چکی ہے۔ مگر بات تو وہ ہے جو لوگ زبان پر لاتے ہوئے طرف کس ہر سے نہیں۔

وہ جو غرض، دنوں کیفیات ان گنت مگر کھچی ہے ان کی لاتعداد انتہائیں تھرو ہیں۔ مرتے ہیں۔

دونوں ماں بیٹے اس وقت وہ جملہ جملہ کیفیات سے گزر رہے تھے۔

اماں جی کی حیرت تکلیف دہ الجھن میں تبدیل ہو چکی تھی۔

"ہم آپ سے پوچھ رہے ہیں اماں جی کہ وہ بھابی کا اس قصے سے کیا تعلق؟ اگر تو اس بے حس و بے ضمیر لڑکی کا ذکر
کر رہے ہیں جس نے ہمیں آپ کی نظروں سے گرانے کی کوشش کی ہے۔ پھر یہ معاملہ ہمارا ہے ہم نپٹ لیں گے۔ آپ یہاں
میں کہاں سے آ گئیں؟"

اونچا بولنے سے تیمور علی خان کے بیٹے میں ایک ذرا سے دل نے جان بچا رکھی تھی۔ وہ بات جو کہنے میں آ رہی تھی اس
فوراً کی تھی کہ اس وقت انہیں اتنی ہمدردی اور ہمدردی تھی جو انہیں کسی انتہائی اقدام سے باز رکھ سکے۔

"آپ چپ کیوں ہیں اماں جی؟ ایک بات تو بتائیں ہم آپ کو اگر ہم اس کے سوکھے بیمار بھوئی کے سامنے ذلیل و خوار کریں تو
برا کریں گے؟"۔

وہ مٹھیاں بھینچے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آج بہت اس کم ظرف کی یاد بھی ستائے ہیں"۔

اماں جی روکتی رہ گئیں مگر وہ باہر نکل گئے تھے۔

سامنے ہی ماما بلی آ گئی تھی

"ماما! مطربہ کہاں ہے؟"

سنا ہے جب انسان پر خون سوار ہوتا ہے تو اس کے خون سے بھاپ اٹھ رہی ہوتی ہے۔ ماما کو ان کے ہونٹوں سے کچے
گوشت کی بو آنے لگی۔ کہ ان کی آنکھیں اندر کا بھید بتا رہی تھیں۔

ماما تو تھرتھرا پڑے گی۔

"ج — رخ — خان۔ ابھی تو یہیں تھیں۔ باورچی خانے میں۔ نہیں نہیں اپنے کمرے میں۔ نہیں وہ ادھر باغ
میں"۔ ماما کی بدحواسی نے گویا جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"ماما! ہمیں ٹھیک جگہ بتاؤ ورنہ ہم تمہیں شوٹ کر دیں گے"۔

ان کی فراہٹ تاری تھی کہ بصیرت کے دائرے سے نکل کر اتنی دور آ گئے ہیں کہ انہیں واپس لوٹانے کی کوشش میں اسی
حوصلے کا کام ہو گی۔

"اے ہے ماما بلی بھی اپنی کا نہیں بھلی آئی تھی۔

"ارے میرے بچے میری بات تو سن — تو نے بات تو سنی نہیں"۔ وہ چیخ رہی تھیں جیسے بھوتنے بچے کو بہلانے

ہیں۔

مگر تیمور علی خان کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

اسی دم سلویہ ہادی کی آواز سنائی دی۔ وہ سیڑھیوں سے اتر رہی تھی۔ وہاں کی صورتحال پر قدرے تعجب سے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تیمور علی خان اس کی طرف عقاب کی طرح جھپٹے تھے۔ سلویہ کے حواس اتنے چوکس تھے کہ وہ آن کی آن میں بہت کچھ سمجھ گئی۔

وہ ہادی کو وہیں چھوڑ کر بابا صاحب کے کمرے کی طرف سرپٹ بھاگی۔

دلاور علی خان ٹیلی فون پر کوئی بہت ضروری بات دانستہ انداز میں کر رہے تھے۔ دروازہ دھڑ سے کھلا اور سلویہ کرنٹی اندر تھستی نظر آئی تو انہوں نے مخاطب کو مطلع کیے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات تیمور کی ہے لڑکی؟" وہ حیران بھی تھے اور ناراض بھی مگر صرف ناراضگی ظاہر کر رہے تھے۔

"چچا — خان!" وہ ان کے پیڈ کی پشت پر آ کھڑی ہوئی۔ "خان وہ تیمور خان ہیں۔ مجھے بچا لیں"۔

ابھی وہ اتنا ہی بول پائی تھی کہ تیمور سست قدموں سے اندر داخل ہوئے۔ باپ کی موجودگی کو شاید وہ کسی بھی ہوائی خطر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ عجیب بے بسی ان پر چھا گئی تھی۔

ادھر اماں جی نے "امدادی کارروائی" کا کورم پورا کرنے کی غرض سے یاور علی خان کو پکار لیا تھا۔

"کیا ہوا بیٹے۔ ہوش میں آؤ۔ عورت ذات ہے"۔

وہ بہت ہی گھبرائے ہوئے انداز میں تیمور علی خان کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ یاور علی خان بھی بابا صاحب کی خواب گاہ میں داخل ہوئے۔

"بی بھول بم سب ست ہو گئی ہے۔ یہ عورت ذات نہیں ہے"۔

عزت نفس جرأت کی ماری پڑی تھی کہ سارا اکتساب۔ ساری سیکھ ان جھو ہو گئی تھی۔ اب تو صفحہ پر ایک خوش شکل جوان رہا تھا۔

"بیٹے! اس نے کچھ نہیں کیا۔ کچھ نہیں کہا۔ تم میری بات تو سنو"۔ اماں جی پھر بھی انداز میں تیمور علی خان کی ترجمانی کر بیٹھیں۔

"اچھا اس نے کچھ نہیں کیا۔ پھر ایسا کیا ہے کہ یاور بھائی ہادی شکل سے بیزار ہیں۔ بات ابھی ابھی سمجھ میں آئی ہے"۔

وہ غور پر تو پائے ہوئے بمشکل کہا ہوئے۔

"ہادی! ہم تم سے پہلے اسے مطلع کر چکے ہیں کہ خاندانی نجابت ہوتی تو اس کا انجام ہمارے ہاتھوں بہت عبرتناک ہوگا۔ یہ بے وقوف ضرور ہے پاگل نہیں ہے"۔ یاور علی خان کا لہجہ قطعی غیر جانبدارانہ تھا۔

"آپ لوگ بیٹھ جائیں"۔

"بابا صاحب کی بہت لال آواز سنائی دی۔ اماں جی تو جھاڑ پھونک کی طرح سوت ہو گئیں۔ اس "ہیں" میں کہ خان صاحب اس طلاب سے نکالنے کیلئے کوئی بہترین اقدام کرنے والے ہیں۔ ان کی ذہانت اس قدر تھی کہ وہ بہت کچھ سمجھ سکتی تھی۔

ہادی علی خان باپ کے قریب پڑی کرسی پر آ بیٹھے۔ تیمور علی خان بادل نخواستہ صوفے پر بیٹھ گئے۔

"تم دھرا آؤ لڑکی — ہمارے سامنے کھڑی ہو"۔

وہ اپنی پھڑپھڑاتی ہوئی پلکوں پر ہاتھ مضبوطی سے جمائے کھڑے تھے۔ بظاہر تو کچھ نہیں کہا تھا لیکن سلویہ کو مخاطب کیا۔

سلویہ سر پر چادر لگاتی آہستہ چلتی ہوئی ان کے بہت قریب آ کھڑی ہوئی۔ اس زاویے سے کہ دائیں بائیں کسی بھی سمت سے آنے والے نقصان پہنچانے کی کیفیت میں آ جائیں تو بابا صاحب سے گزرے بغیر اس تک نہ پہنچ سکیں۔

بابا صاحب کا پلنگ داخلی دروازے سے کافی فاصلے پر دیوار کے بالکل ساتھ تھا۔ دیوار اور پلنگ کے درمیان بمشکل آدھے آدمی کا فاصلہ تھا۔ جہاں بیٹھ کر قتل سلویہ پھنسی ہوئی تھی۔

جس صوفے پر تیمور بیٹھے تھے۔ وہ داخلی دروازے کے بالکل ساتھ تھا اور جس کرسی پر یاور علی خان بیٹھے تھے۔ وہ کمرے کے بیچ کی طرف تھی۔

جبکہ یاور علی خان اور سلویہ کے درمیان بابا صاحب سراپا کھڑے تھے۔ اماں جی یاور علی خان کے قریب بیٹھ گئی ہوئی تھیں۔ خواہ مخواہ حواس باختہ تھیں۔ کبھی اضطراری انداز میں وہ پاس جاتی تھیں۔ کبھی بیٹوں کی شکلیں دیکھنے لگتی تھیں۔

"تمہیں خدا واسطہ خلاصی آتے ہیں نا صاحب جی۔ ہماری اے بدنصیب لڑکی تمہیں اتنی جرأت ہوئی کیسے کہ تم یاور علی خان سے اس قسم کی بات کر سکو۔ جرأت کو بھی نظر انداز کر دیں ہم لیکن کیوں نہ کہیں کہ تم اس قدر بے حیا ہو چکی ہو کہ عورت کے پاس جاتے ہوئے بھی کوئی سابھ نہیں رہا ہے۔ ہمارے منہ میں خاک اگر کسی قسم کی سن گن تمہیں مل بھی گئی تھی تو کیا تمہیں یاد نہیں رہا ہے کہ تم بالغین کے ہوتے ہوئے گھر کے لڑکوں سے یاور امت بات کرو۔

"سچی یا غلط پھر بھی اس کی بیٹھ میں ہاتھ دیا۔ جس نے تمہاری بھلائی کیلئے سب سے زیادہ جرأت دکھائی۔ عمل کام کیا؟ کیوں کی تم نے یہ حرکت؟" وہ بغیر لگاوٹ کے سلویہ سے مخاطب تھے۔

وہ خاموش کھڑی انگلیاں چٹخاتی رہی۔

"کیا تمہیں ادھر عربی میں کسی نے مشورہ دیا تھا کہ یاور علی خان سے تم خود بات کرو"۔ وہ پھر خاموش کھڑی رہی

"دیکھ رہے ہیں آپ اس کی ڈھٹائی؟" تیمور علی خان نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورا۔

سلویہ نے نگاہیں اٹھا کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"میں بچے کا کچھ پرلو آتی خان۔ تمہارے ٹیلے میں بھتنہ نے لگ رہے تھے۔ تمہارا وہ ست سیج اٹھا تھا جیسے جنت سے اوکرا اتھا۔ تم نے مجھ پر احسان کیا اپنے سر سے مجھے بچا ہونے کا احساس دلایا۔ خود تم نے کبھی محسوس نہیں ہونے دیا۔ تمہاری بھی کوئی ہستی ہے مجھے اور کھڑی کھڑی بڑی خاموش تا کیہ کی گئی کہ اپنی اوقات بھی بتا دوں۔

اور نہیں تو ہمارا کون لیا تھا۔ بغیر آواز کے تو بغیر بچوں کو دیئے ایک طرف ہو جاتے۔ نہیں نہیں۔ تم تو بچا لئے گئے ہو۔ اس لئے مجھے سزا دی گئی تھی۔ حفاظت کیلئے اور دوسرے سدا سے بھی تھے۔

میرا تن من دھن لٹا گیا ہے۔ میرے دل کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ میں بغیر خوشی کے رہ سکتی ہوں تو اور سب کیوں نہیں رہ سکتے؟ جب میں مر مر کر سانس لے سکتی ہوں تو اور دوسرے ایسا کیوں نہیں کر سکتے۔ وہ تب ہوں گی کہ میں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی ہوں۔

اگر یہ سب بے قصور ہیں تو میں بھی بے قصور تھی۔ ان کی کوئی اور خطا اور کوئی اور خدا نہیں ہے۔

تمہیں کیا پتا خان۔ اپنا جو دیا کرنا عورت کی سب سے بڑی طاقت اور سب سے بڑی بلا ہے۔ جب یہ بلا مرضی کی بجائے عورت کو لاحق ہو اور مرضی کی نہ ہو تو اس بلا کے بدلے کبھی خود کو معاف نہیں کرتی۔ میرے اندر آگ ابل رہی ہے۔ یہ بہت نقصان دہ ہے۔ میں کسی پر رحم نہیں کھاؤں گی۔ سب کچھ جلا کر خاک کر دوں گی۔ جب میں رہ سکتی ہوں تو اور دوسرے کیوں نہیں رہ سکتے۔ جب میں مر مر کے جی سکتی ہوں تو اور کیوں جیا نہیں کر سکتے۔

جب میری انسی کے بغیر آس پاس خوشی ہو سکتی ہے۔ جب علی کے بغیر اس کے جیتے جی اس کے ماں باپ اور بھائی بہن ہیں۔ جب اس کے بغیر اس کا گھر چل سکتا ہے۔ جب میرے بغیر میری ماں زندہ رہ سکتی ہے۔ جب میرا پورا پورا سب کچھ خوابوں کی بھول میں ڈال سکتا ہے تو پھر سب کچھ ہو سکتا ہے۔ وہ میرے ہاتھ تو آئے پھر تڑپاؤں گی اسے بھی بھول کی قسمت۔

"بیٹا اب ... کیا کوئی کمی رہ گئی ہے۔ کیا پوچھ رہے ہیں تیرے بڑے خان؟"

اماں جی نے اس کی مسلسل خاموشی پر نہایت فکر مندی سے ٹوکا۔

"کیا؟" وہ ایسی طرح چونک کر ان سب کی صورتیں دیکھنے لگی۔ "علی خان ... کیا پوچھا آپ نے؟"

"تو نے یار علی خان سے کیا اتنی سیدھی بات کی۔ شرم آنا چاہیے تجھے خانوں سے اس طرح کی بات کرتے ہوئے۔"

اماں جی کو اندازہ تھا کہ ولی عہد علی خان اس وقت خون کے گھونٹ پی رہے ہیں لہٰذا انہوں نے شریک حیات کی سرزنش کی۔

"یار خان بہت مہربان بہت نیک انسان ہیں۔ وہ سب کی عزت کا حق پہچان کر بات کرتے ہیں۔ مجھے اچھا نہیں لگا کہ ان کا اپنا بھائی ان کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی کر رہا ہو اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔"

کمرا بلا تھا یا پوری حویلی۔ یا بہت سرپرائز ہو رہی تھی۔

کمرے میں اس طرح کی خاموشی تھی جیسے کسی مرنے والے کی آخری ہچکی سے پہلے ماحول میں سکوت چھایا ہوا ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے پلنگ کے پاس ہر طرح کا رشتہ موجود ہوتا ہے مگر اداس بہت ہوتا ہے۔

تیمور علی خان یوں بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے جیسے کسی تھیٹر کے منتظر ہوں جیسے وہ بولتا کچھ اور چاہ رہی ہو اور بول کچھ اور رہی ہو۔ یا پھر انہیں مغالطہ ہی ہوا ہو۔

"آپ خود یہ کیوں بڑے خان اپنے منہ سے بات اور کسی سے کیوں کہتی۔ اس کا کیا فائدہ ہوتا؟ یار خان علی اپنی بیوی سے

بات کر لیتے تھے۔ میں بہت اندر بہت بکھر گئی تھی۔ اب مجھ سے یہ اذیت نہیں سہی جاتی میں نے بڑے خان سے کہا تھا۔"

وہ علی خان نے بڑھتے آئی تو اسے تمہیں کو سلا بھرا ایک جھٹکے سے اٹھا کر باہر نکال دیے۔

اماں جی کیلئے کی کیفیت تھی دل پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھیں۔

تیمور علی سخت دکھ اور حیرت سے پتھرا کر رہ گئے تھے۔

وہ یار علی خان اجنبی نظروں انداز میں بیوی کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

ہاتھ اور پیر کی پرواہ علی سے بے تھے مگر سر جھکا ہوا تھا۔

"زیب کی ماں اس سے پوچھا یہ کیوں کر دی؟"

ان کی کمزور سی آواز کمرے میں ابھری۔ اگر ایسا کچھ بھی تھا تو اسے ان سے پوچھنا چاہیے تھا یا یہ سب کرنا چاہیے تھا۔

اماں جی خالی خالی آنکھوں سے مطرب کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

چند لمحے بعد تیمور علی خان اپنی جگہ سے اٹھے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مطرب کے قریب آئے۔ بابا صاحب نے اپنے اوراد و اشغال میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔ اماں جی میں سکت نہ تھی۔

مطرب بجل کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

تیمور علی خان تیز دھار بلیڈ، بلیڈ کی جیک ان بکس چھری اور پلیس کر شرٹ میں ہتھوں بلا کے خوبصورت اور پرکشش نظر آ رہے تھے۔

"کیا چاہیے تمہیں؟" ان کی آواز میں کوئی اتار چڑھاؤ نہیں تھا۔

مطرب سر جھکائے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ بابا صاحب کی موجودگی میں تھوڑی بہت تقویت ضرور تھی مگر تیمور علی خان سے اس وقت ہر طرح کی امید کی جا سکتی تھی۔

"ہم پوچھ رہے ہیں تم سے کچھ۔ کیا چاہیے تمہیں؟" بابا صاحب اماں جی اس وقت یہاں موجود ہیں ہم تمہیں اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ ہم میں کوئی بھی تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ تم ہم تینوں کی موجودگی میں صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں کیا چاہیے؟ زمین ... حویلی ... یا ..." وہ قدرے جھک کر کہ کے۔ "یا تیمور علی خان"۔

جیسے پاؤں پڑا ہوا تھا۔

تکیہ کھانے کی رہی تھی۔ ایسی بھڑ بھڑا کر آگ لگی کہ تن من خاکستر ہونے لگا۔

وہ قدم مزید پیچھے ہٹ گئی۔

اماں جی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تھا۔ جیسے وہ کہیں بکھر کر بھاگا جا رہا ہو۔

بابا صاحب پورے ضبط اور وقار سے صورتحال کا سامنا کر رہے تھے۔

"خود غرض لڑکی اتم اتنا آگے نکل جاؤ گی ہمیں یہ امید نہیں تھی۔ انسان کا پہلا کمزور نقطہ روٹی کے بعد یہ ہے کہ سب سے پہلی غلطی کی مرتکب ہو۔ دل کی تمام خواہشات اس کے بعد آتی ہیں لو جیتی گئی۔ ہم نے اسی کا بندوبست کیا تھا تمہارے ہاتھ ڈال

ریلی یہ سب کچھ ہوتا تو ہم تمہاری دوسری ضروریات کو اہمیت دیتے مگر تم علم و فضل کی پیداوار ہو تمہیں تو ہمیں کچھ اور ہی سکھانا چاہیے۔"

"تاؤ بابا صاحب کو کہ یہ اصل میں تمہیں کیا چاہیے۔ تاؤ؟"

انہوں نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے انگلی لگا کر چہرہ اوپر اٹھایا۔

اس کی نیت سے پہلے آنکھیں تیمور علی خان کے چہرے پر لپک گئیں۔

وہ "بے خبری" کے ماتم کرتے کرتے پاگل ہو گئی۔ مگر یہاں تو خبر ہی خبر تھی۔

پہلے کہیں اتنا بھی ہو جاتا تو وحشتیں یہ مقام کہاں دیکھتیں۔ اس کی تو دنیا ہی جل گئی تھی۔ اس نے ماں تیمور علی خان کو ایسے دیکھا جیسے قربان ہو جائے گی۔

"یہ تم اس سے کس طرح کی باتیں کرنے لگے تیمور؟" بابا صاحب زیادہ دیر خاموش نہ رہ سکے۔ وہ بھی ان کی طرح حیران تھی۔

"تم تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ ہم تم پر تھوک بھی دیں۔ تاؤ۔ بابا صاحب کو باہر بھائی کو بلا کر لاؤ۔ تم نے ابھی تک حرکت کیوں نہیں کی؟ جاؤ۔ خاموش کیوں کھڑی ہو؟" ان کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"تاؤ۔ ورنہ ہم تمہارا استقبال کریں گے"۔

ایک زناٹے دار تھپڑ انہوں نے سطریہ کے گلابی رخسار پر جڑا تو پانچوں انگلیوں کے نشان واضح طور پر ابھر آئے۔

اماں جی کانپ کر کھڑی ہو گئیں۔ اور سطریہ اور تیمور علی خان کے درمیان کھڑی ہو گئیں۔

"یہ کر رہے ہیں تم نے بھی ایسا کیا"۔ انہوں نے تیمور علی خان کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

"پہلے کبھی ایسا ہوا بھی تو نہیں۔ اماں جی! ہم کھڑے کھڑے لٹ رہے ہیں۔ آپ درمیان میں نہ آئیں۔ پلیز"۔

وہ بمشکل خود پر قابو پا کر مخاطب تھے۔

"آپ ادھر آرام سے بیٹھ جائیں"۔ بابا صاحب نے بھی انہیں ٹوکا۔

سطریہ رخسار پر ہاتھ رکھ کر نظریں جھکائے چپ کھڑی تھی۔

"تم بھی ادھر آؤ تیمور۔

جتنی بات ہم سمجھے ہیں اس حوالے سے ہم خود اس سے بات کرتے ہیں"۔ وہ تیمور علی خان جھڑی پر زور دے کر کھڑے ہوئے۔

"اپنا مقام پہچانتی ہو لڑکی۔ یہ وہ جاگیر ہے جسے انگلستان کا کوئی لارڈ بھی خوشی سے بیٹی دے دے گا"۔

"تم نے یہ سب اندازہ کر لیا تھا جب ہی یہ گند ڈالا کمینے۔ کیا تیمور صحیح کہہ رہا ہے؟ ہم ٹھیک سمجھے ہیں؟"

وہ بہت رسانیت سے پوچھ رہے تھے۔ سطریہ نے نظریں اٹھا کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

نفرت سے اس کا چہرہ جھلس رہا تھا۔ پھر اس نے بابا صاحب کی سمت دیکھا۔

"جرات آپ کے بس میں نہیں چھوٹے خان۔ وہ آپ کے منہ سے بھی کیوں نکالیں گے تو بھی آپ کے بھائی

کہہ آپ لوگ ہو جائے مجھے سزا دیں۔ مجھے برا کہہ لیا کہہ لیں"۔

اس کی حسن پرستی بھی پھر نہیں پڑے تھے کہ وہ بے خان کے سامنے بات بدل کر اپنے دفاع کی راہ ہموار کرتا۔

"تم کسی کے سامنے اپنی غلط بیانی کا اعتراف کر کے گر بار کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگو اور بتاؤ کہ تمہاری حماقت، جہالت نے تم سے یہ سب کرایا۔ اور پھر تم بہت کچھ کہنے سننے سے بچ جاؤ۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ تمہیں یہ حلقے کر جیل سے باہر کر دیا جائے مگر ہم اپنی بچیوں کے صدقے میں تمہارے ساتھ رعایت کر رہے ہیں"۔

"لیکن ایک بات اور یہ ہے کہ ہم کبھی تمہیں اپنے سامنے نہ دیکھیں۔ اگر ہم مر جائیں تو ہمارے جنازے سے تمہیں دور رکھا جائے"۔

وہ تیمور علی خان نے اپنے اندر بے کا غضب بہت دھیمے انداز میں ظاہر کیا تھا۔

"مگر کیوں خان؟ میں نے کب کہا کہ میں نے جو کیا۔ غلط کیا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ مجھے یاور خان کے بجائے اماں جی کو بلانا چاہیے تھا"۔

اس نے رخسار پر ہاتھ رکھ کر نہایت سنجیدگی سے تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"جانے پر بھی رکھا ہے۔ دلیل کیا۔ کیوں وہ ہاتھ کسی کے ہاتھوں میں؟

کھوٹا بابا خود دوست کو کہنے کیلئے۔ میرے دائیں دائیں سے بے بسی کا وہ احساس اس وقت ہے جب میں وہ دیکھ رہی تھی سب ہم ایک جیسے ہیں گے۔ کوئی خوش نہیں ہوگا۔ اگر کوئی بھول کر خوش ہوا تو میں اس پر تیل چھڑک کر آگ لگا دوں گی۔"

بابا اس کا ذہنی توازن کھو چکا تھا۔

اماں جی نے تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"کیا کہہ رہی ہے وہ کیا سمجھ رہی ہے"۔

"اس کا صرف ایک ہی حل ہے کہ خوبرو کی سلاخ سے اس کا جسم داغا جائے۔ پھر تو سچ بولے گی"۔ وہ غرائی لہجے میں بولا۔

"ہائے توبہ! کیا آفت آئی اب یہ بھی ہوگا۔ یوں تو گھوڑے سے بھی گرا کھلوا لو"۔ اماں جی نے اپنا چکرا کر سر تھام لیا۔

"بابا صاحب"۔ تیمور علی خان باپ سے مخاطب ہوئے۔

"تیمور! تم اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ ہم خود دیکھ لیں گے۔

"جہاں سے اس واقعہ کی ابتدا ہوئی تھی اب اپنے ماں باپ کی نظروں سے سرخرو ہوں گے۔ یہ بہت دشوار ہے۔ ہمیں طریقہ بھی سوچنا ہے آپ بات کریں۔ تاریخ گواہ ہے میدانوں میں جیتی ہوئی جنگیں عورتوں کی سیاست سے ہار میں تبدیل ہوئی ہیں۔ محبت جیتی گئی اور فتح شکست میں بدل گئی۔ حالانکہ نے جہاد کی میں کی تھی وہ تلواریاں میں"۔

بابا صاحب اور اماں جی چونک کر تیمور علی خان کا چہرہ دیکھنے لگے۔ دل تو یہی کہتا تھا کہ تیمور یہ سب نہیں کر سکتا۔ لیکن انھوں نے اس معاملے کو اور اہم نہیں فرمایا تھا۔ جس کے بعد بھی یہاں نہیں رہا تھا۔ مگر یہ دل کی بات کی اور اپنی انا کو ہار کر اب کیا نازنین کو بھی بلا لیں۔ اس خیال سے اماں جی کو شرم آ رہی تھی کہ وہ ہوتے اس معاملے کو بات کریں۔

بابا صاحب بہت سوچ سمجھ کر اگلا قدم اٹھانا چاہتے تھے۔

"تم تیمور ..... ہم یہ سمجھے تم سے بدگمان کیوں ہوں گے بغیر حقیقت جانے بھی پریشان ہے۔"

"کچھ بھی پریشانی نہیں ہے بابا صاحب۔ ہم اس کی تمام سہولت سمجھ چکے ہیں۔" وہ دو ٹوک ہوئے۔

"وہ ہم اس سے فون کروا لیں گے مگر یاور کے سامنے۔ جاؤ بیٹے آرام کرو۔ ہم تمہارے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کریں گے۔ آپ بھی آرام کیجیے۔ اس بات کا خیال رہے کہ اس واقعے کی ہوا بھی باہر نہ جائے۔"

بابا صاحب نے اماں جی سے بہت نرمی سے کہا۔

"جی ..... اب کیسا آرام۔ اسے جانوں یا نہ جانوں کی تکلیف تو اسے ساتھ۔"

اماں جی کی اس دوغلی فوٹ بھوت ہیں کے چہرے سے عیاں تھی۔

ایک لمحے کو سلطانہ کے دل کو کچھ ہوا۔ بے ساختہ اس کا جی چاہا اماں جی کے پاؤں تھام کر معافی مانگے۔ مگر یہ خانوں کی مسند گاؤں والی تو قطعاً نہیں رہی تھی۔ اب تو زندگی کی متردد اعلیٰ اوران پر تو کم رہا تھا وہ۔

بار تیمور علی خان کی موجودگی میں خود ہوں بھی بہت متذبذب ہو جاتی تھی۔

"اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔" سلطانہ نے گہری سانس لے کر تیمور کی سمت دیکھا تھا۔ اس دم وہ اسے بہت گہرائی اور داخل ہوتے۔

"اماں جی! نازی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ میں نے ڈاکٹر بھیجا ہے۔ آپ کھانے کو کہہ دیجیے آپ بھی چلیے۔"

اماں جی ایک دم گھبرا گئیں۔ "زار کہاں ہے؟"

"وہ تو کہیں دکھائی نہیں دے رہے ہیں آپ جلدی کیجیے۔ اس ہسپتال چلتا ہے جہاں نازی ہے۔ وہ بھجوا دیتا ہے۔"

وہ سب کچھ میں گم ہو گئیں۔ وہ اتنی پریشان نہیں تھیں کہ انھوں نے کمرے کی غیر معمولی صورتحال کی طرف توجہ ہی نہیں دی تھی۔

"وہ اماں جی کی سمجھ میں بات آ گئی۔ انھوں نے بابا صاحب کی طرف دیکھا۔

"مجھے چھوٹی بہن کے ساتھ جانا ہوگا۔ آپ فکر نہ کریں۔ کوئی ایسی بات نہیں۔" وہ عالم باب کے پیچھے لگ گئے۔

"لڑکی تم بھی جاؤ ..... یاری کو ہمارے پاس بھیج دو۔ آج سے اس کا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ وہ ہمارے ساتھ کیا کرنا چاہیے سوچ کر بتائیے گا۔"

بابا صاحب کا لہجہ اٹل سا تھا۔

"اب تم جا سکتی ہو۔" گویا انھوں نے جتایا تھا کہ اب اس کی کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔ وہ باہر نکل گئی۔

"ویسے ہسپتال جانا ہی ہے۔ بابا صاحب اس معاملے کو ختم ہی کرنا چاہتے ہیں مگر وہ ہے کہاں؟" وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہے تھے۔

تیمور علی خان خاموش رہے۔

بابا صاحب جانتے ہیں کہ کہہ سننے سے کچھ نہیں ہونے والا۔

جو آگ لگا کر بیٹھی ہو اسے کیا خبر کہ اس میں کیا کچھ جل کر راکھ ہو گیا ہے۔ یہ بھی اسے نہیں معلوم تھا کہ سر پر کفن باندھ کر آنے والے زار علی خان ایک بہت بڑا معرکہ جیتنے کے بعد بھی اپنے اندر کی شکست و ریخت کے ساتھ تنہا لڑ رہے ہیں۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد بیٹی کی خبر بہت خوشی کے ساتھ ملی تھی۔

مگر سب خوشی منانے والے افراد کے درمیان بابا صاحب اور تیمور علی خان بہت پریشان تھے کہ رات سے اب تک زار علی خان کا کچھ پتا نہ تھا۔

تمام تر جگہوں پر فون کروا لیے تھے مگر سب جگہ سے لاعلمی کا اظہار کیا گیا۔ نہ ہی زار علی خان کا کوئی سراغ مل رہا تھا۔ سر جوڑے بیٹھے تھے۔ تیمور علی خان ہزار پریشان سہی مگر ان کے حواس بے حال نہیں تھے۔ وہ ہی گاڑی لے کر باہر نکلے تھے۔ انھوں نے سلطانہ کا کمرا باہر سے بند کروا دیا تھا۔ ان کا بس چلتا تو ان کو دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے۔ وہ بھیجی گئی تھیں ہسپتال بھی نہیں گئے تھے۔ جانے کیوں ان کے سامنے جانے کا حوصلہ اور خود میں کہیں باقی نہ تھے۔ ایک دم ہی اس سے بہت فاصلہ محسوس ہونے لگا تھا۔

ایک اذیت یہ بھی تھی کہ زار علی خان کچھ کر نہ بیٹھیں کیونکہ ان کے اندر سے لمحوں میں ہو رہا تھا کہ انہیں سلطانہ سے مکمل انسیت ہے اور اس میں حیرت کی بات بھی کیا تھا ایک کمزور لڑکی اتنے مضبوط مردوں کے درمیان انسانی حیرت سے بچ کر نکلنے والے زار علی کچھ بھی سوچنے پر مجبور ہو سکتے ہیں۔

اس سب انجن بھائی کی طرف سے بہت زیادہ پریشانی ہو رہی تھی۔ وہ کچھ بھی تمام کرنے کے قابل نہیں تھے۔

انجن ہسپتال سے کافی دور آ چکے تھے۔ اماں جی ابھی بھی رو رہی تھیں۔ باقی خواتین واپسی حویلی آ چکی تھیں۔

جب کچھ سمجھ نہ آیا تو ان لوگوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کوئی فیصلہ کر کے خود آگے جائے گا۔ اپنے کمرے سے نکلنے کی چابی انھوں نے نوکر کے ہاتھ بھیجوا دی تھی۔ ہسپتال کا رخ کیا جہاں نازنین موجود تھی۔

جوں ہی اماں جی اندر داخل ہوئیں۔

"مبارک ہو۔ اللہ نے بہت پیاری بچی دی ہے۔" نرس مکمل اور بھی تھی ان کی آواز۔

"مگر یہاں کی ..... آپ کو بھی مبارک ہو۔" ان کا انداز بھی بجھا بجھا سا تھا۔

"ڈاکٹر کوئی اطلاع آئی؟" اماں جی نے ان کی بات جیسے سنی ہی نہیں۔

انھوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

اماں جی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"مجھے تو ہار کے سامنے جاتے ہوئے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ اللہ اسے ہر بری بلا سے بچائے۔ تم بھی کہہ کر آنا کہ اچانک ضروری کام سے محسن اجمال جانا پڑ گیا۔ کوئی سرکاری مسئلہ ہے ایک دو دن میں آ جائیں گے" ملائکہ نے راہ سجھائی۔

"وہ زندگی موت کی جنگ لڑ کر واپس آئی ہے۔ اسکو اس ہر طرح سے پرسکون کرنا ہے۔ سمجھ رہے ہو میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں" ان کا انداز درخواست گزار کا سا تھا۔

"جی — جی۔ آپ فکر نہ کریں۔ کس طرف ہے ان کا کمرا؟" انہوں نے اپنے ہمشیرہ بہن کو مکمل تسلی دی۔

"آؤ — میرے ساتھ"۔ اماں جی نے اپنی چادر درست کر کے چہرہ رعب اور دبدبہ کر ایک طرف کو چل دیں انہوں نے بھی تقلید کی۔

طویل راہداری میں داہنے بائیں دروازوں کا ایک طویل سلسلہ تھا اماں جی ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔ وہ انہوں نے اندر قدم رکھتے ہوئے چند لمحے رک کر کچھ سوچا تھا اپنے چہرے پر تفکر ہر قرار رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اندر آئے تو نازنین کو باتھ روم کے دروازے سے باہر آتے دیکھا۔ ایک نرس اس کو سہارا دیئے ہوئے تھی۔

اس کے سر پر ابھی سارا تکیہ تھا اماں جی کی ہدایت پر ہی اٹھا لیا گیا تھا۔ خوب کس کر چوٹی بندھی ہوئی تھی۔ چلنے پھرنے میں وہ بہت ہی زور محسوس ہو رہی تھی۔

کان "ناک" گردن ہر طرح کی بیماری سے آزاد تھے۔ حتیٰ کہ کلائیاں تک سونی پڑی تھیں۔ اس کے ہونٹ اس کا چہرہ اسی طرح زرد تھا جس طرح کبھی بھی حالت میں ہوتا تھا۔

وہ تیمور کو دیکھ کر بے ساختہ انداز میں مسکرائی۔

"السلام علیکم" تیمور نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام" تم تو بڑے لبرل ہو نا اب۔ کیا بیٹی کی پیدائش سے خوشی نہیں ہوئی۔ ایک اور بھتیجا چاہیے تھا؟"۔

وہ نقاہت بھری آواز میں بولتے ہوئے ہنسنے لگ گئی۔

"ایسا نہیں ہے۔ سنا تھا کہ آپ کی طبیعت خاصی ناساز ہے۔ صدمے کا انتظار کر رہا تھا" انہوں نے جلدی سے صفائی جواب دیا۔

"چلو خیر — تم تو بچا ہو کر پھر بھی آ گئے۔ باپ کو تو ابھی تک ہوش نہیں"۔ وہ دکھ چھپاتے ہوئے مسکرائی۔

"کیسی باتیں سوچنے لگی ہیں بھابی۔ ایسے حادثے بھی ہماری زندگی کا حصہ ہوتی ہیں۔ آنے والوں کے بارے میں جلدی دل برا نہیں کرتے"۔

"اچھا ناں نہیں سمجھے۔ کیا تمہیں پتا نہیں ان کا سوا کیسا ہو رہا تھا؟"

"یہ تو اچھی باتیں ہوتی ہیں بھابی آپ خوامخواہ اپنا ذہن نہ الجھائیں ابھی کمزوری ہے"۔

وہ کہتے ہوئے کمانڈ کی طرف بڑھے۔

اماں جی وہاں کھڑا ہوتے ہوئے بغور سے دیکھ رہی تھیں

"یہ کیسے معصوم سے بچے — ہمارے خاندان کو اتنا قیمتی ہدایت کی روشنی دکھانے" — ان کا دل بھر آیا۔

"ہاں جی آپ بیٹھ جائیں نا" نازنین نے کسی احساس سے پاک کر ہاں سے کہا۔

"میری بچی اب تو اچھا ہو۔ زندگی کی طرف سے تو پریشان نہ ہو۔ اس کی تو بھیجے سے ہدایت ہے ہم تمہیں ایک دم نہیں کھیں گے۔ اپنی ذمہ داری سمجھ کر اس کے کام آئیں گے۔ مگر بیٹی تو بھی سوچ۔ تو بھی سمجھنے کی کوشش کر"۔

انہوں نے آگے بڑھ کر نازنین کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس ہاتھ پھیرنے پر غضب ہو گیا۔

وہ اماں جی کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"اماں جی! مجھ سے بہت بڑا دھوکہ ہوا ہے۔ مجھے نہیں پتا تھا مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے اس لئے میں نے ساتھ کر کے میں ہوں بھی چھوڑ دیا تھا۔ اور بہت کچھ ہو گیا۔ مجھے نہیں پتا تھا۔ مجھ سے بہت بڑا دھوکہ ہوا ہے"۔

اماں جی اس کی پیٹھ سہلا رہی تھیں۔

"کیسے دھوکہ ہوا ہے بیٹی؟" وہ بھی طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"بھابی! بہت غلط بات ہے۔ اتنی جلدی ہمت ہار رہی ہیں۔ یہ سب ہونی ہے۔ دیکھئے آپ کی روتی ہوئی آواز سن کر گڑیا نے بھی رونے والا منہ بنا لیا ہے"۔

ہمیں پتا چلا ہے ابھی تک آپ لوگوں نے اس کا نام بھی نہیں رکھا

واقعی اسے پرابلم — اماں جی ہم آپ کی اجازت سے گڑیا کا نام رکھ رہے ہیں۔ کیسے ہے بہت اچھا ہے۔ روشانے۔ روشانے یار گل خان۔ ہے ناں بڑا بارعب سا نام؟"

"یہ آخر معصوم تم دیا ہے بچا لائے۔ سب سے اچھا تحفہ۔ کیوں بیٹی؟ مجھے تو بہت اچھا لگا"۔ اماں جی نے خوش ہو کر لڑکی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔

"ایسے تو وہ گھبراتے ہیں جو اکیلے ہوتے ہیں۔ عزیز میں بیٹھے ہیں۔ سب تیرے اپنے ہیں۔ تیری خوشی کی خاطر سب کچھ کر سکتے ہیں"۔

واقعات خواہ کچھ ہوں — اماں جی کا محاسبہ ان کے اپنے دل کی گواہی کے ساتھ ساتھ تھا۔ نازنین کا رونا ان کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ گزرے لمحوں میں کیا ہوا "کیا سنا۔ اس وقت ان کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔

"تو ہو گیا۔ بھلے کہہ رہی ہیں اماں جی اب تک آپ کی پریشانی دور نہ کر دیں۔ عزیزی کے ایک ایک فرد پر مسکراہٹ

خان خان اور دوسرے ساتھ رہتے تھے مالزہ باپ کے بھائی، بھتیجوں سے بے تکلف تھی اور ان سے ہنسی مذاق کرتی رہتی تھی۔

"ہائے بھابی — آج تو میں غضب ہو گیا ہے سب پر۔ ایک ہزار روپے بھائی جان نے آپ کی جگہ ہوئی ہیں تو آپ کی ان کی بیوی کی آنکھوں کو اتنی ٹھنڈک ہوئی"۔

نازنین نے، رشی کو اپنی گود میں بھر کر بیٹھ بیٹھ کہا کہ سے لئے۔

"تیور بھی نہیں ہے۔ بڑی بے وقوفی کی ہے بھائی نے"۔ نازنین سے ہنس کر کہا۔

"ہمارے مقابلے کھیلے ہو کبھی ہیں بیٹھ کر کھیلے ہو کبھی"۔ نازنین نے سر اٹھا کر کہا۔

"کھیلوں گا اور کھیلتا بھی ہوں گے جب صاب ہی کرنا پڑے گا ہمارا ساتھ"۔

نازنین نے انھیں کھلونوں سے کھیلتا دیکھ کر اپنا غصہ بھلا کر مسکرا کر کہا۔

اس وقت اماں جی نے کمرے میں آ کر اعلان کیا کہ تیمور علی خان آ گئے ہیں۔ نازنین نے جو تک کر ان کے پیچھے کی ایک ایک کھڑکی میں کھڑا ہونے کی کوشش کی۔ اماں جی جیسے کامل کتاب جیسی عورت کو چھپانے میں کامیاب ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ نازنین نے اپنے اندر کی کوئی بات محسوس کی۔

"ابھی ہم لوگ ذکر ہی کر رہے تھے۔ بھابی تو انھیں کھلنے گن کر بھی نہیں۔ کیا کر رہے ہیں تیمور اندر سے تھے بھی نہیں آئے"۔

نازنین نے رشی کو واپس نازنین کی گود میں لاتے ہوئے مسکرا کر بڑے مزے کے انداز میں کہا ہوا تھا۔

"تم بھی نہیں بالکل۔ بھائی تھا ہوا آیا ہے بیٹی۔ نہا دھو کے پھر مل لینا"۔

اماں کی آواز کی لرزش صرف نازنین محسوس کر سکتی تھی۔

اس نے بمشکل اپنے آنسو چھپا لیے تھے۔

"چائے بھجواؤں تم دونوں کیلئے"۔

اماں جی کے قدم بوجھل سے اٹھ رہے تھے چلتے چلتے ایک بار پلٹے کہنے کے۔

"بھجوا دیجیے اماں جی — بلکہ وہ تین آیا، فیرہ کو بھیج دیجیے۔ بھابی بھائی کیلئے بہت اداس ہیں نے اماں جی کا دل رکھنے کے لیے نازنین نے شرارت سے کہا۔

"بھیجتی ہوں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے"۔

اماں جی میں اتنی ڈھیر ساری ہمت جانے کہاں سے آ گئی تھی۔ بہت مضبوط محسوس ہونے لگی تھیں۔

اماں جی بار بار کوئی نہ کوئی بہانہ کھڑکی میں سے جھانکتی تھیں۔ وہ بہت خوش ہوا میں تھا۔ بمشکل کار میں آ رہا تھا۔

"سفر کی طبیعت زیادہ خراب ہے بھابی جی؟" نازنین اماں جی کے دوپٹے میں ناک سی چھپ گئی تھی۔

تم ہے۔ کیا سمجھ رہی ہیں آپ ہمارے آپ کی خوشی؟ آپ کے سکھ بھیجنے کی کوشش کرے۔ اس کا گوشت ہمیشہ اماں تھوں کے۔

اب اگر آپ پھر روئیں تو بہت غلط بات ہوگی۔ اس کا مطلب ہوگا آپ یہاں خوش نہیں ہیں۔ دیکھیے ہم کر رہے ہیں سے باہر بھائی کو بلا کر لے آپ کے حضور پیش کریں گے۔ سمجھی ناں گی وہ آپ سے آپ تو راستہ ہی تھوڑی دیر کا ہے۔ تھوڑی تھی رکھ لیجیے گا نا کیا اس قسم کی زیادتی کرنے سے پہلے دو بار سوچ لیں۔ ٹھیک ہے"۔

وہ نازنین کے قریب آ کر بہت اپنائیت بھرے انداز سے کہہ رہے تھے۔

"مگر وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" اس کی الجھن برقرار تھی۔

"آپ اس بات کو اہمیت نہ دیں۔ ہم آپ سے کہہ رہے ہیں ناں۔ انشاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا اس"۔

"اماں جی کا دل بہت کمزور ہے۔ بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہیں۔ ان کی خاطر خود کو سنبھال لیجیے"۔

نازنین دوپٹے سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اماں جی سے کہنے لگی۔

"اچھا یہ بتائیے۔ آپ کا کھانا پروسوں تو نہیں بن رہا؟ تاکہ ہم بنانے کوئی اچھی سی ڈش ہوا کر بھیجیں"۔

"فلاؤ۔ کیا بچہ کھرچی باتے کھلاؤ گے ابھی اس کو اور کچھ نہیں کھانا ہے۔ بلکہ بھنگی ملائشہ کی چیز"۔

"میں نے اپنے ہاتھوں سے گوندھا ہے۔ دیکھنا کیا کھڑوں کی اس طاقت آ جائے گی"۔

اماں جی نے تیمور کو بڑی تفصیل سے بتایا۔

"پھر تو ہم بھی کھا سکتے ہیں؟" تیمور نے برجستہ کہا۔

"پہلے — ایسی طرح کے کام تو کرو"۔ اماں جی نے مسکرا کر بڑی کے پھیلے ہوئے کپڑے بیگ میں رکھے تھے۔ ان کی پشت پر مسکرانے لگی۔

تیمور علی خان کھسیا کر سر کھجانے لگے تھے۔

نازنین پھولی نہیں سما رہی تھی۔ حویلی میں عید کا سماں تھا۔ خیرات کا کھانا باہر پک رہا تھا۔ اور اندر کچن میں مزے مزے کے کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

نازنین کو بار بار یہی گمان ہو رہا تھا۔ وہ شادی کے بعد اس اور جو اس کی گود میں تھا اور ماں کے پہلے لاڈ کچھ کپڑوں سے بہت پریشان تھا۔ ایسی بات کھینچ کھینچ کر اتارنے کی مشق کر رہا تھا۔ ویسے تو وہ خود بھی تھی کہ اماں جی کی خاطر بہت کچھ برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔

نازنین اور رشی آپا بھی آئی ہوئی تھیں۔ ابھی انھیں بارہ علی خان کی خیر سوجھ بوجھ کی تفصیل ہی معلوم نہیں تھی۔ اور اور ہوا حویلی کے معمولات کا حصہ تھا۔ بعض اوقات تو حویلی کے سب ہی مرد کہیں نہ کہیں لگے ہوئے تھے۔ بڑے ابا کی زمینوں کے کسی کام سے، بصیر علی خان کسی دوسرے شہر بابا صاحب کاروبار پر بابا اور خیر آباد فیرہ۔ دادی علی خان اپنے کام سے، نوکر

اماں جی نے دور صوفے پر بیٹھے ہوئے تیمور علی خان کی سمت دیکھا جو فون اٹینڈ کر رہے تھے۔

"ہوں"۔ انہوں نے ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔

"کیا ہوا کہا؟" نزہت نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ایسے ہی بخار وغیرہ ہے"۔ وہ جھوٹ بولتے ہوئے بہت الجھن محسوس کر رہی تھیں۔

"بہت ہی غم اٹھا لیا ہے اس نے اپنی جان' سنبھال نہیں پا رہی"۔ نزہت نے دکھ سے کہا۔

اماں جی خاموش رہیں۔

"یاور بھائی کب تک آ جائیں گے؟ اگر خیر آ گئے تو ان سے تو ملاقات نہ ہو سکے گی"۔

اماں جی کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

"لے بیٹا! تھوڑا سا اور کھا لے۔ شاباش"۔ اماں جی نے توجہ ادھر ادھر کی۔

"اماں جی! بھابی کچھ گم صم سی لگی ہیں اس مرتبہ۔ کیا بچی کی پیدائش پر خوش نہیں ہیں؟"۔

"نہیں۔ تمہارا وہم ہے۔ کمزوری ہے' نڈھال ہے۔ دو چار روز میں ٹھیک ہو جائے گی"۔ اماں جی نے تولیہ سمیٹ کر باری کے ہاتھ میں دیا۔

"آپ کہتی ہیں تو مان لیتی ہوں۔ مگر مجھے تو کچھ اور محسوس ہو رہا ہے۔ روشن آپا بھی کہہ رہی تھیں"۔ نزہت کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

اسی دم ماما ہال میں داخل ہوئی۔

"بی بی جان! آپ کو بڑی بیگم اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں"۔

"اچھا۔۔۔ چلو۔۔۔ آ رہی ہوں"۔ وہ دوپٹا تہائی پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہیلو۔۔۔ شیروانی صاحب۔ میں تیمور علی خان بات کر رہا ہوں۔ بتایا تھا آپ کے پی اے نے؟"

"جی جی۔۔۔ ہوں"۔

"پرسوں۔۔۔ کچھ بتایا نہیں کہ پھر کہاں چلے گئے؟ ہوں۔ ٹھیک۔

اب کب آنے کا امکان ہے؟ کچھ اندازہ تو ہو گا؟

"جی۔ جی۔ ٹھیک ہے۔ تھینکس۔ اوکے"۔

تیمور نے ریسیور بے دلی سے کریڈل پر ڈال دیا۔ اماں جی تو کان کھڑے کیے بڑی توجہ سے سن رہی تھیں۔

"پرسوں کہاں آیا تھا؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھیں۔

"تو شکر منائیں"۔ انہوں نے نہایت اختصار سے جواب دیا۔

"اب کہاں ہے؟" اماں جی تو اس احساس سے تحت کہ یاور علی خان کو کہیں تو دیکھا گیا ہے۔ ہاتھ ہی پھلا بیٹھیں۔

"یہ پتا چل جائے تو مسئلہ کیا ہے؟" وہ کھنکھنے انداز میں گویا ہوئے۔

"اماں جی"۔

"اماں جی صدقے جائے کیا بات ہے بیٹے؟" وہ چونک کر بولیں۔

"اماں جی۔ بھائی جان تو اول اعتبار۔ ہمارا ایک بے تکلف سا رشتہ ہے۔ آپ کی اس قدر محبت"

"وہ ہم سے کچھ کہتے تو۔۔۔ شروع کر دیتے ہیں۔ مگر اب ہو کیا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ سوچا ہے

ہیں۔ اس کا انداز بھی ہے کچھ؟"

ان کے انداز میں بلا کی تشویش تھی۔

"وہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ زخمان بالو جو سب کے سامنے ذلیل ہوئی۔ یہ بدلہ لیا ہے۔ اس کی بچی کو اغوا کر لیا گیا ہے"۔ وہ سنسنا گئیں۔

"بیٹے! ایسا تو نہیں کہ صدمے سے زخمان بالو کے دماغ میں خلل آ گیا ہو اور اسے غلط فہمی ہو گئی ہو کہ وہ ایسا کر سکتی ہے"۔ ایک دم ان کے دماغ میں نیا خیال آیا۔

"دیکھا نہیں علی کی موت والے دن بھی اس کے حواس بجا نہیں تھے۔ کتنے الٹے سیدھے سوال کر رہی تھی"۔ وہ بولتے بولتے گویا ہو گئیں۔

تیمور علی خان نے سنجیدگی سے اماں جی کو دیکھا۔

"بہت سیدھی ہیں اماں جی آپ۔۔۔ ہم سب آپ کا کیا کریں"۔ وہ قدرے تلخی سے گویا ہوئے۔

"اگر ہمیں بھابی کا خیال نہ ہوتا اس کا چالان تو آج بھی کروا دیں۔ مگر ہم نہیں چاہتے کہ بھابی کے کان میں اس قسم کی کوئی بات بھی پہنچے"۔ اماں جی نے غور سے بیٹے کی شکل دیکھی۔

بھاوج کی نیک فطرت کا اندازہ لگانے والا کیچڑ اور بھاڑ کیسے ہو سکتا ہے؟

"تم مجھے زخمان بالو کے کرتے کی چال دو۔ میں اس سے پوچھوں تو کہ اس نے اس طرح کی بات کس بنیاد پر سوچ لی"۔

"بیکار ہے اماں جی۔۔۔ ہم غور نہیں کریں گے۔ بس ذرا یاور بھائی ہاتھ لگ جائیں۔ ان کے بغیر تو اصل کچھ بھی نہیں ہو گا۔ ان کا یہاں موجود ہونا بہت ضروری ہے"۔ وہ بہت الجھے ہوئے تھے۔

عشا کا وقت ہو چکا تھا۔ اماں جی نماز کیلئے اٹھنے والی تھیں۔ انہوں نے رومال سے باری کا منہ صاف کیا۔

"جاؤ بیٹے! ابا کا جان سے باتیں کرو۔ اماں جی اتنے میں نماز پڑھ لیں۔ میرا پھول سا بچہ چند دنوں میں کیسا مرجھا گیا ہے"۔

انہوں نے باری کی پیشانی سے بال سمیٹتے ہوئے نہایت دکھ سے کہا۔

"آؤ باری"۔ تیمور علی خان نے باری کو بلایا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب چلا گیا۔

اماں جی نے دور صوفے پر بیٹھے ہوئے تیمور علی خان کی سمت دیکھا جو فون اٹینڈ کر رہے تھے۔

"ہوں"۔ انہوں نے ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔

"کیا ہوا کہا؟" نزہت نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ایسے ہی بخار وغیرہ ہے"۔ وہ جھوٹ بولتے ہوئے بہت الجھن محسوس کر رہی تھیں۔

"بہت ہی غم اٹھا لیا ہے اس نے اپنی جان' سنبھال نہیں پا رہی"۔ نزہت نے دکھ سے کہا۔

اماں جی خاموش رہیں۔

"یاور بھائی کب تک آ جائیں گے؟ اگر خیر آ گئے تو ان سے تو ملاقات نہ ہو سکے گی"۔

اماں جی کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

"لے بیٹا! تھوڑا سا اور کھا لے۔ شاباش"۔ اماں جی نے توجہ ادھر ادھر کی۔

"اماں جی! بھابی کچھ گم صم سی لگی ہیں اس مرتبہ۔ کیا بچی کی پیدائش پر خوش نہیں ہیں؟"۔

"نہیں۔ تمہارا وہم ہے۔ کمزوری ہے' نڈھال ہے۔ دو چار روز میں ٹھیک ہو جائے گی"۔ اماں جی نے تولیہ سمیٹ کر باری کے ہاتھ میں دیا۔

"آپ کہتی ہیں تو مان لیتی ہوں۔ مگر مجھے تو کچھ اور محسوس ہو رہا ہے۔ روشن آپا بھی کہہ رہی تھیں"۔ نزہت کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

اسی دم ماما ہال میں داخل ہوئی۔

"بی بی جان! آپ کو بڑی بیگم اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں"۔

"اچھا۔۔۔ چلو۔۔۔ آ رہی ہوں"۔ وہ دوپٹا تہائی پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہیلو۔۔۔ شیروانی صاحب۔ میں تیمور علی خان بات کر رہا ہوں۔ بتایا تھا آپ کے پی اے نے؟"

"جی جی۔۔۔ ہوں"۔

"پرسوں۔۔۔ کچھ بتایا نہیں کہ پھر کہاں چلے گئے؟ ہوں۔ ٹھیک۔

اب کب آنے کا امکان ہے؟ کچھ اندازہ تو ہو گا؟

"جی۔ جی۔ ٹھیک ہے۔ تھینکس۔ اوکے"۔

تیمور نے ریسیور بے دلی سے کریڈل پر ڈال دیا۔ اماں جی تو کان کھڑے کیے بڑی توجہ سے سن رہی تھیں۔

"پرسوں کہاں آیا تھا؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھیں۔

"تو شکر منائیں"۔ انہوں نے نہایت اختصار سے جواب دیا۔

"اب کہاں ہے؟" اماں جی تو اس احساس سے تحت کہ یاور علی خان کو کہیں تو دیکھا گیا ہے۔ ہاتھ ہی پھلا بیٹھیں۔

"یہ پتا چل جائے تو مسئلہ کیا ہے؟" وہ کھنکھنے انداز میں گویا ہوئے۔

"اماں جی"۔

"اماں جی صدقے جائے کیا بات ہے بیٹے؟" وہ چونک کر بولیں۔

"اماں جی۔ بھائی جان تو اول اعتبار۔ ہمارا ایک بے تکلف سا رشتہ ہے۔ آپ کی اس قدر محبت"

"وہ ہم سے کچھ کہتے تو۔۔۔ شروع کر دیتے ہیں۔ مگر اب ہو کیا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ سوچا ہے

ہیں۔ اس کا انداز بھی ہے کچھ؟"

ان کے انداز میں بلا کی تشویش تھی۔

"وہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ زخمان بالو جو سب کے سامنے ذلیل ہوئی۔ یہ بدلہ لیا ہے۔ اس کی بچی کو اغوا کر لیا گیا ہے"۔ وہ سنسنا گئیں۔

"بیٹے! ایسا تو نہیں کہ صدمے سے زخمان بالو کے دماغ میں خلل آ گیا ہو اور اسے غلط فہمی ہو گئی ہو کہ وہ ایسا کر سکتی ہے"۔ ایک دم ان کے دماغ میں نیا خیال آیا۔

"دیکھا نہیں علی کی موت والے دن بھی اس کے حواس بجا نہیں تھے۔ کتنے الٹے سیدھے سوال کر رہی تھی"۔ وہ بولتے بولتے گویا ہو گئیں۔

تیمور علی خان نے سنجیدگی سے اماں جی کو دیکھا۔

"بہت سیدھی ہیں اماں جی آپ۔۔۔ ہم سب آپ کا کیا کریں"۔ وہ قدرے تلخی سے گویا ہوئے۔

"اگر ہمیں بھابی کا خیال نہ ہوتا اس کا چالان تو آج بھی کروا دیں۔ مگر ہم نہیں چاہتے کہ بھابی کے کان میں اس قسم کی کوئی بات بھی پہنچے"۔ اماں جی نے غور سے بیٹے کی شکل دیکھی۔

بھاوج کی نیک فطرت کا اندازہ لگانے والا کیچڑ اور بھاڑ کیسے ہو سکتا ہے؟

"تم مجھے زخمان بالو کے کرتے کی چال دو۔ میں اس سے پوچھوں تو کہ اس نے اس طرح کی بات کس بنیاد پر سوچ لی"۔

"بیکار ہے اماں جی۔۔۔ ہم غور نہیں کریں گے۔ بس ذرا یاور بھائی ہاتھ لگ جائیں۔ ان کے بغیر تو اصل کچھ بھی نہیں ہو گا۔ ان کا یہاں موجود ہونا بہت ضروری ہے"۔ وہ بہت الجھے ہوئے تھے۔

عشا کا وقت ہو چکا تھا۔ اماں جی نماز کیلئے اٹھنے والی تھیں۔ انہوں نے رومال سے باری کا منہ صاف کیا۔

"جاؤ بیٹے! ابا کا جان سے باتیں کرو۔ اماں جی اتنے میں نماز پڑھ لیں۔ میرا پھول سا بچہ چند دنوں میں کیسا مرجھا گیا ہے"۔

انہوں نے باری کی پیشانی سے بال سمیٹتے ہوئے نہایت دکھ سے کہا۔

"آؤ باری"۔ تیمور علی خان نے باری کو بلایا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب چلا گیا۔

"کیسی چل رہی ہے؟ حال کھمائی؟ کس پر حملے کیے ہیں۔ سر پر مارے ہیں؟"

"کاکا جان! اتنا وحشی ہے، وہ تو بلیا (بلا) ہے۔ انگلش میڈم کہتے ہیں"۔ وہ سنجیدگی سے تاسف تھا۔

ایسے اعصاب شکن ماحول میں مسکراہٹ کا تصور بھی محال تھا۔ مگر وہ اپنے ہونٹوں پر آئی ہوئی شرارتی مسکراہٹ روک نہیں سکے۔

"دیکھ ماشاءاللہ کیسی پیاری باتیں کرتا ہے"۔ اماں جی بھی مسکرا دیں۔

"کاکا جان"۔

"میری جان؟"

"امی! ڈاکٹر کے پاس سے کب آئیگی؟" اس کی آواز بھرا رہی تھی۔

"آجائیگی — پارٹنر — یہ سارے لوگ آپ کے پاس ہیں۔ آپ اکیلے تو نہیں ہیں"۔ انہوں نے اس کا سر اپنے سینے پر چھو کر کہا۔

"ہم آپ کو گھوڑے کی سیر کرائینگے۔ آپ کو شیر دکھانے لے جائینگے"۔

"سچ؟ بہت سارے شیر؟" باری کے اندر ایک نیا جوش پیدا ہو گیا۔

"بہت سارے تو نہیں۔ ایک شیر۔ ایک شیرنی اور ان کے دو بچے"۔

"شیرنی بچوں کی امی ہوتی ہے؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

"کرلو اور دو چار روز امی امی پارٹنر۔ اس کے بعد تو تمہیں ایسا مارینگے کہ آگے چل کر تم دوسروں کا سہارا اور خود کی سہارے کی آس رکھو اور نہ جستجو"۔ وہ پھر کسی خیال میں ڈوب گئے۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو تیمور؟ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائیگا"۔

اماں جی جاتے جاتے پلٹیں اور بہت فکرمندی سے گویا ہوئیں۔

تیمور علی خان بڑی تلخی سے مسکرائے تھے۔ جس اسی لمحے نازنین نے اندر قدم رکھے تھے۔

وہ بالکل سادہ سوتی لباس میں تھی۔ اس کے بالوں میں تیل چمک رہا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کچھ دیر قبل سے وہ بال کھلے ہوئے تھے۔ سوائے ناک میں چمکتی ہیرے کی لونگ کے کسی قسم کے زیور کا بوجھ نہیں تھا۔

پاؤں میں رہنے کی وہ چپل تھی جو باتھ روم کے استعمال کیلئے مخصوص تھی۔

"اماں جی! کہاں ہے وہ۔ منحوس؟" اس کے انداز میں ایک دیوانگی سی تھی۔

"کون بیٹی؟ کیسی بات؟ کسی کو منحوس نہیں کہتے"۔ اماں جی نے گھبرا کر اسے شانوں سے تھاما تھا۔

"کہاں چھپا دیا ہے آپ لوگوں نے اسے۔ اگر نہیں تو پھر جان لیجیے کہ وہ بار کے ساتھ چلی گئی ہے"۔ وہ پھوٹ پڑی تھی۔

"نہ اس کو پتا ہے نہ یاد کا۔ اماں جی دیکھیے گا۔ میں اس ناگن کا بھن کیسے کچلوں گی؟ آئے تو سہی میرے سامنے"۔

"آپ کو میری بات کا اعتبار نہیں۔ یہ لیجیے"۔ اس نے [illegible] کے سامنے [illegible] کے ساتھ کہا تھا۔ اماں جی کی طرف بڑھایا تھا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھا۔ وہ ایک [illegible] تھا۔ اس نے [illegible] بھیجا ہے۔ اس سے حقیقت۔ اماں جی۔ مجھے وہ [illegible] ہے۔ وہ [illegible] ہونے سے پہلے میرے [illegible] کی شہ رگ کاٹ دینا چاہتی"۔

اماں جی پر ہلکی سی دہشت سوار تھی۔

"اماں جی! وہ صرف خوبصورت ہی نہیں ہے۔ وہ کسی چیز میں دوسرے درجے پر نہیں ہے"۔

نازنین اماں جی کے شانے سے سر ٹکا کر بہت دھیرے سے بڑبڑائی۔

"پاگل نہیں تو۔ یہ کیسے ہم بتائے مجھے بچی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تو کیسے تو میں قسم کہ اس کی میرا کسی تو"۔

اماں جی نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تیمور! آپ کیوں چپ ہیں۔ بتائیے نا اماں جی کو کیا اصل بات کیا ہے؟ آپ ہی کچھ بتائیے نا اس وقت آپ کی۔ مجھے اس وقت آپ کی مدد کی بہت ضرورت ہے اور آپ ہیں کہ چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ بتائیے نا اماں جی کو جو کچھ ہوا تھا"۔

"آپ ہم میں سے کسی سے بھی بدگمان نہ ہوئیں۔ یہاں موجود ہر شخص دل و جان سے آپ کا مخلص ہے۔ پھر آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں"۔

تیمور علی خان نے بہت دراستیت سے صورتحال پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"نہیں نہیں۔ آپ میرے سامنے بتائیں اماں جی"۔ وہ جیسے کچھ سننے کو تیار تھی۔

"بیٹی! مجھے سب پتا ہے۔ یقین کرو بات وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو"۔

"تو پھر بات کیا ہے؟" اس نے تیزی سے اماں جی کی بات کاٹ دی۔

اماں جی تیمور کی مدد ایک نگاہ ڈال کر خاموش ہو گئیں۔

"نہیں بات کچھ نہیں ہے۔ پھر وہ کہاں ہے۔ یہ باری اکیلا کیوں ہے۔ آپ کے پاس کیوں ہے؟ یہ بتائیں اسے کہ اس آپ نے اکیلا چھوڑا ہے"۔ اس نے اسے کی مدد اشارہ کر کے کہا۔

"آپ لوگ سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ اس کے خون کا تقاضا ہے۔ پھر انہونی نہیں ہوئی۔ گھبرائیے نہیں اس کی قبیلہ فطرت کا تقاضا ہے"۔

"بری بات بیٹی! ایسی کسی کے نام سب کو بھائی نہیں ہوتے"۔

"اماں جی نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تھپکنے کی کوشش کی۔

اس کے آنسو کسی کا دامن نہیں لے رہے تھے۔

"تیمور علی خان تم ان بے ایمان ہاری کو صوفے پر لٹا کر ان دونوں کی مدد کرو۔"

"ہائی گاڈ! بھابی اس طرح کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم آپ کو اس سے ملوا دیں گے۔" وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ بے یقینی کے عالم میں ان کی مدد میں ان کی مدد کیسے کرے۔

"کہاں ہے؟" اس کی بے تابی قابل دید تھی۔

"بابا صاحب نے اسے حویلی سے بے دخل کر دیا ہے۔ اب یہاں چلتی پھرتی وہ نظر نہیں آئے گی۔ البتہ ہم آپ کو اس سے ملوا دیں گے۔"

مگر بابا صاحب نے اسے بے دخل کس وجہ سے کیا ہے؟ کیا وجہ ہے؟ ہاں بولیں کیا وجہ بتا رہی ہیں؟"

"نہیں — بات کچھ اور ہے — ہائی گاڈ — پلیز آپ میری زبان کا اعتبار کریں۔"

"پلیز تیمور — آپ مجھے بتائیں کہ کیا بات ہے؟ آئی گاڈ! سیک پلیز۔"

ماں جی بلا ارادہ تیمور کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ مگر تیمور کو ان کا دیکھنا بہت محسوس ہو رہا تھا۔

وہ لگاتار جا کر ایک طرف ہو گئے۔ دکھ سے ماں جی کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ یہ کیسا وقت ہے۔ کیسی بات ہے جو ماں سے اولاد چھپا رہی ہے۔ اور وہ بدنصیب کتنے آرام سے کہہ گئی۔

"آپ مجھے بھی اسی وقت اس سے ملوائیں۔" نازنین بچوں کی طرح مچل گئی۔

"ایزی — بھابی۔ ایزی پلیز۔ ہم کہہ رہے ہیں ناں کہ ضرور ملوائیں گے۔ آپ کو ہماری زبان پر اعتبار کرنا چاہیے بابا صاحب نے اس سے ملنے پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔ وہ اس سے کچھ اگلوانا چاہتے ہیں۔"

"دیکھئے یہ ہاری بھی ہمارے پاس ہے۔ پلیز آپ آرام کریں۔" وہ اسے پرسکون کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"کیا اگلوانا چاہ رہے ہیں بابا صاحب؟ ماں جی ناں جو ہم سوچ رہے ہیں۔" نازنین نے تڑپ کر ان کی طرف قدم بڑھائے۔

"ہرگز نہیں۔ جو آپ سوچ رہی ہیں وہ تو ہرگز بھی نہیں ہے۔ ماں جی آپ بھابی کو لے کر ان کے کمرے میں جائیں۔ آ ہاری۔ باہر چلتے ہیں۔"

انہوں نے سہمے ہوئے ہاری کی مدد کا ہاتھ بڑھایا تو وہ جلدی سے صوفے سے اتر آیا۔

تیمور علی خان اسے لے کر باہر نکل گئے۔ اور ان کے پیچھے ماں جی نازنین کو سنبھالوں سے تھام کر چل پڑیں۔

"ماما! مطربہ کے کمرے کی چابی آپ کے پاس ہے کھانا تو آپ ہی لے کر جاتی ہیں۔"

تیمور علی خان کچن کے دروازے میں کھڑے ماما سے مخاطب تھے۔

"جی خان — آپ فکر نہیں میں اپنے کمرے سے لے کر آتی ہوں۔" ماما دوپٹا درست کرتی باہر نکل گئی۔

تیمور علی خان راہداری میں پشت پر ہاتھ باندھ کر ٹہلنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ماما واپس آ گئی۔ اور چابی انہیں تھما دی۔

تیمور علی خان ایک لمحہ ضائع کیے بغیر مطربہ کے کمرے کی سمت بڑھ گئے۔ وہ اچانک کودنے میں ماہر تھا۔ جہاں ہر پل اور دل سلسلے قائم ہو جاتا تھا۔ اور ایک دروازہ اس کھلا ایک احاطے میں کھلتا تھا جسے طے کرنے کے بعد حویلی کا سرحد شروع ہو جاتا تھا۔ حویلی کے ملازمین کے تصرف میں زیادہ رہتا تھا۔ اس طرف زیادہ تر حویلی کے کام بھی ہوتے تھے۔ فسادوں کی کثرت کے زمانے میں اس طرف زیادہ چہل پہل ہو جاتی تھی۔

تیمور علی خان نے تالا کھول کر بہت آہستگی سے دروازہ دھکیلا۔ مطربہ بلیٹر دیے کے بستر میں کھڑی تھی۔ وہ دھلے کپڑے کی الماری پر جھک کر کچھ کر رہی تھی۔

سامنے تیمور علی خان کو دیکھ کر یکبارگی دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔ اس نے بے ساختہ ان کے ہاتھوں کی سمت دیکھا تھا۔ کہ کوئی مہیب پستول نظر آئے۔ اس نے قدرے تیوری سے ان کی سمت دیکھا تھا۔

"دیکھو لڑکی — وہ کیا نام ہے تمہارا۔ ہم تمہارے پاس آخری بار آئے ہیں۔ خود پر رحم کرنے کا یہ آخری موقع دیتے ہیں۔"

"۔"

"ہمیں کسی سے کوئی بات نہیں کرنا۔ آپ کے پاس دولت اور خاندان کی طاقت ہے۔ آپ اس سے کام لیں۔" وہ بھڑک کر بولی تھی۔ ان کا خیال غلط نکلا۔ اس کا دماغ درست ہونے کے بجائے اور خراب ہو چکا تھا۔

"کیا چاہتی ہو تم؟" وہ بہت ضبط سے کام لے رہے تھے۔

"کچھ نہیں چاہتی۔" وہ ساتھ لہجے میں چلائی۔

"دیکھو! تمہارے بھائی کی حالت بہت خراب ہے۔ انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ انہیں کس بات کی سزا مل رہی ہے۔ ہم نے تمہاری شادی ایک بہترین انسان سے۔"

"ہمیں کریں خان اور آدمی بہترین تھا مان لیا۔ شیلا رفیع کی لڑکی بھی تو بہترین ہے۔ کیوں نہیں ہے وہ آپ کو۔ اگر ہر لڑکی سے نکاح کرتے ہوئے آپ نے سوچا تھا کہ ماں جی کو اس پر کتنا اعتراض ہوگا۔ مگر آپ نے دل سے یاد رکھے تھے۔ ماں یاد رکھی دل بہت گیا۔ کیا دل صرف آپ ہی کے پاس ہے؟"

"اگر وہ لڑکی ہماری بیوی ہے تو صرف ہماری وجہ سے نہیں بلکہ وہ خود بھی ہمارے لئے اتنی ہی اہم ہے جتنے ہم اس کے ساتھ ہیں۔ یہ دونوں طرف کی بات ہے۔

"تمہیں اپنے حسن پر غیر ضروری اعتماد تھا۔ اس وجہ سے تمہارا دماغی توازن بگڑ گیا ہے کیونکہ غرور بھی پاگل پن کی علامتوں میں سے ایک ہے۔ صرف حسن سے بات نہیں بنتی مطربہ بیگم۔"

تیمور علی خان کے انداز میں واضح سفاکی جھلک رہی تھی۔

"ہم تم پر مزید بھی ظاہر کرتے کہ ہم تمہارے دل کی بات شروع سے ہی سمجھتے ہیں۔ تمہاری محبت یہاں تک آ گئی ہے کہ تم نے اپنی خود غرضی کی آگ میں ہمارے بھائی کا گھر بھی جلانے کی کوشش کر ڈالی ہے۔"

"مطربہ بیگم ایسے نہیں ہوتا جیسے تم سوچ رہی تھیں۔ جی تو چاہتا ہے تمہیں ہمیشہ کیلئے یہاں سے دور کر دیں اور اختیار میں

استغفار دیں تمہاری قسم کے ساتھ کہ یہ جہاں نظر آئے اسے تلف کر دیا جائے کہ تم نے اس پر یقین کر لیا ہے
لیکن جرم کیا ہے اس پر جو سزا ہو کم ہے۔

"ہم اس وقت صرف تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ تمہیں باور بھائی کے سامنے اعتراف جرم کرنا ہوگا کہ تم نے محض اپنی تسکین کیلئے یہ ہتھکنڈے استعمال کئے۔ صرف ہم سے انتقام لینے کی خاطر۔

اور انتقام بھی اس بات کا کہ تمہارے حسن کو خراج ہم نے خود کیوں نہیں دیا۔ بھی بھیجے سادہ لوح پر خلوص انسان سے تمہارا رشتہ کیوں جوڑا۔ یہی بات ہے ناں؟

"اگر تم ایسا کرو تو ہم تمہیں ضمانت دیتے ہیں کہ ہم تمہیں معاف کر دیں گے کوئی بھی تمہیں کچھ نہیں کہے گا"۔

"رہا تو پھر بھی مجھے اپنی غمزدہ ساں کے ساتھ ہے۔ جب میں دعا کر سکتی ہوں تو دوسرے کیوں نہیں دعا کریں گے۔

"میرے نقصان پورے نہیں ہو سکتے خان۔ بلکہ آپ کو دیکھتے ہی ایک ایک زخم رسنے لگتا ہے آپ اپنے دل پر اختیار رکھتے تو میرے دل پر زور کیوں چلاتے۔ اگر یہ اتنا آسان کام ہوتا تو آپ نہ کر لیتے؟ پھر اتنا مشکل کام ہے کہ دنیا میں کوئی پیدا بھی نہیں کرتا"۔

وہ زہر سے زرد ہونے لگی۔

"سطریہ 1 تمہیں پہ کرنا ہوگا۔ ہم اپنے بھائی کا گھر بچانے کیلئے یہاں تک کرنے کو تیار ہیں کہ اپنی بھائی کو بھی دیں۔ اماں جی کی پسند سے شادی کر لیں۔ مگر تمہیں باور بھائی کے سامنے قسم کھانا ہوگی کہ تم نے ان کے اور بھائی کے ساتھ دغا کی ہے۔ یہ حلف اٹھانا ہوگا' بلکہ میں پروہ جو کچھ ہے وہ بھی تفصیل سے بتانا ہوگا۔ سن رہی ہو میری بات؟"

وہ بے بسی سے پر چھا رہے تھے۔

"یہ تو صرف آپ کے نقصان پورے ہو رہے ہیں" وہ دھیرے سے بولی۔ صمد علی خان کا بس چلتا اس پر فائر کھول دیتے۔

"ہم اپنا گھر برباد کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں' صرف اپنی بے گناہ بھائی کی خاطر"۔ اتنی بے مایہ لڑکی نے انہیں کس مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ باہر سرسری نگر یا ملن بہت گہری نظروں سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہے تھے۔ یہ ان کی مجبوری تھی کہ وہ سب حال بدل رہے تھے کہ کسی طرح وہ حقیقت بیانی پر آ جائے اور یہ طوفان تھم جائے۔ باور علی خان کے حویلی واپس آنے سے پہلے پہلے وہ صورتحال کنٹرول کرنا چاہ رہے تھے تاکہ جب وہ واپس آئیں تو حقیقت ان کے سامنے ہو اور اس طوفان سے نجات حاصل ہو۔

سطریہ نے ان کی سمت ایک التجائی نگاہ ڈالی۔

(مجبوری میں شادی بھی کر لیتے تو شاید رفیع کی لڑکی کے ساتھ میں کم از کم اپنے نقصان کے ساتھ اس بچی ــــ بلکہ نابینا باور علی خان یا وے خان کی کوئی کما کر قبر کے اندھیرے گڑھے میں)

بہت بھاری بوجھ ایک مجبوری ہوتی ہے۔ اب وہ کچھ کہنے کی سکت نہیں پا رہی تھی۔

گلاب سامنے کھڑا انگارے بھی چبا رہا تھا اور انگارے اس پر بھی چلا رہا تھا۔ اب تو ایک سے نہیں گے۔ اس کی آنکھیں بھی بھیگنے لگیں۔

"آپ جائیے تیمور خان۔ اب مجھے کچھ نہیں کہنا"۔ وہ بے بسی سے بستر کی جانب بڑھی۔

"ہم نے بھائی بالکل بے قصور اور مظلوم ہیں اور بھائی بھی۔ ہم نے انتقام ہی لینا تھا تو کوئی اور طریقہ سوچتے"۔ وہ ایک

دم توڑتا حال نظر آئے۔

"میں کہاں کسی سے انتقام لینے گئی"۔ وہ بدستور رسانے بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

ایسا عظیم طوفان سا جاگیر دار اس کے سامنے بے بس گھڑا تھا۔ اور کہیں سے کوئی بوڑھی نازک آواز مجھ سے کہہ رہی تھی۔

"کیا ہمیں اپنے بھائی کا گھر بچانے کیلئے تم سے شادی کر لینا چاہیے؟" وہ اتنی آسانی سے ہار مانے والے نہیں تھے۔

سلمیٰ نے چونک کر پوری قوت سے گھوم کر ان کی سمت دیکھا تھا۔

گلے میں گلابوں کے ہار ڈالے یہ حسین شہزادہ اسے محبت سے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

مگر باوجود کوشش کے یہ تصور نہ تھا۔ یہ مسکرائے گا آہ مگر نہیں ..... ایک ذرا سا قبائل رسم کی ادا ہے۔ اس کے ہمراہ مسام سے روح کھینچی جاتی ہے۔ یہ جاگیردار ہیں۔ پلنے والے نہیں ہوتے نہیں آتا۔ یہ احسان کرتے ہیں تو اسے یہ ظاہر دیتے نہیں ہیں۔ دینا تو یہ ہے کہ جواب میں کوئی طلب نہیں ہو۔ احسانات سے بوجھل کاندھے جھکی کمر کی مانند آرائش ہیں۔ زینت ہیں۔ حشمت ہیں۔

"آخر کار انجام یہ ہے کہ میرا ماس قتل گاؤں کو کھلایا جائے گا۔ جب یہ طے ہے تو آپ کیوں اپنے قتل سے پہلے ہیں؟" وہ سرد سپاٹ لہجے میں کہہ کر پھر پلٹ گئی۔

"یہ تو بہت "مجھ" گئی ہے"۔ انہوں نے اپنے کھولتے ہوئے لہو پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"ہم تمہیں آسان موت سے مرنا ہوا نہیں دیکھیں گے۔ اگر نقصان ہونے کو جو ابھی تھوڑا سا دیئے ہیں تو وہ کتنا ہم نے کتنوں کو نقصان سے بچانے کیلئے اپنی حیثیت تک فراموش کر دی۔ مگر ..... دیکھو ابھی وقت ہے"۔ وہ مشکل جذباتی داستانوں سے گزر رہے تھے۔

"کیا چاہتے ہیں آپ؟" وہ ان کی طرف سے پشت کئے کھڑی تھی۔

"تاہے تمہیں کیا چاہتے ہیں ہم"۔

"مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔ سزا سنا دیجئے۔ جو بالآخر آپ نے سنانا ہے"۔ اس میں کسی طرح کی کوئی لچک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"از روئے حساب جو سزا تمہاری بن رہی ہے وہ تو یہ ہے کہ تمہیں اس طرح زندہ رکھا جائے کہ موت کے دروازے بند کر دیئے جائیں لیکن تم اس طرح جیو کہ سوائے موت کی دعا مانگنے کے تمہیں کچھ یاد نہ رہے"۔

تیمور علی خان اب زیادہ دیر اپنی مستقل اندرونی کیفیت چھپا نہ سکے جو پہلے روز سے ان کے اعصاب پر طاری تھی۔ انہیں محسوس ہوا کہ وہ اس کے وجود کے ایک ایک حصے کو موت و زندگی کی کشمکش میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی آنکھیں لہو اگلتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"اب بھی اس سے کم نہیں ہو رہا"۔ وہ بے خوفی سے کہہ رہی تھی۔

"تاہے تمہیں۔ حشر تو تمہارا اسی وقت کرنے کو جی چاہ رہا ہے مگر وہ بھائی کی بیوہ ہو گی۔ ایک بے بس عورت ہے۔ تم پر مقدمہ کر کے ایک حد میں اصلیت معلوم کی جا سکتی ہے۔ کہ اس میں کتنا حصہ بڑے بھائی کا ہے۔ تم تو کہا جا چکا ہو۔ تمہیں سمجھیں ہم تمہیں مجبور کر کے ہم اپنی مرضی کا بیان لے سکتے ہیں۔ وکیلوں والے دلیلوں کے دستوں پر چل نکلا ہے۔ اتنی آسانی سے ہماری طرف نہیں چلنے گا۔ لہٰذا ہم یہ کہ وہ گھومتے ہوئے ان کی آنکھ نہ رہے ہیں۔ ہم کارروائی کریں گے ان کے سامنے کریں گے۔ تب تک شمہ مانا"۔

وہ ایک دم بیزاری سے پلٹ کر باہر نکل گئے۔

دروازے کے پیچھے کی خواہت ان کے آہستہ کے مزاحمانہ پر دے دے رہی تھی۔

تیمور علی خان کچھ مخلص قسموں کے ساتھ کوئی سوچتے ہوئے مستغرق بابا صاحب کے کمرے کی طرف آ رہے تھے۔

دستک بھی اس انداز میں دی گئی گویا ہاتھوں میں کوئی وزن اٹھا رکھا ہو۔

"آؤں ..... کون ہے آجا"۔ بابا صاحب کی آواز میں بھی تھکن واضح تھی۔

تیمور علی خان اندر داخل ہو گئے۔ بابا صاحب نیم دراز حالت میں تھے کہ باہر سے نگاہ دروازے کی سمت دیکھ رہے تھے۔ تیمور علی خان کو دیکھ کر ایک دم چونک سے گئے۔

"آؤ ..... تیمور! ہم تمہارے بارے ہی میں سوچ رہے تھے کہ جانے تم اس وقت کیا کر رہے ہو۔ یہ تمہارے ہاتھ میں رومال ہے۔ کہیں سے آ رہے ہو؟" انہوں نے الجھ کر بیٹے کی شکل دیکھی۔

تیمور علی خان نے چونک کر اپنے ہاتھ کی سمت دیکھا۔

"او ..... یہ ..... یہ اسی شقی القلب اور سفاک کے کمرے کی چابی ہے۔ جسے دھیان میں نہیں رہا۔ شاید وہ کھلا چھوڑ آئے ہیں۔ کہیں وہ فرار نہ ہو جائے۔ ابھی آتے ہیں"۔ وہ پلٹنے لگے۔

"بیٹھو ..... ہم بلا کو بلاتے ہیں۔ وہ تالا لگا کر آئے گی۔ بے فکر رہو، وہ فرار نہیں ہو گی۔ اس کے اندر فرار ہونے والوں کے سے لچھن ..... ہم نے تو بلا اس لیے ڈالا ہے کہ اسے یاد رہے کہ اس سے تمام مراعات واپس لے لی گئی ہیں۔ اب اس کی حیثیت وہ نہیں جو پہلے تھی"۔

"آ بابا صاحب! آخر آپ اس کی کھال کیوں نہیں اتار دیتے۔ ہمیں تو بس سنسنیتیں رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ اتنا تحمل کیوں کر رہے ہیں؟" وہ اپنے مثل اعصاب کے ساتھ گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔

"تمہارے ہی ساتھ ہے۔ کچھ وقت جاتا ہے۔ کریں گے اس کے ساتھ بھی حساب کتاب"۔ وہ نرمی سے گویا ہوئے۔

"آپ کے انداز سے ظاہر ہے کہ آپ کو ہم پر بھروسہ نہیں رہا ہے۔ یاد رہے بھائی بھی تو ہمارے سگے بھائی ہیں۔ آپ کو کیا پتہ ہمارے بھائی کس عذاب میں ڈالے ہوئے ہے"۔ وہ بہت شکستہ لہجے میں بابا صاحب سے مخاطب تھے۔

"تو صلہ کچھ نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائیگا"۔ بابا صاحب نے شفقت کے ساتھ بیٹے کو تسلی دی۔

"ہم نے زندگی میں کبھی گالی نہیں سنی۔ یہ اتنی گندی گالی۔۔۔" وہ نوالے لیتے لیتے رک گئے۔

"اس لڑکی کے بارے میں سب کے اندازے غلط ہو گئے۔ ہماری سات پشتوں میں ایسا واقعہ نہیں گزرا ہوگا۔ ہم اس پر قابو پالیں گے"۔ بابا صاحب نے وثوق سے کہا۔

"مگر کیسے؟ بابا، بھائی نے تو حد ہی کر دی ہے۔ وہ ہماری بھابی ہیں' ہم انہیں اتنا مانتے ہیں۔ ان کی توہین کیسے برداشت کر لیں گے"۔

"کوئی بات نہیں۔ دنیا میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں ساتھ رہنے والے ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان لیں۔ بائیس تو ایک ہی منزل ہوتی تھی پھر اس کی کئی شکلیں کیسے ہو گئیں۔ اس کی جتنی شکلیں ہیں' سب ہوس کے خمار یوں سے ہی معدوم ہیں۔ باہر کے آدمیوں سے نہیں' بیوی کی باتیں کچھ بتاتی ہے۔ حتیٰ کی باتیں کچھ کہانی ہوا کرتی تھیں۔ بیٹیوں کے ساتھ تھے۔ کیا یہ بھی ہیجڑوں کو نہیں دیکھتے تھے۔ وہ تو آسمانی پیغام کی شکلوں میں کیسے بدل ہو گئے؟"

بات انہونی تھی کہ بغیر باپ کے انسان کا جنم کیسے ہو گیا؟ سمجھ میں نہیں آئی تو حسب توفیق دماغ کا استعمال کرنے کے بجائے سمجھ کر دی۔ سب کے پاس الگ الگ دماغ ہے۔ سب اپنے اپنے حساب سے سوچتے ہیں۔ تم سوچنے سے بچو۔ سوچنے کے بجائے اس سے ہمدردی محسوس کرو۔ اصل عذاب تو اس کی جان پر ہے"۔

تیمور علی خان باپ کے قریب ہی جا بیٹھے تھے۔ بابا صاحب نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھ کر بڑے تحمل سے سمجھایا۔

"انشاءاللہ وہ جلد آ جائیگا۔ اچھا ہے۔ تنہا ہوگا تو سہولت سے غور و فکر کر لیا"۔ وہ آہ بھر کر گویا ہوئے۔

"بابا صاحب! آپ سے ایک بات کرنا ہے۔ اصولاً تو کوئی ٹینشن والی بات موجودہ صورتحال میں کرنا ایک گناہ ہے مگر۔۔۔ مگر جو بات ہم آپ سے کرنے جا رہے ہیں' اس کی اہمیت کا تعلق موجودہ صورتحال ہی سے ہے"۔ وہ رکتے رکتے رک گئے۔

بابا صاحب نے بیٹے کے لب و لہجے سے کچھ پا لیا تھا۔ ان کے حواس ایک دم مرتکز ہو گئے کہ حوالہ موجودہ صورتحال کا ہے۔

"ہاں۔ ہاں۔ کہو"۔ وہ بظاہر بہت پرسکون نظر آ رہے تھے۔

"ہم ایک نافرمانی کر بیٹھے ہیں۔ شاید آپ ہم سے ہمیشہ کیلئے ناراض ہو جائیں"۔ وہ پھر رک گئے۔

دلاور علی خان بیٹیوں' بھتیجا بھول گئے۔ ان کا لاڈلا بیٹا نافرمانی کا اعتراف کرے کون سی اعصاب شکن خبر سنائے گا' وہ کہ ہمیشہ ان کی نارمل پیدا ہونے کا امکان کسی چھوٹی موٹی بات سے تو نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ کچھ بولے نہیں بلکہ تیمور کے بولنے کا انتظار کرنے لگے۔

"بابا صاحب! ہم وہاں لندن میں شادی کر چکے ہیں۔ دراصل صورتحال ایسی ہو گئی تھی کہ ہمیں یہ انتہائی قدم اٹھانا پڑا"۔ وہ پھر خاموش ہو گئے۔

کمرے میں شور مچاتا سناٹا متحرک ہو گیا۔ بابا صاحب نے دو تین مرتبہ منہ کو کھولا۔

"کون ہے وہ؟" غرغراہٹ کی آواز کمرے میں گونجی۔ بالکل سپاٹ لہجہ تھا۔

"انگریز ہے۔ ماں سوئس ہے۔ باپ انگریز تھا"۔ تیمور علی خان کی آواز گہرائیوں کی طرح سے آئی تھی۔

"تو؟ تو کیا مطلب؟" بابا صاحب کا انداز بدستور سپاٹ تھا۔

"وہ یونی تھا۔ جہاز کے ایک حادثے میں مارا گیا۔ وہ ایک ایئر ہوسٹس تھی۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی ہیں"۔

"صورتحال کیا تھی؟" اس مرتبہ بابا صاحب کے انداز میں گرفت تھی۔

"اس کی ماں نے دو بیٹیوں کے ساتھ دوسری شادی کی تھی۔ جس شخص سے اس نے شادی کی تھی۔ اس نے بھی ایک بیٹی کے ساتھ دوسری شادی کر لی تھی۔ مگر پہلی بیوی والد کے نام ہے۔ جب یہ بات کھلی تو وہ بیوی والد کے ساتھ چلی گئی۔ اسے دونوں دوسرا خاندان ہار گئیں۔ اس کی زندگی اس طرح گزر رہی تھی کہ وہ اور اس کی بیٹی ہم سے ملتے رہے۔ ہماری ملاقات لاہور ہی میں ہوئی تھی۔ سب لوگوں نے اس کا ٹریٹمنٹ کیا تھا۔ اس کے ساتھ بہت گہرا رشتہ ہو گئے تھے۔ یہ بعد میں پتا چلا کہ وہ حقیقت میں وہ گاڑی اس کے سوتیلے باپ کے مسلسل کر رہے تھے۔ یعنی ایک خاموش سمجھوتہ اس کے ساتھ چلتی تھی۔ وہ اس قدر شاطرانہ انداز میں آگے بڑھتی ہے کہ اپنے ہاتھ صاف رکھتا ہے۔ ماں کو اس وہ اس کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ اس کی ماں کی حیثیت اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی ہی تھی۔ وہ جو اتنی خوفزدہ تھی کہ یہ تو مسلسل اس نے بیٹیوں کو کرتا رہے تھے۔ زبان سے ایک لفظ نہیں نکالا تھا۔ کہتی ہے۔ مجھے تو ہر وقت محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی دیوار سے کان لگائے کھڑا ہوا ہے وہ ہر وقت کن پھاڑ کر سنتا ہے"۔

"ہوں"۔ بابا صاحب نے ہنکارا بھرا۔ "کیا نام ہے لڑکی کا؟"

"لیزا۔۔۔ ہمارا مطلب ہے ایلزبتھ ولیم ہارٹن"۔

"کیا تم نے اس سے یورپ میں شادی کی ہے؟" دلاور علی خان نے تعجب سے بھتیجے سے سوال کیا۔

"کیا؟ کیا مطلب"۔ تیمور علی خان کچھ سمجھے نہیں۔

"ہمارا مطلب ہے' اس نے اسلام قبول نہیں کیا؟"

"پہلے اس نے اسلام قبول کیا۔ بعد میں ہمارا نکاح اسلامک سنٹر میں ہوا تھا"۔ انہوں نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"مگر پھر اس کا نام مسلمانوں والا کیوں نہیں؟"۔

بابا صاحب کے پرسکون سے انداز سے تیمور علی خان کے اعصاب کا تناؤ بڑھنے لگا۔

"نام تو اس کا ہم نے عائشہ رکھا ہے۔ بس وہ عادتاً منہ سے لیزا نکل جاتا ہے"۔ وہ قدرے جھجک کر گویا ہوئے۔

"اور تم اسے اتنے خطرات میں چھوڑ کر یہاں آ رام سے اقامت گزار رہے ہو؟ پھر تم نے اسے شادی کر کے کیا فائدہ ہوا؟"

دلاور علی خان نارمل انداز میں کہہ رہے تھے جیسے ان کے درمیان کوئی اور تھی ہی غیر معمولی بات نہ ہوئی ہو۔

"اسے بچپن ہی سے نفسیاتی مریضہ بنا دیا گیا تھا۔ اس کی عملی بار بار دہرا کر دیکھی تھی۔ دکھ تو ہاں تھا لیکن خلاف معمول کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بشیر بھائی آپ خود اپنی جگہ پر مضبوط اور پر اعتماد ہوں۔ ہم نے اپنی ذمے داری نبھانے کی کوشش کی ہے۔ ہمارا دل ایک ہم وطن دوست ہے بار بار یاد آتا ہے۔ اس کی بیوی بھی بہت اچھی ہے۔ ہم اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ لیزا بھی انہی کے پاس ہے۔ جس ڈاکٹر نے اس کا نفسیاتی علاج کیا ہے۔ اس سے ہماری اچھی خاصی دوستی ہو گئی ہے۔ اب لیزا خود بھی اتنی پر اعتماد ہے کہ یہ اعلان کر سکتی ہے۔ وہ چاہیں آپ لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ ہم اس مرحلے سے یقین دلا کر آئے ہیں کہ حویلی میں اس کی جگہ ہے اور وہ جب چاہے واپس جا سکتی ہے۔ ہم نے کوشش کی۔ مگر اماں کی وجہ سے ہر بار رک جاتے تھے۔ وہ بہت جلدی پریشان ہو جاتی ہیں۔ اور ان کی صحت کا مسئلہ ہو جاتا ہے۔ آج سے پہلے ہم نے بھی فیصلہ کیا تھا آپ کو سب کچھ بتا دیں گے پھر آپ خود ہی اماں جی کو ہینڈل کر لیں گے۔ ہم نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو سب کچھ بتا دیں گے۔ پھر آپ خود ہی اماں جی کو ہینڈل کر لیں گے۔ ہم ان سے دوبارہ بات کریں گے ہی نہیں۔ ہمیں پتا ہے ہمارے اس اقدام سے آپ کو بہت صدمہ پہنچا ہو گا۔ مگر بابا صاحب شادی کا فیصلہ سب سے زیادہ پر عمل معاملہ ہوتی ہے۔ دو انسانوں نے ایک عمر ساتھ گزارنی ہوتی ہے۔ اعتبار کرنے والوں کا کیا مان کیا جا سکتا ہے؟"

تیمور علی خان نے اعتراف خطا کے ساتھ ساتھ اپنی صفائی کا بھی بندوبست کیا۔

"ہوں"۔ بابا صاحب نے ہنکارا بھر کر حقہ گڑگڑایا۔

"صدمہ تو ہمیں واقعی ہوا ہے کہ ہمارا عزیز ترین بیٹا گھر بسا کر بیٹھ گیا اور ہمیں پتا تک نہ چلا۔ اپنے بچوں کی رونمائی کے جاتے ہوئے ماں باپ کے جو احساسات و جذبات ہوتے ہیں۔ وہ خوشی ہو وہ لمحہ کے باپ کو ہوتی ہے وہ تو ہر باپ کا حصہ اور جائز حق ہے۔ بڑے انتظار کے بعد ماں باپ وہ دن دیکھتے ہیں۔ اپنی زندگی ہی میں اس سے محروم ہونا۔ بڑی کمی ہوتی ہے۔ جیتے زندگی میں"۔

"مقام شکر یہ ہے کہ تم نے ولایت میں بھی نام و نسب والوں ہی سے رشتہ جوڑا۔ اگر کسی جعلی سوئم کی لڑکی کو بیاہ لیتے تو شاید یہ دکھ ہمیں قبر میں لے جاتا۔ جو ہوا سو ہوا۔ اب کیا کریں۔ کیا کہیں۔ اتنا بڑا طوفان حویلی میں اٹھ چکا ہے کہ ہر طوفان سے چھوٹا محسوس ہوتا ہے۔ تم ایسا کرو جتنی جلد ہو سکے عائشہ کو حویلی میں بلوا لو۔ اب یہ بہت ضروری ہو گیا ہے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ باہر سے کسی طرح رابطہ ہو اور ہم اسے تمہاری لو میرج کی اطلاع دیں۔ اب یہ نکتہ بہت آسانی سے رفع کیا جا سکتا ہے"۔

تیمور علی خان کی سمجھ میں فوراً ہی یہ بات آ گئی کہ اتنی اہم خبر پر دلاور علی خان نے اپنے صبر و سکون کا مظاہرہ کیوں کیا۔ ان کی تو میرج تو حویلی کے حق میں ایک اضافہ ثابت ہو رہی تھی۔

دلوں سے وہ جس ہولناک بوجھ کا شکار تھے۔ وہ ایک دم ہوا ہو گیا۔ انہیں محسوس ہوا وہ گھٹن سے نکل کر اچانک کسی بلند مقام پر آ گئے ہوں۔

"ہم لیزا کو ابھی بلوا کر کے تو فون پر بتاتے ہیں"۔ وہ جانے کے لئے اٹھ گئے۔

"بالکل"۔ بابا صاحب نے کہا۔

"سوری"۔ تیمور علی خان نے معذرت کی۔ پھر باہر نکل گئے۔

"شاباش والی کہانی سنائیں اماں جی!" اماں جی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر بیٹھی تھی۔

"دل میں کہانیاں تھیں سناتے سناتے اور سننا بھول جاتے ہیں۔ بہت کوشش کی ہے۔ اماں جی نے پیار سے کہا۔ پریشانی پر سے ڈال دیجئے۔

"یاد کرو دادی نے کہانی نہیں سنائی تھی۔ اماں جی کبھی بھول سے"۔

دادی جی زرین کے سر میں مساج کر رہی تھی۔ دادی ہاں کرنے کے دوسرے کے قریب بیٹھی بیٹھی دھیں کرتے ہوئے پیر دبا رہی تھی۔ خادم کم صم بیٹھی چھالیہ کتر کتر کر ڈبے میں ڈال رہی تھیں۔

"اماں جی! آپ بہو تو میں پاؤں پڑ کے آپ سے بیٹے خان سے معافی مانگ لوں۔ اللہ سے دعا کر رہی ہوں۔ اللہ میرا جنت دوزخ طے کرے گا"۔ ماں کی آواز بھرا گئی۔

اماں جی نے خادم کو اشارہ کیا مار کر اٹھا دو یا کہ نازنین موجود ہے۔ خاموش رہو۔

"کیوں آپ کو کیا ہوا ہے؟ آفت تو ہم پر ٹوٹی ہے"۔ نازنین نے تڑخ کر کہا

خادم بیچارہ کر دہ گئی مگر اماں جی کی تائید کے سبب خاموش رہیں۔

"ہماری تو عقل حیران ہے۔ یاد رہے ہمارے بعد۔ آخر ایسا کیا ہوا ہے۔ ایسے تو کبھی بھی نہیں ہوتا"۔ وہ بڑبڑانے کے انداز میں گویا ہوئی۔

"تم اپنے دماغ پر زور مت ڈالو۔ بچی پر برا اثر پڑے گا۔ آرام سے بہتر کرو"۔

"بچی صرف میری تو نہیں اماں جی۔ خواہ مخواہ بری اثر کا صرف میں ہی سوچوں"۔

وہ بہت جھنجلاہٹ اور بوکھلاہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔

"ہاں کے کام بڑے ہیں اس لئے رو رہے بھی بڑے ہیں۔ اللہ تمہیں ہر طرح کی خوشیاں دے۔ (آمین)"۔

"اماں جی! کسی بات سے دل نہیں بہل رہا۔ عجیب سے وسوسے ستا رہے ہیں"۔

وہ ایک دم شکستہ خاطر نظر آنے لگی۔

"ماشاء اللہ گھر میں بیٹھی ہو۔ پریشان ہونے کی کیا بات ہے"۔ وہ تسلی دینے سے زیادہ کیا کر سکتی تھیں۔

"اس کم ذات سے میرل ایک مرتبہ بات تو کر لیں اماں جی۔ ذرا بھی بھول تو اوقات بھول کر ایک پر گھر گئی۔ تیمور بڑا بھولا ہے۔ وہ تو اکیلے اور نادان ہیں۔ میرا سہاگ ہی ساتھ چھوڑ گئے"۔

زرین کی ذہنی حالت گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ بگڑ گوں ہوتی جا رہی تھی۔ ایک تو زچگی سے قبل اور بعد کی کمزوری

دوسرے پیا تی بڑی پریشانی۔ جب تک نوزائیدہ بچے کا باپ بچے کے چہرے پر مسکراتی نظر نہ ڈالے بچے کی ماں کی تکمیل نہیں ہوتی۔ بچہ تو پیدا ہونے سے پہلے ہی قبول کر لیا جاتا ہے۔ جب ہی تو اپنے باپ کے گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ مگر نہ جانے کیوں بچے کو جھولے جھولانے کی روایت ایسے ہیں جن سے گزرے بغیر اندر کی تشفی ہو نہیں ہوتی۔

"بیٹی۔ یہ کیا اول بول بولنے لگیں؟" اماں جی بھر بھرا سی گئیں۔

"ایسی کوئی بات نہیں میری بچی۔ تو کیے تو قسم اٹھالوں"۔

اماں جی اپنی جگہ سے اٹھ کر نازنین کے قریب چلی آئیں۔

"تو پھر کیا بات ہے۔ اتنا تو خیر میں محسوس کر سکتی ہوں جو بات بھی ہے وہ آپ کو بابا صاحب کو اور جمورو کو بتانے میں کیا حرج ہے۔ اپنا ذہن روز اروز اکر تھک گئی۔ سر اہاتھ نہیں آرہا"۔ نازنین نے سر تھام لیا۔ "وہ کیا بات ہے جو آپ لوگ مجھ سے چھپا رہے ہیں"۔

ماما اس بحث میں کتنی بھول گئی۔ ایک لمحے کو ساس بہو کی طرف دیکھا۔ پھر دوبارہ سے کپڑے سمیٹنے لگی۔

رو بابو بی اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی کہ کب نازنین اپنا تھاما ہوا سرا آزاد کرے اور وہ پھر سے سماں شروع کرے۔

"اماں جی! چھوٹی دلہن آپ سے لڑائی کر رہی ہیں؟"

باری اماں جی کی پشت پر کھڑا ہوا تھا اور قدرے پریشان کن انداز میں دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اماں جی نے اسے کھینچ کر اپنی گود میں بھر لیا۔

"ماں صدقے۔ نہیں بیٹے لڑائی تو گندے لوگ کرتے ہیں۔ ہم تو بات کر رہے ہیں"۔

"چھوٹی دلہن کہہ رہی تھیں 'یاد رخاناں رستہ بھول گئے ہیں' آپ نے انہیں دن میں کہانی سنائی تھی اماں جی؟"

وہ ٹکر ٹکر کر بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ ایک لمحے کو وہ سب دم بخود رہ گئیں۔

"ماشاءاللہ ۔۔۔ اللہ نظر سے بچائے کتنا ذہین ہے۔ ہر بات پر دھیان رہتا ہے"۔ اماں جی نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

خالہ سولہ آنے منہ اٹھا کر بے اختیار رونے لگیں۔

"اماں جی! مجھے معاف کر دیں۔ وہ غصے میں جی نے کر دی تھی"۔

"سولہ آنے اچھوں سے گئی گزری ہو گئی۔ نیچروں کے ہاں بھی صرف نیچر نہیں ہوتے۔ نوع کا بچا بھی فرمان خالے اللہ نے طوفان میں غرق کر دیا تھا۔ وہ کون سا تیری اولاد ہے۔ جو تجھے کوئی کہے گا کہ ٹھیک سے نہیں پالی اور وہ بھی بچی ہے بے زبان کم عقل۔ اپنی کم عقلی کا احساس ہو گا تو خود ہی معافی مانگے گی شرمندہ ہو گی"۔

"چاہے میں اتنے میں برباد ہو جاؤں"۔ نازنین تلخی سے گویا ہوئی۔

"اللہ نہ کرے۔ اللہ میرے بچے کو سلامت رکھے۔ اس سے تجھے عمر بھر خوشیاں ملیں۔ آمین۔ بری بات بچو ایسے لفظ نہیں کہتے۔ میرا دل بہت کمزور ہے"۔

انہوں نے نازنین کے ہاتھ تھام لئے۔

"اب جی تو آپ کو رحم کا بچے کی باری ہے۔ بچہ کے بغیر نہ آپ کی تکمیل ہوتی ہے"۔

"بھابی پلیز! آپ اماں جی سے اس طرح بات نہیں کریں۔ یہ بھی آپ کو اپنی طرح عزیز رکھتی ہیں"۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔

"کوئی بات نہیں بیٹے۔ بچی ہے یہ میری۔ اس کا دل کھٹا لے نہیں ہے۔ میں اس کی باتوں کا برا نہیں مانتی"۔ اماں جی نے بہت دلسوزی سے کہا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" انہوں نے کمک سے دست نجو علی خان کی طرف دیکھا۔

"جی۔ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ جانا ہے یاور بھائی پر سوں اماں چلے گئے"۔

"ہیں!" اماں جی کے چہرے سے غشی چھلکنے لگی۔ "وہاں پہنچتے ہی فون کرنا اور یاد سے خیر کی خبر دینا"۔

"جی ضرور۔ اللہ حافظ ۔۔۔ بس ہم آپ کو یہی اطلاع دینے آئے تھے"۔

"ٹھیک ہے جاؤ۔ خیر کی خبر لانا۔ اللہ کی امان میں دیا"۔

"کاکا جان! یاور خاناں رستہ بھول گئے ہیں۔ اماں جی نے انہیں دن میں کہانی سنائی تھی۔ ہے ناں اماں جی؟" باری نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

نجو علی خان نے الجھی ہوئی نظروں سے ماں کی سمت دیکھا۔

"کاکا جان ۔۔۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ یاور خاناں کا ہاتھ پکڑ کر لے آؤں گا۔ مجھے راستہ پتا ہے"۔

باری اماں جی کی گود سے نکل کر نجو علی خان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"نہیں ہم لے آئیں گے۔ آپ یہاں بوبی کے پاس رہو۔ وہ رونے لگے گی"۔ انہوں نے اس کا سر چھو کر کہا۔

"کاکا جان۔ بوبی آئس کریم کیوں نہیں کھاتی؟ آئس کریم تو اچھی ہوتی ہے"۔ اس نے قدرے پریشانی سے پوچھا۔

"جب وہ آپ کی طرح بھاگنے لگے گی تو آئس کریم بھی کھائے گی"۔

"ٹھاہ ٹھیک ہیں (مرغی کی ٹانگ) بھی؟" وہ ان کی بات کاٹ کر بے تابی سے بولا۔

"اوہ ۔۔۔ شیور ۔۔۔ پارٹنر ۔۔۔ ضرور کھائے گی"۔

"اچھا ہم چلتے ہیں۔ بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ خالہ آپ سب کا خیال رکھیے گا"۔ وہ خالہ سولہ آنے سے مخاطب ہوئے۔

"بیٹے! میرا تو یہاں کسی سے آنکھ ملانے کے قابل نہیں ہوں"۔ وہ رندھے ہوئے گلے سے مخاطب ہوئیں۔

"ایسا نہیں سوچتے۔ کوئی بات نہیں۔ اچھا اماں جی۔ بھابی۔ خدا حافظ"۔

"خدا حافظ کاکا جان!" باری بڑی ہوشیاری سے مخاطب ہوا۔

"خدا حافظ پارٹنر ۔۔۔ اماں جی کو پریشان نہیں کرنا۔ ٹھیک؟" وہ باہر نکل گئے۔

"پلز شکر ہے یہ تو بتا چلا کہ وہ کہاں ہے"۔

اماں جی نے سکون کا سانس لیا مگر نازنین کا چہرہ اسی طرح بجھا ہوا تھا۔

"سب سے لڑکیاں (روشن آرا، نزہت) آئی ہیں مگر بالکل ہی سوا ہو گیا ہے"۔

اماں جی عالم تاب سے مخاطب ہوئیں۔

"بابا صاحب نے بلایا ہے آپ کو۔ وہ کہہ رہے ہیں ناشتہ کی جائے آپ ان کے کمرے میں ہی"۔

عالم تاب نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر آ کر ساس کو پیغام دیا۔

اماں جی کا دھیان پوری طرح سعدیہ کی طرف گیا۔

"کیا کچھ بول پڑی ہے نازنین؟ کیوں اسے کمرے میں بند کر رکھا ہے۔ کہیں نہیں جانے کی وہ"۔

"اماں جی! کسی قصے کے ساتھ اتنی بڑی روایت نکلی نہیں بہت بڑا گناہ ہے! آگ لگ رہی ہے دوسری میں سوا ہے کہ"۔

عالم تاب کی آواز سے ناراضگی واضح تھی۔

اماں جی — بچے کی طرح ٹھہر اکر چپ ہو گئیں۔

"اچھا میں عصر کی نماز پڑھ لوں۔ اپنے بابا صاحب کو کھلوا دو۔ آتی ہوں ابھی"۔

وہ دھیمی آواز میں کہہ کر وضو کیلئے چل پڑیں۔ عالم تاب نے ملازمہ کو بلا کر بابا صاحب کا پیغام پہنچایا تھا۔

اماں جی نے عصر کی نماز کے بعد معمول کے مطابق تسبیح پڑھی۔ اپنے کانپتے دل کو قرار دینے کی دعا کی اور بابا صاحب کے کمرے میں آ گئیں۔

"آؤ۔ رحیمہ کی ماں۔ بہت دیر لگا دی"۔

"نماز پڑھ رہی تھی"۔ اماں جی نے سر پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"آؤ بیٹھو۔ بہت سی باتیں طے ہونی ہیں جو آپ سے کرنا ہیں"۔

بابا صاحب نے اپنے پہلو میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اتنے سے دنوں میں کتنی باتیں طے ہو گئیں"۔ وہ بڑے سعودانہ اور حیا آمیز لہجے میں پوچھ ہی بیٹھیں۔

"ایک تو آپ ساری عمر بیٹھنے کا سامان بنا رہیں۔ آپ سے کوئی بات کرنا ہو تو ہر طرف سے انتظام کرنا پڑتا ہے"۔ بابا صاحب نے آج واقعی جھلا کر کہا تھا۔

اماں جی سہم کر رہ گئیں۔

"کوئی شکایت ہو گئی مجھ سے؟" وہ سادگی سے پوچھ رہی تھیں۔

دلاور علی خان اٹھتے ہوئے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔

"رحیمہ کی ماں۔ یہ نیا مشغلہ ہے۔ ہر وقت مرضی کی خبریں نہیں ہوتیں"۔

"یہاں ہر کسی کو کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔ اور یہ انسان ہے۔ [illegible] ہے کہ [illegible] ہے مگر وہ دوسری الجھنوں کا سامنا کرتے ہیں۔ ہر شخص اوقات اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ کمی ہونے کا احساس [illegible] ہیں۔ مال و دولت کے اجڑ ہونے کا سامنا نہ کرنا ہو جاتا ہے"۔

"ہزار طرح کے جھمیلے ہیں۔ پریشانیاں ہیں تو ان کے اپنے [illegible] ہیں تو طبیعت [illegible] کے ساتھ ساتھ الگ الگ مسئلے مسائل"۔

"کبھی یہ سب نہیں ہے تو روٹی کا مسئلہ ہے۔ جینے کا مسئلہ ہے۔ کہیں یہ کچھ بھی نہیں ہے تو۔ [illegible] زندگی میں مسئلے مسائل تو چلتے رہیں گے۔ انسان کو ہمت سے کام لینا چاہیے"۔

"آپ کیا ہو گیا؟" اماں جی کا دل کانپ گیا۔ بات سے پہلے ہی کیل چبھنے لگی۔ ہاتھ توڑ کر رہ گئے۔

"کچھ نہیں ہوا۔ خیر تو ابھی ہے۔ آپ بڑا بولو دوسری بات ہے"۔ دلاور علی خان نے کہا۔

اماں جی کے دل کو کچھ تقویت پہنچی وہ خبر کا انتظار کرنے لگیں۔

"ماشاء اللہ دو بیٹے چار بیٹیاں۔ تین بچوں کی آپ بارات لے کر گئیں۔ اللہ نے بڑی عزت دی۔ کیسی اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اب اگر تمہارا اپنی پسند سے دو بیٹیوں کی شادی کر لے تو کیا حرج ہے؟ دولت ہو، وہ صرف ہمارا نہیں ہمارے بچوں کا بھی ہے۔ سب سے بڑھ کر اگر کسی تشویش کا ذریعہ آپ کو ٹھیک ٹھیک بتا دیا جائے کہ آپ اپنی لڑکی کی سب سے بڑی خوشی حاصل کر رہی ہے تو یہ بات خوشی کی ہونا چاہیے نہ کہ افسوس کی۔ بچوں کی خوشیاں تو ماں باپ کی عمر بھر کی کمائی ہوتی ہیں"۔

"مجھے پتہ ہے وہ شاکر رفیع کی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ اگر آپ اس کی مرضی پر خوش ہیں تو میں بھی خوش ہوں۔

"مگر یہ کیسا ستم ہے میں اپنی آنکھوں کی ہمدرد کی بیٹی سے کبھی دل کی بات نہ کر سکوں گی۔ وہ تو اگر بری ہو لے گی"۔

وہ آنکھوں پر آنچل رکھ کر رو لے گئیں۔ وہ اپنے دکھ پر کسی اور بہانے سے رو رہی تھیں۔ دلاور علی خان نے انہیں شانوں سے تھام لیا۔

"ہمارا بیٹا اگر جوانی میں الجھتا ہے۔ عقل کا کورا نہیں ہے۔ وہ اسے اردو سکھائے گا۔ وہ آپ سے اردو میں بات کرے گی"۔

"آپ کو بھی تو ہم ریاست رامپور سے یہاں لائے تھے۔ کیا سمجھتی ہوئی اردو بولتی تھیں۔ اب کس طرح ستائی ہوئی بیٹی بنا کر اپنی اصل زبان بھول بیٹھی ہیں۔ ہمارے بیٹے پر آپ کی بھابیوں اور بہنوں نے کتنا اعتراض کیا تھا کہ نسبا افغان پٹھان کا بیٹا ہے کر آپ کے گھر والے گناہ کبیرہ کر رہے ہیں۔ ان کی تو عقل موٹی ہوتی ہے۔ گھر میں عورتیں اسی پشتو بولی جاتی ہے۔ جبکہ آپ کو اردو کے علاوہ کوئی زبان نہیں آتی تھی۔

ہمارے خاندان میں آپ کے علاوہ کوئی باہر کی عورت نہیں تھی۔ مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ آپ اس خاندان کی نہیں ہیں"۔

دلاور علی خان عزاج آشنائی کے سبب جن دلائل کو استعمال کر رہے تھے اس سے اماں جی بہت پریشان ہو گئیں۔

ساتھ بھی تو نہیں۔

"پھر آپ مجھے اجازت دیجیے۔ تیمور کے ساتھ۔ خود اپنے ہاتھوں ہلاک کر دیں گی۔ شکار ریچ کی لڑکی۔"

"اس آج کے بعد شکار ریچ کی لڑکی کا ذکر ان معنوں میں ہو لی میں نہیں ہوگا۔ فہم کہ اس قصے کو ہمیشہ کی لیے ختم۔" ولاور علی خان نے قطعیت سے کہا۔

"پتا نہیں اس کی ماں کہیں ہوں گی۔"

ان کے منہ سے بلا ارادہ نکل گیا۔ خلاف توقع خبر پر عجیب طرح کی بے اختیاری تھی۔ وہ تو ولاور علی خان کا ہر ستم سہنے اور جینے کی حمایت میں دلائل کے ساتھ کمر بستہ بیٹھی تھی۔ ان کے اوسان خطا نہیں ہوئے تھے۔ مگر جانے کیوں ہر بھروسہ ٹوٹا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔

"زنیرہ کی ماں! تمہارے بیٹے کا گزارا اس کی ماں توں سے ہو سکتا ہوگا۔ تب ہی تو اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے۔" الہام نے سمجھایا۔

اماں جی سر جھکا کر کسی سوچ میں گم ہو گئیں۔

"آ... آپ نے۔ اس طرح کی باتیں کبھی پسند نہیں کیں۔ بی بی کہیں۔ جب آپ کو پہلے پہل یہ خبر ملی ہوگی تو کیا آپ کو صدمہ نہیں ہوا ہوگا۔ حالانکہ میرے حساب سے تو آپ کو غصہ آنا چاہیے۔"

اوہ بچوں کے توقف کے بعد گویا ہوئی تھیں۔

ولاور علی خان جواب میں تاسف سے خاموش رہے۔

"آپ ہماری شریک حیات ہیں۔ شریک راز ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وقت آخر بھی انفاس بھرا چہرہ آنکھوں کے سامنے ہو۔ ایک بات بتا رہے ہیں آپ کو۔" وہ بہت گہری سوچ میں ڈوب کر مخاطب ہوئے تھے۔

"جب زنیرہ بانو نے ہمارے سامنے زبان کھولی اور بعد میں تیمور نے اس پر الزام لگایا ... ہمارے آپ کے سامنے۔ تو ہمارے دل کو بہت وسوسوں نے گھیر لیا تھا۔

کچی خیال دل میں جم رہا تھا کہ تیمور سے غلطی ہو سکتی ہے۔ اتنی گمراہ بے سہارا لڑکی ہمارے سامنے اس طرح کی جرات کم از کم نہیں کر سکتی۔ یقین جانو زنیرہ کی ماں اس رات ہم ایک لمحے کو بھی نہیں سوئے۔ اگرچہ ہم نے صفائی بھی ظاہر کی تھی کہ ہم تیمور کو بالکل بے قصور مان چکے ہیں۔ جو خطا ہے اسی لڑکی کی ہے۔

اس معصوم دوست کے پیچھے بھی بہت سی حقیقتیں ہیں۔ تیمور ماشاء اللہ سوجھ بوجھ والوں میں سب سے نمبر ون حال مرد ہے۔ انگلستان میں رہتا ہے۔ بات کرنے کا ڈھنگ جانتا ہے۔ اس پر کسی کا دل آ جانا اتنی کوئی انہونی بات نہیں۔ لازمی ہے زنیرہ بانو نے کم عمر لڑکیاں ہیں۔ غلطی ہو سکتی ہے۔"

"اللہ سے پناہ مانگتی ہوں خان صاحب! لازمی نہیں ایک جیسا ہے جو ہمیں نصیب سے ملا ہے۔" اماں جی خفا کر بولیں۔

ولاور علی خان جیسے موضوع وہاں سے لائیں۔

"آپ بات تو مکمل ہونے دیا کریں۔ اے تو آکر ٹوک دیتی ہیں۔" الہام نے ان کی مدد کی۔ تیمور کی تعریف کی بات سامنے آ گئی۔

اب پتہ آپ ہو لی کے پیچھے پیچھے پھیلاوے میں کہ تیمور کے لچھن ہی ایسے ہیں۔ اپنی لبھن انگلستان سے لا رہے ہیں۔

تیمور خود تو تمام الزامات سے بری ہو رہا ہے۔ تصدیق ہی ہے۔ اب اس لڑکی کو پتہ نہیں کیا سوجھی کہ اس نے ایسے کیوں کیا۔ وہ کیا چاہتی ہے؟ اب مرد اور عورت ہونا برابر کا اختیار ہے۔ سوچنے کا مقام ہے۔ اس بات نے ہمیں کس شکل میں لا رکھا ہے۔ یار کی کیا حالت ہوگی۔ بات بیٹے کی ہے۔ کبھی سوچنے کو بھی نہ ملے۔ ہمیں سے نہیں آتے۔ لوگ ہمیں اس نگاہ سے رکھیں گے۔ ہمارے بیٹے

"جب آئے گی تو پا لیں گے۔ ہمارا تو سب کو ایک ہی طرح پڑھنا ہوتی ہے۔ خواہ انسان کسی قوم کا ہو۔"

"خیر، قرآن تو میں اسے خود پڑھاؤں گی۔ ساری حویلی کی لڑکیاں کو قرآن میں نے ہی پڑھایا ہے۔" وہ ناراضی محسوس ہو رہی تھیں۔

"ابھی بات ہے۔" دلاور علی خان نے حقے کا پائپ اٹھا کر منہ سے لگایا۔ "آپ کہاں چلیں جائے گی بیگم صاحبہ؟"

"وہی دیکھنے جا رہی ہوں کیا کر رہی ہے مامائی۔" وہ دوپٹہ درست کرتے ہوئے چل پڑیں۔ مگر ایک گہری سوچ تھی جس ان کی چال سے واضح تھا۔

باورچی خانہ کے پیچھے بنی کوٹھڑی میں مامائی نے ایک سلیقہ سا خانہ بنا رکھا تھا۔ وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر یہیں آ کر لیٹتی تھی۔ کبھی کبھی کوئی ملازمہ اس کے پاس آ جاتی تھی۔ یہ معمول کی بات تھی۔ اس نے تھانے دار سرمد علی شاہ، ڈاکٹر اور نائی کے سر پر ہاتھ پھیر لیا تھا۔

"تیمور آ گئے؟"

"نہیں، ابھی تو نہیں آئے۔" مامائی نے بہت بجھے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"جیسے ہی آئیں، مجھے فوراً اطلاع دینا۔" اس نے کہا۔

"جی بہتر۔" مامائی سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ہاجرہ نے فیڈر کرنے کے بعد روشی کو آہستگی سے گود میں لٹایا اور ہلکا ہلکا تھپکنے لگی۔ روشی ایک دم سکڑ کر نیند سے بھیگا تھا۔ حیرت اور خوشی سے اس نے "میڈم" کا نام پڑھا۔

"یا اللہ! وہ مائی گاڈ!" اس نے بے تابی سے لفافہ چاک کیا۔ کئی کاغذ نکل کر قالین پر گر پڑے۔

اس نے نسبتاً بڑا کاغذ اٹھا کر کھولا۔ اس کے نام لکھا تھا۔ وہ انداز مخاطب پر چونک پڑی۔

محترمہ ہاجرہ نیئر صاحبہ!

السلام علیکم۔!

آپ کی خیریت کی نیک تمنا کے ساتھ بات بڑھاتا ہوں۔ ممکن ہے حویلی میں میری غیر حاضری سے بہت پریشان ہو رہی ہوں۔ مگر میں اس ماحول سے دور اس لئے چلا آیا تھا کہ میں بہت کچھ سوچنا چاہتا تھا۔ اس طرح کہ کوئی شخص بھی میری سوچ پر اثر انداز نہ ہو اور مجھ سے کوئی بہت بڑی بھول نہ ہو جائے۔

یہ تو میں شروع ہی سے محسوس کرتا آ رہا ہوں کہ آپ تیمور کی کمپنی کو حویلی میں سب سے زیادہ پسند کرتی ہیں۔ میرے لئے یہ خوشی کی بات تھی کہ میں اس تعلق کو پاکیزگی اور وقار کے حوالے سے دیکھنا اور محسوس کرتا تھا۔ ہم بھائیوں میں جو مذہبی وابستگی ہے اس میں اماں بنی کی تربیت کا بہت دخل ہے۔ اس لئے قیامت تک کوئی ایسی سوچ مجھے مرتب نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن "مہ وش" کا آنا ایک بہت مظلوم اور بے بس کردار مہیا کر رہا ہے۔ وہ ایک سادہ اور بے لوث لڑکی ہے جس کے ایک ایک ادا سے تابعداری ظاہر ہوتی ہے۔ ہماری اس سے بہت کم بات ہوئی ہے۔ اس نے کبھی کبھی میرے غیر ضروری بات نہیں کی۔ اس نے

میں اور تیمور سے حویلی کی خدمت کا حق ادا کیا۔ وہ کوئی بھی شعبہ دیکھ لیتی تھیں۔ اور سے بہت سے کام وہ حویلی کی ضرورتوں کے وقت سوچ لیتی تھیں۔ کبھی تو ہمیں اس کی خدمت کی یاد بہت بعد میں آتی تھی۔ کبھی ہم بھائی بہن کسی بات پر روٹھ جاتے تھے۔ وہ دل اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بہت دھیان رکھتی تھی۔ وہ ان کی جس نے کبھی ہم سے اپنے خدمات کے جواب میں کسی قسم کی رعایت نہیں مانگی۔ رات وہ ایک بجے تک وہ ہی جاگتے والی کا دھیان رکھتی تھی۔ ہمارے لئے ہم سے کام کے علاوہ کبھی کوئی بات کرنے میں پہل نہیں کی۔

جب تیمور علی خان نے اپنے دوست سے اس کے نکاح کا تذکرہ کیا تو ہمیں دلی خوشی ہوئی تھی کہ وہ ہمارے بھائی کے ایک طرح سے بہت بڑی انسانیت کی خدمت کی ہے اتنی اچھی لڑکی کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔

مگر آپ کے ساتھ اس کا پیار، وہ آپ کیلئے ہمیشہ ان تھک ہو جاتی تھی۔ ہم نے اسے آپ سے بہت محبت کرتے دیکھا ہے۔ وہ آپ کی دوست محسوس ہوتی تھی۔ ہمیں اس بات کی خوشی تھی کہ حویلی میں آپ کو ابھی کوئی اں رہی تھی اور آپ خوش نصیب۔

ہم نے تو یہ دیکھا کہ حویلی کا ہر فرد مہ وش سے پیار کرتا تھا۔ تیمور سے وہ بہت ڈرتی اور گھبراتی تھی۔ مگر جب تیمور نے اپنے لاست کیلئے اسے پسند کیا تو ہمیں تیمور کے اچھے اقدام پر بہت خوشی ہوئی تھی۔

لیکن پھر ایسا کیا ہو گیا؟ آپ اور تیمور اس کے دشمن بن گئے۔ اس کے نام سے آپ دونوں برہم نظر آنے لگے۔ وہ بے وقوف، سادہ سی لڑکی ایک دم آپ کے عتاب کا شکار ہو گئی۔

میں نے اس میں کبھی کوئی "چھوٹی بات" نہیں دیکھی جس نے عزت دار زندگی حاصل کرنے کیلئے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ آج بھی اس کے جوڑے پر پھولوں کے نشان اس کی نیت کی گواہی دے رہے ہوں گے۔ وہ معصوم سی نرم لڑکی آپ دونوں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ کیوں؟ ہم اس بات کی طرف آ رہے ہیں۔

ابھی افیال تو شروع دن سے ہی کھٹک رہی تھی مگر اس نے خیال رکھنے میں حد ہی کر دی۔ ہمیں حقیقت کے دروازے تک لے آئی۔ اس لئے کہ شاید وہ واقعی خیر خواہ ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جو بات اس نے میرے سامنے کہی وہ ہی تیمور اور بابا صاحب کے سامنے کہی۔

ابھی بھی ہو کہ آپ کے انتظار میں گھنٹہ بھر راستہ دیکھا مگر آپ تیمور کو کچھ نہیں دے رہی تھیں۔

تیمور اس قابل ہیں کہ دل ان کے راستے میں بچھائے جاتے ہوں گے۔ میں اپنے بھائی کو اچھا شوہر نہیں، اچھا شخص کہہ سکتا ہوں۔ عورت کی آمادگی کے بغیر مرد کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔

مرد کی مکمل اس کے جیت جانے کی علامت نہیں ہوا کرتی۔ مرد کی جیت عورت کے تعاون کے بغیر ممکن ہو ہی نہیں سکتی۔

ہمارے یہ بھی دیکھا ہے کہ میری موجودگی میں آپ بہت چپ ہوتی تھیں۔ جبکہ تیمور کے ساتھ آپ کو اتنا خوش اور بات ہوا دیکھا کہ کسی اور کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا۔ تب تب بھی میرے ذہن میں کوئی ٹیڑھا خیال اس نے نہیں آیا کہ مجھے خود پر بھروسہ ہوتا جا رہا ہے۔

عطیہ نے جب اس بات کی طرف میری توجہ دلائی تو میں نے جھوجھلا کر کہا "فلک کو یقین ہے کہ ہم نے اس رات تو اچھا خاصا یقین ہو چلا جب آپ دونوں عطیہ کو ٹالنے کے درپے تھے۔ کہ ہماری حویلی میں ظلم ہو رہا ہے مظلوم حقیقت سے باخبر تھی اور اسی وجہ سے آپ دونوں کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔

مگر اس رات بھی میں نے خود کو سمجھایا کہ ابھی مجھے حزم و احتیاط سے کام لینا چاہیے مگر جس روز اس نے تیمور کے سامنے ہاما صاحب سے انکشاف الفاظ میں اپنی بات دہرائی تو پھر میں کیا کرتی اب کیا وہ جاتا ہے؟

کوئی لاکھ بے وقوف ہو مگر خان دادا اور علی خان کے سامنے عطیہ سے وہ ایسی بات کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا وہ ایک کمزور دبو دل اور بے سائبان لڑکی۔ سوچنے کی بات ہے۔ تیمور تو اس کے محسن ٹھہرے۔ ان کے وسیلے سے تو اس نے باعزت روزگار کی لذت چکھی۔ وہ محسن کشی کیوں کر رہی تھی اگر آپ سے تو اس کی بڑی دوستی تھی۔ مگر بے وقوف انسان جذبات سے مغلوب ہوتا ہے مصلحتوں سے عاری ہوتا ہے

لفظ مصلحت ہیں سے ہوا ورنہ بارہ خوار اچھا

ہاشا وہ ظالم اس قدر ہوں تھی کہ کسی کے ساتھ کوئی خوفناک زیادتی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

ہاں نیب احمد!

میرا اور اسطرح رات قانون دان حضرات کے ساتھ رہتا ہے۔ میں انصاف کے تقاضوں سے بے بہرہ نہیں ہوں۔ مگر حویلی کی عظمت کے تکبر سے بلند ہیں۔ ہاں گواہیاں ضرور لی جائیں گی۔ اس قسم کا انصاف ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا جس سے حویلی کی عظمت پر آنچ آتی ہو۔ میں جانتا ہوں ہاما صاحب اپنے حسب نسب کی توہین میں کسی قسم کی کوئی کمی برداشت نہیں کریں گے۔ وہ اپنی اولاد کو قربان کر دیں گے مگر باپ دادا کی عزت کو ضائع نہیں جانے دیں گے۔

ان میں اتنا دم آتی قوت ہے کہ وہ تیمور کو راتوں رات لندن بھیج سکتے ہیں۔ اور اپنے قبیلے کا ایک ایک بل بجانے کیلئے بھیجے اور آپ کو ایک جگہ جانوروں کی طرح باندھ رکھنے پر مصر ہے۔ ہمدردی نہیں کریں گے ہلکا ایسا کرا کے دم نہیں لیں گے۔ مگر میں یہ اذیت ناک زندگی نہیں گزار سکتا۔ ایک ذرا سی پھانس چبھ جائے تو ذہن کام سے ہٹ جاتا ہے۔ یہ عمر بھر کا معاملہ ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ ہمارا ساتھ اتنا مختصر رہا۔ اسی لمحات سے کوشش کی ہے کہ اس مختصر رفاقت کے سبب سے کوئی سستا بھدا جملہ آپ کیلئے استعمال نہ کروں۔ ہاما صاحب کے نام ایک الگ لفافہ ہے۔ اس میں بھی لکھا ہے اور آپ سے بھی التماس ہے کہ اس مقدمہ پر اتنا تشدد (نام چرچا) نہ کیا جائے کہ وہ خودکشی پر مجبور ہو کر سچ بولنا ہی چھوڑ جائے۔

آپ کا لوٹنے سے فارغ التحصیل ہیں۔ حویلی کا ماحول یوں بھی آپ کیلئے بڑا اجنبی سا تھا۔ مگر میں نے کوشش کی تھی کہ آپ کو ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ رفیق سفر کا احترام حاصل ہو مگر۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعی آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو اور مجھے آپ نے اپنے آئیڈیل سے بہت مختلف پایا ہو۔ کتنی حیرت کی بات ہے ہم چاروں بھائی ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہیں۔

ہاں نیب احمد! کیا آپ یقین کریں گی کہ آج میں بہت دنوں بعد خود کو بالکل پرسکون محسوس کر رہا ہوں جیسے دریا کے بیچ میں چلنے والا سائے میں آ بیٹھا ہو۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ مجھے آپ سے معذرت کرنا چاہیے یا آپ کو میرا شکریہ

ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ ملاقات پہلے تیار کرائے گئے ہیں اور بعد میں لکھا ہوں۔ اس لئے میں اس میں کسی قسم کی ترمیم و اضافہ کی بھی نہیں ہے اس لئے آپ کو ہاما نیب احمد کے نام سے مخاطب کیا ہے۔

بچے ہمرے ہیں۔ مجھے امید ہے "آپ اس معاملے میں مجھے نہیں الجھائیں گی۔ اب حویلی جیل خانہ میں ہاں ہا کرواہ کرنے لگتی ہے تو دوسری دلچسپیوں کی اسے فرصت ہی کب ہوتی ہے۔ فقط والسلام

ہادی علی خان

پانچویں بار تیمور نے پورا خط پڑھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اور ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ ماما کو دیکھنے آئی تو وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ ماما کو دیکھ کر وہ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ خط اس کے ہاتھ میں تھا۔

ماما نے بھی کسی کو ملاقات کے لئے بھیجا ہے اور اپنا کوئی ذاتی کام کر رہی ہے ولی ہادی علی خان کی چیزیں سنبھال رہی ہے۔

"ریشم سو رہی ہے پھوپھی بلقیس" بھیجے خانماں اور ان کی دلہن کراچی سے آ گئی ہیں۔ اماں جی نے کہلوایا ہے "آپ اماں جی کے کمرے میں آ جائیں۔ ساری حویلی میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ چھوٹے خانماں کی دلہن اگرچہ ہے۔ وہ اسے لیئے جا رہے ہیں۔ اس بار خانماں کا انتخاب ہے"۔

ماما نے سوئی ہوئی ریشم کے ماتھے پر محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے اپنی دھن میں کہا۔

"اماں جی کہہ رہی تھیں کہ ذکر کیا خیر کیسے ستاؤں" وہ کہے گی میری پریشانی کا کسی کو کوئی احساس نہیں۔ اپنی اپنی چالی ہے"۔

جواب میں پھر خاموشی تھی۔

"بھیجے خانماں کی دلہن کی صحت پہلے سے بہت اچھی ہو گئی ہے۔ ماشاءاللہ۔ اب تو سب سے باتیں بھی کرنے لگی ہیں۔ پہلے تو بہت چپ چپ رہتی تھیں"۔

اس مرتبہ ماما چونکی۔ جواب میں کوئی ردعمل ہوتا نہ ہوتا۔ وجود میں کوئی حرکت تو ہوتی جو انسان عام حالات میں نظر میں طور پر کرتا ہے۔ ماما قریب چلی آئی۔ مگر خوفزدہ ہو کر تیمور کو دیکھنے لگی تھی۔ تیمور کے دونوں ہاتھ جن میں خط تھا۔ گود میں رکھے تھے۔ دونوں انداز میں وہ بیٹھی ہوئی تھی اور آنکھیں دال بیچ پر بے گرنے آبشار پر لگی ہوئی تھیں۔

ایک نگاہ میں تو کسی مجسمے کا گمان ہوتا تھا۔

"پھوپھی بلقیس"۔ ماما نے خوف و تعجب سے اسے پکارا۔

اب وہ الٹے پاؤں سرپٹ بھاگی تھی۔ عالم تاب سامنے سے آتی نظر آئیں۔ وہ خود ماما کی بدحواس انداز پر ٹھٹک کر رک گئی تھیں۔

"کیا بات ہے ماما؟" وہ پریشان نظر آئیں۔ یاور علی خان کے اچانک چلے جانے سے یوں بھی ایک دھڑکا سا دل کو لگا ہوا تھا۔

"نانی بیگم! وہ پھوپھی بلقیس پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے آپ چل کر دیکھیں"۔

ماما نے بے اختیار انداز میں عالم تاب کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔ عالم تاب ایک لمحہ ضائع کیے بغیر چل پڑے۔
نازنین ان کی نگاہ کے سامنے سوتن کی طرح نصب تھی۔

''نازا'' انہوں نے دستِ شفا سے تمام کو مخاطب کیا۔ وہ لڑھک کر ان کی گود میں آ رہی۔ عالم تاب ایک لمحے کو ساکت سے رہ گئے۔

''ماما! بصیر سے کہو کہ چھوٹی دلہن کو اسپتال لے کر جانا ہے' جلدی کرو۔''

وہ گود میں گری نازنین کے ہاتھ پاؤں درست کرنے لگیں۔

ماما فوراً دوڑ گئی۔

چند لمحوں بعد ہی بوے ابا (عالم تاب کے شوہر) اور بصیر علی خان اندر تیزی سے داخل ہوئے۔

''کیا ہوا بھابی بیگم؟'' بصیر علی خان پریشانی سے پوچھ رہے تھے۔

''اٹھاؤ ایک طرف''۔ بڑے ابا کے اعصاب شاید سب سے زیادہ مضمحل تھے۔ انہوں نے نازنین کو باہر دالان میں اتارا۔

''آپ کوئی چادر لے کر گاڑی میں آئیں''۔ انہوں نے باہر کی سمت بڑھتے ہوئے بیوی کو مخاطب کیا۔

قدموں کی دھمک سے راہداری اور پورچ گونج اٹھے۔ گاڑی کے دروازے کھٹاک کھٹاک کھلنے کی آواز اس میں شامل تھی۔ جو شور برپا ہو رہا تھا۔ عالم تاب پچھلی سیٹ پر بیٹھیں اور نازنین کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ آگے بصیر علی خان اور عالم تاب کے شوہر بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی ایک جھٹکے سے بیک ہوئی پھر ایک شور کے ساتھ موڑ کاٹا اور دوڑ پڑی۔

اتنی دیر میں گھر کے بہت سے لوگ پورچ میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ اور حیران پریشان دھول اڑاتی گاڑی کو سامنے سے غائب ہوتا دیکھ رہے تھے۔

خط نازنین کے ہاتھوں میں ابھی تک بھنچا ہوا تھا۔ مزے مزے انداز میں عالم تاب نے بہت رسانیت سے خط اس کے ہاتھوں سے آزاد کرایا اور تہہ کر کے اپنے گریبان میں رکھ لیا اور بہت افسردگی سے نازنین کا چہرہ دیکھتے ہوئے۔ اس کے سر پر پیشانی پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ کار پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔

پورے گھر میں موت کا سا سکوت طاری تھا۔ اماں جی اور بابا صاحب بھی اسپتال گئے ہوئے تھے۔ روشی نے رو رو کر ایک الگ مسئلہ پیدا کر رکھا تھا۔ ماما اسے گود میں لیے ٹہل ٹہل کر آدھی ہو رہی تھی۔

عشاء کی اذانوں سے کچھ دیر پہلے تیمور علی خان نے حویلی میں قدم رکھا تھا۔ سامنے برآمدے میں ماما پر نظر پڑی۔

''السلام علیکم خان''۔

''وعلام۔ یہ؟'' انہوں نے روشی کی سمت اشارہ کر کے گویا پوچھنا چاہا۔

''روشانے ہے خان''۔ وہ افسردہ سے انداز میں گویا ہوئی۔

''بھابی کہاں ہیں؟'' جانے کیوں ایک وسوسہ سا خود بخود اندر در آیا تھا۔

''اسپتال میں''۔ ماما نے مختصر جواب دیا۔

''کیا ہوا؟'' اچھرتی ہاکر وہ آگاہیوں کے ماما ان کے تک پر تمام آپ بیتی گوش گزار کرنے لگی۔

''شاید بچہ ہو گیا ہے۔ ٹرٹ نہیں رہا''۔ وہ بھی آدھی ادھوری سی خبر سنا کر چلی گئی۔

''بیٹھ جاؤ۔ کہاں وہ بھاگی جا رہی ہے؟'' ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح ان کے ذہن میں لپکا۔

''لیکن شاید اسی صدمے سے''۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اپنے مقام کا ادراک کرتے ہوئے اسے دہشت محسوس ہوئی۔

پھوٹ پڑی۔

''کیا ہوا تھا؟ کب کی بات ہے؟''

وہ بیک وقت رو کر چیخنے کی جیسوں میں ہم آہنگ ہو گئے تھے۔ پریشانی کی ایک ایک لہر ان کے چہرے سے واضح تھی۔

''پتا نہیں بی بی میں تو روشی بی بی کو دیکھنے گئی تھی۔ چھوٹی دلہن بھتیرے سے کاغذ لے کر لکھتی تھیں۔ میں سمجھی یاد داشت کے ساتھ سنبھال رہی ہیں۔ میں نے ان سے دو چار باتیں کیں۔ وہ کچھ بولیں نہیں پھر میں نے انہیں دیکھا تو چوٹی بندھی تھیں۔ میں جلدی سے بڑی بیگم کو بلا لائی۔ وہ بولیں ''یہ تو سکتے میں ہے۔ بڑی بیگم اور سوہن خان (بڑے ابا) انہیں موٹر میں ڈال کر اسپتال لے گئے۔ بصیر خان بھی ساتھ ہیں۔ سوہن بھی چلا رہے تھے۔

بعد میں جب ٹیلی فون آیا تو باقی لوگ بھی اماں جی کے ساتھ چلے گئے۔ بڑے خان مغرب کی نماز کے بعد گئے تھے۔

ماما نے تفصیلی رپورٹ پیش کی۔

''خالہ سوا نے کو بڑا اتیز بخار ہے' وہ بڑبڑا رہی ہیں''۔ ماما نے مزید بتایا۔

''ہوں''۔ تیمور علی خان نے گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہنکارا بھرا۔

''نازبھائی کو اسپتال لے جانے کے بعد کوئی بابا یا بھائی کے بیٹے وغیرہ میں کیا تھا؟''

وہ بغور سنتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''نہ۔ بی بی جان (رضیہ بیگم) گئی تھیں''۔ ماما نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بتایا۔

''بابا جان بھی اسپتال گئی ہیں؟'' تیمور علی خان نے قدرے چونک کر پوچھا۔

''ہاں گئی تھیں بصیر خان کے ساتھ ابھی تھوڑی دیر ہوئی واپس آئی ہیں۔

''بصیر بھائی کہاں ہیں؟ آفس ہی سے آئے ہیں کراچی سے؟''

''وہ بیگ اٹھا کے کمرے میں پہنچا دیا۔ ہم بی بی جان کے پاس ہیں۔ اسپتال سے فون آئے تو ہمیں بتائیے''۔ وہ ہدایت نما دلاسا دیتے سیڑھیوں کی طرف بڑھے تھے۔

رضیہ بیگم کے کمرے کا دروازہ پورا کھلا ہوا تھا۔ اور وہ جائے نماز پر بیٹھی ہوئی باہر ہی سے متفکر دکھائی دیں۔

پھر بھی انہوں نے اخلاقاً دستک دی کہ شاید ان کے بہلوں کرنے کے کسی حیلے میں مصروف ہوں۔
رئیسہ بیگم دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھیں۔ دستک پر چونک پڑی تھیں۔
تیمور کو دیکھ کر ان کی نظریں جھک گئیں۔ جھکی نظریں ہزار سوال رکھتی ہیں۔ بعض اوقات تو سوال کرنے والے کی خواہش کو بھی سلب کر لیتی ہیں۔
"ہم اندر آسکتے ہیں"۔ وہ بہن کی آواز سن کر جلدی سے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتے تھے۔
"ہوں"۔ وہ بس ہوں کہہ کر رہ گئیں۔
"آپ اپنا کام پورا کر لیں۔ ہم پھر ملتے ہیں"۔ وہ بظاہر اطمینان سے گویا ہوئے۔
"کر لیا ہے میں نے اپنا کام تم سناؤ کب پہنچے۔ ملاقات ہوئی یا راستے میں؟"
وہ جائے نماز کا کونہ موڑ کر ان کے قریب چلی آئیں۔
"کوئی آئے ہیں۔ اب کیا ہوا ہے بی بی جان؟" انہوں نے آدھے سوال کا جواب دے کر اپنی طرف سے سوال کر دیا۔
"بس اب تو کھیل ختم ہو گیا۔ اب تو بس سے آغاز ہوں گے فی الحال تو دستک پر پریشان نظر آتی ہے"۔
وہ بھائی کے پہلو میں بیٹھ کر نہایت دل گرفتہ انداز میں گویا ہوئیں۔
"کیا مطلب آپ کا بھائی؟" ایک خوفناک خیال سے ان کی چیخیں نکل گئیں۔
"فی الحال تو موت سے لڑ رہی ہے"۔ وہ دکھ سے بولیں۔
"پھر۔ آپ کی بات کا کیا مطلب لینا چاہیے؟" وہ بے قراری سے پوچھ رہے تھے۔
رئیسہ بیگم نے جیسے خود پر قابو پایا۔ ایک خیال یونہی اچانک آ گیا تھا جو سراسر بھلائی کے حق میں تھا۔
"بابا صاحب تو نہیں آئے ہیں ابھی؟" یہ سوال اسی خیال کے تحت تھا۔
"شاید نہیں"۔ تیمور نے جلدی سے کہا جیسے کہہ دینے ہوں چھوڑیے اس بات کو اصل بات بتائیں۔
"ہوں۔ میرا خیال ہے رات ختم ہونے سے پہلے ناز کو ہوش آ جائے گا"۔
"آپ ہماری بات کا جواب دیجیے بی بی جان [illegible]
ہمیں پتا چلا ہے جب ان کی یہ حالت ہوئی تو وہ کچھ کاغذات لئے بیٹھی تھیں اور ان کے اسپتال جانے کے بعد صرف آپ ان کے کمرے میں گئی تھیں۔ کیسے تھے وہ کاغذات آپ نے اٹھائے ہوں گے۔ پڑھے بھی ہوں گے؟ بتائیے ہمیں"۔ وہ بہت تحمل اور ٹھنڈے لہجے میں بہن سے مخاطب تھے۔
رئیسہ بیگم بری طرح گھبرا رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے لاڈلے دلارے لائق فائق خوبرو وجیہہ بھائی کو کبھی ایسی نظروں سے دیکھا تھا۔ ان کی جان تو اسی دن سولی پر لٹک گئی تھی جب ان کی ماں نے بڑی بیٹی کی حیثیت سے انہیں شریک تم کیا تھا۔
"کچھ بھی نہیں پتا مجھے سے ادھر ادھر ہو رہے تھے۔ انگریزی تو مجھے کوئی خاص نہیں آتی۔ میں نے سمیٹ کر بابا صاحب کو دے دیئے تھے"۔ وہ نظریں چرا کر کمزور سی آواز میں گویا ہوئیں۔

"نہیں۔ سوال کیجیے گا۔ آپ کی بات پر یقین نہیں آ رہا۔ آپ کی ایک ایک بات سے عیاں ہے" آپ ہم سے کچھ چھپا رہی ہیں؟" وہ ناراضی سے انداز میں گویا ہوئے۔
"میں کیا چھپاؤں گی میری جان۔ میرے بچے"۔ وہ تیمور کے کاندھے سے پیشانی ٹکائے ہوئے بھرائے گلے سے گویا ہوئیں۔
تیمور علی خان کی ساری اصلیت تو سدا سے درج ہوتی رہی تھی۔ انہوں نے بہن کو اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔
"آپ ہمیں بتا دیں پلیز۔ جو کچھ بھی ہے ہم اطمینان سے سنیں گے"۔
"کچھ بھی نہیں ہے بس ناز کی طبیعت خراب ہے ناں بلڈ پریشر بہت پریشان ہے"۔ وہ بچے سے آنکھیں چرا رہی تھیں۔
"آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں بی بی جان؟ جو بات آپ برداشت کر سکتی ہیں۔ کیا ہم نہیں کر سکتے؟" وہ بے کسی سے گویا ہوئے۔
"جب کوئی بات ہی نہیں تو کیا بتاؤں۔ ناز کی وجہ سے"۔
"بی بی جان! ہم کوئی دودھ پیتے بچے نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے جس کی وجہ سے ہمارے گھر کا سکون برباد ہوا ہے ہم ابھی آپ کے سامنے اسے خون میں نہلا دیں گے۔ آپ اس خوف کے سبب حقیقت چھپا رہی ہیں ناں۔ تو دیکھئے"۔
انہوں نے دائیں طرف کی جیب (پینٹ کی) میں ہاتھ ڈالا۔ جیب وقتاً فوقتاً ریوالور کا بوجھ برداشت کرتی رہی تھی۔ آج پستول ان کے ہاتھ میں چمک رہا تھا۔
رئیسہ بیگم ہائیں ہائیں کرتی رہ گئیں مگر انہوں نے اتنی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا کہ وہ بے بسی سے انہیں کمرے سے نکلتا دیکھ سکی تھیں اور پھر لنگڑے پاؤں ان کے پیچھے دوڑی تھیں۔
"تیمور — بات تو سنو"۔ مگر وہ آندھی طوفان کی مانند زینہ عبور کر گئے تھے۔ رئیسہ بیگم بھی شاید زندگی میں کبھی اتنا تیز نہ دوڑی ہوں گی۔
مطربہ کے کمرے کا دروازہ مقفل تھا۔ تیمور علی خان نے وحشت بھرے انداز میں ایک فائر لاک پر کیا۔ پھر دوسرا کیا اور دوسرے دروازہ کھولا۔ اتنے میں رئیسہ بیگم بھی ان کے قریب جا پہنچی تھیں۔
مطربہ پہلے فائر پر تو کچھ نہیں سمجھی تھی مگر دوسرے فائر پر اس نے سامنے کی دیوار کی طرف ایک شعلہ جذب ہوتے دیکھا تو بجلی کی تیزی سے ساری صورتحال سمجھ گئی۔ ایک سرعت سے اس نے دریچے کے پٹ کھولے اور پوری قوت سے ہاتھ ہلا کر اپنے کی کوشش کی مگر مطربہ کا گرل دیکھ کر جو بیٹھنے کی شکل میں لگی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے سامنے موت کا اندھیرا چھانے لگا۔
تیمور کے پستول سے شعلہ نکلا اور اس کے بائیں شانے میں جذب ہو گیا۔
"تیمور"۔ رئیسہ بیگم کے حلق سے ایک چیخ ابھری اس چیخ میں مطربہ کی چیخ بھی شامل ہو گئی۔ ایسی دو دو چیخ کہ مال پھٹ جائے سن کر۔
رئیسہ بیگم نے تیمور کو دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا۔
"اس حرام کی وجہ سے میں تمہیں برباد نہیں ہونے دوں گی۔ تیمور میرے شہزادے۔ میرا پیارا سا بھائی"۔

وہ پوری قوت سے انہیں دروازے سے ہٹا کر مطربہ کو بھاگنے کا موقع دے دیں۔

"چھوڑ دیجئے بی بی جان آپ ہمیں"۔

ان کے پستول سے ایک شعلہ اور نکلا۔ مگر رئیسہ بیگم کی گھبراہٹ کی وجہ سے نشانہ خطا ہو گیا مطربہ نے شانے کو دبا کر دیکھا اور خون ابل ابل کر بہہ رہا تھا۔ خوف سے وہ سفید پڑ چکی تھی۔

"خان — مجھے ایک موقع دیں۔ میں۔ آپ"۔

"شٹ اپ"۔ ایک فائر اور ہوا۔ مطربہ نے بستر کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ گولی اس کی ران میں گھس گئی تھی۔ اس نے بدحواسی میں ہولناک چیخ ماری تھی۔ رئیسہ بیگم نے اپنی پوری قوت صرف کر کے تیمور علی خان کا رخ موڑا۔ ان کے اندازے کے مطابق اس وقت پستول میں ایک گولی بچی ہوئی تھی۔ وہ چاہ رہی تھیں یہ گولی کسی طرح ضائع ہو جائے کہیں دیوار میں گھس جائے۔ ان کو آتشی اسلحے کے استعمال کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ مگر اس وقت ان کا ذہن کام کر رہا تھا کے لڑائی سے اپنے کمال پر تھا۔ انہوں نے تیمور کے ہاتھ پر وار کر کے پستول دیوار پر ضائع کرنا چاہا۔ یہ تو وہ جان چکی تھیں کہ تیمور کو ان کے ارادے سے آگاہی نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ تیمور اس طرح کمزور تھے کہ مطربہ بھاگ کر کمرے سے باہر بھی نہیں جا سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

رئیسہ بیگم کی حیرانی کی وجہ سے تیمور علی خان صیانتی کے وار کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ پاگل تھیں۔

مطربہ بے تحاشا چیخ رہی تھی۔ ایک طرف لڑھک گئی تھی اور تیمور علی خان کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے بھاگنا چاہا۔ اسی دم مارا جانے والی ہوئی ان سے آ کر لپٹ گئی تھی۔ اب رئیسہ بیگم اور مارا جانے والی انہیں دروازے سے ہٹائے جانے کی جدوجہد کرنے لگی تھیں۔ ان کی مزاحمت سے تیمور علی خان بڑی شیر بنے جا رہے تھے۔

تیمور اوش کی دوا کرو۔ اس کی ماں زندہ ہے۔ کچھ ہو گیا تو خدا خواستہ وہ نہیں چھوڑے گی۔ وہ اتنی شاطر عورت ہے جو خاموش نہیں بیٹھی ہے۔ ضرور اس کی منصوبہ بندی ہو رہی ہو گی۔ اس بدنصیب کی خاطر کیوں مصیبت مول لے رہے ہو۔ میرے چاند میرے بھائی اپنے اوپر نہ سہی ہمارے اوپر رحم کرو کوئی ایسے غائب ہو جاتے ہیں بھائی ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے ہمیں ایسا ہی خون سوار ہے تو مجھے مار دو گولی۔ میں بھائی تمہارا کہیے زندہ رہوں گی۔"

وہ تیمور علی خان کے سینے سے لگ کر بری طرح رو پڑیں۔

تیمور علی خان نے لمبا سانس لیا جس سے اپنا غصہ ہونٹ کاٹ ڈالا۔

انہیں کمزور پڑتا پا کر رضیہ بیگم نے بڑی سرعت سے ریوالور ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور ماما کو مطلوبہ طرف دیکھنے کے تیور دکھا کے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"کچھ ہو جاتا تو اچھا تھا اپنی جان اب یہ آگے ہمیں خوار کرے گی۔" وہ ڈھے حال سے اکڑ کر کہتے ہوئے بولے۔

"اور جو ہمیں خوار کرکے روگ لگ جاتے اس کا تمہیں ذرا خیال نہیں۔" وہ ان کی انداز میں گویا ہوئیں۔

"اچھا اب تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ ہمیں اب اس کی فکر ہے۔ خون بہت بہہ رہا ہے۔ کہیں واقعی کوئی سنگین معاملہ نہ ہو جائے۔" وہ ڈسپنسے کے قریب ٹھہر کر بولیں۔

تیمور علی خان دھیرے دھیرے چلتے کمرے سے نکلے گئے۔ ان کی چال سے ان کا اپنا ذاتی نقصان بہت واضح تھا۔

رضیہ بیگم الٹے پاؤں مطربہ کے کمرے میں واپس آئی تھی۔ ماما نے اسے بیٹے پر لگا دیا۔ اور خود اپنا پلو چبا کر بہتے ہوئے خون روکنے کی جدوجہد میں مصروف تھی۔

مطربہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کا زرد چہرہ آہستہ آہستہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ رضیہ بیگم کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑے ہوئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا پہلے باپ کو مطلع کریں یا کسی ڈاکٹر کو۔ ایک ڈاکٹر حویلی آ چکا تھا اس بات کا بھی انہیں علم نہیں تھا۔ عجیب طرح کی بدحواسی ان پر طاری ہو رہی تھی۔ وہ یا حویلی سے باہر تھی۔ دوسرا خادم تھے وہ اس وقت تک چوپال پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حویلی کے اندر یوں بھی انہیں بے وقت آنے کی اجازت نہیں تھی۔

عطاان کے ذہن نے بالکل درست کام کیا کہ وہ یا صاحب کو مطلع کریں اور کہیں گے وہ ڈاکٹر ساتھ لیتے آئیں۔

وہ بڑی تیزی سے ہال میں آئیں اور اس ہاسپٹل کا نمبر ڈائل کیا جہاں ناز نین ایڈمٹ تھی۔ ایک ایک لمحہ پہاڑ ہو رہا تھا۔

حالانکہ لگے دو منٹوں میں خان ولا اور علی خان کی حویلی ریسیور سے خارج ہو لی تھی۔

"یا صاحب۔ میں رضیہ۔ گھر سے بات کر رہی ہوں۔ آپ جلدی سے گھر آئیں۔ کسی ڈاکٹر کو ساتھ لے کر۔ وہ سر کے گولی لگ گئی ہے۔"

"لگ گئی ہے یا کسی نے ماری ہے؟"

ان کی سپاٹ آواز رضیہ بیگم کے کانوں سے ٹکرائی۔

خیر آ رہے ہیں ہم۔ تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے جیسے چونک کر پوچھا تھا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے۔ بس آپ جلدی آ جائیں۔" انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر تیز تیز چلتی ہوئی واپس مطربہ کے کمرے میں آ گئیں۔

"یا اللہ خون تو بہت بہہ گیا ہے۔ کہیں" وہ بولتے بولتے لرز کر خاموش ہو گئیں۔

"بی بی جی۔ آپ جا کے اپنی جان۔ میں دیکھتی ہوں اسے۔" انہوں نے کہنے کے ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر مطربہ کا سر گود میں رکھ لیا۔

"ماما صاحب۔ ڈاکٹر کو لے کر آ رہے ہیں۔" وہ بولیں۔ "ماما یہاں کھیت سے ہٹ کر ہے۔ وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ اس وقت حواس حواس سے ہٹ رہے ہیں۔ بالکل ہی ہاتھ سے نکل جائے۔ اس سے پہلے ہی ہم اس کا علاج کروا لیں۔" وہ کہہ کر ان کی آواز بھرا گئی۔

"اس کو ہاسپٹل لے کر کون جائے گا اپنی جان؟" ماما نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ماما صاحب ڈاکٹر کو لے کر آ رہے ہیں۔" وہ سمجھیں پوچھ کر گویا ہوئیں۔

"آپ نے انہیں گولی لگنے کا بتا دیا ہے۔ ہاں؟ کہ کیسے کیا حادثہ پیش آیا ہے۔" ماما نے پوچھا۔

"ہاں ہاں بتا دیا ہے۔" وہ پریشانی کے عالم میں بولیں۔

"یہ بیٹیاں تو نہیں ہوتے خان؟" ماما نے دہرایا کہا۔ وہ بہت مضطرب اعصاب کا بہت ہو رہے تھے۔

"پتا نہیں۔ اب خدا ہی کیا پتا چلتا ہے۔" وہ بجھے بجھے لہجے میں بولیں۔

رضیہ بیگم بے قراری سے اندر باہر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

ماما مطربہ کے سرہانے بیٹھ گئے۔

پندرہ بیس منٹ ہی گزرے ہوں گے۔ کہ حویلی کے صحن میں گاڑی رکنے کی آواز آئی۔

کوئی ہی ہے اس وقت۔ کون ہو سکتا ہے۔؟"

تصویریں کرتی پھر رہی تھیں۔ ہوش نہیں تھے کہ حویلی خالی پڑی ہے۔ جیسی تو ہے ایسا تیسا مرد ہوں رہتے کہ کہتے ہیں۔ ماما نے جھاڑ پلائی۔

"ماما نے۔ سیانی اندر کی کول چلی اے۔ جس نے ڈاکٹروں کے گھر بیٹھے لینی تھی۔ ماما۔" وہ جوتوں کی طرح سر ہلا کر بولی۔ اس نے دہلیز میں پانی ہو لی تھی۔ ماما نہیں کے لئے چارا لینے گئی تھی۔

مطربہ کے سرہانے کو دیکھ کر وہ فوراً سمجھ گئی تھی کہ حادثہ کس کے ساتھ ہوا ہے۔

اچھا۔ اچھا۔ بی بی خان آتے ہوں گے انہیں لے کر سیدھی ادھر آ۔"

ماما نے اسے روانہ کر دیا۔ جبکہ وہ ماما سے تفصیلات جاننے کے لئے بے چین ہو رہی تھی اور بہت فکرمندی سے مطربہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"اسے زنانے کی سرگی؟" وہ بہت احتیاط سے الفاظ چن چن کر پوچھ رہی تھی۔

"خاک جو تیری شکل پر۔ بات کرنے کا امسکہ نہیں۔ زنانے ہے فر جا یہاں سے۔" ماما کا والی کا پارہ ہائی ہو گیا۔ بچ بچا اسے غصہ آ گیا تھا۔

وہ یا حویلی جلدی سے باہر نکل گئی۔

تقریباً آدھا گھنٹہ انتظار کے بعد یا صاحب ڈاکٹر کے ہمراہ حویلی میں داخل ہوئے۔ "ماما کیسے ہے؟ کو پھر ہی ہیں

دے رہے تھے۔ ان کا لیڈر گریبوں میں سب کو دیں بانٹ ہی میں پڑھا جاتا تھا۔ کچھ دیر قبل ہی اس نے بچوں کو بھی لا کر تھی اور خود گیٹ سے باہر کھڑا ہو گیا۔

الہ دل خان نے اپنی بی ایم ڈبلیو اس کے پاس روک دی۔ نائیک اس کے جوتے پر کچھ پڑھ رہا تھا اور بے

"صبح صاحب خیریت، آپ ابھی تک؟"

"حق خان۔ آج ادھر کوئی حویلی میں نظر ہی نہیں آیا۔ اجازت کے لئے آپ کا انتظار تھا۔ تیمور خانوں شاہ آرام کر رہے ہیں۔" کرنل نے مودبانہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ جاؤ تم۔" انہیں اس کی بے خبری کی طرف سے اطمینان ہوا۔ واپسی میں تیمور بیگم کی تلاش سے ان کی رہی سہی کسر بھی نکل گئی۔ باپ کے ساتھ اکبر کو دیکھ کر فوراً چہرہ ڈھانپ کر آڑ میں ہو گئیں۔

"اپنے گھر سے ہیں وہ بابا صاحب۔" وہ مطمئن کر کے زینے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ تیمور کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ ایک لمحے کو رکیں پھر کچھ سوچ کر آگے بڑھ گئیں۔

ڈاکٹر ابتدائی طبی امداد کے بعد فوراً ہسپتال میں ایڈمٹ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ یہ بات تو تھی کہ خان بہت بہادر ہے۔ ٹیک لیے کو خان اور الہ دل خان سوچ میں پڑ گئے۔ سیاسی صورت حال خاصی سخت جا رہی تھی۔ ایوب خان کی حکومت ختم ہو چکی تھی۔ یحییٰ خان مسند اقتدار پر متمکن ہو چکے تھے۔ ایک جرنیل گیا تھا دوسرا آ گیا تھا۔ سیاسی فضا بہت بہم تھی اقتدار والوں کو بہت احتیاط کا تقاضا کر رہا تھا۔ بیوروکریسی کے اہم عہدے جگہ بدل چکے تھے فوجی حکومت میں اثر و رسوخ رکھنے والے بھی کم اختیار ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ ہوش میں آ کر کچھ بول پڑی؟ اب تو اسے انتقام لینے کا زیادہ اچھا موقع مل رہا ہے۔

"بہتر ہے کہ اسے مرنے دیا جائے۔ اس طرح قصہ ہی تمام ہو جائے گا۔ لیکن اگر یہ مر گئی تو اس کی نظر کہ وہ بھی گیا دادوں کو کسی حیثیت میں نہ پھنسا دے۔"

انہیں بہت دیر تک سوچنا تھا۔ وہ کم عمری سے جاگیر کا انتظام چلا رہے تھے۔ وہ کوئی پہلو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔

بلکہ معاملہ تو ایک مسئلے کی شکل میں تبدیل ہو چکی تھی۔

"کیا سوچنے لگے خان صاحب؟ مشکل دور ہو گئی اتنی مشکل ہو جائے گی۔"

ڈاکٹر انہیں سوچ میں ڈوبا دیکھ کر قدرے حیران ہوا۔ کہاں تو انہیں اتنی جلدی تھی کہ ایک منٹ کی تاخیر برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"ہوں۔ اللہ مالک ہے۔ اچھا اچھا چلے جائیں۔ ہاں ہم نوکروں کو بھیجتے ہیں۔ تم روپیہ سے کہہ کر کوئی بابا چنگ کرے ہی بھیجو۔ لو راستے پنگ پہنچا دے۔ ہیلپر والی ہو۔ وہ پنگ اٹھا کر ہی ہوتی ہیں نے آ ہیں کے ہم اللہ جی سے کہہ کر یہ ہی گاڑی نکلوائے ہیں۔"

وہ بھرپور انکار کرتے ہوئے رہ گئے۔ ڈاکٹر ان کے پیچھے چل پڑا تھا۔ تیمور بیگم اور ہاں شاہ

بابا ولی کی طرف سے کسی اچھے کی توقع کر رہی تھیں۔ خانزادوں کی طرف سے کسی بھی طرح کے ہاتھ ہو تھیں۔ اماں جی سب ہی کے ہاتھ چل جانے سے ڈرتی تھیں۔ کچھ دیر تک تو ایسا ہی رہا۔

تیمور علی خان نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ بس فون سے لگے بیٹھے رہے۔ اب جب وہاں سے سب چلے گئے تو کوئی بات نہیں کی تھی۔ تیمور بیگم نے البتہ یہ ضرور بتایا تھا کہ بابا صاحب مطمئن ہو کر گئے ہیں۔ انہوں نے جواب میں پوچھا تھا کہ زعفرانی کی طبیعت کے بارے میں بابا صاحب نے کیا بتایا۔ تیمور بیگم نے بھی اس خاص پہلو کا جواب دیا تھا۔

تینوں بیروں بہن بھائی خاموش بیٹھے بس ایک دوسرے کے چہرے کو محسوس کر رہے تھے۔ کہیں جا کر رات بارہ بجے گاڑیاں حویلی میں داخل ہوئیں۔ دروازوں کے کھلنے کی آواز پر وہ اٹھ کر آ گئے تھے۔

سب سے پہلے اماں جی خانزادہ کے ساتھ گاڑی سے اترتی نظر آئیں۔ تیمور بیگم بھاگ کر ان کی طرف بڑھیں۔

"کیسی طبیعت ہے اماں جی زعفری کی؟"

"اچھی ہے۔ ٹھیک ہے۔ ہوش میں ہے۔" وہ خوشحالی سے انداز میں گویا ہوئیں۔

تیمور علی خان انتظار نہ کر سکے اور ڈرائیور سے چابی مانگنے لگے۔

"بیٹے کہاں جا رہے ہو۔ بہت رات ہو گئی ہے صبح چلے جانا۔"

وہ پلٹ کر تیمور علی خان سے مخاطب ہوئیں۔

"اسے دیکھ کر نہیں لگتا کہ اسے دیکھ کر بابا کی حالت پھر بگڑ جائے۔"

وہ بہت کمزور سی محسوس ہونے لگی تھیں۔

"تمہارے بابا صاحب آ گئے کیا؟ بتایا نہیں اسپتال سے ایک دم کہاں چلے گئے تھے۔"

"ہاں تیمور اماں جی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ رات ہو رہی ہے صبح چلے جانا۔"

"یہ رات صبح کی نسبت کتنی کم محفوظ ہے بابا جان۔ کتنے لوگ ہیں آپ۔"

وہ جھلائے اور جھٹکے سے دروازہ کھول کر بیٹھ گئے۔ چوکیدار نے گاڑی کی لائٹیں آن کر دیں۔ تیمور بیگم بھاگ کر بابا کے پاس آ گئیں۔ ڈاکٹر نے بھی اصرار کیا۔ تیمور علی خان ان سب کو گاڑی لے کر چلے گئے۔ وہ سب دیکھتے رہ گئے۔

پہلے تو ڈاکٹر نے ان سے درخواست کی تھی کہ ابھی وہ مریضہ کے پاس نہ جائیں لیکن جب انہوں نے قطعی انداز میں کہا کہ وہ مریضہ انہیں دیکھنا چاہتی ہیں اور کوئی بات چیت کا ارادہ نہیں ہے تو تھوڑی سی ہدایات دینے کے بعد انہیں وہاں جانے کی اجازت دے دی گئی۔

دا کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا نازیہ بستر پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ ماسی گئی ہوئی تھی۔ دل اداسی سے بھر گیا۔ وہ اس کی بیٹی تھی۔ تیمور علی خان کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر وہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ"

"جی۔ ہم پرمیشن سے آئے ہیں آپ چاہیں تو ہمیں ٹکر لیے رکھئے۔ چاہیں تو کمرے سے باہر جا سکتی ہیں۔" وہ اٹھ انداز میں کہہ کر بیڈ کے نزدیک آ گئے۔

"کیسی ہیں بھابی آپ؟"

نازیہ نے خالی خالی نظریں اٹھائیں۔ نظر کا انداز تار تھا۔ اس کو زبان عاجز لگی ہے۔ خاموشی اور خاموشی چھائی رہی۔

"کیا مشکل کر رہی ہیں؟" وہ بہت دھیمی آواز میں پوچھ رہے تھے۔ نازیہ نے پھر ان کے چہرے کی سمت خالی خالی نگاہیں دوڑائیں۔

"اوکے۔ آپ آرام کیجئے۔ ہم یہاں بیٹھ رہے ہیں۔ پھر چلے جائیں گے۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔ نازیہ ان کی طرف اسی مبالغہ انداز میں دیکھتی رہی۔ تیمور علی خان نے نظریں جھکا لیں۔ جانے کتنا وقت گزرا تھا اس خاموش پاسداری سے بالآخر مسلسل خاموشی نے انہیں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا ہم چلتے ہیں۔ پھر آئیں گے۔" انہوں نے قدم بڑھا دیئے۔

"تیمور" وہ دروازے کے قریب پہنچے تو نازیہ کی آواز نے انہیں بری طرح چونکا دیا۔

"جی۔" وہ نہایت تیزی سے اس کے بیڈ کے قریب دوبارہ آئے۔

"تیمور" اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

"جب انسانوں کے دلوں میں وسعتیں نہیں ہوتیں تو وہ اپنے گھر کا ماحول اس طرح کا کیوں بناتے ہیں؟ جیتے جاگتے لوگوں سے بے رخی کو چہ و کیوں نہیں کراتے۔ اندر اتنی بے اعتباریاں ہوتی ہیں تو ظاہر کیوں نہیں کر دیتے ایک لمحے میں وہ تمام عورت کو کتنا بدل دیتے ہیں۔ کیوں آئے ہیں آپ یہاں۔ ہم عدت میں ہیں۔ اتنی عمر دار عورتیں ہیں حویلی میں کسی نے نہیں سمجھا آپ کو۔ حویلی کے اس دوسرے پن نے آج ہمیں اس مقام تک پہنچایا ہے۔ وہ کف لگا ہوا ہیرو کریت یاور علی خان اس سے اچھا وہ استحصال کا جال سائیں ہے جس کی بیوی تہائی میں گام کرتی ہے۔ رات بھر سے پانی لے کر آتی ہے۔ گاؤں سے شہر کو جانے والے کے ساتھ بچہ گود میں لے کر چلی جاتی ہے۔ لیکن پھاری کے ساتھ گھنٹوں باتیں ہوتی ہے۔ اور وہ ہے کہ اس کے دکھ کو نہیں سمجھتا۔ یہ اشارے کے دائرے کے گھٹتے ہوتے ہیں تیمور علی خان ضمیر کی آواز کے بغیر ہوتے ہیں۔"

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ دل و جان سے لرز کر اس نکال رہی ہے۔ تیمور علی خان تو پتھر کے بت کی طرح ساکت و صامت ہو گئے تھے "ہم عدت میں ہیں" جیسے اعتراف کی صلیب اٹھائے وہ راہ پر پڑی تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ بمشکل گویا ہوئے۔

"مطلب تو نے کو سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ چلے جائیے یہاں سے۔ یہ ہماری اور آپ کی آخری ملاقات ہے۔ پلیز۔" نازیہ نے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیا۔

"بھابی" وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

"اب میرا آپ کا کوئی رشتہ نہیں۔ صرف آپ اپنے بھتیجے بھتیجی کے بارے میں سوچیں۔ یہاں سے کہیں اور لے جائیں انہیں کو دہ بولی۔

"آپ ہم سے اس طرح کیوں بات کر رہی ہیں۔ ہوا کیا ہے؟" تیمور علی خان نے دو قدم بڑھائے۔ آواز میں شدید تشویش تھی۔

قصور تو میرا ہے کہ میں بے بصیرت لوگوں میں آ بیٹھی تھی۔ دیکھئے تیمور علی خان! آج میں نے آنکھیں کھول لی ہیں۔ اب کبھی نہیں بند ہوں گی۔ میں نے اپنا دل کو حقیقت پر رونے کا آنسو نہیں بچا۔ وہ کہہ رہی تھی آپ میرا صبر ہیں۔ کبھی بھائی سے ملاقات ہو تو کہہ دیجئے گا۔ قیامت کا قرض بچ گیا ہے۔ قیامت کے دن ہی ادا ہوں گی جب تک وہ میرے نام کی تسبیح کی آس میں مر تو سہی ہو جائے گی مگر سکون نہیں پائے گا۔"

"بھابی"

"اب اگر آپ نے مجھے بھابی کہا تو یقین کریں میں خود کو ختم کر لوں گی۔"

اس نے بہت پرسکون انداز میں دھمکی دی۔

تیمور علی خان بے بسی سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔

"پھر کہیں ہم آپ۔" وہ کس قدر شکستگی سے پوچھ رہے تھے۔

"اپنے بھائی کی بہن کی کوئی اور نام دیجئے۔" وہ اذیت بھری آواز میں گویا ہوئی۔

"بھولی بھابی ہے۔ ہم۔ ہم ہیں۔ آپ سمجھ جاتی ہیں۔ یہ یاد ہی ہے۔" وہ بچوں کی طرح مچلے۔

"تیمور میں آپ کو خبردار کر رہی ہوں میرا باقی خون آپ کے ذمے ہے۔ کچھ ہو جائے گا۔ اس سے پہلے آپ یہاں سے چلے جائیں پلیز۔"

تیمور علی خان گھبرا کر باہر نکل گئے۔

وہ کہیں تھکے تھکے ضمیر سے ضمیر تیزی سے اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔

"ہو تو وہ سب ہو گیا۔ مطربہ غریب مجھے تم سے۔ اور یار بھائی۔ بھابی تو بھابی۔ ہم بھی قیامت تک آپ کو سوال کیا کریں گے۔ اور آپ آج سے کوئی تعلق نہیں۔ یاور علی خان نام کا کوئی بھائی نہیں ہے۔ آپ نے بھابی کو نہیں ہمیں کھو دیا ہے۔ ایسی تلخی کا کوئی حل ہی قابل جائز ہو جائے۔ ہم کوشش کریں گے کہ زندگی ٹھہرا پانی ہو اور دیکھنے کے گنہگار نہ ہوں۔ اگر کبھی دیکھا تو دوبارہ ضرور کریں گے۔ بھائی ایسا نہیں ہوتا۔ جو ایسا ہوتا ہے وہ بھائی نہیں ہوتا۔"

تیمور علی خان کی آنکھ میں آنسو بھر آیا تھا۔

اماں جی کچھ تھامے بیٹھی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اب صبر ہو گزری ہے اور یہیں بکھر ہونے والا ہے۔
رہا دیوی کی آنکھیں دروازہ دیکھ آئی تھی۔ اور اپنی حماقت میں انہیں مطربہ والے حادثے کی اطلاع کر بھی تھی۔ انہوں نے رئیسہ بیگم کو بتا بھیجا تھا۔ ان کی حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔

رئیسہ بیگم تھکے تھکے قدموں سے ماں کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"آپ نے بلایا اماں جی؟" وہ ماں کے قریب مسہری پر بیٹھ گئیں۔

"ہاں۔ تم لوگ کیا ہمیں بچہ سمجھتے ہو جو اتنی اہم بات ہم سے چھپاتے ہو۔" وہ بہت خفگی سے گویا ہوئیں۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں اماں جی! آپ تو بے سبب ہی پریشان تھیں۔ سوچا اور کیا پریشان کریں۔" انہوں نے وضاحت کی۔

"قسمیں میری تم۔ بیٹا وہ زندہ ہے۔ خون تو نہیں ہو گیا میرے بیٹے سے؟" وہ بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

"اللہ نہ کرے اماں جی۔ وہ تو شکر کریں گھر میں ہی ہو گئی۔ ورنہ تو جو راستے میں خون سوار تھا میرے تو قابو میں نہیں آ رہا تھا۔"

وہ دبی دبی سے بولیں۔

"تو اسے تم نے بتا دیا تھا کہ۔" ان کی آواز بھرا گئی۔

"میں کیسے بتا سکتی تھی۔ باہر ماما جی سے سوال جواب ہو رہے تھے اسی سے اس نے کچھ تیر تکال لیا ہوگا۔ چلے آئے تھے پوچھ تاچھ کر۔" وہ بولتے بولتے رک گئیں۔

"پھر کیا؟" اماں جی نے بے تابی سے پوچھا۔

"پھر کیا اماں جی۔ آگے تو آپ کو پتا چل ہی گیا ہے۔" رئیسہ بیگم جیسے تھکن سے چور چور تھیں۔

"ہیں تو جائے گی ہاں۔ گولی کہاں لگی۔" وہ خوفزدہ انداز میں بیٹی کو دیکھنے لگیں۔

"بس۔ اللہ نے کرم کیا۔ میری کھینچا تانی میں نشانے خطا ہوتے رہے۔ بس ایک منٹ کی اگر دیر ہو جاتی تو۔ وہ تو نشانے باز ہے۔" رئیسہ بیگم نے دھیمی آواز میں بتایا۔

"ہائے وہ بیچ کسی کا خون سر لگ جاتا۔" اماں جی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"خیر وہ بچ تو نہیں۔ حشر تو اس کا بہت برا ہونا چاہئے۔ چاروں طرف آگ لگا دی ہے۔ منحوس نے۔ اللہ کرے مرے تجھے سکون کی سانس کو ترسے۔ زمین اسے نہ نگلے۔ جہنم جہنم میں کیڑے پڑیں۔ بس یہ کہیں اللہ نے میرے بھائی کے خون نہیں لگایا۔"

"یوں نہ کوسو۔ بیچ جائے گی اپنے انجام کو تم کیوں اپنی زبان خراب کرتی ہو۔ بدی کا تو یوں بھی انجام برا ہی ہے۔ قدرت کا اصول ہے۔"

اماں جی اپنی فطرت سے مجبور تھیں۔ دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں۔

"یہ بھی فطرت کا اصول ہے اماں جی! انسان کو آگ بچھاتا ہے تو اس کے ہاتھ بھی جلتے ہیں۔ ہمارے ہاتھ بھی جل گئے ہیں۔ بچانے والوں کے لئے بہت دعا دو ہم نے۔" رئیسہ بیگم نرمی سے بولیں۔

اب سر کھجانے سے تو ہمیں کیا فائدہ ہے جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ اس بات کو لے کر۔

رئیسہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تھیں۔ اماں جی اپنے آنسو روک کر بیٹی کی کمر سہلانے لگیں۔

"میری طرف بھی دیکھو۔ میرا مرجانے کو جی چاہتا ہے۔ کرتے کے دن۔ اب اس سے بھی بڑے کیا دکھ ہوں گے۔ میری بچی میں بوڑھی ہوں۔ مجھے تو حوصلہ دو۔"

ان کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ رئیسہ بیگم ماں سے لپٹ گئیں۔ دونوں طرف خاموشی آ گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے گھر میں کوئی فوت ہو گیا ہو۔

"ہم لٹ گئے اماں جی۔" رئیسہ بیگم کی چیخیں نکل گئیں۔ "اماں جی میرے بھائی۔ ہائے اماں جی میرے بھائی۔" وہ بین کر رہی تھیں۔ آنسو پونچھنے والا کوئی نہ تھا۔

"ارے بہو دن بالو۔ کیا ہو گیا بچے۔ یا اللہ میرے کس گناہ کی سزا ہے۔" اماں جی سسکیاں بھرنے لگیں۔

ماما کسی کام سے کمرے میں آئی اور الٹے پاؤں بھاگ گئی اور بصیر علی خان کے کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا۔ وہ چند منٹوں بعد اماں جی کے کمرے میں تھے۔ ان کی بیوی بھی ان کے پیچھے آئے تھیں۔ تو انہوں نے وہیں کمرے میں رکنے کی کوشش کی۔ ابھی ان کے اور حویلی کے درمیان بہت سے حجاب تھے۔ ان کے سامنے بھی کرنا تھیں نہیں ہوتی تھیں۔

"کیا ہوا پی جان۔ جیب ہو جائے۔ دیکھئے اماں جی کی حالت خراب ہو جائے گی۔" انہوں نے بمشکل ماں بہن کو چپ کرایا۔

"ہوا۔ کیا تمہیں نہیں پتا کیا ہو گیا۔" رئیسہ بیگم کراہیں۔

"مگر اس طرح بھی تو بات نہیں بنے گی پی جان۔" وہ بہن کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

"بات تو بگڑ گئی میری جان اب نہیں بنے گی۔"

وہ بصیر علی خان کے شانے سے پیشانی ٹکا کر پھر رونے لگیں۔

"میرے بھائی عظیم ہو گا عظیم رسوائی۔ ذرا سوچو کیا ہو گیا ہمارے ساتھ۔"

"اس طرح پریشان ہونے سے بھلا کچھ ہو سکتا ہے؟ حوصلہ کیجئے۔ اماں جی کی طرف دیکھئے انہیں ہمت دلائیے پی جان۔"

بصیر علی خان نے بڑی بردباری سے سمجھایا۔

"مطربہ کا بھی اتنا قصور نہیں ہے بصیر! بھتیجا کس یاد دلا رہا ہے۔ بہت خودغرض ہو رہے ہو۔ قربانی کا جذبہ اتنا بہت ہو کہ برداشت کر لیتا۔ ہماری خاطر اپنے بچوں کی خاطر۔ اتنا بڑا اقدم اٹھا لیا۔ اسے کسی کا خیال نہیں آیا۔ اپنی بوڑھی ماں کا بھی نہیں؟" وہ پھر سے رو پڑیں۔

بصیر علی خان کی قوت گویائی جیسے سلب ہو گئی۔ وہ بہن کا شانہ سہلانے لگے۔

"ساری جاگیر، بہن پر کھ کر بھی تم ان پر بوجھ نہیں ہو سکتے۔ زیادہ سوچو بصیر۔"

"رئیسہ بوا کی دہائی نہ دے بیٹی، میرا دل رک جائے گا۔ میری خاطر جب وہ جائیداد مجھے بخش رہے تھے تو بڑی ہمت سے اپنے آنسو روکے۔

"دیکھو تیمور آتا ہو گا۔ خود کو سنبھالو۔ جانے کیا کہہ بیٹھو گی اماں۔ کس حال میں گھر آئے۔ ہوا تو نہیں کچھ۔ ماما سے کہنا تمہارے ابا صاحب آ جائیں تو مجھے بتا دے۔ پتا نہیں کس پریشانی میں ہوں گے۔ بلوا لو ماما کو۔"

اماں جی کچھ ہمت کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ جس کی امید کسی کو بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

"بصیر! تم تیمور کا راستہ دیکھو۔ بھائی کو سنبھال لو گے۔ بڑی گرفت ہے اس پر۔"

"ٹھیک ہیں اماں جی! آپ فکر نہ کریں۔ ادھر بیٹھ کے میں اماں بنا۔ آپ آرام کیجئے اپنے بابا جان۔" آپ بھی آرام کر لیجئے۔

بصیر علی خان نے انہیں زبردستی اٹھایا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اماں جی اپنی اماں کی چوکی کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کی چال سے لگتا تھا کہ وہ بخار کو تعمیر رہی ہوں۔

بصیر علی خان بہن کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ اماں جی سمجھیں کہ ماما رہا ہو گیا ہے۔ انہوں نے رخ موڑے بغیر ہی اندر آنے کی اجازت دی۔ وہ بھول جائے نماز پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز تو آئی مگر آنے والا کچھ بولا نہیں۔ کمرے پر ہتھوڑوں کی چاپ محسوس ہوتی تھیں۔ وہ غور سے سننے لگیں۔

"ہوں۔ کیا بات ہے آ گئے تیرے خان۔"

"ہم ہیں اماں جی۔" تیمور علی خان کی آواز نہایت دھیمی اور افسردہ تھی۔

ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اماں جی جواب میں متعجب ہونے کے بجائے دوبارہ تسبیح پڑھنے میں مصروف ہو گئیں۔

وہ بے قرارسے انداز میں چوکی کے بالکل سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔

"ایک تو آپ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے گویا مسجد میں داخل ہو رہے ہوں۔ طبیعت پر خوابناک سا ہو جاتی ہے اور اگر اس پر آپ کلام نہ کریں تو آنے والے کی توہین ہی ہو جاتی ہے۔ ناراض ہیں آپ ہم سے؟"

تب بڑی ہمت جواب نہیں دے سکی۔ بڑی ہمت دی ہے تمہیں اللہ نے تم تیمور علی خان ہو۔ فرمایا کہ وہ تمہارا ہاتھ چلاتے ہو تو پھر سے ان کا سینہ چاک کرتے ہو۔ ان کی کھال اتارتے ہو پھر اپنا خاص ہتھوڑا کر ان کھال سے جانے ہو۔

مرتے ہوئے شیر پر چوٹ کرنا۔ کمزور کو مسیحا نے ہوئے بڑی ساری باتیں کرتا ہوا سے آئینہ دکھانے والے تم ہو۔ تمہارے ہاتھ میں ہتھوڑا دیکھ کر تو مجھے اپنی بہادری کی داد دینے چاہئیں۔ تمہیں ہتھیار بنا کر استعمال کرتے ہیں۔ تمہارے ہمت کیسے ہوا اب وہ ہتھوڑا ہے تمہارے ہاتھ میں؟"

اماں جی ایں نہ کریں۔ خاموں کی ہمت ہے آپ مثال نہ دیں۔ بیٹے اماں جی! ہمیں ہمت دی ہے اللہ نے اماں کی بھیجیں۔

"اتنا بڑا کام ہے ہو جانا چاہئے خود کو ثابت کر لیں۔"

اس سے زیادہ اماں جی میں برداشت کی طاقت نہیں تھی۔ انہوں نے بے اختیار ان کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"یہ ہتھوڑے تھی اس پر گولی چلانے کی ہمت تمہاری ہے بھوسے بنا دیا ہے ماں کو کوئی ہمت کر کے دکھا دیتا کہ "وہ" اسے چھونے کی ہمت کرتا تھیں۔

"آپ کو کوئی معلوم نہیں کتنا افسوس ہے اس کے زندہ رہ جانے کا۔" وہ پھر اشتعال میں آنے لگے۔

"بیٹے! خون خون ہوتا ہے۔ ایک ہاتھ نہیں بھیجیں۔ ایک بری بھری عورت ہے۔ اسے کال کوٹھری کے نام لگا دیا جاتا ہے۔ آج پہلی بار ہے نہیں ہے۔ مسلمانوں کا اتنا بڑا لیڈر اسے کس طرح گھیر جس کے اسے چاہتے والے تیار ہیں۔ وہ نہیں ہوتا ہے ہوا ہی کا ساتھ جائیو ورنہ بہت بڑی ہے مگر وہ نہیں بھی اپنے ہی موقعوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انسان کا خون کرنا کوئی کھیل ہے۔ تم سے زیادہ لمبے ہاتھ ہیں اس کی ماں کے۔ اس ملک کا بادشاہ تک اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہوا تو کیا ہوا۔ ہوا تو کیا ہوا۔ ہوا تو کیا ہو

"تیمور! دیکھا تمہارے بابا صاحب آ گئے؟ اب تو بہت رات ہو گئی ہے۔ جانے کن حالوں میں ہیں۔" وہ اٹھ کر
ہو گئیں۔

"لیٹا ہم دیکھتے ہیں۔" جانے کس احساس کے تحت ان کی نظریں جھک گئیں۔ "آپ کے بال بابا بھیج دیں گے۔ آپ
طبیعت ٹھیک تو ہے ناں امی جی؟"

"ہاں۔ میں ٹھیک ہوں تم اپنے ابا کی خبر کرو۔ جاؤ بیٹے۔" وہ الجھن بھرے انداز میں کہہ کے اٹھ گئے تھے۔

حویلی میں اگر انجان آدمی داخل ہوتا تو پہلا تاثر یہ ہوتا کہ یہاں کوئی نہیں رہتا۔

سجا سجایا ہال، تراشیدہ گھاس، پھولوں کے گملے، گھنے سایہ دار درخت۔ سلیٹی سنگ مرمر کے برآمدے ستون لیے
ہوئے جیسے اکیلی دکھے ہوئے گئے ہوں۔ سیاہی مائل چم چم کرتے ہوئے دروازے جو مختلف حصوں اور گزرگاہوں کا پتا دیتے
ہوتے تھے۔ سرخ بجری والی گزرگاہ جو شاندار پورچ تک جا کر تمام ہوتی تھی۔ شام کا سناٹا پھیلتے ہی ملازمین کا نہایت
خوبصورت اور مرتب سلسلہ۔ صفائی ایسی کہ تنکا پڑا نظر نہ آئے۔

اس کے باوجود اتنی گہری خاموشی اور ویرانی تھی کہ بعض اوقات مکینوں کے دل وحشت سے بھر جاتے تھے۔ باہر
مستقل طور پر حویلی آ گئی تھیں۔ ان کے شوہر وہیں کہیں سینٹ فیکٹری نگار رہے تھے۔ وہ اپنی دونوں بیٹیوں دانیہ اور ماہ نور
کو میں تھی ماں کے ساتھ وہیں آ گئی تھیں۔ اس میں امی جی کے اصرار کا بھی بہت دخل تھا۔ نرگس اپنے شوہر کے امریکہ چلے
جانے کے بعد خاص طور پر دونوں بچوں شیث اور حماد کو لے کر معمول کے انداز میں آ گئی تھیں۔ انھیں کیا خبر تھی کہ کن بیابان
گھڑیوں میں انہوں نے حویلی میں قدم رکھا ہے۔

ہر طرف سناٹا کا عالم محسوس ہوتا تھا۔ کسی تو یہ بھی بات تھی مسکراہٹیں تک گم ہو گئی تھیں۔ ہر فرد یوں گمان ہوتا تھا جیسے
کوئی جرم کر بیٹھا ہو۔ کھانے کے وقت ابتدائی مرحلہ جو بچوں کے سلسلے میں ہوتا صرف اس وقت کچھ چہل پہل اور شور سا
ہوتا تھا۔ بچوں کے کمروں میں گھستے ہی پھر سکوت طاری ہو جاتا تھا۔ صرف برتنوں کی کھڑ پڑ اتی رہ جاتی تھی۔

سلریہ کے بارے میں خان زادہ علی خان کسی سوال کا جواب نہیں دیتے تھے۔ نازنین کمرے میں محصور ہو کر رہ گئی تھی۔
ہر کوئی اس کے پاس جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔ باری کورہ شش آرا ہی سنبھال رہی تھیں۔

تیمور علی خان دن کی روشنی میں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ وہ چند دنوں کے لئے لندن جانا چاہتے تھے۔ مگر بابا صاحب نے
اجازت نہیں دی بلکہ بہو کو خبر دار کر کے تسلی دے دی تھی۔

یاور علی خان ہنوز اڑا پڑا تھے۔ خالہ سوداآنے کے مرنے کی کوئی خبر نہیں دی تھی۔ وہ کسی کے پاس بھی نہیں آ رہی
تھیں۔

ان ہی اضطرابوں میں عدت کے دن گزرتے رہے صرف ماہ نور ہی نازنین کے کمرے میں آتی جاتی تھی۔ وہ اس کے
تین چکر لگا لیتیں تھیں مگر وہ بالکل خاموش رہتی تھی۔ بعد آ وہ تھک کر واپس آ جاتی تھیں۔ ان کی اپنی عبیدہ گرلز کالج

تھی۔ کبھی کبھی بیٹیاں اکھل جاتیں تھیں تو ہاں خاموشی باقی نہیں آ رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے سامنے سے
دلچسپی حاصل کر لی تھی۔

ہاں بابا کی سزا آتیں انھیں کوئی بات کرنے سے روک دیتی تھی۔

ہاں جب ان کے درمیان ہاں نہیں ہوتی تھیں تو ہی ہر طرف خاموشی چھا جاتی تھیں۔ تیمور تو کالج سے آنے کے بعد
پھیلا لیتی تھیں۔ پھر یہی طرح وہ چلتی تھیں۔

دو دن بعد اس ویرانی اور خاموشی کو تو نظر نہیں آ رہا تھا۔ لڑکی کو ایک جگہ قرار نہیں تھی۔

لمبی کی عورتوں کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ بیماروں کا آنا بہت کھٹکے لگا تھا۔ ہاں سہمان
سمیت نہ ہو جاتی۔ حویلی اور ویران ہو جاتا تھا کہ گھر میں سہمان نہ آئیں۔

عدت ختم ہونے میں جب دو دن باقی رہ گئے تو بابا صاحب نے ایک بات تیمور علی خان کو بلا بھیجا۔ کوئی بات
اہم تھی ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ خان صاحب اس حادثے کے جھٹکے سے اپنے گھر سے ہی نکلے ہوئے تھے۔

"جی!" تیمور علی خان کا سر محترم کی طرف جھکا ہوا تھا۔

"ابھی تک یاور کے والدین کو اس حادثے کی اطلاع نہیں پہنچائی۔ اب تم سے مشورہ کرنا ہے۔ کہ اب کیا مناسب کیا
جائے۔"

"ان کے آنے تک کا انتظار کر لیں۔ جو ہم سب میں عالم فاضل ہیں۔" تیمور علی خان کو بابا بہت پسند تھے۔

خان صاحب نے اس ادا پر جھک کر جھکا سر اٹھائے بغیر نظریں اٹھائیں اور بیٹے کے چہرے کا جائزہ لیا۔ وہ چہرہ بے
خاموش تھا۔

"اس طرح مسئلوں کے حل نہیں نکلتے۔ اب کچھ سوچنا ہے۔ کچھ کرنا ہے تیمور۔"

"میرے کچھ کرنے کی تو اب اس سلسلے میں گنجائش نہیں ہے۔ آپ بتائیے آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

انہوں نے ناگواری سے تاؤ دے کر بابا کی بات کاٹ دی۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ سب احمد کو اس حادثے سے مطلع کر دیا جائے۔ ان کے اس دوران میں دو تین فون آ چکے ہیں۔
گرم نے نازنین کو بتایا۔ ہر مرتبہ عالم تاب علی کی ان سے بات ہوئی۔ اس نے کہہ دیا تھا زیادہ کے ساتھ سیر کرنے سوات گئی
ہوئی ہے۔ ہمارا خیال ہے ناز۔ اب ان سے خود بات کرنا چاہے گی۔"

وہ ناخنا کر خاموش ہو گئے جیسے کچھ سوچنے لگے ہوں۔

"ظاہر ہے وہ انھیں کسی اطلاع دینے کے لیے فون کرے گی۔"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ تیمور علی خان بات آگے بڑھنے کا انتظار کرنے لگے۔

"فیصلہ کن ہے کہ اس کے بعد وہ بچوں کو لے کر ہی گھر واپس جائے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ بچے حویلی سے باہر نہ جائیں۔
بچے کو کہ کے ماحول میں ہیں۔

اور ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ داماد سے والدہ کی ملاقات باہر کے کسی آدمی کے ساتھ دوسرا لفاظ کرے۔ وہ بات سمجھ رہے ہیں اس بات کا بہت خیال رکھا ہے کہ وکالت کے راستے سے بچے کا حصول کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم بچے کو حویلی سے باہر نہیں جانے دیں گے۔

ہم اپنے خون کو برباد نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ اتنا کہہ کر پھر خاموش ہو گئے اور سوچ میں پڑ گئے۔

"بات تو ٹھیک ہے۔ بچوں کے نانی گرامی والد کو آنے دیجئے ان کا انتظار کیجئے۔ ان بات قانون والوں کے ساتھ کرنے میں بڑا آدمی صائب مشورہ دے سکتے ہیں آپ کو۔"

تیمور علی خان آگے سے گویا ہوئے۔

"یہ جلسے پھولنے پھولنے کا وقت نہیں ہے تیمور اصلیت کا سامنا اور مقابلہ کرنے کا وقت ہے۔"

"آپ کے خیال میں ہم کیا رول ادا کر سکتے ہیں؟" وہ جیسے ذہن ہو کر پوچھ رہے تھے۔

پھر ایک بے معنی خاموشی دونوں کے درمیان حائل ہو گئی۔

"ہمارے ہاں بچپے۔ بزرگوں کی دعا دو تین تین بیویاں رہی ہیں۔ مرد جوان ہو رہی ہو تو بہت آسانی سے ادا کیا جا سکتا ہے۔"

بہت مشکل بات تھی بہت مشکل سے کہی تھی۔

تیمور علی خان نے بے تماشا چونک کر باپ کی سمت دیکھا۔ جیسے انہیں سماعت کا دھوکا ہوا ہو۔ ان کی توجہ ہوائی سی ہو گئی۔

"ہم نے بہت سوچا ہے تیمور۔ بڑی راتیں جاگ کر سوچا ہے۔ دیکھو۔ بہو کے ساتھ زیادتی کی حد ہو گئی ہے۔ ہمیں اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔"

"لیکن پاپا صاحب! ضرور مداوا کیجئے۔ مگر ہم بھی اتنے ہی بے قصور ہیں جتنی کہ بڑی بھابی۔ آپ تو کم سے کم اس کے ساتھ زیادتی نہ کیجئے۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹے بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" خان صاحب نے بڑی نرمی سے کہا۔

"پاپا صاحب! دادا ابو کی چادر ہے۔ ہم بھی یاور بھائی کی طرح لاپتہ ہو جائیں۔ پھٹے پاپا صاحب بھائی کی بھول ہوئی کہ میں آپ شریک نہ ہوں۔ ورنہ ہمیں آپ سے عمر بھر کے لئے شکایت ہو جائے گی۔ جو کچھ ہوا ہے وہ بھی زیادتی کی بات ہے اور جو آپ کہہ رہے ہیں یہ اس سے بھی بڑی زیادتی ہے۔ مفادات سے ہٹ کر ذرا سکون سے سوچئے۔ مفادات ان لوگوں کے لئے نہیں ہوتے۔ ہمیں آپ کی بات سے اتفاق نہیں ہے۔ ہم جان نہیں کر سکتے۔ ہمیں اجازت دیجئے اور جا عدا بھی کچھ کی آئندہ آپ ہم سے اس طرح کی کوئی بات کبھی نہیں کریں گے۔"

"بیٹھ جاؤ تیمور!" اولاد علی خان کی آواز میں تحکم تھا۔

تیمور علی خان نے بے یقینی سے باپ کی شکل دیکھی۔

"تم اپنی عمر کے حساب سے ٹھیک ہو مگر ہماری بات بھی تو سمجھنی چاہیے۔ ہم بوڑھے ہو رہے ہیں۔ ہمارے بعد تم لوگوں کے لئے بہت مسائل ہیں۔ بہت لڑکی ہوتے ہیں۔ ہم اس کا بندوبست کر چکے ہیں۔"

"یہ وقت بہت مسائل، بہت لڑکی ہوتے ہیں۔ ہم اس کا بندوبست کر چکے ہیں۔"

یہ بڑی بات ہے کہ بہت کی اطلاعات مظلوم سمجھ کر نظر انداز کر دی جاتی ہیں مگر اس طرح کی خواہش کرنے کی بڑی جلدی ہوتی ہے۔

ہماری طرف دیکھو تیمور! ہم لوگوں کی عمر لمحوں کی عمر لمحوں کی عمر ہو چکا ہے۔"

"ان کے باوجود آپ اس کی جان چھوڑ رہے ہیں۔ بلاوجہ کے بھروسے آپ اس پر بھروسہ کیوں کر جائے۔"

"ہم نے جو کہا تھا کہا۔ اس پر نہیں کہ تم سے تمہارا مشورہ آنے ہی نہیں۔ تم غور کرو۔ ہم وقت دے رہے ہیں۔ پھر بات ہو گی۔ تم جا سکتے ہو۔"

خان دادا علی خان نے بیٹے کا باپ حد سے بڑھ کر گویا زبان بندی کا اشارہ دیا۔ تیمور علی خان نے بے بسی سے باپ کو دیکھا پھر ایک گہری سانس کھینچ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

ایسا لگا جیسے صحیح کی مصیبت میں اب گھیرے ہوں۔ بلی تو چاہ رہا تھا۔ امان نانی کے سامنے جا کر بے تکان بولیں۔ خوب دل کی بھڑاس نکالیں۔ زیادتی روزیادتی پر بات کریں۔

اگلے ہی خیال نے سارے بھاگ جگا دیے۔

اوہ مل دولت کی دولت کی زندگی۔ جب ہم بنیاد سے اندر سے ابھی وہ نہیں جو اپنے ظاہر سے دکھائی دیتے ہیں تو ایسا تو ہوتا ہے۔ ابھی تک یہاں عورت اتنی کمزور دیکھی جاتی ہے جسے ابھی تک خواہش کی تکمیل سے لے کر شوہر کی چادر کا تصور بھی نہیں ہوا۔ تو قابل بھروسا ہے بوقوف جانی جاتی۔

ابھی یہاں عورت کو وہ اعتماد ہی کہاں دیا گیا ہے۔ اس کی نگرانی کی جاتی ہے کہ وہ خاندان کی عزت پامال تو نہیں کر رہی؟ اسے یہ اختیار دے کر پروان نہیں چڑھایا جاتا کہ دوسرے اس کی نگرانی کیوں کریں؟ وہ اپنی نگرانی خود کیوں نہ کرے۔ اسے یہ کون نہیں یقین دلایا جاتا کہ سوسائٹی میں حیثیت، عزت حاصل کرنے کا اسے بھی اتنا ہی اختیار حق ہے جتنا مردوں کو۔ عزت نفس اور پندار اس کا بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا مرد کا۔ ہم اپنی عورت کو تعلیم دیتے ہیں اعتبار نہیں دیتے۔ اس کی نگرانی کرتے ہیں اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کی طرف سے چوکس رہتے ہیں۔ کہیں کوئی اس بھی گولی کو پیچھے سے لگ نہ جائے۔

اس کو یہ شعور ہے یا نہیں کہ وہ اپنی عزت نفس کی حفاظت کے سامنے میں تمام تر خوف اور اندیشہ
حساس ہے۔ انسان خود سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتا۔ اس لیے اپنے پیار اور اپنی عزت نفس کا سودا اس سے بہتر کوئی اور نہیں
سکتا ہے۔

اس حقیقت کا ثبوت وہ کیس ہے کہ پھر یہ جذباتی اندھیرے کیوں آتے ہیں۔ خون خون سے وفاداری کیوں کرتا ہے؟
گھرانی دیوار کے اندر دوست، قانونی اداروں کے باہر جھولے کیوں جھلا جاتے ہیں۔ بیٹی جائیداد کی کوئی کوشش
چڑھانے سے بچانے کے لیے یہ اقدام کیوں کیے جاتے ہیں؟

ضرورت یہ نہیں کہ دوسرے گھرانی کریں۔ ضرورت یہ ہے کہ اپنی گھرانی انسان غور کرے۔

ابھی ہم نے اپنی عورت کو یہ اختیار نہیں دیا۔ اس لیے جب چاہیں اسے نئی گالی دے دیتے ہیں۔ اس کا حوصلہ توڑ دیتے
ہیں۔ اس کا اعتماد چھین لیتے ہیں۔

دوسروں کی دیکھا دیکھی ہم اپنی عورت کو پڑھا رہے ہیں۔ اکیلا نکلنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ اس کی کمزوریوں
اسے دیکھ رہے ہیں۔ اور اپنے شعور کی گرفت پر وہ یقین نہیں۔

جب عورت پر اس طرح کی الزام تراشی ہوتی ہے۔ ہم پہلی فرصت میں یقین کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کل ہم نے ابھی
تک اس حقیقت کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔ یہ بھی اس کائنات کا شعور اور انسانی المیہ ہے۔

یہ اگلی زندگی کا عذاب ہے۔ حویلی میں ابھی پرانے اور عظیم یا فوت عورت کی جگہ نہیں بنی۔ اور اس وقت تک نہیں بنے گی
جب تک ادھر کے مرد یہ امر تسلیم نہیں کر لیتے کہ باشعور عورت وہ ہم عورت سے زیادہ مضبوط اور صاحب جذبہ ہوتی ہے۔

یہ ہماری سوچ کا المیہ ہے۔ اندر کی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ وہ گھر اور تجربہ کرتے کرتے اپنے گھر سے میں بچھ گئے تھے۔

گھر ہی اپنی جگہ "حقیقت اپنی جگہ۔ بابا صاحب نے نہیں نئے خدا آپ کا راستہ دکھایا تھا۔ اتنی مشکل بات نہایت آسانی
سے کہہ گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نئی ہوئی بات کس طرح ذہن سے کھرچ ڈالیں۔ اور پرسکون ہو جائیں۔ وہ
دل تو ان کی عادت سے زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس بات پر بچھتا رہے تھے کہ ایک عمر دیار غیر میں بسر کرنے کے بعد وہ
یہاں آئے کیوں؟

ان بے سلسلہ اور بے وجہ ہی تھی۔ کوئی ایسا حل نہیں تھا جس سے حالات معمول پر آ سکے۔ ارکان روٹین اور
وہ اب سوچ سکتے تھے۔ کبھی آنچ میں کھولتے تھے۔ کبھی دریچے میں آن کھڑے ہوتے۔

"توبہ ہے۔ رسوائی ہی رسوائی ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ اسی رسوائی کو برداشت کر لیں۔"

اماں جی نے پھر کتنے لمحے یہ فیصلہ کر کے بے اختیار کہا تھا۔

"رئیسہ کی ماں۔ وہ ابھی کم عمر ہے۔ اللہ نے شکل اچھی دی ہے۔ باپ کے پاس پیسے کی کمی نہیں۔ اگر وہ یہاں سے چل
جاتی ہے تو اس کے ماں باپ ہر صورت اس کا نکاح کریں گے۔ ہمارے ہاں جو عورت آتی ہے پھر وہ غیر خاندان میں نہیں

جاتی ہے۔ اگر وہ یہاں سے چلی گئی تو ہمارے بچے اور ہمارے [illegible]
تھے۔ "ان کا حل اور تھا۔

"وہ کیا کہے گی۔ ایک بھائی نے طلاق دی، دوسرے نے۔ تیسرا کرے۔ اس مشکل کو سمجھیں۔"

اماں جی کی آواز کمزور اور لرز رہی تھی۔

"آپ کیا مصلحتوں کی خاطر اپنی اولاد کو قربان کریں گے؟ کسی غیر مرد کے حوالے کر دیں۔"

"میں یہ بات بھری نہ کہہ گی نہیں جی سکتی خان صاحب۔ دعا کریں اللہ جو ہے وہ ہمارے ساتھ لے۔" وہ رونے لگیں۔

"آپ عورت ہیں سمجھنے کی کوشش کریں۔ بیٹا ذرا کمزور ہے۔ بہت مشکل وقت ہے"

"یہ بڑی ظلم کی بات ہے خان صاحب۔ میرا دل بھی اس پر کبھی راضی نہیں ہوگا۔" وہ روتے ہوئے کہہ نہیں سکیں۔ "اپنی
مشکل میں ڈال رہا ہے ظلم نہ کریں۔"

"یہ کڑا وقت ہے اس میں ہمارا حوصلہ جانچے۔ آپ عورتیں بہت بھولے دل کی ہوتی ہو۔ وہ بات نہیں دیکھ سکتیں، جو
مرد کی سمجھ میں آتی ہے۔" وہ علی خان نے نرمی سے سمجھایا۔

"نکاح کے بعد ہم اسے سمجھا دیں گے۔ یہاں رکھیں گے۔ آپ اس تک ساری بات بھجوا دیں۔ اسے [illegible]
سمجھا دے۔ ساتھ میں یہ بتا دیں کہ ہم اسے اس صورت میں یہاں سے جانے دیں گے جب وہ ہمارا نکاح نامہ [illegible]
ہر دو صورتوں میں ہم اسے بچے ساتھ لے جانے نہیں دیں گے۔ بچے اسے بتا دیں گے۔ ہمارے بیٹے
نے اسے بہت زخم لگایا ہے۔ ہم اس پر مرہم رکھنا چاہتے ہیں۔ اسے اپنا سمجھتے ہیں۔ اس کے تحفظ اور بہتری کی کے لیے یہ سب
کرنا چاہتے ہیں۔" وہ حریہ کو پڑھا رہے تھے۔

"میں تو اسے اپنی بیٹی ہی سمجھتی ہوں۔ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتی ہوں۔ اسے ایک نظر میں رکھنے کے لیے
بلایا تھا۔ میں کب چاہتی ہوں کہ وہ یہاں سے جائے آپ اسے رکھیں گے تو پوچھ نہیں سکتے۔ میرا کلیجہ پھٹتا ہے۔ مجھ
سے بات تک نہیں کرتی۔ میں جانتی ہوں تو سوتی بن جاتی ہے۔ میرے دکھ کو اسے یقین نہیں آ سکتا۔ وہ حساب کرتی ہے۔
جب وہ مجھے دیکھ کر منہ موڑتی ہے تو بھی دل پر چرکا لگتا ہے۔"

اماں جی کی آواز پر آنسو غالب آ گئے۔

ایک لمحے کو وہ علی خان بھی گم صم سے نظر آئے۔

"اگر آپ سے یہ کام نہیں ہو سکتا تو رئیسہ یہ ظلم آپ سے کہو۔ وہ بات کریں گی۔"

انہوں نے دوسرا حل بتا دیا۔

"بے کار ہے وہ نہیں مانے گی۔" اماں جی آنکھیں پونچھنے لگیں۔

"ہم تو بولیں گے۔ ہم کوئی کھلونا بولیں ہیں کہ جیسے بھی ہم سے کھیلیں۔ کچھ سوچا ہے بیٹی ہوتا ہے۔ جو بچہ ہم سے
علیحدہ کرے وہ جا کر بھولے۔ بہت ہو چکا۔ یہ قریبہ ہو جو ہم نے سوچا اور نہ کوئی ہم سے تعلق نہ رکھے۔"

خان زادہ ولی خان۔ اب حریہ ضبط سے کام نہ لے سکے اور اپنی جا کنانہ حرکت پر واپس آ گئے۔ مارک کیوں کی طرف دیکھنے لگیں۔

"اس حادثے سے پہلے تک کی ہماری نرسی مصلحت تھی اور مصلحت یہ تھی کہ یہ حادثہ نہ ہوتا۔ مگر ہو گیا ہے تو اب اس واقعات کی تعمیل کرو۔ بس۔"

خان زادہ ولی خان اس وقت پوری طرح بحال میں آ گئے تھے۔ اماں جی کھڑی ہو گئیں۔

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کی بات پہنچا دیتا ہوں۔"

"پہلے اوپچ اور مصلحت نہ آئے۔ نہ مانے تو صرف ہمارا حکم سنا دو۔ جس کو ہمارے فیصلے سے اختلاف ہو اور اپیل کرے۔ اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

گنجائش رکھ کر بات کیجئے خان صاحب۔" اماں جی لرز کر بولیں۔

"ختم ہو گئی گنجائش۔ الفتنۃ الا کبر من القتال (فتنہ قتل سے بڑا جرم ہے) یاد ہے کا فرمان ہے۔ ہر ایک بچ رہے ہیں۔ حادثہ برا ہے۔ بڑے حوصلے سے بڑے فیصلے کرنے ہیں یہ کل کے بچوں کی بات نہیں اب آپ جا کر میرے لئے کہا ہے ویسا کرو۔"

دونوں نزدیک سرکا کر کوئی نمبر ملانے لگے۔

اماں جی چل پڑیں۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

رئیسہ بیگم کی تو ہمت نہیں پڑی تھی ناز کے پاس جانے کی کہ وہ بیمار کی بہن تھیں اور ذمہ تھیں کہ بھائی کی طرف سے ہر طرف جو غبار ہے وہ ان پر ڈال دیا جائے۔ اور خود بچ جائے۔

لہٰذا عالم تاب تنہا کمرے میں آئی تھیں۔

ناز وہ شانے کو کاٹ میں اتار رہی تھی۔ الجھی ہوئی چوٹی سے ظاہر تھا کہ کئی دنوں سے سر میں کنگھی نہیں ہوئی۔

اس نے دروازے کھلنے کی آواز پر گردن موڑ کر دیکھا تھا۔ مگر بولی کچھ نہیں۔ عالم تاب چپ چاپ اس کے سر پر جا کھڑی ہو گئیں۔

"آپ کو ابھی بلوانے ہی والی تھی بھابی بیگم!" وہ بے حد آواز میں کہتی ہوئی ان کی طرف پلٹی عالم تاب کے چہرے کو کچھ اٹھنے لگا۔ وہ کچھ کہے بغیر اس کی سمت دیکھنے لگیں۔

"محسوس تو یہی ہوا ہے کہ آپ لوگوں نے میری بدبختی کی خبر میرے ممی پاپا کو نہیں پہنچائی۔

اگر ایسا ہے تو بہت مہربانی آپ سب کی۔ یہ اندازہ مجھے اس لیے ہو رہا ہے کہ اگر انہیں اطلاع ہو گئی ہوتی تو اب تک وہ یہاں آ پہنچے ہوتے۔

دنیا میں شادیاں تو ہوتی ہیں علیحدگیاں بھی ہو جاتی ہیں مگر پاپا نے میرے ساتھ جو شرمناک سلوک کیا ہے۔ جس طرح

مجھے بھری محفل میں گرایا ہے وہ میں اپنے ماں باپ کو نہیں بتا سکتی کیسے بتاؤں کہ انہیں کر چکی ہوں۔ جس کے لیے آپ سب لوگ لیں چھینے رہتا ہے کہ۔ اتنا فرق فاصلہ اس لئے رکھا ہے۔

ایک خراش کی ادا کے ایسے اعتبار و یقین۔ بھابی بیگم بھر سے ایک آنسو تک رواں ہے۔ ایک دلچسپی حال ان سے وجہ پہچان لگتا ہے تو آسان سے گواہی آ جاتی ہے۔ اور آسمان کے اس قسم کا علم ہونے کے لیے سامنے ہی کاغذوں میں ہمیں کہ تو ہر ایسے عورتوں کے لئے ہوتا ہے۔ مگر کون ایسا ہے اس قانون سے لاعلم ہو۔ آفتاب مضمون میں شامل ہے۔ ہمارے یاد ہے مجھے یاد ہے اپنا جیسا کہ الفاظ ہیں۔ اس امت کا کہ جو آپ کی کھڑی ہو کر بیچ کر کہیں کہ یہ بڑی ہی نہایت ہی بیس ہے۔۔ اس سنت کی امت میں یاد کے ہم سے بھی ایسے تھے۔ وہ ایسے ہی ہیں تو اب سے گزرے اس سے میں گزر رہی ہوں۔ بھابی بیگم مجھے موت کیوں نہیں آ جاتی۔"

وہ عالم تاب کے شانے سے لگ کر سسک پڑی۔

عالم تاب کی آنکھوں میں بھی نمی تیر گئی۔ وہ اس کی پشت سہلانے لگیں۔

"بھابی بیگم! میری ماں کا دل بہت نازک ہے۔ میرا باپ بہت سفاک ہے۔ وہ جیتے جی مر جائیں گے۔ تو میں کیا کروں گی۔ کہاں جاؤں۔ تیمور نے اسے تو لی کیوں ماردی؟ اسے تو آسان موت کیوں دی؟ اسے ایڑیاں رگڑتے دیکھنا چاہتی تھی۔ موت کی دعائیں مانگتے دیکھنا چاہتی تھی۔"

عالم تاب نے اس کی پیشانی چومی۔

"مجھے بابا صاحب نے تمہارے پاس بھیجا ہے ناز! جو میں کہہ رہی ہوں بہت صبر اور حوصلے سے سننا۔ اس بچی کے ساتھ کہ یہاں سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"یا اللہ۔ پھر کوئی امتحان؟" وہ عالم تاب سے الگ ہو کر خوفزدہ انداز میں ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"نہیں کوئی امتحان نہیں۔ بابا صاحب بچوں کے مفادات سامنے رکھ کر ایک فیصلہ کیا ہے کہ تمہارا نکاح۔"

"بھابی بیگم! حد ہو گئی۔ اگر یہ نکاح حلالہ کے چکر میں کرنے کا کہنا ہے تو سن لیجئے۔ یہ موت تک کے لیے میرے دل سے نکل چکے ہیں۔ آپ لوگ کچھ کریں۔ میں زندگی کے کسی موڑ پر ان سے کسی مصلحت کے تحت کوئی سمجھوتہ نہیں کروں گی۔ اگر مجھ بد نصیب شب اپائی کی گئی تو میں خود کشی کر لوں گی۔ میں شرفا کی اولادوں میں نازیبا حرکتیں نہیں ہوں۔"

"بات تو پوری سن لو۔" عالم تاب نے اس کا ہاتھ تھام کر ملائمت سے کہا۔

"اگر اس سے بہت کرب ہے تو سنا ہے اگر اس طرح کی کوئی منصوبہ بندی ہے تو مجھے کچھ نہیں سننا۔"

وہ ضدی انداز میں بولی۔

عالم تاب نے اس کے زرد اور ویران چہرے کو بغور دیکھا اور گہری سانس بھری۔

"یار بہت کمزور قسم کا انسان ہے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ کبھی اپنے فیصلے پر پچھتائے۔ لہٰذا اس طرح کی اتنا دم نے سوچی نہ تم سوچو۔"

نازنین نے اپنی شفاف و حسین آنکھیں فرحت سے ان کے چہرے پر جما دیں۔ جیسے کہہ رہی ہو۔

"بابا صاحب کا خیال ہے اگر تم اپنے والدین کے پاس چلی گئیں تو وہ ضرور تمہاری ماں کی [illegible]
ہمارے ہاں ہمارے دوستوں کی ماں غیر خاندان میں نہیں جاتی۔ خواہ وہ بدچلن یا خانہ [illegible]
ہے پھر اس پر کسی اور خاندان کا حق نہیں رہتا۔

تمہاری بیوی اگر مر گئی ہے تو وہیں رہے گی۔ تمہارا دوسری بیوی یہاں رکھ سکتا ہے۔"

بات بہت مشکل تھی اور بڑی مشکل سے کہی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

عالم تاب تو جیسے رحم کر کے اپنی جگہ سہم کر رہ گئیں۔ ان کی جھکی نظروں کا انداز اب سوال تھا۔ انہیں طویل ہوتی خاموشی سے خوف سا آنے لگا۔ گہرا دار پھر بھی نہ نکلی۔ انہیں اندازہ تھا کہ کیا کہہ چکی ہیں کہ لمحوں کے بعد اس خاموشی کی زد میں لرز رہے ہیں۔

نازنین نے نظریں اٹھائیں نہ سر اپنی ہتھیلیوں کو گھورنے سے روکا۔

"آپ کو اندازہ ہے بھابی بیگم! آپ کیا کہہ گئی ہیں۔؟" بابا آخر خاموشی توڑنے لگی۔ نازنین تو جیسے بالکل سیانے تھا۔

عالم تاب جواب میں خاموش رہیں۔

ایک مرتبہ پھر دونوں کے درمیان خاموشی حائل ہو گئی۔

"ابھی مجھے کچھ مرحلے طے کرنا ہے۔ آپ لوگ انتظار کریں۔" اس نے بہت سکون سے کہا۔

عالم تاب نے کمال تیزی سے اس کی سمت دیکھا۔ ان کا تو خیال تھا کہ ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوگا۔ وہ جانے کیا کیا کہے گا۔ لاوقار ادب کی ہر منزل طے کر جائے گی مگر اس کے سکون نے تو انہیں پریشان کر دیا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جیسے کچھ

نہیں تو ہو جائے گا اور ہو، ایک لفظ سنے بغیر وہ بڑی تیزی سے کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔

وہ کئی بار روشانے کو گود میں اٹھا کر کمرے سے باہر تو آئی مگر پھر وہ بار بار واپس آ گئی۔ ایسی اضطراری کیفیت تھی جس میں انسان کو خود اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

پندرہ لمحوں بعد جیسے وہ کسی نتیجے پر پہنچی گئی اور روشانے کو کاٹ میں لٹا کر ہال کی سمت آئی اور وہاں سے راہداری سے اندر جھانکا۔ ملازمہ نظر نہیں آئی۔ وہ وہاں سے دالان کی طرف بڑھی، وہاں روپا بوی فرش دھوتی نظر آ گئی۔

"روپا۔" اس نے اپنی تمام مضمحل قوت کو اکٹھا کر کے آواز دی۔ اپنی دھیمی سی آواز پر روپا بوی نے چونک کر دیکھا پھر نازنین کو دیکھ کر جھاڑن پھینک کر دوڑی آئی۔ کتنے عرصے بعد اس نے نازنین کو پہلے جیسا بے لگف و بے تکلف دیکھا تھا۔

"ہاں چھوٹی دلہن بی۔؟"

"تیمور خانوں سے کہنا، چھوٹی دلہن نے بلایا ہے۔ اور یہ بھی کہنا، جب بھی آئیں۔ دن میں آئیں، رات کے اندھیرے وقت آنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ روپا بوی کے تاثرات دیکھنے کے لیے رکی نہیں بلکہ یہ کہتے ہی واپس پلٹ گئی۔ ابھی وہ اپنے کمرے میں پہنچی ہی تھی کہ دروازہ دھڑ دھڑایا گیا۔ وہ کھول کر کھڑی ہی ہوئی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"ہوں۔ کون ہے آ جاؤ۔" وہ اسی مصروف انداز میں گویا ہوئی تھی اور فوراً ہی دروازہ کھل گیا تھا۔

اس کا خیال تھا۔ روپا بوی کوئی جوابی پیغام لے کر آئی ہے۔ مگر جب آنے والے نے دیر تک کچھ نہ کہا تو وہ الجھ کر دیکھنے پر مجبور ہوئی۔

مگر ایک دم ہی بدحواس ہو گئی۔ جانے سارے اعتماد و اعتبار کہاں گم ہو گئے تھے۔

تیمور علی خان پشت پر ہاتھ باندھے نظریں جھکائے کھڑے تھے۔ نازنین کی کنپٹی دفعتاً نمایاں ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم۔!" انہوں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور بولے تھے۔

"وعلیکم السلام۔ بیٹھیے۔" اس نے روپا سے کہا۔

تیمور علی خان بڑے اعتماد سے آگے بڑھے۔ کاٹ میں لیٹی روشانے کے رخسار چھو کر پیار کیا اور صوفے پر بیٹھ گئے۔

نازنین جیسے کسی لمبے میں منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک بے خبری کی کیفیت تھی۔

"آپ بیٹھیے ناں۔ بھا۔!" وہ بولتے بولتے ایک دم رک گئے۔ نازنین جیسے گہری نیند سے جاگی اور اپنے پیارے پر لپک گئی۔

"آپ نے یاد فرمایا تھا۔" وہ اس کی خاموشی سے الجھنے لگے۔

"جی۔ سنا ہے۔ آپ کو بھی یاور علی خان سے اتنی ہی شکایتیں ہیں جتنی ہمیں ہیں۔ سو آپ تو ہمارے گروپ کے آدمی ہیں۔"

اس مرتبہ اس کا انداز بدلا ہوا تھا۔

"ہمیں ان سے شکایتیں بھی ہیں۔" تیمور علی خان کا انداز تھکا تھکا سا تھا۔

"یہ وقت ان کے ذکر کے لیے نہیں ہوتا۔ بات یہ ہے، اس وقت آپ سے بھی بات آگے بھی تو نہیں ہو سکتی۔"

ان نے ہاتھ اٹھا کر تیمور علی خان کو دیکھا۔ ان کی نظریں اوپر کیے تھیں۔ وہ چھت کے کسی سمت دیکھتے رہے۔ وہ اس کی نظریں محسوس کر رہے تھے اس لیے نظر اٹھا نہیں رہے تھے۔ کنپٹی کا ابھار بہت نمایاں تھا۔

"بابا صاحب نے ایک کھیلان دیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے؟" نازنین نے بہت ہی آہستہ آواز میں کہا۔ تیمور علی خان کو یا شاید انہیں وہ سمجھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ کہ وہ اس موضوع پر براہ راست بات کرے گی وہ سر جھکائے بیٹھے رہے۔

"میرے خیال میں بہت ہی مناسب حل نکالا ہے۔ انہوں نے اس کرائسس کا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟" وہ ویسی ہی آہستہ آواز میں بولی۔

"ہمارا خیال ہے، اب تو حویلی میں دو دو بچے۔ مذاق کا معمول نہیں ہے۔" ان کا انداز اس مرتبہ قدرے تلخ اور بدلا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ نکاح شادی کی باتیں مذاق میں صرف پاگل ہی کرتے ہوں گے۔ میرے اس عظیم نقصان میں آپ کا بھی حصہ ہے۔ میری زندگی کے اگلے مرحلے آپ کے نام، آپ کی ذات کے ذکر کے بغیر کیسے طے ہو سکتے ہیں؟" اس کے لہجے میں بھی طغیان کے آثار جھلکنے لگے۔

"لیکن ہم قسم کھا سکتے ہیں کہ ہم نے کبھی آپ کو نقصان پہنچانے کا تصور تک نہیں کیا نہ کر سکتے ہیں۔"

وہ یکدم اجنبی محسوس ہونے لگے۔

"تو پھر میرے بارے میں بھی قسم کھائیے کہ میں نے کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کا نہ کبھی پلان بنایا نہ سوچا۔" وہ جیسے پھٹ پڑی۔

تیمور علی خان یکدم خاموش سے ہو کر رہ گئے۔

"پھر۔ اس مسئلے کا صرف یہی تو حل نہیں ہے۔"

"مسئلہ تو کسی کے لیے ہے ہی نہیں۔ مسئلہ تو ہے ہی صرف میرا۔ حل بھی مجھے چاہیے۔ حویلی کے ہر فرد کی اپنی اپنی ایک گھٹا ہوئی زندگی ہے، کچھ عرصہ میرے نقصان پر سب ماتم کر کے پھر نارمل ہو جائیں گے۔ آپ احسان شریف لے جائیں گے، وہاں آپ کی اپنی ایک الگ زندگی شروع ہو جائے گی، میں حویلی سے صرف راشن پانی پاؤں گی اور گاہے گاہے بھرت ذکر خیر سے محفلوں میں رونق ہو جایا کرے گی۔ یہ ہے میری باقی ماندہ زندگی کا نقشہ۔"

وہ تلخی سے ان کی بات کاٹ کر ایک تسلسل سے بولی۔

"ایسا بھی نہیں ہے۔ آپ کی زندگی بھی نئے سرے سے شروع ہو سکتی ہے۔ اب سے پہلے ایسا نہیں ہوا ہے۔ میرے

ذہن کا نہ ہو اللہ نہیں ہے، دوسری شادی کیوں نہیں آپ کی بھی ہو سکتی ہے۔"

"ہاں ہو سکتی ہے۔ مجھے طلاق ہوئی ہے اور عورتوں کو طلاق ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اس طلاق کے پیچھے جو ہوتا ہے آپ کی سوسائٹی کی نظر میں اس قدر قبیح عمل ہے کہ بہت مدت سے مجھے اپنا لینے والا بھی مجھ سے اس سوال کا جواب مانگتا رہے گا۔

میں کسی ایسے شخص کی رفاقت برداشت نہیں کر سکتی جو رات کو میرے ہاتھ روم جانے پر کھانا چھوڑ کر ساتھ مقفل کر زندگی گزارنے سے بہتر سمجھتی ہوں کہ اپنے بچوں کو لے کر ایسی گھٹن کی زندگی میں گم ہو جاؤں کہ وہاں کوئی میرا پیچھا کرنے والوں میں کوئی میرا جاننے والا نہ ہو۔"

بولتے بولتے نازنین کی آواز بھرا گئی۔

"صرف اور صرف آپ ہی واحد انسان ہیں، جس کی نگاہ میں میری اصلیت روشن ہے اور وہ مجھے اچھی طرح جانتے ہوں۔ یا تو میری اتنی مدد کیجئے کہ مجھے حویلی سے بچوں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل جانے دیجئے یا پھر۔"

وہ خاموش ہو کر آنسو پینے لگی۔

"یہ گھٹنا میں تو قریب کی شناسائیاں نہیں ہیں، ادھر تو صرف آپ کے والدین ہیں اور والدین تو۔"

"نہیں بابا۔ وہاں میرے والدین ہیں۔ جن کی نگاہ میں یار کا ایسا تاثر ہے۔ کہ وہ کبھی مجھ میں کھوٹ نہیں دیکھ سکیں گے۔ صرف ذات کی شکل بدلے ذلت عزت میں نہیں بدلے گی، وہ چاردیواری کی بات ہو تو انسان سہہ سکتا ہے بھی گزر جاتا ہے۔ میں اسے زیادہ بے قصور ہو کر کیوں مجرموں کی طرح شرمندگی کی زندگی گزاروں؟"

وہ پھر رونے لگی۔

"بالفرض ایسا ہو جائے تو کیا زندگی میں کبھی آپ کو افسوس نہیں ہوگا کہ ہمارے ساتھ آپ نے بہت زیادتی کر دی ہے؟" تیمور علی خان نے بہت شکستہ انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔ اس لیے کہ آپ نے اپنے بھائی کو سمجھے بغیر اپنی زندگی کے اصول کیوں بنائے، دکھ آدھا رہ جائے گا تو وزن کم ہو جائے گا۔ میرے دل پر جو داغوں کا کام کم پڑ جائے گا۔ بد دماغ سے نہیں اپنی جاتی، دکھ دل غم ایک جو دماغی کو ہوتا ہے۔"

وہ بہتے رو رہی تھی۔ تیمور علی خان گم صم بیٹھے تھے۔

(کتنا خوفناک موڑ ہے زندگی کا، سارے بے رحم فیصلوں کا رخ ہماری طرف ہے۔)

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہمارا خیال ہے آپ کی بات ہم تک پہنچ گئی ہے۔ اب ہمیں چلنا چاہئے۔"

نازنین نے سر نہیں اٹھایا، آنکھیں آنچل سے آنکھیں پونچھتی رہی۔

تیمور علی خان بہت آہستہ آہستہ دروازے کی سمت بڑھے تھے، جیسے کوئی تیسری تجویز بتانے کے لیے ان کو آواز دے

گی۔

رات کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ کھانا کھانے کا سلسلہ ابھی ابھی تمام ہوا تھا۔ تیمور علی خان اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ ہاشم صاحب نے قدرے جھکے ہوئے اور میں مڑ کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ اور پھر فضا نے ایک طرف ٹکٹکی باندھ لی۔ اپنے سر کو اس طرح ہاتھ بھرنے لگے جیسے کچھ جھاڑ رہے ہوں۔

پھر بھی اندر ہی اندر کوئی فیصلہ کن ارادہ کر رہا ہے کہ انسان بے حد بے تحاشہ حرکات و سکنات کرتا پایا جاتا ہے۔

تیمور علی خان چپ چاپ اپنے اس بات کے منتظر تھے کہ کب ان کو بیٹھنے کا حکم ملے۔

"تیمور بیٹے، کھڑے کیوں ہو۔" ہاشم صاحب نے کہا۔

"کیا بات ہے۔ مجھ کو کہنا چاہئے ہوا تو وہ بھی ارادہ کر سکتے تھے کہ بیٹے کو کس امتحان میں ڈال چکے ہیں، وہ کوئی چھوٹا امتحان نہیں ہے۔ جس میں حواس بھی گم ہو سکتے ہیں اور الفاظ بھی اس لیے بات کی ابتدا میں حوصلہ دینا بھی انہی کے حصے کا کام ہے۔

"جی۔"

"ہوں تو بار کہو، جو بھی کہو گے ہم بہت غور سے تمہارے سامنے تو یوں بھی ہم بہت کمزور پڑ جاتے ہیں۔ تم ہمیں اپنی سب اداؤں میں سب سے زیادہ عزیز ہو۔ یہ بات ہمارے بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ کیوں؟ تمہاری ماں کہتی ہیں شاید اس لیے کہ تم سب سے چھوٹے ہو۔ شاید وہ ٹھیک کہتی ہوں۔" وہ یوں مخاطب تھے جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہے ہوں۔

"بھائی نے بلایا تھا ہمیں۔"

"ہاں جانتا ہے۔"

"جی ہمیں سے زیادہ بھائی نے۔"

"اب وہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔" ہاشم صاحب گاؤ تکیے سے پشت ٹکا کر نیم دراز ہو گئے۔

"پتہ نہیں بہت مضبوط ہو کر منقطع ہوا ہے۔ وہ اور بھائی کے بچوں کی ماں ہیں۔ بچے ہمارے بھتیجے بھتیجیاں ہیں اور ان خون ہیں وہ ان کی ماں ہیں۔ ان لیے۔"

"خیر۔ چھوڑو تم اس بات کو۔ یہ کہو اس نے کیوں بلایا تھا؟"

آپ کی بات ان تک پہنچ گئی ہے" وہ نظریں جھکا کر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔

"انھوں نے تو مجھے حیران بلکہ پریشان کر دیا ہے"

ہاشم صاحب نے حیرت آمیز انداز میں سوال نظروں سے کیا۔

تیمور علی خان اس طرح خاموش ہو گئے جیسے الفاظ ترتیب دے رہے ہوں۔

"ہم آپ کی بات سن کر یہ یقین ضرور ہو گئے تھے مگر اس فقرے میں ہتھیار ڈال چکے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ ہمارے پاؤں کو بیڑی فرصت میں مسترد کر دیں گی اور معاملہ از خود رفع دفع ہو جائے گا۔ ہم آپ سے یہ ضرور کہیں گے کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔"

وہ کہتے کہتے چپ ہو گئے۔

بابا صاحب اسی طرح خاموش تھے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر گویا تیمور علی خان کو بات جاری رکھنے کا اشارہ دیا۔

"انہوں نے آپ کے ہر پاؤں سے اتفاق کر لیا ہے۔ اور جو باتیں ٹالی ہیں ہم انہیں تسلیم نہیں کرتے۔ وہ بیوقوف بھائی سے انتقام لینا چاہتے ہیں، اسی لیے انہوں نے یہ ہر پاؤں متفقہ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔" اس نے اپنی بات تمام کی۔

"ہوں۔ وہ جو بات کیا چاہتی ہیں، یہ جان کر بھی ہم تم سے اتفاق کر سکتے ہیں کہ تمہارا خیال درست ہے۔"

انہوں نے کروٹ بدل کر مکمل طور پر ان کی طرف رخ کر لیا۔

تیمور علی خان نے اسی انداز میں بلکہ حریر آہستہ آواز میں زرین کی کہی ہوئی ایک ایک بات دہرا دی۔

"ہوں۔!" بابا صاحب نے سوچنے کے انداز میں ہنکارا بھرا۔

"ہم تمہارے خیال سے اتفاق نہیں کرتے، کوئی بھی بات ہو ہمیشہ کے لیے دفن نہیں ہوتی۔ کبھی بھی سامنے آ سکتی ہے جو امکانات اس نے ظاہر کیے ہیں ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

"اب تمہارا کیا خیال ہے؟ اسے حویلی سے نکلنے میں مدد دو گے یا حویلی میں رہنے کا بندوبست کرو گے؟"

انہوں نے بہت رسانیت سے سوال کیا تھا۔

"بابا صاحب! یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ پلیز، ہمارا خیال کیجئے۔"

"تم بھی ہمارے اولاد ہو اور جوار اور روشانے بھی ہمارا خون ہیں ہمیں ان کا بھی خیال کرنا ہے۔ ہم یہ بات نہیں بھول رہے بات پر بھروسہ نہیں کر رہے کہ تم عائشہ (لیزا) کو چھوڑ دو۔ بلکہ تم نے یہ فیصلہ تم اس کے راہ اور اس فیصلہ نہ کرنے کے۔ یہاں تو خاطر، ہماری خاطر، ہم تو تمہیں یہ بھی نہیں کہہ رہے کہ ازدواجی کے خرچ حساب کتاب تک تم کرو ہم تمہیں اس ذمہ داری سے بھی سبکدوش کرتے ہیں۔ اپنا بنا کے سوچو تیمور۔"

"لیزا کسی صورت میں نہیں مانے گی۔"

"ہم سمجھا لیں گے اسے۔" بابا صاحب نے فوراً بات کاٹ کر کہا۔

"آپ اسے نہیں سمجھتے، ہم بتا رہے ہیں ناں آپ کو وہ اور طرح کی لڑکی نہیں ہے۔ اس معاملے میں وہ بالکل عام لڑکی ہے۔ وہ خودکشی کر سکتی ہے۔" انہوں نے گویا باپ کو ہوا دی۔

بابا صاحب نے قدرے پریشانی سے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"تو پھر اس کو چھوڑ دو، تیمور کہ اس کو چھوڑنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔" انہوں نے حتمی

لہجے میں فیصلہ صادر کیا تھا۔

تیمور علی خان ساکت سے ہو کر باپ کا منہ دیکھنے لگے۔

نہ جانے کیوں آج ان کا سامنا ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"میرا یہ احسان ہوا ہے تیمور خانوں! مجھے انکار نہیں سنا کرو۔ سنا ہے تم نے کسی کی نہیں سنبھالنے کے۔"

تیمور علی خان جیسے دنوں سے سوئے تھے ایک دم جاگ گئے تھے۔

"زرسانگی جی کہاں ہے بابا صاحب؟"

"اب کسی کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم سے اس کے معاملے پر کوئی بات نہ کرے۔ کسی کے پیچھے سے وہ راستی بھاگے گی۔"

"مری نہیں ہے زندہ ہے۔ اپنی طرف سے تو تم نے کبھی کہیں مرنے آزمائش میں ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

تیمور علی خان خاموش رہے۔

"یہ تو بہت لیٹ ہوا ہے بابا صاحب! ہماری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بہت پہلے اس دنیا سے جا چکی ہوتی۔ اس کے ساتھ یہ نہیں ہوا تھا تو کیا ہوا۔ اس کے ساتھ بھلائی تو ہوئی تھی۔ اور اس کی حیثیت تو تھی کہ اسے کسی کی ہوس کیا ہوا ماضی کے پیچھے جا چکا ہے ہم نے جو کیا، وہ ہمیں نیچرل ری ایکشن ہے۔"

تیمور علی خان نے خود ہی خاموشی توڑ کر بہت اعتماد اور بے نیازی سے جواب دیا۔

"جب سب کچھ ہو چکا ہوتا ہے تو نقصانات پر غور کرنے کا وقت ضائع کرنا حماقت ہوتی ہے۔ نقصان کو تو خاطر میں لایا ہوتا ہے۔"

بابا صاحب زندگی میں بہت اہم اور بڑے فیصلے کیے تھے، عمر جوش کی منزل عبور کر چکی تھی، وہ اتنی آسانی سے جذبات میں آ کر فیصلے نہیں کر سکتے تھے۔

"ہماری آپ سے درخواست ہے کہ آپ فی الحال کوئی حکم صادر نہ کریں اور غور کریں۔ پلیز۔" انہوں نے ہاتھ جوڑ کر استدعا انداز اختیار کیا۔

"ہوں۔ ہم غور کر چکے ہیں۔ جب غور زیادہ ہوتا ہے تو پھر کچھ نہیں ہوتا۔ ہم تمہیں مشورہ دیتے ہیں کہ سکون سے تھوڑا غور کرو اور خاندان کو سامنے رکھ کر غور کرو، عائشہ کو نہیں۔ داخلی اختلافی مفادات کو ہم پالتی ہے۔ اب تم جاؤ، آرام کرو۔ ہم بہت تھک چکے ہیں۔ ایسا تھوڑا سکون محسوس کر رہے ہیں۔ کسی نے ہمارا راستہ آسان کر دیا ہے۔"

وہ لیٹ گئے۔ سیدھے ہو کر پاؤں پھیلا کر لیٹ گئے اور آنکھیں موند لیں۔

تیمور علی خان بے کسی سے اوٹ کاٹ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اب خطرناک حد تک بھی انتہا قدم نہیں کرو، فیصلہ اپنے حق میں کرا لیتے تو پھر محبت کے ہونے اور نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

انہوں نے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔

"اچھا!" اماں جی کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ "میری تو نیندیں اڑی ہوئی تھیں کہ بچوں کو لے کر وہ پہلی جائے گی، وہ بھی غیر ملک، بچوں کو ترستی ہوئی مر جاؤں گی۔"

"مگر یاور۔۔۔؟" ان کی آواز بھرا گئی۔ "اس کی صورت کیسے دیکھوں گی، بہت زیادتی ہوئی ہے اس کے ساتھ۔"

"اس نے اپنے ساتھ خود زیادتی کی ہے۔ ہم میں سے کسی پر اختیار کرتا کچھ کہتا سنتا تو ہے نہیں بھی نہیں تھی۔" بابا صاحب نے حقہ گڑگڑایا۔

"اگر یہ سب ہو جاتا ہے تو وہ۔۔۔"

اس نے اپنی اولاد کی فکر نہیں کی۔ وہ بھی ہمیں کرنا پڑ رہی ہے۔ مگر خیر آئے گا اسے ایک دن ہوش، مگر افسوس وہ نہ ہو جائے گا۔"

بابا صاحب نے واقعی بہت تاسف سے کہا۔

"ایسا تو نہیں بات اور بگڑ جائے؟" وہ پھر خدشات میں گھر گئیں۔

اب بگڑنے کو کچھ نہیں چاچا جب ہی تو یہ کارروائی کر رہے ہیں۔"

انہوں نے پانپ سنہ میں سے بتا کر بہت بردباری اور متانت سے جواب دیا۔

"پھر تو شاید وہ کبھی گھر نہ آئے۔" اماں جی کو پریشانی آئی تو وہ سب کچھ بھول بیٹھیں۔"

"آئے گا۔ ضرور آئے گا۔ اس کا بھی بندوبست کریں گے کہ وہ بے وعزک یہاں آنے لگے۔ آپ بے کار پریشان نہیں الجھاؤ۔ فی الحال تو مشکل حل نہیں ہوئی۔ تیمور راضی نہیں ہے۔ وہ ایک مرتبہ باخیال فیصلہ کر چکا ہے۔ اس کی سمجھ میں آ چکی ہے۔ اب صرف آپ ہی اس سے بات منوا سکتی ہو۔ بچی سمجھانے کے لیے آپ کو بلایا ہے۔"

انہوں نے دبی جی کی طرف بہت تجزیاتی نگاہ سے دیکھا۔

"میں کمزور سی عورت۔ میری کون سنے گا۔؟" وہ شکستہ سے انداز میں بولیں۔

"ان ان ہار کا اندیشہ رکھ کر میدان میں اترنے سے تو ضرور ہارتا ہے۔ آپ کے پاس محبت کی وہ طاقت ہے۔ جسے آپ کمزوری کہہ رہی ہو۔" بابا صاحب نے نکتہ سمجھایا۔

"اب تک تو یہ طاقت میرے کسی کام نہ آئی۔ زندگی بازی کو دیکھیں۔ کیا خوب انعام دیا ہے میری محبت کا۔" ان کی آنکھوں میں اشک چمکنے لگے۔ "آپ مجھے یہ بتائیں کہ وہ ہے کہاں۔"

"اب کوئی ہم سے اس کے موضوع پر گفتگو نہ کرے۔" بابا صاحب کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ "سب کو قسم ہے۔" سے درخواست ہے۔" بابا صاحب کو اماں جی کی سہمی ہوئی صورت پر نظر ڈال کر لہجہ نرم کرنا پڑا۔

"زندہ تو ہے ناں؟" وہ ڈرتے ڈرتے بولیں۔

"زندہ ہوتی تو ہم یہاں نہیں اطمینان سے بیٹھے ہوتے۔ آپ کو پتا ہے ہمیں کس کو پتا چلتا ہے۔ کوئی سنگین واردات ہو جائے تو ہمیں پتا چلتا ہے۔ ہمارے علاقے میں ہر روز کتنے لوگ مرتے ہیں۔ ہمیں کیا پتا چلتا ہے۔ ہمارے علاقے سے باہر کے لوگ نظر آتے رہتے ہیں۔ لوگ بتاتے ہیں کہ وہ فلاں شخص کے بارے میں پوچھنے کے لیے کوئی چال چلتی ہے تو ہم اس کا حل نکالتے ہیں۔ ہمارے علاقے میں اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اطمینان ہے کہ وہ زندہ ہے تو آپ کو بھی تسلی ہو گئی ہو گی۔"

کہہ کر وہ اٹھنے کو پر تولنے لگے۔ "اماں جی دل کڑا کر لیں۔"

بابا صاحب کا خیال ہے کہ اس کو بیٹی کی خبر مل گئی ہے کہ جب تک وہ یہاں رہے گی، وہ یہاں نہیں آئے گی۔ اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے علاقے کی عورتوں کی خبر بھی نہیں آتی تھی۔ اس طرح کی عورتوں کی بہت پہچان ہوتی ہے۔ جن کے پاس بہت پیسہ ہوتا ہے وہ ان عورتوں کو بلا لیتے ہیں یا یہ خود جا کر ان کا علاج کرتے ہیں۔"

بہرحال یہ سب آپ کے سمجھنے کی نہیں ہیں ہم آپ کو پوری کہانی سنا دیتے ہیں۔ ہم کسی طرح بھی اس کو ہم نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن پھر کام کرنا پڑے گا۔ پھر اس میں بہت کا کوئی فائدہ نہیں ہے گا اور ساری جائداد بے کار ہے۔ جائے گی ہے۔"

بابا صاحب نے مٹھی کا پائپ دوبارہ منہ سے لگا لیا۔

"کوشش کروں گی۔ منا نے بھی بچوں کی خاطر سوچا ہو گا۔ وہ اتنی آسانی سے کیسے راضی ہو جاتی؟" وہ خود اپنی کے اندر ہی کہہ رہی تھیں۔"

بابا صاحب جواب میں خاموش رہے۔

"میں چلوں۔ کوئی کام تو نہیں ہے کسی سے؟" وہ جھکے جھکے انداز میں اٹھ گئیں۔

"نہیں۔ بس بچی کا ہے جو آپ سے کہا ہے۔" وہ کہہ کر حقہ گڑگڑانے لگے۔

تیمور ماں کے جاوے پر کچھ تو سمجھ گئے تھے کہ ان سے وہ کیا بات کریں گی مگر یہ بھی خیال تھا کہ شاید کوئی اور بات ہو۔ اور اگلی بات ان تک مکمل طور پر پہنچی ہی نہ ہو۔ دل تو ان کا کئی دنوں سے چاہ رہا تھا کہ ماں کے سامنے دل کا غبار نکال دیں کہ وہ اگلی سننے والی ہیں۔ زندگی بہت الجھن میں پھنس گئی تھی۔ وہ تیمور ان سے بات نہیں کی جھجک بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ ان کا خاموشی تھی جیسے بہتا پانی ایک جگہ ٹھہر گیا ہو مگر ماں کے پیغام نے جیسے ماحول میں دوبارہ ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔

انہوں نے کھلے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اماں جی اپنی نماز کی چوکی پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھیں۔ وہ اندر آ کر ان کے بستر پر بیٹھ گئے۔

بہت طویل دعا ہوئی تھی اماں جی کی۔ تمام زندہ اور مرحومین کا ان کی دعا میں حصہ ہوتا تھا۔ اس لیے تیمور علی خان بہت صبر و سکون سے ان کی دعا مکمل ہونے کا انتظار کرتے رہے۔

نماز کی دعا بعد اماں جی نماز کی چوکی سے اتر آئیں۔

"السلام علیکم اماں جی!"

اماں جی نے ان کا چہرہ ہاتھوں پر لے کر پیشانی پر بوسہ دیا۔

"وعلیکم السلام کہاں ہو تم؟ دن بھر کھائی نہیں دیے؟"

"ابھی تک اس قید خانے میں پھنسے ہوئے ہیں آزادی کے دن بہت یاد آ رہے ہیں اماں جی!" ان کے لہجے میں اماں جی تڑپ اٹھیں۔

"یہ شکر ہے بیٹے، مگر میں ہوں یہاں سب ہی تم سے محبت کرتے ہیں۔"

"رہنے دیجیے اماں جی۔ ہم باز آئے ان محبتوں سے بہت قلعی اتر رہی ہے ہم ان محبتوں کا۔" انہوں نے جملہ ادھورا کھا دیا۔

یک لخت اماں جی خاموش ہی ہو کر رہ گئیں۔

"آپ نے ہمیں پرایا کیا" ماں کی خاموشی پر بیٹے کو کسی احساس جرم میں مبتلا ہو گئے۔

"یا تو بہت وقت ہی آ گئے ہو۔ کیسی مشکل پڑی ہے میرے بچوں پر۔" اماں جی نے اداسی سے کہا۔

"یوں کہیے بیٹے کی وجہ سے دوسرے بیٹے پر۔" تیمور علی خان کے لہجے میں زہر گھل گیا۔

"یوں نہ بولو بیٹے! میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔" اماں جی کی آواز رندھ گئی۔

"دیکھو بیٹے! مشکل بڑی ہے۔ مگر زندگی کا راستہ بھی اسی میں سے نکالنا ہے۔"

اماں جی نے ان کا شانہ تھام کر نرمی سے کہا۔

"ہم سمجھ گئے آپ نے ہمیں کیوں بلایا ہے کم از کم آپ ہم سے اس موضوع پر کوئی بات نہ کریں ہم آپ کے احسان مند ہوں گے۔"

وہ عاجز آنے والے انداز میں گویا ہوئے۔

"مت مارو مجھ کمزور کو تم سب چاروں طرف سے۔" اماں جی بھی خلاف توقع ناراض ہو گئیں۔

"ایسے تو میری اور تمہاری بات ہو گی تو چکی اور اس وقت تک ہو گی جب تک تم ماں نہیں کرو گے۔

ہم اپنا سامان اپنے گھر میں رکھنا چاہتے ہیں۔"

وہ اسی طرح خفا خفا لہجے میں بولیں۔

"دیکھیے خدا سے ڈریے مگر یقین کیجیے ہم بالکل بے گناہ ہیں آپ کی قسم اماں جی!" اس بار لہجہ التجائی سا تھا۔

"تو تمہیں قسم دوارکا کون کھا رہا ہے۔"

"تو پھر سزا کیوں دے رہے ہیں نا سزا تو قصوروار کو دی جاتی ہے۔" وہ خفگی بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"میری زندگی ماں تو تیرے دکھ پر اندر سے مر رہی ہے مگر دکھ کتنے ہی بڑے ہوں، اس نے زندگی آسان ہو تو سہی"

اماں جی ان کے شانے سے پیشانی ٹکائے بولتے بولتے رک گئیں۔

"میرے اختیار میں ہوتا تو سر بیٹا ان۔ تجھے بیٹے اور اس محبت کے لیے [illegible] کہ تو ہے [illegible] تیرے گناہ ہے تو کہتی ہوں کہ [illegible] سب کچھ ہے [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible]

"ٹھیک ہے بیٹے! تم اس کی دیکھ بھال پر مامور رہو۔ تمہاری ذمہ داریوں میں تمہارے ابا کے لئے کھانا لانا بھی شامل ہے۔ اب تم جاؤ مجھے کچھ اور نہیں کہنا۔"

انہوں نے پاؤں اوپر کرنے کے لئے کہا اور وہ ظاہر کیا۔

یہ علیم الطبع ماں کی فطری کاہلیت والا انداز تھا۔ تیمور علی خان نے اتنی بے بسی محسوس کی کہ جی چاہا خود کو ختم کر لے۔ وہ سست سے انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ بولے بغیر باہر نکل گئے۔

عصر کی نماز کے بعد حویلی میں ہلچل شروع ہو جاتی اور زنان خانہ کا معمول تھا کہ گاؤں کے امیر گھرانوں کی بچیاں کڑھائی کے برتنوں کی کھنکھناہٹ گھنگھروؤں کی جھنجھناہٹ۔

اس لیے سب نہیں تو حویلی کے بہت سے لوگوں نے زرنین کے کمرے سے سامان نکلتا دیکھا۔ تم چونک کر جسے ایک بڑا سا سوٹ کیس ایک بیگ ایک پرام۔ جو نوکر اٹھا کر بڑے پھاٹک کے سامنے کھڑے تانگے کی طرف لے جا رہے تھے سیاہ بڑی سی چادر میں آدھا چہرہ چھپائے کود میں دو سالہ بچے کو لیے جواد کی انگلی تھامے زرنین اپنے کمرے سے نکل کر داہنی جانب کے کمرے کی طرف بڑھی مگر اماں جی درمیان ہی میں آن گھسیں۔ تنکے پاؤں کھلے سر حواس باختہ پیچھے پیچھے عالم بیگ اور نیر جہاں روشن آرا۔

اماں جی نے بچھل کی طرح جھپٹ کر جواد کو اپنی جانب کھینچا۔

"کہاں جا رہی ہے بیٹی! بغیر کچھ کہے بغیر کچھ سنے۔"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں مخاطب ہوئیں۔ ان کا پورا وجود سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

"میرا اس گھر سے کوئی رشتہ نہیں اماں جی! مگر میں آپ کی نعمتوں کی مقروض ہوں۔ میں بچوں کو آپ سے ملانے کبھی کبھی آ جایا کروں گی۔ مگر اس شرط پر کہ آپ لوگ میرے ماں باپ کو اس حادثے کی اطلاع نہیں دیں گی، اگر آپ لوگوں نے ایسا کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ملوں گی اور نہ بچے آپ سے۔"

اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"مگر آپ جا کہاں رہی ہیں چھوٹی بھابی!"

روشن آرا نے آگے بڑھ کر زرنین کے بازو تھام لیے۔

"کیوں کہہ رہی ہیں آپ مجھے چھوٹی بھابی۔ کالک لگی ہے میری شکل پر، ایسی عورت سے کسی کو رشتہ قائم کرنے میں کوئی خوشی نہیں ہوتی۔"

وہ اسی طرح سرد مہری سے گویا ہوئی۔

"ہمیں پتا ہے تم کیا ہو۔ تم ہماری ہو۔ ہمیں تم پر فخر ہے کہ اتنے آزاد ماحول میں پرورش پانے کے بعد بھی تم نے خود میں خوش رہنے کے طریقے سیکھ لیے۔ یہاں کے ہر قاعدے قانون کو اپنا یا سب سے بڑھ کر ہم سب کے دل جیت لیے تم نے

دیکھ کر وہ سے ہوں میں بھلا کیسے رہ پاتی ہے"

"کہاں اپنا یہاں کے جاہل قاعدوں کو اس کی تو ہرا بھرت دل میں اس کی ایک جگہ نہیں بنتی کی اس کے لیے ساری ذمہ داری کی پوری ہوں۔ وہ اس وہ کی آگاہ اور پڑھا لکھا ہونے کی فضیلت رکھتے ہے۔ آپ اگر مجھے وہ کہیں۔ ان کی تربیت کریں گے تو بیکار کریں گے کیونکہ مجھے یہ صورت جانا ہے۔

آپ لوگ مجھے الوداع کہہ دیں میں بچوں کو آپ سے ملانے بھی آؤں گی۔" اس کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

اماں جی روتی ہوئی آگے بڑھی تھیں۔ اور زرنین کو اپنا لیا تھا۔

"میں بے موت مر جاؤں گی بھری بیٹی۔"

"یقین کریں اماں جی مجھے آپ کو دکھ پہنچا کر خوشی نہیں ہو رہی، مر اس بچے تو میں آپ کی خوشی میں آپ کی دعائیں لوں، مجھے بھلا دیں۔ اماں جی میں مجبور ہوں۔"

تیمور علی خان تانگے میں سامان دیکھ کر رہے تھے تو تنکے مگر دوسرا طیاں بھی آ چکا تھا کہ شاید کوئی مہمان آیا ہے۔ مگر یہاں کے سامنے کشادہ وادھر لیں راہداری میں ان سب کو کھڑا دیکھ کر خاص طور پر سیاہ چادر میں چھپی ہوئی عورت کے گلے لگی روتی ہوئی ماں کو دیکھ جیسے ان میں بجلی سی بھر گئی۔ اور کچھ نیر جہاں نے کود میں اٹھایا تھا۔

"کیا ہوا ہے بھابی بیگم؟" وہ بری طرح پریشان ہو گئے۔

"زرنین جا رہی ہے۔ تم بھی خدا حافظ کہہ دو۔"

رئیسہ بیگم نے شقاوت سے انداز میں بھائی کو جیسے کچھ بتایا۔ جیسے واقعی وہ اس جانے کے ذمہ دار ہوں۔

"کیوں؟" ان کی مضمحل اعصابی قوت امتحان میں پڑ گئی۔

"یہ نہیں جانتی۔"

"کیوں!" وہ درحقیقت بری طرح پریشان ہو رہے تھے۔

"کیا کیوں لگا رکھی ہے۔ جاؤ تم اپنا کام کرو۔"

رئیسہ بیگم نے جوڑے کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ناراض لہجے میں کہا۔

"تو کیا بچوں کو بھی۔"

"صدمہ بھی پہنچائے گی۔" روشن آرا نے کچھ جتانے کے انداز میں بھائی کو گھورا۔

"جن تمہاری طرف سے یہ بھگتا جائے بچوں کو چھوڑ جائے تو پیچھے اتنے چھوٹے ہیں کہ انہیں ماں سے جدا کرنا گناہ کے برابر ہے۔ ہم تو اس کے ساتھ یہ ظلم نہیں کر سکتے۔ اول تو ہم اسے جانے ہی نہیں دے رہے۔ بچے بلکتے ہوئے پیچھے آ سکتے ہیں کے ساتھ جائیں گے۔ ہمیں بچوں سے کتنی محبت سہی مگر ہم اس سے زیادہ تو اس کی ماں کی محبت نہیں چھین سکتے۔" عالم بیگ نے بھی گویا ان کی ہمراز بھی۔

اماں جی نے احمد زرنین کا سر اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔

"ہمارا مطلب یہ نہیں تھا۔"

"تیمور! تم ہمارے معاملات میں دخل نہ دو۔ کیوں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہو۔" رضیہ بیگم نے بھی جواباً کی ہاں ملائی۔

"آپ کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔" تیمور علی خان نے بہت دکھ سے زرنین کو مخاطب کیا۔

"پھر کس طرح کرنا چاہئے۔ علیزہ سفینہ کی آمد کا انتظار کرنا چاہئے؟"

اس سرتیاماں جی بولی تھیں اور زرنین نے ان کی طرف حد درجہ حیرت سے دیکھا تھا۔ اس کے لبوں سے آہستہ جملہ اماں جی نے کہہ دیا تھا۔

"خدانخواستہ۔ اگر یہ اپنے گھر جانا چاہیں تو ہم خود سارے انتظامات کرتے۔ مگر اس طرح تو ہم کبھی انہیں نہیں جانے دیں گے۔ پلیز آپ اپنے کمرے میں چلئے۔ اماں جی سامان نکلوائیے۔"

"ہم جواد کو لے کر باہر جا رہے ہیں۔" رخسانہ نے جواد کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"میں بچی نہیں ہوں، جو آپ کے الفاظ کے پیر پھیر میں الجھ جاؤں۔ آپ مجھے نہیں روک سکتے۔ آپ فوک بھیجئے یا پریشان نہ کریں حق مہر کا چیک میرے پاس ہے میں بچوں کی کسٹڈی کا مقدمہ لڑ سکتی ہوں۔

آؤ جواد۔" اس نے بیٹے کو پھولوں کی گود سے اتارنے کی کوشش کی۔

"ہم بابا صاحب کو لے کر آتے ہیں تب تک آپ انہیں روکیے۔" تیمور علی خان کو یہی حل سمجھ میں آیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے بابا صاحب کو بلانے کی۔ بات نہ الجھائیں کوئی فائدہ نہیں۔ آؤ بیٹے!" اس نے پھر جواد کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

رضیہ بیگم نے رخسانہ کو آنکھ سے اشارہ کیا کہ وہ بابا صاحب کو بلا لائیں۔

اس طرح جانا مناسب نہیں ہے بازو۔ آرام سے بیٹھ کر بابا صاحب سے بات کرو۔ وہ تمہاری ہر مشکل دور کریں گے۔ تمہاری بات سنیں گے۔ کوئی ایسا حل نکالیں گے جو تمہارے حق میں ہر طرح سے بہتر ہوگا۔"

رضیہ بیگم نے بہت نرم لہجے میں بہت اپنائیت کے ساتھ سمجھایا۔

رخسانہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کھسک گئی تھیں۔

تیمور علی خان اب خاموش کھڑے تھے۔

"آؤ بیٹی! تم میرے کمرے میں چلو۔ آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

اماں جی نے اسے شانوں سے تھام کر کہا۔

"مجھے معاف کر دیجئے اماں جی! اب بس مجھے جانے دیں۔" زرنین کی نرمی میں سختی تھی۔

"ہاں تو ٹھیک ہے۔ ہم تمہیں یہاں نہیں روکیں گے۔ خود گھر چھوڑنے کا انتظام کر کے دیں گے۔" عالم بابا نے چڑانے کے انداز میں کہا۔

تیمور علی خان نے الجھ کر بابا صاحب کی طرف دیکھا۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں کچھ اشارہ کیا۔ اس پر وہ بابا صاحب کی نگاہ کا مفہوم سمجھتے ہوئے اس کی طرف بڑھے تھے۔ زرنین نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ بھی کچھ نہیں سمجھ پائی تھی۔

زرنین نہیں جانتی تھی کہ سامنے کیا کرایک لمحے کو وہ بھی ساکت رہ گئی۔ اس نے آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے دیکھا تھا۔ بابا صاحب کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ بہت غصے میں تھے۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تھی۔ اس نے بابا صاحب کو کبھی اتنا غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ ان کی طرف بڑھے تھے۔ زرنین کا دماغ بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔ وہ سرعت سے پیچھے ہٹی تھی۔ اور پھر اس نے بابا صاحب کو اس سے کہتے سنا تھا۔ خون ہی خون تھا۔ وہ بہت خوفناک لگ رہے تھے۔

"یہ جانے کون سا اندر ہے۔ آؤ۔ ہمیں تمہارے اس مقام سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"سب کے دکھ دور ہو جائیں گے۔ مگر میرے دکھوں کی موت تک نہ ہوگی۔"

زرنین نے بے بسی سے کہا۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"ہر قسم کی اس طرح کہے جانے والے کتنے ہیں آخر قرعہ کس کے نام نکلتا ہے۔" اس بار بابا صاحب نے بشکل خود کو بولنے سے باز رکھا۔

"آخر میں اس جملے کی اطلاع ہو گی تو میں زندہ کہاں رہوں گی۔"

بابا صاحب ایک لمحے کو خاموش ہو کر رہ گئے۔ سب کھڑے ہوئے ان کی شکل دیکھنے لگے۔ "تم نے غصہ دلایا ہے ہم چاہتے ہیں کہ کسی بھی صورت تمہارے غصے کا خاتمہ ہو۔ تم فیصلہ کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ تو ہم خود کو کبھی معاف نہیں کر سکیں گے۔"

"غصے اور موت کا نقصان کبھی کم نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ کے نقصان ہوتے ہیں بابا صاحب۔"

زرنین کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ چاروں طرف جیسے کہ سناٹا چھا گیا۔

"آپ اپنے کمرے میں چلے جائیں۔ میں کچھ دیر بعد آؤں گا۔ خوشبو لگا کر۔ زرنین بیٹا! اماں جی سے تو ملو۔"

"جاؤ تیمور! تم بھی ذرا آرام کر لو۔ مغرب و عشاء کے درمیان تمہارا نکاح ہے۔ اپنے دوستوں کو بلا لو۔ پھر ہم بابا صاحب کی دعوت پر جائیں گے۔" کھانے میں ابھی کافی وقت تھا۔ اماں جی نے خوشی کی تقریب میں خوشی ٹھہرا دینا چاہتے تھے۔ اسے ہر طرح سے مطمئن کر دینا چاہتے تھے۔

وہ جھجکتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئے۔ تیمور علی خان تو نکاح کی کیفیت میں باپ کو جاتا دیکھتے رہے۔ پھر تیمور نے ماں کی گود سے اٹھا لیا۔

زرنین کی کیفیت اس کی اپنی سمجھ سے باہر تھی۔ اس کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے وجود کی کانچ کی دیوار ہے۔ ہر لمحہ ہر ثانیہ اس پر ضربیں لگا رہا ہے۔

"آخر کار تمہاری ساری زندگی حرام باز علی خان تمہاری ہوا۔ تمہارا ہو گیا۔ تمہارا بابا صاحب بھی سب کچھ ہو گیا ہے۔ تم نے

بے بسی سے ہمدرد سے سر ہلا دیا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح ہمدرد کی عدالت میں بے گناہ ثابت ہو جاؤں۔ اور یہ نہ ہو جو میں بھولنا چاہ رہی ہوں۔ بھولی ہوئی بات کو میں اپنے اندر کی گہرائیوں کو کھنگال کر یاد کرنا شروع کر دوں گی جب تمہاری ہمیشہ کی نیند میں حرام ہو جائے گی۔"

"آؤ بیٹی! اندر بیٹھتے ہیں۔" اماں جی نے اسے تھام کر بہت محبت سے کہا۔

نہ جانے کیوں تیمور کی طرف دیکھ کر انہیں یوں محسوس ہوا تھا۔ کہ ان کا دل کسی اتھاہ میں گرتا جا رہا ہو۔

"اگر میں ایسی ہوں جیسا تم نے سمجھا اور مجھ پر طلاق کا داغ لگایا تو پھر ایسی ہی سہی۔"

وہ اماں کے ساتھ چلتے ہوئے سفاکیت سے سوچ رہی تھی۔

"آج ہی کیوں۔ دو چار روز بعد چلے جائیں گے۔" اماں جی نے ہچکچا کر دلاور علی خان کی طرف دیکھا۔

"نہیں آج ہی۔ آج کہانی کا باب مکمل ہوا۔ نئی کہانی۔ نئی جگہ سے۔ آپ اگر کچھ دن ان کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں تو ان کے ساتھ چلی جائیں۔ ہماری طرف سے اجازت ہے۔ فی الحال ہم بچے ان کے ساتھ نہیں بھیج رہے تاکہ دونوں جوڑے اکیلے تنہا رہیں۔ اور ایک دوسرے کے لیے گنجائش پیدا کریں۔ اور حقیقت کا سامنا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں۔ دو ہفتے کی سوچیں۔

ہمارا خیال ہے ان دو ہفتوں کے درمیان آپ کی سوجو گی انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس دلانے میں کارآمد ثابت ہو گی۔"

وہ کہہ کر اس طرح خاموش ہو گئے جیسے اب ان کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا ہو۔ اماں جی اٹھنے کی طرف بڑھ گئیں۔

تیمور علی خان کا کمرہ کھلا ہوا تھا۔ رئیسہ اور صبیح علی خان کی دلہن دروازے ہی میں کھڑی تھیں۔

"خیریت اس طرح بیچ دروازے میں کیوں کھڑی ہو۔" وہ خیرانی سے بولیں۔ آواز میں افسردگی کا تاثر بھی تھا۔

"بہت رو رہی ہے نا۔ دو مرتبہ بے ہوش ہو چکی ہے۔ ابھی اسے سکون کی دوا دے کر لٹایا ہے۔"

دیکھو تو بے ہوش تو نہیں ہے" اماں جی گھبرا گئیں۔

تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"بات نہیں۔ ابھی تو سوٹ کیس پیک کر رہے تھے۔" صبیح علی خان کی دلہن بولیں۔

"اچھا ہمدرد سے بھی دو تین جوڑے رکھ دو۔ اماں جی بہت اداس نظر آ رہی تھیں۔

"آپ کے۔ کیوں؟" رئیسہ بیگم حیران ہوئیں۔

تمہارے ابا صاحب کہہ رہے ہیں۔ کہ مجھے ساتھ جانا چاہیے۔"

اسی لمحے تیمور علی خان تیزی سے اپنے کمرے کی سمت آتے دکھائی دیے۔

انہیں دروازے میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹکے۔ پھر بغیر بات کیے اگلے درمیان راستہ بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کمرے میں

داخل ہونے لگے۔

وہ سب بھی ان کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گئیں۔

بازیں پر خوبصورت سے بیگ رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے کوٹ علامت اس کے پاس پڑا تھا۔ سوٹ کیس کھلے پڑے تھے۔ کپڑے پھیلے ہوئے تھے۔ تیمور علی خان وارڈ روب کھول کر کچھ تلاش کر رہے تھے۔

"مراد کھانا کھا رہے ہیں تو پہلے کھانا کھا لو تیمور۔" رئیسہ بیگم نے انہیں مخاطب کیا۔

جواب کسی نے نہیں دیا۔ وہ بیگ لیے میں کپڑے رکھنے لگے۔

"تھوڑا بہت تو کھا لیتے۔ بہت دور جانا ہے۔" اماں جی کا انداز تنبیہ کا تھا۔

تیمور علی خان نے پلٹ کر دلاور علی کی طرف دیکھا۔ پھر نگاہ پھیر لی۔

"سفر بہت دور کا ہے امی جان۔ اگر ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو۔"

اب نہ بہت دنوں تک اس کی طبیعت اسی طرح رہے گی۔ تھوڑا اطمینان ہو جائے۔ اس کے ساتھ دل لگا لیں۔ پھر چلے جائیے گا۔ فکر نہ کریں۔"

انہوں نے رک کر پھر سے انداز میں تسلی دی۔

تیمور علی خان نے ماں کی طرف دیکھا۔

"خوش ہیں ناں اماں جی آپ؟" ان کے انداز میں جانے کیا تھا۔ اماں جی تیزی سے آگے بڑھیں۔ اور بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ "بیٹے احسان کیا ہے تو ہمارا نہ رہنا۔ اماں جی مر جائے گی۔"

"اماں جی۔ چپ ہو جائیں۔" رئیسہ بیگم نے گھبرا کر پہلے بازیں کی طرف دیکھا۔ پھر دونوں کو ٹوکا۔

"اب اتنے بھی کمزور نہیں ہیں اماں جی! کہ آپ سے بدلے لیں۔" تیمور علی خان نے انگلیوں کی پوروں سے ماں کے آنسو صاف کیے۔

"میں صدقے جاؤں اپنے بچے کے۔" وہ پھر رو دیں۔

"تم تھوڑا سا کھانا کھا لو تیمور۔" رئیسہ بیگم نے اصرار کیا۔ "ورنہ اماں جی بہت محسوس کرتی رہیں گی۔"

"ٹھیک ہے ہم کھا لیں گے آپ فکر نہ کریں۔" وہ اپنا سوٹ کیس کھولنے لگے۔

"ناشتے کا سامان رکھوا دیا رئیسہ۔؟" اماں جی نے پوچھا۔

"جی وہ تو شام ہی کو رکھوا دیا تھا۔ ماما ساتھ جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ وہ سب سنبھال لے گی۔" انہوں نے اماں جی کو تسلی دی۔

اکیلے بازیں کسمسا کر آنکھ کھلی۔ اور سر جھٹک کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

"کیا ہم ہوا ہے میں کہاں ہوں۔" وہ گھبرا کر بولی تھی۔

وہ سست چال سے اس کی طرف بڑھیں۔

"تم یہاں اکیلی ہو۔ تیمور کے کمرے میں۔" یہ کہتے ہوئے وہ بیحد بیچین کے دل کو بھا گیا۔

وہ نازنین کو پاکر ایک دم حواسوں میں آ گئی۔ "اماں جی اور شانے کہاں ہے؟"

"وہ عالیہ آپا کے پاس ہے بیٹی۔ وہ وہاں پلی کر سو گئی ہے۔"

"اماں جی میں بچوں کو یہاں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ مجھے واہم آ رہے ہیں۔"

اس نے اماں جی کی طرف التجا کے انداز میں دیکھا۔

"ارے نہیں بیٹی۔ بچے اپنے گھر میں ہیں۔ تمہارے ابا صاحب کی تو جان ہے بچوں میں۔ جب وہ ضد کرتے ہیں تو پھر وہ بھی اور جو وہ ان کی اولاد ہیں تم فکر نہ کرو۔"

اماں جی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"میرا دل نہیں مان رہا۔" وہ ضد کے انداز میں گویا ہوئی۔

"تمہارے ابا صاحب کا حکم ہے بیٹی! انہوں نے سوچ سمجھ کر ہی کہا ہوگا۔" انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"جو بھی ہو پھر بھی بڑا بچہ ہے اماں جی اور ابھی بہت چھوٹی ہے مجھے چین نہیں آئے گا۔"

"اماں جی! آپ بچوں کو ساتھ لے چلیں۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

تیمور علی خان نے مداخلت کی۔ "اور پھر سب کچھ بچوں کے نام پر تو ہوا ہے۔ ہم بھی بچوں کو یہاں چھوڑنے کے حق میں نہیں ہیں۔"

وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گئے۔

کمرے میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔

"کتنا اونچا ہو گیا ہے ایک ہی مرا تیمور۔ رتبہ اسے سب سے چھوٹی اولاد ہے یہ میری۔ سب کا پیارا آنکھوں کا تارا۔ کام بڑے بڑے کر گئے ہیں اس پر۔"

اماں جی روتی ہوئی بڑبڑاتی ہوئی خود بھی باہر نکل گئیں۔

سرائے آئے انہیں ایک ہفتہ ہونے کو آیا تھا۔ ماہ بانو اماں جی بچوں کے ساتھ گئی رہتی تھیں۔ نازنین زیادہ تر اپنے بڑے روم میں بند رہتی تھی۔ تیمور علی خان دن کی روشنی میں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ رات کے پہلے پہر ان کی جیپ پورچ میں داخل ہوتی تھی۔

آج تو بیکھ زیادہ ہی وقت ہو گیا تھا۔ پریشانی فطری تھی۔ روشنی کو ایک نظر دیکھ کر جب وہ واپس آئی تو دل بڑا پریشان سا تھا۔ وہیں دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

تیمور علی خان جانے کب خاموشی سے اوپر چلے آئے تھے۔

"خیریت۔ یہاں اس طرح کیوں کھڑی ہیں آپ؟" وہ چونک پڑے۔

"آپ کا دل کب چاہ رہے ہیں۔" اس نے کہنے کو کہہ دیا اور پھر اپنے بے ساختہ پن پر خود ہی شرمندہ ہونے لگی۔

"آپ کا دل کب چاہ رہے ہیں۔" اس نے کہنے کو کہہ دیا اور پھر اپنے بے ساختہ پن پر خود ہی شرمندہ ہونے لگی۔ یہی لیں جا رہے ہیں۔" انہوں نے رخ اندر کی طرف موڑا۔ جوتے اتارتے اتارتے وہ کچھ یاد آنے پر پلٹے۔ "چلیے آپ بھی۔"

"اب آپ کو چلا جانا چاہیے۔"

تیمور علی خان نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے قدرے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔ [illegible] میں نہیں تھا۔ کسی طرح بھی وہ بچوں کی ماں محسوس نہیں ہوتی تھی۔ [illegible] ابھرے ابھرے نقش اتنی آسانی سے نہیں مٹتے۔

انہیں یاد تھا یہ اس سے ملاقات کی کس درجہ بے قراری تھی۔ ایک ایک پل [illegible] ان کی نظروں پر ٹھہرا تھی۔ باقاعدہ اس نے ہاتھ جوڑے تھے۔ اور وہ اس کی اس [illegible] ہو گئے تھے۔

طرلی لڑکی کا کس درجہ شعر فی چہ آبدار انداز تھا۔

نہ جانے ان کے نکاح کو سات دن ہو گئے تھے۔ رات کے آخری پہر ہوتے آتے ہوئے وہ ایک [illegible] ہم ہی گرفتار ہو جاتے تھے صبح آنکھ کھلتی تو وہ بستر پر نہیں ہوتی تھی۔"

نازنین ان کے اس طرح دیکھنے پر گھبرا سی گئی تھی۔

"کیوں اب ہمیں کیوں چلے جانا چاہیے؟"

"وہ آپ کا دن گن گن کر انتظار کر رہی ہوگی۔ اور پھر سب کچھ تو کاغذ میں آ چکا ہے۔ یہی حویلی مرفہ ہے۔ میں ہمیشہ ہمیشہ آپ کی ممنون رہوں گی۔ اور دعا گو بھی۔ کبھی بھی آپ کی پرسکون زندگی میں کوئی الجھن ڈالنے درمیان میں نہیں آؤں گی۔ میرے لیے یہ احساس ہی کافی ہے کہ میں نے انکار نہیں کیا۔ یہ میرا [illegible] ہے مگر اس کے لیے۔ میں احساس ملکیت عطا کرنے پر ایک بار پھر آپ کی ممنون ہوں۔

کسی عورت سے کوئی شریف مرد شادی نہیں کرتا۔ آپ نے مجھ سے نکاح کر کے مجھ پر بڑے پہیلے بہت سے احسان کر دیے ہیں۔ اس حد تک کہ نفسیاتی طور پر میں جس احساس کمتری سے ابھی دوچار ہوگی تھی وہ دور ہو جائے گا۔ اب آپ اطمینان سے چلے جائیں اور اپنی مثالی زندگی گزاریں۔"

وہ کہہ کر پھر پیچھے کے رخ کھڑی ہو گئی۔

"کیا؟" تیمور علی خان نے ٹائی بھی بستر پر اچھال دی۔ اور شرٹ اتارنے لگے۔ روز [illegible] اس تہمت میں گرفتار ہو جاتے تھے مگر آج [illegible] ہو گئے۔ جیسے انہیں کہیں جانے کی جلدی نہ ہو۔

"کیا؟" وہ الجھن کے انداز میں گویا ہوئی۔

"نکاح ایک ذمہ داری کا نام ہے۔ ہم اسے کھیل تماشا نہیں سمجھتے۔" وہ بدستور سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"اگر یہ نکاح اور طرح کا ہے۔ اس میں سیکنڈ پارٹی آپ سے کوئی مخالفت نہیں کرے گی۔"

اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی۔ آدھی رات کو دونوں ہی چونک پڑے تھے۔

یہ بھی طے ہوا تھا کہ وہ کبھی ڈائریکٹ فون ریسیو نہیں کرے گی۔ اس لیے وہ اسی انداز میں بجتی رہی تیمور علی خان ہی آگے بڑھ کر فون اٹھایا تھا۔

"ہیلو۔ السلام علیکم۔ کیا حال ہیں۔ آدھی رات کو فون کیا آپ نے خیریت سے؟"

"کب۔؟ ابھی۔ ابھی۔ لگ گیا ان کا سراغ۔ ہمارے منصے کی بھنک ان سے نکل گئی اب آپ پر الزام ہے۔ گرفتار کر لیا ہے۔ اب انہیں کیا تو بے مثال انصاف ہو گی۔"

"جی۔ جی۔ ہم سن رہے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ قیامت تک اس پر راضی نہیں ہوں گی۔ ظاہر ہے آپکی خاندانی آن تھوڑا ہو گی کوئی عورت اپنے خاندان میں آ کر واپس غیر خاندان میں نہیں گئی آپ بدنام ہو گیا۔ اس لیے آپ ان کی اکاؤنٹ کر رہے ہیں۔ بچے ان کے پاس نہیں جائیں گے۔ وہ کسی قیمت پر راضی نہیں ہوں گی۔"

"جی۔؟ وہ پریشر ائز کر رہے ہیں آپ کو۔ آپ ان سے پوچھئے پہلے ان بوائنس پر غور کیوں نہیں کیا تھا۔ بچے یہیں رہیں گے ان سے کہیے جو کر رہے ہے کر لیں۔"

"نہیں نہیں۔ پلیز آپ بہت کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہیں کر سکتے ہیں۔"

"جی۔ جی۔ جی ہاں۔ ہم سن رہے ہیں۔ تو ٹھیک ہے انہوں نے کمر جس کیا سمجھ لی ہے، یہ تماشا بھی کر کے دیکھ لیں گے ہم نہیں گھومنے میں۔" تیمور علی خان نے شدت جذبات میں ہونٹ کاٹے۔

نازنین سینے پر ہاتھ رکھے ساکت و صامت گم سی تیمور علی خان کی سمت دیکھ رہی تھی۔

تیمور علی خان فون بند کر کے اس کی سمت متوجہ ہوئے تو اسے پتھرائی ہوئی حالت میں دیکھ کر ایک دم گھبرائے ہوئے اس کی طرف بڑھے اور بے ساختہ اسے شانوں سے تھام لیا۔

"کچھ نہیں ہو گا پریشان نہ ہوں ڈونٹ وری۔ ہمیں اندازہ تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ ہم تو منتظر تھے کہ کچھ ان تک پہنچے، منتظر رہ آئیں اور یہ معاملہ بھی ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے۔ آخر کب تک اندر گرا اندر رہتے ہا یا شاید ہمیں ہوش ہی اب آ رہا ہے بچے ہاتھ نہ پہنچ گئے ہوں۔ مگر اتنا اندازہ تو انہیں بھی ہو گا کہ بابا صاحب کے جیسے ہی بچے حویلی سے باہر نکلے ہوں گے حساب سے تو آپ یو کے پہنچ چکی ہوں گی۔"

"تیمور اتنا بڑا احسان کی التجا کر رہے ہیں۔ بچوں کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل کر دیجیے۔" اس نے تیمور علی خان کی سمت کے انداز میں دیکھا۔

"آپ کیوں وقت سے پہلے اتنا پریشان ہو رہی ہیں۔ ابھی پلیز۔"

میں آپ کو بتا رہی ہوں تیمور۔ اگر مجھے سے بچے چھین لیے تو میں مر جاؤں گی۔ بچے میرے ہیں۔ میں ان کی ماں ہوں۔ تو تم کر کم وہ میری ماں کو جانتے نہیں۔ کہیں ہے نا کہ ____ ہے ماں کی ممتا کی ماں ان کے بچا کے لاج میں ہے جبکہ باپ اندھا ہے تو وہ اپنے باپ کی طرح لکھے سے ہیں۔ میں ہوں ہو جاؤں گی تیمور۔ اور میرے پاس ہوں گے تو میں انہیں اشیب بنا لوں گی۔ بیٹیاں تو ہوتی ہیں۔ ہم نے آپ سے کہا ہاں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ انہوں نے ایک جذباتی لمحے میں ہم کو دھوکہ دیا ہے۔ ہم اپنی زندگی میں کوئی آسانی آنے نہیں دیں گے۔ اطمینان رکھیے۔"

جذبات کی شدت سے ان کا چہرہ تمتمانے لگا۔

"اور کیا کہہ رہے تھے بابا صاحب؟" اس نے خوف زدہ ہونے کی طرح تیمور علی خان کی سمت دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ یہی کہ پتہ کریں صاحب فرما رہے تھے۔ بچے طیبہ کی تحویل سے کب نکل گئے ہیں اور کہاں ہیں۔ وہ بہت آسانی سے بچے حاصل کر لیں گے۔ اور یہ کہ معاملہ میں ہم کو بدنام کر دیں گے۔ کوئی بھاگ کر میرے سے ملنے نہیں گیا۔ کیونکہ ان کی انکیس واقف ان کے قتل بھائی کے نکاح میں ہے جو کہ بھٹو ہوا تھا۔"

"اب بابا صاحب سے ہی کر رہے ہیں تو آپ مجھے جھوٹی تسلیاں کیوں دے رہے ہیں؟"

نازنین کا دل بیٹھنے لگا۔ یہ سب سن کر۔ اس نے سچ بتا کر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"یہ ان کا اندازہ ہے غور کرنے پر بوائنس اور بھی ذہن میں بھی آ سکتے ہیں۔ اس لیے ڈونٹ وری۔ کوئی ضرورت نہیں زیادہ سوچنے کی ہم دیکھ لیں گے سب۔ اب آرام کیجئے۔"

"میری تو ہمت ہی جواب دے گئی ہے۔ اور کیا انہیں پتا چل گیا ہے کہ۔"

وہ کہتے کہتے جھجک کر رک گئی۔

"ہوں۔ اب یہ تو تفتیش سے ایکشن سے پتہ چلے گا ہے۔" تیمور علی خان کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ تھی۔

بھی بھی۔ اور کہیں وہ کہتے کو لوگوں پر پانی کے چھینٹے پڑے۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے تیمور۔" اس کا دل کانپنے لگا۔

"کچھ نہیں ہو گا۔ ہمیں کچھ اندیشے تھے اس وجہ سے حوصلہ نہیں کیے۔" وہ گویا ہوئے۔

"اس وجہ سے صرف۔؟" نازنین کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"ظاہر ہے۔ یہ بھی کوئی بھولنے والی وجہ نہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک کہا آپ نے بچوں کے معاملے میں بھولنا ہے۔ اندھیرے بچوں کو ہر وقت سے جو مجھے کیسے لی۔"

وہ آگے بڑھی اور بڑھ کر بال سنبھالنے لگی۔

تیمور علی خان یک دم گم صم سے ہو گئے تھے۔

جانے ان بہت خاموشی سے گزر رہے تھے مگر دلوں میں طوفان مچا رہے تھے۔ فون کی وہ گھنٹی بار بار کانوں میں گونج آجاتا تھا۔ تیمور علی خان پہنچنے کی نسبت اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اماں جی بچوں کو لے کر اسی کے پاس جاتی تھیں۔ خارہ کا دل اماں جی کے بغیر نہیں لگتا تھا۔ وہ تھا تو یوں بھی مطربہ کے غائب ہو جانے کے بعد وہ بہت چپ چپ اور اداس رہنے لگی تھیں۔

اس لیے دلاور علی خان سے اجازت لے کر وہ بھی سرائے آ گئی تھیں۔ نازنین کے ساتھ اس طرح ہفتوں رہتی تھیں۔ جیسے اس کی سب سے بڑی ہمدرد اور غم خوار وہی ہوں۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ حویلی میں رونقیں لگی تھیں۔ نازنین اماں جی اور بچوں کے ساتھ لان میں ٹہل رہی تھیں اسی دم گیٹ پر کوئی ہماری انجن کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی ہارن بجا۔ چوکیدار کسی کونے سے نکلا بھاگا۔ اور پھولی کھڑکی کو کھول کر باہر جھانکا۔ نازنین اور اماں جی اسی سمت دیکھ رہی تھیں۔

چوکیدار کی بھرتی تازہ ہی تھی کہ آنے والا اہم اور جانا پہچانا ہے۔ گیٹ کھلا جائے گا۔ ذلی اندر آنے کے صرف دلاور علی خان اندر داخل ہوتے دکھائی دیے۔ نازنین اور اماں جی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

دلاور علی خان چھڑی زمین پر ٹکاتے تیز تیز قدم بھرتے ان کے قریب پہنچے۔

"السلام علیکم" نازنین نے سر پر آنچل ڈال کر سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ خوش رہو۔" انہوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

"تیمور کہاں ہے؟" انہوں نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر کرختگی بھرے انداز میں پوچھا۔

"خیریت۔؟" دونوں ساس بہو چونک سے گئیں۔

"وہ تو ابھی نہیں آیا۔ اسے ہی کرنا ہے۔" اماں نے بتایا۔

دلاور علی خان نے سرسری نگاہ نازنین کے چہرے پر ڈالی۔ "اس کا کوئی کونٹیکٹ نمبر؟"

"جی مجھے تو پتا نہیں۔ کبھی دھیان ہی نہیں آیا۔" وہ یوں بولی جیسے کسی غلطی کا اعتراف کر رہی ہو۔

"اچھا۔ بیٹی! ہماری بات غور سے سنو۔ اصل معاملہ تو تم ہی سے ہے۔"

نازنین کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ یوں بھی بابا صاحب کے انداز شروع سے ہی کھٹک رہے تھے۔ وہ خوف زدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"دیکھو بیٹی! اپنے اس حویلی میں رہتیں۔ اس خوشی میں ہیں تو ہمارے پاس ہماری نگرانی میں۔"

"کک کیا۔ مطلب؟" اس کا دل بیٹھنے لگا۔

"یا وہ باہر جیپ میں ہے بچوں کو لینے آیا ہے۔ بات سمجھنے کی کوشش کرو بیٹی! بچے تو وہ کورٹ کے ذریعے بھی لے لے گا۔ مگر بیٹی آگے تمہاری رسوائی ہو گی۔ دو سگے بھائی کورٹ میں دلاور علی خان کی بہو سمیت دیکھو بیٹے بات اونچی آواز کے بجائے بھی انجام کو پہنچ سکتی ہے۔ بس اب فٹا فٹ ختم ہو جانا چاہیے۔ ہم اسے یہ کر سکتے ہیں کہ اس پر حویلی کے دروازے بند کر لیتے

ہیں۔ اندر آنے نہیں دیں گے۔ اس کے پاس میں کوئی ہتھیار نہیں ہو گا۔ سب بند ہو جائے گا۔ وہ تنگ آ کر چلا جائے گا۔ اور تم اور بچے محفوظ رہیں گے۔ اور اس کے بعد تم اپنی مرضی سے جو چاہے کرنا۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ کوئی کسی سے نہیں ڈرتا۔"

نازنین نے آگے بڑھ کر ساس کو بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

"خدا کے لیے بابا صاحب۔ خدا کے لیے وہ آ جائے گا۔"

"حوصلہ کرو بیٹی! اب پتہ چلا ہے ہم نے تمہارا۔ اب کوئی پتا نہیں ہو گا۔ ظلم انہوں نے اور ہم سے کیا۔"

بابا۔

"جی خان!" مختصر سا جواب آیا۔

"دیکھو یہاں کوئی باہر جیپ میں خدا دار، ماتی کو کہو۔ وہ بھی گاڑی میں بیٹھے۔"

"یس یس۔" نازنین زور سے چیخی۔ مگر دلاور علی خان نے روشنی کی اس کی گود سے اپنی گود میں لے لیا۔ وہ ان کے سر پر جھکنے لگے۔

باہر گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی تھی۔ اماں جی دروازہ کھول کر تیز تیز قدم بھرتی باہر آئی تھیں۔

نازنین بابا صاحب کے پاؤں چھوڑ چکی تھی۔ اماں جی نے اسے اٹھا کر اپنے گلے سے لگا لیا۔

"مت کریں اماں جی یہ ظلم۔ اگر یہ تو نہیں رہا تو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ ہسٹیریکل سے ہو رہی تھیں۔

"جو نیکی ہے تو آپ لوگ اور دشواریاں کیوں پیدا کرتے ہو۔ وہ ایسی چھوڑے گا۔ آپ کو چھوڑے گا تو یہ نہیں چھوڑے گا۔ یہ اس کی عادت نہیں ہے "آن" کا مسئلہ ہے۔ بات کو سمجھو۔ آپ کے بچے نہیں جا رہے ہیں حویلی سے ہیں۔"

بابا صاحب اتنا کہہ کر پلٹ گئے۔ خود بڑھ کر گیٹ کے لیے ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ صدمے سے اماں جی کے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ مگر وہ چونک پڑیں۔ نازنین کا سر ان کے سینے پر ڈھلک گیا تھا۔

دلاور علی خان مطربہ کے پاس سے ڈیڑھ دو بجے تک اٹھ آئی تھی۔ مگر آج طبیعت حاضر پر گاہے بگاہے ہی کوئی ہو گی۔ فجر کا وقت ہونے والا تھا۔ اس نے ایک نگاہ مطربہ پر ڈالی اس میں اٹھنے کی قطعاً مجال نہ تھی۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ مطربہ۔ تم فکر نہ کرو میں جو قسمیں کروں گی اس میں تمہارا ہونا نہیں آئے گا۔ اپنے حصے کی تو تم نے اپنے خلاف بھگت رکھی ہے۔ میرے تو یہ سوچ کر ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں کہ میں اپنی بہن سے ملوں گی۔ اسے قسمیں دلاؤں گی۔ اور مرحومہ جان کر ایصال ثواب پہنچاتی رہی۔ اسے اپنے سامنے دیکھوں گی۔"

"آپ اٹھا سکیں گی۔" بالو نے حیرت سے پوچھا۔

''میں تو یہاں کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گی۔ میں ڈرپوک نہیں ہوں میرے جسم میں ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر علی خان۔''

''آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔؟'' مسطر بی کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

''تم نے مجھے بچن کے زندہ ہونے کی نوید دی ہے شاید اس لیے''۔

ماہین کی آنکھوں میں اور دور تک خیمہ کا نشان نہیں تھا۔ وہ بالکونے کے کرسی پر آ بیٹھی۔ تو اس کے اندر کا بوجھ ہلکا ہونے لگا۔ بالوتو ریہ بچ گئی۔ وہ اپنے بیڈروم کی طرف بڑھی تو بادل اس کے ساتھ ٹکرا ہوا۔

''جلدی جاگ گئے بام سے سوئے ہی نہیں میری طرح؟'' اس نے بڑی سہل خیز نگاہوں کے ساتھ پوچھا۔

☆—☆ ☆ ☆ ☆—☆ ☆ ☆

''نہیں وہ کرتا ہوں۔ روزانہ اسی وقت اٹھتا ہوں۔ البتہ آج۔'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

ماہین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

''تمہارا مزاج ٹھیک نہیں ہے ہاں۔ مگر کمال صاحب سے ہو تم۔ اتنا حلیف کیوں؟'' وہ دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''اوہ نہیں۔ میں تو خاصا آؤٹ آف کنٹرول ہوں۔'' وہ ہنس دیا۔

''مگر تم کسی سے کام لے رہے ہو آتا ہے قرینہ ثبوت ثبوت ہے کہ تم نے مجھ سے کئی بیماریاں لگوانے کی جگہ نہیں چھوڑی کہ پوچھ لیتے کہ نہیں۔''

وہ جیسے اسے گرفت میں لے رہی تھی۔

''اس میں پوچھنے کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ آپ کا گھر ہے۔ آپ جب چاہیں۔ جہاں چاہیں لگوا سکتی ہیں۔'' بادل کا انداز بے شعور تھا۔

''مگر تمہارے بھی بچے بچھڑ جائیں گی ایک دن۔ فی الحال تو اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ امتحان کی تیاری رکھنا۔'' وہ مسکراہٹ رکھے اٹھ کر آگے بڑھ گئی۔

"آل ریڈی بچے بھولے ہوئے ہیں۔" اور بھی کئی لوگ ہیں ادھر بچے بھولے کے لیے۔" اور پراٹھے منگوانے لگے تھے۔

"نائنٹی او لوگ ہری پور پہنچے ہوئے ہیں۔" تابین کی اور پلٹ کر بولی۔ "ناول ہوتی ہے ساتھی سے میں بولا۔

وہ دلی خان تین دن کراچی گئے ہوئے تھے۔ اس لیے اسے کرنے نہیں جاتے ہوئے تو کوئی الجھن نہیں تھی۔ وہ آنکھوں میں نیند تھی کہ ہونے کی جلدی ہو۔ غسل کر کے پہلے نماز پڑھی پھر قرآن کی تلاوت کرنے لگی۔ نہ جانے کیوں جیسے ہی سورۃ فتح شروع کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے ایک تواتر سے آنسو بہنے لگے۔ بمشکل سورۃ تمام کی اور قرآن کو بوسہ دے رکھ دیا۔

اس کی کیفیت خود اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا وہ اڑ کر سرائے پہنچے اور ماں کے گلے لگ کر خوب رو لے۔

وہ بے قراری سے اندر سے باہر نکلی آئی اور بال کی طرف بڑھی۔ ماں فون کے ساتھ چھوٹی سی ڈائریکٹری رکھی ہوئی تھی۔ وہ پہلی سے سرائے کا نمبر تلاش کرنے لگی۔ "ایس" کے کالم میں سرائے کے حساب سے دیکھا۔ پھر ٹی (T) کا کالم پھر کہ شاید تیمور علی خان کا نمبر درج ہو۔ پھر کے (K) کا کالم کہ شاید "خان" کے حساب سے نمبر درج ہو۔ مگر کسی طرح بھی اس کا نمبر ہاتھ نہیں لگا۔ مارے کوفت کے اس کا جی چاہ رہا ڈائریکٹری اٹھا کر پھینک دے۔

سوائے اس بات کے کہ چلتی پھرتی ڈائریکٹری تو ہاری کی صورت میں موجود ہے۔ اور اس سلسلے میں تو وہ کوئی ہاتھا پائی نہیں کر سکتا۔ اس کے اندر جیسے بہتی ہوئی وہ کئی۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اوپر پہنچی۔ اور آہستگی سے دروازے پر دستک دی۔

"ہاں اپنے کمرے میں نہیں ہے تابین! اسے تو میں نے کچھ دیر ہوئی باہر جاتے دیکھا تھا۔" اسے بہت سے ملازمہ کی آواز آئی۔

وہ پٹک کر پلٹی۔ دل میں کچھ عجیب سی بیقراری ہونے لگی۔

"وہ۔ مجھے یاد صاحب سے بہت ضروری بات کرنا تھی مگر ان کا نمبر مجھ سے کہیں گم ہو گیا ہے میں نے سوچا شاید۔" وہ کہتے ہوئے اٹکی۔

"ہاں اسے سب نمبر یاد ہوتے ہیں مگر اس وقت تو وہ باہر ہے۔ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں۔" وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"نہیں بھابی بیگم! پریشانی کی تو کوئی ایسی بات نہیں۔ بس ہوتے ہیں کچھ پرسنل۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"ہاں وہ جب میں نماز پڑھ کر لیٹے گی تو وہ یاد آ جائے گا۔ جانے کون کون سے کام اپنی جان کو لگا لیتے ہیں جیسے ہوتی ہے اور بس شروع۔ میں تو بس اسے معمولات ہی دیکھتی ہوں۔ بس اسی طرح چلتا پھرتا رہے۔ صحت بھی تو ہے اللہ نہ کسی کام سے نہیں ٹھہرا۔ جب ہی تو سب خان اس کی اتنی قدر کرتے ہیں۔ اللہ جوڑے کو کراچی یا سرائے جلا جائے تو یہ خان کو بہت یاد آتا ہے۔ وہ آتے سے آتے ان کے کام سنبھال لیتا ہے۔"

وہ اب بہت محبت سے اس کا ذکر کر رہی تھیں۔

"تمہیں اندازہ ہے وہ صاحب تو اسے بہت تعریفی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اس نے کہیں سے پڑھا ہوا ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت ہوتی ہے۔ اور اس کی مثال ضرور دیکھ لی تھیں۔

"نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ وہ کام کا آدمی ہے سب ہی کے ساتھ بہت مخلص ہوتا ہے۔ بچے آپ سے بہت ہلے ہوئے ہیں۔ وہاں جانے پہنچتے ہیں۔ یہ تو جنگل میں جا چکے ہیں۔ بابا چلائے مارکیٹ ہے۔"

وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔ تابین چپ چاپ ان کے پیچھے چل دی۔

"ہماری ساس کی کوئی تصویر نہیں ہے بھابی بیگم۔ حیرت کی بات ہے۔" اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اچانک اسے خیال آیا۔

عالم خاب کی حیرت غلط تھی۔ اتنے دن گزر جانے کے بعد آج اسے یہ خیال آیا تھا۔ تو انہوں نے حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

"اندر چلتے ہاں ہی کہ بہت ہی شرمیلی تھیں۔ کبھی تصویر نہیں کھنچوائی۔ یہ البتہ ہوا کرتی تھیں محل میں ہاں ہی" بہت ہی اس طرح کے ماحول میں پلی تھیں۔ تمہیں حیرت ہوگی یہ سن کر کہ وہ ہوائی جہاز میں بھی بیٹھ نہیں سکتیں۔

ان سے کبھی پوچھنے کہ آپ کا دل نہیں چاہتا کہ کچھ میں ہاتھ بٹائیں۔ خدمت گزاری کریں تو وہ بڑی ہی سادگی سے کہتی تھیں کہ میرے گھر کے کام تھوڑے ہیں۔ گھر سے اچھا کچھ نہیں ہوتا۔"

"سنا ہے وہ بہت اچھی تھیں۔ بہت ہی اچھی۔"

عالم خاب نے ایک مرتبہ پھر تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔ "آپ نے کیسے سنا ہاں ہی کے بارے میں؟"

"خیریت۔ کیا رات خواب میں آئی تھیں ہاں ہی؟" وہ کچھ بڑبڑائے تھیں۔

"نہیں کچھ نہیں۔" وہ بھی مسکرا دی۔

"ہاں وہ بہت اچھی عورت تھیں۔ فضول بھلائیں۔ محبت کا سمندر۔ سچ مچ کا انسان۔ بس صدمے اٹھتے اٹھتے کہ سب ہی حسرت تھی کہ ان کی خدمت کرتے۔ بس ایک بات ہونے ہی میں چل بسیں۔ خان کو پہلے اتنی صدمہ نہیں آتا تھا۔ یہ صدمہ تھا ان میں۔ کہتے تھے کہ صدمہ بہت آتا تھا مگر اس جیسی محبت کی موجودگی کے احساس سے خود بخود بھلائی کی طرف چلا جاتا تھا۔ ان میں شکر خدا وہ پھر آباد ہو گئے تھے۔ اس کے وجود تھرکے کے گئے کے احساس ہوتی تھیں۔"

"اچھے کیا تھے جو انہیں لے کر گئے؟" تابین نے ان کے جملے پر گرفت کر لی تھی۔

"نہ اچھے ہوتی ہیں گھروں کی۔ سچے بچوں کا تو بہت غم کرتی تھیں۔" عالم خاب نظریں جھکائے بولے جیسے انہیں بولنا جانے کی جلدی ہو۔

"بہت خوش قسمت لوگ ہیں جنہوں نے ان کے ساتھ وقت گزارا۔" تابین نے عام سے انداز میں تبصرہ کیا۔

عالم تاب خاموش ہو کر اپنی انگلیوں کو غور سے دیکھنے لگیں۔ یہ حرکت فلاسفی کرتی تھی کہ وہ کچھ سوچ رہی ہیں۔

"اچھا میں نے ایک بات اور نوٹ کی کہ تمہارے کمرے میں بھی تصویریں لگی ہیں۔ اب تو آج میں ان تصویروں کو دیکھنے کا بہت شوق تھا؟" جانے کیوں بابا ارادہ اس کے منہ سے کچھ دیکھو نکل جاتا تھا۔

اگلے دم ماما باہر سے اٹھائے اندر داخل ہوئی۔

"ماما بابا کی نظر آئے تو اسے کہتا ماہین بلا رہی ہیں۔ انہیں کوئی کام ہے۔" عالم تاب نے ماما کو کہا کہ

ماما خاموشی سے جانے تیار کرنے لگی۔

"ہاں اس۔ حویلی میں رواج نہیں ہے عورتوں کی تصویریں وغیرہ لگانے کا۔ میں کی تو سمجھی بس دیکھی ان کی اور بھول گئی ہیں۔"

وہ ٹالنے کے انداز میں جواب دے رہی تھیں۔

ماما نے کپ اٹھا کر پہلے عالم تاب کو تھمایا پھر ماہین کو۔

"جس زمانے میں بچوں کی تصویریں نہیں۔ اس وقت تو ماما بی ایک دم جوان ہوں گی۔ کیوں ابا بی بچو؟"

ماہین نے دلچسپی سے ماما کا سراپا دیکھا۔ "شادی کیوں نہیں کی ماما تم نے؟" اس نے ماما کے نرم اجیج پر سے کو غور سے دیکھا۔ "تمہارے تو بہت رشتے آئے ہوں گے؟"

"ضروری تو نہیں کہ ہر عورت کی شادی ہو۔ شادی کرتے نہیں ہیں ماہین بی بی شادی تو ہوتی ہے۔ اب دیکھیں آپ کا وقت یونہی گزرا۔ کتنے لوگ ہوں گے جو آپ کو وہاں پسند کرتے ہوں گے مگر آپ کا دانہ پانی تو حویلی میں لکھا تھا۔ کیوں بڑی بچو۔" ماما بہت شفیق انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

"بڑی موتیوں میں تولے جانے والی بات کہی ہے ماما تم نے؟" عالم تاب نے تائید کی۔

"کبھی دل تو چاہا ہوگا ماما کہ تبدیلی آئے۔" ماہین نے ماما کو چھیڑا۔

"دل کے چاہنے کو چھوڑیے ماہین بی بی۔ دل تو جانے کیا کیا چاہتا ہے۔ دل کے چاہنے پر جیسی توڑ توڑ کی بہت خلل ہو جاتی ہے۔ ہر گھڑی خیر کی گزر جائے شکر ہے۔" ماما قمقموں پر ہاتھ جما کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آج ماہین بی بی کو جانے کیا کیا خیال آ رہے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے عالم تاب سے مخاطب ہوئی۔

"یہی میں سوچ رہی ہوں۔ دراصل آج کل یاد نہیں ہیں تنہائی میں غور و فکر ہو رہا ہوگا۔" عالم تاب بھی مسکرائیں۔

"باری کا دھیان رکھنا ماما۔ سلے تو کہا ماہین بی بی بلا رہی ہیں۔" عالم تاب نے مزید تاکید کے طور پر کہا۔

"جی اچھا۔ ویسے مشکل ہے خان اگر باہر گئے ہیں تو دوپہر سے پہلے نہیں آئیں گے۔ انہیں بھولی جاؤں گی تو یاد آ جائے گا۔ یہ شتابی انہوں نے کہیں میں کیا تھا۔ تاریخ ہے۔" ماما باہر نکلتے ہوئے بولی تھی۔

"جیسی خیر۔ کوئی بات نہیں اگر میں سو گئی تو انہیں روک کر رکھنا آ جائیں۔ تو ویسے بھی ادھر باتوں میں مصروف ہے۔" اس نے کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔

"کیا سلے کا ابھی آرام ہے اس وقت۔ اسے دوپہر سے سونے کی عادت ہے۔" اس نے بھی عالم تاب سے مخاطب ہو کر سوال کیا۔

"جی۔ اس بیماری میں آئی ریسٹ بہت۔" اس نے تفصیل بتانا ضروری سمجھا۔

"ریسٹ کی طرف سے فکر ہوگی۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں وہ اب وہ ہوتی ہیں۔" عالم تاب نے اطمینان سے کہا اور چائے نکال لی۔

"بہت عجیب ہے اس کی طبیعت میں۔ لڑکیوں میں عجیب اچھی نہیں ہوتی۔ عجیب ہی ہوتی ہے۔ ہر بات کو سوچ سوچ کر کرتی ہے۔ اسے سمجھنا بہت مشکل ہے اور اب سے اکھڑے تو ہوں بھی اوٹی اچھی بات نہیں ہوتی۔" عالم تاب نے اسے تنہائی کے مطالعے کے لیے تیار کرنے کی کوشش کی۔

"بات تو سننا چاہیے بھابی بیگم۔ عورت مرد کا فرق ہی کیا۔ کتنے تو وہاں ہی کے مشترک ہوتے ہیں۔ اب اس عالم پر بھابی اداسی کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جب ہی وہ سمجھانے کی پوزیشن میں آ سکتا ہے۔" ماہین نے نرم انداز میں اختلاف کیا۔

عالم تاب نے ایک نظر ماہین کو دیکھا اور مصلحت آمیز خاموشی اختیار کی۔

نام اسلئے میں کچھ دیر تھی مگر حویلی کی مکمل طور پر رسائی ہو چکی تھی۔ تب سے باری نے حویلی میں قدم نہ رکھا تھا۔ بابل کرنے کے قریب سے گزرے عرصہ وہ اپنے کمرے میں نہیں رہ سکتا تھا۔ اون کی تکلیف اس کے بیماری میں قدم رکھنے سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔ اس نے کتنے کتنے دن میں وہ اذیت سہی

سب دیکھ کر وہ اندر داخل ہوا کہ دیکھا۔ "بیٹھو۔"

"بیٹھو۔"

"کون آیا بابل؟" دوسری طرف خاموشی تھی۔

باری کے اوسان خطا ہوتے محسوس ہوئے اس ایک دم چونک پڑے۔ "بابل گاؤں۔"

"جناب!" ملازم کا سانس بھی شریر ہو گیا۔

"جناب کے بھائی۔ یہ کیا طریقہ ہے فون تک نہیں کیا؟" وہ غصے کے بیچ میں ملامتی ہوا تھا۔

"خیر۔ جناب کے بھائی نہیں اب تو سب ہی بھائی ہیں۔ مگر یہ تو بتائیے فون کس سلسلے میں کرنا چاہیے تھا۔ میں کچھ سمجھا نہیں؟"

"ابھی نہیں وہ ٹھیک ہو چکی ہوں۔ مجھے مزید تنگ نہیں کرنا۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"تائیے۔ آپ کو تنگ کر کے مجھے کتنے ثواب کا ثواب ہے بھی۔ مگر آپ یہ تو بتائیں مجھے فون کیوں کرنا چاہیے تھا۔" وہ بھولے انداز میں کہتے ہوا کر مسکرا دیا۔

"ابھی اندر جا رہا ہے میں مر جاؤں۔"

"دادا صاحب! کہاں ہے آپا۔ موت کی ایسے ہاہو رہا ہے جیسے ڈائن کر رہی ہو۔"

"تم کو بھی بھوتی جان جلانے والی حرکتیں کرتے رہتے۔ رات میں بھوتی فیئر کے سرہانے سر پکڑ کر روتے رہتے۔" دادا جان نے

"سر پکڑنے کی پابندی ہو گی؟" دادی کی سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہارے اس کی بات تو کچھ بھی نہیں تھی۔ کالفہ کے ٹیبر ہا۔ بڑا بھاری بڑا تھوں کا نتیجہ ہے۔"

دادی کچھ سمجھتے سمجھتے رک گئی جیسے کوئی اور خیال آ گیا ہو۔ توقف کے بعد پھر بولی۔

"ہاری امی بے نام نہیں ہوں اور میں نے کسی خلانیت سے قدم گھر سے باہر نہیں نکالے تھے۔

میں تو آغا کاکا جان کے پاس اس لیے گئی تھی کہ وہ مجھے سمجھیں پھر حویلی والوں کو سمجھائیں۔ مجھے پتا ہے بابا صاحب کا جن کی بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یہ سب تو کاکا جان نے خود۔" اس نے جیسے خود کو روکا۔

دادی بہت توجہ اور دلچسپی سے اس کا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ اس لیے اپنے چہرے کا تاثر قابو کر اس کے خواہوں پر چھانے لگی۔

"آپ کیا ہیں، کس بھوتے ہیں مجھے سب پتا ہے۔ آپ کیوں خود کو اتنا الجھاتی ہیں میری جان؟"

اس نے بہت آہستگی سے اسے تنگ کرنے کی انتہا کر دی تھی اور وہ لب بھینچ رہا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" دادی ایک دم اس بات سے ہی ہو گی۔ محسوس ہوتا تھا کہ دل بلیلیاں توڑ کر باہر نکل جائے گا۔

"مجھ سے آنکھ دا اس طرح بات مت کرنا۔" اس نے ناراض انداز میں اور حقیقت گھبرا کر فون بند کیا تھا۔ دادی نے ریسیور کان سے ہٹا کر سر گھمائے ہوئے رسیور کو گھور کر گھورا۔ پتا نہیں کیا کہنا چاہتی ہو گی کیوں فون کیا تھا۔

"غلطی ہو گئی سیدم۔ مگر معاف کیجئے گا، بالکل بے اختیار ہیں آپ۔ ایک جملہ نہیں سہہ سکیں۔"

اس نے ریسیور کریڈل پر ٹکا دیا اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بیٹی پر کوئی خوبصورت سی دھن بجاتا اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ سارا اضمحلال، ساری خفگی اڑن چھو ہو گئی تھی۔ جال بچھا دی تھی کہ طبیعت بہت ہلکی ہے۔

"خان! آپ کا فون ہے" سر صوتی نے دروازے سے جھانک کر دادی کو مخاطب کیا۔

دادی نے چونک کر کتاب بند کی۔ "کس کا ہے؟" اس کا دھیان دادی کی طرف گیا تھا۔

"کسی یاور خانوں کا ہے۔ کراچی سے" وہ اتنا کہہ کر پلٹ گئی۔

دادی سوچنے کے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اب تو یہ بات ہی چونکا رہی تھی۔ انسان بہت سے اندازوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوتا خود بوجھ کے وزن کے نیچے دبنے لگتا ہے۔

دادی تیزی سے زینہ طے کرنے کے لیے آیا تھا۔

"السلام علیکم خان۔" اس نے ہاتھ ہوا میں کہا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسے کیسے ایسا ہے دادی کہ تمہیں دادی پوچھ رہا ہے۔ وہاں میرے پاس۔ اب شیخ اسد اللہ سے کہو کہ وہ

بات کرے۔ اس کی دادی سے بات کرنے کے لیے اصل کی ضرورت تھی۔ جس سے اصل بات چھپی ہوئی تھی۔ دادی نے تڑپ کر پوچھا۔ "کیا ہوا ہے؟ سب خیریت ہے نا؟ ہو لیے بھی تو بتا دیتیں۔ ہو سکتا ہے اب وقت بہت کم ہو۔ تم خود جا کر بات کرو۔ ایسے قابل اعتبار نہیں ہے۔ بہت احتیاط کرنا۔ وہاں ہو سکتا ہے اگر کوئی محبت تمہارے لیے لکھا ہو۔ تو ہم اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجیں گے۔ ہم نے ایک تحریر بھیجی ہے اس کام کے لیے تمہیں بھیجی ہے۔ جب تمہارے پاس پہنچے تو شیخ اسد اللہ کو دے دینا۔ وہ بھیج کر ہمیں بتا دیں گے۔"

دادی تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

"جی خان۔ اور کچھ؟"

"نہیں۔ باقی ٹھیک ہیں۔ اللہ کو شکر ہے۔ کل صبح حویلی پہنچیں گا۔ لو کے۔" انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

دادی نے ریسیور رکھتے ہوئے کچھ سوچا اور مسکرا دیا۔

"اللہ کی مہربانی ہے اور کیا ہے۔ کسی کی پریشانی میں کسی کا سکون پوشیدہ ہوتا ہے۔ نیارے فضیل بیٹی ہمارے ہوتے ہیں۔ اس نے بھی اتنے سے بڑا بوجھ اتار دیا تھا۔

وہ باہر نکلا تو ماہین کو کھڑے پایا۔

السلام علیکم۔ ٹھیک ہیں آپ۔ دادی کی لائف بہت بزی (Busy) ہوتی ہے۔ تنگ تو نہیں کیا۔"

"ہو سکتا ہے پریشانی بھی بہت ہوتی ہو مگر دادی صاحب ظاہر نہ کرتے ہوں۔"

ماہین جھینپی سی ہنس دی۔ نرم سی ہنسی۔

"آپ کے ساتھ تو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اب تو انہیں بہت پرائیویسی ملنی چاہیے۔" دادی نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور کوئی بات ہے تو کوئی بات نہیں۔ مگر غم نہ کھو۔ تمہاری بہادری تمہارا ایمنس (Image) ہے۔ واقعی بات تمہیں سوٹ نہیں کرتی۔" ماہین اپنے لیے کوئی تعریفی برقرار رکھ سکی۔

دادی کی مسکراہٹ ایک دم ہوا ہو گئی۔ اس نے بہت الجھ کر ماہین کی طرف دیکھا۔

آواز بہت بدلی بدلی محسوس ہو رہی تھی۔ بہت بدلے انداز تو گزشتہ کئی دنوں سے نوٹ کر رہا تھا مگر اس کے ساتھ وہ اب سے پہلے مختلف سابقہ انداز میں بات کر رہی تھی۔ تبدیلی جو دوسروں کے ساتھ اس نے نوٹ کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ حویلی کی خواتین سے بہت دور دور نظر آنے لگی تھی۔ زیادہ تر اپنے کمرے میں بند رہتی تھی۔

"دادا صاحب کا فون تھا۔"

"جی۔" اس نے سنجیدگی اور احتیاط سے جواب دیا۔

"مجھ سے بات کرنے کی خواہش نہیں کی تمہارے خان نے؟" وہ بے تاثر لہجے میں مخاطب تھی۔

"وہ بہت جلدی میں تھے۔ آپا پوچھ رہے تھے اور آپ کے لیے پیغام دیا ہے کہ ہر صورت صبح حویلی پہنچیں گے۔" اس نے

"دادا صاحب! کہاں ہے آپا۔ موت کی ایسے ہاہو رہا ہے جیسے ڈائن کر رہی ہو۔"

"تم کو بھی بھوتی جان جلانے والی حرکتیں کرتے رہتے۔ رات میں بھوتی فیئر کے سرہانے سر پکڑ کر روتے رہتے۔" دادا جان نے

"سر پکڑنے کی پابندی ہو گی؟" دادی کی سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہارے اس کی بات تو کچھ بھی نہیں تھی۔ کالفہ کے ٹیبر ہا۔ بڑا بھاری بڑا تھوں کا نتیجہ ہے۔"

دادی کچھ سمجھتے سمجھتے رک گئی جیسے کوئی اور خیال آ گیا ہو۔ توقف کے بعد پھر بولی۔

"ہاری امی بے نام نہیں ہوں اور میں نے کسی خلانیت سے قدم گھر سے باہر نہیں نکالے تھے۔

میں تو آغا کاکا جان کے پاس اس لیے گئی تھی کہ وہ مجھے سمجھیں پھر حویلی والوں کو سمجھائیں۔ مجھے پتا ہے بابا صاحب کا جن کی بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یہ سب تو کاکا جان نے خود۔" اس نے جیسے خود کو روکا۔

دادی بہت توجہ اور دلچسپی سے اس کا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔ اس لیے اپنے چہرے کا تاثر قابو کر اس کے خواہوں پر چھانے لگی۔

"آپ کیا ہیں، کس بھوتے ہیں مجھے سب پتا ہے۔ آپ کیوں خود کو اتنا الجھاتی ہیں میری جان؟"

اس نے بہت آہستگی سے اسے تنگ کرنے کی انتہا کر دی تھی اور وہ لب بھینچ رہا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" دادی ایک دم اس بات سے ہی ہو گی۔ محسوس ہوتا تھا کہ دل بلیلیاں توڑ کر باہر نکل جائے گا۔

"مجھ سے آنکھ دا اس طرح بات مت کرنا۔" اس نے ناراض انداز میں اور حقیقت گھبرا کر فون بند کیا تھا۔ دادی نے ریسیور کان سے ہٹا کر سر گھمائے ہوئے رسیور کو گھور کر گھورا۔ پتا نہیں کیا کہنا چاہتی ہو گی کیوں فون کیا تھا۔

"غلطی ہو گئی سیدم۔ مگر معاف کیجئے گا، بالکل بے اختیار ہیں آپ۔ ایک جملہ نہیں سہہ سکیں۔"

اس نے ریسیور کریڈل پر ٹکا دیا اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بیٹی پر کوئی خوبصورت سی دھن بجاتا اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ سارا اضمحلال، ساری خفگی اڑن چھو ہو گئی تھی۔ جال بچھا دی تھی کہ طبیعت بہت ہلکی ہے۔

"خان! آپ کا فون ہے" سر صوتی نے دروازے سے جھانک کر دادی کو مخاطب کیا۔

دادی نے چونک کر کتاب بند کی۔ "کس کا ہے؟" اس کا دھیان دادی کی طرف گیا تھا۔

"کسی یاور خانوں کا ہے۔ کراچی سے" وہ اتنا کہہ کر پلٹ گئی۔

دادی سوچنے کے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اب تو یہ بات ہی چونکا رہی تھی۔ انسان بہت سے اندازوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوتا خود بوجھ کے وزن کے نیچے دبنے لگتا ہے۔

دادی تیزی سے زینہ طے کرنے کے لیے آیا تھا۔

"السلام علیکم خان۔" اس نے ہاتھ ہوا میں کہا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسے کیسے ایسا ہے دادی کہ تمہیں دادی پوچھ رہا ہے۔ وہاں میرے پاس۔ اب شیخ اسد اللہ سے کہو کہ وہ

بات کرے۔ اس کی دادی سے بات کرنے کے لیے اصل کی ضرورت تھی۔ جس سے اصل بات چھپی ہوئی تھی۔ دادی نے تڑپ کر پوچھا۔ "کیا ہوا ہے؟ سب خیریت ہے نا؟ ہو لیے بھی تو بتا دیتیں۔ ہو سکتا ہے اب وقت بہت کم ہو۔ تم خود جا کر بات کرو۔ ایسے قابل اعتبار نہیں ہے۔ بہت احتیاط کرنا۔ وہاں ہو سکتا ہے اگر کوئی محبت تمہارے لیے لکھا ہو۔ تو ہم اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجیں گے۔ ہم نے ایک تحریر بھیجی ہے اس کام کے لیے تمہیں بھیجی ہے۔ جب تمہارے پاس پہنچے تو شیخ اسد اللہ کو دے دینا۔ وہ بھیج کر ہمیں بتا دیں گے۔"

دادی تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

"جی خان۔ اور کچھ؟"

"نہیں۔ باقی ٹھیک ہیں۔ اللہ کو شکر ہے۔ کل صبح حویلی پہنچیں گا۔ لو کے۔" انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

دادی نے ریسیور رکھتے ہوئے کچھ سوچا اور مسکرا دیا۔

"اللہ کی مہربانی ہے اور کیا ہے۔ کسی کی پریشانی میں کسی کا سکون پوشیدہ ہوتا ہے۔ نیارے فضیل بیٹی ہمارے ہوتے ہیں۔ اس نے بھی اتنے سے بڑا بوجھ اتار دیا تھا۔

وہ باہر نکلا تو ماہین کو کھڑے پایا۔

السلام علیکم۔ ٹھیک ہیں آپ۔ دادی کی لائف بہت بزی (Busy) ہوتی ہے۔ تنگ تو نہیں کیا۔"

"ہو سکتا ہے پریشانی بھی بہت ہوتی ہو مگر دادی صاحب ظاہر نہ کرتے ہوں۔"

ماہین جھینپی سی ہنس دی۔ نرم سی ہنسی۔

"آپ کے ساتھ تو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اب تو انہیں بہت پرائیویسی ملنی چاہیے۔" دادی نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور کوئی بات ہے تو کوئی بات نہیں۔ مگر غم نہ کھو۔ تمہاری بہادری تمہارا ایمنس (Image) ہے۔ واقعی بات تمہیں سوٹ نہیں کرتی۔" ماہین اپنے لیے کوئی تعریفی برقرار رکھ سکی۔

دادی کی مسکراہٹ ایک دم ہوا ہو گئی۔ اس نے بہت الجھ کر ماہین کی طرف دیکھا۔

آواز بہت بدلی بدلی محسوس ہو رہی تھی۔ بہت بدلے انداز تو گزشتہ کئی دنوں سے نوٹ کر رہا تھا مگر اس کے ساتھ وہ اب سے پہلے مختلف سابقہ انداز میں بات کر رہی تھی۔ تبدیلی جو دوسروں کے ساتھ اس نے نوٹ کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ حویلی کی خواتین سے بہت دور دور نظر آنے لگی تھی۔ زیادہ تر اپنے کمرے میں بند رہتی تھی۔

"دادا صاحب کا فون تھا۔"

"جی۔" اس نے سنجیدگی اور احتیاط سے جواب دیا۔

"مجھ سے بات کرنے کی خواہش نہیں کی تمہارے خان نے؟" وہ بے تاثر لہجے میں مخاطب تھی۔

"وہ بہت جلدی میں تھے۔ آپا پوچھ رہے تھے اور آپ کے لیے پیغام دیا ہے کہ ہر صورت صبح حویلی پہنچیں گے۔" اس نے

مایان کا چہرہ دیکھ کر اندازہ لگانا چاہا کہ تیمور خان کے بعد کیا تبدیلی آئی ہے۔ مگر وہ بالکل نارمل محسوس ہوئی۔

"ہاری۔"

"جی؟"

"وہ تمہارے تیمور خاناں جو ہیں۔ ان کی حویلی کا فون نمبر ڈائریکٹری میں نہیں ہے۔ میں نے بہت ڈھونڈا کہ تم سے حویلی کے آپریٹر ہی سے لے لوں مگر نہیں ملا۔ تمہیں تو زبانی یاد ہوگا۔" مایان نے بہت بیزاری سے کہا تھا۔

"تیمور خاناں۔ آپ کیا بات کرنا چاہتی ہیں ان سے؟" وہ واقعی گڑبڑا گیا۔

"کیوں۔ کیا میں ان سے بات نہیں کر سکتی؟ وہ یاور صاحب کے قتل کچھ نے جوائی ہیں۔ ہو سکتا ہے ان سے بہت قریبی رشتے دار ہیں۔"

مایان نے چبھتے انداز میں جواب دیا جس کی وجہ سے ہاری کو بات کرنے میں دشواری محسوس ہوئی۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں۔ تو ایک بات کہوں آپ سے؟" وہ ہچکچاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"جب بات کہے بنا چارہ نہ ہو تو یہ پوچھا نہیں کرتے کہ کوئی مائنڈ کر جائے گا۔ بس بات کر دینا چاہیے۔"

وہ بہت ناراض ناراض سی محسوس ہوئی۔

"وہ بات صرف اتنی ہے کہ آپ تیمور خاناں سے بات کرنے سے پہلے یاور خاناں سے اجازت لے لیں۔ میرا خیال ہے اگر آپ نے ان کی اجازت کے بغیر بات کر لی تو وہ ناراض ہوں گے۔ میں آپ کو کسی خوامخواہ کی الجھن سے بچانے کے لیے ایسا کہہ رہا ہوں۔ یا پھر آپ بڑے خان سے ایکسکس کر لیں۔"

"کیوں؟ یاور صاحب کیوں اعتراض کریں گے۔ میں فیملی ممبر ہوں۔ کسی دوسرے فیملی ممبر سے بات کرنے میں کیا حرج ہے۔ یہ تو روٹین لائف کا ایک حصہ ہے۔"

وہ قدرے سخت لہجے میں ایکسپلین دے رہی تھی۔ خفا خفا سے انداز میں گویا ہوئی۔

"آپ ابھی تک نہیں سمجھیں۔ دونوں بھائیوں کے تعلقات ٹھیک نہیں ہیں۔ اس لیے آپکو یہ مشورہ دیا تھا۔" وہ رکنے لگا۔

"کیوں؟ کس وجہ سے؟" اس نے ہاری کے چہرے پر نگاہیں جما دیں۔

"شاید پراپرٹی وغیرہ کا مسئلہ ہوگا۔ فیوڈل لارڈز میں اس طرح تو ہوتا رہتا ہے۔" وہ نگاہیں چراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہاہا صاحب کی موجودگی میں اس طرح کا مسئلہ تو نہیں ہو سکتا۔ کوئی اور بات ہوگی۔" وہ بدستور اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"میں تو اندازے سے بات کر رہا ہوں۔ حقیقت کیا ہے وہی جانتے ہوں گے۔" وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔

"ہاری مجھے فون نمبر چاہیے۔" وہ قطعی انداز میں بولی۔

"آپ یقین کریں پریشن نہیں ہے۔ کہیں مجھے حویلی سے نکلوا نہ دیں گی۔" وہ سنجیدگی سے انکار کر رہا تھا۔

"کوئی نہیں نکالے گا۔ یاور صاحب کچھ نہیں بولیں گے۔ میں ان سے بات کر لوں گی۔" وہ حتمی تھی۔

"بڑی پرابلم ہو جائے گی۔ پلیز آپ سمجھیں۔"

"اچھا اگر اجازت دے دیں تو میں بڑے خان سے بات کرنے کے بعد آپ کو کال کر لوں؟" اس نے جان چھڑانے کے لیے ایک درمیانی حل نکالا۔

اور مایان واقعی اس کے دام میں آ گئی۔

"ٹھیک ہے تم ابھی بڑے خان سے بات کرو اور مجھے نمبر دو۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔" وہ اس کی بات سے مطمئن ہو گئی تھی۔

"ہیلو اف یو وانٹ مائنڈ آپ تیمور خاناں سے بات کیا کرنا چاہتی ہیں؟ ہو سکتا ہے اس سلسلے میں آپکی ہیلپ کر سکوں۔" اس نے قدرے ہچکچاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ساری حویلی میں صرف تم ہی ہیلپ کر سکتے ہو۔ مگر افسوس تم کرو گے نہیں۔ بٹ اٹس اوکے۔ ہیلپ بھی نہ کرو مجھے تیمور خان کا نمبر دے دو۔" وہ یہ کہہ کر چل پڑی۔

ہاری ایک دم کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

ایک تو طویل ڈرائیو دوسرے مایان کا جلا بھنا انداز پھر اس کا تیمور علی خان کے فون نمبر کے لیے اصرار۔ ہاری کے پیچھے پیچھے اس کے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ ساری سرمستی ہوا ہو چکی تھی۔ رات کو اس بے وہ بول پر بیٹھا تھا۔ سیٹ سے کی کمر لے بھول میں رات کے وقت گہرے اندھیرے پھیلا رہے تھے۔ وہ حویلی میں داخل ہوا تو صرف ایک ملازم جاگ رہا تھا۔ اس کی خلافِ توقع ہاری ادھر ادھر بھٹک کر ملازم پر آ کر ٹھہر گئیں۔

"سب سو گئے؟"

"جی خان۔ سر نہیں ہوتے تو سب جلدی سونے چلے جاتے ہیں۔" ملازم نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

"اور وہ تمہارا پرانی بی بی؟" اس نے دبے دبے انداز میں پوچھا۔

"وہ جی۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کمرے سے باہر نہیں نکلتیں۔ آج تو انہوں نے ناشتہ بھی نہیں کیا اور دوا بھی نہیں لی۔ بہت فکر ہو رہی ہے مجھے۔"

ملازم کا انداز بہت اپنائیت بھرا تھا۔

"تمہارے فیملی؟" ہاری کی پریشانی چہرے سے ظاہر ہونے لگی۔

"نہیں جی انہوں نے تو دروازہ ہی نہیں کھولا۔"

"جی گڈ نیس۔ تو وہ فیملی تم لوگوں نے۔" وہ ایک دم بہت پریشان ہو گیا۔

"جی خان۔ جب دستک دیتے ہیں تو بولتی ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں اس طرف آنے کی۔" ملازم نے فکر مندی سے

جواب دیا۔ "میں تو دعا کرو باقاعدہ بلوانے سے آجائے یا پھر خط ہی آجائیں۔" وہ مایوس ہو گیا اور

"اچھا تم ایسا کرو کھانا گرم کرو۔ میں وضو کر کے آتا ہوں۔ بھیج کر کے آتا ہوں۔" وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ایک رات ہی تو تھی اس کے پاس۔

جلدی جلدی ہاتھ لے کر شب خوابی کا شلوار پہن لیا تھا اور تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے باہر نکلا اور سامنے ہی ملازم مراد علی سمیت اسے مخاطب کیا۔

"کس طرف ہے بی بی کا کمرا؟"

ملازم نے ایک سمت اشارہ کر دیا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ملازم مراد علی کھسیانا پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

ہادی نے کمرے کے سامنے رک کر ملازم کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو، ہو گی یہ؟"

ملازم نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

ہادی نے دروازے پر دستک دی۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے دوبارہ دستک دی۔ جواب میں وہی خاموشی۔ ہادی نے دروازہ دھکیلا۔

"کیا یہ تمہاری بھابی ہی کے ملازم ہو گی؟" روشی کے جھلانے کی کیفیت عیاں تھی۔

ہادی نے پھر دروازے پر دستک دی۔

"کہہ دیا ناں مجھے پریشان نہیں کرو۔ جاؤ یہاں سے" وہی طرح دھاڑی۔

"بی بی! خان آئے ہیں آپ سے ملنے" ہادی کو مسلسل خاموش دیکھ کر ملازم سے رہا نہ گیا تو بولنا ہی پڑا۔

"تم نے بتایا نہیں تھا۔ بیا کو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے" روشی کی تھکی تھکی سی آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔ روشی ایک دم چونک کر پیچھے ہٹی تھی۔

وہ اس طرح ہادی کو دیکھ رہی تھی جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

ہادی نے آگے بڑھ کر دائیں ہاتھ سے سوئچ بورڈ پر لگا لائٹ آن کر کے نائٹ بلب آف کر دیا۔

کمرے میں تیز روشنی ہو چکی تھی۔ روشی ابھی تک حیران پریشان کھڑی آنکھیں جھپک رہی تھی۔

"یہ خرابی یہاں لے آؤ اور جا کر ایک کپ کافی بنا دو اچھی سی۔" ہادی نے ملازم کو مخاطب کیا۔ وہ مشکوک انداز میں گردن ہلاتا کمرے کے درمیان میں کھڑا کر کے باہر نکل گیا۔

روشی ابھی تک جیسے ساکت سی کھڑی تھی۔

ہادی نے قدم بڑھا کر دروازہ بند کر دیا۔

"دروازہ بند نہیں کرو۔" وہ جیسے سحر انداز میں بولی تھی۔

"دروازہ پہلے بھی بند تھا۔" ہادی نے ایک قدم اس کے قریب بڑھایا۔ وہ بالکل اس کے سامنے

سے بال بنا رہا تھا۔ پہلے وہ بہت اداس اور بیمار سی محسوس ہوئی۔ بال بنا کر جب وہ پلٹا تو اس کی آنکھوں میں چمک اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس کی سب سے جو آرائش تھی۔ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"بیٹھیں، کھڑے کیوں ہیں۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"واقعی پہلے آپ کھانا کھائیں گے۔ بہت بھوک لگ رہی ہو گی۔ آپ نے بتایا بھی نہیں کہ آپ آ رہے ہیں۔" وہ بیٹھ گئی۔

"بتایا ہے، یہ بھی کوئی انداز ہے۔ بھوکا ہی دور سے آ رہا ہے۔ کھانا بھی ساتھ ہی لے آتا ہوں۔ ہم سب کھا لیں گے۔ پھر کھانے کو دوڑ رہے ہیں لوگ۔ لوگوں کا بھی کیا بھروسہ۔ وہ پیر سے ہو گئے ہیں آخر۔"

وہ تیکھے سے ہر گز نہ لگتے ہوئے ایک نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"کس نے کہا تھا آنے کو۔ میں نے تو نہیں کہا تھا۔ اپنے کسی کام یا مطلب ہی سے آئے ہو گے۔ میری خاطر تو زحمت نہیں کی۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں۔"

وہ پھر برہمت کر کے کھڑے کھڑے کہہ رہی تھی۔

ہادی نے اس کی سمت قدرے حیرت سے دیکھا تھا۔ پھر گہری گہری سانس لیتا کرسی کے دستے پر ٹیک لگانے لگا۔

"اچھا یہ بتائیں۔ کھانا کیوں نہیں کھایا؟" ہادی نے اس کا دھیان ادھر ادھر کرنے کی کوشش کی۔

"آپ کے جانے کے بعد وہاں سے خیال رکھنے والے۔ جاؤ ہادی یہاں سے نہیں۔ یہاں دیکھ کر مجھے بہت غصہ آ رہا ہے۔ خون کھول رہا ہے میرا۔" وہ آنسو پینے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اب کیا غلطی ہو گئی؟" وہ اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گیا اور روشی اٹھ کر اس کی طرف دیکھا۔ اجازت ہے؟"

اس نے جیسے جھک کر پشت کر لی۔

"پلیز آپ کھانا کھا لیں۔"

"ہادی بھابھی اسے اکیلی دو۔ اور چلے جاؤ یہاں سے۔ مجھے اداکاری کے احساس کے ساتھ جینا نہیں آتا۔ مجھے کچھ چاہیے کسی کی ہمدردی، کسی کا ساتھ۔" اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

آپ بھی کمال ہیں۔ اپنائیت کا اظہار کر کے خود فرماتی ہیں "کیا بدتمیزی ہے؟" بتائیں کتنی بار آپ کو بلانے کی کوشش کرتی رہی۔"

وہ اٹھا اور ٹیبل روشی چلاتے ہوئے آئینے میں اسے دیکھتے ہوئے شریر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"محبت میں جا کر کر دیا بھلانے والی بات نہیں۔ بھلا بھولو گے۔ اتنے پیسے خرچ کریں گے۔ مجھے سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ آنسو پیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اچھا۔ اب کس بات کا غصہ ہے؟" وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ خاموش رہی۔

"کھانا کھا لیں پہلے۔ روشی سے بات کریں گے۔ مجھے" وہ بہت پیار سے ہوئے

"اوہو۔ اذیت۔ تمہیں اذیت کے معنی بھی پتا ہیں؟" اذیت؟" اس نے سر ہلایا۔

"زندگی پھولوں کا گلشن نہیں ہے روشنائے۔ یہ بڑی تکلیفوں سے بچنے کے لیے چھوٹی موٹی تکلیفیں برداشت کر لیتا ہے۔ وقتی خوشی کی خاطر ہمیشہ کی مسرتوں کو قربان کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔"

"یہاں فون ڈائریکٹ نہیں ہے۔ اور میں بابا جی کی بیماری کی وجہ سے یہ نہیں چاہتا۔"

"مجھے احساس ہے آپ نے فون کی ہر گھنٹی پر دوڑ لگانی ہوگی کہ باری کا فون ہوگا حویلی سے مجھے آپ کے جذبات و احساسات کا اندازہ ہے۔"

"صد ہو گئی خوش فہمی کی۔" روشی نے دانت کچکچائے۔

"اچھا۔ کوئی بات نہیں۔ ہو جاتی ہے انسان کو۔ یہ بھی ایک مرض ہے۔ خیر آپ کھانا کھالیں۔ میں چلتا ہوں کرامت کو بھیجتا ہوں۔ دیر ہو جائے گی حویلی پہنچتے پہنچتے۔ بابا صاحب پریشان ہو جائیں گے۔" وہ روشی کو مخاطب کر کے بولا جیسے بہت جلدی میں ہو۔

اس وقت؟ کیا صبح نہیں ہوگی۔ ڈرائیور ہے ساتھ میں؟" وہ فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔ سب بھول بھال گئی تھی۔

"نہیں۔ خود ہی ڈرائیو کی تھی۔ خیر آپ کھانا کھائیں۔ میں چلتا ہوں۔" وہ قدرے بھرے انداز میں گویا ہوا۔

"کیا تو کر ہو حویلی والوں کے۔ یہ کوئی انسانیت ہے۔ رات کے اندھیرے میں دو لڑکیوں کو اکیلا چھوڑ رہے ہیں۔ آئی مطلب ارے بغیر ریسٹ دیئے کے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اس وقت جانے کی۔ صبح بھی تو بھاگ دوڑ کر لے گا کرامت یا وہ خود ہی شوق سے گئے ہیں چلے تھے وہاں سے؟ کھانا کھایا تھا؟"

وہ تھکی فکر مند نظر آئی تھی کہ ہاری نے خود کو مشکل سے کنٹرول کیا۔

"کہاں کھانا کھایا۔ دو بسکٹ کھائے ہوئے ہیں شام سے" وہ بڑی سادگی سے بولا۔

"یہ کوئی بات ہے تو کیوں نہیں کھا رہے؟" اس کے انداز سے بڑی اپنائیت جھلکتی تھی

"سب آپ کھانے بغیر روکتی ہیں ورنہ یہ آسان کام ہے تو میں ابھی یہ آسان کام کر سکتا ہوں۔" ہونٹوں پر آئی مسکراہٹ روک کر کہا۔ روشی کی حالت ہی ایسی ہو رہی تھی کہ جیسے کسی عظیم مشکل میں پھنس گئی ہو۔

"آپ کھائیں گی تو تھوڑا سا اہم بھی کھا لیں گے" اس نے گویا اس پر احسان کیا۔ انداز تو ایسا ہی تھا۔ روشی چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اور ایک خالی پلیٹ اس کے سامنے رکھ دی۔

"ویسے اس وقت اگر کالا جان آ جائیں تو خوب تماشا ہو۔ وہ کہیں گے کہ ہم اسی طرح کھانا کھاتے تھے ہیں۔ تو مل کر۔" وہ شریر انداز میں اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

روشی کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ ہاری کی قربت اسے بہت محسوس ہونے لگی۔

"کھانا شروع کیجیے ناں۔" وہ اسے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا دیکھ کر ٹوکنے لگا۔

"میں نہیں کھاؤں گی تمہارے ساتھ۔ مجھ سے نہیں کھایا جائے گا۔" اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"ہم میں بھی نہیں کھا

"میں کھاؤں گی ہاری۔ کا۔ ہا۔ س۔" اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ہونٹ کانپنے لگے۔

"ہاری کو مطلب جانتی ہیں؟" ہاری نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا۔

روشی نے اپنی مٹھیاں بھینچ کر لیں جیسے وہ زبردستی اپنے ہاتھ پر اٹھنے سے لگا۔ وہ اس کے مقابل اپنے ہاتھ پھیلائے سوالی تھی۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔ آپ سب دعا کھانا کھائیے"

"تھوڑا سا تو کھاؤ۔" روشی کے تو جیسے سارے حواس ہی گم ہو گئے تھے۔ (آنی جلدی جا رہا تھا)

"میں کھا رہا ہوں۔ (آہستہ سے) آپ کی خاطر روٹی بھی کھا لیا تھا۔ مگر آپ تو ہمارے سامنے نخرے۔ ہاری عورت ہوتی تو ہے۔ کبھی کبھی خیال آتا ہے تو ارسا سوچتے لگتا ہے کہ ساری زندگی آپ کے ساتھ گزارنا پڑے تو؟"

روشی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا مگر وہ کچھ نہ سمجھی فوراً نظریں جھکا لیں۔

"اچھا۔ گڈ نائٹ۔ صبح ناشتے پر ملاقات ہوگی۔ اب آپ آرام سے کھانا کھائیں۔ بی فکول ہو اتنا تو آپ کی بنتی ہے کیسے رہم میں ہے۔"

روشی منہ کھولے اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ جو سمجھ نہ سکتی تھی آنکھوں سے عیاں تھی۔

"ارے ایک دم" اس نے ٹرالی اکیلی کر ایک طرف کر دی۔ "ایسے سوچتے ہو۔ کیا گزارے ہیں نے تمہارا؟" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"تو اس تفصیل۔ کیا کیا گزارا ہے" وہ دوبارہ چیئر پر کرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

"ایسے بارڈر خانوں بھی کیا صورت انسان ہیں۔ دل سے دعائیں نکل رہی ہیں۔ اللہ ان کے دل کو بھی ایسے ہی جذبوں سے بھر دے جیسے انہوں نے میرا دل خوش کیا ہے۔ کیا ماحول ہے۔ آئی ہوئی ہے۔ سوئے ہوئے بادام۔ دیسی پھولوں کی مہک۔ تو کی رات اور۔ ہاری زبردست نیند۔"

وہ ایک دم کھڑا ہو کر جمائیاں لینے لگا۔ روشی کی جان میں جان آئی۔ کچھ ایسا انداز تھا اس کا وہ گھبرا گئی تھی۔

تنگ آ گئے ہے، اور علی خان کی رہائش گاہ سے نکلا تھا۔ حویلی پہنچنے کی اسے بہت جلدی تھی روشی سو رہی تھی۔ اس نے اسے جگانے کا خیال ملتوی کر دیا تھا۔ اسے فائل لے کر اور علی خان سے پہلے حویلی پہنچنا تھا۔ اسے علم تھا وہ اس سے ملے بغیر واپس جائے۔ رگیل ملاقات میں اس کا کیا حشر ہونے والا ہے۔

حویلی پہنچا تو راستے ہی میں چھوٹ گئیں۔ بڑی سی چادر لپیٹے، آنکھیں انگارے برساتی تھیں۔

"السلام علیکم" اس نے فوراً سلام کیا۔

الحمدللہ۔ سب خیریت ہے" وہ طنز سے مسکرائیں۔

روشی کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ بہت سے اندیشوں نے اسے گھیر لیا۔ ہاری کی بھی اسے فکر ہونے لگی۔

بہت محسوس ہوتا تھا۔ مگر اب صورت حال بہت تبدیل ہو چکی تھی۔ ان کی اپنی نجی باتیں اب ایسی ہوتی نہیں تھیں، جنہیں چھپ

"باسط بھائی۔ میری ان سے زیادہ بات نہیں ہوئی۔ آمنہ ملاقات ہوئی تو پوچھوں گا۔" اس نے جانے کے لیے قدم

"اوہ۔ یاور خان آ گئے؟" وہ کچھ سوچ کر پھر صبیحہ کی طرف پلٹا۔

"نہیں۔ بڑی امی نانا بی سے کہہ رہی تھیں، وہ آنے والی ہیں۔ اب مرد بیٹھیں، ویسے یاور ماموں کو بھی آنا چاہیے تھا۔ بے چاری روشی کو فضہ خالہ میں ڈال دیا۔ ممانی کو بھی ساتھ ہی بھیج دینا چاہیے تھا۔ اب انہیں روشی کے ساتھ رہنا چاہیے۔ یاور ماموں تو ویسے بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کا ریلیف کیس چوبیس گھنٹے تیار رہتا ہے کہ کہیں بھی کب کسی کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔"

"یہ باپ بیٹی کا معاملہ ہے ہم کیا کہہ سکتے ہیں" اس نے جان چھڑائی۔

"ویسے تم بھی کمال ہو۔ یہاں روشی کی دھلائی پڑ رہی تھی اور تم نے بتایا تک نہیں کہ وہ سرائے میں ہے۔ یا عاصم نے تمہیں آڑے ہاتھوں نہیں لیا۔"

طیبہ کی تیوریاں اس کے وجود کے آر پار ہو رہی تھیں۔

"لیں گے" وہ محظوظ ہو کر مسکرایا۔

"بہت مزہ آ رہا ہے؟" طیبہ کی مسکراہٹ طنز سے بوجھل تھی۔

"دراصل میں تو سرائے جاتا رہتا ہوں۔ اور ہاں میرا قیام بہت مختصر ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ سرائے میں ہونے والے حادثے یا واقعہ میرے علم میں لایا جائے۔ مجھے تو اس جان نے حویلی کے لیے کوئی مسیحا دیا ہوتا تو میں ضرور بتاتا۔" اس نے بہت تحمل سے جواب دیوار پر مل دیا۔

(یہ طیبہ تو اس حویلی میں زیر زمین خزانہ بھی دریافت کر لیتی ہے۔ بڑا مشکل ہو جاتا ہے انہیں فیس کرنا۔)

ماہین سو کر اٹھی تو باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز سن کر سمجھ گئی کہ یاور خان آ گئے ہیں۔ اس نے کچھ سوچا پھر اٹھ کر ساتھ والی ٹیبل سے ٹشو باکس اٹھا کر باہر کی طرف لپکی۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

یاور خان باتھ روم سے باہر آئے تو اس نے سر جھکا کر ادب سے انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہیں؟" وہ تولیے سے سر خشک کرتے ہوئے اس کے قریب آئے۔

"جی۔ آپ کے آنے کی خبر سن کر سب سے پہلے میں ہی آئی تھی۔ آپ کیسے ہیں؟ (اب یہ لڑکا کیا کرے گا؟)

"میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو؟ بہت دبلی ہو گئی ہو۔"

"آپ کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے وہاں۔ ماموں" وہ شرارت سے بولی۔

"میں روشی کے ساتھ ہی جاؤں گی۔ آپ کو اسے تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔" تولیہ صوفے پر رکھتے ہوئے انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

"خیریت۔ خیال تو کچھ جلدی نہیں آ گیا؟" وہ مسکرائے۔ بے ساختہ ہنس پڑے تھے۔

ماہین ان کے خوشگوار موڈ کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ وہ اپنے کہے ہوئے الفاظ پر شرمندہ تھی۔

"میں اب بڑی ہو رہی ہوں گی۔ پتہ نہیں کیا کیا بولتی رہتی ہوں۔" انہوں نے تولیہ ہینگر پر پھیلایا۔ اور پھر بیڈ کی پائنتی پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگے۔

"میرا خیال ہے یاور بھائی آپ سے ڈر گئے ہوں گے۔" وہ خوشگوار موڈ کے ساتھ ان سے مخاطب تھے۔

ماہین خاموش رہی۔

"چائے ملے گی؟" یاور خان اپنی تمام عیاشیاں سفر کے دوران موقوف کر کے آئے تھے۔ ان تمام چیزوں کو بہت مس کر رہے تھے۔ گو ان کی فطرت میں ہی عدم انحصار کی وجہ سے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

"کہتی ہوں ماما سے" وہ بیڈ سے اتر کر جوتا پہننے لگی۔

"آپ ٹانگ مکمل کر لیں۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" ماہین کو نہیں، اسے یاد آیا تھا۔

یاور خان نے جوتا پہنتی ماہین کو غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسا تھا جو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی کچھ سنجیدہ ہو گئے۔

"ہاں۔ وقت تو نہیں ہے۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" ماہین کو نہیں، اسے یاد آیا تھا۔

یاور خان نے جوتا پہنتی ماہین کو غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسا تھا جو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی کچھ سنجیدہ ہو گئے۔

"ہاں۔ وقت تو نہیں ہے۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" ماہین کو نہیں، اسے یاد آیا تھا۔

یاور خان نے جوتا پہنتی ماہین کو غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسا تھا جو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی کچھ سنجیدہ ہو گئے۔

"ہاں۔ وقت تو نہیں ہے۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" ماہین کو نہیں، اسے یاد آیا تھا۔

یاور خان نے جوتا پہنتی ماہین کو غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسا تھا جو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی کچھ سنجیدہ ہو گئے۔

"آپ کہہ چکے مسز باری نظریں جھکائے۔"

باری کے چہرے پر قدرے بے یقینی کے تاثرات لہرائے۔ وہ بولا چلا گیا۔

"ایک کام بگڑا ہوا ہے آپ کے ذمے۔ شاید آپ بھول گئے۔" وہ کپڑے ہاتھوں میں لیے اس کے مقابل جم گئی۔ باری یکدم گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر جیسے کسی دھیان سے چونک کر ماہین کو دیکھنے لگا۔

"آپ مائنڈ نہ کریں تو ایک گزارش کروں۔"

"بھائی تو ہر دوسری بات پر ماسٹر کرنے لگتا ہے۔ کہو۔" وہ قدرے بے لحاظانہ انداز میں گویا ہوئی۔

"آپ کیا کریں گی پھولے خان کو نکال کر۔ جب باہر خانوں ان سے تعلق ختم کیے ہوئے ہیں تو آپ ان سے بے حساب بن رہا ہے۔ یہ میں نہایت خلوص دل سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کسی الجھن میں نہ پڑ جائیں۔ ملنگ لالہ کی اور سے پہلے ہر بات پر غور کیجیے۔" وہ سنجیدگی سے بات کر رہا تھا۔

"حساب تو بہت بن رہے ہیں۔ مسٹر عبدالباری ہمدانی۔ آپ تو بس یہ بتائیے آپ ہماری یہ بہت جزئی خدمت کرنے پر کیوں تلے ہیں۔ تاکہ ہم کوئی اور راستہ تلاش کریں۔ آپ کے انکار کی صورت میں۔"

"آپ اس راستے کی طرف نہ جائیں۔ میرا پر خلوص مشورہ ہے۔" اپنا پورا نام ماہین کے منہ سے سن کر وہ دل ہی دل میں چونک پڑا تھا مگر یہاں بھی اس نے اپنی سابقہ گفتگو باری سے کام لیا تھا اور بہت سکون سے اس سے ہم کلام ہوا تھا مگر اندر عجیب سی کھد بد شروع ہو گئی تھی۔ "اس چار دیواری میں خلوص رہتا نہیں آتا ہے۔ میں ایسی دلدل میں آپھنسی ہوں کہ آس پاس کوئی گہرا ہوا اور وسعت نہیں ہے کہ کوئی امکان روشن ہو۔ صرف حوار اور رشتے کا مضبوط بندھن جو مجھ سے ہے مجھے کسی اچھی فیصلے سے روکے ہوئے ہے۔ میں اب اپنے ان پیاروں کو فطری کھیتوں سے حریر محروم نہیں کرنا چاہتی۔ ان کی آتی عمر لمبی ہے۔ جتنے امتحان سے گزر رہے ہیں۔ میں ان کے عظیم دکھوں اور غموں میں بہت سارا رہنا چاہتی ہوں۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔

باری کا خود پر اختیار اب ختم ہو چکا تھا۔ وہ حیرت سے ساکت جامد اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"آپ۔" اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"مجھ سے کوئی اور بات نہیں کرو باری۔ اس پر تو کچھ نہ کہو۔ میں بہت سکون سے اب کہنا چاہتی ہوں جو میرے ذہن میں ہے لیکن اگر مجھے مسلسل بندشوں سے گزرنا پڑا تو میں تمام معلومات باہر کے حوالے کر دوں گی۔ ہوا اور روشنی سے سرے سے اس کی زد میں آ جائیں گے۔" وہ تاسف سے لہجے میں گویا ہوئی۔

"آپ ایسا کریں باہر خانوں سے اس سلسلے میں کھل کر بات کریں۔ یہ بہت آسان راستہ ہے۔"

"وہ اچھا پسند شخص ایک حد تک میرے پر اعتماد کرے گا۔ اور مجھے اب کام بہت ہے۔" اس نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

"کیا آپ مجھے اس قابل سمجھتی ہیں کہ مجھے اپنے کام کے بارے میں کچھ بتا دیں۔ ہو سکتا ہے میں اس امر میں آپ کی

[illegible] ہو سکوں۔ جو آپ نے اس شخص سے [illegible] کیا ہے۔" [illegible] کریں۔"

[illegible] مجھے کسی سچائی کو ظاہر ہی کرنا تھا۔ [illegible] ہے۔ [illegible]

اسی وقت سرسوتی اور [illegible] آ گئی۔

"آپ کو بڑے خان نے [illegible] لیا۔"

"مجھے؟" اس نے چونک کر باری کی طرف دیکھا۔ "پھر تم کہو گی ہوں۔"

وہ کپڑے سمیٹنے پر اتل کر کھڑی ہو گئی۔ باری مجھے آپ پر حسوت میں [illegible] ہے [illegible]

وہ [illegible] رخصت کرتی باہر چلی گئی۔ سرسوتی اس سے پہلے کمرے میں چلی گئی۔

باری کی آنکھوں سے پریشانی جھلکنے لگی تھی۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

اب وہ لیپ ٹاپ استعمال کر رہا تھا۔

"خان جی؟" وہ ماتھے پر بل لیے بڑبڑایا تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پھولے خان کی آواز اسپیکر میں ابھری تھی۔

"باری بات کر رہا ہوں خان جی سے۔" اس نے بغیر دیکھے سمجھے قدرے آہستہ آواز میں کہا۔

"خان۔۔۔ وہ بی بی آپ سے ڈسکشن کرنا چاہتی ہیں۔ اور آپ کا نمبر مانگ رہی ہیں۔ کسی [illegible] ہم اس بارے بات نہیں کریں۔ مجھے کیا آرڈر چاہیے؟"

"لعنت ہے۔ دماغ خراب ہے۔ اب کسی بات سے پریشانی نہیں ہوتی باری تم اپنی [illegible] ہم [illegible] میں کر لیں گے۔"

"مگر خان ان کے اپنے لیے تو [illegible] ہو سکتی ہے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے گویا ہوا۔

"اوہ آئی ہوپ تم تو نہیں کہ [illegible] ہیں۔ [illegible] ہے۔"

"نہیں کوئی بدگمان لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ [illegible] ہے۔"

انہوں نے مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا تھا۔

باری ابھی وہیں ماتھے پر ہاتھ ٹکائے کچھ سوچ رہا تھا۔

"آپ کچھ بہت سوچ رہے ہیں۔" وہ کچھ کی آواز پر چونک پڑا جو بہت قریب سے آئی تھی۔

"سوچ رہا تھا تو ٹھیک ہی بات ہوتی ہے۔" وہ مسکرا کر اپنی [illegible] ہے [illegible] ہے۔

"تو اب سوچنے سے فرصت مل گئی ہو تو [illegible] ہے اور [illegible] ہے [illegible] ہو گیا تھا۔" وہ اپنی [illegible] ہم [illegible] مسکراہٹ کے ساتھ ہم کلام ہوئیں۔

"ہم تو تمہیں [illegible] کر رہے تھے۔ باری [illegible] آئے ہو۔ [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] ہے

"آپ فکر نہ کریں۔ وہ ٹھیک ہیں۔ زونی سے بہت محبت ہو گئی ہے۔ وہ اسے ساتھ لے جانا چاہتی تھیں۔" وہ فوراً ہی ان سے مخاطب ہوا۔

"کیا۔ کیا واقعی؟ یہ تو آگے ان ریاستوں سے۔ مگر کیا اس طرح آنے کیا وہ سب ٹھیک ہو جائے گی؟" وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی کچھ ہکلا سا گیا۔

جواب میں ہارل کا قہقہہ بھی اسے سنائی دیا تھا۔

"یہ آپ پوچھ لیجئے گا ان سے۔ ان پر بھی بات نہیں ہوئی ان سے؟" اس نے پوچھا۔

"بات۔ ایک کال اور سات کی لائن پیچھے۔ صرف آواز ہی سن سکتے ہیں اس طرح سے تو۔" وہ پھر ہنس پڑا۔

"کیا واقعی وہ خوش ہے؟" انہیں جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"فون کر کے دیکھ لیں۔ بڑی حالت سے خوش ہے۔" اس نے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"مگر کیوں؟" گلو کی حیرت بجا تھی۔

"ایسے ہی کہہ دیا۔ خوش محسوس ہوئی تھیں۔" اس نے ٹال دیا۔

"کچھ کہہ رہی تھیں؟"

"نہیں۔ زیادہ بات نہیں ہو سکی۔ مجھے جو بلی پہنچنے کی جلدی تھی۔ صبح جب میں وہاں سے روانہ ہو رہا تھا تو سو رہی تھیں۔"

"ایسے تکلیف کی تو نہیں ہو رہی؟"

نہیں ماؤں کے درد ان بچوں سے پوچھا کرو جو بالوں کر کھڑی ہو گئی ہے۔

"وہ کل ماہین بیٹی کہاں ہیں؟"

وہ دونوں آواز کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اپنے کمرے میں ہوں گی۔" گلو نے جواب دیا۔

"نہیں وہ اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔ بابا جان کے کمرے میں ہیں۔ وہاں بابا رخسانہ بھی ہیں۔" ہارل نے مطلع کیا۔

"یہ ابھی تک یہیں ہے؟" ہادی نے گلو سے استفسار کیا۔

"ہوں۔ بلکہ میرا خیال ہے۔ ماہین اسے ہادی ہاؤس ساتھ لے کر جائیں گی۔"

"کوئی خاص وجہ۔ اعتبار کیسے کر لیا اس پر؟"

"اب کیا کہہ سکتے ہیں۔ ویسے تو ہادی ہاؤس کی ساری ذمہ داری اسی پر ہے۔" گلو نے کہا۔

"نہ پہنچے سے سارے کام ہو رہے ہیں۔" ہادی نے تحویل سانس لی۔

گلو نے کچھ کہنے کو ہادی کی طرف دیکھا تو مگر پھر کچھ نہیں کہا۔

[illegible] کہا جا رہا تھا۔ وہ بھی عزیزی کی خواہش سے [illegible] ملاقات [illegible] تھی [illegible] [illegible] [illegible]

ساتھ باتوں میں مصروف پایا۔ گہری سانس لے کے رہ گئی۔ بہت ہوشیار ہے یہ یاور علی۔

اسے آتا دیکھ کر یاور علی خان پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے ان کی طرف کا دروازہ کھولا۔ اور ماہین گھوم کر دوسری طرف کا کھول کر بیٹھ گئی۔ ماہین گاڑی کی طرف بڑھنے کے بجائے یاور علی کی طرف بڑھی۔

"وہ ایک درخواست کی تھی آپ سے۔" اس نے قدرے ہچکچانے والے لہجے میں بہت آہستگی سے یاور علی کو مخاطب کیا۔

"پلیز انسانوں پر طنز نہیں کرتے۔ گناہ ہوتا ہے۔" وہ دھیرے سے بولے لہجہ میں خفگی کی بجائے ہلکی سی شرمندگی تھی۔

"جی آپ کی کتاب ہے انٹرنیشنل لاء۔" اس نے ایک ضخیم جلد کی کتاب اس کی طرف بڑھائی۔ "اس میں آپ کا اسم گرامی ہے۔" وہ سرگوشی کے انداز میں کہہ کر رہ گئی۔

ماہین نے اتنا بڑا ٹائٹل دیکھا تو بہت بڑا قہقہہ لگایا۔ اس کے سر سے بوجھ سا اترتا محسوس ہوا۔ وہ ہلکی ہو کر اڑنے لگی جیسے کھلے آسمان کی وسعتوں سے ہمکنار ہوئی ہو۔

بڑی تیزی سے وہ گاڑی کے کھلے دروازے تک آئی اور ہاتھ بڑھا کر باہر آدھے میں کھڑی خواتین کو مخاطب کیا اور پھر گئی۔

یاور علی خان بہترین سوٹ کیے ہوئے اور کوٹی کا جواب خوشبو لگائے ہوئے تھے۔ گاڑی کے بند ماحول میں ایک خوشبو رچی اتر آئی تھی۔ ایسا حسن جو ہر دیکھنے والے کو مبہوت کر کے رکھ دے۔

"اس طرح کی فارمیلیٹیز سے مجھے بہت الجھن ہوتی ہے۔ صرف خدا حافظ کہنے میں تین منٹ صرف ہو گئے ہیں۔" یاور علی خان کے لہجے میں ناگواری تھی۔

"کیا یہ سر اٹھتا ہے؟" ماہین کو ان کے آنکھ ماہر ہونے کا شبہ آیا۔

یاور علی خان دیکھ رہے تھے۔ بلکہ اس کے ہاتھ میں تھمی کتاب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ماہین چڑ جائے گی۔

"آپ کے کس کام کی۔ آپ تو ایسی کتابیں گھول کر پی چکے ہوں گے۔" اس نے کتاب اس طرح پیٹھ سے لگا لی جیسے کسی قیمت پر انہیں نہیں دے گی۔

"پڑھی ہوئی کتاب میں سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے پوائنٹس ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ دوبارہ پڑھنے پر ابھی تو فائدہ بھی ملے گا۔" انہوں نے کتاب کی طرف پھر ہاتھ بڑھایا تو ماہین نے کتاب کو تقریباً بگل میں لے لیا۔

ماہین نے بے کسی سے کتاب کی طرف دیکھا اور کتاب پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"آپ کتنے آرام سے انسان کی توہین کرتے ہیں اور پھر آپ کو پچھتاوا بھی نہیں ہوتا۔"

اب ایک نئی تدبیر رہ گئی تھی کہ وہ انہیں کسی بحث میں الجھا دے تاکہ وہ کتاب کی طرف متوجہ ہی نہ ہوں۔

"میں سمجھا نہیں۔" وہ واقعی حیران ہوئے۔ گاڑی گیٹ سے باہر نکل چکی تھی۔

"کیسے الفاظ واپس لیتی ہیں آپ۔ گاڑی تک میں تو بار بار شرمسار ہونا نہیں چاہتے آپ کتاب پڑھیں۔

میں کیا ہوں؟" وہ خفا خفا سے انداز میں بولی۔

"پڑھ تو نہیں رہا۔ صرف سرسری نگاہ ڈالی ہے۔ دراصل کتاب پڑھنے کی عادت ہی ختم ہو چکی ہے۔ کتاب پڑھنا بھی ایک فن ہے۔ ہر کوئی نہیں پڑھ سکتا۔"

انہوں نے ذرا جھک کر اعتراف کر لیا۔ اور یہ ایک ایسا اعتراف تھا جس کی ماہین کو توقع نہیں تھی۔

"ظاہر ہے آپ بھی اسے حاصل پر پہنچ کر ہی پڑھیں گی۔ اس لیے رکھ لیں۔ ویسے اب یہ بزنس کے فائدے بھی بہت کرے گی۔ بتائیے وقت کیسے گزرا۔ جو لی کی طرح تو نہیں ہوں گی آپ کو لی لائیہ تو نہیں ہوئی۔"

انہوں نے ذرا پیچھے کھسکتے ہوئے بہت غور سے ماہین کا جائزہ لیا۔ وہ اس طرح بات کر رہے تھے جیسے کوئی بہت پرانی شناسائی ہو۔ ماہین نے بے یاور علی خان کا ایک بھی لفظ نہیں سنا تھا۔ خالی خالی نگاہوں سے اپنی اضطرابی کیفیت کو دیکھ رہی تھی۔

"کہاں گم ہیں وہ اپنے۔" ان کا لہجہ بہت دھیما تھا۔ جیسے سرگوشی کر رہے ہوں۔

"آں۔ ہاں۔ کہیں نہیں۔ میں سوچ رہی تھی۔ بتانے کے لیے کچھ کہنے سے تیر نکلے گی۔ بڑی مبہم سی بات ہے۔ اس کے پاس میرے کپڑے نہیں ہیں۔" اس نے پریشان ذہن کے ہاتھوں مجبور ہو کر حال۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ باقی کہنے ہوں گے وہ سب باتیں۔ میں اپنا کام کروں گا۔ آپ نہ ٹینشن لیں۔ کچھ کرتے ہیں۔" انہوں نے فوراً حل نکال دیا۔

"آپ کی کوئی اپنی مصروفیات میں خیال آتا ہے۔ کہ ہو گا اس عمر میں کس کس چیز کی خواہش ہوگی اور وہ خواہش وہ کس طرح پوری کرتی ہوگی۔ انسان اپنے حواس سے بے خبر ہو کر ایسا کچھ کر سکتا ہے۔ یہ کسی سے نہیں۔ آپ تو اسے کبھی کبھی ہی ملے ہیں۔ وہ اپنی خواہشات کا اظہار اپنی ہم زلف یا ماموں صاحب سے کس حد تک کرتی ہوگی؟"

ماہین نے ان کا ذہن ادھر ادھر کرنے کی کوشش میں بوجھی روشنی کا ذکر چھیڑ دیا۔

"آپ اس کا ذکر نہ کریں۔ اس نے مجھے ہفتہ ہوا کہا ہے۔ اقبال عمری السنعد کی ہے شاید میں عمر بھی اسے معاف نہ کر سکوں۔"

یاور علی خان کی پیشانی کی لکیریں گہری ہو گئیں۔

"کیا کہا ہے اس نے۔ اپنی خالہ سے ایسی ویسی ہے۔ بس سے محروم باپ سے اور کی لے اسے کا کلیکس میں مبتلا کر دیا ہے۔ حواس کے نقصان ہیں۔ وہ بھی شاید آپ کے سر پر نہ پہنچ گئی ہو۔"

"وہ ایک کمفرٹ لائف گزار رہی ہے۔ اسے باپ دادا کی وجہ سے سوسائٹی میں اعلیٰ کی حیثیت حاصل ہے۔ اور انسان کو کیا چاہیے ہوتا ہے؟"

ان کے لہجے سے تلخی کا تاثر بدستور چھلک رہا تھا۔

"سر پر کھڑا ہے انسان ایسے اقتدار کو۔ جب انسان اقتدار اور کامیابی کی ایسی سیڑھی پر پہنچ جائے کہ اسے کمفرٹس کی ضرورت کی احساس تک نہ رہے تو کمفرٹس ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر آپ اس سے خفا ہونے تو وہ اندر سے خوف زدہ ہو جائے گی۔ تو کیا آپ کو سکون نہیں ہوگا؟"

آہی جائے۔ پہنچنے سے پہلے اسے یہ بری واقعہ کا بھی موقع ملا تھا۔

"کوئی گنجائش نہیں ہے اب اس کے لیے بہت مرا کیا ہے اس نے۔" ان کے لہجے میں ایک تلخی پن تھا۔

"اب خون ... وہی بچی سے برادری کی بنیاد پر اس طرح بیک تو نہیں لڑی جاتی ہو سکتا ہے۔ اسے واقعی پچھتاوا ہو۔ دیکھیے کیاں لی اور بن کے نتیجے میں آج انہیں غلطیاں اور بھی ہوئی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اندر سے کبھی بھی بالکل نہ بدلی ہو، زمانے نے بھی تھوڑے آنسو ہوں۔" جواب دیا۔

"آپ اس کی وکالت نہ کریں۔ سب میں جو کر رہا ہوں۔ مجھے کرنے دیں۔" انہوں نے فیصلہ کن انداز اختیار کیا۔

تین خاموش ہو گئی اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

"میں سوچتی ہوں، انسان سے کس قسم کا عمل سرزد ہوتا ہوگا کہ پھر اسے زیادتی راس آجاتی ہے۔ بار بار وہی سلوک۔" وہ کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی۔

وہ ولی خان کے بولنے سے آنچ آنے لگی۔ ان کے کانوں کی لوؤں سے گویا خون ٹپکنے لگا۔ اتنی بڑی بات کہہ دی اور فخر نہیں۔ وہی اتنے آرام سے۔ مگر انہوں نے زبان پر کی موجودگی کو فراموش نہیں کیا اور کنکھیوں سے دیکھ لیا۔

"اتنی پڑھی لکھی نادان نہیں ہوئی ہوگی کہ کہنے کو کوئی خوبصورت بات نہ بچی ہو۔"

"کہاں ہے یہ نادان۔ پتہ کوئی ہائیکٹ ہے۔ جس پر آپ مرحبا ارشاد کر رہے ہیں۔" وہ بات کاٹ کر بہت تیز آواز میں بولی۔

"بچتا ہی نہیں ہے کچھ۔" ان کا لہجہ یکدم برف ہو گیا۔

"ایسے نہیں۔ ہوا اور روشنے کی موجودگی میں کبھی اس فیصلے پر پچھتاوے کا احساس نہیں ہو سکتا جو میرے لیے اپنے لیے قریب تر ہے۔" وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا دل۔ یہ ہائیکٹ تو پھر آپ کا ہوا؟" ولی خان کے لہجے میں واضح تلخی تھی۔

"سودے بازی میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ متوقع منافع ہو۔ ویسے آپ ایک بات غلط کہتے ہیں۔"

"آپ بہت محتاط ہو چلا ہے۔ میرا خیال ہے بات گھر پر ہو جانی چاہیے۔"

ولی خان کی تمام حسیات شاید ہوا کر اطلاع کا الارم بجا رہی تھیں۔

تین خاموش ہو گئی۔

پٹاور سے ہوتی ہوئی پہنچتے پہنچتے تھکن سے بدن نڈھال ہو چکی تھی۔ مگر روشنی کو سامنے پا کر جیسے ایک دم ہشاش بشاش ہو گئی تھی۔ تیرے گھنٹے کے پرواز کے دوران میں جہاز کے درمیان کھڑی روشنی اسے فطرتی حسن کا ایک حصہ محسوس ہوئی۔

"بہت خراب ہیں آپ اب آدھی ہیں؟" وہ تین کے گلے لگ کر شکوہ کناں ہوئی۔

"تمہیں پہلے اس لیے بھیج دیا تھا کہ کوئی تو ہمارے استقبال کے لیے موجود ہو۔" وہ اس گرم جوشی سے بنا کر بولی۔

"اس لیے ہم۔ آپ آئی ہیں تو لگتا ہے کہ گھر ہے۔ خواہ مخواہ رونے لگے تھے۔ وہ بھی رونے لگی۔ روشنی نہیں۔

ولی خان نے ان کے سامان کو ٹرالی پر رکھا اور باہر کی طرف بڑھ گئے۔

روشنی جان نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ ٹرالی لے کر باہر کی طرف بڑھے۔

"تم ڈرائیو کرو گی۔ باہر نکلو۔ پہلے سامان رکھو۔ پھر بات کرتے ہیں۔" ان کی آواز سنائی دی۔

"ایک بار پھر سے وہ ہو جاؤں حالت۔" ان کی کمر کے عقب سامنے روشنی۔ ولی خان اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ایک بار ان کے لگا کہ ابھی جیسے وہ ٹرالی ٹھوکر پھاڑ میں مار دیں گے۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکے۔ ٹرالی لے کر آگے بڑھ گئے۔ پانچ منٹ میں ان کے گاڑی میں رکھ رہے تھے۔ روشنی ان سے کچھ کہہ رہی تھی۔ ٹرالی اپنے آپ سے لگی۔

وہ بہت دل گرفتہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"آپ جا سکتی ہے تین کے لیے۔"

"وہ ہم ہے۔ روشنی اپنے آپ سے تو وہ کوئی نہیں ہوتا چاہیے۔ اپنے گھر، باپ ہوتا ہے۔"

تین کا اخلاقی فرض تھا وہ ساتھ دے۔ اس کے درمیان فاصلے بڑھ رہے تھے۔ شاید وہ اسے سمجھانے لگی۔

"چھوڑیے نا۔ آپ کو کیا پتا مجھے کیا کے تھی محبت ہے۔ مگر وہ اپنی مرضی سے ہی تو چلے ہیں کہ ہمیشہ ان کو اپنا سمجھا ہے ہمارا۔"

وہ اس طرح بولی کہ تین بے ساختہ مسکرا دی۔

ڈرائیونگ کی طرف روشنی نے بڑھ جاتے ہوئے سوالیہ نظروں سے تین کی طرف دیکھا۔ وہ کتاب میں تھی۔ ولی خان کا خط لیے ہوئے کتاب بند کر کے ولی خان کے بریف کیس میں رکھ دی۔ یقیناً وہ اب سب سے پہلے خط پڑھیں گے۔ تین کو موقع ملے گا کہ کتاب بریف کیس سے نکالی جا سکتی ہے۔

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ گھر پہنچنے کی وجہ سے شام کچھ زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ تین تھکن اور رات ہونے کی وجہ سے۔ ان نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

"روشنی جان! کچھ کھانے کو ہے؟ جب سے میں ہاتھ لگا رہی ہوں۔"

وہ کمرے میں آئی تو ولی خان کوٹ وغیرہ اتار کر بستر پر دراز تھے۔ تھکے ہوئے مگر بے حد سنجیدہ ان کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ کچھ سوچ رہے تھے۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تو انہوں نے توجہ دی۔

"طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟" اس نے قدرے تجربے سے اندازہ لگایا۔ ان کی عادت تھی وہ بہت سے "کر چکی ہو" سے شروع کرتے تھے۔

"کیا کہا ہوا میری طبیعت کو؟" انہوں نے سر اٹھا کر استفسار کیا۔ تین اس لہجے سے محظوظ ہوئی۔

"طبیعت نے آپ نے ہاتھ نہیں لگایا۔ باہر کھانے کے لیے کہہ آئی ہوں۔ اس لیے پوچھ رہی تھی کہ آپ

ہاتے ابھی نکلیں گے یا کچھ کھانے کے بعد؟" اسے ایک دم جواب سوجھ گیا۔

"کوئی بات نہیں۔ کبھی کبھی یوں بھی ہو جاتا ہے۔ آپ چائے منگوا لیجیے۔" ان کا انداز مستعد تھا۔

"ماہین۔" ان کے سرد سے انداز سے فضا میں عجیب سی گوارگی سی در آئی تھی۔

"جی۔"

"آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ وقی علیم الدین کے ہاں رشتے پر کیوں معذرت کی گئی ہے؟"

یہ اس غیر متوقع سوال تھا۔

"جی۔۔۔ وہ مجھے کیا پتا۔ شاید علیم اسے پسند نہ ہو۔" اس نے گڑبڑا کر جواب دیا۔ ان کے سامنے جھوٹ بولنا کس قدر مشکل ہے؟ اندازہ تو تھا اسے۔

"کیوں کیا وہ اس کے جوڑ کا نہیں؟" ان کے ماتھے کی شکنیں گہری ہو گئیں۔

"میرا خیال ہے، شاید وہ اس سے کچھ چھوٹا ہے۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے ان کی سمت دیکھا۔

"نان سینس۔ مرد بھی کبھی چھوٹا ہوتا ہے۔ واٹس اے جوک! ایج میٹرز۔ اگر ایسا ہے بھی تو وہ کون سا اور اینٹیل ہے؟ آجر یشن گیپ تو نہیں ہے۔ اس کی شادی تمہیں ہری پور میں ہو گی۔ آپ اس کا سٹیٹس دیکھ لیں۔ سالوں کی تیاری تھی۔ جواد کے ایگزام ختم ہونے والے ہیں۔ اسے بھی ہم کہیں بلا رہے ہیں۔ ویسے بھی میں اسے سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔ وہ ہری پور جانا چاہتا ہے۔ تعلیم کے لیے اور بھی بہت کچھ ہے۔ اور پھر بھی چاہتا ہوں کہ وہ جلد سے جلد سیٹل ہو جائے اور بس۔"

وہ یہ کہہ کر کش لگانے لگے۔

ماہین خاموشی سے سنتی رہی۔

"میرا خیال ہے بابا صاحب سے مشورہ کر کے وقی کی شادی اگلے مہینے کی کسی تاریخ کو طے کر دیتے ہیں۔"

"احساس ذمے داری کے تحت ایسا چاہ رہے ہیں یا اسے خود سے دور رکھنے کے لیے فیصلہ کر رہے ہیں۔" اس نے ان کی بات کاٹ دی۔

"کچھ بھی سمجھ لیں۔ شادی کوئی بری چیز نہیں ہوتی۔ اچھا ہے وہ اپنی عملی زندگی کا آغاز جلد سے جلد کر دے۔"

"اتنی جلدی تو شاید وہ۔۔۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا۔ میری ساری زندگی پراجیکٹس کرنے میں گزری ہے۔ اب میں ٹھہراؤ چاہتا ہوں۔ آپ اسے سیٹ کر دیں۔"

بعض اوقات انسان کے برعکس اس کی اپنی کسی غلطی کی وجہ سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کا بدلہ اسے لینا چاہیے۔" ماہین کہے بنا نہ رہ سکی۔

"سوری۔ مگر یہ بھی تو انسان خود ہی کرتا ہے۔ اگر میں بدلہ لے رہا ہوں تو بہت اچھا کر رہا ہوں۔ جھوٹ تو نہیں کر رہا۔" وہ قدرے برہم انداز میں گویا ہوئے۔

ماہین معذرت پر آمادہ ہو گئی۔ اگر وہ نہ چاہتا تو کیا کر لیتا؟ کام نکل جائے۔

اس لیے ملازم نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ۔" ماہین نے فوراً سے پیشتر کہہ کر اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

یاور علی خان بھی متوقع کر فیلڈ لگا کر بیٹھ گئے۔

ملازم نے ٹرے میز پر رکھ دی اور کچھ حکم کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔

"ہوں۔ بس جاؤ تم۔" ماہین نے اسے اپنے آگے کھسکا کر سے فارغ کیا۔

"بابا بلکہ فیملی۔ وقی کو چائے دی؟" اس نے جاتے ہوئے ملازم کو روک کر سوال کیا۔

"جی میم صاحب نے منگائی ہے اور وہ وہیں پی رہی ہیں۔" ملازم نے سوچ کر جواب دیا۔

"آپ تو زیادہ تر وقت باہر گزارتے ہیں، کیا کبھی کبھار گھر میں بھی آ لیا کریں۔ ہمیں اکیلے کے لیے۔"

وہ ہنس دیا۔ "گڈ آئیڈیا۔" ماہین نے بے ساختہ یاور علی خان کی سمت دیکھا۔

وہ پھر وہی سالک ملیشیا کی طرح تھا۔

ملازم ایک منٹ میں ٹرے لے کر باہر چلا گیا۔

"باپ کا گھر آخر باپ کا گھر ہوتا ہے۔ یہ احساس آپ کی زندگی بھی اس سے نہیں چھین سکتی۔" ماہین چائے بناتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"باپ کے گھر کا احساس کر سکتی ہے۔ باپ کو نہیں۔" وہ تلخی بھرے انداز میں کہہ کر سگریٹ ایش ٹرے میں مسلنے لگے۔

"بد گمانی حد سے بڑھ جائے تو انسان کی حس حزیں ہو جاتی ہے۔ حق چھپ جاتا ہے۔ فریب چھا جاتا ہے۔" ماہین نے چائے میں شکر ملاتے ہوئے خفا خفا سے لہجے میں کہا۔

"آپ کا سینس لیول اتنا ہائی ہے کہ ہم ہائم میں ایڈجسٹ نہیں کر پاتا۔" یاور علی خان نے قدرے سنگین لہجے میں کہا۔

ماہین خاموشی سے چائے میں شکر ملانے لگی۔ پھر اس نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھایا۔ یاور علی خان نے کپ تھاما۔

سامنے ماہین کی نگاہ کھلے ہوئے بریف کیس کی طرف پڑی۔ جوان کے پہلو میں رکھا تھا اور اس میں سے کاغذات جھانک رہے تھے۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ سیاہ اونی نے کتاب نکال کر باہر رکھ دی ہو۔ مگر سے کتاب نظر نہ آئی۔

اور جب کیس میں سے کتاب تو نکال دیجیے جو ہماری نے دی تھی۔" کتاب ہاتھ میں لینے کا یہ موقع وہ کھونا نہیں چاہتی تھی۔

یاور علی خان نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور تکیے کے نیچے سے کتاب نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"دینی علوم کی کتاب ہے مگر آپ جانے کیوں اتنی کانفیڈنس ہو رہی ہیں؟" انہوں نے عام سے لہجے میں کہا اور دوبارہ سے کپ اٹھا لیا۔

مایرہ نے خاموش رہنا مناسب سمجھا اور کتاب کھول کر دیکھنے لگی۔ وہ چونکی سے صفحات ادھر ادھر کر رہی تھی کہ کوئی لفافہ سامنے آجائے۔ مگر کئی بار صفحات ادھر ادھر کرنے کے باوجود کوئی لفافہ نظر نہ آیا۔ اس نے کتاب بند کر کے واپس رکھ دی اور کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگی۔ وہ اسی میں اتنی محو ہو گئی کہ اسے یاور علی خان کی آواز تک سنائی نہ دی۔

انہوں نے بیٹھک کے پیچھے والے حصے میں داخل ہو کر بتی روشن کی اور کتاب شیلف سے برآمد کر کے صوفے پر بیٹھ گئے۔ کتاب کے اندر رکھ دیا تھا۔ کسی وکیل صاحب کا ہے۔ وہ نمبر تو پہنچ میں ہیں اور ایک نمبر ہاتھ سے لکھا ہوا ہے۔ کہیں آپ کے کام تو نہیں آ رہیں؟"

مایرہ اپنی حماقت پر سر پیٹ کر رہ گئی۔ مگر اس نے فوراً ہی خود پر کنٹرول کر کے بڑے سکون سے کتاب ان کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ مگر بعض اوقات معمولی سی بات پر کنٹرول کھو دینے سے انجنیں پیش آ سکتی ہیں۔

البتہ دل ہی دل میں حیران تھی کہ آئے ہوئے زیادہ دیر تو نہیں ہوئی مگر یاور علی خان نے اتنی دیر میں وہ بیٹھک کیسے کھول لیا کتاب بھی دیکھ لی۔ اور پھر یہ بھی نہیں پوچھا کہ ایک متوسل ایڈووکیٹ کے کارڈ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ مایرہ کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ جان بوجھ کر اس معاملے کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ اس خیال کے تقویت بخش ہونے سے مسرت محسوس کرنے لگی۔

اس نے کارڈ کو بظاہر لاپروائی سے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں ڈال دیا اور واپس اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی اور چائے پینے لگی۔ دونوں کے مابین خاموشی کی زبان میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔

مایرہ کو بھی سے بہت معروف تھی۔ بکو گھڑی سینگ اپنی مہارت اور محنت سے کی تھی دوسرے لفظوں میں بہت اچھا بیت لیتا تھا۔ وہ ان ملازم کے ساتھ مل کر کام کیا تھا۔ وہ ابھی تک گھر سے باہر نہیں آئی تھی۔ یاور علی خان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ رات سے اب تک اس کی ان سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی دو مرتبہ وہ بیڈ روم میں آئی تھی مگر اس وقت وہ بہت مصروف تھا یا یہ کہ اس کی دھن سوار تھی۔ دوسری مرتبہ وہ چائے اور ناشتہ لے کر بیڈ روم میں گئی تھی۔ اور بہت محبت کے ساتھ اس نے اسے ناشتہ کرایا تھا۔

کہ وہ ابھی بازار جا رہا ہے۔ ملازم کے ساتھ بکو گھڑی کی بہت ضروری اہم چیزیں لینے۔ یہ بتا کر اس نے یاور علی خان سے جواب کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔

وہ راہداری میں آئی تو سامنے سے ایک خوش شکل خوش لباس نوجوان آتا دکھائی دیا۔ اس نے بہت آہستگی سے مایرہ کو سلام کیا اور ایک طرف ہو کر اسے راستہ دیا۔

"یہ کون ہے خوش دل؟" اس نے اخلاق ملازم کی سمت دیکھا۔

"ڈاکٹر اسلم صاحب کا آپریٹر ہے بیگم صاحب۔" خوش دل نے مؤدبانہ جواب دیا۔

"کیا نام ہے اس کا؟" اس نے پوچھا تھا۔

"سب لوگ شوکی صاحب بولتے ہیں۔ اور زیادہ بات نہیں کرتا ہے۔"

"اچھا، اچھا۔ خبردار جو زیادہ باتیں کیں اس سے۔" اس نے کہا۔

"زیادہ تو نہیں ہے۔ ویسے آپ کو اس سے کیا لینا ہے۔" خوش دل نے حیرت سے پوچھا۔

"ڈاکٹر صاحب کے گھر میں ہے کام کرتا ہے۔ وہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ پتہ چلے۔ اس لیے ہوشیار رہنا۔ سمجھے؟"

"ہاں جی میں بھی آپ کو یہی بتانے آیا تھا۔ بیگم صاحب نے کہا ہے کہ اس لیے ہوشیار رہنا۔ سمجھے؟"

"ہاں جی میں بھی آپ کو یہی بتانے آیا تھا۔" خوش دل نے تائید کی۔

"ہاں، ہاں۔ شادی سے پہلے کوئی گھر کی اسے اونچ نیچ سمجھا رہا تھا۔ بچوں کی ماں ہیں اور کیا۔ ہاں ہاں۔ اچھا ہوا آپ نے بتا دیا۔ میں بھی اس لیے عادت ہے سب کچھ کرنے کی۔ جو بھی ہو تربیت سے لوگ ہیں۔ مگر پتہ نہیں اس گھر نے ہی سب کچھ سکھایا ہے۔" اس نے گویا معذرت کرتے ہوئے سب کچھ کہہ دیا تھا۔

"آپ اجازت دیں تو ایک بات عرض کروں؟" خوش دل بہت جھجکتے ہوئے اجازت طلب کر رہا تھا۔

"ہاں، اسے اس وقت ملازم سے کسی مزاحمت کی توقع نہیں تھی۔ اس لیے بہت فیاضانہ سے اجازت دے دی تھی۔

"آپ بس بیگم صاحب کو سنبھال لیں۔ باقی ان کی بہت فکر کرتے ہیں۔"

"کیوں کیا ہوا ہے اس نے؟" اس نے تشویش کے انداز میں فوراً چونک کر سوال کیا۔

"بہت غصہ کرتا ہے۔ بھول جاتی ہیں تو بہت ڈانٹتا ہے۔ ہم سب ڈرتے ہیں صاحب کو نہیں بتاتا ہے۔ پھر وہ کھانا بھی نہیں کھاتا ہے۔ ہم فکر کرتا ہے۔ ہم کیا کر سکتا ہے۔

ایک روز اس صاحب نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ بہت روتا رہا۔ اس نے خود کو اور بھی دیا۔ وہ اس کو کھانا کھلا رہا تھا۔"

"اور جو بولی میں ہوتا ہے۔ کبھی کبھی اوتا ہے۔ آپ نہیں جانتا؟" خوش دل نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں جی۔" اس نے اندازے سے پوچھا۔

"بس اور سب اس کو خان بولتا ہے۔ بہت اچھا ہے۔ بہت پڑھا ہے۔ ابھی بچہ ہے۔" خوش دل نے اپنی دانست میں اطلاع بہم پہنچائی۔

"اوہ۔" مایرہ نے گویا سر ہلایا۔

"پھر وہ صحیح سمجھا گیا تھا۔ اس صاحب نے اٹھ کر پوچھ گچھ کی۔ ہم بتایا اور وہ خوش ہو گیا تو بہت خوش ہوا۔ پتہ نہیں کیا کیا؟"

"ہوں۔" مایرہ گویا گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"پھر اس کے بعد تو بیگم کی بڑی لمبی لمبی باتیں ہوئی۔ میں نے دروازہ بند کر لیا۔"

"ٹھیک۔ پر وہ اس طرح کھانا نہیں کھاتا ہے۔ بس صاحب دل چاہتا ہے کھاتا ہے۔ اور اس کی بہت فکر کرتا ہے۔ صاحب اور اس کے بیوی کا۔ ڈاکٹر صاحب بھی اس سے بات نہیں کرتا ہے۔ اور بات نہیں کرتا ہے۔ آپ بیگم صاحب کو بتا دیں۔ بیگم صاحب۔"

وہ بہت تحمل اور بردباری سے کہہ رہا تھا۔ اس کی اپنائیت سے مایا کے دل پر بہت اثر ہوا۔

"ہاں خوش دل! آپ مجھے صرف اسی کا فون کرتا ہے۔ میرا تو ہاتھ ہی نہیں پہنچتا۔ میرا اس بگڑے نواب کا ایک ایک کام پورا کرنا۔ میں اس کی دوسری ماں ہوں اور یہ فتنہ بہت کمزور ہے مگر میں اس کی سگی خالہ بھی ہوں اور یہ فتنہ بہت سعادت مند ہے تم فکر نہ کرو۔ ٹھیک ہو جائے گی وہ۔"

اس نے آج تک کبھی گھریلو ملازم سے اتنے قریب ہو کر بات چیت نہیں کی تھی۔ مگر اس بوڑھے میں اس نے بلا کی ہمدردی محسوس کی تھی۔

"دراصل وہ اکیلے میں گھبراتا ہوگا۔ اب آپ آ گئی ہیں تو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

خوش دل نے مایا کے انداز سے بہت اچھی امید باندھ لی تھی۔ اس لئے مطمئن انداز میں کہا تھا۔

ملازمین کی اور چوکیدار سے اس کے اصحاب مل ہو چکے تھے۔ یاور علی خان اپنی باتوں میں مگن تھے۔ باقی ادھر ادھر ٹہلتی رہی۔ روشنی دن بھر کی کمر بند کر نکلی تھی۔ اس کا اپنا سوا بھی نہیں تھا۔ باتیں کرلے کا کمرہ اور اندر کے بیڈ روم کی روشنی ہی دے سکتی تھی اور روشنی کو باتوں میں لگا سکتی تھی۔

دوسرا پر آنچل جھاڑ کر بے پائیں باہر چلی آئی۔ یاور علی خان سے یہ کہہ کر کہ روشنی کے پاس جا رہی ہے وہ آہستہ کے پیر میں چلی آئی تھی۔

آہستہ مایا کو دیکھ کر سر و قد کھڑا ہو گیا۔ "السلام بیگم صاحبہ۔"

"والسلام۔ اتنی لمبی ڈیوٹی ہوتی ہے آپ کی؟" وہ سامنے پڑی لیدر کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"جی نہیں۔ ایک کال میں پانچ بجے آف ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد کال صاحب آ جاتے ہیں۔ مگر آج ان کے ساتھ پرابلم ہو گئی ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ کبھی ان کے ساتھ کبھی میرے ساتھ وہ بڑے سوہانے انداز میں جواب دے کر مسکرایا۔

"ہوں۔"

"بھئی، مجھے تو یہ لائف ہاؤ ٹوفی سی محسوس ہوتی ہے۔ دم گھٹتا ہے اپنے کمرے میں خود کو ان دال کرنے کا مزاج کچھ اور ہے۔"

اس نے بند مٹھی کھول کر گویا اس کے سامنے کیا جو اس نے دراز سے نکال کر پہلی فرصت میں اپنے ہی میں رکھ لیا تھا۔ کھل بے تیاری ظاہر کرنے کیلئے یاور علی خان کے سامنے دراز میں ڈال دیا تھا۔

"یہ تیسرا نمبر ہے ہوٹل انٹرنیشنل کا ہے۔ یہ لو دیکھیے۔"

"آپ نے زحمت کی آپ اپنے بیڈ روم سے حکم فرماتیں۔ میں لاتا۔" آہستہ خیرالی سے کہہ رہا تھا۔ "نہیں۔ بس میں دو منٹ ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ آپ بھی پلیز نمبر ملا کر یہ میسیج خالی کر دیجئے گا۔" اس نے قدرے تحکمانہ انداز اختیار کیا۔

وہ سلام کر کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ پھر اس کائنات کر مایا کی سمت قدرے سر جھکتے ہوئے وہ نمبر ملا کر نمبر ڈائل کیا۔

"جی۔ ہیلو۔ فرمائیے۔ میں ہوٹل ہوں۔ یہ ایک نمبر ہے کیا کوئی نمبر سے ڈائل ہوا ہے۔ جی۔"

مایا نے اس کے ہونٹوں کی جنبش دیکھی۔

"شکریہ۔" مایا اس کے جواب سنتے ہی جلدی سے بولی۔ "ہوٹل کے کسی ملازم کا نمبر ہے۔ وہ کچھ گڑبڑ محسوس کر رہا تھا۔ وہ جگہ پوچھ کر کہ خود ہی پہنچ سکتا تھا۔"

قدرے قبل سا ہو کر وہ نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

"بیل جا رہی ہے میڈم! کس سے بات کیجئے گا؟" اس نے ہاتھ میں پکڑا فون مایا کو پیش کیا۔

"نیور علی خان سے۔"

"ہولڈ نہیں کیجئے۔ آپ یوں کہئے کہ نیور علی سے بتائی بیگم عالم بات کرنا چاہتی ہیں۔" اس نے ناخلف کے گھر والے کی کوشش کی۔

آہستہ نے نظریں جھکا کر اپنی حیرت چھپائی اور مایا میں آنے والی آواز کی سمت متوجہ ہو گیا۔

"میں ہیلو۔ مسز نیور سے بات کرائیے۔ جی محترمی سے ان کے بھائی بیگم عالم بات کرنا چاہتی ہیں۔"

آہستہ نے ریسیور مایا کی سمت بڑھایا اور خود کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا وہ پھر باہر نکل گیا۔

ریسیور میں انتظار سنائی دے رہا تھا۔

چند لمحوں بعد ہی نسوانی آواز ابھری میں ابھری۔ "جی بیگم السلام علیکم۔"

مایا کا دل بڑی تیزی سے دھڑکا تھا۔ ایک لمحے کو تو جیسے گویائی ہی سلب ہو کر رہ گئی تھی۔

"ہیلو۔ ہیلو!" دوسری جانب سے ذرا بلند ہیلو ہیلو کر رہی تھی۔ ایسی دھیمی آواز اور صاف سنائی دی۔

سامعہ کو اطمینان ہے کہ خوشگوار حیرت ہوئی۔

مایا نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔

"السلام علیکم۔" اس نے بمشکل سلام کہا۔ بڑی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ آپ کون؟" بارعب ایک نامانوس آواز محسوس کر کے بڑی طرح چونک پڑی تھی۔

"میں جو کوئی بھی ہوں، کیا آپ سے بات کرنے کی سعادت حاصل کر سکتی ہوں۔"

"آپ کا نام؟" وہ بے تابی سے اس کی بات کاٹ کر پوچھ رہی تھی۔

"نام بتانے کے بعد آپ بات نہیں کریں گی؟" مایا بہت دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"ہیلو!" مایا کا انداز بے قراری لیے ہوئے تھا۔

"جی۔ کون محترمہ سے بات کرنا چاہیں؟" سعادت یار سے تیمور علی خان کی آواز ابھری۔

"ایان" دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ اس نے بے ساختہ ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ضرور اسی کی نسبت سے اس کا فون آیا ہے۔"

"ہیلو!" تیمور علی خان مسلسل ہیلو ہیلو کر رہے تھے۔

اس کی خود اعتمادی اچانک ہوا میں اڑ گئی تھی اس لیے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ فون بند کر دے۔ وہ یہ بات کسی طرح سوچ کر پھر کوئی قدم اٹھائے۔ اس نے ٹانگ کے تھکا دینے والے احساسات کے ساتھ ریسیور کریڈل پر رکھا اور نکل آئی۔ اسے آپریٹر آس پاس کہیں دکھائی نہیں دیا۔

وہ دکھ کے گہرے سمندر میں غوطے لگا رہی تھی۔ "آپ کا نام" ایک تشنہ ہو جانے والی آواز نے اس کا احساس بھی درہم برہم کر دیا تھا۔

"ایکسکیوزمی میڈم۔ یہ آپ کا بیگ۔" اسے پشت سے آپریٹر کی آواز آئی۔ اس نے گویا پلٹ کر دیکھا۔ "میں نے اطلاع دینے کی بہتیری کوشش کی مگر آپ کسی طرح متوجہ نہیں ہوئیں۔"

"تھینکس۔" اس نے کہا اور اس کے ہاتھ سے لے کر چند قدم کے فاصلے پر موجود اپنے بیڈ روم کے بند دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ اور گویا اطمینان کا سانس لیا تھا۔

نہ آئی تو یاور علی خان ہنوز اپنے کام میں مصروف تھے۔ سیاہ ہائنڈ سوٹ میں ملبوس گریبان کھولے بالوں کو کھلا چھوڑے گویا وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھے۔ انہوں نے اس کی آمد کو محسوس تو کر لیا تھا مگر کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔ یہی رویہ ان کے بارے میں ہر قسم کی رائے قائم کرنے میں کوئی فرق ڈالتا تھا۔

وہ ارادوں سے اپنا شبہ خوابی کا لبادہ نکال کر ڈریسنگ کی طرف بڑھ گئی۔

واپس آئی تو انداز بھی ہنوز تھا۔ وہ برش اٹھا کر بالوں میں چلانے لگی۔

ڈریسنگ ٹیبل بیڈ کے بالکل برابر میں تھی وہ ان سے بہت کم فاصلے پر کھڑی آئینے میں خود کو دیکھ رہی تھی۔

"روشنی کو دوسرے کمرے میں جانے کا آپ سے کہا تھا؟" یاور علی خان نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔

"ہوں۔" وہ عجیب رمانی کی کیفیت سے دوچار تھی۔

"سو گئی وہ؟"

"آپ کی بلا سے۔" وہ بہت نرم انداز میں سخت بول گئی۔

"کیا بات ہے بھرپور ازدواجی کا موڈ ہے؟ آئی ایم سوری۔ مجھے احساس ہے۔ میں نے بہت دنوں سے آپ کو اٹنڈ نہیں کیا۔ آج صرف اپنی باتیں کریں۔"

انہوں نے واقعی نگاہیں سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیں۔

بے چین تو انہوں میں ان کا یہ انداز شاید اسے لبھا لیتا۔ مگر آج اس انداز پر اس کا دل بھرا تھا۔

یوں بھی آج ساعت پر صرف ایک آواز کی دستک ہو رہی تھی۔ "آپ کا؟"

"مجھے بتانا چاہیے میں وہ ہوا تھی ہوں۔" اس نے وہ جملہ ادا کیا جو اب تک

"جی میں آپ سے واقعی کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے آپ سے بات کرنے کے لیے

تھا۔

"کیا بات کرنی تھی؟" اس کے لہجے سے آئی آئی۔

"بات کرنی تو آپ کو بھی ہے میرے ساتھ۔" انہوں نے ہاتھ بڑھا کر بیل بٹن آف کر دیا۔

"میں نے کئی بار آپ سے کہا ہے کہ مجھے اس نام سے بہت چڑ ہے۔ مجھے بہت برا لگتا ہے۔"

"جب میں آپ کو اس نام سے پکارتا ہوں تو آپ کو برا لگتا ہے۔ جب آپ کے ہونٹ اس نام کو ادا کرتے ہیں تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔" انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسکیوں سے رونے لگی۔

یاور علی خان نے پہلے تو بیل بٹن آن کی پھر کمرے میں تیز روشنی کر دی۔ وہ خاصے پریشان دکھائی دیے تھے۔ وہ میں نے رونے کا انداز بہت غیر معمولی تھا۔ جس کا غیر معمولی پن وہ اپنی تمام حسیات سے محسوس کر رہے تھے۔

"ایان!" وہ اسے شانوں سے تھام کر بیٹھ گئے۔

"کیا ہوا ہے؟ مجھے نہیں بتائیں گی تو پھر کسے بتائیں گی؟" وہ اس کا سر اپنے شانے سے لگائے بہت نرمی سے تاسف

تھے۔

"پتا نہیں۔ بس وہ ایسے ہی ایمان بھائی بہت یاد آ رہے ہیں۔" اس نے خود پر بمشکل قابو پا کر جواب دیا۔

"بس اتنی سی بات ہے۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ آئی ایم سوری آپ چلے گئے تو آپ کو چلے جانا چاہیے تھا کہ کچھ دن ان کے پاس رہتے۔ آپ کی بھابی کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہیے تھا۔ یہ بھی کوئی مسئلہ ہے۔ ڈانٹ لیا بس۔

انجانیا ئیں۔ عجیب میں ایمان کو یاد کر کے کتنی مرتبہ روئیں۔" وہ تکیے کے نیچے سے رومال نکال کر اس کے آنسو صاف کرنے لگے۔

"کاش اس قسم کے اور بھی رشتے دار ہوتے جو اپنے ہوتے ہوئے اپنا کہتے تو آنسو پونچھنے والے ہاتھ کتنے زیادہ ہوتے۔ کتنے زیادہ دل ہوتے۔ جن کو محبت سے بسنے دینے کے لیے انسان کتنے نقصان کے سودے منظور کر لیتا ہے۔ وہ نقصان جو ہاتھوں اور ہاتھوں کے درمیان پھیلے راستے میں کہیں بھی کسی بھی موڑ پر پیش آ سکتے ہیں۔ جیسے وہ تکلیف دہ لمحہ جو ایسے لمحے کو بھی ہونے سے پہلے گزر جانے کو کہتی ہے۔ جس کا جواب اور کا کوئی حسن کے بعد کسی بدصورت وقت کا سامنا ہو جائے۔ ایسے اور اگلے کے بعد اندر کا بیرا تھا کہ کھلا اور بے معنی ہو جاتا ہے۔ عظیم انسان محبت کا اور اگلے عظیم انسان محبت کا تکلیف ہے۔ پھر اس کے بعد وہ کیا کیا جاتا ہے؟

"شاید وہ جو آپ اور ہیلز یاد صاحب" اس نے انجانے انداز میں کہا۔

"اوہ گاڈ۔" یاور علی خان کو اس کی بات پر اعتبار نہیں آیا تھا۔ انہیں محسوس ہوا وہ غلط سمت میں جا رہے ہیں۔ ان کے بیان کا من مانا اور باقاعدہ انہوں نے رومال رکھ دیا اور اٹھ کر لائٹس آف کرنے لگے۔

بابا صاحب نے ہادی کو بلایا تھا۔ ان کا رات گئے بلانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ سوچوں میں الجھا ہوا ان کی خواب گاہ کی طرف آیا تھا اور بہت آہستگی سے دستک دی تھی۔

"ہوں۔ آ جاؤ۔" بابا صاحب کی آواز آئی۔

وہ اندر داخل ہو گیا۔

"ملی خان۔ آپ نے یاد کیا۔"

"ہاں بھئی۔ ہم نے ہی یاد کیا۔ آؤ بیٹھو۔" وہ نیم دراز لیٹے ہوئے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ ہادی ان کے بڑے سے پلنگ کی پائنتی کی طرف بیٹھ گیا۔

"آج شام یاور کا فون آیا تھا۔" وہ یہ کہہ کر رک گئے جیسے کچھ سوچ رہے ہوں۔ ہادی ان کی بات آگے بڑھانے کا انتظار کرنے لگا۔

"وہ کہہ رہے ہیں کہ روشی کی شادی اگلے مہینے کی کسی تاریخ کو ٹھہرا دیں۔ مگر ایک الجھن جو ہمیں پریشان کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ تیمور ہمیں دو تین مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ اب روشی کی شادی میں جلدی نہ کریں۔ ہم نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ کچھ عرصہ بعد بتائیں گے۔ ہماری پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ تیمور اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں اور وہ کیا وجہ ہے جو ہمیں معلوم ہے اور کسی کو معلوم نہیں یا ور علی خان روشی کے باپ ہیں۔ اہمیت اگلی بات کی ہے۔ ہم ان کی بات کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ ہمارا ذہن تو سوچ سوچ کر تھک چکا ہے۔ تم کچھ بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

وہ بے بسی سے انداز میں پوچھ رہے تھے۔

"آپ بابا جان سے کہہ دیں کہ یاور علی خان کا یہ ارادہ ہے اس لیے جو وجہ ہے وہ ور کیے بغیر بتا دیں۔"

ہادی نے قدرے جھجکتے ہوئے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"ہوں۔ یہ درست ہے لیکن فرض کرو اگر تیمور نے ایسی وجہ بتائی جس سے شادی میں مزید تاخیر ہو سکتی ہے تو اس کو کس طرح سمجھایا جائے گا؟"

"یہ تو وجہ ظاہر ہونے کے بعد خود بخود واضح ہو جائے گا کہ اب کیا کرنا ہے؟" ہادی نے بڑی حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا۔

"ہم سوچ رہے ہیں۔ وجہ کیا ہو سکتی ہے کچھ اندازہ نہیں۔ آخر وہ بھی تو اس کی ماں ہے۔" بابا صاحب نے اتنی آہستہ آواز میں کہا گویا یہ الفاظ انہوں نے بھی احتیاط کر رہے ہوں۔

ہادی خاموش رہا۔ اس کے اور دلاور علی خان کے مابین آج تک تاثرین کے موضوع پر کبھی براہ راست بات چیت نہیں ہوئی تھی۔

جب کبھی سراغ جاتے تھے تو اس کے ساتھ جاتے تھے کہ ہادی کل صبح سراغ جانا ہے بہت دن ہو گئے ہیں ملے ہوئے۔ تیمور تو خود ہی آ جاتے ہیں ہم سے ملنے کے لیے۔ کبھی اذیت ناک زندگی کا انتخاب کیا ہے اس نے اپنے لیے۔"

وہ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔

"بڑی اکتاہٹ بھری پھر رکھا ہے یہ دل پر اس نے۔ سوچتے ہیں کبھی کبھی ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں اللہ سے بڑی طرح لڑنے کا دل چاہتا ہے تو دل چاہتا ہے اپنا ہی سر پھوڑ لیں۔" بابا صاحب کی آواز بھرا گئی تھی۔ ہادی کچھ بول نہیں سکا۔ بابا کو سنبھالنا مشکل تھا۔

ایسے وقت اور اختیار شخص کی حالت پر کس بیٹا نے بھی بہت تکلیف محسوس کی ہے۔

مگر مسئلہ یہ ہو گیا تھا کہ وہ اب اس کی دلجوئی کے لیے مناسب الفاظ استعمال کرنے کے بجائے بھی اس کے اپنے الفاظ اس کے لیے تلخی بن گئے تھے۔ وہ کوئی بھی طریقہ سمجھانے کے لیے اس کے اپنے الفاظ ہی تھے۔

"ہادی۔ بیٹے! ہم کیا کریں۔ بتاؤ۔ ہادی کوئی تو ہو جو ہمارے اس مسئلے کا حل نکالے۔ کیا ہم اپنے بچوں کے لیے بچوں کے ہاتھوں اتنے بے بس ہو گئے ہیں۔ ہمارے بھی تو بچے ہیں۔ ہم نے بھی تو ان کے لیے کچھ سوچا ہوگا۔ ہم بھی تو کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

"آپ اتنا مت سوچیں۔ میں فون کرتا ہوں۔ بابا جان کو بلا لیتا ہوں۔" وہ آپ سے بات کرنے لگے تو شاید کوئی راہ نکل آئے گا۔" ہادی نے تسلی دی۔

"صرف ایک پریشانی تو نہیں ہمیں۔ ہو سکتا ہے وہ ہو۔ مگر ہمیں یہاں محسوس ہوتا ہے کہ تیمور ہمیں بلیک میل کرنے کے لیے روشی کے رشتے پر رضامند نہیں ہو رہے۔ وہ اس کے حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ رضامند نہیں ہے اور اسے اختیارات ابھی اور بھی ہیں۔ ہم اپنی بات دونوں سے منوا سکتے ہیں۔ کل کلاں روشی کو خصومت کر سکتے ہیں۔ مگر یہ حیثیت باپ ہونے کا احساس ہمیں بے اختیار کر دیتا ہے کہ کہیں دشمنے بچوں کے دکھوں میں اضافہ نہ ہو جائے۔ وہ ہم سے التجا کرے کہ ہماری موت کے بعد ہمیں ایصال ثواب پہنچانے کے لیے کچھ خیرات بھی کر دیا کریں۔"

ہم تیمور کے سامنے بہت کمزور پڑ جاتے ہیں ہادی۔ ہمارا دل ایک بار اپنی خود غرضی کے سبب اس کے ساتھ آ چکا ہے۔ وہ خود غرض نہیں اندر سے ایک کی طرح آج بھی ہو رہی ہے۔ اس نے کالج کے عرصے آج تک ایک خاص شائستگی کو اپنائے رکھا ہے۔ ہم سے نہیں لیا۔ شاید کسی دکھ کا اظہار کیا۔ وہ عائشہ کے پاس اندن چلا گیا تھا تو ہم نے کچھ محسوس کیا تھا۔ مگر وہ عورت بہت بے وفا نکلی۔ بچے سوتیلے جیسا برا رویہ رکھنے لگی اس نے۔ خود بھی آنکھیں کے سامنے سے ہٹا دیے کو بھی رکھی کیا۔

ہادی! ہمیں کبھی کبھی آتا ہے وہ روشی کے معاملے میں مداخلت کر کے کبھی یاور کو اذیت دینا چاہتا ہے تو کہیں ہم اس کی خاطر ہی تو نہیں۔"

"نہیں خان۔ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ وہ بھی روشی کی زندگی کے ساتھ جوان کی نگاہ میں کھیلی ہے تصور ہے۔" ہادی نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"اس خیال سے تو ہمارا بھی جی کھٹا ہوتا ہے۔" دلاور علی خان نے تائید کی۔

"ہماری تو نیند ہی اڑ گئی ہے۔" وہ تاسف کر رہے تھے۔

"صبح آپ کاظم جان کو بلوائیں۔ بے فکر ہو جائیں۔ وہ ضرور آپ کا خیال کریں گے۔" اماں تسلی دیتے ہوئے ایک انجانے احساس غم سے چور تھا۔

"ہاں تھوڑا کرنا ہی پڑے گا۔ کاش یہ شادی پہلے ہو جاتی اور یہ مسئلہ پیدا نہ ہوتا۔" وہ ہاتھ سے کرسی کو اٹھ کھڑا ہوا۔

"مسئلوں کو قسم کرنے کے لئے ہم جیسے لوگ کیے مگر مسئلے اپنی جگہ موجود ہیں۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑا رہے تھے۔

"ہم اس لیے منع کر رہے ہیں اس رشتے سے کہ وہ کسی اس رشتے پر راضی نہیں ہے۔" تیمور علی خان ظہر سے پہلے ہی چکے تھے اور اب باپ بیٹا بند کمرے میں بات چیت کر رہے تھے۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے ہاں ان معاملات میں لڑکیوں کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" بابا صاحب نے ان کا متوقف یکدم مسترد کر دیا۔

"مسئلہ ہے بابا صاحب! وہ تین سے سال کہہ رہا ہے کہ اپنی بیٹی کے ساتھ زبردستی نہیں کریں گی۔ وہ ذہنی طور پر نارمل نہیں ہے۔ وہ جو قدم اٹھائے گی وہ بحیثیت گارجین اسکو سپورٹ کریں گی۔" تیمور علی خان نے دھیمے لہجے میں بتایا۔

"نہ وہ بے وقوف لڑکی عاقل ہے اور نہ ہی اس کی گارجین۔" بابا صاحب نے پیشانی پر تعداد میں بل ڈال کر جواب دیا۔ "اسے یاد دلایا ہوتا کہ وہ خود کو بچوں کے لیے مار چکی ہے۔ جب وہ ہے ہی نہیں تو یہ معاملہ کیا معنی؟" وہ ناراضگی سے مڑ گئے تھے۔

"لیکن یہ بھی تو ٹھیک ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اور اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی پر رد عمل کر سکتی ہیں۔"

"یہ زیادتی ہے؟ اچھے گھر میں شادی کر رہے ہیں ہم اس کی بیٹی کی۔ اکلوتا لڑکا ہے وہ۔ سب کچھ اسی کا ہے۔ صورت شکل تعلیم سب ہی کچھ تو ہے۔" وہ ہنوز ناراض لہجے میں بات کر رہے تھے اور قطعی بے خبر۔

"مگر اس طرح کی جنونی اور ناسمجھ لڑکی کی زبردستی شادی سے وہ خاندان بہت مسائل کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔" تیمور علی خان نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ یہ سب شادی سے پہلے کی باتیں ہیں۔ شادی کے بعد لڑکی اپنے اندر بہت سی تبدیلیاں پیدا کر لیتی ہے۔"

"یہ لڑکی ایسی نہیں ہے۔" تیمور علی خان نے باپ کی بات کاٹ دی۔ ان کے انداز میں بڑی مضبوطی اور قطعیت تھی۔

"پھر تمہیں کیا اندیشے ہیں۔" بابا صاحب اپنی بات پر اڑے ہوئے تھے۔

"یاد رکھیے گا بابا صاحب! آپ جانتے ہیں ہم نے کبھی آپ کے معاملات میں دخل نہیں دیا۔ لیکن اس بار ہم آپ کے قریب آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم نے کچھ غلط نہیں کہا۔ آپ کو اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ لڑکی ہمارے پاس اطلاع لے کر آئی تھی۔ ہم اس کی مدد کر سکتے تھے۔ اس کے لیے کوئی راستہ نکال سکتے تھے۔ مگر آپ کی وجہ سے ہم نے اس کو واپس بھیج دیا۔ اب وہ کیا کرے گی اس کا اندازہ آپ کو ہونا چاہیے۔ ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔" تیمور علی خان کی آواز میں بے بسی تھی۔

"کس قسم کی مدد چاہئے تھی اسے ہم سے؟" بابا صاحب کا لہجہ ایک دم تبدیل ہوا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔ تیمور علی خان نے بتا دیا۔

"میں کہہ چکا ہوں آپ سے کہ ہم اس کا مسئلہ حل کر دیں گے۔" تیمور علی خان نے بے حد مشکل سے کہا تھا۔

"تم سے یہ درخواست کیا تھا اس نے؟" بابا صاحب نے تیمور علی خان کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

تیمور علی خان گہری سانس لی۔ اور بہت آہستہ سے کہا۔ "جی۔"

کمرے میں یکدم ہمہ گیر سکوت طاری ہو گیا۔ دونوں باپ بیٹے خاموشی کا توڑ تلاش کرنے لگے۔

"اور تم کیا کہتے ہو اس لڑکی کی بات ہم سے منوانے لگے۔ کیا طرفین ہونا تھا تمہارا؟" وہ کرسی پر بیٹھے اس کو سمجھانے لگے۔ بڑوں کے فیصلوں پر اعتراض کا حق نہیں دیتے۔ انا میں قائل کرنے کے چکر میں پڑ گئے۔ "بابا کی جان تھی وہ۔ ہم ان کے لیے ہیں۔"

"بابا صاحب! بہت کچھ ہونے کے باوجود ایک بہت بڑی کمی ہے ہماری زندگی میں۔ اور یہ کمی ہم سے کبھی پوری نہیں ہو گی اور وہ بھی اپنے بچوں کی زندگی میں۔

آپ نے اور بھائی میاں نے ہمیں جتنی دلایا تھا کہ تقریر کے شادی کے بعد ٹھیک ہونے کی ذمہ داری پر مبنی ہے نہ ہی ڈاکٹر کے مطابق اسے کوئی ٹریکل پرابلم نہیں ہے۔ ہم نے بھتیجے کے لیے خود غرضی کا مظاہرہ کیا۔ اور آپ کی بات مان لی۔ پھر آپ کے حوالے کر دی کہ اس کا باپ اس برادری میں ساتھ سال کے بڑے سے اس کا نکاح کر رہا تھا۔ ہم سمجھ گئے تھے دونوں کی تکلیف کے بعد لیٹا سے بہتر اور بچے پارٹنر تو مل جائے گا۔ تھوڑا سا اس معاملہ سمجھ سے بڑے سے بہتر ہے۔ مگر عمر ایک حد نہیں ہو سکتی۔ ہم تھوڑا سا گلٹی فیل کر رہے تھے۔ بہت تھوڑا سا۔

گھر والوں نے تو ایک رات میں اکیس سال پہلے کے تیمور علی خان کو زندہ کر دیا۔ وہ بے حسی جو ہم نے اپنے آپ سے انتقام لینے کے لیے اوڑھ لی تھی۔ اس لڑکی نے نوچ ڈالی ہے۔

اماں ذات اس لڑکی کی بہت سی محرومیوں کی ذمہ دار ہے۔ بابا بھی ذمہ دار ہے۔ ہمارے وجود کا حصہ ہے۔ اور ہمارے ساتھ رہتے ہوئے بھی اسے کبھی اس کے حق سے محروم نہیں ہونے دیا۔ اس کے والد محترم سے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے حق مانگ لیتی ہے۔ کبھی خوف نہیں کھایا اس سے۔ ان کا کتنا قرب حاصل رہا۔ آپ اور ہم باپ ہیں ہم بھی آپ کی غلطیوں کی نشان دہی نہیں کریں گے مگر خود اپنے آپ کو تو ملامت کر سکتے ہیں۔ اپنے گناہوں کا اعتراف تو کر سکتے ہیں۔ بابا تو ہو سکتے ہیں مداوا کرنے کو

کوشش تو کر سکتے ہیں؟"

تیمور علی خان کے لہجے سے تپش آ رہی تھی۔ دکھوں کا ایک الاؤ تھا جس میں کراہیں سسکیوں کی طرح تڑپ رہی تھیں۔ دلاور علی خان تو جیسے سانس لینا ہی بھول گئے تھے۔

"ہم اپنے ہاتھوں سے مزید دکھ نہیں دے سکتے۔ آپ ہمیں معاف کر دیں۔" وہ اتنا کہہ کر بلک بلک کر رو دیں۔ دونوں کے درمیان ایک بے حس خاموشی چھا گئی۔

"تم خیر خود کی حیثیت سے اسے اچھا برا سمجھا تو سکتے ہو تیمور۔" دلاور علی خان نے چند لمحوں بعد خاموشی توڑی تھی۔

"ہم نے چچی اس کی بات کھول لی ہے۔ اس لیے یہ آئی ہے۔ لگتا ہوا ہوئے تھا۔ یا تو وہ ہماری بات کھول لیتے۔"

"یعنی تمہارا مطلب یہ ہے کہ علیم الدین کو جواب دے دیا جائے؟ مگر کیا تم ہمیں یہ بتانا پسند کرو گے کہ اس نے تمہیں بات سمجھائی ہے؟" بابا صاحب نے سوال کیا۔

"ہم آپ کے احسان مند ہوں گے۔ آپ ابھی فرصت میں یہ قصہ ختم کر دیجیے۔ آپ کے مکمل سوال کا جواب ابھی نہیں ہے۔"

"اب یہ اتنا آسان نہیں ہے تیمور۔ یاور فوراً سے پیشتر اس کی شادی چاہ رہے ہیں۔" دلاور علی خان بولے تھے۔

"آپ یہ رشتہ ختم کر دیں گے تو وہ کیا کر سکیں گے۔ رشتہ طے بھی تو آپ ہی نے کیا تھا۔"

تیمور علی خان تو فیصلہ کن حالات میں تھے اس لئے ان کا ہر جواب دو ٹوک اور بے دھڑک تھا۔ ظاہر ہے ان کی صورت سے یہ

"کیا بدلہ لے رہے ہو بیٹے ہم سے؟" دلاور علی خان نے جیسے شکست مان لی۔

"اتنے برے گمان کر کے ہمیں اپنی ہی نظروں میں نہ گرائیں بابا صاحب بس اتنا چاہتے ہیں کہ دکھوں کا سلسلہ تھم جائے۔" تیمور علی خان کا لہجہ بھی شکستہ تھا۔

"بہت مشکل ہو جائے گا تیمور۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔" بابا صاحب گویا ہوئے۔

اگر اس مسئلے کا نتیجہ کسی حقیقی خوشی کی صورت میں نکلے تو بابا صاحب سستے ہو جانے دیں۔" وہ اپنے [illegible] بھیرتے ہوئے تفکر انہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

دلاور علی خان نے آنکھیں موند لیں۔ ان کی تھکن آلود پیشانی سے ظاہر تھا وہ کسی گہری سوچ میں ہیں۔

"ہم ذرا بی بی جان سے مل لیں۔ وہ کل دنوں سے ہمیں بلا رہی تھیں۔" تیمور علی خان اٹھتے ہوئے گویا ہوئے۔

"ہوں۔" دلاور علی خان نے غائب دماغی کی کیفیت میں ہنکارا بھرا۔ تیمور علی خان کمرے سے باہر آ گئے۔

حویلی کی راہداریوں میں سناٹا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا، سب اپنے اپنے کمروں میں بند ہو چکے تھے۔ دلاور علی خان

سے بچتے تھے۔

تیمور علی خان کے چہرے جوتوں کی چرچراہٹ اس خاموشی میں بہت واضح تھی۔ داجی کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اس چرچراہٹ ہی سے اندازہ لگا لیا تھا کہ تیمور علی خان آ رہے ہیں کمرے کے باہر ہی سے [illegible] ہے [illegible] خان۔"

اور چند لمحوں بعد۔ تیمور علی خان واقعی سامنے کھڑے تھے۔

"ابھی کچھ پروسیڈ نہیں ہوا باہر۔ بابا بہ حسب معمول سو رہے ہیں۔"

"اوکے۔"

ڈارک براؤن پینٹ اور سفید کلر کی شرٹ میں ملبوس تیمور علی خان کا انداز بہت پرسکون تھا۔ داجی نے ان کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا تھا اس کی نظریں ان کے ڈارک براؤن چمکتے ہوئے جوتوں پر ٹکی تھیں۔ مگر اس نے محض ان کے لہجے سے محسوس کر لیا تھا کوئی "گڑبڑ" نہیں۔

"ہم بی بی جان کے کمرے میں ہیں۔ کوئی بات ہو تو کہہ سکتے ہو۔" وہ پلٹ گئے۔

"جب کچھ پروسیڈ" ہی نہیں ہوا تو بات کیا کریں خان۔" وہ دھیرے سے منمنایا۔ دل ہی دل میں کہہ کر۔ بھاگتے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں بابا صاحب آپ۔؟" یاور علی خان تو جیسے سناٹے میں آ گئے۔ مائیں اپنے سر میں مساج کر رہی تھی۔ اس کے گردش کرتے ہاتھ رک گئے۔

"مگر کیوں؟ کل تک تو اس لڑکے میں دنیا جہان کی خوبیاں تھیں، وہ نہیں واقعی بڑا شاک پہنچا تھا۔ بابا صاحب سے یہ سن کر کہ وہ علیم الدین کو جواب دے چکے ہیں۔

"مگر ابی مجھے میں سمجھ نہیں آ رہا کل تک تو سب ٹھیک تھا آناً فاناً سب غلط کیسے ہو گیا۔" وہ اپنی جھلاہٹ پر بمشکل قابو پا رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ آجاؤ اس کا ایک اینڈ پر ہی۔ سب خیر بہت ہے" انہوں نے بے دلی سے خدا حافظ کہہ کر۔ ریسیور رکھ دیا۔

"کیا ہو گیا؟" مائیں اٹھ کر قریب چلی آئی۔

"علیم الدین کو جواب دے دیا ہے۔ وجہ بھی نہیں بتائی۔ خوبی بابا۔ کیا زندگی ہے۔ مسئلہ در مسئلہ۔" انہوں نے قاتل نظر سے اٹھا کر ادھر دیکھا۔

"کوئی تو وجہ ہو گی۔ جائیں گے تو پتا چل جائے گا۔ غصہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔"

مائیں تو جیسے اپنی خوشی چھپا نہیں پا رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا ایک لمبے کی تاخیر کیے بغیر وہ خوشی خبری سنا دے۔

"بس۔ ادھر ہی مرتی ہے ہر جگہ۔ دا لس اے لائف۔"

جس اب کوئی شادی ہوا ہی نہیں ہو گی اس کی۔ پاسپورٹ ہو یا ہو ہاں اس کا ہو اور کے ساتھ اسے بھی بھیج دیں گے
کے لیے آپ کہہ دیں اس سے کہ وہ اسٹیٹ بیک اپ کرلے۔ گو ٹیل۔ شادی۔ دونوں طرح سنوارے تھے۔

ماہین ٹیبل کی ہوئی بند کر کے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ حریرہ تاثیر اس کی بداشت سے باہر تھی۔

اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھل گیا۔ روشی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کر رہی تھی۔ اسے
دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دی۔

"آ سکتی ہوں خالہ اپنے بھانجے کے پاس آنے کی اجازت دے دی؟"

"اچھا بند کرو یہ بکنے بازی۔ ایک اچھی خبر لے کر آئے ہیں۔ سوا غراب نہیں کرنا۔"

"اچھی خبر۔ ادھر بھی ایسا ہونے لگا ہے؟" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

"ہاں صاحب کا فون آیا تھا ابھی تمہارے پاپا کے پاس۔"

روشی کے کان کھڑے ہو گئے مگر بظاہر بے تاثر چہرہ لیے کھڑی رہی۔

"بھئی مجھے میں نہیں آ رہا مبارک باد دیں یا افسوس کریں۔" ماہین اس کے بستر پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

روشی ہنوز خاموش رہی۔

"تمہارے پاپا تو بہت خوش ہو رہے ہیں۔" وہ حیران گویا ہوئی۔

"کیوں مسسز گری ایٹ کر رہی ہیں۔ آدھی حریرہ ضبط نہ کر سکی۔

"علیم الدین صاحب کی امیدوں پر پانی پھر گیا ہے ابھی سی صاحب ان کے سوتیلے بیٹے بنتے رہ گئے۔ افسوس۔" ماہین
نے مسکرا کر افسوس کا اظہار کیا۔

روشی نے حیرت آمیز خوشی سے ماہین کی سمت دیکھا۔ "کیا سچ خالہ۔؟"

"بالکل سچ۔ کیسی لڑکی ہو تم۔ سگلی لوگوں پر خوش ہو رہی ہو؟" ماہین نے گویا ندامت کی۔

"اگر یہی وہ خبر ہے جو آپ سنانے آئی ہیں۔ تو آپ کے منہ میں گھی شکر۔ مگر یہ تائیں بات ختم ہو گئی ہے۔ خاتمے کی
طرف بڑھ رہی ہے۔ اگر بڑھ رہی ہے تو یہ خبر کچھ ابھی نہیں ہے۔ کیونکہ پھر کوئی گڑبڑ ہو سکتی ہے۔" روشی نے ماہین کے
کہا اور ماہین کے قریب آ بیٹھی۔

"ہر خوشی کا اختتام کسی دکھ پر ہوتا ہے تو خوشی پر سے اعتبار اسی طرح اٹھ جاتا ہے۔ ابھی یہ تو علم نہیں کہ ڈاڈ صاحب نے
اچانک اس طرح کا فیصلہ کس وجہ سے کیا۔ مگر کیونکہ فیصلہ ان کا ہے اس لیے یہ بات بہت اہم ہے۔" ماہین نے روشی کے
کے بال سمیٹے۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" روشی نے سوچتے ہوئے کہا۔

"اب اس بات کا تجسس ہے کہ بات کیا ہوئی ہے۔ یہ فیصلہ کیوں کیا گیا؟" ماہین کے لہجے میں گہرا سوچ انداز
تھا۔

روشی کے ذہن میں جیسے ایک دھماکا ہوا۔ تیز جل تھان اس کے تصور کے بارے میں سوچنے لگے۔ اس نے ماہین
کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کوئی بات نہیں کی گا جان نے۔؟" اس نے بے یقینی میں سوال کیا۔

"گا جان نے؟" ماہین نے حیرت سے پوچھا۔ "گا جان کا کیا کام۔" وہ روشی کو تاثر ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آن۔ ہاں۔ وہ میرا مطلب ہے ڈاڈ صاحب نے۔" روشی ایک دم سنبھل گئی۔

"تمہارے ڈاڈ میں اچانک گا جان کا خیال کیسے آیا؟" ماہین نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"پتا نہیں۔ یونہی منہ سے نکل گیا۔" روشی نے فوراً سے بات بنائی۔

"وہ ہر شخص کے خیال میں آسانی سے آ سکتے ہیں۔ مگر تمہارے ڈاڈ صاحب جو ان تمہارے خیال میں بالکل نہیں
آ سکتے۔" ماہین اور حقیقت کسی دوسرے میں بھٹک رہی تھی۔

دونوں چند لمحوں کے لیے اپنی اپنی جگہ خاموش ہو کر بیٹھ گئیں مگر کسی اہم بات کے دوران ایسا اکثر آنے والی خاموشی ایسی
نہیں ہوا کرتی ہے۔ دونوں سوچ تفکر کر اب کیا بات ہو۔

"روشی۔" ماہین نے اسے مخاطب کیا وہ سنی تھی۔

"آپ سے پوچھ رہے تم سے۔ وعدہ کرو جھوٹ نہیں بولو گی۔" ماہین نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی نرمی سے
پوچھا۔

"آپ پوچھیے۔ اور میں آپ سے کیوں جھوٹ بولوں گی؟" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"تم سرائے گئی تھیں؟ وہاں کئی دن ٹھہری بھی تھیں۔ وہاں کس کس سے ملیں؟"

ماہین سوال تو کر رہی تھی مگر جیسے جواب اسے پتا تھا۔ اگر روشی نا نہیں سے ملی ہوتی تو اس حال میں اس کے دوست تھے ہی آ چکی
ہوتی۔ اگر اس سے پہلے وہ کسی کے ہتھے چڑھ لیے جاتے تو اس کا پتہ وہ بہت بے چینی سے لگا رہا ہوتا۔

گا جان کے سامنے ضرور کھل جاتی۔ کسی نہ کسی زاویے سے پھر بھی جانے کیوں اس نے پوچھ لیا تھا۔

"کسی سے نہیں۔ وہاں تھا کون۔ گا جان کی بیٹی تھی صوفیا اور وہ جو گا جان کی واقف ہیں انہیں تو ہم نے کبھی دیکھا
بھالا نہیں۔ مگر ایک بات ضرور تھی کہ سب ہم بہت چھوٹے تھے تو وہ ایک مرتبہ حویلی آئی تھیں۔ اماں جی کہ گا جان کی شادی پر
آئی تھیں۔ اس لیے شاید وہ دوبارہ پھر کبھی حویلی نہیں آئیں۔ مگر آپ نے بتایا تھا کہ ان کا ایڈریس تھا۔ مگر گا جان نے ان
کا سوال ہم کو نہیں دیا تھا۔ شاید۔ اماں جی کا کالی دیوی انہوں نے بتانا نہیں کیا ہوگا۔ ناراض کیا ہوگا۔ اس لیے وہ پھر کبھی نہیں
آئیں۔ مگر وہ تو لگتا ہے حویلی کے سب ہی لوگوں سے ناراض ہیں کیونکہ ان جتنے دن بھی سرائے میں رہی وہ کسی سے نہیں
ملیں۔"

روشی نے بڑی تفصیل اور سادگی سے جواب دیا۔

ماہین گویا ماضی میں کھو گئی تھی۔ روشی خاموش ہوئی تو اس نے گہرا سانس کھینچ کر آہستہ سے خارج کیا۔

"تو کیا وہ اسے ون کمرا اندر کر کے بیٹھی رہیں؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ البتہ مجھے حویلی کے اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ میں گیسٹ روم میں تھی اور وہاں شیر بانو پھوپھی سے میری ملاقات ہال ہی میں ہوئی تھی۔ بڑی کیوٹ بلی ہے۔ کاکا جان کی ماں کے بیٹے نواسے ہم سے ڈیڑھ سال بڑے ہیں۔ بہت پیارا تھا۔ ایک مرتبہ جب بابا صاحب اسے حویلی میں لائے تھے۔ مگر بڑی میں بات کرتا تھا اور ان اوں ہیں گزارے لائق انگریزی کبھی نہیں آتی تھی۔"

روشی اپنی بات کے اختتام پر ہنس پڑی۔

"بہت انجوائے کیا تھا ہم نے۔ بڑا مزہ آیا تھا۔ پھوپھی بی بی جان (دادی) سے بھی اسے ملوایا تھا۔"

وہ بھی ہنس پڑی۔

"تم نے کوشش بھی نہیں کی ان کی وائف کو دیکھنے کی۔؟"

ماہین کے چہرے پر اس کی ہنسی کے جواب میں مسکراہٹ بھی نہ آئی۔

"میں اتنی پرسنل تھی کہ بس کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔ اور پھر اور کاکا جان کا تھا اور میں ان کی وائف کا نام بھی نہیں لے سکتی تھی۔" وہ پہلی روانی سے جواب دے رہی تھی۔

"ہوں۔ ملازموں سے بھی تم نے ان کی وائف کے متعلق بات چیت نہیں کی؟"

"ملازم؟" روشی ہنس پڑی۔ "جتنے پراسرار کاکا جان نظر آتے ہیں، ان کے ملازم ان سے زیادہ پراسرار لگتے ہیں۔ روبوٹ جیسے۔ جذبات سے عاری ایک دم بلینک۔" وہ اب بات پر ہنس رہی تھی۔

"اچھا صرف شیں سے تمہاری کیا باتیں ہوئیں؟" ماہین کسی دھیان سے چونک کر پوچھنے لگی۔

"اوہ خالہ کیا یاد دلایا۔ کیا زبردست بیگی ہے۔ اتنی پیاری باتیں کرتی ہے کہ دل چاہتا ہے اس سے انتخاب کیے جائے۔ اس پر اس کے ڈریسز۔ غضب کی میچنگ۔ کیا ذوق خاتون ہیں کاکا جان کی وائف۔ ہائے اب تو آپ دیکھیے گا، میں کاکا جان سے ضد کروں گی کہ وہ مجھے ان سے ضرور ملوائیں۔ کیا زبردست کپل ہے ہمارے خاندان کا۔"

"آہستہ بولو۔ مت کرو کاکا جان، کاکا جان۔ تمہیں پتا نہیں تمہارے پاپا ان کا نام سن کر کتنے اری ایٹڈ ہو جاتے ہیں۔" ماہین نے اسے ٹوک دیا اور راستے داخل ہو گئے تھے۔

"اوہ اے سوری۔ ہم نے بہت اہم بات مس کی ہوئی ہے۔ اور وہ کیا بات ہے کوئی نہیں بتاتا۔ ہاں اب تو اتنا رشتے دار بھی دونوں بھائیوں کا پراپر سوشلائز نہیں کر سکتی۔ ہاؤ سیڈ ہے۔ کیوں خالہ؟"

"اچھا تمہیں اتنا فلوئنٹ ہونے کی ضرورت نہیں۔" ماہین نے اسے جیسے ڈانٹ دیا۔

"اوہ۔ واقعی بن گئی ہیں۔ ڈانٹنے بھی لگی ہیں پاپا سے کہوں گی۔" روشی نے خفگی سے کہتے ہوئے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"پلیز۔" ماہین نے جھینپ کر مسکراتے ہوئے منت بھری سرگوشی کی۔

"اچھا خالہ آپ کہتی ہیں تو آپ کا دل ہوتا ہے کاکا جان کو دیکھنے کا۔ ان سے باتیں کرنے کا۔" روشی اس کے گلے میں بانہیں ڈالے ہوئے تھی۔

"نہیں۔ مجھے کوئی شوق نہیں۔" ماہین نے اس کی بانہوں کو ہٹاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"جی آپ ان سے ضرور ملیے گا۔"

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دیکھو اب تھا بہت میں نے جب تم نے حویلی میں ہنگامہ مچایا تھا اور بابا صاحب ہال چلے گئے تھے۔"

"مجھے تو اب کاکا جان سے اچھا کوئی نہیں لگتا۔" روشی الٹا کر دوبارہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"اسی بات پر تو ہاں تم سے تمہارے پاپا ناراض ہوئے تھے۔" ماہین کے لہجے میں نامعلوم سی ادسی اتر آئی۔

"کوئی بھی باپ اپنی اولاد سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتا۔ میں کسی فیئر کی تعریف تو نہیں کر رہی ہوں۔ کاکا جان ان کے سگے بھائی ہیں۔ دوسرے کاکا جان ہیں تو پاپا کی وجہ سے ہیں۔"

"اچھا اب خاموش ہو جاؤ۔ میں تو تمہیں خوش خبری سنانے آئی تھی۔ صاحب سے بات کر رہے ہوں گے۔ گڈ لک۔ آل دی بیسٹ۔"

ماہین ایک دم گم صم سی نظر آنے لگی تھی۔

"بہت تھینک یو آپ۔ پاپا کو صاحب کہتے ہوئے روشی مخصوصاً کر رہی تھی۔" "ویسے بٹ اٹ از انٹرسٹنگ۔"

"پلیز اب مائی ڈیر۔" ماہین زبردستی کی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی اور باہر نکل گئی۔

ابھی وہ ایک ہفتہ میں اور دن باقی تھے کہ حویلی سے پھر ایک زبردست خبر آ گئی کہ بھوکا ناچ ہو رہا ہے کیونکہ مصدق علی صاحب کے لیے باہر جا رہے ہیں۔ اس لیے فیصلہ کیا گیا ہے۔ کہ ان کو ناچ کے بعد صبح میں ہی رخصت کر دیا جائے۔ خانم تجمل علی خان کے ماضی میں کیے گئے اقدام کی وجہ سے اب ہر بار ہر جانے والے لڑکے کا خصوصی خیال رکھا جاتا تھا۔

روشی تو سنتے ہی بے تاب ہو گئی۔ "خالہ! جلدی بھیجیں۔ ماہین کتنا مزہ آ رہا ہوگا۔ اور یہ بھوکا ناچ کیا ہوتا ہے۔ بھوکا کو مصدق بھائی کے ساتھ ہی بھیج دیں۔ پتا نہیں کتنے سال بعد لوٹیں۔"

"یہ تو ہاں جا کر ہی پتا چلے گا کہ صرف ناچ کیوں ہو رہا ہے۔ ضد نہ کیوں نہیں ہو رہی۔"

"خالہ پلیز کہیں وہ میں آج ہی حویلی بھجوا دیں۔ پلیز خالہ!"

ماہین کچن کے کام سے فارغ ہو کر ڈائننگ میں اپنے حساب کتاب سے الماریوں میں برتن سیٹ کر رہی تھی۔ روشی بھائے ہاتھ نانے کے اس کے پیچھے پیچھے منت کے انداز میں پھر رہی تھی۔

"اوکے رہنے دیں ہم بس ناچ والے روز جائیں گے۔ وہ بہت بڑی ہیں۔" ماہین نے بہت مصروفیت کے عالم میں

جواب دیا۔

"فرسٹ کزن کا نکاح ہے۔ مجھے کی شادی تو نہیں ہے۔ سدا وہ گی۔" وہ ری طرح جھلا گئی۔

"ہاں تو صبح سے چلے جائیں گے۔ اب وہ عام آدمی تو نہیں ہیں کہ جب چاہے کہیں چل دیں۔ ایک خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ ان کی۔ میں اصرار کروں گی تو بھی کہیں گے کہ پڑھ لکھ کر جاہل ہو رہی ہو۔" اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تو آپ ان سے یہ کہیں، وہ ہمیں ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیں۔" راشی کے انداز میں ضد تھی۔ سب ایسے ہی کرتے ہیں۔ آپ تو اتنا نہیں اڑیں آپ کی بات تو وہ ٹال نہیں سکتے۔"

"وہ مجھے فیصلہ سنا چکے ہیں مجھے تو وہ ڈرائیور کے ساتھ بھیج سکتے ہیں۔ مگر تمہارے بارے میں ان کا کہنا ہے۔ تم بھی ہا گی، ان کے ساتھ جاؤ گی۔"

ماہین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تو پھر میں نکاح والے دن بھی نہیں جاؤں گی۔" وہ دھم سے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ہو سکتا ہے آنے والے کل میں تمہیں ان سے اس سے بھی زیادہ اہم بات منوانا پڑ جائے۔ ان کا غصہ بڑھا کر یا ضد ہی مشکل میں پھنسو گی۔"

"اب بھی کونسی آسانی ہے۔ جیل میں ڈال دیا ہے اٹھا کر۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

ماہین الماری کھول کھنگال کر تیزی سے اس کے قریب آئی۔

"بری بات ہے، راشی اتنا قنوطی ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی بیٹی کو بس ہر جگہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں تو وہ ٹھیک ہے۔ انہوں نے تمہیں پڑھایا لکھایا ہے۔ تمہاری شادی بھی اچھی جگہ کریں گے۔ تمہیں زندگی میں خاطر خواہ سرمایہ آ جائے گا۔ تو اس میں حرج نہیں ہے۔ کوئی تمہارے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کرے گا تو اس سے نمٹ لیں گے۔ خود سخت سست کہہ لیں گے۔ مگر کسی دوسرے کو کبھی اس طرح کی حرکت کی اجازت نہیں دیں گے۔ حتیٰ کہ اگر میں بھی تمہارے ساتھ زیادتی کر بیٹھوں تو وہ مجھے بھی معاف نہیں کریں گے۔"

وہ اسے گلے سے لگا کر بہت محبت سے سمجھا رہی تھی۔

"آپ کو واقعی پاپا سے بہت محبت ہے۔ اور مجھے اس بات پر افسوس نہیں بلکہ خوشی ہے اس لیے کہ میرے اپنے ایک طویل زندگی دوران اور بے رنگ گزاری ہے۔ بہت اچھی وکیل ہیں آپ پاپا کی۔"

راشی نے دوپٹے سے آنکھیں پونچھیں۔

"بدتمیز لڑکی تو۔" ماہین نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

"اس طرح بولتے ہیں باپ کے "پرستو" پر؟ بے وقوف۔ اور میں کیوں ان کی وکالت نہیں کروں گی۔ جس کا کھاتے ہیں اس کا گاتے ہیں۔" وہ ہنس پڑی۔ "چلو موڈ ٹھیک کرو۔ پھر شاپنگ کرنے چلیں گے۔ تمہیں نکاح پر پہننے کے لیے اچھا سا سوٹ دلوا دیتے ہیں۔"

"نہیں ہیں ہیں ہوا آپ مجھے بہلائیں گی۔" وہ سسک کر بولی۔

"اچھا میں ان سے صبر کروں گی کہ وہ ہمیں موبائل اس طرح بھجوا دیں کہ ہم نکاح سے پہلے پہلے واپس آ جائیں۔ اب ٹال کر لے جانے والے تو ہم نہیں۔ لیکن۔ ایسے مجھے پتا ہے کہ تمہیں موبائل پہنچنے کی جلدی کیوں ہے۔ آوارہ گرد سے ملنے کی۔" بہت ہی مشکل بچہ لڑکی ہو۔"

"نہیں۔ آپ شادی سے پہلے بھی اتنی ہی کام کرتی تھیں۔ وہ اور آپ کی آپس میں بہت اچھی آپ کو بہت پسند کرتا ہے۔ کہتا ہے آپ آئی ہیں صبح سے شروع ہو جاتی ہیں۔" اس نے نرم لہجے میں دل دلی۔

"ہیں بھی تو ہر وقت خوامخواہ ہے۔ بس جی ان صبح کر کے، کچھ کی ہوں، وہ بے وقوف سے ہیں نہ بدلا۔" ماہین نے اسے شرارت سے چھیڑا۔

"پھر شاپنگ کے لیے کب چلیں گی۔؟"

"دیکھوں گی۔ پہلے تمہارے پاپا سے ایک دن پہلے جانے والی بات تو منظور کروں؟ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو پھر شاپنگ بے کار جائے گی۔"

"ہاں بس یہ بات ضرور منوائیں۔ ورنہ میں واقعی نہیں جاؤں گی۔"

"اچھا بابا۔ ویسے تم اپنے پاپا سے سودا کرنا ضرور کرو۔ کتنی بری بات ہے، تم سے ناراض ہیں، اور تم نے ابھی تک ان سے سودا نہیں کیا۔ اس طرح کی بات بھرل سے نوٹوں کا غصہ اور بڑھتا ہے۔"

"کروں گی سودا۔ مگر تمہارے سودا کرنے سے ان کی ناراضگی ختم نہیں ہو گی۔ کیونکہ معاملہ کا جان کی خواہش کا ہے۔ اور مجھے تو ان سے بہت سے سودا کرنا ہیں اکٹھے کروں گی۔" اس نے دھیمی شرارت بھری آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" ماہین نے بری طرح چونک کر اس کی صورت دیکھی بات سے وہ بہت عجیب سی محسوس ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں۔" وہ یہ کہہ کر ایک لمحہ کے لیے باہر نکل گئی۔

"سودا تو وہی۔ بی صاحب کتنوں کے آپ پر ادھار ہیں کیا کروں کبھی آپ پر ترس آنے لگتا ہے اور کبھی دل چاہتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے آپ کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں کیا قسمت ہے ہم دونوں بہنوں کی۔ ہماری تقدیر میں کل کو خوش ہونا لکھا ہے کہ خوشیاں۔" ہمیں راس نہیں۔"

معلقوں کی جگر بندیوں سے پریشان دل بہلانے بہانے سے رسیاں تڑانے لگتا تھا۔

بہت عرصے بعد یاور علی خان نے فون پر ماہین جیب خود ڈرائیور کی تھی۔ "ماہین نے پوچھا تھا۔ "آپ کو کیوں نہیں لے جا رہے؟"

"ایسے ہی۔" یہ جواب تھا ان کا۔

ماہین تو ان کے ارادوں سے ہی بھنچی تھی، جبکہ راشی ماہین اس کے پیچھے بیٹھی۔ بیٹھ پیچھے بیٹھے میں مصروف تھی۔ "پاپا

یاور علی خان کی موجودگی میں اب وہ شرارت سے زیادہ ایٹی کیٹس ہو جاتی تھی۔

کوشش کرتی تھی کہ ان سے کم سے کم سامنا ہو۔ بس کچھ لمحوں کے چند ہوتے ہیں جو ان کی خود اختیاری چھین لیتے ہیں۔ وہ بہت بھی ہو سکتا ہے مگر بار بار جاتا ہے۔ اس نے کئی بار نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ مگر سر جھکائے ہوئے بیٹھی رہی۔ اسٹیرنگ پر رکھے مضبوط ہاتھ۔ ایک ایک شے سے بلا کی خفاست جھلک رہی تھی۔ اس پر ان کی گھنی سیاہ خمدار پلکیں۔ مگر ایک دم برف۔ سپاٹ۔ سرد۔ رہنے والی آنکھیں۔ وہ اسکرین پر اس انداز میں بھی تھیں کہ یہ احساس ہوتا رہتا تھا۔

ٹھیک دم اس کا والی بھرا یا۔ اس کا دل چاہا جان بار کر باپ کو بتانے لگے۔ آنسو ایک تواتر سے رخساروں پر بہنے لگے۔ وہ بات کرتے کرتے خموش ہو گئے۔ وہ ضبط کی کوشش کرتی رہی۔

"روشی کچھ کھانے کا سوچو۔ ہاسکٹ سے لے لیں۔ فکر جیس بھی ہیں۔" ماہین نے گہرا سانس لے کر خود کو سنبھالا۔ وہ خاموش رہی۔

"وہ اسٹور کی چابیاں تم نے لکن سے اٹھائی تھیں۔؟" سہاوا ماہین کو ایک اور فکر لے بیٹھا۔

"جی۔" روشی نے خود پر قابو پاتے ہوئے بمشکل کہا۔

ماہین کو یہ فکر بھی اور تھی کہ وہ بدحواس ہو رہی ہو۔ اس لیے وہ بات بدلنے بات بھی کر رہی تھی۔ اداسی ان کے حواس پر بھی چھا رہی تھی۔

"وہ بیس رکھوالی تھیں تم نے جو ہم کب ہی نہیں کر رہے ہیں۔" ماہین نے پھر ایک سوال کیا۔

"جی۔" اس نے جلدی سے رخسار اور آنکھیں چادر سے پونچھ ڈالیں۔ سہاوا ماہین گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

یاور علی خان نے مڑ کر دیکھا تھا۔ ان کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ لی تو چاہا تھا کہ پوچھیں کہ کیا کھو رہا ہے اگر کوئی ضرورت ہے تو کہہ دے۔ مگر پھر ضبط کر گئے۔ چاند میں لپٹی روشی تیمور علی خان کا بازو تھامے ان کے سامنے سے گزر گئی تھی۔ ان کی آنکھوں کی سرخی گہری ہونے لگی۔

ماہین اپنی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔ "گھر کی اہم تقریب ہے کیا تیمور علی خان شریک ہوں گے؟"

رات گیارہ بجے کے قریب وہ حویلی پہنچے تھے۔ باہر کا تو کوئی مہمان نہیں تھا۔ حویلی کے مکین ہی ماشاء اللہ اتنے تھے کہ اکھٹے بیٹھے دکھائی دیتے تو تمام حالات میں اقربہ کا گمان ہونے لگتا تھا۔

تالیوں اور شور گیت پر ہال گئے۔ ماہین کو دیکھ کر بہت خوشی سے مسکرائے تھے۔ اور یاور علی خان کی موجودگی کو اہمیت دے کر بہت احتیاط سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ نہ ماہین سے تو وہ خاصے بے تکلف ہو چکے تھے۔

بالوان کی آواز سن کر بھاگی چلی آئی۔

"السلام علیکم ماہین بی بی۔ آپ تو کہہ رہی تھیں کہ دو ایک روز میں بلا لوں گی۔"

اس نے پھر سے ہی شکوہ کیا۔ اس بار وہ تیار تھی مگر یاور علی خان نے ماہین سے کہا تھا۔ [illegible] بلا لیا۔ وہ بھی اصرار کر کے گئی تھی مگر مصروفیت میں وہ بھلا ہی بیٹھی آ۔

"ہاں بھئی۔ واقعی میں مصروفیت میں بھول گئی تھی۔ تو اب چلنا۔" اس نے مسکرا کر [illegible] کے لیے پوچھا تھا۔ بالوان کے لیے بھی بلی آئی تھیں۔ وہ ان کے سلام کرنے اندر چلی گئی تھی۔

جیاں لڑکیوں میں اس کی آمد کی خبر نے تہلکہ مچا دیا تھا۔

یاور علی خان بھی اندر کی طرف بڑھے تھے کہ ایک دم سے [illegible] ماہین سامنے آ گئیں اور ایک طرف ہٹ گئی تھیں۔

"ہیپی برتھ ڈے۔" روشی نے گویا صرف ان کی پہچان کر کے تھا۔ وہ سیدھے سامنے اندر کی طرف جاتے ہوئے یاور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔ ماہین نے جیسے اندر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ قدم بھی انہوں نے پیچھے لیے تھے۔ وہ آگے آ کر ماہین کی سمت دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ پریشان سی نظر آنے لگی تھیں۔

تیمور علی خان بھی دروازہ کھول کر باہر آ چکے تھے۔ لمحوں پر نظر کی خوان کی طرف ہی چلے آئے۔

"اسلام علیکم بی بی جان!" سامنے ہی ماہین کی سمت دیکھا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے اسی پریشانی کے انداز میں جواب دیا۔

"اسلام علیکم ماہین۔" اس نے مسکرا کر بہت ہی زیادہ اخلاص سے سلام کیا۔ وہ بہت دلچسپی سے تیمور علی خان کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

"اسلام۔" تیمور علی خان نے گویا الجھ کر ماہین کی طرف دیکھا تھا۔ انہوں نے نظروں ہی نظروں میں سمجھانا کہ یہ خواتین آئے ہوئے ہیں۔ کیلی تو تک رابطے سے انہیں حویلی کی سب خبریں ملتی رہتی تھیں وہ بار بار خاتون خانہ حویلی میں مصروف ہوتے تھے۔ وہ اس طرف آنے سے احتراز ہی کرتے تھے۔ کہ خواتین کے کام کھیلے کے سوا اس نے بھی سے اور تعارف کیا۔

"ہم اندر گیسٹ روم میں بیٹھیں بی بی جان! آپ بابا صاحب کو بتا دیں۔"

انہوں نے ماہین کو یکسر نظر انداز کر کے بہن سے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

☆—☆—☆—☆—☆—☆—☆—☆

"آ ہا ہا ہا۔" روشن آرا نے کم صم ہی کیفیت میں ماہین کو مخاطب کیا اور اسے خیالوں سے خود کو باہر نکالنا پڑا۔

اندر کا تو رنگ ہی اور تھا۔ روشنی کے لمبے چوڑے پراسرار رنگ تھے کہ وہ پہچانی نہیں جا رہی تھی۔

بیگ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے کھول کر پی جاتے۔ اس کے لگے میں باہیں ڈالے جھکی تھی۔

"دیکھ لیجیے ممانی جان۔ کیا حال ہو گیا ہے بے چاری کا۔ کتنی دبلی ہو رہی ہے یاد ہے ماموں کو ہاتھیاں نہیں۔" ماہا نے ملاء کے کو ہلا ہلا کر ہلکا پھلکا مذاق بھی کر دیا۔

"ہمیں تو کہاں دبلی ہی اچھی لگتی ہیں اب تو زمانہ ہمیں جب موٹاپا خوشحالی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔" ماہین نے روشن کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ جو ہنوز مسکراتی نظر آ رہی تھیں۔ بظاہر اپنی حاضر دماغی ظاہر کرنے کی مسکرا نہیں۔

"گھر آیا نظر نہیں آ رہیں ہیں خیریت؟" روشنی کو بے چینی ہوئی۔

"ابھی اور بھی بہت سے لوگ نظر نہیں آئے ہیں۔" سعدیہ اپنی پوری میں مل جاتی ہوئی اندر داخل ہوئیں اور آداب کرنی ہوئیں پھر باقاعدہ روشنی سے گلے مل کر ماہین کو سلام کیا اور اپنی مخصوص خیر مسکراہٹ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

چہرہ پہ کیلئے ناسوفی پھیلی ہوئی تھی۔

"ہائے اللہ اموجی" سعدیہ کی نگاہ کونے میں بڑی اموجی پر پڑی۔

سبھی ان سے گلے مل رہی ہو تم لوگ آرام کے بیٹھے پر دلی مسکراہٹ کا واضح عکس تھا۔

"یہ سے اچانک ہوا ہے" ماہین نے کہا۔

"اوہ سچے مرے ہیں تم لوگوں کے۔"

"ایک تو بہت بھی پگلی ہے" ماہا نے اطلاع دی۔

"بلی کا بچہ بھوش و خروش سے بچائی تھی؟" ماہین ہنس پڑی۔

"اچھا ہوا بچہ بچ گیا خوش خبری ہمیں تو بہت مال ہوتا ہے" دعا نے اپنی حصہ پایا۔ عجیب سی بات تھی اس کے لہجے میں۔

ماہین کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی "بچہ سے کیا ہوا تھا۔"

"کچھ نہیں کی اموجی تھی اسے اموجی کے پیٹ ہے اور گھر کیلئے رنگ سے منگوائی" زری نے قصہ کوتاہ کیا۔

"کس سوچ میں گم ہو گئیں؟" ہیئے روشنی کو لیکارا۔

"کچھ نہیں میں سوچ رہی ہوں ایک شادی پر اگر دو اموجیاں خرچ ہوں گی تو خوش ہوں گے گھر میں کتنی اموجیوں کا خرچہ ہے؟" وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی لفظوں میں بلا کی سنجیدگی تھی۔

روشنی ایک دم تیزی سے اموجی کی طرف بڑھی تھی اور وہیں بیٹھ کر اسے چیک کرنے لگی تھی جھولی میں اٹھا کر بھینچ لیا تھا۔ سنجیدگی تعجب کر حال بھی چیک کر رہی تھی۔

"اتنا کل سے تو کتنا ہے ہوئی ایکسپرٹ مو" ماہین بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"بڑی اچھی اموجی ہے بتا آتی ہے اسے سمائی آ بھی بجانے گی تو دیکھنے کو اسے تو رقص بھی بہت اچھا کرتا ہے" کاکی شادی ہال سے واپس کیا تھا "کون سا گانا بجا تھا؟" زری نے سوہا کی طرف دیکھا تھا۔

"اموجی اموجی ذرے سا بنا موجے کان کا بالا" سوہا کو بھی طرح یاد تھا۔

"اسے اچھے بڑے گفتگو ہو رہے تھے" ماہین نے بڑی حیرت سے اس کی صورت دیکھا۔

"سمجھ آ رہا ہے کہ کیا؟"

"پہلے تو آپا کو بلائیں ایک گانے نے میرے اندر آفت مچائی ہوئی ہے" وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"کیا گانا ہے بھئی" سب ہی اس متعلق نظر آنے لگی تھیں۔

اے مصور تیری تصویر ادھوری ہے ابھی

"اسے باقاعدہ گا کر سنایا" پھر ماہین کے پہلو میں بیٹھی روشن آرا کو دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گئی۔

"سوری بیٹا جان" اس نے غلیظ سے انداز میں نظریں جھکا کر کہا۔

"ایسی کیا خاص بات ہے اس میں سوائے اس کے کہ مصور جدائی کا ذکر ہے" ماہین نے حیرت سے کہا۔

"بہت خاص بات ہے اس میں اندازے مصور بھائی بھی ادھورا کام کر رہے ہیں بھئی صرف ناشتہ ہی تو ہے۔" روشنی نے بڑے تاسف سے کہا۔

"یعنی مطلب یہ کہ تمہیں ناشتہ پسند نہیں ہے" حاضرین غور سے سن لیں بلکہ فرمائش نوٹ کر لیں" روبی نے چہرا سر گھما کر گویا اعلان کیا۔

"چلو ٹھیک ہے کتنا ہی شارٹ نوٹس کیوں نہ ہو روشنی کا صرف ناشتہ نہیں کریں گے بلکہ لنچ بھی ساتھ ہی کریں گے" روشن آرا نے مسکراتے ہوئے کہا اور گویا اپنی کیفیت میں تبدیلی پیدا کرنے کی شعوری کوشش کی۔

"امید ہے مہمان آ گیا ہوگا۔ آخر بی بی جان نے کہا "بڑی مشکل سے تو مانی ہے" زری نے شرارت سے کہا۔

روشنی ایک لمحے کو چپ ہو گئی تھی اور لگا تار میں بے ساختہ دروازے کی سمت اٹھ گئی تھیں کہ جیسے وہ ابھی اسے بوم کر اندر آ رہا ہو۔

"میرے خیال میں ہال میں سانپ آ گیا ہے" ہیے نے سنجیدگی سے کہا۔

لڑکیاں گویا اچھل پڑیں "کیا مطلب" "وہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں ہال میں کبھی کبھی سانپ نکل آتے تھے ہیں ابھی اسے غالباً یہ کا مذاق سمجھی تھیں۔ روشن آرا اور ماہین بھی تشویش بھری نظروں سے ہال میں نظر دوڑانے لگی تھیں۔

"مجھے روشنی چبھ رہی ہے میں بھی سانپ سونگھ گیا ہے۔"

"بدتمیز" سب جھینپ کر وہ اپنی اپنی جگہ پر ٹک گئیں۔

"امی تاریخی تھیں ایک مرتبہ کا کا جان کو بھی سانپ نے ڈس لیا تھا۔ بہت حالت قریب ہو گئی تھی ان کی" روبی نے اطمینان کا سانس بھرتے ہوئے گویا اپنے ڈر جانے کی توضیح پیش کی تھی۔

"ہیں بی بی جان" نائلہ نے پھوپھی سے تصدیق چاہی۔

"ہوں" روشن آرا نے ٹالنے والے انداز میں ہنکارا بھرا اور ماہین پر اچٹتی ہوئی ایک نگاہ ڈال کر اطمینان کی ایک مرتبہ پھر وہ کم سن ہی نظر آنے لگی تھیں۔

"آؤ ماہین۔ اوپر بھابی بیگم کے پاس چلتے ہیں" وہ بہت شدت سے تم لوگوں کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں" تہیہ ہوا سوری ہی محسوس کی تھی ماہین نے ان کے لہجے میں۔ اب تو وہ حویلی والوں سے اتنی واقف ہو چکی تھی کہ یہ کسی انداز پر بھی کسی اور نہ الجھن میں پڑتی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس وقت حویلی میں کسی قسم کی کھلبلی مچی ہوئی ہے شاید ہمدردی خواتین آ گئی ساسے جمع ہوں گی۔ وہ اطمینان بھرے انداز میں ان کے پیچھے چل پڑی تھی۔

کھانے سے فراغت کے بعد لڑکیوں نے جلدی جلدی سمیٹا کی لمبا چوڑا سامان وہ اٹھا کر لے گئی تھیں سارا عالم ہال کے تمام خواتین بھی وہیں آ گئیں تھیں۔

روشنی مگھو کو بھی کمرے سے سمیٹ لائی تھی اس کا جوش و خروش حالانکہ خاصا سرد پڑ گیا تھا" تین تھیلے ہوئے لوٹا لے تھے" دشمن جان ابھی تک نظر نہیں آیا تھا" پہلے تو کسی بہانے سے اس کا ذکر بھی کر لیتی تھی اب تو خیال ہی سے زبان پتا لے ہو جاتی

تھی۔

"روشنی تم وہیں کون سا کارنامہ انجام دے رہی تھیں اب؟" حنا نے کوئی گہرا وار کیا تھا اس لئے روشنی سے خفا ہو گیا۔

"اوہ ہاں وہاں بڑی بیماری لے ہے اس کا نے کی جا خوراکی میں آ تھیں ہاں بڑے ہے۔ تم آ بیت کا بڑ۔ ان کا کروڑ پا وہ ہو نہیں ہے" اس طرف سے بھی آ بھی جائیں گے پہ کہتے ہوئے اس نے کہا ہے اپنا ہاتھ ہلا ہا؟" وہ جتنا بھی کر مگھو کے شانے سے لگ گئی۔ مگھو کے چہرے پر ان گنت رنگ لہرا گئے۔

"بہت شیطان ہیں یہ" تزئین نے آہستہ سے ہونٹ ہلاتے ہوئے سب کو متنبہ کیا تھا۔

"پھوپھی بی بی جان سے پوچھو انہیں بہت کام آتے ہیں" لالی نے مگھو کو چھیڑا۔

"تمہاری امی کو بھی کم نہیں آتے" تزئین نے روشنی کو چھیڑا تھا اور یہ گھر کی شادیوں میں بھی اکثر ہی ہوتا تھا۔ تزئین نے بس کر روشن آرا کو بھیڑا۔

"ہیں بی بی جان سچ کہہ رہی ہیں امی؟" لالی نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

"ارے توبہ کرو بھلے کہاں آتے ہیں کھانے والے۔ اسے ہی سوچ بچار میں کبھی رہتی تھی نہ کھانے کا ہوش نہ پینے کا۔ بس اسی جاتی رہتی تھی" روشن آرا نے مسکرا کر ماہین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اچھا تھیں آپ کے زمانے میں جب حویلی میں شادیاں ہوتی تھیں تو سب سے اچھے گانے والی کون ہوتی تھی" حنا نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

خواتین کے چہروں سے مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی تھی تزئین نے روشن آرا کی طرف بے ساختہ دیکھا تھا۔ ایک اچٹتی سی خاموشی ماہین نے ماحول میں محسوس کی تھی اس نے سب کے چہرے پر باری باری ایک نظر ڈالی تھی اور سوچ رہی تھی وہ پڑھ رہی تھی۔

"تائی جان امی؟" روبی نے روشن آرا کو متوجہ کیا۔

"اے کیا بے کار کی باتیں کرنے لگیں بھلا نے کا" روشن آرا نے جھلا کر کہا۔

"کوئی ہمارے دور سا کا یاد نہیں آ رہا" حنا ذہن پر زور ڈالنے لگی روشنی ہمدردی سے ہتھیلی پر تھاپ لگانے لگی۔ ہیے نے طنز جملہ شروع کر دیا۔

"مگھو پاسے پوچھو۔ انہیں تو پتہ نہیں کون کون سے بھولے گانے یاد آ رہے ہوں گے" تانیہ نے چھیڑا۔

"ماہین خالہ سے پوچھو" سونی نے حیلہ ارشاد فرمایا۔

"نہ وہ انہیں تو انگریزی میں آتے ہوں گے یا" "اس" میں۔ یہ گھنڈ میں کون سی زبان بولی جاتی ہے حنا" روبی نے مگھو میں معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔

اس میں پھر جلترنگ بجنے لگے تھے۔ حنا نے زاکھ سے ایک چٹکی بھر نکالی تھی وہ پھر زاکھ بننے لگی۔ مگر ماہین کے اندر ہونا ناں نہیں الاؤ روشن تھے۔

اندر ایک مستقل ہی کیفیت ہر وقت طاری رہتی تھی۔ وہ باہر ہال میں بھی ہوتی مگر دھیان کبھی اپنے کمرے میں ہوتا کبھی گیسٹ روم میں۔ بھرے گھر کے ہر لمحے سرائے میں اس نے روشی کی صورت دیکھا تھا۔ فیروزی جھلملاتے کپڑوں میں ایک سرخ و سپید لڑکی کی آنکھوں میں روشنیاں اتر آئی تھیں۔

"یہ ہماری کہاں ہے۔ ابھی تک دکھائی نہیں دیا" وہ کسی دھیان سے چونک پڑی۔ تھا بہ کو یاد ہو گی نہیں رہی تھی۔ اس نے بڑی شکر گزار نظروں سے ماہین کی سمت دیکھا تھا اتنی دیر میں کسی نے اس کا نام لیا تھا۔

"خوشی کی تقریب ہے اب تو مصروفیات میں کوئی اضافہ ہو گیا ہو گا" سلمیٰ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ مچل رہی تھی۔

"صبح مسعود کے ساتھ ہی دیکھا تھا ہائیک پر جا رہے تھے، واپس کہاں" رئیسہ بیگم نے بھاوج کو جواب دینا بہت ضروری خیال کیا۔

"خوشی کا موقع ہے بی بی جان، مسعود کو بھی ادھر بلوا لیا کریں" ماہین کو مسعود کی تنہائی کا دھیان آتے ہی بھوک کا خیال آیا۔

"بابا صاحب نے چند دنوں کیلئے اسے کوہاٹ بھیج دیا ہے، ظفری کو اپنی ہسپتال میں داخل ہو گیا ہے، ان سے ملنے جائیں گے" رئیسہ بیگم بہت آہستہ آواز میں بات کر رہی تھیں۔

"کوہاٹ میں اس کا کیا کام ہے؟" ماہین نے دریافت کیا۔

"کیا کچھ کاروبار سے متعلق ہے، خورشید کہہ رہا تھا وہاں جانے کو" رئیسہ بیگم بولیں۔

"کس سے آپا صاحب سے؟" ماہین نے جانے کیا سوچ کر پوچھا۔

"نہیں۔ بھابی بیگم سے کہتی ہے جو کچھ کہنا ہوتا ہے" وہ تزئین کی سمت دیکھتے ہوئے کچھ متفکر سی کیفیت میں کہہ رہی تھیں۔

اسی لمحے لڑکیوں نے گیت چھیڑ دیا۔

سن رسیلی سکھی سوہے بجتا بلائے

وہ سب یکدم لڑکیوں کی سمت متوجہ ہو گئیں، بلکہ تزئین تو گھومر اور روشی کے درمیان جگہ بنا کر خود بھی گانے میں شریک ہو گئیں اور اشارے سے سلمیٰ کو بھی حصہ لینے کیلئے کہا۔ ساتھ ہی ماہین کو بھی اپنے برابر آ بیٹھنے کیلئے اشارتی اصرار کیا۔

سلمیٰ تو اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئیں، ماہین نے معمولی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر معذرت کر لی۔

اسی دوران باری اندر داخل ہوا تھا، روشی کو گانے میں اور سُر تال ملانے میں اتنی منہمک تھی کہ اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے باری کو نہیں دیکھا تھا اور جب وہ رئیسہ بیگم کو باہر آنے کا کہہ کر ایک بھرپور نگاہ روشی پر ڈال کر واپس پلٹا تھا تو روشی جیسے کسی خواب کے عمل سے باہر آئی تھی مگر اب اس کی سمت باری کی پشت تھی، وہ کیسل گھر کے ملگجے شلوار سوٹ میں ملبوس تھا۔ کیڑوں پر پڑی بے تحاشہ شکنیں اس کی دن بھر کی مصروفیت کی چغلی کھا رہی تھیں، رئیسہ بیگم بھی اس کے ساتھ چل پڑی تھیں، غالباً بابا صاحب نے طلب کیا تھا۔

"ارے ہمیں بابا صاحب نے کام بھی ایک ہی مصروف ہرانے جا رہی ہو" لڑکیوں نے شور مچایا تو وہ کچھ کہہ کر ہنستی ہوئی

چلی گئی تھیں، پھر ایک ہفتے تک وہ لڑکیوں سے ملتی رہیں۔

"بھابی صاحبہ کا روشی بھی کیا ہو گیا ایک دم" ماہین نے سوال کر دیا تھا۔

ماہین کے دونوں ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"بھابی صاحبہ کو لڑکیوں کے کیڑوں پر بڑا کام چیک کرنے تھے، اندازہ تو ہو ہی گیا ہو گا، یہاں رہیں گے ہفتہ دس دن" رئیسہ بیگم کہہ رہی تھیں۔

ماہین نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔ "بابا صاحب کو دیکھوں، وہ کہیں گے اپنی مصروفیات میں ہمارا خیال ہی نہیں کیا" ماہین نے مصنوعی ناراضی کا تاثر چہرے پر لیتے ہوئے کہا تھا، رئیسہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلیں وہ ادھر ہی"

جب ساون گھر گھر آئے کوئی گائے
ہم تو جاویں ——— جن تو نہ جاوے

ماہ کو اپنا ایک پسندیدہ گیت یاد آیا۔

"پورا ہفتہ بارشی موسم کی خبروں کیلئے بہت کافی ہے، رہنا ہو گا" کوئی آسان سی شرط لگا" زری نے ہنستے ہوئے کہا تھا، سلمیٰ اب بیٹھی تھیں مگر روشی کے لب مسکراہٹ سے عاری تھے۔

"میرا خیال ہے روشی تھک گئی ہے" فریحہ بیگم نے روشی کی بدلتی کیفیت کو شاید سب سے زیادہ محسوس کیا تھا، وہ ہلکی سی تھکی ہوئی اور گھومنے والی ساس بھی تھیں۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہیں" زری نے تائید کی "واقعی اب یہ بالکل اکیلی محسوس ہو رہی ہے"

"خاصا اسٹرکر کے آئی ہے بیٹھے بیٹھے بھی انسان تھک جاتا ہے" روشی اپنے آپ کو موضوع بنتا دیکھ کر کچھ سنبھلنے لگی۔

"ابھی رات پڑی ہے سونے کیلئے ایک کپ کافی پی لوں گی سب تھکن بھاگ جائے گی" ماہ نے کافی کا کون کون پیے گا؟ اس نے سب حاضرین کو آفر کی۔

"ماہ سے کہو بنا لے گی" روشی نے ٹوک دیا۔

"تھی کافی تو میں خود بناتی ہوں" اسے وہاں جیسے ایک دم تھکن سی محسوس ہونے لگی تھی، بس وہ یہاں سے باہر نکل جانا چاہتی تھی۔

روشی عمر کا ایک ایسا حصہ ہوتا ہے جب تک کھیلی سکھیوں کے بیچ نادانی اور وحشت ہونے لگتی ہے، دانستہ نادانی اچھی لگتی ہے باہر کی دنیا، اس کی ذات میں اوجھل کے سارے رنگ جھلمل جھلمل کرتے ہیں۔ جس کے ساتھ باتیں کرنا بھی اچھا لگتا ہے اور نادانی بھی۔

"بھئی عجیب لڑکی ہو، تھکن بھی ہے اور کام بھی کرنا چاہ رہی ہو، آپا سے کہو وہ بہت اچھی چائے کافی بناتی ہے" زری کو کچھ سے اس کا اٹھنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"ابھی آجاتی ہوں آپی" بیٹھے بیٹھے ناگہیں بھی بج گئی ہیں" اس پر کسی کے اصرار کا مطلق اثر نہیں تھا۔

وہ تیزی سے باہر نکل آئی تھی عجیب سی بے کلی تھی نئی چادر اٹھا کر وہ سامنے آجائے۔

کالی کا کہہ کر آئی تھی کالی تو بہانہ ہی تھی مگر کچھ سوچا بھی تھا بہت سی خوبصورت سوچوں سے کیف کشید کرنا تھا۔

وہ بڑی بے خبری کی کیفیت میں مگن میں داخل ہوئی تھی مگر سرت کے احساس سے چھپے چور ہی گئی۔

سامنے برآمدے میں بڑی ڈائننگ ٹیبل کے سامنے باری باری کھانا کھا رہا تھا۔ یہ تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے بالو ماما اور گلو دونوں کے سامنے کھڑی جانے کن خوش گمانیوں میں مصروف تھیں سرسوتی سکتے کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔

"خیریت روشی بی بی۔ ہم سب بھی تو ایک جگہ اکٹھے ہو گئے وہاں آوازیں بڑھ رہی ہوں گی" سب سے پہلے ماما کی دروازے میں ایستادہ روشی پر پڑی ایک دم گڑبڑا کر گویا ہوئی۔

"کوئی نہیں بلا رہا" میں تو کالی بنانے آئی ہوں" دوباری کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھی جھجکتے ہوئے گلو نے۔

"میں بناتی ہوں کالی۔ سب کھائیں گی؟" ماما نے اپنے مخصوص خادمانہ انداز میں کہا۔

"دو تین کے علاوہ تقریباً سب ہی کھائیں گی۔ مگر کالی میں خود بناؤں گی" آپ لوگوں کو ہمارے گانے بجانے کے لیے نہیں لے جا رہے ہیں کھانے پکانے" بالو نے دانت نکالے، مسکرا کر نظروں ہی نظروں میں انیکڈوٹ کھل ہوا کرتی ہوئی گویا ہوئی۔

"ہم تو گانے سننے کیلئے ہی کچن کا کام جلدی جلدی سمیٹ رہے تھے" آپ لوگ تو بہت اچھا گانے والی ہیں" ہم بھی ایسے گانے آتے ہیں آپ کو" بالو نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"ہم نکلنے ہی والے تھے یہاں سے کہ خان آگئے ان کیلئے کھانا گرم کیا" سرسوتی کہہ رہی تھی کہ اس کے بغیر یہاں سے نکلیں۔" گلو نے مزید تفصیل بیان کی۔

"ہاں بھئی۔ خان تو ہیں ہی سر سے پاؤں تک بے ترتیب کوئی وقت ہی نہیں جب دل چاہا کھا لیا۔ جب دل چاہا سو گئے" باری بظاہر کھانے میں بہت منہمک تھا مگر اس کی ساری توجہ اسی سمت گرکی طرف تھی جو اس کی روح کی تراوٹ بنی تھی۔

"بے بہا تنقید بھی بے ادبی میں شامل ہوتی ہے" مرشد فرماتے ہیں عورت بے ادب ہو تو گھر سے رونق اٹھ جاتی ہے" اس نے کانٹے میں کچرے کا ٹکڑا پھنساتے ہوئے بڑی شریر مسکراہٹ کے ساتھ حصہ بنایا۔

سرسوتی تو خاک نہیں سمجھی۔ ماما کی صرف آنکھوں تک مسکراہٹ محدود رہی البتہ بالو دوپٹے میں منہ چھپا کر پیٹ پکڑ کر ہنسی روشی کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ تو بڑا "تجربات مند" ہو گیا ہے۔ یہ تو ملازموں کے سامنے ہی شروع ہو گیا۔

"خان! مرشد نے تو بیوی کیلئے کہا ہوگا ہر عورت کیلئے تھوڑا ہی" اس طرح کی باتیں تو گھر والی کے لئے کی جاتی ہیں" اس نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے گرہ لگائی۔

"اچھا آ ہو سکتا ہے آپ ٹھیک فرما رہی ہوں مگر یہ جو یہاں اتنی بے ادب کھڑی ہوتی ہیں کہ ان کیلئے بھی کوئی فرمان جاری فرماتے ہیں" وہ بڑی سادگی سے کہہ رہا تھا یعنی بچنے کی اچھا کر دی تھی۔

"سب ایک جیسی ہوتی ہیں" اس نے اپنے سامنے سے پلیٹ سرکا کر پیچھے رکھ لی۔

"مگر جس بے چارے کی قسمت میں ایسی بے ادب بیوی ہوتی وہ کچھ بے ادب ماما کو بھی لے جاتا" کچھ دیر کے لئے عورت اپنے سب سے بڑے بیٹے کو آواز دے رہی ہے۔ پھر کبھی معصوم ماما شوہر کو بھی ساتھ لے جاتا ہے۔ وہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولا۔ "ابھی وہی منکر ہونے بلا کی شرارت سے کام کر رہی تھی۔

روشی کھسیانی سی ہو گئی تھی" تمام کپ پلیٹ میں رکھ لو" وہاں کچھ بچا ہوا نہیں چھوڑنا۔

"ہم پھر کھا لیں گے خان۔ اتنا مزے کا بنا ہے آپ کا بنا ہوا کھانے کا ایسا موقع ہم کیسے ضائع کر سکتے ہیں۔

"مجبوری ہے ماما۔ تکلیف کی وجوہات کئی ہیں۔ ایک تو ہمارے ملازم ہیں۔ ایک لوگوں کی تکلیف اس لئے بھی ہے ہمارا کھانا کھا کر اور گانا سن کر آرام تو ہو سکتی ہے نیند نہیں" کہیں روشی بی بی" اس نے آخری جملہ روشی کی طرف دیکھ کر مخاطب کیا۔

"مجھے کیا پتا۔ آپ کے پاس تو ہر مسئلے پر تبصرہ کرنے کا ٹھیکہ ہے" ناراضی ظاہر کرتے ہیں" بھی ماما ہر بات پر ہنسنا ہنسانا ہے ہمارے پاس نہیں آتے۔" اس نے جیسے جل کر جواب دیا۔

"ہمارے کسی کی پرخلوص محبت خالی نہیں کرتے" آپ کوشش کرتی رہیے شاید آپ کے پاس بھی آنے لگیں" اس نے بات ختم کرتے ہوئے ماما کو اشارہ کیا تھا اور وہ تینوں اپنے اپنے کھانے کی ٹرے اٹھا کر کچن سے باہر نکلنے کا ارادہ کر رہے تھے۔

"آپ کافی پئیں گے خان۔" گلو نے پوچھا

روشی اس کے قابل اندازہ پر پیچ و تاب کھا رہی تھی جس کو خاک ہو جانے کیلئے اس کا محبت بھرا انداز ہی کافی تھا اب اس کی محبت بھرا انداز اس کے لئے توہین محسوس ہوا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ اب وہاں سے اٹھ کر چلی جائے۔

"ارے نہیں بھئی۔ میری مرنے کے ساتھ بڑی اچھی دشمنی تھی ہے جلدی سونا چاہتا ہوں آج۔ بہت تھکن ہے۔ ابھی جب میں سیگروں کلو میٹر چلے گئے ہیں۔ یوں بھی رات کو چائے کافی پینا کوئی اچھی بات نہیں ہوتی" ماما ان ہوتے ہے کھانا پینے کیلئے رات ہونے کیلئے ہوتی ہے" وہ ہنسیاں ہی رات کو جاگتی اچھی لگتی ہیں۔ ایک کو دوسرے سے ملتی۔ وہ میں ہوں میں ملتی۔ حالانکہ دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں"

"تو خان آپ تو پوری کتاب ہی پڑھ کر سنانے لگے۔ سیدھے سیدھے "نہ" کر دیں" ماما کی ہنسی چھوٹ گئی مگر روشی کا تو اس بے مروتے دل توڑ کر پھر سوا آف کر دیا تھا۔

اس کی نیندیں اس کے کام اس کے کلائنٹ سب کے بعد ہے۔ کیا اوقات ہے اس کی اس کے سامنے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں اس کو سب سے بڑا دھوکہ تو یہی تھا وہ اتنی دور گیا تھا اور اس سے ملے بغیر واپس آ گیا تھا۔ پتہ نہیں سوچا تو تھا اسے وہاں کب ملتا ہے۔

"ماما یہ کالی اندر لے جانا" اگر کوئی میرا پوچھے تو کہہ دینا میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ آرام کر رہی ہوں۔" وہ کالی بنانے کا برتن گرم کر کے اس سے پہلے کچن سے باہر نکل گئی۔ ماما کو بلا سے جاتے دیکھتی رہی۔

"روشی بابی کا بھی یہ نہیں پتا" خود ہی تو کہانی بنا رہی تھیں اب خود ہی چھوڑ کر چل گئیں" ماما نے ماری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ماری بھی کسی گہری سوچ سے جاگا۔

"حویلی کی ساری لڑکیاں بڑی سادہ اور عام سی ہیں۔ حویلی میں خوبصورتی تو صرف روشی بابی میں ہے۔ وہ اشتیاق ہے اور شاہوں کے ہاں وکیل تو نہیں ہوتی۔ سوچتا ہے" وہ مسکراتے ہوئے ماما کو سمجھا رہا تھا اور ساتھ ہی اس کی حیرت کو ختم کر رہا تھا۔

"یہ تو ہے مجھے تو شروع ہی سے ان سے ارگلتا ہے پہروقت اٹھا خاصی نظر آتی ہیں" گلنے ماما کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اب یہ نہیں خود کہانی فکشن کی بانہیں" ماما خود کلامی کرتے ہوئے کہانی بنانے لگی ماری کچن سے باہر جا چکا تھا۔

مایین تو اپنے اندر کی اداسیوں سے گھبرا کر ہال سے باہر آئی تھی یاور علی خان کو دیکھنے کا تو بہانا تھا۔ بے اختیار اس کی نظریں گیسٹ روم کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ وہ چاہ رہا تھا بھاگ کر وہاں جا پہنچے اور تیمور علی خان کو بتا دے کہ اس سب کا ذمہ دار کون ہے۔ مگر اس وقت اس کا پہلی فرصت میں اپنی بہن سے ملنا بنتا ہے وہ تو اسے سراسیمہ سے پھر لیں گے ابھی اس وقت۔

وہ دروازے کی سیڑھیاں اتر کر گھاس پر چلنے لگی وہ اضطراری انداز میں اپنے ہاتھ مسل رہی تھی۔

اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس حساب میں اتنی معصومیت سے کام لے رہی ہے زیادہ سے زیادہ یاور علی خان کے لیے کی اچھا یہ ہوگی کہ وہ اسے چھوڑ دیں گے۔

وہ اپنی اداب تو یوں بھی ہے اور یوں بھی۔ روشی کی شادی ہو جائے گی جواد باہر چلا جائے گا اسے تو اب ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ کم از کم اتنا تو ہو جائے گا کہ بچے اپنی ماں سے ملنے یہاں ناز بھرا اپنے بچوں کو ایک بار دیکھنے سے لگائیں۔

وہ بے اختیار سی کیفیت میں گیسٹ روم کے دروازے تک چل آئی تھی اس احساس سے بے خبر کہ کسی نے اسے دروازے کی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔

اس نے دروازہ ناک کیا۔

کوئی آواز سنائی نہ دی اس نے دروازہ دوبارہ ناک کرنا چاہا ابھی ہاتھ فضا میں ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ تیمور علی خان درحقیقت ناک کر رہا تھا۔

"اندر آ سکتی ہوں" اس نے نگاہوں میں نگاہیں جما کر بے خودی سے کہا۔

"تشریف لائیے" انہوں نے الجھن بھرے انداز میں ایک طرف ہو کر اسے راستہ دیا۔ وہ اندر چل آئی اور پلٹ کر دروازہ بند کیا ہلکا سا ٹھن ٹھن کر کے لاک لگا دیا۔ تیمور علی خان اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہے تھے۔ "بیٹھ سکتی ہوں" اس نے اجازت طلب کی۔

"اوہ شیور۔ پلیز بیٹھیے" انہوں نے بہت مہذبانہ انداز میں صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر سے الجھن آ رہا تھا۔

وہ بیٹھ گئی ضروری نہیں تھا بیٹھتی اور وہ بیٹھ رہا ہوتا تو بھی اس کے بیٹھنے کے بعد ہی بیٹھتا کہ مہذب رکھنے گی۔

"پلیز آپ بھی تشریف رکھیے۔ کچھ اس طرح مجھے بات کرنے میں دشواری ہوگی"

تیمور علی خان ایک طرف ایک بڑے صوفے پر بیٹھ گئے۔ مایین ان کی نظروں سے بچھنے لگی تھی۔

"ایک درخواست ہے آپ سے" وہ کہنے کہتے رک گئی۔

"جی فرمائیے" ۔۔۔ بے قراری سے بولے گئی۔

"آپ مجھے میری بہن سے اکیلے میں بات کرنے دیں گے" اگر میں ان سے ملنا چاہوں تو مجھے ملنے دیں گے"

تیمور علی خان اس کی طرف یوں دیکھ رہے تھے گویا سمجھ نہ آ رہا ہو۔

"جی۔ بہن۔ آپ" ان کے پاس جیسے الفاظ ختم ہو گئے وہ رک گئے۔

"جی میری حقیقی" میری بے گانہ اور اکلوتی بہن۔ وہ بیس سال سے فضلی کر رہی ہیں" آپ ان کی فضلی میں ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ۔ صرف آپ ہی تو انہیں سمجھا سکتے تھے کتنی زیادتی کی ہے آپ نے یہاں کے ساتھ" اس کی آواز بھرا گئی۔

تیمور علی خان کی گویائی سلب ہو گئی۔ وہ اس کی جانب بغور دیکھ رہے تھے۔ کتنی ذہانت تھی اس میں بات کرنے کی سب ہی ایک لمحے کیلئے بھی اجنبی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

"بیس سال بعد اچانک حویلی والوں کو کیا ہو گیا؟ آپ کے ساتھ یہ سوال کسی نے نہیں کیا؟ کیا آپ ان سے بھی نہیں ملنا چاہیں گے، خود کسی سے ملنا نہیں چاہتیں" تیمور علی خان بہت غور غور کر بول رہے تھے۔

گرے ٹوئیڈ سوٹ پر سلور ہرنٹ کا گاؤن پہنے گویی سوچوں میں گم تھا۔ وہ آج بھی اتنے جاذب نظر اور حسین لگ رہے تھے جتنا بیس سال پہلے مطربہ کے ہوش اڑانے کیلئے تھے۔

"ان کا چاہنا بھول جائیے سوچنے پر توجہ فرمائیے۔ مایین بے ساختہ کہہ گئی۔

"ہماری will کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ہم آپ کی ذمہ داری ان تک پہنچا دیں گے اور جو بھی ان کا جواب ہوگا آپ تک پہنچ جائے گا۔"

"خواہش نہیں پہنچائیں گے۔ اصرار کریں گے ان سے۔ پریشر ائز کریں گے وہ نہیں خود سے ملنے جائیں گی۔ چاہے روشی کے بیاہ جیسے ہمیشہ کیلئے چھوڑ دیں" مایین کا انداز خفا جذباتی تھا۔

"ہم نے کہا ناں۔ ہم انتہائی کوشش ضرور کریں گے۔ آپ کو اطلاع ہو جائے گی۔ انہوں نے قدرے برہم انداز میں کہا" حویلی میں کسی کو معلوم ہے آپ یہاں ہیں آدھے قدرے بھنچائے ہوئے ہی جا رہے تھے۔

"نہیں اس لئے کہ حویلی میں کسی کو یہ بھی پتہ نہیں کہ مجھے معلوم ہے۔ زندہ الحمدللہ زندہ ہیں" اس نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

نصیر علی خان چونک پڑے "پھر آپ کو کیسے پتہ چلا؟" ان کی حیرت بجا تھی۔

مایں مسکرا کر انھ کھڑی ہوئی "کیا کریں گے جان کر۔ اور پھر خانہ بھی کیا"

"ہم آپ سے ایک بات کہیں، غور ضرور کیجئے گا" نصیر علی خان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی فرمایئے" مایں نے قدم روک لئے۔

"زندگی سے سودے بیکی ہے، ہر تبدیلی پرانی ہو چکی ہے، تسلسل اسی طرح رہے دیجئے" سے اقتباسات سے ہم آپ کی مزاحمت ہوں گے۔ اگر کچھ اور بھی تو یہ کہ نقصان کی تلافی ہو جائے گی"

"مشورے میں ضرور غور کروں گی" اس نے گھریلو سودا میں ادب کر جواب دیا اور دروازہ کھول کر باہر آ گئی تھی۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے بہت دنوں سے کوئی بوجھ اٹھائے پھر رہی تھی اور وہ آج تھوڑا ہلکا تر ہو گیا تھا۔

"مہندی لگانے میں تو خالہ سولہ آنے ماہر تھیں، خود بھی مہندی لگاتے اور پھول پہننے کی بہت شوقین تھیں اماں کی کوئی چیز تو سولہ آنے خالص ہونی ہی ہے۔ انہوں نے کبھی مرتے دم تک یہ حقیقت تسلیم نہیں کی کہ وہ اب اماں نہیں رہیں خیال تھا کہ اس کے شوہر فسادات میں لاپتہ ہو گئے ہیں اور ایک روز انہیں اچھوتے ہوئے گھر میں آ لیں گے۔

"مگر اتنا نہیں پڑھا جاتا مہندی کی تعریف تھی" نرگس نے گھر کے مہندی سے سجا ہاتھ دیکھ کر تبصرہ کر دی تھیں۔

"انہیں خالہ سولہ آنے کیوں کہتے تھے۔" ایک روپیہ" کیوں نہیں کہتے دلی کی اماں" تانیہ نے آنکھ بھی ماری۔

نرگس کی ہنسی چھوٹ گئی "یعنی ان کا تکیہ کلام تھا سولہ آنے۔ جانے کس نوکرانی نے انہیں مذاق میں سولہ آنے کہہ دیا اور پھر تو سب ہی انہیں چھیڑنے لگے تھے۔ انہوں نے تو تکیہ کلام ترک کر دیا مگر لوگوں نے یہ جان کر کہ یہ ان کا حساس کمزور مذاق میں کہا کرتے تھے مگر اس کی تو بڑی بھیجدگی سے انہیں سولہ آنے کہتی تھیں۔

کوئی ایسی عمر بھی نہیں تھی۔ برسات کے موسم میں انہیں لو اثر پا ہو گیا تھا اور وہی موت کا بہانہ بن گیا۔

یوں بھی اماں جی کی رحلت کے بعد وہ بہت غمگین رہنے لگی تھیں۔ بہت محبت کرتی تھیں اماں جی سے اور اماں جی کو بھی بہت لگاؤ تھا ان سے۔ ہمیشہ یہی تاکید کی کہ خالہ کا احترام کریں انہیں نوکر نہ سمجھا جائے" گھر کا فرد سمجھیں" خوبی کی تھی یہ کہ ان کا گھر پر دل ہوتا تھا۔ مٹھ جانے کیا کیا طاقتیں تھیں ان میں مہندی میں۔ مایوں کے بعد سہاگن بننے کے ارمان خوشبو بن کر پھوٹتی رہتی تھیں" نرگس بڑی اطمینان سے خالہ سولہ آنے کا ذکر کر رہی تھیں۔

"گانے بھی وہ گاتی تھیں کہ بس۔ بڑی رونق تھی ان کے دم سے حویلی میں۔ گھر ایک دم اداس اور ویران ہو جائے گا" انہوں نے گھر سے کہا۔

"رہنے دیں بی بی جان۔ بس ٹھیک ہے" وہ سر جھکا کر دھیرے سے گویا ہوئیں۔

"اور کیا بی بی جان۔ کیوں بے چاری گھر آپا کو بار بار یاد کر رلائیں۔ کون سا رکھنی ہو رہی ہے" سونا نے کہا۔

"کاکا جان آئے تھے کیا چلے گئے ہیں بی بی جان؟" زری نے پوچھا۔

"لو تقریب انجلہ کے بغیر کیسے چلے جائیں گے" سونا نے تعجب سے پوچھا۔ نرگس خاموش رہی تھیں۔

"ہر بھی سکتا ہے وہ کب اپنے بچوں کو چھوڑ کر جاتے ہیں حویلی کو۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ ہمارا ہی ہو جائے۔ بہت دل تھا ان کا یہاں پر، کیوں ان سے انتظار رکھتا ہے نا اماں صاحب سے بھی زیادہ" زری نے بھی حصہ لیا۔

نرگس اور خاموش تھیں۔

"ہاں، سوں اتنے اچھے ہیں پھر بھی نرگس کا ابا سے دل کی کیا بات ہے؟ آج تک کسی نے وجہ نہیں پوچھی اس سے بھی پوچھ لینا چاہئے" بیوی نے شوہر سے کہا۔

"ہاں تو پھر یوں کہا کیا اسطے۔ کوئی ضروری ہے بچوں کو ہر بات بتانی چاہئے؟" اس مرتبہ تکیے کے غلاف پر ٹانکے غلط لگا کر رہی تھی۔

نرگس اور تانیہ تو آف سوا، کچھ کر خاموش ہو گئیں۔ اگر چہ ان کے لئے بھی وجہ نہیں تھی تاہم کسی وجہ میں مداخلت نہیں تھی انہیں اسی طرح ٹوک دیا جاتا تھا۔

"کوئی فرمائش کرنا ہو۔ پھر تمہیں چوڑیاں بھی پہنانا ہیں" انہیں چوڑیاں بہت مشکل سے پہنتی ہیں" نرگس بھیجے کسی جانے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا۔

"چوڑیاں تو ہم سب نے بھی پہنتی ہیں بی بی جان۔ ہر کل کل کرتے آج کا دن آ پہنچا" بیوی نے یاد دلایا۔

"میرے خدا، وہ اتنے چوڑیوں کے جوڑا جھر چڑھے ہیں۔" نرگس نے گویا سر پیٹ لیا۔

"وہ تو سب پرانی ہیں" آتی اہم تقریب ہے کیا پرانی پہنیں گے؟" وہ ہنس کر بولی "آپ چلیں ہاں ہم سے ساتھ ہی سے کہہ دیں وہ ہنڈا بھی آپ کی طرح کہہ دیں گی کہ وہی پرانی پہن لو" زری نے جیسے خوشامد کی۔

"اچھا ٹھیک ہے دیکھتی ہوں۔ مایوں کو کہتی ہوں وہ تم لوگوں کے ساتھ چلی جائیں گی ایک تو ابھی تک مدے مایوں نکل جاتے ہیں بھی نکلتا ہی نہیں"

"مالکہ سولہ آنے اچھا ہیں" کزری مسرت سے بولی۔

"ہاں اب تم خالہ کی جگہ سنبھال لو" نرگس مسکرا کر باہر نکل گئیں۔

"اے روشی کو تو دیکھو، ایسے بے بھول جاؤ، وہ سولہ آف کر کے ساری تقریب کا ستیاناس کر دے گی" زری نے تبصرہ کیا۔

"ابھی جاتی ہوں۔ اس کے لئے کیا سزا آئے گا" یہ جھاگ کر باہر نکل گئی۔

تھوڑی دیر بعد اعلان ہوا کہ باہر گاڑی تیار کھڑی ہے" کیاں تو جیسے خوشی سے دیوانی ہو رہی ہیں اور ہنستی ہوئی باہر آ گئیں۔

سائی سورہی باہر آئیں تو گاڑی کھچا کھچ بھر چکی تھی۔ البتہ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ ابھی خالی تھی۔ روشی نے انہیں دیکھا تو کہا تھی مگر لڑکیاں بھی تو تقریباً ساری تھیں۔ منے اور گھر کے علاوہ۔

"تم دونوں آگے بیٹھ جاؤ" مایں نے پرس سے گلاسز نکال کر چادر سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

دروازہ کھول کر بیٹھ گئیں۔ "دروازہ ٹھیک سے بند کریں تو گیئر پر پاؤں آ جائے گا" روشی نے روہانسی ہو کر کہا۔

"ذرا احتیاط سے کہیں ڈرائیور کی گود میں نہ چڑھ جانا" پیچھے سے ایک شرارتی آواز آئی۔

"کوئی بات نہیں اگر ڈرائیور گل شیر ہے تو چلے گا۔ بچے بڑوں کی گود میں دیئے جاتے ہیں" روشی نے جھلا کر جواب دیا۔

اسی شور شرابے میں پتا ہی نہ چلا۔ بلیو ایئر پنک ٹرسٹ میں بلیوں کو لوگوں پر ڈھیر کیا جا رہا تھا۔ ایک بڑا سا ٹرالر گیٹ کی طرف کا دروازہ کھول رہا تھا۔ تقریباً ایک ساتھ ہی سب کی نظر پڑی تھی۔ سب خاص خاص کرنے لگیں۔

"روشی یہ کیسا ڈرائیور ہے؟" پیچھے سے سونا کی آواز آئی۔ روشی تو پہلے ہی تجزیہ کر رہی تھی۔ آنی اور سونا کی طرف ہو کر اپنی بتیسی کر دی۔

"دروازہ کھول کر باہوں تکا کر بیٹھ جاؤں؟" وہ جھلائی۔

"کوئی مضائقہ نہیں یہ کوئی بلیوں نہیں کہ ہیر پھیر سے حادثے کا خطرہ ہو" پیچھے سے پھر جملے کسے گئے۔

چوکیدار گیٹ وا کر کے منتظر کھڑا تھا۔ ہارن نے گاڑی تیزی سے بیک کی اس پر گویا لڑکیوں کے جملے بازی کا مضمون نہیں تھا۔

ہارن نے پیچھے سے گاڑی گزار کر لیپ ریکارڈ آن کر دیا تھا۔ بہت دھیمے سروں کی غزل تھی۔ آواز بھی بہت آہستہ تھی۔

"ہارن آواز تو تیز کرو۔ کیا صرف روشی زدیلی کو سنا رہے ہو" سونا نے ہارن کو ٹوکا۔

"نہیں میں خود سن رہا ہوں۔ بابا صاحب گویے چلا کر لڑکیوں کو غزلیں سناتا ہوا بڑا ہوا ہے۔ کیا تھا تو کوٹ مارشل ہو جاتا میرا۔"

"تو پھر روشی زدیلی کو روشی لے دو اپنے کانوں میں ٹھونس لے کی" کچھ نہ کچھ تو دونوں سن ہی رہی ہوں گی" آنی نے جل کر کہا۔

"کیا خیال ہے؟" اتنی دیر میں پہلی بار وہ براہ راست ہارن نے روشی کو مخاطب کیا۔

روشی کی آنکھوں میں پانی اتر آیا "غلطی میری تھی ہے میں نے اسے خوامخواہ میں اہمیت دیا ہے" اپنے مضبوط خلق کے باوجود اس کی کوئی لیاقت نہیں ہوتیں۔ پہلے سے بھی زیادہ دردناک ہو گیا ہے۔

زندگی یوں تھی کہ جینے کا بہانہ تو تھا
ہم نفسو تیرے مکابت سے فسانہ تو تھا

سلمیٰ آغا کی آواز میں فراز کی غزل کے اشعار سماعت سے ٹکرا رہے تھے روشی نے ہاتھ بڑھا کر ٹیپ آف کر دیا۔

"بند کر دیا۔ کیوں بھئی؟" پیچھے پھر اپکار شروع ہو گئی۔

"روشی کو غزل پسند نہیں آئی" زدیلی نے اطلاع پہنچائی۔

"چلو ہارن تم تو ہی کچھ گنگناتے چلو" ماہین نے فائنل وہم میں لب کشائی کی۔

"سمائی لیک تک ہیں... روشی کی بچی سزا ہے" آنی بولی۔

"سنا رہے ہیں" ہارن نے بیک مرر کو پیچھے اس کی طرف موڑا۔

"بابا نہیں سن رہے تھے" وہ غرائی۔

"لاؤڈ سپیکر کی ہے ہمالی" زدیلی نے پیچھے اطلاع پہنچائی۔

"دماغ ٹھکانے پر ہے تمہارا۔ سے لاؤڈ سپیکر لگا کر بیٹھ گئے ہیں کہ فلاں فلاں جگہ سے گزرو تو ہمیں بتانا" ماہین نے تاروں کے فقرے بات کرنا مناسب سمجھا۔

"بہت سلیبی دیا ہے۔ مطلب نکل جائے تو لوگ پیچھا لے سے ہی انکار کر دیتے ہیں" ہارن نے دانتوں کا اگلی سیٹ پر صرف دانتی ہی ان سکے۔

اس کا بھی تو بھرا اس لگا تھے کہ چار و ناچار مگر سب شیطان کی خالائیں اس طرف متوجہ تھیں۔ دانتوں کو مسوڑے پیارا کر دیا گیا۔

ذرا کی شرارت ادا بھی گیا لوگ جھوک میں پتہ نہ چلا۔

سب بڑی سرخوشی کی کیفیت میں اتر رہی تھیں۔ پتہ چلنے کے باوجود اپنا مزا خراب کر رہا تھا۔ اس وقت ہی ہاتھ آنکھوں کے سامنے گروش کیے جا رہا تھا۔ اسے بہت سے سوال تھے کہ اس نے پہلے کیوں نہیں کہا۔ اسے پہلے کب چاہیے تھا۔ اسے وہ بھی کہنا چاہتا تھا۔ دل اترا تو وہ بھی بھیگنے لگی۔

مگر جیسے جان نکل کر رہ گئی۔ ہارن نے گیئر سے ہاتھ ہٹا کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اتنی مہارت سے کہ ہاتھ کرنے کسی کی نگاہ اس کی اس حرکت پر نہیں پڑ سکتی تھی۔

روشی تو وہم تھا۔ وہ بھی رو گئی تھی۔

ہارن کے وجود سے اٹھتی ہوئی وہی مہک اسے آنی کی طرح محسوس ہونے لگی۔ اس کے ہاتھ کی گرمی سے روشی اندر تک پگھلنے لگا۔

"بہت برا ہے گھر میں۔ میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں" ہارن بہت دھیما کر بولا "بہت ہو گئی آج آپ رات کو میرے کمرے میں نہیں آئیں گی۔ میں خود ہی جھوٹ کر چلا جاؤں گا" اس کی سرگوشی کرتی آواز سے اس کے اندر کچھ ٹوٹنے لگے۔

"میں کل ملاؤں بے وقوف بنانے کیلئے" وہ کہہ رہا تھا۔

"میرا ہاتھ چھوڑو۔ یہ کیا طریقہ ہے" خوف "جھجک" غصہ جانے کیا کیا تھا اس کے لہجے میں۔ "سب لوگ دیکھ رہے ہیں"

"دیکھنے دیں۔ میں خود چاہتا ہوں دیکھ لیں قصہ تمام ہو۔ تخت ہو یا تختہ۔"

"میں کاجان سے کہہ دوں گی" اس کے حلق میں کانٹے پڑنے لگے تھے۔

"انہوں نے ہی تو یہ ہاتھ ہاتھ میں دیا ہے" اس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"لڑائی ختم کرو لڑائی" آپ نے قریب آ کر کچھ متعجب اور غصے سے ان کی طرف دیکھا۔

"روشی بابا کا وہ پاگل سا بھتیجا ہے اسفند یار۔ میں آپ لوگ اتنے بڑے نام کیوں کرتے ہیں۔"

اس کا ہاتھ پکڑتے ہی جیسے روشی کی جان میں جان آ گئی۔ وہ تیزی سے گاڑی سے اتر گئی تھی۔

"یہ بھی کبھی آ نکلتی ہیں ہفتہ دو ہفتہ بعد۔" بیوی کو سر پر دوپٹہ اوڑھتے دیکھ کر وہ بولی تھی۔

روشی نے دوپٹہ سر پر اوڑھا چادر شانوں پر سیٹ کی۔ ابھی تک اس کی حالت لیرلیر تھی جلدی میں بھی شیشے میں منہ دیکھنا بھول نہیں گئی تھی اسی پر چادر اوڑھی تھی اور اب گاڑی سے اتر کر وہ اس کا استعمال طریقے سے کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر کو وہ بہت غور سے اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ اس نے یہ بات نہایت ہی غور پر نوٹ کی تھی کہ وہ اپنی کے اتر جانے کے بعد اپنی انداز نشست تو خاصا بدل گئی تھی یہ بڑی غور طلب بات ہے۔ وہ افراد اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوں تو ایک کے اتر جانے کے بعد بھی فوراً ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اسی طرح ہوا کے بالکل قریب بیٹھی ہوئی تھی اس نے روشی کے بیٹھے ہوئے حلیے بھی دیکھے تھے جس سے واضح ہو گیا تھا کہ خواتین کے درمیان بات چیت ہو رہی ہے۔ وہ اس انتظار میں کھڑا رہا کہ گفتگو ختم ہو کر کچھ اور آگے بڑھے۔ نتائج تو مصر طلب کے درمیان ہو گیا تھا۔ مہمان مگر وہ نہیں تھے زیادہ تر گھر کے افراد اور ہاں گھر کے اہم افراد تھے۔ یہ بین کو اس بات کی بے چینی تھی کہ آیا تیمور علی خان اور یار علی خان محفل میں اکٹھے موجود ہیں یا نہیں؟ اس نے یہ بھانپنے سے کمو کمر (خادم) سے دریافت کیا تھا مگر اس نے صرف تیمور علی خان کی موجودگی کی اطلاع دی تھی یار علی خان کے بارے میں اس نے لاعلمی ظاہر کی تھی۔

وہ اپنے بیڈ روم میں بھی نہیں تھے اگر کی بات تو تھی کہ پھر کہاں ہیں۔ وہ بہت مضطرب ہی تھی اپنے اضطراب کی وجہ اسے خود بھی معلوم نہیں تھی وہ اوپر چلی آئی اور بالکنی میں کھڑی ہو کر باہر کا جائزہ لینے لگی۔ بہت سے لوگ باغ میں بیٹھے اور چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ اسے تو تیمور علی خان بھی دکھائی نہیں دیئے صرف پھاٹک کی طرف کھڑا ہوا یار علی نظر آیا۔ وہ آج پہلی مرتبہ اسے چست کوٹ میں نظر آیا تھا۔ سیاہ اسٹرسوٹ سرخ اور سیاہ دھاریوں والی بالی کوٹ کو اوپر نیچے سے بھی اکٹھا سرخ رومال دور سے خوبصورت پھول محسوس ہو رہا تھا۔ مصور اور فنکار ان سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے پر قہقہہ لگانے کے ساتھ ہی بیچ کی سے گفتگو تھا۔

پتہ نہیں روشی کی نظر یار علی پر پڑی کہ نہیں۔ آج تو نیا ہی رنگ ہے۔ یہ بھی ہے ساختہ اسے خیال آیا تھا اور اپنے خیال پر وہ خود ہی چونک کر مسکرا دی تھی۔ سعدیہ سے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

اس نے صرف گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ تیمور علی خان لان کی روش اس کمرے کی طرف تھا جو حویلی میں ان کیلئے مخصوص تھا۔ وہ ایک دم پوری گھوم گئی۔

"السلام علیکم۔ حزان شیخ" وہ بہت دوستانہ اور صریحاً انداز سے مسکرا رہی تھی۔

تیمور علی خان تو جیسے اسے سامنے پا کر انجمن بن کے رہ گئے تھے۔ اس پر اس کا پرانے شناسا والا انداز۔

"حزان کہاں تھیں آپ اتنے عرصے بعد ملے ہیں ہم آپ کو حویلی میں رہنے کی دعوت دے چکے تھے آپ کو حویلی میں مستقل قیام کا فیصلہ کرنا چاہیئے تھا۔ آپ نے تو ہمیں بہت مایوس کیا ہے۔ حالانکہ ہم آپ کے بہت معترف اور مداح ہیں۔ ہمارے دل میں آپ کی عزت اور احترام ہے۔ ان باتوں پر تو ہمیں آپ کی خود ہی دعوت دینی چاہیئے تھی۔ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے۔ آپ ہمارا گلہ کیوں کر رہی ہیں۔ آپ کی مشکل سے ہمیں

پتہ چلا ہے آپ کیا کیا آپ بیت کر رہی ہیں؟" تیمور علی خان کے گم ہا اصحاب خواب دے رہے تھے۔ غریب کی مشکل میں ہے ہی کیا کر رہی تھی۔

"آپ دیکھ رہے ہیں مسئلہ ہو گیا ہو تو میں حویلی میں آنے کی بجائے بہت آرام سے وہیں اپنی عزت اب کر سکتا ہوں۔ میں یہ جانتے ہوئے کہ میری محسن اندھ ہے اس سے ملنے گیے۔ وہ کیا ہوں۔ وہ دل سے ہی اتنی نہیں کہ وہ سے عیب پوشی ہے کہ میں ان کے قریب ہوں۔ وہ دن آ کھا (بچیوں میں جن میں وہ لوگ وہ ہیں) بچی ہیں۔ وہ یار علی خان کا بہت خیال رکھتا ہے۔ اب معصومان کے ساتھ تعلق ہے۔ وہ بہت سارا دن میں عوام میں کے قریب میں سرانے کے لیے سے اپنی عزت کر کے اپنی چلی جاؤں گی۔ ایک ایسا بیت کے احساس کے ساتھ ایک دار سے کے قتم ہو پھیلے ہوئے عزت نہیں کے ہیں ان کا انداز تھکن اور بیزار خانہ تھا۔

"آپ تھانات میں دادا صمد نظر انداز کر کے یہ سب کیسے کر سکتی ہیں؟ ہم بھی تو کچھ کہتے ہیں؟" تیمور علی خان نے گلی سے کہا۔

"شیخ۔ آپ ضرور کچھ کہیں۔ مگر انہیں بھی کچھ کرنے سے پہلے کہیں" اس کا لہجہ بہت مصلحت سے عاری تھا۔

"آپ کو احساس ہے کہ یہاں پر اس نے عارضے کا کیا گہرا اور جان لیوا اثر ہو سکتا ہے؟ آپ کی ہمدردی نہیں اہل ہے کا علم ہے کیا کہا کہ اب ان باتوں سے کیا حاصل ہے؟"

"علم تو میری بہن نے کر ہی دیا ہے بلکہ علم کی اچھا کر دی ہے۔ آپ مجھے ان سے ملائیں تو کہ میں ان کو یہ کہہ سکوں کہ ہر لڑکی کی کہانی مثال تمام کی ہے اپنی عزت نفس کی حفاظت کیلئے خود کو مار لیا کرتی ہے ان کو اتنا نہ سمجھیں۔ ابھی تک سوائے باپ کے کسی نے انہیں غلط نہیں سمجھا۔ آپ نے بھی نہیں۔ تو پھر بچے کیسے غلط سمجھ لیتے تو حویلی والوں کا آج تک جو رویہ ہے اس کے ساتھ وہ ہے باپ صاحب سمیت کیا بچوں کے اطمینان کیلئے یہ کافی نہیں تھا۔ یار علی خان اٹھ کر ٹہلنے میں بلکہ ٹہلنے لگا کر پھر رہے ہیں اور بچے اپنے باپ کو اور دیکھ بیٹھے ہیں۔ میری بہن سچ ہو کر محروم ہے جو اتنا ہے۔ وہ اتنا سمجھ جاتا ہے۔ جو سچ سمجھا جاتا ہے۔ ضمیر کی آواز تو سبھی ہوتا چاہتے۔ یار علی خان نے زیادتی کی ہے ان کا بیرونی زیادتی کا بیرونی ہوتا ہے۔ کیوں سمجھ رہے ہیں حویلی والے ان کے بیٹے برا سلوک۔ وہ ان کے بالکل مستحق نہیں ہیں" وہ جیسے بہت بڑی تھی۔

"اسے ساتھ تو جو ہوا بھی ہم سب کے ساتھ اس میں حزیہ اضافہ ہو جائے گا مگر آپ کیوں ناحق آگ میں کود رہی ہیں؟ کوئی ناکردہ گناہ نظر نہیں آ رہا سوائے آپ کے تعصبات کے۔ غور کیجئے اور کی بات پر" تیمور علی خان بات کیے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

"آپ یہاں سے جائیے تو سہی نفع نقصان بھی لے ہو جائیں گے۔ آپ کو میری ذاتی زندگی میں دلچسپی کا اندازہ ہے" اس نے اپنے الفاظ میں اکٹھا ہوا دل بکھیر لیا تھا۔ بہن سچ ہو جاتی ہے میں یہ حقیقت کیسے نظر انداز کر دوں" اس کی آواز بھر گئی۔

تیمور علی خان چند لمحے کیلئے خاموش کھڑے رہے۔

"ہم تو آپ کے لیے کا تفکس ہو رہے ہیں۔ وہ تو ہم تو ستاروں کے گروپ میں آل ریڈی شامل ہو۔ اس کے اندازے مجھ تک پہنچنے لگی تھی۔

"دوسری بات یہ کہ ہم اپنے ساتھ آپ کو سرائے کیسے لے جا سکتے ہیں۔ جب تک وہاں آپ کا تحمل تام نہیں ہو جاتا آپ آزاد نہیں ہیں۔ اور آپ نے کیا سوچا ہے اس کا اندازہ نہیں ہے" تیمور علی خان نے فیروزی آسمان کی سرخی مائل ہلکی ہلکی لکیروں سے آراستہ ماہین کی سمت ایک اچٹتی نگاہ ڈالی تھی۔

"میں کرایہ بھی جاؤں گی بکھوان کے لیے آپ بکھو کو دیں گے آپ ہے؟" اس نے بہت خوش ہو کر تیمور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔

"اگر وہ رضامند نہیں ہوئی؟" تیمور علی خان نے امکان ظاہر کیا۔

"اف اتنی پتھر ہو گئی ہیں۔ بکھو۔" ماہین نے بکھو سے بے ساختہ کہا تھا۔

"تو پھر میں وہاں سے ائر کیٹ سرائے خود بھیج جاؤں گی۔" اس نے فوراً دوسرا مشورہ دیا تھا۔

"ہوائی میں آپ کے ساتھ یہاں سے بھی جا سکتی ہوں۔ مگر یہاں بہت خوناک ڈر لے کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اب ایک گاہ سکون سے ہو سکتا ہے۔ تو یلا وجہ کی ٹینشن کرنی ایت کرنے کا کیا فائدہ۔ سکون ہو گا تو ہو سکتا ہے بکھو جینیٹ اور لگ جائیں۔ یوں بھی ٹینشن ہو تو بڑھ یا اور زہر ہو جاتی ہے۔ اس تھاوان کے لیے میں ہمیشہ تھینک فل رہوں گی۔ آپ کی۔"

اس کے سرے گو یا بہت بڑا بوجھ سرک گیا تھا۔ وہ بہت پرسکون دکھائی دے رہی تھی۔

"اب بھی نہیں تا کیں گی کہ ہوائی میں کون آپ کا انتظار تمکسار بید ہو گیا ہے۔" تیمور علی خان کے ذہن میں اس سوال کی چاس اپنی جگہ تھی۔

"تا دیں گے پھر کسی اچھے وقت میں۔" وہ مسکرائی۔ بقیہ کی تمام کہانیوں کے رنگ۔ وہ تیمور علی خان کے ذہن میں بکھیر رہی تھی۔

معاً اس کی نگاہ سامنے دیکھنے کی طرف پڑی۔ یاور علی خان آخری اسٹیپ سے واپس پلٹ رہے تھے۔

ایک لمبے کوتاہ جیسے وجود یکدم بے روح ہو گیا۔ اچانک پہنچنے والے مناک کے سبب اس کا حلقہ تھوڑا سا کھلا ہوا اور بھیگی پلکیں جھول گئی تھیں۔ تیمور علی خان اس کی یہ کیفیت دیکھ کر پیچھے مڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اتنی دور تک تو یاور علی خان نظر نہ آ رہے تھے۔ وہ پہلے سے ہی گم ہو چکے تھے۔

"کون تھا؟" انہیں یکدم اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ وہ ان دونوں کے درمیان میں کھڑے ماہین سے مخاطب کر رہے تھے۔ ماہین نے تو انہیں بتایا تھا کہ یاور علی خان نہا رہے ہوئے ہیں تو پھر ماہین نے کس کو دیکھا

"یاور صاحب۔" ماہین کے منہ سے مشکل آواز نکلی۔

"اوہ۔" تیمور علی خان نے فکر مندی سے ماہین کا چہرہ دیکھا۔

"ڈونٹ وری۔ آپ فکر نہ کریں۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہم کہہ دیں گے۔ پھر میں آپ سے ایکسکیوز کر لوں گی۔ آپ سے ایکسکیوز کریں گی۔" وہ مکمل طور پر سنبھل چکی تھی۔

تیمور علی خان کی پیشانی پر فکر کی لکیریں واضح ہو رہی تھیں۔

انسان کا کوئی فیصلہ دوست احباب اور رشتہ دار کرنے والی بہت کی باتیں کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ کسی سے اشارے کنائے تک میں کوئی ذکر نہیں کر سکتی تھی۔ بلند بخت کو بکھو کہہ کر بلایا کرتی تھی۔

آیا۔ ہو گیا ہے وہ سب بکھو جس کے اندیشوں سے آپ لرزتی رہتی تھیں۔ اب میں آپ کو بتاؤں کہ آپ کی بکھو اس کے بعد بھی یوں ہو گی۔ آپ تو کہیں اس سے ملنے جا سکیں یا نہیں۔ آفٹر آل وہ میرا شوہر ہے۔ تیغیر ظلم کے اور مضبوط ہو گیا ہے۔ میرا۔ میرے لگے بچائے کرایا ہے۔ میں نے دل و جان سے یاں کی ہے۔

مگر آپ۔ کہیں یہ سب سن کر تم بیزار نہ جانے لو لیٹن میں آخر۔ وہ ہوائی میں یہاں سے وہاں تک ہو گی بے مضمحل کر رہی تھی۔

عجیب عجیب سے خیالات کی یلغار تھی۔

ان کے ہاتھ کی گرمی ابھی تک ہاتھ میں تھی۔

یہ بہت خواب ہے۔ لگتا تو نہیں ہے ایسا۔ یعنی ہم خود سے ان کے پاس ہوں تو نہیں ہوں ہوائی ہو بیٹھے تھے۔ کبھی خود سے خود کو بلا کر یہ حال پوچھ لیا جائے۔ میں کیسی ہوں؟ قیامت تک نہیں وہ جیسے خواہل اور سانا کی جگہ میں پھنس گئی تھی۔

"ہیلو خواب صاحب۔ مگر مجھ سے وہ ابھی سے اتر گئے تو بھولے بھٹکے میرا خیال آ گیا۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تمہاری ضرورت ہے۔ تمہارا خلوص تمہاری شدت۔ میں تمہیں چاہوں یا نہ چاہوں۔ مگر تم صرف مجھے چاہو۔ جب تک مجھے تمہارے خلوص اور اچھائی قبیلہ کا یقین نہیں آ جاتا۔ میں یونہی بے کل بے اور بھٹکتی رہوں گی۔ ہو سکتا ہے مر ہی جاؤں۔ بلکہ ہو ہی دل بھر آیا۔

"اچھی پاگل۔ رو رہی ہو یا کچھ اور؟" پتہ نہیں کب سے یکن میں اور کہاں تھیں۔ تو کہاں سے وہ ہوائی میں نمودار ہوا تھا۔

"کچھ اور آپ کہا کریں۔ ہمیں تو یہ اچھا لگتا ہے۔" اس نے کسی بھی صورت کو پرشوق نگاہوں سے دیکھا تھا۔ جب آواز اور شکل میں وہ آن اور حقیقت بہت اچھی لگے۔ ہیں نہیں۔

"تم بہت ہی کیوٹ تھا۔ کوئی بات ہو گئی ہے؟" وہ اسے نظروں میں تولنے لگیں۔

"کچھ ایسے ہی۔ بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی۔" وہ زبردستی مسکرائی۔

"تمہاری آنکھیں بہت اداس تھکی تھکی محسوس ہونے لگی ہیں۔ پہلے تو یہ تھا کہ تمہاری شادی زبردستی ہو رہی تھی اب تو ہو گئی ہے۔ یا کوئی اور مسئلہ درپیش ہو گیا ہے۔ اب تو تمہیں خوش رہنا چاہیے۔ پھر اب کیا ہوا؟" وہ جیسے بکھو ہونے کے درپے تھیں۔

"کچھ نہیں۔" اب وہ انہیں کیا کہتی۔

"ماہین خوش تو تمہاری نکی خالہ ہیں۔ وہ ماؤں کی طرح ہیں کوئی بات ہے تو ان سے کہو۔" انہوں نے تھپکا دیا۔

وہ ٹی نے چونک کر ان کے صورت دیکھی۔ آج تو بڑی خیر خواہ محسوس ہو رہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں ہے ممی آپا۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ میں بھی آتی ہوں۔ ممی اپنی خیر خواہی کے باوجود بہت اجنبی محسوس ہو رہی تھیں۔

"تو کولا نزر لے لو کوئی۔ ٹینشن کم ہو جائے گا۔" وہ جاتے جاتے پھر مشورہ دے گئیں۔

اس نے کچھ دیر قبل یاور علی خان کو باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ جانے کیا بات آ گئی تھا۔ کچھ طبیعت اس طرح بھی بوجھل تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر ٹہلتے ٹہلتے ان کے کمرے کے سامنے آ گھڑی ہوئی تھی۔ دروازے کے پینل پر ہاتھ ٹکا تو وہ کھل گیا۔ اس نے سر اندر کر کے جھانکا تو بہت ہی ہلکی خوشبوؤں کے جھونکے اس تک آئے۔ کچھ دیر پہلے ماہین تیار ہوئی تھی۔ یہ خوشبو کیں اسی تیاری کی گواہ تھیں۔

سامنے سائیڈ ٹیبل پر یاور علی خان اور ماہین کی شادی کی تصویر بڑے خوبصورت فریم میں لگی ہوئی تھی۔

وہ کشاں کشاں اندر چلی آئی اور تصویر اٹھا کر دوپٹے سے صاف کرنے لگی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہیں آپ پاپا کے ساتھ۔ مگر میری امی کی تصویر بھی تو دوسرے کونے پر ہونا چاہیے۔ انسان جن کے جسم و نکاح میں ہیں تصویریں تو انہی۔ پتا نہیں کیوں افسوس ہوتا ہے۔ امی تصویر کی صورت گھر کے کسی بھی حصے میں نہیں ہیں۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو نیچے اور فریم کے شیشے پر آ گئے۔ اس قدر زبردست خلا ہے میری زندگی میں محبت کا۔ باپا اور سب ہی محبت کرتے دکھائی دیتے ہیں پھر مجھے یقین کیوں نہیں آتا۔ ایسا لگتا ہے فرض ادا ہو رہا ہے۔ بے اختیاری اور بے ساختگی محسوس نہیں ہوتی۔ وہ جس کو میری وجہ سے راحت دے سکے یا کر سکتا ہے۔ وہ بھی کام نمٹانے کی پڑ کر سو جاتا ہے۔ اگر میں اس کی خواہشوں میں ہوں تو وہ مجھے بار بار کیوں نہیں پوچھتا ہے۔ نہ ہی رکھتا ہے دل۔ آنسو ایک تواتر سے بہنے لگے۔

جی چاہتا ہے اسے اپنی مظلوم جدائی سے آشنا کروں پھر دیکھوں کہ میں اس کی خواہشوں میں کس حد تک شامل ہوں۔

ماحول میں اتنی اداسیت کیوں ہے۔ حقیقی اور خوبصورت رشتوں کی موجودگی کے باوجود۔

وہ اپنی کیفیات سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ حالانکہ یہی ہونا ہے۔ جب انسان اپنی شدید خواہش کی تکمیل کے سارے راستے بند دیکھتا ہے تو خلا واقع ہوتا ہے اس پر۔ تب آنے لگتے ہیں۔ اور کسی ایک غم کے ہالے جانے کتنے پرانے اور مدفون غم ہوتے کے اسکرین پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ آنسو اس قدر تواتر سے بہہ رہے تھے۔ کہ اگر اس نے ٹیک اپ کیا ہوتا تو سب حل ہو جاتا۔ آپ تو اپنے نہ بنا سکا۔ میری تقدیر کے ہاتھ اور راستے آپ کے علم میں نہیں آ سکتے۔ میرے حواس کے پیچھے گھومتے

آپ کی سوچوں میں ہیں۔ سوچا ہو گا نہیں۔ سوچ سکتے ہیں۔

وہ بچے سوچتے چونک پڑی۔ وہ سامنے ہی ہلکی سی مسکراہٹ سجائے کھڑی تھی۔

"کون؟" وہ جلدی جلدی چہرہ پونچھنے لگی۔

وہ وہیں ٹکی کی چوکھٹ کے ساتھ ٹکا ہوا تھا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور بولا تھا۔ "چلو سب ہی ہیں۔ باقی سب موجود تھیں۔ اس لیے اس نے ٹیک انکروں سے دیکھنے کا سوچا تھا۔ کچھ تھیں۔" وہ ہنسا تھا۔ "سوچا تھا۔ سوچنا بھی کوئی کام ہوتا ہے۔ سوچنا بیکار ہوتا ہے۔ سوچنا بیکار ہوتا ہے۔ سوچنا بیکار

باری کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ جز بز ہو کر رہ گئی۔ باری کے قہقہے نے احساس دلا دیا تھا کہ وہ کیا کہہ گئی۔

"عقل مند وہ ہوتے ہیں جو کر کے دکھاتے ہیں اور عابت ہو جاتے ہیں۔ پہلے سے اعلان نہیں کرتے۔ مجھے عقل مند بننے کی اجازت دے دیں۔ خیر۔ یہ یار خاناں کا کرا ہے۔ اس سے زیادہ بات نہیں ہو سکتی۔ وہ میں نے اپنے کرنے میں بلایا تھا آپ کو۔" وہ جاتے جاتے مڑ کر گویا ہوا۔ اس کو پلٹتا دیکھ کر وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اور یہ بھی حیرت سے بات ہی رہی تھی۔ کچھ غلط سمجھا رہا تھا۔

"ایسا ہی ہوتا ہے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں کہ پی کی چھب دیکھ کر اپنی بھول جاتے ہیں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں آپ؟"

"کیوں؟" وہ تلک کر بولی۔ "پہلے تو تم نے مجھ سے کبھی اس طرح بات نہیں کی؟"

"پہلے رشتے داری نہیں تھی اب تو بڑی قریبی رشتے داری ہے۔" وہ ہونٹ دانتوں تلے دبا کر مسکرایا۔ "یک بارگی آ ماں کر تو دیکھا ہے۔ تاکہ ہمیں بھی اپنی خوش قسمتی کا یقین آ جائے۔" اس نے دروازہ وا کرتے ہوئے پھر سے چھیڑا۔

"میں نہیں آ سکتی۔ یہ کوئی آسان بات ہوتی ہے؟" جانے کیسے اس نے دروازے کا سہارا لیا تھا۔

"پھر آسان بات کیا ہوتی ہے۔ دوسرے کو بات بات پر آزمانا؟ احساسات کی اہمیت کا احساس دلانا؟ دل کیا بڑا کوئی خوش رنگ پتھر نہیں ہوں۔ جسے آپ نے چن لیا تھا۔

جی بھر کر بے اعتباری کا اظہار کریں کوئی پابندی نہیں۔ لیکن پہلے آپ کو بات ہونا ہے مجھ پر۔ میں کیا ہوں آپ کے لیے کیا ہوں مجھے کوئی جلدی نہیں ہے بتانے کی۔

میں تو ویسے ہی تنگ کر رہا تھا آپ کو۔ میں کیوں آپ کو کسی مشکل میں ڈالوں۔ مگر آپ مجھ اس طرح نظر انداز کر کے جو گزر جاتا۔ میری خاکساری پر نہ جائیے خاکسار نہیں ہوں۔ اس کچھ انسان کے اپنے اپنے سلیقے ہوتے ہیں۔

میں آپ کی پسندیدہ چیزوں میں نہیں ہوں۔ جو آپ نے اپنے کا جان سے فرار حاصل کر کے حاصل کر لی تھی۔ آپ اس ریلیشن میں پہلے میری جگہ واضح طور پر بتا دیں۔ پھر کچھ ہو جائیں گے۔"

دروازہ معمولی سا کھلا ہوا تھا اور اس نے جھٹکے سے مزید کھولا تو گویا ارمان جاتے رہے۔ سامنے یاور علی کھڑے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یاور علی خان نے باری کے چہرے پر جو تاثر دیکھا تھا اس نے واقعی بارقی کو اس کمرے میں مبہوت کر دیا تھا۔ نہ کوئی سوال۔ نہ جواب۔ نہ وضاحت کا حصول کے مطالبے کی بھی محسوس نہیں ہوئے تھے جیسے کوئی تہہ پانی اندر جو اس بات کا بھید دیتی تھی کہ اس نے کچھ سن لیا ہے۔

روشنی کے تو جسم کا سارا خون نچڑ چکا تھا۔ وہ لاکھ بہادر سہی مگر اس طرح کی بے ساختہ صورت حال میں تو یہ اس کا اعتماد ہی کھو گیا تھا۔

یاور علی خان اس طرح ایک طرف کو ہو گئے گویا باری کو جانے کے لیے راستہ دے رہے ہوں۔

باری حال کی حال میں نجانے کیسے آگے بڑھ گیا۔ یاور علی خان نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ باری دہلیز کے گیٹ میں کھڑی تھی۔ باپ کو دروازہ بند کرتے ہوئے دیکھا تو قدموں سے جیسے جان نکل گئی۔ اب اس کی آنکھیں کا پتلی تھیں۔

یاور علی خان گھورے ستھر کے ساتھ ٹانگ کی ٹانگ دھیلی کرتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"کیوں کھڑی ہو؟" ان کے لہجے میں جیسے اجنبیت کا سا انداز در آیا تھا وہ اسے جانیں نہ جانیں وہ تو جانتی تھی۔ دل بچارا بہت پچھتایا کہیں گہرائیوں میں اترنے لگا۔

وہ خاموشی سے دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر پہلے وہ جو یہاں اسے کھڑی سنا رہا تھا۔ اس کے احساسات

خاک کے سپرد کر رہا تھا۔ وہ قیامت کیا اسے سمجھ لے گا کہ جس کی ایک اذان ہی باقی تھی۔

وہ خوف کی اس انتہا پر تھی جب احساسات جمود ہونے لگتے ہیں۔ اور بے حسی طبیعت کا راستہ کھوجنے لگتی ہے۔

"روشانے۔"

"جی پاپا؟" جھٹکے اس کی آواز نکلی تھی۔

"تم مجھے اپنا وعدہ یاد کرانے کی جرأت کر رہی ہو یا کوئی شبہ ہے؟" ان کا لہجہ سرد تھا۔

اس نے دل کڑا کر ان کی صورت دیکھی۔ جھٹکی جس نے تو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ اب شور مچے گا۔

"میں بھی نہیں پاپا۔" اس کی آواز لرز رہی تھی۔

"پاپا! اس وقت میری بہت بری حالت ہے۔ آپ اس طرح کی باتیں نہ کریں۔" اس نے اپنی آواز کی لرزش۔ پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"تو پھر تم سیدھے سے کچھ پوچھنے کا انتظار نہ کرو۔ خود ہی بتا دو جو بات بھی بتانے والی ہے۔ اگر نہ بھولی ہو تو یاد کر لو۔ بہت وقت ہے۔"

یاور علی خان کے لہجے میں کوئی اتار چڑھاؤ نہیں تھا۔ مگر وہ اندر سے کانپ کر رہ گئی۔ بات آ ہی چکی تھی کہ اب اور وہ خاموش کیا رہ کچھ ہو چکا ہے۔

"آپ نے اگر ہماری کی بات سن لی ہے تو پھر یہ بھی سن لیا ہے کہ آپ جو سمجھے ہیں ویسا ہی ہوا ہے۔"

"اچھا کیا ہوئی؟" یاور علی خان نے تیزی سے بات کاٹی تھی۔

روشی خاموش رہی۔ درحقیقت اس کی سمجھ میں یاور علی خان کا سوال نہیں آیا تھا۔

"تمہاری شادی ہماری کے ساتھ کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے؟ تم نے خود سے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے؟ یہ معاملہ طے ہوا ہے یا کھلی طور پر کچھ ہو چکا ہے؟" بلا کی روانی تھی طنز نمایاں تھا۔

روشی بدستور خاموش تھی۔

"روشانے امیر! وقت ضائع نہ کرو۔" اس مرتبہ وہ برہم ہو کر چلائے تھے۔

"نکاح ہوا ہے پاپا۔" اس کی جان آنکھوں کی حد تک نکل چکی تھی۔

کوئی بلاسٹ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ایک ہولناک سناٹا کمرے میں چھا گیا تھا۔

"صرف نکاح ہی ہوا ہے ہاں؟" یاور علی خاں نے خاصی دیر بعد خاموشی توڑی تھی۔ ان کی آواز میں گونجتا سوال تھا۔

"صرف۔" وہ سمجھی نہیں، ڈرتے ڈرتے نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"جی۔ بس نکاح ہوا ہے۔" آپ اسے کچھ تو کہتا تھا۔

"نکاح۔ سرائے میں ہوا تھا۔ میرا مطلب ہے چھوٹی حویلی میں؟" یاور علی خان جس تقدیر سے سکون اور اذیت کا

تعاقب کرنے کو تھا۔

"جی؟"

"کون کون شریک ہوا تھا؟" اس مرتبہ ان کا لہجہ گویا تھوس کی طرح سخت تھا۔

"جی بس۔ نکاح خوان اور ان کے دوست تھے۔ بس۔" خوف سے اس کا دل اچھل رہا تھا۔

"تمہاری پاپا کی کوئی خاتون؟" یاور علی خان کے انداز میں کچھ تھا۔ روشی سمجھ نہ سکی تھی۔

"نہیں تو۔ کوئی خاتون نہیں تھیں۔ نکاح خوان کی واقف تو مجھ سے بلس تک نہیں۔"

اس نے گھبراتے ہوئے ان کی سمت دیکھا۔ وہ اپنی گھڑی سوچ میں ڈوبے نظر آئے۔ اور پھر اپنا موبائل فون نکال کر سامنے رکھا اور اجازت ہو کر بیٹھ گئے۔

"تم سچ تو نہیں کہہ رہیں؟" انہوں نے اور اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"اب کے اب میری بات غور سے سنو۔" ان کے انداز سے پھر سرد مہری چھلکنے لگی۔

روشی کا دل پرندے کی طرح پھڑپھڑانے لگا۔ وہ مرتقن گوش تھے۔

"تم سرکشی دکھا چکیں۔ اپنی ہی کر چکیں۔ ایک احمق انسان سے صرف اور وقت ہی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ تمہارے ساتھ جو ہوئی تو یہ سب کیوں ہوا؟ ٹھیک؟"

"اب یہ ہے کہ اسی وقت بتاؤ۔" "ہماری یا اپنی۔" تمہیں ہمیشہ کے لیے ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔"

وہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اپنا غضب انہوں نے کس سکون سے ظاہر کیا تھا اور اپنے فولادی اعصاب ہونے کا ثبوت دیا تھا۔

"آپ ایسے نہیں کر سکتے پاپا۔" اس کی آنکھوں سے اشک بہنے لگے۔

"جو چاہے کرو۔ نہ باپ کی انا کا خیال نہ اس کی سالوں کی ریاضت کا احساس۔ میں کوئی لمبی چوڑی بات یا تقریر نہیں کروں گا مگر مجھے جواب ابھی چاہیے۔"

غضب بڑا مگر انداز دھیما تھا۔ جس انتہائی فیصلے پر اصرار تھا وہ سماعتوں کی زد میں تو نہیں آ رہا تھا۔

"پاپا پاپا۔" وہ زار و قطار رونے لگی۔

"یہ تو پاگل ہے۔ پاگل اور ان گھڑ باپ کی اولاد۔ اگر تم جیسے یاور علی خان تمہارے لیے کسی پولیس کارنامے بھی مانگتے تو میں فوراً کروں۔ اتنا انکار تو اسے کرنا بھی نہیں چاہیے تھا معصوماً۔ خیر۔ کیا فیصلہ ہے تمہارا۔ اگر ہماری کا ساتھ منظور ہے تو یاد رکھنا یہ آخری ملاقات ہے۔" ان کی آواز میں اس مرتبہ بہت تلخی تھی۔

"پاپا پلیز۔ ابھی مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آپ ذرا صاف سے تو اکسس کیجیے۔"

"تم کیا صاف۔ تمہارے کارنامے اکسس کرتا پھروں۔ یہ فول بن سنس۔ مجھے تمہارا جواب مل گیا ہے۔ ہمیشہ کے

لیے۔۔۔ وہ جاذبِ نظر لڑکوں سے۔ گیٹ آؤٹ۔"

وہ علی خان خود پر قابو پاتے ہوئے بمشکل کہہ پا رہے تھے۔

"پپا! آپ میری بات سنے بغیر اتنی سخت سزا نہیں سنا سکتے۔ فار گاڈ سیک۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کارپٹ پر بیٹھ کر ان کے گھٹنے تھام لیے۔

"پپا! مجھے پوری بات۔ میری اگر چوائس کا چانس بھی ہوتا تو میں اس کام کو ہرگز نہ کرتی۔ آئی ایم ویری سوری۔ بہت بھولی ہوں۔ فیصلے کرنے کی عمر نہیں ہے تمہاری۔ تم نے میری آئی سائٹ کی ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں تو کوشش کرو کہ میں خوش رہ بھی سکتا ہوں اگر کسی رات خبط ہو جاؤں۔" جواب دے گیا۔

"بابا گاڈ یس!" روشنی نے یہ حواس اور گمان کی صورت دیکھی۔ "پپا! میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے۔ آپ کی آنکھوں کے باوجود میں نے گھر میں بیٹھ کر آپ کی راہ دیکھی ہے۔ آپ کا انتظار کیا ہے۔ سچ مچ آپ کی ایک جھلک کو ترستی رہی ہوں۔"

وہ ان کے گھٹنوں پر پیشانی ٹکا کر زمین طرف رو دی تھی۔

"جن سے انسان محبت کرتا ہے انہیں کبھی محروم نہیں رکھتا۔" انہوں نے بے دلی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"پپا! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ بات آپ کے لیے اتنی تکلیف دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ مجھے پتہ ہوتا تو آپ کو دو قدم اٹھانے پر خود حاضر ہوں گے۔ مگر بات یہ ہوئی کہ کاکا جان کی اچانک موت کی وجہ سے یہ سب ممکن ہو گیا۔ پپا! آئی ایم ریئلی سو سوری۔"

"شٹ اپ۔" یاور علی خان اسے ایک طرف ہٹا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ "تم چلی جاؤ اسی وقت میرے پاس سے۔ تمہارا اب کوئی تعلق نہیں ہے۔"

وہ اتنا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

وہ حسد کی آگ اگلتے اسے دیکھ رہی تھی۔

ماہین کب سے باہر ارمغان کا مقصد آ چکا تھا۔ اپنی خواب گاہ میں داخل ہونے سے پہلے اس نے تمام نکات کے جواب تیار کر لیے تھے۔ سب ہی ہیں گھر میں۔ کچھ ہو جائے۔ پھر کوئی بہانا بنا لے گا۔ یاور علی خان سے ہر طرح نمٹ سکتی ہے۔ خاص ہیں سونے کی کمی تھی دلیلیں کرنے کی طاقت سے محروم تھی۔ مگر وہ اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ سارے قصے میں روشنی اور ارمغان کی اہمیت سب سے زیادہ تھی۔ ان کے ادھیڑ بن کے خدشات پیش نظر تھے۔

تقریب کے اثرات دھندلا رہے تھے۔ حویلی میں آہستہ آہستہ آوازیں معدوم ہو رہی تھیں۔ راہداریں ویران ہو رہی تھیں۔ لڑکیاں تھکی ہاری ادھر ادھر گری پڑی نظر آ رہی تھیں۔ اور وہ الگ الگ جگہوں میں تھی۔ یاور علی خان تقریب میں کسی وقت بھی حصہ لیتے نظر نہیں آئے تھے۔ البتہ تیمور علی خان کو اس نے کئی جگہ مختلف لوگوں سے ملتے ہوئے دیکھا تھا۔

لاج کے لیے لڑکی کے وکیل کی حیثیت سے بھی وہ کئی لوگوں کے ساتھ ان کے گھر آتے رہے تھے۔ وہ اس علاقے کے بارے میں جانتی تھی۔

وہ مرکب بیکری" کا بورڈ لگنے کی وجہ سے اس کی سمت تھوڑے سے فاصلے پر تھا۔ وہ بیکری بند تھی۔

تقریباً ساڑھے نو بجے اس نے اپنی خواب گاہ میں قدم رکھا تھا۔ یاور علی خان شب خوابی کے لباس میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے ہوئے فون میں گم تھے۔ انہوں نے اندر داخل ہوتی ہوئی ماہین کو دیکھا تھا۔ مگر وہ اسے جواب کا موقع دیے بغیر فون پر مصروف ہو گئے تھے۔

ماہین نے غصہ بھرے تاثرات کی سمت دیکھا تھا۔ ان کی بھنویں سکڑی ہوئی تھیں۔ وہ خاصے سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ ماہین کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔ وہ ان کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگا رہی تھی۔

وہ بیڈ کے پاس آ کر رک گئی۔ یاور علی خان نے اس کی جانب توجہ نہیں دی تھی۔ وہ بدستور فون پر مصروف تھے۔

"آپ روشنی کی وجہ سے اس حویلی میں داخل ہوئے تھے۔" اس کی وجہ سے ہی آپ کو یہ حویلی اچھی لگی تھی۔ وہ بھی ہمیں نے کہا تھا۔ "اچانک ہی انہوں نے کہہ کر سر اٹھایا۔

آنکھوں کے تاثرات سے وہ خفا نظر آ رہے تھے۔ کسی کچلی ہوئی خطرناک کی صورت۔

"مطلب؟" ان کا اندر دل جلانے والا تاثر اس کا بھی برابر تھا۔ وہ حیران ہو گیا۔

"کاکا آپ دونوں خالہ جانی کی اڈاپٹڈ سلیبلنگ تھی۔ یہی بہتر ہے؟" پھر بظاہر یہ اضافہ تھا۔

"پھر کہا ہے پلیز ڈیڈی کیجیے اور جلدی کیجیے۔" وہ بے حد سنجیدہ نظر آئے ان کے قریب چلی آئی۔

"سوچنے سے دلیلی کے بعد آپ کی روشنائی سے ڈسکس دل کوئی بات بہت تباہی میں ہوئی تھی۔؟" یاور علی خان نے نگاہیں اٹھا کر سامنے دیکھا ہے۔

"ایک مرتبہ؟ ہو جائے گی مرتبہ۔" ماہین نے بے یاری و اختیار سے جواب دیا۔

"تو پھر اس کا مطلب ہے آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔ بلکہ آپ اس کے ساتھ اس تمام قصے میں۔ شریک ہیں۔"

"کون سا قصہ۔ کیا قصہ؟" ماہین دھپ سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"پلیز میرے ساتھ یہ ڈرامہ نہ کریں۔" یاور علی خان نے بڑی گہرائی سے اثبات کرتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ اس طرح بغیر ثبوت و تحقیق مجھے ملزم نہیں کر سکتے۔" ماہین کو شدید غصہ آ گیا۔

"سلم نہیں کر رہا۔ بالکل شیور ہوں۔ یقیناً سب کچھ آپ کی مانگ میں ہے۔ باب اگر اتنی اہم باتیں مشکوک باپ سے چھپا لیتی ہیں تو پھر اس رشتے کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔" اداسی، ناامیدی سے گویا ہوئے۔

"کیا ہے میری مانگ میں آپ کے حساب سے۔ بتائیے مجھے۔ بلکہ ابھی بتائیے پلیز میرا اعتماد ٹوٹ جانے کا ان

پھیلوں میں۔" مائیں نے سر تھام لیا۔

"لگتا کہ میری بیٹی شادی شدہ ہو چکی ہے۔" وہ جیسے خود سے کہہ رہی تھی۔

مائیں بھونچکی سی ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگی جیسے اسے سننے میں مغالطہ ہوا ہو۔

"جی؟" اس کا چہرہ یکدم سفید پڑ گیا تھا۔

"جی!" وہ شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورنے لگے۔ مائیں نے جواب نہ دیا کر نظریں جھکا لیں۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"کاش اسے وہی سزا ملتی۔ وہی سزا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔" اس کی آواز غم کی طرح بوجھل ہو آئی تھی۔

"آپ جس طرح چاہے تحقیق کر لیں۔ عنقریب ثابت ہو جائے گا کہ میں قطعی لاعلم اور بے گناہ ہوں۔ مگر یہ سب تو تعلیم ڈکھ کی بات ہے کہ مجھے اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ میرا استحصار کیا جاتا۔" اس کے لہجے میں واقعی ڈکھ گھرا تھا۔

"کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ ایسا کیسے ہوا۔ کب ہوا؟ اور وہ کون ہے۔" وہ اتنی شرمساری سے یہ جملہ ادا کر رہی تھی جیسے اس سے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہوا ہو۔

"مجھ سے یہ سوال نہ کریں۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ تمہیں یہ سب معلوم ہی نہ ہو۔ اتنا بڑا کام ہو جانے تک تمہیں خبر نہیں لگی۔" یاور علی خان نے بڑی ناگواری سے اسے ٹوک دیا۔

"آپ کو یقین دلانے کا کیا طریقہ ہے؟ کون سی قسم کھائی جائے کہ آپ کو یقین آ جائے۔ یہ بے وجہ شرمندگی آپ کے لیے ہے اتنی ہی بھرے لیے۔" مائیں نے بے بسی سے کہا۔ "اگر ایسا ہوا ہے تو اس نے کم از کم میرے ساتھ تو بہت غلط کیا ہے۔ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں۔" وہ بہت دکھ سے کہہ رہی تھی۔

یاور علی خان نے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ بغور دیکھا۔ جہاں صرف تشویش تھی۔

"بتائیے ہاں۔ وہ کون ہے؟ جس نے آپ کا اتنا بھروسا توڑا۔ کہ آپ کو ہوا صاحب تک کا خوف نہیں رہا۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"آپ کی ملازمہ سے کہہ کر ہادی کو بلوائیں۔ ابھی سامنے آ جائے گا سب کچھ۔"

مائیں نے ان پریشان کن اخذ کرتی ہوئی "ہادی ابھی بلواتی ہوں۔"

وہ تیزی سے باہر کی سمت بڑھی۔ اس کے انداز سے محسوس ہو رہا تھا کہ اسے بہت کچھ جاننے کی بہت جلدی ہے۔

چند لمحوں بعد وہ واپس آ گئی تھی۔ "ماما گئی ہے بلانے۔" اس نے اطلاع دی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یاور علی خان اسے باہر جانے کو کہیں گے۔

وہ کچھ لمحوں بعد ہادی کے ہمراہ لوٹی۔

"آ جاؤ ہادی!" مائیں نے بے جان سے لہجے میں کہا۔

ہادی خان تو سکتے کے عالم میں تھے۔

انداز کھلا اور ہادی اندر آ گیا۔ اس کے قدم لڑکھڑانے کے انداز میں بھی سوالیہ تھیں۔

"السلام علیکم!" اس نے یاور علی خان کی سمت دیکھ کر سلام کیا۔ وہ علی خان سے ملتا جلتا تھا۔ آنکھیں بھی

کچھ۔

"بیٹھ جاؤ ہادی!" مائیں نے اپنے قریب کی نشست کی سمت اشارہ کیا۔ ہادی خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"یہ مائیں تمہاری موجودگی کے بارے میں ہمارے علم میں لائی ہیں۔ اب تفصیل سے بتاؤ۔" یاور علی خان نے آواز دی۔

مائیں کا سر خجالت سے جھکا کا جھکا رہ گیا۔

"ہادی!" وہ حیرت سے بس اس کا نام ہی لے پائی۔

ہادی خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"خاموشی ثابت کر رہی ہے ہادی! کہ الزام علیہ درست ہے۔" مائیں کا کہنا ہے کہ وہ یہ کہہ نہیں جا سکتی کہ اسے یقین ہے کہ یہ غلط کہہ رہی ہیں یا درست۔"

یاور علی خان نے سر جھکے ہوئے ہادی کو مخاطب کیا۔

"درست کہہ رہی ہیں۔ انہیں کچھ معلوم نہیں۔" ہادی کی آواز کمرے میں گونجی۔

"مگر مجھے یقین نہیں۔ ہو سکتا ہے یہ بھی کوئی سازش ہو اور تم انہیں پھانسنے کے پابند ہو۔ اس کرنے کے وقت۔" یاور علی خان کو کسی طور یقین نہیں آ رہا تھا۔

"یہ سچ ہے۔ انہیں کچھ پتا نہیں۔ مجھے، روشانے بی بی کا کا جان اور ان کے دو خاص دوست اور ان کے بیٹے کے علاوہ کسی کو اس واقعے کا علم نہیں۔"

اس نے اس مرتبہ بہت پُرسکون انداز میں جواب دیا تھا۔ شام سے اب تک وہ ایک ذہنی عذاب سے دوچار تھا۔ جب نہیں کھل رہا تھا کہ وفا کے ساتھ یاور علی خان نے کیا معاملہ کیا۔ اور حیرت اس بات پر تھی کہ ہوا صاحب کے ہوتے میں اب تک اسے وفا کے لیے کیوں نہیں بلوایا گیا۔ اور اب آ کر کارہ کے کمرے میں آ کھڑا ہوا تھا۔ اور اس کے باوجود پُرسکون تھا کہ شام سے اب تک کسی کیفیت نے اتنی دیر اذیت سے نہیں گھیرا تھا۔

"تم سے تیمور علی خان نے کس طرح کہا۔ اور کس انداز میں تمہیں اس کے لیے تیار کیا۔ تم پر تو ہوا صاحب اندھا اعتماد کرتے ہیں۔ تم نے تیمور علی خان کی سازش کا حصہ بنتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ اس کے بعد ہوا صاحب تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ تم نے اتنی آسانی سے تیمور علی خان کی بات کس طرح مان لی؟ آخر کیا چیز تمہارے تمام کرنے کا سودا کی تھی اس نے تمہارے ساتھ۔ بابر کی اماں تک۔"

"بلیز۔ بادر خاناں۔ تفصیل جانے بغیر اور میرا جواب سنے بغیر آپ بات کو یہیں روک دیں۔ بلیز۔" اس نے التجا کی۔ انتیاز ان کی بات کاٹ دی۔

مایین ششدر سی بیٹھی کبھی بادر علی خان کو دیکھتی۔ کبھی ہاری کو اس کے اپنے حلق میں تو جیسے سارا لاوا پھٹ پڑنے کو تھا مگر وہ بات کرنے کے قابل تو کیا کوئی گھونٹ لگانے کے قابل بھی نہیں تھی۔

"آپ اس بات پر بھی غور کیجئے کہ روشی بی بی اپنی مرضی سے گئی تھیں۔ کہ وہ نعیم سے شادی کرنے پر تلی آمادہ نہیں تھیں۔ اور ان کا انکار حویلی کے تمام اہم لوگوں کے علم میں تھا آپ سمیت۔ کاکا جان ان کو پہلی فرصت میں حویلی واپس بھیجنا چاہتے تھے کہ حویلی میں ان کی غیر موجودگی سے قیامت برپا ہو رہی ہو گی۔ انہوں نے حویلی واپس جانے سے صاف انکار کر دیا۔ لاکھ کاکا جان نے زور طلب کی اور روشی بی بی نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نعیم سے شادی نہ کرنے کی وجہ تم تھے؟"

بادر علی خان نے برہم انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

ہاری ایک لمحے کا خاموش سا ہو گیا۔

"آپ یقین نہیں کریں گے پھر بھی خدا یہ ضرور کہوں گا کہ میری ان سے کبھی کسی قسم کی کوئی کمٹ منٹ نہیں ہوئی تھی۔ میں تو اپنے "معمول" کے کام سے سرائے گیا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ روشی بی بی وہاں ہو سکتی ہیں۔ اس لیے کہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

وہ بولتے بولتے ایک دم چپ ہو گیا۔ مایین نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر دوڑائی۔ اور ایک گہرا سانس لیا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ اس کے اندر تو قیامتیں برپا ہو رہی تھیں۔

"تو پھر روشانے نے تیمور علی خان کو یہ بتا دی کہ وہ تمہاری وجہ سے نعیم کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند نہیں ہیں اور انہوں نے تمہاری خدمات کے اعتراف میں گھڑے گھڑے تمہارا نام پڑوا دیا۔ یعنی حد ہو گئی۔ کیا خیال ہے تمہارا۔ گھاس کھا رہوں میں؟" بادر علی خان برہمی کی انتہا کو چھونے لگے۔

"دیکھ لو تم سے بی پاسیبل یہی ہو گا۔ باقی سب کچھ اس طرح نہیں ہوا۔ کاکا جان نے مجھ سے تفصیل بات چیت کی تھی۔"

"جبھی انہوں نے تمہیں بہت خوبصورت خواب دکھائے اور ہر صورت تمہیں اس نیک کام کے لیے آمادہ کیا۔" بادر علی خان نے کہا۔

"نہیں انہوں نے میرے ساتھ کسی قسم کی زور زبردستی یا زبردستی کام نہیں لیا۔ میں اگرچہ اس رشتے سے بہت خوش ہوں۔ بلکہ یہ میری خواہش کی تکمیل ہے لیکن جس طرح یہ سب ہوا یہ میرے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ میری خواہش تو صرف کے۔ بھی کہ جان پر آ سکتی تھی۔ نہ کہ میرے کسی عمل سے ظاہر ہو سکتی تھی۔ اس کے باوجود کہ میں بہت آسانی سے اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا۔ کیونکہ سیکنڈ پوزیشن کی بھی یہی خواہش تھی۔ مگر بابا صاحب نے جو خدشات ظاہر کیے ہوئے ہیں۔ اس میں اس طرح کی کوئی حرکت ہونے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ خواہش بہت طاقتور ہی تھی میں حویلی والوں سے کترانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ کہ خواہش

جو ہے حویلی میں کسی قسم کا تشدد نہیں ہوتا۔ بہت سے معمول لوگوں نے مجھ سے اور کی ہوئی ہے کہ میں ان کے لیے کچھ کر سکتا ہوں۔ میں چاہے تعلق کے لیے اس کو ادا کی جا سکتی ہے۔ اور میں بہت سے کام کر سکتا ہوں۔

مگر روشی بی بی نے سب کچھ کہہ دیا۔ جس سے یہ بات آشکار تھی کہ وہ حویلی والوں سے بہت دور ہیں۔ اور بہت دور رہنا چاہتی ہیں۔ اور کچھ ہو جائے اس سے بہت کم ہے وہ واپس کرنے کا ارادہ نہیں رکھتیں۔ آپ اور کاکا جان میں سوسائیڈ (خودکشی) کی کوشش کر چکی ہیں۔ ان کے اس عمل پر کچھ کہنا بیکار ہے۔ لاکھ جان سے قیمتی ہوں۔"

"یہ تم میں ہی جانتا ہوں کہ سوسوف نے بات کتنی سنبھال ہے اور کتنی بگاڑی ہے۔

(کچھ تو تم بہت زیادہ ہو تم نے بہت سیٹھے سے روپوٹ بنگے کی ہے۔ مگر تمہارے لیے یہ بہت ہے کہ تم ہو بابا صاحب کے نہیں اس کے دوست کے بیٹے ہو۔ اسی کو بہت بھی کرو گے اور صرف اسی کی بات مانو گے۔ تم حویلی میں ہو یا حویلی میں تم صرف اس کے آدمی ہو بلکہ اس کے خاص آدمی ہو۔"

بادر علی خان کی شریانوں میں جو زور مارتا لاوا تھا وہ ان کے طرز تخاطب سے آشکار تھا کہ یہیں بھی آج "تم" تھی اور تیمور علی خان بھی "اس" "اس" ہو رہے تھے۔

ہاری خاموش رہا کہ وہ آقا غلام ان کے خیالات تبدیل نہیں کر سکتا بلکہ اختلاف بڑھا دیتا اس وقت جبکہ پہلے ہی پتہ کھولے ہوئے تھا۔

"سب لوگ اتفاق کریں یا اختلاف کریں میں اپنی جگہ قائم ہوں۔ یہ صرف سازش اور انتقام ہے۔ محل بچے خاندان بچانے کے لیے ہے۔ مگر آپ سب کو بہت مایوسی ہو گی۔"

مگر مہ!" وہ مایین کی سمت یکلخت متوجہ ہوئے۔ "آپ کو میں نے تیمور علی خان سے خود بات کرتے دیکھا ہے۔ مجھے اب بھی اس بات کے ساتھ مکمل یقین ہے کہ آپ اس سارے قصے سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ اس میں آپ کا عمل ہے۔

آپ کا انداز اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ تیمور علی خان سے آپ کی وہ پہلی ملاقات نہیں ہے۔

بابا صاحب کی موجودگی میں یہ زور اپنے منطقی انجام کو پہنچے گا اور گرینڈ تقریب کے لیے گورنمنٹ سے رجوع کیا جائے گا۔"

انہوں نے گویا فیصلہ سنا دیا۔

"مت دیکھیے یہ خواب۔ نکاح اس کی اپنی مرضی سے ہے چچا کی موجودگی میں ہوا ہے۔ میں بیمار ہی ہوں بھائی تیمور کے مرنے لگی۔ اب آپ مجھے شیطان بلا لیجئے گا اور طلاق کیجئے گا۔ جب میرا دماغ ٹھیک ہو جائے۔"

مایین نے شعلہ خوابی کا لبادہ اتار پھینکا اور چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ اور ہر ہر لفظ کے ساتھ ہچکیوں سے گھر سے باہر نکل گئی۔

ہاری اور بادر علی خان چند لمحے خاموش رہ کر ایک دوسرے کو محسوس کرتے رہے۔

"بادی! بہتری اس میں ہے کہ تم اسے آزاد کر دو۔ وہ تمہیں مل بھی گئی تو محض ایک خواب ہے۔ ایسا خواب جو کبھی نہ کبھی ٹوٹ جائے گا۔ یہ تمہاری انا کا سوال ہے۔ اس وقت تمہاری اصل کیفیت اتنی تو ذات آف کنٹرول ہے۔ کہ تم اپنی انا کی بڑی سے بڑی قیمت دینے کو تیار ہو۔ تم ہو تو اس حویلی کی بہت بڑی کمی ہے۔ کیوں کہ بڑے اس آگ میں اس طرح نہیں جلتے ہوئے ہو تم۔"

یاور علی خان کے لہجے میں تاسف بھی تھا اور ترحم بھی۔

"میری اپنی رضا مندی تھی ورنہ آگ میں کودنا کون پسند کرتا ہے۔" بادی نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا کر اور گردن جھکا کر بہت دھیمی آواز میں گویا اعتراف جرم کیا۔

"اسی لیے تو احمق کہا ہے تمہیں۔ وہ یاور علی خان کی بیٹی ہے۔" یاور علی خان نے بڑی تلخی و حقارت سے کہا۔

"مگر خیر۔ اگر کسی نے یاور بیت کا کھیل شروع ہی کر دیا ہے تو میں پیچھے کیوں ہٹوں گا۔ اس معاملے کا کوئی دوسرا فیصلہ نہیں ہے۔ روشنی بی بی کی فیصلہ کن تیر کا بس سے اب صرف دل ہے۔"

"سب ڈرامہ اس چڑیل کر بالی جان بچا رہے ہو۔ کاش یہ جملہ وہ بے وقوف اپنے کانوں سے سنتی۔" یاور علی خان چیخ پڑے۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو ان کا شکر گزار ہوں۔ اب اگر نقصان ہڑتال کی طرح ہو رہے ہیں تو کچھ پروا نہیں۔ روشنی بی بی کا دل تو اب ختم ہو چکا ہے۔ اب تو صرف دل ہی میرا ہے۔ وہ بہت بہادر اور دلیر لڑکی ہیں۔ میں گرفتاری دے دوں گا۔ ان کے لیے سول سپرد حاصل کروں گا۔ قرار داد پیش کروں گا۔ میں ہر قسم کی سزا کے لیے خود کو دل و جان سے تیار کر چکا ہوں۔ آپ جو چاہیں میرے لیے سزا تجویز کریں سوائے اس کے کہ میں انہیں آزاد کر دوں۔"

وہ کھڑا ہو گیا اور یاور علی خان کی کسی اگلی بات کا انتظار کرنے لگا۔

"لوگ انتیس حاصل کرنے کے لیے صبح سے شام تک جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز کرتے رہتے ہیں۔ تم بھی محبت کے لیے خود کو برباد کر کے تو کیا طریق پڑتا ہے۔"

یاور علی خان نے تلخی سے کہا اور کش لگانے لگے۔ بادی نے اونٹ کاٹتے ہوئے ان کی سمت دیکھا۔

"میں نے آپ سے کبھی کوئی غیر ضروری بات نہیں کی۔ مجھے افسوس ہے کہ آج میں بہت کچھ کہہ بیٹھا ہوں مگر کیا کروں۔ یہ راستہ بھی میرے سفر میں پڑتا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ باہر نکل گیا تھا۔ یاور علی خان کا انداز بھی یہ تھا کہ فی الحال جو کہنا تھا کہا جا چکا اور اب وہ کچھ آگے کی سوچ رہے ہیں۔

تیمور علی خان رات گئے سرائے پہنچے تھے۔ زمین گہری نیند سوئی تھی۔ دستک پر وہ اٹھی تھی بھی تھی اور اٹھ کر کھول کر پھر بستر میں دبک گئی تھی۔ انہوں نے بہت آہستگی سے دروازہ بند کیا تھا اور بہت احتیاط سے راہداری سے گزرتے ہوئے ڈارک روم کی طرف چلے گئے تھے۔ لباس تبدیل کر کے باہر آئے تو ہاتھ میں کپ تھا اور ٹرے اٹھائے ہوئے تھے۔

بہت احتیاط سے سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی۔ ساتھ ہی ایک شاپر بیگ بھی تھا۔ [illegible] بیٹھ گئے تھے۔ وہ تقریباً ختم ہونے سے پہلے ہی اٹھ گئے تھے۔ [illegible] ارادہ کر رہا تھا اس لیے وہ کچھ اور دیر تک سوتی رہی تھی۔ حالانکہ انہیں بہت مختصر سا وقت گزارنے والے کسی پریشانی کو [illegible] نے کے جواب میں شرمندہ کر چکی تھی۔ وہ سوئی ہوئی زمین کو دیکھتے رہے تھے۔ [illegible] کیا خیال آ رہے تھے۔

زمین نے خاصی دیر بعد کروٹ بدلی تھی۔ جانے تیمور علی خان کے کسی سرگوشی کی قوت تھی کہ اس کی پلکیں لرزنے لگی تھیں۔ اس نے چند لمحے آنکھوں سے اپنے چہرے میں نظر دوڑائی تھی۔ پھر اس نے ساتھ ٹیبل پر رکھے ہوئے شاپر پر نگاہ ڈالی تھی۔ پھر کمرے میں نظر دوڑانے لگی تھی۔ سامنے ٹیبل چیئر پر تیمور علی خان اسے کسی دعا میں گم نظر آئے۔

"حویلی سے آ رہے ہیں؟" اس کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز کمرے میں ابھری تھی۔

"ہاں۔" انہوں نے صرف یہ کہا اور اٹھ گئے۔

"روشنی آئی تھی؟" اس نے جانے کس خیال کے تحت پوچھا تھا۔

"ہاں۔" انہوں نے پھر یہ کہا اور ابھرا۔

"اوہ، بدنصیب۔" اس کی آواز نیند کے سبب بھاری تھی۔

"ہم کون ہوتے ہیں کسی کے نصیب کا فیصلہ کرنے والے۔" تیمور علی خان نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

زمین کی نیند یک لخت سے اڑ گئی۔ آج پھر اسے کسی بات پر ان سے سخت پڑنے والی ہے۔

اسے عرصے سے یہی ہوتا آیا تھا۔ وہ اس سے دور ہوتے گئے تھے، وہ قریب ہوتی گئی تھی۔ وہ اس سے بیزار ہونے لگے تھے، وہ اس کی چاہت کو [illegible] ایک مرحلہ بن جاتا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھی۔

"طبیعت کیسی ہے؟" اس نے بہت جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آپ سو جائیں۔ ٹھیک ہیں ہم اور اب ہمیں طے کیا ہوگا۔ بہت ہو چکا ہے ہمارے ساتھ۔"

"مجھے اس سے اختلاف نہیں کہ آپ کے ساتھ بہت ہو چکا۔ مگر اب سے سرے سے نئے سرے سے نئے دن شروع کرنے کا کیا فائدہ؟ سہا گیا آپ بھی۔" وہ کچھ جتی نظروں سے ان کا چہرا دیکھ رہی تھی۔

"کوئی بات ہو نہیں ہوئی؟" وہ بیڈ سے اتر کر ان کے قریب چلی آئی۔

"کچھ نہیں ہوا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ چلیے۔" وہ نظر پھیر کر جھلا گئے۔

"آخر مجھے شکوہ ہے کہ آپ کی یہ کیفیت نارمل ہوتی ہے۔ دیوانے کا دیوانگی کا ہے کا اپنے نقصان پر رکتا ہے اور آپ کر رہے ہیں۔ مگر آپ کی اس کیفیت سے جو نئے سرے سے مجھ پر احساس کا بوجھ پڑتا ہے تو میری کمر ٹوٹنے لگتی ہے۔" اس کی آواز بھر آئی۔

تیمور علی خان یکدم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ کی طبیعت یوں بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ اتنا ڈیپ میں کیوں چلی جاتی ہیں۔ ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ آپ ڈیم ہی ہو جائیں۔ جو جام سے واقعات ہوتے ہیں اور ڈیم آپ کو چھو تا نہیں گے۔ پلیز آپ آرام کریں۔"

وہ ٹارزن کو تمام کر بیٹھ سکے لاتے۔ زمرد پاور کے جلب کی روشنی میں ٹارزن سیاہ کائی پہنے ہوئے بالکل سلیمان لگ رہی تھی۔

"یہ سیاہ کلر سوٹ پہنا کریں۔ اس سے اپر لپشن ہوتا ہے۔" وہ اسے لاتے ہوئے بہت رومانیت سے کہہ رہے تھے۔

"خدمت کا رنگ سیاہ ہوتا کیا کرتے ہیں؟" وہ آزردگی سے پوچھ رہی تھی۔

"یہ تو ان ڈائریکٹ آپ ہماری کوتاہیوں کی نشان دہی کر رہی ہیں۔" وہ اس پر کمبل ڈالتے ہوئے بہت رومانیت سے کہہ رہے تھے۔

"آپ کو تو نیند پڑتی ہے؟" وہ اس کی پیشانی چھو کر تشویش سے گویا ہوئے۔

"پتا نہیں کب ٹھنڈا ہو گا یہ دل۔" ٹارزن نے یہ کہہ کر ان کی طرف سے پشت کر لی۔

"بہت ایمن ہو زور لگاتے ہیں۔ کسی طرح وہ ام ہو جائے۔ میں نے بھی زندگی میں ایسے ہی ہوا۔" سائیہ نخلی کی ادا سے کوئی انجکشن لگاتے ہوئے بڑے مزے سے کہہ رہے تھے۔

ایک گلاس میں پانی جگ سے انڈیلا جو بیڈ کے سرہانے ہی رکھا ہوا تھا۔

"یہ لیجیے یہ انجکشن لے لیجیے۔" انہوں نے اسے اٹھنے میں مدد دی۔ "ایک تو یہ آپ کے کمپوز اور دوا پانی تو عرق الخیر کے لیے واقف ہو ہی ہے۔"

وہ احتیاط سے اس کے بال ایک طرف ہٹاتے ہوئے اپنے بیٹھنے کی جگہ بنا رہے تھے۔

"لگتا ہے ان ہی کی محبت ہے زندگی میں۔ نہ کسی کے ایسے بال ہیں نہ ایسی قسمت۔"

اس نے بے یقینی سے ان کی ہتھیلی سے انجکشن اٹھا کر رکھنا شروع کر دیا۔ اور گلاس ان کے ہاتھ سے لے کر ٹیبل پر رکھ دیا۔ اور گھوم کر واپس دینے یا ورکرنے کے انداز میں دوبارہ لیٹ گئی۔

"اتنا تھک کر آپ آئے ہیں جائے آرام کرنے کے بجائے پریشان ہو کر کچھ سوچنے لگے اس کا مطلب کچھ سوچنا ہوا۔"

اس کی سوچ ایک ہی جگہ ٹھہری ہوئی تھی۔

نمور علی خان سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر بیٹھ لیٹے چھت کی سمت تک رہے تھے۔

"کچھ نہیں ہوا۔ جو خوشگوار واقعات ہمیں پیش آتے ہیں اچھا تائیں گے آپ کو۔" وہ بے پروا لہجے میں گویا ہوئے۔

"خوشگوار۔؟" کس قدر خوبصورت لگتا ہے اس کے حسن کی اہمیت کو کوئی ہم سے پوچھے۔"

"اب تو اس گھر میں راحتی صرف آپ کی وجہ سے ہے۔ کیوں ہر لمحہ کی ریاضتوں کو خود ہم کر رہی ہیں۔ آپ لیکن کرنے کی اجازت رکھیں گی تو کچھ امید وہ ہوگی۔ اگر یہ ذہن بنا لیں گی کہ بس کھیل ختم ہو جانا چاہیے تو زندگی تو خود بخود ہی ختم ہو جائے گی۔ اب دوسری طرف بھی دیکھیے۔ کچھ ہمارا بھی خیال ہونا چاہیے۔" نمور علی خان کے لہجے میں ہلکا سا گلہ در آیا تھا۔

ایا۔

"مصروف رہیں بہت بھولی ہے۔ آپ اسی کا خیال کر کے خدمت کی طرف لے جائیں۔"

"بات بات پر آپ مجھے طعنہ مارتے ہیں۔ تھوڑی سی توجہ کی طلب گار ہوئی ہوں۔ اور یہ آپ کو ناگوار گزرتی ہیں۔ اور یہ آپ کو ناگوار گزرتی ہیں۔ میں نے تو اس کے لیے ہر طرح کی قربانی دی ہے۔ مگر میں کیا کروں۔ زندگی ہوں ہوں ہوں

"کیوں گھبرا رہی ہو۔ ادھر آ کر میرے پاس بیٹھو۔" ماہین نے اسے مخاطب کیا۔

وہ چپ چاپ اس کے متوازی بیٹھ گئی۔

"اتنا سب کچھ کر کے تھکی ہوئی ہو اور مجھے پتا تک نہیں۔ میرے لیے کتنی مشکلات کھڑی کر دی ہیں تم نے۔ جب دل کی بات پہچاننی تھی مجھ تک خاموشی کی زبان ہی سے کسی تو اتنا سب کچھ ہی نہ ہوتا۔ تم یہ بھی نہ کرتیں اور میرے اور تمہارے لیے کھڑکی نہ ہوتیں۔ مگر اب تک تو بہت سارے حل بھی نکل چکے ہوتے۔"

ماہین بڑا تھکی سے کہہ رہی تھی۔

"وہ شخص تو ازلی بدگمان ہے۔ کیسے یقین دلاؤں گی کیسے سنبھالوں گی یہ سب۔ یہ کوئی خیال نہیں پہلے سے کی سوچ ہے۔ کیا ضرورت تھی اس طرح سے کرنے کی۔ ادھر تو پہلے ہی گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا۔"

ماہین شدید تاسف کا اظہار کر رہی تھی۔ اور روشی بس ہاتھ ملتے ہوئے سنے جا رہی تھی۔

"خالہ! میں اس لیے باہر نہیں آئی تھی۔ بلیو می۔" بالآخر اس نے لب کشائی کی۔

"اتنی بڑی بات بغیر سوچے سمجھے پروگرام بنائے بغیر کیسے ہو سکتی ہے اب انتظار کیوں نہیں ہو رہا۔" ماہین نے برہمی سے کہا۔

"خالہ! آپ کاکا جان سے ساری بات پوچھ لیں۔ ان کا تو اعتبار کریں گی ہیں آپ۔" اسے معمول جملہ ہونے کی امید سے مزاج میں تبدیلی متوقع تھی۔

"ان کا کیا ذکر۔" ماہین نے تفصیل جاننے کے شوق میں انجان بننا پسند کیا۔ ہادی کے اختصار میں ساری تفصیل وہ سن چکی تھی۔

"ان ہی کی وجہ سے تو یہ کنفیوژن سارا کام انجام کو پہنچا ہے۔" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"تمہارے دل کی بات کیسے؟" ماہین کی حیرانی بجا تھی۔

"پتا نہیں۔ وہ تو خود ہی سمجھ گئے تھے۔" اس نے قدرے جھینپتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"سبحان اللہ۔ بڑے ولی اللہ ہو گئے ہیں تمہارے کاکا جان۔" اس بے سروپا جواب پر ماہین نے طنز کیا تھا۔

اب روشی سے ماہین کا یہ انداز مزید برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ماہین کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"خالہ! اتنے دنوں سے آپ کو ایسے نہ کریں۔ مجھے تو کاکا جان نے منع کیا تھا کہ ہم کسی سے اس واقعے کا ذکر نہ کریں وہ خود ماحول صاف کر کے یہ سب کچھ ہینڈل کریں گے۔ مجھے بھی یہ امید تھی اور ہادی کو بھی۔ آپ میرا مان بھی نہیں کیوں نہیں کر رہی ہیں؟" وہ نوعی طرح رو رہی تھی۔

"کیسے کروں۔ کوئی سر پیر ہے بھلا۔ کاکا جان کو الہام ہوا تھا کہ تم ہادی میں انٹرسٹڈ ہو؟" ماہین کی سوئی ہوئی ایک بار پھر جاگ گئی تھی۔

"صحیح طریقے سے بتاؤ مجھے۔ دماغ نہیں گھماؤ۔" اس کے اس نوعی طرح رونے سے ماہین جھنجلا سی گئی تھی۔

"کیا بتاؤں۔ کوئی بات ہو تو بتاؤں؟" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"روشی! میں کہہ رہی ہوں نا مجھے۔ نہیں پتا ہے تک۔ ان دنوں سے کتنی باتیں ہوئی ہیں۔ کس حد تک میں حائل ہوا ہوں۔ کسی لمحے میں میری ناراضی ختم ہو سکتی ہے۔ تمہارے بچے کو ایک پل میں ختم کیا جا سکتا ہے۔ اب یہ بھی اب تو کوئی سمجھ نہیں آ رہی۔"

روشی نے چونک کر اس کے تاثرات سے سراغ لگانا چاہا اور ہم خود ہی اس کی صورت دیکھنے لگی۔

"خالہ! آپ نے کیا کیا ہے؟ بچہ آپ کے ساتھ اس قدر زیادتی نہیں کر سکتے۔ ان کو تھینک یو بولنا چاہیے کہ انہوں نے بچہ بچا لیا ہے۔ آپ کی وجہ سے وہ کتنے عمل تھلے لگے ہیں۔ اسے کیا کہ آپ ان کے پاس پہنچے بھی ہیں۔ پاور بھی ہے۔ پیسہ بھی ہے۔ کیا ہوا ہے انہیں۔؟"

وہ خود ہی بچی بھول گئی۔ جب سے اس کا بیٹا اغوا ہوا تھا۔ ماہین کو بھی اس بے سہارا حالت میں پایا گیا۔ اس کی آنکھوں کی نمی اتر آئی۔

"میری جان۔ بے خبری بھی بڑی نعمت ہے۔ زیادہ کی کھوج کر کے پھر کھائی کا سفر پڑتا ہے۔ اتنی بھاری ذمہ داری سے پہلے بتا دیا ہوتا مجھے تو شاید کوئی آسانی کی راہ نکل آتی۔ کچھ طے کر کے چلتے تو حالات آسان ہو جاتے۔"

سفر واقعی اختلاف ابھا کر ہوا ہے۔ یہ اصول آندھی کی طرح ہے کہ کچھ سمجھائی نہیں دیتا۔ ایک وقت کتنے اوپشن نظر آتے ہیں۔" ماہین نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"روشی اور ہادی کا آپشن ہے خالہ۔ طے ہوا ہے کاکا جان کی موجودگی میں۔ کوئی ہیرج تو نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی کسی طرح کے ادارے سے چھوٹی حویلی سے چھوٹی حویلی گئی تھی۔ کاکا جان کا بھی تو وہی خاندان ہے۔ وہی خون ہے جو میرا ہوا ہے۔ اگر ہے تو کوئی اعتراض نہیں۔ اس کا صاف مطلب تو یہ ہے کہ یہ صرف ضد میں ہیری اور کاکا جان کی مخالفت کرتے ہیں ورنہ ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ تو خفی اپسیتی نہیں ہے۔ بہت بڑی زیادتی ہے۔ اگر وہ کم تر ہے تو اس کے برابر گاڑی میں۔ ڈرائنگ میں کیوں بیٹھتے ہیں۔ اسے بیڈ روم کیوں دیا ہوا ہے کوٹھڑی کیوں نہیں دی۔ اسے اوپر فیملی کیوں ڈھونڈ جا رہی ہے؟"

وہ خاصی اذیت میں تھی۔ تاثر سے بول رہی تھی۔

"ٹھیک ہے مگر کل تمہارے بابا اور بابا صاحب کی رضامندی کے ساتھ بھی تو ہو سکتا تھا۔ یاد رکھنا بات سے بات نکلتی ہے۔ کچھ نہ کچھ ایسا نہیں کرنے کے لیے۔"

"کیسے ہو سکتا تھا یہ سب تک۔ اس کا اندازہ کاکا جان کو بھی ہو گا۔ تب ہی تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔ میرے اس کارنامے کو بھی جس نے میری لیگیسی کو سمجھا اور بڑی ہمت اور حوصلے کے ساتھ ایک پروجیکٹ کی طرح کیا۔ جو ذات کی ہار جیت میں نہیں لڑا گیا۔ جو انا کی بھینٹ چڑھا ہوا تھا۔ سہارا تو میرے وقار کو محسوس نہیں ہوتے۔ وہ صرف قانونی کاغذات ہوتے ہیں۔ وہ تو بہت بڑی بڑی فیصلے سناتے ہیں کہ لگتا ہے انہی کی بھری سے زندگی گزار رہے ہوں۔"

وہ سخت خفگی سے ماہین کی بات کاٹ کر بہت تلخ انداز میں کہہ رہی تھی۔

"آپ ہوسے کے ناتے وہ بہت سے حقوق محفوظ رکھتے ہیں۔ وہ بھی تمہارا فون تو نہیں جانے دیں گے۔ پہلے ان کے سامنے یہ سب پیکر مقدمے کے لیے پیش تو کیا جائے۔ اب کہیں جا کر اس اقدام کا جواز بنتا تھا۔"

ماہین نے پھر اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

"اگر ایسا ہوتا تو وہ بھلی صلہ میں خیر خبار کے کسی حوالے سے مجھے بلا دیتے۔ کاظم جان بھی تو انہیں جانتے ہیں آخر اس کے سگے بھائی ہیں۔ کاظم جیسے آدمی سے ان کی یہ خاموشی صرف بھی یقین دلاتی ہے کہ اس میں بھی قصور بابا کا ہوگا۔ ابھی کی زیادتی ہوگی۔" اس نے گویا فیصلہ سنا دیا۔

حیرت سے ماہین کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ انتہا تھا وجدان نے اس کا عشیت کو کھو دیے جانے کا غم اس نے کیسا نشانہ لیا تھا۔

"روشی۔ ایسی طرح یہ سب ہوا ہے اس طرح نہیں ہونا چاہیے تھا۔ تم نے اگر یہ سب کرنا ہی لیا تھا تو کم از کم مجھے اعتماد کر لیتیں۔ میں اپنے طور پر کچھ تو کرتی۔ مجھے پہلے ہی بہت کام پڑے ہوئے تھے۔ بہت گڑبڑ کر دی ہے تم نے جیت کر بھی ہار سکتی ہو۔ یاد رکھنا صاحب اتنی آسانی سے شکست تسلیم نہیں کریں گے۔"

ماہین زچ ہو کر کہہ رہی تھی۔

"پپا اب کچھ نہیں کر سکتے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اگر وہ چاہیں تو پوزیشن سنبھال سکتے ہیں۔" اس بار اس کے لہجے میں بہت سکون تھا۔

وہ پوزیشن کیوں سنبھالیں گے۔ اب تو مزہ چکھانے کا موقع ملا ہے انہیں۔" ماہین نے تلخی سے مسکرا کر کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں کلیئر کروا لوں گی کہ اس تمام قصے میں آپ کی کوئی انوالومنٹ نہیں ہے۔ وہ آپ کو اول جلوس پریشان نہ کریں۔" اس نے ماہین کی تھوڑی چھو کر کہا۔

"تم کچھ نہیں کر لیں گے۔ حیرت ہے تم انہیں نہیں سمجھ پائیں ابھی تک۔" وہ افسردہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"وہ تو خود بخود ظاہر ہو جائے گا۔ ظاہر ہے اب معاملہ بابا صاحب کے سامنے پیش ہوگا۔ اور تمام تفصیلات سامنے آئیں گی۔" روشی نے اطمینان سے کہا تھا۔

"یہ تو خیر جانتے ہوں گے وہ کہ میں اس معاملے میں شریک نہیں تھی۔ مگر یہ خیال ان کے دل سے کیسے نکلا جائے گا کہ تاج کے بعد تم نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ اور میں نے خاموش رہ کر تمہیں سپورٹ کیا ہے۔ ہاں فقی کا سب تو نکلا ہے ناں۔" ماہین نے جیسے تنگ آ کر کہا۔

"کیونکہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اب آپ نے مجھے سپورٹ کرنا ہے۔ پپا جو چاہ رہے ہیں۔ وہ میں نہیں کروں گی۔" اس نے نفلی انداز میں جواب دیا تھا۔

"مگر ہاری پر شر اثر ہو سکتا ہے۔" ماہین بیڈ سے اترتے ہوئے بولی۔

"وہ ایسا نہیں کرے گا۔ اگر وہ ایسا کرنے کی نیت ظاہر کرے گا تو میں خود ہمیشہ کے لیے اس سے الگ ہو جاؤں گی۔"

کہ کاظم جان کو ہاری نہیں ہونے دیں گی جس کے لیے میں نے اتنا بڑا اقدام اٹھایا تھا اس کی جائیداد تو کسی صورت کاظم جان کو واپس نہیں ملنے والی ہے جس کی خاطر اتنا بڑا جوا کھیلا جا سکتا ہے۔ اگر وہ اس طرح کا بات نہیں ہوتا تو ہاری میں نہ ہوتے کے بدلے یہ قربانی کیوں دیتا ہے۔ پھر میں اپنی غلطی تسلیم کر لوں گی سب سے معافی مانگ لوں گی۔ وہ سب کو معاف کر دیں گے۔ ہاری کے لیے تو وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ ہاری کی خاطر تو وہ سب کچھ بھول جائیں گے۔ میں بھی یہ سب بھول کر گزاروں گی۔"

اس کے لہجے میں جھلکتی تلخی ماہین کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"کیسی کی بات ہو رہی ہے کاظم جان کو یقین نہ ہو تو انتہا تک جا سکتے ہیں۔ مگر ہاری کے لیے تو وہ ہر طرح سے ہار رہے تھے۔ ہاری کی خاطر تو وہ ہر طرح سے ہار رہے تھے پھر بھی یہ شادی اسی طرح سے ہو چکا ہے۔ اب یہ قسمت کی بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہاری کی زندگی بچ جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ہاری صحت یاب ہو جائے۔ لوگوں کو یہ ہار جیت ہونے سے بچانا ہے۔ اب تو ہر طرح سے کاظم جان کی ہار ہو چکی ہے۔ پھر ہاری کو بھی ہٹوا لائے کہ کس منہ سے جرأت ہوئی ہے۔ خیر۔ تم فکر نہ کرو۔ میں بھی ابھی ہاسپٹل میں ہی آ رہی ہوں۔" اپنے کے انداز میں حتمی کلام تھی۔

وہ خواب گاہ میں داخل ہوئی تو تیمور علی خان کو آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ٹائی باندھتے ہوئے پایا۔

وہ ہلکی فیروزی میں شلوار سوٹ میں ملبوس بہت گھریلی گھریلی نظر آ رہی تھی۔

"یہ لیجیے۔ آپ تو کہیں جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ نے تو کہا تھا کہ صبح کو بڑی حویلی میں پیش آنے والے ناخوشگوار واقعات تک نہیں گے۔" بازو نہیں نے تعجب سے ان کی طرف دیکھا۔

"نہیں گے۔ صرف تھوڑی دیر کے لیے جا رہے ہیں۔ پولیس اسٹیشن تک۔" انہوں نے ٹائی درست کرتے ہوئے قدرے لاپروا انداز میں کہا۔

"اب مجھ سے صبر نہیں ہوگا۔ آپ مجھے ابھی بتائیے۔ آپ کو کیا پتا کہ صبح کے انتظار میں رات کیسے کٹی ہے۔"

وہ ان کی پشت کی طرف جا کھڑی ہوئی اور انہیں آئینے میں دیکھتے ہوئے مخاطب تھی۔

"روشی آپ کو کیسی محسوس ہوئی۔ خوش یا اداس؟" وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔

"ابتدا میں تو خوش ہی ہوگی۔ ماہین کی موجودگی میں وہ خوش ہی نظر آتی ہے۔"

"ہاں۔ ماہین کے متعلق آپ نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ کاش مجھے اندازہ ہوتا کہ یہ سب بھی ممکن ہو سکتا ہے تو یہ سب کے جانے کے لیے بڑی حویلی میں پہنچ جاتی دوبارہ زندہ ہو کر۔ میرے تو۔۔۔ وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہاری کو اس قدر تباہ حال دیکھنے کے باوجود اس پتھر کے ساتھ شادی کرنا پسند کرے گی۔ مجھے خیال تھا ہاری بھاگتے بھاگتی سے تھک جائے گی اور پھر اپنی رنگوں بھری زندگی میں واپس پلٹ جائے گی۔"

"ہاری ایک عورت ضروری نہیں کہ قسمت بھی ایک ہو۔ اس کا بھی اتنا قصور نہیں جتنا قصور بابا صاحب، بھائی صاحب اور ماہین کا ہے۔ ان سب کو عبرت کا نشانہ بننا چاہیے تھا۔ کیا ہمیشہ اس شخص کے ہی دل کی ہوگی۔ اور صرف اسی شخص کے ہاتھوں ہوگ

برباد ہوتے رہیں گے۔" اس کی آواز بولتے بولتے بھرانے لگی۔

تیمور علی خان نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"اب ان سب باتوں کا فائدہ۔ کئی بار بات تو یہ ہے کہ وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"کم۔ مجھ سے۔؟" وہ مارے حیرت کے دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"آپ سب کچھ بتا چکے ہیں اسے۔ یہ آپ نے کیا کیا؟ ساری دنیا میں ہی تھی میں خاموش۔ یہی سب کچھ کرنا تھا (،، سب کیوں کیا تھا؟ تھک گئے یا انتقام کا بوجھ چڑھا ہے؟ اب تو وہ جوان ہیں۔ اب تو انہیں ماں کی نہیں لائف پارٹنر کی ضرورت تھی۔ مگر تیمور علی خان میں تماشا نہیں ہوں گی۔ یوں بھی زندگی مجھ سے ناراض ہو رہی ہے۔ بہت مایوسی ہو گی سب کچھ۔ یہ آپ نے کیا کر دیا۔؟"

وہ نڈھال سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا تھا۔

تیمور علی خان نے دوسری کرسی کھینچ کر اس کے مقابل کی اور بیٹھ گئے۔ ان کی سیاہ جاندار آنکھیں نازنین کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"یا تو کسی کو سمجھنے کا دعوا نہیں کرتے اور جب دعوا کر لیتے ہیں تو گنجائش رکھ کر بات کرتے ہیں۔ ہم بھلا ان سے اپنے قریب کس حساب میں ہوں گے؟ اور کیوں اپنی الجھی ہوئی زندگی میں مزید پریشانیاں مول لیں گے۔"

وہ اپنی بھاری اور جذب ہونے والی آواز میں اس سے دھیرے دھیرے مخاطب تھے۔ نازنین نے الجھ کر ان کی سمت دیکھا۔

"آپ ہی کی طرح ہمیں بھی یہ سوال پریشان کر رہا ہے کہ ان کے سامنے حقائق سے پردہ کس نے اٹھایا ہے؟ کسی پرانے ملازم کی تو یہ جرأت نہیں ہو سکتی؟ حویلی کے ذمہ دار افراد یہ حرکت نہیں کر سکتے۔" وہ سوچتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

نازنین کو ذرا سی اطمینان آ گیا تھا۔

"آئی۔ ایم۔ سوری تیمور علی خان ا۔۔۔ پھر کس نے کی یہ حرکت؟

اگر" وہ" زندہ ہوتی تو میں سمجھتی یہ نیا شرارتی پھر اس کی طرف سے آیا ہے کہ اس کا ضمیر ہی شر سے ناطہ۔" اس کی رگ رگ میں آگ اترنے لگی۔

تیمور علی خان چونک پڑے۔ (مائی گڈنیس۔ ہے لی پاسیبل)

ظاہر ہے یاور علی خان تو یہ سب کچھ نہیں کر سکتے۔ اس سارے واقعے میں سب سے زیادہ تصور وار وہی تھے۔ وہ اپنا پہلا کس طرح مایون کے سامنے پیش کر سکتے ہیں؟ اس میں تو سراسر نقصان ان کا ہوتا نظر آ رہا ہے (ریئلی پوائنٹ) انہوں نے شہر یہ کی ایک نگاہ نازنین کے چہرے پر ڈالی۔ ایک الجھن سے جھٹلے جھٹلے نجات ملی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ دنیر جھاگانی رات کے اندھیرے میں پھر باہر آ گئی ہو تازہ ہوا میں سانس لینے اور مایون اتفاق سے اسے مل گئی ہو۔

"اچھا آپ اسے ایک طرف ہٹائیں اور ہماری بات غور سے سنیں۔" انہوں نے سمجھانے کے انداز میں مخاطب کیا۔

"آپ کی بات بھی غور سے سنتے ہیں۔ مگر آپ ہاں سے ہلے نہیں ہیں۔ [illegible] بات بھلا دو میں آپ کو کیسے بتاؤں۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہاں سے شروع کروں۔ بات اصل میں آپ کی ہی تھی۔ ہاں آپ سے شروع ہو کر۔ باپ سے بیٹا [illegible] سے ہوتی ہوئی اور جو کچھ ہوا آپ کے سامنے ہے۔ زندگی نے اور آپ سے زندگی تو میں نے [illegible] پھر بڑی ہوئی اور جو کچھ ہوا آپ کے سامنے ہے۔ زندگی نے اور آپ سے زندگی تو میں نے [illegible] اسے پر بھیج دیا ہے ہاں۔ کہ میں نے تو صرف اس شخص کو [illegible] بھیجنے کے لیے آپ سے [illegible] یہ ہوا ہے کہ اذیت مجھ پر دوہری پڑ گئی۔ اور تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ بلکہ اس شخص نے تو مجھ سے [illegible] سے انتقام لیا۔

پھر لیزا کی موت کے سبب آپ عرصے بعد بات کرنا ہے۔ لیکن [illegible] کو میں آئی۔ تو زندگی کی تلخی کو [illegible] کہہ لیں ہوں؟"

تیمور علی خان سر جھکائے سن رہے تھے۔

"آپ نے ہمیشہ اپنے فیصلے کو درست سمجھا ہے جو سوچا وہی کیا ہے۔ مگر اب آپ کو ہماری بات ماننا ہو گی۔ کیا اب بھی ہماری ساجھی نہیں بنتا آپ پر۔ تیمور علی کا انداز دوٹوک تھا۔

"آپ ان سے مل لیں۔ مسائل شیئر کرنے کے لیے نہیں صرف اس لیے کہ وہ آپ کی اکلوتی بہن ہیں۔ وہ [illegible] ہو گئی ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ شاید ہی کسی نے خود سے اس قدر شدید انتقام لیا ہو۔ ہماری پارٹنر شپ میں تو آپ کے جذبات سرد ہوئے ہوں گے۔ تھوڑی سی حرارت اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے آپ ان سے مل لیں۔ پلیز۔"

"چلیں لرنش کریں میں کر لیتی ملاقات پھر اس کے بعد باہر جانے کا [illegible] ہو گا۔ سب سے زیادہ [illegible] مایون کے ساتھ ہو سکتی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے۔ وہ شخص بہت مہارت کے ساتھ اسے بے وقوف بنا رہا ہو۔ وہ ان کے ساتھ خوش گمانیاں ہو۔"

"مجھے لگتا ہے وہ خوش۔ وہ بس آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ بہن کی حیثیت سے۔ آپ کے اندر اس طرح کی جذباتی [illegible] ابھرتی محسوس ہے۔"

تیمور علی خان نے قدرے تاسف سے کہا اور اٹھ کر ہالوں میں ٹہلنے لگے۔

"آپ کے اندر کیا ابھرتی ہے؟" نازنین کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

"ہمارے اور آپ کے کیس میں بہت فرق ہے۔" اس لیے ہماری آپ کی [illegible] یکساں نہیں ہو سکتیں ہمارے ساتھ [illegible] ہوئی ہے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ اور ہم آپ کو کوشش اس لیے کر رہے ہیں کہ اگر آپ [illegible] سے ملنا بھی نہیں چاہیں گی وہ تب بھی آپ سے ملیں گی۔ وہ صرف ہمارے جواب کا انتظار کر رہی ہیں۔ اگر انہیں ہمارا جواب نفی میں [illegible] ہوئی تو وہ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتی ہیں گی۔"

"اسے سمجھایا ہوتا۔ مردوں پر تو فاتحہ پڑھتے ہیں ان سے ملنے پر اصرار نہیں کرتے۔" اس کی [illegible] [illegible] میں [illegible]

گی۔

"میری بیٹی باہر باغ میں ٹہل رہی تھی۔ اور میں اسے دیکھ رہی تھی۔ تبھی اس — خدا کے ان راستوں سے گزرا ہوں جن کے پیش آنے کے خوف سے لوگ اقدام خودکشی کرتے سوچتے گھبراتے ہیں۔ مجھے غور و فکر کرنے میں مہارت حاصل ہے۔ آپ یہ سب باتیں کو سمجھا دیجئے' کیونکہ معرف ملاقات کرنے نہیں آئے گی۔ بلکہ بہت سی تبدیلیوں کے منصوبہ ساتھ لائے گی۔ ابھی اس نے دنیا آنکھیں کھول کر دیکھی نہیں ہے اس لیے اس بدل خوش گمانیاں ہوں گی۔ اسے کیسے اپنی زندگی جینا ہے۔ جو فیصلہ کر کے موبائل میں داخل ہوئی ہے اس فیصلے کی آبرو سنبھالے۔ دنیا کا خیال رکھے اور بس۔ اور یہ کہ اپنی کا باپ اس کی خوشیوں میں حائل ہو تو اسے اس کے حق میں قائل کرے۔ وہ کم مر جاتا ہے تھوڑی سی کوشش سے اپنی بات منوا سکتی ہے منوا رہے ہیں ناں آپ۔ اسے مایوس کر دیجئے گا یوں بھی ہم تو اب گئے کہ تب گئے۔"

اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

"انسان اپنے گھر میں پالتو جانور رکھتا ہے تو ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔ بیمار ہوتے ہیں تو ان کا علاج کرتا ہے۔ اس سے ایک انس محسوس کرتا ہے ایک حسین خاتون جو ہمارے گھر میں مرحوم سے ہے وہ جس رشتے میں بندھ کر یہاں میں آئی تھی وہ رشتہ تو ہمارے اور اس کے درمیان گنتی کے چند سالوں پر کنسسٹ کرتا ہے۔ اور جو دوسرا رشتہ ہے وہ تو بڑی طویل رفاقت کا سلسلہ ہے۔ اصل رفاقت تو مینٹل لیول پر ہوتی ہے۔ اس میں ڈسٹینس ایکسس نہیں ہوتا۔ ہم اپنے تن من کھول کر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کیوں بار بار یاد دلاتی ہیں۔ اللہ سے رحم مانگتے رہتے ہیں۔ کیا آپ سے کبھی اس قسم کی رکھ یہ کیا کریں۔ فار گاڈ سیک۔"

گزرے ہوئے بیس سالوں میں ایک مرتبہ بھی انہوں نے ہم کے کر مخاطب نہیں کیا تھا۔ اس طرح سے بھلا ہم ہوتے تھے۔ کہ ہم استعمال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

"ذرا یہ بہت دیر سے ہمارا ویٹ کر رہا ہے۔ ہم ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آتے ہیں۔ پھر آرام سے بات کریں گے۔ اوکے۔" وہ ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈال کر باہر نکل گئے۔

"اچھا۔ تو یہ کافی وہ بھی بن گئے ہو۔ ماشاء اللہ۔"

وہ جھرجھری آلا پر نوی طرح چونک پڑا تھا۔ اور مڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔

"بچوں اور عورتوں سے ادب رکھنا چاہیے۔ قدر دان ہوتے ہیں۔ اچھا سلوک کرنے پر دعا دیتے ہیں۔"

"بھئی تمہیں تو گھوڑے بھی بہت دعائیں دیتے ہوں گے۔ تمہیں رعاؤں کی بھلا کیا کمی۔" وہ کھلکھلائی۔

"آپ صبح صبح تشریف لے آئیں اس کا مطلب ہے۔ منہ اندھیرے گاڑی میں بیٹھی ہوں گی۔ بڑی بھلائی ہوگی؟" بادی نے بات منجھالتے ہوئے پوزیشن بدلی۔

"حویلیوں میں رہنے کی عادت ہو جائے تو چھوٹے گھروں میں دل نہیں لگتا اور ہمیں تو بڑے اصرار اور منت سے حویلی

والوں نے قبول کیا ہے۔" اور پھر مطمئن سا ہنس پڑی۔

"اس میں کیا شک ہے۔" وہ بھی مسکرا دیا۔

"ہوں۔ یہ ہے اصل سبب۔ خدا کے فضل سے بڑی خوشی کی بات ہے۔ [illegible] کا کھلا ہے۔ حویلی والوں کا دل بھی بڑا ہوگا۔ وہ تو ہمیں حویلی کی شرط پر دے کے پچھتا رہے ہوں گے۔"

بادی نے غور کر اس کی سمت دیکھا۔

"خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کیسی گزر رہی ہے آپ کی۔ وہ بی بی کیسا کیا حال ہیں؟" وہ بھید لے کے رہا تھا۔

"معرف۔ وہ بی بی ہیں۔؟" وہ بھی انجان بن کر مسکرا دیا۔

"ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے جو بی بی میرا حال مجھ سے [illegible] پوچھا جا رہا ہے۔"

وہ بی کی آواز بہت قریب سے سنائی دی تو لمحوں چونک پڑے۔ اس نے اپنی بات سے [illegible] نہیں کرنے دیا تھا بے اختیار پیچھے چلی آئی تھی۔

بادی نے گہری نگاہوں سے اس کا چہرہ کھنگالا۔ جیسے کچھ ڈھونڈنا چاہتا ہو اس کی شب بیداری کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہو۔

☆—☆—☆—☆—☆—☆—☆

"چلو تم ہی سے پوچھ لیتے ہیں تمہارا دل۔ بتاؤ کیسی گزر رہی ہے۔ شکر ہے حویلی میں بھی خوشحالی، چہل پہلیاں شروع ہو گئیں۔ لگتا ہے تمہاری روانگی بھی شروع ہونے والی ہے۔ وہ اپنی خاں کے اکلوتے وحیم صاحب۔ کیا خیر خبر ہے وہاں کی؟"

اس نے گہری نگاہ روشی کے چہرے پر ڈالی۔ ہاری پائپ کھینچتا زور چلا گیا۔

"لگتا ہے ہاری کو یہ موضوع پسند نہیں۔ حصہ لینے کا ارادہ نہیں۔" جھومر پھر کھلکھلائی تھی۔ "بے چارا ہاری اور کر بھی کیا سکتا ہے۔ تم نے وکیل تو دیکھا ہی ہوگا۔ جس کی آنکھوں پر چڑھے کے "دھکن" لگے ہوتے ہیں؟" جھومر کا انداز بے باک اور جارحانہ تھا۔

"مگر یہ ہاری ہے بیل نہیں ہے۔" روشی نے تنگ آکر جواب دیا۔

"مگر مجھے تو کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوتا۔" جھومر نے ہنس کر جریدہ ڈوبتے ہوئے ہاری کو دیکھا۔

روشی کا چہرہ غضب سے تپنے لگا۔ جھومر کی حسین صورت سے اسے وحشت ہونے لگی۔

"اس نے آپ کا کیا بگاڑا ہے بھابی! جو آپ اتنی مشتعل کر رہی ہیں؟" وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

"بات یہ تو وہیں کہ بگاڑیں تو آگے منہ جائیں۔" جھومر نے ایک آہ سرد کھینچی۔ روشی کا ضبط جواب دینے لگا۔

"یہ تو بہت ہی گری ہوئی بات ہے بھابی! آپ کو اپنے مقام کا تو خیال کرنا چاہیے۔"

"پگلی۔ بڑا اونچا مقام ہے ہمارا حویلی میں۔ بلکہ اس سے بھی اونچا مقام ہے۔ [illegible] اپنی خاں سے ایک ہیں۔ تم لوگ مقام ہو گے تو مقام ہی میں رہو گی۔ لگا بھیج کر [illegible] لیں گی۔ اپنے منہ کی خوشی اس حویلی میں رہ کر چھینوں گی۔ [illegible] ہے۔ [illegible] عجیب ہوا کا جھونکا ہے۔ [illegible] لگا رہا ہے۔ [illegible] ہو جاتے۔ [illegible] سے کوئی فائدہ اٹھائے۔" جھومر ہنسی سے بولی۔

"آپ اسے چھوڑیں ناں اسے مشورہ۔" روشی کی نگاہ ہاری پر تھی۔

اسی وقت ہاری ان کی سمت چل آیا۔

"سلام ہوں بڑی بیگم بالا ساں۔" وہ جھومر سے مخاطب ہوا۔

"بھیا بھری نیلمی ہوں گی بڑی بی۔ مگر مجھے سب پرنس آتا ہے۔ [illegible] "ہاشمی ہوں" کہے ہو گی۔

روشی خیز تیز چلتی ہاری کے قریب پہنچی۔

"تم اندر نہیں جا سکتے تھے۔ تم پانی نہیں دو گے پودوں کو؟ واپس پانی لیے کر کیوں آ گئے ہو؟" کیوں اتنا چڑ رہے ہو؟ کیا تمہارے کندھوں پر گزری ہے؟" وہ ڈپٹی طرح برس پڑی۔

"کس حساب میں آپ میرے کان اینٹھ رہی ہیں۔ ابھی ہمارا آپ کا تعلق قائم نہیں ہوا ہے۔ مجھ سے بہتر کریں۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے کہہ کر ہاتھ لگا بدستور پودوں پر جھک گیا۔

"وہ شروع ہی سے تنازعہ ہے۔ کیا بات کیا ہے؟" وہ قریب آ کر بولی۔

"کم از کم ایک بات پر تو اتفاق ہوا تھا ناں۔ سرائے میں چار گواہ موجود ہیں۔" وہ شرارت سے کہہ رہا تھا۔

روشی ایک جذبے کو لاجواب ہی ہو کر چپ ہو گئی۔

"خدارا آپ اندر جائیے۔ کسی کی نگاہ پڑ گئی تو آج ہی ٹوٹ ٹاک کریں گے یاد رکھنا ہاں۔ اور آپ سے بھی آسانی سے اقرار کروا لیں گے عدالت میں کہ یہ ناک تو جھوٹی ہے۔"

"ہونہہ کہلوا ہی نہ لیں کہیں۔" وہ ناک سکوڑ کر نخوت بھرے انداز میں بولی۔

"اور جو کہلوا لیا؟" وہ مسکرا رہا تھا۔

"خدا کہوں گی جو وہ کہلوائیں گے اور نہ وہ کہوں گی جو تم کہو گے۔"

"مگر اس طرح کے کیس میں تیسرا راستہ تو پڑتا ہی نہیں۔" وہ واقعی حیران ہوا۔

"بتاتا ہے۔ مگر میں تمہیں کیوں بتلاؤں۔ تاکہ وکیل صاحب پہلے سے تیاری کر لیں؟"

"ابھی وکیل صاحب کہاں۔ ایڈوکیٹ اپنے نام کے ساتھ اس دن لگائیں گے جب عدالت سے آپ کو جیتنے کے بعد نوٹ آفری اور پریکٹس لائسنس دونوں کو آگ لگا دیں گے۔"

اس نے پائپ ایک کیاری میں پھونک دیا اور اس کی سمت دیکھ کر بہت دل آویز انداز میں مسکرایا تو جھومر کی آنکھیں بھی جیسے

اپنے کاموں پر اعتبار نہ رہا ہو۔

"جو کسی کی زندگی میں ہوتے ہیں ان کے سکون میں بھی بے قراری ہوتی ہے۔ جو کہ بے وجہ اور بلاضرورت نہیں ہوتے۔ کچھ کچھ محسوس تو ہو۔ میں تو آج تک جو محسوس کرتی رہی ہوں وہی بعد میں سچ بھی نکلا ہے۔ مثلاً میں سمجھتی تھی کہ میں غلط وہم سے بدگمان رہی ہوں۔ ان کے بارے میں میرے احساسات غلط ہیں، وحشت دل لیکھیں ہیں شاید لکھے گئے ہیں مگر اب ثابت ہو رہا ہے کہ وہ سچی ہیں جو میں محسوس کرتی تھی۔"

"ذہن پر بہت زیادہ بوجھ ہو تو انسان وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی WILL ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے ہاں فیصلہ کی پختگی وہی ہوتی ہے جو سچ کی ذہن رکھنے والے پرسکون انسان کے "یقین" کی ہوتی ہے اس طرح کے دماغی امراض میں مبتلا ہونے والے بعض اوقات اتنے آپے سے باہر ہو جاتے ہیں کہ خطرناک کے ہو کر بیٹھتے ہیں۔ اپنے خیالات، احساسات پر حقیقت کو Base مت سمجھیے نفسیاتی مریضہ بن جائیں گی۔"

ماں نے اس کی بات کاٹ کر سمجھانے کے انداز میں اسے مخاطب کیا۔

"جو بیت آئے اسے بھول جائیے۔ الفاظوں سے بنے کی کوشش میں سب بھی ماری جاتی ہے بنانے کی۔" اس نے سر ہلایا۔

"تمہیں تو تسلی دینا بھی نہیں آتی۔" اس کے مشینی انداز پر اسے رونا آ گیا۔ اسے اندازہ ہی نہیں کہ وہ کتنی پریشان ہے۔

"ہم تسلیاں" پر نہیں رکھتے۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ روشنی کو نہ جانے کیوں اس کے لہجے پر ٹوٹ کر رحیا آ گئی۔

وہ آگے بڑھ گیا تھا مگر اس کے اپنے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

دل کی دھڑکن بھی غیر معمولی طور پر تیز ہو چکی تھی۔ پتا نہیں کس کے لیے دکھتا ہے جنت جہنم کراتی دھڑکنیں، وہ بھی دھیرے دھیرے قدم بڑھانے لگی۔ سعاد اپنے دھیان سے چونک پڑی ماہین سے ٹکرانے لگرانے لگی تھی۔

"یہ لیری نہیں حماقت ہے۔ ایسی کون سی ایمرجنسی تھی کہ بچہ نہ بچ کھڑی ہو کر اس سے باتیں کرنے لگیں۔ اس طرح کی حماقتیں کرو گی تو جنتی بات بھی بگڑ جائے گی۔ اسے تمہاری سر کٹی جھک کر سب بڑے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیں گے۔ ایک دم سے بابا صاحب ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ اس طرح کے فیصلہ کن اقدام کرنے کی مرحلہ تھی تمہاری۔" ماہین سخت ناراض نظر آ رہی تھی۔

"وہ بھی بولی اس سے باتیں کر رہی تھیں، بھولے سے رہا نہیں گیا تو میں بھی اس طرف آ گئی۔"

اسے بس یہی جواب سوجھا، نظریں جھکا کر شرمندگی سے کہہ رہی تھی۔

"بھولے اس سے بات کر رہی تھی تو کیا ہوا۔ وہ بھی میری طرح حویلی کی بہو ہے۔ کسی سے بھی بات کر سکتی ہے۔ تمہیں کیا فرق پڑتا ہے اس کی بات جیت سے؟" ماہین نے ناراضگی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"آپ لوگ سمجھتے ہیں انہیں بہو، بیٹی ماننے کو کون کہہ رہا ہے۔" وہ زچ ہو کر کہہ رہی تھی۔

"تمہیں کوئی ضرورت نہیں اس معاملے میں الجھنے کی۔ تم صرف اپنی فکر کرو۔ اور میرا خیال نہیں بھولا نہ۔ اب کیا تم اس کو پابند کرو گی کہ وہ تمہارے علاوہ کسی سے بات بھی نہ کرے۔ حد ہو گئی۔ پہلے اعتبار کا رشتہ پھر نکاح کا رشتہ۔ سمجھا جا رہا ہے کہیں۔ بابا صاحب بھولے سے کہیں زیادہ گولیاں دیتے اور خواصورت خواتین سے صبح سے شام تک ملتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب

ہے کہ میں ان کے پیچھے سارا سارا دن بھوکی رہوں۔" وہ بھی ماہین سے کم نہیں تھی۔ [illegible]

[illegible] گزر رہا ہے کہ بھولے سے "ملیک علیک" "فروخ" کر دے گا۔ وہ تو بھلا ہو [illegible] کا جو [illegible] ذہیم کی بھی بہت اچھی ہے۔ وہ اس [illegible] [illegible] [illegible] بادا [illegible]۔ ہوئی کے ذہن [illegible]۔" ماہین بہت سنجیدہ تھی۔

"لگتے پتا ہے خال اگر آپ کو پتا ہی ہے تو ہو چکا ہے۔ اب وہ پیچھے نہیں ہٹے گا۔ [illegible] صاحب [illegible] کے [illegible] کے دماغ میں [illegible] ہے کسی بات سے خوف نہیں آتا۔ میں [illegible] کو صاف کہہ چکی ہوں کہ [illegible] اچھا ضرور دیں گی۔ لگتے آپ پھر [illegible] سمجھ کہتی ہیں۔"

ماہین کے لہجے میں [illegible] کسی مصلحت کا [illegible] نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے تمہاری [illegible] سمجھ ایک دم کلیئر ہو گئی۔" ماہین بھڑک اٹھی۔ "میں میدان میں [illegible] قرار [illegible] سمجھ کا نہیں بلکہ حماقت سمجھ کا مظاہرہ کر رہی ہو۔ خود سے الجھ کر [illegible] ہو گئی ہو۔ [illegible] سے [illegible] جاؤ اندر [illegible] سکون ہو۔ [illegible] جب تک [illegible] نہ جائے اس سے ملنے اور بات کرنے کی ضرورت نہیں۔"

ماہین کا انداز حتمی تھا۔ روشنی چند لمحے کھڑی سوچتی رہی پھر اندر کی سمت بڑھ گئی۔

ماہین بھی کچھ دیر کسی دھیان میں رہی پھر جیسے کوئی فیصلہ کر کے اندر کی سمت بڑھی۔ سامنے ہی نظر اپنی منتظر تھی۔

"لو!" اس نے آواز دی۔

"ہی بھولی زلیخا؟" وہ اپنی جگہ ٹھٹک گئی۔

"دیکھو۔ ہادی کو ورغلانے کی کوشش میں بھیجی وہ اور اسے کہنا بادر خان بہت گئے ہوئے ہیں۔" وہ [illegible] کرنے کی سمت بڑھ گئی۔ اور خواب گاہ میں داخل ہو کر دروازے میں جا کھڑی ہوئی۔

نظر بابا پاؤں مسلسل ہلتے ہوئے [illegible] ہو رہا تھا۔

"آں۔ آ جاؤ۔" وہ عجیب سے انداز میں کہہ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ ہادی قدرے فکرمند انداز میں [illegible] کرتے ہوئے داخل ہوا۔

"آئے ہائے کیا [illegible] ہو گئے۔" ماہین کے لہجے سے انداز میں مسکراہٹ۔

ہادی اس طرز کلام پر قدرے سٹپٹایا تھا۔ اور سر جھکا کر اس سے خفت کا صلہ پا رہا تھا۔

"خیریت؟" اس نے [illegible] ہوئے ماہین کی سمت دیکھا۔

"کچھ شامت کو خود آواز دیتے پھر رہے ہو۔ بھلا خیریت کیسے ہو؟" ماہین کے لہجے میں [illegible] تھی۔

ہادی الجھا سا مگر کچھ بولا نہیں۔

"دیکھو سب کچھ مقدر حاصل پر آ چکا ہے۔ تیور علی خان اور [illegible] سجاوٹ کی [illegible] [illegible] ہیں مگر [illegible] [illegible] [illegible] کر لیں گی۔ کیا ضرورت تھی اسے لے کر یہاں [illegible] ہونے کی۔ [illegible] اس کے [illegible] [illegible]

اور سر پیٹنے کو دل چاہ رہا ہے میرا۔" ماہین نے بدستور ہار ماننے سے انکار میں کہا۔

"مجھے تو واقعی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں تو وہ لمحہ گنوا رہا تھا۔ پہلے بھابی آ گئیں پھر "محترمہ"۔"

یاور کے سادگی بات سمجھ میں آئی تو اس نے سکون کا گہرا سانس لے کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

دیکھو ہماری صورت حال تم پر واضح ہے تھی نا ایک پلاننگ ہے۔ معمولی سی غفلت بہت سارے لوگوں پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور ایسے بگاڑ بھی پیدا ہو سکتے ہیں جو کسی طریقے سے ہمیں خاطر خواہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔" ماہین فکر مند انداز میں گویا ہوئی۔

"آپ فکر مند نہ ہوں۔ میری جانب سے آپ بے فکر رہیں۔ بس محترمہ کو تھوڑا ایڈریس کر دیجئے۔ باقی تو ہے۔ مجھے اچھا نہ آیا کوئی اور بات باقی ہے ابھی؟" وہ اٹھتے ہوئے ماہین سے مخاطب ہوا۔

"نہیں۔ بس یہی فکر تھی کہ کیا کرے رہے ہو تم لوگ۔ اور "محترمہ" سے تو خیر میں نپٹ لوں گی۔ مگر ایک بات تو بتاؤ محترمہ کی کون سی خوبی ہے جس نے سارے سے ٹکرانے کا حوصلہ پیدا کر دیا۔ تم جیسا گہرا اور سنجیدہ رہنما صرف شکل و صورت کی خوبی پر تو اس طرح آگے نہیں بڑھ سکتا۔" ماہین بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب اس کے لبوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"کئی بار یہ سوال میں نے اپنے آپ سے بھی کیا ہے۔" وہ بھی شرارت بھرے لہجے میں جواب دے ہوا۔

"ان کے پاس جانے کی ایک راہ ہے شاید۔ یہ جس سمت بھی رخ کرے گی غالب ہو جائے گی۔ وہ ہر کام بہت سوچ سمجھ کر کرتی ہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہتے کہتے یکدم ہنس پڑا۔

"کام؟" ماہین بھی بے ساختہ مسکرا دی۔

"چلو تو یہاں الزام ہے جو تم اس پر لگا رہے ہو۔ تمہیں احساس ہے؟" ماہین نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"وہ یہ الزام مجھ پر لگا کر حساب برابر کر سکتی ہیں؟" اس نے پھر مسکرا کر جواب دیا۔ اب وہ بہت معمولی بات سے انداز میں خیمہ کھڑا تھا۔

"اچھا؟ بہت لاپرواہ ہو۔ مانتے ہیں۔ کیا قیامت ہے اور کس قیامت کا سکون ہے تم میں۔ کامیابی سے پہلے اتنی اداسی بھلے خود ایک خوشی و سکون ہے۔ مجھے حیرت ہے یاور جمال خان جیسا سنجیدہ اور بہت گہرائی میں سوچنے والا شخص جو تمہیں بہت پسند کرتا رہا ہے۔ اس نے اتنے رشتے پر ساری دنیا سے جنگ کرنے کے درپے ہیں۔ شاید دنیا کا یہ خوفناک انداز ان کے لیے چیلنج بنا ہے۔ ہاں۔ یہی بات ہو سکتی ہے۔"

اس نے خود ہی اپنے خیال کی تائید کی۔ "بات ہے بھی غلط۔ ابھی مارجن تھا اتنی جلدی یہ انتہائی قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔" بہر حال وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئی۔

"یہ بات نہیں ہے۔ مارجن نہیں تھا اور نہ کم از کم میں ان کے اس انتہائی قدم میں ان کا ساتھ دیتا۔ اور یہ بات آپ بھی بہت اچھی طرح جانتی ہیں کہ یاور خان مجھے سونے کا تاج تو پہنا سکتے ہیں بحیثیت داماد مجھے قبول نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ میں تیمور خان کے بہت قریبی کی اکلوتی اولاد ہوں۔ ان کے حساب سے تو تیمور خان ان کی اولاد ہوں۔ کیونکہ میرا تایا انہیں بہت عزیز تھا۔

آپ انجان بن کر مجھ سے سوال نہ کیا کریں مجھے اچھا نہیں لگتا۔ میں جانتا ہوں آپ کو پتا تھا کہ باقی ہے۔"

ماہین غصب سے دیکھ رہی تھی۔ اتنی سمجھ کوئی کی کو اسے سمجھ نہیں تھی۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے بیچوں بیچ سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

"بھی اور بڑی کیسے ہیں لاکی بڑی سریلی سے آئی تھی۔ بات ہو گیا ہے۔" وہ ریلیکس ہونے لگی۔

نازنین نے چونک کر خوفناکوں کی شکل دیکھی۔ ان کے چہرے پر کسی طرح کے تاثرات نہیں تھے۔

"یہ آج سے کیا بھیان آیا؟" وہ خاموشی سے خوشی کے ہاتھوں میں بوش چھاتی رہی۔

"تائیں ہاں جی۔ بہ کیل آئی تار گوت بر تم"

"بہ شاہے۔ بالی اور لنگ" نازنین اس طرح گویا ہوئی جیسے کسی کو ہلکا سا تاب کر رہی ہو۔

"ہام۔ اور لنگ آپ نے کہے کہا۔ ہمیں یاد شاہے کو؟" خوشی نے گھوم کر ماں کا چہرہ دیکھا۔

"تو لی بات۔ بڑل ہے تم سے۔ بالی کہہ سکتی ہو۔ آپی کہہ سکتی ہو۔" نازنین نے تم تم سے تو دل میں لیا تھا۔

"آپی ایم ساری۔ وہ دوبارہ بھی آئی تھیں؟ یعنی ان بالی ایب سٹس۔ (میری لیٹر ہو جوئی میں)؟" اس نے قدرے ملامت کی اور وہ سوال کیا جو تم پر پہنچنے کا محرک تھا اور درمیان میں گم ہو گیا تھا۔

"نہیں۔"

"وہ تو بہت اچھی بہت باتس ہیں پھر آپ نے بچے نے ہمیں ان سے ملنے سے کیوں روکا؟ وہ تو بہت دیالی خاتون ہیں۔ ملیحہ۔ بہت تمیز والی ہیں۔ ہاری بھائی نے بھی بچے کے ساتھ مل کر منع کیا تھا اور خود وہ ان کے گھر سے میں گئے تھے۔ ہم نے اوپر بالکنی سے خود دیکھا تھا۔"

"کیوں یاد رکھے ہوئے ہو۔ اتنی پرانی بات؟ کتنے سینے ہو گئے۔ جب کوئی بچہ کسی بات سے منع کر دیتے ہیں تو بچے اپنے ذہن سے بات کر کے انہیں پرابلم نہیں کرتے۔" نازنین نے سمجھاتے ہوئے انداز میں اسے سرزنش کی تھی۔

"جب ہم نے بھی ان سے بات نہیں کرنا اور آپ نے بھی تو پھر وہ ہمارے گھر کیوں آئی تھیں؟ کیا ان کے کوئی بچہ نہیں ہے؟" خوفناکوں پر نازنین کی تنبیہ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

نازنین خاموشی سے ضبط کی مٹھیاں لے کرنے لگی۔

"کیوں پریشان کرتے ہو بچا ناں کو۔ آل ریڈی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" تیمور علی خان تولیے سے سر رگڑتے ہوئے باتھ روم سے برآمد ہوئے تھے۔

نازنین نے جھکتے آنسو خوفناکوں کی نظر بچا کر صاف کیے۔

"بھائی آپی کے انتظار میں انوائٹ نہیں ہونا چاہیے۔" انہوں نے ایک اچٹتی نگاہ نازنین پر ڈالی۔

"جا گیا وہ ہماری بھائی کی کزن ہیں؟" یہی تھی بس ایک دھماکہ میں آ گئی تھی۔

نازنین نے اسے بازو سے اپنی طرف موڑا اور بڑا سا پرس اور بڑا سا شاپر اس کے پھول سے ہاتھوں پر رکھ دیے۔ تیسرے تھیلے کی نسبت سے ہاتھ خالی تھا کہ تیمور علی خان نے درمیان ہی میں قدم لیا اور دوسرے ہاتھ سے نصوتی کو اپنی طرف کھینچا جو فوراً سہم کر ان سے لپٹ گئی تھی۔ اور بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"تمہارے تو خاندان کی عادت ہے بھتیجے گھر پٹنا۔" عجیب ہی وحشت زدگی کے چہرے پر دیکھے تھے۔

نصوتی باپ سے لپٹی تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ "پاپا! ممی بہت خراب ہیں۔"

"میری جان! ممی کو ایسے نہیں بولتے۔ ممی کی طبیعت خراب ہے جب ممی کسی بات سے منع کرتی ہیں، تو ہمیں کہا ماننا چاہیے۔"

"جاگیرداروں کے ہاں جاگیردار ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اپنی منوانے والے۔ اپنی منانے والے۔ خواہ مخواہ میں اپنا سر بھی لے آئی۔ عقل نہیں جلے گی۔ اسے اچھی طرح سمجھا دیجیے۔ آئندہ مجھ سے کوئی ایسی ویسی بات نہ کرے۔"

نازنین کے سانسوں کی بے ترتیبی قابل دید تھی کہ اس وقت وہ اپنے حواس کھو چکی ہے۔ تیمور علی خان نے ہاتھ میں پکڑے شاپر لیے نصوتی کا پیر وصال کیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ جو فوری طور سے سسک رہی تھی۔

"آؤ بیٹا! آپ کے کمرے میں چلتے ہیں۔" انہوں نے نصوتی کا ہاتھ تھاما اور وضع داری فراموش کر کے ہاتھ کا ہوں ہی میں بیڈ روم سے باہر چلے گئے۔

نازنین بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ پہلی مرتبہ کسی بچے پر اس نے ہاتھ اٹھایا تھا۔ اب اس کا اپنا دل کٹ رہا تھا۔ وہ بُری طرح رو رہی تھی۔

پندرہ بیس منٹ کے وقفے کے بعد تیمور علی خان اندر داخل ہوئے۔

"آئی ایم سوری تیمور! پتا نہیں میں کیا اول فول بول گئی۔"

تیمور علی خان خاموش رہے اور ادھر ادھر سے اپنے کپڑے نکالنے لگے۔

"بہت ہی سوال جواب کرنے لگی ہے۔ تنگ آ جاتی ہوں میں۔ میرے اپنے اندر کیا کم سوال جواب ہوتے رہتے ہیں۔"

تیمور علی خان بدستور خاموش رہے۔

"اب مجھے آپ کی ہمراہی کی بھی پروا نہیں۔ اب میری کشتی کو ایک اچھالے کی بھی ضرورت نہیں۔ اب میں بے خوف ٹھوکریں کھاؤں۔ میں جیسی ہوں چلی جاؤں گی۔ مجھے اپنی ہمراہی کے خنجر سے مزید لہولہان مت کریں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"جو آپ کا دل چاہتا ہے آپ وہی کرتی ہیں۔ لہٰذا جو دل چاہ رہا ہے کر ڈالیں۔" تیمور علی خان نے بہت آہستہ آواز میں اور بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔

تمر سب کچھ کرنے کے اختیارات دیا ان کے انتہائی غضب کا عہد تھا۔

"نا بہت کچھ برداشت کر سکتی ہیں۔ بچی کی معصومانہ ضد سے اتنی جلدی کیسے لوڈ کر گئیں۔ ہم اسے ہمیشہ کے لیے سمجھا

رہے تھے۔ بچی منت کی محبت سے مسئلہ حل ہو جاتا تھا۔ کہ ہٹے بچے کو پیار کرنے کے بعد وہ

ہم اپنی اولاد کے ساتھ یہ سب برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ اپنی انا تسکین کے لیے اولاد کی قربانی نہیں دے سکتیں۔ اولاد بچی بہت چھوٹی ہے بہت تنہا ہے۔" تیمور علی خان کے لیے بے حد حیران کن انکشاف تھا۔

"میری بھی تو بیٹی ہے کیا صرف اس پر کوئی حق واختیار نہیں۔ اسے میں سمجھتی ہوں۔ اسے کیا ہے کہ کسی بات سے منع کرنا ہے۔ کیا نہیں کرنا ہے۔" نازنین نے بھی برہمی سے جواب دیا۔

"اولاد صرف آپ کی بیٹی ہے۔ آپ تو۔ تحقیق اور اس کا پاس تو ہمیں ہم ہی نے دیا ہے۔ آپ تو اولاد کو ہر قسم کی صورت میں حاصل کر بیٹھے سارے جواز کی ڈھال بنا کر بچی کو بلیک میل کرنے کی جاوی ہی ہیں۔"

دو دن تک کی صلح جو کے۔ نازنین سماعت سے اوجھل ہو گئی۔ ان کے ایک ہفتے میں کی کی سی اموشنز کی وہ شکار ہو چکی تھی۔

"شکر ہے کہ اولاد کی کامیاب مکمل ہو پورا ہوا ہوتا ہے۔ ہمارے وہم و گمان میں کون اکلوتا بیٹا ہے ہو گا۔ ہمیں ہی بڑا ہمارے سر۔"

اس نے خفگی سے اونچی آواز میں تیمور علی خان کو سنانے کی غرض سے کہا اور بیڈ کے کھونٹوں جیسی رکھنے والے بازو سر کرسیوں میں پھنسا کر دبوچ گئے میں ڈال کر بچھا اور بھی بڑھتی ہوئی خواب گاہ سے باہر نکل گئی۔

تیمور علی خان ڈریسنگ سے باہر آئے تو ان کی پیشانی پر بھی شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے وہ بیڈ کی طرف بڑھے تھے۔

باتھ روم سے فارغ ہو کر ابھی ابھی باتھ روم سے باہر آئی تھی کہ بیڈ روم کے دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟" اس نے ہاتھ گاؤن میں لپیٹے اپنے سراپے پر نگاہ ڈالی اور قدرے اونچا کر کے پوچھا۔

"میں ہوں بی بی! آ جاؤں۔؟"

"اوہ۔ اول۔ آ جاؤ۔" اس نے تولیے سے بالوں کو آزاد کرتے ہوئے جواب دیا۔

اولاد آ گئی۔

"خیریت، کوئی کام؟" ماہین نے انگلیوں سے بال سلجھانے شروع کر دیے۔

"نہیں۔ ماہین بی بی! آپ سے اجازت لینے آئی ہوں۔ اب نہ میں ہر بی بی پوچھ جاؤں گی اور نہ یہاں رہوں گی۔"

"کیوں بھئی۔ کیا ہوا کیا کام بہت کرنا پڑتا ہے یہاں؟ اور تمہاری کنڈیشن ایسی نہیں کہ تم اب دوبارہ کام پر لگو۔" ماہین نے بغور اس کی طرف دیکھا تھا۔

"نہیں جی۔ میں دوبارہ نہیں پھروں گی اس کے پاس جاؤں گی جس نے دوبارہ کیا ہے۔" اولاد اداس ہو کر بستر کی چادر

''عارفہ کے پاس۔ کیوں کیا آپ کی لیے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے؟'' ماہین نے قدرے تیکھے لہجے میں سوال کیا۔

''ساری بات سمجھ میں آ گئی ہے بی بی! اور تو اب اس کے کسی کام کی نہیں۔ کوشش کروں گی کہ اس سوالی کی خواری ختم ہو جائے۔''

''سوالی وہ کم تم زیادہ ہو۔ لال خان تم سے عمر میں بہت بڑا ہے تو عارفہ کون سا تمہارے برابر کا ہے۔ اس میں کیا خاص بات ہے؟ فلمی ہیروئن مت بنو۔ بچے کے سر پر اس کے باپ کا سایہ ہے اسی میں عافیت ہے۔'' ماہین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اس کی عمر کا بھید تو اب کھلا ہے مجھ پر۔ مگر جی آپ بھی اسے دیکھو تو جوان ہو جاؤ۔ اکہرا بدن، کھلتا ہوا گلابی رنگ، بالوں میں بھی سفیدی نہیں۔ بچی۔'' بالو کے پاس جواب تیار تھا۔

''کیا کھاتا ہے بھئی وہ، تو آج سے دس سال پہلے بھی جوان تھا۔ بالوں کو دانی کرتا ہوگا۔ تیمور علی خان سے کچھ ہی چھوٹا ہوگا۔ ان کے بھی سر میں ہلکی ہلکی سفیدی جھلکنے لگی ہے۔'' وہ بڑے تعجب سے تجزیہ کرنے میں الجھ گئی تھی۔

''کیا کرتا ہوگا؟'' بالو کی سمجھ میں نہیں آیا تو پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔

''میرا مطلب ہے بالوں کو رنگ لگاتا ہوگا۔'' ماہین نے وضاحت کی۔

''ویسے تو میں نے نہیں دیکھا پر کیا خبر جی نے نیا ہی دھوکے کی ہے۔'' بالو نے اس سے اتفاق کر ہی لیا۔

''ایک بات کہوں بی بی! آپ بُرا تو نہیں مانیں گی؟'' بالو نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

''ہوں۔ پوچھو۔'' ماہین نے برش سے بال سلجھانا شروع کر دیے ساتھ ہی اندازہ بھی لگانا شروع کر دیا کہ وہ کیا سوال کرنا چاہ رہی ہے۔

''باور خاناں بھی تو آپ سے عمر میں بہت بڑے ہیں مگر آپ تو بہت خوش ہیں۔''

ماہین کے گروش کرتے ہاتھ یکدم رُک گئے۔ پھر اچھا خاصا سناٹا سا ہو گیا۔

''یہ تو بہت اچھی خبر ہے میرے لیے کہ میں بہت خوش نظر آتی ہوں۔'' وہ خیال سے باہر آ کر بڑی بے ساختگی سے مسکرائی۔

''بالو!'' یکلخت وہ سنجیدہ ہو گئی۔

''جی بی بی؟'' بالو ہمہ تن گوش تھی۔

''بالو۔ شادی بس ایک اشتیاق ہے۔ یا ایک سودے بازی ہے۔ جو کبھی مرضی سے ہوتی ہے۔ کبھی مجبوری سے۔ سمجھ رہی ایک لاکھ روپے کے مالک ہیں۔ اگر جیور سے ایک لاکھ کے ہیرے خریدتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں کیونکہ ہم نے ڈیڑھ خوشی سے خریدا گیا ہوتا ہے۔ اگر اسی پیسے سے ہم اپنے گردے یا دل کا علاج کراتے ہیں اور یہ ہسپتال میں لرزتا ہوا بیڈ ہمیں تمام عمر ایک تشنگی رہتا ہے کہ ہمارا اتنا سارا پیسہ اسپتال میں چلا گیا۔ ہیرے خریدیں تو خوشی، بیماری میں فراخ کر دیا

بیوقوف "عورت" سے لفظ ہی مذاق ہوتا ہے۔

عورت تو بس ایک بات ہی کے لیے ہوتی ہے۔ ایک بات کی سوالی ہے۔ [illegible] ہوتا ہے کہ تو اپنے جیسے کی بات کو نکلی ہے۔ سب قصوں سے نتیجہ [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] بی بی اول کی بھی تو کوئی اولاد ہوتی ہے۔'' بالو نے ٹوک کر پوچھا۔

''بھولا اس دل کا پیچھا۔ بڑی خواری۔ مجھے ٹرافیز کہتے تھے۔ ہر سال ہوتے تھے [illegible] کے لیے۔ اپنے پیار کر اب صرف ماں بن کر سوچتا۔ اب بھی سمجھ نہیں پاتا ہے گی۔ بچہ لے پالی ہوتی ہے۔ دل [illegible] ہے؟'' ماہین کے لہجے میں تڑپ آ گئی تھی۔

''بی بی! خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ آپ کا دل آباد رکھے۔ باور خاناں کی بھی عمر ہو آپ کا [illegible] ہے۔ [illegible] آپ کو کیا پتا؟'' بالو نے بڑے کرب سے کہا۔

''میں تجھے کیسے سمجھاؤں بالو۔ میرے اندر زندگی پر اس بچے کا حق ہے مگر میرے اندر کی ماں ابھی تک نہیں ہو سکی۔ اس بچے سے زیادہ کسی کا خیال نہیں ہونا چاہیے۔ چاہے عورت خوشی سے فراغ ہو یا مجبوری سے۔ ''ماں'' کے معنی بدل جاتے ہیں۔ سمجھ رہی ہے ناں میری بات؟

عورت آخر کار صرف ماں ہے۔ عورت ماں نہیں ہوتی۔ ماں ہونے کو محسوس نہیں کرتی۔ میں کی فرصت کے [illegible] سے دم بھر۔ وہ نہیں ہوتے تو کیا سمجھتی ہے میں ماں نہیں ہوں؟ میں اپنی ماں کے بچوں کی ماں ہوں۔ تم کہہ رہی ہے ناں میں خوش نظر آتی ہوں۔ میں ان بچوں کی وجہ سے خوش ہوں۔ ان کو ملنے والی خوشیوں کے خیال سے خوش ہوں۔ میں بچوں کے باپ کی وجہ سے خوش نہیں ہوں۔'' ماہین نے پھر سے بالوں میں برش چلانا شروع کر دیا۔

''تو آپ کی شادی زبردستی ہی ہوئی تھی یا باور خاناں آپ کو پسند نہیں آ؟'' بالو نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''شادی تو زبردستی ہی ہوتی ہے۔ کبھی دل زبردستی کرتا ہے کبھی گھر کے لوگ۔'' ماہین عجیب سی تلخی کے ساتھ ہنس پڑی۔

بالو اس مبہم جواب پر اس کی صورت دیکھ کر رہ گئی۔

''ایک بات اور پوچھوں بی بی؟ آپ ملتے تو نہیں ہوں گی۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''بالو۔ ہاں پوچھو۔ بہت سوال پیدا ہونے لگے ہیں تمہارے ذہن میں بھی۔ اظہار کرو۔'' وہ پھر بے ساختگی سے مسکرائی۔

''بچے اور سرسوتی کو باہر بھیج کر وہ آپ کو کیا باتیں بتاتی تھی۔ سرسوتی تو یہ بھی بتا رہی تھی کہ بی بی تو بہت دن سے اس کے اکلاپے کو بھگا رہی ہیں؟''

''کیا بتاتا ہوگا آخر وہ پھر اس طرح کی بات تیری زبان پر نہ آئے۔ سرسوتی کو دیکھا ہے ناں اس کی طرح [illegible] ہوئی لگی ہوگا۔'' ماہین نے اسے راہ ہی میں ٹوک دیا۔ ''یہ تیرے سوچنے کرنے کی باتیں نہیں۔ میں تم لوگوں کو پیسے کے لیے منگوا لیتی تھی۔ حویلی کے بھیدوں میں حصہ لانے نہیں۔ حویلی کے نوکروں کے منہ میں زبان نہیں ہوتی۔''

"بی بی! میں کب حویلی کی نوکر ہونا چاہتی ہوں۔ بس آپ تو مجھے واپس جانے کی اجازت دے دیں۔" ہالو نے منت سے کہا۔

"میرا دم پر کیا زور ... مگر اس حالت میں تمہیں حویلی سے نکالنے کو میرا دل نہیں مانتا۔"

"آپ اپنے دل کی نہ مانیں۔ میری مان لیں۔ مجھے جانے دیں۔" ہالو نے منت کی۔

"اس مجھے پتا ہے۔ تجھے کچھ سمجھ نہیں آتی۔ امی کے پیٹ میں بچہ جا رہا ہے۔" ماہین نے ذرا سختی سے کہا۔

ہالو خاموش رہی جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

"کیا سوچ رہی ہے؟" ماہین نے بالوں کو چھو کر ان کے خشک ہونے کا اندازہ لگایا۔

"کچھ نہیں بی بی۔ انسان کے پاگل پن کو سوچ رہی ہوں۔ جیسے شاش اس کا نصیب ہو۔ آگے کا نظر نہیں پڑتا اور دور کی سوچتا رہتا ہے۔ جو مل جاتا ہے اس پر دھیان نہیں ہوتا جو نہیں ملتا اس سے دھیان نہیں ہٹتا۔ میرا بھی یہ اچھا گھر تھا، مزے دار کھانا۔ اس کے کئی کمرے تو میں نے کھول کر بھی نہیں دیکھے تھے ساری سہولتیں تھیں۔ یہاں حویلی میں تو بہت پانی ہے۔ میرے گھر میں پانی کا مسئلہ تھا۔ مگر لال خان سپلائی سے آیا تھا۔ میرے باورچی خانے میں بھی ساری سہولتیں تھیں۔ آٹا گوندھنے والی، سبزی کاٹنے والی، گیلا مسالا پیسنے والی الگ۔ سوکھا پیسنے والی الگ۔ قیمہ بنانے والی، آلو چھیلنے والی، پانچ سوئے تھے تین اور الگ۔ دو ہم میں ایک بی۔ وی والے کمرے میں جو باورچی خانے کے ساتھ تھا ایک اس کمرے میں جہاں ہم سوتے تھے۔

کیسا بھرا گھر تھا بی بی۔ پر مجھے وہاں نیند کیوں نہیں آتی تھی؟ میرے باپ کا آدھا بچا آدھا کچا گھر تھا۔ وہاں تو مجھے بہت نیند آتی تھی۔ ماں جیتی رہتی تھی۔ کہ مرد اور انسان سویا کر جیتا ہوتی ہے۔ مگر میں جاگتی کب تھی۔

کہاں گئی میری نیند بی بی؟" وہ بچوں کر رونے لگی۔

ماہین کے دل میں بھی لہریں اٹھنے لگیں۔

"چپ کر جا پاگل۔ دل کی کرے تو بعض اوقات غم میں رویا پڑ جاتا ہے کیسی وحشت تھی کہ تجھے قدم قدم پر بھرے شہر نظر نہیں آئے۔" اس نے بڑے دکھ سے ہالو کی مست دیکھا۔

"ایسی ویسی بی بی! وحشت تو اب بھی ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا کچھ اور سمجھ میں آتی ہے۔ مگر وحشت تو کہیں نہیں ہوتی۔"

"ہالو! اس بچے کی خاطر خود کو روک لے بس۔ ایک خاندان کی سات پشتیں تیری احسان مند ہوں گی۔ مت بھٹک۔ میرا بس چلے تو تیرے ہاتھ پاؤں باندھ کر بچھوا دے ڈالوں۔"

ماہین کو بھی اندازہ تھا کہ ان وحشتوں میں سمجھ بوجھ سب سے پہلے ساتھ چھوڑتی ہے۔ مگر ایک عہد کے سہارے آگے قدم انسان اٹھا ہی لیتا ہے۔ اس نے بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"بی بی! دعا کرنا کہ یہ بچہ پرتنہ ہو۔ اگر یہ باپ پر چلا گیا تو میں اس سے محبت کیسے کروں گی؟" ہالو کے انداز میں لاچارگی سما گئی تھی۔

"مجھے تو یقین ہے کہ کہیں پاس ہی ہو۔ کسی کے دھیان میں ٹوہ رہی ہے۔"

ماہین ہلکی سی پریشانی سے مسکرائی۔

"ہائے اللہ۔ ایسا بھی ہوتا ہے۔" ہالو نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہوں۔ مگر اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔ کالی بن کر پیدا ہونے سے بہتر ہے کہ بچہ ہو ہی نہ۔"

اب حویلی کے مردوں کے سامنے نہ جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ دلاور صاحب کو مطمئن کرنا مشکل ہو جائے گا۔ مجھے واپس جانے کی اجازت دے دیں اور ہالو کے بجائے مجھے کوئی اور بھیج دیں۔"

"آپ بھول جائیں۔" ہالو نے پھر اصرار کیا۔

"میرا بھائی ابھی گھر نہیں ہے۔" ماہین نے کہا۔

"تو کیا آپ مجھے اپنے بھائی کے پاس بھیجیں گی؟ میں آپ کے بیٹے جانے کے لیے تیار ہو جاتی ہوں۔ میں خود اپنے شوہر کو بھی بھیجنا چاہتی ہوں۔" ہالو نے وضاحت کی۔

اسی اثنا میں دلاور علی خان دروازہ کھول کر مالکانہ بے نیازی کے ساتھ اپنی رحمن میں داخل ہوئے۔ وہ شلوار قمیص میں ملبوس تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ حویلی ہی میں موجود تھے۔

ماہین بری طرح گڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔ ہالو کا انداز نشست ایسا تھا کہ اس کا چہرہ دروازے کی طرف تھا۔ اس کی حالت ایسی تھی کہ گھبرانے کے باوجود پھرتی سے اٹھ نہ سکی۔ اور بمشکل کھڑی ہو سکی۔ چوڑا سا چاقو وہ پہلے ہی اس کے ہاتھ میں تھا جو اس نے اپنے ہاتھوں سے تراشا تھا۔ عجیب سے خوف نے اسے پنجے میں جکڑ لیا تھا۔

"استاد جی! ..." اس کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

دلاور علی خان نے اس پر ایک نگاہ ڈالی تھی ان کی ایک نگاہ بھی بہت تھی۔

"کون ہے یہ ...؟" انہوں نے عام سے انداز میں ماہین سے دریافت کیا۔

"ہالو ہے۔ ایسے ہی فیئر بری طور پر حویلی میں کام کرتی ہے۔" ماہین کی آواز بہت آہستہ تھی۔ اسے اپنی ہی آواز نہ طبیعت ناگوار حد تک خفت آمیز لگی۔

ہالو اپنا بھی طرح لپیٹ کر باہر چلی گئی۔

دلاور علی خان صوفے پر بیٹھے تھے اور ماہین کھڑی تھی۔

"کس نے کی تھی یہ فیئر بری اپائنٹمنٹ؟" ان کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔

"کراچی سے آئی تھی حویلی کا پتا پوچھتی ہوئی۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے ... میں نے ہمدردی میں رکھ لیا۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا۔ کتنے دن سے قیام ہے حویلی میں محترمہ کا؟" دلاور علی خان نہایت سنجیدہ تھے۔

"تقریباً ایک ہفتہ۔" ماہین نے اسی طرح کھڑے کھڑے جواب دیا۔

"یعنی آپ کی صورت میں حویلی کو کوئی نقصان ہی نہیں ہوا۔ کیا ایک گھر کا تحفظ ہے اس کا تحفظ ہر کہیں ہے۔ کیا ہوا ہے یہاں سے اور اس حال میں کس حساب میں یہاں نظر آ رہی ہے۔"

"سیچوئیشن ہو چکی ہے۔ ماں باپ بہت غریب۔"

"یعنی کوئی بھی خاتون اس حال میں اس حویلی میں آرام سے قیام کر سکتی ہیں۔ سمجھ گئی ہوں۔ لالچ نہ دیں مجھے۔ میں رہ رہی ہوں محترمہ ... مجھے یاد آیا۔ خانزادہ ابھی کو ہری پور ساتھ لے جانے کے لیے آپ کہہ رہی تھیں۔ اس وقت میں بہت مصروف تھا۔ میں نے اس کیس پر توجہ نہیں دی تھی۔ مگر مجھے آپ سے اس قسم کی حماقت کی امید نہیں تھی۔"

وہ مشرقی شوہر ہونے کی حیثیت سے یہ حق محفوظ رکھتے تھے کہ جب سودا ہو بیوی کو جاہل ہونے کا احساس ضرور دلائیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ عورت کا شوہر تو بہت بے تاب رہتا ہے کہ کسی طرح ثابت کرے کہ بیوی کا شعور اور اگر یاں سب سے کم ہیں وہ جاہل ہے اس لیے کہ عورت ہے۔

احساس توہین سے چند گھڑیاں لب بستہ رہ کر گزریں۔

"کیا نام بتایا ہے اس نے اپنے بچے کے باپ کا؟" یاور علی خان کی آنکھوں سے ظرفندی جھلک رہی تھی۔

"لال خان۔ معمولی پڑھا لکھا کاروباری آدمی ہے۔ ٹھیک ٹھاک پیسے والا ہے۔" ماہین ہر ممکن حد تک اعتماد میں کمی ہوئی۔

"وہ پیسے والا ہے اور یہ یہاں اس حال میں جھک مار رہی ہے۔ کوئی سر پھرا ہے اس اسٹوری کا؟" یاور علی کی طرح بھڑک گئے۔

"تقریباً تو ہے سیچوئیشن ہو گئی ہے۔" ماہین نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

"اور ہاں — ایک پوائنٹ تو مس ہو رہا ہے۔ حویلی کا پوچھنا کیوں آئی ہے۔ کیا حویلی میں اس کا کوئی رشتے دار رہتا ہے۔" یاور علی خان ایک دھیان سے بچ گئے۔

"غلطی ہو گئی مجھ سے۔ ذرا سا بھی اعتماد نہیں ہے مجھ پر۔ کٹہرے میں آ کھڑی ہوں جیسے۔ لوگوں سے کہیں اوٹے وغیرہ دے کر حویلی سے باہر نکال دیں جیسے کہ آپ کے ہاں کا دستور ہے۔" اب ماہین کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"اس قسم کی ہمدردیاں گلے پڑ جاتی ہیں۔ کیوں نہیں سمجھ میں آتی یہ بات آپ کو؟" یاور علی خان سیاست کاریوں کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

"لیول لارلز ہمارے سسٹم میں ہر قانون و بندش سے آزاد ہوتے ہیں۔ کوئی آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے اگر کچھ کیا تو اس بے چاری کا بگڑے گا۔" ماہین نے تلخ انداز میں جواب دیا۔

"لیول لارلز کی کوئی ریپوٹیشن بھی ہوتی ہے۔" یاور علی خان نے مزید دلیل دی۔

"ہونہہ۔ ریپوٹیشن! کون چالیٹ پر بھی چاہے ریپوٹیشن جوا لیں۔" ماہین کا سودا تو گویا ہیٹ کے لیے آل ہو گیا تھا۔

"میں بہر حال کہہ چکا ہوں اب پلز کی ایک دن بھی یہاں نہیں رہے گی اور آئندہ کوئی لڑکی یا عورت وہ اصاحب سے

لیے طلب نہیں ہوتی۔ حویلی میں ہمارے کھانے والے ہیں حویلی کی [illegible]

ایک خاتون اور ہیں کہ آپ حویلی سے [illegible] کے لیے [illegible] کر رہے ہیں [illegible] ہیں ہوں گی۔ [illegible] ہو گیا ہے کہ [illegible] سے کسی نہیں ہیں گے۔ [illegible] ہے [illegible] ہو گئی ہے [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible]

انہوں نے مگرمچھ کی داڑھ کھجاتے ہوئے جھاڑ چھیڑا کی۔

''میں آپ کو یقین دلانے کی مزید کوشش ہرگز نہیں کروں گی کہ میں نے آپ کے کیس میں پیشہ وارانہ دیانت داری برتی تھی۔ لہٰذا اتنا علم ضرور تھا کہ وہ نیم سے شادی پر رضامند نہیں ہے۔''

''جو ہو چکا ہوتا ہے میں اس پر زیادہ غور نہیں کرتا۔ جو کرنے کا ارادہ ہوتا ہے بس ساری ایکسٹشن اس پر ہوتی ہے۔'' یاور علی خاں نے دانوک انداز میں کہا۔ ''پتا ہے مجھے۔'' ماہین بڑبڑائی۔

''مگر یہ آپ کی بیٹی کا معاملہ ہے۔ انسان خود کو جانتا ہو تو اپنی اولاد کو بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا سکتا ہے۔ ایسا کبھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اپنی اولاد کو آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کو جانے بغیر آپ کورٹ میں جائیں گے تو یہ بہت بڑی بلنڈر ہوگی۔'' ماہین نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''اتنا ڈاؤن میں بھی نہیں ہوں۔ اسے سیٹ کرلوں گا مگر کورٹ میں جاؤں گا۔ اس لیے کہ یہ ایک معمولی پانگ ہے۔ ہار جیت کی چیک بھی بہت معمولی ہے۔ میں سب سمجھ رہا ہوں۔'' یاور علی خان نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''مثلاً۔ کیا سمجھ رہے ہیں؟'' ماہین نے گرم لوہے پر چوٹ لگانے کی کوشش کی۔

''میں اس موضوع پر آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ بھابی بیگم کی تاکید ہے ان کا کہنا ہے۔ آپ وہاں اپنے بیڈروم سے باہر نہ ہوئے۔ آپ نے انہیں کچھ نہیں بتایا تو کیا خیال ہے وہ اتنا بھی نہیں سمجھتیں کہ میں بیڈروم میں موجود ہوں اور آپ بیڈروم چھوڑ کر کہیں اور رات گزاریں۔

میں آپ کی ذہانت سے خائف نہیں ہوں۔ مگر معاملے کی تہ تک پہنچنے سے پہلے آپ سے بگاڑ بھی نہیں چاہتا۔ بہتر ہے کہ اس موضوع پر ہماری بات نہ ہو۔ یہ ہم دونوں کے لیے ہی اچھا نہیں ہے۔''

یاور علی خان تنک لہجے میں بات کر رہے تھے۔

''بات تو میرا خیال ہے مجھ سے ہی ہوگی آپ نہیں کریں گے تو بابا صاحب کریں گے۔ مگر میرے ہاتھ سے ہی۔ مجھے مطلق اس بات کی پروا نہیں کہ کوئی مجھ سے اس موضوع پر بات کرتا ہے یا نہیں۔''

ماہین نے بھی تحمل انداز میں بات کی۔

''میرا آپ سے خود بات کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ میں اس معاملے میں سرے سے آپ کو انوالو ہی نہیں کرنا چاہتا۔''

''انوالو تو آپ مجھے کر چکے ہیں یہ کہہ کر کہ میں اس پانگ میں شامل ہوں۔'' ماہین نے دندان کیا۔

''بات آگے بڑھے گی تو ثابت ہو جائے گا کہ آپ شامل ہیں یا نہیں۔ اس سے پہلے میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اسٹاپ وسٹ اے بک۔''

یاور علی خان اٹھ کر میز کی طرف بڑھے جیسے کچھ تلاش کرنا چاہتے ہوں۔

''لیکن اگر یہ ثابت ہو گیا کہ میں اس معاملے میں شامل نہیں ہوں تو آپ کو مجھ سے معذرت کرنا پڑے گی۔'' ماہین نے

ہمت سے کہا۔

''یہ ہے۔'' یاور علی خان نے سر جھٹک کر ہاتھ میں پکڑا کاغذ ماہین کی طرف بڑھایا۔

''ایک مرتبہ پھر کوئی بدگمان ہو سکتا ہے آپ کو۔ بہتر ہے کہ آپ اسے خود ہی پڑھ لیں۔'' ماہین نے کاغذ لیتے ہوئے کہا۔

''اگر میں بھی ہوتی تو یہی طریقہ کار اختیار کرتی۔ مگر ایک بات بتائیں۔''

''آپ کا کیا مطلب ہے؟'' وہ مڑ کر صوفے کی طرف جاتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگے۔

''اس پر آپ غور کریں گے۔ میں نے جو کہا ہے۔ بتانا کیسی ہوں۔'' وہ اٹھ کر باہر جانے لگے تو ماہین نے ان کی پشت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ یاور علی خان کمرے سے باہر نکل گئے۔

''تم لوگ اس بے چاری سے اب کام نہیں لیا کرو۔ ولی خان باغ نے نوکروں سے کہا تھا کہ وہ ان کے لیے کپڑے لے کر وہ جا رہی تھی۔ میں نے اس سے لے لیے۔ وہ کچھ ناراض ہو رہی تھی۔ وہ ولی ہے۔''

وہ اپنی دھن میں بولتے ہوئے رکے لیکن فوراً ہی بولے۔ روشی چائے کا کپ سامنے رکھے کپ کے پھولے پھولے کناروں کو گھورے جانے کس سوچ میں گم تھا اس کی آواز پر چونک پڑا۔

''باہر کی بات کر رہی ہیں آپ بی بی! میں نے سروتی سے کہا تھا کہ بے چاری کے پیچھے والے کام سے کام کرو۔ مگر بی بی اور خود بھی تو باز نہیں آتی۔'' گلو نے صفائی پیش کی۔

''کام ہوں تو۔'' روشی نے بازی کے سامنے آئی کھلی بات پر جھینپ کر کہا۔

''ایک تو مجھے بات کرنے کا ڈھنگ جانے کب آئے گا۔'' وہ جھلا کر بڑبڑائی۔

گلو احمقوں کی طرح اس کی شکل دیکھنے لگی کہ ٹھیک تو بات کی ہے پھر اعتراض کیا ہوا۔

''گلو! اوپر اپنے کمرے میں جا رہا ہوں میرے چائے وہیں بھجوا دو۔'' وہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔ روشی نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

''کوئی ضرورت ہو تو بتا دیجیے گا۔ وقت پر بابا صاحب کے ساتھ ہوگا۔ اور چائے میرے کمرے میں اور بھی بھیج دیجیے گا۔'' پتا نہیں آنے کی جرأت ہوئی تھی کہ کھانے پینے میں میرا نام سرفہرست تھا۔ مگر اب میں نے سیٹ کر لیا ہے۔ ماما کو بھی بری طرح ہرٹ ہونا پڑا تھا۔ اگر میں پڑھنے کے لیے باہر چلا گیا تو تم لوگ اور زیادہ ایل کرو گے۔'' وہ لفظ استعمال کرتا باہر نکل گیا۔

روشی حیران پریشان اس کے الفاظ پر غور کرتی رہ گئی۔ گلو اور سروتی جانے کیا باتیں کرتی تھیں۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ''پڑھائی کے لیے باہر'' بس یہی بازگشت تھی۔

''آپ جا رہے ہیں کیا بی بی؟'' گلو نے اس کے کھڑے ہونے کی سمت دیکھ کر استفسار کیا۔

''جہنم میں گلو جائے۔'' وہ جھنجلاتی ہوئی باہر کی طرف بڑھی۔

چند منٹوں کے بعد وہ اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ وہ چار مرتبہ دستک دینے کے بعد مایوس ہو کر لوٹ گئی۔

"نالی گا" — سامنے روشنی کو دیکھ کر گوپا دوڑتا آیا۔

"آپ کو اب اس طرح نہیں آنا چاہیے۔" اس نے پہلے سامنے بھڑکنے کی مست دیکھتے ہوئے ڈانٹ کر کہا۔

"پھر کس طرح آنا چاہیے۔ گھوڑے پر بیٹھ کر یا ٹیلی گرام بھیج کر؟" وہ اس کے سر پر ہاتھ مار کر ہنسی۔

"آپ سمجھتی کیوں نہیں۔ کس قدر ٹینشن کے ماحول میں۔ ہماری وجہ سے۔ بات کو کسی طرح ختم کرنے دیں۔ عزیز الجھن پیدا ہو گئی ہے۔ اب تو سب اکٹھے ہوئے ہیں۔ عزیز الجھنوں کے دم خم نہیں ہیں ان میں کہ کر سکیں اب۔" روشنی کی عادت تھی کہ جب کسی سیٹ میں الجھتی تھی تو جملہ صفت بالا سے لطائف رکھ دیتی تھی۔

"یہ صرف آپ کا خیال ہو سکتا ہے۔" ہارتی اس کے انداز سے ناراض ہوا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر تھا کہ وہ کسی طرح بات کرنے میں آسانی نہیں دے گا۔

"ہاں ظاہر ہے اس لیے کہ میں آنسٹ (Honest) ہوں۔ جو آنسٹ ہوتا ہے اس کے پاس انرجی بھی ہوتی ہے اور Will بھی اسی کی ہوتی ہے۔ تم تو بہانوں کے بہانے یہاں سے فرار ہونے کے چکر میں ہو۔ صرف پانچ منٹ ایک منٹ ہوں ہے اور تمہاری "ہارس پاور" ہوا ہو گئی ہے۔

مگر میں تمہیں بتا دوں کہ میں تم سے بہت اچھی طرح نمٹ لوں گی۔ کسی خطرفہمی میں نہ رہنا۔" اس کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"مجھے ٹھیک ٹھیک اندازہ ہے کہ میں کتنی طرح کرتا۔ جاتا ہوں۔ میں فی الحال کہیں فرار نہیں ہو رہا آپ غلط نہ کریں۔ پلیز آپ مزید یہاں نہ ٹھہریں۔ کیس اور مشکل ہو سکتا ہے۔ سمجھیں آپ۔"

"اب کیا مشکل۔ اچھا ہے بات نکل گئی۔ میرا تو دم گھٹنے لگا تھا۔ اتنا بہادر ہونے کی ضرورت کیا تھی جب اتنی سے فرار کا نپ رہے ہو۔ میں لالا کا جان کے ہاں اس لیے تو نہیں گئی تھی۔ تم انکار کر سکتے تھے۔ کیوں نہیں کیا؟۔ میں کبھی اس بات پر یقین نہیں کر سکتی کہ لالا کا جان کسی کے ساتھ اس طرح کی زبردستی کر سکتے ہیں۔"

"آپ نے ٹھیک کہا۔ کیا میں اپنے کمرے کا دروازہ بند کر سکتا ہوں؟" ہارتی نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ واقعی بات اس سے آگے بڑھانا چاہتا تھا۔

اس لیے سروتی اپنے کی طرف سے بیدار ہوئی۔

"شاباش خوں جے خان خاناں۔" وہ ہارتی سے مخاطب تھی۔

روشنی سروتی کی آواز پر بے ساختہ دروازہ کی طرف بھاگی۔

"کیا یہ واقعی بھی ہے ان کے پاس۔؟" اس کے چہرے پر سنجیدگی کے نشان ظاہر تھے۔ سوال میں تجسس بھی تھا۔

"جی۔ یہ وہ خاں ہیں۔ اس۔"

روشنی نے چونک کر ہارتی کی مست دیکھا۔ پھر پیلا اس کے بدن سے لپٹنے لگی۔

ہارتی نے ہاتھ پیچھے کر کے دروازہ بند کر دیا۔

"چلو تم آ رہا ہوں۔" اس نے سروتی کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی بیٹھیں۔ آرام کریں۔ وہ ہمارے لیے کچھ کرنے سے پہلے ہمیں بات کرنے کا موقع دیں۔" ہارتی کا لہجہ اس کا ساتھ دینے کا تھا۔ وہ بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔

"ہاں صاحب تمہارے ساتھ جانے کا کیا پلان ہو گیا ہے۔ میں بھی چلوں؟" روشنی نے ہارتی کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ تو یوں ہی گھبرا گئیں۔ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ آپ ایک دن پہلے آ رہی تھیں نا۔ ہم ایک دن بعد آ رہے ہیں۔ بس اتنا سا فرق ہے۔" ہارتی نے سر پر کفن باندھ کر کہے تھے۔

مگر — روشنی نے — عربی میں ایک ہاگل کی بات ہے جس کا مطلب بہت سے ایسے لوگ ہے۔ جس کی میں بہت ہونے کے سارے لکھس موجود ہیں۔"

"ہاں — ہاں دونوں ہیں پیارا بھی اور ہارا صاحب بھی۔" اس کا دل خوشی سے جھوم رہا تھا۔

"ہاں اور دوسرے بھی ہو سکتے ہیں۔ آ سکتے ہیں۔ مثلاً بابے ہا۔ ہا۔ ہا۔

"السلام علیکم!" کمرے کی آواز سے دادا اور پوتا اور باری اندر داخل ہوا۔

بابا صاحب نے اشارے سے جواب دیا۔ یاور علی خان نے اتنی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ کمرے میں بدستور خاموشی چھائی رہی۔

"باری۔!" بابا صاحب کی آواز میں عجیب سی لرزش تھی۔

"جی خان۔" وہ بھی گھبرایا ہوا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے مقابل پڑی کرسی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ باری ادھر ادھر دیکھے بغیر خاموشی سے بیٹھ گیا۔

"عمر بہادر حویلی کے تمہاری عمر کے کتنے ملازمت ہیں۔ ہماری حویلی میں آج کسی پر اتنا اعتماد و اعتبار نہیں کیا جاتا۔ یہ اعزاز تمہیں اس لیے دیا گیا تھا کہ تم داری اور فرض شناسی کا جوہر جو تمہارا خاصا ہے۔ بہت بچپن میں ہم نے اسے جانچ لیا تھا۔ اور داری جانچ تمہاری بڑھتی عمر کے ساتھ ثابت ہوتی گئی۔

مگر یہ کیا کر دیا۔ ہمیں یقین نہیں آ رہا۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یا تو ہم نے خواب میں مخاطب ہوئے تھے۔

کیا ہم نے جو سنا ہے درست سنا ہے؟"

دلاور علی خان زخم کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ چند لمحوں کے لیے ماحول میں سکوت سا چھا گیا۔

"آپ نے جو جائیداد حویلی کی تھی وہ بھی سچ ہے اور جو سنا ہے وہ بھی درست ہے۔" باری اتنا کہہ کر چپ ہو گیا۔

"ہمیں یقین کیوں نہیں آ رہا؟" دلاور علی خان نے بدلی ہے کس سے یاور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔

"کیسے ہو سکتا ہے۔ کوئی معمولی ذکوہ ہوتا ہے جب اعتبار ٹوٹتا ہے۔ اور سانپ آستین میں سے نکلتا ہے۔" یاور علی خان کے لہجے میں بلا کی تلخی تھی۔

"اگر آپ اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔" باری نے بابا صاحب کی سمت دیکھا۔ جواب میں خاموشی چھائی رہی۔

"حویلی کی چار دیواری کے اندر جو قانون اور ضابطے ہیں۔ ان کے حساب سے یہ بہت سنگین جرم ہے۔ لیکن بحیثیت انسان میرے تمام حقوق اسی طرح محفوظ ہیں۔ جیسے کہ دوسرے انسانوں کے اگر آپ نے بچپن ہی میں میرے ایک ہاتھ میں بندوق دیکھ لی ہوتی تو میں کتاب اٹھانے کے بجائے بندوق اٹھا لیتا۔ کہ اس وقت تو مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کون ہوں اور میرا باپ کون ہے۔ مگر آپ نے تو میرے ہاتھ میں کتاب دی تھی۔ کتاب سے تو انسان کی "میں" کا آغاز ہوتا ہے۔ میں نے اپنی "میں" استعمال کرنے کی ہمت کی ہے خان۔ اگر چند لمحے بھی یہ یقین ہو جاتا کہ آپ اور یاور خان خواہ سے ریسٹ کے بعد آ جائیں گے تو میں وقت کا صبر سے انتظار کرتا۔ لیکن مجھے اور گاؤں کو بہت اچھی طرح پتا تھا کہ آپ لوگ قیامت تک واپس نہیں ہوں گے۔ اس لیے۔"

"اس لیے تم نے بھائی کے لیے دانہ ڈالا۔" یاور علی خان نے کہا تھا۔

"بات تو ہماری سمجھ میں آ گئی ہے۔ لیکن کچھ باتیں ہیں جو ہمیں نہیں آ رہی ہیں۔ ہمارے سمجھ میں آ گئی

تھا۔

کیا تمہیں یاد ہے جب تم نے پہلی بار کہا تھا" بابا صاحب نے ایک لمحے کو رکے۔ باری نے سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ اس نے سامنے کا منظر دھندلا گیا تھا۔

"ایک جوان صحت مند انسان پر کیا گزرتی ہے۔ اس کی صحت سے بڑی تو نہیں ہے۔ لیکن اس کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ اس کی صحت ہی اس کی طاقت ہوتی ہے۔ اس کی صحت ہی اس کا ہتھیار ہوتی ہے۔ اس کی صحت ہی اس کا دفاع ہوتی ہے۔ اس کی صحت ہی اس کا وقار ہوتی ہے۔ اس کی صحت ہی اس کا مان ہوتی ہے۔ اس کی صحت ہی اس کا غرور ہوتی ہے۔ اس کی صحت ہی اس کا فخر ہوتی ہے۔ اس کی صحت ہی اس کا سب کچھ ہوتی ہے۔"

بات صرف اتنی ہے کہ داور علی خان کے مرنے کے بعد تجہیز و تکفین کے بعد ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے ذہن میں بابا کے لیے لکھے پر غور کر رہا تھا۔ جب کہ اس دن یہ ایک اہمیت کا حامل موضوع تھا۔

باری بہت اعتماد اور تحمل سے اندر میں کلام کر رہا تھا۔ بچپن ہونے کی بات تو اس دن سے شروع ہوئی تھی جس دن اس نے بابا صاحب سے اندر ایک اور ہی تحفظ محسوس کیا تھا۔ جب تک جاگتا تھا پہرہ دیتا رہتا تھا۔

"ہم تمہارے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تم نے اعتراف کر کے تم نے ایک بہت بڑا بوجھ ہمارے کندھوں سے اتار دیا ہے۔ اور تمہیں بے گناہی کی سند دے دی ہے۔ واقعہ بہت بڑا ہے۔ ہماری استطاعت و حوصلے سے بہت زیادہ ہے۔ مگر اس کے پہلے ہو جانے سے ہمارے ساتھ رہنے والوں کو ہمیں فیصلہ کن حالت میں آنے سے روک لیا ہے۔ تم میں ایسی کوئی خامی نہیں تھی کہ ہم تمہیں بغیر نظر انداز کر دیتے۔ تم خاص خوبیوں کے مالک تھے۔ مگر یاور بتانے کے مرہون ہیں۔ اس کے باپ ہیں انہیں یہ خطاب ملا ہوا ہے۔ ہم اس کمرے میں ہمیشہ کے لیے یہ واقعہ بھلا دینا چاہتے ہیں۔ کسی بھیانک خواب کی طرح۔ امید ہے تم ہماری بات سمجھ چکے ہو۔"

دلاور علی خان سارا منہ ان گھنٹوں میں استعمال کر رہے تھے۔ سارے تو بات کا لب لباب یہ تھا کہ وہ انہیں دیکھے بغیر ان سے ہم کلام تھے۔

"اس واقعے میں سرائے کے مکین بھی شامل ہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں میں کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ وقت ملنے پر پھر ملیں گے۔ میں ان کی موجودگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مگر میں سرائے کے مکینوں کو اپنی بیٹی کے معاملات میں مداخلت کی اجازت کسی طور نہیں دوں گا۔ اپنی بیٹی کا مستقبل بنانے کے لیے میں اکیلا کافی ہوں۔ آج کے بعد میرے سامنے سرائے کے ذکر سے پرہیز کیا جائے۔" یاور علی خان نے بات کرتے میں آخری دم میں پہلی مرتبہ لب کشائی کی۔

"جائز آپ سب کے لیے جتنا ہے میرے لیے بھی اتنی ہی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ مجھے معاف کریں۔ میں اس وقت کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ کہ آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ سب تو نوٹ کریں۔ تو سوچیں یہاں کا ماحول کیسے ہے۔" باری بہت محتاط میں انداز بات کر رہا تھا۔

"ہمیں کچھ نہیں سوچنا۔ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔ بات یہاں ختم کرتے ہیں۔ کہ حویلی میں اصل میں کا جواب دو۔" یاور علی خان نے حتمی انداز میں اعلان کیا۔

"بات کیسے ختم ہو سکتی ہے۔ اس کیس کا اہم طریق دار بھی بلاشک میں شامل نہیں ہے۔" پارس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی وہ بدستور تھا۔

"پارس۔ مجھے کھلنا کھلنا دو۔ میں تمہارے ساتھ زیادتی نہیں کرنا چاہتا۔" بابا صاحب کے انداز میں تشویش تھی۔

"کھلنا کی بات تو میرے لیے ہے۔ آپ کی عزت افزائی صرف ایک غلام کے لیے تھی۔ یہ احساس کس قدر اذیت ناک ہے۔ میرے کھلنا کی کوئی حد نہیں۔"

"بابا صاحب! مجھے الجھانا نہیں ہے۔ فیصلہ سنائیے۔ یاور علی خان نے غصے بھرے انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

"دراصل میرے ذہن میں اس طرح سے کبھی نہیں آیا تھا کہ مجھے تنہا اس موضوع پر آپ سے اور خان سے بات کرنی پڑے گی۔ میں چاہتا بھی نہیں تھا کہ اس کیس پر آپ سے علاوہ راست بات کروں۔ کاکا جان کی ایک وجہ تھی کہ میں ان کی اجازت کے بغیر کسی سے کوئی بات نہ کروں اس لیے آپ لوگ اس وقت مجھ پر ناراض ہوں۔ شی کو کوئی سزا بھی نہ دلائیں۔ تب بھی میں کوئی فیصلہ آپ کو نہیں سنا سکتا۔ فیصلہ اس کارڈ سے ہے میں آپ کو اطمینان دلانا چاہتا ہوں۔ کہ میری جانب سے کوئی گستاخانہ جملہ نہیں آئے گا۔"

وہ پُرسکون لہجے میں اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"سن لیا بابا صاحب؟ اب بھی آپ کو کوئی شک ہے کہ یہ پاگل نہیں ہے۔ کتنی واضح بات ہوئی ہے۔" یاور علی خان نے اپنا خیال درست نکل آنے پر باپ کی سمت فخریہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"پارس! ہمیں تم سے یہ امید نہیں تھی۔ تمہیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ پھر گھوڑا دوڑانا سکھایا۔ تمہیں اپنے دل میں وہ مقام دیا۔ جس کا تصور بھی ایک بے نام و نشان انسان نہیں کر سکتا۔" دلاور علی خان کی آواز میں عجیب سی شکستگی تھی۔

"میں بے نام و نشان نہیں ہوں خان! ہمدردی سرداروں میں کسی نمبر پر میرا بھی نام ہے۔ میرا نشان تو اتنا گہرا تھا کہ آپ نہ چاہتے ہوئے بھی حویلی میں مجھے جگہ دینے پر مجبور ہوئے۔ میں نے کتنی مرتبہ آپ سے اپنے قبیلے والوں سے ملنے کی اجازت مانگی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ وہاں میری جان کو خطرہ ہے اور آپ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ مجھے کھونا نہیں چاہتے۔" وہ آہستہ آواز میں بولتے بولتے رکا اور قمیض کی جیب میں کچھ ٹٹولنے لگا۔ پھر ایک کارڈ نکال کر بابا صاحب کے سامنے کیا۔ "یہ میرے والد عبدالعلی مہمندی کے گھلے کا کارڈ ہے۔ ایک مرتبہ کاکا جان کے ہاں کاغذات سمیٹتے ہوئے ہاتھ لگا تھا۔ ان کی لائبریری میں۔ اس وقت میں ناسمجھ کلاس میں تھا۔

اکثر ایسا ہوا ہے کہ مجھے خود اپنے بے نشان ہونے کا گمان ہونے لگا۔ اس لیے میں یہ کارڈ نکال کر دیکھ لیا کرتا ہوں۔ اور میرا اعتماد بحال ہو جاتا ہے۔"

وہ بڑے اعتماد سے کہہ رہا تھا۔

"ایک کریہہ آدمی کا دوست بھی کریہہ تھا۔ تمہارے باپ نے بھی کسی کی لڑکی کو بہکایا تھا۔ خون کی دعلی تاثیر تو تھی۔" یاور علی خان نے تلخی سے کہا۔

کمرے کی فضا سوگوار سی محسوس ہونے لگی جیسے [illegible]

دلاور علی خان کے لب ایک دوسرے میں اس طرح پیوست تھے کہ [illegible] قمیض کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ جذبات میں [illegible]

"یہ گفتگو اس وقت ختم کر دی جاتی تو بہتر تھا۔ حویلی میں مجھے [illegible] کرنے کا فیصلہ تو دلی ہی لے لیا ہوگا۔ مجھے نقصان ہونے کا احساس ہو گیا۔ اگر [illegible]"

"بس خاموش ہو جاؤ۔ تم نے [illegible]" یاور علی خان کا [illegible]

"کریہہ تو میں اس وقت ہوا تھا۔ جب اپنی ماں کو [illegible] آلے ہوئے۔ ہماری کوئی صفائی نہیں ہے۔" پارس کا انداز بہت روکھا سا [illegible]

"تمہارے مفادات اسی حویلی سے منسلک ہیں۔ یاور علی خان کے [illegible] دوں گا۔" یاور علی خان گہری سوچ میں گویا ہوئے۔

"مجھے اندازہ تھا کہ مجھے یہ سب بھی سننا ہوگا۔ مگر اس سے بھی بہت زیادہ۔ آپ مجھے [illegible] چاہتا ہوں۔ اصولاً تو مجھے وہیں ہونا چاہیے تھا۔ میرا اگر حقیقی [illegible] کے [illegible] اب [illegible]"

"تمہاری رونمائی سے شادی کے متعلق بات چیت [illegible] کیے جس کی تکمیل سے پہلے۔ [illegible] جب اس نے خود کشی کی کوشش کی تھی۔ اس سے بھی پہلے۔"

دلاور علی خان کی خاموشی بھی [illegible] خراشیں دے رہی تھی۔

"تمہاری رونمائی کے موضوع پر ہمارے درمیان کبھی بات نہیں ہوئی۔ [illegible] کہ [illegible] میں آپ کے اطمینان کی خاطر حلف بھی اٹھا سکتا ہوں۔" پارس کا انداز [illegible]

دلاور علی خان اور یاور علی خان دونوں ہی ذہنی طور پر چونک پڑے۔ وہ [illegible] بہت کچھ کہہ جاتے ہیں۔ [illegible] کہ [illegible] کے بعد ہی آتا ہے۔

"نہیں! ابھی تم حلف اٹھانے کا مطلب نہیں جانتے۔" بابا صاحب نے [illegible]

"میں کیسے ملزم ہوں اس لیے ہر زاویے سے شک کر آپ کا حق ہے۔" پارس نے سنجیدگی سے کہا۔

"آخری آفر ہے تمہاری طرف سے؟" یاور علی خان نے [illegible]

پارس خاموش بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔

"خان! بہترین کھانا۔ بہترین لباس یہاں مجھے بھیجنا [illegible] کرتا ہوں۔ [illegible] لاکھوں کا کیش یہاں وہاں لے کر گیا ہوں۔ [illegible] یاور علی خان میں [illegible] اور [illegible] ہو۔ وہ کون سی مادی انویسٹمنٹ ہے جسے میں نے چھو کر محسوس نہ کیا ہو۔ یہ تمام حق [illegible]

بلکہ لکیروں کے بھنور میں پڑ گئی ہیں۔ آپ ادھر ادھر دیکھنے کے بجائے حقیقت پر غور کرنے کی کوشش کیجئے۔
آپ سے درخواست کر رہا ہوں میں۔"

بارکی نے بڑی محبت کر کے یاور علی خان کو سمجھایا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

لیکن ان چیزوں کے کبھی نہ کبھی سمجھ میں آنے کا امکان تھا مگر اب فرنے مستقل طور پر اپنے ٹیلنٹ کو محدود کرنے کا ارادہ کر لینے کی کوشش کی تھی۔" یاور علی خان نے پھر طنز کا تیر چھوڑا۔

"میرا ہوگرا مشورہ ہے کہ بچے سے کچھ دن استعفیٰ کر رہے ہیں اپنی" ماں یا بہن اس کی حالت کی خاطر ہوش کی تعین بدلا کرنا ہے۔ میں تو "اس" کا م تک ان آرائش میں استعمال کرنا پسند نہیں کروں گا۔ ماں خواہ تو ورکی بات۔"

اندگی میں پہلی بار بارکی نے روشنے کے لئے لفظ "اس" استعمال کیا تھا۔ اور میں استعفیٰ کی آواز تھی۔

"آپ اسے کورٹ میں لے جا سکتے ہیں۔ اس کا قرضہ بن سکتا ہے مگر میں جو کچھ گواہیت کرنے کے لیے ان کی آپ کے سامنے بھی نہیں ہوں گی۔ حقیقی رشتوں کا کیل جب بھر بھرا کر۔ فنی آرائش میں وہ اکثر ہوتے ہیں۔ پھر جب بھی سامنا ہوتا ہے وہ بھڑ شرمسار کر دیتے ہیں۔ یہ واقعہ اپنے مستقبل خود بنانے کا ہے۔ اپنے طور سے استعمال کر کے پہچانا بہت ہی محدود ہے۔"

یاور صاحب نے جیسے دم خود ہو کر اس کی صورت دیکھی تھی۔ اتنی پختگی اتنا شعور اور اتنی سمجھ۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ بے حد سنجیدہ ہو گئی تھی۔ ان کی تجربات سے بھرپور آنکھوں کے سامنے اپنا وجود کمسن محسوس ہو رہی تھی۔

"کیا خیال ہے یاور بیٹے! مجھے آگے بات کرنے دیں؟"

"مجھے نہیں کرنی آگے بات۔ کسی سے بھی نہیں۔" یاور علی خان نے غصے سے کہا۔ وہ اپنی ذات کے

"میں اس طرف کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ ادھر حویلی میں۔ جانے نعمان کے بعد وہ حویلی کا کام سنبھالیں گے یا نہیں۔"

"ہاری" آغا وزیر علی خان۔۔۔ بات کرتے کرتے اس کی سمت متوجہ ہوئے۔

"جی خان؟" اس کی نگاہیں جھکی تھیں۔

"ایسا ہے کہ فی الحال تم سرائے سنبھالو۔ باقی باتیں ہم تم سے بعد میں کریں گے۔" ان کا انداز حکم اور لہجہ کرخت تھا۔ یاور علی خان بے تکلفی سے پیشہ بدل کر رہے تھے۔

ہاری اٹھ کھڑا ہوا۔ یوں محسوس ہوا گویا قید سے رہا ہوا ہو۔

"خدا حافظ۔" اس نے جیسے بہت دکھ سے کہا تھا۔

یاور علی خان کی آنکھوں کی سرخی بڑھ رہی تھی۔ وہ سوالیہ انداز میں بلکہ قدرے اندازے میں باپ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ہاری کمرے سے باہر جا چکا تھا۔

روشی جی بھر کر خواہش کے باوجود ہونے والی گفتگو نہ سن سکی تھی کہ دروازے سے کان لگا کر کھڑی ہوتی تو دوسرے کمرے کے مکین آ جاتے جاتے اسے دیکھتے اور لازماً اس سے کھڑے ہونے کی وجہ دریافت کرتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ "کی ہول" سے کان لگائے دیکھ بھی لیتا۔ اگر وہ پیچھے کی طرف جاتی تو کوئی فائدہ نہیں تھا کہ وہاں کھڑکیاں اور روشن دان تھے جو لازماً صحن کے وقت ہی کھلتے تھے۔

وہ بے بسی سے تڑپ کر رہ گئی۔ سرسوتی سے پتا چلا تھا کہ بابین اور بھائی بیگم کے پاس ہے۔ وہاں اسے مخاطب کرنے بھی نہیں جا سکتی تھی۔

ایک ایک گھڑی دو بھیانک کانٹوں پر چلتی تھی۔

دروازہ کھلا اور گویا اس کا دل بند ہوا تھا۔ دروازے کے چوکھٹ میں کھڑی وہ ولی تھی۔ صرف ہاری باہر آیا تھا اور اس لیے باہر آتے ہی دروازہ دوبارہ بند کر دیا تھا۔ اس نے بہت غور سے ہاری کی شکل دیکھی۔ بظاہر تو کچھ بھی نظر نہ آیا۔ سوائے اس کے کہ کسی گہری سوچ کے سائے کی متحرک تھی۔

وہ بجلی تیزی سے اس کے سامنے آئی تھی۔

"خیریت ہے ناں؟"

"ہاں۔" وہ چونک پڑا۔ "فی الحال تو خیریت ہے لیکن اگر آپ نے اس راہ میں خیریت پوچھنے کا سلسلہ ترک نہ کیا تو "خیریت" کو سنگین خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔"

وہ کہے بغیر آگے بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ بھی تیز تیز اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔

"کیا کہتا ہے تمہارا؟ کیا ماموں نے جانے سے انکار کر دیا ہے؟ آنا نہیں چاہتا؟ کیا کہہ رہے تھے ابا صاحب؟"

وہ پیچھے پیچھے بھاگتی جا رہی تھی۔ "ہم [illegible] ہے۔ تمہیں [illegible] سے
ہاری خاموشی سے بھائی کی طرف بڑھا۔

"ہم نہ جانے کیا کیا سوچ رہے ہیں۔ حویلی والے [illegible]
آپ کے سامنے آ جائے گا۔ ولی خان تک بابا صاحب کے حکم پر سرائے جا چکا ہے۔ [illegible]
واپس کوچ کرنا چاہیے۔ کہہ آئے ہیں۔ [illegible]
وہ بھائی کے سامنے بیٹھتے دیکھ رہی تھی۔

"بیٹا ہے۔ کیا چوروں نے بھگا کر رکھا ہے؟" بھائی جانے کہاں سے نکل آئی تھی۔ [illegible]
اپنی قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تھا۔

روشی ایک دم چونک پڑی۔ اس نے خالہ خانم کی آواز سنی تھی۔ وہ بھائی کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"شاید آپ کو احساس نہیں کہ آپ کے سوال کا جواب نہیں ہوتا۔ مگر کیا کریں روشی حال سے آپ بچہ نہیں ہیں۔" روشی سے مخاطب کر کے کہا گیا سوال کمرے کی سمت اچھال دیا گیا تھا۔

سب اس کی جانب دیکھنے کے بجائے رہنے کی سمت دیکھ رہی تھیں۔

روشی نے قلم کے بائیں ہاتھ بابین کو بھیجا تھا "میں آپ کے پاس کہیں آ سکتی۔ آپ میرے کمرے میں [illegible]
ضروری بات ہے۔"

بابین قریباً سارے دن میں صرف پانچ دفعہ ہی روشی آئی تھی کہ آج کل خان کے لیے مصروفیات بہت تھیں۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو روشی کو بے قراری سے ٹہلتے پایا۔ اس نے تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھا اور ہاتھ پیچھے کر کے دروازہ بند کر دیا۔

"خان آپ کہاں تھیں۔ اتنے اہم وقت پر جناب۔ بابا صاحب اچانک ہاری کو بلا رہا تھا۔ پتا نہیں اس نے کیا کہا ہے کہ وہ حویلی سے جا رہا ہے۔" وہ جلدی جلدی بولی۔

"حویلی سے جا رہا ہے۔ کہاں؟" بابین بستر کے پایوں سے لگ کے کھڑی ہو گئی۔

"سرائے۔ کاکا جان کے پاس۔" وہ بہت پریشان تھی۔

"اوہ۔ یہ تو بہت اچھا ہوا۔ کچھ نہ کچھ تو وہ سمجھ ہی گیا ہے۔" بابین نے طمانیت بھرا سانس لیا۔

"تو۔ کیا مطلب؟" روشی کی حیرت بجا تھی۔ بابین کا جملہ اس کے لیے مبہم تھا۔

"اور تو بھیجنے سے حویلی ہی میں ہے۔ کاکا جان سے اس کا کیا تعلق؟" اس کے ذہن میں [illegible]
اپنے کون جا؟ کہاں ہیں؟" یہ سوال تو اسے بھی بہت اضطراب کرتا تھا۔

اس نے عجیب ادھورے سے انداز میں ماہین کی صورت دیکھی تھی۔ "خیر علی خان کا سامان۔"

"مطلب یہ کہ وہ ان کے دوست کا بیٹا ہے۔ اس موضوع پر میں اس سے زیادہ بات نہیں کر سکتی۔ تمہاری ہچکی کو دیکھتے ہوئے اس کی پریشن کو فیئر کی ہے۔ یہ اور بات کہ تمہیں اس طرح کی معلومات سے کوئی دلچسپی نہیں۔" ہمیشہ کی بے نیازی سے کہا اور اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"یہ اس تو شاید یہ بات کسی کو نہیں پتا۔ آپ کو کیسے پتا چلا؟" رانی نے حیرانی سے سوال کیا۔ "یہاں تو وہی کہا جا رہا ہے کہ جیسے بابا صاحب اسے سنڈل سے خرید کر لائے تھے۔ اور کالا جادو اور توہم پرستی کے ایکسپرٹس کا وہ کیا ہے اس کے بارے میں؟" رانی سراپا سوال ہو رہی تھی۔

"میں نے کہا نا۔ میں اس موضوع پر فی الحال تم سے کوئی بات نہیں کر سکتی۔ لیکن بہرحال یہ بہت اچھا ہوا اور اس کے ساتھ جو ہو رہا ہے۔ یہ بہت اچھی خبر سنائی تم نے۔ میں عجیب سا سکون محسوس کر رہی ہوں۔" ماہین کے انداز میں بہت سکون تھا۔

"لیکن خالہ ایسا بھی تو پتا چلے کہ بابا صاحب نے اس سے کیا معاملہ کیا ہے۔ اس سے تو غیبی یا ماورائی کام کے لیے ہوتے ہیں۔ سمجھیں ہیں آپ؟"

"سمجھ لیں گے ہم۔ جب بات بتانے تک پہنچ ہی گئی ہے تو اب یہ تمہاری دوسری نہیں رہی۔ میں جا رہی ہوں اس کے پاس۔ تمہیں الجھنے کی ضرورت نہیں۔" ماہین نے باؤں نیچے کر کے سلیپر پہنے۔

رانی خاموش رہی مگر فکرمند سی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

ماہین باہر آ کر سیدھی ہاری کے کمرے کی سمت چلی گئی۔ دروازے پر دستک دی اور جواب نہ پا کر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

ہاری صوفہ کیس پر جھکا ہوا تھا۔ چونک کر پلٹا تھا۔ ماہین کو دیکھ کر خفیف سے انداز میں مسکرایا۔

"ہیلو مظلین۔ کہاں کی تیاری ہے؟" وہ بھی ہوا مسکرائی۔

"اپنے لیگی فلاور کے پاس۔" اس نے مسکرا کر کہا اور صوفے کیس میں چیزیں رکھنے لگا۔

"یہ کیا ہوتا ہے؟" وہ بیڈ پر بکھرے سامان پر نظریں دوڑا رہی تھی۔

"خالہ باپ کا دوست ہوتا ہے۔" وہ شرارت سے مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

"ابھی ہم قانون کے "بچے طالب علم" ہیں مگر تمہاری اپروچ ٹھیک ٹھاک ہے۔ تمہارا خوشحال ہوتا رہا ہے۔ بابا صاحب سے بڑے اچھے لفظوں میں کر آ رہے ہو۔ ایک آدھ ہمیں بھی سناؤ۔" وہ ایک طرف پڑی لیدر چیئر پر بیٹھ گئی۔

ہاری نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی اور یکدم سنجیدہ ہو گیا۔ "خالہ آپ کو پتہ لائن مل گئی ہیں۔ خان لیگیسی نامے ہیں نہ سننے ہیں۔ دو تو تھوڑا سا تو وہ یا کسی دوسرے بھروسے کا بندہ ایسی سوالوں اور خلاں سنانے کے ہیں۔"

"یا اللہ تمہارے تو ایک ایک جملے میں وکالت سما گئی ہے۔ بہت برا عشق لو چر نظر آ رہا ہے۔" ماہین نے سر تھما کر کہا۔

"اب یہ بتاؤ تم پر ان کے بھروسے قوانین میں سے کون سی دفعہ لگی ہے۔ جو یہ ہچکی ہو رہی ہے؟" وہ اصل بات پر

مرکز آئی۔

"یہ ہچکی کی دفعہ ایسی ہے۔" وہ سکرا کے ہوئے بیڈ سے نیچے اتر گئے۔

"ہاں یہاں سے آئیے کے پہلے منظے پر ہے۔ اچھی کے کاموں کی خلاف ورزی ہے۔" ماہین نے طنز کیا تھا۔ ہاری نے کہا۔

"آپ نے یہاں کا آئین اتنی جلدی کیسے اسٹڈی کر لیا۔ حیرت ہے۔" اس نے جھری جھری لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے علم ہے۔"

"پی ایچ ڈی لیگ یاد ہے۔ دل بڑا ہے تو دماغ بھی بڑا ہو گا۔ سوال نہ کرو۔" ماہین نے بڑے انداز سے کہا۔

"اوکے۔" ہاری بے ساختہ اس دیا۔ "بعض اوقات وقت کی کمی کے سبب جہاں ہوتا ہے کہ ایسی ہو جاتا ہے ہاں ہلکے ہلکے ہی تھوڑی صورت حال ہے۔"

"تمہارا خیر بیان دیکھ کر رشک پیدا ہوتا ہے۔ اتنا شعور ہے اپنی ذات پر؟" ماہین نے تعجب سے پوچھا۔

"ذات پر نہیں اللہ پر۔ اللہ نہ ہو تو ذات کی ایک تمہی ہو جاتی ہے۔"

"ماشاء اللہ بہت اچھا سوچتے ہو۔ ہمیں اپنے دماغ کی اس اضافی خوبی پر دلی مسرت ہوئی۔"

ماہین خاصی دیر کی تھکن کے بعد کھلکھلائی تھی۔

ہاری بھی جھینپ کر مسکرا دیا تھا۔

"اکثر ذہین لوگ ضد ہٹ کی تعریف کا باعث ہوتے ہیں۔" اس نے فریحہ انداز میں کہتے ہوئے سوٹ کیس بند کر دیا۔

"مزے میں سب سے تمہاری اسی طرح ہوتی ہے جس طرح عربی میں ہے؟" ماہین نے اچانک اس سے غیر متوقع سوال کر دیا۔

ہاری چند لمحوں کے لیے ساکت سا ہو گیا تھا۔ ہونٹ بھینچے کر اس نے ماہین کی سمت دیکھا تھا۔

"جی۔ مظلین۔ خان کے بچوں سے۔" اس نے جھوٹ نہ بولا گیا۔

"کتنے بچے ہیں خان کے؟" ماہین جیسے کسی گہری نیند سے جاگی۔

"اوہ پتہ معلوم ہونا چاہیے خانہ آپ کو یا میرا امتحان لے رہی ہیں؟" اس نے اس سے نظریں چراتے ہوئے سوال کیا۔

"اب اتنی بھی سوشل اسٹیٹس نہیں ہیں میرے یار۔" ماہین نے قدرے افسردگی سے جواب دیا۔ "کیا وہ میرے ان کے دوستی ہیں؟" اس نے موقعے سے فائدہ اٹھایا۔

"بچے یعنی مظہر علی خان عمر یار سال۔ فرحان عمر آٹھ یا نو سال۔"

"کون کی بیوی کے بچے ہیں؟" ماہین نے جانے انجانے سے سوال کیا تھا۔

ہاری نے چونک کر اس کی صورت دیکھی تھی۔ لیکن اس طرف اس طرز کی نگاہ تھی کہ اس کی آنکھیں جھک گئیں۔

"بنگالن کی۔ فارنر بیوی کا ہے اور بیٹی۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"اللہ وارث گودیوی۔" ماہین نے طویل اتار میں اس کا ساتھ دیا، جملہ مکمل کر دیا۔

"چلو خیر۔ بہت خوشی ہوئی یہ جان کر کہ ان کا کسی سے تو کوئی تعلق ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "تم بیٹھو۔ ہم ابھی آتے ہیں عزمہ۔"

اگرچہ ہادی کھلا تھا مگر اس نے چہرے سے کچھ ظاہر ہونے نہیں دیا تھا۔ اور خاموشی سے اپنا کام میں مصروف رہا۔

"ہادی!"

"جی!"

"جب تم وہاں جاتے ہو تو کیسا محسوس کرتے ہو؟" ماہین نے گہری سوچ میں ڈوبے ڈوبے اس سے پوچھا تھا۔

"کچھ بھی نہیں میر۔ جب تو وہاں کوئی ضروری کام ہوتا ہے تو وہاں جاتا ہوں۔ خان سے ملتا ہوں اور آ جاتا ہوں۔"

"شیر اور رس تو نہیں ہے وہ۔ عنقریب ہم خود ہی دیکھ لیں گے۔" وہ ہادی کو ادھورا جواب چھوڑتے ہوئے خود کہہ رہی تھی۔

"چھوڑو ان سب باتوں کو مجھے راز کی بات بتاؤ کہ کتنے برسوں کے بعد پھر سے خان سے ملے کے بعد تم پر تو کوئی اثر ہی دکھائی نہیں دیتا۔ حالانکہ مجھے اندازہ ہے کہ انہوں نے کس انداز میں تم سے بات کی ہوگی۔ ان کا ٹھوٹ بھی یہ ہے کہ تم خوشی سے جا رہے ہو۔ اگر تم اس بہت خود کو بزدل ظاہر کر رہے ہو اور حقائق کو چھپا رہے ہو۔ ہم پریشان ہوں گی تو میری صدمے سے غلط ہے۔ اس لیے کہ مجھ سے چھپاؤ گے تو خود مشکل میں پھنس جاؤ گے۔ بڑا تمہاری حفاظت کر سکتی ہوں۔ اس لیے کہ اگر خان میں رانی کی ماں کی مرضی اور ہو جاتی ہے تو ہم اس محل پر روشنی کو ٹھہرا نہیں دے سکتے تھے۔ مگر اب تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں اور تم ہو کہ ہر بار "بات بنانے" بیٹھ جاتے ہو۔ بتاؤ مجھے کیا بات ہوئی ہے؟"

وہ ہادی تو اصل میں مار کھٹ پر ہم گئی تھی۔ ہادی کو سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ کیا کہے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ بھید کھل گیا ہے۔ اس کے اظہار کرنے سے۔

وہ ہم تھوڑی دیر کی طرف سے دیکھا تھا شیشے تک کی چیزیں اٹھانے کی غرض سے۔ مگر ماہین کا حرف حرف اس نے سنا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ بہرحال اتنا نہیں ہوا جتنا کہ ہونا چاہیے تھا۔ کہ خان کا اقتدار بڑا زبردست ہوا ہے۔ اصل میں ہوا کچھ نہیں سکتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ تیمور خانوں نے کہا تھا کہ وہ شیب بالی اشیب آگے بڑھیں گے۔ فرسٹ مجھ سے ملنے کے لیے تو سے خان سے بات ہوگی پھر اس کے بعد وہ اس کیس پر بات کریں گے کہ اس میں روشنی اور رانی کی۔" وہ بولتے بولتے یکدم مزاحیہ کیا۔

"ہاں ہاں۔ ٹھیک ہے میں سمجھ رہی ہوں۔ روشنی اور روشنی کی تمی کی پسند اور تو الوہیت ہے۔"

"کیوں کہ ابھی تک تیمور خانوں کا اشیب حمت بڑے خان کے سامنے نہیں آیا۔ اس لیے بڑے خان بہت ناراض ہیں اور مجھ سے اس قدر ناراض کہ ان سے ہوا بھی نہیں گیا۔ معمولی سی بات ہے۔ میں اپنے حساب سے درست ہوں تو اپنے لحاظ سے ٹھیک ہیں۔ یہ الیہ صرف ہمارے ہی سسٹم کا نہیں ہے۔ پوری دنیا میں کہ لوگ میں بھی مل سکتا ہے۔ ہم میں یا ڈیل کرنے کا ہنر

سب سے پہلے اس کا وہ یا سجودت ضبط کرتے ہیں جس کی شناخت انسانیت اسانیہ ہوتی ہے۔ یہ وہ ہوتا ہے جو ہر انسان کے لیے لفظ ہوتے ہیں ہر فرد کرنے کی یاد رکھتے ہیں۔ اور وہ سے بار بار بھی ہو سکتے ہیں۔ اس میں جھلکتا ہوتا ہے۔ ایک تک کی خاطر ہی ما کا ہی انسان گرد لی ہوتا ہے۔ اس کی وہ کا اسیا ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہر ہوں اور ان سے دستبردار ہونا گوارا کر لے۔

اس لحاظ سے تو وہ اپنی جگہ درست ہیں۔ تیمور خانوں نے جو بے انسان ہونے کو تسلیم کیا ہے۔ یا تو ہادی اور ماہین سے کچھ نہیں معلوم لیکن فلکوں نے مجھے محسوس کیا کرایا ہے کہ میں ان سے الگ نہیں ہوں۔ دنیا ہی چیز ہی ہے۔ اصل تعلق ہے اور تیمور خانوں سے ہے۔ لیکن بڑے خان نے بھی مجھ سے بہت محبت کی ہے۔ اور محل میں کی محبت کی وجہ سے میں شاید ہے سو لیے میں ہوں۔ تیمور خان کو تو میں بہت قابل پر محسوس کیا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے بڑے خان مجھے خود اپنی گود میں اٹھا کر گھما لیا کرتے تھے۔ میری باتوں پر ہنستے تھے۔ خوش ہوتے تھے۔ غلام سے تو ایک اپنائیت کا تعلق نہیں ہوتا۔ اب بھی مجھے یقین ہے کہ بڑے خان واقعی میں مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اگر وہ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو جانے کیا کچھ ہو چکا ہوتا۔ انہوں نے نرمی سے پیش آ کر ہادی خانوں کے لیے کتنے کو بچا رہا ہے۔"

ہادی ماہین کے مقابل بیٹھ کر بہت تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔ شاید پہلی بار اسی میں ماہین کے بہت سے سوالات کے جواب بھی موجود تھے۔ وہ بہت غور سے سن رہی تھی۔

"اور حقیقت یہ ہے کہ اندر کی نرمی سے میرے "کلا" کو بہت نقصان پہنچا رہا ہے۔" وہ مسکرایا اس جملے سے واضح تھا کہ وہ جانتا ہے ماہین کہاں تک اہمیت رکھتی ہے۔

"ہادی! میں تو چاہ رہا ہے میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔ بگ روشنی کو بھی ساتھ لے چلوں۔ وہاں سوچنی میں کیا کام مگر صرف روشنی کی خاطر مجھے بہت محتاط ہونا پڑ رہا ہے۔ یا در علی خان کی صف میں کھڑے ہو کر مجھے روشنی کی جنگ لڑنا ہے۔ جو ظلم اس کے ساتھ ہوا ہے جب گہرائی میں سوچنے لگتی ہوں تو ایسا لگتا ہے جذبہ کو سے روشنی بند ہو جائے گا۔"

"میں جانتا تھا کہ رات کے پچھلے پہر آپ حویلی کے چکر لگانے آتی ہیں۔ میں جان کر اجاگر ہوا تھا کہ شاید آپ کی سے وہ بدگمانی کی دور ہو جائے جس کی تپش سے بے گناہ و گناہ گار ایک ساتھ جھلس رہے ہیں۔" ہادی نے ماہین کو جملہ مکمل کرنے نہیں دیا۔

"میں نے بہتر سمجھا کہ جانے جانے آپ کو بتا دوں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"ہادی! تیاری رکھنا۔ مجھے خدشہ نہیں یقین ہے بڑے صاحب کیس ضرور کریں گے۔"

"اللہ کرے۔ اللہ سے دعا کریں کہ اب حویلی میں جو بڑے تانے بنے ہوں۔" ہادی نے بے ساختہ کہا تھا۔

"آمین۔ ثم آمین۔" ماہین نے ایک ایک حرف پر زور دے کر کہا۔

"ویسے، سرمل پارٹی بہت مضبوط ہے۔ اس نے حویلی کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ چار جانب جنگ کرنے والوں کو داخلی جنگ پر مجبور کر دیا ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"ہوں۔ تو یہ ہے کہ مسکراہٹ ساتھ نہیں چھوڑتی۔ وہ فیصلہ کن انداز میں بڑبڑائی۔ "یہ مسکراہٹ اور یہ انداز لوگوں کی ادا ہے۔ وہ ہر مشکل کا سامنا ہی ہوگا۔ ادا لاوڈ آئینہ ہوتی ہے۔ اگر اس آئینے میں اپنی صورت ابھی محسوس نہ ہو تو یہ بھلا مانسوں کا نہیں غور کرنے کا نام ہوتا ہے۔ قرآن میں واضح لکھا ہے کہ اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوتی۔ دیکھا کہتی ہے ہر شے اپنی اصل پر لوٹتی ہے۔ یہاں بھی ہوتا ہے کہ کئی پشتوں کے بعد کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے پچھلے کسی دادا کی شکل پر ہوتا ہے۔ زبان کی شکل کا ہو جاتا ہے۔ لوگ تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ اپنے فلاں دادا پر گیا ہے۔ سیدھی سی بات ہے لوگ صورت پر تو تبصرہ کرتے ہیں عادات کی مماثلت پر کم تبصرہ دیتے ہیں۔ اب جیسی ایسے ہے کہ باپ دادا سے مماثلت رکھنے والا بچہ۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب یہ اس کی مصلحت ہے۔ کیوں؟" ماہین بہت سنجیدہ تھی۔

"اختلاف کے لیے اپنے پاس کوئی دلیل بھی ہونا چاہیے۔ آپ کے پاس تو صرف کرنے والا ذہن ہے۔ آپ نے ضرور اس طرف غور کیا ہوگا۔" ہادی نے خوبصورت انداز میں اختلاف کیا۔

"ہمیں تو لوگوں کی بہادری نے ترجمہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ کوشش کر رہے ہیں دادا کر سکیں اپنی کسی کوشش کا۔" اس نے اٹھ کر سوٹ کیس لاک کیا۔

"ابھی چلے جاؤ گے؟" ماہین نے پوچھا۔

"شیور۔" وہ ہاتھوں سے اپنے بال سیٹ کرنے لگا۔

"بہت اچھے ہو ہادی۔ اللہ تمہیں ہمت دے۔ اور خدا کرے کہ یہ معاملہ بخیر طریقے سے خوشگوار انجام سے ہمکنار ہو۔" ماہین اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں اب تو یہی دعا کر رہے ہیں کہ" ہمکنار کر پائے کنارا کر۔" وہ اس دریا اور زندگی سوٹ کیس کھینچ کر چلنے لگا۔

"کوئی پیغام تو نہیں دینا اس طرف؟" ہادی نے سوٹ کیس اٹھا کر اس کا وزن جانچتے ہوئے پوچھا۔

"ویلکمز۔ اب ہم خود ہی پہنچیں گے۔ اچھا میں بھی چلتی ہوں۔ دیدی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔" ماہین نے سر ہلا دیا دوست کیا۔

ہادی کسی خیال میں کھو گیا تھا۔

"بس ایک بات ہے پسند فرمائیں تو پہنچا دیتا ہوں گا۔ کوشش میں کمی نہیں ہوگی لیکن جو نتیجہ سامنے آئے اسے قبول کرنا اور مزید کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو دوسری والوں کے لیے ناقابل برداشت سزا ہو۔ کسی کے اعمال کی سزا بیس کو کیوں دی جائے۔ کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں۔ بحیثیت انسان ہم اپنے حق کے لیے صرف جدوجہد کر سکتے ہیں۔ بس۔"

"خدا حافظ" وہ سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔ ماہین لب بستہ سی کھڑی تھی۔

اتنی لمبی ڈرائیو کے بعد تو ہر بندہ ہی بور ہو فطری سی بات تھی۔ کچھ اندر کی اکھاڑ پچھاڑ سے بھی اعصاب شل تھے۔ اس نے ملازمین سے بھی کوئی بات چیت نہیں کی۔ ان میں سے ایک کو سوٹ کیس اپنے کمرے میں پہنچانے کا کہہ کر سیڑھیوں کی

طرف بڑھ گیا تھا۔

"فریش ہو کر کھانا کھا لینا۔ میں آرام کروں گا۔" اس نے اکھڑے اکھڑے انداز میں کہا تھا۔ اس کا مزاج سمجھ کر ملازم نے سر ہلا دیا تھا۔ وہ بھی اس کی طرح بہت تھکا ہوا تھا۔ اس کا کمرہ اس کے لیے مخصوص تھا۔ اس کے کمرے کی کھڑکی سے سمندر کا منظر بہت دلکش تھا۔ اس کے کمرے میں اس کی ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ اس کے حکم میں کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ ہر شے وقت پر حاضر ہو جاتی تھی۔ خواب گاہ کی ایک چابی ہمیشہ اس کے پاس ہوتی تھی۔ اب بھی اس نے دروازہ کھولا۔ ایک ہلکی سی خوشبو اس کی آمد کی خبر دے رہی تھی۔ وہ گیٹ کے اندر داخل ہو کر اندر گاڑی پورچ میں پہنچا کر اپنے طریقے سے کام کرتے تھے۔ ان چند سالوں میں گھر کے مکینوں کو اطلاع ملی تھی کہ باری آئی ہوئی ہے۔

آج اتنی رات نہیں ہوئی تھی مگر یا تو ملازمین نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اس کا موڈ بھانپ کر سب کے سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ اس کے کپڑے موجود تھے۔ وہ شب خوابی کا لباس نکال کر غسل خانے میں گھس گیا تھا۔

لمبے دھوئے سے طبیعت میں کچھ تازگی کا احساس پیدا ہوا تھا۔ وہ تولیے سے بالوں کو رگڑتے ہوئے باہر آیا تھا۔ سوٹ کیس کھول کر کاریٹ پر دوزانو بیٹھا اپنی چیزیں نکالنے لگا تھا۔ ایک طرف ہینگر کا جوڑا تھا۔ کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟ آ جاؤ۔"

وہ ملازم تھا اور سمیرا نے کی بہت پرانی اور بوڑھی ملازمہ اندر داخل ہوئی۔

"سلام بھائی!"

"ہوں۔ وعلیکم السلام۔ خیریت کیسے آئی ہو بے؟" وہ مصروف انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"سمندر خان دیا سائی شمی آئے ہوئے ہیں کیا روٹی پانی بھیجوا دوں۔" ملازمہ نے ادب احترام سے جواب دیا۔

"بھوک نہیں ہے۔ بس ایک گلاس گرم دودھ بھیجوا دینا۔" وہ خود اپنے کام میں مصروف تھا۔

"جی اچھا۔" وہ حیرت کچھ بولے بغیر واپس پلٹ گئی۔

اسے گئے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ اس نے جھنجلا کر دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ بھلی دادی لے آئی۔ یہاں سے بکری تک پہنچتے ہی میں پانچ منٹ لگ جاتے تھے۔

"اس بھلی مانس جاؤ۔" سوٹ کیس کا سامان ہینگر کاریٹ پر بکھرا پڑا تھا۔

"اس مرتبہ لگتا ہے قیام طویل ہوگا۔ مگر کیسے ہوگا۔ ہم تو ابھی تک تمہیں بھانت بھانت دیکھ رہے ہیں۔ اور اشتہا ظاہر کیے دے رہے ہیں۔"

ہاتھ میں کی ٹرے اس پر ایک دم سے رکھ گیا۔

"السلام علیکم۔" وہ قدرے جھینپ سا گیا تھا۔

"سمجھ گیا۔ کوئی ملازم ہے۔" اس نے اضافت کی۔

"بے بے جی نے مجھے بتایا کہ تم بہت سارا سامان بندے سے "لینی" میں لائے ہو۔ اور کھانا کھانے سے انکار کر رہے ہو۔ کیا راستے میں کھا لیا تھا؟ جس وقت وہاں سے چلے ہو گے تو شام ہو گی۔ اور رات کے کھانے کا وقت بھی نہیں ہوا۔"
نازنین دروازے ہی میں کھڑی تھی۔

"کھایا تو نہیں ہے مگر بھوک نہیں ہے۔ دودھ پی لوں گا۔ اب تو یہاں بھی سونے کا وقت ہے۔ خان سو گئے؟"

"مجھے کیا پتا۔ دن سے نہیں دیکھا انہیں۔" اس کا موڈ یکلخت بدل گیا۔

"بیمار پڑ گئے ہوئے ہیں؟" وہ اس کے انداز سے الجھن میں پڑ گیا۔

"خدا معلوم۔" وہ اکھڑی سے گویا ہوئی۔

ہادی خاموش سا ہو گیا۔ اسے ماحول میں ٹینشن سا محسوس ہوا تھا۔

"اور کیا خیر خبر ہے۔ تمہارا سامان دیکھ کر عجیب عجیب سے وہم آ رہے ہیں۔ روشی مامیں وہیں ہیں یا ہوٹل پر چلی گئی ہیں؟" وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

"وہیں ہیں۔ شاید کل پرسوں چلی جائیں۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دے رہا تھا۔

وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ براؤن ٹریک سوٹ کے گاؤن میں وہ اسے بہت زیادہ سفید محسوس ہوئی۔ بال بکھرے ہوئے تھے چہرے پر اضمحلال واضح تھا۔

"آپا صاحب نے تمہیں طویل قیام کی اجازت کیسے دے دی؟ تم تو راستے میں ہی ہوتے ہو اور ان کے فون آ آ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔" اس کے انداز میں ایک کھٹک سی تھی۔

"کبھی کبھی وہ بھی ہوتا ہے جو کبھی نہیں ہوا ہوتا۔ اب کی بار ایسے بھی سہی۔" وہ ہنس دیا۔

"بچ بچاؤ کر کچھ ہوا تو نہیں؟" وہ جیسے ایک جھٹکا کھا کر ٹھہری ہوئی تھی۔

"نہیں بھابی! کچھ نہیں ہوا۔ آپ زیادہ وہم نہ کیا کریں ذہن پر۔ آپ کی طبیعت یوں بھی سنبھلی نہیں رہتی۔"

نازنین کچھ سوچ کر بے ساختہ مسکرا دی۔ "تمہارے منہ سے بھابی سننے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ ابھی تم بولنا سکھ رہے تھے کہ مجھے سب کی دیکھا دیکھی بھابی کہنا شروع کر دیا تھا۔ بچوں میں تو کوئی بھی مجھے بھابی نہیں کہتا تھا علاوہ تمہارے جب تم بھابی کہتے تھے تو سب بہت ہنستے تھے۔ کہا سے سیکھ کر۔ لوگ کہیں گے تمہاری ساس کے ابھی تک بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ مگر بھئی تم باز نہیں آئے۔ حالانکہ میں تو کسی رشتے سے بھی تمہاری بھابی نہیں ہو سکتی۔"

وہ جانے کتنے عرصے بعد مسکرا رہی تھی۔

"کیا کریں۔ اب تو عادت ہو چکی ہے۔" ہادی نے مجبوری ظاہر کی۔

"چلو خیر۔ یہ اچھا ہے کہ تم اتنے سارے سامان کے ساتھ آنے کی وجہ تو بتا گئے نہیں۔ تم سے مزید بات نہیں کروں گی میں۔ چلتی ہوں۔ بے بے سے دودھ کے لیے کہہ دوں گی۔"

"نہیں۔ رات خاصی ہو رہی ہے۔ آپ بھی سو جائیں۔" ہادی نے جلدی سے کہا۔

"ہادی۔" وہ جاتے جاتے پلٹی۔

"جی؟"

"اپنے ابا کو جان سے کہنا وہ مجھے دکھوٹ نہ کریں۔ میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔ نیند کی گولی بھی مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔"

وہ خود کلامی کے انداز میں کہتی ہوئی باہر چلی گئی۔ ہادی جیسے سکتے کے لیے سا بیٹھا رہ گیا۔

دو دن بعد تیمور علی خان اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئے تھے اور نازنین سے کوئی بات کیے بغیر سیدھے باتھ روم میں چلے گئے تھے۔ نازنین بیڈ پر کروٹ کے بل لیٹی خاموشی سے ان کی حرکات و سکنات دیکھ رہی تھی۔ ان نے خود ہی انہیں مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سوچوں کی یلغار سے یوں بھی اعصاب اتنے شل تھے کہ کچھ کہنے سے بھی تکلیف ہوتی تھی۔

وہ فریش ہو کر باتھ روم سے باہر آئے تھے اور باتھ کے بعد کے اصول پر عمل پیرا ہو رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح خوبصورت نائٹ سوٹ میں بیٹھے گئے۔ نیند کی آواز بھی کم کی ہوئی تھی اس وجہ سے کمرے میں خاصی سناٹا چھایا ہوا تھا۔

تیمور علی خان نے ریسیور اٹھایا تھا۔

"السلام علیکم۔ جی خیریت ہے۔ ابھی گھر پر ہی ہیں۔"

وہ لیٹے لیٹے بیڈ پر بیٹھنے کی جگہ تلاش کرنے لگے۔ نازنین بالکل سرے ہی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے تیمور علی خان کا مدعا جان لیا تھا اور پیچھے کھسک گئی تھی۔ تیمور علی خان بیٹھ گئے۔

"کل۔ کب۔ آج۔ نہیں میری ملاقات نہیں ہوئی۔" انہوں نے ایک نگاہ نازنین پر ڈالتے ہوئے فون پر مخاطب کو جواب دیا۔

"دراصل ہم خود آپا سے ابھی تھوڑی دیر ہوئی واپس آئے ہیں۔ سوں بچی کیا ہوا اپنے کمرے میں ہو گا۔ خیریت؟"

نازنین خاموش لیٹی ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ نوٹ کر رہی تھی۔ وہ فون کرنے والے کی طرف مکمل طور پر متوجہ تھے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"آپ کی تشفی بالکل بجا ہے برخوردار۔ لیکن آپ کو تمام صورت حال معلوم نہیں۔ آپ ہمیں موقع دیں کہ ہم کچھ کر سکیں۔" ان کی آواز سے ان کے اندر کی تبدیلی عیاں تھی۔

"ہم خون بہا نہیں لے سکتے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ فی الحال حویلی بیچنے کا بھی فیصلہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے آپ یہ صورت بھی کورٹ پہنچنے سے روکیں۔ ان کا کیس بہت کمزور ہو گا۔"

"ہم تو کہتے ہیں ہاں آپ کو۔ وہ ہی صورتیں ہیں کہ یا تو روشی کو شوٹ کر دیا جائے یا جیل میں مرنے تک پڑا رہنے دیا جائے۔"

ان کے بچے سے بڑا ہی جھگڑے گی۔

"وہ کیس بکل وغیرہ پر اتار جائیں گے۔ اور یہ نصرت ان سے برداشت نہیں ہوگی اور جو کچھ وہ بھی اس وقت سے یاد رکھو آپ ہی کو ہوگا۔" وہ بہت غصے بھرے لہجے میں کام کر رہے تھے۔

نازلین آنکھ کر رہ گئی تھی۔ اس کا بھرا ہوا سفید پڑ چکا تھا۔ وہ بہت بے یقینی سے ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔

"آپ ان کے بڑی بہن ہونے کی بھی نہیں لحاظ کیجئے ہم بکل فرسٹ میں حاضر ہوں گے۔"

"پاپا صاحب! میرا یہ کرائسس کی وجہ سے ہاں کچھ نہیں۔ ہمارا کلچر اپنے اصولوں سے فخر پر کرنا اور اصول پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے خود ساختہ اصول کسی وقتی مصلحت سے بنا ہوتے ہیں اور کلچرل اصول کا ارتقا ہوتا ہے اور اس سے ہی کرائسس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ آپ غور کو کنفیوز ہونے سے بچائیے۔ ہر گز نہیں آپ سب ہماری اگر چھوٹی سوچ کی اختراع نہیں۔ اگر یہاں کا خاص کلچر ہی جو ہمارا ہے۔ ہم نے کہا ناں ہم خود حاضر ہوں گے۔ خدا حافظ۔"

نجور علی خان رسیور ہاتھ میں تھام کر جانے کیا سوچنے لگے۔

"روشی کو بلوا کر اپنی حویلی کو عدالت میں کھڑا کروا دوں گی یہ بھی کہہ دیجئے ادھر۔ اس کی صورت مجھ سے مختلف ہے اس کی قسمت بھی مجھ سے مختلف ہو چاہیے۔ نازلین کا حویلی میں کوئی نہیں تھا مگر روشانے حویلی ہی کی ایک بیٹی ہے۔"

"کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ہم حویلی میں پولیس بھیج کر روشی کو یہاں بلوا سکتے ہیں مگر پاپا صاحب کی موجودگی میں ہم اس طرح سے کام کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو قائل کر کے وقت کی نزاکت کا احساس دلا کر۔ اس وقت کی نزاکت کو سمجھ کر ہی تو ہوا تھا۔"

"آپ کی بہن سے ناراضگی اس کیس پر اثر انداز تو نہیں ہوگی؟" ان کی بات کے اختتام پر نازلین سے زیادہ فکرمند ہوئی۔

"لاحول ولا قوۃ۔ جس بات پر ناراضگی جائز تھی جب وہاں نہیں ہوئی تو۔ ہی تو نبھانا چاہتا ہے ناراضگی آپ سے ہے۔ ہم کریں۔ مگر اب تو فطرت ہمیں ایکسپلائٹ کر رہی ہے۔"

وہ غصے سے تو فیاً فوقاً کر بال نوچنے کرنے لگے۔

"پاپا کب پہنچا کچھ پتا ہے؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

"گیارہ بجے سے پہلے پہنچ گیا تھا۔ وقت میں پہلے ہی کھٹک گئی تھی کہ اتنا سامان لے کر تو وہ کبھی نہیں آیا۔ اب پاپا صاحب کے فون سے میرا خدشہ درست ثابت ہو رہا ہے۔ کیا جواب ہے؟" وہ ان کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔

"وہی جو ایک راز ہونا ہی تھا۔ روشی کے والد صاحب کو پتا چل گیا ہے۔ روشی کے نکاح کا۔ اب وہ ہم پر مقدمہ دائر کرنے والے ہیں۔ پاپا صاحب اس گمان میں ہیں کہ ساتھیں ان کی جیب میں ہیں۔ ہو سکتا ہے مگر میری ان کے ہاتھ نہیں ہے۔"

"مگر وہ کیسے کریں گے تو۔" نازلین نے پریشانی ظاہر کی۔

"تو پھر اپنے آپ کریں گے۔ اس مرتبہ حساب کتاب ادھر ہے۔ مقابل کوئی اور نہیں اپنی ہی آتا ہے۔ ہم نے

[illegible] کے ساتھ ہمدردی کی ہے۔ روشی کا والد [illegible] ہم سے [illegible] رہا تھا۔ [illegible] تک پہنچا ہے۔ وہ خود کو بھی نقصان پہنچا سکتی تھی۔ [illegible] ہے۔ اگر ہماری کاوش نہ ہوتی تو ہمیں پتا ہی ایک منہ ہوتی کہ [illegible] سب کی [illegible] ہے سب کی مساجزادی کے لیے ہماری گود نے وہ بھی نہیں اس سکتے تھے [illegible] آزادی اسی میں پنہاں ہوئی تھی کہ سب کو یقین تھا حویلی کی کسی لڑکی کے لیے اس [illegible] کی اولاد ہی ایک ملازمہ کی گود میں اس گھر میں داخل ہوا تھا مگر ہم نے کسی کو اس [illegible] نہیں ہے۔"

"میرے سامنے نام نہ لیا کریں نفرت کرتی ہوں اس چھلاوے سے۔" نازلین نے آپ [illegible]

"ہر بچی کی کتاب میں والدین باپ کے ساتھ ساتھ ماں کا باب بھی ہوتا ہے اور ہر ماں ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔" نجور علی خان نے تلخی سے کہا۔

"مگر میں نے کچھ دیکھا نہ سوچا آگر سوچا تو صرف یہی کہ حویلی کی کوئی بیٹی کو حویلی ملنا چاہیے۔ اسی لیے میں نے آپ [illegible] اپنے خاندان کی بیٹیوں کی حفاظت کرنے کی کوشش کی۔ اور یہ بھی کہا کہ ہماری بچی [illegible] اسے ہے کہ مجھے ہمیشہ سے دیکھ کر خیال آتا تھا کہ کاش روشی کی شادی اس سے ہو سکتی۔ حویلی کی حویلی ہی [illegible]

نجور۔ دیکھیں۔ اب میرے بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونا چاہیے۔ اگر خدانخواستہ روشی کو کسی قسم کا نقصان پہنچا تو میں تمام حکومتیں ہلا کے رکھ دوں گی اور پاور علی خان کے حلق میں اتر جاؤں گی۔ نہیں ہنس لیں گی سب کچھ۔" مارے جذبات کے اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔

"ایزلی۔ ایزلی۔ آپ اتنا کانفیس نہ ہوں۔ ہمیں اندازہ ہے کہ ایکسٹ کیا کرنا ہے۔" نجور علی خان نے تسلی دی۔ اور اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

"حویلی کا ہوا کیسا ہے آپ نہ ہیں آپ۔"

"بچے اپنی ماں سے زیادہ وہم سوڈ آف نہیں کرتے۔ آپ خوامخواہ اتنا سوشل ہو گئے تھے۔ پاپا بھی سوچتے نہیں کہ آپ کو کتنی اذیت ناک گزری ہیں یہ بھگتنی پڑا تھیں۔" نازلین کی آواز بھر آئی۔

"کتنی پیاری کتنی لو سلف ہے ہماری بیٹی۔ ہم اس پر ذرا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمیں علم ہے آپ نیچے کو کبھی [illegible] نہیں کریں گی ایک حساب سے ہمارا خیال کیا جائے گا۔ اس کے کیس میں آپ بہت۔ ہائلیس ہوں گی۔ فضی کو تو اپنی [illegible] سمجھتے ہوئے جیسا چاہیں گی سوکھ کر لیں گی۔ مگر فضی بھی نیچے کی طرح صرف ہماری بیٹی ہے۔ آپ نے خود پر فخر کرنے [illegible] خود کو سزا دینے کے لیے جو وہ زخ اپنے چاروں طرف بھر کا لی تھی۔ اس میں ہمت کر کے ہم نے [illegible] اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ ہم اس اذیت ناک احساس سے نجات چاہتے تھے کہ ہمیں بہت بے دردی سے استعمال کیا گیا ہے۔ ہمیں کسی طرح کا کوئی فوریلیف چاہیے تھا۔ کہ جس محبت پر اعتماد کر کے ہم اندوں دھکیل چکے تھے۔ اور [illegible] کے ساتھ [illegible] ہی عرصے میں وہ جڑ سے اکھڑ گئی تھی۔ وہ ہر سے لوگوں کے اثرات سے اپنی [illegible] نہیں پہنچی تھی جس کی [illegible] سے بچنے کے

لمحوں لاڈ لڑ ہونے کی عیاش ہیں۔ بہت سمجھایا تھا اس امید پر کہ بھلے اور نارمل کی اصول کے لیے بہت کا آئیڈیا ہے صرف ایک ایسا رشتہ جو محض کاغذ پر تھا۔ حقیقت کا یہ حال تھا۔ کہ نازنین احمد وہاں انسان میں وہ سے بیلہ رام میں وہ رشتہ ہو ہوتی تھی۔

ہم نے خدا وہ جو ڈیڑھ تو ہے۔ اس کے پاس موجود۔ اس کی عمل اپنے ہوتی میں اور اسے ہمارے ہونے کا یقین نہیں تھا۔ کیونکہ تیمور ہے۔ محبت کے اس سراب سے گزرنے کے بعد تو ہم بالکل خالی ہاتھ تھے۔ دولت "جا گیر" بیٹا۔ پھر بھی خالی ہونے کا اذیت ناک احساس۔ واپس آئے تو ایک خالی وجود کے خالی پن کو اس طرح محسوس کیا جیسا کہ محسوس کرنا چاہیے تھا۔ وہ خالی وجود جو خود ساختہ حصار میں قید تھا۔ جیسے اپنے نقصانات گننے کے دوران کبھی ہمارے نقصانات گننے کا خیال نہ آیا۔ پھر وہ نقصان پر اپنا حق جتائے تو ہمیں کیسے غصہ آئے۔"

نازنین حیرت سے تیمور علی خان کو دیکھ رہی تھی۔ ایسا اور اتنا تو وہ کبھی نہیں بولے تھے۔ بڑی سے بڑی بات پر ان کے لب خاموش رہتے تھے۔ جتنی بڑی بات اتنی گہری خاموشی۔

"یقین کریں ہم نے تو کبھی آپ سے کچھ نہیں چاہا۔ بس اتنا ہی چاہا تھا کہ زخم دینے والے کے گرد ہمیشہ کے لیے ایک آگ بھڑکا دوں مگر آپ لندن میں اپنے پارٹنر کے ساتھ خوش رہیں۔ میں تو سمر کے لگی تھی ہاں اس خوشی سے یہ اور بات کہ والدین سے غلط دکانت یہاں آ کر بھی کچھ عرصہ جاری رہی۔ اپنی موت کا پیغام بھی خود بھجوایا اور پھر ہاں صاحب کو مطمئن کیا۔ پابند کیا۔ مجبور کیا۔

تو اس میں حیرت کیا۔ ذوالعلی خان نے تو میرے وجود سے روح اسی دن کھینچ لی تھی۔ جس دن۔" وہ یکدم خاموش ہو کر آنسو پینے لگی۔

"مگر ہم نے تو آپ کو زندہ رہنے پر مجبور تسلیم کیا۔ جو آپ کا حق بنتا تھا وہ دینا چاہا۔ مگر نہ لیزا کے سامنے آپ کے رجوع کرنے کی کیوں کرتے تو آپ نے خود کو بے روح دوسروں سے تسلیم کروایا تھا ہم سے نہیں۔ مردے نکاح نامے پر دستخط نہیں کرتے۔"

تیمور علی خان کے لہجے سے تلخی ٹپکنے لگی۔

نازنین۔ چند لمحے کو خاموش ہی ہو کر رہ گئی۔

"نکاح کے وقت جو سوچ آپ کی تھی وہ صرف آپ کی تھی ہماری نہیں۔ جو کچھ ہوا جن حالات میں ہوا۔ اس کے لیے ہم نے عرصے تک اپنا مائنڈ میک اپ کیا ہے۔ آپ کیا سوچتی ہیں۔ آپ کیا کرنا چاہتی ہیں ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمارا روشنی کا معاملہ۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔ ہم فیس بھی کریں گے ویڈیل بھی کریں گے۔ ہم جلد ہی حویلی پہنچیں گے۔ مگر آپ کو احساس ہو جانا چاہیے کہ انسان فرض کر لینے سے نہیں مرتا۔ آپ زندہ ہیں۔ ابھی کرائسس میں یہ حقیقت بھی سامنے آ سکتی ہے۔ اس کے بارے میں سوچا ہے؟"

تیمور علی خان باتوں میں برش کرتے ہوئے سوال کر رہے تھے۔

"فیکس گاڈ۔ مجھے بس یہ پتا ہونا چاہتا ہے۔ میرے جواب اب ماہین کی ذمہ داری ہوگی وہ ہمیں کو ہینڈل کرے گی۔

لیے بہتر ہے اور ان کو یہ بتانے میں کامیاب ہو جائے گی کہ ان کی ماں نے کسی پر احسان نہیں کیا۔ اپنے جان آرام کے لیے بچوں کی زندگی تباہ کی تھی مگر یہ کھوکھلی ہے۔

میرے پاس بہت بھی ہے اور ایک بہت مضبوط اساسہ اور اعتماد بھی۔ کہ میرے آنسو میں کچھ ہیں اس کے لیے ہر تڑپ رہے ہیں۔ وہ نہ ہوتا تو احساس تذلیل سے میں پاگل ہو کر گلیوں کی خاک چھان رہی ہوتی۔ میں اپنی معصوم بیٹی کو بھی کھو دیتی۔ مجھے اپنوں کی عزت افزائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ میں اس عذاب کے ساتھ اس گھر میں آئی تھی کہ آپ لوگوں میں وقت گزاریں گے اور میں روشنی اور جواد کے ساتھ رہوں گی خود یہ کہتا ہوں ہاں صاحب کی موجودگی میں بچے کھچے کام نہیں بھیجیں گے۔ مگر کسی نے بھی کچھ نہیں کہا۔" اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ "تو پھر بیٹے کی میں نے سر جھکا دیا۔ مگر کس منہ سے بچوں کا سامنا کروں گی۔ ایک سفر طلاق میں نہیں کیونکہ نفسیاتی حد پر پہنچ ہو جائیں گے۔ ساری کی موجودگی میں ان کی گردنیں جھکی رہیں گی۔ یہ سب اس شخص کو سوچنا چاہیے تھا مگر مجھے سوچنا پڑا۔ آپ طلاق کے لیے ایک جائے پر اڑ رہے ہیں جبکہ مشکل کو آسانی میں نے حل کیا دیکھ کر میں خوشی سے سرشار ہوں۔"

"یہ تو خودکشی ہے۔ خود غرضی ہے۔ خوشی کی خاطر بھی آپ کے اندر بیٹے کی الگ دیوار نہیں ہوتی۔" تیمور علی خان نے فیصلے پر بڑی کرسی پر بیٹھ چکے تھے۔

"روشانے اور جواد کے باپ سے بہت بہتر خوشی کا باپ ہے۔ میرے بعد وہ پرورش ہو سکتے ہیں تو پھر خوشی تو دوبارہ بہتر ماحول میں ہے۔"

"آپ ان دلائل سے خود کو بہلا سکتی ہیں۔ مگر ہم اسے صرف آپ کی خود غرضی کہیں گے۔" وہ بیٹے اور بیٹی کی محبت سے محروم ہونے لگے۔

"اتنی بڑی بڑی باتیں نکلی ہیں۔ یہ تو بڑا معصوم سا الزام ہے۔" نازنین پر گویا کوئی اثر نہیں ہوا۔

"ماہین بھی کسی روز بس یہاں پہنچنے والی ہیں۔ اس طرف کچھ سوچا؟"

انہیں معلوم تھا کہ یہ موضوع کبھی مکمل نہیں ہوگا لہٰذا انہوں نے موضوع ہی بدل دیا۔

"بے چاری ماہین۔ کیا عمر ہے اور کیا جو تھم۔ جتنی دیر جاگتی رہتی ہوں نیکی سوچتی رہتی ہوں۔ جیتے میں اللہ کی خوش الحانی رہتی ہیں۔ کیا دیکھا تھا اس نے۔ کیا جا گیر؟ مگر دل نہیں مانتا۔ بس ایک بات ہی ہے جس پر دل گواہی دیتا ہے۔ اس شخص کے اندر ایک انتقام کی آگ روشن تھی۔ بیس سال سے کہ میں نے اس الزام کو سچ کر دکھایا تھا۔ میں نے تو اس لیے کیا تھا کہ اس نے ناحق میری چار بہنوں کی جان لی تھی مگر اس نے میری بہن کو گھیر کر بیس سال بعد قرض چکانے کی کوشش کی ہے۔ اس شخص کے اندر جذبات صرف ایک شکل میں ہیں اور وہ ہے انتقام۔"

"کیا آپ کو ان باتوں کو ہوا دینا چاہیے۔" تیمور علی خان بول چکے تھے۔ انہوں نے پھر مشکوک سوالات پیش کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے ہماری آواز ہے اس کی۔ خود کشی پیاری ہوگی۔ جانے کون ہے وہ جس نے اسے بھیجا ہے۔ کون ہے جو اپنے میں

اس کا اندر سے گریہ اور دکھ اس وقت کہاں تھا جب اماں کی صاحب اس سے شادی کر رہے تھے۔ جیسے کسی بوجھ سے ہاتھ ملتی ہوں۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ بھی مجھے لین دین کرنے آ رہی ہو؟" ایک نیا خدشہ سر ابھارا۔

"مالی گڈ بوائس۔ ایسا کچھ طے نہیں کیا ہم نے۔ وہ بتا تو رہی تھیں کہ ہم انھیں کیوں سمجھ رہے تھے۔ فی الوقت یہ بیکار بحث نہ کرو۔"

تیمور علی خان نے اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔

"پتا نہیں میرے احساسات کہاں جا سوئے ہیں۔ کچھ بھی تو نہیں جاگتا اندر۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"اوہ نو۔" سونا کے حلق سے چیخ نکلی تھی۔ "تم نے خود؟" وہ اپنی سوتیلی سے وضاحت کر رہی تھی۔

"بڑی امی، چھوٹے پاپا کی وائف سے باتیں کر رہی تھیں۔ سونا لاؤنج میں۔ میں ہری تو نہیں ہو رہے تھیں۔"

"مائی گاڈ۔ یہ نہیں پتا چلا کہ یہ عظیم واقعہ کب ہوا۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حویلی میں روشی ہمارے ساتھ ہوتی ہے۔ اکیلی کہیں بھی نہیں جاتی۔ میری پوری میں باری نہیں ہوتا۔" سونا نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"اوفوہ۔ پوری بات تو سنیں سونا باجی!" سوتی جھنجلا گئی۔

"کاکا جان کے ہاں نہیں گئی تھی روشی؟" اس نے سوالیہ انداز میں یاد دلایا۔

"ہوں۔ ہوں۔" ایک وقت کئی آوازوں نے تائید کی۔

"ان دنوں کی بات ہے۔" سونی نے بات مکمل کی۔

"لیکن۔ ایسا کیوں ہوا۔ کاکا جان نے حقہ کیوں لیا، تو یاد ہمارے ہاں سے لیں حقے پھر روشی۔" مالی نے ایک اور گتھی اٹھائی۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں نے تالع کر کے کاکا جان کے ہاں پناہ و حاصل کی ہو۔" حنا کی سوچ ایک اور زاویے میں غلطاں ہوئی۔

"لو تالع بھی قتل کے برابر ہو گیا کہ مظلوموں کو پناہ کی سزا ملی ہوئی۔" عائزہ کو اس خیال پر سب سے زیادہ اعتراض ہوا۔

"ہائے نی۔ میں تھا مر جاواں۔ ایسے کوئی چاچی نے کہیں۔"

مریم نے شوفی کے بروے میں اپنی حیرت ظاہر کی۔ اور زور سے سینے پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔

"اچھا اسی لیے وہ نعیم کاکا کر تھے بتانا پسند نہیں کرتی تھی۔ اب سب کو اس کے موڈ کی وجہ سمجھ آ رہی تھیں۔

"اوہ۔ مجھے تو چکر آ رہے ہیں۔" نازک طبع سونا نے سر تھام لیا۔

"مگر آپا کہاں ہیں۔ انھیں بھی تو پتا چلنا چاہیے۔" حنا نے معاملے کی غیر حاضری کی طرف متوجہ کیا۔

"سے نی پاگل۔ انھیں آل ریڈی پتا ہو۔ گھر کی خواتین انھیں رازداری کے معاملات میں شامل رکھتی ہوں۔"

ہوں گی۔ تبھی آپ کو اس وقت سے پہلے سب خبر تھی تھی۔" عائزہ نے بات کی۔

"ہاں مگر پتا نہیں۔ ہے تو اچھی بھلی۔ ہمارے سامنے ہنستی بولتی تھی۔ ہمارے سے پہلے نعیم کر تھے بتا چکی تھی۔ پھر بھی اس نے ہمیں کچھ نہیں بتایا۔" سونا نے دکھ کا اظہار کیا۔

اسی وجہ سے وہ اتنا نارمل ہو گئیں۔ مگر میں سمجھ گئی تھی۔ وہ بہت اپ سیٹ تھی۔ اس لیے وہ اتنا نارمل ہو رہی تھی۔ اس لیے وہ اتنا نارمل ہو رہی تھی۔ اس لیے وہ اتنا نارمل ہو رہی

"اچھا۔ کب سے پتا ہے آپ کو؟" تقریباً سب ہی منہ سے نظر آنے لگی تھیں۔

"آنا ہی چاہیے۔" کان کے بھرے پر تو دے نمایاں نظر آنے لگی۔

"آپ کو حیرت نہیں ہوئی؟" حنا نے تعجب سے پوچھا۔

"حیرت نہیں دکھ۔ کہ اتنا پیار کرتی ہے وہ بی مجھ سے اور اس نے اتنی اہم خبر اپنی زندگی کی اہم واقعہ مجھ سے چھپایا۔" مجھ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"ایسی باتیں تو کبھی چھپتی نہیں ہیں۔ ہم تو برس پہلے جانتے تھے کہ ایسا کچھ ہوگا۔"

عظمیٰ ہمیشہ کی طرح بولتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔ کن سوئیاں لینے کی عادت میں اتنی ماہر تھیں کہ اندر داخل ہونے سے پہلے ہی بہت کچھ سن لیا کرتی تھیں۔

"فرشتوں سے واہ وہم ہوگی آپ کی۔ ہم نے تو کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی۔"

روبی کو ان کا یہ جملہ محض نمبر بنانے کی ایک فضول سی کوشش محسوس ہوا۔

"یار ماموں محنت کھٹے میں ہیں۔ باری سرائے جا چکا ہے۔ کاکا جان آنے والے ہیں۔" موحا نے خصوصی طنز کیا۔

"کاکا جان کی الوالوسط کے معنی سمجھ میں نہیں آ رہے۔" کرن نے گھور کی سمت دیکھا۔

"میرے اللہ اتنی بڑی بات روبی کب سے پیٹ میں لیے پھر رہی تھی اس کا پیٹ بھی نہیں پھولا۔ اگر وہ ایکٹنگ ہو جاتا تو ہمیں تو ہر ایک کو بتانے کو جلدی ہوتی کہ اب ہم مجھے نکل نہیں رہے۔"

"گامے۔" بینے روبی کے بیٹے میں گرہ لگائی۔ مذکورہ بالا عظمیٰ کی نمائی پر متوجہ کیا۔

"اے۔ ذرا ہمت کرو۔ روشی کو تو فلا کر لاؤ۔ اس کی تسلی کرتے ہیں۔ پھر تو وہ ہری ہری چلی جائے گی۔" مریم نے کہا۔

"شاید وہ آئے نہیں۔ تو؟" حنا نے سوال کیا۔

"تو پھر ہم چلیں گے اس کے کمرے میں۔" بینے فوری حل دیا۔

"اس بے چاری کا کیا قصور۔ باری نے اسے کیسے پٹا لیا۔ اسے بابا صاحب کا خوف بھی محسوس نہیں ہوا۔" سوئی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"اے خدا کا خوف نہیں آیا۔ تم بابا صاحب کی بات کر رہی ہو۔ جس قبائل میں کہا ہے اس میں بھیج کرنا۔" عظمیٰ کے لہجے کی تلخی آج بہت بڑھی ہوئی تھی۔

"یہ کون سے رحمانی یا انسانی قانون میں لکھا ہے کہ نکاح کرنے سے قبائل میں بھید ہو جاتے ہیں۔" موحا نے تلک کر پوچھا۔

"نکاح کرنے سے نہیں۔ نکاح کرنے کے طریقہ کار سے۔" عظمیٰ بھلا ہارنے والی نہیں۔

"نان سنس۔ روبی بتا رہی تھی۔ کاکا جان نے خود نکاح پڑھوایا ہے۔" کرن نے جواب دیا۔

"کاکا جان نے خود نکاح پڑھوایا ہے۔" کرن نے جواب دیا۔

مایئن مسکرا کر باہر کی سمت دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔
تمام لڑکیاں مایئن کو باہر تک خدا حافظ کہنے آئیں۔

روشی ادھ کھلی جالی کے پار سوچوں میں گم تھی۔ دروازے پر بڑے زور کی دستک ہوئی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ مایئن کے چلے جانے سے ایک تو خود کو بہت تنہا اور غیر محفوظ سا محسوس کر رہی تھی۔ کہیں بابا صاحب کا بلاوا تو نہیں آ گیا۔ وہ لرزتی ٹانگوں کے ساتھ دروازے تک آئی اور دروازہ کھول دیا۔

"اوہ!" ان سب کو سامنے پا کر اس نے گہرا سانس لیا۔ اور ایک طرف ہو گئی۔

"پھر کہیں جانے کا پروگرام ہے؟" وہ ان کو ایک ساتھ دیکھ کر یکلخت بجھ گئی۔

"ہاں۔ بیا گھر جا رہا ہے۔" زوبی تیزی سے بولی۔

وہ دل ہی دل میں حیران ہی ایک کونے میں جا بیٹھی۔

"میدان مار کر کونے میں بھی بیٹھی ہو۔" گلو نے ایک دھپ لگائی۔ اور بیٹھ گئیں۔

اس نے حیرت سے ساری باری سب کو دیکھا۔ کچھ کچھ سمجھ میں تو آیا۔ مگر وہم کو یقین کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ خود کو بہلا پا کر کوئی اور بات ہو گی۔

"آخر اسے حویلی سے بے دخل کروا کر ہی دم لیا۔" سونا نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔ روشی کے سینے میں عجیب سی دھکڑ پکڑ ہونے لگی۔

"دونوں نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ پہلے تم سرائے پہنچو پھر وہ۔ اور پھر نکاح ہو جائے۔ مگر یہ کاکا جان پر کون سی جادو کی چھڑی گھما آئی کہ بھاگ کر فاطمی کو پکڑ لائے۔" زری نے بھی جھاڑ جھپاڑ میں شرکت کی۔

"خیر جب یہ ہو ہی گیا تھا تو واپس آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہاں سیاسی پناہ کی درخواست کیوں نہیں دی؟" زوبی نے ایک غائب غلطی کی طرف متوجہ کیا۔

"سماجی پناہ گی۔" لالی نے تصحیح کی۔

"چلو دفع۔ اب وہ یا کیسے پار ہو گا۔ تمہارے پاس کچھ گھڑا بھی نہیں۔ حشر نشر کر دیں گے یار ساموں۔" مریم نے امکانی نتیجے سے خبردار کیا۔

روشی سر جھکائے سب کی سن رہی تھی۔ مگر خاموش تھی۔

"تم تو اپنی ہو۔ سب سیٹ کر لیں گے۔ سیٹ ہو جائیں گے۔ وہ بے چارا تو ملت میں مارا گیا۔ کیا ہو گیا تھا تمہیں۔ اتنا بے خوف کر دیا تھا تمہیں اس نے۔ کیا خواب دکھائے تھے۔ ایسا کچھ تو نہیں تھا۔" زری نے پھر کہا۔

"ہائے اللہ کتنی روشنی تھی اس سے حویلی میں۔" سونا کو گم گشتہ روشنیاں یاد آنے لگیں۔

"کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ تم لوگ تو مسلسل تاریک پہلو پیش کیے جا رہی ہو۔" گلو نے روشی کے چہرے پر نظر ڈال کر ان

سب کو ٹوک دیا۔

"پہلو تہی بہت اچھا۔ سب بن ٹھن کر بیٹھی ہو۔ اتنا اچھا لگ رہا ہے۔ تم لوگ بھی نا۔ ہر وقت ہی۔" زوبی نے منہ بنایا۔

"ہوں تم بھی نا۔ ہر وقت ہی۔" لالی نے اسے چڑایا۔

"تو کیا۔ برا لگتا ہے سب کو اچھا لگتا ہے۔ اور سنو تم۔" زوبی نے روشی کو مخاطب کیا۔ "تم بھی۔"

"زوبی آج کر دی۔" زری نے ٹوکا۔

"اوہ سوری۔ تم بھی۔ ہاں تو میں کہہ رہی تھی۔ سب سے پہلے اپنے دل کا حال سنو۔ کیا ہوا تھا۔ کیوں ہم سے کترا رہی تھیں۔ کیا وجہ تھی۔"

سب ہنس کر متوجہ ہو گئیں۔ وہ سب بھی ہنسنے لگیں۔

"مگر یہ ہیں تو گھڑا۔ بات سے بھی بڑی بات یہ محسوس ہو رہا ہے۔ اسے ہم اپنی ہی کوئی کہیں سے لائی ہیں۔" لالی نے کہا۔

"ہاں ہاں تو۔" گلو نے گویا سر پیٹ لیا۔

"چلو تم لوگوں کو شروع سے جو محسوس ہوا ہے وہ بتاؤ۔ اب روشی سے پوچھتے ہیں کہ شروع سے اسے کیا محسوس ہوا تھا۔" ثانیہ نے کہا۔

"لو یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اسے شروع سے ہونا ہوتا۔ اسی نے تو فاعل کیا ہے۔"

سب نے خلیف کہہ کر اٹھایا۔ بے ساختہ قہقہے گونجے تھے۔

روشی بدستور خاموش بیٹھی تھی۔

"لو تمہارے احساسات کی ترجمانی کر دیے ہیں۔ تم بھی تو کچھ بولو۔" گلو نے اسے چھیڑا۔

روشی نے گلو کے شانے سے سر ٹکا دیا۔ اور بھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ "خاموش ہو جائیں آپ لوگ۔ سب کی سب ملتی جا رہی ہیں۔"

روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سب کی سب ایک دم سٹپٹا ساری ہو کر ایک دوسرے سے نگاہیں ملانے لگیں۔

"ارے تم تو مذاق کر رہے تھے۔ سچ میں تو کوئی اعتراض نہیں۔ واقعی وہ تو بہت اچھا ہے۔ بلکہ ہم تو حیرت سے مرنے کے قریب ہیں کہ یہ تابڑ توڑ کام کیسے ہو گیا؟"

گلو نے اس کے بالوں پر بوسہ دیتے ہوئے پچکارا۔

"سچ ہم تو نکاح کی کہانی تمہاری زبانی سننے آئے تھے۔ اور تمہاری سیکورٹی کہہ رہی تھی کہ کسی نہ کسی سے ضرور ہی ہو کر تم دونوں کے بیچ کوئی خاص رشتہ قائم ہو چکا ہے۔ واہ بھئی واہ۔"

"اچھا یہ تو بتاؤ بابا صاحب نے تو تمہیں نہیں بلوایا تھا کہیں؟" گلو نے پوچھا۔

روشی نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاں کیا کہتے تو تجھے ضرور۔" مریم نے دانت سے کہا۔

"ظاہر ہے، ڈانٹ ڈپٹ کے لیے بلائیں گے۔ فیصلہ تو انہی کے پاس محفوظ ہے۔" کامی نے کہا۔ "خدا کے حساب سے تو ایک قیامت ہے۔"

"کوئی محفوظ نہیں ہے۔ فیصلہ بس ہو چکا۔ ایک بڑی سچ کی بات تھی جو ان سب نے مل کر اجاڑی۔ زیادہ سے زیادہ شوٹ کر دیں گے۔" روشی نے آنسو پی کھینچتے ہوئے خفگی انداز میں کہا۔

"تمہاری بات۔ اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ یہ سب ہوا کیسے۔ آخر باس کا تو تمہارے ساتھ کوئی چکر نہیں تھا؟" گلہ نے اپنے آنچل سے اس کی آنکھیں پونچھیں۔

گھورنی کے چہرے سے ظاہر تھا کہ اس کا کچھ نہ کچھ تو سوا لیس ہے۔

"بی بی! ہوائی جہاز میں تو مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ میں تو بس کلمہ پڑھتی رہی۔ اتنا تیز اڑتا ہے مگر پتا تو نہیں چلتا۔ توبہ اللہ۔" ہالو ماہین کے سر میں تیل ڈالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "لو جی بھی نہیں چلا کراچی آ گیا۔ اتنی دیر میں تو کوئی سے ڈیڑھ پہنچتے ہیں، لیکن میں۔"

ماہین مسکرا دی۔ "میں تو سمجھ رہی تھی تجھے مزا آئے گا۔ مگر تیری تو جان خشک پر لگی ہوئی تھی۔"

"تو بی بی جہاز بھی تو آسمان سے لگا ہوتا ہے۔" وہ سادگی سے بولی۔

ماہین نے بہت لطف محسوس کیا۔

"بی بی! اتنے بڑے گھر میں صرف دو کر رہتے ہیں۔"

"ہاں زیادہ تر۔ دو تین مہینے کے لیے میرے بھائی آتے ہیں۔ یہ جو بڑی بی ہیں۔ یہ پاکستانی نہیں ہیں۔ یہ کی خاص ملازمہ تھیں یوگنڈا میں۔ نعمان بھائی انہیں یہاں لے آئے۔ گھر کے مالک کی طرح دیکھ بھال کرتی ہیں۔ بلکہ بیرل تو پوری ہی ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ وہ جو لڑکا ہے۔ وہ یہیں کا ہے۔ ایک عورت صبح کو آتی ہے وہ رات تک رہتی ہے۔ کھانا پکا رہا ہے گھر۔"

"نام کیا ہے ان بڑی بی کا؟"

"رانکا!" ماہین نے بتایا۔

"جیسے ڈانکا ہوتا ہے۔ لو بتاؤ۔ کہاں ڈائن کہاں رانکا۔" ہالو اپنی سمجھ داری پر خود ہی ہنسی۔

ماہین بھی مسکرا دی۔ "بھئی وہ ڈانکا نہیں ہے رانا ہے۔ کیا رونگ گئے مالی گاڈ۔ اچھا تم جا کر سو جاؤ۔ میں ایک ضروری فون کر لوں۔" وہ ہڑبڑا کر کارپٹ سے اٹھی۔

"کہاں۔ اپنے سسرال کریں گی۔؟" ہالو نے تیل کی بوتل کا ڈھکن لگاتے ہوئے پوچھا۔

"سسرال بھی سمجھ لو اور میکہ بھی۔" وہ دوپٹا اٹھا کر فون کی سمت بڑھی۔ دل میں ایک عجیب سی دھکڑ پکڑ شروع ہو چکی تھی۔ اتنا لیٹ فون وہ جان بوجھ کر کر رہی تھی تاکہ تیمور علی خان گھر سے باہر گئے ہوئے ہوں تو واپس آ جائیں۔ گیارہ کا ٹائم تھی تو

[illegible] تو اب تک ہی [illegible] کا پتا ہو [illegible] اس نے [illegible] خود [illegible] کی [illegible] اس [illegible] کی [illegible] کی [illegible] کی

مایین کی آواز بھی بھرا گئی۔ دوسری طرف سے سسکیوں کی آواز سنائی دی پھر فون بند ہو گیا۔ مایین نے بھی سسکتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

باورچی خانہ سے جا چکی تھی۔ مایین انگلیوں کی پوروں سے آنسو پونچھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

روشنی نے بہت چھوٹا سا سوٹ کیس پیک کیا تھا۔ وہ بہت بھی تھی۔ کھانے سے باورچی خانہ کا پیغام پہنچوایا تھا کہ ٹیکسی ساڑھے دس بجے پورچ میں پہنچ جائے۔

ابھی دس بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ وہ اپنے کمرے سے نکل آئی۔ اس کے قدم بگھی اور سوزوکی سٹور کی طرف اٹھ رہے تھے۔

اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

دروازہ سونا نے کھولا۔ بگھی نماز پڑھ رہی تھیں۔

"آؤ روشی! ہم تمہارے پاس آنے ہی والے تھے۔ دعا وغیرہ بھی نماز پڑھ رہی ہیں۔" سونا سے بے لیے اپنے بستر تک آئی۔

"مجھے آپ سے ایک بات کرنا ہے سونا جی!" روشنی نے بہت آہستہ آواز میں کہا۔ وہ نماز پڑھتی ہوئی بگھی کا بھی جائزہ لے رہی تھی۔

"ہوں۔ کہو۔" سونا نے بھی اس کا انداز دیکھ کر سرگوشی میں کہا۔

"اگر ہو سکے تو آپ پاری سے فون پر رابطہ کیجیے گا۔ اسے کہیے گا کہ اگر اس نے بارمان لی۔ تو میرے باپ دوا بھی ہیرو کے لیے مجھے کھو دیں گے۔ یہ بہت کچھ کرا لیں گے۔ وہ سب کچھ کرنے کی کوشش کریں گے جس سے وہ فتح مندی کا احساس جیت سکیں۔"

"بس کے ساتھ اتنا بڑا اقدام اٹھایا ہے۔ کمال ہے اسے نہیں جانتیں۔ اس کے پاس برداشت اور ذہانت کے بے مثال ہتھیار ہیں۔ اس کی فریش ذہانت تھکی ہوئی ذہانتوں کے مقابل ہے اسے ملتے ہی دورہ پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

بگھی سلام پھیر کر کیٹلی اس کی سمت متوجہ تھیں۔ فوراً اکٹھے ہو کر اگلی رکعتوں کے لیے کھڑی ہو گئی تھیں۔

"آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تم فکر نہ کرو۔ عفت کے اندیشے مت پالو۔ چلو باقی سب سے مل لو۔"

"اوہ!" وہ دال کاک پر نظر ڈال کر ایک دم ہوش میں آئی۔ "بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔" وہ سونا کے ساتھ واپس آ گئی۔ بگھی کے بے نیاز انداز اور بے اعتنا رویے نے کوہ اس میں نئی روح پھونک دی تھی۔

"جلدی جلدی سب کو خدا حافظ کہو اور پورچ میں آ جاؤ۔ سامان لاکی میں رکھا جا چکا تھا۔ باورچی خان پھپھل بیت پارٹی تھی تھے۔ وہ ڈرائیور کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ عالم تاب اور رحیمہ بیگم وہاں موجود تھیں۔ اس نے شیشے نیچے کر کے الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا۔ عالم تاب کا انداز الجھائی سرد جبکہ رحیمہ بیگم کا معمول کے مطابق تھا۔

گاڑی پورچ سے باہر نکل گئی تھی۔ وہ عالم تاب کے انداز پر ہی غور کر رہی تھی۔

"کاش وہ کر۔" زاہد علی خان کا اور تھی اور بہت زیادہ تھا۔ اس نے گھر کے لوگوں سے علیحدہ ہونے کے بارے میں سوچے ہوئے تھے۔ اس کا سارا انتظام ہو چکا تھا۔

[illegible] تھی۔ پڑھے لکھے بیٹے کے ساتھ میں [illegible] کے ڈرائیور ساتھ ہے۔ اس پر اپنی انگلی کا اظہار بھی نہیں کریں گے۔ جتنی کہ [illegible] اسے بیوی میں بیٹھے ہوئے باپ سے ایک نامعلوم سی [illegible] محسوس ہو رہا تھا۔

آہستہ آہستہ اس نے مسلسل اپنے دل کی دھک دھک اپنے کانوں سے سنی۔ پھر اس نے اردگرد بیٹھی خواتین کو دیکھا۔

"آپ سب بھولے کوئی اکاؤنٹ بھی رکھا ہے؟ آپ کو کتنی ہے؟"

"نہیں۔"

انہوں نے جیب سے کھلتا ہوا لفافہ نکالا۔ اس میں بہت سی رقم تھی۔ اس نے لفافہ کھول کر اپنے اندر کی جیب سے پانچ ہزار روپے کا نوٹ نکالا۔ جیب سے کھیچ اور پانچ پانچ کا نوٹ نکال کر گننے لگے۔ گاڑی کی رفتار میں [illegible] احتیاط کے ضمن میں پانچ ہزار استعمال کر رہے تھے۔ اس لیے وہ اسے اجنبی محسوس ہونے لگی۔ کسی کسی محسوس نہیں ہو رہے تھے انہوں نے کی غیریت تھی۔ اس نے جیب کی بیک سے پشت ٹکا لی آنکھیں موند لیں۔ اس کے رخساروں پر پھسلتے ہوئے آنسو اس کے فکر سے اجنبیت کے عجیب اندھیرے میں ڈوبتے محسوس کر سکتے تھے۔

تیمور علی خان تو کب کے اس بے حد بڑی حویلی بیچ چکے تھے مگر [illegible] صاحب کہیں گئے ہوئے تھے۔ وہ [illegible] خواب گاہوں والے حصے میں بھائی بھیر علی خان عالم تاب اور رحیمہ بیگم کے ہمراہ بیٹھے تھے۔ وہ چاروں نجمہ علی خان [illegible] تھے۔ [illegible] کر رہے تھے۔

"تمہیں تو اس معاملے میں پڑنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ کمال ہوئی ہے تمہارے ساتھ۔" [illegible] ہو ہی تھی کہہ رہے تھے۔

"ہم کسی ایک فرد کے لیے کچھ نہیں کر رہے تھے۔ وہ سارے سماج کی بھلائی کا سوال تھا۔" رحیمہ بیگم نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ "وہ بے وقوف لڑکی بہت کچھ کرنے کے روپ تھی۔ ہم نے تو بہت سے افراد اپنے ترقے سے لوگوں کو مدد دیا ہے۔ ان میں وہ بھی شامل ہیں جن سے قیامت تک کسی بھلائی کی نہیں امید نہیں۔

اور پھر اصولاً غیر فطری و غیر انسانی طریقہ حل مشکلات ہی پیدا کرتا ہے۔ مسائل حل نہیں کرتا۔ آدھ ہم اسے یہاں بھیج دیتے اور وہ دھرنے میں کہیں اور چلی جاتی تو اس قصہ کو بھلانے کی کچھ تو سبیل ہوتی۔ ہم جان بچے تھے کہ وہ اپنے لیے بہت مصیبت ہے اسے سمجھایا نہیں جا سکتا۔"

"بڑی حویلی میں صرف یاور علی خان نہیں رہتے۔ اور بہت سے لوگ بھی ہیں جن کی محنت سے بڑی حویلی کا نظام چلتا ہے۔ صدمہ کے جواب میں صدمہ یہ کوئی دانائی تو نہیں۔ تمہیں چاہیے تھا کہ تم [illegible] صاحب سے رابطہ کرتے۔ اپنے سرمیت مول لینے کی کیا ضرورت تھی۔" بھیر علی خان نے بھی اپنی دم پاخاسوئی توڑی۔

"بھیر ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" رحیمہ بیگم نے جلدی سے یوں کہا جیسے وہ بھی کہنا چاہ رہی تھیں۔

کرنے کے لئے ذاتی کوشش کرنے آ گئے ہیں۔ ہمیں اس کیلئے سے پہلے ان کے مسائل کو سمجھنا
ہوگا۔ ہم سب کچھ نہیں کر سکتے مگر اس کیلئے کوشش کرنے کے لئے اس کیس کو ایک
چیلنج سمجھنا ہوگا۔ ہم سب کچھ نہیں کر سکتے مگر اس کیلئے کوشش کرنے کے لئے اس کیس کو ایک
کے طور پر لیں۔"

"تم نے اس معاشرے میں پرورش پائی ہے جو اپنی ذمہ داریوں سے بھاگتا ہے۔ اور ہمارا کام
ذمہ داری کو اپنانا ہے۔" بڑے ابا نے ناراضگی سے کہا۔

"پہلے تو ہمیں یہ طے کرنا چاہیے کہ ہمارا مقصد کیا ہے۔ کیا ہمارا مقصد کسی کو قصوروار ثابت کرنا ہے یا اپنے
کے مطابق ایک کشتیوں میں سوار کر کے ان کو منزل تک پہنچانا ہے۔"

"مذہب لڑکیوں کے گھر سے فرار ہونے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔" عالم چچا جھنجھلا کر بولے۔

"وقار النساء بولی تھی۔ اور سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ ہمارے کہنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اس کی
زبردستی کی جا رہی ہے اسے روک دیا جائے اور ہم اس کی مدد کریں گے۔ ہمارا یہ خیال تھا کہ اس کے علاوہ سب
رہیں اور خاموشی کروا دیں۔"

"تو پھر تمہیں یہی کرنا چاہیے تھا۔" عالم چچا اب سے بات کرتے ہوئے بولے۔ "رضیہ بیگم نے تو اس کی بات نہیں
مگر ہم تصور کر سکتے ہیں کہ وہ شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی۔ اور ہم تمہیں اپنے علم کی بنا پر بتا دیں کہ
کہ وہ سلیم الدین کے ہاں شادی پر کیوں رضامند نہیں ہے۔ اور اصل وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل وہ
ہے۔"

"اپنے اندر سے کیا مطلب؟" بصیر علی خان نے چونک کر بھائی کی شکل دیکھی۔

"ہم وضاحت سے معذور ہیں مگر بات کا اشارہ کیا جا سکتا ہے۔" تیمور علی خان نے کہہ دیا۔

"اللہ سے ہمیں اس قسم کی آزمائش لڑکیوں کو نہیں دینی چاہئے۔" عالم چچا نے گہرے لہجے میں کہا تھا۔

"وہ کسی قسم کی مصیبت تو نہیں میں سلامت نہیں پائی گئی۔" تیمور علی خان نے بے ساختہ انداز میں وضاحت کی۔

"یہ کیا کم مصیبت ہے کہ وہ بلا اجازت حویلی سے نکل کھڑی ہوئی اور پھر پیچھے داخل ہوا۔" عالم چچا سراسر
میں گر گیا ہو گیا۔

"اسے بڑے ابا صاحب نے کام سے بھیجا تھا اسے واپسی کے وہاں موجود ہونے کا حکم نہیں تھا۔ یہ بات ہم وثوق سے کہہ سکتے
ہیں۔" تیمور علی خان مضبوط لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"وہ ہماری علی کی بیٹی ہے۔ اس کے معاملے میں تم نے عجلت کر کے بہت بڑا کیا۔ کاش یہ بات تمہاری سمجھ میں آ
سکتی۔" بڑے ابا تلخ انداز میں کہہ رہے تھے۔

"وہ ہماری بھی بیٹی ہے۔ ہم اس کے وجود کی حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ ہر بات سے اپنے حصے کی ذمہ
میں پیش کر رہے ہیں صرف اپنا پہلو سوچ رہے ہیں۔ یہ انتہائی غلط ہے۔ ہمیں اپنے فیصلوں کی ذمہ داری قبول کرنی ہے۔"

"یہ صرف ہماری فیصلہ نہیں تھا اس کی ماں بھی موجود ہے۔ ہر جگہ سے اپنے بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے کی ذمہ داری
تھی۔ بچوں کے چھین لیے جانے پر اس نے ساری دنیا سر پر اٹھا لی۔ اس نے کل ماں زندہ ہے اس حقیقت کو لیں اٹھا جانے
ہیں آپ لوگ۔" اور تلخ ہو کر گویا ہوئے۔

"ٹھیک۔ تو پھر نہیں چاہیے تھا کہ اسے سرائے میں رکنے دیتے۔ اسے واپس حویلی میں بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔" بڑے
ابا نے اپنا خیال پیش کیا۔

"مجھے ہمیشہ اس لڑکی کی سرکشی سے خوف آتا تھا۔ میں ابا صاحب سے کہا کرتی تھی کہ یہ اسے کہیں اور بھیج کر اپنے
ساتھ رکھا کریں۔ اپنی گرانی میں اس کی پرورش کریں مگر وہ ہمیشہ ٹال دیتے تھے۔"

عالم چچا نے اپنی مخروطی چھڑیوں کو ہاتھ سے اوپر اٹھا کر کرتے ہوئے ناگوار لہجے میں کہا۔

"بھائی بیگم! اس طرح کے کیسز میں تو بچے کا کمپلیکس کا شکار ہو جاتے ہیں۔" بصیر علی خان نے سمجھایا۔ "ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ انہیں یہ انتہائی قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔"

"جب وہ خود کو ہمیشہ کے لیے پس منظر میں لے جا چکی ہے تو اسے ایکسٹو ہونے کا کیا حق پہنچتا۔ بچے اس کے بغیر بھی بہت سے اہم مرحلوں سے گزرتے ہیں۔" بڑے ابا نے خاصے تلخ لہجے میں کہا۔

"اس نے بہت سے فیصلے دیوانہ وار کیے ہیں اور اپنے فیصلے ہمیشہ منوا چکے ہیں۔ گناہ گار رہے گناہ سب پیشہ میں آ جاتے ہیں۔" رضیہ بیگم کا لہجہ تلخ تھا۔ تیمور علی خان نے بہن کا چہرہ غور سے دیکھا۔

"اب ان باتوں کا مطلب لی بی جان؟ بیتے ہوئے لمحوں کی راکھ پر بیٹھ کر تعمیر نو کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ صرف ماتم نہیں۔"

"اور بھائی رات اسے ساتھ لے گئے ہیں۔ تعمیر نو کے سارے منصوبے خاک میں ملے سمجھو۔" بصیر علی خان نے اپنی دانست میں حقیقت کی جانب توجہ دلائی۔

"ہمارے لیے یہ اطمینان کافی ہے کہ وہ اپنی کی اولاد ہے۔ اتنی آسان نہیں ہوگی ان کے لیے۔ بھلی وقت ضائع کریں گے۔ ہم نے ایک نگاہ میں اسے تول لیا تھا اور وہ اپنی اولاد کو نہیں سمجھ سکتے۔" تیمور علی خان کے لہجے میں تلخی تھی اور استہزا بھی۔

"پتہ نہیں اسے ضد دینے والی بات بولی۔ ہاں کہو اس راستے تم نے بھی اپنی کبھی کی بھڑاس نکال لیے۔"

بصیر تیمور ایک نئی لڑکی کو اتنی اہمیت دینے پر بھائی پر برس پڑیں۔ تیمور علی خان نے ایک نگاہ بہن پر ضرور ڈالی مگر خاموش رہے۔

"بات کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ مقدمے بازی ہو گی ایک تماشا بنے گا۔ حاصل وصول۔" بڑے ابا کسی گہری سوچ سے باہر آئے۔

"پتہ نہیں ہماری سمجھ میں آج تک کیوں نہیں آئی کہ انہیں سمجھانا سب ہی مشکل کیوں سمجھتے ہیں۔ اور ہمیں سمجھانے کو سارا زمانہ آ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ یاد دلانے اور زیادتی کر گزریں کوئی انہیں کچھ نہ کہہ سکے۔ ہم نے یہ قدم اسی اسپرٹ کے تحت اٹھایا ہے

تیمور علی خان نے بڑی آہستہ سے جواب دیا۔

"تم نے بڑوں جیسے ایک بھی قدم اٹھایا تھا۔ اسی لئے تم نہیں آج بھی غلطی کرتے ہیں گے۔" رضیہ بیگم تلخی سے گویا ہوئیں۔

"امی جب تو اب دوسروں کو غلط ثابت کرنے کے خواہش مند نہیں ہیں۔ ظلم کمایا ہے تو ظلم کی بھوگائی ہے اس کا افسوس ہے بھلا ہے۔" تیمور علی خان کا سکون کمال تھا۔

"تمہارے پاس اپنے ذکر کیا کم تھے جو اب بھائی کے بچے بھی گلے پڑ گئے ہیں۔ میرے پاؤں جیسے بھائی میرے راج دلارے۔ میرے کلیجے کی ٹھنڈک۔ میری آنکھوں کے نور۔"

رضیہ بیگم بے تابی سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور تیمور علی خان کا سر اپنے سینے سے لگا کر ان کے سر پر بوسوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"تم سے کچھ بات کرتی ہوں تو احساس گناہ سے مر جاتی ہوں۔ غصہ تو اس بات پر آتا ہے کہ تمہیں اپنے آپ پر رحم کیوں نہیں آتا۔" وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔

"تم مجھ سے اتنے پھولے ہو کر تمہارا لڑکھڑا کے چلنا بھی یاد ہے۔ جب اپنے پاؤں ہو کر میرے سامنے آئے تو میں نے نظر بھر کر دیکھنا چھوڑ دیا۔ اور دعائیں مانگتی تھی کہ خدا تمہیں نظر بد سے بچائے۔ میرے تیرے جیسے بھائی کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ میرا بھائی قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا رہا۔ مگر۔" وہ بلک رہی تھیں۔

تیمور علی خان نے انہیں خود کو اپنے پہلو میں سنبھالا۔ اور جیب سے رومال نکال کر ان کے آنسو پونچھنے لگے۔

"پلیز۔ بی بی جان اب بھی ہماری اپنی ہے۔ خیر خواہی کے بھی جذبات اس کے لیے بھی ہونا چاہئیں۔"

"میری جان! دیکھو تو اس وقت تمہاری پڑی ہوئی ہے۔ تمہاری بات سوچ کے احساس سے میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔"

وہ تیمور علی خان کے شانے سے پیشانی ٹکا کر پھر رونے لگیں۔ سب دم بخود سے انداز میں دونوں بہن بھائی کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ ہماری فکر نہ کریں۔ ہم بہت خوش ہیں۔ مت پریشان ہوا کریں۔ آپ روتی ہیں تو ہم بہت گلٹی فیل کرتے ہیں۔ اب تو ہم بالکل سیٹ ہیں۔ ہمارا مقصد حیات ہمارے بچے ہیں۔ بابا خدا خان کا نصب العین اس کی اولاد ہی ہوتی ہے۔ باقی سب کچھ تو مٹی کیل کی طرح راہ میں آتا ہے۔ اویلی اب ہم سیٹ ہیں۔ بڑی بڑی لڑی یوز فل (سلیبل) ہو گئی ہے لائف۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہے تھے۔ وہ بہت کوشش کرتے تھے کہ ان کی گفتگو میں انگریزی شامل نہ ہو مگر ایک عرصہ یار غیر میں گزارنے — کی وجہ سے ان کا مخصوص انداز گفتگو پختہ ہو چکا تھا۔ وہ بہن کو بہت دلسوزی سے سمجھا رہے تھے۔

اسی دم ماہ بیگم اجازت لے کر اندر داخل ہوئی۔

"تیمور علی خان کو بابا صاحب بلا رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ بیرے انتظار کر رہے ہیں۔" ماہ بیگم نے مخصوص انداز میں

پیغام پہنچا کر معمول کی طرف پلٹ گئی۔

بڑے بابا اور بھیر علی خان بھی تیمور علی خان کے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

ماہ بیگم اور رضیہ بیگم بھی چلی گئیں۔ تیمور علی خان نے ایک نظر اپنے بڑے بھائی پر ڈالی۔ وہ سر جھکائے بیٹھے تھے۔ یہ بھائیوں کی جذباتی وابستگی تھی کہ وہ تیمور علی خان کو بابا صاحب کے سامنے اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔

جب بابا صاحب کی خواب گاہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے بچوں کے بچے سے بابا صاحب کی نظر دوڑائی تھی۔ بھیر علی کے پیرے سے واضح تھی۔ وہ شرمسار ہو کر اپنا سر سہلانے لگے تھے۔ بچوں کے سلام کا جواب بھی انہوں نے اشارے سے دیا تھا۔

"آؤ بیٹھو۔ بہت بے تابی سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔" ان کے لہجے میں کوئی خاص کیفیت نہیں تھی معمول کا انداز تھا۔

"اندازہ تو ہو گا تمہیں کہ کس لئے بلایا ہے؟" انہوں نے بڑی گہری نظر بیٹے پر ڈالی۔

"جی!" تیمور علی خان جی کہہ کر خاموش ہو گئے۔ وہ اور بھیر علی خان فاصلے پر بیٹھے جبکہ بڑے بھائی باپ کے پیر میں بیٹھ گئے تھے۔

"جو کچھ ہو چکا اس کی تفصیل دہرانا بے سود ہے۔ ہم کس صدمے سے گزر رہے ہیں۔ یہ تو ابھی ضروری نہیں۔ بات تو بس یہ ہے کہ اس مسئلے کا کیا حل نکالا جائے۔ تمہیں ٹرائبلز کنبے سے اگر مسئلہ حل ہو سکتا تو ہم اجتماعی کہہ لیتے۔ یہ کیا کہتا تیمور؟" وہ بڑے تسلسل سے بولتے بولتے یکدم خاموش ہو گئے۔

"مسئلہ یہی ہے بابا صاحب کہ حویلی میں مسئلے پیدا ہوتے ہیں مگر ان مسئلوں کا کوئی پریکٹیکل حل نکالا جاتا ہے۔ جذباتی مسئلے کے جواب میں نیا مسئلہ پیدا کر دیا جاتا ہے۔ روشانے کی شادی ہونا تھی اس کی ماں کی پسند سے ہو گئی ہیں۔" تیمور علی خان کا انداز قطعی دوٹوک اور پرسکون تھا۔

"اور حل نہیں۔ روشانے کا باپ زندہ ہے الحمدللہ اور موجود ہے۔" بابا صاحب کے لہجے میں ناراضگی تھی۔

"اگر اس نکاح میں پرابلم آف آنریسپکٹ یہ ہے کہ اس کی ماں نے اس کیس میں حصہ لیا اس کے باوجود کہ اس نے اپنی کی پرورش میں حصہ نہیں لیا تو یہ بالکل فضول ہے۔ اگر ماں نے اس کی پرورش میں حصہ نہیں لیا تو اس کے باپ — نے بھی اس کے گرون اپ ہونے تک لاتعلقی اختیار رکھی۔ اس کی پرورش بڑی بی بی جان نے کی ہے۔ اگر پرورش کرنے والے کی پرسپشن دسکس ہو رہی ہے اور صرف اس کا دل ہی اپورائٹ ہے تو پھر بڑی بی بی جان کے علاوہ اس کیس میں کسی کو حصہ نہیں لینا چاہیے۔"

"ہمارے موجود ہوتے ہوئے کوئی بھی اپورائٹ نہیں ہے۔ یہ ہمارے خاندان کا مسئلہ ہے جس کی ڈگ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ملیحہ الدین کے ہاں پرورش ہم نے دیے کیا تھا یا ہمارے مشورے تک نہیں مانا تھا۔ صرف اطلاع دی تھی۔ اور اس نے تسلیم کیا تھا۔ اس نے ہمیں ایک لمحے کے لیے بھی احساس نہیں دلایا تھا کہ وہ روشانے کے باپ کی حیثیت سے صرف فرض

فیصلہ کرنے کا مستحق سمجھتا ہے۔ اور وہ ہے ہم لے بیٹے کو قربان گاہ پر چڑھا کر خاندانی تھلڑ دیا اس لے آئی دست بھی ہیں ہم سے اس موضوع پر بات بیت کرتی۔ آج وہ خود مکمل بیدار ہوکر فیصلے کر رہی ہے جیسے سب مر چکے ہوں۔ ہم کا کوئی بڑا سر پرست ہو۔"

بابا صاحب کے انداز سے غیض و غضب جھلکتا تھا۔

"یہ فیصلہ کن پوزیشن شاید ہم نے انھیں دی ہے ان کا کوئی قصور نہیں۔ وہ تو ایک بیل کے کھولنے جیسی پوزیشن کے سوا ہمارے حوالے کی گئی نہیں۔ ہم چاہتے تو تو ذکر کھو دیتے۔ انھوں و بھروسی کے سارے رشتے ڈسکلیک ہو چکے تھے ان سے۔ مگر بیس سال کی طویل رفاقت کوئی معنی رکھتی ہے۔ انھوں نے تو بھی بھر کے ہم سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ ان کی ہم سے کبھی کوئی ایسا شکایت نہیں رہی۔ مگر ہم جانتے ہیں وہ ان دونوں بچوں کے لیے کتنا روتی ہیں جنھیں بعض انتقاماً ان سے دور کیا گیا۔ انھوں نے پچھلی بار ہم سے کچھ مانگا وہ بھی اپنی ذات کے لیے نہیں اپنی بیٹی کے لیے۔ جو ماں خود ظلم کا شکار ہوئی ہو وہ اپنی اولاد کے ساتھ زیادتی کے احساس ہی سے پاگل ہو جاتی ہے۔"

"مگر تم نے ہم سے تو کچھ کہا ہوتا۔" بابا صاحب نے بات کاٹ دی۔

"اگر کوئی ایسا امکان نظر آتا تو ہم پہلی فرصت میں آپ سے بات کرتے۔ بابا صاحب! بابر جی۔ عبدالعلی مہندی کی اولاد ہے۔ ہمارے دوست کا بیٹا۔ اور دوسرے بھائی کا تو یہ حال ہے کہ سرائے سے گزر کر آنے والی ہوا میں سانس لینا بھی پسند نہ کریں۔" تیمور علی خان کا لہجہ تلخ ہونے لگا۔

"یہ غلط ہے۔ یہ دنیاداری کے لیے بہت نرم گوشہ رکھتے تھے۔" بابا صاحب نے اختلاف کیا۔

"مگر کسی معتبر انسانی رشتے کے حوالے سے نہیں ایک غلام کی اندھی تابعداری اور ایک شخصی کمزوری کے سبب سے۔" تیمور علی خان نے غرا کر کہا۔

"اتنے پڑھے لکھے روشن دماغ غلام بھلا کہیں ملتے ہیں۔" تیمور علی خان نے بھی بہت غلط سی ناراضگی کا اظہار کیا۔

"یہ تو تم ہمیں اکرام دے رہے ہو۔ ہم نے اس سے بہت محبت کی ہے۔ اسے اپنے ساتھ بٹھایا ہے۔ کھانا کھلایا ہے۔ وہ کہیں سے واپس آیا تو پوچھا نہیں پوچھا کہ کہاں سے آیا ہے۔" بابا صاحب کے غصے نے ڈکھ کی جگہ لے لی۔

"جب وہ اتنا معتبر اور معتمد ہے تو پھر جھگڑا کیا تھا؟" تیمور علی خان نے فوراً کہا۔

"جھگڑا یہ ہے کہ خاندانی لوگوں کے ہاں انتقام جیادہ اس طرح نہیں ہوتے۔"

بابا صاحب نے تائید طلب نظروں سے بڑے بیٹے کی سمت دیکھا۔ جن کی غیر جانبداری مسلم تھی۔

مگر خاندانی لوگوں کے ہاں بغاوت اس طرح کی ہوتی ہے کہ ہماری اور دوستانے کی تہی کی ہے تو پینٹ فاڑ سوٹ کرتی ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سی عجیب و غریب باتیں بھی سامنے آ سکتی ہیں۔" تیمور علی خان کی حاضر دماغی عروج پر تھی۔

"تیمور! تمھیں احساس ہے کہ ہم کس تعلیم کو مکے دے رہے ہیں۔؟" بابا صاحب کی آواز سے خفگی ابل پڑنے لگی۔

"تم نے تو ہمارا چال چلن ہماری آن بان کا اعتماد ہی کر دیا۔" اسی جملوں کے جواب میں یہ جی بڑا تھا دادا! آپ کو ہم بھی سمجھتے

ہیں۔ بہ سکتے ہیں۔ اللہ تم سے کچھ بھی سمجھ لیں۔"

"بابا صاحب! مصلحت کے ساتھ سب چلتا ہے اصول ہو جاتی ہے اصول ہو جاتی ہے۔ ایسے اس معاشرے کے شدو ڈکھوں سے آزاد کی یہاں تک آ چکی ہے۔ اسے اپنی اولاد کے لیے ایسا ماحول اور تعلیم اچھا نہیں لگتا۔ اسے لے جانا کون سی اصول پرستی ہے۔ اصل سے اصول چھپ ہوتے ہیں۔ اصل کے سبھی حقیقت سامنے لے آتے ہیں۔ بعض اپنے اندیشوں کے سبب حقیقت کو مسخ کرتے اور اس طرح کے لیے کن ہوتے ہیں۔ بابا صاحب! حقیقت کا کون سا رخ ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی بھی قسم کے تعصب سے ہو جانے والے کسی بھی ہیجان کی جائے۔"

بصیر علی خان نے بات کی بات اصیل کرتے ہوئے بابا کو خاموش کرا دیا۔

بابا صاحب نے چونک کر بصیر علی خان کی سمت دیکھا۔

"یار بھائی نے تو کیا اس کا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔ ایک بہت اچھی کوالٹی۔ شاید یہ شعور ہو کہ ان سے ہوگی کہ انہوں نے اپنی ذات کا بزنس کرنا ہی مگر آپ کی وجہ سے وہ ہوا کہ جہاں سے وہ گئے۔ ایسی بکواس ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ موجود ہیں۔ ان کے کان اپنی اولاد کے سماعت کی طرف لگے ہیں۔ ایک جذباتی انسان اس ردعمل نہیں ہو سکتا۔ حد درجہ ڈکھ اٹھانے والی خاتون ان سے کوئی اچھی توقع نہیں کر سکتی تھی۔ ان کے فیصلے کو بھی ان کے تناظر میں دیکھا جائے۔"

بصیر علی خان نے کسی تجربے ہوئے وکیل کی طرح تیمور کے حق میں دلیل دی۔

تیمور علی خان بھی جیسے یکسر احساس تنہائی سے باہر نکل آئے۔

"وہ اپنی بیٹی کو لے کر جا چکا ہے۔"

بڑے بابا نے گویا اطلاع دی اور یوں ظاہر کیا جیسے وہ سب لاحاصل بحث کر رہے ہوں۔

"سوری بابا۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ وہ کیس ہے جس میں ان کی بیت بھی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔" تیمور علی خان نے اطمینان سے کہا۔

مگر ایک لاحاصل بحث تھی تو شروع ہو گئی۔ بڑے بابا مزید گویا ہوئے۔

"وہ نہیں مانے گا تیمور!" بابا صاحب بھی تھکے تھکے انداز میں گویا ہوئے۔

"اب ان کے نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگر وہ کورٹ میں جا سکتے ہیں تو ہم بھی اور یہ کیس آئی جی سے بات کر سکتے ہیں۔"

تیمور علی خان کا انداز بھی دبنگ تھا۔

"کچھ خوف خدا کرو۔ اپنے باپ کی عزت کا احساس کرو۔"

بابا صاحب آزردگی سے کہہ رہے تھے۔ جوان اور فیصلہ کن اولاد کے سامنے ایک باپ کا آخری اختیار بھی ختم ہو رہا تھا۔

"آپ ابھی سے پریشان نہیں ہیں۔ فیصلہ کن پوزیشن میں ہیں۔ آپ انہیں کہیے کہ وہ رحم کی تجارتی کریں بلکہ انہیں آزاد کر دیں۔" تیمور علی خان نے بات مکمل۔

"کاش یہ اتنا آسان ہوتا۔ وہ ہمیشہ کے لیے جیل تو بھوگ سکتا ہے مگر۔" وہ کہتے کہتے خاموش ہو گئے۔

"تم بھوگ کیوں نہیں دیتے۔ جذباتی وابستگی کی حس تم میں بھی نہیں ہے ان میں کچھ فرق نہیں پڑے گا ان پر۔" تیمور علی خان کے لہجے میں تلخی در آئی تھی۔

"یہ تم کہہ سکتے ہو۔ بابا خود اولاد ہے ہماری۔ اس نے تو خود کو تنہا کر لیا ہے۔" بابا صاحب دکھ سے کہہ رہے تھے۔

"وہ صرف بیکار سوچتے ہیں۔ گنجائش نہیں چھوڑتے۔ ایک کم عمر اور کچی لڑکی کو بھی وہ استعمال کر گئے۔ حد ہوتی ہے سنگدلی کی۔ ایک کو تاوان چھڑانے کے لیے دوسرے کو استعمال کرتے ہیں۔ قدرت نے رہائی کی صورت میں انہیں بہت بڑا موقع دیا ہے۔ اس کا رزلٹ ہم بھی ریلیکس فیل کر رہے ہیں۔ آخر ہم بھی انسان ہی ہیں۔"

تیمور علی خان بہت سلگی سی کہہ رہے تھے۔

"تو کیا تم نے اس کی بیٹی کو استعمال نہیں کیا۔ بھیجا تو پھر یہی کہتا ہے۔"

بابا صاحب نے مظلوم نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔

"نجمہ دل ایسا ہوا ہے اور ہم حیران ہو گئے ہیں۔ مایہن سے فقط ہمیں ہمدردی ہے اور آپ سے گلہ ہے۔ یہ عزت ہو آپ رہائی کے لیے کر رہے ہیں۔ مایہن کے لیے کرنا چاہیے تھی۔" تیمور علی خان خاکی نکرا گئے۔

"ہم تو اس کی بگڑی ہوئی زندگی پر افسردہ تھے۔ سوچا تھا وہ زندگی میں حصہ لینا چاہتا ہے تو ہم دیوار کیوں بنیں۔ پھر اس میں مایہن کی اپنی خواہش کا سب سے اہم دخل ہے۔"

بابا صاحب تو جیسے آج بیٹوں کے سامنے نہیں خود اپنے ضمیر کی عدالت میں جواب دے رہے تھے۔ جانے کہاں جا سوئے تھا ان کا مخلص۔

"بہر حال آپ انہیں قائل کیجیے کہ اپنے اسٹیٹس کا خیال کیجیے اور کورٹ میں جانے کا خیال چھوڑ دیجیے۔ ہم تم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ رہائی ان کے خلاف ہی جائے گی۔ وہ پھر پہلی پوزیشن میں آ جائیں گے۔ خواہ وہ کتنا ہی پریشر ڈال کر کے رہائی کو کورٹ میں لے جائیں۔"

"ہمیں اندازہ ہے۔ مگر وہ رہائی کو رخصت نہیں کرے گا۔ یہ بھی طے ہے۔"

"وہ ہم کر لیں گے۔" تیمور علی خان نے بیچارگی سے کہا تھا۔

"ابھی بات کھلی نہیں ہے۔ اندر ہی یہ قصہ ختم ہو سکتا ہے۔ تم اپنی جان کو مشکل میں کیوں ڈالتے ہو۔" بابا صاحب نے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ قصہ ختم نہیں کرنا چاہتے۔ کچھ لوگوں کی پوری زندگی کی خوشیاں اس قصے پر ڈیپنڈ کر رہی ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجیے۔ کہ آپ اب کچھ نہیں کر سکتے۔ اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں۔"

"اچھے بننے کی کوئی حد نہیں ہوتی ہے۔" تیمور علی خان کہہ رہے تھے۔ "ایک طرف تو آپ نے اس کی ساری جائیداد بچا لی ہے۔ دوسرے شخص کی زندگی میں آگ لگ رہی ہے۔ اس نے تاوان کی رقم سے بھی پہلے ہی ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ اب ہمیں اجازت دیجیے۔"

تیمور علی خان بھتی اندر میں اپنی بات کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اگر یہ کوئی گزبڑ ہوئی تو ہم مرتے دم تک فرداں کی صورت نہیں دیکھیں گے۔"

بابا صاحب نے حملہ اٹھا کر سر جھکا دیا۔ وہ تب اٹھنے کا ارادہ کر رہے تھے۔

تیمور علی خان ایک بار پھر کہہ کر رہے تھے۔ پھر بھی اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

"اگر ایسا کوئی گزبڑ ہوئی تو ہم مرتے دم تک فرداں کی صورت نہیں دیکھیں گے۔" وہ دروازے پر رکے تھے۔ پھر بھی کہہ رہے تھے۔

تیمور علی خان کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ بابا صاحب بھی بے ساختہ سے ہو کر ان کی صورت دیکھنے لگے۔

"ہمیں خوشی ہے کہ تمہارا سینہ انتقام سے فارغ اور دل انتقام سے آزاد ہے۔ بابا تم خود بھی کسی ہوائی کے لیے بھی نہ رہنا۔ تم معلوم آدمی ہو۔" بابا صاحب کہہ رہے تھے۔

"ہم انسان ہیں بابا صاحب۔ خدا نہیں ہے۔ ہم سے اتنی زیادتی دیکھ کر بھی ہم انسان ہی رہے ہیں۔"

"خدا حافظ۔" انہوں نے جانے کے لیے کہا۔

"دوپہر کا کھانا کھا کر چلے جائیے۔" بھتیجی علی خان نے کہا۔

"بہت ضروری کام ہے۔ ہمیں ابھی تک ٹرشوہ پہنچنا تھا۔ اچھے خاصے لیٹ ہو گئے ہیں۔"

وہ بہت تیزی سے باہر نکل گئے تھے۔

مایہن کی ملائمت پشاور کے لیے شام کی تھی۔ وہ گاڑی خود ڈرائیو کر کے وہاں کے لیے روانہ ہو رہی تھی۔ راستے گاڑی چلاتے کیا کر بہت خوش ہو رہی تھی۔ اور بہت حیرت سے اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ سوچ بھی رہی تھی۔

"جب میں نے گاڑی چلاتی ہوئی عورتوں کو دیکھتی تھی تو مجھے بہت اچھی بھی لگتی تھیں اور عجیب بھی۔ مجھے لگتا تھا ایک ان میں بھی ایک خوبصورت کار میں بیٹھوں گی جیسے ایک عورت چلا رہی ہو گی۔ میں سوچتی تھی کار چلانے والی عورت بہت مضبوط ہوتی ہو گی۔ مگر آپ تو اتنی نازک سی ہیں اور بالکل بھی مضبوط نہیں ہیں اور پھر خوبصورت بھی تو ہیں۔"

"اچھا!" مایہن سے ساختہ ہنس پڑی۔ "یعنی حد ہو گئی۔ مجھے تم تنہا دیکھ کر کہ میں خوبصورت ہوں۔ ہمارے ہاں کے آدمی تو بڑی بھی مجھے احساس نہیں دلایا کہ میں خوبصورت ہوں۔ اور جب تک اپنے میاں سے نہ سنے کسی خوبصورت کا یقین نہیں آتا کہ ہم خوبصورت ہیں۔"

اندر اداسی اندر اداسی کہہ رہی تھی۔

"عمر اسماں تو میری تعریف میں زمین آسمان ایک کر رہا تھا۔ وہ میری تعریف کر رہا تھا تو مجھے سامنے عمر کو سمجھانا تھا کہ میں کہاں کی خوبصورت ہوں۔" ہالہ نے شوخ کر کہا۔ "بہت فلمیں دیکھتی ہو تم مجھے۔"

"سے تو لگی ہو گی۔" ماہین مسکرا دی۔

"بے کار۔ سب وہم کرنے کے پیسے لیتے ہیں۔" ہالہ کا بلڈ پریشر نارمل ہو گیا۔

ماہین بھی خاموش ہی ہو گئی۔ کوئی مناسب الفاظ سے گفتگو کا آغاز کرنے کا سوچ رہی تھی۔ ہالہ نے ایک سطرانہ نظر سے اس لیے کو دیکھا۔ ایک کشادہ سی سڑک کے سامنے بنے بار کمپلیکس کے سامنے رکوا دی۔

ماہین کو حیرت سی ہوئی کہ یہ تو تارکی بھی کہ بہت مخلوک الحال قسم کے حوالوں کی بنی ہے۔ یہ تو ٹھیک طاہر کہ قسم کا علاقہ ہے۔ بہر حال وہ کچھ بولی نہیں اور دھیان بند کر کے نیچے اترنے لگی۔ ہالہ نے بھی پیروی کی۔ اس نے بھی تقلید میں قدم بڑھا دیے۔

اس نے گرا کا شلوار پر پہنے والی طرف کے ایار لفٹ کی طرف رخ کیا۔ مگر وہ اندر نہ گیا۔ وہ نیچے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے اندر جھانکا۔ ماہین تیزی سے آگے آیا تھا اس سے زیادہ تیزی سے پیچھے ہٹا تھا۔ ماہین کا سلیٹی رنگ کا چہرہ سب دیکھ رہی تھی۔

"السلام علیکم۔ آپ کی حویلی سے مہمان ساتھ لائی ہوں۔ اتنی حیرت سے کیا دیکھ رہے ہیں۔ اندر آنے کو کہیے۔" یہ کے انداز میں بلا کا اعتماد تھا۔

عارف کچھ جیسے سن کر سکتہ ہی ہو گیا۔ ماہین بھی ٹکٹکی لگا کر ہالہ کی ہمت دیکھ رہی تھی۔

"یہ عارف ہیں ماہین بابل۔" ہالہ نے بتایا۔

ماہین کو ذرا حیرت چونک پڑی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہالہ اسے عارف سے ملوائے گی۔ سٹپٹا سی گئی۔

اس کی آواز پر عارف جیسے کسی دھیان سے چونکا۔

"آپ۔ ماہین۔ آپ تشریف لائیے۔" اس نے جلدی سے ایک طرف ہو کر راستہ دیا۔ ماہین جیسے ہالہ کو ستا آگے بڑھی۔ ہالہ شوخ بہت ایکسٹو نظر آ رہی تھی۔

"یہ ماہین بابل ہیں۔ یادِ خاناں کی بیگم۔" ہالہ نے اندر داخل ہو کر باضابطہ تعارف کروایا۔

"ان کی بیگم کا ہوتو۔" عارف کچھ بولتے بولتے رک گیا۔

"لفیف ہے۔ لفیف ہے۔ میں ان کی دوسری بیگم ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" ماہین نے جلدی سے ہالہ کو آگے بولنے سے روکا۔

عارف نے ایک "مل گیا" والی نظر ہالہ پر ڈالی۔

وہ کرسیاں اس کی سمت کھسکاتے ہوئے بتا رہا تھا۔ ماہین نے نظر اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھا۔ پھر ہالہ کو دیکھا۔ وہ نظریں جھکائے سوچ رہی۔

"یہاں کیوں آئی ہو مجھے لے کر۔" اس نے بیٹھتے ہوئے سرگوشی میں ہالہ سے استفسار کیا۔

"ان سے ملانے۔" اس نے جواب دیا۔

"مگر میں نے تو تم سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی تھی۔" وہ واقعی حیرت سے گویا ہوئی۔

"میں نے سوچا آپ نہیں، کچھ کہیں۔ لہٰذا آپ کو کہنا نہیں پڑے گا۔"

ہالہ ایک خفیف سی مسکراہٹ سے بتا رہی تھی۔ ماہین بھی بہت آہستگی سے ہنس دی تھی۔

"وہ تو اب اپنا بھی نہیں ہے۔ تمہارا کیا خاک ہو گا۔ ہاں سنو۔" ماہین نے ہالہ سے کہا۔ "کیوں لائی ہو مجھے ان کے پاس۔ تمہاری عقل میں ابھی تک میری بات نہیں آئی۔"

"میں بے لحاظ ہو گئی ہوں بابل اپنے لحاظ دار ہیں۔ میری ماں میرا بھیجا حرام کر دے گی۔ میں یہی سوچ کر آپ کے ساتھ کر لائی تھی۔ آپ کو میری ماں کا پتا نہیں۔"

"مائیں سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ صرف اپنی اولاد پر ہی حکمرانی ہوتی ہے ان کی۔ جو چاہتی ہیں کہہ لیتی ہیں کر لیتی ہیں۔ کوئی بھی محبت میں سنجیدہ نہیں ہوتی ہے۔ خاندان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں خود بھی تمہاری خیر خیر لیتی رہوں گی۔"

"آپ اس سے بات تو کر کے دیکھیں۔" ہالہ نے ہچکچاتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"تیرہ جانے اس سے کتنی بار میں ملاقاتیں ہوئی ہیں مگر تو ابھی بھی نہیں سمجھی۔ اور میں ایک مقررہ سے جان گئی ہوں۔ تو کا اہل ہو رہا ہے۔ جس کا دل برباد ہوا ہے گھر آباد کرنے سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ جس کا یہ حال ہے اسے تو دیکھ آتی ہے۔ ہو گیا ہو جانے کیسے بچے گئے۔ کیا خبر شے میں رنگ بھرنے کے لیے قدرت نے اس کا وجود ایسے ہی خراب لکھا ہے۔ مجھے ہے ہالہ بابل اٹھا اپنے گھر لے چل۔ مجھے تیرے ہی پورے پہنچا ہے۔"

"بابل ایک دفعہ کی کوشش میں کیا حرج ہے۔" ہالہ کے لہجے سے ہمت ٹپکنے لگی۔

"تجھ صابر ٹھیک کہہ رہی ہیں بھائی!" عارف دروازہ بند کر کے ہاتھ میں قدم سے اندر داخل ہوا۔

ہالہ نے اس کے منہ سے بھائی سن کر وہ اپنائیت محسوس کی جس کی تشنگی وہ عاطفہ میں کبھی نہیں کر سکی تھی۔ تبھی اس نے ان کی باتیں سنی تھیں۔

"ابھی تو مرحلہ میں ازدواجی زندگی ابھی تو حالت بدستور ہے۔ ابھی تو ہم اپنے کاش بھی نہیں۔

شکست خواب گزشتہ پر نوحہ خواں ہوئی

پھر اس کے بعد کی مکمل حیرت خواب

بس ایک خواب مسلسل میں رہ کر اندھی کہہ رہی ہے اب تو۔ ایک دن تھی کبھی کبھی وہ حقیقت حال میں تھیسٹ لائی تھی۔ وہ بھی اپنی حیثیت میں واپس ہوئی۔

بالو نے چونک کر اس کی صورت دیکھی وہ اسے بوجھل شمار رہا تھا۔

مایین اس کی پہلی ازدواجی حماقت پر ہی بھر کر سر پیٹ لیتا چاہتی تھی۔

"کس قدر خوار کرتی ہیں خود کو یہ بھی بیوقوف لڑکیاں۔ کہاں وہ ایک گاؤ دی ایون کامن قسم انسان۔ کہاں یہ عجیب گھر میں اس کی سیدھی بات بھی مشکل سے آئے۔

اپنی ذات پر حکومت کرنے والا سودا۔ نقصوں سے مادرا۔

کہاں یہ۔ جسے آسائش بھی چاہیے اور خوش شکل دکھاوا بھی کرنے والا جیون ساتھی بھی۔ اور یہ دونوں حاتموں میں کھل ماس کرنے والا۔

اس نے جلدی جلدی وہ تین گھونٹ بھرے اور پیالی پر کو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو بابو جلدی کرو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اس کا اتنا بے ساختہ اور قطعی انداز رفا ۔۔۔ کہ بالو ہڑبڑا کر کھڑی ہو گیا۔

"بہت اچھا ہوا۔ آپ انہیں مل گئیں۔ وہ کو بہت چاہ گیا ہے۔ مگر میں اسے سمجھا سکتا ہوں۔ آپ انہیں سمجھا لیجیے ابھی کوئی کھائی پڑ جائی نہیں ہوئی ہے۔ میں کیونکہ یہ دیوان نہیں ہوں اس لیے میری آواز میں طاقت ہے۔ میں اسے گریبان سے پکڑ کر بھی لا سکتا ہوں۔"

"کیا صورت بہت زیادہ اچھی ہو تب ہی کسی کی محبت جیتی ہے؟" بالو کھسیاں ہوئی آواز میں کہتے ہوئے جلد بلک کر رہی تھی۔

"یہی سوال لال خان آپ سے کرے تو آپ کیا جواب دیں گی بھابی؟"

عارف نے سوال کیا مگر اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ مایین نے تھکی نظریں سے عارف کو دیکھا۔ کیا یہ جھکی تھی۔

"یہ جو ہم کسی پر ایک بار مرمٹ جانے والے لوگ ہوتے ہیں ناں بھابی اہمیت پارسا ہوتے ہیں۔ بہت سطحی مادہ ہے ہمیں عشق۔ اپنی وفاداری پر خود کو شاباش دیتے رہتے ہیں۔ اس کا اپنا نشہ ہے۔ اور لوگوں کو اس گھر میں وحشت ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ کوئی ہم سے پوچھے کیا روٹین کی راحتی ہے ادھر۔

کبھی وہ لال کپڑوں میں اس کرسی پر ہوتی ہے۔

کبھی گہرے ہرے لباس میں ادھر ادھر پائی جاتی ہے۔

میں سو جاتا ہوں اور وہ میرے گھر میں گھومتی ہے۔ میں آنکھیں موندے اس کی چوڑیوں کی مدھم جھنکار سنتا رہتا ہوں۔

صبح آنکھ کھلتی ہے تو وہ باہروں کو پانی دیتے ہوئے بہت خوبصورت گیت گنگنا رہی ہوتی ہے۔

کبھی کبھی وہ روتی بھی بہت ہے۔ آدھی رات کو ایک دم میرے چہرے پر اس کے آنسو گرتے ہیں۔ میری آنکھیں اسے محسوس کر لیتی ہیں۔

ایک رات وہ بہت بلک بلک کر رو رہی تھی۔ میں اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا۔ اس کے سر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ میرے ساتھ لگ کر سو گئی۔ میرا سارا سینہ اس کے آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ اور پھر میں گھنٹوں یہ سوچتا رہا کہ کہیں یہ کوئی خواب تو نہیں۔

مجھے یقین ہو گیا کبھی ایسا نہیں ہو گا کہ وہ مجھ سے ناراض ہو۔"

مایین کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو رواں ہو گئے۔ اس نے جلدی سے پیالی رکھ کر آنکھیں رگڑ لیں۔

"آ ہا ہا" اس نے قہقہہ لگا کر بالو کو حیران کیا۔ وہ کتنی بچوں جیسی ہے یہ عارف نے پوچھا۔

"خدا حافظ عارف!" مایین نے بھی کسی خواب کی کیفیت میں اٹھ کھڑے ہوتے کہا تھا۔

"بڑے خاص لوگ ہوتے ہیں۔ ان کی ذات سے خوشبو آتی ہے۔ ملاقات نہیں کی جاتی۔ اس پر اثر ہوتا ہے۔ اور پھر اپنے اصل کی جانب بہت خاص ہو کر بہت گہرا کر پہنچتا ہے۔ ان لوگوں کو ہم لوگ بہت کم ملتے ہیں۔"

"یہ کوئی بزرگ تو نہیں ہے۔" بالو نے گم صم کیفیت سے باہر آ کر قدرے گلے سے کہا۔

"سلی ہوئی زرخیز ہے۔ تو یہ کہ تو نیچے ملنے کی رسم ہے۔ یہ اسے تیسری منزل کی طرف نہیں ہوتا۔ بلکہ تو سمجھے اپنے گھر کا پتا۔"

"لے بیٹھ۔ بابا اگر۔ میری بچیوں کا سر سہرا ہے کی ماں۔" بالو دل گرفتہ انداز میں گویا ہوئی۔

"کچھ نہیں کہے گی۔ میں بر ساتھ جا رہی ہوں۔ وہ تو اتنی پریشان ہو گئی کہ جانے کتنی عمریں بیت گئی ہیں۔ بچی ہوئی ہیں۔ ماں کی سمجھ اس وقت اچھی طرح آتی ہے جب عورت خود ماں بن جاتی ہے۔ سارے خوف دل پھپک "گئے" ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں خان نے تجھے تین طلاقیں دی تھیں یا کاغذ پر کچھ لکھ کر دیا تھا؟"

مایین خاصی تیز ڈرائیو کر رہی تھی۔

"اس کا اب کیا ذکر؟" بالو نے گویا ہی سے بولی۔

"ہاں کا تو ذکر رہ گیا ہے اب تیری زندگی میں۔ سامنے کے پیچھے دیکھنا ہی ہوتا ہے۔

جب کسی کے دل میں صفریہ جیسی عورت بس جاتی ہے پھر اس دل میں کوئی اور نہیں رہتا۔ وہ تو ہم ان بوریے اس کے ساتھ کی مدد ہے۔ شاں کا گھر خالی ہے نہ دل۔

تیرے ساتھ حادثہ ہوا ہے۔ تیرے دل پر اب ایک بوجھ رہے گا۔ پھر تو جاگ جائے گی۔

اگر یہ بوجھ بھی تجھے نہ جگا سکا تو تیرا دل وہ نہیں جو محبت کے لیے خاص ہوتا ہے اور جب دل خاص نہیں تو "وہ رات" بھی خاص نہیں۔

پھر وقت اور حالات تجھے خود کو سب کچھ بھلانے پر مجبور کریں گے۔ صفریہ کا عارف بھی تجھے یاد نہیں رہے گا۔ وہ اصل بچھو ہوں ہے کہ جبلت لال خان سے۔ بیزار تھی۔ بس اس کا ردعمل ہوا ہے۔ قریب ترین عارف کی شکل۔"

مایین خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

"کیا؟" بالو ٹھیک سے سن نہیں پائی۔

"کچھ نہیں۔ اب کس طرف جانا ہے اور گلی کا نام تو آتا ہے۔" ماہین نے سر جھکا کر جیسے خیالات کی یلغار سے خود کو چھڑاتے ہوئے پوچھا۔

"میں مارکیٹ کی طرف۔ چاند بابو کے ہوٹل کے پیچھے۔" بالو جیسا سمجھانے لگی مگر اس کا انداز بہت دلگرفتہ سا تھا۔

ماہین کی گاڑی گلی میں داخل ہوئی تو کھیل کود میں مگن دو تین لڑکوں نے گاڑی کو گھیر لیا۔ انہی میں بالو کا بھائی بھی تھا۔ بالو کو گاڑی میں دیکھ کر اس کو خبر دینے وہ دوڑا تھا۔

ماہین نے گاڑی روک کر کے ہارن کے "اہتاج" پر ایک تشویش بھری نظر دوڑائی۔

"یہ گاڑی کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچائیں گے۔" اس نے فکرمندی سے بالو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا سر ہلا دیا۔

"نہیں بی بی! گاڑی اچھی ہے اس لیے شوق سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں میں اپنے بھائی سے کہہ دوں گی کہ گاڑی کا دھیان رکھے۔"

بالو بہت معصوم نظر آنے لگی تھی۔ ہنسی ہنسی اور شگفتہ خو سی۔

وہ ماہین سے آگے چلتے ہوئے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ گئی تھی۔ بدرنگ لوہے کے دروازے پر اس نے انگلیاں ہوئے ہاتھ رکھا تھا اور ہاتھ ہلاتے ہوئے پلٹ کر ماہین کی سمت دیکھا تھا۔

وہ دونوں آگے پیچھے اندر داخل ہو گئیں۔ ماں کو اطلاع مل گئی تھی وہ حیرت سے گم بالو کے بجائے ماہین کی سمت متوجہ ہوئی تھی کی کیفیت میں۔ ایسے سناٹے میں گھر گئی تھی جو گرم ہوا کے بعد پہلی بوند پڑنے سے پہلے ہوتا ہے۔

اس کا باپ نظر نہیں آیا دوسرے بہن بھائی ماں کے ادوگرد اس طرح کھڑے ہو کر دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے بلی کی آواز سن کر بچے دودھ کی مرغی کے پاس دوڑتے ہوئے پہنچتے ہیں۔

"السلام علیکم بہنا۔" بالو کی آواز نہایت پست تھی۔

بالو کی ماں آہستہ آہستہ گہری نیند سے جاگ گئی۔ اس نے شاید بالو کا سلام سنا نہیں تھا۔ مگر خود اس نے ماہین کو حیرت بھرا کی کوشش کرتے ہوئے سلام کیا۔

"کہاں سے لائی ہیں آپ اس منحوس کو؟"

وہ ایک کونے سے موڑھا اٹھا کر ماہین کی طرف بڑھی۔ تمام حیات کے بیدار ہوتے ہی منفی مثبت بھی اجاگر ہونے لگی۔

"ایسے نہ کہیں۔ بگڑی بات کو بنانے ہی سے زندگی میں سہولت آتی ہے۔ آگ پر آگ ڈالنے سے تو آگ ہی تیز ہوتی ہے۔ ہو جاتی ہے انسان سے غلطی۔ آپ اس کی ماں ہیں۔"

"نہیں ہوں میں اس کرموں جلی کی ماں۔ ایسے گھر میں بیاہ کر گئی تھی کہ سارے محلے میں ہماری عزت ہن گئی تھی۔ بدنصیب۔"

بالو کی ماں کی آواز بلند ہونے لگی۔

ماہین موڑھے پر بیٹھنے کے بجائے اس کی ماں کی طرف لڑھک گئی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"پھر سے پاس آ گئی تھی۔ اور اکیلی نہیں تھی۔ اگر اب آپ نے بھی کی تو اس کے لیے [illegible] لیے اب پھر سے پاس بھی نہیں آنے دیتی۔ اب پاس حال میں ہے تو سوچیے آپ نے کیا اس کو اپنایا نہیں تو کیا ہے یا آپ لوگ ذمہ داریوں کو سنبھال کر دیتے ہیں۔ یہ تو آپ کا اپنا خون ہے۔ آپ اس سے [illegible] ہاں کو بھیج دیتا ہے۔ مارٹ خود اسے سمجھائے گا۔ یہ تو دل خان ہوتا ہے اور کوئی بار مارٹ [illegible] ہاں بھجوا دے گا۔ مگر اس وقت آپ اس کا خیال کیجیے۔ جا بے شوہر کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔"

"بیگم صاحبہ!" بالو کی ماں نے کچھ بولنے کی کوشش کی۔

"میں خود بھی مارٹ سے ملوں گی۔ وقت نکال کر۔ اور یہاں بھی آؤں گی۔ اس کا حال معلوم کرنے۔"

"اس سے غلطی ہوئی۔ آپ کو بھی پتا ہے۔ مجھے بھی پتا ہے۔ میں بار بھی اس کا بھلا چاہتی ہوں۔ کیا آپ نہیں چاہتیں۔ کی ہے آپ کی۔ یہ اچھا ہے بھروسہ نہیں دلاتی ہیں۔"

ماہین نے الماس سے اپنے گھر ایک نگاہ ڈالی اور پرس کھول کر ہزار کے پانچ نوٹ نکال کر اس کی ماں کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

"بالو کے ہیں۔ وقت قریب ہے ضرورت ہو گی۔"

"آپ بیٹھیے تو سہی بیگم صاحبہ۔"

شدت کے تھپیڑوں سے بے جان عورت کے چہرے پر یکدم بشاشت کی لہر دوڑنے لگی۔ اس کا انداز لہجہ یکسر بدل گیا۔ کچھ ماہین کی بات سمجھ میں آنے کا نتیجہ تھا۔

"مجھے بھلا کیا ہے۔ دوسرے شوہر جا رہا ہے۔ کچھ دنوں بعد کرایہ آئے گی تو بالو کی خیریت معلوم کرنے خود جاؤں گی۔ اب یہ گھر سے باہر جب بھی جائے گی آپ کے ساتھ جائے گی۔ آپ لوگ مال خان سے ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کریں۔ ارشی بلڈ ہو سکے کریں۔"

پھر وہ بالو کی طرف پلٹی۔

"آنکھیں والے زخم دینے والوں سے کبھی یہ ضرور سیکھا جاتے ہیں کہ زخم دینے والے شرمندہ ہیں۔ اپنی غلطی پر نادم ہیں۔ اپنی ماں سے معافی مانگو۔ ماں کو زخم دینے کے بعد جھولیاں خالی ہو جاتی ہیں۔ یہ شے سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ یہ ٹوٹ نہیں ہے۔ ماں ہے یہ تیری۔"

ماہین نے بالو کو اس کی ماں کی طرف دھکیلا۔

بالو کی ماں بالو کے بجائے ماہین کے گلے سے لگ کر زور زور سے رونے لگی۔

"بیگم صاحبہ۔ مجھے نہیں پتا پیٹ بھر روٹی کھا کر کیسا لگتا ہے۔ مجھے نہیں پتا۔ بے فکر ہو کر کیا ہوتا ہے۔ یہ بچے اسے گھر میں گئی تو مجھے یہ لگا کہ میں زندہ گئی ہوں۔ کھانی پیا اور پیٹ بھر کر سو جاتا۔ جیتے یہ ادھ موئی ہوئی بھلی کہا ہے اس نے مجھے اندر سے۔"

وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ ماہین کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

وہ اس کی پیٹھ تھپتھپا کر تسلی دینے لگی۔

ماہین نے چونک کر تیمور علی خان کو کلیئر کیا تھا اس لیے محتاط انداز میں سفر تمام ہوا تھا۔ وہ صرف ایک چھوٹا سا سامان کیبن میں لائی تھی اس لیے اسے کسی خیال کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی۔ وہ سوٹ کیس اٹھا کر باہر آ گئی تھی۔ وہ ائیرپورٹ سے باہر نکلتے ہوئے اس نے تجسس بھری نظریں، ہاتھ تھامے ہوئے منتظر لوگوں پر ڈالی تھیں تو بھیڑ سے سامنے تیمور علی خان کو پا کر دل میں عجیب سا سکون در آیا۔ وہ قریب آئی تو تیمور علی خان کا سنجیدہ چہرہ مسکرا اٹھا۔ وہ مسکرا دی۔

"کیسی ہیں آپ؟" تیمور علی خان نے سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ٹھیک ہوں۔ بہت خوش ہوں۔"

اس نے تیمور علی خان کے سراپے پر نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ سیاہ شلوار قمیص آف وائٹ ویسٹ کوٹ۔ سیاہ چمکدار پشاوری چپل۔ آنکھوں پر سیاہ گلاسز۔ گھنی سیاہ مونچھیں وہ ایک نیا کیرکٹر تھا جو تیمور علی خان کی تصویر نظر آ رہے تھے۔

"لائٹ اکیکوریٹ جائم پر آ گئی۔" انہوں نے اطراف پر نگاہ ڈال کر گلاسز اتارتے ہوئے کہا۔ اور جیب میں ڈال لیے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ اس کا احساس شاید انہیں اب ہوا تھا۔

"مگر کتنی دیر میں پہنچ جائیں گے؟" ماہین نے ریسٹ واچ دیکھتے ہوئے پوچھا اور ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ وہ پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

شاندار لینڈ کروزر کا پچھلا دروازہ کھول کر سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر رکھ دیا اور اگلا دروازہ کھول کر ماہین کو اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔

"بس سمجھے گھر پہنچ گئے۔" وہ اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالتے ہوئے گویا ہوئے۔

"کوئی مسئلہ تو نہیں ہے ناں؟" ماہین نے جانے کس خیال کے تحت پوچھا۔

"اوہ نو کیئر۔" وہ لاپروائی اشارت کرتے ہوئی مشاقی سے گاڑیوں کے ہجوم میں سے باہر لا رہے تھے۔

"انہیں پتا ہے میری آمد کا۔" ماہین نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ ہم نے جان بوجھ کر نہیں بتایا۔"

"کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

"بابا صاحب سے ملاقات ہو گئی؟" بالآخر ماہین ہی نے پہل کی۔

"جی۔" یہ مختصر جواب آیا۔

مختصر ترین جواب اس وقت بہت چال کرتا ہے جب کوئی تفصیلی بات کرنے کے موڈ میں ہوتا ہے۔ تب یوں محسوس ہوتا ہے گویا دوسرا فریق گفتگو کرنے سے باز رکھنا چاہتا ہے۔ کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہو گئی کہ شاید وہ خود ہی کچھ بات کریں۔

"پھر کچھ بولے وہ؟" اس سے رہا نہ گیا تو سوال کر بیٹھی۔

"یہ لیں کو وہ اس شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئی تھی کہ ایک ہی ملاقات میں اس کا ذہن بدل گیا۔ ایک جملے سے بہت اثر کرتا ہے۔ کہ "جسے بولنے کا ادب نہیں آتا۔" یہ کہہ کر بولنے والا اس لیے اہمیت کھو دیتا ہے کہ اس کی بات میں وزن نہیں ہے۔ اسی بھروسہ نہیں ہوتا ہے۔ مگر جب کہنے والے کا کردار بولتا ہے تو پھر بہت ہے۔

"مگر آپ کے لیے بہت مشکل ہو گا۔ جب بابا صاحب سے بات کرنے لگے۔" جیسے لمحے بھر کو ہچکچا کر پھر سوال کیا۔

"اب تو کوئی مشکل نہیں رہی۔" تیمور علی خان کے لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا ہوں گے بابا صاحب؟" ماہین کا دل خوشی سے جھومنے لگا۔

"بہت بڑا بوجھ تھا ان کے بیٹے۔ یعنی ہم سب۔ بہت تھک گئے ہیں بابا صاحب۔" تیمور علی خان کی آواز میں تشکر در آیا۔

"روشی چلی گئی ہوں گی پھر؟" معاً اسے دھیان آیا۔

"جی۔ چلتے چلتے یہ خبر بھی سنی ہے کہ روشی کے والد صاحب کی پوسٹنگ ہو رہی ہے۔ ہیڈ آفس کراچی۔"

ماہین نے چونک کر ان کی سمت دیکھا۔ "مجھ سے تو انہوں نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی۔ کس شہر میں؟"

"اسلام آباد۔"

"اچھا۔" اسے عجیب عجیب وسوسے آنے لگے۔ وہ گم صم سی ہو گئی۔

"غالباً ہٹ آرڈر ہیں۔ جیسے کہ عموماً ایسے ہوتا ہے آپ پریشان نہ ہوں۔ فون پر بات کر لیجیے گا۔"

کتنی سادہ سی حقیقت تھی تیمور علی خان کی۔ وہ ناراض ماہین کی پریشانی سمجھ گئے تھے۔

"نہیں۔ میں سو رہی تھی۔ روشی کو مسئلہ ہو گا۔ نئے گھر کی سیٹنگ۔ آسان کام نہیں ہوتا۔" اس نے حد درجہ سادگی سے بات ٹالی۔

"آپ مجھے یہ بتائیں۔ بابا صاحب نے کس طرح کا ری ایکٹ کیا آپ سے۔ مجھ جیسی رکھ کے بات کی ہے یا پریشان ہو گئی ہے۔"

ماہین نے اپنی کیفیت پر قابو پا کر جلدی سے سارا موضوع پھیر دیا۔

"روشی کو ہم خیال بنانے کے لیے وہ کورٹ میں کیسے جائیں گے۔ اور وہ اتنا عدالت عدل کی اور ہتک ہوتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کھیل کھیلیں گے۔ اتنے دن آپ کو شاید علم ہو جب آپ پہلی بار ہتک ہوئی آئی تھیں اور اسے زبردستی کر کے بھیج دیا تھا اس لیے سوسائیڈ کی کوشش کی تھی۔ اتنی معمولی سی بات پر۔ اس کیس میں تو اس کے سارے اسٹرسٹ فیل ہو گئے ہیں۔"

تیمور علی خان نے گاڑی ایک طویل شاہراہ پر ڈال دی۔

"ہوں۔ محسوس تو میں نے بھی کیا تھا کہ روشی کو تشفی بھرے سے زیادہ کچھ چاہیے۔ سمجھ نہیں پائی تھی میں۔ شاید اس کا

ہوں یہ ہو گی کہ میں نازک سے متعلق بہت سارے کراس کوئسچن کروں گی۔ کہیں وہ اتنی کنفیوز نہ ہو جائے۔ اتنی میں وہ مگر واپس چلی جائیں اور وہ سوچتی رہیں کی جان عذاب میں کہ ہے۔

اگر ایسے ہی خدشات تھے تو یاور علی خان نے مجھے صرف کے لیے اپنے گھر لانے کی کوشش کیوں کی۔ اس طرح تو سے بگاڑ کر ہونے کا خطرہ زیادہ تھا۔"

ماہین الجھی۔

"جب سردار خانا کے گھر عورت پر اختیار حاصل کر لیتا ہے۔ تو پھر سارے خطرے عورت کے لیے رہ جاتے ہیں۔ ان کے خطرات کی حد وہاں تک تھی جہاں تک آپ ان کی دسترس سے دور تھیں۔ "اب" کر لیں جو کچھ کرنا ہے۔"

تیمور علی خان نے سفاکی سے دھیمے انداز میں ہنس دیے۔

ماہین کے لبوں پر بھی خفیف آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اتنا تو خیر میں اندازہ کر سکتی ہوں۔ کہ وہ یاور علی خان کی بیٹی ہے۔ مگر میں تو ماما صاحب کی طرف سے کی جانے والی کسی مداخلت کی بات کر رہی تھی۔"

"وہ ہمارے کسی بھی کیس میں نہیں ہوئے۔ پتا نہیں ہمارا کی لگ ہے یا واقعی وہ ہم سے بہت بلند۔ سب سے زیادہ بحث کرتے ہیں۔ انہوں نے صرف ایک بار ہم پر جبر کیا۔ اور پھر اس کے بعد تو انہوں نے منہ موں ہم سے بات نہیں ملائی۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ بہت مجبور تھے۔ مگر شاید انہوں نے ابھی تک خود کو معاف نہیں کیا۔

آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ ہم کس لیے ہیں؟"

ماہین کو ان کے اس جملے سے اتنی تقویت محسوس ہوئی کہ باہر کے نظاروں کی خوبصورتی دھیان میں آنے لگی۔

باہر لگ گھڑے تھے۔ سامان لادا جا رہا تھا۔ روشنی تھک کے پیڑ اور چکی تھی۔ ملازم سے جانے کا کہہ کر وہ لاؤنج میں آ بیٹھی۔ اس وقت بارہ بجے تھے کہ مرجانے کو جی چاہتا تھا۔ یاور علی خان اسے صبح سے نظر نہیں آئے تھے۔ ملازموں ہی سے اسے پہ سنگ اور پیکنگ کی اطلاع ملی تھی۔

"ست ہر قدم پر ماہین یاد آ رہی تھی۔ خالہ ہوتیں تو وہ آرام سے پالی سولی رہتی۔" انہیں تو یوں بھی گھر کی مصروفیت بہت اچھی لگتی ہے۔ ملازم کی لائی ہوئی مرچیں تک انہیں پسند نہیں آتیں۔ چاہ اوا کر خود کر یا نہ اسٹور جا کر لیتی ہیں۔ وہ تو بہت خوش ہوتیں اس فلوٹنگ سے۔ ابھی جا رہا ہے گیا تھا کرایا۔ میں تو کچھ نہیں کروں گی اسلام آباد جا کر۔ بنا بنایا ریڈی میڈ سامان۔ خود کریں گی آ کر۔ وہ وقت بھر سے انداز میں پاؤں کرسی پر رکھے بیٹھی تھی۔ آتے جاتے کسی ملازم نے کسی وجہ سے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی تو اس نے بھنا کر ہاتھ ہلا دیا۔

"باہر سے بولو جو بولنا ہے۔"

پھر کسی نے اس سے کلام کرنے کی جرأت ہی نہیں کی۔ ملازم جانے کے ساتھ یاور علی خان کا پیغام بھی لایا تھا کہ اپنے بیگ

سامان میں لا رہے ہیں۔ پیچھے اس کی کراس لا رہی تھی۔ بھی وہ اس کے ساتھ ہی جائے گی۔

"کب جانا ہے پی کرنا ہے؟"

بشریٰ بہت دیر سے چپ بیٹھی رہی تھی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"میں کیا ایسے موسم میں اکیلا چھوڑ دیتی ہوں۔ جب سے آپ ہیں میں نے بڑے مزے کیے ہیں۔ آپ کے ساتھ۔"

"میں؟" اجاد نے ہنستے ہی وہ اندر داخل ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ٹرے میں کافی کے مگ لیے واپس آئی تو اجاد نے پوچھا۔

"ماما جان۔ آپ نے بلایا؟" اس نے بتایا۔ "جی کی جاب۔ دیکھ رہی ہیں کہ ہوا کی کیا کیا ہے۔"

"ہوں۔ کوئی زیادہ اہم چیز کی بات نہیں ہے۔ بس کچھ بیٹھ رہی ہیں ان پر سائیکو کر رہی ہیں۔"

وہ میز کے نزدیک جا کھڑے ہوئے۔ جہاں ایک فائل رکھی تھی۔

"کس بچے کے پیپرز ہیں؟" اس نے ٹھہر کر ان کی سمت دیکھا۔

بلیک ہینڈ اور ٹف ڈائمنڈ شرٹ و بلیک جینز میں ملبوس تھی تھی بال پیچھے کر کے جھکا ہوا تھا۔ اس کے چہرے کے ساتھ وہ نہایت متوازن متناسب اور اسمارٹ نظر آ رہے تھے۔ گہری روشنی میں ایک بے ساختہ سادگی محسوس ہوتے۔

"پڑھ سکتی ہو۔" وہ ایک طرف ہو گئے گویا اسے قریب آنے کا موقع دیا۔

وہ بھی بے اختیار ٹیبل کے پاس آ گئی۔ بدلی ہے تابی اور خوف کی کیفیت میں اس نے فائل کھول یاور علی خان اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھ چکے تھے۔

روشنی نے فائل کھولی اور یوں بدک کر پیچھے ہٹی گویا بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

"میں اس پر سائن نہیں کر سکتی پی۔ ہاں اگر آپ کہیں تو میں زہر کھا سکتی ہوں خود کو ختم کر سکتی ہوں۔

مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں اپنے باپ کے گھر میں ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے کسی اسٹیج ڈرامے کا سین ہے اور میں بوا کسی پرانے مکالمات تسلیم کرانے جا رہے ہوں۔ نہ جانے کتنی جانیں ہیں یہاں ہوا ایک۔ مجھے اتنی تیز ہے میں اس بار بھری دوپہر میں کس کر لیتی ہیں۔ جو ہزار بھالی ہیں جن سے میں اکثر بھی لیتی ہوں اور بہت سارے پیسے بھی واپس کرتی ہوں۔

اگر آپ ہیں سوالات آزمائش میں کبھی نگاہی نہیں کہ آپ میرے باپ ہیں۔ آپ خوفی آتے تھے تو میں جان نکلتی تھی۔ تمہارے پاپا آتے ہیں سلام کرتا تو بس میں آپ کو سلام کرتا آتی تھی۔ میرے اور آپ کے بیچ صرف "سلام" ہے۔ "آپ" احساس دلایا گیا کہ میں خوش ہوں۔ مگر آپ کیوں میری خوشی کا احساس کریں گے۔ آپ کے کوٹ کی ذمہ داری جیسے میں ہوا جیسے ایک دیا اور ہوں میں۔ سیکنڈ ریزیشن جیسے آپ خود کو ڈیلیٹ کرنے کے لیے جب چاہے استعمال کر لیں۔"

"شٹ اپ۔" بھاری قوت کے ساتھ انہوں نے اس کے رخسار پر طمانچہ رسید کیا تھا۔ "جانتی ہوں میں کہ کس لیے ہوں۔

رہی ہو۔"

روشانے پر ہاتھ رکھے دم بخود رہ گئی۔ "پاپا۔۔۔ پاپا۔"

"روشانے۔ میں خود کو شوٹ کر لوں گا۔ تمہارے اور کسی اور کے سامنے نہیں کہ مجھے اغوا کیا جائے۔ اور اگر میں بائیک میں مر رہا ہوں۔ تم میری اولاد ہو تو میں کہوں گا۔"

"آپ کو یقین ہوگا کہ میں آپ کی اولاد ہوں مگر مجھے یقین نہیں کہ آپ میرے والد ہیں۔ آپ دونوں بھائیوں کی جنگ ہے تو آپ مجھے کیوں استعمال کر رہے ہیں۔ مل کر ایک دوسرے سے کیوں نہیں لڑتے۔ میں ایک ادھوری ذات ہوں۔ نہ ماں کے سنگی ہوں نہ باپ کے۔ باری بھی مجھ جیسا ہے۔ ہم میں بہت سی باتیں کامن ہیں۔ ہم اٹیچ اسٹیٹ کر سکتے ہیں ایک دوسرے کو۔

جب آپ اقرار و سال تک نبھائے رکھتے ہیں کہ آپ کی کوئی بیٹی بھی ہے تو باقی زندگی نبھائے رکھنے میں کیا حرج ہے۔"

اس نے دہشت بھرے انداز میں جھپٹ کر فائل سے کاغذ لوہے اور پرزے پرزے کر دیے۔ اور منہ ہاتھوں سے چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"پاپا۔ میری آپ سے کوئی جنگ نہیں ہے۔ مجھے صرف ایک بار خوش ہو لینے دیں۔ پاپا مجھے نارمل سسٹم کا پارٹ نہیں بننا۔ مجھے اپنے کنٹرار باپ پر فخر نہیں کرنا۔ مجھے تو بس خوشی کا اظہار چاہیے۔ آپ یہ سب نہ کریں۔ میں آپ سے التماس کرتی ہوں کہ میں دونوں حویلیوں میں زندگی بھر قدم نہیں رکھوں گی۔

کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ کہ آپ کے سینے میں دل نہیں رہا۔ آپ مجھے ہی نہیں سب کو ایک مہمان جیسے کیوں محسوس ہوتے ہیں؟ آپ اپنے کیوں نہیں لگتے؟"

بادشاہ خان پیشت پر ہاتھ باندھے ہوئے اپنے ہونٹ چبا رہے تھے جیسے ان کی کچھ جواب دے گی ہو۔ اتنی بے ساختہ ان کے سینے سے لگ گئی تھی۔ اور بری طرح رو رہی تھی۔

"پاپا۔ پلیز پاپا۔ یقین کریں مجھے کسی نے استعمال نہیں کیا۔ ہر بیٹر از نہیں کیا۔ اگر آپ کہیں گے تو میں زندگی بھر کسی سے نہیں ملوں گی۔ جب ماں باپ کے بغیر رہ سکتی ہوں تو ہر رشتے کے بغیر رہ سکتی ہوں۔ کاکا جان سے بھی نہیں ملوں گی کبھی۔ پاپا کسی طرح سے تو مجھے یقین دلائیں کہ میں آپ کی بیٹی ہوں۔"

اس کے آنسو اور علی خان کا گریبان بھگو رہے تھے۔

اس کا ایک جملہ ان کی ہستی تہس نہس کر رہا تھا۔

"کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ کہ آپ کے سینے میں دل نہیں رہا؟"

وہ ان کی بیٹی تھی۔ خدا نخواستہ کسی کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔

"روشانے! تم نے غلط جگہ کٹ سٹ کی ہے۔" بالآخر انہوں نے آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ان کی

بیٹی کی تڑپ کم ہونے لگی۔

"ٹھیک ہے۔ جیسن۔ آج کے بعد تم دونوں حویلی جا سکتی ہو۔ میں نے تمہیں آزاد کر دیا۔ اب تمہارے شلوار شوٹن، رنگ پالیسی کا بندوبست کرنے میں کامیاب ہو جانے کا تمہیں ان سے کوئی لالچ نہیں ہوگی۔ لیکن دونوں حویلیوں سے رابطہ وہی نہیں رکھے گا۔ جس کی بیٹی ہے۔ اسے اپنے پاس رکھنا ہوگا۔ اگر اس کے قبیلے والے اس کی سرداری کا حق تسلیم کریں تو ہی وہ حویلی جائے گی۔ تم اس کے ساتھ اس کے قبیلے جا سکتی ہو مگر وہاں مستقل رہائش اختیار کرنا ہوگی۔"

جانے کون کون سی مصلحتیں انہیں کس کس پیش بندی پر مجبور کر رہی تھیں۔

روشی ایک دم ان سے دور ہٹ کر بے یقینی سے دیکھنے لگی۔ جیسے سماعت کو دھوکا ہوا ہو۔ وہ پکڑ کر بے ہوش کر رہی ہو۔

"میرا خیال ہے مجھے کسی اپیل بات دہرانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اب تم جا سکتی ہو۔ ایس یو پی۔"

وہ چیئر پر دوبارہ بیٹھ گئے۔ اور کاغذ کے ٹکڑے سمیٹنے لگے۔ روشی کو یوں محسوس ہوا کہ اس نے باپ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کی ہے۔ ایک خون آلود شکستگی ان کے چہرے سے آشکار تھی۔

وہ عربی میں داخل ہوئے تو باری کو منتظر پایا۔

وہ ماہین کو سامنے پا کر بہت خوش دلی سے مسکرایا۔

"السلام علیکم۔ بہادر خواتین بہت اگریسو ہوتی ہیں۔ مگر سیدھا دینے کی پوزیشن نہیں ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"یہ بھی بتانے کی بات نہیں ہے۔ جب سیدھا دینے کی پوزیشن میں آؤ تو پہلے اپنا پریزنٹیشن دینا۔ وہ صاحب کیا خواہ ہیں۔"

ماہین اندر کی اکھاڑ پچھاڑ کے برعکس خود کو بہت فریش ظاہر کر رہی تھی۔ اس کی نظریں سامنے دیوار پر لٹکی تصویر پر تھیں گو یا وہ کسی باغبانی میں کھڑی اس کو نظر آ جائے گی۔

"اللہ کا شکر ہے بیٹی۔ کرم ہے اس مالک کا۔" اسی لمحے تیمور علی خان اس کے قریب آ گئے۔ "ہمیں علم ہے باہر سے ٹھیک ٹھاک فرینڈ شپ ہے۔ سو واٹس۔ ٹھیک ہو باہر۔ خیریت رہی۔" وہ باری کی سمت متوجہ ہوئے۔

"جی۔ بالکل خیریت رہی۔" وہ چاہتے ہوئے بھی ان سے "خیریت" نہ پوچھ سکا۔

"اب ایسا ہے کہ اس وقت بڑا سچوئیشن بن رہا ہے۔ ہم اسٹڈی میں جاتے ہیں۔ تم انجوائے کرو۔ آپ چلیں۔ کچھ دیر بعد آپ سے ملاقات ہوگی۔"

"بھائی؟" وہ حیران ہو کر تیمور علی خان کی سمت دیکھنے لگی۔

"بھئی یہ انہیں 'بھائی' کہتے ہیں۔ بہت کوشش کی مگر کچھ بات نہ بنا سکے۔"

"بہت خوب۔ اب یہ ساس کو بھابی کہا کریں گے۔"

ماہین ہاری کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ دل کی جو کیفیت تھی، وہ خود بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ سامنے وہ جو ایک اڑتی سی دستک دی اور خود شادی سے اندر چلے گئے۔ ہاری نے حیران پریشان ماہین کو دیکھا اور مسکرا کر واپس پلٹ گیا۔

ماہین نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے کا ہینڈل گھمایا اور مسکراتے ہوئے اندر جھانکا۔ جسم و جان کو سحر کر لینے والی ایک دلکش خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔

دستک سن کر نازنین دروازے کی سمت متوجہ تھی۔ ماہین کو دیکھ کر ایک دم نکلی کی سی تیزی سے بستر سے اتر آئی۔ ماہین اندر داخل ہو چکی تھی۔

"السلام علیکم!" ماہین نے بانہیں پھیلا دیں۔

گھٹنے ہوئے آرزو رنگ کے لباس میں ملبوس اپنی دراز بھیگی ہوئی زلفوں کے ساتھ ماہین کو اس حیرت میں مبتلا کر رہی تھی۔ بے حد معمولی حسن کے علاوے کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔ اس کا ہاتھ سینے پر رکھا ہوا تھا۔ وہ اپنی دھک دھک محسوس کر رہی تھی۔ ماہین کی کھلی بانہوں کی جانب اس کی توجہ نہیں تھی۔

ماہین خود آگے بڑھی اور نازنین کو گلے سے لگا لیا۔

"آپ اگر کسی پتھر سے بھی ہیں تو پگھلا ہوا۔ ہم پتھر سے نہیں ڈھلے۔ کبھی کسی لمحے دھیان میں نہیں آیا ہوگا کہ کسی باپ کی زندگی اولاد کی جوان موت کی اطلاع پا کر کس کرب مسلسل سے گزرتی ہے۔ ایسا چاند جیسا روپ کبھی کو سوچتے ہوئے وہ کس اذیت سے گزرے ہوں گے۔" وہ بہت حواس کے لیے۔ کتنی بے رحم ہیں۔ تم آپ؟" ماہین کے سارے بند ٹوٹ گئے تھے۔

نازنین نے لفظ تم پر عجیب سی دھڑکن کا تراانہ سنا۔ شاہین اور ماہین اسے تم کہا کرتی تھیں۔ اس نے تو اپنے ہوش میں کبھی دیکھا تک نہیں۔

اس نے بہت محبت سے ماہین کے گرد اپنے بازو کا حلقہ مضبوط کیا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"بس کرو ماہین۔ میری جان! یقین کرو، زندہ رہنے والوں کی طرح کوشش کے باوجود بھی کبھی نہیں کر پاتی۔"

نازنین کی سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی۔ پسینے سے اس کا چہرہ بھیگ گیا۔

ماہین ایک دم گھبرا گئی۔ اور عجلت سے اپنی آنکھیں پونچھ لیں۔ اور اسے تھام کر بیڈ تک لائی اور آہستگی سے لٹایا۔ اور سرہانے رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور اس کا سر اونچا کر کے لبوں سے لگا دیا۔ نازنین ایک سانس میں پی گئی اور تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

ماہین نے اپنے آنچل سے اس کے چہرے کا پسینہ پونچھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بہت فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔ بس ایسی ہی ہوتی ہے۔" وہ ہلکے سی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"ماہین۔ بہت دنوں تک اندر گھمسان کا رن رہا۔ تمہارے دادی کی خبر تو تمہیں ہے ہی اور تمہارے ابو کی بھی۔ تمہارے ابو کی تربت کی تخت کھودیں تو نے لگی۔ جیسے جیسے ہاتھوں کو تم سے بہت محبت ہے گی۔ سب سے بڑا خوف جس نے پاگل کر لوگی کہ ان کی ماں ہر گزرتی عمر سے لیتی تھی۔ اب وہ کچھ رہ جائیں گے اور ہفتے ان سے ملنے آئے گی ہر۔ تم مجھے مکمل اور مطمئن کر سکو گی۔ یقین کرو اب اندر کوئی جنگ لیتی ہے۔ بہت سے خواب ہیں۔ دیکھو اب کچھ ہو جائے جو لی سے ہ ہ ہ

کا بھی الزام نہیں۔ آپ کے اصابت نے اس قدر دل برداشتہ کیا ہوا ہے کہ تالیں بیٹھے۔

مائین اپنی جان دل کا کھلنا کائنات کی سب سے بڑی سزا ہے۔ میری بھی کامل نہ ہونا نہیں چاہیے۔ اس میں ۱۷۱۱ تو ہے مگر ہے تو سہی۔ اس کا دل کھل گیا۔ ہاں تو مجھ میں کامیاب ہو گئی۔ کتنی بیماری ہے میری بیٹی۔ اس کے دل میں میری تصویر اس طرح ہو کہ جب اسے میرا دھیان آئے تو وہ دل سے میری بخشش کی دعا کرے۔ جو کوتاہیاں میں نے دیکھا بھی نہیں، اپنے ماپ اور بچاؤں ہی پر ہوگا۔ پھر وہ سا تھا تو سب کہتے تھے ڈاہ صاحب جیسا ہے۔ میرا بیٹا۔ مائین۔ میں نے دنیا سے وہ اپنی عمر سے زیادہ سمجھ دیا ہے۔ بہت کم گو ہے۔

جوانی وہ ہے جو پوری بھاوے دیکھے کبھی سر نگوں نہ ہو۔ پارسائی کا جوبن یہ تو اصل میں جوان ہوتا ہے اسے بار بار الٹنے کی قسم ہے گناہ ہوں۔"

نازنین تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

"مائی گاڈ!" تیمور علی خان ذہنی طرح سے پریشان ہو گئے۔

"کیا اس طرح نہ کریں۔ آپ کو تیمور خاناں پر رحم نہیں آتا؟" مائین کی آواز بھرا گئی۔

"اوے۔ ہمارا بس چلے تو چوک پر ان کا خصہ نصب کرا دیں۔ بہت دکھ دے ہیں انہیں ہم نے۔" وہ اپنے آنسو پیچھے گئی۔

"آپ انہیں سنبھالیے۔ ہم ڈاکٹر کو فون کرتے ہیں۔" تیمور علی خان فون کی طرف بڑھے تو فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ تیمور علی خان نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو"

"السلام علیکم۔ جی ہم ہی ہیں۔"

"کی؟ ابھی آیا تھا؟"

"کی۔ جی اور کچھ نہیں کہا؟"

"جی ہم سمجھ گئے۔ ٹھیک ہے۔ خدا حافظ۔"

انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔ اور پلٹ کر مائین کی سمت دیکھا۔

"بابا صاحب کا فون تھا۔" ان کے انداز میں عجیب سی ہچکچاہٹ تھی۔ مائین فون کے انداز ہی سے کچھ محسوس کر چکی تھی۔

"ہری پور سے فون آیا ہے بابا صاحب کے پاس۔ کہ بادی سے کہیں وہ کراچی سے آپ کو لے کر اسلام آباد پہنچ جائے۔"

"مجھے۔ بادی۔" وہ حیرت سے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ پھر قدرے غصہ ہو کر نازنین کی سمت دیکھا اور دوبارہ بیٹھ گئی۔

تیمور علی خان نے اشارے سے اسے خاموش رہنے کی تاکید کی۔ اور مؤدب فون ڈائل کرنے لگے۔

نازنین نے مائین کا چہرہ دیکھا اور مسکرا دی۔

"میں سب جانتی ہوں۔ سب سمجھتی ہوں۔ جب آپ سب مجھ سے بیزار ہو جائیں گے تو میں یاد آؤں گی۔ آپ سب کو پھر میرا خیال آئے گا۔ یہ فضل بہت بڑا ہے۔ بہت تقسیم ہے۔ مائین نے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ انہوں نے اپنی بیوی کو بیان دینے سے روک دیا۔ اور ایک بہت بڑی گتھی سلجھ گئی۔ مجھے وہاں بھیجنا وہ بے بھروسہ نہیں سمجھتے تھے۔ بادی کو بھی بلایا ہے۔ بہت سمجھدار ہے بادی۔ وہ مجھے بہتر سے اچھا سمجھتا ہے۔

اگر میں نہ بارک چلی جاؤں تو انہیں میری ذہنی کیفیت کی تصدیق ضرور کر دیں گے۔"

نازنین کی طبیعت ایک دم سنبھلی محسوس ہوئی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟" نازنین کے لہجے میں بلا کی اپنائیت تھی۔

"پتہ نہیں آپا۔ بہت کچھ سوچ کر آئی تھی کہ آپ سے یہ کہوں گی وہ کہوں گی۔ مگر۔" اس نے آنکھ سے نازنین کی طرف دیکھا۔

"مجھے علم ہے تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ ظلم کے جواب میں ظلم کیا ہے۔ مگر انجام کار بھی تو بچتے ہیں۔ میں بدلہ اور سزا کے لیے کم تو نہیں ہیں۔" وہ بہت کرب سے بولی۔

"جی ہے بجا۔ ہم تو خجل ہو گئے ہیں۔ کچھ کہنے کو رہا نہیں۔" مائین نے بہت آہستہ سے کہا۔

"ہمیں تو یہ بستہ غرامی سے واپسی کا سفر بہت پسند آ رہا ہے۔ مگر یہ۔" اس نے مگر دن گھما کر تیمور علی خان کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

"ہاں بس۔ آپ تو بس ہمیشہ اپنے لیے ہی سوچیں گی۔" مائین کہنے سے باز نہ رہ سکی۔ نازنین نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"سہارا اور اسکے میں اور سہنے میں بہت فرق ہے مائین! لطف یہ ہے کہ سہنے والے تھا ہیں اور سہنے والے۔ سہنے والے اپنے سہاروں پر اپنے اپنے حساب سے جگ جاری ہے۔ مجھے اب کسی بات کی پروا نہیں۔ صرف یہی خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے اب بھی یہ اطمینان مل سکے تو انہیں یہ یقین ہو سکے کہ ان کی ماں غلط عورت نہیں تھی۔"

تیمور علی خان دوبارہ ان کی جانب آ چکے تھے۔ اور قدرے نرمی سے نازنین کی جانب دیکھ رہے تھے ان کے انداز میں اپنائیت کا جو احساس ابھرا تھا وہ مائین کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ان کی کشادہ پیشانی پر سیاہ بھنورے جیسی آنکھوں میں جو تشنگی تھی وہ ان کی ذات کو بہت معتبر بنا رہی تھی۔

"آپ باتیں کریں۔ ہم بھی آتے ہیں۔" وہ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہتے ہوئے اٹھ کر باہر چلے گئے۔

"آپا! حقیقت یہ ہے کہ تیمور علی خان شاید ہمارے ہی آپ کے لیے تھے۔ آپ تو دیکھنے کی "چیز" ہیں۔ اور تب سے اب تک اس اعلیٰ آپ کو دیکھ رہے ہیں۔"

مائین نے ماحول کی اداسی کو ہلکا پھلکا بنانے کی کوشش میں ہلکی پھلکی بات کی۔

"اچھا۔" نازنین اداسی سے ہنس پڑی۔ "چلو انہوں نے کبھی ہمیں دیکھا بھی ہے یا نہیں کسی دوسرے کے عشق میں

قید کر کے دیکھ رہے ہیں۔ مگر یقین کرو مائن۔ ہم نے انہیں آج تک نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ فرمدگی سے نظریں نیچی
ان کے روپ۔ کوئی ایک ترچھی ہو۔ ہمارے لئے ان کا تو کہیں۔"

اس نے پھر شامت بھرے انداز میں آنکھیں موند لیں۔

"مائن۔ روشنی کے بچا کو ابھی بھیج نہیں دینا کہ تم سب احوال سے واقف ہو چکی ہو۔ کہیں وہ جوابِ آزادی کا سلسلہ
شروع نہ کر دیں اور کچھ ہو نہ جائے۔ مجھے تمہاری سوجھ بوجھ کا یقین چاہیے۔ تم مجھے خود فرض کر سکتی ہو۔ مجھے ہر قیمت پر تمہاری
موجودگی چاہیے۔ اپنے لیے بھی اپنے بچوں کے لیے بھی۔ حالانکہ للہ ہوا تھا مگر اب سچ ہو گیا ہے۔ مائن۔ ہر قسم کی
جذباتیت سے پرہیز کرنا۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات؟"

"جی آقا۔ بس اب تو اطمینان سب آ کر کہنے ہوا ہے باس۔ فی الحال تو زندگی کا مقصد یہی ہے۔" وہ اداسی سے
مسکرائی۔

"کسی معجزے کی آمد سے پہلے وہ مجھے بہت اچھا لگا۔ خدا نخواستہ تمہاری راہ میں کوئی معجزہ کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ تم
اسے اپنے حق میں اچھا کر سکتی ہو۔ راستے میں حائل نہ ہو جانا۔ اللہ سے دعا ہے وہ مجھے تمہیں نہال کرے۔"

نازنین کی آواز بھرا گئی۔

مائن نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے۔ اس کا اپنا دل بھرا ہوا تھا۔

وہ یادوں کے ساتھ وہیں سے اسٹیم آباد روانہ ہو گئی۔ طوفان پہاڑ دریا وغیرہ کے لمبا تھا۔ انہیں اپنی آمد کی اطلاع اس لیے
نہیں دی تھی کہ اگر وہ خود لینے آ گئے تو پتا چل جائے گا کہ وہ پیدل ہی سے آ رہی ہے۔ اور پھر وضاحت و وضاحت کا سلسلہ شروع
ہو جائے گا۔

دل بھی عجیب سی الجھن طاری ہو رہی تھی۔ تیمور علی خان نے اسے بتایا تھا کہ زمین معدے کے کینسر میں مبتلا
ہے۔ اور لاعلاج اسٹیج پر ہے۔ اسر کی شکایت تھی جو بگڑ کر کینسر میں تبدیل ہو گئی ہے۔

بس اتنی ذرا سی دیر کی بات تھی۔ ہمارے اور ان کے بیچ۔ کیا خواب سا رشتہ رہا ہے۔ یقین نہیں آتا۔ تصور میں بھی
دیکھا تھا دیکھ بھی نہیں تھا۔ کیسی حسین تصویر کیسی رنگین تھی۔

"باری!" اس نے باری کی سمت دیکھا۔ جو اپنی الجھن کو اخبار میں گم کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

"تم کب سے اس سرائے میں شریک ہو؟" اس نے باری کی سوالیہ نظروں کے جواب میں سوال کیا۔

"شروع سے۔ پہلی مرتبہ دے خان کے ساتھ بھائی سے ملنے سرائے آیا تھا۔ پھر جب تک خان جی زندہ رہیں ان
کے ساتھ آ کر رہا کرتا تھا۔ خان جی بھائی سے بہت پیار کرتی تھیں۔" وہ اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"جب میں چھوٹا تھا تو بھائی مجھ سے دنیا اور جہان کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ کبھی تھیں روشنی کو خیال رکھا کرو۔"

"تم نے کیا ہوگا آپ فکر نہ کریں۔ میرا بھائی کے لیے خیال رکھنے کا بہت شکریہ ہے۔" مائن نے بہ جھجکی سے کہا تھا۔
باری مطمئن کر مسکرا دیا۔

تم نے بھولے تھے۔ بڑی مہربانی تھی تم نے بھیجا تھا۔ آقا نے کہا تھا کہ آپ کو [illegible]
ہے۔

"جب وہ سے خان مجھے بھائی بنا کر سرائے لے کر گئے تو انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔ بیٹا تم اپنے ماں باپ
سے تنہا کر آیا ہے۔ تمہیں اپنے گھوڑے دے دیتے ہیں۔ لیکن اگر تم نے بدلی موسمی کے بعد لوٹ کر آنا
ہے تو ہم سے سب کچھ واپس لے لیں گے۔ اور تمہیں واپس بھیج دیں گے۔ وہاں گھوڑے نہیں ہوتے۔
پردیس میں اپنا گھوڑا تو سمجھ۔ اور یہ کہہ کے خان جی چلے گئے۔ اور بات سمجھ میں آ گئی تو [illegible]
ہی رہی۔ شاید آپ کو یقین نہ آئے بے خان نے سب کچھ مجھے عطا کر دیا ہے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں آنسو تک کبھی نہ
آنے دیکھے۔ مگر میں نے ان کی جھکی آنکھیں کئی بار دیکھی ہیں۔ سفر کے لیے انہوں نے مجھے تھوڑی رقم دی تھی۔ اس سے
زیادہ انہوں نے میری دیکھ بھال کرتی تھی۔ جو لیا میں اور کسی کو اس طرح جانے کی اجازت نہیں تھی۔"

"تم سے سفر نے کبھی تنہا سے اپنے کے متعلق بات کی؟" مائن نے اچانک پوچھا۔

باری ایک دم خاموش ہو گیا۔ اور انہیں دل کرنے لگا۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ یہ خانوں نے کس موڑ میں ہمیں اسلام آباد بلایا ہوا؟" اس نے بہت خوفزدگی سے سوال
کیا تھا۔

مائن نے گہری سانس کھینچی۔ ہونٹ بھینچ کر بند کر لیں۔ "ہمیں بھی جانے ہو باری انہیں مرضی ہے تمہاری۔
وہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں کہ مجھے تو جب چاہے نکال کر سکتے ہیں۔ مگر ساتھ میں تمہیں طلب کیا ہے اچھا نہیں کیا۔ وہ
الگ کیا ہے۔ نہ جانے کی مسئلہ ہے؟ تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی مرضی کا فیصلہ تم سے کرانا چاہیں۔
یہ طرف بھی سوچو۔" مائن نے توجہ دلائی۔

"کیا سوچنا ہے۔ لیکن جو بھی ہے اسے تو کوئی بھی نہیں بدل سکتا۔ آپ میری طرف سے اطمینان رکھیں۔ اگر بات کسی
طرف بنی تو میں روشنائی کو لے کر اپنے قبیلے میں واپس چلا جاؤں گا۔" وہ گہری آنکھوں سے مائن کی سمت دیکھ کر بڑے پر
سکون لہجے میں بولا تھا۔

"ہوں۔ یعنی ہمارے سامنے ہماری لڑکی کو اڑانے کی بات۔" وہ مصنوعی خفگی سے گویا ہوئی۔

باری ہنس دیا۔ "جب لیس کرنا ہے تو پھر پہلے سے خود کو کیا الجھانا۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"ہوں۔" مائن گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"تو خالہ امی تو شکل ہو گئی۔ صرف سامان کو دیکھ دیکھ کر۔ پتا نہیں لوگ کس طرح اتنے بڑے بڑے گھر اٹھا کر سیٹ کر
لیتے ہیں۔ میں نے تو کہہ دیا تھا ملازموں سے مجھے ملت میں پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ گھر کی یاد آئے گی تو امی کو
بلوا لوں گی۔"

قید کر کے دیکھ رہے ہیں۔ مگر یقین کرو مائن۔ ہم نے انہیں آج تک نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ فرمدگی سے نظریں نیچی
ان کے روپ۔ کوئی ایک ترچھی ہو۔ ہمارے لئے ان کا تو کہیں۔"

اس نے پھر شامت بھرے انداز میں آنکھیں موند لیں۔

"مائن۔ روشنی کے بچا کو ابھی بھیج نہیں دینا کہ تم سب احوال سے واقف ہو چکی ہو۔ کہیں وہ جوابِ آزادی کا سلسلہ
شروع نہ کر دیں اور کچھ ہو نہ جائے۔ مجھے تمہاری سوجھ بوجھ کا یقین چاہیے۔ تم مجھے خود فرض کر سکتی ہو۔ مجھے ہر قیمت پر تمہاری
موجودگی چاہیے۔ اپنے لیے بھی اپنے بچوں کے لیے بھی۔ حالانکہ للہ ہوا تھا مگر اب سچ ہو گیا ہے۔ مائن۔ ہر قسم کی
جذباتیت سے پرہیز کرنا۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات؟"

"جی آقا۔ بس اب تو اطمینان سب آ کر کہنے ہوا ہے باس۔ فی الحال تو زندگی کا مقصد یہی ہے۔" وہ اداسی سے
مسکرائی۔

"کسی معجزے کی آمد سے پہلے وہ مجھے بہت اچھا لگا۔ خدا نخواستہ تمہاری راہ میں کوئی معجزہ کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ تم
اسے اپنے حق میں اچھا کر سکتی ہو۔ راستے میں حائل نہ ہو جانا۔ اللہ سے دعا ہے وہ مجھے تمہیں نہال کرے۔"

نازنین کی آواز بھرا گئی۔

مائن نے بے اختیار اس کے ہاتھ تھام لیے۔ اس کا اپنا دل بھرا ہوا تھا۔

وہ یادوں کے ساتھ وہیں سے اسٹیم آباد روانہ ہو گئی۔ طوفان پہاڑ دریا وغیرہ کے لمبا تھا۔ انہیں اپنی آمد کی اطلاع اس لیے
نہیں دی تھی کہ اگر وہ خود لینے آ گئے تو پتا چل جائے گا کہ وہ پیدل ہی سے آ رہی ہے۔ اور پھر وضاحت و وضاحت کا سلسلہ شروع
ہو جائے گا۔

دل بھی عجیب سی الجھن طاری ہو رہی تھی۔ تیمور علی خان نے اسے بتایا تھا کہ زمین معدے کے کینسر میں مبتلا
ہے۔ اور لاعلاج اسٹیج پر ہے۔ اسر کی شکایت تھی جو بگڑ کر کینسر میں تبدیل ہو گئی ہے۔

بس اتنی ذرا سی دیر کی بات تھی۔ ہمارے اور ان کے بیچ۔ کیا خواب سا رشتہ رہا ہے۔ یقین نہیں آتا۔ تصور میں بھی
دیکھا تھا دیکھ بھی نہیں تھا۔ کیسی حسین تصویر کیسی رنگین تھی۔

"باری!" اس نے باری کی سمت دیکھا۔ جو اپنی الجھن کو اخبار میں گم کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

"تم کب سے اس سرائے میں شریک ہو؟" اس نے باری کی سوالیہ نظروں کے جواب میں سوال کیا۔

"شروع سے۔ پہلی مرتبہ دے خان کے ساتھ بھائی سے ملنے سرائے آیا تھا۔ پھر جب تک خان جی زندہ رہیں ان
کے ساتھ آ کر رہا کرتا تھا۔ خان جی بھائی سے بہت پیار کرتی تھیں۔" وہ اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"جب میں چھوٹا تھا تو بھائی مجھ سے دنیا اور جہان کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ کبھی تھیں روشنی کو خیال رکھا کرو۔"

"تم نے کیا ہوگا آپ فکر نہ کریں۔ میرا بھائی کے لیے خیال رکھنے کا بہت شکریہ ہے۔" مائن نے بہ جھجکی سے کہا تھا۔
باری مطمئن کر مسکرا دیا۔

تم نے بھولے تھے۔ بڑی مہربانی تھی تم نے بھیجا تھا۔ آقا نے کہا تھا کہ آپ کو [illegible]
ہے۔

"جب وہ سے خان مجھے بھائی بنا کر سرائے لے کر گئے تو انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔ بیٹا تم اپنے ماں باپ
سے تنہا کر آیا ہے۔ تمہیں اپنے گھوڑے دے دیتے ہیں۔ لیکن اگر تم نے بدلی موسمی کے بعد لوٹ کر آنا
ہے تو ہم سے سب کچھ واپس لے لیں گے۔ اور تمہیں واپس بھیج دیں گے۔ وہاں گھوڑے نہیں ہوتے۔
پردیس میں اپنا گھوڑا تو سمجھ۔ اور یہ کہہ کے خان جی چلے گئے۔ اور بات سمجھ میں آ گئی تو [illegible]
ہی رہی۔ شاید آپ کو یقین نہ آئے بے خان نے سب کچھ مجھے عطا کر دیا ہے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں آنسو تک کبھی نہ
آنے دیکھے۔ مگر میں نے ان کی جھکی آنکھیں کئی بار دیکھی ہیں۔ سفر کے لیے انہوں نے مجھے تھوڑی رقم دی تھی۔ اس سے
زیادہ انہوں نے میری دیکھ بھال کرتی تھی۔ جو لیا میں اور کسی کو اس طرح جانے کی اجازت نہیں تھی۔"

"تم سے سفر نے کبھی تنہا سے اپنے کے متعلق بات کی؟" مائن نے اچانک پوچھا۔

باری ایک دم خاموش ہو گیا۔ اور انہیں دل کرنے لگا۔

"آپ کو اندازہ ہے کہ یہ خانوں نے کس موڑ میں ہمیں اسلام آباد بلایا ہوا؟" اس نے بہت خوفزدگی سے سوال
کیا تھا۔

مائن نے گہری سانس کھینچی۔ ہونٹ بھینچ کر بند کر لیں۔ "ہمیں بھی جانے ہو باری انہیں مرضی ہے تمہاری۔
وہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں کہ مجھے تو جب چاہے نکال کر سکتے ہیں۔ مگر ساتھ میں تمہیں طلب کیا ہے اچھا نہیں کیا۔ وہ
الگ کیا ہے۔ نہ جانے کی مسئلہ ہے؟ تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی مرضی کا فیصلہ تم سے کرانا چاہیں۔
یہ طرف بھی سوچو۔" مائن نے توجہ دلائی۔

"کیا سوچنا ہے۔ لیکن جو بھی ہے اسے تو کوئی بھی نہیں بدل سکتا۔ آپ میری طرف سے اطمینان رکھیں۔ اگر بات کسی
طرف بنی تو میں روشنائی کو لے کر اپنے قبیلے میں واپس چلا جاؤں گا۔" وہ گہری آنکھوں سے مائن کی سمت دیکھ کر بڑے پر
سکون لہجے میں بولا تھا۔

"ہوں۔ یعنی ہمارے سامنے ہماری لڑکی کو اڑانے کی بات۔" وہ مصنوعی خفگی سے گویا ہوئی۔

باری ہنس دیا۔ "جب لیس کرنا ہے تو پھر پہلے سے خود کو کیا الجھانا۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"ہوں۔" مائن گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

"تو خالہ امی تو شکل ہو گئی۔ صرف سامان کو دیکھ دیکھ کر۔ پتا نہیں لوگ کس طرح اتنے بڑے بڑے گھر اٹھا کر سیٹ کر
لیتے ہیں۔ میں نے تو کہہ دیا تھا ملازموں سے مجھے ملت میں پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ گھر کی یاد آئے گی تو امی کو
بلوا لوں گی۔"

روشی نابین کے گلے میں بانہیں ڈالے لاڈ سے اپنی بات منوا رہی تھی۔

"گھر داری کا شوق نہیں۔ بس گرہستی کا شوق ہے۔ تمہارے بچوں کو تازہ دودھ پینے کو ملا۔ دودھ دہی مکھن گھر کا ہوگا۔ کریوں میں ہانڈی کے اوپر جمی ملائی کھانے کو ملے گی۔ تمہارے کپڑے استری کر کے رکھوں گی۔ سردیوں میں گرم کپڑے نکال کر رکھوں گی۔ تمہیں کوئی فکر نہیں ہوگا۔ تمہارے انتظار میں سارا کام پھیلا رکھا ہے۔" اس نے اپنی کردنی کے بہت سے کام گنوا دیے۔

"لیکن خالہ گھر میں میرے علاوہ دوسرے لوگ بھی تو ہوں گے ان کا خیال رکھیں گے۔ کم از کم کہاں تو پھر بھی ہاں کریں گے۔" وہ کھلکھلائی۔

ہادی اچانک دونوں ہاتھوں میں ٹوٹے کپس اٹھائے ان کے قریب سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔

"اوہ۔ آپ کے ساتھ۔؟" روشی بری طرح گڑبڑا کر نابین کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"ہی میرے ساتھ۔" نابین نے مسکراہٹ ضبط کی۔

"پتا نے کیا فائدہ اٹھایا خود۔ آپ۔" روشی کی حالت ہی بدل چکی تھی۔ خوش بھی تھی اور الجھن بھی۔

"مجھے یقین ہے پتا نے بلایا ہے۔ فیصلہ ہو گیا ہے خالہ۔" روشی اسے لے کر لاؤنج کی طرف بڑھی۔

"کیسا فیصلہ؟" نابین کچھ سمجھی نہیں۔

"پتا نے کہا ہے۔ ہادی اوارے ساتھ رہے گا۔ نہ سرائے جائے گا نہ دیا جائے گا۔ اگر چاہے تو اپنے دادا کے پاس جا سکتا ہے اپنے حق مانگنے۔"

وہ تفصیل سے بتانے لگی اور پاور علی خان کے نابین ہونے والی گفتگو نابین کے سامنے دہرانے لگی۔

نابین بہت توجہ سے سن رہی تھی۔

"اور اگر ہادی نے اس پابندی کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا؟" نابین نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے روشنا کا چہرہ دیکھا۔

"تو خالہ آپ سمجھانا ناں۔" روشی ایک دم پریشان سی نظر آئی۔

"بعض اوقات سرد رہبت سمجھدار ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی سمجھ کے بجائے سوا سے کام لیتا ہے۔" نابین سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تمہارے پتا۔ ابھی تک نہیں آئے۔" نابین نے رسٹ واچ دیکھی۔

"نہیں۔ فون آیا تھا دو مرتبہ۔ ایک مرتبہ پوچھا تھا کہ میں نے کھانا کھایا نہیں۔ دوسری مرتبہ کہا تھا کہ سیٹھ وہیرہ تمہاری خالہ کرنیں گی انہیں کی ضرورت نہیں۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ نابین کی صورت دیکھ کر کھلکھلا اٹھی۔

"ہوں۔ خالہ نے خبط بھرا ہے ہاں تمہارے الگ محترم کا گھر بسانے کا۔"

"وہ تو بھرا ہے۔ اس میں کیا شک ہے۔" روشی پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بابا جانی۔" نابین نے دل ہی دل میں کہا۔ اس کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلے۔

"چلو اٹھو۔ دیکھو۔ ہادی کیا کر رہا ہے کہاں بیٹھا ہے۔ کہو تمہیں اور باپ جیسے [illegible] کے لیے [illegible] رکھا ہو۔"

"میں نہیں جا رہی۔ آپ ہی دیکھیں۔" روشی خالہ کی بیٹی کے لہجے میں نابین کے دل میں اتر گئی۔ [illegible] کی نہیں۔

"چلو چلو۔ جاؤ تو ذرا۔ میں دیکھتی ہوں۔" نابین اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں پہلے اپنے بیڈ روم کا جائزہ لے لوں۔"

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ وہ تو پتا نے اپنی نگرانی میں سیٹ کرایا تھا۔ بہت خوبصورت بیڈ روم سیٹ کیا ہے آپ کے لیے۔" روشی نے اس کا اشتیاق بڑھایا۔

"چلو جلدی سے میرے ساتھ۔" نابین نے بھی بہت حسرت اور اشتیاق کا مظاہرہ کیا۔ روشی اسے لے کر بائیں سے ملحق خواب گاہ میں آ گئی۔

طبیعت واقعی خوش ہو گئی۔ واقعی کوئلن کا بہت عمدہ انتخاب تھا۔ روشی اسے کمرے میں چھوڑ کر جانے کی غرض سے فوراً باہر نکل گئی تھی۔

نابین۔ دادا دادا کے دروازے کھول کر جائزہ لینے میں مصروف تھی کہ پاور علی خان نے اندر قدم رکھا۔ نابین کو اطلاع دی جا چکی تھی۔ اسی لیے ان کا اندر آنا دل ربا۔

نابین ان کے قریب چلی آئی۔

"السلام علیکم!" اس نے کوٹ ان کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بہت دوستانہ لہجہ میں سلام کیا۔

پاور علی خان نے اپنی پوری حساسیت کے ساتھ اس کے اندر ہونے والی کسی تکلیف دہ بات کو محسوس کیا۔

"وعلیکم السلام۔ آرام کیوں نہیں کیا۔"

"میں نے کیا۔ دیکھا تھا کہ آپ اچانک ہمیں سامنے پا کر کیسا ریسپانس کریں گے۔"

سیاہ جارجٹ کی شلوار سوٹ اور سرخ شال آسمانی ہالی ٹیک بالا زیب تن کیے ہوئے بالوں میں گلاب کی ڈالی سجی تھی۔ سرخ جھلملاتا لپ اسٹک۔ ایک ایک چیز اس کے بڑھاپے اور بصارت سے محرومی کا مذاق اڑا رہی تھی۔ وہ کوٹ تھامتے ہوئے ان کے بہت نزدیک آ کھڑی ہوئی تھی۔

"خیریت۔ میرا مطلب ہے خیریت تو ہے ناں؟" انہوں نے اس کے سراپے پر سخت ناگوار نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ وہ مسکراہٹ جو صرف اپنے ہاؤس کے لیے مخصوص ہوا کرتی ہے ان کے لبوں پر نظر آئی۔ نابین بھی دیوانہ وار مسکرا دی۔

"آپ کے ان بعد آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ آپ کے لئے تیار ہوئے ہیں۔"

وہ اوارڈ روب کی طرف کوٹ لٹکانے کی غرض سے بڑھتے ہوئے بڑے ناز سے گویا ہوئی۔

"ماہی گیر ہیں۔ جلدی سے کام تمام کر دیتے ہیں۔" وہ سونے پر سہاگہ کر شوشا چھوڑنے لگے۔

"کیا سارے پورے کریش انٹیگو کریش اتنے ہی خطرناک ہوتے ہیں اور اصل کرداروں کی تو بھرمار ہوتی ہے۔" ماہین کے بڑبڑ دینے پر

"ٹھک بھی بالکل نہیں ہوتے۔ جو شے دیکھنی ہو دیکھی محسوس بھی نہیں ہوتی۔ خیال میں بھی نہیں آ سکتی۔" یاور علی خان بہت سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

"چھوڑیں۔ اتنے دنوں بعد ملاقات ہوئی ہے۔ اپنی باتیں کریں۔ بھرتہ کے لیے تو عمر پڑی ہوئی ہے۔ ہاں سے ملاقات ہوئی۔ آپ کی؟"

"نہیں۔"

"آپ نے بات سنبھال لی۔ بہت اچھا کیا۔ مجھے خوشی ہے اور میں ٹھیک فیل بھی ہوں۔ اب میرے لیے آپ کے پاس کوئی ایکسکیوز نہیں آنا چاہیے۔ چاہے مجھ سے ناراضگی مزید بڑھ جائے یا بیچ آپ کو ٹھک کر دوں۔ ہر صورت میں اچھا لگا ہے کہ آپ ہیں۔ آپ کو مجھے ملنا ہے۔ آپ کو میرا خیال رکھنا ہے۔ ساری دنیا بھول بھی ہے آپ کے پیچھے۔ آپ کا فرض ہے کہ مجھ اور میرے دل کا خیال رکھیں۔"

بے پایاں انا نے اسے یاور علی خان پر غالب کر دیا تھا۔ اور اس بار تو وہ واقعی ساری کشتیاں جلا کر فیصلہ کن پوزیشن میں داخل ہوئی تھی۔

ایک نصب العین ایک مقصد حیات کا تعین کر کے۔ اپنی ذات کی نفی کر کے۔

"بہت خوب۔ سب کام تو جیسے کرنا ہیں آپ کو بھرپور کیا کرنا ہے۔" وہ اپنی حیرت کو چھپانے میں ٹھیک خاصے کامیاب تھے۔

"وہ بھی بتا دیں گے۔"

"ماہین؟"

"جی؟" وہ ان کی یکلخت بدلتی آواز پر چونک گئی۔

"اور کیا الجھن تھی جو اب سلجھ گئی ہے؟" یاور علی خان کا سوال اپنی جگہ جائز تھا۔

"کچھ نہیں۔ بس غور کیا کہ اپنی ذات سے باہر نکلے ہیں۔ حساب کتاب کی دنیا تو بہت پھیلی ہوئی ہے۔ اب اس کی طرف توجہ دینا چاہیے۔"

اس نے دونوں ہاتھ ان کے شانے پر رکھ دیے پھر ان پر اپنا سر ٹکا دیا۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

بس ایک شخص سے بدظن ہونے کے لیے اس نے کئی راتیں اضافی جاگ میں گزار دی تھیں۔ آج اسی شخص سے اس طرح کے اظہار کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔ حالانکہ اپنی بہن کے خون کے چھینٹے اسی دامن پر نظر آ رہے تھے۔ مگر اسے بہن کی خاطر اپنی ذات کی نفی کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔

"میرا خیال ہے اس حلقے کو اور رکھ لیتے ہیں۔ بچوں والی ہیں۔ ہاں سب سے بڑا مسئلہ ہو گا ان کا پیٹ ہے۔ اس کی بھی ہم طے کر دیتے ہیں۔"

"صرف جوڈیشل ریمانڈ صاحب کو اور دوسرے لوگ۔" ماہین نے چونک کر یاد دلایا۔

"ہاں کے وہ لوگ کچھ نہیں کہتے ہیں۔ بس بھی کہتے ہیں۔" ماہین نے وضاحت کی۔

"شاید کے بعد وہ بھی کیا خوبصورت بھی ختم ہو جائے گی ان لوگوں سے۔" یاور علی خان سے اور اس کی بات نہ کاٹ سکی۔

"آپ یاد ہے کے سرائے میں آمد و رفت پر پابندی لگا دیں گے۔ ہمیں اس طرح کی خبریں مل رہی ہیں۔ سب رشتے کے اپنے ہیں۔ سب نے وہی کی پرورش میں حصہ لیا ہے۔ اب اس سے بہت پیار کرتے ہیں۔" ماہین نے وضاحت کی۔

"کچھ مصلحتیں ہیں۔ میں نہیں چاہتا وہ آسمان زندگی میں دشواری ہو۔"

"کیا ہیں وہ مصلحتیں۔ مجھے بتائیں۔ شاید میں کچھ کر سکوں۔" ماہین نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ یاور علی خان اٹھ کھڑے ہوئے۔

"پہلے مجھے آپ پر غصہ آتا تھا۔ مگر اب ترس آتا ہے۔ اس لیے کہ یہ بات آپ ہو چکی ہے کہ آپ نے پانگ نہیں کی ہے آپ پانگ کا شکار ہوئے ہیں۔" ماہین جذبات کے ماہین کے حد سے باہر نکل گئی۔

قربت کے بل کھولتے کھولتے یاور علی خان کے ہاتھ ساکت ہو گئے۔ انہوں نے ایک دم پلٹ کر ماہین کی مسند دیکھا جو غصے سے ہونٹ چبا رہی تھی۔

"صاف صاف بات کریں مجھ سے۔" انہوں نے اسے بازوؤں سے قدم کر سینے سے اپنے شانوں کو اپنا کیا۔ ماہین ناراضگی سے ہونٹ چباتی رہی۔

"کیا کہہ رہا ہوں میں؟"

"مجھ سے کچھ نہ پوچھیے۔ بس اتنا بتا دیتی ہوں آپ کو کہ بہت مشکل ہے کہ وہ زندہ بچیں۔ مگر نہیں بچ سکتیں۔ بھیک دیجیے سارے اندیشوں کی چادر اتار کر۔" یاور علی خان نے اس کے بازو چھوڑ دیے۔

"غصے کی حالت میں دل گواہی کے فرض سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ مگر میں سوالوں میں کسی بات کے ہونے نہ ہونے کا ذمہ دار ہوں گا۔ مجھے یقین ہے ماہین ان کے شانے پر دھیرے سے ہاتھ رکھ کر ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

یاور علی خان دم بخود سے کھڑے تھے۔ جیسے ان کے حواس معطل ہو گئے ہوں۔

وہ ایک ٹک ماہین کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"بالفرض ہے۔ اگر کہیں کچھ ہوتا ہے تو کبھی نہ کبھی سامنے ضرور آتا ہے۔ اس میں حیرت کیا۔" ماہین نظریں چرا کر کہہ رہی تھی۔

ان کے مابین ایک گہری اور بے معنی خاموشی چھا گئی۔

"میں نے تو کیا تھا مایں۔ تو انہوں نے بہت تو کیا تھا۔" وہ دوبارہ دانت کھولے ہوئے اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد حکیم قلی جیسے خیالوں سے واپس لوٹ آئے ہوں۔

"وہ افراد جو ایک وقت لمحے کی حالت میں ہوں تو دلوں سے تو راضی ہوتا ہے۔ میں آپ سے اس موضوع پر کوئی تفصیلی بات نہیں کرنا چاہتی۔ میں تو اب آپ کے ساتھ ہوں ہمیشہ کے لیے۔ دم بدم ہم قدم۔ میری تو آپ سے گزارش ہے کہ رابطے توڑنے کی روایت اب ختم کیجئے۔ بچے کھچے دیں۔ برسات کے اچھے ٹوٹے بہار پر کھ سکتے ہیں۔

آپ نے بابا صاحب کو بھی بتایا کیا۔ جن کے راضی ہوئے بغیر یہ سب ہو بھی نہیں سکتا تھا جس پر آپ کو اعتراض ہے؟" مایں نے ایک اور بتا پھینکا۔

"بزرگوں میں ہوتا ہے ہاتھ پاؤں مارنا اس کا حق بھی ہوتا ہے اور مجبوری بھی۔ تیمور نے بابا صاحب کی بات کیوں مانی وہ بے اختیار کبھی نہیں تھا۔" یاور علی خان کے لہجے میں زہر امنڈنے لگا۔

"آپ نے بھی تو روشنی کی بات مانی ہے۔ حالانکہ آپ نے تو نہ ماننے کی گویا قسم اٹھالی تھی۔" "یہ اور بحث جواب آور" کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ بات مانے بغیر چارہ نہیں رہتا۔"

"اچھا چھوڑیں۔ میں پرامس کرتی ہوں کہ یہ موضوع کبھی زیر بحث نہیں کروں گی۔ مگر آپ بھی میری ایک بات مان لیجئے۔ رابطے توڑنے کی عادت چھوڑ دیجئے۔ ہر مسئلے کا ایک ہی حل نہیں ہے کہ رابطہ توڑ دیا جائے۔

اس سارے کیس میں اگر نا قابل تلافی نقصان۔ کسی کو پہنچا ہے تو وہ ہیں تیمور علی خان۔"

"نہیں۔ ہمارا بھی بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔ وہ ایک بہت عزیز چھوٹا بھائی تھا۔ جسے ہم کھو چکے۔" یاور علی خان نے فوراً مایں کی بات کاٹ دی۔ بات کا رخ تھا ان کے بھائی میں۔

مایں چپ ہو گئی۔ اسے احساس تھا کہ یہ وہ کیس ہے جس میں دو سگے بھائیوں کی غیرت کا سوال ہے۔ اور وہ کبھی ایک دوسرے سے ہاتھ نہیں ملا سکتے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اور یاور علی خان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی۔

"بہت سے نقصانات واقعی ناقابل تلافی ہوتے ہیں۔ مگر بھلے ہوئے نہیں کی راکھ پر تعمیر نو کے خاکے کھینچنا بھی تو فطرت ہے۔ اب تو ساری توجہ کا مرکز آپ کے اپنے بچے ہونا چاہئیں۔ آپ کی بہترین صلاحیت اپنے بچوں کی خوشی اور تحفظ میں صرف ہونا چاہیے۔" وہ بہت ملائمت سے کہہ رہی تھی۔

یاور علی خان خاصی دیر سر جھکائے خاموشی سے سوچتے رہے۔ مایں نے انہیں ڈسٹرب نہیں کیا۔ پھر ایک خواب ناک کی کیفیت میں گویا ہوئے۔

"مایں! آپ کو اندازہ بہت ہے یا کوئی مصلحت ہے۔ اگر مصلحت بھی ہے تو آپ کے حوصلے کی مظہر ہے۔ دلوں سو رتوں میں میں آپ کو ایڈمائر کرتا ہوں۔"

وہ مسکرادی۔ "خدا کرے آپ کی آنکھوں کی تشنگی اب ختم ہو جائے۔ حالانکہ بہت بھلی ہے آپ ہو۔" وہ ان کے بنائے

ہے لگ گئی۔

"مصلحتیں سمجھیں کب تک چلتی ہیں۔ یہ بڑا مشکل سوال ہے۔" "وہ آپ کو سوچنے کے لئے کچھ وقت دیتی ہوں۔ آپ کے لئے ایک اچھی خبر ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے ہر مسئلے کا حل ڈھونڈ لیا ہے۔ بچھڑنے والے کے بچھڑنے والے سے ملنے کی ایک صورت ہے۔ بچھڑنے والے میں ارمان جگا ہوتا ہے اور بچھڑنے والے میں ساری کائنات اس کے منتظر ہوتی ہے۔" وہ آنکھیں موندے بہت کرب آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی۔

مایں اور یاور علی خان کسی سرکاری دفتر کے سلسلے میں پیشے ہی گھر سے باہر نکلے۔ روشنی کو اسکول سے لے کر میں چکر لگانی تھی۔ ملازم سے پتا چلا کہ "صاحب" لان میں ہیں۔ وہ خود ہی چلی گئی۔ وہاں بیٹھی ہوئی ان سے آ ملی۔

"یہاں بیٹھے ہوئے ہو۔" وہ پھولی ہوئی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"مگر تو آپ ہی کے اللہ محترم کا ہے۔ حکم کیجئے کہاں بیٹھوں؟ آپ کہیں تو دریا کے کنارے اور دالی ڈیرہ جاؤں۔ اگر وہاں مچھلیاں پال جاتی ہوں۔"

وہ بہت اچھا کہ رہے تھے۔ ایک لمحے کو مایں کا دھیان اس کی علالت پر اٹک گیا تھا۔

"تمہیں ہر وقت مذاق کی پڑی رہتی ہے۔ دیکھو سب کچھ ٹھیک جا رہا ہے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو تمہاری طرف سے ہوگی۔ اب کیا سب کچھ میں ہی کیے جاؤں؟"

"خیر سب کچھ آپ کیلئے تو نہیں کر سکتیں۔ ہاں بچے کے بارے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"بس اسی آپ جناب میں گڑبڑ ہوتا ہے۔ کچھ کرنا کرانا نہیں۔ بس جو پتا کہیں تو تم کہنا ٹھیک ہے۔ اوکے۔"

"یعنی وہ کہیں کہ آپ سے دشمنی رکھو جاؤں تو میں کہوں اوکے۔" وہ بہت دلچسپی سے اس کا سراپا دیکھ رہا تھا۔

روشنی نے گھور کر اس کی سمت دیکھا۔

"کچھ کرتو رہے ہو اوکے۔"

"لیجئے۔ آپ ہی تو کہہ رہی ہیں۔"

"دیکھو۔ اب میں تم سے پاپا کے یا خالہ کے سامنے بات نہیں کر سکتی۔"

"کیوں؟" وہ شرارت سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"تم نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ پاپا نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟" اوہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"انتظار کر رہا ہوں ان کال۔ فکر کرنے سے کیا حاصل۔ جو ہونا ہے وہ تو ہونا ہے۔" وہ بہت مستعد لگ رہا تھا۔

روشنی چڑ گئی۔ "تمہیں تو کوئی ضرورت نہیں۔ حالانکہ تمہیں فکر مند ہونا چاہیے تھا۔"

"اچھا۔ مجھے اکسانے کی بجائے کہہ دیجئے کہ مجھے اور کیا کیا ہونا چاہیے۔" وہ شریر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"تمہیں مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا کہ پاپا نے مجھ سے کیا بات کی۔ کیا معاملہ ہوا؟"

"اوہ تو آپ کے چہرے پر لکھا ہوا ہے کہ کیا معاملہ ہوا ہے۔ میں آپ کی خالہ کے سر کھجا رہی تھی، میرا ہاتھ ان کے ماتھے پر تھا، انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ آپ باتیں رکھتی کہیں اور پڑھا لکھا ہے۔ خوشی سے حالت غیر ہے۔ مگر یہ تو بتائیے آپ اتنی جلدی کہاں ہیں؟" وہ بڑی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"مجھ سے تو کسی نے کوئی اچھی بات نہیں کی جس سے کسی خوشی کا سراغ ملتا ہے۔ ہاں خالہ نے بھی مجھ سے کوئی خاص بات نہیں کی۔ بس میری خیر خیریت پوچھی اور مجھ کو کفارات پر سائن کرنے کو کہا۔"

"کس قسم کا کفارات پر؟" روشی ایک دم چوکنی ہو گئی۔

"پتا نہیں۔ میں نے پڑھنے کی کوشش کی تو اٹھ کر کہنے لگے پڑھو مت۔ صرف سائن کر دو۔ تمہیں امی نے بلایا ہے۔" وہ بہت سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔

"تت۔ تم نے کر دیے؟" روشی کا چہرا ڈھلے تکیے کی طرح سفید پڑ گیا۔

"تو پھر کیا کرتا۔" ہادی نے بڑا کی مجبوری ظاہر کی۔

روشی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اس سے پہلے کہ وہ جان لے اپنے گھر میں سائن کرنے کو کہا تھا تو کر دیے تھے۔ یہاں پر یا دادا جان نے کہا تو ان کی بات مان لی۔ ہمیں تو سب کی ماننا ہے۔"

روشی کا ایک ہاتھ دانتوں پر دوسرا زانو پر تھا۔ وہ گنگ سی کیفیت میں کھڑی تھی۔

"مگر اصول ہے یا دادا جان نے اسی لیے تو بلایا تھا مجھے۔" وہ خیالوں میں گم ہونے لگی۔ مگر نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"تم نے سائن کر دیے؟"

"جی۔"

روشی کی ٹانگیں بے جان ہو گئیں۔ وہ بمشکل گھاس پر بیٹھ گئی۔

"پپا اس طرح نہیں کر سکتے۔ وہ تو بہت کلیئر نیس کرتے ہیں۔ مگر وہ بہت مایوس ہوں گے۔" وہ دم بخود سی کیفیت میں ہوا کو گھاس میں جذب تھی۔

"آپ کیوں پریشان ہیں؟" وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

"اس لیے کہ تم پریشان نہیں ہو۔ بڑوں کی مصلحت کوئی نہ جانے ہی آپ بھی کے لاپلی۔ تم جیسے فضول انسان کے لیے میں نے اپنے پیارے گنوا دیے۔"

"آپی۔ مگر آپ کو ان سے یہ بدسلوکی نہیں کرنا چاہیے تھی۔" وہ معصوم سے انداز میں حیرت ظاہر کر رہا تھا۔

روشی نے تڑپ کر اٹھنا کرنے دے ڈالے کرائی۔ پھر دونوں ہاتھوں میں چہرا چھپا کر بلک بلک کر رو پڑی۔

"میں آج ہی امی سے ملنے جاؤں گی۔ نہ تمہاری صورت دیکھوں گی نہ یہاں اور پاپا صاحب سے بھی ملوں گی۔ سب نے مل کر میرا دل توڑا ہے۔"

وہ اس کو ہی طرح رو رہی تھی۔

"اور تمہاری خوشیاں بھی حرام کر دوں گی۔" اس نے روتے روتے اس کو بھی دھمکی دی۔

"اوہ۔ اچھا۔ اچھا۔ نہیں کرتا۔ آپ کو ایسے رونا اچھا نہیں لگتا۔" وہ اس کے قریب ہو آیا۔ وہ تیزی سے آنسو اس کی ہتھیلیوں میں جذب کرنے لگی۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا کہ شاید کوئی ملازم آ جائے اور وہ اس سے پانی منگوا سکے۔

وہ اسے اٹھا کر اندر بھی لیے جا سکتا تھا کہ وہ ملازم ہوم میں بھرے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، روشی سنبھلنے لگی تھی۔ وہ اس کو محبت سے دیکھنے لگا۔

"معذرت خواہ ہو گئے آپ سے۔" وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا تھا۔

اسی دم ملازم پانی کا گلاس لے کر آ گیا۔ روشی نے پانی پیا۔ وہ محبت سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

"میں ہوا پی لیتا ہوں۔ آپ نہیں ڈال لیا۔ اوہ بہت صاف لگتے ہیں۔"

وہ روشی کو مسکراتی بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

"صاحب بلوا رہیں؟"

"بھاگ کر ایک گلاس پانی لاؤ۔ صاحب والپ نے نہیں ڈالا۔ ہاتھ اٹھا رہا ہے۔ جلدی۔ بھاگو۔"

ملازم تیزی سے اندر چلا گیا۔

روشی مسکراتی بھری نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ عجیب سی خمار سی اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

ملازم پانی لے کر آیا تو اس نے جھپٹنے کے انداز میں اس سے گلاس لے لیا۔

"روشانے!" وہ پانی کے چھینٹے بھی مار رہا تھا اور آواز بھی دے رہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے روشی نے آنکھیں کھول کر اور ہادی کو خیال خیالی نظروں سے دیکھنے لگی جیسے کچھ کہنا نہ چاہتی ہو۔

"اوہ تھینکس گاڈ!" ہادی نے سکون کا سانس لیا۔ اور ملازم کو واپس بھیجنے کا اشارہ کیا۔ وہ واپس چلا گیا۔

"خود سے کا کھیل کھلتی ہیں اور زیادہ آزمائش میں ڈالتی ہیں۔ دوسرا کوئی تو ایسی حرکت نہیں کرتا۔ اچھے بھلے۔ یا دادا جان کے تو شکل ہو جائے گی۔"

روشی اسے بغور گھورتی رہی مگر کوئی حرکت نہیں کی۔

"پلیز۔ گیٹ اپ۔ اٹ از اوکی اے جوک۔ کیا میں آپ سے مذاق بھی نہیں کر سکتا؟" اس نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر روشی پر پوچھی ڈال دیا۔

اور روشی جیسے حواسوں میں واپس آ گئی۔

"مذاق۔ جوک۔ مان مس۔ مجھے یہ مرض لاحق ہے۔ مذاق کرنا پسند نہیں۔ سادہ ہوں اس لیے مذاق ہی ہے۔

اگر کسی سرمایہ دار کو اس کا کوئی سرمایہ ڈوبنے کی خبر ذرائع میں بھی دی جائے تو اس کا ہارٹ فیل ہو سکتا ہے۔
ہمدرد ہارٹ فیل بھی ہو سکتا تھا۔
وہ مشکل اٹھ کر بیٹھ گئی اور وہ پاور سٹ کرنے لگی۔
"کیا سمجھوں اسے اور کیا کہوں اسے۔" ہاری بہت قدردانی کے ساتھ مسکرایا۔
"اللہ تمہیں توفیق دے۔ جان نکال دی ہے کے۔" اس کی آواز بھر آئی۔
"دل چاہ رہا ہے عمر بھر بات نہ کروں تم سے۔" وہ آنکھیں پونچھنے لگی۔
"بہت مشکل ہو جائے گی۔ بچے تو ماں ہی کے ارد گرد اپنی بات باپ تک پہنچاتے ہیں۔ ان کے لیے واقعی مسئلہ ہو جائے گا۔ یہ بھی سوچ لیں۔"
روشی کی پلکوں پر جیسے منوں بوجھ آ پڑا۔ اسے ہاری سے اس طرح کے مذاق کی امید نہیں تھی۔ وہ اس حیثیت میں اس سے قریب تھا اور بڑی مضبوط تھی۔
"تم مجھے اتنا تنگ کیوں کرتے ہو؟" اس نے جلدی سے بات کا رخ پھیرا۔
"کسی اور کو کرنے لگا تو آپ پھر اسے مشکل ہو جائیں گی۔ اگر اجازت ہو تو۔"
روشی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔
"چچا جو کہیں مان لینا۔ کوئی گڑبڑ مت کرنا۔ چچا کہہ رہے ہیں اگر تم اپنے قبیلے واپس جانا ہو تو جا سکتے ہیں۔ تم کہو یا ٹھیک ہے۔"
"مگر میں اپنے قبیلے کیوں جاؤں۔ میری تمنا ہے کہ دن تو آپ کے ساتھ پریشانی میں گزریں۔ قبیلے واپس گئے تو وہاں آپ اکیلی رہ جائیں گی۔ آپ کو تو بیماری پھٹنے کا بہت شوق ہے۔ ہمارے ہاں ہر عورت بیماری نہیں پھٹ سکتی۔ سعیدہ کپڑے پھٹتی ہے۔ اگر سردار کے بیٹے کی ماں اور قبیلے کے جوان ہونے تک موتی کھڑا رہتی ہے۔ اور مکمل ہونے میں حکومت کرتی ہے۔ وہ ہری بیماری نہیں کرتی۔"
روشی آنکھیں پھاڑ کر اس کو دیکھنے لگی۔ "یہ؟"
"کتنے بے رحم ہو ہاری!" اس نے ہاری کو سر سے پاؤں تک بھیگی نظروں سے دیکھا۔
"کہنی ہے۔ ایک دن آپ کے سارے ارمان پورا کریں گے تو آپ کو کہیں چین نہیں ملے گی۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ کام اپنے وقت پر کرتے ہیں۔ جیسے صبح اٹھ کر وقت پر نماز پڑھتے ہیں۔ پھر سب سے پہلے مسجد اور یار گھوڑوں کی خدمت اور پالنا کرتے ہیں۔ اس کے بعد بچوں اور عورتوں کی کرتے ہیں۔ پھر فارغ کا وقت ہو جاتا ہے۔"
"اچھا میں نہیں۔ زیادہ بھگتنی کا ارادہ بھی نہیں۔ ہاری پلیز چچا سے بھٹ نہیں کرنا۔ پلیز۔ دیکھو یہ سب آسان نہیں تھا۔ بہت مشکل سے ہوا ہے۔" وہ جانے کے لیے قدم بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

یہ کون بتلا ہے ہم اپنی جان کو
احسان بے قدری سے خدا ہو گیا ہوں میں

وہ دبی ہے ساتھی سے مخاطب تھا۔
"روشی لے آپ لے تو مجھے اپنی حواس پر لگا دیا ہے۔ میں خود ہی وہ ہو گیا ہوں جس کے لیے آپ [illegible] اٹھ گئی ہے۔"
وہ ٹوٹ کے کھوئے ہوئے لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا۔

[illegible] اگر چہ ایک ہنگامہ تھا۔ سارے شہری کر بھی تھی مگر ہاں کے اندر وہ محسوس کر رہا تھا جس سب کچھ بے کل تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ سٹ ڈوبتے پر نظر ڈال کر یاور علی خان کے سمندر کچھ تھی۔ جو وہ ہفتے کے ساتھ بیت میں اتنے مصروف تھے کہ انہیں سنا یہ بھی یاد نہیں تھا کہ انہیں ان کے ساتھ ہے۔
انہیں کے اس ایک اکھاڑ پچھاڑ تھی کہ وہ کم نہیں پا رہی تھی۔ پہلی بار بے چارہ اپنی بیت کے تھوڑے بعد رہا۔ ہنگ بھر گئی تھی۔
نائب وہ ہاتی کا یہ حال تھا کہ خالی پلیٹ لے کر وہ گوشے میں کھڑی ہو گئی تھی اور خالی الذہن کیفیت میں لوگوں کو آتے جاتے تھی جو کھانے کے مشاغل کے پرلطف مصروفیت دکھائی دے رہے تھے۔ اگر یہاں ان کی نظر اس پر پڑتی تو شاید وہ بھی اسی طرح کھڑی رہتی۔ یاور علی خان اسے گھریلو ڈھنگ میں نظر آ رہے تھے۔ اور سعیدہ اپنے میں وہ تمام ان کے آگے ہاتھ کی طرح آؤ آؤ کی دکھائی دے رہی تھی۔
وہ دو چار لوگوں سے ذرا ہٹ کر کے پھر گوشے میں جا بیٹھی۔ یاور علی خان کی اچانک ہی اس پر نظر پڑ گئی تھی۔ وہ پلیٹ ہاتھ میں تھامے ہوئے اس کے قریب چلے آئے۔
"کھانا نہیں کھا رہیں آپ؟"۔
"کھا چکی ہوں۔" اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔
"کیا بات ہے۔ طبیعت ٹھیک ہے؟" انہوں نے محسوس کیا۔
"ٹھیک ہے۔ مگر تھکی ہوئی ہوں۔ میں چلیں گے؟"
"اس پندرہ منٹ میں چلتے ہیں۔ آپ اسلام رضوی کی بیگم سے ملیں۔ انہیں آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ سب نے مجھے بھی یہی معلوم کرنے کو کہا ہے۔"
"پلیز۔ اس وقت میں کسی سے نہیں ملوں گی۔ بس گھر چلیں۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔"
اس نے کسی حسرت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جواب دیا۔
یاور علی خان نے ایک گہری نگاہ اس کے جھکے ہوئے چہرے پر ڈالی اور پلیٹ واپس رکھنے ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔

گاڑی میں بھی وہ کھیس منہ سے پیشہ تک لگائے گم صم رہا۔ وہ علی خان نے بھی اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی۔

گھر آ کر مابین نے بہت عجلت میں شب خوابی کا لباس تبدیل کیا تھا اور بیڈ بنا لی تھی۔ وہ علی خان اس کی عجلت نوٹ تو کر رہے تھے مگر خاموش تھے۔ حالات کی بوجھ ان پر بھی تھی۔ مگر میں سال کی بے جا حساسیت نے انہیں ایک مستقل فکر میں ڈال دیا تھا۔

لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ اسٹڈی کے دروازے کی طرف بڑھے جو بیڈ روم ہی کے ایک گوشے میں کھلتا تھا۔ یہ قدرے مڑ کر مابین کی سمت دیکھا جو کروٹ کے بل بیڈ لیمپ کے ہلکے نیلے سوئچ کی تیاری میں تھی۔

"سفر سے واقعی تھکن ہو جاتی ہے۔ شام کو آپ نے تھکان کروا دیا تھا۔ اب قدرے بہتر لگ رہا ہے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ بلیس آج آپ آرام کریں۔ کل سہی۔"

وہ اسٹڈی میں چلے گئے اور جاتے جاتے بیڈ روم کی لائٹ آف کر گئے۔ مابین کو اچھا لگا اندھیرے میں سونے کی عادت تھی جبکہ وہ علی خان نائٹ بلب کی روشنی میں سونے کے عادی تھے۔ مگر مابین کی خاطر سب سے پہلے انہوں نے اپنی عادت ترک کی تھی۔ ایک وقت وہ بھی تھا وہ گھپ اندھیرے میں سونا چاہتے تھے اور آج نیم جلی روشنی پر اصرار کرتی تھی۔ اور آج انہیں گھپ اندھیرے سے وحشت ہوتی تھی اور نیند بہت دیر میں آتی تھی۔

ماضی نے ان کے آنچل بھیگے سے تھے مگر یوں ظاہر کیا کہ کوئی بارش ہوئی ہے۔ اس شخص کو چھو کر اپنے پن کا احساس ہوا تھا گویا وہ کسی امتحان سے دوچار ہو گئی تھی۔

یہ۔ جو مجھے مکمل اپنی میں سال کی زندگی کا گم گوشہ مکمل کرنے کے لیے اپنے گھر میں گھیر کر لایا ہے۔ میں کس دل سے اس سے محبت کروں۔ محبت بدعا بن کر کے شام کو اس کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ مگر حوصلہ بھر تو رہا ہے۔

سب سے مضبوط لوگ وہ ہوتے ہیں جو روحانی راستوں پر چلنے کی لگن رکھتے ہیں۔ ان سے ان کو بھی کبھی کبھار غفلت کا دامن تھامنا پڑتا ہے۔ جو ان وصف افلاک کے حال قلب کو بھی وحدت کی طرف لے جاتا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتی نے میں سال اپنے مرشد کے ہاں پانی بھرا تھا اور بیسویں سال ان کے مرشد نے پوچھا تھا۔ لڑکے تم نے کیا کام کیا ہے؟ آتش عشق قلب میں نہ دہک رہی ہوتی تو اصولی جواب یہ بنتا کہ میں سال میں آج کام پر لگا ہوا ہے۔ مگر روحانی ابدیت کے خواستگار جگر گزیدے نے اپنے طرف دار بصیرت سے اپنے روشن مستقبل کا پتا پایا اور مؤدبانہ عرض کیا۔ معین الدین۔

تیس سال بیڈ نام رہنے والے دولہا کی نظر انتظار کا انتظار کرتے ہیں۔ اور شرح صدر کی خاطر میں سال صرف پانی بھرتے ہیں۔ میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ سال تو بڑی بات تھا ایسے بابے ہاں تو زیادہ عرصہ کی لوگ کھڑیاں بھی نہیں۔ کتنے جوش میں آپ کی خاطر آپ کو مان رکھتے پھر پلٹ آئی تھی۔ مگر فاروق اور علی ہوں۔ دل یہ اکرنے کے لیے اور راضی کرنے کے لیے اور مرشد کہاں کہاں سے لاؤں کہ شرح صدر کا مرحلہ طے ہو۔ تعریف وہ سمت تک رسائی ہو۔

دن حالات میں عام سے دل کا مرتبہ نہیں کر سکتے۔ کیل ہو سکتے ہیں۔ وہ علی خان کا پتہ نہیں کیا ہے کہ سوچ میں پڑ گئے ہیں۔ وہ بہت کچھ سوچ رہے ہیں۔

اس نے پھر کروٹ بدلی۔

"بابر علی خان آپ نے آنکھ سے دل سے لکھنا شروع کر دیا ہے۔ کتنے عرصے سے ہم سے ہمارا سکون غارت ہو رہا ہے۔ بہت مشکل ہے وہ ایک لکھ کتاب ہے۔ کتاب ہے جس انسان ہے۔ اس انکوائری کے بعد کیس سب ختم ہو جائے گا۔ ہمیں اپنا بیٹا مل جائے گا۔ ہمارا بیٹا ہے۔ کوئی غیر تو نہیں کر رہا۔ کیا صرف اور اس لیے کہ ہم بچوں کے والدین ہیں۔ کیا کسی حساب میں آتا ہے۔"

وہ بہت دیر اور آہستہ بولتی رہیں۔ اور بستر سے پھر اٹھ آئیں۔ اس کے قریب اسٹڈی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"میں نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی تو وہ کھل گیا۔ اسے یہ یقین کر لینا چاہیے تھا کہ وہ علی خان سو رہے ہوں گے۔ وہ علی خان سو نہیں رہے تھے۔ بیڈ لیمپ کی ہلکی روشنی میں ان کی انگلیوں میں جنبش ہو رہی تھی۔ وہ لکھ رہے تھے۔ بلیس یہ کوئی کتاب ہے۔ میں نے کوئی ناول سنا ہے۔ کوئی ایسی جگہ ہے جس طرح بچھونے سے نیل ہوتی ہے۔

یعنی وہ اپنی "جگہ" اس وقت میں لکھ رہے تھے۔ وہی اندرونی جگہ جس سے بیرونی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ بلیس وہ اپنی جگہ تھے جو سب سے ہوا تھا کہ آخر زندگی اسی جگہ میں ہوتی ہے۔ سب کچھ تو کھو دیا ہے۔ ہم سب کچھ ہو گیا ہے۔ ہم سب کچھ ہو گیا ہے۔ سب کچھ۔

وہ بے پاس تھی اور ہاتھوں کے پیالے کا رہیٹ تھا۔ وہ علی خان کو اس کی آمد کا پتا نہیں چلا۔ وہ بیڈ روم میں بھی آ رہی تھی۔ وہ نہیں ہوئی تو دروازہ کھلنے پر اندازہ ہوتا ہے۔ وہ جھٹکے سے چونکی ہوئی اس کے قریب آئی۔

"آپ نے وہ علی خان۔ یہ کچھ صاحب کتاب کی باتیں کرتے ہیں۔" اس کے لہجے میں آنسوؤں کی نمی بھی تھی اور وحشت بھی۔

بابر علی خان کے ہیں سر پر کوئی دھماکا ہوا تھا۔ جانے خیال کے کس پاتال سے وہ کون سا لمحہ کریدنے لگے اور یہ کوئی صریح آنکھوں سے مابین کا چہرا پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مابین شام کی وہ اب یکسر اجنبی لگ رہی تھی۔ انجان اور انجان اور غیر۔

"کیا ہوا؟ طبیعت ٹھیک ہے ناں۔"

"نہیں طبیعت خراب ہے۔ یقیناً آپ علاج کا مشورہ دیں گے۔ مگر یہ خرابی نہیں۔ وحشت ہے۔ کل آپ کتنے ہی مصروف ہوں۔ خود پر جبر کر کے اپنا کچھ وقت آپ کو ہر صورت میرے ساتھ گزارنا ہوگا۔ ورنہ کچھ نہیں پتا۔ صرف آپ کی "ہاں" میں وہ خیر ہے کہ میں سو جاؤں گی اور آپ کو پھر یہ اضطراب نہیں گھیرے گا۔ اس کی۔"

وہ بے کسی سے اشک پیتے ہوئے ہم کلام تھی۔

بابر علی خان نے کچھ سوچتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا اور مابین کا ہاتھ تھام کر وہ بستر پر بٹھا دیا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم کل بات کریں گے۔ ابھی آپ سو جائیں۔"

چلے؟"

"کچھ نہیں ہوا۔ بس آپ کو میرے ساتھ کل ہی صوبت چلنا ہے۔ وہ نہ ہو تو ہری شربان ہلاک ہو جائے گی۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"آپ تو بہت خوش واپس آئی تھیں۔ اور اتنا بہت کچھ جان کر بھی بہت اداس نہیں۔ پھر اچانک کیا ہوا ہے؟" ان کی تشویش بجا تھی۔

"آپ میرے ساتھ چل رہے ہیں یا نہیں؟" وہ اسی انداز میں مضطر تھی۔

"ٹھیک ہے چلتے ہیں۔ کس وقت؟" انہوں نے جیسے کچھ سوچ لیا۔

"جب آپ کی مرضی۔ مگر کل۔"

"ٹھیک ہے پھر صبح ہی چلتے ہیں اور لی مارنگ۔ شام ہو جائے گی پہنچتے یہاں بہت اہم میٹنگ ہے۔ باقی سارے پارٹی لیڈرز واپس آ جائیں گے۔ زیادہ دیر رکنے والی تو کوئی بات نہیں؟" وہ پوچھ بھی رہے تھے اور الجھ بھی رہے تھے۔

"نہیں وہاں پہنچنے کے بعد تو صرف دس منٹ آپ مجھے دیں گے۔" ماہین کو قدرے قرار سا آیا۔

"اوکے۔" یاور علی خان صوفے کی بیک سے پیچھے ٹیک آئے۔ "اب بتائیں آپ کیا رام کریں۔"

انہوں نے ماہین کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنے بازو کے گھیرے میں تھام لیا۔

وہ بغیر کسی مزاحمت کے ان کے ہمراہ بیڈ تک آئی اور سرہانے سے پانی اٹھا کر ایک سانس میں پی گئی۔

راستے بھر تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ عام سی بات چیت کے سوا کہ راستہ کیسا رہا، ہمراہ تھا۔ مگر ایک دوسرے کی الجھن انہوں نے سارے راستے محسوس کی تھی۔

حویلی میں بغیر اطلاع کی آمد نے عجیب چہل پہل کر دی تھی۔ یاور علی خان کے تو معمولات میں شامل تھا کہ حویلی میں کسی بھی وقت ان کی آمد متوقع کی جا سکتی تھی۔ مگر ماہین کو ابھی چند روز ہی ہوئے تھے خیال تھا کہ شادی کی وجہ سے۔ اس عرصہ وہ ہو سکتی ہے۔ مگر حویلی میں یوں بھی کھلبلی تھی کہ رشی اور ہادی کا سامنا ملے ہوئے یا نہ ہونے کی طرف بھی ہر وقت کا دھیان تھا۔ سب نے یہی خیال کیا کہ کوئی بات ہوئی ہے اور وہ دونوں بابا صاحب کے پاس آئے ہیں۔ دیر تک خواتین کچھ جاننے کے شوق میں اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں مگر جب اس نے رشی سے متعلق کوئی بات کی نہ ذکر کیا تو بجھ کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔

وہ پہر کے بارہ بج رہے تھے۔ لنچ میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ وہ ہال سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں چلی آئی۔

"کہاں ہیں آپ؟" بابا صاحب سے بھی ملے نہیں گیا کہ پہلے یہ تو پتا چلے کہ آپ مجھے یہاں کیوں لائی ہیں؟"

"بھائی جیگرل لی جان وغیرہ باتیں کر رہی تھیں۔ مجھے تو دن آپ سے زیادہ بے چینی اور جلدی ہے پہلے آ ئیے میرے

"ہاں۔ بابا صاحب کے پاس؟" یاور علی خان نے اثبات اٹھا کر الجھن بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

"آپ آئیے تو سہی۔" وہ کچھ سنبھلا گئی۔ یاور علی خان اس کے مدد کرنے سے اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ وہ انہیں لے کر ٹیرس پر بنی ہوئی بیل بڑی۔

ادھیڑ عمر قد مہ کھتے کی یاور علی خان نے اس کا ہاتھ تھام کر تھپتھپایا۔

"میں نے جاری ہیں مجھے اس کے پاس۔ مجھے اس کی صورت سے نفرت ہے۔ کرنی وہ مجھے بتائیں۔ ساری بے اختیاری کی ہوا اور اس کو تھا۔ میری سب سے بڑی دشمن بھی ہے۔"

"پر آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ حقیقتاً وہی آپ کی سب سے بڑی دشمن ہے اور اس کے بعد آپ خود ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا تیسرا دشمن اس روئے زمین پر شاید ہی ہو۔

میں کسی وجہ سے آپ کو وہاں لے جا رہی ہوں۔ آپ کو پتا ہونا چاہیے۔" اس کے انداز میں ملتجی تھا۔

یاور علی خان نے سوچتے ہوئے اس کی جانب دیکھا پھر گردن گھما کر سامنے دیکھنے لگے۔ یہ انداز ان کے کسی گہری فکر میں ڈوبے ہونے کی نشانی تھا۔ ضرورت ہوئی تو ایک کمرے سے مجھ مرتکل آئی۔

یاور علی خان کو دیکھ کر وہ دم بخود سی کھڑی رہ گئی پھر جلدی سے سر پر آنچل ڈال کر سلام کیا۔ وہ ماہین کی سمت سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مجھ مرا اس کے کمرے کی چابی کس کے پاس ہے؟"

"کمرا تو کھلا ہوا ہے مجھ مرا ذہین اور بہت بیدار ہے۔ تالیں لگی ہیں بے چاری کی۔ چل پھر نہیں سکتی۔"

مجھ مرا نے یاور علی خان کی موجودگی کے سبب بہت محتاط لہجے میں جواب دیا۔ ماہین نے یاور علی خان کو دیکھا جو مجھ مرا کا خاصے غصہ ہو کر وہ موقع پاتے ہی کہیں نکل جائیں گے۔

وہ کمرے کراس کر کے وہ اس کی کوٹھڑی کے سامنے آئے۔ مجھ مرا نے کمرے کے دروازے میں کھڑی وہ ان کو دیکھ رہی تھی۔

یاور علی خان کے چہرے سے ظاہر تھا کہ بہت مجبوری میں وہ یہاں تک آئے ہیں۔ اگر ماہین کے رویے نے ان کے ذہن میں سوالات پیدا نہ کیے ہوتے تو شاید وہ کسی قیمت پر یہاں نہ آتے۔

ماہین نے آگے قدم رکھا۔ اب اس نے یاور علی خان کا ہاتھ مجھ مرا کے ہاتھ تھام لیا تھا۔ یہ ایک انصافی کیفیت تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس وقت اس کی سب سے بڑی خواہش یاور علی خان کی موجودگی ہے۔

ماہین سے زیادہ یاور علی خان اسے دیکھ کر شاکڈ ہوئے تھے۔ ہاں کی چارپائی پر بڑیوں کا پنجر پڑا ہوا تھا۔ ہڈیوں پر چمڑے کے چیتھڑے اور خوشبو کیں بھی۔

مجھ مرا کی انصافی قوت اس حد تک جواب دے گئی تھی کہ وہ چیخ، وحشی جیسے جذبوں کا اظہار کرنے کے قابل بھی نہیں رہی تھی۔ اس نے بیساختگی تک ہاتھ اٹھائے جا کر سلام کیا۔

"کیا تم بات کر سکتی ہو مطربہ؟" سلام کے جواب میں ماہین نے بجائے بھرے انداز میں سوال کیا۔

بات کریں گی آپ؟" وہ سوال ماہین سے کر رہی تھی اور نظریں یاور علی خان پر تھیں۔ آواز سے صدمہ اور الجھن تھی۔ ڈگمگا رہی ہوں۔

"اس اتنا کہو کہ تم نے میری معصوم بہن کو بہت رلایا ہے۔ تیمور علی خان کا حصہ میری بہن بڑا تا رہا ہے۔ تم شیطان ہو۔ جس کے قلب میں تھوڑی سی بھی نرمی پائی ہو۔ اس کو پہچانی ہو۔"

ماہین کی آواز رندھ گئی۔ اس نے یاور علی خان کو بھی ساتھ لپیٹ لیا تھا۔

"ان کا خیال ہے کہ بابا صاحب کے کہنے پر یا تکدہ کروانے پر تم ایسا کر رہی ہو۔ ان کا خیال ہے کہ بری بھی اصل میں مجرم ہے۔ ان کے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہی آئی ایم سینئر میں "ہاتھی" سے بھی کہلوا لیتے ہیں کہ میں "شیر" ہوں۔"

زمانے بھر کی تھکن ماہین کے لہجے میں اتر آئی تھی۔

مطربہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر یاور علی خان کی طرف دیکھا۔

"یاور خاناں" اس کی نحیف آواز پر آنسو غالب آ گئے۔ "ہم۔ میں گنہگار ہوں۔ ال خالی خانم مگر طرف تھی مورلی میں۔ مگر۔ میں نے نہ شکری کی۔ ناقدری کی۔" وہ تھک کر یکلخت خاموش ہو گئی۔ ہاتھ ہنوز جڑے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ گالوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"تیمور خاناں سے کہیے گا۔ اور کسی طرح انہیں کوئی نہیں چاہے گا۔ کسی آگ تھی میرے مشتی میں کہ یہ طرف آ گئی گئی۔ ہو سامنے آیا۔ ہل گیا۔"

وہ پھر خاموش ہو گئی۔ اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"پھوپھی بی بی جان کو ایک غزل سنائی تھی۔

ع شعلہ سا جل تجھا ہوں ہوا میں مجھے نہ دو۔

انہوں نے اپنا بہت خوبصورت مرثیہ الہام میں دیا تھا۔ اور اب تو واقعی جل بجھی۔ خواب کی طرح کبھی کبھی شعر بھی بہت سچے ہوتے ہیں۔ تیمور خاناں سے کہئے گا۔"

یاور علی خان اس کی بات سنے بغیر یکلخت کوٹھری سے باہر نکل گئے۔ لامحالہ ماہین بھی ان کے پیچھے لپکی۔

وہ بستر پر بھر ہو کر گر پڑی تھی۔

"اگر میں اسے تین ٹائم دانہ کھلاتی تو یہ آج آپ کو زمین کے نوچنے لگتی۔" مصور نے ایلی کاٹر کرتی کا آلہ کس ضروری سمجھا۔

"میں تمہاری شکر گزار ہوں مصور۔ میں حویلی کے پچھواڑے سے نکال کر اپنے گھر لے جاؤں گی۔ آنکھ وہاں کسی انسان کو نہیں رکھا جائے گا۔"

"اب مجھے کہیں نہیں جانا۔ پھر پالی مورلی کو کھول دے۔ دل تو آیا نہیں ہو سکا۔ بولو میں نائی کی خدمت کر کے ملی تھی

خلوص سے۔

مصور پیچھے سے اندر میں مسکرائی۔

یاور علی خان جا چکے تھے۔ ماہین نے قدم بڑھانے سے قبل مصور کی طرف دیکھا۔

"تم بہت سمجھدار ہو مصور۔ تم نے بروقت سوچا اور اچھا ہوا۔ بہت اچھے انسان اور ڈاکٹر ہے۔ بے ہوش کرنے کے بعد ہوش آنے پر بات ہوگی تم سے۔"

وہ یاور علی خان کی طرف سے فکرمند تھی اس لیے تیزی سے سیڑھیاں اپنے پیچھے دھم میں آئی تھی۔

یاور علی خان وہاں نہیں تھے۔ وہ گھبرا کر واپس آئی تھی سے پوچھا۔

اس نے قاسم کے لیے سرائے میں جا چکے ہیں اور بڑی بیگم آپ کو بھی بلا رہی ہیں۔

ماہین نے ایک گہرا سکون کا سانس لیا تھا۔

یاور علی خان بالکل خاموش تھے۔ مطربہ سمیت کسی موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ یوں لگتا تھا وہ کچھ بولنا نہیں چاہتے۔

اعانی بیگم انہوں نے ماہین سے صرف اتنا کہا تھا کہ اب چلنا چاہیے۔ رونق کے سلسلے میں وہ بابا صاحب سے سب باتیں کر چکے ہیں۔ بابا صاحب کو ان کی کسی شرط پر اعتراض نہیں ہے۔ مگر لگتا ہے وہ بہت افسردہ ہیں۔

ماہین کے پاس ان کی کسی بات کا جواب نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہ خود بھی کن حالات میں تھے۔ بچے آئے وہ اس وقت آ گئے تھے اور آتے ہی یاور علی خان تیار ہو کر میٹنگ میں چلے گئے تھے۔ باری بھی نظر نہیں آیا۔ وہ اپنی کوٹھی میں محو خواب دیکھ کر وہ آرام کر لے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اسے یاور علی خان کی واپسی کا انتظار تھا۔

اعصابات بول رہے تھے گویا کوئی بہت بڑا مسئلہ حتمی حل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اس نے کپڑے نکال کر شاور لینے کا ارادہ کیا کہ پھر ریسٹ کرنے کا ارادہ تھا۔ رات بھر بھی سو نہیں پائی تھی۔ اور سارا دن سفر میں کٹ گیا تھا۔

شاور لینے کے بعد باہر آئی تو مغرب کی اذانیں ہو چکی تھیں۔ اس نے پہلے عصر کی قضا اور پھر مغرب کی ادا کی تھی۔ جانے کیا وقت تھا جب تیز روشنی کے سبب آنکھ کھل گئی تھی۔ گہری نیند سے اچانک بیدار ہوئی تھی تو کچھ سمجھ نہ آیا کہ کہاں ہے۔

کچھ دیر بعد مسکراتا ہوا تو سامنے یاور علی خان کو پایا' وہ کوٹ اتار رہے تھے۔

"کھانا کھالیا؟" وہ ماہین سے پوچھ رہے تھے۔

"نہیں۔ آپ نے کھالیا؟"

"ہوں۔" بہت مختصر جواب آیا۔

"تو پھر کھالیں۔ شاید دیر بھی آپ کا انتظار کر رہی ہو۔"

"ہوں کھالوں گی۔" اس نے دلال کاک کی سمت دیکھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

"میرا خیال ہے بہت تھک گئی ہیں۔ ویسے آپ نے بہت زحمت کی۔ جب انسان کبھی کسی واقعے پر بہت سوچتا ہے تو حقائق روشن ہو ہی جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے۔ بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ نتائج ان ادا ہو سکتے ہیں نہ کالعدم۔"

وہ کوٹ اور ٹائی صوفے پر ڈالتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"یعنی آپ کا مطلب ہے کہ آپ آل ریڈی سب کچھ جان چکے تھے۔ جب ہی تو میں حیران ہو رہی تھی کہ آپ بولے کیوں نہ پڑے۔ لیکن جب حقائق روشن ہو چکے تھے۔ تو مجھے انتظام کی بھینٹ چڑھانے کا استفسار کرنے کی کیا تک تھی؟" وہ ایک دم تلخ ہو گئی۔

یاور علی خان ذرا طرح چونک گئے۔ "انتظام؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"یہی کہ آپ نے میری بہن کو ٹالی ہار پہنانے کے لیے مجھ سے شادی کی۔"

"اوہ سو یو تھنک۔" وہ حیرت سے بولتے بولتے ایک دم ٹھٹک گئے۔

"تو پھر آپ کو ایک اور قربانی دینا چاہیے تھی۔ سنک میل کی طرح مجھ سے صرف نظر کر کے گزر جانا چاہیے تھا۔ کیوں ٹھہرے۔ رکے پھر کیوں۔ کیا آپ کو احساس نہیں تھا کہ میری آپ سے شادی ادھر تھی ہی خانگی نجوز ہو گی؟ وہ کتنی بڑی ٹریجڈی ایبٹ میں بتلا ہو جائیں گی؟" ماہین جیسے چیخ پڑی۔

"آپ یہ سب سوچنے میں حق بجانب ہیں۔ لیکن آپ سے شادی کی ریزن یہ نہیں ہے۔ ٹالی کے بس موڑ پر مجھے بتایا گیا تھا۔ اس موڑ پر صرف آپ کھڑی ہوئی ملیں۔ شاید خواہ مخواہ ہی راہ چلتی مگر آپ کی توجہ سے توجہ ہٹ جانا کوئی آسان بات نہیں تھی میرے لیے۔

فائوں' کتابوں میں مستغرق پائو نہیں ملتی۔ مجھا اس کی طلب پر تو ان کا سب سے زیادہ حق ہوتا ہے نہ۔ دھوپ میں بہت چلے ہوں۔

آپ مجھے اس اپالوجٹ کر سکتی تھیں۔ میں آپ کو ملزم نہیں کر رہا ہوں۔ چاہے جانے کی خواہش ہر لڑکی فطرت میں موجود ہوتی ہے۔ ایک خوبصورت 'ذہین اور کیچنگ لڑکی ہر معقول انسان کو اسپائر کر سکتی ہے۔ اور عالم دیوانگی میں تو ایسی لڑکی بہت الریکٹ کرتی ہے جبکہ وہ اس اپالوجٹ بھی نہ کر رہی ہو۔ پھر کوئی مصلحت اتنا رحم نہیں رکھتی کہ دیوانگی کے اس مقام پر مزاحمت کر سکے۔ ایبنارمل کے بعد بہت سوچا تھا کہ کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔

ایسا میں نے نہیں کیا تھی۔ ایسا آگے والوں نے کیا تھی۔ ہر لیے کے سے اصل حسابوں نے کیا تھی۔ نہ کوئی بات حوالے میں کمی ہوتی ہے نہ زیادتی۔ سب کچھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔"

"سب نے جو کیا وہ غلط کیا۔ سب پر اس فلسفے کی بجائے کچھ اور ہی طرح واضح ہونا چاہیے۔ جو آپ نے کیا وہ ٹھیک ہے۔" ماہین بولی پر اثر دکھی تھی پھر جھجکتے سے آگے کہنے لگی۔

یاور علی خان نے غور سے سر جھکا کر سنا اور پھر سر اٹھا لیا۔ ماہین نے نظریں جھکا لیں۔

"جس کے ذہن میں جو آئے وہ کہہ سکتا ہے اس کو روکا نہیں جا سکتا ہے۔ مگر اب جو عمل کیا جا چکا ہے اس پر ہی سوچا جا سکتا ہے۔ آپ کے پاس کیا ہونا چاہیے' اب اس پر غور کرنا بے سود ہے۔ آپ کے لیے آپ کی ذات اور وجود کا سوچنا ہے۔ آپ کے پاس کیا ہونا چاہیے' اب اس پر غور کرنا بے سود ہے۔ آپ کے لیے آپ کی ذات اور وجود کا سوچنا ہے۔ آپ کا اپنا ایک بچہ ہونا چاہیے۔ آپ کے مستقبل قسم کے کمرشل کا حصہ ہونا چاہیے۔ ٹی وی اور اخبار میں فیچر بننا چاہیے۔ ان کے نئی فلم تو ڈوبتے ہی ہیں۔"

ماہین نے ان کی طرف حیرت زدہ سے دیکھا۔

"یاور صاحب آپ کی موت کی ویلیو بہت کچھ ہے۔ ایک مرتبہ تو امتحان تک پہنچا دیتے۔"

"بہتر ہوتا اگر ایک وقت میں صرف ایک فرد کا مالک ہوتا۔ کیا آپ ٹالی کے لیے وقت نہیں نکال سکتیں۔ آپ کے پاس ہے تو پہلا دوسری طرف اس کے معنی اپنی اہمیت کھو چکے ہیں۔ اب آپ مجھے کسی فلم کے لیے مجبور نہیں کریں گی۔"

وہ بہت شاداں اور شگفتہ سے انداز میں کہتے ہوئے واش روم سے شب خوابی کا سوٹ نکال رہے تھے۔

"ٹی ٹالی سمجھوتے کی راہ نہ چلیں۔ کیا معلوم کسی موڑ پر محبت دوبارہ آ گھڑی ہو۔"

"اب حقائق روشن ہو گئے تھے۔ تیمور علی خان سے اس قدر نفرت کیا معنی؟ کہ ان کے دوست کا بیٹا بھی آپ کی ناپسندیدگی کی زد پر آ گیا۔"

وارڈ روب کی سمت بڑھتے قدم رک گئے۔ یاور علی خان نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھا۔

"یہ نفرت نہیں ہے ٹی وہ بے کی ذلت آمیز بے بسی ہے۔ اس ڈس نیس میں بہت ریلیف ہے۔ میں نے کہا تھا۔ ان کے حد کر دی اپنے دکھ کی انتہا کبھی کسی کو نہیں بتانی اور نہ بتانے کا ارادہ ہے۔ بیٹا اب دل کا کچھ ہلکا ہوا۔"

"سب سے اہم ذمہ داری تو بابا صاحب پر عائد ہوتی ہے۔" ماہین کہے بنا رہ نہ سکی۔

یاور علی خان نے اپنی بات کے کچے ہونے کا ثبوت دیا اور خاموشی سے واش روم میں چلے گئے۔

واپس آئے تو ماہین بے تحاشا کانپ رہی تھی۔

"آپ کو تو بہت پانی ہوں تو وحشت ہونے لگتی ہے۔" وہ مسکرا دیے تھے۔

"جب قضائے الٰہی سے کسی کا پیارا بچھڑتا ہے تو لوگ اللہ پر اختیار نہ ہونے کی گرہ باندھ لیتے ہیں۔ ... آپ ٹی جواب دیں۔ اب میں کہہ رہا ہوں کہ بات اسی پوائنٹ سے ختم کر دیں۔" احساس نرم' کان تک نہ پہنچا تھا۔ لیکن ہے زندگی کی علامت لگتا جائے۔ ... اور دوسری صورت میں واقعی کچھ ہو جائے گا۔ جائیے آپ کو نیند آ رہی ہے۔"

"اتنی برداشت اتنی پیداوار۔ کاش بہت پیسے ہوتے۔ محترم عظیم بڑا کچھ تو تعلیم و تربیتی عطا کرتے ہیں۔ اگر ماں نہ ہو تو کیسی بھی کوئی بچا نہ ہو اتنا کچھ نہ ہو۔"

اس نے دوپٹے سے آنکھیں صاف کیں اور سلیپر پاؤں میں ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

یاور علی خان آئینے کے سامنے کھڑے بالوں میں برش چلا رہے تھے۔

"کیسا لگ رہا ہے۔ میری زندگی۔" وہ یہ کہہ کر باہر نکل آئی۔

غلام محمد کا انتظار کرتے کرتے عورت کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ سب بچے ادھر ادھر پڑے سو رہے تھے۔ اور برآمدے میں ہاورچی پر اسے جانے سوری تھی کہ جاگ رہی تھی۔

باورچی سے کچھ پیٹے غلام محمد گھر میں داخل ہوا۔

بالو کی ماں بڑی سرعت سے اٹھی۔

"اتنی دیر لگا دی۔ کہاں رہ گئے تھے۔ ایک تو حالات ایسے ہیں کہ دل ہول کر آدھی ہو گئی۔ مل گیا تھا عارف۔ بات ہوئی اس کی لال خان سے؟"۔

غلام محمد نے کاندھے سے چارخانے والا رومال پلنگ پر ڈال کر ہاتھ اٹھایا جیسے کہہ رہا ہو سبر تو کرو۔ بتاتا ہوں۔

"ایک گلاس پانی پلاؤ۔" وہ پلنگ پر بیٹھ گیا۔

بالو کی ماں بڑی پھرتی سے پانی لائی۔ اس کی ایک ایک حرکت سے اضطراب اور بے چینی واضح تھی۔

غلام محمد نے پانی پی کر گلاس اسے واپس تھمایا۔ اور دونوں ہاتھ پلنگ کی پٹی پر جما کر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔

"اب بتاؤ بھی روداد عارف ملا یا نہیں؟" وہ اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"ملا تھا۔" غلام محمد اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"یا اللہ۔ پورا کیوں نہیں بول رہے؟ جواب کیا ملا؟" بالو کی ماں کا ضبط جواب دے گیا۔

"وہ منہ بنائے گا اب اسے۔ کہتا ہے عورت اعتبار کی ہوتی ہے۔ اسے واپس لا کر اپنی عمر بھر کی نیندیں گنوا دوں۔ جیسے ہر وقت چوری کا دھڑکا لگا رہتا ہے ویسے بے وفا عورتوں کا گھر ہو اور لٹنے کا خطرہ۔ کسی پل سونے نہ دے۔ مان لے بالو کی ماں۔ ہمارے نصیب اچھے نہیں۔ ایک ذرا سی کو بھولی بھالی روشنی اس گھر میں آئی تھی بس۔"

غلام محمد ایک دم یوں خاموش ہو گیا جیسے اپنے دکھ پر نوحہ خوانی کرنے لگا ہو۔

بالو کی ماں سناٹے میں رہ گئی تھی۔ اسے ایک گمان سا تھا کہ کسی نہ کسی طرح عارف لال خان کو آمادہ کر ہی لے گا۔

"عارف کہہ رہا تھا لال خان نے بچے کی اسے ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ مہینے کے مہینے اس کا خرچہ بھیجتا رہا کرے گا۔" وہ یہ بھی کہہ رہا تھا۔ اگر بالو کی دوسری شادی ہو گئی تو وہ اپنے بچے کو آ کر لے جائے گا۔ اسے بھی اپنے ساتھ باہر لے جائے گا۔"

بالو کی ماں گم صم کیفیت سے دوچار ہو گئی۔ "اور ہری شادی؟" تو تم کو ہاں کہہ آئے ہو۔ بالو کے ساتھ۔"

"وہ بالو کے ساتھ رہ تو نہیں سکتا۔ ہاں خرچہ دینے کی حرکت ہو گی۔

"وہاں تو خراب ہے نیا۔ ایسا اور بھی نہیں کہ عمر بھر کی ذمہ داری اٹھا سکے۔ [illegible] نہیں ہے۔ بڑے لڑکے کی بے وقوف عورت۔" غلام محمد کے کراہنے کی آواز [illegible] بے کی تو بھی نہیں کرنے کا وہ۔ وہ اور قسم کا مرد ہے۔ کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے۔ اگلی چاہیں میں بھی اس کے گھر سے [illegible] غلام محمد نے عارف کی بیوی کی بابت اشارہ دیا۔ اسے نہیں چاہیے گھر والی۔"

بالو کی ماں دکھ سے چور کافی دیر تک ایک ہی زاویے سے بیٹھی رہی۔

"کیسی عزت آبرو تھی اس گھر میں۔ کیسی باس کی بات تھی۔ جیسے بیک جنبش ہوا کو تھم گئی ہو۔ گھڑی کی ٹک ٹک رک گئی ہے۔ آہ۔"

اس نے سرد آہ بھی کھینچی اور ہاتھ بھی ملے۔ دونوں کے درمیان ایک گہری خاموشی چھا گئی۔

"ہزار دو ہزار تو جمع کر ہی لیے ہوں گے۔ کچھ سیے کے لیے۔"

بار بار کر بالو کی ماں نے جیسے خود کو دوسری سمت سے بہلانے کی کوشش کی۔

غلام محمد نے کوئی جواب دیا۔ وہ عظیم فضل کی طرح اپنی قسمت پر بہت توجہ سے غور کر رہا تھا۔

روشنی مایوں بیٹھ چکی تھی۔ دربار بستی سے تمام خواتین و لڑکیاں آئی تھیں۔ کرایہ سے روشنی آرا بھی آئی تھیں۔ سب اپنی حیرت چھپانے خوشی میں مصروف تھے۔ بابا صاحب کے بارے میں پتا چلا تھا وہ صرف بارات میں شریک ہوں گے۔ حویلی میں صرف بھی نہیں وہ کیوں نہیں آئیں۔ کسی کے پاس جواب نہیں تھا۔

باری تو صبح ہونے ہی جائے کہ صرف غائب ہو جاتا تھا۔ لڑکیوں کے ہاتھ میں ہی لپکی لگی رہ گئی۔

رات میں جانے کب آتا تھا۔ سب سے بڑھ کر تو تین میں اس کے کان کھینچنے کے لیے بے تاب تھیں۔ صرف پہلے روز اس کی جھلک سی دیکھنے کو ملی تھی۔

سب نے مل کر روشنی کے تو تقریباً لتے لے ڈالے تھے۔

"اس مسٹری مین سے پوچھو وہ کہاں اور کب پایا جاتا ہے۔" زرنی نے روشنی کی طرف سب کو للکارا دیا۔ اسے نہیں کھانا پڑیں گی کہ اسے نہیں پتا۔

مابین نے بھی لاعلمی کا مظاہرہ کیا اور ساتھ ہی انداز سے یہ بھی کہہ دیا کہ "مشکل ہے خیر آباد چلا جاتا ہے۔ دل موسم کے بدل رہے جا رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے اسے شرم دیر سے آئی ہو۔ شکر ہے بیٹا مسکرانا بروقت ہے۔"

"ارے روشی آپا کیا کہہ رہی ہے اسے۔"

روبی نے تانیہ کی شکایت کی۔ روشی کو تو فرصت ہی نہیں تھی۔ اس کے سامنے لوگوں کی سرزنش تھی۔ روشی کے سامنے ہاتھوں بھاگ جانے والی لڑکیوں کی مثالیں تھیں۔ نازنین کے بے پناہ اصرار کے باوجود اس نے ڈنر نہیں لگوایا تھا۔ یہ کہہ کر ٹال دیا تھا۔

"بی بی جان! اس میں عجیب سی اسمیل آتی ہے۔ میں ماسک لگالوں گی۔ بالکل "اسمیل فری" ہے۔"

"ہونہہ۔ خالص چنبیلی کے تیل میں اسے عجیب سی اسمیل آتی ہے۔ بچوں میں سے کسی کو اسمیل آئے گی تو اٹھا کر پھینک دے گی۔" وہ بہت بے مزا ہوئی تھیں۔

اتنے ہنگامے میں ماہین کے اجلے اجلے انداز کسی نے نوٹ نہیں کیے۔ ان چار پانچ گھنٹوں میں اس نے دو مرتبہ سر سے نہا کر کے نازنین کی خجالت دور فرمائی تھی اور گھر میں بڑھاپے والے خوشگوار ہنگامے کی جھلک بھی نہیں دی تھی۔ کرسمس کے ٹانگے نئے سرے سے اٹھنے لگیں گے۔

برسوں روشنی کی رہگزر تھی اور آج رات گیارہ بجے نازنین خوبصورت جا رہی تھی۔ لڑکیاں کھانے کے بعد پھر اسموک جلانے بیٹھ گئی تھیں۔ وہ بڑی بے سکون اور بے کل بے کل سی اوپر لیٹرس میں آ کھڑی ہوئی۔ اور دور دور اس تاریک خالی خالی نظر دوڑانے لگی۔

"واہ بھئی! آپ کی بیٹی کے پاس میں ہوں میری خوشبو ہے۔ آپ ہیں تو اس کے قریب۔" اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔

جانے کب تک وہ بے خبری کی کیفیت میں کھڑی رہی تھی۔ یونہی خود بخود محسوس ہوا تھا کہ جیسے اس کے علاوہ بھی اور کوئی موجود ہے۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ یاور علی خان کھڑے کش لگا رہے تھے۔

اسے متوجہ پا کر انہوں نے سگریٹ منہ سے نکال لیا۔

"آیئے۔ میرے ساتھ۔" وہ پلٹ گئے۔ اور ماہین کسی معمول کی طرح ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

وہ نیچے آ کر یاور علی کی سمت بڑھ رہے تھے۔ اگلا دروازہ کھول کر ماہین کو اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ خود دوسری طرف سے گھوم کر آئے اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

ماہین نے ان سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔

چوکیدار نے گیٹ وا کیا اور یاور علی خان تیزی سے گاڑی نکال لے گئے۔

صرف دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ اسلام آباد ایئرپورٹ پر موجود تھے۔ دس منٹوں میں بھی ان کے درمیان خاموشی حائل تھی۔ مگر ایئرپورٹ پر نظر پڑتے ہی اس نے بے تحاشا چونک کر یاور علی خان کی سمت دیکھا تھا۔ جواب میں انہوں نے ایک کارڈ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"اگر سیکورٹی کی وجہ سے کوئی پرابلم ہو تو یہ کارڈ دکھا دیجئے گا۔ آپ جایئے میں ویٹ کر رہا ہوں۔"

"آ۔ آپ۔ کو کیسے معلوم ہوا؟ مگر۔۔۔؟" وہ اٹکنے لگی۔

"آپ جایئے پھر آپ کے پاس وقت نہیں ہے گا۔" پہلی بار انہوں نے اس کی بات کاٹی تھی۔

سامان وہ پیک کر چکی تھی۔ اس نے بے یقینی سے سر جھکایا۔ وہ اندر جانے لگی تو یاور علی خان نے پکار لیا۔

"ماہین! ہم آپ کے منتظر رہیں گے۔ اگر آپ نہ آئیں تو ہم سمجھ جائیں گے کہ آپ نے ہمیں معاف کر دیا ہے۔"

ماہین ہنگامے سے تھک گئی تھی اور بے یقینی سے انکار کرنے لگی۔

تقریباً تین چار منٹ بعد نازنین اور محمود علی خان وہاں آتے دکھائی دیئے۔ محمود علی خان نے ماہین کو دیکھ لیا تھا۔ نازنین کا بازو تھامے وہ اسے لیتے ہوئے ان کی جانب لے آیا تھا۔ وہ سبز سوٹ میں ملبوس جس پر فیروزی رنگ کے جسم سے کام ہوا تھا۔ پہنے ہوئے تھے۔ یہ فیروزی رنگ کا دوپٹہ سینے اور بازوؤں پر پھیلا ہوا تھا۔ جس پر کامدانی سلور رنگ کی رنگینی مچل گئی ہوئی تھی۔ کمال کی جاذبیت کھل رہی تھی۔ بال سادہ چوٹی کی شکل میں بنے ہوئے تھے۔ چند سرخ لپ اسٹک نے پھولے پھولے لبوں اور نیلی آنکھوں کو دلکش بنا دیا تھا۔ دائیں ہاتھ میں میز اور سلور رنگ کی بہت کمپیوٹریاں تھیں اور بائیں کلائی پر چھوٹے ڈائل کی گھڑی بڑی سجیلی لگ رہی تھی۔ مگر ماہین کو ان کے ہاتھ کسی طور کہیں سے لڑکیاں نہیں لگا تھا۔

وہ پھولے پھولے قدم رکھتی باہر آئی تھی۔ سامنے ماہین کو دیکھ کر خوشی اس کی آنکھوں میں جھلملا اٹھی تھی۔ وہ تیزی سے اس کی سمت بڑھی۔ اور اسے گلے سے لگا لیا۔

"ہائی گاڈ۔ یہ تو بالکل غیر متوقع ہے۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ بالکل۔ بہت اچھا کیا۔ کوئی تو اپنا وقت رخصت سامنے ہو کی آخری قصہ یاد آنکھوں میں بسی رہے۔"

"خدا نہ کرے بچو! اللہ کرے آپ صحت کی خوشخبری بہت جلد سنیں۔" ماہین نے ٹوک کر اسے روکتے ہوئے کہا۔ "کتنی حسین لگ رہی ہیں۔ سب آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ خدا کرے یہ زندگی میں تمام عمر دیکھوں۔ آمین۔"

"کیا کروں گی صحت پا کر۔" وہ افسردہ سے انداز میں مسکرائی۔

"بہت سے لوگ اب بھی آپ کی ضرورت بہت شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ یہ گمان ہے۔" وہ سمجھانے لگی۔

"ڈرائیونگ کے ساتھ آئی ہو؟ روشی اور تھاد کیسے ہیں؟"

"جولیٹ بھی آج آ رہا ہے اسلام آباد۔ روشی ٹھیک ہے۔" اس نے جلدی سے جواب دیا۔

"اچھا اپنے کس کام سے آ رہا ہے یا ایسے فل تم لوگوں کے ساتھ ویک اینڈ گزارنے؟" نازنین کے لہجے سے ناراضگی جھلکنے لگی۔ "میں نے سنا ہے۔ میرا بیٹا بہت گریس فل اور ذہین ہے۔ ماشاء اللہ۔ تم کیا آئی ہو ان لوگوں کے پاس۔ میری جان کو سکون مل گیا ہے۔ ان کی زندگی میں بہت سے سونو آئیں گے۔ ایسے فیصلوں میں ان کی ہیلپ کرنا۔ آئی وِل تھینک فل ٹو یو۔"

اس نے ایک مرتبہ پھر گرم جوشی سے ماہین کو گلے سے لگایا۔ کافی دیر دونوں سے خاموشی سے ایک دوسرے کو محسوس کیا۔ پھر بچھڑنے کا لمحہ آن پہنچا۔ نازنین بہت دیر سے اس پر ایک تاثر اخذ کر رہی تھیں۔ وہ تنہا واپس ہوئی تو ماہین کی نظر

تیمور علی خان پر پڑی۔ عالیہ اور ثانین کو بلانے کی غرض سے وہاں تک آئے تھے۔ شیشے کے پیچھے کھڑے ہوئے تیمور علی خان ثانین کے ساتھ بہت ہم آہنگ نظر آ رہے تھے۔

"آپ تو ابھی ہی ثانین کے ساتھ اجنبی بن کر ہیں سال گزارے ہیں۔"

تیمور علی خان نے اداسی انداز میں ہلتے ہاتھ کی انگلیوں کو حرکت دی اور ثانین کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔

ماہین جانے کس خیال میں گم دروازے تک آ کر رہ گئی۔ کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر گم یا ہوش میں آئی تھی۔ اور بہت عجلت بھرے انداز میں پارکنگ لاٹ کی طرف آئی تھی۔

ہادی علی خان اپنی طرف کا دروازہ کھولے۔ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ماہین نے کوئی بات کیے بغیر کار ان کی سمت بڑھا دیا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

انہوں نے فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

ماہین نے عدم توجہی میں ایک نگاہ ان کے چہرے پر کی۔ آنکھیں نیم وا۔ ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے۔ جانے کیوں کوئی عام سی بات کرنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی۔ اس نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

انتظام بہت محدود پیمانے پر تھا۔ جتنے افراد حویلی کے تھے اتنے ہی باہر کے تھے۔ ہادی کو صبح ہی سے گرفتار کر لیا تھا۔ بی بی کے کان کھینچے گئے تھے۔

مختلف زاویوں سے اسٹرو لیا گیا تھا۔ بال کی کھال نکال لی گئی تھی۔ وہ تو عالم تاب کی بروقت۔ مداخلت نے اس کی جان چھڑائی تھی۔

فوٹو کاپی پر "مسٹر فراڈیے" باقاعدہ اسے سامنے لکھا کر لایا گیا۔

وہ بھی اوکے کا بیٹا ہے۔ مسٹر فراڈیے۔

یہ گردان جاری تھی کہ عالم تاب آ گئی تھیں۔ اور یوں اس کی جان چھوٹی تھی۔

"کاکا جان کے بعد یہ دوسری" محبت زندہ باد ہے۔" روبی نے اہم نکتے کی طرف ان سب کو متوجہ کیا تھا۔

روشی ذلیحہ بی ہادی کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ وہ سب انہیں گھیرے کھڑی تھیں۔ تصاویر کا سلسلہ جاری تھا۔

"اللہ وشی کتنی پیاری لگ رہی ہے۔" بینے بہت سرخوشی کی کیفیت میں کہا تھا۔

"ہادی اگر کہو تو تم تو ماں کے آنے کی طرح بیٹھے ہو۔ آج بیٹی یا لڑکی کار گزاری کی داد تم بھی دو۔" مودے نے ہادی کو ٹھوکا دیا۔

مرتا ہوں سادگی پہ کہ فطرت کا حسن ہے
میرے لیے نہ خود کو سنوارا کرے کوئی

ہادی نے بڑی شریر مسکراہٹ کے ساتھ ایک لو بارکی کے مصداق جواب دیا تھا۔

"ہا۔ ہا۔ ہا۔" ایک ہا ہا کار مچ گئی۔

"بی بی جان! ہماری تو بھیس" وشی کو ٹھوکا دیا ہے۔" ذلیحہ نے شرارتاً کہا تھا۔

"ہاری! کیا تم نے وشی کو دیکھا" مریم نے یاد دلایا تھا۔ "کچھ پتہ چلا اس کا۔"

"صرف اتنی تو دیکھا ہے اور تو کوئی نظر نہیں آیا۔" ہادی نے لب کشائی کی۔

ماہین نزدیک ہی کھانے کا انتظام دیکھ رہی تھی۔ شرعی مشکلات تھیں اس کے ذہن میں بھی تھیں۔ وہ ان کے وہاں جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ خود ان آنے کی اطلاع آ گئی۔ وہ تھے عمل کرنے کی جلدی سے اپنی بیٹی کو لینے آئے تھے۔ ہادی علی خان بھی ان کے ہمراہ تھے۔

"ہیلو!" اس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ دوسری طرف حاتم تھا اور حضرت اگر ہاتھ ہلا کر ہیلو کہہ سکتی تھیں۔ یقیناً بہت زور لگا رہی تھیں۔ مسز تیمور علی خان آن لائن تھیں۔

ماہین کا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اللہ کرے خیریت کی خبر ہو۔

"ہیلو! السلام علیکم۔ تیمور علی خان بول رہا ہوں۔ کیسی ہیں آپ۔"

"وعلیکم السلام کیسے ہیں۔ بھرکی طبیعت کیسی ہے؟" اس کی آواز میں لرزش آ گئی تھی۔

"ٹھیک ہیں۔ پہلا چیک اپ آج تین بجے ہوا ہے۔ اچھی خبر یہ ہے کہ وشی پر بہت اچھا اثر ہوا ہے۔ آپ دعا کریں۔ ہم آپ کو اس لیے بھی فون کر رہے ہیں کہ اب آپ پاکستان میں ہوں گے۔ دیکھیے گا۔ ہم یہاں دو ماہ کے لیے ہیں پھر لندن چلے جائیں گے اور وہیں سیٹل ہوں گے۔"

"ہماری خیال ہے یہ ہم سب کے لیے بہت بہتر ہے۔ ان کا ایک مرحلہ طے ہو گیا ہے۔ اب بہت ضروری ہو گیا ہے۔ علاج یہاں کرانے ہم دو تین ماہ کے اندر پاکستان آئیں گے۔ ہم سے مطلب صرف ہم۔ ایسے ہے موصلہ افزا خبر آپ کے لیے بھی بہت بڑی خوشخبری ہے۔"

"بی بہت زیادہ۔ بیان سے باہر ہے۔ آپ کی اس وقت ریئل فیلنگ کیا ہے ہادی آپ خوش ہیں؟"

"اپنا ایسے انسان واقعی یہ بہت اچھی خبر ہے۔ آپ ہماری طرف سے بے فکر رہیں۔" تیمور علی خان بہت سکون سے بات کر رہے تھے۔

آپ کے لیے ایک شعر ہے۔

بہت حوصلے والے تیرا ساتھ دیں گے
زندگی ادھر آ جا ہم تجھے گزاریں گے

"اس میں آپ کا" ہم" بھی موجود ہے۔" ماہین ہنس پڑی تھی۔

"سو ہاپی۔ تھینکس۔ اور آپ کیسی ہیں۔ کیا کر رہی ہیں۔"

"بھرکیں۔ اچھی مصروفیت تھی۔" اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''آپ بجو کا خیال رکھیے گا۔ وہ وہاں جا کر آپ سے خفا تو نہیں ہوئیں گزریں تو نہیں؟

ع اُسے میری چپ نے رُلا دیا جسے گفتگو میں کمال تھا

ماہین کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ اسے گمان بھی نہیں تھا کہ تیمور علی خان شاعری بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ تیمور علی خان نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اور وہ ریسیور ہاتھ میں تھامے ہنوز ایک ہی زاویے سے کھڑی تھی۔

''بات تو پھر یہ ہوئی بجو کہ ازل سے ہمارے درمیان طویل فاصلے طے ہیں۔''

وہ ریسیور رکھ کر دوبارہ لان میں آئی تو منظر ہنوز وہی تھا۔ روشنی کے چہرے پر پامالی کے وہ رنگ تھے کہ دل سے مسافت و تھکن کی دھول اُترنے لگی۔

یاور علی خان مین گیٹ پر تنہا ہی کسی جوڑے کا استقبال کر رہے تھے۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی ان کے پہلو میں جا کھڑی ہوئی۔

☆----------☆

copied from web

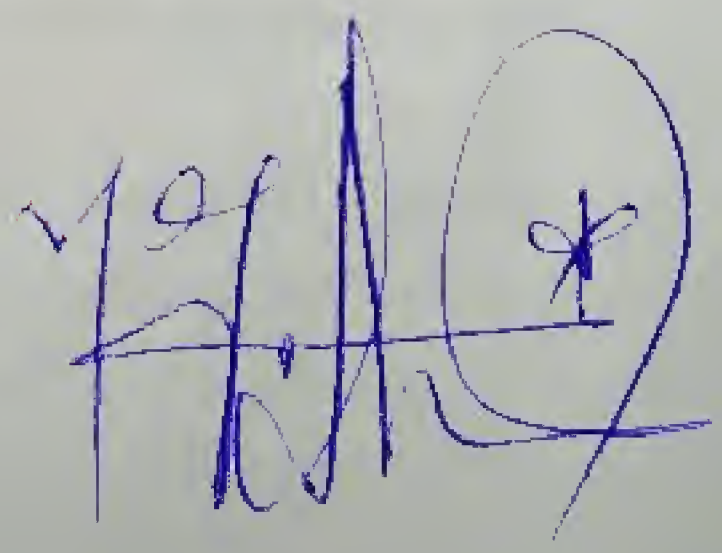

9-4-2008